تاریخ
دعوت و عزیمت

حصّہ پنجم

تذکرہ حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلویؒ

احیاءِ دین، اشاعتِ کتاب وسنت، اسرار ومقاصد شریعت کی توضیح و تنقیح، تربیت وارشاد اور ہندوستان میں ملّت اسلامی کے تحفظ اور تشخص کے بقا کی اُن عہد آفریں کوششوں کی روداد، جن کا آغاز حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف وخلفاء کے ذریعہ ہوا،

مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

مجلس نشریاتِ اسلام
۱۔کے۔۳ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۱۸

جملہ حقوق طباعت واشاعت پاکستان میں
بحقِ فضل ربی ندوی محفوظ ہیں۔

مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ

اپنی حیات میں مندرجہ ذیل اداروں کے ذمہ دار رہے

- ناظم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ
- رکن مجلس شوریٰ دارالعلوم دیوبند
- صدر مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ
- صدر مجلس انتظامی ومجلس عاملہ دارالمصنفین اعظم گڑھ
- رکن عربی اکادمی دمشق
- رکن مجلس شوریٰ جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ
- رکن مجلس تاسیس رابطۂ عالم اسلامی مکہ معظمہ
- رکن مجلس عاملہ مؤتمر عالم اسلامی بیروت
- صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ
- صدر رابطۃ الادب الاسلامی العالمیۃ
- رکن مجلس انتظامی اسلامک سینٹر جنیوا
- سابق وزیٹنگ پروفیسر دمشق یونیورسٹی ومدینہ یونیورسٹی
- صدر آکسفورڈ سینٹر فار اسلامک اسٹڈیز آکسفورڈ یونیورسٹی آکسفورڈ۔

نام کتاب ——— تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ پنجم)
تصنیف ——— مفکر اسلام مولانا سیّد ابوالحسن علی ندویؒ
طباعت ——— احمد برادرز پرنٹنگ پریس۔ کراچی
ضخامت ——— ۴۸۴ صفحات
ٹیلیفون : ۶۶۰۱۸۱۷

اسٹاکسٹ: مکتبہ ندوہ قاسم سینٹر اردو بازار کراچی

ناشر

فضل ربی ندوی

مجلس نشریاتِ اسلام ۱۔ کے۔۲ ناظم آباد مینشن۔ ناظم آباد ۱ کراچی ۷۴۶۰۰

تاریخ دعوت
و
عزیمت

حصۂ پنجم ۵

اردو ـــــــــــ لکھنؤ وکراچی

عربی بنام " رجال الفکر والدعوۃ فی الاسلام " الجزء الرابع

انگریزی بنام "SAVIOURS OF ISLAMIC SPIRIT VOL. IV"

فہرستِ عناوین

"تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم"

پیش لفظ	۹ — ۱۴
باب اول عالم اسلام بارہویں صدی ہجری میں	۱۵ — ۴۱
بارہویں صدی کے اسلامی ممالک کے حالات اور انقلابات کے مطالعہ کی اہمیت	۱۵
ہندوستان پر ایران کے ثقافتی و تہذیبی اثرات	۱۸
سلطنت عثمانیہ کی عظمت و اہمیت	۱۹
عالم اسلام کی سیاسی حالت	۲۰
سلطنت عثمانیہ بارہویں صدی میں	۲۰
حجاز کی صورت حال	۲۲
یمن	۲۴
ایران	۲۵
نادر شاہ افشار	۲۶
ایران نادر شاہ کی وفات کے بعد	۲۸
افغانستان اور احمد شاہ ابدالی	۲۹
افغانستان احمد شاہ ابدالی کے بعد	۳۰
عالم اسلام کی علمی و دینی حالت	۳۰
بارہویں صدی کے اہلِ کمال	۳۱
عالم اسلام کے علمی ادبی و روحانی ذوق پر ایک نظر	۳۴
ایران میں علوم عقلیہ کا غلبہ اور اس کا ہمسایہ ممالک پر اثر	۳۵
عام اخلاقی، معاشرتی اور اعتقادی حالت	۳۸
باب دوم ہندوستان	۴۲ — ۶۴
سیاسی حالت	۴۲
اورنگ زیب عالمگیر	۴۳
اورنگ زیب کے کمزور جانشین	۴۵
شاہ عالم بہادر شاہ اول ۱۱۱۹ھ — ۱۱۲۴ھ	۴۷
فرخ سیر	۵۰
محمد شاہ بادشاہ (م ۱۱۶۱ھ)	۵۱
شاہ عالم ثانی	۵۷
علمی و روحانی حالت	۵۸
اخلاقی و معاشرتی پستی	۶۱
اعتقادی کمزوری اور شرک و بدعات کا زور	۶۲
باب سوم شاہ صاحب کے اجداد و والد بزرگوار	۶۵ — ۹۶
شاہ صاحب کے اجداد	۶۵
شجرۂ نسب	۶۶

خاندان کی ہندوستان آمد ۶۷
رُہتک کا قیام ۶۸
شیخ شمس الدین مفتی سے شیخ وجیہ الدین تک ۶۹
شاہ صاحب کے دادا شیخ وجیہ الدین شہید ۷۱
شاہ صاحب کے نانا شیخ محمد پھلتی ۷۵
شاہ صاحب کے عم محترم شیخ ابوالرضا محمد ۷۶
والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم ۷۸
تعلیم ۸۱
اخلاق و شمائل و معمولات ۸۶
حمیتِ اسلامی و دور اندیشی ۸۷
ازدواج و اولاد ۸۸
وفات ۸۸
حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب شاہ ولی اللہ صاحب کی نظر میں ۸۹
ہندوستان کے عربی النسل خاندان اور ان کی خصوصیات و روایات ۹۰

باب چہارم مختصر حالات زندگی ۹۷ - ۱۲۹

ولادت ۹۷
تعلیم ۹۹
شاہ صاحب کا پڑھا ہوا نصاب ۹۹
والد ماجد کی شفقت و تربیت اور اجازت و خلافت ۱۰۲
شادی ۱۰۴
دوسرا عقد ۱۰۵
سفر حج ۱۰۷
شاہ صاحب کے مشائخ و اساتذۂ حرمین ۱۰۹
شاہ صاحب کا درس حدیث ۱۱۴
حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب کی زبانی حضرت شاہ صاحب کے بعض خصائص و معمولات ۱۱۷
وفات ۱۱۸
مدفن ۱۲۸

باب پنجم شاہ ولی اللہ صاحب کے تجدیدی کارنامے، اصلاح عقائد و دعوت اِلی القرآن ۱۳۰ — ۱۶۸

شاہ صاحب کے دائرۂ تجدید کی وسعت اور تنوع ۱۳۰
عقائد کی اہمیت ۱۳۲
عقیدۂ توحید کی از سرِ نو تبلیغ و تشریح کی ضرورت ۱۳۵
مرض کا علاج اور اصلاحِ حال کا مؤثر طریقہ، اشاعتِ قرآن ۱۴۰
شاہ صاحب کے بعد کے اردو تراجم ۱۴۸
درس قرآن ۱۵۰
"الفوز الکبیر" ۱۵۰
مسئلۂ توحید کی علمی تنقیح و تحقیق ۱۵۴
عقائد کی تفہیم و تشریح کتاب و سنت کی روشنی میں اور صحابہؓ و سلف کے مسلک کے مطابق ۱۶۳

باب ششم حدیث وسنت کی اشاعت وترویج اور فقہ وحدیث میں تطبیق کی دعوت دعی ۱۶۹ — ۲۱۴

حدت کی اہمیت اور ہر ملک اور ہر دور میں اس کی ضرورت ۱۶۹
حدیث امت کے لئے صحیح میزان ومعیار ۱۷۰
تاریخ اسلام میں اصلاح وتجدید کی تحریکیں علم حدیث سے وابستہ ہیں ۱۷۲
علم حدیث اور عرب ۱۷۶
ہندوستان میں علم حدیث کا عروج وزوال ۱۷۷
شیخ عبدالحق محدث دہلوی کا کارنامہ ۱۸۰
ایک مجدد کی ضرورت ۱۸۱
حدیث کے بارے میں شاہ صاحب کے خیالات وجذبات ۱۸۴
ہندوستان میں علم حدیث سے بے اعتنائی کا شکوہ ۱۸۶
خدمت واشاعتِ حدیث کی سرگرمی ۱۸۹
شاہ صاحب کی تصنیفی خدمات ۱۹۲
تطبیق بین الفقہ والحدیث ۱۹۶
اجتہاد وتقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال ۲۰۴
قرون اولی میں مسلمانوں کا طرز عمل ۲۰۵
تقلید کی جائز اور فطری شکل ۲۰۸
مذاہبِ اربعہ کی خصوصیت ۲۱۰
ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت ۲۱۳

باب ہفتم شریعتِ اسلامی کی مربوط ومدلل ترجمانی اور اسرار ومقاصدِ حدیث کی نقاب کشائی "حجۃ اللہ البالغہ" کے آئینہ میں ۲۱۵ — ۲۴۸

"حجۃ اللہ البالغہ" کا امتیاز وانفرادیت ۲۱۵
موضوع کی نزاکت ۲۱۷
مستقل تالیف کی ضرورت اور علمائے متقدمین کی ابتدائی کوششیں ۲۱۹
تمہیدی وبنیادی مضامین، تکلیف ومجازات ۲۲۱
اعمال کی اہمیت اور ان کے اثرات ۲۲۳
ارتفاقات ۲۲۴
ارتفاق کی اہمیت ۲۲۵
شہری واجتماعی زندگی کی اہمیت اور ان کی شکلیں ۲۲۶
مکاسب اور وجوہِ معاش کی محمود ومذموم شکلیں ۲۲۸
سعادت اور اس کے اصول چہارگانہ ۲۳۰
عقائد وعبادات ۲۳۱
سیاساتِ ملی اور انبیاء کی ضرورت ۲۳۳
بعثتِ مقرونہ ۲۳۴
ایرانی ورومی تمدن میں اخلاقی وایمانی قدروں کی پامالی اور انسانیت کی زبوں حالی ۲۳۵
بعض دوسری مفید بحثیں ۲۳۷

حدیث وسنت کا مقام اوران کے بارہ میں امت کا طرزِ عمل ۲۳۸
فرائض وارکان کے اسرار وحِکَم ۲۳۹
کتاب کی جامعیت ۲۴۴
احسان وتزکیۂ نفس ۲۴۴
جہاد ۲۴۶

باب ہشتم ۸
نظامِ خلافت کی ضرورت وافادیت، خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت اوران کے احسانات، کتاب "ازالۃ الخفاعن خلافۃ الخلفاء" کے آئینہ میں ۲۴۹ — ۲۷۴

کتاب "ازالۃ الخفا" کی اہمیت و انفرادیت ۲۴۹
"حجۃ اللہ" اور "ازالۃ الخفا" کا باہمی تعلق ۲۵۱
چند قدیم تصنیفات ۲۵۵
اسلام میں خلافت کی حیثیت ومقام ۲۵۸
خلافت کی جامع ومانع تعریف ۲۶۱
خلفائے راشدین کی خلافت پر قرآن سے استدلال ۲۶۳
کتاب کے دوسرے قیمتی مضامین ۲۶۹
وفاتِ نبوی کے بعد کے تغیرات وفتن کی نشاندہی ۲۷۲
کتاب کی طباعت واشاعت ۲۷۳

باب نہم ۹
سیاسی انتشار اور حکومتِ مغلیہ کے دورِ احتضار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ وقائدانہ کردار ۲۷۵ — ۳۲۲

تین نوخیز جنگجو طاقتیں ۲۷۵
مرہٹے ۲۷۵
سکھ ۲۸۱
جاٹ ۲۸۷
دہلی کی حالت ۲۸۹
حملۂ نادری ۲۹۱
نامساعد وزلزلہ انگیز حالات میں تدریس وتصنیف کی یکسوئی ۲۹۱
سیاسی انتشار اور حکومتِ مغلیہ کے دورِ احتضار میں مجاہدانہ وقائدانہ کردار ۲۹۴
شاہ صاحب کا احساس واضطراب ۲۹۵
مغل بادشاہوں اور ارکانِ سلطنت کو نصیحت ومشورہ ۲۹۸
نواب نجیب الدولہ ۳۰۵
احمد شاہ ابدالی ۳۱۱

باب دہم ۱۰
امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح وانقلاب ۳۲۳ — ۳۴۲

شاہ صاحب کا امتیاز	۳۲۳
مختلف طبقاتِ امت سے خصوصی خطاب	۳۲۵
سلاطین اسلام سے خطاب	۳۲۶
امراء وارکانِ دولت سے خطاب	۳۲۸
فوجی سپاہیوں کو خطاب	۳۲۹
اہل صنعت وحرفت سے خطاب	۳۳۰
مشائخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے خطاب	۳۳۱
غلط کار علماء سے خطاب	۳۳۳
دین میں تنگی پیدا کرنے والے واعظوں اور کنج نشیں زاہدوں سے خطاب	۳۳۴
عام امتِ مسلمہ سے جامع خطاب، امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز	۳۳۶
اصلاحِ رسوم وتطہیر معاشرہ	۳۳۹

باب یازدہم ۱۱

فرزندان گرامی قدر، خلفائے عالی مرتبت، نامور معاصر ۳۴۳ - ۳۹۷

لائق فرزندان وجانشین	۳۴۳
عجیب مماثلت	۳۴۴
حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ	۳۴۶
شاہ صاحب کے خصوصی کاموں کی توسیع وتکمیل	۳۵۴
اشاعت وتبلیغ قرآن	۳۵۵
حدیث کی تدریس وترویج	۳۵۸
نصرتِ سنت وردِّ شیعہ	۳۶۱
انگریزی اقتدار کی مخالفت اور مسلمانوں کا ملّی تحفظ	۳۶۵
مردانِ کار کی تربیت	۳۷۳
حضرت سید احمد شہیدؒ	۳۷۳
مولانا عبدالحی بڑھانویؒ اور مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ	۳۷۷
مولانا شاہ محمد اسحاق صاحبؒ وشاہ محمد یعقوب صاحبؒ	۳۷۹
اجلّۂ علماء واساتذۂ کبار	۳۸۰
شاہ رفیع الدین دہلویؒ	۳۸۲
شاہ عبدالقادر دہلویؒ	۳۸۵
شاہ محمد عاشق پھلتی	۳۸۷
خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہیؒ	۳۹۰
شاہ ابوسعید حسنی رائے بریلویؒ	۳۹۱
ایک نامور معاصر ومصلح شیخ محمد بن عبدالوہابؒ	۳۹۴

باب دوازدہم ۱۲

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیفات ۳۹۸ — ۴۱۵

کتب ورسائل	۳۹۸
انڈکس۔ مرتبہ از محمد غیاث الدین ندوی	۴۱۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

الحمد للہ رب العالمین والصلاۃ والسلام علی سید المرسلین

وخاتم النبیین محمد وآلہ وصحبہ اجمعین ومن تبعھم باحسان

ودعا بدعوتھم الی یوم الدین

مصنف کتاب کا قلب "تاریخ دعوت وعزیمت" کے پانچویں حصہ کی تسوید سے فارغ ہو کر پیش لفظ کی ان سطور کے لکھتے وقت جذبۂ حمد وشکر سے معمور اور اس کا قلم اپنے اور کاتب کے خالق کے حضور میں سربسجود ہے کہ اس نے اس سلسلہ کو اس حصہ تک جو حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے اخلاف وخلفاء کی دینی وعلمی خدمات اور ان کے مجددانہ ومجاہدانہ کارناموں کی تاریخ وروئیداد سے مخصوص ہے، پہونچانے کی توفیق عطا فرمائی.

محرم ۱۳۷۲ھ (ستمبر ۱۹۵۲ء) میں چند تقریروں کی ایک مختصر یادداشت کو سامنے رکھ کر جب "تاریخ دعوت وعزیمت" کے سلسلہ کا آغاز کیا گیا تھا، اور اس کو سیدنا امام حسن بصریؒ اور خلیفۃ المسلمین حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ سے شروع کیا گیا تھا، تو اس وقت اس کا تصور کرنا بھی مشکل تھا کہ یہ سلسلہ پہلی دوسری صدی کے مصلحین ومجددین سے لے کر تمام درمیانی مراحل اور عالم اسلام کی زمانی ومکانی وسعت ورقبہ کو طے کرتا ہوا گیارہویں بارہویں صدی

کی دو عظیم تجدیدی شخصیتوں حضرت مجدّد الف ثانیؒ اور حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ تک پہونچ سکے گا، عمر کی بے ثباتی، صحت کے نشیب و فراز، حوادث کی کثرت، مشاغل کے ہجوم، عزم و ہمت کی کوتاہی، اسفار کے تسلسل، نئی نئی ضرورتوں اور محرّکات کے پیش آنے، پھر نگاہ کی اس کمزوری اور معذوری کے باوجود کہ مصنّف مسلسل چودہ[۱۴] سال تک براہ راست مطالعہ اور خود لکھنے سے معذور رہا) یہ سلسلہ اس منزل تک پہونچے گا! یہ محض قدرت و توفیق الٰہی کا کرشمہ ہے، جس پر مصنف خدا کا جتنا بھی شکر ادا کرے کم ہے، مصنف اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کرسکتا کہ قرآن مجید کی اس آیت کے ذریعہ یہ فرض ادا کرنے کی کوشش کرے :-

رَبِّ اَوْزِعْنِیْٓ اَنْ اَشْکُرَ نِعْمَتَکَ	اے پروردگار! مجھے توفیق عطا فرما کہ
الَّتِیْٓ اَنْعَمْتَ عَلَیَّ وَعَلٰی وَالِدَیَّ	جو احسان تو نے مجھ پر اور میرے ماں باپ
وَاَنْ اَعْمَلَ صَالِحًا تَرْضٰىهُ	پر کئے ہیں ان کا شکر کروں، اور ایسے
وَاَدْخِلْنِیْ بِرَحْمَتِکَ فِیْ عِبَادِکَ	نیک کام کروں کہ تو ان سے خوش
الصّٰلِحِیْنَ ۝	ہو جائے، اور مجھے اپنی رحمت سے
(النمل - ۱۹)	اپنے نیک بندوں میں داخل فرما۔

نیز حدیث کے یہ الفاظ دہرائے :-

الحمد للہ الذی بعزّتہ وجلالہ	اس خدا کا شکر ہے جس کی عزت و جلال
تتمّ الصّالحات۔	سے نیک کاموں کی توفیق و تکمیل ہوتی ہے۔

اس جلد پر حقیقتاً صالحین کے تذکرہ کے اس سلسلہ کا اور اس حیثیت سے اس عملِ صالح کا اتمام ہوتا ہے، کہ یہ حصہ بارہویں صدی ہجری کی ان اصلاحی و تجدیدی کوششوں اور کارناموں پر مشتمل ہے، جن کے مبارک اثرات ابھی تک باقی ہیں، اور کم سے کم برِّ صغیر ہند کے

دینی ادارے، علوم دینیہ کے مراکز، اسلام کی سربلندی کی کوششیں اور تحریکات، اور دینی، علمی و تصنیفی سرگرمیاں، ان مساعی کے نتائج سے ابھی تک متمتع ہو رہی ہیں، اور ان کے سایہ میں اپنا سفر طے کر رہی ہیں، اور اس لئے بھی یہ بات خلافِ واقعہ نہیں ہے کہ مصنفِ "سیرت سید احمد شہیدؒ" (۱-۲) کی تالیف کے ذریعہ جو ۱۹۳۹ء میں پہلی بار شائع ہوئی تھی، اس سلسلہ کو تیرہویں صدی کے آخر تک (اور جہاں تک اس تحتی برّاعظم کا تعلق ہے) چودھویں صدی کی کئی دینی شخصیتوں اور داعیوں (جن میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحبؒ خاص طور پر قابل ذکر ہیں) کی سوانح مرتب کر کے اس سلسلہ کو اپنے زمانہ تک پہونچا چکا ہے، اس طرح درحقیقت "تاریخ دعوت و عزیمت" کا چھٹا حصہ بھی اور ساتویں حصہ کا بڑا حصہ بھی مرتب ہو چکا ہے، اب یہ اس کے بعد کے مصنفین اور تحقیقی کام کرنے والوں کا کام ہے کہ تیرہویں صدی ہجری کے عالم اسلام کے علمبردارانِ اصلاح و دعوت اور دینی قائدین کی خدمات اور کارناموں پر روشنی ڈالیں، جو عالم اسلام کے مختلف حصوں میں پیدا ہوئے، اور انھوں نے دعوت و اصلاح اور جہاد فی سبیل اللہ کا کام انجام دیا، پھر چودھویں صدی ہجری کی (عالم اسلام کے پیمانہ اور سطح پر) اصلاحی علمی و فکری اور دعوتی کوششوں کا جائزہ لیں، اور اس کی روئیداد مرتب کریں کہ "تاریخ دعوت و عزیمت" کا موضوع کسی خاص عہد اور ملک سے مخصوص نہیں، اس کا سلسلہ دعوتی و اصلاحی کوششوں، فکرِ اسلامی کی تجدید، علوم دینیہ کے احیاء و اشاعت، اپنے اپنے زمانہ کے مغالطوں اور تحریفات کا پردہ چاک کرنے اور دین کی حقیقت، روح اور جوہر کو بے نقاب کرنے، اپنے اپنے زمانہ کے فتنوں اور ضلالتوں کے مقابلہ اور ان کے ازالہ کی کوششوں کے ساتھ اس وقت تک چلتا رہے گا، جب تک یہ دین

باقی ہے، اور یہ دنیا قائم ہے، اس لئے کوئی شخص بھی یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ اس نے اس موضوع کا حق ادا کردیا، اور اس سلسلہ کو اختتام تک پہونچا دیا کہ حدیث کے الفاظ ہیں :۔

یحمل ھذا العلم من کل خلف	اس علم کے ہر نسل میں ایسے عادل
عدولہٗ ینفون عنہ تحریف	ومتّقی حامل ووارث ہوں گے، جو
الغالین، وانتحال المبطلین،	اس دین سے غلو پسند لوگوں کی تحریف
وتأویل الجاھلین[1]۔	اہل باطل کے غلط انتساب دعوے،
	اور جاہلوں کی دور از کار تاویلات کو
	دور کرتے رہیں گے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی اصلاح و تجدید کا دائرہ چونکہ اپنے اندر بڑی وسعت اور تنوّع رکھتا تھا، اور اس میں علمی و فکری رنگ غالب تھا، اس کے حدود میں تدریس و تصنیف، اشاعتِ کتاب و سنت، تطبیق بین العقل والنقل اور توفیق بین المذاھب الفقھیۃ، اسرار و مقاصدِ شریعت کی توضیح، آنے والے عقلی دور کی رعایت، تربیت و ارشاد، ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت، سیاسی تبدیلیوں اور ابھرتی ہوئی طاقتوں کا حقیقت پسندانہ جائزہ اور ان میں ملت کے تحفّظ اور تشخّص کے بقا کی ممکنہ تدبیریں، علوم اسلامیہ میں مجتہدانہ فکر و نظر، اور اس کی طبقۂ علماء کی طرف منتقلی کی کوششیں، سب شامل تھیں، اس لئے مصنف کو اس میں اس مطالعہ و فکر و نظر کی ضرورت پیش آئی جو کم حصوں میں پیش آئی تھی، اسی کے ساتھ دوسری مصروفیتیں اور

---

[1] مشکوٰۃ شریف۔

ذمہ داریاں بھی عناں گیر رہیں، پھر بھی خدا کا شکر ہے کہ اس حصہ کی تکمیل میں وہ طویل وقفہ نہیں ہوا، جو اس سے پہلے دو حصوں کے درمیان عموماً پیش آتا تھا۔

مصنف اپنے اُن عزیز رفقائے کار و معاونین کا شکر گذار ہے، جنھوں نے مآخذ کی فراہمی، بعض طویل فارسی و عربی عبارتوں کے ترجمہ اور کتاب کی تسوید و تبییض اور نظر ثانی میں مدد کی، نیز مطبوعہ اور قلمی کتابوں اور ان کے ایڈیشنوں کی تحقیق میں ان کی محنت اور کوشش شامل ہے، ان میں مولوی شمس تبریز خاں رفیق "مجلس تحقیقات ونشریات اسلام" مولانا محمد برہان الدین سنبھلی استاد تفسیر و حدیث دار العلوم ندوۃ العلماء، مولوی عتیق احمد صاحب مدرس دار العلوم ندوۃ العلماء، مولانا ابو العرفان صاحب ندوی استاد دار العلوم ندوۃ العلماء، مولوی سید محمد مرتضیٰ صاحب نقوی ناظر کتب خانہ ندوۃ العلماء، اور مولوی محمد ہارون سلمہٗ انچارج شعبۂ مخطوطات کتب خانہ ندوۃ العلماء، اور عزیزی مولوی نثار الحق ندوی خاص طور پر قابل ذکر و شکر ہیں، عزیز گرامی مولوی نور الحسن راشد صاحب کاندھلوی خاص طور پر شکریہ کے مستحق ہیں کہ انھوں نے شاہ صاحبؒ کے خاندانی حالات و اخلاف کے سلسلہ میں بعض قیمتی معلومات فراہم کیں، اور بعض مآخذ کی نشاندہی کی، عزیزان مولوی غفران ندوی و مولوی غیاث الدین ندوی نے حسب سابق کتابت و طباعت کی تکمیل اور انڈکس کی تیاری میں پوری ذمہ داری اور انہماک کے ساتھ حصہ لیا، فجزاھم اللہ خیرًا۔

آخر میں مصنف کی یہ دعا اور تمنا ہے کہ یہ حصہ کسی درجہ میں بھی (یہ تو کہنے کی جرءت نہیں کی جا سکتی کہ اس بلند و بالا شخصیت کے شایان شان ہو جس سے اس کا تعلق ہے) موضوع و مقصد کے لحاظ سے مفید، ہمت آفریں، فکر انگیز، مزید مطالعہ اور تحقیق کے لئے محرک اور سعی و جہد کے لئے شوق انگیز ہو کہ اس دورِ انقلاب اور اس عہدِ پُر فتن میں

اس سے خاص طور پر رہنمائی حاصل کی جاسکتی ہے۔

وما ذٰلك على الله بعزيز

ابوالحسن علی ندوی

۹۔ بے نظیر بلڈنگ، بائی کلہ بمبئی

۱۲ ربیع الثانی سنہ ۱۴۰۴ھ
۱۶ جنوری سنہ ۱۹۸۴ء
دوشنبہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

بابِ اوّل

عالمِ اسلام بارہویں صدی ہجری میں

بارہویں صدی کے اسلامی ممالک کے حالات اور انقلابات کے مطالعہ کی اہمیت

"تاریخ دعوت وعزیمت" کی جلد چہارم کے آغاز میں (جو مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد سرہندیؒ (سنہ ۹۷۱ھ - سنہ ۱۰۳۴ھ) کی سوانح حیات، ان کے عہد اور ان کے عظیم تجدیدی و انقلابی کارنامہ کی شرح و تفصیل کے ساتھ مخصوص ہے) دسویں صدی ہجری کے (جس میں حضرت کی ولادت ہوئی اور آپ کا ذہنی و علمی نشوونما ہوا) تاریخی مطالعہ کی اہمیت بیان کرتے ہوئے مصنف نے لکھا تھا:-

"ہم کو اس تاریخی حقیقت کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا کہ ایک عہد اور اس عہد کی دنیا، اور انسانی معاشرہ ایک بہتے ہوئے دریا کی طرح ہوتا ہے جس کی ہر موج دوسری موج سے مربوط و متصل ہوتی ہے، اس لئے کوئی ملک خواہ وہ باقی دنیا سے کتنا ہی کٹا ہوا اور الگ تھلگ زندگی گذار رہا ہو، گرد و پیش کی دنیا میں پیش آنے والے اہم واقعات، انقلابات، باہم نبرد آزما طاقتوں، اور طاقتور تحریکوں سے یکسر غیر متاثر اور غیر متعلق نہیں رہ سکتا، خاص طور پر جب یہ واقعات، و انقلابات اس کے ہم جنس، ہم مسلک اور ہم عقیدہ پڑوسی ممالک میں پیش آرہے ہوں، اس بنا پر اس تاریخی جائزہ میں ہندوستان کے دائرہ کے اندر محدود رہنا درست نہیں ہوگا، ہم کو دسویں صدی ہجری کی پوری دنیائے اسلام اور خاص طور پر

گرد و پیش کے مسلم ممالک پر بھی نظر ڈالنی ہوگی، جن سے اگرچہ ہندوستان کے سیاسی روابط نہ تھے، لیکن دینی، تہذیبی اور علمی روابط تھے، اور وہاں جو سرد و گرم ہوائیں چلتی تھیں، ان کے جھونکے بُعد مسافت کے باوجود ہندوستان تک بھی پہونچ جاتے تھے۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے تذکرہ، اور ان کے تجدیدی کارنامہ پر روشنی ڈالنے کے سلسلہ میں اس تاریخی حقیقت کو پیش نظر رکھنے اور اس اصول پر عمل کرنے کی اور بھی زیادہ ضرورت ہے کہ ان کی ذہنی و علمی تربیت میں حجاز مقدس کا بنیادی حصہ تھا، جہاں انھوں نے (۱۱۴۳ھ - ۱۱۴۴ھ) ایک سال سے زیادہ[2] قیام فرمایا، اور اس وقت کے فن حدیث میں مرجع خلائق اور امام فن شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم کُردی مدنی سے فن حدیث کی تکمیل کی، جن کے حلقۂ درس میں بلاد و امصار کے طالبین حدیث مجتمع تھے، اور علمائے حرمین سے (جو مختلف ممالک اسلامیہ اور عربیہ سے تعلق رکھتے تھے) ان کی طویل صحبتیں رہیں، اس وقت حجاز سلطنت عثمانیہ کی تولیت اور انتظام میں تھا، اور شرفائے مکہ سلاطین آل عثمان کے نائب کی حیثیت سے امارت کے منصب پر سرفراز تھے، حج کے علاوہ بھی (جو ہر سال عالم اسلام کے بہترین دل و دماغ اور شمع حرم کے پروانوں کو ایک جگہ جمع کرلیتا ہے) اس دور میں حرمین شریفین اور خاص طور پر مدینہ طیبہ علم حدیث کا سب سے بڑا مرکز بنا ہوا تھا، جہاں اس علم کے شائقین دنیا کے گوشہ گوشہ سے اکٹھا ہوتے تھے، وہاں بیٹھ کر پورے عالم اسلام کی روحانی، علمی، اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور سیاسی حالت کا جائزہ بآسانی لیا جاسکتا تھا، ان تمام حیثیتوں سے مختلف ممالک اسلامیہ و عربیہ کی ترقی و انحطاط اور عروج و زوال کا بآسانی اندازہ کیا جاسکتا تھا، اور وہاں کی مختلف شخصیتوں، باکمال افراد، اصلاحی تحریکوں و دعوتوں اور

---

[1] "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ چہارم ص ۲۲۴ [2] شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ کے آخر میں حجاز پہونچے تھے، اور ۱۱۴۵ھ کے آغاز میں مراجعت فرمائی، شاہ صاحب نے دو حج کئے۔

انتشار انگیز کوششوں اور سازشوں سے واقفیت حاصل کی جاسکتی تھی، بلکہ عالم اسلام کی نبض حیات کی رفتار اور قلب اسلام کی دھڑکنوں کو سُنا جاسکتا تھا، اور شاہ ولی اللہ صاحب کے سے بیدار مغز اور دردمند دل رکھنے والے انسان نے جس کو تدبیر الٰہی تجدید و احیائے دین کے کار عظیم کے لئے تیار کر رہی تھی، اس سے ضرور فائدہ اٹھایا اور اثر لیا ہوگا، اور انھوں نے اس سے اپنے فکر و نظر کی توسیع اور اپنی دعوت اور فلسفہ کی آفاقیت میں پورا کام لیا ہوگا۔

مزید برآں ہند ان صدیوں سے وسط ایشیا کی تورانی و افغانی نسل کے ترک تازوں کی جولان گاہ اور سیاسی و انتظامی حیثیت سے ان کے زیر اثر رہ چکا تھا اور وقتاً فوقتاً اسکے نظم و نسق کے ڈھانچہ اور اس کی حکومتوں کے اثر پذیر جسم میں وہیں سے تازہ اور گرم خون آتا اور اس کے روبزوال انتظامیہ اور فوجی طاقت میں نئی توانائی اور رعنائی پیدا کرتا تھا، اور جب ہندوستان میں مدت دراز سے حکومت کرنے والا خاندان "پیری و صد عیب" کی منزل پر پہونچ جاتا، تو درۂ خیبر یا درۂ بولان کے راستہ سے ایک تازہ دم عسکری طاقت ہندوستان میں قدم رکھتی، اور اس سلسلۂ حکومت میں، جس کا ایک ہی دین (اسلام)، ایک ہی مذہب (اہلِ سنّت والجماعۃ)، ایک ہی آئین (شرع محمدیؐ) ایک ہی زبان (ترکی و فارسی) اور ایک ہی تہذیب (عربی، ایرانی، ترکی، ہندوستانی اثرات کا آمیزہ) تھی، طاقت کا ایک انجکشن دیتی اور اس کو زندگی کی ایک نئی قسط عطا کر دیتی۔

پھر اس حقیقت کو بھی نہیں بھولنا چاہئے کہ بابر کے تسخیر ملک، اور سلطنت مغلیہ کے قیام کے بعد سے افغانستان اور اس کے اہم ترین صوبے کابل و قندھار عظیم ہندوستانی مسلمان سلطنت کا ایک حصہ اور اس کا بیرونی قلعہ اور "بالاحصار" رہے ہیں، شاہ صاحب ہی کے عہد میں نادر شاہِ ایران کی ہندوستان میں آمد اور دہلی پر حملہ ہوا، اور آپ ہی کے عہد میں والیٔ قندھار احمد شاہ ابدالی نے کئی بار ہندوستان کا رخ کیا، اور بالآخر ۱۱۷۴ھ (۱۷۶۱ء) میں پانی پت کے

میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دے کر واقعات کا دھارا اور تاریخ کا رُخ بدل دیا، اور سلطنت مغلیہ کو سنبھلنے، اور ہندوستان کے مسلم معاشرہ اور طبقۂ امراء کو نیا کردار ادا کرنے کا موقعہ دیا جس کو وہ اپنی نااہلی سے ادا نہیں کر سکے، یہ سب واقعات نہ صرف شاہ صاحب کے عہد کے ہیں، بلکہ آخر الذکر واقعہ میں ان کی رہنمائی شامل ہے[1]، یہ دونوں حملہ آور ایران و افغانستان سے تعلق رکھتے تھے، اس لئے شاہ صاحب کے عہد اور بارہویں صدی کے جائزہ میں ان دونوں کے حالات اور انقلابات سلطنت کو نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

ہندوستان پر ایران کے ثقافتی و تہذیبی اثرات

پھر جس طرح ہندوستان پانچویں صدی ہجری سے سیاسی اور فوجی حیثیت سے ترکستان و افغانستان کے زیر اثر رہا ہے، اسی طرح وہ علمی، ادبی، ثقافتی، تہذیبی اور فکری حیثیت سے کم و بیش ایران کے زیر اثر رہا ہے، وہاں کا ادب و شاعری، تصوف کے سلاسل و طرق، اور آخر میں وہاں کا نصاب درس اور طریقۂ تعلیم، اور وہاں کے علماء اور اساتذۂ فن کی تصنیفات ہندوستان کے ذہن و دماغ پر سایہ فگن رہی ہیں، بالخصوص ہمایوں کے ایران جانے اور وہاں کی مدد سے سلطنتِ ہندوستان کے دوبارہ حصول کے بعد سے، پھر دور اکبری میں امیر فتح اللہ شیرازی اور حکیم علی گیلانی کی آمد کے بعد سے ہندوستان اپنے نصاب، طریقۂ تعلیم، معیارِ فضیلت کے تعین اور معقولات و "علوم حکمت" کے میدان میں ایران کا کُلّیۃً خوشہ چیں بلکہ باج گذار اور غاشیہ بردار بن گیا، اور اس سلسلہ میں حقیقتاً ایران کا ہندوستان پر "اقتدار اعلیٰ" قائم ہو گیا، اس حقیقت کے پیش نظر ہم اس تاریخی جائزہ میں ایران اور اس میں پیش آنے والے واقعات سے کسی طرح صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔

---

[1] اس کی تفصیل بعد کے ابواب میں آئیگی۔

سلطنت عثمانیہ کی عظمت واہمیت

افغانستان وایران کے پڑوسی ملکوں کے ماسوا ہم اس سلطنت عثمانیہ سے بھی (جس نے دسویں صدی کے اوائل سے خلافت کا منصب سنبھال رکھا تھا) آنکھیں نہیں بند کرسکتے، جس کا مستقر اگرچہ جغرافیائی اعتبار سے ہندوستان سے بہت دور یورپ اور ایشیائے کوچک میں واقع تھا، لیکن تقریباً تمام عرب ممالک (مصر، شام، عراق، یمن، نجد وحجاز اور شمالی افریقہ کا ایک بڑا حصہ) اس کے ماتحت تھے، حرم ومقامات مقدسہ کے پاسبان ومتولی ہونے، خلافت اسلامی کے حامل وامین، ایک بڑی طاقت اور شہنشاہی کی حیثیت سے بھی اور مغرب اور مخالف اسلام طاقتوں کی نگاہ میں اسلامی طاقت کا نشان اور بہت سے اسلامی مفادات کا محافظ وپاسبان ہونے کی بناء پر بھی تمام دنیا کے مسلمان اس کو عزت واحترام کی نظر سے دیکھتے تھے، اور وہاں پیش آنے والے واقعات سے نہ صرف دلچسپی رکھتے تھے، بلکہ اثر لیتے تھے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ جیسا عالمی ذہن رکھنے والا انسان جس کی تاریخ اسلام پر گہری نظر تھی، سلطنتِ عثمانیہ سے صرفِ نظر نہیں کرسکتا تھا، وہ خلافت کی شرعی حیثیت اور سیاسی واجتماعی اہمیت کے رمز آشنا تھے، اور دین واخلاق اور صالح معاشرہ اور صحت مند تمدن ومعیشت کے لئے آزاد حکومت وغیر فاسد سیاسی طاقت کو ضروری سمجھتے تھے، اور مسلمانوں کو نہ صرف اپنے ملک بلکہ بساط عالم پر ایک مؤثر اور صاحب امر ونہی طاقت کے طور پر دیکھنے کے آرزومند تھے، وہ مسلمانوں کی سب سے بڑی سلطنت کے عروج وزوال اور اس کے داخلی سکون وانتشار کی طرف سے کیسے آنکھیں بند کرسکتے تھے، خصوصاً جبکہ وہ ایک سال سے زائد اس کے محبوب ترین اور معزز ترین دائرہ حکومت حجاز میں کھلی ہوئی آنکھوں، بیدار دماغ اور حساس دل کے ساتھ قیام کرچکے تھے، اور اس کے مقبوضات اور زیر انتظام ملکوں مصر وشام وعراق سے آنے والوں کی زبانی ان اثرات کا جائزہ لے چکے تھے، جو سلاطین آل عثمان، ان کے وزراء

شیوخ اسلام اور علمائے ترکی کے رجحانات و نفسیات کے نتیجہ میں ان ملکوں کے علمی و دینی حلقوں پر پڑ رہے تھے، اس لئے ہمیں بارہویں صدی ہجری (اٹھارویں صدی عیسوی) میں سلطنت عثمانیہ، اس کے اپنے پڑوس کے عیسائی مغربی ممالک سے تعلقات، شکست و ریخت، عزل و نصب اور سیاسی طاقت کے مدوجزر پر بھی ایک اجمالی نگاہ ڈالنی ہوگی۔

عالم اسلام کی سیاسی حالت

ہم پہلے اس وقت کے عالم اسلام کی سیاسی حالت، حکومتوں کے انقلابات اور اہم حوادث پر نظر ڈالیں گے، پھر عالم اسلام کا علمی، دینی، اخلاقی و روحانی جائزہ لیں گے۔

سلطنت عثمانیہ بارہویں صدی میں

شاہ صاحبؒ ۱۱۱۴ھ میں پیدا ہوئے اور ۱۱۷۶ھ میں انھوں نے وفات پائی، اس عرصہ (۶۲ سال) میں سلطنت عثمانیہ کے تخت پر پانچ سلاطین، مصطفےٰ ثانی (م ۱۱۱۵ھ) احمد ثالث (م ۱۱۴۳ھ) محمود اول (م ۱۱۶۷ھ) عثمان ثالث (م ۱۱۷۱ھ) اور مصطفےٰ ثالث (۱۱۷۱ھ - ۱۱۸۷ھ / ۱۷۵۷ء - ۱۷۷۴ء) آئے اور گئے۔

شاہ صاحب کے زمانۂ شعور اور فکر و عمل میں احمد ثالث، محمود اول، عثمان ثالث اور مصطفےٰ ثالث نے عنان سلطنت و خلافت سنبھالی، لیکن اہم مدت (شاہ صاحب کے آخری پانچ سال کا زمانہ) مصطفےٰ ثالث کے عہد میں گذری۔

مصطفےٰ ثالث نے سولہ برس آٹھ مہینے حکومت کی، ان کے زمانہ میں سلطنت عثمانیہ اور روس کے درمیان جنگ چھڑی، سلطنت عثمانیہ کو اس جنگ (۱۷۶۹ء) میں شکست ہوئی، جس میں روس کا کوئی

کارنامہ نہ تھا، بعض حوادث اور انتظامات کی کمی کو دخل تھا[1]، الفنسٹن روسی جنرل نے قسطنطنیہ پر بھی حملہ کا ارادہ کیا، لیکن اس کو باز رکھا گیا، مصطفےٰ خاں نے فوج کی تقویت اور عسکری اصلاحات کی طرف بھی قدم اٹھایا اور کچھ فوجی کامیابیاں بھی حاصل کیں، روس نے صلح کے لئے کچھ شرطیں پیش کیں، جو توہین آمیز تھیں، بخارسٹ میں ۱۳ر شعبان ۱۱۸۶ھ (شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات کے دس سال بعد) ۹ر نومبر ۱۷۷۲ء میں کانفرنس ہوئی، جس میں کچھ شرطیں پیش کی گئیں، سلطنت عثمانیہ نے ان کو ٹھکرا دیا، اور ترکی افواج کو جنگ شروع کرنے کا حکم دیا، جنگ کے نتیجہ میں روس کو شکست فاش ہوئی، روسیوں کی مرعوبیت کا یہ حال تھا کہ عثمانی افواج جب بازارجق (اب جو TOBULKHIN کہلاتا ہے) سے گذریں تو شہر کی پوری آبادی شہر چھوڑ کر چلی گئی، مؤرخ ہمر (HEMER) لکھتا ہے کہ "عثمانیوں نے آگ پر چڑھی ہوئی ہانڈیاں پائیں جن میں گوشت تھا" ۸ر ذی قعدہ ۱۱۸۷ھ (۲۱ر جنوری ۱۷۷۴ء) کو سلطان مصطفےٰ ثالث نے وفات پائی، مؤرخین اس کے عدل اور امور خیر کی خواہش و کوشش کی تعریف کرتے ہیں، اس نے اپنے زمانہ میں بہت سے مدارس اور خانقاہیں قائم کیں[2]۔

شاہ صاحبؒ کا عہدِ شباب تھا کہ سلطنت عثمانیہ میں مطبعوں کا رواج ہوا، اور پہلا مطبعہ قسطنطنیہ میں قائم ہوا، اسی عہد میں نجد و حجاز میں شیخ محمد بن عبدالوہاب (۱۱۱۵ھ - ۱۲۰۶ھ) کی تحریک نے فروغ پایا[3]، عثمان ثالث کے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ" از محمد فرید بک المحامی۔ طبع بیروت

[2] "تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیۃ"، ص ۳۲۹ - ۳۴۰

[3] بعد میں سعود بن عبدالعزیز (۱۱۶۳ھ یا ۱۲۲۹ھ) امیر نجد نے اسی دعوت، مجاہدانہ جوش، اور فوجی تنظیم کی طاقت سے ۱۲۱۸ھ میں حجاز اور جزیرۃ العرب کے بڑے حصہ پر قبضہ کر لیا، ۱۲۳۴ھ میں خدیو محمد علی والی مصر کی کوشش سے اس حصہ پر دوبارہ ترکی سلطنت کا مکمل قبضہ ہوا، نجدی امیر عبداللہ بن سعود بن عبدالعزیز قسطنطنیہ بھیج دیئے گئے، جہاں وہ قتل کر دیئے گئے۔

زمانہ میں علی بے (المُلقّب بہ شیخ البلد) مصر کی حکومت وانتظامات پر پورے طور پر حاوی ہو گئے، انھوں نے روسی جنرل کے ساتھ جو بحرِ روم پر متعین تھا، سازش کرلی اور شرط کی کہ وہ ذخائر اور اسلحہ سے ان کی مدد کرے گا، تاکہ مصر خود مختار ہو جائے، اس کی مدد سے علی بے غزّہ، نابلس، قدس، یافہ اور دمشق پر قبضہ کرنے میں کامیاب ہوا، وہ اناطولیہ کے حدود کی طرف رخ کرنے کی تیاری کر رہا تھا کہ مملوک سرداروں میں سے ایک سردار محمد بے مشہور بأبی الذہب نے اس کے خلاف علمِ بغاوت بلند کیا، جس کی وجہ سے علی بے کو مصر واپس آنا پڑا، اور اس نے شکست کھائی، اس اندرونی جنگ اور انتشار کے نتیجہ میں بیروت پر روسی جہازوں نے آتش باری کی جس سے تین سو کے قریب مکانات برباد ہو گئے، مصر میں محرم ۱۱۸۷ھ میں علی بے اور محمد بے کی فوجوں کا مقابلہ ہوا، ابوالذہب کامیاب ہوا، اور علی بے گرفتار ہوا، اور زخمی حالت میں اس نے انتقال کیا، اس کا سر کاٹ کر چار روسی افسروں کے ساتھ عثمانی گورنر خلیل پاشا کے پاس بھیج دیا گیا، جس نے ان کو قسطنطنیہ روانہ کر دیا، اور مصر دوبارہ سلطنت عثمانیہ کے کُلّی قبضہ میں آگیا۔

حجاز کی صورت حال

شاہ صاحب نے جب حجاز کا سفر کیا، اور حرمین شریفین میں طویل قیام فرمایا، تو اس وقت سلطان محمود اول (۱۱۴۳ھ - ۱۱۶۷ھ) کی سلطنت وخلافت کا زمانہ تھا، اس وقت حجاز میں سلطنت عثمانیہ کے نائب ونمائندہ امیرِ حجاز (جو شریف مکہ کہلاتے تھے) محمد بن عبداللہ[1] بن سعید بن زید بن محسن الحسنی (م ۱۱۶۹ھ) والیٔ حجاز تھے، جو اپنے والد کی وفات پر ۱۱۴۳ھ میں امارتِ حجاز

---

[1] بعض کتابوں میں ان کا نام محمد بن عبداللہ بھی آیا ہے، شاید لفظی مماثلت سے بچنے کے لئے ادباً ایسا کیا گیا۔

پر متعین ہوئے[1]، ان کا زمانہ خانہ جنگیوں اور امارت کے لئے خاندانی کشمکش کا زمانہ تھا، ۱۱۴۵ھ ہی میں ان کے چچا مسعود بن سعید نے ان کو ہٹا کر امارت حجاز پر قبضہ کر لیا لیکن ۱۱۴۶ھ میں انھوں نے دوبارہ یہ منصب حاصل کیا لیکن پھر چچا نے ان کو معزول کر دیا، اور ۱۱۶۵ھ تک حین حیات وہی اس پر قابض و متصرّف رہے، ان کے زمانہ میں حجاز میں سکون اور امن و امان قائم رہا، مورخین ان کو بیدار مغز اور سیاسی سوجھ بوجھ کا آدمی بتاتے ہیں[2]۔

بارہویں صدی کے اس عہد وسطی میں راستوں کی بدامنی، بدوؤں کی غارت گری، اور بدانتظامی کی شکایت تاریخ کی کتابوں اور حج کے سفرناموں میں عام طور پر ملتی ہے، جو سلطنت کے مرکز (قسطنطنیہ) کی دوری، ترکوں کی حجاز کے اندرونی معاملات میں امکانی حد تک دخل دینے سے احتراز کی پالیسی اور شرفائے مکہ کے (جو مسلّم النسب حسنی سادات میں سے تھے) معاملہ میں ضرورت سے زیادہ لحاظ و مروّت، عربوں کے معاملہ میں غلو کی حد تک احترام و عقیدت، اور ان کی زیادتیوں سے

---

[1] امرائے مکہ کا (جو حسنی سادات میں سے منتخب ہوتے تھے، اور اس کی وجہ سے ان کو "اشراف" کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا) سلسلہ چوتھی صدی ہجری کے ثلث اول سے شروع ہو گیا تھا، پہلے شریف مکہ کا تقرر عباسی خلیفہ المطیع للہ (۳۳۴ھ - ۳۶۳ھ) کے عہد میں ہوا، سلطان سلیم کے شام و مصر پر قبضہ اور حرمین شریفین کو اپنی تولیت و انتظام میں لینے کے وقت تک شرفائے مکہ کا تقرر مصر کے ملوک خاندان کے فرمانرواؤں کی طرف سے ہوتا تھا، سلطان سلیم نے اس وقت کے شریف مکہ السید برکات، اور ان کے فرزند سید ابو نمی کو اپنے منصب پر برقرار رکھا، اور وہ بدستور امیر مکہ رہے، اس کے بعد سے یہ سلسلہ شریف حسین کی امارت تک جاری رہا جنھوں نے (جون ۱۹۱۶ء) شعبان ۱۳۳۴ھ میں عثمانیوں کے خلاف بغاوت کی اور جنوری ۱۹۲۶ء میں سلطان ابن سعود کے قبضہ کے بعد حجاز سے بے دخل ہوئے۔ [2] الاعلام ج ۸ ص ۱۱۱-۱۱۲ (بحوالہ خلاصۃ الکلام و عنوان المجد) وتذییل شفاء الغرام لأخبار البلد الحرام ج ۲ ص ۳۰۹-۳۱۰ "باب ولاۃ مکۃ"

چشم پوشی کی سیاست، پھر مزید برآں امارت حجاز کے موروثی اور ایک ہی خاندان میں محدود ہونے کا قدرتی نتیجہ تھا، یقینی طور پر کہا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب نے ان غیر اطمینان بخش حالات، منصبِ امارت کے لئے رقیبانہ و حریفانہ کشمکش اور نظم و نسق کی کمزوری کو اپنی چشم بصیرت سے دیکھا بھی ہوگا، اور دینی حمیت سے معمور قلب سے محسوس بھی کیا ہوگا، چچا بھتیجہ کی منصب امارت کے لئے معرکہ آرائی جو ۱۱۴۵ھ میں پیش آئی عجب نہیں کہ ان کے زمانۂ قیام میں ہوئی ہو، اور انھوں نے اس سے دور رس نتائج اور اخلاقی زوال کے شواہد اخذ کئے ہوں۔

یمن

یمن میں بھی تقریباً اسی طرح کا نظام نافذ تھا کہ سیاسی و خارجہ پالیسی کے اعتبار سے سلطنت عثمانیہ کے ماتحت، اور والیِ ترکی (گورنر) کے جو سلطنت کی طرف سے متعین کیا جاتا تھا، موجود ہونے کے ساتھ وہاں امامت کا نظام نافذ تھا، جو یمن میں تیسری صدی ہجری کے وسط سے چلا آرہا تھا، اور جس پر نسباً سادات اور مذہباً زیدی[1] حضرات فائز ہوتے تھے، اہل یمن ان کے

---

[1] علامہ محمد ابوزہرہ نے اپنی کتاب "تاریخ المذاهب الإسلامية" میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ زیدی شیعہ فرقوں میں اہل سنت والجماعت سے قریب تر اور معتدل ہیں، انھوں نے ائمہ کو مرتبۂ نبوت تک نہیں پہونچایا، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد صرف ان کی افضلیت کے قائل ہیں، وہ صحابہؓ کی تکفیر نہیں کرتے، ان کا یہ بھی خیال ہے کہ جس امام کی آپؐ نے وصیت فرمائی تھی، اس کی تعیین نام و شخصیت سے نہیں کی تھی، بلکہ اوصاف بیان کئے تھے، جو حضرت علیؓ پر منطبق ہوتے ہیں، علامہ ابوزہرہ کی تحقیق ہے کہ اس فرقہ کے بانی امام زید ابن امام زین العابدین، شیخین (حضرت ابوبکرؓ و عمرؓ) کی امامت کے قائل تھے، اور ان کی خلافت کو صحیح مانتے تھے (ص ۴۷-۴۹)

ہاتھ پر خلافت کی بیعت کرتے تھے، اور وہ امام کہلاتے تھے، جو اس منصب پر فائز ہو اس کا درجۂ اجتہاد تک پہونچا ہوا ہونا، اور اپنے مذہب کا مسلّم و متبحّر عالم ہونا مفروغ عنہ سمجھا جاتا تھا، یمن سلطان سلیمان قانونی ابن یاؤز سلیم کے زمانۂ حکومت میں سلطنت عثمانیہ میں شامل ہوا، اس وقت ائمۂ یمن کے فرزند و جانشین السید المطہر (ابن الامام شرف الدین (م ۹۸۰ھ) حاکم و امام یمن تھے، ترکی حاکم اور قائد سنان پاشا اور ان کے درمیان جنگ ہوئی، اور یمن سلطنت عثمانیہ کے زیر نگین ہو گیا[1]، لیکن ترکوں نے حجاز کی طرح یہاں بھی امارت کا نظام قائم رکھا، اور ایک طرح کی داخلی خود مختاری دے دی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ جب حجاز میں تھے، تو اس وقت یمن میں الامام المنصور باللہ الحسین بن المتوکل علی اللہ قاسم بن حسین امام یمن تھے، جن کا عہد امامت و حکومت ۱۱۳۹ھ سے ۱۱۶۱ھ تک قائم رہا، مذہب زیدی کی حکومت اور فروغ کے باوجود رعایا زیادہ تر سُنّی اور مذہباً شافعی تھی، یمن بارہویں اور تیرہویں صدی میں علم حدیث کا اہم مرکز رہا ہے، جہاں بارہویں صدی میں محمد بن اسماعیل الامیر (م ۱۱۸۲ھ) صاحبِ "سُبل السلام"، اور تیرہویں صدی میں علامہ محمد بن علی الشوکانی (م ۱۲۵۵ھ) صاحبِ "نیل الاوطار" پیدا ہوئے، حجاز کے قیام میں شاہ صاحبؒ قربِ مکانی اور روابط علمی کی بناء پر علمائے یمن کی تصنیفات اور ان کی محدثانہ خدمات سے ضرور واقف ہوں گے۔

ایران

ایران میں خاندان صفوی کی سلطنت پر دو صدیاں گذر چکی تھیں، اور قانونِ قدرت

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "البرق الیمانی فی الفتح العثمانی" از علامہ قطب الدین نہروالی (ٹینی) حنفی

کے مطابق اس پر پیری واضمحلال کا وہ دور آگیا تھا جو فلسفی مؤرخ ابن خلدون کے بقول "آنے کے بعد جانے کا نام نہیں لیتا" "إن الهرم اذا نزل بدولة لا يرتفع"[1] اس حالت کو دیکھ کر ہمسایہ ملک افغانستان نے فائدہ اٹھایا، اور اپنے حوصلہ مند حکمراں محمود خاں غلزئی کی قیادت میں ۱۱۳۴ھ میں ایران پر حملہ کیا اور اصفہان کو فتح کر لیا، حسین شاہ گرفتار ہوا، افغانوں نے باقی ملک کو بھی فتح کرنے کا ارادہ کیا، لیکن ان کی تعداد اس قدر نہ تھی کہ پورے ملک کو اپنے قبضہ میں رکھ سکتے، محمود خاں تین سال سلطنت کرنے کے بعد ۱۱۳۷ھ/۱۷۲۴ء میں راہیِ ملک بقا ہوا، اس کے جانشین اشرف خاں کے زمانہ میں ملک میں بدنظمی پھیل گئی، اس وقت روس کے فرمانروا پیطر اعظم نے ایران کے شمالی اضلاع پر حملہ کیا، صلح کے نتیجہ میں ایران کو اپنے بہت سے زرخیز اور اہم اضلاع سے دستبردار ہونا پڑا، شاہ ایران قید میں تھا، خوش قسمتی سے اس کے شاہزادہ طہماسپ کو ایک لائق صاحبِ عزم و نظم قائد مل گیا، جو خاندانی طور پر معمولی حیثیت کا مالک ہونے کے باوجود اپنی صلاحیتوں کی بناء پر اس گروہ میں شامل تھا، جو نئی سلطنتوں کی بنیاد رکھتے ہیں، یہ نادر شاہ افشار تھا۔

نادر شاہ افشار

نادر نے طہماسپ کو اس کے آبائی تخت پر بٹھا دیا، دولت صفویہ زوال سے دوچار تھی، اور اس کے دوبارہ عروج کے آثار نہ تھے، سارے ملک میں انتشار اور بے اعتمادی پھیلی ہوئی تھی، نادر نے اس صورت حال سے فائدہ اٹھا کر ایک نئی عسکری طاقت کی تنظیم کی، اس کی حوصلہ مندی اور مردانگی نے ایرانیوں میں ایک نئی روح پھونک دی، وہ آندھی پانی کی طرح اٹھا اور سارے ملک پر چھا گیا، اس نے ۱۱۴۳ھ/۱۷۳۰ء میں افغانوں کو ایران سے بالکل بے دخل کر دیا، ۱۱۴۶ھ/۱۷۳۳ء میں اس نے

---

[1] جب کسی سلطنت پر بوڑھاپے کا دور آتا ہے تو پھر اس کی جوانی واپس نہیں آتی۔ (مقدمہ ابن خلدون)

روسیوں کو بحیرۂ خزر (CASPIAN SEA) پر روک کر باعزت اور خوددارانہ صلح کی، اہل عرب کو ملک کے مغربی حدود پر روک دیا، سلطان روم کو شمال سے پسپا ہونے پر مجبور کیا، اور قدیم سلطنت ایران کے صوبے غیر ملکیوں سے واپس لئے، ۱۱۴۸ھ/۱۷۳۵ء میں ایران کی سلطنت کو ایسی وسعت حاصل ہوگئی کہ اس کی سرحدیں اپنے قدیمی صورت پر واپس آگئیں، اور ۱۱۵۰ھ/۱۷۳۷ء میں خاندان صفویہ کا خاتمہ ہوگیا، نادرشاہ افشار اس وقت ایران کا واحد تاجدار تھا۔[1]

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم کے مصنف کے بیان کے مطابق نادر نے تخت سلطنت اس شرط پر قبول کیا تھا کہ ایرانی شیعیت سے دستبردار ہوجائیں، وہ خود نسلاً ترک اور مذہباً سنی تھا، لیکن ایرانیوں سے سنیت قبول کرانے میں وہ کامیاب نہ ہوسکا، اس کے جرنیلوں نے ۱۷۳۷ء میں بلوچستان اور بلخ لئے، ۱۷۳۸ء میں قندھار پر قبضہ کیا، وہاں سے تسخیر ہند کے لئے روانہ ہوکر کابل پشاور اور لاہور کو تسخیر کیا، ۱۷۳۹ء میں دہلی کے قریب کرنال میں مغل شاہنشاہ کی بہت بڑی فوج کو شکست دی، دہلی پر قبضہ کیا اور وہاں خوفناک قتل عام کرایا،[2] نادر نے مغل بادشاہ سے تخت نہیں لیا، مگر پچاس کرور ڈالر کا تاوان وصول کیا، نیز دریائے سندھ کے شمال و مغرب میں جتنے علاقے تھے اپنی سلطنت میں شامل کرلئے، بخارا و خوارزم (خیوہ) کی (۱۷۴۰ء میں) تسخیر عمل میں آئی، یہ اس کے مقبوضات میں وسعت کی آخری حد تھی، اور یہیں سے اس کی زندگی میں انقلاب شروع ہوا، وہ بلاشبہ بہت بڑا سالار تھا لیکن نہ حقیقی تدبر جانتا تھا، اور نہ اس میں کوئی انتظامی قابلیت تھی، شیعیت کو ختم کرنے کے لئے اس کی کوششوں[3] کا نتیجہ یہ ہوا کہ بے چینی بڑھنے لگی، اور اسے دبانے کے لئے وہ ظلم و جور سے

---

[1] ملخص از کتب تاریخ ایران و ہندوستان۔ [2] ان واقعات کی تفصیل بعد کے صفحات میں دیکھی جائے۔
[3] مغربی مورخین اور بعض مسلمان مصنفین کے اس بیان میں کہ نادرشاہ نے ایران سے شیعیت کے خاتمہ کی سنجیدہ اور باعزم کوشش کی اور یہ کہ وہ اصلاً سنی تھا، اس شبہ کی گنجائش ہے کہ یہ عقیدہ کی تبدیلی کا معاملہ تھا یا سیاسی تدبیر، دہلی پر حملہ اور وہاں کے قیام کے دوران نادرشاہ کی کسی بات سے یہ ظاہر نہیں ہوا کہ وہ مذہباً سنی ہے، اور ایران کو سنیت کے جھنڈے کے تلے لانا چاہتا ہے۔

کام لینے کا عادی بنتا گیا، انجام کار اس نے اپنے گرانقدر محصولوں اور جابرانہ تحصیلات سے ملک کو تباہ کر ڈالا۔ ۱۷۴۷ء میں نادر شاہ اپنے ہی قبیلہ کے ایک آدمی کے ہاتھ سے مارا گیا۔[1]

ایران نادر شاہ کی وفات کے بعد

نادر شاہ کی موت کے بعد ایران میں ابتری پھیل گئی، اور طوائف الملوکی کا دور دورہ ہوا، اس کی فوج کے سالار اپنی اپنی سلطنت کے قیام کا خواب دیکھنے لگے، اس کی وفات کے بعد اس کا بھتیجہ علی قلی عادل شاہ (۱۷۴۷ء - ۱۷۴۸ء) تخت نشین ہوا، اس نے اپنے خاندان کو قتل کروا دیا، صرف شہزادہ شاہ رُخ مرزا بچا جس کی عمر اس وقت چودہ ۱۴ برس تھی، عادل شاہ ایک سال کے اندر اندر اپنے بھائی ابراہیم کے ہاتھوں معزول ہوا، اور اندھا کر دیا گیا، لیکن ابراہیم کی فوج میں بغاوت ہو گئی، فوجی افسروں نے اس کو شکست دے کر قید پھر قتل کر دیا، اس کے بعد عادل شاہ کو بھی قتل کر دیا گیا، اس کے بعد زند خاندان ایران پر غالب آیا، اور کریم خاں زند (۱۱۶۴ھ - ۱۷۵۰ء / ۱۱۹۳ھ - ۱۷۷۹ء) نے انیس ۱۹ برس تک ایران پر حکومت کی، اس نے شیراز کو اپنا پایہ تخت بنایا، وہ انصاف اور رحم دلی کی صفات سے متصف تھا، اس نے ایران کو خونریز جنگوں کے بعد سکون و آرام کا موقعہ دیا، اس لئے اس کی موت پر بڑا سوگ منایا گیا، متعدد کمزور جانشینوں کے بعد لطف علی کے عہد میں خاندان زند کا زوال مکمل ہو گیا، لطف علی ۱۲۰۹ھ - ۱۷۹۴ء میں قتل ہوا، اور ایران کا تخت خاندان قاچار کے لئے خالی ہوا، چونکہ یہ عہد شاہ صاحب کے بعد کا ہے، اس لئے ہم اس سے تعرض نہیں کرتے۔

---

[1] انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم جلد اول تالیف ولیم ایل لینگر، ترجمہ و تہذیب مولانا غلام رسول مہر۔

افغانستان اور احمد شاہ ابدالی

اٹھارویں صدی سے پیشتر افغانستان کا ایک حصہ ایران کے ماتحت تھا، دوسرا ہندوستان کے ماتحت، اور تیسرے حصہ پر بخارا کے خوانین حکمراں تھے، ۱۷۰۶ء میں قندھار آزاد اور خود مختار ہوگیا، ۱۷۳۷ء میں نادر شاہ نے افغانوں کو قندھار کی حکومت سے بے دخل کیا، اور افغانستان نیز مغربی ہند پر قبضہ کرلیا۔

اس وقت ایک شخص احمد خاں نامی جنگی قیدی کی حیثیت سے اس کے پاس لایا گیا، نادر شاہ اس سے بہت متاثر ہوا اور اس کو اپنے ذاتی خدمت گاروں میں شامل کرلیا، احمد خاں برابر ترقی کرتا گیا، اور بادشاہ کا اعتماد اس نے بیش از بیش حاصل کیا، نادر کے قتل پر اس نے افغانی صوبوں کی عنان حکومت سنبھال لی، وہ ابدالی قبیلہ کے دُرّانی (سدوزئی) شاخ سے تعلق رکھتا تھا، اس نے دُرِّ دوراں کا لقب اختیار کیا، اور اسی نسبت سے اس کا خاندان دُرّانی کہلایا۔

احمد شاہ نے دُرّانی خاندان کی حکومت اور دُرّانی سلطنت کی بنیاد رکھی، اس کی وفات پر افغان سلطنت مشرقی ایران (مشہد) پورے افغانستان مکمل بلوچستان اور مشرقی سمت میں کشمیر اور پنجاب پر مشتمل تھی، وہ حقیقتاً اٹھارویں صدی کے وسط کے عظیم بانیانِ سلطنت، آزمودہ کار اور عالی ہمت سپہ سالاروں، اور خدا ترس و کریم النفس حکمرانوں میں شامل کئے جانے کے قابل اور بحیثیت مجموعی (ماحول، ابتدائی زندگی اور بے سروسامانی کو سامنے رکھتے ہوئے) عبقری (GENIUS) شخصیتوں میں شمار کئے جانے کا مستحق ہے، ۱۷۴۷ء سے ۱۷۶۹ء تک اس نے محمود غزنوی کی طرح ہندوستان کو اپنی ترک تازیوں کا میدان بنایا، اس کے تدبر،

عسکری صلاحیت، مذہبیت، علم دوستی، اور شرافتِ نفس کا اعتراف اس کے متعدد نامور معاصرین نے کیا ہے، اس نے عرصۂ دراز کے بعد افغان علاقہ کو جو اس وقت چھوٹی چھوٹی اکائیوں پر مشتمل تھا، ایک مضبوط طاقت میں منسلک کر کے ایک بڑی اور مضبوط اکائی میں تبدیل کر دیا۔[1]

افغانستان، احمد شاہ ابدالی کے بعد

احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۸۶ھ (۲۳ اکتوبر ۱۷۷۲ء) کو قندھار میں وفات پائی، افسوس ہے کہ عالمگیر اعظم کی طرح اس کے جانشین بھی کمزور نااہل تھے (اور یہ المیہ اکثر عظیم بانیانِ سلطنت اور کامیاب فاتحین و حکمرانوں کے ساتھ پیش آیا ہے) تیمور شاہ کو جو اس کا جانشین اور اس نوخیز اور عظیم سلطنت کا وارث ہوا، اپنے نامور اور صاحب عزم باپ سے کوئی نسبت نہ تھی، بیس[۲۰] سال کمزوری کے ساتھ سلطنت کرنے کے بعد جس میں اس جواں سال سلطنت کے اندر زوال کے آثار نمایاں ہو چکے تھے، ۱۷۹۳ء میں اس نے انتقال کیا، اس کے فرزند محمود کی بادشاہی کے زمانہ ہی میں سلطنت بارک زئی خاندان میں منتقل ہو گئی[۲] جو انقلاب افغانستان ۱۹۷۵ء تک افغانستان میں حکمراں رہا۔[۳]

عالم اسلام کی علمی و دینی حالت

عالم اسلام کا سیاسی و انتظامی جائزہ لینے کے بعد اب ہم اس کا علمی و دینی جائزہ

---

[1] مزید تفصیل باب نہم میں احمد شاہ ابدالی کے تذکرہ میں آئیگی۔ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہیدؒ" حصہ اول "درانی خاندان کا زوال اور اس کے اسباب" ص ۴۲۰-۴۲۳ [3] اسی خاندان کے حکمرانوں سے حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کے رفقاء کو سابقہ پڑا، اور اسی کی آخری شاخ ظاہر شاہ پر ۱۹۷۵ء میں ختم ہوئی۔

لیتے ہیں کہ اس کا شاہ صاحب کی زندگی، ان کے موضوع و ذوق اور ان کے کار تجدید و اصلاح سے قریبی تعلق ہے۔

بارہویں صدی کے اہل کمال

مسلمانوں کی علمی و فکری تاریخ، اور ان کی تصنیفی و تحقیقی سرگرمیوں کی طویل روداد کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کی علمی و فکری زندگی و نشاط، اور ان کی تصنیفی و تحقیقی سرگرمیاں، سیاسی عروج اور سلطنتوں کی ترقی و فتوحات سے مربوط و وابستہ نہیں رہی ہیں، جیسا کہ اکثر غیر مسلم اقوام و ملل کی تاریخ میں نظر آتا ہے کہ ان کے سیاسی زوال، انقلاب سلطنت، اور بدنظمی و انتشار کے ساتھ ان کو علمی زوال اور قحط الرجال سے بھی واسطہ پڑتا ہے، سلطنتوں کی ہمت افزائی و سرپرستی، اور قوموں میں خود اعتمادی و احساس برتری کے فقدان کے ساتھ ان کے ذہن و فکر کے سوتے خشک، مسابقت کا جذبہ سرد، اور محرکاتِ عمل کمزور پڑ جاتے ہیں۔

مسلمانوں کا معاملہ اس سے مختلف ہے، بارہا ان کے سیاسی زوال اور اندرونی انتشار کے زمانہ میں ایسے ممتاز اہل کمال پیدا ہوئے، جو دور زوال و انحطاط کی پیداوار نہیں معلوم ہوتے، ساتویں صدی کے آخر میں سقوط بغداد اور تاتاریوں کے ان حملوں کے بعد جنھوں نے مشرقی دنیائے اسلام کو زیر و زبر کر دیا تھا، اور ان ممالک میں خاک اڑ گئی تھی جو صدیوں سے علم کا مرکز چلے آرہے تھے، آٹھویں صدی کے اوائل ہی میں شیخ الاسلام تقی الدین ابن دقیق العید (م ۷۰۲ھ) جیسے محدث علامہ علاء الدین الباجی (م ۷۱۴ھ) جیسے اصولی و متکلم، شیخ الاسلام ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) جیسے امام و مجتہد، علامہ شمس الدین الذہبی (م ۷۴۸ھ) جیسے محدث و مورخ، اور علامہ ابوحیان نحوی (م ۷۴۵ھ) جیسے ماہر فن علماء نظر آتے ہیں۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ علوم دینیہ میں کمال پیدا کرنے اور ان کی خدمت و اشاعت کے محرّکات اس امت کے اندرون اور باطن میں پائے جاتے ہیں، نہ کہ بیرون (حکومتوں کی سرپرستی و قدردانی) میں، اور وہ محرکات ہیں رضائے الٰہی کا حصول، نیابتِ انبیاء کے فرض کی ادائیگی، اور دین کی حفاظت کی ذمہ داری کا احساس، اس لئے یہ عہد اگرچہ مجموعی طور پر سیاسی انتشار کا عہد ہے، اور بڑی بڑی مسلم حکومتوں حتیٰ کہ سلطنت عثمانیہ کے زوال کے آثار شروع ہو گئے تھے، ملکوں یہاں تک کہ مرکز اسلام حجاز تک میں حکومت و امارت کے حصول کے لئے باہمی کشمکش اور نبرد آزمائی تھی، لیکن مصر، شام، عراق، حجاز و یمن، ایران و ہندوستان میں ہر جگہ علماء درس و تدریس میں مشغول، علمی ذوق رکھنے والے تصنیف و تالیف میں سرگرم، اور مشائخ طریقت تزکیۂ نفس و اصلاح باطن میں منہمک، اور کمالات روحانی، اور ترقیات باطنی سے آراستہ و متصف تھے، اور ان میں سے بعض بعض نے ایسا امتیاز پیدا کیا تھا، کہ اس کی نظیر ماضی قریب میں بھی دور تک نہیں ملتی۔

فن حدیث کو لیجئے تو اس میں علامہ ابوالحسن السندی الکبیر (م ۱۱۳۸ھ) جیسے محدث نظر آتے ہیں جنھوں نے مدت تک حرم شریف میں حدیث کا درس دیا، صحاح ستّہ پر ان کے حواشی الہوامش السّتہ کے نام سے مشہور ہیں، مولانا محمد حیات سندی (م ۱۱۶۳ھ) بھی اسی عہد کی زیب و زینت ہیں، شام میں شیخ اسماعیل العجلونی المشہور بالجراحی (م ۱۱۶۲ھ) پایہ کے محدث تھے، ان کی کتاب "کشف الخفاء ومزیل الالباس، عمّا اشتهر من الأحاديث على ألسنة الناس" (ج ۱-۲) بڑی مفید اور جامع کتاب ہے، جو ضعیف و موضوع احادیث کا غالباً سب سے بڑا مجموعہ[1] ہے، کتاب سے ان کی وسعت نظر اور انصاف کا اندازہ ہوتا ہے، ضعیف و موضوع احادیث کے علاوہ وہ حدیثیں بھی ہیں جو زبان زد خلائق ہیں، اور ان کی تخریج عام طور پر معلوم نہیں۔

---

[1] یہ کتاب مکتبۃ التراث الاسلامی حلب نے شائع کی ہے۔

تدریس حدیث کا بڑا مرکز حرمین شریفین تھے، جہاں شیخ ابوالطاہر الکورانی الکردی، و شیخ حسن العجیمی درس دیتے تھے، یمن میں سلیمان بن یحییٰ الاہدل (م ۱۱۹۷ھ) دیار یمن کے محدث جلیل اور اپنے عہد کے بڑے خادم و ناشر حدیث تھے، محمد بن احمد السفارینی (م ۱۱۸۸ھ) حدیث اور اصول کے بڑے عالم اور "الدرر المنثورة فی الاحادیث الموضوعات" کے مصنف تھے، یمن میں الامیر محمد بن اسماعیل الحسنی الصنعانی (م ۱۱۸۲ھ) جلیل القدر محدث و محقق تھے، جن کی یادگار "بلوغ المرام" کی مشہور شرح "سبل السلام" اور "تنقیح الانظار" کی شرح "توضیح الافکار" ہے، اسی صدی میں علامہ محمد سعید السنبل (م ۱۱۷۵ھ) کا نام نظر آتا ہے، جن کے اوائل کتب حدیث پر[1] شیوخ حدیث کی اجازت حدیث کا اکثر و بیشتر اعتماد و انحصار ہے، مورخین نے علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی (م ۱۱۲۲ھ) کو "خاتمة المحدثین بالدیار المصریة" لکھا ہے[2]۔

علمی تبحر، کثرت تدریس و افادہ و کثرت تصنیف و تالیف کے لحاظ سے شیخ عبدالغنی النابلسی (م ۱۱۴۳ھ) اس عہد میں نمایاں ہیں، جن کے تلامذہ اور مسترشدین کثرت سے نظر آتے ہیں، اور ان کو الاستاذ الاعظم کا خطاب دیتے ہیں، ان کی تصنیفات کی تعداد دو سو تیئیس[223] بتائی جاتی ہے، اسی عہد میں علامہ اسماعیل حقی (م ۱۱۲۷ھ) بھی تھے، جو "روح البیان فی تفسیر القرآن" کے مصنف ہیں، جو تفسیر حقی کے نام سے مشہور ہے، بغداد کے علماء میں عبداللہ بن حسین السویدی (م ۱۱۷۴ھ) صاحب تصانیف[3] کثیرہ ہیں۔

جامع ازہر مصر، جامع الزیتونہ تونس، اور جامعۃ القرویین فاس کے قدیم مدارس کے

---

[1] الاوائل السنبلیۃ فی اوائل کتب الحدیث [2] ان معلومات کا ماخذ "البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع" (تصنیف علامہ محمد بن علی الشوکانی صاحب نیل الاوطار) اور "سلک الدرر فی اعیان القرن الثانی عشر" للمرادی ہے۔ [3] سلک الدرر، البدر الطالع۔

علاوہ مدارس میں دمشق کے مدرسۂ حافظیہ، المدرسۃ الشلّیۃ اور المدرسۃ العذراویۃ کے نام ملتے ہیں[1]، طرق میں سے نقشبندی، خلوتی، شاذلی، قادری، رفاعی کا بار بار تذکرہ آتا ہے، اور ان کے مشائخ ترکی سے لے کر انڈونیشیا تک پھیلے ہوئے نظر آتے ہیں۔

عالم اسلام کے علمی ادبی و روحانی ذوق پر ایک نظر

اس زمانہ کے اہل علم پر غالب ذوق ادب، شاعری، علم مجلسی، اور الغاز و لطائف کا ہے[2]، اس میں بھی کوئی بڑا تفوّق اور ندرت نہیں معلوم ہوتی، سجع اور قوافی کی کثرت اور تکلفات عام ہیں، تُرکی حکومت کے اثرات[3] علمی و ادبی حلقہ پر بھی نمایاں ہیں، کوئی بڑا محقق اور صاحب نظر ڈھونڈھنے سے نظر آتا ہے، مرادی کی "سلک الدرر" کی چار جلدیں قصائد، غزلیات، اور ابیات و مقطوعات سے بھری ہوئی ہیں، مکاشفات، خوش عقیدگی اور کرامات کا بہت تذکرہ ملتا ہے، سلطنت عثمانیہ کے ماتحت ممالک کے علماء اور اہل کمال دارالخلافۃ (قسطنطنیہ) جاتے ہیں، اور حکومت کے مناصب پر فائز ہوتے ہیں، معقولات، حساب و ہندسہ، علوم بلاغت، فقہ و حدیث نصاب کے اہم اجزاء ہیں، تعویذ و نقوش کا رواج عام ہے، بعض علماء نے فقہی متون قدوری وغیرہ کو نظم کیا ہے، متعدد عرب اہل علم فارسی اور ترکی سے بھی واقف تھے، سلطنت کی زبان ہونے کی وجہ سے ترکی سے (بالخصوص شام میں) لوگوں کو مناسبت تھی، ترک علماء کی ایک بڑی تعداد تھی، جو شام میں مقیم تھی، وہ فصیح عربی بولتے تھے، جامع اموی دمشق میں مسند درس پر بیٹھنا بڑے فخر

---

[1] سلک الدرر [2] مُعمّے اور پہیلیاں [3] ترک مزاجاً و فطرتاً سیاسی، منظم اور فوجی قوم (MARTIAL RACE) ہیں، ان کے طویل دور اقتدار میں علامہ ابوالسعود، طاش کبری زادہ، خلیفہ چلپی جیسے چند ممتاز عالم و محقق و مصنف نظر آتے ہیں۔

کی بات سمجھی جاتی تھی، بعض مشائخ و علماء "فتوحات مکیہ" کا، اور بعض اساتذہ "فصوص الحکم" کا درس دیتے تھے، شرح جامی، اور مختصر المعانی شام میں بھی پڑھی جاتی تھی، تصوف کا مذاق عام تھا، حتیٰ کہ علماء و محدثین میں بھی، شیخ عبدالغنی النابلسی اور متعدد علماء و مشائخ وحدۃ الوجود کا ذوق رکھتے تھے۔[1]

ایران میں علوم عقلیہ کا غلبہ اور اس کا ہمسایہ ممالک پر اثر

دسویں صدی ہجری کی ابتدا ہی میں اسماعیل صفوی (۹۰۵-۹۳۰ھ) نے ایران میں عظیم الشان صفوی حکومت قائم کی، اور پہلی مرتبہ شیعیت کو ملکی مذہب بنایا، اور سنی مذہب کو تقریباً ایران سے مٹا کر رکھدیا، ایران جس نے امام مسلم، امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ماجہ، جیسے مسلّم امام فن اور ایوان حدیث کے چار ستون، دوسری طرف بلند پایہ فقیہ اور متبحر عالم علامہ ابواسحاق شیرازی، امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک جوینی، اور حجۃ الاسلام ابوحامد محمد الغزالی جیسی سرآمد روزگار شخصیتیں پیدا کیں، تقریباً سوا دو سو برس کی باجبروت سلطنت میں اس کا رابطہ حدیث و فقہ اور علوم نافعہ سے منقطع ہو کر رہ گیا، شاہان ایران کا رجحان فلسفہ و حکمت کی طرف زیادہ تھا کہ شیعیت کو شروع ہی سے اعتزال و عقلیت اور فلسفہ سے مناسبت رہی ہے، مشہور حکیم و ریاضی داں خواجہ نصیرالدین طوسی (م ۶۷۲ھ) مصنف "شرح اشارات ابن سینا" جو خود شیعہ اور معتزلی تھے، ہلاکو خاں کے خاص معتمد و مشیر تھے،[2] اس شاہی تقرب و اعتماد کی وجہ سے پوری تاتاری قلمرو میں (جس میں ترکستان، ایران و عراق

---

[1] ملاحظہ ہو "سلک الدرر" ۱-۲-۳-۴

[2] ملاحظہ ہو "تاریخ اخبار و آثار خواجہ نصیرالدین طوسی" شائع کردہ طہران یونیورسٹی۔

شامل تھے) فلسفہ وحکمت وریاضیات کا رُجحان غالب آگیا، صفوی سلطنت کے دوسرے ہی حکمراں شاہ طہماسپ (م ۹۸۴ھ) کے زمانہ ہی میں میر غیاث الدین منصور (م ۹۴۸ھ) کا ستارۂ اقبال بلند ہوا، جو ایک اشراقی حکیم اور فلسفی[1]، اور شیراز کے مدرسۂ منصوریہ کے بانی تھے، شاہ طہماسپ صفوی کے زمانہ میں ان کو عرصہ تک منصب صدارت تفویض رہا، ہندوستان تک ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ پھیل گئے، انھیں کے شاگرد امیر فتح اللہ شیرازی (م ۹۹۷ھ) دسویں صدی کے آخر میں ہندوستان آئے، اکبر نے ان کو صدارت کا منصب دیا، انھوں نے ہندوستان کے نصاب درس اور طریق تعلیم پر عقلیت کی ایسی گہری چھاپ لگادی جو تیرھویں صدی ہجری تک باقی رہی، مولانا آزاد بلگرامی کے بقول وہی صدرالدین شیرازی، میر غیاث الدین منصور اور فاضل مرزا جان (م ۹۴۴ھ) کی تصنیفات ہندوستان لائے، اور ان کو داخل نصاب کیا۔

گیارہویں صدی کے وسط میں میر باقر داماد (م ۱۰۴۱ھ) کی شخصیت اُبھری، جس نے ایران سے لے کر ہندوستان تک کے علمی و تعلیمی حلقہ پر اپنی ذہانت، عقلیت و ادبیت کا سکہ قائم کردیا، شاہ عباس صفوی (م ۱۰۳۷ھ) کے دربار میں وہ نہایت قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، ان کی کتاب "الافق المبین" درسی حلقوں کی بلند پروازیوں کا منتہیٰ سمجھا جانے لگا، ان کے بعد ہی علامہ صدرالدین شیرازی (م ۱۰۵۰ھ) کی شخصیت نمایاں ہوئی، جو اشراقی حکیم اور آزاد خیال فلسفی تھے، ان کی ڈیڑھ کتابیں "الاسفار الأربعة" اور "شرح هداية الحكمة"

---

[1] انھوں نے شہاب الدین سہروردی مقتول کی کتاب "هياكل النور" کی شرح اشراق هياكل النور کے نام سے لکھی ہے، اس میں محقق دوانی کا بہت رد کیا ہے۔

معروف بصدرا[1]، عالمگیر شہرت رکھتی ہیں، ایران کے نسلی ذوق نے جو صدیوں سے رائی کا پربت اور بات کا بتنگڑ بنانے کا عادی تھا، اس عقلی رجحان کا پورا ساتھ دیا، اور لفظی موشگافیاں، اور دعاوی و مفروضات کی بھول بھلیاں، ایران کی مغربی سرحد سے لے کر ہندوستان کی مشرقی سرحد تک پھیلا دیں، جو "کوہ کندن وکاہ برآوردن" کے مرادف تھیں، دسویں صدی کے عجم سے بارہویں صدی کے عرب تک تدریسی و تصنیفی حلقہ پر "علومِ حکمت" کی حکومت قائم تھی، اور ان مصنفین کی عبارتوں کے سمجھنے اور ان کے شرح و تحشیہ کے سوا اظہار کمال، بلکہ اپنی ذہانت کا ثبوت دینے کا کوئی ذریعہ نہ تھا، اور ان کی افادیت میں ادنیٰ قیل وقال عبادت وجہالت کا ثبوت دینا تھا۔

ایران کا اثر قدرتی طور پر افغانستان پر اور افغانستان کے بھی مغربی شہر ہرات پر پڑا وہاں اس شہر کے ایک عالم قاضی محمد اسلم ہروی کابلی (م ۱۰۶۱ھ) منطق و حکمت میں ایران اور ائمۂ فن کے اس ملک میں سفیر تھے، ان کے صاحبزادہ قاضی محمد زاہد مشہور بہ میرزاہد[2] (م ۱۱۰۱ھ) نے اس کمال میں اور چار چاند لگائے، انھوں نے اپنی عمر کا بیشتر حصہ ہندوستان میں گزارا "شرح مواقف" "شرح تہذیب" اور "رسالہ قطبیہ" پر ان کے تین[3] حواشی نے جو "زواہد ثلاثہ" کے نام سے مشہور ہیں، ہندوستان کے درس و تدریس کے حلقوں میں بڑی مقبولیت حاصل کی، علوم عقلیہ میں اس کمال کے باوجود وہ فقہ و حدیث اور علوم دینیہ میں پایۂ بلند نہیں رکھتے تھے، یہاں تک کہ "شرح وقایہ" جیسی فقہ کی متوسط کتاب کے درس میں بھی ان کو اپنے اوپر پورا اعتماد نہیں تھا، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے

---

[1] صدرا ہندوستان کے نصابِ درس میں گیارہویں صدی ہجری سے داخل ہے اس کے حصول اور اس میں مہارت کے بغیر طالب علم فارغ التحصیل اور فاضل نہیں سمجھا جاتا تھا۔ [2] صحیح زاہد

ملفوظات میں ہے کہ :۔

امیرے شرح وقایہ می خواند بے حضور جدّ بزرگوار سبق نمی فرمود۔[1]

ایک امیر میرزاہد سے شرح وقایہ پڑھتا تھا (لیکن فقہ میں اپنے اوپر اعتماد نہ ہونے کی وجہ سے) وہ اس وقت تک سبق نہیں پڑھاتے تھے، جب تک کہ دادا صاحب (شاہ عبدالرحیم صاحب جو معقولات میں خود ان کے شاگرد تھے) نہ آجاتے۔

اس کے مقابلہ میں معقولات میں ایسا تو غلّو تھا کہ فرماتے تھے :۔

تقریر مرزا جان جان من است، مرزا جان کی تقریر تو میری جان ہے،

و تقریر اخوند جان جان من است[2]، اور اخوند کی تقریر میری جان جاناں ہے

ایران کا یہ اثر نہ صرف افغانستان اور ہندوستان پر، بلکہ شام و عراق تک پر پڑ رہا تھا، اور وہاں بھی معقولات کے علماء کو عزت و احترام کی نظر سے دیکھا جاتا تھا، اور ان علوم کا ذہن پر رعب و اثر تھا، اور اس کی کتابیں نصاب تعلیم میں شامل ہوتی جاتی تھیں۔

عام اخلاقی، معاشرتی اور اعتقادی حالت

علمی اشتغال، کثیۃ التعداد اہل کمال، سلاسل و طرق کی مقبولیت، حدیث نبویؐ سے اعتناء، اور حکّام کی دینداری، اور ان مسلم حکومتوں کی موجودگی میں جن کا

---

[1] ملفوظات ۔۸۲ [2] ایضاً ۔۸۳

عقیدہ اسلام پر اور عملی زندگی کے بہت سے شعبوں اور عائلی قانون میں شریعت پر تھا، مدارس آباد اور مسجدیں معمور تھیں، جمہور اور عوام اسلام پسند، دین دوست، علماء کے قدردان، مشائخ اور بزرگوں کے معتقد، دین کے ارکان و فرائض پر عامل تھے، اور ان کے دل حمیتِ اسلامی سے بھی خالی نہ تھے، عالم اسلام میں عمومی طور پر جمود و تنزل پایا جاتا تھا، اخلاق و معاشرت میں فساد آچکا تھا، اہل عجم اور غیر مسلموں کے بہت سے شعائر اور ان کے عادات مسلمانوں نے اختیار کر لئے تھے، حکام میں خود سری، اور سلطنتوں میں مطلق العنانی پائی جاتی تھی، امراء اور اغنیاء کا طبقہ دولت اور تموّل کے بُرے اثرات سے متاثر اور بہت جگہ "مترفین" کے اخلاق و رجحانات کو اختیار کر چکا تھا، معاشرہ کے بہت سے طبقوں پر کسل مندی، تعطّل، سرکار دربار سے وابستگی اور تملّق و خوشامد کی عادت غالب آگئی تھی، بہت سے حلقوں میں توہّمات کا زور تھا، توحید خالص کے حدود سے تجاوز، اولیاء کی تقدیس اور حد سے بڑھی ہوئی تعظیم اور قبر پرستی، اور کہیں کہیں شرک جلی کے نمونے بھی نظر آتے تھے۔

امریکی مصنف ڈاکٹر لوتھراپ اسٹاڈرڈ (LOTHROP STODDARD) نے اپنی شہرۂ آفاق کتاب (NEW WORLD OF ISLAM) (جدید دنیائے اسلام) میں اٹھارویں صدی کی اسلامی دنیا کا نقشہ کھینچا ہے، جس میں اگرچہ کہیں کہیں مبالغہ اور بے اعتدالی پائی جاتی ہے، لیکن مجموعی طور پر وہ اس وقت کے عالم اسلام کی یکسر غلط تصویر نہیں ہے[1]، اور اس میں اس کے وہ بہت سے گوشے آگئے ہیں، جو اندر رہنے والوں اور ہر وقت کے دیکھنے والوں کو اکثر نظر نہیں آتے،

---

[1] نامور مسلمان مبصّر و مورخ امیر شکیب ارسلان نے اس کتاب کے عربی ترجمہ (جو "حاضر العالم الاسلامی" کے نام سے شائع ہوا ہے) کے شہرۂ آفاق حواشی میں عالم اسلام کے اس عمومی جائزہ اور تصویر کشی کی تصویب و تحسین کی ہے، اور اس کو واقعہ کے مطابق بتایا ہے۔

اور نئے آنے والے اور پہلی بار دیکھنے والے کو اپنی طرف ملتفت کر لیتے ہیں' اس کی صحت کی پوری ذمہ داری لئے بغیر اس کا یہاں نقل کرنا غلط اور بے محل نہ ہوگا، وہ لکھتا ہے:۔

"اٹھارویں صدی تک اسلامی دنیا اپنے ضعف کی انتہا کو پہونچ چکی تھی' صحیح قوت کے آثار کسی جگہ نہیں پائے جاتے تھے' ہر جگہ جمود و تنزل نمایاں تھے' آداب و اخلاق قابل نفرت تھے' عربی تہذیب کے آخری آثار مفقود ہو کر ایک قلیل تعداد و خیانہ عشرت میں اور عوام وحشیانہ مذلت میں زندگی بسر کرتے تھے' تعلیم مردہ ہو گئی تھی' اور چند درسگاہیں' جو ہولناک زوال میں باقی تھیں' وہ افلاس و غربت کی وجہ سے دم توڑ رہی تھیں' سلطنتیں مطلق العنان تھیں، اور ان میں بدنظمی اور خون ریزی کا دور دورہ تھا' جگہ جگہ کوئی بڑا خود مختار جیسے سلطانِ ٹرکی یا ہند کے شاہان مغلیہ کچھ شاہی شان قائم کئے ہوئے تھے' اگرچہ صوبہ جات کے امراء اپنے آقاؤں کی طرح آزاد سلطنتیں جو ظلم و استحصال بالجبر پر مبنی تھیں' قائم کرنے کے بہت کوشاں تھے' اسی طرح امراء متواتر سرکش' مقامی رئیسوں اور قطاع الطریق کی جماعتوں کے خلاف جو ملک کو آزار پہونچاتے تھے' برسرپیکار تھے، اس منحوس طرز حکومت میں رعایا لوٹ مار اور ظلم و پامالی سے نالاں تھی' دیہاتیوں اور شہریوں میں محنت کے محرکات مفقود ہو گئے تھے' لہذا تجارت و زراعت دونوں اس قدر کم ہو گئی تھیں کہ محض سدِ رمق کے لئے کی جاتی تھیں۔

مذہب بھی دیگر امور کی طرح پستی میں تھا' تصوف کے طفلانہ توہمات کی کثرت نے خالص اسلامی توحید کو ڈھک لیا تھا' عوام وجہال تعویذ' گنڈے اور مالا میں پھنس کر گندے فقراء اور دیوانے درویشوں سے اعتقاد رکھتے تھے' اور بزرگوں کے مزاروں پر زیارت کو جاتے تھے' اور ان کی پرستش بارگاہ ایزدی کے شفیع و ولی کے طور پر کی جاتی تھی'

کیونکہ ان جہال کا خیال تھا کہ خدا ایسا برتر ہے کہ وہ اس کی طاعات بلا واسطہ نہیں ادا کر سکتے، قرآن مجید کی اخلاقی تعلیم کو نہ صرف پس پشت ڈال رکھا تھا، بلکہ اس کی خلاف ورزی بھی کی جاتی تھی، افیون اور شراب خوری عام ہو رہی تھی، زناکاری کا زور تھا، اور ذلیل ترین اعمال قبیحہ کھلم کھلا بے حیائی کے ساتھ کئے جاتے تھے۔"[1]

---

[1] "سیرت سید احمد شہیدؒ جلد اول صـــ ۶۹-۷۰، مقتبس از "جدید دنیائے اسلام" مترجمہ جمیل الدین صاحب بدایونی علیگ۔

باب دوم

ہندوستان

سیاسی حالت

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت سلطان اورنگ زیب عالمگیر کی وفات (۱۱۱۸ھ) سے چار سال پہلے (۱۱۱۴ھ میں) ہوئی، عالمگیر اس تختی تراعظم کا اس ملک کی معلوم و محفوظ تاریخ کی روشنی میں اشوک کے بعد (اگر اس کی سلطنت کی وسعت و عظمت سے متعلق بیانات صحیح اور قابلِ اعتماد ہیں) ہندوستان کا سب سے بڑا فرمانروا، اور اس کی سلطنت ہندوستان میں قائم ہونے والی سلطنتوں میں سب سے زیادہ وسیع تھی، کیمبرج ہسٹری کے مصنفین لکھتے ہیں کہ:۔

"اس کی حکومت غزنی سے چٹاگانگ تک، اور کشمیر سے کرناٹک تک وسیع تھی"[1]

دوسرے مؤرخ لکھتے ہیں:۔

"قدیم زمانہ سے انگریزوں کے عروج تک ہندوستان میں اتنی طویل و عریض حکومت کبھی قائم نہیں ہوئی تھی"[2]

اسی کے عہد میں اور اسی کے ایماء پر میر جملہ نے صدیوں کے بعد پہلی مرتبہ آسام کو (جو اپنی زبان،

---

[1] CAMBRIDGE HISTORY OF INDIA, V. 4 P 316
MUSLIM RULE IN INDIA, D.P. MAHAJAN, DELHI. 1971

[2] CAMBRIDGE HISTORY OF THE WORLD, P. 175, DELHI, 1370

تہذیب، مذہب، اور نسل میں ہندوستان سے الگ ایک آزاد منطقہ رہا ہے) فتح کر کے ایک بار سلطنتِ مغلیہ میں شامل کر لیا[1]، تمام مغربی اور غیر مسلم ہندوستانی مؤرخین کے ان تنقیدی و اختلافی تبصروں کے باوجود جن کا محرّک دراصل اورنگ زیب کی حمیّت و حمایت اسلام ہے[2]، اس کی بے نظیر قوتِ ارادی، استقلالِ طبیعت، انتظامی صلاحیت، سادہ بلکہ زاہدانہ زندگی اور شجاعت و بہادری ایک مسلّم تاریخی حقیقت ہے[3]۔

اورنگ زیب عالمگیر

اورنگ زیب نے زمام سلطنت ہاتھ میں لینے کے بعد اپنی پوری توجہ عہد اکبری کے مخالفِ اسلام اثرات کو مٹانے، شیعیت کے اثر کو کم کرنے (جس کا بڑا مرکز جنوب تھا، اور اسی لئے اس نے اپنی زندگی اور توانائی کا بڑا حصہ اس کی تسخیر میں صرف کیا) ایران کے ان مجوسیت آمیز تہذیبی اثرات کو جو دورِ اکبری میں قائم ہو گئے تھے، اور جو ایرانی تقویم اور جشن نوروز کی شکل میں پائے جاتے تھے، ختم کرنے کے اقدامات کئے، محتسب کا شرعی عہدہ قائم کیا، تاکہ وہ خلق خدا کو منہیات و محرّمات سے منع کرے، حکومت کی بیش قرار نامشروع آمدنیاں موقوف کیں، سرود و رقّاصی اور جھروکہ درشن کو بند کیا، شرعی قاضی مقرر کئے اور ان کو اعلیٰ اختیارات دیئے، پوری سلطنت میں شرعی قانون و آئین جاری کرنے، اور قاضیوں کی آسانی کے لئے مسائل فقہیہ کی تدوین و ترتیب کا بیڑا اٹھایا جس کے نتیجہ میں "فتاویٰ عالمگیری" کے نام سے ایک ایسا مجموعہ تیار ہوا جو مصر، شام و ترکی میں بھی

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "مآثر عالمگیری" از محمد ساقی مستعد خاں ص ۳۹-۴۰، کلکتہ ۱۸۷۱ء، نیز وقائع سیر و سیاحت ڈاکٹر برنیر DR. BERNIER ص ۲۹۴ [2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ چہارم ص ۲۲۳-۲۲۴

[3] ملاحظہ ہو اسٹینلی لین پول کی کتاب "اورنگ زیب" AURANGZEB، اور ظہیر الدین فاروقی کی کتاب AURANGZEB & HIS AGE، نیز جادوناتھ سرکار کی کتاب HISTORY OF AURANGZEB، اور مولانا شبلی کے مضامین عالمگیر۔

(جہاں وہ الفتاوی الھندیۃ کے نام سے مشہور ہے) قانون اسلامی کا ایک بڑا اور مستند ماخذ سمجھا گیا، کورنش و آداب کے غیر اسلامی اور غیر موحدانہ طریقے منسوخ کئے، اور سلام مسنون کا اجرا کیا قصہ مختصر بقول اقبال ؎

شعلۂ توحید را پروانہ بود
چوں براہیم اندریں بت خانہ بود

ن اصلاحی و انقلابی کارناموں کے ماسوا جو دینی قدر و قیمت کے حامل ہیں اس کی سب سے نمایاں صفت اس کی بیدار مغزی، مستعدی، فرض شناسی اور امور سلطنت میں جزو کل سے واقفیت اور نظم و نسق پر کلی طور پر حاوی ہونے کی کوشش ہے، جو اس خداداد وسیع سلطنت کے فرماں روا کے لئے شرط اول ہے، اس نے اپنے والد شاہجہاں بادشاہ کو ایک خط میں لکھا تھا، اور تاریخ اس کی تصدیق کرتی ہے کہ "کاہل وجودی کا الزام مجھ پر عائد نہیں ہو سکتا"[1] ایک امیر کو جواب دیتے ہوئے (جس نے یہ مشورہ دیا تھا کہ شہنشاہ کاروبار سلطنت میں محنت شاقہ سے کام نہ لیں کہ اس سے اندیشہ ہے کہ ان کی صحت پر برا اثر پڑے) کہا تھا کہ "مجھکو پروردگار نے دوسروں کے واسطہ محنت کرنے کے لئے بھیجا ہے" اور شیخ سعدیؒ کا یہ شعر پڑھا ؎

الا تا بغفلت نہ خسپی کہ نوم
حرام است بر چشم سالار قوم[2]

مملکت کی اس وسعت کے باوجود اس کے نظم و نسق پر بذات خود مطلع اور حاوی ہونا اسی شخص کا کام ہے، جو آہنی عزم، فولادی جسم، حد درجہ کا احساس ذمہ داری اور خوف خدا رکھتا ہو، حیرت کی بات یہ ہے کہ اس کی نظر جتنی ملکی کلیات اور مہمات سلطنت پر تھی اتنی ہی

---

[1] ملاحظہ ہو ظفرنامہ شاہجہاں [2] اورنگ زیب از اسٹینلی لین پول ص ۷۲-۷۳

جزئیات پر، وہ دکن میں تھا، مگر شمال مغرب اور مشرق کی خبر رکھتا تھا، اپنی ذاتی اطلاعات اور پرچہ نویسوں کی مدد سے امور انتظامی کی باریک سے باریک تفصیلات جانچتا تھا، جس کی وجہ سے عمّالِ سلطنت جہاں بھی رہتے چوکنا اور مستعد رہتے، وہ ادنی ادنی محرّروں کا تقرر خود کرتا تھا[1]، اس کا یہ شعر اس کے دل کی صحیح ترجمانی اور اس کے احساس ذمہ داری اور اس کے نتیجہ میں اس کی مشکلات کی صحیح تصویر ہے، وہ اکثر اپنا ہی یہ شعر پڑھتا تھا ؎

غمِ عالم فراوان است و من یک غنچہ دل دارم
چساں در شیشۂ ساعت کنم ریگ بیاباں را؟[2]

کبھی کبھی یہ شعر بھی پڑھتا اور اس پر اس کا عمل تھا ؎

من نمی گویم زیاں کن یا بفکرِ سود باش
اے ز فرصت بے خبر! در ہر چہ باشی زود باش

اورنگ زیب کے کمزور جانشین

لیکن اورنگ زیب کے بعد اس کے عظیم اور پُر جلال تخت پر (جو ماحیِ دین بننے کے بجائے حامی دین اور ہادم ملت کے بجائے خادم ملت بن گیا تھا) اس کی اولاد میں وہ لوگ آئے جنھوں نے گویا قسم کھائی تھی کہ عالمگیر سے حمایت و حفاظتِ اسلام، احیاء دین، اور اجراءِ سنت کی جو "غلطی" ہوئی تھی، وہ اس کی تلافی کریں گے، نیز اس نے سلطنت کے حدود میں جو توسیع کی تھی، ہندوستان کے نظم و نسق کو اپنی بیدار مغزی، مستعدی، اور فرض شناسی سے جو استحکام بخشا تھا، عوام اور فتنہ پردازوں پر جو رُعب و اثر قائم کیا تھا، وہ اپنی تعیش پسندی،

---

[1] اورنگ زیب از اسٹینلی لین پول ص ۷۹ [2] تاریخ ہندوستان ص ۴۷۵ ج ۸

کاہلی و نااہلی، اندرونی اختلاف و کشمکش، خودغرض و جاہ پسند ارکانِ سلطنت و وزراء پر کُلّی اعتماد، اور امورِ سلطنت سے غفلت کے ذریعہ اس "گناہ" کا جو عالمگیر اعظم سے سرزد ہوا تھا، مسلسل کفّارہ ادا کرتے رہیں گے، چنانچہ یہ مُغَل سلطنت ہی نہیں، ملت اسلامیہ ہی نہیں، ہندوستان کی بدقسمتی تھی کہ اس کے تختِ سلطنت پر یکے بعد دیگرے کمزور و نااہل حکمراں آتے رہے، اور تاریخ کی یہ بوالعجبی اور خدا کی شان بے نیازی و کبریائی کا ظہور تھا کہ اس کا پہلا ہی جانشین (شاہ عالم بہادر شاہ اول) اپنے نامور باپ کا بالکل ضد تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے عہد (۱۱۱۴ھ - ۱۱۷۶ھ) میں اورنگ زیب کے بعد گیارہ مغل بادشاہ تخت نشین ہوئے، جن کے نام حسب ذیل ہیں :-

۱۔ محمد معظّم بہادر شاہ (ملقّب بشاہ عالم بہادر شاہ اول)

۲۔ مُعزّ الدین جہاندار شاہ۔

۳۔ فرخ سیر ابن عظیم الشان۔

۴۔ نیکوسیر۔

۵۔ رفیع الدرجات ابن رفیع القدر۔

۶۔ رفیع الدولہ بن رفیع القدر۔

۷۔ محمد شاہ ابن جہاں شاہ۔

۸۔ احمد شاہ ابن محمد شاہ۔

۹۔ عزیز الدین عالمگیر ابن جہاندار شاہ۔

۱۰۔ محی السُّنّہ بن کام بخش بن عالمگیر۔

۱۱۔ شاہ عالم ابن عزیز الدین۔

گویا نصف صدی کی مدت میں گیارہ[۱۱] بادشاہ تخت نشین ہوئے، ان میں سے کسی کی مدت حکومت صرف دس[۱۰] مہینے[۱]، کسی کی چار[۴] مہینے[۲] سے کم، کسی کی سلطنت برائے نام[۳]، کسی کی چند دن کی حکومت رہی[۴]، ہم یہاں پر اس کے جانشین اول شاہ عالم بہادر شاہ، فرخ سیر ابن عظیم الشان، محمد شاہ اور شاہ عالم ثانی کے عہد اور ان اہم واقعات وحوادث پر تبصرہ کریں گے جنھوں نے ہندوستان کی تاریخ، اور ہندوستانی مسلمانوں کی تقدیر بنانے میں خاص حصہ لیا۔

شاہ عالم بہادر شاہ اول ۱۱۱۸ھ - ۱۱۲۴ھ

یہ عالمگیر کا سب سے بڑا بیٹا تھا جو دوسرے فرزند محمد اعظم شاہ کو شکست دے کر تخت نشین ہوا، عالمگیر کے مزاج ومسلک سے اس کے اختلاف کا سب سے بڑا اور پہلا ثبوت یہ ہے کہ اس نے شیعی مسلک اختیار کیا، جو نہ صرف عالمگیر کے عقیدہ ومزاج ومذاق کے خلاف تھا، بلکہ پورے تیموری سلسلۂ فرمانروایان سلطنت کے عقیدہ ومذہب اور طرز ومسلک کے خلاف تھا، اور اس سلطنت کے مصالح کے بھی مخالف تھا (جس کی مسلمان آبادی کا نوے[۹۰] پچانوے[۹۵] فی صدی حصہ ہندوستان کے مشرقی حدود بنگالہ سے لے کر سلطنت کے مغربی حدود کابل وقندھار تک سنی فرقہ اور حنفی مذہب کا پیروکار تھا) اور جس کی ہندوستان میں کامیابی اور مقبولیت کے کوئی امکانات نہ تھے، "سیر المتاخرین" کے مصنف غلام حسین طباطبائی کے بیان کے مطابق (جو خود اثنا عشری فرقہ سے تعلق رکھتے ہیں) اور جن کی شیعیت تاریخی سیاق وسباق

---

[۱] معز الدین جہاندار شاہ [۲] رفیع الدرجات ابن رفیع القدر، مدت حکومت تین ماہ دس روز

[۳] رفیع الدولہ ابن رفیع القدر [۴] محی السنۃ ابن کام بخش ابن عالمگیر۔

کے اندر سے بھی جھلکتی نظر آتی ہے) بہادر شاہ کے شیعہ مذہب اختیار کرنے، اس مسئلہ پر علماء اہل سنت سے مباحثہ و مناظرہ کرنے، خطبہ میں کلمہ "علیؑ ولی اللہ وصی رسول اللہ" کے داخل کرنے کا حکم دینے پر لاہور میں جہاں بادشاہ کا قیام تھا، شورش برپا ہوئی، بلوا ہوا، انھوں نے خود اس کے رواج نہ پکڑنے کا ذکر کیا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

بہادر شاہ بدستور اصرار بایں کار داشتہ	بادشاہ بدستور اس بات پر اصرار کرتا رہا
در ترویج و تقویت مذہب شیعہ می کوشید،	اور مذہب شیعہ کی ترویج و تقویت میں
و مدت ہائے دراز در مباحثہ بعلماء بازبود	ساعی و سرگرم رہا، مدتوں تک علماء
اما فائدہ برآں مترتب نمی شد۔[1]	کے ساتھ مباحثہ کا دروازہ کھلا رہا،
	لیکن اس سے کچھ فائدہ مترتب نہیں ہوا۔

اس تبدیلی کا نتیجہ عوام اور خود فوج میں نیم دلی بلکہ بددلی کی شکل میں نکلا، اور اس میں وہ مذہبی جوش نہیں رہا، جو گزشتہ مغل بادشاہوں کے دور میں ایک بڑی قوتِ متحرکہ تھی، اس حقیقت کا احساس بعض غیر مسلم مورخوں تک کو ہوا ہے، ڈاکٹر ستیش چندر لکھتے ہیں کہ "حکومت کی پالیسی پر مذہب کا اثر کمزور پڑ گیا"[2]

مولوی ذکاء اللہ صاحب تاریخ ہندوستان میں لکھتے ہیں:۔

"عالمگیر کے مرنے کے بعد سلطنت کے کاموں میں انقلابات عظیم ہو گئے تھے، اور تمام تعلقات کی صورت بدل گئی تھی، اور مرہٹوں سے جو سلطنت تیموریہ کے تعلقات تھے، وہ بالکل کایا پلٹ ہو گئے تھے، ..... سلطنت مغلیہ کمزور ہو کر قریب المرگ تھی،

---

[1] "سیر المتاخرین" ج ۲ ص ۳۸

[2] DR. SATISH CHANDRA PARTIES AND POLITICS IN THE MUGHAL COURT, 1707–40, ALIGARH, 1959, P. 40

مگر مرتے دم تک اپنی نخوت و تکبر سے ہاتھ نہیں اٹھایا۔"[1]

وہ عالمگیر جو اورنگ آباد میں ہوتا تو دہلی کا کیا ذکر بہار و بنگال میں بھی کارکنانِ سلطنت پر اس کی ہیبت طاری رہتی، وہ جزئیات سلطنت سے باخبر رہتا، اور بر وقت مناسب احکام جاری کرنے میں ذراسی تاخیر سے کام نہ لیتا، اب اس کے جانشین کا حال یہ تھا کہ بقول مؤرخ ہندوستان:-

"باضابطہ و بے ضابطہ اجراء کار میں فوراً تفاوت ہوتا، بادشاہ کی دستخط کا اعتبار نہیں رہا، بادشاہ اپنے متصدیوں سے فرمایا کرتا کہ سب اہل کار آپس میں مل گئے ہیں، جو بہتر جانتے ہیں عمل میں لاتے ہیں، ہمارا فقط اعتبار رہ گیا ہے، خلق کے مطلب قبول کرنے کے سوا ہم کو کوئی اور چارہ نہیں ہے۔"[2]

نیز وہ لکھتے ہیں:-

"ظریف شوخ طبعوں نے اس کی تاریخ جلوس "شہ بے خبر" کہی ہے، راتوں کو جاگتا، دوپہر دن چڑھے تک سوتا، جس کے سبب سے خلق اللہ کو سفر کے دن تکلیف ہوتی کہ ان کو اپنے خیموں کی مثل نہ ملتی۔"[3]

نیز:-

"تیسرا کام اس نے اپنے آئین کے خلاف یہ کیا کہ علماء پر عتاب و خطاب کیا، اور جا بجا محبوس کیا، پھر مزاج پر خفقان کا غلبہ ایسا ہوا کہ دارالسلطنت لاہور میں ۱۹ محرم ۱۱۲۴ھ سنہ ہجری کو جہان فانی سے رخصت ہوا۔"[4]

طباطبائی بھی شاہ عالم بہادر شاہ کے اخیر عمر میں اختلال دماغ، کتوں کے مارنے کا حکم اور سحر کے اندیشہ کا ذکر کرتے ہیں۔[5]

---

[1] "تاریخ ہندوستان" مولوی ذکاء اللہ دہلوی۔ ج ۹ ص ۳۳ [2] ایضاً ص ۳۸ [3] ایضاً [4] ایضاً [5] سیر المتاخرین ص ۳۸۱-۳۸۲

اس طرح عالمگیر کے پہلے ہی جانشین کے زمانہ اور صرف ۶ برس کی مدت سلطنت میں عظیم سلطنت مغلیہ کی چولیں ہل گئیں، اور اس کی وہ ساکھ اور دھاک ختم ہوگئی جو مخالف طاقتوں، فتنہ پردازوں، اور عوام و خواص کے دماغ پر بابر کے زمانہ سے بیٹھی ہوئی تھی۔

فرّخ سیر

فرّخ سیر (۱۱۲۵ھ - ۱۱۳۱ھ) کے زمانہ میں، حسین علی خاں، عبداللہ خاں (جن میں سے اول الذکر امیر الامراء کے لقب سے اور ثانی الذکر قطب الملک کے لقب سے ملقّب تھے) کا اقتدار بادشاہ اور پوری سلطنت پر قائم ہوگیا، فرّخ سیر ان کے ہاتھ میں کھلونا تھا، آخر انھوں نے فرخ سیر کو قید کیا، پھر قید حیات سے بھی رہا کر دیا، مصنف "تاریخ ہندوستان" لکھتا ہے:۔

"اگرچہ محمد فرّخ سیر وسیع الاخلاق اور قدردان تھا، ہر ایک کی خدمت اور تردد کے مقابل میں چاہتا تھا کہ بقدر امکان منصب و عمدہ خدمات عنایت کرکے ہم چشموں میں ممتاز کرے، مگر اختیار نہیں رکھتا تھا، اور نہ آزمودہ کار جوان تھا، امور سلطنت سے بے خبر، کم سنی سے صوبہ بنگالہ میں باپ دادا سے دور نشو و نما پایا، استقامت مزاج اور رائے صائب نہیں رکھتا تھا، اوروں کی رائے پر چلتا تھا، قسمت سے تاج و سلطنت مل گیا تھا، خاندان تیموریہ کا جوہر شجاعت تھا، وہ اس کے خلاف جُبُن ذاتی رکھتا تھا، صاحب غرض کی سخن کی تہہ پر نہ پہونچتا، ابتدا سے اپنی سلطنت کا مادّۂ فساد خود ہی بنا"[1]

بادشاہ کے یہاں راجہ رتن سنگھ (دیوانِ سید عبداللہ خاں) تمام متصدیوں کے تعلّق میں دخل دیتا، کسی کا اصلاً اعتبار و استقلال اس نے نہیں رکھا تھا، خصوصاً مقدمات مالی میں.....

---

[1] ایضاً ص ۱۰۹

بادشاہ کی عیاشی، خلوت نشینی علاوہ بے دماغی کے زیادہ ہوگئی تھی، خلق اللہ کا کاربند تھا۔[1]

بالآخر دونوں بھائیوں (قطب الملک و امیر الامراء) نے فرخ سیر کی آنکھوں میں سلائی پھیری اور قلعہ کے اندر حبس خانہ میں جو قبر کی صورت تھا، بادشاہ کو قید کیا اور ۶ ماہ حکومت کرکے وہ اس دنیا سے رخصت ہوا، ان واقعات نے پورے ملک میں تخت مغلیہ کے جانشینوں کی بے احترامی اور سلطنت کی بے اعتباری پیدا کردی۔

محمد شاہ بادشاہ (م ۱۱۶۱ھ)

محمد شاہ نے ۲۹ سال ۶ مہینے حکومت کی اس کا عہد پُر از حوادث و واقعات ہے، اسی کے زمانہ میں نادر شاہ کا دہلی پر تاریخی حملہ ہوا، لیکن اس وقت سلطنت پر حاوی اور اس کے سیاہ سپید کے مالک یہی دونوں سادات بارہہ قطب الملک عبداللہ خاں اور امیر الامراء حسین علی خاں تھے، اس وقت اہل دربار کا تاثر یہ تھا کہ اُن دونوں کے تسلّط سے بادشاہ کو سوائے نماز جمعہ کے کسی احکام کے جاری کرنے کا مقدور نہیں ..... دونوں بھائی تمام خاندان ایران و توران کی بے آبروئی پر کمر باندھے بیٹھے ہیں، اور ترک منصب اور گوشہ نشینی میں رستگاری نہیں، اور تمام موروثی خانہ زادوں، اور دور و نزدیک جاں نثار نوکروں کا دل نہایت افسردہ ہو رہا ہے کہ وارث تخت و تاج بے اختیار ہے، اور نماز جمعہ اور اجرائے احکام شرع پر قادر نہیں، آگرہ کے نزدیک سے کنارۂ دریائے شور تک ہنود بُت خانے بنا رہے ہیں، اور گاؤکشی کو منع کر رہے ہیں۔"[2]

"کل امور مالی و ملکی میں رتن چند کے اختیار سے جو سوائے قوم بارہہ اور قوم بقّال

---

[1] ایضاً ص ۱۳۰ [2] تاریخ ہندوستان۔ ج ۹ ص ۱۶۶

کے کسی پر نوازش نہیں کرتا تھا، سب چھوٹے بڑے متنفر تھے، اور ہر دیار کے شرفاء خواری و بے اعتباری سے زیست کرتے تھے"[1]

"سیر المتاخرین" کا مصنف طباطبائی لکھتا ہے:-

"بادشاہ چون جوان بے عزم و کم جرأت بود مشغول عیش و طرب گردید و در امرے کہ اشد ضرور بود توجہ می نمود..... بایں سبب اندک اندک خوف و ہراس از دل امراء و رؤساء ہر فرقہ بلکہ عوام الناس برخواستہ ہر کس در دماغ خود خیالے می پخت و جائے خود نشستہ در باطن دم در استقلال می زد"[2]

بادشاہ چونکہ بے عزم اور کم جرأت جوان تھا، عیش و عشرت میں مشغول ہو کر صرف اسی کام پر توجہ دیتا جو اشد ضروری ہوتا، اس سبب سے تھوڑا تھوڑا کر کے خوف و ہراس ہر فرقہ کے امراء و رؤسا بلکہ عوام الناس کے دل سے نکل گیا، ہر شخص اپنے دماغ میں ایک خیال پختہ کئے ہوئے اپنی جگہ بیٹھا ہوا، اپنی آزادی و خود مختاری کا دم بھرتا تھا۔

اس وقت دربار و اراکین سلطنت میں نظام الملک آصف جاہ ہی کی ایک ایسی ہستی تھی، جو صاحبِ عزم، عالی ہمت ہونے کے ساتھ صاحب تخت کی وفادار، مخلص اور خیر خواہ تھی، لیکن سادات اور ایرانی عنصر کسی طرح ان کی بات چلنے نہیں دیتا تھا، یہ دیکھ کر کہ ان کی وفاداری اور خلوص کی کوئی قدر نہیں ہے، اور یہاں رہنا وقت ضائع کرنا، اور اپنے کو ہر وقت خطرہ میں مبتلا کرنا ہے، انھوں نے عرصہ ہوا دکن کا رخ کیا تھا، اور دہلی کا میدان

---

[1] تاریخ ہندوستان۔ ج ۹ ص ۱۸۲ [2] سیر المتاخرین۔ ج ۲ ص ۴۵۸

اہلِ غرض کے لئے خالی ہوگیا تھا۔

اس کے بعد محمد شاہ پر تعیّش کا وہ غلبہ ہوا کہ انھوں نے اس سے پہلے کے عیش پسندوں کو مات کردیا، اوران کے واقعات بھلا دیئے، ہندوستان کے مؤرخین لکھتے ہیں کہ :۔

"محمد شاہ بادشاہ نے مذہب تو نہیں بدلا لیکن مشرب بدل دیا، ابر سیاہ ان کا نقیب قرار پایا، عام حکم تھا کہ ادھر ہمالیہ کے دامن سے گھٹا اٹھے، بادل گرجے کہ میرا خیمہ وخرگاہ صحرا زوانہ ہو ؎

می دید صبح کلہ بستہ سحاب　　الصبوح الصبوح یا اصحاب

ژالہ بارید بر رُخ لالہ　　المدام المدام یا احباب

کا شور تھا"

بالآخر امیر الامراء سید حسین اور قطب الملک نواب عبداللہ خاں (حسن علی خاں) سادات بارہہ کے اقتدار کا خاتمہ، اور زندگی کا جام لبریز ہوا، لیکن اس سے بھی سلطنت مغلیہ کی قسمت نہیں بدلی، اس لئے کہ بادشاہ حکمرانی کی ہر صلاحیت اور خطرات کے سمجھنے کی معمولی بصیرت سے بھی محروم تھا۔

سید ہاشمی فرید آبادی اپنی تاریخ ہند میں لکھتے ہیں :۔

"بادشاہ گر سادات کے خاتمے اور محمد شاہ کی قوت واختیار حاصل کرنے کی ملک میں عام طور پر خوشی منائی گئی، لیکن یہ خوشی اگر جذبۂ بادشاہ پرستی پر نہیں بلکہ آئندہ نظم ونسق کی بہتری، اور ملکی رفاہ وبہبود کی امیدوں پر مبنی تھی تو اس کا انجام رنج ومایوسی کے سوا کچھ نہ تھا، کیونکہ اکبر واورنگ زیب کا نیا جانشین، درحقیقت اپنے اقبال مند اجداد کی شاہانہ صفات سے عاری تھا،

اسے اپنے عیش و عشرت کے مشغلوں میں معاملات ملک پر توجہ کرنے کی فرصت نہ تھی، وہ محل سرائے شاہی کی بیگمات سے بھی زیادہ سلطنت کے حالات سے بے خبر اور اس کی خرابی کی طرف سے بے پرواہ تھا حتیٰ کہ اس کی دادی (شاہ عالم بہادر شاہ کی ملکہ مہر پرور) کی نسبت ہم جا بجا پڑھتے ہیں، کہ وہ بھی اپنے مدہوش پوتے کو بار بار اس خواب غفلت سے بیدار کرنے کی کوشش کرتی تھی، جس کا صریح نتیجہ زوال وادبار تھا۔"[1]

اس موقعہ پر ہم کو جادوناتھ سرکار کی اس رائے کو بھی ملحوظ رکھنا چاہیئے جو انھوں نے محمد شاہ کی کمزوریوں پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے، وہ لکھتے ہیں:-

"محمد شاہ اگرچہ عزت کا مستحق نہیں، مگر رحم کا مستحق ضرور ہے، حالات نے اسے ایسی جگہ لا کھڑا کیا تھا، جہاں کسی عبقری (GENIUS) کی ضرورت تھی، مگر وہ ایک معمولی انسان تھا، مؤرخ اسے اس بات پر ملامت کرتے ہیں کہ اس نے کاروبار حکومت انجام دینے کے بجائے تعیّش میں اپنا وقت صرف کیا، لیکن حالات کی ٹریجڈی یہ تھی کہ اس کے جیسا آدمی اگر کاروبار حکومت پر پوری توجہ دیتا تب بھی وہ حالات کا رخ نہیں موڑ سکتا تھا، رفیع الدرجات اور رفیع الدولہ جیسے لوگ کٹھ پتلیوں کی طرح اپنی ذلت کے احساس سے بھی عاری تھے لیکن محمد شاہ میں بدترین حالات، اور انھیں سدھارنے میں اپنی لاچاری دونوں کا احساس موجود تھا۔"[2]

---

[1] تاریخ ہند از فرید آبادی کتاب سوم صـ ۲۶۱

[2] FALL OF THE MUGHAL EMPIRE P. 373-74

غرض وہ سلطنت جو بابر کے عزم جہاں کشا اور اس کے استقلال اور جفاکشی سے قائم ہوئی تھی، اور جس کو اس کے جانشینوں نے اورنگ زیب تک اپنے جوہر شجاعت اور غیرت تیموری سے قائم رکھا تھا، اس عیش کوشی اور غفلت اور خود فراموشی کی منزل پر پہونچ گئی، جو موروثی اور مطلق العنان سلطنتوں کی تاریخ بلکہ تقدیر بن گئی ہے، اقبال نے صحیح کہا ہے ؎

میں تجھ کو بتاتا ہوں تقدیر امم کیا ہے
شمشیر و سناں اول، طاؤس و رباب آخر

آخر اس کا نتیجہ وہی نکلا جس کو خود محمد شاہ نے۔ ع

شامتِ اعمال ما صورت نادر گرفت

کے بلیغ مصرعہ میں ادا کیا، ۱۱۵۱ھ میں نادر شاہ نے دہلی کا رخ کیا، اس نے اس سے پہلے محمد شاہ کو کئی خط لکھے تھے، لیکن بقول مؤرخ :۔

"یہاں اِن دنوں عیش و عشرت کا زور شور تھا، محمد شاہ بہادر صاحب سریر تھا
تن آسانی کے سوا کسی کام سے کام نہ تھا، ہر وقت ہاتھ میں جام اور بغل میں دل آرام تھا،
کس کو دماغ تھا کہ نامہ کا جواب لکھتا[1]"

نادر شاہ کے حملہ کی تفصیلات ہندوستان کی تاریخوں میں پڑھی جائیں، اس کے حملہ کے بعد دہلی کی جو حالت ہوئی (ذہن میں رہے کہ اس وقت حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عمر ۳۷ سال کی تھی، اور وہ حجاز سے واپس تشریف لا چکے تھے) اس کا نقشہ مصنف تاریخ ہندوستان کی زبان سے سنا جائے :۔

"نادر شاہ کے جانے کے بعد شہر مُردوں سے پُر تھا، اور زندوں سے خالی تھا، مکانوں
پر ویرانی برستی تھی، محلے کے محلے جلے پڑے تھے، مُردوں کی سڑانڈ سے بھیجا نکلا جاتا تھا،

---

[1] تاریخ ہندوستان۔ ج ۹ ص ۲۵۱

نہ کوئی کسی کو کفن دینے والا تھا، اور نہ گور میں دفن کرنے والا تھا، مرکر ہندو مسلمان ایک ہو گئے، ڈھیروں میں جل کر خاکستر ہو گئے، یہ تو شہر کی کیفیت تھی، دربار کا حال یہ تھا کہ کچھ دنوں تو وہ بھاری نیند سوتا رہا، اور جب اٹھا تو اس کی آنکھوں میں اس قدر چیپڑ لگا ہوا تھا کہ دیکھنے سے گھن آتی تھی، خزانہ میں پھوٹا با دام نہ تھا، محاصل اور خراج کا کہیں پتہ نہ تھا، سپاہ تباہ اور خستہ حال تھی، اس پر مرہٹوں کا بھی خوف بالکل نہیں گیا تھا، جو صوبے ان کے قبضہ میں چلے گئے تھے، وہ ان کے ہاتھ سے تباہ ہوئے تھے، ان سب مصیبتوں اور آفتوں پر درباریوں کا جھگڑا نہ چکا، وہی ایک فریق تورانی امیروں کا تھا، جن کے سرتاج آصف جاہ اور قمرالدین خاں وزیر تھے، دوسرا گروہ ان امیروں کا تھا، جو ان کو خارج کرنا چاہتا تھا، اور ان میں بادشاہ بھی شمار ہوتے، اگر بیچ میں مرہٹوں کا جھگڑا نہ آن پڑتا تو ان امیروں نے سلطنت کے ٹکڑے کر کے کبھی کے آپس میں تقسیم کر لئے ہوتے، اور خاندان تیموریہ کو بے نام و نشان کر دیا ہوتا۔"[1]

جب نادر شاہ ہندوستان سے چلا گیا تو اول اس کا اثر یہ ہوا کہ سلطنت دہلی سے تین زرخیز صوبے بنگال، بہار، اڑیسہ علیحدہ ہو گئے، اور ان میں جداہی علی وردی خاں کی ایک ریاست قائم ہو گئی۔[2]

۲۶ ربیع الثانی ۱۱۶۱ھ (اپریل ۱۷۴۸ء) کو محمد شاہ مرض اسہال میں مبتلا ہو کر دنیا سے رخصت ہوا، اور بقول مصنف "تاریخ ہندوستان" کہ تیس ۳۰ سال سلطنت کر کے خاندان تیموریہ بھی تباہی کے کنارہ پر پہونچا گیا۔"[3]

---

[1] تاریخ ہندوستان۔ ج ۹ ص ۲۷۲ [2] ایضاً ص ۲۶۲ [3] ایضاً ص ۲۸۴۔

شاہ عالم ثانی

محمد شاہ کے زمانہ میں اگر سلطنت مغلیہ کو اخلاقی و انتظامی طور پر زوال ہوا، اور ہندوستانی معاشرہ اور طبقۂ امراء کار جحان الناس علیٰ دین ملوکھم کے اصول کے مطابق عیش و عشرت، تن آسانی اور لذت اندوزی کی طرف تیزی کے ساتھ ہوا، تو شاہ عالم ثانی کے زمانہ میں جو ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ء) میں تخت نشین ہوا، سیاسی طور پر زوال اپنے آخری مرحلہ تک پہونچ گیا، وہ اپنے ۴۷ سالہ عہد حکومت میں دوسروں کے ہاتھوں میں کٹھ پتلی بنا رہا، بکسر کی لڑائی میں اودھ کے نواب وزیر شجاع الدولہ اور میر قاسم کی انگریزوں کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد ۱۷۶۴ء میں شاہ عالم نے انگریزوں کی اطاعت قبول کر لی، اور ایک معاہدہ پر دستخط کر دیئے، جس کی رو سے وہ انگریزوں کا وظیفہ خوار ہو گیا، ۱۷۶۵ء میں اس نے انگریزوں سے ایک معاہدہ کیا جس کی رو سے بنگال، بہار، اور اڑیسہ کی دیوانی کے اختیارات محاصل کی تحصیل و وصول کا انتظام ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھ میں آ گیا، شاہ عالم نے خود کو مرہٹوں کی پناہ میں دے دیا، اور الہ آباد اور کڑہ کے اضلاع اُن کی طرف منتقل کر دیئے۔

شاہ عالم ثانی کے عہد سے بہت پیشتر سے پورا ملک مرہٹوں، سکھوں اور دہلی و آگرہ اور راجپوتانہ جاٹوں کے رحم و کرم پر تھے، جو آندھی پانی کی طرح آتے اور پورے علاقہ کو تاراج کر جاتے، ملک میں کوئی طاقت امن و قانون قائم کرنے کے قابل نہ تھی[1]، احمد شاہ ابدالی نے ۱۴ جنوری ۱۷۶۱ء کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں کو شکست فاش دے کر ملک کو ان کے خطرہ سے محفوظ کر دیا، اس نے شاہ عالم کو دہلی بلانے کی بڑی کوشش کی اور اپنا آدمی بھیجا، مجبور ہو کر اس کی والدہ نواب زینت محل سے بھی خط لکھوایا، اگر سلطنت مغلیہ میں تھوڑی سی بھی جان اور شاہ عالم میں سلطنت کی

---

[1] تفصیل کتاب کے باب نہم میں ملاحظہ ہو۔

صلاحیت ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتیجہ سے فائدہ اٹھا کر ہندوستان میں اپنا اقتدا بحال کرلیتا لیکن سلطنت بے روح، اور بادشاہ عزم و ہمت ہی نہیں، حمیت اور غیرت سے بھی عاری تھا بقول اقبال۔ ع

حمیّت نام ہے جس کا، گئی تیمور کے گھر سے

بادشاہ پورے دس برس کے بعد ۱۷۷۱ء میں الٰہ آباد سے دہلی آیا، وقت گذر چکا تھا، اس لئے وہ پانی پت کی اس عظیم الشان فتح اور مرہٹوں کی شکست سے کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکا وہ یہاں آکر نئے فتنوں، امراء کے جوڑ توڑ، روہیلوں کی نئی طاقت اور سکھوں کے حملوں سے دوچار ہوا، بالآخر نجیب الدولہ کے پوتے غلام قادر روہیلہ نے ۱۷۸۸ء میں دہلی پر قبضہ کرلیا، شاہی محل لوٹا، شہزادیوں کو کوڑے لگوائے اور سلطنت تیموری کے وارث مغل شہنشاہ کی آنکھیں نوک خنجر سے نکال لیں سلطنتِ مغلیہ اور اس کے مالک و وارث کی بے حرمتی و بے آبروئی اس سے پہلے ایسی کبھی نہیں ہوئی تھی۔

۱۷۸۹ء میں سندھیہ نے غلام قادر کو بڑے دردناک طریقہ پر قتل کیا، اور شاہ عالم کو دوبارہ تخت پر بٹھایا، نو لاکھ روپیہ سالانہ اس کے اخراجات کے لئے مقرر کیا، متعدد لڑائیوں کے بعد ۱۸۰۳ء میں لارڈ لیک انگریزی فوج کے ساتھ دہلی میں داخل ہوا، مرہٹوں کو نکال دیا، اور بادشاہ کی پنشن ایک لاکھ روپیہ سال مقرر کردی[1]، شاہ عالم ۴۵ برس تخت نشین اور ۸۱ سال نابینا رہ کر ۱۸۰۶ء میں راہی ملک بقا ہوا۔

علمی و روحانی حالت

سیاسی انتشار، اجتماعی بدنظمی اور انحطاط کے باوجود یہ دور انفرادی طور پر علمی کمالات،

---

[1] تاریخ ہندوستان۔ ج ۹ صـ ۳۴۳، بعض انگریزی تاریخوں میں نوے ہزار بیان کی گئی ہے۔

تدریسی وتصنیفی انہماک، روحانی یکسوئی، باطنی ترقی، اور نفوس کے تزکیہ واصلاح کا دور تھا جس میں متعدد ایسی باکمال اور ممتاز شخصیتیں پیدا ہوئیں، جن کو اس دور انحطاط سے کوئی مناسبت، اور جن پر حالات سے یاس وہراس کا کوئی اثر نہیں معلوم ہوتا، کہتے ہیں کہ بہت سے علمی وادبی شاہکار، ان افراد کی کوششوں اور کاوشوں کا نتیجہ ہیں، جو کسی مزمن مرض میں مبتلا، یا کسی معذوری اور اندرونی صدمہ کا شکار تھے، علمائے نفسیات اس کی یہ توجیہ کرتے ہیں کہ ایسی حالت میں قوتِ مقابلہ اور اس مجبوری کی تلافی کا عزم ابھر آتا ہے، اور آدمی سے ایسے کام کرالیتا ہے جو معتدل (NORMAL) حالات میں نہیں ہوتا، ہندوستان کے اس دور کا علمی اور روحانی پہلو، اور اس دور انحطاط میں ایسی قدآور شخصیتوں کا ظہور، ایک مریض اور برسرِ انحطاط معاشرہ کی اندرونی قوت مقابلہ کا ثبوت، اور اسلام کی مرد آفرینی اور آدم سازی کی صلاحیت کی دلیل ہے۔

وفور علم، ذہانت، قوت تدریس اور حسن تصنیف کے لحاظ سے ہمیں اس دور میں مولانا احمد بن ابوسعید عرف ملّا جیون امیٹھوی (۱۰۴۷ھ - ۱۱۳۰ھ) صاحب "نور الانوار" اور "التفسیر الأحمدیۃ" ملا احمد اللہ سندیلوی (م ۱۱۶۰ھ) صاحبِ "شرح سلّم" مشہور بحمد اللہ، مولانا محمد حسن معروف بملا حسن فرنگی محلی صاحبِ شرح سلّم، مشہور بملا حسن (م ۱۱۹۹ھ)، مولانا رستم علی قنوجی (م ۱۱۷۸ھ) شیخ صفۃ اللہ خیر آبادی (م ۱۱۵۷ھ) شیخ علی اصغر قنوجی (م ۱۱۴۰ھ)، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی (۱۱۱۰ھ - ۱۲۰۰ھ) مولانا غلام نقشبند لکھنوی (م ۱۱۲۶ھ) قاضی محب اللہ بہاری (م ۱۱۱۹ھ) مصنف "سلّم العلوم" و "مسلّم الثبوت" (جنھوں نے تقریباً ایک صدی تک ہندوستان کے علماء ومدرسین کو ان دونوں کتابوں کی شرح وتحشیہ میں مشغول رکھا، اور ان کی کتابیں مصر تک کے علماء کبار اور اساتذۂ ازہر کی مرکز توجہ رہیں) قاضی مبارک گوپاموی (م ۱۱۶۲ھ) مصنف شرح سلّم معروف بقاضی، مولانا محمد اعلیٰ تھانوی مصنف کشّاف اصطلاحات الفنون (جو اپنے موضوع پر بے نظیر کتاب

ہے) اور سب سے اول و آخر میں ملا نظام الدین لکھنوی (م ۱۱۶۱ھ) جن کے ترتیب دیئے ہوئے درس کا سکہ ہندوستان سے بخارا اور سمرقند تک رواں ہے، اور جن کو مصنف "نزہۃ الخواطر" نے "غیث الإفادۃ الهتون، العالم بالربع المسکون، أستاذ الأساتذۃ وإمام الجهابذۃ" کے القاب سے یاد کیا ہے، جیسے سرآمد روزگار، اور فخر بلاد و امصار عالم، مدرس، مصنف، اور پوری پوری علمی تحریک اور سلسلۂ تدریس و تربیت کے بانی اسی صدی کے رجال و اعیان میں تھے۔[1]

سلوک و طریقت کے لحاظ سے دیکھئے تو اس صدی میں حضرت مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۱ھ - ۱۱۹۵ھ) سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کی ہستی موجود تھی، جن کے متعلق خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی شہادت ہے کہ "ہر زمانہ میں ایسے بزرگ زیادہ تعداد میں پائے نہیں جاتے، چہ جائیکہ ایسے زمانہ میں جو فتنہ و فساد سے پُر ہے"۔[2]

سلسلہ قادریہ کے مشہور بزرگ اور ملا نظام الدین بانی درس نظامی کے مرشد حضرت سید عبدالرزاق بانسوی (م ۱۱۳۶ھ) سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے مجدد شاہ کلیم اللہ جہان آبادی (م ۱۱۴۰ھ) اور اسی سلسلہ کے ناشر و امام شاہ فخر الدین (شاہ فخر دہلوی) (م ۱۱۹۹ھ)، سلسلۂ قادریہ کے مشہور شیخ شاہ محمد غوث قادری لاہوری (م ۱۱۵۴ھ)، سلسلہ نقشبندیہ کے شیوخ کاملین شیخ محمد عابد سنامی (م ۱۱۶۰ھ) خواجہ محمد ناصر عندلیب (والد خواجہ میر درد) (م ۱۱۷۲ھ) شاہ منیب اللہ بالاپوری اور حضرت شاہ نور محمد بدایونی[3] (م ۱۱۳۵ھ) اس عہد میں مسند آرا اور فیض رساں نظر آتے ہیں، غرض یہ زمانہ سلاسلِ ثلاثہ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ کے شیوع و انتشار کا زمانہ تھا، اور تینوں سلسلوں کے شیوخ کاملین موجود تھے، حضرت شاہ عبدالعزیز

---

[1] مستفاد از "نزہۃ الخواطر" ج ۶۔ [2] "کلمات طیبات" ص ۶۵۔ [3] یہ اسمائے گرامی، ان کے سنین وفات اور امتیازی خصوصیات "نزہۃ الخواطر" تصنیف مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی، جلد ششم سے اخذ کئے گئے ہیں۔

رحمۃ اللہ علیہ کا ملفوظ ہے:۔

درعہد محمد شاہ بادشاہ بست ودو بزرگ	محمد شاہ بادشاہ کے زمانہ میں بائیس[۲۲]
صاحب ارشاد از ہر خانوادہ در دہلی	بزرگ صاحب ارشاد مختلف خانوادوں
بودند، وایں چنیں اتفاق کم می شود۔[۱]	سے تعلق رکھنے والے دہلی میں موجود
	تھے، اور ایسا اتفاق کم ہوتا ہے۔

اخلاقی ومعاشرتی پستی

لیکن ان نامور اہل کمال، اور مسیحا نفس شیوخ کاملین کی موجودگی میں واقعہ یہ ہے کہ ہندوستان کا مسلم معاشرہ اور خاص طور پر طبقۂ امراء سلطنت کے اثر، سیاسی زوال، دولت کی فراوانی، اور ایرانی تہذیب کے اثر سے اخلاقی زوال کے نقطۂ عروج کو پہونچ گیا تھا، اور اسی وجہ سے وہ اس کردار کے ادا کرنے سے قاصر تھا، جو طبقۂ امراء نے ہر دور میں انقلاب سلطنت کے موقعہ پر ادا کیا ہے، اسی طبقہ میں سے (جو SECOND LINE رہا ہے) وہ افراد سامنے آئے ہیں، جنھوں نے اس خلا کو پُر کر دیا ہے، جو سیاسی وانتظامی میدان میں پیدا ہو جاتا تھا، سید ہاشمی فرید آبادی نے صحیح لکھا ہے:۔

"ہندوستان کی دولت وثروت نے خود اس طبقۂ امراء کو نہایت عیش پسند اور تن آسان بنا دیا تھا، ..... ہم ان امیروں کی ساری کوشش وقابلیت ادنی اغراض کے لئے سازش اور ریشہ دوانی میں صرف ہوتے دیکھتے ہیں، انقلاب سلطنت اور حصولِ پادشاہی تو درکنار، کسی مسلمان امیر کو اپنے اپنے مقام پر علانیہ خود مختاری کا اعلان کرنے کی بھی جسارت نہ ہوتی، اور اس عرصہ میں ادھر تو نظم ونسق کی اندرونی خرابیاں

---

[۱] ملفوظات عزیزیہ ص ۱۰۶

بڑھتی رہیں، اور ادھر حکمراں طبقہ کے افراد سے انتظام حکومت اور اشتراک عمل کی صلاحیت ہی رفتہ رفتہ مفقود ہو گئی۔"[1]

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ فرماتے ہیں:۔

بخانۂ قمرالدین خاں عورات غسل اخیر را — نواب قمرالدین خاں کے گھر میں عورتیں
از گلاب می کردند، وخانہ دیگر نواب سہ صد — اخیر کا غسل گلاب سے کرتی تھیں، دوسرے
روپیہ گل وپان برائے عورات می رفت۔[2] — نواب کے گھر میں تین سو[3] روپے کے پھول اور
پان عورتوں کے لئے جاتے تھے۔

مولانا غلام علی آزاد بلگرامیؒ "مآثر الکرام" میں لکھتے ہیں کہ:۔

"اورنگ آباد کے لوگ بالاتفاق بیان کرتے ہیں کہ امیر الامراء (حسین علی خاں) کے عہد میں شہر کے اکثر لوگ اپنے گھر میں کھانا نہیں پکاتے تھے، امیر الامراء کی سرکار کے باورچی اپنا حصہ بیچ ڈالتے تھے، پرتکلف پلاؤ کی ایک قعب چند پیسوں میں لوگوں کو مل جاتی تھی۔"[3]

اعتقادی کمزوری اور شرک و بدعات کا زور

اس معاشرتی اور اخلاقی پستی سے زیادہ خطرناک، اور خدا کی نصرت سے محروم، اور حقیقی طاقت سے عاری کرنے والی خرابی ضعیف الاعتقادی، قرآن مجید کے اعلان "اَلَا لِلّٰهِ الدِّيْنُ الْخَالِصُ"[4] کے خلاف بکثرت عوام کی زندگی، مسلم معاشرہ میں بدعات کا زور، ہندوؤں اور شیعوں کے بہت سے رسوم وعادات کی تقلید تھی، شرک جلی کی ایسی متعدد صورتیں بہت سے مقامات اور حلقوں میں پائی جاتی تھیں،

---

[1] تاریخ ہند کتاب سوم از مولوی سید ہاشمی فرید آبادی ص ۲۶۲-۲۶۳، حیدرآباد ۱۹۳۱ء۔

[2] ملفوظات عزیزی۔ [3] مآثر الکرام۔ ج ۱ ص ۱۷۰ [4] الزمر۔ ۳

جن کی کوئی علمی توجیہ ممکن نہیں کھلی ہوئی قبر پرستی، مشائخ کے لئے سجدۂ تعظیمی، مزارات اور اس کے قرب و جوار کا حرم کی طرح احترام، قبروں پر چادریں چڑھانا، منّتیں ماننا، بزرگوں کے نام پر قربانیاں کرنا، مزارات کا طواف، وہاں میلہ لگانا، تہوار منانا، گانا بجانا اور چراغاں کرنا، اور مختصر الفاظ میں ان کو قبلہ و کعبہ اور ملجا و ماویٰ سمجھنا، کوئی ایسا واقعہ اور منظر نہ تھا جس کو دیکھنے کے لئے بہت دور جانے اور بہت دیر انتظار کرنے کی ضرورت ہوتی، شیخ سدّو کا بکرا، سید احمد کبیر کی گائے، غازی میاں کے جھنڈے اور چھڑیاں، محرم کے تعزیئے، غیر اسلامی تہواروں کو شان و شوکت سے منانا، بیماریوں کے دفع کرنے میں ارواح خبیثہ اور بعض اوقات دیوی دیوتاؤں کی رضا جوئی اور خوف، چیچک کی بیماری میں سیتلا کی تعظیم، اولیاء و صالحین کے لئے منّتیں ماننا اور قربانیاں کرنا، اولیاء اور نیک بیبیوں کے نام سے روزے کی نیت کرنا اور ان سے اپنی حاجت براری اور مقاصد کی تکمیل کو وابستہ کرنا، اور اس سلسلہ میں خاص دن، خاص کھانے (بی بی کی صحنک، مخدوم صاحب کا توشہ وغیرہ) اور ان میں خاص آداب کی پابندی، یہ اور ایسے بہت سے عنوانات ہیں، جن کے ماتحت توہمات، عقائد فاسدہ، رسوم جاہلیت اور التزامات اور پابندیوں کا ایک طویل سلسلہ ہے، علی بخش، حسین بخش، پیر بخش، مدار بخش، اور سالار بخش، نام عام تھے۔

ایک بڑے دائرہ میں عقیدۂ توحید اس مفہوم میں محدود ہو کر رہ گیا تھا کہ بلا تشبیہ اللہ تعالیٰ ہی زمین و آسمان اور کائنات کا حقیقی خالق اور صانع ہے، اور وہی معبود حقیقی ہے، اور بڑے بڑے امور وہی انجام دیتا ہے لیکن اس نے سلاطین عالم کی طرح اپنی سلطنت کے بہت سے شعبے اور محکمے اپنے مقبول بندوں کے سپرد کر دیئے ہیں، جو ان کے مالک و مختار ہیں، اور سیاہ سپید کرتے رہتے ہیں، اب ان کو راضی کئے اور ان سے رابطہ قائم کئے بغیر، اس سلسلہ میں کوئی کامیابی اور کارباری نہیں ہو سکتی، شرک صرف یہ ہے کہ خدا کے سوا کسی اور ہستی کو اس دنیا کا صانع و خالق اور مالک حقیقی سمجھا جائے،

اور اس کو براہ راست عبادت و سجدہ کا (بلا توسل اور شفاعت کے خیال کے) مستحق سمجھا جائے[1]۔

غرض بارہویں صدی کا ہندوستان سیاسی، انتظامی، اخلاقی، اور بہت حد تک اعتقادی حیثیت سے انحطاط و پستی کے اس نقطہ پر پہونچ گیا تھا، جو اسلامی ملکوں کے زوال، اور مسلم معاشرہ کی پستی کا افسوسناک اور خطرناک مرحلہ ہوتا ہے، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے اس مجموعی صورت حال کا نقشہ اپنے ایک مضمون میں بڑی بلاغت و اختصار کے ساتھ کھینچا ہے، وہ لکھتے ہیں:۔

"مغلیہ سلطنت کا آفتاب لبِ بام تھا، مسلمانوں میں رسوم و بدعات کا زور تھا، جھوٹے فقراء اور مشائخ اپنے بزرگوں کی خانقاہوں میں مسندیں بچھائے، اور اپنے بزرگوں کی مزاروں پر چراغ جلائے بیٹھے تھے، مدرسوں کا گوشہ گوشہ منطق و حکمت کے ہنگاموں سے پرشور تھا، فقہ و فتاویٰ کی لفظی پرستش ہر مفتی کے پیش نظر تھی، مسائل فقہ میں تحقیق و تدقیق مذہب کا سب سے بڑا جرم تھا، عوام تو عوام خواص تک قرآن پاک کے معانی و مطالب، اور احادیث کے احکامات و ارشادات، اور فقہ کے اسرار و مصالح سے بے خبر تھے"[2]

---

[1] اس تصور توحید اور نقطۂ خیال کی توضیح، شاہ صاحب کے اعتقادی اصلاح و تجدید کے باب میں تفصیل سے آئیگی وہاں ملاحظہ کی جائے۔ [2] مقالات سلیمانی ص۴۴

باب سوم

شاہ صاحب کے اجداد و والد بزرگوار

شاہ صاحب کے اجداد

شاہ صاحب کے اجداد اولین کا زمانہ (جو شیخ شمس الدین مفتی کے زمانہ سے شہر رہتک میں قیام پذیر رہے) ہندوستان کی علمی و تصنیفی تاریخ کا وہ عہد ہے، جب یہاں تذکرے و تراجم کی تصنیف کا دور عام طور پر شروع نہیں ہوا تھا، زیادہ تر نامور مشائخ طریقت کے انفرادی تذکرے تھے، جن میں محبوب الٰہی سلطان المشائخ خواجہ نظام الدین اولیاء کا تذکرہ سیر الاولیاء (مرتبہ امیر خورد) خاص امتیاز رکھتا ہے، یا صلحاء و مشائخ وقت کے ملے جلے تذکرے تھے، جن میں دو کتابیں خاص طور پر قابل ذکر ہیں، ایک شاہ محمد بن حسن غوثی مندوی کی گلزار ابرار (جس میں زیادہ تر مانڈو و مالوہ کے صلحاء و مشائخ کا تذکرہ ہے) دوسرے حضرت شیخ عبد الحق محدث دہلوی کی اخبار الاخیار، اہل کمال اور نامور اشخاص کے تذکروں کی کمی تھی، جن میں مختلف خاندانوں کے برگزیدہ اشخاص یا مختلف علاقوں کی ممتاز شخصیتوں کا (جو کسی سلسلہ کی بانی یا اس کی اہم کڑی نہیں تھیں) تعارف و تذکرہ ہو، ان تذکروں میں بھی قدرتاً مرکزی یا علاقائی دار السلطنت اور اس کے اطراف اور ہندوستان کے مرکزی و تاریخی شہروں کی نامور شخصیتوں کا تذکرہ زیادہ ہے، جن کے حالات و کمالات سے واقفیت کے ذرائع مصنف کو

آسانی سے میسّر تھے، شاہ صاحب کا خاندان شیخ شمس الدین مفتی کے وقت سے جدّ بزرگوار شیخ وجیہ الدین کے عہد تک رہتک میں رہا، جس کو یہ مرکزیت و اہمیت حاصل نہ تھی، اس لئے ان تذکروں میں بھی ان کے حالات و وقائع عام طور پر نہیں ملتے۔

یہ باب بالکل تشنہ رہتا اور شاہ صاحبؒ کے تذکرہ نویس یا اس خاندان کی تاریخ لکھنے والے کو سخت زحمت پیش آتی، اگر خود شاہ صاحب اپنے اجداد کے تذکرہ میں امداد فی مآثر الاجداد کے نام سے ایک مختصر رسالہ خود قلم بند نہ فرما دیتے[1]، اس میں بھی اجداد اولین کا تعارف و تذکرہ نہایت اجمال و اختصار کے ساتھ اور جدّ امجد شیخ وجیہ الدین کا (بوجہ قرب زمانہ اور قلت وسائط) نسبتاً تفصیل کے ساتھ کرایا گیا ہے، انھیں اشارات کو لے کر مصنف حیات ولی مولوی حافظ محمد رحیم بخش مرحوم دہلوی نے اپنی انشا پردازی سے بہت پھیلا کر لکھا ہے، جو کتاب کے ۱۱۳ صفحات میں آیا ہے، انھوں نے شاہ صاحب کے اس بنیادی تذکرہ میں (جو سب سے مستند اور قابل اعتماد ماخذ ہے) دوسری معاصر تاریخوں اور کتابوں سے جو مضامین اضافہ کئے ہیں، ان میں صفحات تو علیحدہ رہے، کتاب اور مصنف کا نام بھی کہیں نہیں ہے، اس وجہ سے ہم صرف مآثر الاجداد ہی پر اکتفا کریں گے۔

شجرۂ نسب

شاہ صاحبؒ نے جو فاروقی النسب ہیں، اس رسالہ کے شروع میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک اپنا شجرہ نسب درج کر دیا ہے، شمس الدین مفتی جو اس خاندان میں سب سے پہلے رہتک آئے،

---

[1] یہ رسالہ متوسط تقطیع پر دس صفحات میں آیا ہے، اور شاہ صاحب کے پانچ رسائل کے مجموعہ میں شامل ہے جس کا پہلا رسالہ "انسان العین" ہے..... مطبوعہ مطبع احمدی دہلی، "انفاس العارفین" میں سات رسائل کا جو اضافہ ہے اس میں بھی شامل ہے۔

اور طرح اقامت ڈالی ان کے ایک بھائی سالار حسام الدین تھے، ان کی اولاد میں شاہ ارزانی بدایونی ایک بزرگ گذرے ہیں، ان کے خاندان کے نسب ناموں سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے، یہاں پر یہ شجرۂ نسب من وعن درج کیا جاتا ہے۔

"شاہ ولی اللہ بن الشیخ عبدالرحیم بن الشہید وجیہ الدین بن معظم بن منصور بن احمد بن محمود بن قوام الدین عرف قاضی قاذن بن قاضی قاسم بن قاضی کبیر عرف قاضی بدہ بن عبدالملک بن قطب الدین بن کمال الدین بن شمس الدین بن شیر ملک بن محمد عطا ملک بن ابوالفتح ملک بن عمر حاکم ملک بن عادل ملک بن فاروق بن جرجیس بن احمد بن محمد شہریار بن عثمان بن ماہان بن ہمایوں بن قریش ابن سلیمان بن عفان بن عبداللہ بن محمد بن عبداللہ بن عمر بن الخطاب[1]"

اس نسب نامہ میں کئی ناموں کے ساتھ "ملک" خطاب آتا ہے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں،

"یہ زمانۂ قدیم میں تعظیمی لقب تھا، جیسے ہمارے زمانہ میں خان"

خاندان کی ہندوستان آمد

شاہ صاحبؒ کی روایت کے مطابق ان کے خاندان کے پہلے بزرگوار جنھوں نے رُہتک میں قیام اختیار کیا، (اور غالباً وہی ہندوستان میں سب سے پہلے آئے) وہ شیخ شمس الدین مفتی تھے، ان واسطوں اور پشتوں کی تعداد اور ان کی طبعی اور تقریبی عمروں کے حساب سے اندازہ ہوتا ہے کہ شیخ شمس الدین مفتی ساتویں صدی کے آخر یا آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ہندوستان آئے ہوں گے،

---

[1] الامداد فی آثار الاجداد مشمولہ مجموعۂ رسائل حضرت مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ مطبوعہ مطبع احمدی دہلی، انفاس العارفین مطبوعہ مطبع مجتبائی (۱۳۳۵ھ) میں الامداد فی آثار الاجداد کا جو نسخہ شامل ہے (ص ۱۵۸ - ص ۱۶۸) اس میں جو شجرۂ نسب درج ہے، اس میں متعدد اغلاط اور نقائص ہیں جو غالباً طباعت کی غلطی اور تصحیح کی بے توجہی کا نتیجہ ہے، مذکورہ بالا نسخہ مشمولہ مجموعہ رسائل تنہا قابل اعتماد ہے، اور اسی سے شجرہ نقل کیا گیا۔

جب تاتاریوں کے حملے سے عالمِ اسلام کا مشرقی حصہ زیر وزبر، خاندانوں کی عزتیں برباد، ان کے علمی اندوختے غارت، اور ایران و ترکستان کے نامی گرامی شہر تاراج و بے چراغ ہو رہے تھے، تاریخ فیروز شاہی اور دوسری تاریخوں سے معلوم ہوتا ہے کہ اسی زمانہ میں عراق، ایران، و ترکستان کے شریف و نجیب خاندان اور ذی علم و باکمال خانوادے کثرت سے ہندوستان آئے، جہاں ترکی النسل مسلمان خاندانوں کی حکومت تھی، اور جنھوں نے تاتاری حملہ آوروں کو ترکی بہ ترکی جواب دے کر ہندوستانی سرحدوں سے پسپا، اور اس ملک کو نہ صرف ان کی غارت گری سے محفوظ بلکہ اپنی دین پروری اور معارف نوازی سے دارالعلم اور ایک وسیع مدرسہ بنا دیا تھا، جہاں جا بجا درس کے حلقے، یادِ الٰہی اور تزکیۂ نفس کے مرکز، اور اہل قلم اور اہلِ تحقیق کے لئے سکون و اطمینان کے ساتھ اپنا کام کرنے کے مواقع تھے۔[1]

رُہتک کا قیام

ایسا معلوم ہوتا ہے اور شاہ صاحبؒ کے بیان سے بھی ظاہر ہوتا ہے کہ رُہتک اُس وقت کی نئی اسلامی سلطنت کا ایک اہم شہر، اور مغرب سے دہلی کی طرف آنے والی اسلامی افواج، مجاہدین، داعیانِ اسلام اور مشائخ و علماء کی دہلی سے پہلے کی ایک اہم منزل اور فرودگاہ تھی، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ قریش کی نسل سے پہلے جو بزرگ اس شہر میں آئے، اور ان کی وجہ سے اسلامی شعائر کا غلبہ اور کفر و جاہلیت کا زوال ہوا، وہ شیخ شمس الدین مفتی ہی تھے، شاہ صاحبؒ نے ان کی بعض کرامتوں کا بھی ذکر کیا ہے، جو ان کی بزرگی اور اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے باعث استعجاب نہیں، اس زمانہ میں جو صاحب علم و فضل

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" حصہ سوم ص ۱۹-۲۱

مسلمان اس شہر میں قیام کرتا تھا، اس کو قضا و احتساب کا عہدہ اور شہر کا نظم و نسق بھی سپرد ہو جاتا تھا لیکن اس زمانہ میں اس کو قاضی و محتسب کے لقب سے یاد نہیں کرتے تھے۔

شیخ شمس الدین مفتی سے شیخ وجیہ الدین تک

شیخ شمس الدین مفتی کے انتقال کے بعد ان کی اولاد میں سب سے بزرگ فرد کمال الدین مفتی، ان کے بعد ان کے صاحبزادہ قطب الدین، ان کے بعد ان کے فرزند عبد الملک ان عہدوں پر فائز اور ان ذمہ داریوں کو پورا کرتے رہے، ان حضرات کے بعد قضاۃ کا باقاعدہ ان اطراف میں تعین ہونے لگا، شیخ عبد الملک کے صاحبزادہ قاضی بدہ نے اپنے خاندان کی اس روایت اور وجاہت کو قائم رکھا، ان کے دو لڑکوں سے ان کی نسل چلی، اس خاندان کی شادیاں رُہتک کے صدّیقیوں اور سونی پت کے سادات میں ہوئیں، شیخ محمود کی (جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے جدّ خامس ہوتے ہیں، اور جنھوں نے عہدہ قضا ترک کر کے حکومت کے عہدوں کو سنبھالا) شادی سونی پت کے سادات میں ہوئی، جن سے ایک صاحبزادہ شیخ احمد پیدا ہوئے، شیخ احمد نے صغر سنی میں رہتک کو خیرباد کہا، اور شیخ عبد الغنی بن شیخ عبد الحکیم کے ساتھ سونی پت میں بود و باش اختیار کی، شیخ عبد الغنی نے اپنی صاحبزادی سے ان کا عقد کر دیا، اور مدت تک ان کی تربیت کی، اس کے بعد وہ رُہتک آئے، اور قلعہ کے باہر ایک عمارت بنائی، اور اپنے اہل تعلق کو مجتمع کیا، ان کے صاحبزادہ شیخ منصور وجاہت شجاعت اور حکومت کے فضائل کے جامع تھے، ان کی پہلی شادی شیخ عبد اللہ بن شیخ عبد الغنی کی صاحبزادی سے ہوئی، ان کے صاحبزادہ شیخ معظم اسم بامسمّٰی اور باہیبت و وجاہت بزرگ تھے، شجاعت کا بڑا جوہر رکھتے تھے،

واقعات عجیبہ کا ان سے صدور ہوا، شاہ صاحبؒ اپنے والد حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ شیخ منصور کی ایک راجہ سے جنگ ہوئی، لشکر کا میمنہ شیخ معظم کے سپرد کیا گیا، اس وقت ان کی عمر بارہ ۱۲ سال کی تھی، سخت معرکہ پیش آیا، اور دونوں طرف کے بہت سے لوگ مقتول ہوئے، اس درمیان میں کسی نے شیخ معظم سے کہدیا کہ ان کے والد شیخ منصور نے شربت شہادت نوش فرمایا، اور لشکر اسلامی کو شکست ہوئی، یہ سن کر ان کی غیرتِ اسلامی اور رگِ فاروقی حرکت میں آئی، وہ مردانہ وار حریف لشکر میں گھس گئے اور صفیں درہم برہم کرتے ہوئے بڑی کوشش کے بعد راجہ کے ہاتھی تک پہونچ گئے، ایک بڑا مخالف سردار مقابلہ میں آیا، انھوں نے تلوار کے ایک وار سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے، اس کے ساتھیوں نے شیخ معظم کو گھوڑے پر سے اتار لیا، لوگوں نے ان پر ہجوم کیا، اس راجہ نے سب کو ڈانٹا اور منع کیا، اور کہا کہ ایسا نوعمر ایسی جواں مردی اور جرءت دکھائے، یہ تو عجائبات زمانہ میں سے ہے، راجہ نے ان کے دونوں ہاتھ لے کر چومے اور بڑے احترام سے پیش آیا، اور پوچھا کہ اتنا غصہ کیوں ہے؟ کہا کہ مجھے یہ اطلاع ملی کہ میرے والد شہید ہو گئے، میں نے ارادہ کیا کہ میں حملہ کروں اور مخالف لشکر کے سردار کو جب تک ٹھکانہ نہ لگا دوں دم نہ لوں، میں نے تہیہ کر لیا تھا کہ یا ماروں یا مر جاؤں، راجہ نے کہا جس نے تم کو یہ اطلاع دی اس نے جھوٹ کہا، تمہارے والد زندہ ہیں اور ان کے جھنڈے وہ نظر آرہے ہیں، اس وقت راجہ نے شیخ منصور کے پاس کسی کو بھیجا کہ ہم نے اِس لڑکے کی خاطر صلح کر لی، اور جو کہا گیا اس کو منظور کیا اور واپس گیا۔

شاہ صاحبؒ اپنے والد صاحبؒ کی زبانی موضع شکوہ پور کے (جو شیخ معظم کی تعلقہ داری میں تھا) ایک معمر زمیندار کی یہ روایت بھی بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ تیس ۳۰ ڈاکو اس گاؤں کے مویشیوں کو لوٹ لے گئے، اس وقت شیخ معظم تنہا وہاں تھے، ان کے عزیزوں اور

فرزندوں میں سے کوئی نہ تھا، ان کو اس واقعہ کی اطلاع کی گئی، اس وقت دستر خوان لگ گیا تھا' اور کھانا چُن دیا گیا تھا، انھوں نے کسی عُجلت اور پریشانی کا اظہار نہیں کیا، پورے اطمینان اور معمول کے مطابق کھانے سے فراغت کی، ہاتھ دھوئے' پھر کہا ہمارے ہتھیار اور گھوڑا لے آؤ، جب سوار ہو کر چلے تو زمینداروں میں سے بھی کچھ لوگ ہتھیار لگا کر ساتھ ہوئے، شیخ معظم نے سب کو واپس کیا، اور فرمایا کہ میں اتنی تیزی سے جاؤں گا کہ تم میرے گھوڑے کی گرد کو بھی نہ پہونچو گے، البتہ اس قصہ کے راوی کو جو دوڑنے میں گھوڑے کے برابر تھا، ساتھ لے لیا تاکہ وہ واقعہ کی اطلاع دے سکے، پھر گھوڑا دوڑا کر ان ڈاکوؤں کو جو کئی منزلیں طے کر چکے تھے، جا لیا، اور ان کو غیرت دلا کر میدان میں مقابلہ کے لئے اتارا اور تیر اندازی شروع کی، ان کی قادر اندازی اور تیر افگنی دیکھ کر اس پورے گروہ پر رعب طاری ہو گیا، انھوں نے فریاد کی کہ ہم توبہ کرتے ہیں، ہمیں معاف کیا جائے، شیخ نے فرمایا کہ تمہاری توبہ یہ ہے کہ اپنے ہتھیار خود اتارو، ہر ایک دوسرے کا ہاتھ باندھے، اسی حالت میں مویشیوں اور سلاح اور اس دست بستہ گروہ کو گاؤں تک لائے، ان لوگوں کے مذہب کے مطابق ان سے قسم لی کہ اس بستی پر کبھی نظر نہ اٹھائیں گے' انھوں نے اس کی تعمیل کی۔

شیخ معظم کے سید نور الجبار سونی پتی کی صاحبزادی سے تین صاحبزادے پیدا ہوئے شیخ جمال شیخ فیروز، شیخ وجیہ الدین، شیخ وجیہ الدین شاہ صاحب کے حقیقی دادا ہیں۔

شاہ صاحب کے دادا شیخ وجیہ الدین شہید

شاہ صاحب نے اپنے حقیقی دادا شیخ وجیہ الدین شہید کے حالات قدرے تفصیل سے لکھے ہیں، وہ فرماتے ہیں، ان میں تقویٰ اور شجاعت کی دونوں صفتیں جمع تھیں، والد صاحب (شاہ عبدالرحیم صاحب) فرماتے تھے کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) نے دن رات میں قرآن کے

ڈوسیپارے پڑھنے کا وظیفہ مقرر کر رکھا تھا، جس کو وہ سفر و حضر، اور چستی و کسل مندی دونوں حالتوں میں کبھی ترک نہیں کرتے تھے، جب عمر زیادہ ہوئی اور بصارت کمزور تو خط جلی کا ایک قرآن شریف اپنے ساتھ رکھتے تھے، سفر میں بھی کسی وقت اپنے سے جُدا نہیں کرتے تھے، یہ بھی فرماتے تھے کہ وہ اپنے گھوڑے کو کبھی کسی کی کھیتی میں گھسنے نہیں دیتے تھے، خواہ تمام لشکر کاشت کی ہوئی زمین میں گھوڑے دوڑاتا ہو، بعض اوقات اس بناء پر متعارف راستہ سے مشقت برداشت کر کے الگ چلتے، یہ بھی فرماتے تھے کہ کسی جنگ میں اگر سامان رسد کم ہو جاتا، اور کھانے پینے کی چیزیں مہیا نہ ہوتیں، تو ساتھی گاؤں کے مویشیوں کو زبردستی پکڑ کر کے ان سے اپنی غذا حاصل کر لیتے، لیکن وہ ان سے مجتنب رہتے، جب دو۲ تین۳ فاقوں کی نوبت آجاتی، اور قوت جواب دے جاتی تو رزاق حقیقی رزق مہیا فرما دیتا، بعض مرتبہ وہ فکر میں ہوتے، زمین پر چابک پٹختے وہاں سے چنے بقدر خوراک کے نکل آتے، وہ اس کو دھو کر اور پاک کر کے بھگو لیتے اور تناول فرماتے، فرماتے تھے کہ میرے والد کا معاملہ شاگرد پیشہ لوگوں، اور بھوسہ چارہ بیچنے والوں کے ساتھ ایسی نرمی اور انصاف کا تھا کہ بڑے بڑے متقیوں سے بھی ایسا کم دیکھنے میں آیا، یہ بھی فرماتے تھے کہ ایک سفر میں انھوں نے بعض آثار ولایت کا مشاہدہ کیا بیعت کی اور اشغال صوفیہ کے ساتھ مشغول ہوئے، تقلیل کلام اور قلت اختلاط باناموں کو (جو صوفیائے باصفا کا شیوہ ہے) اپنا شعار بنایا، اور اس کی ایسی پابندی کی جو اس زمانہ کے صوفیوں میں بھی کم دیکھی گئی ہے۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ والد صاحب ان کی شجاعت کا بہت ذکر کیا کرتے تھے، اس موقعہ پر شاہ صاحب نے والد صاحب کی زبانی ان کی نمایاں شجاعت اور تہور کے متعدد واقعات لکھے ہیں، بعض مرتبہ تنہا انھوں نے پورے پورے گروہ کا مقابلہ کیا، وہ لشکر شاہی میں مالوہ تک تشریف لے جاتے تھے، اپنے زمانہ کے اچھے اچھے شہ سواروں اور سورماؤں سے انھوں نے مقابلہ کیا،

اور بعض مرتبہ اپنے ساتھیوں یا افسروں کو جو مخالف کی زد میں آگئے تھے، عین موقعہ پر بچا لیا، ایک مرتبہ انھوں نے تین جنگ آزما مبارز طلبوں کو جو کسی کو خاطر میں نہیں لاتے تھے، زیر کیا، وہ فنون سپہ گری میں طاق تھے۔[1]

جنگِ برادران میں وہ عالمگیر بادشاہ کے ساتھ تھے، جب شاہ شجاع نے بنگالہ میں خروج کیا تو وہ عالمگیر کے لشکر میں تھے، اور انھوں نے کارنمایاں انجام دیا، اور ولی نعمت کے ساتھ پوری وفاداری اور استقامت کا ثبوت دیا،[2] ان کی مردانگی سے اس معرکہ میں عالمگیر کو فتح ہوئی، فتح کے بعد بادشاہ نے چاہا کہ منصب میں اضافہ کردے، انھوں نے از روئے استغنا قبول نہیں کیا، بعض مرتبہ انھوں نے اپنے خاص احباب و رفقاء کے ساتھ حق دوستی ادا کیا اور خطرہ مول لے کر ان کی امداد کی،[3] شاہ عبدالرحیم صاحب نے ان کی قوت قلبی، بلند ہمتی اور مہم جوئی اور خطر پسندی کے متعدد واقعات بیان کئے ہیں، اسی کے ساتھ ان کی ہمدردی و دل جوئی اور غریب پروری کے واقعات بھی لکھے ہیں۔

شیخ وجیہ الدین کی شادی شیخ رفیع الدین محمد کی دختر نیک اختر سے ہوئی، شیخ رفیع الدین قطب العالم کے فرزند تھے، اور وہ حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بار[4] کے صاحبزادہ، ان کے

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو، آثار الاجداد ص ۶-۷ [2] ایضاً ص ۸ [3] ایضاً ص ۸-۹

[4] شیخ عبدالعزیز عباسی جونپوری ثم دہلوی (۸۹۸ھ - ۹۷۵ھ) کا شمار کبار مشائخ چشتیہ میں ہے، شیخ قاضی خاں ظفر آبادی اور شیخ تاج محمود جونپوری سے طریقۂ چشتیہ میں اجازت حاصل تھی، بے نفسی اور تواضع کا پیکر تھے، اور اخلاق عالیہ سے متصف، وحدۃ الوجود کا مذاق رکھتے تھے، خطوط میں اپنے نام سے پہلے "ذرۂ ناچیز" لکھا کرتے تھے، (جس سے ان کے مذاق کا اظہار ہوتا ہے) عجیب اتفاق ہے کہ اسی سے ان کی تاریخ وفات نکلتی ہے "فَسُبْحٰنَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ مَلَکُوْتُ کُلِّ شَیْءٍ وَّاِلَیْہِ تُرْجَعُوْنَ" (یٰسٓ - ۸۳) پرطائر روح نے قفس عنصری سے پرواز کی، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا ان کے حالات میں رسالہ "النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ" اسی مجموعہ رسائل میں شامل ہے۔ (نزہۃ الخواطر ج ۴ باختصار)

تین صاحبزادے پیدا ہوئے، شیخ ابوالرضا محمد، شیخ عبدالرحیم، شیخ عبدالحکیم۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کہتے ہیں کہ میرے والد (شیخ وجیہ الدین) ایک شب تہجد کی نماز پڑھ رہے تھے، ایک سجدہ میں اتنی دیر تک سر بسجود رہے کہ خیال ہوا کہ شاید روح پرواز کر گئی، جب سر اٹھایا تو آپ سے اتنی دیر تک ساکت وصامت پڑے رہنے کے بارے میں میں نے دریافت کیا، فرمایا غیبوبت کی حالت پیدا ہو گئی تھی، اس میں شہید کے درجہ اور ثواب کا حال معلوم ہوا، میں نے حق تعالیٰ سے شہادت کی تمنا کی اور اس میں اتنے الحاح وزاری سے کام لیا کہ اس کی قبولیت کا انکشاف ہوا، دکن کی جانب اشارہ ہوا کہ وہ شہادت کی جگہ ہوگی، والد صاحب فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے بعد اگرچہ فوج کی ملازمت ترک فرمادی تھی، اور اس شغل سے طبیعت کو نفرت ہو گئی تھی، لیکن از سر نو اسباب سفر مہیا کئے، گھوڑا خریدا اور دکن کی جانب متوجہ ہوئے، ان کا خیال تھا کہ یہ واقعہ سیوارا میں پیش آئے گا، جو اس وقت سلطنت اہل اسلام کے حدود سے خارج تھا اور وہاں کا حاکم مسلمانوں کے قاضی کے ساتھ بڑی بے حرمتی کے ساتھ پیش آیا تھا، لیکن جب برہانپور پہونچے تو وہاں منکشف ہوا کہ شہادت کی جگہ تو پیچھے چھوڑ آئے، وہیں سے واپس ہوئے، راستہ میں بعض سوداگروں کی جو صلاح وتقویٰ سے آراستہ معلوم ہوتے تھے، صحبت وہمراہی اختیار کی، قصبہ ہنڈیا سے چاہتے تھے کہ ہندوستان واپس آئیں کہ ایک دن ایک ضعیف العمر آدمی ملا کہ افتاں وخیزاں بھاگا جاتا تھا، ان کو اس کے حال پر رحم آیا، انھوں نے وجہ پوچھی، کہا کہ میں دہلی جانا چاہتا ہوں، فرمایا، روزانہ تین پیسے ہماری ملازمت سے لے لیا کرو، وہ بڈھا اصل میں کفار کا جاسوس تھا، جب نوبزیا کی سرائے میں پہونچے تو جاسوس نے اپنے ساتھیوں کو خبر کردی (کہ سوداگروں کا قافلہ اس سرائے میں ٹھہرا ہوا ہے) ڈاکوؤں کی ایک جماعت کثیر اس سرائے میں آئی، شیخ وجیہ الدین اس وقت تلاوت میں مشغول تھے، ان میں سے دو تین آدمی سامنے آئے

اور کہا کہ وجیہ الدین کون ہیں، انھوں نے فرمایا کہ میں ہوں، انھوں نے کہا کہ تم سے ہمیں کوئی کام نہیں ہم جانتے ہیں کہ تمہارے پاس کچھ مال نہیں، اور تمہارا ہمارے گروہ میں سے ایک پر حق نمک بھی ہے لیکن ان سوداگروں کو جن کے پاس ساز وسامان ہے ہم نہیں چھوڑیں گے، چونکہ آپ کی غرض اصلی ہی اس سفر سے شہادت تھی، آپ رفاقت چھوڑنے پر راضی نہ ہوئے، اور حملہ آوروں کے مقابلہ میں آگئے، آپ کو بائیس[۲۲] زخم آئے، آخری زخم میں سر مبارک جسد سے جدا ہوگیا، اس حالت میں بھی دیر تک تکبیر زبان پر جاری رہی، اور کچھ دور کفار کا تعاقب بھی کیا[۱]، بالآخر ایک جگہ گرے اور وہیں مدفون ہوئے، اللہ تعالیٰ نے شاہ عبدالرحیم صاحب کو یہ واقعہ دکھایا، انھوں نے دیکھا کہ وہ اپنے زخم دکھا رہے ہیں، شاہ صاحب نے جسد مبارک کو منتقل کرنے کا ارادہ بھی کیا، مگر اشارۂ غیبی نے ان کو اس سے باز رکھا۔

شاہ صاحب کے نانا شیخ محمد پھلتی

شاہ صاحب کے نانا حضرت شیخ محمد پھلتی[۲] تھے، ان کے خاندان کا وطن اول سدھور ہے[۳]، سلطان سکندر لودھی کے زمانہ میں یہ خاندان پھلت منتقل ہوا، آپ کے والد کا نام شیخ محمد عاقل تھا، وہ بچپن سے بڑے ہونہار اور زمانہ کے صلحا اور اہل دل کے منظور نظر تھے، حضرت سید آدم بنوری کے خلیفہ شیخ جلال نے ان کی ولادت پر ان کے مراتب عالیہ کی بشارت دی تھی، تعلیم انھوں نے اولاً شاہ صاحب کے چچا شیخ ابوالرضا محمد بن شیخ وجیہ الدین سے حاصل کی، اس کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب کے پاس گئے، ان سے بڑی مناسبت معلوم ہوئی، وہاں سے علم کی تحصیل کرکے

---

[۱] ایسے واقعات بعض اور شہداء کے متعلق بھی کتابوں میں دیکھنے میں آئے ہیں۔ [۲] ان کے حالات میں شاہ صاحب کا مستقل رسالہ "العطیۃ الصمدیۃ فی الانفاس المحمدیۃ" کے نام سے اسی مجموعہ رسائل میں شامل ہے [۳] حال ضلع بارہ بنکی۔

پھر پھلت واپس آئے، بذل وسخا، خود شکنی وفنا میں پایہ بلند رکھتے تھے، قوی التاثیر وصاحب ارشاد تھے، شاہ صاحب نے ان کی اپنے استاد ومربی شاہ عبدالرحیم صاحب کے ساتھ اطاعت وانقیاد اور تسلیم ورضا کے متعدد واقعات لکھے ہیں[1]، ان کو شاہ صاحب سے اجازت بھی حاصل ہوئی، ان کے صاحبزادہ شیخ عبیداللہ تھے، جو شاہ صاحب کے ماموں اور خسر، اور شاہ صاحب کے خلیفۂ اجل حضرت شیخ محمد عاشق پھلتی کے والد نامدار تھے[2]، شاہ صاحب نے حضرت شیخ محمد پھلتی کی قوتِ تاثیر اور افادہ وافاضہ کے متعدد واقعات لکھے ہیں[3]، شیخ محمد کی وفات ۸ جمادی الآخرہ ۱۱۲۵ھ کو ہوئی[4]۔

شاہ صاحب کے عم محترم شیخ ابوالرضا محمد

حضرت شیخ ابوالرضا محمد حضرت شیخ وجیہ الدین کے فرزند اکبر اور شاہ صاحب کے بڑے چچا ہیں، شاہ صاحب نے انفاس العارفین میں اپنے والد بزرگوار کے بعد ان کا مستقل تذکرہ لکھا ہے، ان کو امام الطریقۃ والحقیقۃ کے بلند الفاظ سے یاد کیا ہے، شاہ صاحب کے نزدیک (اگرچہ انھوں نے اساتذۂ وقت سے تعلیم پائی تھی) ان کے علوم زیادہ تر وہبی تھے، اپنے والد صاحب کی اجازت وایماء سے ایک امیر کی سرکار میں آمد ورفت شروع کی، کہ ناگاہ جاذبۂ توفیق الٰہی نے ان کو اس سے باز رکھا اور تجرید تام اور توکلِ کلی اور عمل بالسنۃ کو اپنا شعار بنایا، زوجۂ محترمہ کو بھی "اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَزِيْنَتَهَا"[5] پر عمل کرتے ہوئے اختیار دیا کہ اگر فقر وفاقہ برداشت ہے تو ہمارے ساتھ رہو، ورنہ میکہ چلی جاؤ، انھوں نے بھی

---

[1] ص ۲۰ [2] حضرت شیخ محمد عاشق پھلتی کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۶
[3] ص ۲۲-۲۵ [4] ص ۲۵ [5] الاحزاب - ۲۸

ازواج مطہرات کی سنت پر عمل کرتے ہوئے فقر و فاقہ کو ترجیح دی، اور رفاقت نہیں چھوڑی، اکثر متواتر دو دو تین تین فاقے ہو جاتے، سیدنا عبدالقادر جیلانیؒ سے نسبتِ خاص حاصل تھی، اور سیدنا علی مرتضیٰ سے محبتِ خاص اور مناسبت با اختصاص حاصل تھی،[1] عالمگیر بادشاہ نے کئی مرتبہ زیارت کا ارادہ کیا قبول نہیں فرمایا، امراء و اہل دول کی طرف بالکل التفات نہیں تھا، البتہ جوتے بنانے والوں، اور لپائی کا کام کرنے والوں اور ایسے ہی پیشہ وروں کی طرف بڑی توجہ فرماتے تھے، اگر وہ چار پانچ پیسے ہدیۃً نذر کرتے تو بڑی خوشی سے قبول فرماتے۔

شاہ صاحب نے ان کے تعارف میں قوی العلم، فصیح اللسان، عظیم الورع، وسیع المعرفہ کے الفاظ استعمال کئے ہیں، زیبا صورت، طویل القامت تھے، رنگ گورا، داڑھی ہلکی، نرم کلام تھے، جمعہ کی نماز کے بعد وعظ کہتے تھے، اور تین حدیثیں زبانی سناتے تھے، پھر فارسی میں اس کے بعد ہندی (ریختہ) میں ان کا ترجمہ کرتے تھے، اور ان احادیث کے مطالب پر روشنی ڈالتے تھے، لیکن اعتدال و اختصار کے ساتھ، پہلے ہر فن کی ایک کتاب پڑھاتے تھے، اور لوگ ان کی تقریر کے ذوق میں بہت جمع ہو جاتے تھے، آخر میں صرف دو سبق رہ گئے تھے، ایک بیضاوی کا ایک مشکوٰۃ کا، وحدۃ الوجود کے قائل تھے، اور اس بارے میں صاحبِ تحقیق تھے، صوفیا کے متعلق ملفوظات کی خوب شرح کرتے تھے، مستجاب الدعوات تھے، شاہ صاحب نے ان کی محبوبیت و اجتبائی شان کے بہت سے واقعات لکھے ہیں،[2] سنتوں کے ادا کرنے کا بڑا اہتمام تھا، ہندی کے عارفانہ دوہے کبھی کبھی پڑھتے تھے، شاہ صاحب نے ان کے کشف و کرامات کے متعدد واقعات لکھے ہیں،[3] شاہ صاحب نے بڑی تفصیل سے ان کے ملفوظات درج کئے ہیں، جن کا سمجھنا اور

---

[1] انفاس العارفین ص۸۶-۸۸ [2] ایضاً ص۸۹-۹۰ [3] ایضاً ص۹۰-۹۴

ان سے فائدہ اٹھانا بھی اس زمانہ میں مشکل ہے، اس لئے ان کو ترک کیا جاتا ہے[۱]، عمر پچاس اور ساٹھ کے درمیان تھی، کہ ۲۹ محرم الحرام ۱۱۷۶ھ کو نماز عصر کے بعد سفر آخرت اختیار کیا، آفتاب کے لفظ سے تاریخ وفات نکلتی ہے[۲]۔

والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیمؒ

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے اپنے والد بزرگوار حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے حالات، کمالات وکرامات میں خود ایک مفصل کتاب تحریر فرمائی ہے، جس کا نام عربی میں "بوارق الولایۃ" اور مشہور نام "انفاس العارفین"[۳] ہے، ایک باکمال فرزند کے قلم سے باکمال پدر بزرگوار کے حالات میں مؤرخانہ اور ذمہ دارانہ طریقہ پر مستقل کتاب لکھنے کی اسلام کی علمی تاریخ میں زیادہ مثالیں نہیں ملتیں، اس سلسلہ میں علامہ تاج الدین سبکی کا اپنی شہرۂ آفاق کتاب "طبقات الشافعیۃ الکبریٰ" میں اپنے والد نامدار علامہ شیخ تقی الدین السبکی کا مفصل تذکرہ[۴] اور فخر المتاخرین ابوالحسنات مولانا عبدالحی صاحب فرنگی محلی کا اپنے والد بزرگوار مولانا عبدالحلیم لکھنوی کے حالات میں مستقل رسالہ "حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم" کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔

اس کتاب میں سے زیادہ تر وہ حالات وواقعات انتخاب کئے جائیں گے، جو ان کی شخصیت پر روشنی ڈالتے ہیں، اور جن سے ان کے علمی، دینی اور روحانی پایہ کا کچھ اندازہ

---

[۱] انفاس العارفین ص ۹۴-۱۱۹ [۲] ایضاً ص ۱۵۵

[۳] پہلی مرتبہ مطبع احمدی دہلی میں زیور طبع سے آراستہ ہوئی دوبارہ مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی حوالہ میں اول الذکر طباعت پیش نظر ہے [۴] یہ باریک ٹائپ کے ۱۸ صفحات میں پھیلا ہوا ہے۔

ہوسکتا ہے، اور خود شاہ صاحب کی زندگی اور رجحان اور مزاج و مذاق کی تشکیل میں انھوں نے جو بنیادی کردار ادا کیا ہوگا، اس کے تعین میں مدد مل سکتی ہے، کرامات و کشوف، روحانی تجربات و ترقیات کا (جس کا وہ خاص دور اور صاحب تذکرہ کو اس سے خاص مناسبت تھی) زیادہ ذکر نہیں کیا جائیگا کہ ان کا فہم و ادراک بھی اس زمانہ کے لوگوں کے لئے مشکل ہے، اس کے لئے اصل کتاب کی طرف رجوع مناسب ہوگا، صرف اجمالاً اتنا لکھنا ضروری ہے کہ شاہ صاحب کے حالات ایک اعلیٰ روحانی استعداد اور فطری و باطنی کمال پر دلالت کرتے اور اولیائے متقدمین کی یاد تازہ کرتے ہیں، جن کی استعدادیں نہایت قوی، زمانہ نہایت مساعد اور ماحول نہ صرف سازگار بلکہ محرک و مشوق تھا، اور "كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِي شَأْنٍ"[1] کے بموجب اس میدان میں اللہ تعالیٰ کی قدرت، اس کی تربیت، اور اس کی تجلیات کا ظہور تھا، اور "كُلًّا نُّمِدُّ هَٰؤُلَاءِ وَهَٰؤُلَاءِ مِنْ عَطَاءِ رَبِّكَ ۚ وَمَا كَانَ عَطَاءُ رَبِّكَ مَحْظُورًا"[2] (ان کو اور ان کو سب کو تمہارے پروردگار کی بخشش سے بھر بھر کر دیتے ہیں اور تمہارے پروردگار کی بخشش (کسی سے) رکی ہوئی نہیں ہے) کی تفسیر۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کے نانا (جو خود بڑے پایہ کے بزرگ تھے) شیخ رفیع الدین نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں اپنا اثاثہ اپنے وارثوں کے درمیان تقسیم کر دیا، اپنی اولاد میں ہر ایک کو اس کے حسب حال سامان دیا، شاہ عبدالرحیم صاحب کی والدہ ان کی سب سے چھوٹی اولاد تھیں، جب ان کی باری آئی تو ان کو طریقت کے فوائد و اوراد اور مشائخ کا شجرہ عنایت فرمایا، شاہ رفیع الدین صاحب کی اہلیہ محترمہ نے کہا کہ ابھی اس بچی کی شادی بھی نہیں ہوئی، اس کو جہیز کا سامان دینا چاہئے تھا، نہ کہ یہ رسائل، فرمایا کہ یہ رسائل ہمیں اپنے بزرگوں سے ترکہ میں ملے ہیں، اس بچی کا ایک فرزند ہوگا جو ہماری اس معنوی میراث کا مستحق ثابت ہوگا، جہاں تک

---

[1] سورۃ الرحمٰن — ۲۹ [2] سورۃ الاسراء — ۲۰

جہیز وشادی کے سامان کا تعلق ہے، اللہ اس کا انتظام فرمائے گا، ہمیں اس کی فکر نہیں، شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ جب میں پیدا ہوا، اور کچھ سیانا ہوا تو میری نانی نے وہ سامان میرے حوالہ کیا، اور میں نے اس سے فائدہ اٹھایا[1]۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کی ولادت کا سنہ کہیں صراحتاً نہیں ملتا، لیکن چونکہ انھوں نے سنہ ۱۱۳۱ھ میں وفات پائی، اور ۷۷ برس کی عمر ہوئی، اس لئے سنہ ولادت سنہ ۱۰۵۴ھ ہونا چاہئے[2]۔

شاہ عبدالرحیم صاحب تین[3] بھائی تھے، شیخ ابوالرضا محمد، شیخ عبدالحکیم اور شاہ عبدالرحیم۔

شاہ عبدالرحیم صاحب فرماتے ہیں کہ میں صغر سنی ہی میں سر پر پگڑی باندھ کر سر بہ زانو بیٹھتا، وضو میں تمام اعضاء کو پورے طور پر دھوتا، اور وضو کی سنتوں کا اہتمام کرتا، میرے ماموں شیخ عبدالحی جو خود صالح بزرگ تھے، دیکھ کر خوش ہوتے، اور فرماتے کہ اس کو دیکھ کر اطمینان ہوتا ہے کہ اسلاف کی یہ دولت ہماری نسل میں باقی رہے گی، اگر پوتوں کو نہ ملی تو کیا حرج ہے، نواسے اس کے حامل ومحافظ ہوں گے[3]۔

شاہ عبدالرحیم صاحب کی بچپن ہی سے طبیعت دین کی طرف مائل اور دنیا کی دولت وعزت سے اچاٹ تھی، جو بزرگ کوئی ایسا وظیفہ بتانا چاہتے، جس سے دنیا کا کوئی مقصد حاصل ہوتا، اس کی طرف توجہ نہ کرتے، اور کہتے مجھے اس کی ضرورت نہیں، ایک نقشبندی بزرگ نے جن کا نام خواجہ ہاشم تھا، اور بخارا سے تشریف لاکر شاہ صاحب کے محلہ ہی میں فروکش تھے، ان کی طبیعت کا یہ انداز دیکھ کر ان کو اسکتاب[4] کا

---

[1] انفاس العارفین ص۴ [2] ایضاً ص۸۵ [3] ایضاً ص۴

[4] مشائخ لوح دل پر اللہ کا نام نقش کرنے کے لئے کاغذ پر اسم ذات کو کثرت سے لکھواتے ہیں، تاکہ وہ ذہن پر منقش ہوجائے، یہ یاد الٰہی کے لئے ایک طریقۂ علاج تھا۔

طریقہ تلقین کیا، شاہ صاحب فرماتے تھے کہ مجھ پر اس کا ایسا غلبہ ہوا کہ میں نے ملا عبدالحکیم کا حاشیہ (یہ شرح عقائد پر ملا عبدالحکیم کا حاشیہ ہے) نقل کرنا شروع کیا، پورے ایک جزء پر اسم ذات لکھتا چلا گیا، اور مجھے شعور نہ ہوا۔[1]

شاہ صاحب حضرت خواجہ باقی باللہ کے صاحبزادہ شیخ عبداللہ مشہور بخواجہ خورد کی خدمت میں حاضر ہوتے تھے، جو بڑے عارف تھے، بعض غیبی اشارات اور روحانی بشارات کی بناء پر انھوں نے ان سے بیعت کی درخواست کی، انھوں نے خیر خواہانہ مشورہ دیا کہ سید آدم بنوریؒ کے خلفاء میں سے کسی ایسے شیخ سے جو تشرع اور ترک دنیا اور تہذیب نفس میں راسخ القدم ہو اس سے بیعت کرلوں، میں نے کہا کہ ہمارے جوار میں حضرت کے خلفاء میں حافظ سید عبداللہ[2] تشریف رکھتے ہیں، فرمایا بہت غنیمت ہیں، جلد ان سے بیعت ہو جاؤ، میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا اگرچہ ان پر اخفا و خمول (بے نشانی) کا غلبہ تھا، انھوں نے پہلی درخواست پر بیعت فرمالیا، میں دونوں بزرگوں خواجہ خورد اور سید عبداللہ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہا، اور ان کے فیض صحبت سے مستفیض، حافظ سید عبداللہ کی بھی توجہ من جانب اللہ شاہ عبدالرحیم صاحب کی جانب تھی، ایک مرتبہ فرمایا، تم بچہ تھے، اور بچوں میں کھیل رہے تھے، میری طبیعت کی تمہاری طرف کشش ہوئی، میں نے دعا کی کہ خدایا اس بچہ کو اولیاء میں شامل فرما، اور اس کا کمال میرے ہاتھ سے ظاہر ہو، الحمدللہ کہ اس دعا کا ثمرہ ظاہر ہوا۔[3]

تعلیم

شاہ عبدالرحیم صاحب نے چھوٹے رسائل سے شرح عقائد اور حاشیہ خیالی تک اپنے برادر بزرگ

---

[1] ایضاً ص ۵ [2] حافظ سید عبداللہ کے حالات کے لئے ملاحظہ ہو "انفاس العارفین" از ص ۶-۱۵ [3] ایضاً ص ۱۱

ابوالرضا محمد سے پڑھے، بقیہ کتابیں مرزا زاہد ہروی (مشہور بہ میر زاہد) سے پڑھیں، فرماتے تھے کہ "شرح مواقف" اور اصول کی ساری کتابیں مرزا زاہد سے پڑھیں، ان کی مجھ پر خصوصی توجہ تھی، یہاں تک کہ اگر میں کسی دن کہتا کہ آج میں نے مطالعہ نہیں کیا ہے، تو فرماتے کہ ایک دو سطر پڑھ لو، تاکہ ناغہ نہ ہو، خواجہ خورد سے بھی حاشیہ خیالی وغیرہ کے مشکل مقامات میں رجوع کیا اور تشفی ہوئی، بعض اوقات ایسا ہوا کہ کسی کتاب کا ابتدائی حصہ پڑھا اور آخر تک اس کا درس خود دیا، خواجہ خورد شاہ عبدالرحیم صاحب کے نانا شیخ رفیع الدین کے شاگرد تھے، اور خواجہ خورد نے ان سے علمی و باطنی دونوں طرح کا استفادہ کیا تھا، اس لئے وہ ان کے ساتھ بڑی خصوصیت اور احترام کے ساتھ پیش آتے تھے۔

حافظ سید عبداللہ کی وفات کے بعد شاہ عبدالرحیم صاحب نے سلسلۂ ابوالعلائیہ احراریہ کے ایک بلند مرتبہ خلیفہ شیخ ابوالقاسم اکبرآبادی[1] سے رجوع کیا، امیر نورالعلا سے بھی استفادہ کیا، خلیفہ ابوالقاسم نے شاہ صاحب کو اجازت بھی دی، خلیفہ صاحب شاہ عبدالرحیم صاحب کی تعظیم اور خصوصی خیال اس لئے بھی کرتے تھے کہ ان کو شاہ عبدالرحیم صاحب کے جد مادری شیخ عبدالعزیز شکر بار سے بھی خصوصی نسبت تھی۔

شاہ صاحب نے "انفاس العارفین" میں شاہ عبدالرحیم صاحب کے اپنے زمانہ کے مشائخ و اولیاء اور مجاذیب سے ملاقاتوں، ان کی توجہ خصوصی کے بہت سے واقعات لکھے ہیں کہ

---

[1] شیخ ابوالقاسم شیخ ولی محمد نارنولی کے خلیفہ تھے، اور وہ امیر ابوالعلاء حسینی اکبرآبادی کے شیخ ابوالقاسم نے ابوالعلاء کا زمانہ پایا، اور ان کی صحبت اٹھائی لیکن اجازت شیخ ولی محمد نارنولی سے پائی، وفات ۱۰۸۹ھ، واضح رہے کہ ابوالعلائی احراری سلسلہ میں چشتیت و نقشبندیت کا امتزاج ہے، کالپی کا مشہور سلسلہ جس کے شیخ سید محمد ترمذی تھے، اس سلسلہ سے تعلق رکھتا ہے۔ (تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۵ ص ۲۲)

یہ زمانہ جذب وسلوک، خدا طلبی، عشق الٰہی، اور درویشی کا گویا موسم بہار تھا، اور ایسے حضرات کی کثرت تھی، جو اس کا ذوق رکھتے تھے، اور روحانی اور باطنی کمالات سے آراستہ تھے[1]، اور انھوں نے شاہ صاحب پر خاص توجہ فرمائی، اور ان سے شاہ صاحب کی اچھی صحبتیں رہیں، شاہ صاحب نے حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب کے کشف ارواح وغیرہ کے بہت سے واقعات لکھے ہیں، جن سے ان کی باطنی قوت کا اندازہ ہوتا ہے[2]، اسی طرح ان کے اشراقات اور کرامات کے واقعات درج کئے ہیں، اس کے بعد شاہ صاحب نے بہت تفصیل سے ان کے ملفوظات درج کئے ہیں[3]، ملفوظات سے ان کی دقتِ نظر، غیر معمولی ذہانت، اور اعلیٰ استعداد علمی کا اندازہ ہوتا ہے۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں، والد صاحب کا عمل اکثر امور میں مذہب حنفی کے موافق تھا لیکن بعض مسائل میں حدیث کے مطابق یا اپنے وجدان سے کسی دوسرے مذہب فقہی کو بھی ترجیح دیتے تھے، ان تفرّدات یا استثناءات میں امام کے پیچھے سورہ فاتحہ کا پڑھنا، جنازہ میں بھی سورہ فاتحہ پڑھنا تھا۔

کم سنی سے خواجہ خورد کی خدمت میں حاضر ہونے اور ان سے روحانی وعلمی استفادہ اور ان کی شخصیت وباطنی کمالات سے متاثر ہونے، نیز خواجہ ابوالقاسم اکبر آبادی سے بھی روحانی تربیت حاصل کرنے کی بنا پر (جو اس سلسلۂ ابوالعلائیہ میں صاحبِ اجازت تھے، جو حضرت مجدد الف ثانی اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے واسطہ کے بغیر خواجہ عبید اللہ احرار اور سلسلۂ نقشبندیہ کے مشائخ کبار تک پہونچتا تھا) نیز انھوں نے امیر نورالعلاء بن امیر ابوالعلاء

---

[1] ملاحظہ ہو "ذکر ملاقات حضرت ایشاں با سائر اہل اللہ از مجاذیب وغیر آں"، ص ۲۹-۳۴

[2] ملاحظہ ہو "انفاس العارفین" ص ۳۵-۵۰ [3] ایضاً ص ۵۰-۶۵ [4] ایضاً ص ۶۶-۸۵

اکبر آبادی سے بھی استفادہ کیا تھا، شاہ عبدالرحیم صاحب پر حضرت سید آدم بنوری کی نسبت خاص کے مقابلہ میں جو مسلک وحدۃ الشہود میں راسخ القدم تھے، حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی نسبت غالب تھی، جو عرصہ تک توحید وجودی کے ذوق و مسلک پر رہے اور یہ کہنا مشکل ہے کہ اس سے بالکلیہ انقطاع عمل میں آیا، یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ ان کے قریب کے اجدادِ مادری میں حضرت شیخ عبدالعزیز شکر بار (م ۹۷۵ھ) بھی گزرے ہیں جن پر توحید وجودی کا غلبہ تھا، ان موروثی و تربیتی اسباب کی بنا پر حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب توحید وجودی کا ذوق اور شیخ اکبر سے عقیدت، اور ان کی تحقیقات سے ایسا ذوق و شغف رکھتے تھے، جو جادۂ شریعت اور دائرۂ علم سے متجاوز نہیں ہونے پاتا تھا[1]۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ والد صاحب شیخ محی الدین ابن عربی کا نام بڑی تعظیم سے لیتے تھے، فرماتے تھے اگر میں چاہوں تو فصوص الحکم کا منبر پر کھڑے ہو کر بیان کروں، اور اس کے تمام مسائل کو آیات و احادیث کے ساتھ مبرھن کروں، اور اس طرح بیان کروں کہ کسی کو شبہ نہ رہے لیکن اسی کے ساتھ وحدۃ الوجود کی صراحت کرنے سے احتراز کرتا ہوں کہ اس زمانہ کے اکثر لوگ اس کو سمجھ نہیں سکیں گے، اور الحاد و زندقہ کے گڑھے میں گر جائیں گے۔

شاہ عبدالرحیم صاحب فتاویٰ عالمگیری کو ترتیب دینے والی جماعت علماء میں شامل تھے، جو ملک کے ممتاز ترین فقہ حنفی کے عالم و صاحبِ نظر و صاحبِ درس فقیہ تھے، اس جماعت کے نگراں کار اور صدر شیخ نظام الدین برہان پوری تھے، سلطان اورنگ زیب عالمگیر نے اس کام پر دو[2] لاکھ روپیہ صرف کئے[3]، مصنف "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" نے بڑے تفحص و تحقیق

---

[1] شاہ عبدالرحیم صاحب کے اس ذوق نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب تک منتقل ہو کر وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود میں تطبیق کا رنگ اختیار کر لیا۔ [2] اس زمانہ کے لحاظ سے پچاس لاکھ روپے سے کم نہیں ہوں گے۔

کے بعد اس کے مرتبین کے نام درج کئے ہیں، جن کی تعداد اکیس ۲۱ ہوتی ہے، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحب بھی اس جماعت کے ایک رکن تھے۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب "انفاس العارفین" میں لکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں عالمگیر کو اس کتاب کی ترتیب و تدوین کا بڑا اہتمام تھا، ملا نظام (افسر سررشتۂ تدوین) روزانہ ایک صفحہ بادشاہ کے سامنے پڑھا کرتے تھے، ایک دن انھوں نے وہ حصہ پڑھا جو ملا حامد کے سپرد تھا، انھوں نے ایک ہی مسئلہ کے متعلق دو کتابوں کی دو متفرق عبارتوں کو جمع کر کے عبارت میں گنجلک پیدا کر دی تھی، شاہ عبدالرحیم صاحب (جو ان کے دوست تھے) کی نظر جب اس مقام پر پڑی تو اس کی تحقیق کی معلوم ہوا کہ دو کتابوں کی مختلف المعنی عبارتیں جمع کر دی ہیں، آپ نے مسودہ کے حاشیہ پر عربی کی عبارت لکھدی کہ "من لم یتفقّہ فی الدین قد خلط فیہ، ھذا غلط وصوابہ کذا" (یعنی تفقّہ نہ ہونے کی وجہ سے کاتب سے یہاں خلطِ مبحث ہو گیا ہے، صحیح یوں ہے۔)

ملا نظام نے متن کی عبارت کے ساتھ شاہ عبدالرحیم صاحب کا حاشیہ بھی پڑھ دیا، وہ تو روانی میں پڑھتے گئے، لیکن بادشاہ جو پوری توجہ سے سنتے تھے، چونک پڑے اور فرمایا "ایں عبارت چیست"؟ ملا نظام گھبرائے کہ انھوں نے اس کا مطالعہ نہیں کیا تھا، پھر سنبھل کر کہا کہ میں نے اس مقام کا مطالعہ نہیں کیا، کل تفصیل سے اس کا مطلب عرض کروں گا، گھر آئے تو ملا حامد سے شکایت کی کہ میں نے یہ حصہ تمہارے اعتماد پر چھوڑ دیا تھا، تمہاری وجہ سے مجھے بادشاہ کے سامنے خفت اٹھانی پڑی، ملا حامد نے اس وقت تو کچھ نہیں کہا، شاہ صاحب سے اس کی شکایت کی، شاہ صاحب نے کتابیں کھول کر ان کو دکھایا کہ عبارت میں خلل اور انتشار پیدا ہو گیا ہے، اس سے بعض معاصرین

---

[1] "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" از مولانا حکیم سید عبدالحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ۔ طبع المجمع العلمی دمشق۔ ص ۱۱۱

اور رفقاء کو حسد پیدا ہوا، اور شاہ صاحب کچھ عرصہ اس کام میں شریک ہونے کے بعد اس سے علیٰحدہ ہو گئے۔[1]

اخلاق و شمائل و معمولات

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ وہ خصائل حمیدہ اور اخلاق ستودہ کے جامع تھے، شجاعت و فراست اور غیرت اُن میں بدرجۂ اتم موجود تھی، عقل معاد کی طرح عقل معاش بھی کامل اور وافر طور پر رکھتے تھے، ہر معاملہ میں توسّط و اعتدال کو پسند کرتے تھے، زہد و عبادت میں نہ اتنا تعمّق اور غلو تھا کہ رہبانیت سے اس کے حدود مل جائیں، اور نہ اتنی بے تکلفی اور وسعت کہ تساہل تک بات پہونچ جائے، لباس میں تکلف نہیں تھا، نرم اور سخت لباس جو میسر آتا استعمال فرماتے، یہ الگ بات ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیشہ ان کو اچھا ہی لباس مرحمت فرمایا، اللہ تعالیٰ ان کی سب ضرورتیں پوری فرما دیتا تھا، بازار جا کر کسی چیز کے خریدنے کی مشکل ہی سے نوبت آتی، امراء اور رؤساء کے گھروں پر تشریف نہیں لے جاتے تھے، اس دروازہ کو کلیۃً بند کر رکھا تھا، ہاں اگر اس طبقہ کے لوگ خود زیارت کے لئے آتے تو آپ بڑی خندہ پیشانی اور اخلاق سے پیش آتے، ان میں جو زیادہ معزز ہوتا اس کا اسی طرح اعزاز کرتے، اور اگر وہ نصیحت کی فرمائش کرتے، تو بڑی نرمی کے ساتھ نصیحت فرماتے، اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فرض انجام دیتے، ہمیشہ علم و علماء کی تعظیم کرتے، جہالت اور جاہلوں سے نفور رہتے، ہر حال میں آثار نبویؐ کا تتبّع کرتے، استقامت کی بات یہ ہے کہ کبھی ساری زندگی بغیر عذر کے جماعت فوت نہیں ہوئی، بچپن و جوانی میں کبھی منہیات کی طرف میلان نہیں ہوا، ضروری امور میں بیع و شراء سے بھی احتراز نہ کرتے، نہ منقشّہ علماء کی پرتکلف ہیئت کی

---

[1] انفاس العارفین ص۲۴

پابندی کرتے، نہ آزاد فقراء وصوفیاء کے بے قید لباس کی، بے تکلف زندگی گذارتے تھے، بغیر ضرورت کے قرض لینا پسند نہیں کرتے تھے، جو لوگ تنعّم و تفکّہ (لذت اندوزی اور لطف) کے لئے قرض لیتے اس کو ناپسند فرماتے اور ملامت کرتے، طب میں بھی ذہن رسا پایا تھا۔

روزانہ ایک ہزار بار درود شریف، ایک ہزار بار نفی اثبات، کچھ حصہ بجہر اور کچھ حصہ خفا کے ساتھ، بارہ ہزار بار اسم ذات روزانہ کا معمول تھا، اپنے بھائی ابوالرضا محمد کے انتقال کے بعد مشکوٰۃ، تنبیہ الغافلین، غنیۃ الطالبین کو سامنے رکھ کر وعظ فرماتے، آخر میں تفسیر کا سلسلہ شروع کیا تھا، زہراوین (سورہ بقر و آل عمران) سے فارغ ہوئے تھے کہ ضعف کا غلبہ ہوا، اور یہ سلسلہ موقوف ہوگیا۔

حمیّت اسلامی

حضرت شاہ عبدالرحیمؒ میں بھی اپنی خاندانی روایت کے مطابق، اور پدر بزرگوار شہیدؒ (شیخ وجیہ الدین) کی وراثت میں مجاہدانہ جذبات اور حمیت اسلامی پورے طور پر موجود تھی، اور یہ بات بالکل قرین قیاس ہے کہ ان کے خاندان والاشان میں نسلاً بعد نسل جہاد و عزیمت کا سلسلہ منقطع نہیں ہونے پایا تھا، غیرت و شجاعت ان کو خاندانی ورثہ میں ملی تھی، اگرچہ شخصی و جسمانی طور پر کسی معرکۂ جہاد میں شرکت کا ذکر نہیں ملتا، مگر "انفاس العارفین" میں درج واقعات سے ان کے علوِّ ہمت، عمل بالعزیمت اور دینی غیرت کا اظہار ہوتا ہے، اور یہی دولت ہے، جو ان کی اولاد میں منتقل ہوئی۔

ازدواج واولاد

شاہ عبدالرحیمؒ صاحب کا پہلا نکاح اپنے والد صاحب کی زندگی میں ہوا تھا، جن سے ایک صاحبزادہ صلاح الدین نام پیدا ہوئے، جو کچھ بڑے ہو کر فوت ہو گئے[۱]، زوجۂ محترمہ عرصہ تک حیات رہیں، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی شادی کے بعد ۱۱۲۸ھ یا ۱۱۲۹ھ میں وفات پائی[۲]۔

دوسرا نکاح کبرسنی میں بعض بشارات واشارات غیبی کی بناء پر شیخ محمد پھلتی صدیقی کی صاحبزادی سے ہوا، جن سے دو صاحبزادے تولد ہوئے، شاہ ولی اللہؒ اور شاہ اہل اللہؒ۔

وفات

۷۷ سال کی عمر میں رمضان میں آخری بار روزے رکھے، شوال میں بیمار ہو گئے، اور امید زیست منقطع ہو گئی، لیکن اس کے بعد صحت عود کر آئی، لیکن اوائل صفر میں مرض پھر غالب آیا، صبح صادق سے پہلے آثار موت ظاہر ہوئے تو پوری توجہ اس طرف تھی کہ نماز فجر فوت نہ ہو، اس ضعف کی حالت میں کئی بار پوچھا کہ صبح ہو گئی یا نہیں، حاضرین مجلس نے کہا کہ ابھی نہیں ہوئی، جب وقت آخر بالکل قریب آ گیا، تو ان جواب دینے والوں کو سختی سے جواب دیا کہ اگر تمہاری نماز کا

---

[۱] القول الجلی سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے علاتی بھائی شیخ صلاح الدین جوانی کی عمر تک پہونچے، القول الجلی (قلمی)۔ [۲] شاہ صاحبؒ "الجزء اللطیف" میں لکھتے ہیں کہ ۱۴ سال کی عمر میں میرے والد نے میرا نکاح کر دیا، اور بڑی عجلت فرمائی، جو لوگ مہلت چاہتے تھے، ان سے فرمایا کہ اس میں مصلحت ہے، شادی کے بعد ہی متعدد خاندانی حادثے پیش آئے کہ ان میں سے کوئی حادثہ پیش آتا تو شادی ملتوی ہو جاتی، ان حوادث میں آخری حادثہ کے طور پر اپنے بڑے بھائی صلاح الدین کی والدہ صاحبہ کی وفات کا ذکر کیا۔ ص۳

وقت نہیں آیا تو ہماری نماز کا وقت آگیا، فرمایا میرا رخ قبلہ کی طرف کردو، اس وقت اشارہ سے نماز پڑھی حالانکہ وقت میں شک تھا، اس کے بعد زیر لب اسم ذات کے ذکر میں مشغول ہوگئے، اور جان جان آفریں کے سپرد کی، یہ واقعہ چہار شنبہ ۱۲ر صفر ۱۱۳۱ھ کا ہے، یہ فرخ سیر کی حکومت کے آخر کا دور ہے، آپ کے انتقال کے بعد فرخ سیر پچاس۵۰ دن محبوس رہا اور شہر میں بڑا اضطراب پیدا ہوا، انتقال کے وقت عمر شریف ۷۷ سال تھی[1]۔

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی نظر میں

حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی اگرچہ کوئی اہم تصنیف جس سے ان کا علمی مرتبہ ظاہر ہو (سوائے ایک رسالہ کے) موجود نہیں، ان کی شہرت زیادہ تر اپنے لائق اور باکمال فرزند ہی کے ذریعہ ہے، اور انھیں نے ان کا تعارف "انفاس العارفین" کے ذریعہ کرایا، جہاں تک علم ہے، ان کے حالات میں ان کے کسی اور مسترشد کی کوئی کتاب نہیں، لیکن شاہ صاحبؒ کی تصنیفات بالخصوص "انفاس العارفین" سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ ان کے علوئے مرتبہ، قوتِ باطنی، مقبولیت عنداللہ، اور علم وسلوک میں ان کے مراتب عالیہ سے علی وجہ البصیرۃ اس سے زیادہ معتقد اور متاثر ہیں، جتنا کہ ایک سعادت مند فرزند عام طور پر اپنے باکمال باپ کے کمالات واحسانات کا معترف اور مداح ہوتا ہے، شاہ صاحب کو ان کے کمالات باطنی وعلمی کے بارے میں علم الیقین اور وجدانی کیفیت، اور ان کے تذکرہ میں ایک شکر اور سرشاری کی کیفیت معلوم ہوتی ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کی تعلیم وتربیت، کمالات علمی وباطنی کے حصول، اور علم وسلوک میں درجۂ امامت ـــــ واجتہاد تک پہونچنے میں والد بزرگوار کی

---

[1] انفاس العارفین ص۸۳-۸۵

نسبتِ باطنی، قوتِ تاثیر اور شفقت اور دعاؤں کا بڑا حصہ ہے۔

ہندوستان کے عربی النسل خاندان اور ان کی خصوصیات اور روایات

شاہ صاحبؒ کے اجداد کرام کے مختصر تذکرہ سے (جس کا خلاصہ ان صفحات میں پیش کیا گیا ہے) اندازہ ہوتا ہے کہ ان میں تین[۳] نمایاں صفتیں قدر مشترک کے طور پر بالعموم متوارث رہیں۔

۱۔ ایک علم و دین، ورع و تقویٰ، اور قضا و افتاء سے عمومی تعلق[۱]، جو علم و دین سے نسلی و خاندانی مناسبت اور عزیمت و علو ہمت کی بناء پر (جس کو خاندانی روایات و واقعات اور مخلص و بلند ہمت سرپرستوں اور مربیوں کی تعلیم و تربیت غذا پہونچاتی رہتی تھی) بعید از قیاس نہیں، اسلاف کے کارناموں اور ان کی صلاح و تقویٰ کی بناء پر اللہ تعالیٰ نے بہت سے خاندانوں کی حفاظت فرمائی ہے، اور دولت دین کی حفاظت کا ان میں اسی طرح سے انتظام فرمایا ہے، جیسا کہ ان دو[۲] یتیموں کی دیوار کو اپنے ایک مقبول بندہ کے ذریعہ گرنے سے بچایا اور مستحکم کر دیا، جن کا باپ صلاح و دینداری سے متصف تھا" وَكَانَ أَبُوهُمَا صَالِحًا"[۲] (ان دونوں کا باپ نیک تھا) ہندوستان کے بیسیوں خاندانوں کی تاریخ اس تسلسل اور حفاظت و عنایتِ خداوندی کی شہادت دیتی ہے، جن میں صدیوں تک علم و دین، قضاء و افتاء، تدریس و تصنیف اور ارشاد و ہدایت کا سلسلہ جاری و قائم رہا۔

۲۔ دوسری حفظ انساب، خاندانی شجروں کی ترتیب و نگہداشت اور "کفاءت" کا

---

[۱] ظاہر ہے کہ یہ کوئی کلیہ نہیں جس میں کسی استثناء کی گنجائش نہ ہو، شرفاء و اہل فضل کے خاندانوں کی طرح اس کو "اکثریہ" ہی کہا جا سکتا ہے۔

[۲] ملاحظہ ہو سورۂ کہف کی آیات "وَأَمَّا الْجِدَارُ فَكَانَ لِغُلَامَيْنِ يَتِيمَيْنِ (إلى) رَحْمَةً مِّن رَّبِّكَ" (الکہف ۸۲)

وہ معیار و اہتمام جو بلادِ عربیہ اور قدیم اسلامی ممالک میں بھی اس درجہ میں نہیں تھا، غالباً اس کی وجہ دیارِ عجم میں اپنے اس نسب کی حفاظت کا جذبہ (جو یہ خاندان بلادِ عربیہ سے لے کر آیا تھا) اور خود ہندوستان کے طبقاتی نظام اور خاندانی تفاخر کا اثر بھی اس کا باعث تھا، باوجود اس کے کہ شریعت نے اس اہتمام کا مکلّف نہیں کیا ہے، اور اس میں بعد کی صدیوں اور غیر عرب ملکوں میں غلو پیدا ہو گیا ہے، لیکن اس کے ساتھ اس کا یہ نتیجہ ضرور قابلِ لحاظ ہے کہ صدیوں تک ان خاندانوں میں نسلی خصوصیات قائم رہیں، اور وہ عجمی اور غیر اسلامی ملک کے معاشرہ اور تہذیب میں تحلیل نہ ہونے پائے۔

۳۔ تیسری صفت جلادت و شجاعت، پہ گری کے صفات جس کو عربی میں "فروسیۃ" اور "فُتُوّۃ" (شہ سواری و مردانگی) کے لفظ سے ادا کیا جاتا ہے، جو نسل عرب اور قبیلۂ قریش کی نسلی و موروثی صفت ہے، اور جس کے نمونے شیخ معظّم اور شیخ وجیہ الدین کے حالات میں واضح طور پر گذر چکے ہیں، اور اس کا ظہورِ اتم خود شاہ صاحب کے پوتے مولانا شاہ محمد اسماعیل صاحب شہیدؒ کی زندگی میں دیکھنے میں آتا ہے۔

ان نمایاں صفات کے ظہور و توارث کے نفسیاتی و عقلی اسباب بھی ہیں، جو عربی النسل خاندان تاریخ کے مختلف دوروں میں حجاز، عراق، اور ایران و ترکستان سے ہندوستان منتقل ہوتے رہے، ان میں سے اکثر کی ہجرت اور ہندوستان میں توطّن کا سبب یا اپنے دین و ایمان کی حفاظت یا عزت و ناموس بچانے کا جذبہ تھا کہ وہ تاتاری حملہ سے خطرہ میں پڑ گئے تھے، یہ مقصد بعد کی کئی پشتوں تک لوگوں کو یاد رہا، اور ان کو بھی اس کی لاج تھی، اللہ تعالیٰ نے بھی اس کی برکت سے ان کے دینی حالات میں ترقی دی کہ وہ "فَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا وَاُخْرِجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَاُوْذُوْا فِيْ سَبِيْلِيْ وَقٰتَلُوْا وَقُتِلُوْا" (آل عمران ۔ ۱۹۵) کا مصداق تھے۔

یا جہاد فی سبیل اللہ اور دعوت الی اللہ کا جذبہ تھا جس کا اس وقت (چھٹی ساتویں صدی ہجری کی دنیا میں) ہندوستان میں سب سے بڑا میدان تھا، اس وسیع ملک کے جس کو برصغیر کہنا صحیح ہوگا، بہت سے حصے سلطنت اہل اسلام کے ابھی زیر نگیں نہیں آئے تھے، اور وہاں مختلف حاکم وراجہ حکومت کر رہے تھے، اور بعض اوقات احکام شرعی کی تعمیل اور شعائر اسلام کے اظہار میں خلل انداز ہوتے تھے، ان میں سے بہت سے وقتاً فوقتاً سرکشی اور بغاوت بھی کرتے رہتے تھے، ہر جگہ لشکر سلطانی کا پہونچنا مشکل بھی تھا بیرون ہند سے آنے والے ان شریف ونجیب اور حوصلہ مند اور جہاد وغزا کے شائق عربی النسل خاندانوں اور ان کے سربرآوردہ افراد کے لئے ان علاقوں کا فتح کرنا اور ان کو مرکزی سلطنت کے حوالہ کرنا ان کی حوصلہ مندیوں کی تسکین کا سامان بھی تھا، دینی جذبات کی آسودگی کا ذریعہ بھی، اور دنیاوی وجاہت وامارت کا وسیلہ بھی، ان کو ان علاقوں میں معافیاں دی جاتی تھیں، ان کے افراد منصب قضا ونیابت پر مامور بھی ہوتے تھے، چنانچہ ان عربی وایرانی النسل خاندانوں کی تاریخوں میں بکثرت ایسے واقعات ملتے ہیں کہ ان کے پیش روؤں نے ہندوستان کے بعض ایسے دُور دَراز علاقے اور مجہول اور غیر اہم مقامات فتح کئے، جو باقاعدہ ممالک محروسہ میں داخل نہیں ہو سکے تھے[1]۔

---

[1] اس کی ایک مثال امیر کبیر سید قطب الدین محمد المدنی (م ۶۷۷ھ) ہیں جو اودھ کے خاندان قطبی حسنی کے بانی اور حضرت سید احمد شہیدؒ کے جدّ امجد ہیں، وہ غزنی کے راستہ سے ساتویں صدی ہجری کے اوائل میں اعزہ وسادات اور غزنی کے رؤسا وشرفاء ومجاہدین کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ دہلی تشریف لائے، دہلی سے پورب کا قصد کیا اور اول قنوج، پھر مانک پور اور کڑہ پر (جو اس زمانہ میں ایک مستقل حکومت کا مرکز تھا) حملہ کیا اور اس تمام علاقے کو فتح کر کے اسلامی حکومت میں شامل کیا۔ (سیرت سید احمد شہیدؒ اول ص ۷۹)

ان خاندانوں کو اس کا احساس تھا کہ ہم ہندوستان میں ایک بلند مقصد کے لئے آئے تھے، ہمارے دین، ہماری تہذیب اور ہماری سعادت کا اصل سرچشمہ مرکز اسلام جزیرۃ العرب اور حجاز مقدس ہے، ہم کو اپنی اس اصل سے کُلّی طور پر کبھی منقطع نہیں ہونا چاہئے، اور اپنے نسلی، تہذیبی، اور اخلاقی امتیازات کو ہر قیمت پر برقرار رکھنا چاہئے، ہم جب ہی دنیا کے اس دور افتادہ حصہ اور بیگانہ تہذیب و ماحول میں جو اپنے اندر ایسی تحلیلی طاقت اور ایک طرح کا تیزاب رکھتا ہے، جس نے باہر سے آنے والی قوموں اور نسلوں کو اپنے اندر کُلّی طور پر جذب اور ان کی خصوصیات کو فنا اور سوخت کر دیا، محفوظ اور باعزت رہ سکتے ہیں، اس احساس نے ان کے اندر دینی و نسلی غیرت اور خارجی اثرات کے مقابلہ میں غیر معمولی قوتِ مقابلہ پیدا کر دی جس سے ان کی انفرادی شخصیت بہت حد تک محفوظ اور ان کی خصوصیات صدیوں تک نسل در نسل منتقل ہوتی رہیں۔

اس حقیقت کا اظہار بڑے واضح طریقہ پر خود حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے اِس وصیت نامہ میں ہوا ہے، جو "المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ" کے نام سے انھوں نے قلم بند فرمایا، جس میں ان کے مخاطب سب سے پہلے ان کے خاندان کے لوگ ہیں، پھر تمام اہلِ تعلق اور ملت اسلامیہ ہندیہ، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں:۔

"ہمیں یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ ہم پردیسی لوگ ہیں، ہمارے اجداد نے ہندوستان ہجرت کی، نسب اور زبان کی عربیت ہمارے لئے دو بڑی فخر کی باتیں ہیں، یہی ہم کو سیّد الاولین والآخرین، افضل الانبیاء والمرسلین، مفخر کائنات و فخر موجودات محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے قریب کرتی ہیں، اس نعمت عظمیٰ کے شکریہ کا تقاضا ہے کہ ہم امکانی حد تک

ان عربِ اولین کے عادات وروایات سے یکسر بے تعلق نہ ہونے پائیں جن میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نشو ونما ہوا تھا، اور عجمیوں کے رسوم اور ہندوؤں کے طور طریق کو اپنے اندر پھیلنے نہ دیں"

آگے چل کر فرماتے ہیں :-

"ہم میں خوش نصیب وہ ہے جس کو عربی زبان میں کچھ درخور حاصل ہو، صَرف، نحو، ادب میں دخل ہو اور حدیث و قرآن سے واقفیت رکھتا ہو، ہمیں حرمین شریفین میں بھی حاضری دیتے رہنا چاہیئے، اور اس سے قلبی وابستگی رہنی چاہیئے، اس میں ہماری سعادت کا راز ہے، اور اس سے اِعراض و روگردانی کرنے میں شقاوت و محرومی پنہاں ہے[1]"

عربی النسل اور عالی نسب ہونے کے ماسوا اس خاندان کو فاروقیت کا شرف بھی حاصل تھا، دیارِ عجم میں اس خاندان سے اللہ تعالےٰ نے بارہا حفاظت دین، شعائرِ اسلام کے اعلاء اور دشمن اسلام تحریکوں کے مقابلہ کا مجددانہ کام لیا جس میں فاروقی غیرت کا بھی دخل تھا، اور فاروق اعظم سے نسبت و نسبی تعلق کا احساس و افتخار بھی کام کرتا ہوگا، جو ایک طاقتور نفسیاتی محرک بھی ہے، دسویں صدی ہجری میں اسی خاندان کے ایک فرد فرید نے اکبری فتنہ کا استیصال کیا، اور ہندوستان کو کفر و الحاد، وحدت ادیان کے فتنہ اور "نیا دور نیا آئین" "نیا ہزارہ" "نئی امامت" کی خطرناک سازش کا شکار بننے سے بچا لیا[2]، حضرت شیخ احمد فاروقی (مجدد الف ثانی) کو اس نسبت پر فخر تھا، اور وہ

---

[1] "المقالة الوضية فی النصيحة والوصية" فارسی، طبع دہلی ۱۲۶۷ھ

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت وعزیمت" حصہ چہارم ص ۶۱-۶۳ اور ص ۱۰۵-۱۰۸

دینی حمیت کو اس کا تقاضہ اور قدرتی نتیجہ سمجھتے تھے، جمہور اہلِ سنت اور عقائد اسلامیہ کے خلاف ایک مشہور عارف و شیخ کی ایک تحقیق سن کر ان کے قلم سے بے اختیار یہ الفاظ نکلے ہیں۔

"مخدوما! ایں فقیر را تاب استماع امثال ایں سخنان نیست، بے اختیار رگِ فاروقیم در حرکت می آید"[1]

مخدومی! یہ فقیر اس طرح کی باتوں کے سننے کی تاب نہیں رکھتا، بے اختیار میری فاروقی رگ حرکت میں آجاتی ہے۔

اسی طرح یہ سن کر کہ قصبہ سامانہ میں خطیب نے خطبہ جمعہ میں خلفائے راشدین کا ذکر عمداً ترک کر دیا، تحریر فرمایا:۔

"چوں استماع ایں خبر وحشت انگیز در شورش آورد و رگ فاروقیم را حرکت داد، بچند کلمات اقدام نمود"[2]

جب اس خبر وحشت اثر سے طبیعت میں اضطراب پیدا ہوا، اور اس نے میری فاروقی رگ کو حرکت دی، یہ چند لفظ میرے قلم سے نکل گئے۔

حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی تجدید و احیاء دین کے وسیع اور کثیر الانواع کام میں (جس میں اصلاح عقائد، ردِ شرک و بدعت، اشاعت کتاب و سنت، ترویج فن حدیث، اثبات خلافت خلفاء راشدین، اور رفض و شیعیت کی تردید شامل ہے) یقیناً یہ نسبت اور اس کے شرف و ذمہ داری کے احساس کو بھی دخل ہوگا، جو نفسیات، علم الحیاۃ، اور نسلی اصول و تجربات کے لحاظ سے (جس کے شواہد بکثرت نسلوں اور

---

[1] مکتوب نمبر ۱ دفتر اول بنام ملا حسن کشمیری۔

[2] مکتوب نمبر ۱۵ حصہ ششم دفتر دوم۔

خاندانوں کی تاریخ میں پائے جاتے ہیں) ہر طرح قرین قیاس اور مطابق عقل ہے، حدیث میں بھی آتا ہے کہ "الناس معادن کمعادن الذھب والفضّۃ، خیارھم فی الجاھلیۃ خیارھم فی الاسلام اذا فقھوا"[1]

---

[1] لوگ اسی طرح سے (جواہرات کی) کانیں ہیں، جیسے سونے چاندی کی کانیں ہوتی ہیں، جو ان میں جاہلیت کے زمانہ میں بہتر تھے، وہ اسلام میں بھی بہتر ہیں، بشرطیکہ وہ (دین کی) سمجھ حاصل کریں۔

(روایت صحیح مسلم)

باب چہارم

مختصر حالاتِ زندگی[1]

ولادت

شاہ صاحب کی ولادت چہارشنبہ کے دن ۴ رشوال ۱۱۱۴ھ طلوع آفتاب کے وقت اپنے نانیہال قصبہ پھلت (حال ضلع مظفرنگر) میں ہوئی، تاریخ ولادت عظیم الدین سے نکلتی ہے[2]، شاہ ولی اللہ صاحب کی ولادت کے وقت آپ کے والد ماجد حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی عمر ساٹھ سال تھی، شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کو اس مبارک فرزند کی ولادت سے پہلے بہت سے مبشرات نظر آئے تھے، شاہ عبدالرحیم صاحب نے ساٹھ سال کی عمر میں پہلی اہلیہ کی موجودگی میں جو شیخ صلاح الدین کی والدہ تھیں، شادی کا ارادہ کیا، اس میں اشارات غیبی اور بشارات کو دخل تھا، جب شیخ محمد پھلتی کو معلوم ہوا تو

---

[1] خوش قسمتی سے حضرت شاہ صاحبؒ کے قلم سے اختصار کے ساتھ اپنی زندگی کے ضروری حالات، تعلیم و تعلیمی نصاب جو انھوں نے پڑھا، والد صاحبؒ کی تعلیم و تربیت کے بعض خصوصی انداز، بیعت و اجازت، سفر حجاز اور وہاں کے شائخ سے استفادہ، ان کا تعارف و تذکرہ اور زندگی کے بعض اہم واقعات محفوظ ہوگئے ہیں، ان مواد و معلومات کے دو بڑے ماخذ ہیں، "الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف" اور رسالہ "انسان العین فی مشائخ الحرمین" شاہ صاحبؒ کی زندگی کے مختصر حالات انھیں دونوں کتابوں "الجزء اللطیف" اور "انسان العین" سے ماخوذ اور مقتبس ہیں، کہیں کہیں "انفاس العارفین" اور "القول الجلی" سے استفادہ کیا گیا ہے۔

[2] الجزء اللطیف ص ۲ مطبوعہ لاہور۔

انھوں نے اپنی صاحبزادی کو نکاح میں دینے کا فیصلہ کیا[۱]، اور اوائل ۱۱۱۴ھ میں یہ مبارک عقد ہوگیا۔

"القول الجلی" سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا اسم گرامی فخر النساء تھا، اور وہ علوم دینیہ میں ایسا درک رکھتی تھیں، جس کا خواتین کو بہت کم موقعہ اور شرف حاصل ہوتا ہے، کتاب کے مصنف شیخ محمد عاشق پھلتی لکھتے ہیں، جو ان کے حقیقی بھائی کے فرزند تھے، وصاحب البیت أدریٰ بما فیہ۔

والدۂ شریفۂ شاں کہ بعلم شریعت از تفسیر و حدیث عالمہ، و بآداب طریقت متأدبہ، و باسرار حقیقت عارفہ، و بمصداق اسم خود فخر النساء بودند[۲]۔	آپ کی والدۂ ماجدہ تفسیر و حدیث جیسے علوم شرعیہ کی عالم، آداب طریقت سے آراستہ پیراستہ، اسرار حقیقت کی معرفت رکھنے والی، اور ان وجوہ سے حقیقتاً طبقۂ اناث کے لئے باعث فخر اور اسم با مسمّٰی تھیں۔

ولادت سے پہلے شاہ عبدالرحیم صاحب نے خواجہ قطب الدین بختیار کعکیؒ کی خواب میں زیارت کی انھوں نے فرزند کی بشارت دی، اور فرمایا کہ اس کا نام میرے نام پر قطب الدین احمد رکھنا، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میری ولادت ہوئی تو والد صاحب کے ذہن میں یہ بات نہیں رہی، اور انھوں نے ولی اللہ نام رکھا، کچھ مدت کے بعد یاد آیا تو میرا دوسرا نام قطب الدین احمد تجویز کیا[۳]۔

شاہ صاحب سات سال کے تھے کہ والدین کے ساتھ تہجد میں شریک ہوئے، اور دعا کرتے وقت ان دونوں کے ہاتھوں میں اپنے ہاتھ دیئے، اور اس طرح وہ خواب پورا ہوا، جو ان کے والد ماجد نے ان کی ولادت سے قبل دیکھا تھا[۴]۔

---

[۱] انفاس العارفین ص۶۲-۶۳ [۲] القول الجلی (قلمی) محفوظہ کتب خانہ خانقاہ کاظمیہ کاکوری [۳] انفاس العارفین ص۴۴
[۴] ایضاً ص۶۳

تعلیم

شاہ صاحب کی عمر جب پانچ سال کی ہوئی تو مکتب میں داخل کئے گئے[1]، سات سال کی عمر میں سنت ابراہیمی ادا ہوئی اور ختنہ ہوا، اور اسی عمر سے نماز کی عادت ڈال دی گئی، اس سال کے آخر میں قرآن مجید کے حفظ سے فراغت ہوئی، اور فارسی کتابیں اور عربی کے مختصرات پڑھنا شروع کیے[2]، اور کافیہ ختم کی، دس سال کی عمر میں شرح جامی شروع کی، فرماتے ہیں کہ مجھ میں بالجملہ مطالعہ کی استعداد پیدا ہوگئی[3]، چودہ سال کی عمر میں بیضاوی کا ایک حصہ پڑھا، پندرہ سال کی عمر میں ہندوستان میں رائج علوم متداولہ سے فراغت کی، والد صاحب نے اس خوشی میں بہت بڑی دعوت کی اور بڑے پیمانہ پر کھانا تیار کیا، جس میں خواص و عوام شریک ہوئے[4]۔

اسی پندرہ برس کی عمر میں والد صاحب سے مشکوٰۃ کا درس لیا، جس کا صرف تھوڑا حصہ (کتاب البیوع سے آداب تک) رہ گیا، کتاب کی قراءت دوسرے ساتھی نے کی تھی، جو حصہ رہ گیا تھا، اس کی بھی اجازت والد صاحب سے حاصل ہوئی، والد صاحب ہی سے صحیح بخاری کتاب الطہارت تک، شمائل ترمذی مکمل، تفسیر مدارک و بیضاوی کا کچھ کچھ حصہ پڑھا[5]، فرماتے ہیں کہ خدا کا ایک بڑا انعام یہ ہوا کہ والد صاحب کے درس قرآن میں کئی بار شریک ہوا، جس سے معانی قرآن کا ایک دروازہ کھل گیا[6]۔

شاہ صاحب کا پڑھا ہوا نصاب

شاہ صاحب نے الجزء اللطیف میں اپنے پڑھے ہوئے نصاب کا تفصیل سے ذکر کیا ہے،

---

[1] الجزء اللطیف ص۲ [2] ایضاً [3] ایضاً ص۳ [4] ایضاً ص۳ [5] ایضاً [6] ایضاً۔

فقہ میں شرح وقایہ اور ہدایہ (کچھ حصہ چھوڑ کر) اصول فقہ میں حسامی اور توضیح وتلویح کا بڑا حصہ، منطق میں شرح شمسیہ مکمل، اور ایک حصہ شرح مطالع کا، علم کلام میں شرح عقائد مکمل، خیالی کے حاشیہ کے ایک حصہ کے ساتھ، کچھ حصہ شرح مواقف کا پڑھا، سلوک میں ایک حصہ عوارف اور رسائل نقشبندیہ وغیرہ کا، حقائق میں شرح رباعیات مولانا جامی اور لوائح، مقدمہ شرح اللمعات، مقدمہ نقد النصوص، خواص اسماء وآیات میں وہ مجموعہ جو خاص اس موضوع پر ہے، اور الفوائد المأۃ وغیرہ، والد صاحب نے کئی بار مجھے ان خواص وفوائد کی اجازت دی۔

طب میں موجز، فلسفہ میں شرح ہدایۃ الحکمۃ وغیرہ، معانی میں مطول کا بڑا حصہ، مختصر المعانی کا اتنا حصہ جس میں ملّا زادہ کا حاشیہ ہے، ہندسہ اور حساب میں بعض مختصر رسائل۔

شاہ صاحب کے اس نصاب میں ان کے والد ماجد اور استاد حقیقی شاہ عبدالرحیم صاحب کے اجتہاد وانتخاب کو بھی کچھ دخل تھا، ساتویں صدی ہجری سے ہندوستان میں جو نصاب درس رائج تھا، اور جس میں نویں صدی ہجری کے آخر میں شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ کے ملتان سے دہلی آنے پر علم کلام وبلاغت ومعقولات کی بعض کتابوں کا اضافہ ہوا، پھر دسویں صدی میں امیر فتح اللہ شیرازی کی آمد ہندوستان پر ایران کے علمائے متاخرین محقق دوانی، میر صدرالدین شیرازی، اور میر غیاث الدین منصور، اور مرزا جان کی تصنیفات داخل نصاب ہوئیں، غالباً شاہ عبدالرحیم صاحب کی حقیقت پسندی، اور اپنے ہونہار فرزند کی ذکاوت پر اعتماد کرکے ان میں سے کئی کتابوں کو (جن میں اکثر مکرّر مضامین تھے) حذف کر دیا گیا، مثلاً نحو میں مصباح، لُبُّ الالباب (مصنفہ قاضی ناصرالدین بیضاوی) ارشاد (مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی) کے بجائے صرف کافیہ، اور شرح جامی پڑھائی گئی، اصول فقہ میں منار اور اس کے شروح، اور اصول بزدوی کے بجائے حسامی، اور توضیح وتلویح کا کچھ حصہ، تفسیر میں کشاف ترک کر دی گئی،

حدیث میں "مشارق الانوار" شامل نہیں ہے، ادب میں مقامات حریری کا عام رواج تھا، اور بعض بزرگوں کے حفظ کرنے کا بھی ذکر آتا ہے، لیکن شاہ صاحب کے نصاب درس میں وہ نظر نہیں آتی، یہ ممکن ہے کہ ان میں سے بہت سی کتابیں بارہویں صدی کے اوائل تک بہت سے حلقہائے درس میں متروک ہو گئی ہوں۔

واضح رہے کہ بارہویں صدی ہجری ہی میں استاد العلماء ملا نظام الدین سہالوی فرنگی محلی نے جو حضرت شاہ صاحب کے کبیر السّن معاصر تھے، اور جنھوں نے شاہ صاحب کی وفات سے پندرہ سال پہلے ۱۱۶۱ھ میں رحلت کی، اس نصاب درس میں بہت عظیم اضافہ کیا، خاص طور پر صَرف و نحو، منطق و فلسفہ، ریاضی و بلاغت، اور علم کلام میں کثیر التعداد کتابوں کا اضافہ کیا، جن میں مزید اضافہ کے بعد (جو ان کے تلامذہ اور تلامذہ کے تلامذہ کے دور میں بغیر کسی منصوبہ کے ہوا) اس نصاب نے درس نظامی کی وہ آخری شکل اختیار کی جو ابھی تک قدیم مدارس میں رائج ہے[1]۔

شاہ صاحب کے بیان کئے ہوئے نصاب درس میں ادب عربی کی کوئی کتاب نظر نہیں آتی، حالانکہ شاہ صاحب کی عربی تالیفات بالخصوص "حجۃ اللہ البالغہ" شہادت دیتی ہے کہ ان کو عربی زبان اور اس میں تحریر و انشاء پر نہ صرف قدرت تھی، بلکہ (جہاں تک حجۃ اللہ البالغہ کا تعلق ہے) وہ اس میں ایک ایسے طرز و اسلوب کے بانی ہیں، جو علمی مضامین و مقاصد کے شرح و بیان کے لئے موزوں ترین اسلوب ہے، اور جس میں علامہ ابن خلدون کے بعد ان کا کوئی

---

[1] نصاب درس کی عہد بعہد تبدیلیوں، معیار فضیلت کے بدلنے اور ایک ہی کتاب کے متعدد شروح و حواشی کے اضافہ اور ان کے اسباب و محرکات سے واقف ہونے کے لئے والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" مطبوعہ المجمع العلمی دمشق، اور اردو میں ان کا پُر مغز اور محققانہ مضمون "ہندوستان کا نظام درس اور اس کے تغیرات" مطبوعہ دار العلوم ندوۃ العلماء ملاحظہ ہو۔

ہم پایہ اور ہمسر نظر نہیں آتا، معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے بطور خود عربی ادب اور نثر و نظم کی ان قدیم معیاری کتابوں کا مطالعہ کیا، جو سلاست و حلاوت کا نمونہ تھیں اور جو عجمی عربی کے اثرات سے بہت کچھ محفوظ تھیں، اور حجاز کے قیام میں خاص طور پر عربی میں اس عظیم تصنیفی کام کی تیاری کی جس کو تدبیر الٰہی نے شاہ صاحب کے لئے مخصوص کر رکھا تھا[1]، اگر مقامات حریری کا ذکر سہواً نہیں چھوٹ گیا ہے، تو اس کے شاہ صاحب کے نصاب میں داخل نہ ہونے سے بجائے نقصان کے فائدہ ہوا ہوگا کہ متاخرین عام طور پر اس کے زخم خوردہ ہیں، اور اس کی وجہ سے سجع و قوافی کے ایسے پابند کہ بے تکلفی اور روانی کے ساتھ مطالب عالیہ کے ادا کرنے اور اظہار مافی الضمیر سے عام طور پر قاصر نظر آتے ہیں، حریری کے بعد جس نے بھی کسی مضمون پر قلم اٹھایا حریری ہی کے قلم سے لکھا جس کا قط پرانا ہو گیا تھا، رسائل و خطوط اور کتابوں کی تقریظیں حتی کہ فتاوے کی طویل عبارتیں بھی حریری کے اس اثر سے آزاد نہیں۔

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ طالب علمی ہی کے زمانہ میں مضامین عالیہ ذہن میں آتے تھے، جن میں برابر ترقی محسوس ہوتی تھی[2]، والد صاحب کی وفات کے بعد بارہ[12] سال تک دینی کتب اور عقلی علوم کی کتابیں پڑھانے کی پابندی کی، اور ہر علم میں غور و خوض اور اشتغال کا موقعہ ملا۔

والد ماجد کی شفقت و تربیت اور اجازت و خلافت

شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحب کی شفقت میرے حال پر ایسی تھی کہ کم کسی

---

[1] صاحب "الیانع الجنی" لکھتے ہیں "وقد اقام بالحجاز سنین و زاحم العرب وسمع من اهل البادية وهم يومئذ احسن حالا منهم فی زماننا" (حجاز میں کئی سال قیام فرمایا، عربوں سے اختلاط و صحبت رہی اور اہل بادیہ سے جو اس زمانہ کے مقابلہ میں بہتر تھے صحیح و فصیح زبان سنی) ص۸۳ [2] الجزء اللطیف ص۳

باپ کی بیٹے پر، کسی استاد کی شاگرد پر، اور کسی شیخ کی مرید پر ہوگی[1]، حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کی تربیت کا انداز بھی بڑا حکیمانہ تھا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ ایک روز زمانۂ طفولیت میں احباب واعزہ کی ایک جماعت کے ساتھ ایک باغ کی سیر کو چلا گیا، جب واپس آیا تو والد صاحبؒ نے فرمایا، ولی اللہ! تم نے اس دن رات میں وہ کیا حاصل کیا جو باقی رہے؟ ہم نے اس مدت میں اتنا درود پڑھا، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں، یہ سن کر میرا دل باغات کی سیر و تفریح سے بالکل سرد ہوگیا، اس کے بعد پھر اس کا شوق نہیں پیدا ہوا[2]، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ والد صاحبؒ مجھے حکمت عملی، آداب مجلس اور تہذیب و دانش مندی کی باتیں بہت سکھاتے تھے، اور اکثر یہ شعر پڑھتے ؎

آسائشِ دو گیتی تفسیر این دو حرف است
با دوستاں تلطّف با دشمناں مدارا[3]

فرماتے تھے کہ مجھے ہدایت فرمائی کہ جو لوگ مرتبہ میں کم ہوں ان سے ہمیشہ سلام میں سبقت کرنا، اور ان سے ہمیشہ خوش اخلاقی سے پیش آنا، اور ان کی خیریت و احوال دریافت کرنا، اور اس کو معمولی بات نہ سمجھنا ؎

صد مُلکِ دل بہ نیم نگہ می تواں خرید
خوباں در ایں معاملہ تقصیر می کنند

یہ بھی فرماتے تھے کہ بعض لوگ کسی خاص پوشاک یا عادت کے پابند ہو جاتے ہیں، کوئی تکیہ کلام مقرر کر لیتے ہیں، بعض کھانوں سے ایسے متنفر ہو جاتے ہیں، کہ ان کی وہ چڑھ مقرر ہو جاتی ہے، ان سب چیزوں سے پرہیز کرنا چاہئے، اپنی کسی خواہش کی تکمیل میں

---

[1] الجزء اللطیف ص۳ [2] انفاس العارفین ص۶۳ [3] ایضاً ص۸۳

صرف لذّت جوئی مقصود نہ ہو، اس میں کسی ضرورت کی تکمیل، کسی فضیلت کا حصول، یا ادائے سنت مقصود ہونی چاہیئے، چال ڈھال، نشست و برخاست، کسی سے ضعف یا کسل مندی کا اظہار نہیں ہونا چاہیئے، شاہ عبدالرحیم صاحبؒ شاہ صاحب کے بیان کے مطابق شجاعت، فراست، خوش انتظامی اور غیرت کے اوصاف عالیہ سے متّصف تھے، عقل معاش بھی عقل معاد کی طرح کامل و وافر رکھتے تھے، ہر معاملہ میں اعتدال کو پسند کرتے تھے، شاہ صاحب کی سیرت و اخلاق میں انھیں چیزوں کا پرتو تھا۔[1]

والد صاحب ہی سے چودہ[۱۴] سال کی عمر میں بیعت کی اور اشغال صوفیہ بالخصوص مشائخ نقشبندیہ کے اشغال میں مشغول ہوئے، توجہ اور تلقین حاصل کی، والد صاحب نے آداب طریقت کا ایک حصہ تعلیم کیا، اور خرقہ پہنایا[2]، شاہ صاحب کی عمر سترہ[۱۷] سال کی تھی، کہ حضرت شاہ عبدالرحیم صاحبؒ نے اس دنیا سے رحلت فرمائی، آپ نے مرض موت میں بیعت و ارشاد کی اجازت دی، اور بار بار فرمایا کہ ید او کیدی (اس کا ہاتھ میرے ہاتھ کی طرح ہے۔)[3]

شادی

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی عمر چودہ[۱۴] سال کی تھی کہ آپ کے والد ماجد نے آپ کی شادی آپ کے ماموں شیخ عبید اللہ صدیقی پھلتی کی صاحبزادی سے کر دی، سسرال والوں نے جب مہلت کا تقاضا کیا تو شاہ عبدالرحیم صاحب نے معذرت کی اور کہا کہ اسی میں مصلحت ہے، بعد کے پے در پے خاندانی حوادث نے ثابت کر دیا کہ اگر اس زمانہ میں شادی نہ ہو جاتی تو اس کو

---

[1] انفاس العارفین ص۸۳ [2] الجزء اللطیف ص۲ [3] ایضاً ص۳

بہت دنوں کے لئے ملتوی کرنا پڑتا[۱]، ان زوجہ سے آپ کے بڑے صاحبزادہ شیخ محمد پیدا ہوئے، جنھوں نے آپ ہی سے تعلیم پائی، شاہ صاحب نے ان کے لئے ایک ابتدائی رسالہ بھی تصنیف فرمایا تھا، شمائل ترمذی کے درس میں شاہ عبدالعزیزؒ کے شریک اور قاری تھے[۲]، شاہ صاحب کی وفات کے بعد قصبہ بڑہانہ منتقل ہو گئے، اور مدۃ العمر وہیں رہ کر ۱۲۰۸ھ میں وفات پائی اور قصبہ کی جامع مسجد کے صحن میں مدفون ہوئے[۳]، اسی بناء پر شاہ صاحب ابو محمد کنیت کرتے تھے[۴]، شیخ محمد کے دو صاحبزادوں کا تذکرہ جو ان کے ساتھ ہی مدفون ہیں، مقالات طریقت میں آتا ہے، لیکن کتابوں میں ان کو منقطع العقب لکھا ہے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب نے حضرت شاہ ابوسعید حسنیؒ رائے بریلوی کے نام تین خطوط میں برادر بزرگ شیخ محمد بن شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا سلام لکھا ہے، ان میں کہیں "برادر صاحب بزرگ شیخ محمد صاحب" اور کسی خط میں "الشیخ الکبیر محمد" کے نام سے سلام لکھا ہے، ان خطوط سے بھائیوں کی باہمی مُوَدَّت و تعلق کا بھی اندازہ ہوتا ہے[۵]۔

دوسرا عقد

شاہ صاحب کا دوسرا عقد پہلی اہلیہ کی وفات کے بعد سید ثناء اللہ سونی پتی کی

---

[۱] شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ چند ہی دنوں کے بعد میری ہونے والی خوشدامن نے انتقال کیا، تھوڑے ہی دنوں کے بعد ان کی نانی نے پھر میرے چچا زاد بھائی شاہ فخر العالم نے پھر میری پہلی والدہ (برادر صلاح الدین کی ماں) نے انتقال کیا۔ [۲] نزہۃ الخواطر ج ۶ [۳] ایضاً [۴] الارشاد فی مہمات الاسناد
[۵] مکتوب المعارف (قلمی) ص ۱۶-۱۷-۱۸

صاحبزادی بی بی ارادت سے ہوا جو سونی پت کے رہنے والے تھے اور سید ناصر الدین شہید سونی پتی[1] کی اولاد میں تھے، ان زوجہ محترمہ سے آپ کے چاروں نامور صاحبزادے (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبدالقادرؒ و شاہ عبدالغنیؒ) تولّد ہوئے، جو ہندوستان میں

---

[1] سید ناصر الدین شہید کا تذکرہ کتاب "قصر عارفان" تالیف مولوی احمد علی خیر آبادی میں (جو ڈاکٹر محمد باقر کے اہتمام میں ۱۹۶۵ء میں شائع ہوئی ہے) ص ۲۸۱-۲۹۰ میں ملتا ہے، مصنف نے ان کو امام باقر بن امام زین العابدین کا فرزند اور امام جعفر صادق کا بھائی لکھا ہے، مصنف نے ان کا سفر شہر واسط سے خراسان اور خراسان سے غزنی پھر غزنی سے چھیاسٹھ[66] سواروں کے ساتھ (جن کے مصنف نے نام بھی دیئے ہیں) قنوج کی طرف رخ کرنے کا حال لکھا ہے، مصنف کے بیان کے مطابق ۱۴۶ھ میں ان کا سونی پت میں ورود ہوا یہ سلطان شہاب الدین غوری کا زمانہ اور امیر الممالک نصیر الدین کی حکومت کا دور تھا، حاکم دیار ارجن دیو نے عربی گھوڑوں کی خریداری کی پیش کش کی جس کو امام نے قبول نہیں کیا، بعد میں گفتگو نے طول کھینچا اور جنگ کی نوبت آئی، امام کے رفقاء نے ارجن دیو کو شکست دی لیکن اس کے بھائی ہرہر دیو کے مقابلہ میں ۱۲ محرم ۱۴۷ھ میں امام عالی مقام نے اپنے رفقاء جاں نثار کے ساتھ جام شہادت نوش فرمایا۔

یہ بیان اور ۱۴۷ھ میں خاندان اہل بیت کے کسی فرد جلیل کا شمالی ہند کے مقام سونی پت تک پہونچنا اور شہادت حاصل کرنا درایت اور تاریخی مسلّمات کے خلاف ہے کہ مسلمان حوصلہ مندوں اور غازیوں کی رسائی اس وقت تک سندھ و ملتان کے آگے نہیں ملتی نہ اس وقت تک اسلامی حکومت سندھ و ملتان سے آگے بڑھنے پائی تھی، منصورہ تیسری صدی کے آخر اور چوتھی صدی کی ابتدا میں اسلامی سلطنت کا مرکز بنا، خود محمود غزنوی ۳۸۷ھ میں اورنگ نشین ہوا، اس کا پہلا حملہ ہندوستان ۳۹۱ھ میں ہوا، جہاں تک شہاب الدین محمد غوری کا تعلق ہے جس کے عہد میں امام ناصر الدین کی مہم بتائی جاتی ہے، اس نے ۵۷۲-۷۳ھ میں پہلی مرتبہ ہندوستان کا رخ کیا، اور ۵۸۸ھ میں پرتھوی راج کو مکمل شکست دے کر ہندوستان میں مستقل حکومت قائم کی، مزید یہ کہ امام محمد باقر کے صاحبزادوں میں کسی کا نام کتب انساب میں امام ناصر الدین نہیں ملتا، بعض مرتبین شجرہ نے ان کو امام کی بائیسویں[22] پشت میں دکھایا ہے، اس لئے مصنف "قصر عارفان" کا بیان واقعات و مسلمات

(باقی ص ۱۰۷ پر)

دین کی نشأۃ ثانیہ کے "ارکان اربعہ" ہیں رحمہم اللہ تعالیٰ، اور ایک صاحبزادی امۃ العزیز بھی پیدا ہوئیں، ان کا عقد مولوی محمد فائق ابن مولانا محمد عاشق پھلتی سے ہوا، وہ صاحب اولاد تھیں، ان کا سلسلہ جاری رہا۔

سفر حج

شاہ صاحبؒ کی علمی، فکری اور دعوتی و تجدیدی زندگی میں حجاز مقدس کا سفر اور قیام ایک تاریخ ساز واقعہ اور ان کی کتاب زندگی کا ایک نیا باب اور حد فاصل ہے، حجاز کے اسی طویل قیام میں جو ایک سال سے زیادہ رہا، ان کے ملکات ذہنی و علمی نے ارتقاء کے وہ منازل طے کئے جو بظاہر ہندوستان میں ممکن نہ تھے، اور اس کے لئے حرمین ہی جیسی مرکزی و عالمی جگہ درکار تھی، اسی سفر میں انھوں نے علم حدیث کا وسیع اور گہرا مطالعہ کیا، اور اس کے شیوخ کاملین سے جو دیار و امصار سے وہاں جمع ہوئے تھے، اس فن شریف کی تکمیل کی، جو ان کی تجدید و اصلاح کے ایوان بلند میں حجر الزاویۃ (کونہ کے پتھر) کی حیثیت رکھتا ہے، اور جس سے وہ تحقیق و اجتہاد کے اس مقام پر پہونچے، جس پر ان آخری صدیوں میں کم لوگ (اور جہاں تک مقاصد و اسرار شریعت اور تطبیق بین الفقہ والحدیث کا تعلق ہے) کئی صدیوں سے کوئی نہیں پہونچا تھا۔

(باقی صفحہ ۱۰۶ کا) کے خلاف اور مشہور تاریخ سے کھلا تضاد رکھتا ہے، اور قابل اعتبار نہیں، البتہ امام ناصر الدین کی شہادت (جس کے سنہ کا تعین مشکل ہے) ایک تاریخی حقیقت ہے، جو تواتر کے ساتھ اس جوار میں چلی آرہی ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاندان کی اس خاندان والاشان سے قرابتیں قدیم سے چلی آرہی تھیں اور آپ کی دوسری شادی جیسا کہ اوپر گذرا اسی خاندان میں ہوئی۔

سفرِ حج کے وقت شاہ صاحبؒ کی عمر تیس۳۰ سال تھی[۱]، اس وقت کے سیاسی حالات، راستوں کے امن و امان کی کیفیت، بعض غیر ملکی طاقتوں کے تسلط، برّی اور بحری خطرات اور قزّاقی کے پیشِ نظر یہ سفر ان کی عالی ہمتی، شوقِ علم اور حرمین شریفین سے قلبی وابستگی کی روشن دلیل ہے، نیز ان کی حمیّتِ اسلامی، دور بینی و بلند نگاہی پر بھی دلالت کرتا ہے کہ ہندوستان میں حفاظت دین اور ملت اسلامیہ ہندیہ کے عروج و استقلال کے لئے ان کی نگاہ ہندوستان ہی کے حالات کے مطالعہ اور وہیں اس کی تدبیر و علاج کی تلاش میں محدود نہیں تھی، وہ قرآن مجید کے اشارۂ بلیغ "لِيَشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ"[۲] پر عمل کر کے عالم اسلام کے اس قلب و مرکز اور دنیا کے گوشہ گوشہ سے آئے ہوئے وفود الاسلام وضیوف الرحمٰن کے علوم و معارف، عقول و اذہان اور تجربات و مساعی سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔

اس وقت سورت ہندوستان کی بندرگاہ اور بابِ مکہ تھا، راستہ کے مقامات بالخصوص مالوہ و گجرات مرہٹوں کی غارت گری اور استحصال کی آماج گاہ بنے ہوئے تھے، شمالی ہند سے جنوبی ہند تک کے اس طویل راستہ کو اس وقت کی سواریوں، بہلیوں اور اونٹ گاڑیوں سے طے کرنا آسان نہ تھا[۳]، بحر ہند اور بحر احمر کے تمام سواحل، پرتگیزی و ولندیزی (ڈچ) قزّاقوں اور

---

[۱] "القول الجلی" سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب نے اس سفر حج سے پہلے جو مکمل ہوا، ایک مرتبہ بیس۲۰ سال کی عمر میں اچانک سفر کا ارادہ اور ہجرت کا عزم فرمایا تھا، اور مخفی طور پر بے زاد و راحلہ کوچ فرمایا، جب ساحل سمندر پر پہونچے تو معلوم ہوا کہ جہاز روانہ ہو چکے ہیں، اب کوئی جہاز باقی نہیں، مجبوراً شہر کھمبات میں قیام فرمایا، ایک مرتبہ مراقبہ میں ایک ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ دل سفر سے سرد ہو گیا، اور واپسی کا فیصلہ فرما لیا، اس میں کچھ بارگاہ رسالت پناہ کا اشارہ بھی شامل تھا۔ (القول الجلی نسخۂ مخطوطہ خانقاہ کاظمیہ قلندریہ، کاکوری) [۲] الحج۔ ۲۸

[۳] شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب اس سفر میں راجپوتانہ سے بھی گذرے تھے۔ ص۷۳

فرنچ وانگریز، ملک گیروں کے بحری حملوں کے خطرہ سے محفوظ نہ تھے، حُجّاج کی ان مصیبتوں اور حوادث کی تفصیل اس وقت کے سفرناموں میں (جو بہت کم مرتب ومحفوظ رہ سکے ہیں) دیکھی جاسکتی ہے، خود ہندوستان کے راستہ کا حال یہ تھا کہ رات کو اگر کوئی ساتھی کسی گاؤں یا آبادی میں چھوٹ جاتا تھا تو شاہ صاحب یا بدیع العجائب یا بدیع العجائب کا وظیفہ شروع کر دیتے تھے۔

سورت سے جدّہ پینتالیس[۴۵] روز میں پہونچنا ہوا، ۱۵ ذیقعدہ کو داخل مکہ معظمہ ہوئے، علماء اور طلبہ کی درخواست پر مسجد حرام میں مصلے حنفی کے پاس درس شروع کیا، جس میں بہت ہجوم ہوا۔[۱]

شاہ صاحب "الجزء اللطیف" میں لکھتے ہیں کہ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کی زیارت کے شوق کا غلبہ ہوا، ۱۱۴۳ھ کے آخر (ذی الحجہ) میں حج سے مشرف ہوا، ۱۱۴۴ھ تک بیت اللہ کی مجاورت کی، اور زیارت مدینہ سے مشرف ہوا، شیخ ابو طاہر مدنی اور دوسرے مشائخ حرمین سے حدیث کی روایت کی، علمائے حرمین سے مجالس رہیں، شیخ ابو طاہر مدنی نے خرقہ پہنایا، جو غالباً صوفیہ کے تمام خرقوں کا جامع ہے، اس سال ۱۱۴۴ھ کے اختتام پر دوبارہ مناسک حج ادا کئے، اور ۱۱۴۵ھ کے اوائل میں ہندوستان روانہ ہوا، اور ۱۰ رجب ۱۱۴۵ھ کو جمعہ کے دن صحت وسلامتی کے ساتھ اپنے مستقر (دہلی) پر پہونچا۔[۲]

شاہ صاحب کے مشائخ واساتذۂ حرمین

شاہ صاحب نے مشائخ واساتذۂ حرمین کے تعارف اور تذکرہ میں مستقل رسالہ "انسان العین فی مشائخ الحرمین" تصنیف فرمایا، اس رسالہ میں اپنے شیخ خاص اور اپنے محسن ومحبوب استاد شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم الکردی المدنی کا قدرے تفصیل سے تعارف کرایا، چونکہ

---

[۱] القول الجلی (قلمی) [۲] الجزء اللطیف ص۵

خصوصی اساتذہ ومشائخ کی عالی استعداد تلامذہ پر گہری چھاپ ہوتی ہے اور ان کے رجحانات وتحقیقات کا ان شاگردانِ رشید پر انقلاب انگیز اثر ہوتا ہے اس لئے ان کا قدرے تفصیل ہی کے ساتھ تذکرہ مناسب ہے۔

شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ شیخ ابوطاہر محمد بن ابراہیم نے اپنے والد شیخ ابراہیم الکردی سے علم الحدیث کی تحصیل کی، اس کے بعد شیخ حسن عُجیمی[1] سے زیادہ تر استفادہ کیا، اس کے بعد احمد نخلی، شیخ عبداللہ بصری سے شمائل نبویؐ، اور مسند امام احمد، دو مہینے سے کم میں پڑھی، حرمین میں آنے والے علماء سے استفادہ کرتے رہے، شیخ عبداللہ لاہوری سے ملا عبدالحکیم سیالکوٹی اور شیخ عبدالحق محدث دہلوی کی کتابوں کی روایت کی اجازت پائی، شیخ سعید کوکنی سے بعض کتب عربیہ اور فتح الباری کا ایک ربع پڑھا[2]۔

"الیانع الجنی" میں علامہ محسن بن یحییٰ ترہتی نے لکھا ہے کہ شیخ ابوطاہر کہا کرتے تھے کہ شیخ ولی اللہ مجھ سے لفظ کی سند لیتے ہیں، اور میں ان سے حدیث کے مطالب میں استفادہ کرتا ہوں، اپنی اجازت میں بھی ایسا ہی لکھا ہے[3]۔

شیخ ابوطاہر (محدث کبیر ہونے کے باوجود) صوفیہ کے بڑے معتقد اور ان پر تنقید کرنے سے محترز تھے، شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ میں شیخ ابوطاہر سے رخصت ہونے گیا تو انھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

نسیتُ کل طریقٍ کنت أعرفہ　　إلّا طریقًا یؤدّی لی لربعہ

(میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوائے اس راستہ کے جو آپ کے گھر تک پہونچاتا ہے)

---

[1] شاہ صاحب نے "انسان العین" میں ان کا لقب عجمی لکھا ہے، جو غالباً طباعت کی غلطی ہے، تذکرہ کی عام کتابوں میں ان کو العجیمی (تصغیر کے ساتھ) یاد کیا گیا ہے، (ملاحظہ ہو زرکلی کی الاعلام جلد ۲ صـ۲۲۳) [2] انسان العین صـ۱۳

[3] الیانع الجنی فی اسانید الشیخ عبدالغنیؒ، مجموعہ کشف الاستار عن رجال معانی الآثار، برحاشیہ مطبوعہ دارالاشاعت والتدریس، دیوبند

یہی جواب شاہ صاحب کا بھی تھا، شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں کہ میرے والد صاحب جب مدینہ طیبہ سے رخصت ہونے لگے تو استاد محترم سے عرض کیا اور وہ یہ سن کر خوش ہوئے کہ میں نے جو کچھ پڑھا تھا سب بھلا دیا، سوائے علم دین و حدیث کے[1]۔

شاہ صاحبؒ کی بعد کی زندگی اور مشاغل نے (جس کی تفصیل آئندہ اوراق میں آئیگی) اس کی تصدیق کردی کہ انھوں نے جو کچھ کہا تھا اس کو کرکے دکھا دیا "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ" (سورۃ الاحزاب ۔۲۳)

رمضان ۱۱۷۵ھ میں شیخ ابوطاہر نے اس دار فانی سے رحلت فرمائی، گویا شاہ صاحب کی مدینہ طیبہ سے روانگی کے کچھ عرصہ اور ان کے دہلی پہونچنے کے ڈیڑھ دو مہینے بعد[2] ان کی وفات ہوئی، اور شاہ صاحب کی آمد ہندوستان کے بعد ان کو افادہ و تربیت کا بہت مختصر وقت ملا، "وَذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ"۔

ان کے تذکرہ میں یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ ان کے والد شیخ ابراہیم کورانی[3] امام ابن تیمیہؒ کی طرف سے مدافعت کیا کرتے تھے، علامہ سید نعمان خیرالدین آلوسی بغدادی اپنی مشہور کتاب "جلاء العینین فی محاکمۃ الاحمدین" میں لکھتے ہیں :۔

وکان سلفی العقیدۃ ذاباً عن	وہ سلفی العقیدہ تھے، شیخ اسلام ابن تیمیہ
شیخ الاسلام ابن تیمیۃ وکذا	کی طرف سے مدافعت کرتے تھے،
یذبّ عمّا وقع فی کلمات	اسی طرح سے ان صوفیہ کے ان الفاظ
الصوفیۃ مما ظاھرہ الحلول	کی تاویل کرتے تھے، جن سے ظاہری طور پر

---

[1] ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز ص۹۳ [2] انسان العین ص۱۴

[3] ولادت ۱۰۲۵ھ وفات ۱۱۰۱ھ۔ شیخ ابراہیم اسّی سے زائد کتابوں کے مصنف ہیں۔

او الاتحاد أو العینیۃ۔[1] حلول واتحاد یا عینیت کا اظہار

ہوتا تھا۔

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ شیخ الاسلام کی کتابوں سے تعارف، ان کی حمایت ومدافعت کا جو اظہار شاہ صاحب کی تحریروں سے ہوا، نیز اس تطبیقی رجحان میں جو شاہ صاحب کی خاندانی روایت ووراثت تھی، شیخ ابوطاہر کی گفتگو کا بھی اثر اور حصہ ہوگا جس کا رجحان انھوں نے اپنے والد ماجد شیخ ابراہیم کوردانی سے وراثتاً پایا ہوگا۔

شاہ صاحب کے دوسرے شیخ جن سے شاہ صاحب کو اجازت حاصل ہوئی، شیخ تاج الدین قلعی حنفی مفتی مکہ تھے، حدیث میں ان کی اکثر تعلیم شیخ عبداللہ بن سالم مصری سے ہوئی، صحیحین شیخ عجیمی سے پڑھی، اور ان سے اجازت مطلقہ حاصل ہوئی، ان کو شیخ احمد نخلی وغیرہ سے بھی اجازت ہے، شاہ صاحب نے تین روز ان کے درس بخاری میں شرکت کی، کتب ستہ کے اطراف اور مؤطا کا ایک حصہ، مسند دارمی، امام محمد کی کتاب الآثار اور مؤطا ان سے سنی، شیخ نے ان سب کتابوں کی اہل مجلس کو اجازت دی، شاہ صاحب بھی شریک تھے، شاہ صاحب نے حدیث مسلسل بالاولیۃ بھی ان سے سنی۔[2]

شاہ صاحب نے حافظ حدیث اور جامع کمالات شیخ محمد بن محمد بن سلیمان المغربی کے (جو نسخۂ بنونیہ کے مالک تھے، اور اس کو استنبول سے حرمین میں لائے تھے، اور جمہور اہل حرمین کے استاد تھے) صاحبزادہ شیخ محمد وفد اللہ سے بھی اپنے والد کی تمام مرویات کی اجازت حاصل کی، اس کے علاوہ مؤطا یحییٰ بن یحییٰ کا ملاً ان سے پڑھی اور اس کی اجازت لی۔[3]

---

[1] جلاء العینین مطبوعہ مطبعۃ المدنی، مصر ص ۴۱ [2] انسان العین ص ۱۵-۱۶ [3] ایضاً ص

شاہ صاحب زمانۂ تعلیم ہندوستان میں اپنے زمانہ کے امام حدیث شیخ محمد افضل سیالکوٹی کے درس میں بھی شریک ہوئے تھے[1]، جنھوں نے حدیث کی سند شیخ سالم بن عبداللہ بصری سے حاصل کی تھی، اور ان سے حدیث پڑھی تھی، وہ شیخ عبدالاحد ابن خواجہ محمد سعید سرہندی کے بھی شاگرد تھے، غازی الدین خاں کے مدرسہ میں دہلی میں حدیث کا درس دیتے تھے، حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ نے حدیث و سلوک دونوں میں ان سے استفادہ کیا[2]۔

اس سفر میں آپ کے ماموں شیخ عبیداللہ بارہوی اور ماموں زاد بھائی شیخ محمد عاشق پھلتی (مصنف القول الجلی) بھی ساتھ تھے، شاہ صاحب نے اپنی والدہ ماجدہ کی خبر وفات اسی سفر حج میں واپسی پر مکہ معظمہ میں سنی[3]۔

شاہ صاحب کے لئے فن حدیث کے خصوصی ذوق، حرمین میں اس کی تدریس واشاعت کے آسان مواقع اور وہاں بیٹھ کر مختلف ممالک سے آنے والے طالبین علم اور علماء کو مستفید کرنے کا امکان، پھر مجاورت بیت، اور جوار نبویؐ کی برکت وسعادت اور ہندوستان کے غیر یقینی حالات، سلطنت اسلام کے اکھڑتے ہوئے قدم، اور غیر ملکی طاقتوں کے روز افزوں تسلط کا علم، حجاز میں مستقل قیام وہجرت کی نیت کے قوی اسباب ومحرکات تھے، اور نہ صرف اس کے جواز کے دلائل بلکہ دینی وعلمی مصالح کی تائید بھی فراہم کرتے تھے، لیکن آپ نے ہندوستان کی واپسی کا وہ فیصلہ کیا جس میں اللہ تعالے نے وہ خیر مقدر فرما رکھی تھی، جس کا آپ کے تجدیدی واجتہادی کارنامہ میں ظہور ہوا، اور اس بشارت نبویؐ کا تحقق جو آپ کو مدینہ طیبہ کے قیام میں حاصل ہوئی تھی۔

اِنَّ مراد الحق فیك أن یجمع — خدا کا ارادہ ہو چکا ہے کہ تمہارے

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ [2] ایضاً [3] القول الجلی (قلمی)

شملا من شمل الأمة المرحومة بك[1]۔

ذریعہ امت مرحومہ کی ایک خاص شیرازہ بندی ہو۔

شاہ صاحب کے نہ صرف اپنے بارے میں، بلکہ اپنے خواص اصحاب کے بارے میں بھی رجحان یہی تھا کہ وہ ہندوستان کو اپنی سرگرمیوں اور علمی و دینی خدمات کا مرکز بنائیں، جس ملک پر ان کے اسلاف نے اپنی بہترین علمی و دینی صلاحیتیں اور توانائیاں صرف کیں؛ اور جس نے ہر دور میں محقق و عارف پیدا کئے، اور اس کو مستقبل میں علم حدیث، اور دوسرے علوم دینیہ کا مرکز بننا تھا، آپ کے ایک تلمیذ خاص مخدوم معین الدین سندھی نے حجاز جاکر جب وہیں رہ جانے کا ارادہ ظاہر کیا، تو شاہ صاحب نے ان کو اس سے منع کیا اور لکھا:۔

أما عزم ترك الرجوع إلى الوطن فلا تستبد وابه حتى يشرح الله صدركم أو صدر رجل لأجلكم[2]۔

جہاں تک وطن کی طرف مراجعت نہ کرنے کے ارادہ کا تعلق ہے، تو ابھی اس بارے میں قطعی فیصلہ اور اس پر اصرار نہ کیجئے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ آپ کا یا آپ کے کسی خاص تعلق والے کا شرح صدر نہ فرمادے۔

شاہ صاحب کا درس حدیث

شاہ صاحب نے حجاز سے واپس آنے کے بعد اپنے والد صاحب کے مدرسہ رحیمیہ میں

---

[1] فیوض الحرمین، مطبع احمدی، دہلی ص ۶۲ [2] حیات ولی (مکتوبات حضرت شاہ ولی اللہ صاحب المکتوب العاشر) ص ۵۳۶ مطبوعہ مجتبائی لاہور۔

جواس وقت پرانی دلّی میں اس محلہ میں جواب منہدیاں کہلاتا ہے، واقع تھا، درس شروع کردیا لیکن چند ہی دنوں میں اطراف واکناف سے طلباء کھنچ کھنچ کر پہونچنے لگے، اس وقت یہ جگہ ناکافی ثابت ہوئی، اللہ تعالےٰ نے یہ سعادت (بہت سی بے توفیقیوں اور کمزوریوں کے ساتھ) محمد شاہ بادشاہ کے مقدر میں رکھی تھی، اس نے شاہ صاحب کو شہر میں ایک عالی شان مکان دے کر شہر میں بلالیا اور آپ نے وہاں درس شروع کردیا[1]، مولوی بشیر الدین لکھتے ہیں:۔

"یہ مدرسہ زمانہ میں نہایت عالی شان اور خوبصورت تھا اور بڑا دارالعلوم سمجھا جاتا تھا، غدر تک وہ اپنی اصلی حالت پر قائم تھا، غدر میں مکانات لوٹ لئے گئے، کڑی تختے تک لوگ اٹھالے گئے"

مولوی صاحب مزید لکھتے ہیں:۔

"اب متفرق لوگوں کے مکانات اس جگہ بن گئے ہیں، مگر محلہ شاہ عبدالعزیز صاحب کے مدرسہ کے نام سے آج تک پکارا جاتا ہے"

شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ایک جگہ اس مدرسہ کی مسجد کا تذکرہ ہے، شاہ صاحب نے فرمایا:۔

درآں ہنگام بزرگان بسیار واولیاء بسیار از یاران والد ماجد مثل شاہ محمد عاشق ومولوی نور محمد وغیرہ معتکف مسجد ہذا می بودند[2]۔	(میری ولادت کے وقت) بہت سے بزرگ اور اولیاء جو والد ماجد کے احباب وخواص میں سے تھے مثلاً شاہ محمد عاشق ومولوی نور محمد وغیرہ اس مسجد میں معتکف ہوا کرتے تھے۔

---

[1] "دارالحکومت دہلی" جلد ۲ صفحہ ۲۸۶ مؤلفہ مولوی بشیر الدین۔

[2] ملفوظات شاہ عبدالعزیز صاحب (فارسی) صفحہ ۱۰۹ مطبع مجتبائی، میرٹھ

مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب مصنف "نزہۃ الخواطر" نے ۱۳۱۲ھ/۱۸۹۴ء میں دہلی اور اس کے اطراف کا سفر کیا تھا، ۲۶ رجب کے روزنامچہ میں تحریر فرماتے ہیں:-

"میاں سید نذیر حسین صاحب کے درس سے آنے کے بعد میں نے ارادہ کیا کہ حضرت مولانا ومولیٰ الکل، مقتدائے اربابِ تمیز شاہ عبدالعزیز صاحب روح اللہ روحہ کے مدرسہ کی زیارت کروں جس میں ہمارے بزرگوں نے یکے بعد دیگرے استفادہ کیا ہے اور جس کی خاکروبی کو فخر وسعادت سمجھا ہے[1]، یہاں سے جامع مسجد اور اس کے آگے چتلی قبر تک گیا، چتلی قبر سے دو راستے ہیں، ایک داہنے ہاتھ کو وہ سیدھا خانقاہ کو گیا ہے[2]، دوسرا بائیں ہاتھ کو اس راستہ پر بہت دور تک چلا گیا، آگے بڑھ کر بائیں ہاتھ کو کوچۂ فولاد خاں کو سڑک گئی ہے، وہ سیدھی کلاں محل تک چلی گئی ہے، کلاں محل میں ہمارے شیخ المشائخ مولانا ومقتدانا رحمہ اللہ تعالیٰ کا مدرسہ ہے، اس کی حالت کو دیکھ کر "خَاوِيَةٌ عَلَىٰ عُرُوشِهَا ۚ قَالَ أَنَّىٰ يُحْيِي هَٰذِهِ اللَّهُ بَعْدَ مَوْتِهَا"[3] کی آیت یاد آئی، اللہ اللہ کیا کارخانۂ قدرت کی نیرنگیاں ہیں، ایک وہ دن تھا کہ عرب وعجم کے لوگ اس مدرسہ میں رہتے تھے، اور فائدہ حاصل کرتے تھے، اور آج اس کی یہ حالت ہے کہ ویران اور خراب پڑا ہے، کوئی رہنے والا نہیں"[4]

پھر اسی خاندان کی ایک یادگار مولوی سید ظہیر الدین احمد صاحب کی روایت سے نقل کیا ہے کہ

---

[1] اس جگہ مولانا نے اپنے خاندان حسنی قطبی کے متعدد بزرگوں کے نام لکھے ہیں، جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے وقت سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے وقت تک یہاں آتے اور استفادہ کرتے رہے۔

[2] اس سے مراد حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کی خانقاہ ہے، اس محلہ کو اب شاہ ابوالخیر مارگ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

[3] البقرہ - ۲۵۹ [4] "دہلی اور اس کے اطراف" مطبوعہ انجمن ترقی اردو ص ۶۳-۶۴

منہدیوں میں جہاں ان حضرات کے مزار ہیں، وہاں مدرسہ بھی تھا، شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے بعد شاہ ولی اللہ صاحبؒ نئے شہر میں تشریف لائے، یہ مدرسہ ان کو دیا گیا اور وہ یہیں رہ پڑے[۱]۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی زبانی حضرت شاہ صاحبؒ کے بعض خصائص و معمولات

افسوس ہے کہ کوئی معاصر تذکرہ، سفرنامہ، یا روزنامچہ ایسا سامنے نہیں ہے، جس سے شاہ صاحبؒ کے خصائص، معمولات، نظام الاوقات اور نشست و برخاست کے حالات تفصیل سے معلوم ہوں، ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ[۲] (فارسی) میں کہیں کہیں کچھ اشارے آئے ہیں۔

فرمایا کہ میں نے اپنے والد ماجد کا جیسا قوی الحفظ نہیں دیکھا، سننے کا انکار تو نہیں کر سکتا، لیکن مشاہدہ میں نہیں آیا[۳]، علوم و کمالات کے ماسوا ضبط اوقات میں بھی اپنی مثال نہیں رکھتے تھے، اشراق کے بعد جو نشست رکھتے تو دوپہر تک نہ زانو بدلتے نہ کھجاتے، نہ تھوکتے[۴]، ہر فن میں ایک ایک آدمی کو تیار کر دیا تھا، اس فن کے طالب کو اسی کے سپرد فرما دیتے، اور خود بیان حقائق و معارف اور ان کی تدوین و تحریر میں مصروف رہتے، حدیث کا مطالعہ اور درس فرماتے تھے، جس چیز کا کشف ہوتا تھا، اس کو لکھ لیتے تھے، بیمار بہت کم ہوتے تھے[۵]، جد بزرگوار اور عم محترم (جو طبیب بھی تھے) لوگوں کا علاج کرتے تھے، والد صاحبؒ نے اس شغل کو موقوف کیا، البتہ طب کی کتابوں کا مطالعہ کرتے تھے[۶]، طبیعت میں بچپن سے نظافت و لطافت تھی، اشعار صوفیانہ کم پڑھتے، کبھی کبھی ضرور کوئی شعر پڑھتے[۷]۔

---

[۱] "دہلی اور اس کے اطراف" مطبوعہ انجمن ترقی اردو ص ۶۷ [۲] کتاب کے طابع و ناشر محمد بشیر الدین صدیقی صاحب کو جامع ملفوظات کا مسودہ کی بوسیدگی و کرم خوردگی کی وجہ سے نام نہیں معلوم ہو سکا، لیکن کتاب میں ایسی داخلی شہادتیں موجود ہیں کہ ان ملفوظات کی نسبت میں کسی شک کی گنجائش نہیں رہ جاتی۔ [۳] ملفوظات ص ۱۱
[۴] ایضاً ص ۴۳ [۵] ایضاً ص ۴۰ [۶] ایضاً ص ۲۳ [۷] ایضاً ص ۴۳

وفات

بالآخر اس بیش قیمت و بابرکت مدت حیات کے جس کا ایک ایک لمحہ قیمتی، اسلام اور مسلمانوں کے لئے مفید، اور احیاء سنت، قرآن و حدیث کی نشر و اشاعت، تعلیم و تربیت، یاد الٰہی اور اعلاء کلمۃ اللہ کی فکر میں مصروف تھا، خاتمہ بالخیر کا دن آگیا، جس سے "کُلُّ نَفْسٍ ذَآئِقَةُ الْمَوْتِ"[1] کے اعلان و وعدہ کے مطابق نہ کوئی نبی مستثنیٰ ہے، نہ کوئی ولی، نہ مجدد نہ مجاہد، ۱۱۷۶ھ شروع ہوا تھا، محرم کی آخری تاریخ تھی کہ یوم موعود آپہونچا، اور حضرت شاہ صاحب نے مختصر علالت کے بعد باسٹھ[۶۲] سال کی عمر[۶۲] میں اس دار فانی کو خیر باد کہا، اور جان جان آفریں کے سپرد کی ؎

چیست ازیں خوب تر در ہمہ آفاق کار
دوست رسد نزد دوست یار بہ نزدیک یار

کسی تذکرہ میں علالت اور واقعۂ وفات کی تفصیلات نہیں ملتیں، ناچیز مصنف کے لئے یہ بات قابل فخر و شکر ہے کہ اس سلسلہ میں جو کچھ معلومات و تفصیلات ملتی ہیں، ان کا واحد ذریعہ رائے بریلی کے سادات حسنی قطبی اور خاندان علم اللٰہی کے ایک ممتاز فرد سید محمد نعمان حسنی کا مکتوب ہے، جو انھوں نے اسی خاندان کے دوسرے بزرگ و نامور فرد حضرت شاہ سید ابو سعید[۶۲] کے نام شاہ صاحب[۶۲] کی وفات کے عین بعد دہلی سے لکھا تھا، کاتب حضرت سید محمد نعمان[۶۳] مجاہد کبیر

---

[1] آل عمران ۱۸۵ [۲] ملفوظات شاہ عبد العزیز اردو میں شاہ صاحب کی زبانی بیان کیا گیا ہے کہ عمر شریف اکسٹھ[۶۱] برس چار[۴] ماہ کی ہوئی، چوتھی شوال ۱۱۱۴ھ کو پیدا ہوئے اور انتیسویں[۲۹] محرم ۱۱۷۶ھ کو وفات پائی، وفات کی تاریخ امام اعظم دین ہے (ملفوظات ص۵۶ مطبوعہ مطبع ہاشمی میرٹھ) [۳] سید محمد نعمان حضرت شاہ علم اللہ رح کے پڑپوتے ہیں، ان کا شجرہ اس طرح ہے، نعمان بن نور بن ہدیٰ بن علم اللہ حسنی الحسینی، خاندان کے وطن قدیم نصیر آباد ضلع رائے بریلی میں ولادت ہوئی، کچھ عرصہ مقامی علماء سے تعلیم حاصل کی پھر لکھنؤ جاکر مولانا عبد اللہ انبیٹھوی سے درسیات کی تکمیل کی، پہلے حضرت شاہ علم اللہ رح کے عالی نسبت صاحبزادہ حضرت سید محمد رح سے بیعت و تربیت حاصل کی،

(باقی ص۱۱۹ پر)

حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی چچا اور مکتوب الیہ (حضرت شاہ سید ابو سعیدؒ) حضرت سید صاحب کے حقیقی نانا تھے، حضرت شاہ ابو سعیدؒ شاہ صاحب کے مریدین اور اصحاب با اختصاص میں سے تھے، جن کے نام شاہ صاحب کے خود متعدد مکاتیب موجود ہیں، یہ خط بجنسہٖ خاندانی مجموعۂ مکاتیب "مکتوب المعارف" (قلمی) سے نقل کیا جاتا ہے:-

الحمد للہ علی النعماء والرضاء	باسمہ سبحانہ تعالیٰ شانہ۔ اللہ تعالیٰ
علی القضاء والصبر علی المصیبۃ	کا شکر ہے اس کی نعمتوں اور تقدیر
والبلاء والصلاۃ والسلام علی	پر راضی رہنے اور بلاء و مصیبت میں
سید الشاکرین وزبدۃ الراضین	صبر کی توفیق پر، صلوٰۃ وسلام ہو سید
وقدوۃ الصابرین شفیع المذنبین	الشاکرین وزبدۃ الراضین، قدوۃ
ورحمۃ للعالمین محمد وآلہ وصحبہ	الصابرین، شفیع المذنبین اور رحمۃ للعالمین
الطیبین الطاہرین وعلی ورثتہ	محمد رسول اللہ اور ان کی آل واصحاب
العلماء الراسخین والاولیاء	پر جو طیب و طاہر تھے، اور آپ کے وارث
المرشدین إلی یوم الدین	علمائے راسخین اور اولیائے مرشدین پر
بعد ہذا اگر شرح سوگواری وبیان	قیامت تک، اس کے بعد عرض ہے کہ

(باقی صفحہ ۱۲۰ کا) ان کے انتقال کے بعد ان کے عالی مرتبت صاحبزادہ حضرت سید محمد عدل عرف شاہ بعل صاحبؒ سے استفادہ اور اخذ فیض کیا، ان کے انتقال کے بعد رخت سفر باندھا اور حضرت شاہ علم اللہؒ کے خلفائے نامدار اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے فیوض و برکات حاصل کئے، خوش قسمتی سے حضرت شاہ صاحبؒ کی وفات کے وقت موجود اور ان کی توجہات خاصہ سے محظوظ تھے، شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد سفر حج اختیار کیا، حج و زیارت کے بعد بیت المقدس اور مدینۃ الخلیل (حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کا مسکن و مدفن) کا رخ کیا، راستہ میں وقت موعود آپہونچا، اور سرزمین انبیاءؑ بیت المقدس میں مدفون ہوئے، یہ واقعہ ۱۱۹۳ھ کا ہے (نزہۃ الخواطر ۶)

عزا ی وماتم داری واقعہ ارتحال امام
سنت وجماعت ومقتدای ارباب کرامت
پیشوای عرفاء زمان سرآمدِ اولیاء جہاں
قطب زمانی محبوب سبحانی سیدنا ومرشدنا
ولی اللہ فاروقی مجدد مأۃ دوم الف ثانی
رضی اللہ عنہ ازیں عالم پُرملال بصوب
دارالافضال بوصال ذوالجلال برصفحہ
روزگار ثبت یابد ہرآئینہ مانند حال ماغریبان
غمزدگان سزد ہ

امام اہل سنت وجماعت مقتدائے
ارباب کرامت، پیشوائے عرفائے
زماں، سرآمدِ اولیائے جہاں
قطب زمانی، محبوب سبحانی سیدنا
ومرشدنا شاہ ولی اللہ فاروقی
مجدد قرنِ دوازدہم رضی اللہ عنہ
کے واقعۂ ارتحال کی تفصیل اگر
صفحۂ روزگار پر ثبت ہو تو ہم مسکینوں
کے حسب حال ہے ہ

چہ بخاطر رسید یارِ مرا
کہ بہجراں کشید کارِ مرا
وامصیبتاہ این چہ بے نیازی ونیرنگ
سازی است کہ ہمچنیں روح مقتدای
رادر کمتر وقت بعمر شصت ودو سالگی ندا
"اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ہ
(الفجر-۲۸) دادند واصحاب بدع
ضلال راعشرت آگیں نمودند واصحاب
دین راانده گیں کردند یعنی بتاریخ
سلخ محرم الحرام سنہ ۱۱۷۶ھ یک ہزار

چہ بخاطر رسید یارِ مرا
کہ بہجراں کشید کارِ مرا
وامصیبتاہ! اللہ تعالےٰ کی یہ عجیب
شانِ بے نیازی ہے کہ ایسے مقتدیٰ کی
روح کو صرف ۶۲ سال کی مختصر عمر میں
"اِرْجِعِیْٓ اِلٰی رَبِّكِ رَاضِیَةً مَّرْضِیَّةً ہ
(الفجر-۲۸) کی پکار سنا دی گئی اور اہلِ
بدعت وضلالت کو خوش اور دینداروں
کو اندوہ گیں کر دیا گیا یعنی محرم کی آخری
تاریخ سنہ ۱۱۷۶ھ شنبہ کے دن، ظہر کے

ویکصد وہفتاد وشش یوم السبت
وقت الظہر بامر داعی برحق روح مطہر
الحضرت از قالب عنصری مفارقت
نمودہ باوجِ علیین نشیمن ساختہ
وبمقتضائ "وَلَلْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ
مِنَ الْاُوْلٰى ۝ وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ
رَبُّكَ فَتَرْضٰى ۝ (الضحیٰ۔۴،۵)
ای لقاء رفیق اعلیٰ دران پرداختہ
اما حالت تمام اصحاب واحباب
از مفارقت آنجناب چناں تباہ و
خراب بود کہ از حیز تحریر بیرونست
یقینیکہ استیلاء وکاہش آلام
برمنتسبان مہجوران مستہام ۔ یافتہ
باشد رضینا بقضاء اللہ انا للہ
وانا إلیہ راجعون رحمۃ اللہ
علیہ وعلی من بجنابہ یتوسلون"
آمدیم براینکہ از فضل الٰہی وتصدق
جناب حضرت رسالت پناہی
صلے اللہ علیہ وعلی آلہ جاذبہ

وقت حق تعالےٰ کے حکم سے حضرت
کی روح پاک نے قالب عنصری کو
چھوڑ کر اوجِ علیین پر اپنا نشیمن
بنالیا..... تمام اصحاب واحباب
کی حالت آنجناب کی فرقت سے
ایسی تباہ وخراب تھی جو احاطۂ
تحریر سے باہر ہے إنا للہ وانا
الیہ راجعون اللہ کی رحمت
آپ پر اور آپ کے متوسلین پر
نازل ہو، مقصد تحریر یہ ہے کہ
فضل الٰہی اور حضرت رسالت
پناہی صلے اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم
کے صدقے میں حضرتؒ کی کشش
نے اپنی طرف کھینچا، ذی قعدہ کے
مہینے میں بڈھانہ جاکر آستاں بوسی
کی سعادت حاصل کی اور جناب
قدسی القاب کی صحبت سے مشرف ہوا
اور اپنے حال پر حضرت کی بلند توجہات
میں بہت اضافہ دیکھا، وہاں سے

حضرت ایشان علیہ الرحمۃ این عاصی
را بسوی خود کشید بشہر ذیقعدہ دربڈھانہ
رفتہ بتقبیل آستانہ متبرکہ استسعاد
یافتہ و بملازمت جناب قدسی
القاب مشرف گردید و بر حالات خود
توجہات عالیات بیش از بیش یافتہ،
از آنجا حضرت ایشان جہت تداوی
و تدابیر در ماہ ذی الحجہ تاریخ نہم بشہر
دہلی بمکان بابا فضل اللہ در مسجد روشن
الدولہ بچوک سعد اللہ خاں نزول
فرمودند از فرزندان گرامی میاں محمد صاحب
و میاں عبد العزیز و میاں رفیع الدین
مدظلہم العالی و میاں محمد عاشق صاحب
و میاں اہل اللہ صاحب و میاں محمد فائق
و میاں محمد جواد و محمد امین و غیرہ یاران
حاضر خدمت بودند و این غلام
و میر محمد عتیق و میر قاسم علی کہ در وقت
آخرین شرف انتساب بیعت یافتہ
ہر روز بشرف حضور پر نور و خدمت گاری

حضرت دوا علاج کے سلسلے میں
۹ ذی الحجہ کو دہلی میں بابا فضل اللہ
کے مکان پر مسجد روشن الدولہ کے
احاطے میں (جو چوک سعد اللہ خاں
میں ہے) مقیم ہوئے، فرزندانِ گرامی
میں سے میاں محمد صاحب، میاں عبد العزیز
و میاں رفیع الدین مدظلہم العالی (اور
مریدین و متعلقین میں سے) میاں
محمد عاشق صاحب، میاں محمد فائق،
میاں محمد جواد، اور خواجہ محمد امین وغیرہ
احباب حاضرِ خدمت تھے، یہ غلام
اور میر محمد عتیق، اور میر قاسم علی
(جنھوں نے حضرت سے ان کے
آخری ایام میں شرف بیعت
حاصل کیا تھا) ہر روز حاضری
و خدمت گزاری کی سعادت حاصل
کرتے تھے، مشفقِ من! یہ آخری
مجلسیں، عجب پر فیض مجلسیں تھیں،
ملائکہ و ارواح طیبہ کا برابر نزول

وسیلہ حضور در حضور سعادت اندوز
می شدیم مشفقا این مجلس آخریں عجب
مجلسے بود پر فیض دائما مہبط ملاء ملکوت
ونزول ارواح طیبہ ارکان عالم ناسوت
میگردید و نفحات انس ورحمت و رشحات
قدس وبرکت بمثال نزول غیث
می بارید اکثر یاران اہل نسبت بوجدان
صحیحہ خود می دریافتند واحسرتا اہل اللہ
وعرفاء لازال در ہر زمان میباشند
اما این چنیں مرد با جمعیت اوصاف حمیدہ
اعلم بکتاب وسنت باجتہاد مطلق ودر
حقائق ومعارف بحر مواج ودر علوم
دیگر محض فیاض پس از صدہا سال
بوجود می آید ؎
دور ہا باید کہ تا یک مرد حق صاحب دل شود
بایزیدانند در خراساں یا ہیولانند در یمن
یاراں رامی باید کہ مصابرت وشکیبائی
ورزیدہ نسبت رابطہ حضرت شیخ را
بجامع ہمت در تصور نہادہ بمراقبات

محسوس ہوتا تھا، نفحات انس ورحمت
اور رشحات قدس وبرکت بارش
کی طرح برستے تھے، اکثر اہل نسبت
احباب اپنے وجدانِ صحیح سے
اس کو محسوس کرتے تھے، واحسرتا!
اہل اللہ اور عارفین ہر زمانے
میں ہوتے ہیں، مگر ایسا مرد حقانی
جو ایک طرف اوصاف حمیدہ کا
جامع ہو دوسری طرف کتاب
وسنت کے علم میں مجتہد مطلق کا
درجہ رکھتا ہو، حقائق ومعارف
کا بحر مواج اور دیگر علوم کا
دریائے فیاض ہو، کہیں صدیوں
میں پیدا ہوتا ہے ؎
دور ہا باید کہ تا یک مرد حق صاحب دل شود
بایزید اندر خراساں یا ہیولا ندر یمن
دوستوں کو چاہئے کہ صبر وشکیبائی
اختیار کر کے حضرت شیخ کی نسبتِ رابطہ کو
پوری ہمت کے ساتھ تصور میں رکھ کر مراقبات

معلومہ مشغول باشند انشاءاللہ تعالیٰ
فیض صحبت ورابطہ برابر خواہد بود
کما یفیض من بعض رسائلہ
رحمۃ اللہ علیہ۔
والحمد للہ رضامندی حضرت صاحب
قدس سرہ ازاں صاحب و توجہات عالیات
برحال ایشاں زیادہ از حد بیان یافتہ
اکثر اوقات استفسار احوال سامی
میفرمودند و ماجرای غازتگری ابدالیاں
و رسیدن آنصاحب در عین رستخیز و انطفاء
یافتن التہاب نہیب بسبب قدم گرای
از زبان دُرفشاں مودی ساختند و
شاید منظور لقای آخریں بضمیر منیر بودہ
باشد مرۃ فرمودند کہ میر ابو سعید ارادۂ
آمدن دارند اگر زود برسند بہتر
باشد۔
صاحب من ظاہر صحبت ایشاں
رعایتہا کشیدہ تصنیفات آنحضرت

معلومہ میں مشغول ہوں، انشاءاللہ
فیض صحبت ورابطہ برابر جاری
رہے گا جیسا کہ حضرتؒ کے بعض
رسائل سے معلوم ہوتا ہے۔
الحمدللہ کہ حضرت قدس سرہٗ کی آپ سے
رضامندی اور آپ کے حال پر توجہات عالیہ کو
حد بیان سے باہر پایا، اکثر اوقات جناب کے
حالات دریافت فرماتے تھے، ابدالیوں کی
جنگ اور آپ کے عین معرکہ پر پہنچنے اور فتنہ
کی آگ سے آپ کے قدم گرای سے فرو ہوجانے
کے واقعات زبان دُرفشاں سے بیان فرماتے
تھے[1]، شاید آپ سے آخری ملاقات کی
تمنا حضرت کے دل میں تھی، کیونکہ
ایک بار فرمایا کہ "میر ابو سعید آنے کا
ارادہ رکھتے ہیں اگر جلد آجائیں تو
بہتر ہو"
صاحبِ من! حضرت کی ظاہری
صحبت سے تو اب محرومی ہے،

---

[1] اس میں جس واقعہ کی طرف اشارہ ہے، اس کی تفصیل معلوم نہ ہوسکی۔

قریب نبود بل زیادہ در ہر علوم دین
از تفسیر و اصول و فقہ و کلام و حدیث
مثل حجۃ اللہ البالغہ و اسرار فقہ و منصور
و ازالۃ الخفا عن خلافۃ الخفاء،
و ترجمہ قرآن کہ ہر واحد قریب بہشتاد
و نود جزکلاں بحجم خواہد بود و دیگر رسایل
در حقائق و معارف مثل لطائف القدس
و ہمعات و فیوض الحرمین و انفاس
العارفین و غیرہم کہ نشان از صحبت
و برکت خدمت سید ہندی باید کہ
عزیمت بریں آرند کہ ہر ہمہ را
نویسانیدہ رائج نمایند، باندک
توجہات سرانجام خواہد یافت،
و مثل ایں چنیں تصنیفات واللہ
اعلم در اسلام تصنیف شدہ
باشد یا نہ، چنانچہ ارباب بصیرت
عبرت یافتہ اعتراف دارند و کلام
ایشاں در ہر باب کہ نوشتہ اند

البتہ حضرت کی تصنیفات کی تعداد
نوے[۹۰] بلکہ اس سے بھی زیادہ ہے،
علوم دین یعنی تفسیر و اصول، فقہ و
کلام اور حدیث میں حجۃ اللہ البالغہ،
اسرار فقہ، منصور[۱]، ازالۃ الخفا عن
خلافۃ الخلفاء اور ترجمۂ قرآن کہ
ان میں سے ہر ایک کی ضخامت اسّی
نوے[۸۰۔۹۰] جز کی ہوگی، حقائق و معارف میں
دیگر رسالے جیسے الطاف القدس، ہمعات
فیوض الحرمین، اور انفاس العارفین
وغیرہ جو حضرت کی صحبت و برکت کی
نشاندہی کرتی ہیں، ان کے بارے میں آپ
ہمت کریں کہ ان سب کو لکھوا کر رائج
کریں، یہ کام تھوڑی سی توجہ سے انجام
پا جائے گا، اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ
تاریخ اسلام میں ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں
یا نہیں جیسا کہ ارباب بصیرت ان کا
اعتراف کرتے ہیں، حضرت نے

---

[۱] اس سے کونسی کتاب مراد ہے اس کی وضاحت نہ ہو سکی۔

اصول است "اللهم ارزقنا حلاوۃ منهم"

ویقین ایں فقیر و دیگر صاحبزادہا ویاران حضرت بلاحظہ فرط محبت سامی بجناب حضرت اینست کہ بمجرد شنیدن ایں حادثہ عظیمہ جہت فاتحہ روحانیت وزیارت مرقد مطہر راہی این صوب خواہند شد لہذا منتظر قدوم ہستم اگر زود تشریف بیارند باری بملاقات سامی مسرور الوقت شوم، واگر توقف در آمدن باشد اعلام نمایند کہ فقیر ہم عزم مراجعت وطن دارد۔

جس مضمون پر بھی لکھا ہے، وہ اصولی حیثیت رکھتا ہے۔

اس فقیر اور صاحبزادگان اور حضرت کے احباب کو (حضرت سے آپکے غایت تعلق کو دیکھتے ہوئے) یہ یقین ہے کہ آپ اس حادثۂ عظیمہ کی خبر سنتے ہی فاتحہ خوانی اور مرقد مطہر کی زیارت کے لئے دہلی کے لئے روانہ ہو جائیں گے، اسی لئے میں منتظرِ قدوم ہوں اگر جلد تشریف لائیں تو ملاقات سامی سے میں بھی خوش وقت ہو جاؤں گا اگر آنے میں دیر ہو تو اطلاع فرمائیں کہ فقیر بھی وطن واپسی کا ارادہ رکھتا ہے۔

ودیگر آنکہ میاں محمد عاشق صاحب بعد سلام فرمودہ اند کہ میر ابو سعید جیور انبو لیسند کہ ہر مکاتیب کہ حضرت ایشاں بجانب آنصاحب شرف صدور یافتہ باشند نقل آنہا البتہ بفرستند کہ داخل مکاتیب نمودہ شود

دوسری بات یہ کہ میاں محمد عاشق صاحب نے بعد سلام کے فرمایا ہے کہ میر ابو سعید کو لکھ دیجئے کہ آپ کے نام حضرتؒ کے جتنے بھی مکتوبات ہوں ان کی نقل ضرور بھیج دیں تاکہ انھیں مکاتیب کے مجموعے میں داخل کیا جائے،

از حضرت میاں اہل اللہ صاحب
حضرت میاں اہل اللہ صاحب

ودیگر یاران وصاحبزادہا سلام اسم
دوسرے احباب اور صاحبزادگان کی طرف سے نام بہ نام سلام پہنچے

باسم مطالعہ فرمایند وکیفیت ارتحال
ووصال مرحومی مغفوری غفران پناہ
بھائی محمد معین کی کیفیت

بھائی محمد معین صاحب[1] رحمۃ اللہ علیہ
ارتحال ووصال کو میں نے حضرت

رحمۃ واسعۃ بجناب عالی حضرت
سے بڑھانہ میں عرض کر دیا تھا

صاحب قبلہ در مقام بڑھانہ عرض
حضرتؒ نے ان کی روح کو

کردم فاتحہ بروحانیت خواندند
ثواب بخشا تھا، اور افسوس کا

وتاسفہا نمودند[2]۔
اظہار کیا تھا[3]۔

شاہ صاحبؒ کی وفات ۲۹ر محرم ۱۱۷۶ھ بروز شنبہ (۲۱ر اگست ۱۷۶۲ء) بوقت ظہر ہوئی، جیسا کہ مکتوب مذکور الصدر سے معلوم ہوا، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے ملفوظ میں ہے۔

کہ در بست نہم محرم وفات یافت
۲۹ر محرم کو وفات پائی، آپکی تاریخ

..... تاریخ وفات او بود امام اعظم دین
وفاتؒ او بود امام اعظم دین اور

---

[1] سید محمد معین بن سید محمد ضیاء بن آیت اللہ بن شاہ علم اللہؒ حضرت شاہ ابوسعید صاحب کے علاتی بھائی اور عمر میں بڑے تھے، ۱۱۷۶ھ کی کسی تاریخ میں انتقال ہوا، ان کا سلسلۂ اولاد خاندان میں چل رہا ہے۔

[2] مکتوب المعارف (فارسی) ص ۱۹-۲۰ (قلمی)

[3] ترجمہ از فارسی بقلم مولوی شمس تبریز خاں صاحب۔

دیگر "ہائے دل روزگار رفت"[1]
بست نہم محرم وقت ظہر[2]

"ہائے دل روزگار رفت" سے
نکلتی ہے، ۲۹ محرم وقت ظہر
وفات کا دن اور وقت تھا۔

مدفن

تدفین دلی دروازہ کے بائیں جانب اس مقام پر ہوئی، جو منہدیاں کہلاتا ہے[3]، جس جگہ یہ قبرستان واقع ہے، یہاں کبھی حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کے جد مادری شیخ عبدالعزیز شکر بار کی خانقاہ تھی، اب بھی ان کا مزار اس سے کچھ فاصلہ پر ہے، بعد میں شیخ رفیع الدین صاحب نے یہیں قیام اختیار کیا، خاندان ولی اللّٰہی کے مکانات بھی اسی جگہ تھے، شاہ ولی اللہؒ صاحب نے اس جگہ قیام ترک کر کے اندرون شاہجہان آباد قیام اختیار کیا، یہیں منہدیوں

---

[1] صحیح "ہائے ولی روزگار رفت" ہے جس سے صحیح سنہ وفات نکلتا ہے (مقالہ مولوی نورالحسن راشد کاندھلوی، برہان جولائی ۱۹۸۳ء) [2] ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ، ص۴۰ (مطبع مجتبائی میرٹھ ۱۳۱۴ھ) [3] سرسید احمد خاں "آثار الصنادید" میں لکھتے ہیں۔

"یہ ایک عمارت تھی، نیچے تو مکانات اور در سے بنے ہوئے تھے اور اوپر چاروں کونوں پر چار برجیاں تھیں، کچھ نہیں معلوم ہوتا کہ یہ عمارت کیا چیز بنی اور کب بنی تھی اور کس نے بنائی تھی، مگر عوام الناس میں یہ مشہور ہے کہ کوئی نواب تھے کہ جناب حضرت غوث الاعظمؒ کی منہدیاں بھرا کرتے ہیں یعنی کھپچیوں کی ایک برجی اونچی سی بنا کر اور کاغذ سے منڈھ کر اس کو روشن کرتے ہیں۔

ان نواب صاحب کے یہاں یہی مہندی روشن ہونے کی رسم تھی جب سے اس عمارت کا نام منہدیاں کر کے مشہور ہو گیا مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ نواب کون تھے جنھوں نے یہ مہندی بنائی تھی" (آثار الصنادید ص۵۰-۵۱ طبع لکھنؤ ۱۸۷۴ء)

کے قبرستان میں شاہ صاحبؒ کے چاروں صاحبزادگان خود شاہ صاحبؒ کے والد محترم حضرت شاہ عبدالرحیمؒ کی قبور ہیں، جن پر کتبے نصب ہیں، جن میں ان کے سنین وفات ہیں، ان حضرات کے علاوہ خاندان کے دوسرے افراد ذکور واناث کی قبریں ہیں، متصل مسجد ہے، جس کے قرب وجوار میں بہت سے علماء وصالحین، اور خاندان ولی اللّٰہی کے عقیدت مندوں کی کثیر التعداد قبریں ہیں، جن میں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔

باب پنجم

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے تجدیدی کارنامے

اصلاحِ عقائد و دعوت الی القرآن

شاہ صاحب کے دائرۂ تجدید کی وسعت اور تنوّع

شاہ صاحبؒ سے اللہ تعالیٰ نے تجدید و اصلاح امت، دین کے فہم صحیح کے احیاء، علوم نبوت کی نشر و اشاعت اور اپنے عہد و ملت کے فکر و عمل میں ایک نئی زندگی اور تازگی پیدا کرنے کا جو عظیم الشان کام لیا، اس کا دائرہ ایسا وسیع اور اس کے شعبوں میں اتنا تنوّع پایا جاتا ہے، جس کی مثال معاصر ہی نہیں، دور ماضی کے علماء و مصنفین میں بھی کم نظر آتی ہے، اس کی وجہ (توفیق اور تقدیر الٰہی کے ماسوا) اس عہد کے حالات کا تقاضا بھی ہو سکتا ہے، جو شاہ صاحب کے حصہ میں آیا، اور وہ جامعیت، علوئے ہمت اور مخصوص تعلیم و تربیت بھی جو شاہ صاحب کے خصائص میں سے ہے، اس سب کا نتیجہ تھا کہ شاہ صاحب نے علم و عمل کے اتنے میدانوں میں تجدید و اصلاحی کارنامے انجام دیا کہ ان کے سوانح نگار اور اسلام کی تاریخِ دعوت و عزیمت پر قلم اٹھانے والے کے لئے، ان کا احتواء اور ان سب کا تفصیلی و تحلیلی جائزہ لینا دشوار ہو گیا ہے، اور جو اس کا ارادہ کرے اس کی زبان بے اختیار فارسی کے اس مشہور شعر کے ساتھ

شکوہ سنج ہوجاتی ہے ؎

دامانِ نگہ تنگ و گلِ حُسنِ تو بسیار
گلچینِ بہارِ تو ز داماں گلہ دارد

ہم ان کو اگر علیٰحدہ علیٰحدہ بیان کریں تو ان کے حسب ذیل عنوانات ہوں گے۔

۱۔ اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن۔

۲۔ حدیث و سنت کی اشاعت و ترویج، اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی دعوت و سعی

۳۔ شریعت اسلامی کی مربوط و مدلّل ترجمانی اور اسرار و مقاصدِ حدیث و سنت کی نقاب کشائی۔

۴۔ اسلام میں خلافت کے منصب کی تشریح، خلافت راشدہ کے خصائص اور اس کا اثبات اور ردّ رفض۔

۵۔ سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں شاہ صاحبؒ کا مجاہدانہ و قائدانہ کردار۔

۶۔ امت کے مختلف طبقات کا احتساب اور ان کو دعوتِ اصلاح و انقلاب۔

۷۔ علمائے راسخین اور مردانِ کار کی تعلیم و تربیت جو ان کے بعد اصلاح امت اور اشاعت دین کا کام جاری رکھیں۔

ہم سب سے پہلے اصلاح عقائد و دعوت الی القرآن کے عنوان کو لیتے ہیں کہ تجدید دین و اصلاحِ امت کا کام کسی دور اور کسی ملک میں بھی شروع کیا جائے تو اس کو اوّلیت حاصل ہوگی اور اس کے بغیر احیائے دین و ملت کی جو کوشش بھی کی جائے گی وہ نقش بر آب اور عمارت بے اساس ہوگی، قرآن نے انبیاء علیہم السلام کے واقعات و مکالمات سے اور مستند تاریخ نے نائبینِ انبیاء اور علماء ربّانیین کے طرز عمل اور ترتیب کار سے اسی حقیقت کو ثابت کیا ہے،

اور قیامت تک یہ ہر اس اصلاح و تجدید کا دستور العمل رہے گا، جس کا مزاج نبویؐ اور جس کا نظام قرآنی ہوگا۔

عقائد کی اہمیت

مُصنّف یہاں پر اپنی ایک سابقہ تحریر کا اقتباس پیش کرنے پر اکتفا کرتا ہے:۔

"اس دین کا سب سے پہلا امتیاز اور نمایاں شعار عقیدہ پر زور اور اصرار، اور سب سے پہلے اس کا مسئلہ حل کر لینے کی تاکید ہے، حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر خاتم النبیین محمد صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم تک تمام انبیائے کرام ایک معیّن عقیدہ کی (جو ان کو وحی کے ذریعہ ملا تھا) دعوت دیتے، اور اس کا مطالبہ کرتے رہے، اور اس کے مقابلہ میں کسی مفاہمت یا دست برداری پر تیار نہ ہوئے، ان کے نزدیک بہتر سے بہتر اخلاقی زندگی، اور اعلیٰ سے اعلیٰ اسلامی کردار کا حامل، نیکی و صلاح، سلامت روی اور معقولیت کا زندہ پیکر اور مثالی مجسّمہ، خواہ اس سے کسی بہتر حکومت کا قیام، کسی صالح معاشرہ کا وجود، اور کس مفید انقلاب کا ظہور ہوا ہو[1]، اس وقت تک کوئی قدر و قیمت نہیں رکھتا جب تک وہ اس عقیدہ کا ماننے والا نہ ہو جس کو وہ لے کر آئے، اور جس کی دعوت ان کی زندگی کا نصب العین ہے، اور جب تک اس کی یہ ساری کوششیں اور کاوشیں صرف اس عقیدہ کی بنیاد پر نہ ہوں، یہی وہ حدِ فاصل، واضح اور روشن خط ہے جو انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کی دعوت، اور قومی رہنماؤں، سیاسی لیڈروں، انقلابیوں اور ہر اس شخص کے

---

[1] اگرچہ اس میں بڑا شبہ ہے کہ صحیح عقیدہ کی اساس کے بغیر ایسا ممکن بھی ہے۔

درمیان کھینچ دیا گیا ہے، جس کا سرچشمۂ فکر و نظر انبیاء کرام کی تعلیمات اور ان کی سیرتوں کے بجائے کوئی اور ہو۔"[1]

"حقیقت یہ ہے کہ انبیائے کرام علیہم الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ جو علوم و معارف انسانوں تک پہونچے ہیں، ان میں سب سے اعلیٰ اور ضروری و اہم علم خدا تعالےٰ کی ذات، صفات اور افعال کا علم اور اس مخصوص تعلق کا تعیّن ہے، جو خالق و مخلوق اور عبد و معبود کے درمیان ہونا چاہئے، یہ علم سب سے برتر و افضل علم ہے، اس لئے کہ اس پر انسانوں کی سعادت و فلاح دنیوی اور نجات اخروی موقوف ہے، اور یہی عقائد و اعمال اور اخلاق و تمدن کی بنیاد ہے، اسی کے ذریعہ انسان اپنی حقیقت سے واقف ہوتا، کائنات کی پہیلی بوجھتا اور زندگی کا راز معلوم کرتا ہے، اسی سے اس عالم میں اپنی حیثیت کا تعیّن کرتا، اور اس کی بنیاد پر اپنے ہم جنسوں سے اپنے تعلقات استوار کرتا ہے، اور اپنے مسلکِ زندگی کے بارے میں فیصلہ اور پورے اعتماد و بصیرت اور وضاحت کے ساتھ اپنے مقاصد کا تعیّن کرتا ہے۔"[2]

خصوصیت کے ساتھ اللہ تعالےٰ کا اس امت کے ساتھ جو خصوصی رابطہ اور تائید و نصرت، رضا و محبت، اور غلبہ و عزت کا جو مؤکّد وعدہ ہے، وہ محض عقائد صحیحہ، ایمانی صفات و خصوصیات اور خاص طور پر خالص اور بے آمیز عقیدۂ توحید کی بناء پر ہے، ارشاد ہے:۔

وَلَا تَهِنُوا وَلَا تَحْزَنُوا وَأَنْتُمُ	اور (دیکھو) بے دل نہ ہونا اور
الْأَعْلَوْنَ إِنْ كُنْتُمْ	نہ کسی طرح کا غم کرنا گر تم مومن (صادق)

---

[1] دستور حیات صـ۲۱-۲۲ کتاب میں آیات قرآنی اور انبیاء علیہم السلام کے اسوہ کی مدد سے اس کے شواہد و دلائل پیش کئے گئے ہیں، اور حدیث و سیرت کے واقعات سے اس کو مدلّل کیا گیا ہے۔ [2] ایضاً صـ۶۰

مُّؤْمِنِيْنَ ○ (آل عمران۔ ۱۳۹) ہو تو تم ہی غالب ہو گے۔

نیز کھلے لفظوں میں فرمایا گیا ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ
مِنْ قَبْلِهِمْ ۪ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ
دِيْنَهُمُ الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ
وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ
اَمْنًا ۭ يَعْبُدُوْنَنِيْ لَا يُشْرِكُوْنَ
بِيْ شَيْـــًٔا ۭ وَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذٰلِكَ
فَاُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ ○
(النور۔ ۵۵)

جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور
نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا
وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنا دیگا
جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا
تھا، اور ان کے دین کو جسے اس نے
ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائدار
کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن
بخشے گا، وہ میری عبادت کریں گے
(اور) میرے ساتھ کسی اور کو شریک
نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر کرے
تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

انبیاء کے نائبین برحق، اور علمائے ربانی جو دین اللہ کی فطرت اور اس کے مزاج سے واقف ہوتے ہیں، وہ اس کو کسی جگہ پر قائم کرنے کے لئے پہلے زمین کو پورے طور پر صاف و ہموار کرتے ہیں، وہ شرک اور جاہلیت کی جڑیں اور رگیں (خواہ وہ وثنیت قدیمہ کی یادگار ہوں یا قومی و مقامی اثرات کا نتیجہ) چُن چُن کر نکالتے اور ان کا ایک ایک بیج بِن بِن کر پھینکتے ہیں اور مٹی کو بالکل الٹ پلٹ دیتے ہیں، چاہے ان کو اس کام میں کتنی ہی دیر لگے، اور کیسی ہی زحمت اٹھانی پڑے، وہ نتیجہ کے حصول میں کبھی عجلت اور بے صبری سے کام نہیں لیتے۔

"شرک (مختلف شکلوں میں) نوع انسانی کی سب سے خطرناک اور پرانی بیماری ہے، وہ اللہ کی غیرت اور اس کے غضب کو بھڑکانے کے ماسوا، بندوں کے روحانی، اخلاقی اور تمدنی ترقی کی راہ کا سب سے بڑا روڑا ہے، وہ انسان کی قوتوں کا گلا گھونٹ دیتا ہے، ان کی صلاحیتوں کا خون کرتا ہے، قادر مطلق پر اس کے یقین، اس کی خود اعتمادی اور خود شناسی کا خاتمہ کر دیتا ہے، اور سمیع و بصیر اور صاحب قدرت و علم، صاحب جود و عطا اور مغفرت و محبت والے خدا کی محفوظ و مستحکم پناہ سے نکال کر اور اس کے لامحدود صفات، اور نہ ختم ہونے والے خزانوں کے فوائد سے محروم کر کے کمزور و عاجز، فقیر و حقیر مخلوقات کے زیر سایہ پناہ لینے پر مجبور کر دیتا ہے، جن کی جھولی میں کچھ نہیں"[1]

عقیدۂ توحید کی از سر نو تبلیغ و تشریح کی ضرورت

مصنف نے "تاریخ دعوت و عزیمت" کے حصۂ دوم میں جو شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کے ساتھ مخصوص ہے، امام ابن تیمیہؒ کے زمانہ میں مشرکانہ عقائد و رسوم کے عنوان کے ذیل میں لکھا تھا:-

"غیر مسلم و عجمی اقوام کے اختلاط، اسماعیلی و باطنی حکومت کے نفوذ و اثر، نیز جاہل و گمراہ صوفیوں کی تعلیم و عمل سے عام مسلمانوں میں مشرکانہ عقائد و رسوم کا رواج ہو چلا تھا، بہت سے مسلمان اپنے دینی پیشواؤں، مشائخ طریقت اور اولیاء و صالحین کے بارے میں اسی طرح کے غالیانہ اور مشرکانہ خیالات اور عقیدہ رکھنے لگے تھے، جو یہود و نصاریٰ حضرت عزیر و مسیح اور اپنے احبار و رہبان کے

---

[1] "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" از مصنف ص۷۲

متعلق رکھتے تھے، بزرگان دین کے مزارات پر جو کچھ ہونے لگا تھا، وہ ان سب اعمال ورسوم کی ایک کامیاب نقل تھی، جو غیر مسلموں کی عبادت گاہوں اور مقدس شخصیتوں کی قبروں پر ہوتے تھے، اہل قبور سے صاف صاف استعانت واستغاثہ کا معاملہ ہونے لگا تھا، ان سے فریاد اور ان کی دوہائی دینے، سوال اور دعا کرنے کا رواج ہوگیا تھا، ان کی قبور پر بڑی بڑی مسجدیں تعمیر کرنے اور خود قبور کو سجدہ گاہ بنانے، ان پر سال بہ سال میلہ لگانے اور دور دور سے سفر کرکے وہاں آنے کا عام دستور تھا، کھلی قبر پرستی، خدا سے بے خوفی، اور صاحبِ مزار سے خوف وخشیت، اللہ اور شعائر اللہ سے استہزاء واستخفاف، بے باکی اور شوخ چشمی، بزرگوں کے ساتھ اعتقاد الوہیت کے درجہ تک مشاہد ومزارات کا حج، اور بعض اوقات حج بیت اللہ پر اس کی ترجیح، کہیں کہیں مساجد کی ویرانی اور کس مپرسی اور مشاہد کے رونق واہتمام، اس زمانہ کی جاہلانہ زندگی کے وہ خط وخال تھے، جن کے دیکھنے کے لئے بہت دور جانے اور بہت غور سے کام لینے کی ضرورت نہ تھی!![1]

یہ مصر وشام وعراق جیسے ممالک کا حال تھا جن کو صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے مبارک ہاتھوں سے فتح کیا تھا، جو مرکز اسلام، مہبط وحی، اور مسکن رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت قریب اور مربوط تھے، جہاں کی زبان عربی تھی، جس میں قرآن مجید نازل ہوا، جہاں قرآن وحدیث کے درس کا سلسلہ ایک دن کے لئے موقوف نہیں ہوا، اور جہاں علوم حدیث اور شرح حدیث پر عظیم ترین کتابیں لکھی گئیں۔

---

[1] "تاریخ دعوت وعزیمت" حصہ دوم ص۲۰۴-۲۱۵ باختصار وترمیم۔

اس کے مقابلہ میں ہندوستان (وہ بھی بارہویں صدی کے ہندوستان) کا اندازہ لگانا کچھ مشکل نہیں ہے، جہاں اسلام ترکستان، ایران اور افغانستان کا چکر کاٹ کر اور اپنی بہت کچھ تازگی اور توانائی کھو کر ان لوگوں کے ذریعہ پہونچا جو براہ راست فیضان نبوت سے مستفیض نہیں ہوئے تھے، اور جن میں سے بہت سے اپنے نسلی اور قومی اثرات سے بالکلیہ آزاد نہیں ہوسکے تھے، پھر ہندوستان میں ہزاروں برس سے ایک ایسا مذہب، فلسفہ اور تہذیب حکمرانی کر رہے تھے، جن کے رگ و پے میں وثنیت اور شرک جاری وساری تھا، اور جو ان آخری صدیوں میں وثنیت کا سب سے بڑا نمائندہ، اور جاہلیت قدیم کا امین ومحافظ رہ گیا تھا، یہاں برہمنیت اور دوسرے مشرکانہ ماحول سے منتقل ہوکر ہندوستان کی مسلمان آبادی کا ایک بڑا حصہ آغوش اسلام میں آیا تھا، پھر یہ بھی ذہن میں تازہ رہے کہ اس ملک کا (طویل ترمدت میں) قرآن وحدیث سے براہ راست وہ رابطہ نہیں رہا تھا، جو ایران کے اثر سے علوم حکمت اور فلسفۂ یونان سے رہا، علوم دینیہ میں اگر اس کا علمی ودرسی طور پر رابطہ رہا تو فقہ، اصول فقہ وعلم کلام سے جن کا موضوع اور میدانِ بحث، مسائل وجزئیات اور اصولِ استنباط مسائل اور عقائد پر فلسفیانہ بحث سے ہے، عقائد کی اصلاح اور توحید کی ابتدائی دعوت نہیں۔

ہندوستان کے مذاہب، فلسفوں اور یہاں کے رسوم وعادات کا دسویں ہی صدی میں مسلم معاشرہ پر جو اثر پڑ چکا تھا، اس کا اندازہ حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ کے اس مکتوب سے لگایا جا سکتا ہے، جو انھوں نے اپنی ایک ارادت مند نیک خاتون کے نام لکھا ہے[1]، جس سے مراسم شرک کی تعظیم، غیر اللہ سے استمداد اور طلب حوائج کے مشرکانہ عقیدہ،

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب ۴۱/۳ بصالحہ از اہل ارادت۔

اہل کفر کے تہواروں کی تعظیم، اوران کے رسوم وعادات کی تقلید، بزرگوں کے لئے حیوانات کو نذر وذبح کرنے، پیروں اور بیبیوں کی نیت سے روزے رکھنے، اور سیتلا سے خوف اور اس کی تعظیم (جس کو چیچک کی بیماری کی ذمہ دار دیبی سمجھا جاتا تھا) تک کی ہندوانہ ذہنیت اور توہم پرستی کا اندازہ ہوتا ہے، جو مسلمانوں کے گھروں میں داخل ہوچکی تھی، اس عہد پر اور سو برس گزر جانے کے بعد، اور قرآن وحدیث سے براہ راست قوی اور عام رابطہ نہ پیدا ہونے کی وجہ سے عقائد میں جو خلل غیر اسلامی بلکہ منافی اسلام، عقائد واعمال کا جو اثر اچھے اچھے گھرانوں پر پڑا ہو، اس کا اندازہ کرنا کچھ مشکل نہیں۔

شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں غیر مسلموں کے اثرات، قرآن وحدیث سے ناواقفیت، اور دوری اور نتائج وخطرات اور عوام کی پسندیدگی اور ناپسندیدگی سے آنکھیں بند کرکے موثر کوشش کے طویل خلا نے ہندوستان میں جو صورت حال پیدا کردی تھی، اور دین حنیفی کے (جس میں شرک کی کسی پرچھائیں کی گنجائش نہ تھی) متوازی جو نظام عقائد اور مسلم معاشرہ کی زندگی کے میدان میں جاہلیت کا جو سبزۂ خودرو پیدا ہوگیا تھا، اس کا کچھ اندازہ خود شاہ صاحب کی کتابوں کے بعض اقتباسات سے ہوسکتا ہے۔

"تفہیمات" میں ایک جگہ فرماتے ہیں:-

"نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے کہ تم مسلمان بھی آخر کار اپنے سے پہلے کی امتوں کے طریقے اختیار کرلوگے، اور جہاں جہاں انھوں نے قدم رکھا ہے، وہاں تم بھی قدم رکھوگے، حتّٰی کہ وہ اگر کسی گوہ کے بِل میں گھُسے ہیں تو تم بھی ان کے پیچھے جاؤگے، صحابہؓ نے پوچھا یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم پہلی امتوں سے آپ کی مراد یہود ونصاریٰ ہیں؟

حضور صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا اور کون ؟ اس حدیث کو بخاری اور مسلم نے روایت کیا ہے۔

سچ فرمایا اللہ کے رسول صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے، ہم نے اپنی آنکھوں سے وہ ضعیف الایمان مسلمان دیکھے ہیں، جنھوں نے صلحاء کو ارباب من دون اللہ بنالیا ہے، اور یہود و نصاریٰ کی طرح اپنے اولیاء کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا رکھا ہے، ہم نے ایسے لوگ بھی دیکھے ہیں، جو کلامِ شارع میں تحریف کرتے ہیں، اور نبی کریم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف یہ قول منسوب کرتے ہیں کہ نیک لوگ اللہ کے لئے ہیں، اور گنہگار میرے لئے، یہ اسی قسم کی بات ہے جیسی یہودی کہتے تھے کہ "لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ط (البقرہ۔۸۰) (ہم دوزخ میں نہ جائیں گے اور گئے بھی تو بس چند روز کے لئے) سچ پوچھو تو آج ہر گروہ میں دین کی تحریف پھیلی ہوئی ہے، صوفیہ کو دیکھو تو ان میں ایسے اقوال زبان زد ہیں، جو کتاب و سنت سے مطابقت نہیں رکھتے، خصوصاً مسئلۂ توحید میں اور معلوم ایسا ہوتا ہے کہ شرع کی انھیں بالکل پرواہ نہیں ہے"[1]

اپنے شہرۂ آفاق رسالہ "الفوز الکبیر" میں تحریر فرماتے ہیں :-

"اگر تم کو (عہد جاہلیت کے) مشرکین کے عقائد و اعمال کے اس بیان[2] کے صحیح تسلیم کرنے میں کچھ توقف ہو، تو چاہیئے کہ اس زمانہ کے تحریف کرنے والوں کو علی الخصوص جو دار الاسلام کے نواح میں رہتے ہیں، دیکھو کہ انھوں نے

---

[1] التفہیمات الالٰہیہ جلد دوم ص ۱۳۴-۱۳۵ [2] شاہ صاحب نے اس سے پہلے مشرکین جاہلیت کے شرک کی حقیقت و نوعیت اور اس کے مظاہر کا تذکرہ کیا ہے۔

ولایت کی نسبت کیا خیال باندھ رکھا ہے، وہ لوگ باوجود یکہ اولیائے متقدمین کی ولایت کے معترف ہیں، مگر اس زمانہ میں اولیاء کے وجود کو قطعاً محال شمار کرتے ہیں، اور قبروں اور آستانوں پر پھرتے ہیں، اور طرح طرح کے شرک میں مبتلا ہیں، اور تحریف و تشبیہ نے ان کے اندر کس قدر رواج پکڑا ہے، موافق حدیث صحیح "لتتبعُنَّ سُنَنَ من کان قبلکم" (تم اپنے پیشرو لوگوں کے نقش قدم پر چلو گے) ان آفات میں سے کوئی آفت بھی نہیں رہی، جس پر آج مسلمانوں کی کوئی نہ کوئی جماعت کاربند، اور اس کے مانند دیگر امور کی معتقد نہ ہو" عافانا اللہ سبحانہ عن ذٰلک[1]"

مرض کا علاج اور اصلاحِ حال کا مؤثر طریقہ، اشاعتِ قرآن

شاہ صاحبؒ نے اس مرض بلکہ وبائے عام کے علاج کے لئے قرآن مجید کے مطالعہ و تدبّر اور اس کے فہم کو سب سے مؤثر علاج سمجھا، اور یہ بات محض ذہانت، قوتِ مطالعہ اور قیاس پر مبنی نہیں تھی، بلکہ ایک ایسی بدیہی حقیقت تھی، جس پر قرآن مجید خود شاہد، اور نہ صرف عہد بعثت کی تاریخ بلکہ اسلام کی پوری تاریخِ دعوت اور سرگزشتِ اصلاح و تجدید گواہ ہے، خاص طور پر حقیقتِ توحید، اور حقیقتِ شرک کو ظاہر کرنے کے لئے اس سے زیادہ واضح، اس سے زیادہ طاقتور، اور دل نشین ذریعہ کا تصور نہیں ہو سکتا، ترجمانِ قرآن شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے اپنے مقدمہ "موضح القرآن" میں جتنے سادہ اور دل نشین انداز میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے، اس سے زیادہ مشکل ہے، فرماتے ہیں :-

---

[1] الفوز الکبیر ص ۸-۹ مکتبہ محمدی۔

"بتلانے والے بہتیرا بتائیں جیسا خدا تعالےٰ نے قرآن شریف میں آپ بتایا ہے، ویسا کوئی نہیں بتا سکتا، اور جیسا اثر اور راہ پانا خدا کے کلام میں ہے کسی کے کلام میں نہیں"[1]

حجاز مقدّس کے قیام میں شاہ صاحبؒ کو ہندوستان کی اس دینی صورت حال اور اس کے تعلیمات قرآن، اور تعلیمات اسلام سے بُعد اور منافات کا احساس اور شدّت سے پیدا ہوا ہوگا، اور وہاں کی نورانی، روحانی اور قرآنی فضا میں جہاں سے توحید کا زمزمہ سب سے پہلے بلند ہوا، شاہ صاحب کے قلب بیدار میں اس کا داعیہ کہ وہ ہندوستان میں قرآن مجید کی دولت کو عام کریں ایسی وضاحت اور شدت سے پیدا ہوا ہوگا جس کو اس الہام اور اشارۂ غیبی سے تعبیر کر سکتے ہیں، جو نفوس زکیّہ پر ہر عہد میں کسی ضروری دینی کام کی تکمیل کے لئے وارد ہوا کرتا ہے، اور جس کی مقاومت، اور جس پر غلبہ پانا ناممکن ہو جاتا ہے، اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ شاہ صاحب نے قرآن مجید کے فارسی ترجمہ کا کام جس نے "فتح الرحمٰن" کے نام سے تکمیل پائی حجاز سے واپسی پر شروع فرمایا[2]۔

---

[1] مقدمہ "موضح القرآن" حضرت شاہ عبدالقادر رحمۃ اللہ علیہ، [2] مصنف "حیات ولی" نے ایک معاصر کے حوالہ سے ترجمۂ قرآن کے قصور میں علماء کی شورش اور مفسدوں کے شاہ صاحب پر قاتلانہ حملہ کی پُر اثر کہانی بیان کی ہے، اور اس سے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ شاہ صاحب نے اس شورش سے بچنے کے لئے حجاز کا سفر اختیار کیا، (ص ۴۱۸-۴۲۳)

لیکن کسی اور تاریخی ماخذ سے اس کی تائید نہیں ہوتی، خود "فتح الرحمٰن" کے مقدمہ میں اس کی تصریح ہے کہ شاہ صاحب نے ترجمہ کا کام ۱۰ ذی الحجہ ۱۱۵۰ھ کو شروع کیا اور ۱۱۵۱ھ میں اس کی تکمیل ہوئی، جس سے صاف طریقہ پر ثابت ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کا یہ مبارک اقدام سفر حجاز سے واپسی کے بھی چار، پانچ سال بعد کا ہے، ہمارے خاندانی ذخیرۂ کتب میں فتح الرحمٰن کا ایک قلمی نسخہ دو جلدوں میں محفوظ ہے، یہ نسخہ خود شاہ صاحب نے ہمارے خاندان کے (باقی ص ۱۴۲ پر)

اس وقت ہندوستان کیا تقریباً تمام عجمی ممالک میں جن میں ترکستان و ایران اور افغانستان ہندوستان کے قریبی ہمسایہ تھے، ——— اور انھیں کے رجحانات، مشاغل، ذوق اور تسلیم شدہ حقائق کا سایہ ہندوستان کی علمی و دینی حلقوں پر پڑتا تھا، یہ تسلیم کر لیا گیا تھا کہ قرآن مجید اخص الخواص طبقہ کے مطالعہ، غور و فکر اور فہم و تفہیم کی کتاب ہے، جس کا سمجھنا ایک درجن سے زیادہ علوم پر موقوف ہے، اس کو عوام میں لانا، عوام کو براہ راست اس کے مطالب سے واقفیت پیدا کرنے اور اس سے ہدایت اور روشنی حاصل کرنے کی دعوت دینا سخت خطرناک، ایک بڑی گمراہی اور فتنہ کا دروازہ کھولنے کے مرادف ہے، اور عوام میں ذہنی انتشار، خود رائی، اور علماء سے بے نیازی، بلکہ بغاوت اور سرکشی کی دعوت دینا ہے، اس طرز خیال اور دلیل کو ایک مختصر رسالہ "تحفۃ الموحدین"[1] میں بڑی خوبی سے بیان کیا گیا ہے:-

"بعض لوگ کہہ بیٹھتے ہیں کہ قرآن مجید اور حدیث کو وہی شخص سمجھ سکتا ہے، جو بہت سے

(باقی صفحہ ۱۴۱ کا) ایک متوسل میاں محمد اعظم عثمانی نصیر آبادی کو جو شاہ صاحب سے ارادت کا تعلق رکھتے تھے، ہدیہ فرمایا، میاں محمد اعظم حضرت سید محمد نعمان (عم حقیقی حضرت سید احمد شہیدؒ) کے پروردہ اور تربیت یافتہ تھے، یہ نسخہ مولانا سید قطب الہدیٰ محدث شاگرد حضرت شاہ عبد العزیزؒ کی ملکیت میں آیا، اور منتقل ہوتے ہوئے، والد ماجد مولانا حکیم سید عبد الحیؒ کے پاس پہونچا، اس نسخہ کی کتابت ۱۱۶۵ھ میں مکمل ہوئی، یعنی شاہ صاحب کی وفات سے گیارہ سال پہلے، یہ بھی اس بات کا ثبوت ہے کہ فتح الرحمٰن کی تکمیل سفر حجاز سے واپسی کے بعد کا کارنامہ ہے، سفر حجاز سے پیشتر صرف سورۂ بقر و نساء کا ترجمہ ہوا تھا۔

[1] یہ رسالہ شاہ صاحبؒ کے نام اور نسبت کے ساتھ شائع ہوا ہے، لیکن چونکہ شاہ صاحب کی تصنیفات و رسائل کے قدیم تذکروں اور فہرست تالیفات میں عام طور پر اس کا نام نہیں آتا، اس لئے ہم جزم و وثوق سے نہیں کہہ سکتے کہ وہ شاہ صاحب کے قلم سے ہے البتہ جو مضمون نقل کیا جا رہا ہے وہ اس طرز خیال کی صحیح ترجمانی ہے جو عام طور پر پھیلا ہوا تھا، اور اس میں اس کا جواب شافی بھی موجود ہے۔

علم اور بے شمار کتابیں پڑھا ہوا ہو، اور اپنے زمانہ کا علّامہ ہو، ان کے جواب میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے "هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝" (الجمعہ۔۲) (خدا تعالےٰ وہ ہے جس نے اَن پڑھوں میں پیغمبر بھیجا انھیں اَن پڑھوں میں سے، پڑھتا ہے وہ پیغمبر ان اَن پڑھوں پر خدا کی آیتیں، اور ان کو گناہ کے میل سے پاک کرتا، اور کتاب اور اس کی تدبیر سکھاتا ہے) یعنی رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اَن پڑھ اور آپؐ کے اصحاب بزرگوار بھی اَن پڑھ تھے، مگر جب رسول خدا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب کے سامنے قرآن کی آیتیں پڑھیں، تو وہ ان کو سُن کر ہر قسم کی بُرائی اور بگاڑ سے پاک صاف ہو گئے، پس اگر ناخواندہ آدمی قرآن وحدیث نہیں سمجھ سکتا، اور اس کی سمجھ کی استعداد نہیں رکھتا تو صحابہؓ بُرائی اور عیبوں سے کیونکر پاک صاف ہو گئے؟ اس قوم پر سخت افسوس ہے، جو "صدرہ" سمجھنے اور "قاموس" جاننے کا تو دعویٰ کرتے ہیں، مگر قرآن وحدیث کو سمجھنے میں اپنے آپ کو محض نادان ظاہر کرتے ہیں، اور بعضے یوں کہتے ہیں کہ ہم پچھلے لوگ ہیں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانہ کی برکت اور صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کے دل کی سلامت کہاں سے لائیں، جو قرآن وحدیث کے معنی بخوبی سمجھ سکیں، ان کے جواب میں حق تعالےٰ فرماتا ہے، "وَّاٰخَرِیْنَ مِنْهُمْ لَمَّا یَلْحَقُوْا بِهِمْ ؕ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَكِیْمُ ۝" (الجمعہ۔۳) یعنی پچھلے لوگ خواہ پڑھے ہوئے ہوں، یا اَن پڑھ مگر جبکہ وہ مسلمان ہوں، اور اصحاب کے طریقہ کی پیروی کا ارادہ کریں، اور قرآن وحدیث کو سنیں تو انھیں بھی پاک کرنے کے لئے یہی قرآن وحدیث کافی ہو سکتی ہیں، اور فرماتا ہے "وَلَقَدْ یَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ

لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِن مُّدَّكِرٍ" (القمر-۲۲) (اور البتہ ہم نے قرآن کو نصیحت کے واسطے آسان کر دیا پس کیا کوئی نصیحت لینے والا ہے") ؟ یہ کیونکر آسانی ہو سکتی ہے کہ "کافیہ" پڑھنے والے اور "شافیہ" جاننے والے تو اس کے معنی سمجھنے سے عجز ظاہر کرتے، اور عرب کے جنگلی لوگ اس کی حقیقت سے بہرہ ور ہوتے ہیں، اس کے علاوہ ایک جگہ یوں فرمایا ہے، "أَفَلَا يَتَدَبَّرُونَ الْقُرْآنَ" (محمد-۲۴) کہ (قرآن میں کیوں نہیں فکر کرتے) پس اگر قرآن مجید آسان نہ ہو تو اس میں فکر کیونکر کیا جائے "أَمْ عَلَىٰ قُلُوبٍ أَقْفَالُهَا" (محمد-۲۴) (یا ان کے دلوں پر قفل لگے ہوئے ہیں) یعنی باوجودیکہ دلوں پر قفل نہیں لگے ہوئے ہیں، پھر بھی کیسی گمراہی ہے قرآن کے فکر میں زور نہیں لگاتے"[1]

لیکن بقول شاعر ؎

نوا را تلخ تر می زن چوں ذوقِ نغمہ کمیابی
حُدی را تیز تر می خواں چوں محمل را گراں بینی

شاہ صاحب نے اس بدمذاقی، بے توفیقی اور غلط اندیشی کو دیکھ کر جس کے حق میں "وَيَبْغُونَهَا عِوَجًا" (الاعراف-۱۴۵) سے مل جاتے تھے، فیصلہ کیا کہ قرآن مجید کا اس سلیس فارسی زبان میں ضرور ترجمہ کرنا چاہئے، جو ہندوستان میں قیامِ حکومت اسلامیہ کے بعد سے ملک کی دفتری، علمی، تصنیفی، اور خط و کتابت کی زبان تھی، اور تقریباً ہر پڑھا لکھا مسلمان اگر اس میں بول لکھ نہیں سکتا تھا، تو اس کو سمجھتا ضرور تھا، ہندوستان میں فارسی زبان کی اس طویل عملداری میں جس کی مدت سات صدیوں سے کم نہ تھی، قرآن مجید کے فارسی میں ایک درجن بھی

---

[1] تحفۃ الموحدین ص-۵-۶-۷ مطبوعہ المکتبۃ السلفیۃ، شیش محل روڈ۔ لاہور۔

ترجمے ہوتے تو تعجب کی بات نہ تھی، لیکن حسن بن محمد علقمی المشتہر بنظام نیشاپوری ثم دولت آبادی کے ترجمہ سے پہلے جو آٹھویں صدی ہجری کے علماء میں تھے، کسی فارسی ترجمہ کا سُراغ نہیں لگتا نیشاپوری کا یہ فارسی ترجمہ ان کی عربی تفسیر "غرائب القرآن" میں شامل ہے[1]۔

ہندوستان میں شیخ سعدیؒ کے ترجمہ کے نام سے ایک ترجمہ مشہور تھا، اور اگرچہ وہ بھی شیخ کی مقبول: "تصنیفات "گلستان" اور "بوستان" کی طرح رائج اور متداول نہیں تھا لیکن پھر بھی کہیں کہیں پایا جاتا تھا، مگر اس کا انتساب شیخ سعدیؒ کی طرف صحیح نہیں ہے، تحقیقی بات یہ ہے کہ وہ علامہ سید شریف علی الجرجانی (م ۸۱۶ھ) کا کیا ہوا ہے، تفسیر حقانی کے مؤلف مولانا عبدالحق حقانی کا چشم دید بیان ہے کہ:-

> "جس کو آج کل جُہلاء سعدیؒ کا ترجمہ کہتے ہیں، وہ دراصل سید شریف کا ترجمہ ہے، صاحبِ مطبع نے میرے سامنے رواج دینے کے لئے سعدیؒ کی طرف منسوب کر دیا ہے[2]"۔

الغرض شاہ صاحب نے سفر حجاز سے واپسی کے پانچ سال بعد (غالباً اصلاح عقائد کی ان کوششوں کا نتیجہ دیکھنے کے بعد جو خصوصی درس و تدریس اور وعظ و ارشاد کے ذریعہ ہو رہی تھیں) یہ فیصلہ کیا کہ ہدایتِ عام، اصلاحِ عقائد اور اللہ تعالیٰ سے طاقتور رابطہ پیدا کرنے کا کوئی ذریعہ قرآن مجید کی ہدایت و تعلیمات کی براہ راست اشاعت و تبلیغ سے زیادہ مؤثر نہیں ہو سکتا، اور اس کا ایک ہی طریقہ ہے، اور وہ قرآن مجید کا فارسی ترجمہ اور اس کی اشاعت، خود شاہ صاحب کی زبان سے اس کے محرکات و اسباب

---

[1] "جائزہ تراجم قرآنی" شائع کردہ مجلس معارف القرآن، دارالعلوم دیوبند، ص ۱۳-۱۴

[2] البیان فی علوم القرآن مقدمہ تفسیر حقانی از مولانا عبدالحق صاحب حقانی ص ۵۰۷

اور اس اقدام کی تاریخ سنئے "تفسیر فتح الرحمٰن" کے مقدمہ میں فرماتے ہیں :-

"یہ زمانہ جس میں کہ ہم لوگ موجود ہیں، اور یہ ملک جس کے ہم باشندہ ہیں اس میں مسلمانوں کی خیر خواہی تقاضا کرتی ہے کہ (ترجمۂ قرآن سلیس اور بامحاورہ فارسی میں بغیر اظہار فضیلت اور عبارت آرائی کے اور متعلق قصوں اور توجیہات کے ذکر کئے ہوئے بغیر) کیا جاوے، تاکہ عوام و خواص یکساں طور پر سمجھ سکیں، اور چھوٹے بڑے سبھی معانئ قرآن کا ادراک کر سکیں، اس لئے اس اہم کام کا داعیہ فقیر کے دل میں ڈالا گیا، اور اس کے لئے مجبور کیا گیا۔

پہلے ترجموں پر غور کیا گیا تاکہ جس ترجمہ کو معیار کے مطابق پایا جائے اس کی ترویج کی جائے، اور یہ ترجمہ حتی الامکان اہل زمانہ کے ذوق کے مناسب ہو، مگر ان ترجموں میں یا تو بے کیف طوالت ہے یا خلل انداز تقصیر و اجمال ہے،

اس عرصہ میں زہراوین (سورہ بقر و نساء) کا ترجمہ ہو گیا، اس کے بعد سفر حرمین کا اتفاق ہو گیا، اور وہ سلسلہ ختم ہو گیا، کئی سال بعد ایک عزیز ترجمۂ قرآن پڑھنے لگے، اور یہ کام اس گزشتہ عزم کا محرّک بن گیا، اور یہ فیصلہ ہوا کہ سبق کے بقدر ترجمہ لکھ لیا جائے، جب ثلث قرآن مجید تک ترجمہ ہو گیا، تو ان عزیز کو سفر پیش آگیا اور ترجمہ پھر موقوف ہو گیا، ایک مدت کے بعد پھر ایک تقریب پیدا ہوئی اور وہ پرانا خیال تازہ ہوا اور دو ثلث تک ترجمہ ہو گیا۔

بعض دوستوں کو مسودہ صاف کرنے کے لئے کہا گیا اور یہ کہ اس کے ساتھ متن قرآن بھی لکھ دیں تاکہ مستقل نسخہ تیار ہو جائے، ان سعادت مند دوست نے عید الاضحیٰ ۱۱۵۰ھ سے تبییض شروع کی اس کے بعد پھر اس عزم کو تحریک ہوئی،

اور اخیر تک ترجمہ مکمل ہوگیا، اور اوائل شعبان میں تسوید ختم ہوئی، اور ۱۱۵۱ھ میں مسودہ صاف ہوگیا، اور ۱۱۵۶ھ میں برادر دینی عزیز القدر خواجہ محمد امین اکرمہ اللہ تعالیٰ بشہودہ کے اہتمام سے اس کتاب کی ترویج ہوئی اور اس کا درس شروع ہوا، اور اس کے متعدد نسخے تیار ہوگئے، اور معاصرین اس طرف متوجہ ہوئے ۵

للہ الحمد کہ آں نقش کہ خاطر می بست
آمد آخر زپس پردۂ تقدیر پدید[1]

شاہ صاحب نے ترجمہ اور تفسیر فتح الرحمٰن کے علاوہ اصول ترجمہ پر ایک مقدمہ بھی لکھا ہے، جو مختصر ہونے کے باوجود بڑا بصیرت افروز اور عالمانہ ہے، ابتدا میں لکھتے ہیں:۔

"یقول الفقیر الی رحمۃ اللہ الکریم ولی اللہ بن عبد الرحیم
ایں رسالہ ایست در قواعد ترجمہ مسماۃ بالمقدمۃ فی قوانین الترجمۃ
کہ در وقت تسوید ترجمۂ قرآن قلم بہ ضبط آں جاری شد"[2]

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترجمہ اور قرآن مجید کی تبلیغ عام کے راستہ میں جو چٹان حائل ہوگئی تھی، شاہ صاحب جیسی عظیم المرتبت ہستی کے (جس کے علمی تبحّر، جامعیت، باطنی مرتبے اور اخلاص پر تقریباً اس عہد کے صحیح الخیال اور صاحبِ علم طبقہ کا اتفاق تھا) اقدام سے یہ چٹان ہٹ گئی، اور راستہ صاف ہوگیا، اسلام کی تاریخ میں مسلسل ایسا ہوتا رہا ہے کہ کسی مسلّم الثبوت اور بلند شخصیت کے کسی کام کے آغاز کر دینے سے غلط فہمیوں اور

---

[1] دیباچہ فتح الرحمٰن مطبوعہ دہلی ۱۲۹۴ھ۔ [2] مخطوطہ محفوظہ کتب خانہ ندوۃ العلماء مشتمل بر شش صفحات تقطیع کلاں۔

بدگمانیوں کا بادل چھنٹ گیا ہے، اور شاہ راہ عام کھل گئی ہے، امام ابوالحسن اشعری کا متکلمانہ مباحث میں حصہ لینا اور عقلی استدلال سے کام لینا، حجۃ الاسلام امام غزالیؒ کا فلسفہ کا مطالعہ اور اس کی تنقیح و تردید، اور ایسے بہت سے اقدامات جو اپنے عہد کی ضرورت کے مطابق اسلام کی حفاظت یا مدافعت میں کئے گئے، اس کی روشن مثالیں ہیں۔

شاہ صاحب کے بعد کے اردو تراجم

شاہ صاحب کے فارسی ترجمہ کے بعد بہت جلد اردو میں ترجمۂ قرآن کی ضرورت محسوس ہوئی کہ بارہویں صدی کے آخری ہی حصہ میں اردو نے فارسی کی جگہ لینی شروع کر دی تھی، اور اردو میں تحریر و تصنیف کا کام شروع ہو گیا تھا[1]، اس ضرورت اور انقلاب حال کو سب سے پہلے خود شاہ صاحب کے فرزند ارجمند حضرت شاہ عبدالقادر صاحبؒ دہلوی (م ۱۲۳۰ھ) نے محسوس کیا، اور ۱۲۰۵-۱۲۰۴ھ میں گویا شاہ صاحب کے ترجمہ کے پچاس برس بعد انھوں نے بامحاورہ اردو میں اس کا ایسا ترجمہ کیا جس کے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن مجید کا کسی غیر عربی زبان میں ایسا کامیاب اور شگفتہ ترجمہ جس میں زیادہ سے زیادہ قرآنی الفاظ کی روح آئی ہو ابھی تک علم میں نہیں، شاہ صاحبؒ اپنے ترجمہ کی تمہید میں لکھتے ہیں:-

"اس بندۂ عاجز عبدالقادر کے خیال میں آیا کہ جس طرح ہمارے باباصاحب بہت بڑے حضرت شاہ ولی اللہ عبدالرحیم کے بیٹے سب حدیثیں جاننے والے ہندوستان کے رہنے والے نے ہماری زبان میں قرآن کے معنی آسان کر کے لکھے، الحمد للہ کہ

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ نثر اردو از مولوی احسن مارہروی صاحب صفحہ ۷۷-۷۴

یہ آرزو ۱۲۰۵ھ/۱۷۹۰ء میں حاصل ہوئی[۱]"

شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے بعد انھیں کے برادر بزرگ شاہ رفیع الدین (م ۱۲۳۳ھ) نے قرآن مجید کا تحت اللفظ ترجمہ کیا، جو اپنی احتیاطوں اور مصنف کے علمی تبحّر و اخلاص کی وجہ سے بہت مقبول ہوا، اور بعض حلقوں میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ کا بامحاورہ ترجمہ اور بعض حلقوں میں شاہ رفیع الدین صاحبؒ کا تحت اللفظ ترجمہ رائج اور قابل ترجیح قرار پایا۔

یہ دونوں ترجمے مسلمانوں کے گھروں میں ایسے عام ہوئے اور قرآن مجید کی تلاوت کے ساتھ اس کے پڑھنے کا ایسا رواج ہوا جس کی مثال کسی دوسری دینی کتاب کے بارے میں نہیں مل سکتی، جہاں تک اصلاح عقائد اور عقیدۂ توحید کی اشاعت کا تعلق ہے، ان دونوں ترجموں سے فائدہ اٹھانے والوں کی کوئی تعداد نہیں بیان کی جا سکتی کہ وہ لاکھوں سے متجاوز ہوگی، حقیقت میں کوئی اسلامی حکومت بھی اپنے وسائل کے ساتھ دعوت و اصلاح کا اتنا بڑا کام انجام نہیں دے سکتی تھی جو ان تین ترجموں نے انجام دیا، جو ایک ہی شجرۂ طوبیٰ کی شاخیں ہیں" وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ"۔

اس کے بعد اردو ترجموں کا ایک سیلاب رواں ہوگیا جس کی تعداد کا استقصاء ایک دشوار کام اور مستقل تحقیقی بحثوں کا طالب ہے[۲]۔

---

[۱] موضح القرآن جلد اول ص۲

[۲] اس وقت ہمارے سامنے "جائزۂ تراجم قرآنی" کے نام کی کتاب ہے، اس میں شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے ترجموں کے بعد کے جن ترجموں کا جائزہ لیا گیا اور مختصر تعارف کرایا گیا ہے، ان کی تعداد پچپن ۵۵ ہے۔

درس قرآن

قرآن مجید کے ان اردو تراجم کے علاوہ جو اسی خاندان والا شان کے دو برگزیدہ افراد حضرت شاہ عبدالقادر دہلویؒ اور حضرت شاہ رفیع الدین دہلویؒ نے کئے، اور ہندوستان میں جہاں جہاں اردو بولی جاتی تھی گھر گھر پڑھے جانے لگے، قرآن مجید کے ذریعہ تطہیر عقائد اور اصلاحِ اعمال واخلاق کی سب سے طویل، سنجیدہ وعمیق اور مؤثر ودقیع کوشش خاندانِ ولی اللّٰہی کے سب سے بڑے فرد اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے کاموں کی تکمیل وتوسیع کی سعادت حاصل کرنے والے بزرگ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ (م ۱۲۳۹ھ) کے ذریعہ انجام پائی، جنھوں نے تقریباً ۶۲-۶۳ سال تک دہلی جیسے مرکزی شہر اور تیرھویں صدی ہجری جیسے اہم زمانہ میں درس قرآن کا سلسلہ جاری رکھا، اس کو خواص وعوام میں جو مقبولیت حاصل ہوئی، اور اس سے اصلاحِ عقائد کا جو عظیم الشان کام انجام پایا ہمارے علم میں اس کی کوئی مثال نہیں ملتی۔

"الفوز الکبیر"

دعوت الی القرآن اور خواص واہل علم کے حلقہ میں تدبر قرآن کی صلاحیت پیدا کرنے اور اس کے ذریعہ سے امت کی اصلاح کا جذبہ بیدار کرنے کے سلسلہ میں شاہ صاحب کی ایک تجدیدی وانقلابی خدمت اور کارنامہ "الفوز الکبیر" کی تصنیف ہے، جو اپنے موضوع پر (ہمارے علم میں پورے اسلامی کتب خانہ میں) منفرد کتاب ہے۔

اصول تفسیر پر کوئی چیز عام طور پر نہیں ملتی صرف چند اصول وقواعد تفاسیر کے

مقدمہ میں یا اپنا طرزِ تصنیف بیان کرنے کے لئے بعض مصنفین چند سطروں میں لکھ دیتے ہیں، شاہ صاحب کی کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" بھی اگرچہ مختصر ہے لیکن پوری کتاب سراسر نکات و کلّیات ہے اور درحقیقت ایک جلیل القدر عالم کی جس کو فہم قرآن کے مشکلات کا علمی تجربہ ہے ایک قیمتی اور نادر بیاض ہے۔

اس کی قدر وہی لوگ جان سکتے ہیں، جن کو ان مشکلات سے واسطہ پڑا ہو بعض بعض اصول جو شاہ صاحب نے اپنے ذوق و وجدان اور فہم قرآن کی بنا پر لکھ دیئے ہیں، دوسری کتابوں کے سیکڑوں صفحات کے مطالعہ سے نہیں حاصل ہو سکتے، اسی رسالہ کے مقدمہ میں شاہ صاحب کا یہ فرمانا حرف بحرف صحیح ہے کہ:۔

میگوید فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم	فقیر ولی اللہ بن عبد الرحیم (اللہ ان کے ساتھ
عاملہما اللہ تعالیٰ بلطفہ العظیم چوں	اپنے لطف عظیم کا معاملہ فرمائے) کہتا ہے کہ
بریں فقیر درے از فہم کتاب اللہ	جب اللہ نے اس فقیر پر کتاب اللہ کے
کشادند خواست کہ بعضے نکات	فہم کا دروازہ کھولا تو اس کی خواہش
نافعہ کہ در تدبّر کلام اللہ یاراں را	ہوئی کہ بعض مفید نکات (جن سے
بکار آید در رسالہ مختصرے مضبوط	لوگوں کو تدبّرِ قرآن میں مدد ملے گی)
نماید امید واری از عنایت حضرت	ایک مختصر رسالے میں لکھ دیئے جائیں
باری آں است کہ طالب علماں را	عنایت خداوندی سے امید ہے کہ
بہ مجرد فہم ایں قواعد راہے واسع	طالب علموں کے لئے ان قواعد کے
در فہم معانی کتاب اللہ کشادہ گردد کہ	فہم کے بعد فہم مطالب قرآن کی
اگر عمرے در مطالعہ تفاسیر بگزرانید	ایسی کشادہ راہ مل جائے گی کہ اگر

آنہا بر مفسران علیٰ انہم اقل قلیل فی ھذا الزمان بسر برند بآن ضبط وربط بدست نیارند۔[1]	مطالعۂ تفاسیر اور مفسرین (جن کی تعداد آجکل بہت ہی کم ہے) سے رجوع کرنے میں ایک عمر بھی گزاریں گے تب بھی فہم قرآن سے ایسا ربط وضبط نہ پیدا کر سکیں گے۔

قرآن کے مضامین و مقاصد، اس کے طرز و اسلوب کی خصوصیت اور انسانی تالیفات خصوصاً متاخرین کی کتب درسیہ سے اس کے اختلاف و امتیاز اور شانِ نزول کے متعلق چند لفظوں میں جو کچھ لکھا ہے، آج اس میں ممکن ہے کوئی ندرت نہ معلوم ہو، لیکن بارہویں صدی میں یہ قطعاً نئے خیالات تھے، اور آج بھی کتنے حلقوں میں یہ خیالات نامانوس ہیں، شانِ نزول کی روایتوں کی کثرت اور ان کی اہمیت پر زیادہ زور دینے سے (جو قرون متاخرہ کا شعار بن گیا تھا) قرآن کریم کے مضامین و قصص اور مواعظ و عبر سے ہر زمانہ میں جو فائدہ اٹھایا جانا چاہئے اور اپنے اپنے زمانہ اور حالات پر ان کا جس طرح انطباق ہونا چاہئے، اس میں بڑا فرق ہو گیا تھا، شاہ صاحب کی اس تحقیق و تنقیح سے وہ پردہ ہٹ جاتا ہے اور قرآن مجید کا جمالِ جہاں آرا سامنے آجاتا ہے، "الفوز الکبیر" کے باب اول میں شاہ صاحب لکھتے ہیں:۔

"عام مفسرین نے ہر ایک آیت کو خواہ مباحثہ کی ہو یا احکام کی ایک قصے کے ساتھ ربط دیا ہے، اور اس قصے کو اس آیت کے لئے سببِ نزول مانا ہے لیکن حق یہ ہے کہ نزول قرآنی سے مقصودِ اصلی نفوس بشریہ کی تہذیب اور ان کے باطل عقائد اور فاسد اعمال کی تردید ہے، اس لئے آیات مناظرہ کے نزول کے لئے متکلمین میں

---

[1] الفوز الکبیر

عقائد باطلہ کا وجود اور آیات احکام کے لئے ان میں اعمال فاسدہ اور مظالم کا شیوع، اور آیات تذکیر کے نزول کے لئے ان کا بغیر ذکر آلاء اللہ وایام اللہ اور موت وواقعات بعد الموت کے بیدار نہ ہونا، اصلی سبب ہوا، خاص واقعات کو جن کے بیان کرنے کی عام مفسرین نے زحمت اٹھائی ہے، اسباب نزول میں چنداں دخل نہیں ہے، مگر سوائے چند آیات کے جن میں کسی ایسے واقعہ کی جانب اشارہ ہے، جو رسول اللہ ؐ کے زمانے میں یا اس سے پیشتر واقع ہوا ہو۔[1]

قرآن مجید نے جن فرقوں کی تردید کی ہے، ان کے اصلی اور صحیح خیالات وعقائد اور کمزوریوں کا بیان ان کی گمراہیوں اور غلط فہمیوں کے حقیقی اسباب اور ان کی تاریخ، نفاق کی تشریح اور مسلمانوں کی بعض جماعتوں پر ان کی تطبیق، فہم قرآن کی اساس ہے، جو اختصار کے باوجود اس وضاحت کے ساتھ کسی بڑی سے بڑی تفسیر میں نہیں ملے گی۔

نسخ میں متقدمین ومتاخرین کے اصطلاحی فرق کی توضیح اور منسوخ وناسخ آیات میں تطبیق، صحابہ وتابعین کے تفسیری اختلافات کا حل شاہ صاحبؒ کی عمدہ تحقیقات میں سے ہے۔

نحو کے مشہور اور ظاہری قواعد کی بعض آیات سے بظاہر عدم مطابقت کی جو توجیہ شاہ صاحب نے کی ہے، اس کی قدر وہ لوگ کر سکتے ہیں، جو نحو کی تدوین کی تاریخ سے واقف اور بصرہ وکوفہ کے دبستان کے اختلافات پر نظر رکھتے ہیں، رسالہ کا بڑا امتیاز یہ ہے کہ اس کو پڑھ کر ادیان سابقہ، فرق ضالہ اور اقوام وملل کی پرانی بیماریوں اور کمزوریوں کی نشاندہی ہوتی ہے اور اس کی توفیق ملتی ہے کہ قرآن کے آئینہ میں مسلمانوں کی نسلیں اور اپنے اپنے عہد کا مسلم معاشرہ اور طبقات امت اپنا چہرہ دیکھیں اور اس کی فکر کریں کہ مذاہب وفرق کی سابقہ بیماریاں اور کمزوریاں دبے پاؤں ان میں تو

---

[1] الفوز الکبیر باب اول ص۳-۴

داخل نہیں ہوگئی ہیں :-

لَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكُمْ كِتٰبًا فِيْهِ ذِكْرُكُمْ ۭ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝ (سورۂ انبیاء - ۱۰)

ہم نے تمہاری طرف ایسی کتاب نازل کی ہے جس میں تمہارا تذکرہ ہے کیا تم نہیں سمجھتے۔

مسئلہ توحید کی علمی تنقیح و تحقیق

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اصلاح عقائد اور توحید خالص کی دعوت کے سلسلہ میں قرآن مجید کے ترجمہ اور درس قرآن ہی پر اکتفا نہیں کیا، بلکہ ایک عالم و محقق کے انداز سے اس کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا، عقیدۂ توحید ملت ابراہیمیؑ کا سب سے بڑا شعار اور حضرت ابراہیمؑ کی دعوت اور جد و جہد کا سب سے بڑا مقصد خاتم الرسل صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کی بنیاد اور ابتدا اور انتہا تھی، سارا قرآن اور احادیث کا دفتر اور سیرت نبویؐ اس پر شاہد ہے، آپ نے توحید و شرک کے درمیان ایسا خطِ امتیاز کھینچا، توحد کی حقیقت کو اس طرح عیاں کیا، شرک کے ادنیٰ سے ادنیٰ شائبہ اور اس کی ہلکی سے ہلکی پرچھائیں کے خلاف ایسا جہاد کیا، امت کے عقائد میں شرک کے داخل ہو جانے اور عقائد میں فتور واقع ہونے کے ذرائع کا ایسا سدِ باب کیا جس سے زیادہ کا تصور ممکن نہیں[1]، یہ سب حقائق ایسے متواتر اور بدیہی ہیں، جن کے لئے دلائل اور مثالوں کی ضرورت نہیں، جس کی قرآن و حدیث پر ذرا بھی نظر ہے،

---

[1] قبور کی تشئید، ان پر اجتماعات اور اعیاد کے اہتمام، سجدۂ تعظیمی، حلف بغیر اللہ کی ممانعت کے احکام، ایک بدو کے اِنْ شَاءَ اللّٰهُ وَشِئْتَ (اگر اللہ چاہے اور آپ چاہیں) کہنے پر سخت ناگواری اور یہ فرمانا کہ "تو نے مجھے خدا کا سر بنا دیا؟ نہیں تنہا جو اللہ چاہے" اور ایسی ہی بیسیوں مثالیں اس بات کی شاہد ہیں۔

وہ اس کا قائل ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

پھر اس امت میں قرونِ مشہود لہا بالخیر کے گزرنے، نئے نئے ملکوں کے فتح ہونے، وہاں کی آبادی کے قبول اسلام، غیر مسلم اقوام کی مخالطت و مجاورت، اور مرورِ زمانہ کے اثر سے عوام کے ایک بڑے طبقہ میں یہ مشرکانہ عقائد و اعمال کہاں سے داخل ہو گئے، اور ان کو توحید کے بہت سے شعائر و علامات کے ساتھ مسلم معاشرہ میں اپنی جگہ بنا لینے کا کیسے موقعہ مل گیا اور بہت سے مدّعیان علم کو ان کی تاویل اور توجیہ کی اور ان کو گوارہ کرنے اور جائز قرار دینے کی جرءت کیسے ہوئی، اور بہت سے پڑھے لکھے مسلمان کیسے اس مغالطہ کے شکار ہو گئے۔؟

شاہ صاحبؒ کے نزدیک اس کی وجہ توحید کی حقیقت، اور مشرکین جاہلیت اور اہل عرب کے خدا کے خالق کائنات اور مدبّر امورِ عظام ہونے کے بارے میں عقیدہ کو صحیح طور پر نہ سمجھنا ہے، عوام کے ایک بڑے طبقہ نے شرک کی حقیقت یہ سمجھی کہ کسی ہستی کو (خواہ وہ زندہ ہو یا فوت شدہ) خدا کا بالکل ہمسر اور ہم پایہ بنا لیا جائے، خدا کی تمام صفات اور افعال اس کی طرف منسوب کئے جائیں، اسی کو خالق، رازق، اور مُحیی و مُمیت (زندہ کرنے والا اور مارنے والا) حقیقتاً و اصالتاً سمجھ لیا جائے، باقی اللہ تعالےٰ کی بعض صفات کا اس کے کسی مقبول بندہ کی طرف منسوب کرنا اور بعض افعال کا (جو خدا کے ساتھ مخصوص ہیں) ان سے صدور ماننا، قدرت کے بعض کارخانوں کا ان سے متعلق ہو جانا، اور اللہ کا اپنی مرضی سے اپنے بعض اختیارات ان کے سپرد کر دینا، یہ توحید کے منافی اور شرک کے مرادف نہیں، اسی طرح کسی کی محض تقرّب الی اللہ، اور شفاعت عند اللہ کے لئے ایسی حد سے بڑھی ہوئی تعظیم کرنا اور ان کے ساتھ ایسے اعمال و حرکات سے پیش آنا جو عبادت کے حدود میں داخل ہیں، داخل شرک نہیں کہ یہ محض رضائے خداوندی کے حصول کا ایک ذریعہ اور اس بارگاہ بے چون و بے چگون تک

پہونچنے کا (جس کے یہاں معمولی بشر کی رسائی نہیں) ایک مفید اور مؤثر طریقہ ہے، کفار عرب کہتے تھے :-

مَانَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَآ اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى ۔ (الزمر-۳)

(وہ کہتے ہیں کہ) ہم ان کو اس لئے پوجتے ہیں کہ ہم کو خدا کا مقرب بنادیں۔

یہ وہ مغالطہ اور التباس تھا، جس کی وجہ سے اس امت کے بھی کثیر التعداد افراد شرک کی ارض ممنوعہ میں جا پڑے تھے، اور اس سرحدی لکیر کو پار کر گئے تھے، جو توحید و شرک کی حد فاصل (LINE OF DEMARCATION) ہے، اس لئے سب سے پہلی اور اہم ضرورت یہ تھی کہ معلوم کیا جائے کہ اہل جاہلیت اور مشرکین عرب کا عقیدہ اللہ تعالیٰ کے بارے میں کیا تھا، وہ اس کی ذات و صفات کے بارے میں کن کن چیزوں کے قائل تھے، اللہ تعالیٰ کو فاطرِ کائنات، خالقِ ارض و سماوات، اور قادرِ مطلق سمجھنے کے باوجود اللہ کے رسول نے ان کو کیوں مشرک گردانا، اور قرآن نے ان کے مشرک ہونے کا کیوں اعلان کیا؟

شاہ صاحبؒ اپنی بے نظیر کتاب "الفوز الکبیر فی اصول التفسیر" میں لکھتے ہیں:-

"شرک یہ ہے کہ ماسوا اللہ کے لئے ان صفات کو ثابت مانا جائے جو خدا تعالیٰ کے ساتھ مختص ہوں، مثلاً عالم کے اندر تصرفاتِ ارادی جس کو کُن فیکون سے تعبیر کرتے ہیں، یا علم ذاتی جس کا اکتساب نہ حواس کے ذریعہ سے ہو نہ عقل کی رہنمائی سے اور نہ خواب اور الہام وغیرہ کے واسطہ سے، یا مریضوں کو شفا دینا یا کسی شخص پر لعنت کرنا اور اس سے ناراض ہونا، جس کے باعث اس کو تنگ دستی اور بیماری اور شقاوت گھیر لیں، یا رحمت بھیجنا جس سے اس کو فراخ دستی، تندرستی اور سعادت حاصل ہو۔

مشرکین بھی جواہر (اجسام) اور عظیم الشان امور کے پیدا کرنے میں کسی کو
خدا تعالےٰ کا شریک نہیں جانتے تھے، ان کا اعتقاد تھا کہ جب خدا تعالےٰ کسی کام
کے کرنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو کسی میں اس کے روکنے کی قدرت نہیں ہے، ان کا
شرک فقط ایسے امور کی نسبت تھا، جو کہ بعض بندوں کے ساتھ مخصوص تھے،
ان لوگوں کا گمان تھا کہ جیسے شاہان عظیم القدر اپنے مقربان خاص کو ملک کے
مختلف حصوں کا فرماں روا مقرر کرتے ہیں، اور بعض امور خاصّہ کے فیصل کرنے
میں (جب تک کوئی شاہی حکم صریح موجود نہ ہو) ان کو مختار بنا دیتے ہیں، اور
اپنی رعایا کی چھوٹی چھوٹی باتوں کا خود انتظام نہیں کرتے، اور اپنی کل رعایا کو
حُکّام کے سپرد کر دیتے ہیں، اور حکام کی سفارش ان کے ماتحت ملازمین اور متوسلین
کے حق میں قبول کی جاتی ہے، ایسے ہی بادشاہ علی الاطلاق جلّ مجدہٗ نے بھی
اپنے خاص بندوں کو رتبۂ الوہیت کے خلعت سے سرفراز کیا ہے، اور ایسے
لوگوں کی رضامندی و ناراضی دوسرے بندوں کے حق میں مؤثر ہے، اس لئے
وہ ان بندگان خاص کے تقرّب کو ضروری خیال کرتے تھے، تاکہ بادشاہ حقیقی کی
درگاہ میں مقبولیت کی صلاحیت پیدا ہو جائے، اور جزائے اعمال کے وقت
ان کے حق میں شفاعت درجۂ قبولیت حاصل کرے، اور ان خیالی ضرورتوں
کو دیکھتے ہوئے وہ لوگ ان کو سجدہ کرنا اور ان کے لئے قربانی کرنا اور ان کے
نام کی قسم کھانا، اور ضروری امور میں ان کی قدرت کُن فیکون سے مدد لینا
جائز سمجھتے تھے، انھوں نے پتھر، پیتل اور سیسہ وغیرہ کی مورتیں بنا کر ان
(بندگان خاص) کی روحوں کی طرف متوجہ ہونے کا ایک وسیلہ قرار دیا تھا،

لیکن رفتہ رفتہ جہلاء نے ان پتھروں ہی کو اپنا اصلی معبود سمجھنا شروع کر دیا اور خلط عظیم واقع ہوا۔[1]

نیز "حجۃ اللہ البالغہ" میں لکھتے ہیں :۔

"شرک کی حقیقت یہ ہے کہ انسان کسی ایسے شخص کے بارے میں جو قابلِ تعظیم سمجھا جاتا ہے، یہ عقیدہ رکھے کہ اس سے جو غیر معمولی افعال و واقعات ظہور پذیر ہوتے ہیں، وہ اس بناء پر ہیں کہ وہ شخص صفات کمال میں سے کسی ایسی صفت کے ساتھ متّصف ہے، جس کا مشاہدہ نوع انسانی کے افراد میں نہیں ہوا، وہ صفت واجب الوجود جلّ مجدہٗ کے ساتھ مخصوص ہے، اس کے سوا کسی میں نہیں پائی جاتی، اس کی چند ہی شکلیں ہو سکتی ہیں، ایک یہ کہ وہ واجب الوجود اپنے کسی مخلوق کو خلعت الوہیت سے سرفراز کرے، یا وہ مخلوق ذات الٰہی میں فنا ہو کر باقی باللہ بن کر رہ جائے، یا اسی طرح کی کوئی شکل جو اس عقیدہ کے حامل نے اپنی طرف سے گڑھ لی ہو، حدیث میں مشرکین کے جس تلبیہ (حج میں لبّیک لبّیک کہنا) کے الفاظ نقل کئے گئے ہیں وہ اسی عقیدہ کا ایک نمونہ اور اس کی مثال ہے، حدیث میں آتا ہے کہ مشرکین عرب (جاہلیت میں اور اسلام قبول کرنے سے پہلے) ان لفظوں میں لبیک کہتے تھے:

لبّیک لبّیک لاشریک لک،	خدایا! حاضر ہوں، حاضر ہوں!
إلّا شریکًا ھو لک، تملکہ	تیرا کوئی شریک نہیں، سوائے اس
وما ملکَ۔	شریک کے جو تیرا بندۂ خاص ہے تو

---

[1] الفوز الکبیر ماخوذ از ترجمہ مولوی رشید احمد صاحب انصاری ص ۷-۸

اس کا بھی مالک ہے اور اس کی مملوکات

کا بھی مالک۔

اسی بناء پر یہ معتقد اس ہستی کے لئے (جس کو وہ خدا کے بعض صفات کا حامل اور خلعت الوہیت سے سرفراز سمجھتا ہے) اپنے انتہائی تذلّل اور فروتنی کا اظہار کرتا ہے اور اس کے ساتھ وہ معاملہ کرتا ہے، جو بندوں کو خدا کے ساتھ کرنا چاہئے"[1]

حجۃ اللہ البالغہ میں ایک دوسری جگہ مشرکین کے شرک کی حقیقت بیان کرتے ہوئے اور اس بات کی وضاحت فرماتے ہوئے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بارے میں ان کے اور مسلمانوں کے درمیان (جو صحیح عقیدہ کے حامل ہیں) کئی باتوں پر اتفاق تھا، مشرکین عرب وجود باری اور اس کی یگانہ شان اور قدرت مطلقہ کے منکر نہیں تھے، صرف بعض صفات اور اختیارات میں وہ (خدا ہی کی مرضی اور منشا سے) اس کے بعض مقرّبین و محبوبین کو شریک اور صاحبِ اختیار سمجھتے تھے، اور اس لئے ان کے ساتھ عبودیت اور بندگی کا معاملہ کرتے تھے، باب التوحید کے عنوان کے ماتحت تحریر فرماتے ہیں:-

"مشرکین اس بارے میں مسلمانوں ہی کے ہم خیال اور ہم عقیدہ تھے کہ امور عظام کے سرانجام اور جس چیز کا اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمالیں اور اس کا ارادہ قطعی ہو جائے تو اس میں کسی غیر کا اختیار باقی نہیں رہتا، باقی دوسرے امور میں انھوں نے مسلمانوں سے الگ راستہ اختیار کیا تھا، ان کا خیال تھا کہ زمانۂ ماضی کے صلحاء نے عبادت کی کثرت کی اور خدا کا قُرب حاصل کیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو الوہیت کا خلعت عطا فرمایا، اس بناء پر وہ خدا کے دوسرے بندوں کی عبادت کے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۶۱ باب اقسام الشرک۔

مستحق بن گئے، جیسے شہنشاہ کا کوئی (مزاج داں) غلام بادشاہ کی خدمت کا حق ادا کر دے تو شہنشاہ اس کو بادشاہی کا خلعت عطا فرماتا ہے، اور اپنے ملک کے کسی شہر کا انتظام اس کے سپرد کر دیتا ہے، تو اس طرح وہ شہر کے باشندوں کی سننے اور بات ماننے کا مستحق ہو جاتا ہے، وہ اس بات کے قائل تھے کہ خدا کی بندگی جب ہی قبول ہو سکتی ہے، جب ایسے مقبول اور برگزیدہ بندوں کی غلامی بھی اس میں شامل ہو، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسانوں سے اس قدر بالا و برتر ہے کہ براہ راست اس کی عبادت کچھ کارگر اور اس کی وہاں رسائی نہیں ہے، ضروری ہے کہ ان مقربان بارگاہ الٰہی کی عبادت کی جائے، تاکہ وہ اللہ تک پہونچا دیں، وہ کہتے تھے کہ یہ (مقربین) سنتے، دیکھتے اور اپنے بندوں کی سفارش کرتے ہیں، اور ان کے معاملات کا انتظام کرتے اور ان کی مدد کرتے ہیں، انھوں نے ان کے ناموں پر پتھر تراشے، اور ان کو اپنا قبلۂ توجہ بنا لیا، بعد میں وہ لوگ آئے جو ان بتوں اور جن کے نام پر یہ بت تھے، ان کے درمیان فرق کو نہیں سمجھ سکے، اور انھوں نے ان کو بذات خود معبود سمجھ لیا"[1]

ایک دوسری جگہ لکھتے ہیں:-

"مشرکین عرب اس کے قائل تھے کہ اللہ تعالیٰ کا آسمانوں اور زمین کے پیدا کرنے میں کوئی شریک نہیں، اسی طرح ان دونوں کے درمیان جو اجسام و اشیاء ہیں ان کی خلقت میں بھی کوئی اس کا شریک نہیں، نیز اہم امور کے سرانجام میں بھی کسی کی شرکت نہیں، اس کے فیصلہ کو کوئی ٹالنے والا، اور اس کے حکم قطعی کو کوئی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ۔ ج ۱ ص ۵۹ باب التوحید۔

روکنے والا نہیں، اللہ تعالےٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے:۔

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ	اگر تم ان مشرکین سے پوچھو کہ آسمان
وَالْاَرْضَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ ؕ	وزمین کس نے پیدا کیا تو وہ یقیناً کہیں گے
(لقمٰن ۔ ۲۵)	کہ اللہ نے۔

قرآن خود شہادت دیتا ہے کہ یہ مشرکین خدا کو مانتے تھے، اور اس سے دعا بھی کرتے تھے۔

بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ۔ (الانعام۔۴۱) بلکہ اسی سے مانگتے ہو۔

نیز فرماتا ہے:۔

ضَلَّ مَنْ تَدْعُوْنَ اِلَّآ اِيَّاهُ۔	اسی سے دعا کرنا کام بناتا ہے،
(الاسراء۔ ۶۷)	دوسروں سے دعا بیکار جاتی ہے۔

حقیقت میں ان مشرکین کی گمراہی اور بے دینی یہ تھی کہ ان کا اعتقاد تھا کہ کچھ فرشتے اور ارواح ہیں جو (بڑے امور کو چھوڑ کر) اپنے پرستار کے ان جزئی و ضمنی معاملات کو سنبھال لیتے ہیں، اور ان کا کام کر دیتے ہیں، جن کا تعلق اس کی ذات، اولاد، اموال واملاک سے ہے، ان کے نزدیک ان کا خدا کے ساتھ ایسا ہی تعلق ہے جیسے کسی ناز پروردہ غلام کا شہنشاہ سے، اور سفارشیوں اور مصاحبوں کا بادشاہ سے ہوتا ہے، شرائع الٰہی میں جو کہیں اس بات کا تذکرہ آیا ہے کہ اللہ تعالےٰ نے بعض کام بعض فرشتوں کے سپرد کر دیئے ہیں، یا یہ کہ مقربین کی دعائیں قبول ہوتی ہیں، ان جاہلوں نے اسی کو بنیاد بنا کر ان کو ایسا صاحب اختیار اور صاحب تصرف مان لیا، جیسے خود بادشاہ بنفس نفیس ہوتے ہیں، حالانکہ یہ قیاس الغائب علی الشاہد تھا، اور اسی سے ساری خرابی

پیدا ہوئی"[1]

اسی طرح شاہ صاحبؒ نے عوام اور خواص مشابہ بعوام کے بہت سے مشرکانہ عقائد واعمال کی جڑ پکڑلی اور اس مغالطہ کا پردہ چاک کیا، جس کی وجہ سے بہت سے جہلاء اور مدّعیان علم ان اعمال ورسوم، شعائر شرک، نذر وذبح لغیر اللہ، بزرگوں کے نام پر روزے رکھنے، اولیاء وصالحین سے دعاوالتجا، خوف ورجا، استمداد واستعانت، ان کے مقامات دفن، اور ان سے نسبت رکھنے والی چیزوں کی حرم شریف اور بیت اللہ کی طرح تعظیم کرنے اور ان کے لئے انھیں آداب کو مرعی رکھنے، ان کے جزئی تصرّف فی الکائنات، انسان کی شقاوت وسعادت، مرض وصحت، فراخی رزق وتنگی میں مؤثر ہونے کے عقیدۂ مشرکانہ میں گرفتار اور "فَاعْبُدِ اللّٰهَ مُخْلِصًا لَّهُ الدِّيْنَ"[2] پر عمل کرنے، اور انابت واخبات، توکّل علی اللہ اور انقطاع الی اللہ کی جیسی بیش بہا دولت سے محروم تھے، اور جن کے بعض احوال سن کر اور اعمال دیکھ کر بے اختیار قرآن مجید کی آیت یاد آتی تھی:۔

وَمَا يُؤْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ	اور یہ اکثر خدا پر ایمان نہیں رکھتے مگر
إِلَّا وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ ۝ (یوسف۔۱۰۶)	(اس کے ساتھ) شرک کرتے ہیں۔

شاہ صاحبؒ اور ان کے اخلاف کا اگر اس عقیدۂ توحید کی تجدید، اس کی تنقیح وتوضیح اس کی اشاعت وترویج اور اس کے سلسلہ کی غلط فہمیوں کے رفع کرنے کے سوا کوئی کارنامہ نہ ہوتا، تو تنہا یہی کارنامہ ان کو مجدّدین امت میں شمار کرنے کے لئے کافی تھا، چہ جائیکہ ان کے اور متعدد کارنامے ہیں، جن کی آئندہ صفحات میں وضاحت کی جائیگی۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ باب ما کان علیہ حال أھل الجاھلیۃ فاصلحہ اللہ ج ۱ ص۱۲۵

[2] الزمر۔۲

عقائد کی تفہیم و تشریح کتاب و سنت کی روشنی میں اور صحابہؓ و سلف کے مسلک کے مطابق

شاہ صاحبؒ کے اس بنیادی تجدیدی کارنامہ کے ماسوا جس کا تعلق عامۃ المسلمین اور پورے مسلم معاشرہ سے تھا، اور جس کے بغیر ہدایت و نجات مشتبہ اور نصرت و تائید الٰہی محال تھی، ایک ضمنی، علمی و اصلاحی کارنامہ یہ تھا کہ آپ نے عقائد کی تشریح و تفہیم کا کام کتاب و سنت کی روشنی میں انجام دیا اور اس بارے میں صحابہؓ اور سلف کے مسلک و ذوق کے مطابق عمل کرنے کی دعوت دی، اور خود اس کا آغاز کر کے اس کا علمی نمونہ پیش کیا، عالم اسلام کے علمی حلقوں کو عرصہ سے ایسے نابغہ روزگار مفکرین اور پابند نصوص مجتہدین کی ضرورت تھی، جو فلسفہ اور فلسفیوں کے آراء و نظریات سے (جن کا خود علم کلام پر پورا اثر پڑ چکا تھا) آنکھیں ملا کر بات کریں، قرآن پر اس طرح ان کا ایمان ہو، جس طرح وہ نازل ہوا، خدا تعالیٰ کے صفات و افعال کو وہ بغیر کسی تحریف و تاویل کے ویسا ہی مانتے ہوں جیسا وہ خود ان کے بارے میں فرماتا ہے، اور ان حقائق کی ایسی تفسیر کرتے ہوں جن کا ایک طرف علم و دلائل شرعی مؤید ہوں، دوسری طرف عقل و منطق بھی ان کو تسلیم کرتے ہوں، یہ دانش کدۂ قرآنی، اور دبستان علوم نبویؐ سے فیض پانے والے علمائے حق ہی ہو سکتے تھے، جو علوم حکمت اور متکلمانہ موشگافیوں سے پوری طرح واقف ہونے کے ساتھ عقائد میں کتاب اللہ اور سنتِ متواترہ کے پابند تھے، اور خدا تعالیٰ پر انھیں صفات کے ساتھ ایمان و عقیدہ رکھتے تھے، جو اس نے اپنی کتاب میں بیان فرمائی ہیں، ایک حدیث میں علمائے حق کی جو تعریف آئی ہے، وہ ان پر پورے طور پر صادق تھی۔

ینفون عن ھذا الدین تحریف — وہ غالی لوگوں کی تحریف، باطل پرستوں

الغالین. وانتحال المبطلین — کے غلط انتساب اور جاہلوں کی تاویلات

وتاویل الجاھلین[1]۔ — سے دین کی حفاظت کرتے ہیں۔

ان علمائے اسلام سے کوئی دور خالی نہیں رہا، ان نمایاں شخصیتوں میں آٹھویں صدی ہجری کے عالم جلیل شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہ حرّانی (م ۷۲۸ھ) ان کے بعد ان کے تلمیذ رشید علامہ ابن قیم جوزیہ صاحبِ "زاد المعاد" (م ۷۹۱ھ) اور اس مسلک پر چلنے والے بعض دوسرے جلیل القدر علماء ہیں، جن کی فہرست زیادہ طویل نہیں۔

امام ابن تیمیہؒ کے بعد اگر اس سلسلہ میں کسی کا نام پورے اعتماد کے ساتھ لیا جا سکتا ہے اور اس کا کام اہل علم کے سامنے ہے تو وہ حضرت شاہ ولی اللہؒ ہیں، وہ عقائد کی تشریح و تفہیم اور اس کو سلف کے فہم و مسلک کے مطابق پیش کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے تھے، اس لئے کہ انھوں نے ایک طرف یونانی فلسفہ کا گہرا اور وسیع مطالعہ کیا تھا، اور علم کلام کا پورا سرمایہ ان کی نظر کے سامنے بلکہ ان کی دسترس میں تھا، دوسری طرف وہ قرآن کے دقیق النظر مفسر، علم حدیث کے ماہر خصوصی اور اسرار و مقاصد شریعت کے رازداں تھے، اس لئے وہ "لفظیت" اور "تاویل" کے درمیان راہ اعتدال پر قائم ہیں، ان کی کتاب "العقیدۃ الحسنۃ"[2] "مطالعہ کی گہرائی

---

[1] بروایت بیہقی، حدیث کے الفاظ یوں ہیں: "یحمل ھذا العلم من کل خلف عدولہ ینفون عنہ تحریف الغالین الخ"۔ [2] یہ کتاب "العقیدۃ الحسنۃ" کے نام سے فارسی میں مطبع مفید عام آگرہ سے طبع ہوئی، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فاضل استاد تفسیر مولانا محمد اویس ندوی نگرامی مرحوم نے اس کو اپنی شرح اور مفید حواشی کے ساتھ (جو خود شاہ صاحبؒ کی دوسری تصنیفات سے ماخوذ ہیں) اس کو "العقیدۃ السنیۃ" کے نام سے مرتب کیا، اور راقم سطور کے مقدمہ کے ساتھ مطبع دارالعلوم ندوۃ العلماء سے سنہ ۱۳۸۲ھ/۱۹۶۲ء میں شائع ہوئی، مصنف کی کتاب "العقیدۃ والعبادۃ والسلوک" اور اس کے (باقی ص ۱۶۵ پر)

اور عبارت کی سلاست وروانی دونوں کی جامع ہے، یہ کتاب علم توحید (جس کو عام طور پر علم کلام سے موسوم کیا جاتا ہے) کا ایک ایسا متن ہے، جس میں اہل سنت کے عقائد کا وہ لُبّ لباب آگیا ہے، جس سے ہر اس تعلیم یافتہ مسلمان کو واقف ہونا چاہئے، جو اپنے تئیں اہل سنت میں شمار کرتا ہو، اور ان کے عقائد کو اپنا شعار بنانا چاہتا ہو۔

شاہ صاحبؒ اپنے رسالہ "وصایا" میں (جو فارسی زبان میں ہے) لکھتے ہیں :-

اول وصیت این فقیر چنگ زدن	اس فقیر کی پہلی وصیت یہ ہے کہ
است بکتاب وسنت در اعتقاد	اعتقاد وعمل میں کتاب وسنت کو
وعمل، پیوستہ بتدبیر ہر دو مشغول	مضبوط ہاتھوں سے تھاما جائے
شدن ..... ودر عقائد مذہب	اور ہمیشہ ان پر عمل کیا جائے،
قدماء اہل سنت اختیار کردن	عقائد میں متقدمین اہل سنت کے
وآں را تفصیل وتفتیش انچہ سلف	مذہب کو اختیار کیا جائے اور
تفتیش نکردند اعراض نمودن	(صفات وآیات متشابہات)
وبہ تشکیکات خام معقولیان	کے سلسلہ میں سلف نے جہاں تفصیل
التفات نکردن[1]۔	وتفتیش سے کام نہیں لیا، ان سے
	اعراض کیا جائے، اور معقولیات خام

(باقی صفحہ ۱۶۴ کا) ترجمہ "دستور حیات" میں اس کا خلاصہ آگیا ہے، "تفہیمات" میں "العقیدۃ الحسنۃ" کا مضمون پورا آگیا ہے، غالباً اسی سے لے کر اس کو علیحدہ رسالہ کی شکل میں شائع کیا گیا (ملاحظہ ہو "التفہیمات الإلٰہیۃ"۔ ج ۱ ص ۱۴۴-۱۴۸)

[1] شاہ صاحبؒ نے اس رسالہ کا نام جو فارسی میں ہے "المرآۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ" رکھا تھا، یہ شاہ صاحبؒ کے بعض دوسرے رسائل کے مجموعہ میں بھی شامل ہے۔

کی تشکیکات کی طرف التفات

نہ کیا جائے۔

شاہ صاحب کے اسماء وصفات کے بارے میں ذوق ومسلک کا کسی قدر اندازہ اس اقتباس سے ہوگا جو یہاں پیش کیا جاتا ہے:۔

"خدا اس سے بالا اور برتر ہے کہ وہ عقل یا حواس سے دریافت ہوسکے، یا اس میں صفتیں اس طرح موجود ہوں کہ جس طرح عوارض جوہر میں ہوکر پائے جاتے ہیں، یا وہ اس طرح ہوں جن کو عام عقلیں ادراک کرسکیں یا متعارف الفاظ ان کو ادا کرسکیں، بایں ہمہ یہ بھی ضروری ہے کہ لوگوں کو بتا بھی دیئے جائیں، تاکہ جہاں تک انسانیت کی تکمیل ہوسکتی ہے ہوجائے، ایسی حالت میں اس سے چارہ نہیں کہ ان صفتوں کا استعمال ان معنوں میں کیا جائے کہ ان کے نتائج اور لوازم سمجھ لئے جائیں مثلاً ہم خدا کے لئے "رحمت" ثابت کرتے ہیں، اس سے مقصود احسانات کا فیضان ہے، دل کی خاص کیفیت نہیں (جس کو اصل میں رحمت کہتے ہیں) اسی طریقہ سے خدا کی وسعتِ قدرت کے اظہار کے لئے مجبوراً ہم کو وہ الفاظ استعارۃً استعمال کرنے پڑیں گے جو انسانوں کی قدرت وقوت کے لئے بولے جاتے ہیں، کیونکہ ان معانی کے ادا کرنے کے لئے ہمارے پاس اس سے بہتر الفاظ نہیں اور اسی طرح تشبیہاً بہت سے الفاظ بولے جائیں گے لیکن اس شرط کے ساتھ کہ ان سے حقیقی معنی مراد نہ ہوں، بلکہ وہ معانی جو خدا کی ذات کے لائق اور مناسب ہیں..... تمام آسمانی مذاہب کا اس پر اتفاق ہے کہ صفات اسی طریقہ پر

بولے گئے ہیں، اور اس پر کہ یہ الفاظ اسی طرح بولے جائیں، اور اس کے علاوہ کوئی اور بحث وکاوش نہ کی جائے، اور یہی مذہب اس زمانہ کا تھا جس کے خیر وبرکت کی شہادت دی گئی ہے، (یعنی تبع تابعین کے عہد تک) اس کے بعد کچھ ایسے لوگ مسلمانوں میں پیدا ہو گئے، جنھوں نے بغیر کسی نصِ قطعی اور دلیل مستحکم کے ان مسائل میں فکر وکاوش شروع کر دی[1]"

صدیوں سے عالم اسلام میں بالخصوص ان ملکوں میں جو علمی، عقلی اور درسی طور پر ایران کے زیر اثر تھے، جن متکلمانہ موشگافیوں، صفات کی دور از کار تاویلات جن سے نتیجۃً وہ معطّل اور بے معنی بن کر رہ جاتی ہیں، اور فلسفۂ یونان سے ذہنی غلامی کی حد تک مرعوبیت کا دور دورہ تھا، اور سلف کے متعلق ان کا خیال استخفاف تک پہونچا ہوا تھا، جو بہت احتیاط وانصاف سے کام لیتے تھے وہ کہتے تھے "مذهب السلف أسلم ومذهب الخلف اعلم" (سلف کے مسلک میں احتیاط اور خلف کی تحقیقات میں علم کی شان ہے) اس پس منظر میں شاہ صاحبؒ کی یہ خدمت وجرءت ایک مجتہدانہ اور مجددانہ کارنامہ ہے۔

اسماء وصفات کے بارے میں سلف کے مسلک کی تائید، فلاسفہ متکلمین سے (جنھوں نے دور از کار تاویلات سے کام لیا اور ان کے اقوال صفات کے بارے میں تعطیل ونفی صفات کے حدود کو چھوتے ہوئے بعض اوقات نظر آتے ہیں) عدم مناسبت اور حدیث وسنت کی محبت وتعظیم نے ان کو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی طرف سے دفاع اور ان کی جلالت شان کے اعتراف پر آمادہ کیا، جن کی ذات ان آخری صدیوں میں بڑی متنازع فیہ بلکہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ۔ جلد اول صـ۶۳ باب الایمان بصفات اللہ۔ ترجمہ منقول از رسالہ اہل السنۃ والجماعۃ از مولانا سید سلیمان ندوی صـ۴۴-۴۵

مطاعن اور شبہات کا ہدف بن گئی تھی، شاہ صاحبؒ نے بڑے بلند الفاظ میں ان کی تعریف فرمائی، اور ان کی طرف سے دفاع کیا، وہ "تفہیمات الٰہیہ" میں فرماتے ہیں :-

وليس شئ منها الّا ومعه دليله	شیخ الاسلام کے اقوال میں کوئی چیز
من الكتاب والسنة واٰثار السلف	ایسی نہیں ہے جس کے لئے ان کے پاس
فمثل هذا الشيخ عزيز الوجود	کتاب وسنت اور آثار سلف میں سے
فى العالم، ومن يطيق أن	کوئی دلیل نہ ہو، ایسا عالم دنیا میں
يلحق شأوه فى تحريره وتقريره	عزیز الوجود ہے، کون ایسا شخص ہے،
والذين ضيّقوا عليه ما بلغوا	جو تحریر و تقریر میں ان کے مرتبہ کو
معشار ما اٰتاه الله تعالىٰ۔	پہونچنے کی قابلیت رکھتا ہو، جن
	لوگوں نے ان پر اعتراضات کی بوچھار
	کی ہے ان کو ان کے کمالات کا
	دسواں حصہ بھی نصیب نہیں۔

لہ جلاء العینین صـ۴۶ بحوالہ تفہیمات الٰہیہ۔

باب ششم

حدیث وسنت کی اشاعت وترویج اور فقہ وحدیث میں تطبیق کی دعوت وسعی

حدیث کی اہمیت اور ہر ملک اور ہر دور میں اس کی ضرورت

ہندوستان کے تختی براعظم، بلکہ حقیقتاً دور اخیر میں (جو بارہویں صدی ہجری کے وسط سے شروع ہوکر اس وقت تک قائم ہے) شاہ صاحبؒ نے حدیث کی ترویج واشاعت درس حدیث کے احیاء، فن حدیث کے ساتھ اعتناء، اور اس موضوع پر اپنی محققانہ ومبصرانہ تصنیفات کے ذریعہ ایسا عظیم تجدیدی کارنامہ انجام دیا جو ان کے صحیفۂ تجدید اور کتاب زندگی کا ایک اہم اور روشن باب ہے، اور جو ان کے دوسرے علمی کمالات اور دینی خدمات پر ایسا غالب آیا کہ "محدث دہلویؒ" ان کے نام کا جزء اور ان کے تعارف کا عنوان بن گیا، اور زبان وقلم پر "حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ" جاری اور ساری ہوگیا۔

لیکن اس کارنامہ کی تاریخ اور تفصیل بیان کرنے سے پہلے اس کارنامہ کی عظمت سمجھنے کے لئے، اس کی ضرورت ہے کہ پہلے یہ معلوم کیا جائے کہ حدیث، دین شریعت کے نظام، اسلام کو اپنی صحیح شکل میں باقی رکھنے کی کوششوں، اور اسلامی مزاج وماحول کی

تشکیل وحفاظت میں کیا حیثیت رکھتی ہے؟ اس کی اشاعت وحفاظت ہر دور اور ہر ملک میں (جہاں مسلمان آباد ہوں) کیوں ضروری ہے، اور اس سے تغافُل، جہل یا انکار، کن خطرات کا حامل اور کیسے عظیم نقصانات کو اپنے جلو میں لئے ہوئے ہے، اس علم کا کسی عہد یا ملک سے ختم یا فراموش ہو جانا کون سا خلاء پیدا کرتا ہے، جو کسی اور چیز سے پُر نہیں ہو سکتا، اس کی وضاحت کے لئے مصنف اپنے ہی ایک رسالہ کا ایک اقتباس پیش کرے گا، جس میں اس حقیقت کو پورے طور پر واضح اور ثابت کرنے کی کوشش کی گئی ہے[1]۔

حدیث امت کے لئے صحیح میزان ومعیار

"حدیث نبویؐ ایک ایسی صحیح میزان ہے، جس میں ہر دور کے مصلحین ومجددین اس امت کے اعمال وعقائد، رجحانات وخیالات کو تول سکتے ہیں، اور امت کے طویل تاریخی وعالمی سفر میں پیش آنے والے تغیرات وانحرافات سے واقف ہو سکتے ہیں، اخلاق واعمال میں کامل اعتدال وتوازن اس وقت تک پیدا نہیں ہو سکتا جب تک قرآن وحدیث کو بیک وقت سامنے نہ رکھا جائے، اگر

---

[1] یہ رسالہ جس کا نام عربی میں "دور الحدیث فی تکوین المناخ الاسلامی وصیانتہ" ہے اور اردو میں اس کا ترجمہ "اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار" کے نام سے شائع ہوا ہے، حقیقتاً وہ مضمون ہے جس سے مصنف نے ۱۴۰۱ھ کے رابطہ عالم اسلامی کے دورِ محاضرات کا مکہ معظمہ میں افتتاح کیا، اور وہ مضمون ۱۶ ذی قعدہ ۱۴۰۱ھ (۱۳ ستمبر ۱۹۸۱ء) کو مکہ معظمہ میں اہل علم کے ایک مجمع کے سامنے پڑھا گیا انگریزی میں بھی یہ رسالہ — ROLE OF HADITH IN THE PROMOTION OF ISLAMIC — CLIMATE & ATTITUDES کے نام سے "مجلس تحقیقات ونشریات اسلام" کی طرف سے شائع ہو گیا ہے۔

حدیث نبویؐ کا وہ ذخیرہ نہ ہوتا جو معتدل، کامل و متوازن زندگی کی صحیح نمائندگی کرتا ہے، اور وہ حکیمانہ نبویؐ تعلیمات نہ ہوتیں، اور یہ احکام نہ ہوتے جن کی پابندی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسلامی معاشرہ سے کرائی، تو یہ امت افراط وتفریط کا شکار ہو کر رہ جاتی، اور اس کا توازن برقرار نہ رہتا، اور وہ عملی مثال نہ موجود رہتی جس کی اقتداء کرنے کی خدا تعالےٰ نے اپنے اس فرمان میں ترغیب دی ہے۔

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ (الاحزاب۔۲۱)

یقیناً تمہارے لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اسوۂ حسنہ ہے۔

اور یہ فرما کر آپ کے اتباع کی دعوت دی ہے:۔

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ط (آل عمران۔۳۱)

آپ کہہ دیجئے کہ اگر تمہیں اللہ سے محبت ہے تو میری اتباع کرو، اللہ تم سے محبت کرے گا، اور تمہارے گناہ معاف کر دے گا۔

یہ ایک ایسا عملی نمونہ ہے جس کی انسانوں کو ضرورت ہے، اور جس سے وہ زندگی اور قوت واعتماد حاصل کر سکتا ہے، اور یہ اطمینان کر سکتا ہے کہ دینی احکام کا زندگی پر نفاذ نہ صرف آسان، بلکہ ایک امر واقعہ ہے۔

حدیث نبویؐ زندگی، قوت، اور اثر انگیزی سے بھرپور ہے، اور ہمیشہ اصلاح وتجدید کے کام، فساد اور خرابیوں اور بدعتوں کے خلاف صف آرا، اور برسرجنگ ہونے اور معاشرہ کا احتساب کرنے پر ابھارتی رہی ہے، اور اس کے اثر سے ہر دور اور ہر ملک میں

ایسے افراد پیدا ہوتے رہے، جنھوں نے اصلاح و تجدید کا جھنڈا بلند کیا، کفن بردوش ہو کر میدان میں آئے، اور بدعتوں و خرافات اور جاہلی عادتوں سے کھلی جنگ کی، اور دین خالص اور صحیح اسلام کی دعوت دی، اسی لئے حدیث نبویؐ امت اسلامیہ کے لئے ایک ناگزیر حقیقت اور اس کے وجود کے لئے ایک لازمی شرط ہے، اس کی حفاظت، ترتیب و تدوین، حفظ اور نشر و اشاعت کے بغیر امت کا یہ دینی و ذہنی، علمی و اخلاقی دوام و تسلسل برقرار نہیں رہ سکتا تھا۔

تاریخ اسلام میں اصلاح و تجدید کی تحریکیں علم حدیث سے وابستہ ہیں

سنت نبویؐ اور حدیث نبویؐ کے مجموعے ہمیشہ اصلاح و تجدید، اور امت اسلامیہ میں صحیح اسلامی فکر کا سرچشمہ رہے ہیں، انھیں سے اصلاح کا بیڑا اٹھانے والوں نے تاریخ کے مختلف دوروں میں صحیح علم دین اور خالص فکر اسلامی اخذ کیا، انھیں احادیث سے انھوں نے استدلال کیا اور دین و اصلاح کی دعوت میں وہی ان کی سند اور ان کا ہتھیار اور سپر تھی، بدعتوں، فتنوں اور شر و فساد سے جنگ و مقابلہ کے معاملہ میں وہی قوتِ محرکہ و دافعہ تھی، آج جو بھی مسلمانوں کو دین خالص اور اسلامِ کامل کی طرف آنے کی پھر دعوت دینا چاہتا ہے، اور ان کے اور نبوی زندگی اور کامل اسوہ کے درمیان تعلق استوار کرنے کا ارادہ رکھتا ہے، اور جس کو بھی ضرورت اور زمانہ کے تغیرات نئے احکام کے استنباط کرنے پر مجبور کرتے ہیں، وہ اس سرچشمہ سے بے نیاز نہیں ہو سکتا۔

اس حقیقت پر اسلام اور مسلمانوں کی تاریخ شاہد ہے کہ جب بھی حدیث و سنت کی

کتابوں سے مسلمانوں کے تعلق اور واقفیت میں کمی آئی، اور طویل مدت تک یہ کمی باقی رہی تو داعیوں اور اخلاق کی تربیت، نفوس کا تزکیہ کرنے والے روحانی مربیوں کی کثرت، دنیا میں زہد اختیار کرنے اور کسی حد تک سنت پر عمل کرنے کے باوجود اس مسلم معاشرہ میں جو علوم اسلامیہ کے ماہرین، اور فلسفہ وحکمت کے اساتذۂ فن اور ادباء وشعراء سے مالا مال تھا، اور اسلام کے قوت وغلبہ اور مسلمانوں کی حکمرانی میں زندگی گذار رہا تھا، نت نئی بدعتوں، عجمی رسم ورواج، اور اجنبی ماحول کے اثرات نے اپنا تسلط قائم کرلیا، یہاں تک کہ اندیشہ ہونے لگا کہ وہ جاہلی معاشرہ کا دوسرا ایڈیشن اور اس کا مکمل عکس بن جائیگا، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیشین گوئی اور حدیث حرف بحرف صحیح ثابت ہوئی۔

لتتبعنّ سنن من کان قبلکم شبرًا بشبرٍ وذراعًا بذراعٍ۔ (مستدرک حاکم)

تم پچھلی امتوں کے راستوں پر قدم بقدم چلوگے۔

اس وقت اصلاح کی آواز خاموش، اور علم کا چراغ ٹمٹمانے لگا۔

دسویں صدی ہجری میں ہندوستان کے دینی حالات، اور مسلمانوں کی زندگی کا جائزہ لیجئے، جبکہ برصغیر ہند کے علمی ودینی حلقوں کا حدیث شریف اور سنت کے صحیح مآخذ ومراجع سے تعلق تقریبًا منقطع ہوگیا تھا، علم دین کے مراکز، اور حجاز ویمن، مصر وشام کے ان مدارس سے جہاں حدیث شریف کا درس ہوتا تھا، کوئی رابطہ نہ تھا، اور کتب فقہ، اصول اور ان کی شروح اور فقہی باریکیوں اور موشگافیوں اور حکمت وفلسفہ کی کتابوں کا عام چلن تھا، بآسانی دیکھا جاسکتا ہے کہ کس طرح بدعتوں کا دور دورہ تھا، منکرات عام ہوگئے تھے، اور عبادتوں اور تقرب الی اللہ

کی کتنی نئی شکلیں اور نئے طریقے ایجاد کر لئے گئے تھے۔

راقم الحروف نے "تاریخ دعوت وعزیمت" کے حصہ چہارم میں دسویں صدی ہجری کے ایک مشہور و مقبول شیخ طریقت شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کی کتاب "جواہر خمسہ" کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھا ہے :-

"گجرات کو مستثنیٰ کر کے جہاں علمائے عرب کی تشریف آوری، اور حرمین شریفین کی آمد و رفت کی وجہ سے حدیث کی اشاعت ہو چکی تھی، اور علامہ علی متقی برہان پوری اور ان کے نامور شاگرد علامہ محمد طاہر پٹنی پیدا ہوئے تھے (دسویں صدی ہجری میں ہندوستان صحاح ستہ، اور ان مصنفین کی کتابوں سے ناآشنا تھا، جنھوں نے نقد حدیث اور ردِّ بدعت کا کام کیا، اور سنت صحیحہ اور احادیث ثابتہ کی روشنی میں زندگی کا نظام العمل پیش کیا، ہندوستان کے ان مقامی روحانی فلسفوں و تجربوں کا اثر اپنے زمانہ کے مشہور و مقبول شطاری بزرگ شیخ محمد غوث گوالیاریؒ کی مقبول کتاب "جواہر خمسہ" میں دیکھا جا سکتا ہے جس کی بنیاد زیادہ تر بزرگوں کے اقوال اور اپنے تجربات پر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صحیح احادیث کے ثابت ہونے یا معتبر کتب شمائل و سیر سے اخذ کرنے کو ضروری نہیں سمجھا گیا، اس میں نمازِ احزاب، صلوٰۃ العاشقین، نماز تنویر القبر اور مختلف مہینوں کی مخصوص نمازیں اور دعائیں ہیں، جن کا حدیث و سنت سے کوئی ثبوت نہیں ہے"[1]

یہ صرف "جواہر خمسہ" کی خصوصیت نہیں، بزرگوں کے ملفوظات کے غیر مستند مجموعوں میں اس کی متعدد مثالیں مل سکتی ہیں، مشائخ کے لئے سجدۂ تعظیمی کا

---

[1] تاریخ دعوت وعزیمت حصہ چہارم ص۲۴۴

عام رواج تھا، قبروں کو کھلے طریقہ پر سجدہ گاہ بنا لیا گیا تھا، ان پر چراغ جلائے جاتے تھے، چادریں چڑھائی جاتی تھیں، ان کے گرد و پیش کا ادب حرمِ مکی کی طرح کیا جاتا تھا، عرس و فاتحہ کے نام سے طرح طرح کے جشن منائے جاتے تھے، جن میں بہت بڑی تعداد عورتوں کی ہوتی تھی، صلوٰۃ غوثیہ، صلوٰۃ معکوس، نذر لغیر اللہ، اولیاء وصلحاء کے نام پر، اور ان کی رضامندی کی نیت سے ذبح و قربانی، غیر اللہ کے نام پر روزہ، اور ایسی کتنی بدعات (جن کے حدود شرک سے مل جاتے تھے) مقبول عام و خاص تھیں، اولیاء و صالحین کے ایام پیدائش و وفات پر جلسے کئے جاتے تھے، اور میلے لگتے تھے۔

اگر علمائے اسلام کی دسترس میں کتب حدیث نہ ہوتیں، اور سنتوں و بدعتوں میں تفریق و امتیاز کا یہ معتبر و سہل ذریعہ نہ ہوتا تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (م ۷۲۸ھ) کے عہد سے حکیم الاسلام شاہ ولی صاحب (م ۱۱۷۶ھ) کے عہد تک مصلحینِ امت اور دین خالص کے مبلّغین کا یہ سلسلہ وجود میں نہ آتا، اور مصلحین روزگار اور تصحیح عقائد و اصلاح رسوم کے علمبردار نظر نہ آتے۔

دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں افغانستان (کابل و ہرات و غزنی) کے علماء کے حالات پڑھئے، اور ان کی تصنیفات دیکھئے، حمایت سنت، اور ردّ بدعت، علمی تحقیق اور مسائل کی تنقیح کا رنگ بہت کم نظر آئیگا، دفعۃً علامہ ملّا علی قاری (علی بن سلطان محمد ہروی م ۱۰۱۴ھ) کی شخصیت سامنے آتی ہے، جنھوں نے حجاز جاکر وہاں کے محدثین عظام اور اساتذہ کبار سے کتب حدیث کا درس لیا، اور اس میں کمال پیدا کیا، کتب حدیث و فقہ کی شرح، مسائل کی

ترجیح، اور اپنے زمانہ کی بعض بدعات کی بلا رُو رعایت تردید میں ان کا یہ مصلحانہ ومحققانہ رنگ صاف جھلکتا ہے، ان کو ان کے مطالعہ وتحقیق، اور حق گوئی اور انصاف پسندی نے اس مقام تک پہونچا دیا کہ انھوں نے شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی حمایت کی، اور اس کی شہادت دی کہ وہ اکابر اہل سنت وجماعت اور اولیائے امت میں سے تھے[1]، یہی حال متعدد عرب ممالک عراق، شام، مصر، تونس، الجزائر، مراکش وغیرہ کا ہے[2]۔

علم حدیث اور عرب

فلسفۂ تاریخ اسلام کا یہ نکتہ ہے کہ جن ملکوں میں اسلام عربوں کے ذریعہ سے پہونچا، وہاں حدیث کا علم بھی اسلام کے ساتھ پھیلا اور پھلا پھولا کہ اس کو عربوں کے مزاج، ان کی قوت حفظ، ان کی عملیت، حقیقت پسندی، اور ذات نبویؐ سے گہری وابستگی سے خاص مناسبت تھی، وہ جہاں گئے اپنے ساتھ علم حدیث بھی لیتے گئے، اور ان کی قیادت کے دور، اور اثر ونفوذ کے حلقہ میں اس کے ساتھ پورا اعتنا کیا گیا، اور اس کے درس اور اس کے مختلف پہلوؤں پر تصنیف وتالیف کا سلسلہ پوری سرگرمی سے جاری رہا، یمن، حضرموت، مصر وشام، عراق شمالی افریقہ اور اندلس (اسپین) جیسے ملکوں کا یہی حال ہے، خود ہندوستان میں صوبۂ گجرات اس کی ایک مثال ہے، جس نے شیخ علی متقی برہان پوری (صاحب کنز العمال) (م ۹۷۵ھ) اور شیخ محمد طاہر پٹنی (صاحب مجمع بحار الانوار) (م ۹۸۶ھ) جیسے بلند پایہ محدث پیدا کئے، اس کی وجہ وہی ہے، جو ہم نے اوپر بیان کی کہ گجرات کا تعلق حجاز مقدس سے دوسرے صوبوں کے

---

[1] مرقاۃ شرح مشکوٰۃ ج ۴ ص ۲۷ [2] رسالہ حدیث کا بنیادی کردار ص ۳۸-۳۵

مقابلہ میں زیادہ رہا، اور وہاں علمائے عرب کی آمد و رفت کا سلسلہ برابر جاری رہا۔

لیکن جن ملکوں میں اہل عجم کے ذریعہ اسلام پہونچا وہاں کا یہ حال نہیں، ہندوستان میں ترکی النسل یا افغانی النسل خاندانوں نے حکومتیں قائم کیں، اور ان مشائخ اور داعیانِ اسلام کے ذریعہ اسلام کی تبلیغ اور اشاعت ہوئی جن میں بیشتر عجمی نژاد اور ایران و ترکستان کے باشندے تھے، پھر جب ہندوستان میں درس و تدریس، مدارس کے قیام اور نصاب کی ترتیب کا زمانہ آیا، تو اس پر عجمی فضلاء اور "دانشمندان ایران" کا پورا اثر پڑ چکا تھا، باب اول میں بتایا جا چکا ہے کہ ایران میں صفوی حکومت کے قیام اور شیعیت کے سرکاری مذہب ہو جانے کے بعد سے (جو دسویں صدی ہجری کے ابتدا ہی کا واقعہ ہے) ایران کا (جس کے ایوان حدیث کے اہم ستون پیدا کئے تھے) حدیث سے رشتہ ٹوٹ چکا تھا، اس لئے اس کے ذریعہ سے ہندوستان میں علم حدیث کی اشاعت اور اس کی اہمیت و عظمت قائم ہونے کا کوئی امکان نہ تھا، اس کے برعکس جس قدر اس کا اثر ہندوستان کے علمی حلقوں پر گہرا ہوتا جاتا تھا، حدیث سے بے اعتنائی بڑھتی جاتی تھی، بارہویں صدی ہجری جس میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا ظہور ہوا، اس کا نقطۂ ارتقا تھا۔

ہندوستان میں علم حدیث کا عروج و زوال

ہندوستان میں علم حدیث کے عروج و زوال کا جائزہ لینے کے لئے ہم یہاں مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" کا ایک اقتباس پیش کرتے ہیں، جس میں سیکڑوں صفحات کے مطالعہ کا نچوڑ آگیا ہے :-

"جب سندھ میں عربوں کی حکومت ختم ہوگئی اور ان کے بجائے غزنوی اور

غوری سلاطین سندھ پر قابض ہوئے، اور خراسان اور اء النہر سے سندھ میں علمأ آئے، تب علم حدیث اس علاقہ میں کم ہوتا گیا یہاں تک کہ معدوم ہوگیا، اور لوگوں میں شعر و شاعری، فن نجوم، فن ریاضی، اور علوم دینیہ میں فقہ و اصولِ فقہ کا رواج زیادہ ہوگیا، یہ صورت حال عرصہ تک قائم رہی، یہاں تک کہ علمائے ہند کا خاص مشغلہ یونانی فلسفہ رہ گیا اور علم تفسیر و حدیث سے غفلت بڑھ گئی، مسائل فقہیہ کے سلسلہ سے جو تھوڑا سا تذکرہ کتاب و سنت میں آجاتا تھا بس اسی مقدار پر قانع تھے، فن حدیث میں امام صغانی کی "مشارق الانوار" کا رواج تھا، اگر کوئی شخص اس فن میں زیادہ ترقی کرتا تھا تو امام بغوی کی مصابیح السنۃ یا مشکوٰۃ پڑھ لیتا تھا، اور ایسے شخص کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ وہ محدّث ہوگیا، اور یہ سب محض اس لئے تھا کہ لوگ عام طور پر ہندوستان میں اس فن کی اہمیت و مرتبت سے ناواقف تھے، وہ لوگ اس علم کی طرف سے بالکل غافل تھے، نہ اس علم کے ائمہ کے حال سے واقف تھے، اور نہ اس علم کا ان کے درمیان کوئی چرچا تھا، محض تبرکاً مشکوٰۃ شریف پڑھا کرتے تھے، ان کے لئے سب سے زیادہ سرمایہ علم فقہ کی تحصیل تھا، اور وہ بھی تقلید کے طور پر تحقیق کے طور پر نہیں، اسی وجہ سے اس زمانہ میں فتاوے اور روایات فقہیہ کا رواج بڑھ گیا تھا، نصوص و محکمات متروک ہوگئی تھیں، مسائل فقہیہ کی صحت کو کتاب و سنت سے جانچنا اور فقہی اجتہادات کو احادیث نبویہ سے تطبیق دینے کا طریقہ متروک ہوگیا تھا۔

پھر ایک زمانہ ایسا آیا کہ اللہ تعالیٰ نے ہندوستان میں اس علم کی اشاعت کا

انتظام فرمایا، دسویں صدی ہجری میں بعض علماء ہندوستان آئے، اور ان کے
ذریعہ یہ علم ہندوستان میں رواج پذیر ہوا، مثلاً
شیخ عبدالمعطی مکی بن حسن بن عبداللہ باکثیر متوفی باحمد آباد ۹۸۹ھ۔
شہاب احمد مصری بن بدرالدین، متوفی باحمد آباد ۹۹۲ھ۔
شیخ محمد فاکہی جد ابن احمد بن علی متوفی باحمد آباد ۹۹۲ھ۔
شیخ محمد مالکی مصری بن محمد عبدالرحمٰن متوفی باحمد آباد ۹۱۹ھ۔
شیخ رفیع الدین چشتی شیرازی متوفی باکبرآباد ۹۵۴ھ۔
شیخ ابراہیم بغدادی بن احمد بن حسن۔
شیخ ضیاء الدین مدنی مدفون کاکوری ضلع لکھنؤ۔
شیخ بہلول بدخشی، خواجہ میر کلاں ہروی متوفی باکبرآباد ۹۸۱ھ۔
اور بہت سے علمائے کرام۔

ہندوستان کے کچھ علمائے کرام نے حرمین شریفین کا سفر اختیار فرمایا، اور وہاں انھوں نے فن حدیث شریف حاصل کیا، اور اس فن کو لے کر ہندوستان واپس تشریف لائے، اور عرصہ دراز تک گجرات میں درس حدیث دیتے رہے، پھر دوبارہ حجاز ہجرت کر گئے، شیخ یعقوب بن حسن کشمیری متوفی ۱۰۰۳ھ، شیخ جوہر کشمیری متوفی ۱۰۲۶ھ، شیخ عبدالنبی گنگوہی بن احمد، شیخ عبداللہ سلطان پوری بن شمس الدین، شیخ قطب الدین عباسی گجراتی، شیخ احمد بن اسماعیل مانڈوی، شیخ راجح بن داؤد گجراتی، شیخ علیم الدین مانڈوی، شیخ معمر ابراہیم بن داؤد مانیپوری مدفون باکبرآباد، شیخ محمد بن طاہر بن علی پٹنی مصنف "مجمع بحارالانوار"

سید عبدالاول حسینی بن علی بن العلاء الحسینی اور دوسرے علمائے کرام[1]"

مصنف "الثقافة الاسلامية فی الهند" آگے چل کر لکھتے ہیں :-

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کا کارنامہ

"اس کے بعد فن حدیث کی نشر و اشاعت کے لئے اللہ تعالیٰ نے شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ بن سیف الدین بخاری متوفی ۱۰۵۲ھ کو منتخب فرمایا، ان کے ذریعہ علم حدیث کی اشاعت بہت عام ہوئی، انھوں نے دارالسلطنت دہلی میں مسند درس آراستہ فرمائی، اور اپنی ساری کوشش و صلاحیت اس علم کی نشر و اشاعت پر صرف فرمائی، ان کی مجلس درس سے بہت سے علماء نے فن حدیث کی تکمیل کی، اور بہت سی کتابیں بھی فن حدیث میں تصنیف فرمائیں، شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے اس علم کی نشر و اشاعت میں بڑی جد و جہد کی، ان کی ذات اور ان کے علم سے اللہ کے بندوں کو بہت نفع پہونچا، فن حدیث کی نشر و اشاعت میں ان کی جد و جہد اور کوششیں اپنے پیشروؤں سے اس قدر نمایاں و ممتاز رہیں کہ لوگوں نے یہاں تک کہہ دیا کہ فن حدیث کو ہندوستان میں سب سے پہلے لانے والے یہی شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ہیں، حالانکہ جیسا میں نے اوپر بتلایا تاریخی حیثیت سے یہ بات صحیح نہیں ہے۔

شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے بعد ان کے صاحبزادہ شیخ نورالحق متوفی ۱۰۷۳ھ نے اس علم کی خدمت اور نشر و اشاعت کا بیڑا اٹھایا، اور ان کے بعض تلامذہ

---

[1] "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" ص ۱۹۵-۱۹۶

اور اولاد نے بھی اس فن کی خدمت کی ہے، مثلاً شیخ الاسلام شارح بخاری اور شیخ نورالحق کے صاحبزادہ مولانا سلام اللہ مصنف "مُحلّٰی" و "کمالین"۔[1]

پروفیسر خلیق احمد نظامی نے صحیح لکھا ہے کہ:۔

"بہرحال حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ نے جس وقت مسند درس بچھائی تھی، اس وقت شمالی ہندوستان میں حدیث کا علم تقریباً ختم ہو چکا تھا، انھوں نے اس تنگ و تاریک ماحول میں علوم دینی کی ایسی شمع روشن کی کہ دور دور سے لوگ پروانوں کی طرح کھنچ کر ان کے گرد جمع ہونے لگے، درس حدیث کا ایک نیا سلسلہ شمالی ہندوستان میں جاری ہوگیا، علوم دینی خصوصاً حدیث کا مرکز ثقل گجرات سے منتقل ہو کر دہلی آگیا"۔[2]

ایک مُجدّد کی ضرورت

حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ کے صدق و اخلاص اور برکت انفاس سے حدیث کی طرف توجہ شروع ہوئی اور انھوں نے اس کے درس و مطالعہ، تدریس اور شرح و تحشیہ کا ایک نیا ذوق اور ایک نئی تحریک پیدا کر دی، امید تھی کہ ان کے جانشین و افرادِ خاندان جو اپنی اپنی جگہ پر محدث، مدرس اور صاحبِ تصنیف تھے، اس سلسلہ کو اس طرح جاری رکھیں گے کہ اس فن شریف کو ہندوستان کے نظامِ تعلیم، نصابِ درس اور علمی و تصنیفی سرگرمیوں میں شایان شان مقام حاصل ہوگا، خود ان کے صاحبزادۂ گرامی قدر علامہ مفتی نورالحق دہلوی (م ۱۰۷۳ھ) جنھوں نے صحیح بخاری کی فارسی میں چھ جلدوں میں شرح لکھی اور شمائل ترمذی

---

[1] "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" ص ۱۹۷-۱۹۸ [2] حیات شیخ عبدالحق محدث دہلویؒ ص ۴۳

پر بھی ان کی شرح ہے، اس سلسلہ میں ان کے شروع کئے ہوئے کام کی تکمیل فرما سکتے تھے، لیکن غالباً عہدۂ قضا کی وجہ سے جس پر وہ اکبر آباد (آگرہ) جیسے مرکزی شہر میں فائز تھے، ان کو زیادہ درس و تدریس و اشاعت علم حدیث کا موقع نہیں مل سکا، ان کے نبیرہ مولانا شیخ الاسلام دہلویؒ بھی بڑے محدث تھے، جن کی صحیح بخاری پر فارسی میں مبسوط شرح ہے۔

لیکن بعض معلوم اور بعض نامعلوم اسباب کی بناء پر ان حضرات کی انفرادی مساعی سے ہندوستان میں حدیث کی طرف وہ رجوع عام اور اس کی اشاعت و درس و تدریس میں وہ جوش و سرگرمی نہیں پیدا ہوئی، جس کی توقع تھی، شاید اس وجہ سے بھی کہ ان حضرات پر حدیث کے ذریعہ مذہب حنفی کی تائید کا جذبہ و رجحان غالب تھا، دوسرا سبب یہ بھی تھا کہ بارہویں صدی کے وسط ہی میں تعلیم و تعلّم کا مرکزِ ثقل دہلی سے لکھنؤ منتقل ہو رہا تھا، اور وہاں استاد العلماء ملا نظام الدین سہالوی (م ۱۱۶۱ھ) کے بابرکت اور طاقتور ہاتھوں سے نئے نصاب کی تشکیل ہو رہی تھی، اس نصاب کے واضعین و مصنفین کا علمی رابطہ حرمین شریفین اور ان مقامات سے قائم نہیں ہو سکا تھا، جو حدیث کے درس و تدریس و خدمت و اشاعت کے مرکز تھے، اور ان پر (جیسا کہ درس نظامی کی تاریخ اور کتب سوانح و تذکرہ سے ظاہر ہوتا ہے) علوم حکمت اور علوم دینیہ میں سے اصول فقہ کا غلبہ تھا۔

بہرحال ہندوستان کا علمی و دینی حلقہ ایک ایسی شخصیت کا منتظر اور محتاج تھا، جو حدیث سے عشق و فریفتگی کا تعلق رکھتی ہو اور اس کے نشر و اشاعت کو اس نے اپنی زندگی کا مقصدِ اوّلیں قرار دیا ہو ہندوستان کو یہ شخصیت بارہویں صدی کے وسط میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کی ذات میں حاصل ہوئی جنھوں نے صحیح معنی میں اس شعر پر عمل کیا۔ ع

ما آنچہ خواندہ ایم فراموش کردہ ایم الّا حدیث دوست کہ تکرار می کنیم

مصنف "الثقافة الاسلامية فی الهند" نے ان حضرات کا تذکرہ کرنے کے بعد جنھوں نے گیارہویں اور بارہویں صدی کے اوائل میں ہندوستان میں علم حدیث کی نشر و اشاعت میں حصہ لیا، اور اپنے درس و تصنیف سے بڑے حلقہ کو فیض پہونچایا، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی خدمت حدیث کا ذکر کیا ہے، جو اس ملک ہی میں نہیں اس دور آخر میں تجدیدی و اجتہادی شان اور احیاء کا رنگ رکھتی ہے، اور جس سے اس ملک میں حدیث کا سکہ رائج الوقت کی طرح چلن ہوگیا، وہ نصاب درس کا ضروری جزء اور معیار فضیلت قرار پائی، درس حدیث کے مستقل حلقے قائم ہوئے، مدارس میں صحاح ستہ کے درس بالخصوص کتب اربعہ بخاری، مسلم، ابوداؤد و ترمذی کو تحقیق کے ساتھ پڑھنے کا رواج ہوا، (جواب عرب ممالک میں بھی مفقود ہے) شروح حدیث کا دور شروع ہوا، اور دیکھتے ہی دیکھتے اس پر ایک وسیع و عظیم کتب خانہ تیار ہوگیا، جس کی مثال ممالک عربیہ میں بھی نظر نہیں آتی[1]، کتب حدیث کے تراجم ہوئے، جن سے عامۃ المسلمین اور غیر عربی دانوں کو نیز مسلمان خواتین کو بیش بہا فائدہ پہونچا، اور عمل کی تحریک اور اتباع سنت کا شوق ہوا، اجازت حدیث اور سند کا شوق ہوا، اور ہندوستان اس فن شریف کا ایسا مرکز بن گیا کہ مصر کے جلیل القدر عالم علامہ سید رشید رضا مدیر "المنار" کے قلم سے حسب ذیل الفاظ نکلے:-

ولولا عناية إخواننا علماء الهند — اگر ہمارے بھائیوں علمائے ہندوستان نے

---

[1] شاہ صاحب کی تعلیم و تربیت اور دعوت و تحریک کے اثر سے ہندوستان میں حدیث کے اساتذہ، شارحین و مصنفین کی جو جماعت کثیر پیدا ہوئی، اور اس کے نتیجہ میں حدیث اور علوم حدیث پر جو عظیم کتب خانہ وجود میں آیا، اس کی وسعت اور تنوع کا اندازہ کرنے کے لئے ملاحظہ ہو مولانا حکیم سید عبدالحی صاحبؒ کی کتاب "الثقافة الاسلامية فی الهند" باب ثانی کی فصل رابع "مصنفات أهل الهند فی الحديث" صـ ۱۴۲ تا ۱۶۰، یا اس کا اردو ترجمہ "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" از مولانا ابوالعرفان ندوی شائع کردہ دارالمصنفین۔ اعظم گڑھ۔

بعلوم الحدیث فی هذا العصر	اس زمانہ میں علوم حدیث کے ساتھ
لقُضی علیها بالزوال من امصار	اعتناء نہ کیا ہوتا تو مشرقی ممالک میں
الشرق، فقد ضعفت فی مصر	مکمل طور پر ان کا زوال ہو چکا ہوتا،
والشام والعراق والحجاز منذ القرن	اس لئے کہ مصر، شام، عراق و حجاز
العاشر للهجرة، حتی بلغت	میں دسویں صدی ہجری ہی سے ان میں
منتهی الضعف فی أوائل هذا	ضعف پیدا ہو گیا تھا، جو اس چودھویں
القرن الرابع عشر[1]	صدی ہجری کے اوائل میں اپنی انتہا کو
	پہونچ گیا۔

حدیث کے بارے میں شاہ صاحبؒ کے خیالات و جذبات

شاہ صاحبؒ کے لئے کون سا جذبہ اس علم کے ساتھ اشتغال، پھر اس کی نشر و اشاعت کی سرگرمی، اور اس کے لئے اپنی زندگی اور صلاحیتیں وقف کر دینے کا محرّک ہوا، اس کو معلوم کرنے کے لئے خود شاہ صاحبؒ ہی کی تحریرات کی طرف رجوع کرنا چاہئے کہ یہ ان کے خیالات کا صحیح آئینہ ہے "حجۃ اللہ البالغہ" کے مقدمہ کے پہلے ہی صفحہ پر لکھتے ہیں:۔

إن عمدة العلوم اليقينية	علوم یقینیہ کا معتمد علیہ سرمایہ و تراج
ورأسها، ومبنى الفنون الدينية	اور فنونِ دینیہ کی اصل و اساس
وأساسها، هو علم الحديث	علمِ حدیث ہے جس میں افضل المرسلین
الذی يذكر فيه ما صدر من	صلے اللہ علیہ وسلم کے قول و فعل

---

[1] مقدمہ "مفتاح کنوز السنۃ"

أفضل المرسلين صلى الله عليه
وآله وسلم واصحابه اجمعين
من قول أو فعل أو تقرير، فهي
مصابيح الدجىٰ ومعالم الهدىٰ
وبمنزلة البدر المنير، من
انقادلها وعىٰ فقد رشد واهتدىٰ
وأوتي الخير الكثير، ومن أعرض
وتولّىٰ فقد غوىٰ وهوىٰ،
وما زاد نفسه الّا التخسير، فانه
صلى الله عليه وآله وسلم نهىٰ
وأمر، وأنذر وبشّر، وضرب
الأمثال وذكّر، وإنّها لمثل
القرآن أو أكثر۔[1]

یا کسی بات پر آپ کے سکوت و رضامندی
کا ذکر خیر ہوتا ہے، اس لئے یہ حدیثیں
تاریکی میں روشن چراغ، رشد و ہدایت
کا سنگِ میل، اور بدر کامل کا حکم رکھتی
ہیں، جو شخص ان پر عمل پیرا ہوتا اور
ان کی نگہداشت کرتا ہے تو وہ
ہدایت یاب اور خیر کثیر سے فیض یاب
ہوتا ہے اور جو بدبخت اس سے
اعراض و روگردانی کرتا ہے، وہ گمراہ
اور ہلاک ہوتا ہے اور اپنا ہی نقصان
کرتا ہے، اس لئے کہ آنحضرت صلے اللہ
علیہ وسلم کی زندگی امر و نہی، انذار و تبشیر
اور نصیحت و تذکیر سے معمور ہے، اور
آپ کی حدیثوں میں یہ چیزیں قرآن ہی
کی طرح یا اس سے (مقدار میں) کچھ
زیادہ ہی ہیں۔

ایک جگہ تحریر فرماتے ہیں:۔

اول چیزے کہ عقل آنرا بر خود ش — پہلی چیز جس کو عقل اپنے اوپر

---

[1] مقدمہ حجۃ اللہ البالغۃ ص۲

واجب میگردد آنست کہ تتبع اخبار
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم دربیان
احکام الٰہی، وپیروی آن اخبار
بدل وجوارح باید نمود، زیرا کہ کلام،
درشخصے است کہ تصدیق کردہ
است بتکلیف اللہ تعالےٰ عباد خود
را باحکام، وقصد خروج از عہدۂ تکلیف
مصمم ساختہ۔[1]

واجب قرار دیتی ہے یہ ہے کہ
آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے
حالات وارشادات کا تتبع کیا
جائے کہ آپؐ نے احکام الٰہی کے
بارے میں کیا ارشاد فرمایا اور کس طرح
ان پر عمل کیا، پھر قلب وجوارح سے
ان اقوال واحوال کی پیروی کی جائے
اس لئے کہ ہماری گفتگو اس شخص کے
بارے میں ہے جس نے یہ حقیقت تسلیم
کرلی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے اپنے بندوں
کو اپنے احکام کا مکلّف بنایا ہے
اور اس شخص نے تکلیف شرعی کی
اس ذمہ داری سے عہدہ برآ ہونے کا
عزم مصمم کرلیا ہے۔

ہندوستان میں علم حدیث سے بے اعتنائی کا شکوہ

شاہ صاحبؒ کے لئے ہندوستان میں علم حدیث کے احیاء اور اشاعت وترویج کا دوسرا محرک ہندوستان کی وہ صورت حال تھی جس کا ذکر کتاب کے باب دوم میں تفصیل سے

---

[1] کلمات طیبات صہ ۱۷۲

گزر چکا ہے، دینی حلقوں پر بدعات، رسوم جاہلیت، غیر مسلموں کی تقلید اور غیر اسلامی شعائر اختیار کرنے کا دھواں چھایا ہوا تھا، جس کے اندر سے اصل اسلام کی صورتِ زیبا دیکھنی مشکل تھی، علمی و درسی حلقوں پر یونان سے آئے ہوئے یونانی علوم جن کو وہ "فنون دانشمندی" کہتے تھے، اور علوم آلیہ اور فنون بلاغت، اور علم کلام کا غلبہ تھا، اور دونوں حلقوں میں علوم شرعیہ بالخصوص علم حدیث بار نہیں پانے پاتا تھا، اگر علوم دینیہ کی طرف توجہ بھی ہوتی تھی تو معاملہ فقہ اور اصول فقہ اور اس کی موشگافیوں سے آگے نہیں بڑھنے پاتا تھا، اس صورت حال کو دیکھ کر شاہ صاحب فرط تاثر اور شدت تأسف میں لکھتے ہیں:۔

"میں ان طالبان علم سے کہتا ہوں جو اپنے آپ کو علماء کہتے ہیں کہ اللہ کے بندو! تم یونانیوں کے علوم کے طلسم اور صرف و نحو و معانی کے دلدل میں پھنس کر رہ گئے، تم نے سمجھ لیا کہ علم اسی کا نام ہے، حالانکہ علم یا تو کتاب اللہ کی آیت محکم ہے یا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ثابتہ، تمہیں چاہیئے تھا کہ تمہیں یہ یاد رہتا کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کیسے نماز پڑھی، آپ کیسے وضو فرماتے تھے، قضائے حاجت کے لئے کس طرح جاتے تھے، کیسے روزہ رکھتے تھے، کیسے حج کرتے تھے، کیسے جہاد کرتے تھے، آپ کا انداز گفتگو کیا تھا، حفظِ لسان کا طریقہ کیا تھا، آپ کے اخلاق عالیہ کیا تھے؟ تم آپ کے اسوہ پر چلو اور آپ کی سنت پر عمل کرو، اس بناء پر کہ وہ آپ کا طریق زندگی اور سنت نبوی ہے، اس بناء پر نہیں کہ وہ فرض و واجب ہے، تمہیں چاہیئے تھا کہ تم دین کے احکام و مسائل سیکھو، باقی سیر و سوانح اور صحابہؓ اور تابعین کی وہ حکایات جو آخرت کا شوق پیدا کریں تو وہ ایک تکمیلی چیز اور امر زائد ہے، اس کے مقابلہ میں

تمہارے مشاغل اور جن باتوں پر تم پوری توجہ صرف کرتے ہو، وہ آخرت کے علوم نہیں ہیں، دنیاوی علوم ہیں۔

تم اپنے سے پہلے کے فقہاء کے استحسانات اور ان کی تفریعات میں غوطہ لگاتے ہو، اور یہ نہیں جانتے کہ حکم وہ ہے جو اللہ اور اس کا رسولؐ دے، تم میں کتنے آدمی ہیں، جب ان کو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کوئی حدیث پہونچتی ہے تو اس پر عمل نہیں کرتے اور کہتے ہیں کہ ہمارا عمل تو فلاں کے مذہب پر ہے، حدیث پر نہیں ہے، پھر تم نے یہ خیال کر رکھا ہے کہ حدیث کا فہم اور اس کے مطابق فیصلہ کاملین اور ماہرین کا کام ہے، حضرات ائمہ سے یہ حدیث مخفی نہیں ہو سکتی، پھر انھوں نے جو اس کو چھوڑا تو کسی وجہ سے جو ان پر منکشف ہوئی، مثلاً نسخ یا مرجوحیت۔

یاد رکھو کہ اس کا دین سے کچھ تعلق نہیں، اگر تمہارا اپنے نبیؐ پر ایمان ہے تو اس کی پیروی کرو، وہ تمہارے مذہب کے موافق ہو یا مخالف، خدا کی مرضی تو یہ تھی کہ تم کتاب اللہ اور سنت رسول اللہؐ کے ساتھ شروع سے اشتغال کرتے، اگر ان دونوں پر عمل کرنا تمہارے لئے آسان ہو تو کیا کہنا، اور اگر تمہارے فہم اس سے قاصر ہوں تو پھر کسی سابق عالم کے اجتہاد سے مدد لو، اور جس کو زیادہ صحیح، صریح اور سنت کے موافق پاؤ اس کو اختیار کرو، علوم آلیہ سے اس ذہن کے ساتھ اشتغال کرو کہ وہ آلات و وسائل ہیں، ان کی مستقل حیثیت اور مقصود کا درجہ نہیں، کیا خدا نے تمہارے اوپر یہ واجب نہیں کیا کہ تم علم کی اشاعت کرو، یہاں تک کہ مسلمانوں کے ملک میں شعائر اسلام

ظاہر وغالب ہوں، تم نے شعائر کا تو اظہار نہیں کیا، اور لوگوں کو زوائد میں مشغول کر دیا[1]؟

شاہ صاحبؒ کو حدیث کے ذکر میں جو سرشاری کی کیفیت اور ائمہ حدیث کی ذات کے ساتھ جو گہری عقیدت تھی اس کا کچھ نمونہ اس مکتوب میں دیکھا جا سکتا ہے، جو انھوں نے امام بخاریؒ کے مناقب میں اپنے ایک مسترشد کو لکھا ہے[2]۔

خدمت واشاعتِ حدیث کی سرگرمی

اوپر گزر چکا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ جب اپنے استاد و شیخ ابو طاہر مدنی سے رخصت ہونے لگے تو انھوں نے یہ شعر پڑھا ؎

نسیتُ کل طریق کنت أعرفہ　　إلّا طریقًا یؤدینی لربعکم

(میں چلنے کا ہر راستہ بھول گیا سوائے اس راستہ کے جو آپ کے گھر تک پہونچاتا ہے)

شاہ صاحب نے بھی چلتے وقت فرمایا کہ "میں نے جو کچھ پڑھا تھا، سب بھلا دیا سوائے علم دین حدیث کے"!

شاہ صاحب کی پوری زندگی اس کی تصدیق کرتی ہے کہ وہ حدیث شریف ہی کی تشریح وتفہیم، تدریس وتعلیم اور اشاعت وتعمیم میں مصروف رہے، بقول شاعر ؎

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اس عہد کو ہم وفا کر چلے

---

[1] تفہیمات الٰہیہ مطبوعہ المجلس العلمی ڈابھیل ۱۹۳۶ء حصہ اول ص ۲۱۴-۲۱۵

[2] ملاحظہ ہو "کلمات طیبات" ص ۱۶۸-۱۷۱

ہندوستان واپس آتے ہی انھوں نے حدیث کی نشر واشاعت کے لئے گویا کمر کس لی، بہت جلد ان کا مدرسہ رحیمیہ ہندوستان کے طول وعرض میں حدیث کی سب سے بڑی درسگاہ بن گئی، جہاں ہندوستان کے گوشہ گوشہ سے تشنگانِ علم حدیث نے پروانہ وار ہجوم کیا، ان مقامات میں سندھ[1] اور کشمیر[2] جیسے دور دراز مقامات بھی تھے، دہلی اور اس کے اطراف اور شمالی ہند کا تو کچھ کہنا نہیں، مسند الہند حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے ماسوا کہ وہ فرزند ارجمند اور شاہ صاحبؒ کے کاموں کی توسیع وتکمیل کرنے والے تھے، اسی درسِ حدیث سے فائدہ اٹھانے والے فخر ہندوستان علامہ سید مرتضیٰ بلگرامی مشہور بزبیدی (۱۱۴۵ھ یا ۱۲۰۵ھ) صاحب "تاج العروس" شرح قاموس اور "اتحاف السادۃ المتقین شرح احیاء علوم الدین" تھے، جن کے تبحر وتحدیث کی عالم عربی میں دھوم مچ گئی، اور جن کی مجلس قاہرہ میں سلاطین کے درباروں سے چشمک کرتی تھی، انھیں تلامذہ میں بیہقی وقت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ (م ۱۲۲۵ھ) خلیفۂ ارشد حضرت مرزا مظہر جانِ جاناںؒ، ومصنف تفسیر مظہری ومالا بدّ بھی تھے[3]۔

---

[1] سندھ کے مولانا محمد معین دہلی آئے، اور حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ سے حدیث کا درس لیا اور استفادہ کیا، ان کی مشہور تصنیف "دراسات اللبیب فی الأسوۃ الحسنۃ بالحبیب" ہے، جس میں شاہ صاحب کی تحقیقات اور ذوق کا عکس صاف نظر آتا ہے، ۱۱۶۱ھ میں وفات ہوئی (ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۶)

[2] شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے خاص تلامذہ اور ان کی تحقیقات واذواق کے حامل ومبلغ خواجہ محمد امین کشمیری (م ۱۱۸۶ھ) تھے، جو محمد امین الولی اللّٰہی کے نام سے مشہور ہیں، حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ ان کے شاگرد تھے، شاہ صاحب نے ان کے لئے اپنے بعض رسائل بھی تصنیف فرمائے (ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۶)

[3] ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۷۔

اس طرح ہندوستان میں صدیوں کے بعد (غالباً پہلی مرتبہ) علم حدیث کا ایسا چرچا اور اس کی طرف ایسا رجوع ہوا کہ ہندوستان، یمن کا ہمسر بن گیا، اور اس کے جانفزا جھونکے خود سرزمین حجاز تک پہونچنے لگے[1]، نواب سید صدیق حسن خاں مرحوم نے شاہ صاحبؒ کی خدمت واشاعت حدیث کی سرگرمیوں کو ذکر کرتے ہوئے، عربی کے دو بلیغ شعر لکھے ہیں، جو حقیقت حال کی صحیح تصویر ہیں ؎

من زار بابك لم تبرح جوارحه ۔۔۔ تروی أحادیث ما أولیت من مِنَن

فالعین عن قُرّة، والکف عن صِلَة ۔۔۔ والقلب عن جابر، والسمع عن حسن

(جو تمہارے دروازہ پر آیا اس کے اعضاء وجوارح تمہارے احسانات کی روایتِ حدیث میں مشغول ہوگئے)

(آنکھ کہتی ہے کہ (قُرّۃ) سے مجھے ٹھنڈک ملی، ہاتھ کہتے ہیں کہ ہم (صلہ) سے مالامال ہوئے، دل راوی ہے کہ اس کو (جابر کے ذریعہ) سکون کی دولت حاصل ہوئی، کانوں کی روایت ہے کہ وہ (حَسَن کی بدولت) اچھی اچھی باتوں سے معمور ہوئے۔)

لطف یہ ہے کہ ان اعضاء نے جن احسانات کا تذکرہ کیا ہے، اور ان کے سلسلہ میں جن محسنین کے نام لئے ہیں، وہ سب راویان حدیث اور شیوخ کاملین ہیں، مثلاً قرّۃ بن خالد السدوسی، صلۃ بن اشیم العدوی، حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ، اور امام حسن بصریؒ۔

---

[1] اسی مدرسہ ولی اللّٰہی کے فضلاء اور شاہ صاحب کے تلامذہ کے تلامذہ شاہ اسحٰق صاحب دہلوی، اور شاہ عبدالغنی صاحب مجددی نے حرمین شریفین میں خدمت ودرس حدیث کی بساط بچھائی، عرب وعجم کو فیض پہونچایا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو نزہۃ الخواطر ج ۷۔

شاہ صاحبؒ کی تصنیفی خدمات

شاہ صاحب نے حدیث اور علوم حدیث پر جو تصنیفات کیں، ان کے نام حسب ذیل ہیں،

۱۔ مصفّٰے (مؤطا امام مالکؒ کی فارسی شرح)

۲۔ مسوّٰی (مؤطا کی عربی شرح)

شاہ صاحبؒ فقہ حدیث اور درس حدیث کا جو طریقہ رائج کرنا چاہتے تھے، یہ دونوں کتابیں اس کا نمونہ ہیں، اور ان سے شاہ صاحبؒ کی علوم حدیث اور فقہ حدیث میں محققانہ اور مجتہدانہ شان کا اظہار ہوتا ہے، وہ مؤطا کو صحاح ستہ میں پہلے درجہ پر رکھتے تھے، اور اس کو ان میں ابن ماجہ کی جگہ پر شمار کرتے تھے[1]، وہ مؤطا کے بے حد قائل اور اس کے ساتھ اعتناء کرنے اور اس کو درس حدیث میں اوّلیت دینے کے پرجوش داعی اور مبلغ ہیں[2]

شاہ صاحبؒ اپنے وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

چوں قدرت بزبان عربی یافت	جب عربی زبان پر قدرت حاصل
مؤطا بروایت یحییٰ بن یحییٰ مصمودی	ہو جائے مؤطا کے اس نسخہ کو جو
بخوانانند و ہرگز آں را معطل	یحییٰ بن یحییٰ مصمودی کی روایت
نگذارند کہ اصل علم حدیث	سے ہے پڑھائیں، ہرگز اس سے
ہست و خواندن آں فیضہا دارد و ما را	پہلو تہی نہ کریں کہ وہ علم حدیث کی

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا عبید اللہ سندھی کا مقالہ "الفرقان" شاہ ولی اللہؒ نمبر ص ۲۹۲-۲۹۸

[2] ملاحظہ ہو مقدمہ مصفّٰے نیز "الفائدۃ الثانیۃ فی درجۃ المؤطا من بین کتب الحدیث" مقدمہ اوجز المسالک از حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب ص ۳۲-۳۳ مطبوعہ مطبعۃ السعادۃ مصر ۱۳۹۳ھ

سماع جمیع آں مسلسل است[1] اصل ہے، اور اس کا پڑھنا بڑے فیوض کا حامل ہے، ہم کو مکمل مؤطا کی سماعت مسلسل طریقہ پر حاصل ہے۔

۳۔ شرح تراجم ابواب صحیح بخاری، صحیح بخاری کے تراجم وابواب کی جو ہر زمانہ میں درس بخاری کے سلسلہ کی دقیق ترین چیز سمجھی گئی ہے، اور ہر زمانہ میں بخاری کے شُرّاح اور اساتذہ نے اس میں اپنی ذہانت، اور دقیقہ سنجی کے نمونے پیش کئے ہیں، یہ رسالہ عربی میں ہے، پہلے ۱۳۲۳ھ میں دائرۃ المعارف، حیدرآباد سے شائع ہوا، پھر اصحّ المطابع، دہلی کے صحیح بخاری کے نسخے کے شروع میں بطور مقدمہ شامل کیا گیا[2]۔

۴۔ مجموعہ رسائل اربعۂ چار مختصر رسائل کا مجموعہ ہے جن میں "ارشاد الیٰ مہمات الاسناد" اور تراجم البخاری (یہ شرح تراجم ابواب بخاری کے علاوہ ہے، اور صرف ایک ورق پر ہے) شاہ صاحبؒ کی تصنیف ہیں۔

۵۔ "الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الأمین" "النوادر من حدیث سید الأوائل والأواخر" اربعین، شاہ صاحبؒ نے اس فضیلت کے حصول کے لئے جو چالیس[40] احادیث جمع کرنے کے بارے میں وارد ہوئی ہے، اور مختلف زمانوں میں علماء نے اس پر عمل کیا ہے، یہ رسالہ تصنیف کیا، یہ احادیث عام طور پر بہت مختصر قلیلۃ المبنی کثیرۃ المعنی ہیں، اور رسالہ اس قابل ہے کہ زبانی یاد کیا جائے، اور نصاب میں داخل کیا جائے۔

---

[1] وصیت نامہ فارسی ص۱۱

[2] شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب سہارن پوری (م ۱۴۰۲ھ) کے رسالہ "تراجم ابواب بخاری" میں بھی وہ شامل ہے۔

۶۔ مسلسلات۔

وہ کتابیں جو براہ راست فن حدیث پر نہیں ہیں، مگر ان کا بالواسطہ حدیث سے تعلق ہے، اور وہ مقدمات علم حدیث کے طور پر پڑھی جانی چاہئیں، اور ان سے شاہ صاحب کی علم حدیث پر گہری نظر، فقہ و حدیث میں تطبیق اور مذاہب کے محاکمہ میں انصاف و وسعتِ قلب طبقات محدثین اور طبقات کتب حدیث کے بارے میں ان کی وسیع نظر اور عمومی طور پر ان کے اس توازن و اعتدال کا اندازہ ہوتا ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے ان کو نوازا تھا، یہ کتابیں حسب ذیل ہیں:۔

۱۔ "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف"

"حجۃ اللہ البالغہ" میں تتمہ[۲] کے عنوان سے چند عناوین و مضامین میں جو صفحہ ۱۴۰-۱۶۲ تک پھیلے ہوئے ہیں[۱]، یہ تتمہ چار[۴] ابواب پر منقسم ہے، ناشر کی تحقیق ہے کہ یہ تتمہ صرف ایک ہی نسخہ میں پایا گیا، اس باب کے آخر میں شاہ صاحبؒ لکھتے ہیں کہ:۔

"میں نے ایک مستقل کتاب کی تالیف کا عزم کیا جس کا نام "غایۃ الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" رکھوں گا، اور اس میں تفصیل سے اسباب اختلاف پر بحث، اور اس کے شواہد و امثال بھی پیش کروں گا، لیکن اس وقت تک اس کام کے لئے فرصت نہیں ملی، جب اس کتاب (حجۃ اللہ البالغہ) میں اس مقام تک بحث پہونچی تو میں نے مناسب سمجھا کہ جو کچھ اس وقت ذہن میں ہے، اور اس کا قلم بند کرنا آسان ہے، اس کو پیش کر دوں[۲]"

ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بعد میں شاہ صاحبؒ کو اس کا موقعہ ملا اور حجۃ اللہ کے

---

[۱] نسخہ، مکتبۂ سلفیہ لاہور [۲] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۶۱ (سلفیہ)

اس مضمون کو لے کر کچھ اضافوں کے ساتھ علیٰحدہ رسالہ میں "الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف" کے نام سے مکمل کر دیا، اس لئے اس رسالہ اور حجۃ اللہ کے تتمہ دوم میں کہیں کہیں اختلاف اور خفیف حذف و اضافہ نظر آتا ہے۔

یہ رسالہ الانصاف (جو اپنے موضوع پر منفرد ہے) ہندوستان اور بیرون ہند میں کئی مرتبہ شائع ہوا، جن میں کہیں کہیں الفاظ کا اختلاف پایا جاتا تھا، ۱۳۲۷ھ میں "شرکۃ المطبوعات العلمیہ مصر کی طرف سے پہلی مرتبہ، اور "مکتبۃ المنصورۃ" مصر کی طرف سے دوسری مرتبہ رسالہ عربی ٹائپ میں شائع ہوا، اس وقت ہمارے سامنے "دار النفائس" بیروت کا عمدہ ٹائپ کا چھپا ہوا نسخہ ہے، جو چھوٹے سائز کے ایک سو گیارہ (۱۱۱) صفحات میں آیا ہے، عصر حاضر کے محدّث جلیل شیخ عبد الفتاح ابو غدّہ نے اس کے مقابلہ اور تصحیح کی خدمت انجام دی اور اس پر حواشی کا اضافہ کیا۔

۲۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید۔

۳۔ حجۃ اللہ البالغۃ کا المبحث السابع[1]۔

درحقیقت حجۃ اللہ البالغہ کے پہلے حصہ کے القسم الثانی فی بیان اسرار ما جاء عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تفصیلاً سے لے کر دوسرے جز کے آخری حصہ "الفتن والمناقب" تک حدیث ہی کی حکیمانہ اور متکلمانہ شرح اور اس کے اسرار و حکم، اور اس کی عملی تطبیق کی وہ مجتہدانہ کوشش ہے جو شاہ صاحب ہی کا حصہ تھا، اور جس میں ان کو سبقت و اولیت حاصل ہے، افسوس ہے کہ حجۃ اللہ البالغۃ کا مطالعہ کرنے والے اور اس کا درس دینے والے بھی (علی أنهم أقل قليل) اس حصہ کو غیر اہم سمجھ کر

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ از ص ۱۲۸ تا ۱۵۴

نظر انداز کر دیتے ہیں۔

تطبیق بین الفقہ والحدیث

عرصہ سے عالم اسلام کے بہت سے علمی، تدریسی اور تصنیفی حلقوں میں فقہ و حدیث کے دو متوازی سلسلے چلے آرہے تھے، جن میں سے ہر ایک اپنی جگہ پر (جب سے اس کا اجرا ہوا تھا) دوسرے سے مستغنی و بے نیاز ہو کر اپنا سفر طے کر رہا تھا، اور اکثر اوقات ایک دوسرے سے جدا ہو کر پھر وہ کسی نقطہ پر جا کر ہمکنار نہیں ہوتے تھے، بہت سے فقہی مسلکوں میں حدیث اسی وقت زیر بحث آتی، جب مسئلہ کی تائید اور دوسرے مذہب فقہی کے نمائندوں کے اس اعتراض کو دفع کرنا ہوتا کہ یہ مسئلہ حدیث کے خلاف ہے، یا دوسرے مذہب پر اس کی ترجیح ثابت کرنی ہوتی، صحاح کے درس میں یا تو ان احادیث کی تاویل کی جاتی جو اپنے مذہب کے خلاف پڑتیں یا دوسری کتابوں کی ان احادیث کو پیش کیا جاتا جو اپنے مذہب کی تائید میں ہیں، اگر کسی مذہب فقہی کی کسی مستند و معیاری کتاب میں احادیث سے استدلال کیا گیا ہے تو بعض اوقات اس مذہب کے ان علماء نے جن کی فن حدیث پر وسیع نظر تھی اور محدثانہ ذوق رکھتے تھے، ان احادیث کی تخریج کی کوشش کی ہے اور ان پر محدثانہ کلام کیا ہے، جن سے اس کتاب میں استدلال کیا گیا ہے[1]، تو یہ سعی محمود بھی اس مذہب فقہی کی تائید و نصرت اور اس کو مطابق حدیث ثابت کرنے کا ایک طریقہ اور اس مذہب کی ایک عالمانہ اور محققانہ خدمت تھی، جو قابل قدر اور مستحق شکر ہے، نفس مسائل پر نظر ثانی کرنے اور فقہ و حدیث میں تطبیق کی کوشش نہیں تھی۔

---

[1] اس کی ایک روشن مثال علامہ زیلعی کی کتاب "نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الہدایۃ" ہے۔

مذاہب فقہیہ کے کچھ ایسے آہنی سانچے بن گئے تھے، جن کا ٹوٹ جانا تو ممکن تھا[1]، پھیلنا ممکن نہیں تھا، ہر مذہب کے پیرو اپنے مذہب کے متعلق یہ خیال قائم کئے ہوئے تھے کہ ان کے مذہب کا سو فیصدی صحیح ہونا تو اصل حقیقت ہے باقی بشریت کی بناء پر غلطی کا امکان ضرور ہے، کسی نے اس طرز فکر کو بڑے بلیغ انداز میں اس جملہ سے ادا کیا ہے، "مذھبنا صوابٌ یحتمل الخطاء ومذھب غیرنا خطاءٌ یحتمل الصواب" (ہمارا مذہب اصل میں تو درست اور حق ہے خطا کا احتمال ہے، اور دوسرے کا مذہب (فقہی) اصلاً ناصواب ہے، صحت کا احتمال ہے) اس طرز فکر کا نتیجہ یہ تھا کہ مذاہب اربعہ (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے درمیان (جن کو امت نے عام طور پر سند قبول عطا کی اور جن کے متعلق اہل حق و اہل علم کے درمیان شروع سے یہ اصولی طور پر تسلیم کیا جاتا رہا ہے کہ حق ان میں دائر ہے، ان کے بانی اور مؤسس ائمۃ الہدیٰ اور امت کے پیشوا تھے، اور یہ مذاہب حقانی ہیں) خلیج روز بروز عمیق اور وسیع ہوتی چلی جا رہی تھی، ان پر عمل کرنے والوں کے درمیان اختلاف منافرت تک، اور بحث و مناظرہ بعض اوقات مجادلہ اور مقاتلہ تک پہونچ جاتا تھا، اس سے زیادہ سخت معاملہ ان اہل علم کے ساتھ ہوتا تھا،

---

[1] یعنی اس مذہب کو ترک کر کے دوسرے مذہب کو اختیار کر لینے، حنفیت سے شافعیت یا بالعکس، یا عمل بالحدیث کا مسلک اختیار کر لینے کی مثالیں ہر زمانہ میں ملیں گی، لیکن ایک ہی مذہب کے دائرہ میں رہ کر بعض مسائل سے جزئی طور پر عدول اور کسی دوسرے مذہب کے مسئلہ کو اختیار کر لینے، یا کسی مسئلہ میں حدیث پر عمل کرنے کی مثالیں بہت کم ملیں گی، اس لئے کہ بہت سے حضرات کے نزدیک "تجزیٔ تقلید" صحیح نہیں، یعنی کسی مذہب و امام کا مقلد کسی مسئلہ میں بھی اگر دوسرے مذہب و امام کی تقلید اور اس کے مسئلہ پر عمل کرے تو وہ اپنے امام کی تقلید کے دائرہ سے خارج ہو جاتا ہے۔

جو کُلّی یا جزئی طور پر عبادات میں حدیث پر عمل شروع کر دیتے تھے، اس کی ایک مثال اسی بارہویں صدی کے ایک سلفی عالم و محدّث مولانا شیخ محمد فاخر زائر الٰہ آبادی (۱۱۲۰ھ - ۱۱۶۴ھ) ہیں، جو (بعض مصنفین کی روایت کے مطابق) اپنے اتباع حدیث و سلفیت کی وجہ سے عوام کی ناراضگی کا نشانہ بنے۔[1]

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے مجددانہ کارناموں میں ایک کارنامہ اور خدمتِ حدیث اور انتصار للسنۃ ہی کے سلسلہ زرّیں کی ایک اہم کڑی ان کی فقہ و حدیث میں تطبیق کی اور پھر مذاہب اربعہ میں جمع و تالیف کی کوشش تھی، اس سے اس بشارت نبویؐ کی تصدیق ہوتی ہے جس میں کہا گیا تھا کہ "تم سے خدا اس امت کی شیرازہ بندی کے ایک خاص نوع کا کام لے گا"۔[2]

جہاں تک ہندوستان کے تحتی برّاعظم کا تعلق ہے، اس میں اس طرز فکر اور جمع و تطبیق کی اس کوشش کا سراغ نہیں ملتا اور اس کے تاریخی و علمی اسباب ہیں، یہ تحتی برّاعظم شروع سے ان فاتحین اور بانیان سلطنت کے زیر نگین رہا جو یا ترکی النسل تھے یا افغانی النسل، اور یہ دونوں قومیں تقریباً اپنے اسلام قبول کرنے کے زمانہ سے مذہب حنفی کی حلقہ بگوش بلکہ اس کی حمایت اور نشر و اشاعت میں سرگرم اور پرجوش رہیں، یہاں اسلام کی تقریباً آٹھ سو سال کی تاریخ میں مذہب مالکی اور مذہب حنبلی کو تو قدم بھی رکھنے کا موقعہ نہیں ملا، شافعی مذہب سواحل تک محدود رہا، یا جنوبی ہند مدراس اور شمالی کنارے (موجودہ کرناٹک کے) بعض حصوں بھٹکل وغیرہ اور کیرالا میں محدود رہا، ان میں بھی مالابار (قدیم بلاد المعبر) کو مستثنیٰ کر کے جہاں زیادہ تر شافعی مسلک کے داعیان اسلام، تجّار، مشائخ اور فقیہ و عالم آئے، شیخ مخدوم

---

[1] شیخ فاخر الٰہ آبادی کے تذکرہ کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر" ج ۶ [2] فیوض الحرمین ص ۶۲

فقیہ علی مہایمی (م ۸۳۵ھ) صاحب تفسیر تبصیر الرحمان وتیسیر المنّان، اور مالابار کے شیخ مخدوم اسماعیل فقیہ السکّری الصدیقی (م ۹۴۹ھ) نیز مخدوم شیخ زین الدین ملیباری (م ۹۲۸ھ) صاحب فتح المعین کے علاوہ ہمارے محدود علم میں اس پایہ کے شافعی فقیہ ومحدث نہیں پیدا ہوئے[1] جو ہندوستان (بالخصوص شمالی ہند کے) علمی حلقوں پر گہرا اثر ڈالتے، اور علماء حنفیہ کو فقہ شافعی پر عمیق نظر ڈالنے اور اس سے استفادہ پر آمادہ کرتے، ہندوستان سے جو علماء اور طالبانِ علم حدیث وفقہ حجاز جاتے (جو ترکی سلطنت کے زیر انتظام تھا، اور ترک ہر دور میں سو فیصدی سنّی اور حنفی رہے ہیں) وہ بھی زیادہ تر اپنے ہی مذہب کے علماء اور خصوصیت کے ساتھ اپنے ہم وطن اساتذۂ فقہ وحدیث سے رابطہ رکھتے، جو وہاں ہندوستان یا افغانستان سے ہجرت کر کے چلے گئے تھے، اور ان کے شاگردوں کا بڑا حلقہ تھا[2]۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ پہلے شخص تھے، جن کا حرمین شریفین میں اصل تلمذ اور استفادہ ایک جلیل القدر شافعی محدث شیخ ابو طاہر کردی مدنی سے تھا، وہ ان کے علم، ان کی شخصیت اور ان کے باطنی کمالات، وسعت نظر اور وسعت قلب سے بھی متاثر ہوئے، شاہ صاحبؒ نے "انسان العین" میں اپنے جن مشائخ حرمین کا تعارف کرایا، ان میں صرف ایک شیخ تاج الدین قلعی حنفی عالم ومحدث تھے، ان مشائخ میں شیخ محمد وفد اللہ بن شیخ محمد بن محمد بن سلیمان مالکی المذہب تھے، جس دور میں شاہ صاحبؒ نے حرمین میں قیام کیا ہے، اس دور میں حجاز کی علمی قیادت اور تعلیم وتدریس کے میدان (بالخصوص فنِ حدیث کی تعلیم) میں سربراہی اور پیشوائی علماء ومحدثین یمن یا کردی النسل علماء

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو کتاب "عرب ودیار ہند" تالیف مولانا خواجہ بہاء الدین اکرمی ندوی بھٹکلی۔

[2] مثلاً علامہ شیخ علی متقی برہانپوری، صاحب کنز العمال، علامہ قطب الدین نہروالی، ملا علی قاری ہروی مکی، شیخ عبدالوہاب متقی اور شیخ محمد حیاۃ سندی وغیرہ۔

کے ہاتھ میں تھی، اور وہ بالعموم شافعی تھے، ان تمام اسباب کی بناء پر شاہ صاحب کو فقہ شافعی کے اصول و قواعد، اس کی خصوصیات اور بعض مابہ الامتیاز چیزوں سے واقف ہونے کا پورا موقعہ ملا، اور اسی طرح فقہ مالکی اور فقہ حنبلی سے بھی باخبر ہونے کا وہ موقعہ ملا جو علمائے ہندوستان کو طویل عرصہ سے (تاریخی، جغرافیائی، سیاسی، اور تمدنی اسباب کی بناء پر) میسّر نہیں آیا تھا، اور اس طرح مذاہب اربعہ کا تقابلی مطالعہ (الفقہ المقارن) ان کے لئے ممکن اور آسان ہوا، جو ان علماء کے لئے دشوار تھا، جن کو یہ مواقع حاصل نہیں ہوئے تھے۔

شاہ صاحب ۱۱۴۳ھ میں تیس[۳۰] سال کی عمر میں جب وہ تقریباً بارہ[۱۲] سال ہندوستان میں درس دے چکے تھے عازم حجاز ہوئے، لیکن اللہ تعالیٰ نے ان کی طبیعت میں فطری طور پر جو جامعیت نظر و قلب میں وسعت، اور فطرتاً تطبیقی ذوق، اور عارف رومیؒ کی اس وصیت پر عمل کرنے کا فطری رجحان پیدا کیا تھا کہ ؎

تو برائے وصل کردن آمدی
نے برائے فصل کردن آمدی

اس کی بناء پر سفر حجاز سے پہلے ہی ان کے اندر تطبیق بین الفقہ والحدیث کا جذبہ اور فقہائے محدثین کے مسلک کو ترجیح دینے اور اس کو اپنی زندگی کا وتیرہ بنانے کا عزم پیدا کر دیا گیا تھا، "الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف" میں خود تحریر فرماتے ہیں :-

بعد ملاحظۂ کتب مذاہب اربعہ	مذاہب اربعہ اور ان کے اصولِ فقہ
واصول فقہ ایشاں واحادیثے کہ	کی کتابوں کے مطالعہ اور جن احادیث
متمسّک ایشاں است قرار داد	سے وہ استدلال کرتے ہیں، ان پر غور
خاطر بمدد نور غیبی روش فقہائے محدثین	و فکر کرنے کے بعد طبیعت میں فقہائے محدثین

افتاد، بعدازاں شوق زیارت حرمین محترمین در سر افتاد۔[1]

کی روش کی پسندیدگی قرار پذیر ہوئی، اس میں نور غیبی کی مدد بھی شامل تھی، اس کے بعد حرمین محترمین کی زیارت کا شوق دامن گیر ہوا۔

شاہ صاحبؒ نے غالی فقہاء (جو اپنے مذہب سے سرمو انحراف کرنے کے لئے تیار نہیں) اور فرقۂ ظاہریہ (جو مطلقاً فقہ کا منکر اور ان فقہاء کی شان میں لب کشائی کرتا ہے جو حاملین علم کے سرتاج اور اہل دین کے امام و پیشوا ہیں) کی روش پر سخت تنقید کی ہے، اور دونوں کے غلو و انتہا پسندی کو ناپسند کیا ہے، اور صاف لکھا ہے کہ "إنَّ الحقَّ أمرٌ بین بین" معاملہ بین بین ہے، نہ پہلا فریق سو فیصدی حق پر ہے، نہ دوسرا فریق۔

شاہ صاحبؒ اپنی معرکۃ الآراء کتاب "حجۃ اللہ البالغہ" میں تحریر فرماتے ہیں:۔

"ایک طرف کلام فقہاء پر تخریج، دوسری طرف احادیث کے الفاظ کا تتبع، دونوں کی دین میں مستحکم اصل موجود ہے، اور ہر زمانہ کے علمائے محققین ان دونوں اصولوں پر عمل کرتے رہے ہیں، بعض ایسے ہیں جن کا تخریج کے بارے میں قدم پیچھے اور حدیث کے الفاظ کے تتبع میں قدم آگے ہے، اور بعض اس کے برعکس، ان میں سے کسی ایک اصول سے بھی مطلقاً صرفِ نظر مناسب نہیں، جیسا کہ فریقین کے عوام کا شیوہ ہے، اس بارے میں صراط مستقیم یہی ہے کہ دونوں کے درمیان تطبیق کی کوشش کی جائے، اور ایک کی کمی دوسرے سے پوری کی جائے، اور یہی امام حسن بصریؒ کا قول ہے"[2]۔

---

[1] الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف مشمولہ انفاس العارفین مطبع مجتبائی ص ۲۰۳-۲۰۴ [2] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۶ جزء اول تفصیل کے لئے پوری بحث "حکایۃ حال الناس قبل المأۃ الرابعۃ وبعدھا" میں دیکھی جائے۔

اپنے فارسی وصیت نامہ میں تحریر فرماتے ہیں:۔

در فروع پیروی علماء محدثین کہ جامع باشند میاں فقہ و حدیث کردن و دائماً تفریعات فقہیہ را بر کتاب و سنت عرض نمودن۔	مسائل فروعی میں ایسے علماء محدثین کی پیروی کرنی چاہئے، جو فقہ و حدیث دونوں کے عالم ہوں، مسائل فقہیہ کو کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ملاتے رہنا چاہئے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں:۔

امت را ہیچ وقت از عرض مجتہدات بر کتاب و سنت استغناء حاصل نیست[1]۔	امت کے لئے قیاسی مسائل کا کلام اللہ اور حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے تقابل کرتے رہنا ضروری ہے، اس سے کبھی بے نیازی نہیں ہو سکتی۔

شاہ صاحب کا سارا علمی نشو و نما فقہ حنفی و اصول فقہ حنفی کے ماحول میں ہوا تھا، اور وہ مذہب حنفی کی خصوصیات سے اتنا ہی واقف اور ان کے اتنا ہی قائل تھے، جتنا کہ کوئی بڑے سے بڑا حنفی عالم ہو سکتا ہے، وہ اس حقیقت سے واقف تھے، اور جا بجا اس کا اظہار کرتے ہیں کہ مختلف تاریخی، علمی، سیاسی و تمدنی اسباب کی بناء پر جتنی فقہ حنفی (نیز فقہ شافعی) کی خدمت ہوئی ہے، اور ان کی نوک پلک درست کی گئی ہے، ان کے متون کی شرح اور اصول کی تفریع کی گئی ہے،

---

[1] وصیت نامہ فارسی ص ۲-۳

اکسی دوسرے مذہب کے سلسلہ میں پیش نہیں آیا، وہ امام ابوحنیفہؒ کے متعلق لکھتے ہیں:۔

کان عظیم الشان فی التخریج علی	امام ابوحنیفہ کا مرتبہ ابراہیم نخعی اور
مذھب ابراھیم واقرانہ	ان کے ہم مرتبہ علماء کے مذہب پر
دقیق النظر فی وجوہ التخریجات	اجتہاد و استنباط کے سلسلہ میں بہت
مقبلا علی الفروع اتم إقبال[1]۔	بلند تھا، ان تخریجات کے وجوہ و اشکال
	میں وہ بڑی دقت نظر رکھتے تھے، مسائل
	جزئیہ اور فروع کے استخراج میں ان کا
	انہماک بہت بڑھا ہوا تھا۔

لیکن اس کے ساتھ وہ امام مالکؒ کی عظمت اور خاص طور پر مؤطا کی صحت، اس کے رتبہ و مقام، اور اس کی برکت کے نہ صرف قائل بلکہ داعی ہیں، اور اس کو حدیث کی اساسی کتابوں میں مانتے ہیں[2]، دوسری طرف مذہب شافعی کے منقح و مصفّٰی اور حدیث سے اقرب ہونے کا ذکر بسند الفاظ میں کرتے ہیں، اور امام شافعی کی دقیق النظری کے بڑے قائل ہیں[3]۔

پھر اس کے ساتھ امام احمد بن حنبلؒ کا تذکرہ کرتے ہوئے حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں:۔

فکان اعظمھم شأنا وأوسعھم	ان فقہا و محدثین میں سب سے عالی مرتبہ
روایۃً، وأعرفھم للحدیث مرتبۃً	وسیع الروایۃ، حدیث سے باخبر، اور
وأعمقھم فقھا احمد بن حنبلؒ	تفقہ میں عمیق النظر امام احمد بن حنبلؒ
ثم اسحاق بن راھویہ[4]۔	پھر اسحاق بن راہویہ ہیں۔

---

[1] "الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف" طبع دار النفائس، بیروت ص ۳۹ [2] ملاحظہ ہو مقدمہ مصفّٰی۔

[3] ملاحظہ ہو الخیر الکثیر ص ۱۲۴ وکتاب قرۃ العینین ص ۲۴۲ [4] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۱۵۰

ان ائمہ اربعہ کے علوّ شان، وسعت علم، دقّت نظر اور امت پر احسان سے (ان کتابوں اور تاریخ و تراجم کے ذریعہ) براہ راست واقفیت اور ان سے دلی عقیدت کی بناء پر شاہ صاحب میں وہ جامعیت اور فقہ و حدیث کے تقابلی مطالعہ میں وہ توازن و اعتدال پیدا ہوگیا جس کی قدرۃً ان علماء و مصنفین سے توقع نہیں کی جاسکتی جن کا مطالعہ اور ذہنی وابستگی ایک ہی مذہب فقہی اور اس کے بانی و مؤسّس سے تھی، اور ان کو اس دائرہ سے باہر نکلنے کی (بہت سے طبعی و شخصی اسباب کی بناء پر) نوبت نہیں آتی۔

اجتہاد و تقلید کے درمیان نقطۂ اعتدال

حضرت شاہ صاحبؒ کے ان وہبی کمالات اور تجدیدی امتیازات میں سے جن سے اللہ تعالیٰ نے ان کو خاص طور پر نوازا تھا، وہ متوازن و معتدل مسلک اور وہ نقطۂ اعتدال ہے، جو انھوں نے اجتہاد و تقلید کے درمیان اختیار کیا، اور جو ان کی طبع سلیم، ذوق صحیح اور حقیقت پسندی کا بہترین مظہر ہے، ایک طرف وہ لوگ تھے، جو ہر مسلمان کو خواہ عامی ہو یا خاص براہ راست کتاب و سنت پر عمل کرنے اور ہر معاملہ میں وہیں سے احکام حاصل کرنے کا مکلّف قرار دیتے تھے، اور تقلید کی مطلق حرمت کے قائل تھے، اگر ان کے کلام میں اس کی صراحت نہیں ملتی تو ان کے طرز عمل اور ان کی تحریروں سے قدرتی طور پر یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے، اس گروہ میں متقدمین میں علامہ ابن حزمؒ پیش پیش نظر آتے ہیں، لیکن یہ بالکل ایک غیر عملی بات ہے اور اس کا ہر مسلمان کو مکلّف قرار دینا تکلیف مالایطاق ہے۔

دوسری طرف وہ گروہ تھا جو تقلید کو اسی طرح ہر مسلمان پر واجب قرار دیتا تھا، اور اس کے تارک کو سخت فقہی احکام "فاسق" اور "ضال" سے یاد کرتا تھا جیسا کہ پہلا گروہ مقلدین

اور کسی خاص مذہب فقہی کے متبعین کو، یہ گروہ اس حقیقت کو بھول جاتا تھا کہ تقلید عوام کو نفسانیت اور خودرائی سے بچانے، مسلم معاشرہ کو انتشار اور فوضویت (انارکی) سے محفوظ رکھنے، دینی زندگی میں وحدت و نظم پیدا کرنے، اور احکام شریعت پر بسہولت عمل کرنے کا موقعہ دینے کی ایک انتظامی تدبیر ہے، لیکن انھوں نے اس انتظامی عمل کو تشریعی عمل کا درجہ دے دیا، اور اس پر اس شدت سے اصرار کیا جس نے اس کو ایک مذہب فقہی اور مسئلۂ اجتہادی کے بجائے منصوص اور قطعی عمل اور مستقل دین کا درجہ دے دیا۔

شاہ صاحبؒ نے اس بارے میں جو مسلک اختیار کیا، اور اس کی جو تعبیر کی وہ روح شریعت سے قریب تر، قرن اول کے عمل سے زیادہ ہم آہنگ، فطرت انسانی سے زیادہ مطابق اور عملی زندگی سے سازگار ہے، اس سلسلہ میں شاہ صاحبؒ چوتھی صدی ہجری سے پیشتر کے طرز عمل کا ذکر کرتے ہیں، اور بتاتے ہیں کہ لوگوں کو اپنی دینی زندگی میں، عبادات و معاملات میں جو نئے نئے مسائل و مشکلات پیش آتے تھے، ان کو وہ کس طرح حل کرتے تھے، اور اس سلسلہ میں وہ کیا راستہ اختیار کرتے تھے، "حجۃ اللہ البالغۃ" کے باب "حکایۃ حال الناس قبل المأۃ الرابعۃ وبعدھا" (چوتھی صدی ہجری سے پیشتر اور اس کے بعد کے لوگوں کا مسائل دینی کی تحقیق و عمل کے بارے میں کیا طرز عمل تھا؟) میں تحریر فرماتے ہیں:۔

قرون اولیٰ میں مسلمانوں کا طرز عمل

"معلوم ہونا چاہئے کہ چوتھی صدی سے قبل کے لوگ کسی ایک معیّن مذہب (فقہی) کی پابندی اور اس کی مکمل تقلید پر اجماع کئے ہوئے نہیں تھے، ابو طالب مکّیؒ (اپنی مشہور کتاب) "قوتُ القلوب" میں لکھتے ہیں: کہ تصنیفی انداز کی کتابیں (اور

فقہی مسائل کے مجموعے) اس زمانہ کے بعد کی باتیں ہیں، لوگوں کی کہی ہوئی باتوں کا کہنا کسی ایک مذہب پر فتویٰ دینا، اس کے قول کو دستور العمل بنا لینا اور اسی کو نقل کرنا اور اسی مذہب کے اصولوں اور بنیادوں پر تفقہ کا پہلی اور دوسری صدی میں وجود نہیں تھا۔

میں اس میں اضافہ کر کے کہتا ہوں کہ دو ابتدائی صدیوں کے بعد تخریج کا کسی قدر سلسلہ شروع ہوا لیکن یہ بات مسلّم ہے کہ چوتھی صدی کے لوگ ایک ہی مذہب کے دائرہ میں رہ کر تقلید خالص کے پابند اور اسی کے مطابق مسائل و احکام میں تفقہ اور اسی مذہب کے تحقیقات و اجتہادات کی نقل و روایت کے عادی نہیں تھے، جیسا کہ تتبع سے معلوم ہوتا ہے۔

امت اور (مسلم معاشرہ) میں دو طبقے تھے ایک علماء کا ایک عوام کا۔

عوام کا تو قصہ یہ ہے کہ وہ ان اجماعی مسائل میں جن میں مسلمانوں یا جمہور مجتہدین کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، وہ صرف صاحب شرع (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تقلید کرتے تھے، وہ وضو، غسل کرنے اور نماز و زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ اور اسی طرح کی عبادات و فرائض، اپنے والدین یا اپنے شہر کے استادوں، عالموں سے اخذ کرتے تھے، اور اسی کے مطابق عمل کرتے تھے، اور اگر کوئی نئی بات پیش آتی تو اس کے بارے میں کسی مفتی سے بھی جس تک ان کی رسائی ہوتی تھی، کسی خاص مذہب کے تعین کے بغیر رجوع کر لیتے تھے، اور اس سے مسئلہ پوچھ لیتے تھے۔

جہاں تک خواص کا تعلق ہے، ان کا معاملہ یہ تھا کہ جن کا فن حدیث تھا، وہ حدیث سے اشتغال رکھتے تھے، ان کو احادیث نبویہؐ اور آثار صحابہؓ کا اتنا ذخیرہ

مل جاتا تھا، کہ اس کی موجودگی میں ان کو اس مسئلہ میں کسی اور چیز کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، ان کے پاس کوئی نہ کوئی ایسی حدیث جو درجہ شہرت، استفاضہ یا صحت کو پہونچی ہوتی تھی، یا صحیح حدیث ہوتی تھی، موجود تھی، جس پر فقہاء اور علمائے کبار میں کسی نہ کسی نے عمل کیا ہوتا تھا، اور کسی کے پاس اس کو ترک کرنے کا کوئی معقول عذر نہیں ہوتا تھا، یا جمہور صحابہؓ اور تابعین کے پے در پے ایک دوسرے کی تائید کرنے والے اقوال ان کے پاس ہوتے تھے، جن سے اختلاف کرنے کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی تھی، اگر ان میں سے کسی کو مسئلہ میں کوئی ایسی چیز نہ ملتی جس سے اس کا قلب مطمئن ہوتا، نقول کے تعارض یا ترجیح کے اسباب کے عدم وضاحت کی وجہ سے یا کسی اور معقول سبب سے تو پھر وہ اپنے مشیر و فقہاء اور علماء کے کلام کی طرف رجوع کرتا تھا، اگر اس کے بارے میں اس کو دو قول ملتے، تو ان میں سے وہ اس کو اختیار کر لیتا جو زیادہ قوی اور مدلل ہوتا، چاہے یہ قول علمائے مدینہ کا ہوتا، یا علمائے کوفہ کا، جو تخریج (اجتہاد و استنباط) کی اہلیت رکھتے تھے، وہ ایسے مسئلہ میں جس میں ان کو کوئی صراحت نہیں ملتی تھی، تخریج و اجتہاد سے کام لیتے تھے، یہ لوگ اپنے اساتذہ یا اہل گروہ کی طرف منسوب کئے جاتے تھے، مثلاً کہا جاتا تھا کہ فلاں شافعی ہے، فلاں حنفی، علمائے حدیث میں بھی جو کسی مذہب سے زیادہ اتفاق کرتا تھا، اس کی طرف منسوب ہو جاتا تھا، مثلاً نسائی اور بیہقی کی نسبت امام شافعیؒ کی طرف کی جاتی تھی، اس زمانہ میں قضاء و افتاء پر اسی کا تقرر کیا جاتا تھا، جس میں اجتہاد کی صلاحیت ہوتی تھی، فقیہ بھی وہی کہلاتا تھا جو مجتہد ہوتا، پھر ان صدیوں کے بعد دوسری طرح کے لوگ

پیدا ہوئے جنھوں نے چپ و راست کا راستہ اختیار کیا۔[1]

تقلید کی جائز اور فطری شکل

شاہ صاحبؒ غایتِ انصاف اور حقیقت پسندی سے کام لیتے ہوئے ایسے شخص کو تقلید کے بارے میں معذور سمجھتے ہیں جو کسی مذہب فقہی یا معیّن امام کا مقلّد تو ضرور ہے لیکن اس کی نیت محض صاحب شریعت کی پیروی اور اتباع نبویؐ ہے، لیکن وہ اپنے اندر اس کی اہلیت نہیں پاتا کہ وہ حکم شرعی اور جو چیز کتاب و سنت سے ثابت ہے اس تک براہ راست پہونچ جائے، اس کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں، مثلاً وہ عامی شخص ہے، یا اس کے پاس براہ راست تحقیق کرنے کے لئے وقت و فرصت نہیں، یا ایسے وسائل (علم و تحقیق) حاصل نہیں جن سے وہ نصوص کا خود پتہ چلا لے، یا ان سے مسئلہ استنباط کر لے، شاہ صاحبؒ علامہ ابن حزم کا یہ قول نقل کرنے کے بعد کہ تقلید حرام ہے اور کسی مسلمان کے لئے جائز نہیں کہ وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے علاوہ کسی کے قول کو بلا دلیل قبول کرلے، تحریر فرماتے ہیں:-

"ابن حزم کے قول کا مصداق وہ شخص نہیں جو رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قول کے علاوہ کسی کو اپنے لئے واجب الاطاعت نہیں سمجھتا، وہ حلال اسی کو گردانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حلال کیا، اور حرام اسی کو مانتا ہے جس کو اللہ اور اس کے رسولؐ نے حرام کیا، لیکن چونکہ اس کو براہ راست آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم (کے اقوال و احوال) کا علم حاصل نہیں اور وہ آپ کے مختلف اقوال میں تطبیق دینے کی صلاحیت اور آپ کے کلام سے

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص ۱۵۲-۱۵۳

مسائل استنباط کرنے کی قدرت نہیں رکھتا، وہ کسی خداترس عالم کا دامن پکڑ لیتا ہے، یہ سمجھتے ہوئے کہ وہ صحیح بات کہتا ہے، اور اگر مسئلہ بیان کرتا ہے تو اس میں وہ محض سنت نبویؐ کا پیرو اور ترجمان ہوتا ہے، جیسے ہی اس کو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا یہ خیال صحیح نہیں تھا، اسی وقت وہ بغیر کسی بحث و اصرار کے اس کا دامن چھوڑ دیتا ہے، بھلا ایسے آدمی کو کوئی کیسے مطعون کرے گا، اور اس کو دشریعت کا مخالف قرار دے گا؟!

سب کو معلوم ہے کہ استفتاء اور افتاء کا سلسلہ عہد نبویؐ سے لے کر برابر چلتا رہا ہے، اور ان دونوں میں کیا فرق ہے کہ ایک آدمی ہمیشہ ایک سے فتویٰ لیتا ہے، یا کبھی ایک سے فتویٰ لیتا ہے کبھی دوسرے سے، ایسی حالت میں کہ اس کا ذہن صاف ہے، اس کی نیت سلیم ہے، اور وہ صرف اتباع شریعت چاہتا ہے، یہ بات کیسے جائز نہیں؟ جبکہ کسی فقیہ کے بارے میں ہمارا یہ ایمان نہیں ہے کہ اللہ نے اس پر آسمان سے فقہ اتاری، اور ہم پر اس کی اطاعت فرض کی ہے، اور یہ کہ وہ معصوم ہے تو اگر ہم نے ان فقہاء اور ائمہ میں سے کسی کی اقتداء کی تو محض اس بناء پر کہ ہم یہ جانتے ہیں کہ وہ کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ کا عالم ہے، اس کا قول (فتویٰ) دو حالتوں میں سے کسی ایک حالت سے خالی نہیں، یا وہ کتاب و سنت کے صریح حکم پر مبنی ہے، یا وہ استنباط کے اصولوں میں سے کسی اصول کے مطابق اس سے مستنبط کیا ہوا ہے، یا اس نے قرائن سے یہ سمجھ لیا ہے کہ حکم فلاں علّت کے ساتھ وابستہ ہے (اور وہ علّت یہاں پائی جاتی ہے) اور اس کا قلب اس بات پر مطمئن ہو گیا ہے،

دیکھو شرح عقود رسم المفتی

اس بناء پر اس نے غیر منصوص کو منصوص پر قیاس کیا، گویا وہ زبان حال سے کہتا ہے کہ میں سمجھتا ہوں کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ فرمایا کہ جہاں یہ علّت پائی جائے، وہاں حکم یہ ہوگا، اور یہ قیاسی مسئلہ اس عموم اور کلیہ میں شامل ہے، اس طرح اس حکم کی نسبت بھی آں حضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف کی جاسکتی ہے، لیکن ظنّی طریقہ پر، اگر صورت حال یہ نہ ہوتی تو کوئی صاحبِ ایمان کسی مجتہد کی تقلید نہ کرتا، اگر ہمیں رسول معصوم صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم جن کی طاعت کو اللہ تعالیٰ نے ہم پر فرض کیا ہے کوئی حدیث قابلِ وثوق سند سے پہونچے جو اس مجتہد یا امام کے فتوے اور قول کے خلاف ہو، اور ہم اس حدیث کو چھوڑ دیں اور اس ظنّی طریقہ کی پیروی کریں، تو ہم سے بڑھ کر ناروا طریقہ اختیار کرنے والا کون ہوگا، اور کل ہمارا خدا کے سامنے کیا عذر ہوگا[1]؟"

مذاہب اربعہ کی خصوصیت

اس منصفانہ اور محققانہ تجزیہ کے بعد شاہ صاحبؒ ان چار فقہی مذاہب (حنفی، مالکی، شافعی، حنبلی) کے بارے میں جن پر عالم اسلام میں عام طور پر عمل کیا جارہا ہے، اپنے رسالہ "عِقد الجید فی أحکام الاجتہاد والتقلید" میں جو "بہ قامت کہتر بقیمت بہتر" کا مصداق ہے، تحریر فرماتے ہیں:-

"یاد رکھو کہ ان مذاہب اربعہ کے اختیار کرنے میں بڑی مصلحت ہے، اور

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۱۵۵-۱۵۶

ان چاروں کو بالکل نظر انداز کر دینے میں بڑا مفسدہ ہے، اس کے کئی وجوہ و اسباب ہیں، ایک یہ کہ امت کا اس پر اتفاق رہا ہے کہ شریعت کے معلوم کرنے کے بارے میں وہ سلف متقدمین پر اعتماد کرے، تابعین نے اس بارے میں صحابہؓ پر اعتماد کیا اور تبع تابعین نے تابعین پر و علی ہذا القیاس ہر دور کے علماء نے اپنے پیشروؤں پر اعتماد کیا، عقل سے بھی اس کا مستحسن ہونا ثابت ہوتا ہے، اس لئے کہ شریعت کے علم کا ذریعہ نقل اور استنباط ہے، اور نقل جب ہی ممکن ہے، جب ہر طبقہ اپنے اس پہلے طبقہ سے جو اس سے متصل ہے اخذ کرے، استنباط میں بھی یہ ضروری ہے کہ متقدمین کے مذاہب معلوم ہوں تاکہ ان کے اقوال کے دائرہ سے خارج ہو کر خرق اجماع نہ ہو جائے، اس لئے ان اقوال کے جاننے اور سابقین سے مدد لینے کی ضرورت ہے، دوسرے علوم و فنون اور ہنروں اور پیشوں کا بھی یہی حال ہے، صرف نحو، طب، شاعری، لوہاری، نجاری، رنگریزی سب اسی وقت حاصل ہوتے ہیں، جب ان کے استادوں اور ان کے ساتھ اشتغال رکھنے والوں کی صحبت اختیار کی جائے، اس کے بغیر مہارت حاصل ہو جائے ایسا بہت کم پیش آتا ہے، اگرچہ عقلاً ایسا ممکن ہے لیکن واقعۃً ہوتا نہیں۔

جب یہ بات متعین ہو گئی کہ سلف کے اقوال و تحقیقات پر اعتماد ضروری ہے تو پھر یہ ضروری ہو گیا کہ جن اقوال پر اعتماد کیا جا رہا ہے، وہ سند صحیح سے مروی، مشہور کتابوں میں مدوّن ہوں، اور ان پر ایسا کام ہوا ہو کہ اس میں راجح اور مرجوح اور عام و خاص کا امتیاز آسان ہو، جہاں اطلاق پایا جاتا ہے، وہاں

یہ پتہ چل سکے کہ اس میں مقید کیا ہے؟ مختلف اقوال میں تطبیق دی جا چکی ہو، اور احکام کے علل پر روشنی ڈالی جا چکی ہو، نہیں تو ایسے مذاہب و اجتہادات پر اعتماد صحیح نہیں ہوگا، ان پچھلے ادوار میں کوئی مذہب (فقہی) بھی ایسا نہیں ہے، جس میں یہ صفات پائے جاتے ہوں، اور یہ شرطیں پوری ہوتی ہوں سوائے ان مذاہب اربعہ کے"[1]

اس طرح شاہ صاحب نے اجتہاد و تقلید کے درمیان وہ نقطۂ اعتدال اختیار کیا ہے، جو مقاصد شریعت، فطرت انسانی اور واقعات کی دنیا سے پورے طور پر مطابق ہے، انھوں نے تقلید کے ساتھ یہ شرط لگا دی ہے کہ اس بارے میں ذہن صاف اور نیت درست ہو کہ مقصود صاحبِ شریعت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اتباع اور کتاب و سنت کی پیروی ہے، اور یہ اس اعتماد پر ہے کہ ہم جس کو واسطہ بنا رہے ہیں، وہ کتاب و سنت کا عالم اور شریعت اسلامی کا محض نمائندہ اور ترجمان ہے، نیز یہ کہ ذہن اس کے لئے تیار رہے، (خواہ اس کا موقعہ مدتوں میں آئے) کہ جب اس بات کا یقین پیدا ہو جائیگا کہ صورت حال اس سے مختلف ہے، اور سنت سے ثابت حکم دوسرا ہے تو ایک صاحبِ ایمان کو دوسری شکل کے اختیار کرنے میں کبھی تامّل نہ ہوگا:۔

فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتّٰى يُحَكِّمُوكَ	تمہارے پروردگار کی قسم یہ لوگ جب تک
فِيمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي	اپنے تنازعات میں تمہیں منصف نہ بنائیں
أَنْفُسِهِمْ حَرَجًا مِمَّا قَضَيْتَ	اور جو فیصلہ تم کر دو اس سے اپنے دل میں
وَيُسَلِّمُوا تَسْلِيمًا ۝	تنگ نہ ہوں بلکہ اس کو خوشی سے
(سورۂ نساء - ۶۵)	مان لیں تب تک مومن نہیں ہوں گے۔

---

[1] عقد الجید ص ۳۶-۳۸

ہر زمانہ میں اجتہاد کی ضرورت

مذاہب اربعہ کی خصوصیات اور فقہائے محدثین کی خدمات اور ان کی عظمت کا پورا اعتراف کرتے ہوئے اور اس فقہی و حدیثی ذخیرہ کو بیش قیمت اور قابل استفادہ قرار دیتے ہوئے اور اس سے بے نیازی و استغناء کو مضر و محرومی کا سبب مانتے ہوئے شاہ صاحب اس کے قائل ہیں کہ اجتہاد (اپنی شرطوں اور ضروری احتیاطوں کے ساتھ) ہر دور کی ضرورت، حیات انسانی اور تمدن و معاشرت کی تغیر پذیری، اور نمو وارتقا کی صلاحیت اور انسانی ضروریات، حوادث و تغیرات کے تسلسل کا فطری تقاضا اور شریعت اسلامی کی وسعت، اس کے من جانب اللہ ہونے اور قیامت تک انسانوں کی رہنمائی اور معاشرہ کے جائز تقاضوں کی تکمیل کی صلاحیت رکھنے کا ثبوت ہے، جس کا اظہار اور ثبوت ہر دور میں ضروری اور حاملین شریعت کا فرض ہے۔

مقدمہ مصفّٰی میں لکھتے ہیں:۔

"اجتہاد ہر زمانہ میں فرض بالکفایہ ہے، یہاں اجتہاد سے مراد اجتہاد مستقل نہیں، جیسا کہ امام شافعیؒ کا اجتہاد تھا، جو جرح و تعدیل، زبان دانی وغیرہ میں کسی دوسرے کے محتاج نہ تھے، اور اسی طرح اپنی مجتہدانہ درایت میں (اپنے پورے اقسام کے ساتھ) وہ دوسرے کے تابع نہ تھے، مقصود اجتہاد منتسب ہے، اور وہ نام ہے احکام شرعی کو ان کے تفصیلی ادلّہ کے ذریعہ جاننے کا، اور مجتہدین کے طریقہ پر تفریع مسائل اور ترتیب احکام کا، خواہ وہ کسی صاحبِ مذہب کی رہنمائی سے ہو۔

اور ہم جو یہ کہتے ہیں کہ اجتہاد اس زمانہ میں فرض ہے (اور یہ محققین اہل علم کا اجماعی مسئلہ ہے) اس کی وجہ یہ ہے کہ مسائل کثیر الوقوع ہیں جن کا حصر ممکن نہیں، اور ان کے بارے میں اللہ کے حکم کا جاننا واجب ہے، اور جو تحریر و تدوین میں آچکا ہے وہ ناکافی ہے، اور ان کے بارے میں اختلافات بہت ہیں، جن کا حل کرنا دلائل کی طرف رجوع کئے بغیر ممکن نہیں، ائمہ مجتہدین سے جو مسائل کی روایات منقول ہیں، ان میں اکثر میں انقطاع ہے کہ قلب ان پر اطمینان کے ساتھ اعتماد نہیں کرسکتا، اس لئے ان کو قواعد اجتہاد پر پیش کئے اور تحقیق کئے بغیر معاملہ بنتا نہیں[1]"

---

[1] مقدمہ مصفّٰے (فارسی) ص۱۲ مطبع فاروقی دہلی۔

باب ہفتمؒ

شریعت اسلامی کی مربوط و مدلّل ترجمانی اور اسرار و مقاصد حدیث کی نقاب کشائی

حجۃ اللہ البالغۃ کے آئینہ میں

حجۃ اللہ البالغہ کا امتیاز و انفرادیت

شاہ صاحبؒ کی سب سے معرکۃ الآراء کتاب اور علمی کارنامہ "حجۃ اللہ البالغہ" ہے جس میں دین و نظامِ شریعت کا ایک ایسا مربوط، جامع اور مدلّل نقشہ پیش کیا گیا ہے، جس میں ایمانیات، عبادات، معاملات، اخلاق، علم الاجتماع و تمدن، سیاست و "احسان" کو ایک ایسے ربط و تعلق اور صحیح تناسب کے ساتھ پیش کیا گیا ہے کہ وہ ایک ہار کے موتی اور ایک زنجیر کی کڑیاں معلوم ہوتی ہیں، اور ان میں اصول و فروع، مقاصد و وسائل اور دائمی و موقّت کا فرق نگاہوں سے اوجھل نہیں ہونے پاتا، جو ان بہت سی تصنیفات و تحقیقات کی قدیم کمزوری ہے جو کسی غلو یا ناانصافی کے ردّ عمل یا کسی جذبہ یا جوش کے ماتحت لکھی گئی ہیں، اس ربط و تناسب کی وجہ (شاہ صاحب کی فطری سلامتِ طبع و اعتدال کے علاوہ) ان کا علم حدیث کا گہرا اور وسیع مطالعہ اور وہ مخصوص مزاج ہے جو حدیث اور سیرت کے اشتغال یا مزاج نبویؐ سے مناسبت رکھنے والے کسی "عالم ربّانی" کی صحبت و تربیت میں پیدا ہوتا ہے، اسلام کی یہ مربوط و جامع ترجمانی جو حجۃ اللہ کے صفحات میں دیکھنے میں آتی ہے،

بہت کم دینی تصنیفات میں نظر آئیگی[1]، اس طرح حجۃ اللہ البالغہ اس دور عقلیت کے لئے ایک نیا علم کلام بن گیا ہے، جس میں ایک حق پسند و سلیم الطبع انسان کے لئے (جس کو علمی استعداد اور دقّت نظر کا بھی کچھ حصہ ملا ہو) تشفی کا وافر سامان ہے، ہمارے علم میں کسی مذہب کی تائید اور اس کی حکیمانہ توجیہ و تشریح میں (ان زبانوں میں جن سے ہم واقف ہیں) اس پایہ کی کتاب نہیں لکھی گئی، اور اگر لکھی گئی تو اس وقت علمی دنیا کے سامنے نہیں ہے۔

بارہویں صدی کے کچھ بعد ہی ہندوستان اور پورے عالم اسلام میں (مختلف تعلیمی، تمدنی، علمی و عقلی اسباب کی بناء پر) ایک خاص طرح کی "عقلیت" کا جو دور شروع ہونے والا تھا، اور احکام شریعت کے اسرار و مصالح کی جستجو کا جو عام ذوق پیدا ہونے والا تھا اور اس کی وجہ سے بہت سے ذہن بھٹکنے اور بہت سے قلم بہکنے کے لئے تیار تھے، خاص طور پر حدیث اور سنت (خاص اسباب کی بناء پر) اعتراضات و شبہات کا سب سے زیادہ نشانہ بننے والی تھی[2]، ان نئے تقاضوں سے صحیح طور پر وہی شخص عہدہ برآ ہو سکتا تھا جو کتاب و سنت علومِ حکمت، علمِ کلام، علم الاخلاق، علم النفس (اور اپنے زمانہ کے حدود کے اندر) علم الاقتصاد علم المعیشت اور علم السیاست سے واقف ہو، پھر ان سب کے ساتھ احسان اور تزکیہ کے

---

[1] معاصر عرب فضلاء و اہل نظر میں راقم سطور نے زعیم مغرب علامہ علال الفاسی مراکشی مصنفِ "مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ و مکارمھا" اور معالی الاستاد محمد المبارک سابق عمید کلیۃ الشریعۃ و وزیر شام کو شاہ صاحب کی مدح اور حجۃ اللہ البالغہ کی تعریف میں ہمیشہ رطب اللسان پایا، وہ خاص طور پر اسی پہلو سے متاثر تھے کہ اس کتاب میں دین کے تمام شعبوں یہاں تک کہ اخلاق اور تزکیۂ نفس و احسان تک کی نمائندگی و ترجمانی ہے۔

[2] اس کی تفصیل مصنف کے رسالہ "اسلامی مزاج و ماحول کی تشکیل و حفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار" میں دیکھی جا سکتی ہے، ملاحظہ ہو ص ۴۱-۴۵

فن کے جوہر و حقیقت سے نہ صرف آگاہ بلکہ اس میں درجۂ اجتہاد پر فائز ہو۔

اس سب کا اقتضاء تھا کہ اس دور کے شروع ہونے سے پہلے بارہویں صدی کے امام کے قلم سے ایسی کتاب لکھوادی جائے، جو اس ضرورت کو اس بڑی حد تک پورا کرے، جو کسی ایسے انسان کے قلم سے ممکن ہے، جو بہرحال انسان ہے، وہ نہ معصوم ہے، نہ اس کا علم سارے زمانوں، مقامات، اور معلومات پر محیط ہے، اس پر اپنے زمانہ کی (کم سے کم درجہ میں) چھاپ اور اس نظام تعلیم و تربیت کا اثر بھی ہے، جس میں اس نے نشو و نما پایا ہے، پھر بھی وہ اصلاً دانش کدۂ قرآنی اور درس گاہ حدیث و سنت کا فیض یافتہ اور ان کا ترجمان نظر آتا ہے۔

شاہ صاحبؒ کتاب کی تصنیف کے محرّکات و دواعی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"علومِ حدیث میں سب سے باریک، دقیق و عمیق، رفیع و بدیع علم، اسرارِ دین کا وہ علم ہے، جس میں احکام کی حکمتیں اور ان کے لمیّات اور خواص اعمال کے اسرار و نکات بیان کئے جائیں، جن کے ذریعہ انسان شریعت کی لائی ہوئی چیزوں کے بارے میں صاحبِ بصیرت بن جاتا اور خلط و خبط سے محفوظ رہتا ہے"[1]

موضوع کی نزاکت

لیکن حقائقِ دینی اور احکامِ شرعی کی حکمتوں، مصالح اور اسباب و علل کے بیان کرنے کا موضوع بڑا نازک ہے، ذرا سی بے اعتدالی، کسی خاص رُجحان کے غلبہ یا زمانہ کے اثر سے پڑھنے والے کا ذہن شرائع سماوی اور تعلیمات نبویؐ کی پٹڑی سے اتر کر جس میں اصل مقصود رضائے الٰہی، قربِ خداوندی اور نجاتِ اخروی کو قرار دیا گیا ہے، مادّی منافع زندگی کی

---

[1] مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ ص۳

بہتر تنظیم اور تمدنی فوائد یا سیاسی مقاصد کے حصول کی پٹری پر پڑ جاتا ہے' اور سعی و جہد کے پورے سلسلہ سے ایمان و احتساب[1] کی روح یا تو بالکل نکل جاتی ہے یا بہت کمزور و مجروح ہو کر رہ جاتی ہے' مثال کے طور پر نماز کی حکمت و مصلحت یہ بیان کی جا سکتی ہے کہ وہ ایک فوجی پریڈ ہے اور اس سے نظم و اطاعتِ امیر اور حکومت اسلامی کے قیام میں مدد ملتی ہے' روزہ صحت کے لئے مفید ترین طریقہ ہے' زکوٰۃ اہل دولت پر غریبوں کا ٹیکس ہے' حج ایک سالانہ بین الاقوامی اسلامی مؤتمر (کانفرنس) ہے، جس میں ملت کے مفاد میں مسائل پر غور و مشورہ کیا جاتا ہے۔

ان خطرات کے پیش نظر (جنھوں نے امکانات و احتمالات سے بڑھ کر واقعات اور عملی مثالوں کی جگہ لے لی ہے) اس موضوع سے صحیح طور پر وہی عالم عہدہ برآ ہو سکتا تھا، جس کے ہاتھ میں دین و شریعت کا اصل سر رشتہ ہو، جو شرائع الٰہی کے نزول اور انبیاء کی بعثت کے مقصد سے آگاہ ہو، اور جس کے رگ و پے میں ایمان و احتساب کی روح سرایت کر چکی ہو اور جس کا ذہنی و علمی نشو و نما کتاب و سنت اور ایمان و احتساب کے ماحول میں اور ان کے زیر سایہ ہوا ہو، اور شاہ صاحب (جیسا کہ ان کے حالات سے معلوم ہو چکا ہے) اس نازک موضوع پر قلم اٹھانے کے لئے موزوں ترین شخصیت تھے۔

---

[1] حدیث و سنت کی اصطلاح میں کسی عمل کو اجر و ثواب کی لالچ اور شوق اور اس پر اللہ کی طرف سے جو وعدے ہیں' ان کے یقین کے ساتھ کرنے کو "احتساب" کہتے ہیں' صحیح حدیث میں آتا ہے "من صام رمضان ایمانًا واحتسابًا غُفِرلہ ما تقدم من ذنبہ" (بخاری) (جو رمضان کے روزے اللہ کے وعدوں پر یقین کرتے ہوئے اور اس کے اجر و ثواب کے شوق و طمع میں رکھے گا اس کے سب پچھلے گناہ معاف ہو جائیں گے) قیام لیلۃ القدر کے بارے میں بھی ایسی ہی حدیث وارد ہوئی ہے۔

مستقل تالیف کی ضرورت اور علمائے متقدمین کی ابتدائی کوششیں

شاہ صاحبؒ اس موضوع پر متقدمین کی مختصر کاوشوں کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"متقدمین نے ان مصالح کی نقاب کشائی کی ہے جن کی ابواب شرعی میں رعایت کی گئی ہے، بعد کے محققین نے بعض بڑے قیمتی نکتے بھی بیان کئے ہیں لیکن اس کی مقدار اتنی ہی ہے کہ اب اس موضوع پر کلام کرنا خرق اجماع نہیں رہا، کسی نے اس موضوع پر مستقل تصنیف نہیں کی، اور اس کے اصول و فروع کو پورے طور پر مرتب نہیں کیا"[1]

اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے امام غزالیؒ، علامہ خطابی، اور شیخ الاسلام عزّ الدین بن عبدالسلام کا حوالہ دیا ہے، جن کی کتابوں اور تحریروں میں جستہ جستہ ایسے مضامین اور اشارے ملتے ہیں[2]، شاہ صاحب نے اس دعوے کی تردید کے سلسلہ میں کہ احکام شرعی مصالح پر مشتمل نہیں ہیں، اور اعمال و جزا میں مناسبت کا ہونا کچھ ضروری نہیں ہے، ان آیات و احادیث سے استدلال کیا ہے جن میں اعمال اور ان کے نتیجہ میں ربط بتایا گیا ہے، بعض احکام کی علت و مصلحت بھی بیان کی گئی ہے، نیز ان احادیث کا بھی ذکر کیا ہے جن میں کسی عبادت یا عمل کی مشروعیت کا سبب یا تعیّنات کے اسرار بیان کئے گئے ہیں، نیز بعض ممانعتوں کے ان اسباب اور حکمتوں کی مثالیں بھی دی ہیں، جو حضرت عمرؓ اور دیگر صحابہؓ سے منقول ہیں[3]، اور ان خیالات و ظنون کی تردید فرمائی ہے، اور ان کا جواب دیا ہے، جو اس نازک عمل کی تدوین کو ناممکن یا غیر مفید یا "فعلِ جدید" بتاتے ہیں، اور اس کی وضاحت کی ہے کہ اس موضوع کی طرف اس وقت پوری توجہ نہ ہونے کے

---

[1] مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ ص۳ [2] ایضاً ص۶ [3] ایضاً ص۵-۶

کیا اسباب تھے[1]

اس فن کی تدوین کی ضرورت وحکمت بیان کرتے ہوئے شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ بعض ایسی احادیث کو جو بظاہر ہر طرح سے مخالفِ قیاس معلوم ہوتی ہیں بعض فقہاء نے مخالف عقل بتا کر ان کو رد کرنا جائز سمجھا، اس لئے بھی احادیث کے مطابق عقل وقیاس ہونے کو ثابت کرنا ضروری ہوگیا[2]، امت کے مختلف طبقات کا متعارض طرزِ عمل بعض کا عقل وقیاس سے بالکل آنکھیں بند کرلینا بعض کا تاویل اور ایسے موقعہ پر "صرف عن الظاہر" کا بے تکلف عمل کرنا جہاں احادیث اصول عقلیہ کے مخالف نظر آئیں اور اس بارے میں بہت سی جماعتوں کی بے اعتدالی، شاہ صاحب کے نزدیک اس فن کی تدوین جدید کو نہ صرف جائز ومفید قرار دیتی ہے، بلکہ اس کو دین کی عظیم ترین خدمت اور وقت کی اہم ضرورت ثابت کرتی ہے[3]۔

ضرورت کے اس احساس، علمی تجربے اور وقت کے تقاضے کے ماسوا شاہ صاحب کو اس کام کی تکمیل کے لئے بعض بشارات غیبی اور بارگاہِ رسالتؐ سے ایک ایسا اشارہ بھی معلوم ہوا جس سے اندازہ ہوا کہ دین کی ایک نئی نوعیت کی شرح مطلوب ہے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "میں نے سینہ میں ایک ایسی روشنی پائی جو برابر بڑھتی رہی، مکہ معظمہ کے زمانۂ قیام میں امام حسنؓ اور امام حسینؓ کو خواب میں دیکھا کہ انھوں نے مجھے قلم عطا کیا اور کہا کہ یہ ہمارے نانا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قلم ہے[4]"۔

شاہ صاحب کے تلامذہ اور اصحاب میں سب سے زیادہ ان کے ماموں زاد بھائی برادر نسبتی سفر حضر کے رفیق اور تلمیذ رشید شیخ محمد عاشق پھلتی کا اس کام کی تکمیل کے لئے سب سے زیادہ تقاضا واصرار تھا، جو شاہ صاحب کے سب سے بڑے مزاج داں اور ان کے علوم وکمالات سے سب سے زیادہ واقف تھے[5]۔

---

[1] مقدمہ حجۃ اللہ البالغہ ص ۷ [2] ایضاً ص ۹ [3] ایضاً [4] ایضاً ص ۳ [5] ایضاً ص ۴

بہرحال اللہ تعالیٰ نے شاہ صاحب کو اس اہم کام کی تکمیل کی توفیق عطا فرمائی اور ان کے قلم سے یہ جلیل القدر کتاب نکل کر اہل علم کے ہاتھوں تک پہونچی[1]۔

تمہیدی و بنیادی مضامین، تکلیف و مجازات

کتاب کے ابتدائی حصہ میں شاہ صاحب نے ان تمہیدی مباحث کو شامل کیا ہے جن سے ہدایتِ ربانی، تعلیماتِ آسمانی اور انبیاء کی بعثت اور ان کی تعلیم و تربیت کی ضرورت ثابت ہو اس میں بڑی اصولی

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ سب سے پہلے بھوپال کے عالم و باخدا وزیر و منتظم ریاست مدار المہام مولانا جمال الدین (م ۱۲۹۹ھ) کے ایماء و ہدایت پر انھیں کے مصارف سے مولانا محمد احسن صدیقی (م ۱۳۱۲ھ) کے اہتمام میں مطبع صدیقی بریلی میں ۱۲۸۶ھ میں طبع ہوئی، دوسری مرتبہ امیر الملک والاجاہ نواب سید صدیق حسن خان بہادر (م ۱۳۰۷ھ) کے حکم سے ۱۲۹۶ھ میں مطبع بولاق مصر سے اس کی اشاعت ہوئی، مصر سے اس کے دو ایڈیشن اور نکلے ۱۳۲۹ھ (۱۹۷۸ء) میں مولانا عطاء اللہ حنیف صاحب کے اہتمام میں المکتبۃ السلفیہ لاہور نے اس کا ایک ایڈیشن نکالا جو مصری ایڈیشن کا آفسٹ ہے، مصر سے حال ہی اس کا چوتھا ایڈیشن نکلا ہے، جو مشہور مصری عالم اور اخوانی رہنما سید سابق کی تحقیق و مراجعت، مفصل مقدمہ اور مصنف علام کے تعارف اور سوانح کے ساتھ دار الکتب الحدیثۃ قاہرہ اور مکتبۃ المثنی بغداد کی طرف سے شائع ہوا ہے، لیکن کتاب کی تصحیح و تحشیہ، تخریج احادیث، اور اشارات کی توضیح کے ذریعہ جو خدمت ہونی چاہئے تھی وہ ابھی تک نہیں ہوئی۔

اردو میں اس کے دو ترجمے شائع ہوئے، پہلا ترجمہ اپنے عہد کے فاضل جلیل و عالم متبحر مولانا عبد الحق حقانی کے قلم سے "نعمۃ اللہ السابغۃ" کے نام سے دو حصوں میں مکمل ہوا، یہ ترجمہ ۱۳۰۲ھ میں مکمل ہوا تھا اور ۱۳۱۲ھ میں مطبع احمدی پٹنہ سے شائع ہوا بعد میں نور محمد اصح المطابع آرام باغ کراچی سے دوبارہ شائع ہوا دوسرا ترجمہ مولانا خلیل احمد صاحب اسرائیلی کے قلم سے آیات اللہ الکاملہ کے نام سے مطبع اسلامی کی طرف سے شائع ہوا۔

لیکن یہ کتاب ان کتابوں میں نہیں ہے جن کا محض کسی زبان میں منتقل کر دینا اور لفظی ترجمہ کر دینا کافی ہو اس لئے اردو خواں اصحاب ان ترجموں سے خاطر خواہ فائدہ نہیں اٹھا سکے، اور ان کو اس کتاب کے مضامین کی بلندی اور افادیت کا صحیح اندازہ نہیں ہوا۔

اور بنیادی بحث وہ ہے جو انھوں نے "باب سرّ التکلیف" کے عنوان کے ماتحت پیش کی ہے اور جس میں ثابت کیا ہے کہ "تکلیف[1]" نوع انسانی کے فطری تقاضوں میں سے ہے، انسان اپنی زبانِ استعداد سے سوال کرتا ہے کہ خدا اس پر ایسی چیز واجب کرے جو قوت ملکیہ کے مناسب ہو، پھر اس پر ثواب دے، اور اس پر قوت بہیمیہ میں انہماک کو (جو اس کے اندر ودیعت ہے) حرام کرے اور اس کو سزا دے[2]، اس سلسلہ میں شاہ صاحب کے حیوانات، نباتات اور نوع انسانی کے وسیع اور دقیق مطالعہ کا اظہار ہوتا ہے، نیز طبیعیات وطب اور نباتات سے واقفیت بھی ظاہر ہوتی ہے، شاہ صاحب نے عقلی طور پر یہ ثابت کیا ہے کہ انسانوں کو حیوانات ونباتات سے جو امتیاز حاصل ہے اور ان میں جو استعدادیں اور فطری طلب رکھی گئی ہے، وہ زبانِ حال سے تکلیفِ شرعی اور ہدایتِ ربانی کا سوال کرتی ہے، شاہ صاحب اس کو "التکفُّف الحالی" (زبان حال سے بھیک مانگنا اور ہاتھ پھیلانا) کے بلیغ الفاظ سے تعبیر کرتے ہیں، اس کے ساتھ التکفُّف العلمی (علمی دریوزہ گری) کا اضافہ کرتے ہیں۔

ان کے نزدیک انسان کے اندر (عقل ونطق کے علاوہ) دو چیزیں اور ہیں "زیادۃ القوۃ العقلیۃ" اور "براعۃ القوۃ العملیۃ" اس میں انسان کے اندر صرف قوتِ عقلیہ اور قوتِ عملیہ کا وجود ہی نہیں، بلکہ ان کی ترقی، بلند ہمتی، طلب کمال، ناآسودگی بھی اس کی فطرت میں ہے، شاہ صاحب کے نزدیک خلقِ ملائکہ، حوادثِ عظیمہ اور ارسالِ رُسل اسی کا نتیجہ ہے، وہ یہ سب (عنایۃ بالنوع) اس اعتنا واہتمام کا کرشمہ ہے جو پوری نوعِ انسانی کے شامل حال ہے، اور یہ سب ربوبیت ورحمت الٰہی کی تجلّیات ہیں، ان کے نزدیک

---

[1] خدا کا اپنے بندوں کو مخاطب کرنا اور اوامر واحکام پر عمل کرنے اور مناہی سے بچنے کا مکلّف بنانا جس کو قرآن مجید میں "الأمانۃ" کے لفظ سے ادا کیا گیا ہے "اِنَّا عَرَضْنَا الْاَمَانَۃَ" (الأحزاب - ۷۲) کی تفسیر ملاحظہ ہو حجۃ اللہ البالغہ ۱۹

[2] ایضاً ص ۲۰

عبادات اور عمل بالشرائع نوعِ انسان کا ایسا ہی نوعی تقاضا ہے، جیسا درندوں کا گوشت کھانا، بہائم کا گھاس چرنا، اور شہد کی مکھیوں کا اپنے سردار (یعسوب) کی فرماں برداری کرنا، البتہ حیوانات کے علوم الہامِ جبلّی سے تعلق رکھتے ہیں، اور انسان کے علوم، اعمال، کسب، نظر یا وحی یا اتباع سے تعلق رکھتے ہیں[1]۔

اس کے بعد پھر شاہ صاحب مجازات (جزا و سزا) کو تکلیف شرعی کا قدرتی تقاضا بتاتے ہیں، ان کے نزدیک اس کے چار[2] اسباب ہیں، (۱) صورت نوعیہ کا تقاضا (۲) ملأ اعلیٰ کے اثرات[3] (۳) شریعت کا مقتضیٰ (۴) نبی کی بعثت کا نتیجہ و تقاضا، اور اللہ تعالیٰ کے اس کی قبولیت و نصرت کے فیصلہ کا لازمہ[4]، پھر انسانوں میں اپنی جبلّت میں اختلاف کی وجہ سے اخلاق و اعمال اور مراتب کمال میں بھی اختلاف ہوتا ہے، اس موقعہ پر شاہ صاحب نے "ملکیت" اور "بہیمیت" کے اجتماع، ان کے غلبہ و ضعف کے تناسب اور ان کے باہمی تعلق کی نوعیت کی (جن کو وہ "تجاذب" و "اصطلاح" کے الفاظ سے ادا کرتے ہیں) آٹھ[5] شکلیں اور ان کے خواص بیان کئے ہیں، اور ان میں جن کو ترجیح حاصل ہے اس کا ذکر کیا ہے، یہ بحث اور تفریع شاہ صاحب کی قوتِ استقراء اور ذہانت کا نمونہ اور کتاب کی خصوصیات میں ہے[6]، اور ان سے انسانوں کے احوال و فطرت کا دقیق مطالعہ معلوم ہوتا ہے۔

اعمال کی اہمیت اور ان کے اثرات

شاہ صاحبؒ اعمال کی اہمیت، ان کا ملکاتِ انسانی پر اثر، ان اعمال کے دنیا اور

---

[1] باب انشقاق التکلیف من التقدیر ص۲۰-۲۴ [2] شاہ صاحب نے کتاب کے شروع ہی میں عالم مثال اور ملأ اعلیٰ کو ثابت کیا ہے کہ ان دونوں کے حوالہ کی بار بار ضرورت پیش آئیگی، اور بہت سی احادیث و آیات کا ان دونوں کے بغیر سمجھنا مشکل ہے، ملاحظہ ہو ص۱۳-۱۵ [3] ایضاً ص۲۵ [4] ایضاً

آخرت میں اثرات مرتب ہونے کی شکلیں بیان کرتے ہیں[1]، وہ فرماتے ہیں کہ ایک وقت ایسا آتا ہے کہ اعمال میں (ملأ اعلیٰ کی پسندیدگی یا ناپسندیدگی کی وجہ سے) وہ اثر پیدا ہو جاتا ہے، جو ان تعویذوں اور نقوش میں ہوتا ہے، جو اپنی ہیئت خاصہ اور شرائط کے ساتھ سلف سے منقول ہیں[2]

اس طرح یہ ابتدائی مباحث کتاب کے مطالعہ کرنے والے کے ذہن کو آگے کے ان مباحث کے لئے تیار کر دیتے ہیں، جن کی بنیاد ہی انسان کے نوعی تقاضوں کے سمجھنے، تکلیفات شرعی کے اسباب اور ان پر مرتب ہونے والی مجازات، ربوبیت و رحمت کے تقاضوں اعمال کی اہمیت اور ان کے انسانوں کی ہیئتِ اجتماعی اور حیاتِ انسانی سے ربط و تعلق و ان غیبی حقائق اور غیر مرئی عوالم و اشیاء کے وجود کے تسلیم کرنے پر منحصر ہے۔

ارتفاقات

حجۃ اللہ کے مطالعہ سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاہ صاحب کی دور بین نگاہ اور بدلتے ہوئے حالات کے عمیق اور حقیقت پسندانہ مطالعہ نے (تائید الٰہی کی مدد سے) یہ دیکھ لیا تھا کہ جلد وہ زمانہ آنے والا ہے جس میں ایک طرف لوگ احکام شریعت بالخصوص حدیث و سنت کی تعلیمات اور ارشادات نبویؐ کے حکم و اسرار کے سمجھنے کی کوشش کریں گے اور ان کے تمدنی، اجتماعی، معاشرتی اور عملی فوائد معلوم کرنا چاہیں گے، دوسری طرف وہ دین و زندگی میں ربط معلوم کرنا چاہیں گے، اور دینی تعلیمات اور آسمانی ہدایات کو زندگی کے وسیع دائرہ (CANVAS) اور انسانوں کے باہمی روابط اور اسباب و نتائج کے باہمی تعلق کے سیاق و سباق (CONTEXT) میں سمجھنے اور ان کی افادیت معلوم کرنے کی کوشش کریں گے۔

---

[1] ایضاً ص ۲۹-۳۲ [2] ایضاً ص ۳۰

اس لئے شاہ صاحب نے "حجۃ اللہ البالغہ" کو جو اصلاً شریعت کے اسرار و حکم اور حدیث وسنت کی عقلی تشریح کے لئے لکھی گئی، نظام تشریعی سے شروع کرنے سے پہلے جو ان اوامر و نواہی پر مشتمل ہوتا ہے جن کا اصلاً تعلق ثواب و عقاب، نجات و فلاح اخروی اور شاہ صاحب کی اصطلاح میں "مبحث البرّ والاثم" سے ہے، کتاب کو ان مباحث سے شروع کیا ہے جن کا تعلق دنیا کے نظامِ تکوینی اور حیاتِ انسانی سے ہے، اور جن کی پابندی سے ایک صحت مند ہیئتِ اجتماعی، اور ایک صالح تمدّن وجود میں آتا ہے، شاہ صاحب نے اس کے لئے "ارتفاقات"[1] کی اصطلاح استعمال کی ہے، جو ہمارے علم میں اس سے پہلے مسلمان متکلمین، فلاسفہ اور علمائے اجتماع نے (کم سے کم اس وضاحت اور تسلسل سے) استعمال نہیں کی۔

ارتفاق کی اہمیت

ارتفاق سے شاہ صاحب کی مراد افراد کا ایک دوسرے سے جائز انتفاع، تعاون، اشتراک عمل، اور معتدل و متوازن شہری زندگی کے قیام کے لئے "تدبیرات نافعہ" ہیں[2]۔

اس طرح شاہ صاحب نے انسانی سعادت کے انفرادی و اجتماعی دونوں پہلوؤں اور دنیوی و اخروی دونوں زندگیوں سے بحث کی ہے، شاہ صاحب کے نزدیک یہ نظامِ تکوینی انبیاء علیہم السلام کے لائے ہوئے نظامِ تشریعی کے نہ صرف مطابق ہونا چاہئے، بلکہ اس کے لئے

---

[1] عربی زبان کے سب سے بڑے لغت "لسان العرب" میں رفق کے مادہ میں ہے "یقال للمتطبّب مترفّق ورفیق، والرِّفق والمِرفق والمَرِفقُ والمَرفَقُ ما استُعین بہ، وقد ترفّق بہ وارتفق، وفی التنزیل "وَیُهَیِّئْ لَكُمْ مِّنْ اَمْرِكُمْ مِّرْفَقًا" وھو ما ارتفقتَ وانتفعتَ بہ، وقد ترفّق علیہ وارتفق توکّأ، وقال عزّ وجلّ "نِعْمَ الثَّوَابُ وَحَسُنَتْ مُرْتَفَقًا" وترافق القوم وارتفقوا صاروا رفقاء۔ (لسان العرب باختصار)

[2] مولانا عبدالحق حقانیؒ نے ارتفاقات کا ترجمہ اسی طرح کیا ہے۔

متدومعاون اوران کے مقاصد کا خادم بن کر رہنا چاہیئے، انھوں نے (علمائے اخلاق اور ماہرین اقتصادیات ہیں) پہلی مرتبہ اقتصادیات وعلم المعیشت کا علم الاخلاق سے گہرا ربط ثابت کیا ہے، شاہ صاحب کے نزدیک یہ ربط جب ٹوٹ جاتا ہے تو معاشیات اور اخلاقیات دونوں کو شدید ضرر ان سے واسطہ پڑتا ہے، جس کا اثر مذہب واخلاق، پُرسکون زندگی، انسانوں کے باہمی روابط اور تمدن وتہذیب سب پر پڑتا ہے، ان کے نزدیک انسانوں کے اجتماعی اخلاق اس وقت بالکل برباد ہوجاتے ہیں، جب کسی جبر سے ان کو اقتصادی تنگی پر مجبور کردیا جائے، اس وقت انسان (جن کے اندر اللہ نے اعلیٰ روحانی ملکات اور ترقی کے امکانات ودیعت فرمائے ہیں) گدھے اور بیل کی طرح سے روٹی حاصل کرنے کے لئے سرگرداں رہنے لگتے ہیں، اور ہر طرح کی سعادتوں اور ترقیوں سے محروم ہوجاتے ہیں۔

شہری واجتماعی زندگی کی اہمیت اور ان کی شکلیں

شاہ صاحب شہری اور اجتماعی زندگی کی (جس کے مرکز کو وہ "المدینۃ" سے تعبیر کرتے ہیں) تعریف ایسے علمی انداز میں کرتے ہیں، جس سے بہتر اور جامع تعریف اس زمانہ تک (مصنفین وحکماء کے یہاں) نہیں کی گئی تھی "باب سیاسۃ المدینۃ" میں لکھتے ہیں:۔

وأعنی بالمدینۃ جماعۃ متقاربۃ تجری بینھم المعاملات ویکونون أھل منازل شتی۔[1]	المدینہ (شہر) سے ہماری مراد انسانوں کی وہ جماعت ہے جس میں کسی نوع کی قربت ہو اور ان کے درمیان معاملات میں اشتراک ہو اور وہ مختلف ٹھکانوں میں ہیں۔

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۴۴۲

وہ سیاسۃ المدینہ کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:۔

ھی الحکمۃ الباحثۃ عن کیفیۃ حفظ الربط الواقع بین أھل المدینۃ[1]۔	سیاست مُدُن سے ہماری مراد وہ حکمت ہے جو اس شہری زندگی کے افراد کے درمیان اس ربط و تعلق کی حفاظت کے طریقوں سے بحث کرے جو ان کے درمیان موجود ہے۔

پھر اس تمدنی زندگی یا المدینہ کی مزید تعریف کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

المدینۃ شخص واحد من جھۃ ذلک الربط مرکّبٌ من اجزاء وھیئۃ اجتماعیۃ[2]۔	شہر کو اس ربط کی وجہ سے جو اس کے افراد کے درمیان پایا جاتا ہے، شخص واحد تصور کرنا چاہیئے، جو مختلف اجزاء اور ایک ہیئت اجتماعیہ سے مرکّب ہے۔

ان کے نزدیک "ارتفاق" کی دو قسمیں ہیں:۔

۱۔ ابتدائی اور ضروری، جو اہل بادیہ کو بھی حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ اجتماعی یا ترقی یافتہ، جو اہل مصر (شہریت و تمدن والوں کو) حاصل ہوتا ہے۔

ان دو کے بعد تیسری قسم آتی ہے، وہ سیاست و انتظام کی ہے، پھر اس کے نتیجہ میں چوتھی قسم خلافتِ عامہ کی ہے، ارتفاق رابع میں شاہ صاحب اہل اقالیم (ملک کے متفرق اور دور دراز علاقوں) کے باہمی ربط کی حفاظت پر زور دیتے ہیں، یہ ربط (مختلف علاقوں کے درمیان)

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۴۴۲ [2] ایضاً

اتنا ہی ضروری ہے، جتنا کہ ایک شہر کے افراد کے درمیان ابتدائی اور محدود حالت میں ضروری تھا۔[1]

مکاسب اور وجوہ معاش کی محمود و مذموم شکلیں

ارتفاقات کے سلسلہ میں حصولِ مکاسب اور وجوہِ معاش بیان کرتے ہوئے شاہ صاحبؒ غیر طبعی اور غیر اخلاقی ذرائع معاش کا ذکر فراموش نہیں کرتے، فرماتے ہیں:۔

وبقيت نفوسٌ أُعيت بهم المذاهب الصالحة فالخدروا إلى أكساب ضارّة بالمدينة كالسرقة والقمار والتكدّي۔[2]

بہت سی طبیعتیں ایسی ہوتی ہیں جن کو جائز اور صحت مند راستوں سے کسبِ معیشت مشکل معلوم ہوتا ہے تو وہ ایسے ذرائع معاش کی پستی کی طرف اتر آتی ہیں جو شہری و اجتماعی زندگی کے لئے ضرر رساں ہوتے ہیں، مثلاً چوری، جُوا، دریوزہ گری (بھیک مانگنا) اور غیر قانونی و اخلاقی طریقۂ مبادلہ۔

اس موضوعِ ارتفاقات کے باب میں شاہ صاحبؒ کے قلم سے بعض ایسے حقائق نکل گئے ہیں، جن سے تمدن و معاشرہ اور انسانیت کے عروج و زوال کی تاریخ پر ان کی گہری نظر معلوم ہوتی ہے، فرماتے ہیں:۔

كلما رقّت النفوس وأُمعنت — جب طبیعتوں میں غیر طبعی نزاکت،

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۴۷ [2] ایضاً ص۴۳

فی حُبّ اللذّۃ الرفاھیۃ تفرّعت
حواشی المکاسب واختصّ
کُلُّ رجل بکسب[1]۔

حدِ اعتدال سے بڑھی ہوئی لذت پسندی
اور غلو کی حد تک پہونچی ہوئی خوشحالی
اور فارغ البالی پیدا ہو جاتی ہے تو
کسبِ معیشت کی باریکیاں اور ذیلی
قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں، اور ہر شخص
ایک خاص ذریعۂ معاش کا اجارہ دار
بن جاتا ہے۔

شاہ صاحب شہری زندگی کو نقصان پہونچانے والی چیزوں میں اس کا بھی ذکر کرتے ہیں کہ سب اہل شہر ایک ہی ذریعۂ معاش اختیار کرلیں، مثلاً سب تجارت شروع کردیں زراعت چھوڑ دیں، یا جنگ کے ذریعہ کسب معاش حاصل کریں، ان کے نزدیک زراعت بمنزلہ طعام کے ہے، اور صنعت و تجارت اور نظم و نسق بمنزلۂ نمک کے ہے، اسی سلسلہ میں شاہ صاحبؒ ایک بڑے نکتہ کی بات لکھتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ ملک کی تباہی کے اس زمانہ میں دو بڑے سبب ہیں۔

۱۔ بیت المال پر بغیر کسی محنت کے بار بننا[2]۔

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۴۳۳ [2] ان بار بننے والوں میں بطور مثال کے شاہ صاحبؒ نے ان سپاہیوں، عالموں، زہد پیشہ صوفیوں اور شعراء اور ان دوسرے گروہوں کو شامل کیا ہے، جو ملک میں سلطنت کی کسی خدمت کے بغیر جاگیروں کے مالک اور مفت کی کمائی اور انعامات و اکرامات کے عادی ہو جاتے ہیں، اس میں وہ نظام جاگیرداری بھی آگیا جس نے سلطنت کے مالیہ کو سخت نقصان پہونچایا تھا اور مفت خوروں اور تن آسانوں کا ایک لشکر پیدا کردیا تھا، اس سے شاہ صاحبؒ کی سیاسی بصیرت اور زوال سلطنت مغلیہ کے اسباب سے گہری واقفیت کا اندازہ ہوتا ہے۔

۲۔ اہل زراعت وتجارت اور اہل حرفہ واہل ہُنر پر بھاری ٹیکس لگانا، آخر میں فرماتے ہیں:

فلیتنبہِ أھل الزمان لھذہ النکتۃ[1]۔	ہمارے زمانہ کے لوگوں کو اس حقیقت کو سمجھ لینا چاہیئے اور ہوشیار ہو جانا چاہیئے۔

تمدن ومعاشرہ میں فساد پیدا کرنے والے اسباب میں شاہ صاحب تفریحات کی کثرت کو بھی شمار کرتے ہیں، جس سے معاش ومعاد دونوں تغافل کا شکار ہوتے ہیں، ان میں شطرنج میں انہماک، شکار کی کثرت اور کبوتر پالنے کو شامل کرتے ہیں[2]، اسی طرح سے اخلاقی جرائم اور ایسے اعمال کو برداشت کرنا جن کو عام طور پر سلیم الفطرت لوگ اپنی ذات کے لئے برداشت نہیں کر سکتے ہیں، اور ان کو تمدن کے لئے مضر سمجھتے ہیں، ان کے نزدیک اس سے حکومتوں کا زوال ظہور میں آتا ہے[3]۔

سعادت اور اس کے اصول چہارگانہ

کتاب کا مبحثِ رابع مبحث السعادۃ ہے، اس میں بتایا گیا ہے کہ سعادت کا حصول انسان کے لئے سب سے اہم ہے، اور وہ تہذیب نفس اور قوت بہیمیہ کو قوت ملکیہ کے تابع بنانے سے حاصل ہوتی ہے[4]۔

شاہ صاحبؒ کے نزدیک سعادت کے اصل اصول چار ہیں، جن کے لئے انبیاء کی بعثت ہوئی اور ان کی تفصیل شرائع سماوی ہیں، یہ درحقیقت ادیان وشرائع کی بنیادی شعبوں کے جامع عنوانات اور مقاصد بعثت کی تکمیل کے موثر ذرائع ہیں۔

---

[1] ایضاً ص۴۵ [2] ایضاً ص۴۹ [3] ایضاً ص۵ [4] ملاحظہ ہو ص۵۱

۱۔ طہارت (جسمانی پاکیزگی جو انسان کو توجّہ الی اللہ و تعلق باللہ کے لئے تیار کر دیتی ہے)

۲۔ انجبات الی اللہ تعالےٰ (انابت و توجہ الی اللہ اور عجز و تواضع)

۳۔ سماحت، مکارم اخلاق و معالی امور۔

۴۔ عدالت[1] (ایسا نفسانی ملکہ جس کے افعال کی وجہ سے شہر و قوم کا انتظام بسہولت قائم ہو جاتا ہے۔)

اس طرح شاہ صاحب نے انسان کی شخصیت کی تکمیل تعلق مع اللہ کی تحصیل اور ایک صحت مند اور متعاون معاشرہ کی تشکیل کی بنیادوں پر روشنی ڈالی ہے، جو شریعت آسمانی اور بعثتِ انبیاء کے مقاصد میں ہے۔

اس کے بعد ان خصال اربعہ کے اکتساب کا طریقہ بتایا ہے[2]، پھر ان حجابات کا ذکر کیا ہے، جو فطرت کے ظہور سے مانع ہیں، ان میں تین[3] قسموں کو لیا ہے، (۱) حجاب الطبع (بشری و نفسانی تقاضوں کا غلبہ) (۲) حجاب الرسم (خارجی حالات و ماحول کا مضر اثر) (۳) حجاب سوء المعرفۃ[3] (غلط تعلیم و تربیت اور پھیلے ہوئے فاسد عقائد کا اثر)، پھر ان کے رفع کرنے کے طریقے بتائے ہیں[4]۔

عقائد و عبادات

کتاب کا اصل مضمون "المبحث الخامس" مبحث البر والاثم" سے شروع ہوتا ہے، حقیقت میں کتاب کا یہی موضوع و مقصد ہے[5]۔

اصولِ برّ میں شاہ صاحب نے سب سے پہلے توحید کو لیا ہے، اس لئے کہ اسی پر اخبات و انابت کا

---

[1] ان اصول کی تعریف ص۵۴ پر دیکھی جائے [2] ص۵۵-۵۶ [3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ص۵۶

[4] ص۵۷-۵۸ پر ان کی تشریح ملاحظہ کی جائے۔ [5] ص۵۸

انحصار ہے، جو سعادت کے حصول کا سب سے بڑا ذریعہ ہے، اس سلسلہ میں شاہ صاحب نے توحید کے چار مراتب بیان کئے ہیں، اور مشرکین عرب کے شرک کی حقیقت واضح کی ہے[1]، توحید کے بعد صفاتِ خداوندی پر ایمان، ایمان بالقدر اور شعائر اللہ کی تعظیم کے (جن میں شاہ صاحب کے نزدیک قرآن، کعبہ، نبی اور صلوٰۃ سب سے واضح اور اہم شعائر ہیں) ذکر کے بعد شاہ صاحبؒ عبادات و فرائض پر آجاتے ہیں، اور وضو و غسل کے اسرار، اسرار الصلاۃ، اسرار الزکاۃ، اسرار الصوم اور اسرار الحج پر اجمالی طور پر بحث کرتے ہیں[2]، یہ مباحث اگرچہ اصولی اور اجمالی ہیں، پھر بھی ان میں بعض ایسے نکتے آگئے ہیں، جن کا دوسری جگہ ملنا مشکل ہے۔

مثلاً اسرار الصلاۃ میں شاہ صاحب لکھتے ہیں کہ عبادت کا یہ طریقہ اوضاع ثلاثہ، قیام رکوع، سجود کا جامع ہے، اس میں بجائے اعلیٰ سے ادنیٰ کی طرف منتقل ہونے کے ادنیٰ سے اعلیٰ کی طرف (قیام سے رکوع، رکوع سے سجود کی طرف) ترقی رکھی گئی ہے، اور یہی عقل و فطرت کے مطابق ہے، پھر شاہ صاحب نے عبادت کے سلسلہ میں اللہ کی عظمت میں تفکر و مراقبہ اور دوامِ ذکر پر اقتصار نہ کرنے کی (جو اشراقیین، حکماء اور ہندو سنّاسیوں کا طریقہ رہا ہے، اور بعض بے قید صوفیوں نے بھی اس کو اختیار کیا) وجہ بیان کی ہے، اور بتایا ہے کہ یہ تفکر و مراقبہ انھیں لوگوں کے لئے ممکن و مفید تھا جن کی طبیعتیں ان سے مناسبت رکھتی تھیں، اور وہ ان کے ذریعہ سے ترقی کر سکتے تھے، نماز فکر و عمل، ذہنی توجہ اور جسمانی مشغولیت کا معجون مرکب ہے، وہ ہر طبقہ کے لئے مفید اور تریاق قوی الاثر ہے، غوائل رسم (ماحول کے خراب اثرات) سے نفع دینے اور طبیعت کے عقل کے تابع ہونے کی مشق کے لئے نماز سے زیادہ کوئی مفید و مؤثر طریقہ نہیں[3]۔

---

[1] یہ بحث اس کتاب کے باب پنجم میں گذر چکی ہے۔ [2] تفصیل کتاب کے حصۂ دوم میں آئی ہے جس میں احادیث کو سامنے رکھ کر ان پر علیحدہ علیحدہ تفصیل سے گفتگو کی گئی ہے۔ [3] ص ۳۷

جہاں تک روزہ و حج کا تعلق ہے، ان کے بارہ میں اگرچہ اس مبحث میں بھی اشارے کئے گئے ہیں، لیکن کتاب کے حصۂ دوم میں ان کے مقاصد اور اسرار و حکمتوں پر جو لکھا گیا ہے، اس کی نظیر اس سے پہلے کسی کتاب میں دیکھنے میں نہیں آئی، اس کا ذکر آئندہ صفحات میں اپنی جگہ آئیگا۔

سیاسیاتِ ملّی اور انبیاء کی ضرورت

المبحث السادس کا عنوان "مبحث السیاسات الملّیۃ" ہے، یہ کتاب کا بہت اہم مبحث ہے[1]، اس کے پہلے باب میں شاہ صاحب نے بڑی نکتہ سنجی اور حقیقت پسندی کے ساتھ بتایا ہے کہ انسانی نسلوں کو ہادیانِ طریق اور مقیمینِ ملل (انبیاء) کی ضرورت کیوں پیش آتی رہی ہے، اس کے لئے ان کی فطرت سلیم اور عقل عام کیوں کافی نہیں تھی؟ پھر اس گروہ کے صفات اور ضروری شرائط سے بحث کی ہے، اور یہ کہ وہ کب اور کس طرح اپنے مقصد کی تکمیل کر سکتا اور اس میں کامیاب ہو سکتا ہے، یہ باب علم الکلام کی کتابوں میں اثباتِ نبوت کی عام بحثوں سے بالکل الگ نظر آتا ہے، اور اس میں عقلِ عام اور عقل سلیم کو مطمئن کرنے کا وہ سامان ہے جو علمِ کلام اور عقائد کی کتابوں میں عام طور پر نہیں ملتا، اس مبحث میں منصبِ نبوت اور اس کے خواص پر جو باب ہے، وہ شاہ صاحب کی روح شریعت اور حقیقت مزاج نبوت سے واقفیت، نفسِ انسانی کے گہرے مطالعہ اور اخلاق کے اندرونی سرچشموں سے باخبری پر دلالت کرتا ہے، اس باب میں بعثت انبیاء کے اسباب سے تفصیل سے بحث کی گئی ہے۔

---

[1] ص ۸۳-۸۴

بعثت مقرونہ

شاہ صاحب نے لکھا ہے کہ سب سے کامل بعثت اس نبی کی ہوتی ہے جس کی بعثت "مقرون" ہوتی ہے، یعنی اس کی بعثت کے ساتھ ایک پوری قوم تبلیغ و دعوت پر مامور اور اس کے فیضِ صحبت سے تیار ہو کر دوسرے انسانوں کی تعلیم و تربیت کا ذریعہ بنتی ہے، نبی کی بعثت بالاصالت ہوتی ہے (اور اس کو نبوت کہتے ہیں) امت کی ماموریت اور تفویض خدمت کی نوعیت بالواسطہ وبالنیابۃ ہوتی ہے، آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت ایسی ہی جامع بعثت تھی جس کے ساتھ ایک پوری امت کو آپ کے منصب نبوت کی خدمت واشاعت کے لئے "جارحہ" اور آلۂ کار بنایا گیا، اور اس کے لئے بعثت اور بعثت کے ہم معنی الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:-

كُنْتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ	جتنی امتیں پیدا ہوئیں تم ان میں
تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ	سب سے بہتر ہو لوگوں کو نیک کام کرنے کو
عَنِ الْمُنْكَرِ۔ (آل عمران ۔۔ ۱۱)	کہتے ہو اور برے کاموں سے منع کرتے ہو۔

اور حدیث میں بعثت ہی کا لفظ استعمال کیا گیا ہے، آپ نے صحابہ کرامؓ کو مخاطب کر کے فرمایا:

فانّما بعثتم میسّرین ولم تبعثوا	تم تیسیر (آسانی پیدا کرنے کے لئے)
معسّرین[1]۔	پیدا کئے گئے ہو تعسیر (مشکلات پیدا
	کرنے کے لئے) نہیں مبعوث کئے گئے ہو۔

اس باب کا خاص مضمون وہ ہے جس میں انبیاء علیہم السلام کی سیرت اور ان کے

---

[1] ص ۸۴

مذاق ومزاج اوران کے طریق دعوت اور طرز خطاب وتفہیم کو بیان کیا گیا ہے، اس سے شاہ صاحبؒ کی دقیق النظری اور خصائص نبوت اور انبیاء کے گہرے مطالعہ اور قرآن مجید کے عمیق تدبّر کا اندازہ ہوتا ہے[1]۔

ایرانی وروی تمدن میں اخلاقی وایمانی قدروں کی پامالی اور انسانیت کی زبوں حالی

عہد جاہلیت اگرچہ عرب کے ساتھ مخصوص نہیں تھا، وہ ایک عالمگیر اعتقادی، اخلاقی، معاشرتی اور اقتصادی وسیاسی بحران تھا جو ساری دنیا پر محیط تھا، لیکن ایرانی اور رومی اس کے قائد اور اصل ذمہ دار تھے کہ انھیں کا تمدن اس وقت دنیا میں معیاری سمجھا جاتا تھا، اور اسی کی تقلید ہر جگہ کی جاتی تھی، اور انھیں کے ممالک مرکزی شہر اور معاشرہ سب سے زیادہ اس کی زد میں تھا۔

اس صورت حال کا جو نقشہ شاہ صاحب نے کھینچا ہے، اور اس کے جو اسباب بیان کئے ہیں، اس سے بہتر نقشہ سیرت وتاریخ کی کسی کتاب میں جو دور ماضی میں لکھی گئی اور فلسفۂ تاریخ اور علومِ عمرانیہ کے کسی فاضل کے قلم سے دیکھنے میں نہیں آیا، یہاں پر آکر شاہ صاحب کا قلم اپنے پورے جوہر دکھاتا ہے، اور ان کی قوتِ تحریر اور حُسن انشا اپنے نقطۂ عروج پر نظر آتا ہے[2]۔

یہ مضمون یہاں نقل کیا جاتا ہے کہ اس سے شاہ صاحب کی تاریخ پر گہری نظر، حقیقت تک پہونچنے کی صلاحیت، اور صورت حال کے صحیح تجزیہ کی خداداد قابلیت کا اندازہ ہوتا ہے، شاہ صاحبؒ تحریر فرماتے ہیں:-

---

[1] ص ۸۶ [2] یہ حصہ سلاست، زور بیان، حسن انشاء کا ایک نمونہ ہے، اسی بناء پر مصنف نے اس کو عربی ادب کے منتخبات کے مجموعہ "مختارات" میں ایک نمونہ کے طور پر شامل کیا ہے۔

"صدیوں سے آزادانہ حکومت کرتے کرتے اور دنیا کی لذتوں میں منہمک رہنے، آخرت کو یکسر بھول جانے اور شیطان کے پورے اثر میں آجانے کی وجہ سے ایرانیوں اور رومیوں نے زندگی کی آسانیوں اور سامانِ راحت میں بڑی موشگافی اور نازک خیالی پیدا کرلی تھی، اور اس میں ہر قسم کی ترقی اور نفاست میں ایک دوسرے سے سبقت لے جانے اور فخر کرنے کی کوشش کرتے تھے، دنیا کے مختلف گوشوں سے ان مرکزوں میں بڑے بڑے صنّاع، اہل ہنر اور اہل کمال جمع ہوگئے تھے، جو اس سامان آرائش و راحت میں نزاکتیں پیدا کرتے تھے، اور نئی نئی تراش خراش نکالتے تھے، ان پر عمل فوراً شروع ہوجاتا تھا، اور اس میں برابر اضافے اور جدّتیں ہوتی رہتی تھیں، اور ان باتوں پر فخر کیا جاتا تھا، زندگی کا معیار اتنا بلند ہوگیا تھا کہ امراء میں سے کسی کا ایک لاکھ درہم سے کم کا پٹکا باندھنا اور تاج پہننا سخت معیوب تھا، اگر کسی کے پاس عالی شان محل، فوارہ، حمّام، باغات، خوش خوراک اور تیار جانور، خوش رُو جوان اور غلام نہ ہوتے، کھانے میں تکلّفات اور لباس و پوشاک میں تجمّل نہ ہوتا تو ہم چشموں میں اس کی کوئی عزت نہ ہوتی" اس کی تفصیل بہت طویل ہے، اپنے ملک کے بادشاہوں کا جو حال دیکھتے اور جانتے ہو اس سے قیاس کرسکتے ہو[1]۔

یہ تمام تکلفات ان کی زندگی اور معاشرت کا جزء بن گئے تھے، اور ان کے دلوں میں اس طرح رچ بس گئے تھے کہ کسی طرح نکل نہیں سکتے تھے، اس کی وجہ سے ایک ایسا لاعلاج مرض پیدا ہوگیا تھا جو ان کی پوری شہری زندگی اور ان کے

---

[1] شاہان دہلی اور مغل بادشاہوں کی طرف اشارہ ہے۔

پورے نظامِ تمدن میں سرایت کر گیا تھا، یہ ایک مصیبت عظمیٰ تھی جس سے عام وخاص اور امیر وغریب میں سے کوئی محفوظ نہیں رہا تھا، ہر شہری پر یہ پرتکلف اور امیرانہ زندگی ایسی مسلط ہو گئی تھی جس نے اس کو زندگی سے عاجز کر دیا تھا، اور اس کے سر پر غم وافکار کا ایک پہاڑ ہر وقت رکھا رہتا تھا۔

بات یہ تھی کہ یہ تکلفات بیش قرار رقمیں صرف کئے بغیر حاصل نہیں ہو سکتے تھے، اور یہ رقمیں اور بے پایاں دولت کاشتکاروں، تاجروں اور دوسرے پیشہ وروں پر محصول اور ٹیکس بڑھانے اور ان پر تنگی کئے بغیر دستیاب نہیں ہو سکتی تھیں، اگر وہ ان مطالبات کے ادا کرنے سے انکار کرتے تو ان سے جنگ کی جاتی اور ان کو سزائیں دی جاتیں، اور اگر وہ تعمیل کرتے تو ان کو گدھے اور بیلوں کی طرح بنا لیتے، جن سے آبپاشی اور کاشت کاری میں کام لیا جاتا، اور صرف خدمت کرنے کے لئے ان کو پالا جاتا ہے، اور محنت ومشقت سے ان کو کسی وقت چھٹی نہیں ملتی۔

اس پُرمشقت اور حیوانی زندگی کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان کو کسی وقت سر اٹھانے اور سعادتِ اُخروی کا خیال بھی کرنے کا موقعہ اور مہلت نہیں ملتی تھی، بسا اوقات پورے پورے ملک میں ایک فرد بشر بھی ایسا نہ ملتا جس کو اپنے دین کی فکر اور اہمیت ہوتی۔[1]

بعض دوسری مفید بحثیں

اس کے بعد یہ بحث آتی ہے کہ دین کی اصل ایک ہے اور شرائع مناہج میں کسی خاص

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ، باب اقامۃ الارتفاقات واصلاح الرسوم، ج ۱ ص ۱۰۴-۱۰۷

عصر و قوم کی رعایت سے اختلاف ہوتا ہے، پھر اس کی تشریح فرماتے ہیں کہ دین کی ایک اصل ہونے کے باوجود ان مناہج پر مؤاخذہ کیوں ہوتا ہے؟

تیسیر، ترغیب و ترہیب کے اسرار وغیرہ کی ذیلی بحثوں کے بعد شاہ صاحب ایسے دین کی ضرورت ثابت فرماتے ہیں، جو تمام ادیان کا ناسخ ہو، اور یہ کہ دین کو تحریف سے کیسے بچایا جا سکتا ہے، تحریف کن کن دروازوں، اور ناکوں سے دین میں داخل ہوتی ہے، وہ کن کن شکلوں میں جلوہ گر ہوتی ہے، اور کیسے کیسے قالب اختیار کرتی ہے؟ اور شریعت نے اس کے سدِ باب کے لئے کیا راستے اختیار کئے ہیں، اور کیا انتظامات کئے ہیں؟ پھر تفصیل سے بیان کیا ہے کہ عہد بعثت میں عہد جاہلیت کا کیا حال تھا، جس کی آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اصلاح فرمائی۔؟

حدیث و سنّت کا مقام اور ان کے بارہ میں امت کا طرزِ عمل

مبحث سابع کا عنوان ہے "مبحث الشرائع من حدیث النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم" یہاں پر وہ مباحث آتے ہیں، جن کا براہ راست حدیث و سنت کے فہم، اس سے استنباط مسائل، علوم نبویؐ کے اقسام، نبی سے شریعت کے اخذ کی کیفیات اور طریقوں، کتب حدیث کے طبقات، کتاب و سنت سے شرعی مطالب کے اخذ کے طریقوں اور مختلف احادیث میں جمع و تطبیق یا ترجیح سے تعلق ہے، اس سلسلہ میں غایت نکتہ سنجی اور دقیقہ رسی سے بحث کرتے ہوئے شاہ صاحب فروع میں صحابہؓ اور تابعین کے اختلاف کے اسباب بیان کرتے ہیں، ان کی مثالیں دینے کے بعد فقہاء کے مذاہب میں اختلاف اور اہل حدیث و اصحاب الرائے کے اختلاف کے فرق کو بیان کرتے ہیں، چوتھی صدی سے پہلے

اوراس کے بعد لوگوں کے مسائل دریافت کرنے اوران پرعمل کرنے اوراس بارے میں عوام وخواص کارویہ اورطرز کیا تھا؟ اس کی تفصیل سے وضاحت فرماتے ہیں، جو بڑی دقیق وعمیق بحثوں پرمشتمل ہے، اورجن کا علم کلام یا اصول فقہ کی کسی کتاب میں ملنا بہت مشکل ہے۔

فرائض وارکان کے اسرار وحِکَم

شاہ صاحب نے عقائد سے لے کر عبادات، معاملات، احسان وتزکیہ، مقامات، واحوال، کسب معیشت کے طرق، تبرّع وتعاون، تدبیر منزل، خلافت، قضا، جہاد، آداب طعام، آداب صحبت، معاشرت اور آخر میں فتن، حوادث مابعدا ور علامات قیامت تک کی احادیث سے بحث کی ہے، اوراس سلسلہ میں سیرت نبویؐ کا خلاصہ بھی پیش کردیا ہے، اوران مختلف ابواب کے اسرار ومقاصد اس طرح بیان فرمائے ہیں کہ ان مسائل کا ربط زندگی، تمدن اوراخلاقیات سے کہیں ٹوٹتے نہیں پاتا، اورحقیقت میں کتاب کا یہی مرکزی مضمون ہے، شاہ صاحب کا منشا تھا کہ حدیث کی تدریس انھیں حِکَم واسرار کی روشنی میں عمل واخلاق، تمدن ومعاشرت، انسانی سعادت اورباہمی روابط کے تعلق کے ساتھ ہو، تاکہ ان کا زندگی، عمل واخلاق، تمدن ومعاشرت پرپورا اثر پڑے، عقل ونقل کا تطابق ثابت ہو اور معترضین کو ان پر اعتراض کرنے اور حدیث وسنت کی قیمت وافادیت اوران کی اہمیت وضرورت کو کم کرنے (جس کو شاہ صاحبؒ کی دوربین اورحقیقت رس نگاہ نے دیکھ لیا تھا) اور ذہنی انتشار پیدا کرنے کا موقعہ نہ ملے، عملی ارکان اور فرائض چہارگانہ پر شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے، وہ انھیں کا حصہ اور "حجۃ اللہ" کے خصائص میں سے ہے، یہاں بطور نمونہ کے صرف روزہ (صیام) اور حج کے مقاصد واسرار اوران کی اسلامی وشرعی شکل کی حکمت پر

شاہ صاحب نے جو کچھ لکھا ہے اس کو پیش کیا جاتا ہے۔

صوم پر کلام کرتے ہوئے اور اس کی مقدار اور روزوں کی تعداد کے تعیّن کی حکمت (جو شریعت اسلامی کے ساتھ مخصوص ہے) اور اس کے شرعی احکام پر گفتگو کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

"روزہ میں (وقت اور تعداد و مقدار کا) اختیار دے دینے سے تاویل اور فرار کا دروازہ کھل جائیگا، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا دروازہ بند ہو جائے گا اور اسلام کی یہ سب سے بڑی اطاعت غفلت کا شکار ہو جائیگی"[1]

اس کے بعد اس کی مقدار و تعداد کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اس کی (مدت کی) تعیین بھی ضروری تھی تاکہ اس میں افراط و تفریط کا موقعہ نہ ہو، اگر ایسا نہ ہوتا تو کوئی اس پر اتنا عمل کرتا کہ جس سے اس کو کوئی فائدہ نہ پہونچتا اور کوئی اثر مرتّب نہ ہوتا، اور کوئی اتنے غلو سے کام لیتا اور اتنی کثرت کرتا کہ اس کی ناطاقتی اور کمزوری حد کو پہونچ جاتی، اور وہ نیم مردہ ہو کر رہ جاتا، اصل میں روزہ تریاق ہے جو نفس کے زہر کو مارنے کے لئے مہیا کیا جاتا ہے، اس لئے اس میں ضرورت کی رعایت ضروری ہے"[2]

پھر روزہ کی دونوں قسموں (یعنی ایک وہ روزہ جس میں کھانے پینے اور ان تمام چیزوں سے جو روزہ کے منافی ہیں مکمل پرہیز کیا جاتا ہے، اور دوسرے وہ روزہ جس میں بعض چیزوں سے پرہیز کیا جاتا ہے اور بعض سے نہیں) کے درمیان موازنہ کرتے ہوئے اوّل الذکر کو ترجیح دیتے ہیں اور تجربہ، تحلیل علمی اور علم النفس کی روشنی میں اس کی افضلیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:-

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۷ [2] ایضاً

"تقلیلِ غذا کے دو طریقے ہیں، ایک یہ کہ خوراک کی مقدار کو کم کر دیا جائے، دوسرے یہ کہ کھانوں کے درمیان وقفہ اتنا طویل کر دیا جائے کہ یہ مقصد پورا ہو سکے، شریعت میں یہی آخر الذکر صورت اختیار کی گئی ہے، اس لئے کہ اس سے بھوک اور پیاس کا صحیح اندازہ ہوتا ہے، حیوانی خواہشات پر چوٹ پڑتی ہے، اور محسوس طور پر نظر آتا ہے کہ اس میں کمی آئی ہے، اس کے برخلاف اول الذکر صورت میں، اس کے کہ آدمی پر کوئی خاص اثر مرتب ہو، غذا کے تسلسل کی وجہ سے یہ بات پیدا نہیں ہو پاتی، دوسرے یہ کہ اول الذکر کے لئے کوئی عمومی قانون بنانا بہت مشکل بات ہے، اس لئے کہ لوگ مختلف حالات رکھتے ہیں، ایک آدمی ایک پاؤ کھاتا ہے، دوسرا آدھ سیر کھاتا ہے، چنانچہ اس قسم کے تعین سے اگر ایک کا بھلا ہوگا تو دوسرے کا نقصان بھی ہوگا"[1]

وہ کہتے ہیں کہ اس تعین اور اوقات کی پابندی میں اعتدال ضروری ہے، لکھتے ہیں:-

"یہ بھی ضروری تھا کہ یہ مدت تکلیف مالا یُطاق میں مبتلا کرنے والی نہ ہو، مثلاً تین دن تین راتیں، اس لئے کہ یہ شریعت کے موضوع سے خارج اور اس کے مقصد کے خلاف ہے، اور عام طور پر اس پر عمل بھی ناممکن ہے"[2]

حج کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا ہے، وہ بالکل منفرد اور یگانہ بحث ہے، شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں:-

"(حج کے مقاصد میں) اس میراث کی حفاظت بھی ہے، جو سیدنا ابراہیمؑ اور سیدنا اسمٰعیلؑ نے ہمارے لئے چھوڑی ہے، اس لئے کہ یہ دونوں ملّتِ حنیفی کے امام اور عرب میں اس کے مؤسس اور بانی کہے جا سکتے ہیں، حضور صلے اللہ

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۳۷ [2] ایضاً ص ۳۱

علیہ وآلہ وسلم کی بعثت بھی اسی لئے ہوئی تھی کہ ملت حنیفی آپؐ کے ذریعہ دنیا میں غالب آئے، اور اس کا پرچم بلند ہو۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "مِلَّةَ اَبِيْكُمْ اِبْرٰهِيْمَ"[1] (ملت ہے تمہارے باپ ابراہیمؑ کی) اس لئے یہ ضروری ہے کہ اس ملت کے امام سے جو چیزیں ہم کو ورثہ میں ملی ہیں مثلاً خصائلِ فطرت[2]، اور مناسک حج، اس کی ہم حفاظت کریں، رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ارشاد ہے۔

قفوا على مشاعركم فانكم على إرث من إرث أبيكم۔	اپنے مشاعر (مقامات حج) پر ٹھہرو اس لئے کہ تم اپنے باپ کی ایک وراثت کے وارث ہو۔[3]

نیز اس کی ایک دوسری حکمت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

"جس طرح حکومت کو ہر تھوڑے عرصہ کے بعد ایک عام جائزہ اور معائنہ کی ضرورت ہوتی ہے، تاکہ اس کو معلوم ہو جائے کہ کون وفادار ہے، کون باغی، کون فرض شناس ہے کون کام چور؟ نیز اس کے ذریعہ اس کی ایمانداری کی شہرت ہو اور اس کا نام اونچا رہے، اس کے کارندے اور باشندے ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں، اسی طرح ملت کو حج کی ضرورت ہے، تاکہ منافق و غیر منافق

---

[1] سورہ حج۔ ۷۸ [2] ان خصائلِ فطرت سے مراد یہ دس چیزیں ہیں، مونچھیں ترشوانا، داڑھی بڑھانا، مسواک کرنا، پانی سے ناک صاف کرنا، ناخن کاٹنا، انگلی کے پوروں کا دھونا، بغل کے بال اکھاڑنا، موئے زیر ناف صاف کرنا، پانی سے استنجا کرنا، ختنہ کرنا، ابوداؤد بروایت حضرت عائشہؓ (دسویں چیز کے بارے میں راوی کہتے ہیں، میں بھول گیا شاید وہ کلی ہے لیکن قاضی عیاضؒ اور امام نوویؒ نے دسویں چیز ختنہ بتائی ہے) [3] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ ص ۴۲

میں تمیز ہو سکے، اللہ تعالےٰ کے دین میں اور اللہ تعالےٰ کے دربار میں جو حق جو ق جماعتیں حاضر ہوں، لوگ ایک دوسرے سے تعارف حاصل کریں اور ہر شخص اس چیز میں جو اس کے پاس نہیں ہے دوسرے سے استفادہ کرے، اس لئے کہ بہترین و مرغوب اشیاء بالعموم صحبت و رفاقت سے اور ایک دوسرے کو دیکھ کر ہی حاصل ہوتی ہیں[1]"

نیز وہ فرماتے ہیں :-

"حج چونکہ ایک ایسا موقعہ ہے جس میں سبھی جمع ہوتے ہیں، اس لئے وہ غلط قسم کے رسوم[2] سے حفاظت کے لئے بہت مفید ہے، ملت کے اپنے اماموں اور پیشواؤں کے حالات یاد کرنے اور ان کی اتباع کا جذبہ دل میں پیدا کرنے کے لئے کوئی چیز اس درجہ کی نہیں جو اس کا مقابلہ کر سکے[3]"

ایک اور جگہ لکھتے ہیں :-

"(حج کے) مقاصد میں وہ بات بھی ہے جس کے لئے حکومتیں نمائش یا سرکاری جشن کیا کرتی ہیں، جس کو دیکھنے کے لئے قریب و دور ہر جگہ کے آدمی جمع ہوتے ہیں ایک دوسرے سے ملتے ہیں، اپنی حکومت اور اپنی ملّت کی تعلیمات سے آشنا ہوتے ہیں اور اس کے مقدّس مقامات کی تعظیم بجا لاتے ہیں، اسی طرح حج مسلمانوں کی نمائش یا سرکاری جشن ہے جس میں ان کی شوکت ظاہر ہوتی ہے، ان کی قوتیں مجتمع ہوتی ہیں، ان کی ملّت کا نام روشن ہوتا ہے"

---

[1] حجۃ اللہ البالغہ ج ۱ ص ۵۹-۶۰ [2] اس میں دینی تحریف، بدعات، اور مقامی اضافے اور جدّتیں سب شامل ہیں۔ [3] ایضاً ص ۵۹-۶۰

اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :-

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا[1]

اور (وہ وقت بھی یاد کرو) جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو لوگوں کے لئے ایک مقامِ رجوع اور مقامِ امن مقرر کیا۔[2]

کتاب کی جامعیت

اس کتاب کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ فقہ، حدیث، عقائد، عبادات و معاملات سے تعلق رکھنے والے ابواب و مباحث کے ماسوا اس میں تدبیرِ منزل، خلافت و قضا، ابوابِ معیشت اور آدابِ صحبت کے مباحث بھی ہیں، جو اخلاق و معاشرت اور تمدن و معیشت سے تعلق رکھتے ہیں، اور عام طور پر کسی فقہی یا کلامی کتاب میں ان کی توقع نہیں کی جا سکتی۔

احسان و تزکیۂ نفس

پھر اس پر مستزاد شاہ صاحب نے اس میں حدیث و سیرت کی روشنی میں احسان و تزکیہ کا ایسا نظام مرتب کر کے پیش کر دیا ہے جس پر چل کر انسان قربِ خداوندی کے اعلیٰ سے اعلیٰ مدارج، مراتبِ ولایت اور مقامات و احوال تک پہونچ سکتا ہے، احسان کا یہ باب کتاب کے صـ۶۶ سے صـ۱۰۱ تک پھیلا ہوا ہے، اس باب میں شاہ صاحب نے انھیں وسائل سے بحث کی ہے جو احادیث صحیحہ میں آئے ہیں، صرف ان میں استحضار، عزم و نیت اور کیفیات باطنی اور قالب کے ساتھ روح کی طرف توجہ کرنے پر زور دیا ہے، ساتھ ہی ساتھ ان عوارض

---

[1] سورہ بقرہ ۔ ۱۲۵ [2] حجۃ اللہ البالغہ ج ۲ صـ۴۲

وامراض کا جو پیش آتے رہتے ہیں، علاج انھیں طُرقِ مشروعہ اور انھیں فرائض وعبادات واذکار سے تجویز کیا ہے، اس کے ساتھ اخلاق رذیلہ کے علاج اور اخلاق فاضلہ کے حصول کا طریقہ بھی شریعت وسنت کے منصوص طریقوں سے بتایا ہے۔

اس مبحث میں اذکار ماثورہ، ادعیہ مشروعہ، اور استغفار کے اہم صیغے بھی جمع کر دیئے ہیں، اور مؤثر اور مقبول دعا کا طریقہ اور اس کے شرائط بھی بتائے ہیں، اس سلسلہ میں طبعی تقاضوں اور زندگی کی ضرورتوں اور دینی اعمال کو نیت کے استحضار کے ساتھ ادا کرنے پر زور دیا ہے، اور ان کے اثر وکیفیت کے جُدا ہونے کو واضح کیا ہے، فرماتے ہیں :۔

اعلم ان النیّۃ روح والعبادۃ	یہ اچھی طرح سمجھ لو کہ نیت روح ہے،
جسد، ولاحیاۃ للجسد بدون	اور عبادت جسد، جسد کی حیات روح
الروح، والروح لھا حیاۃ	کے بغیر ممکن نہیں، روح بدن کی
بعد مفارقۃ البدن، ولکن	مفارقت کے بعد بھی زندہ رہتی ہے،
لایظھر اٰثار الحیاۃ کاملۃ بدونہ۔	لیکن آثار حیات کا کامل طور پر بدن
	کے بغیر ظہور نہیں ہوتا۔
ولذلک قال اللہ تعالیٰ " لن	اسی لئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے اللہ تک
یّنال اللہ لحومھا ولا دمآؤھا	ان قربانیوں کے گوشت اور خون
ولکن یّنالہ التّقوٰی منکم "	نہیں پہونچیں گے، وہاں پہونچنے والی
(الحج ۔ ۳۷)	چیز تمہارا تقویٰ ہے۔
وقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ	اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے
واٰلہ وسلم " اِنّما الاعمال بالنیّات "	فرمایا، اعمال کا دارومدار نیات پر ہے۔

پھر نیت کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں :—

واعنی بالنیۃ المعنی الباعث علی	نیت سے ہماری مراد تصدیق کی وہ
العمل من التصدیق بما أخبر بہ	ذہنی کیفیت ہے جو اس عمل پر آمادہ
اللہ علی ألسنۃ الرسل من ثواب	کرے، تصدیق اس بات کی کہ اللہ تعالیٰ
المطیع وعقاب العاصی أوحبّ	نے اپنے انبیاء کے ذریعہ اطاعت
امتثال حکم اللہ فیما أمر ونھی۔[1]	کرنے والے کو ثواب اور نافرمانی
	کرنے والے کو سزا کا جو وعدہ کیا ہے
	وہ اس حکم کی تعمیل اور اس معصیت
	سے احتراز کا سبب ہے۔

اس باب کے آخر میں شاہ صاحب نے اخلاق فاضلہ کے حصول، حقوق العباد کی ادائیگی اور حسن معاشرت کے سلسلہ میں کچھ حدیثوں کا انتخاب فرما کر نقل کر دیا ہے، جن پر عمل کرنے سے انسان احسان و تزکیہ کے اعلیٰ درجہ پر پہونچ سکتا ہے، پھر ان مقامات و احوال کا ذکر کیا ہے، جو احسان و تزکیہ کے نتیجہ میں حاصل ہوتے ہیں، اور نور باطنی، قلب کی بیداری اور نفس کی صفائی، رضائے خداوندی اور ملأ اعلیٰ کی تائید و مسرت کا نتیجہ ہیں۔

جہاد

اس کتاب میں جہاد پر بھی پورا ایک باب ہے[2]، اور اس کو شاہ صاحب نے ان فکر انگیز اور چونکا دینے والے الفاظ سے شروع کیا ہے، جو ادیان و ملل کی پوری تاریخ، مقاصد خلق انسانی

---

[1] ایضاً جلد دوم ص ۸۳-۸۴ [2] ایضاً ص ۱۷۰-۱۷۸

اور خالق کائنات کے نظام مطلوب پر گہری نظر رکھنے والا عارف ہی لکھ سکتا ہے :۔

اعلم ان أتم الشرائع وأكمل	یاد رکھو کہ مکمل ترین شریعت اور
النواميس هو الشرع الذی	کامل ترین قانون وہ شریعت ہے
يؤمر فيه بالجهاد۔[1]	جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہو۔

اس کے بعد اس کی تشریح کی ہے، اس کو عقلاً نقلاً ثابت کیا ہے، پھر فضائل جہاد کے اصول و اسباب بیان کئے ہیں۔[2]

غرض یہ کتاب اپنی جامعیت، عُمق، دین و شریعت کی وسیع لیکن مربوط ترجمانی اور ان صدہا بیش قیمت نکات و تحقیقات کی بناء پر جو کتاب کے صفحات پر جا بجا پھیلے ہوئے ہیں، اسلامی کتاب خانہ میں متعدد حیثیتوں سے بالکل ایک انفرادی شان رکھتی ہے، اور اس کی تصدیق کرتی ہے کہ "کم ترك الأول للآخر" مولانا شبلیؒ نے اپنی مشہور کتاب علم الکلام میں صحیح لکھا ہے :۔

"ابن تیمیہؒ اور ابن رشد کے بعد بلکہ خود انھیں کے زمانہ میں مسلمانوں میں جو عقلی تنزل شروع ہوا، اس کے لحاظ سے یہ امید نہیں رہی تھی کہ پھر کوئی صاحبِ دل و دماغ پیدا ہوگا، لیکن قدرت کو اپنی نیرنگیوں کا تماشا دکھلانا تھا، کہ اخیر زمانہ میں جبکہ اسلام کا نفس باز پسیں تھا، شاہ ولی اللہؒ جیسا شخص پیدا ہوا جس کی نکتہ سنجیوں کے آگے غزالی، رازی، ابن رشد کے کارنامے بھی ماند پڑ گئے"۔

آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"شاہ صاحبؒ نے علم الکلام کے عنوان سے کوئی تصنیف نہیں کی اور اس بناء پر

---

[1] ایضاً ص ۱۷۰ [2] ایضاً

ان کو متکلمین کے زمرہ میں شمار کرنا بظاہر موزوں نہیں لیکن ان کی کتاب حجۃ اللہ البالغہ جس میں انھوں نے شریعت کے حقائق اور اسرار بیان کئے ہیں؛ درحقیقت علم کلام کی روح رواں ہے"[1]

فاضل عصر مولانا عبدالحق صاحب حقّانی (صاحب تفسیر حقانی، وعقائد الاسلام) حجۃ اللہ البالغہ کے ترجمہ نعمۃ اللہ السابغہ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں :-

"جس فن میں یہ کتاب ہے، آپ سے پہلے کسی نے اس کو ایک جگہ جمع نہ کیا تھا، اس فن کا موضوع نظام تشریعی محمدی "من حیث المصلحۃ المفیدۃ" ہے، اور غایت اس کی یہ ہے کہ انسان کو یہ معلوم ہو جائے کہ خدا اور اس کے رسولؐ کے احکام میں نہ کچھ تنگی ہے، نہ وہ خلاف فطرت سلیمہ ہیں، تاکہ ان پر انسان کو پورا وثوق ہو جائے اور ان کو فطرت پر مبنی باتیں سمجھ کر دل ان کی طرف کھنچ آئے اور کسی متشکک کے بہکانے سے دل میں شبہ نہ پڑ جائے اور حد اس کی یہ ہے کہ وہ علم جس میں قوانین دینیہ اور احکام شرعیہ کی حکمت معلوم ہوتی ہے، اور مبادی اس کے تمام علوم ہیں"[2]

---

[1] علم الکلام ص ۱۰۹-۱۱۱ [2] مقدمہ نعمۃ اللہ السابغہ۔

باب ہشتم

نظامِ خلافت کی ضرورت وافادیت، خلفائے راشدین کی خلافت کا ثبوت، اور ان کے احسانات

کتاب "ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء" کے آئینہ میں

کتاب "ازالۃ الخفا" کی اہمیّت وانفرادیت

"ازالۃ الخفا" شاہ صاحبؒ کی (حجۃ اللہ البالغہ کے بعد) دوسری معرکۃ الآراء تصنیف ہے، اور اپنی بہت سی خصوصیات کی بنا پر اپنے موضوع پر منفرد اور یگانہ کتاب ہے، پوری کتاب وجد آفریں اور ولولہ انگیز علمی اور ذوقی نکات سے لبریز ہے، خاص طور پر شاہ صاحبؒ کے قرآن مجید میں طویل تدبّر، وہبی مناسبت، اس کے دقیق وعمیق فہم، آیات کے اشارات ومضمرات کی طرف انتقالِ ذہنی، اور دقّت استنباط اور وفورِ ذکاوت کے ایسے نمونے ملتے ہیں کہ ایک انصاف پسند اور سلیم الطبع انسان خود بخود اس نتیجہ پر پہونچ جاتا ہے کہ یہ علم محض کتابی اور اکتسابی نہیں ہے، اس کتاب کا مصنف اپنے زمانہ کے مروّجہ نصاب درس، کتب تفسیر، اصول فقہ وعلم کلام کا ساختہ پرداختہ اور ان کا خوشہ چین اور زلّہ ربا نہیں ہے، اس علم کا تعلق موہبتِ خداوندی اور افاضۂ ربانی سے ہے، خود شاہ صاحبؒ کے قلم سے بے اختیار کتاب کے آغاز ہی میں یہ الفاظ نکل گئے ہیں:—

لاجرم نور توفیق الٰہی در دل ایں — واقعہ یہ ہے کہ توفیق الٰہی کے نور نے

بندۂ ضعیف علمے را مشروح و مبسوط
گردانید، تا آنکہ بعلم الیقین دانستہ
شد کہ اثبات خلافت ایں بزرگواراں
اصلیست از اصول دین تا وقتیکہ
ایں اصل را محکم نہ گیرند، ہیچ مسئلہ
از مسائل شریعت محکم نہ شود۔[1]

اس بندۂ ضعیف کے دل میں (ایک
مستقل علم کو) اس شرح و بسط کے
ساتھ القا کیا کہ اس کو علم الیقین
کے ساتھ معلوم ہو گیا کہ ان حضرات
(خلفائے راشدین) کی خلافت کا
اثبات اصول دین میں سے ایک
اصل عظیم ہے، جب تک اس اصل کو
پوری مضبوطی کے ساتھ تسلیم نہیں
کیا جائیگا، شریعت کے مسائل میں سے
کسی مسئلہ کو استحکام حاصل نہیں ہوگا۔

اُن صاحبِ کمال علماء کی بھی جو بہت سے مسائل میں شاہ صاحبؒ سے اختلاف رکھتے تھے، اور جن کو علوم عقلیہ میں توغل، بلکہ درجۂ امامت حاصل تھا، جب اس کتاب پر نظر پڑی تو وہ مصنف کے تبحر علمی اور ژرف نگاہی کی داد دیئے بغیر نہیں رہ سکے، مولانا محسن بن یحییٰ ترہتی صاحبِ "الیانع الجنی" کہتے ہیں کہ "میں نے اپنے استاد مولانا فضل حق خیر آبادی (م ۱۲۷۸ھ) کو دیکھا کہ جو وقت خالی ہوتا تھا اس میں کسی کتاب کے مطالعہ میں منہمک و مستغرق ہیں، ہم لوگ خلاف معمول ان کے اس استغراق کو دیکھ کر متعجب ہوئے، اور تجسس پیدا ہوا کہ یہ کیا کتاب ہے؟ اور کس کی تصنیف ہے؟ انھوں نے خود ہی فرمایا کہ اس کتاب کا مصنف ایسا بحر زخار ہے جس کا کوئی کنارہ نہیں" معلوم ہوا کہ یہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیف "ازالۃ الخفا" ہے جس کا ایک نسخہ

---

[1] ازالۃ الخفا (مطبوعہ سہیل اکیڈمی لاہور) ص۱

مولانا کے ہاتھ آگیا ہے"[1]

فخر المتاخرین ابوالحسنات مولانا عبدالحی فرنگی محلی (م ۱۳۰۴ھ) جن کا تبحرِ علمی نادرۂ روزگار جامعیت اور وسعتِ نظر مشہور و مسلّم ہے، اپنی مشہور کتاب "التعلیق المُمجَّد علی مؤطّا الامام محمد" میں "ازالۃ الخفا" کا ذکر کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں "کتاب عدیم النظیر فی بابہ"[2] (کتاب اپنے موضوع پر بے نظیر اور عدیم المثال ہے۔)

"حجۃ اللہ" اور "ازالۃ الخفا" کا باہمی تعلق

حجۃ اللہ البالغہ کی تصنیف کے بعد جس میں اسلام کا جامع و مربوط نظام اس طرح پیش کیا گیا ہے کہ زندگی اور معاشرہ و تمدن سے اس کا ربط و تعلق ثابت ہوتا ہے، اور یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اسلام کے پیش کئے ہوئے عقائد و عبادات اور اجتماعی زندگی کے احکام پر عمل کئے بغیر کسی صحت مند معاشرہ، صالح تمدن، اور معتدل و متوازن اجتماعیت کے وجود کی توقع نہیں کی جا سکتی، اس مقصد کی توضیح و تکمیل اور اس مرحلہ کو عالمانہ و محققانہ شان کے ساتھ (جس میں قریبی زمانہ میں آنے والے دورِ انقلاب کی عقلیت پسند طبیعتوں اور دماغوں کی تسکین و تشفی کا سامان تھا) اس کی ضرورت تھی کہ خود اسلام کے نظامِ اجتماعی کے مزاج و خصوصیات اور مقاصد و دائرۂ عمل پر، نیز اس کے عالمگیر و دائمی، اور صریح و منصوص ادارۂ "خلافت" پر اسی شرح و بسط، نقل و عقل کی مدد، تاریخ کی شہادت، اور سب سے بڑھ کر کتاب و سنت کی روشنی میں قلم اٹھایا جائے، نیز ان غلط فہمیوں اور گمراہیوں کا

---

[1] "الیانع الجنی" ص۹۳ مطبوعہ علی رجال الطحاوی، و نزہۃ الخواطر ج ۶ ترجمہ حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ۔

[2] التعلیق المجدّ مطبع یوسفی ص۲۵

پردہ چاک کیا جائے، جو اس سلسلہ میں زمانۂ قدیم سے رونما ہوئی ہیں، اور ان کی بنیاد پر ایک بڑے فرقہ کا وجود عمل میں آیا ہے، جس نے خاص طور پر شاہ صاحب کے دور میں ایرانی عنصر کے غلبہ کی بناء پر ایک ایسا ذہنی انتشار پیدا کر دیا تھا، جس کا اثر عقائد و اعمال کے حدود سے آگے بڑھ کر نظام حکومت اور ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار اعلیٰ پر بھی پڑا تھا، اور اس نے اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل کو مشکوک و مشتبہ بنا دیا تھا۔

اس کی حیثیت (ان لوگوں کی نظر میں جو اس مذہب کی تاریخ اس کے بنیادی عقائد اور اس کے دین کے تصور و فہم سے واقف تھے، اور جنھوں نے براہ راست اس کی مستند کتابوں اور اصلی مآخذ کا مطالعہ کیا تھا) محض ایک اجتہادی اختلاف یا دائرۂ شریعت کے اندر ایک ذیلی فرقہ کی نہیں تھی، بلکہ وہ اس فہم دین کے متوازی جس کی بنیاد کتاب و سنت، منصبِ نبوت کی عظمت اور ختم نبوت کے عقیدہ پر تھی ایک مستقل فکر اور دینی تصور تھا، اس کا کسی قدر اندازہ فرقہ اثنا عشریہ کے عقیدۂ امامت سے ہو سکتا ہے، جس کے نزدیک امامت نبوت کے ہم پلّہ ہے، بلکہ بعض حیثیتوں سے اس سے بھی فائق ہے[1]۔

---

[1] حال میں انقلاب ایران کے قائد روح اللہ خمینی صاحب جو "آیت اللہ العظمیٰ الامام الخمینی" کے نام سے مشہور ہیں، کی کتاب "الحکومۃ الإسلامیۃ" مطالعہ میں آئی، اس میں ص۵۲ پر "الولایۃ التکوینیۃ" کے عنوان سے یہ لکھنے کے بعد کہ ائمہ کو خلافت تکوینی حاصل ہوتی ہے، اور اس عالم کے تمام ذرات ان کی حکومت و اقتدار کے تابع اور فرماں بردار ہوتے ہیں، حسب ذیل عبارت آئی ہے:—

وإنّ من ضروريات مذهبنا أن لأئمتنا مقاماً لا يقربه ملك مقرب ولا نبيّ مرسل، وبموجب ما لدينا من الروايات والأحاديث فإنّ الرسول الأعظم (ص) والأئمة (ع) كانوا قبل هذا العالم أنواراً فجعلهم الله بعرشه محدقين، وجعل لهم من المنزلة والزلفى ما لا يعلمه إلا الله۔

(الحکومۃ الإسلامیۃ۔ کتاب خانۂ بزرگ اسلامی۔ ایران)

ہمارے دین کے قطعی الثبوت مسائل میں سے یہ ہے کہ ہمارے اماموں کو وہ مقام حاصل ہے جس کو نہ کوئی مقرب فرشتہ پہونچ سکتا ہے، نہ نبی جس کی بعثت ہوئی، اور ہماری روایات اور احادیث کے بموجب رسول اعظم (صلے اللہ علیہ و آلہ وسلم) اور ائمہ (علیہم السلام) اس عالم سے پہلے انوار (روشنیاں) تھے، اللہ نے ان کو اپنے عرش کا احاطہ کرنے والا بنا دیا اور ان کو ایسا مرتبہ اور قرب عطا فرمایا جس کا علم صرف اللہ کو ہے۔

شاہ صاحبؒ کتاب کی تالیف کی اولین غرض وغایت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:۔

می گوید فقیر حقیر ولی اللہ عفی عنہ کہ دریں	فقیر حقیر ولی اللہ عفی عنہ کہتا ہے کہ
زمان بدعت تشیّع آشکار شد و نفوس	اس زمانہ میں تشیّع کی بدعت کا
عوام بشبہات ایشان متشرب گشت،	شیوع ہوا، عوام کی طبیعتیں ان کے
واکثر اہل ایں اقلیم در اثبات خلافتِ	پیدا کئے ہوئے شبہات سے گہرے
خلفائے راشدین رضوان اللہ تعالےٰ	طریقہ پر متاثر ہوئیں، اس علاقہ کے
علیہم اجمعین شکوک بہم رسانیدند۔[1]	اکثر باشندوں کے دل میں خلفائے
	راشدین رضوان اللہ تعالےٰ علیہم
	اجمعین کے ثبوت خلافت کے
	بارے میں طرح طرح کے شکوک
	واعتراضات پیدا ہو گئے۔

شاہ صاحبؒ کی نظر اس تشکیکی فتنہ کی ظاہری سطح ہی پر نہیں تھی، اس کی تہہ میں جو گہری سازش کام کر رہی تھی، اور اس کے جو دور رس نتائج ظاہر ہونے والے تھے، (مثلاً اسلام کا اپنے اولین وبہترین دور میں ناکام ثابت ہونا اور صحبت وتربیت نبوی کی بے اثری صحابۂ کرام کے ذریعہ خیر القرون میں قرآن کی حفاظت، سنّت کی اشاعت اور جن امور پر اتفاق ہوا اس سب پر بے اعتمادی) ان کو بھی دیکھ رہی تھی، چنانچہ فرماتے ہیں:۔

ہر کہ در شکستن ایں اصل سعی می کند	جو شخص بھی خلافت راشدہ کی صحت
بحقیقت ہدم جمیع فنون دینیہ	کے اصول کو توڑنے کی کوشش کرتا ہے

---

[1] ازالۃ الخفا ص۱

می خواہد[1]۔ اور دین کے اس اصل کا انکار کرتا ہے، وہ حقیقت میں تمام فنون دینیہ کو منہدم کر دینا چاہتا ہے۔

آگے تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"خلفائے راشدین آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کی امت کے درمیان قرآن مجید کے اخذ و تلقی میں واسطہ ہیں[2]"

اس کے بعد وہ اس دائرہ میں ان علوم اور شعبوں کو بھی شامل کرتے ہیں جن کی دولت خلفائے راشدین ہی کے ذریعہ امت کو حاصل ہوئی، مثلاً علم حدیث، علم فقہ اور اس سے بڑھ کر مجتہد فیہ مسائل میں کسی ایک خاص شکل پر اجماع کا انعقاد اور اختلاف امت کا خاتمہ نیز علم احسان (جس کا نام بعد کے زمانہ میں علم سلوک پڑ گیا) اس کے بعد مراتبِ علم حکمت، اخلاقِ فاضلہ اور اخلاقِ رذیلہ کی وضاحت اور ان کا فرق، تدبیر منزل اور سیاست مدن شاہ صاحب کے نزدیک یہ سب علوم و کمالات امت کو خلفائے راشدین ہی کی تعلیم اور طریق عمل سے حاصل ہوئے، اور امت اس بارے میں ان کی رہین منت ہے[3]۔

اس لئے یہ عین مناسب تھا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے بعد جو گویا اسلام کی علمی و نظری تفہیم و تشریح ہے یہ دکھایا جائے کہ واقعات کی دنیا میں نبوت کے بعد کے متصل دور میں کس طرح کامیابی کے ساتھ ان اصول و تعلیمات کو عملی شکل دی گئی، زندگی پر کس خوش اسلوبی کے ساتھ ان کا انطباق ہوا، معاشرۂ انسانی پر اس کے کیا اثرات مرتب ہوئے، دو قدیم باجبروت اور صاحب اقتدار تمدن (جنھوں نے متمدن دنیا آپس میں تقسیم کر رکھی تھی اور جن کی

---

[1] ازالۃ الخفا ص ۱ [2] ایضاً ص ۲ [3] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ص ۲

تاریخ صدیوں کی پرانی تھی) جن سلطنتوں (دولت ساسانیہ اور دولت روما) کے سایہ میں اوران کی رہنمائی اور سرپرستی میں پھل پھول رہے تھے، اور حیات انسانی پر اثر انداز ہو رہے تھے، وہ کس طرح نیست ونابود ہوئیں[1]۔

چند قدیم تصنیفات

اسلام کے نظام اجتماعی، سلطنت اور اس کے دائرۂ عمل پر (مرتبہ اور کیفیت سے قطع نظر تعداد و کمیّت کے لحاظ سے بھی) ہمیں قدیم ذخیرۂ کتب میں بہت کم کتابیں ملتی ہیں، اس موضوع پر امام ابو یوسفؒ (۱۱۳ھ - ۱۸۲ھ) جو امام اعظم امام ابو حنیفہؒ کے شاگرد رشید اور خلافت عباسیہ کے قاضی القضاۃ تھے، کی "کتاب الخراج" بنیادی حیثیت رکھتی ہے لیکن اس کا دائرۂ بحث سلطنت اسلامیہ کے ذرائع آمدنی، مالیات اور نظامِ محاصل تک محدود ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلی قابل ذکر کتاب قاضی القضاۃ علامہ ابوالحسن علی ابن محمد بن حبیب الماوردی (۳۶۴ھ - ۴۵۰ھ) کی تالیف "الأحکام السلطانیۃ والولایات الدینیۃ" ہے، یہ متوسط سائز کے ۲۵۹ صفحات میں آئی ہے، اس کا مرکزی موضوع امامت اور اس کا حکم شرعی، شرائط، کیفیتِ انعقاد، اس کے تفویض کئے ہوئے مناصب اور امام کے فرائض وواجبات، قضاۃ کے تقرر کے احکام، امامت، ولایت صدقات اور جزیہ وخراج وغیرہ کے احکام ہیں، اور حدود، نیز احتساب وغیرہ کا بیان ہے، خلافتِ راشدہ کی

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "ازالۃ الخفا" عنوان "برہم شدنِ دولت ساسانیہ ص ۵۴/۲ - ص ۵۹/۲ وعنوان "برہم شدن دولت رومیہ" ص ۵۹/۲ - ص ۶۳/۲

صحت وثبوت، اور خلفائے راشدین کے فضائل ومناقب اور کارناموں سے کوئی بحث نہیں.

اس موضوع پر سب سے بڑی کتاب "الغیاثی" ہے، اس کا پورا نام "غیاث الامم فی التیاث الظلم" ہے کتاب کے مصنف امام غزالیؒ کے نامور استاد اور اپنے زمانہ کے استاذ الاساتذہ امام الحرمین ابوالمعالی عبدالملک الجوینی، (۴۱۹ھ - ۴۷۸ھ[1]) ہیں، یہ کتاب اصلاً دولت سلجوقیہ کے نامور وزیر باتدبیر نظام الملک طوسی (۴۰۸ھ - ۴۸۵ھ) (بانی مدرسہ نظامیہ بغداد ونیشاپور) کے مشورہ وملاحظہ کے لئے تصنیف کی گئی ہے، جو ضابطہ سے ملک الپ ارسلان اور ملک شاہ سلجوقی کے وزیر اور مدار المہام سلطنت تھے، لیکن حقیقتاً اس عظیم سلطنت بلکہ شہنشاہی کے کرتا دھرتا[2] تھے، کتاب درحقیقت امامت کے شرعی احکام، صفات اور فرائض پر ہے، قسم اول میں ائمہ، ولاۃ رعیت اور قضاۃ کے اوصاف بیان کئے گئے ہیں، اس پر بھی بحث کی گئی ہے کہ اگر کسی زمانہ میں کوئی امام نہ ہو تو کیا کرنا چاہئے، نیز مفتیوں ووالیوں کے اوصاف وفضائل بیان کئے گئے ہیں، ان کی غیر موجودگی میں امت کے فرائض کیا ہو جاتے ہیں، اگر منصب امامت پر کوئی نااہل بزور شمشیر مسلط ہو جائے، تو مسلمانوں کو کیا کرنا چاہئے؟ اگر زمانہ مفتیوں سے خالی ہو تو امت کا کیا فرض ہے؟ خلع امام کے کیا اسباب ہیں؟ پھر تفصیل سے وہ فقہی احکام بیان کئے گئے ہیں جو مفتیوں کے نہ ہونے کی صورت میں امت کو جاننے چاہئیں، اور ان پر عمل کرنا چاہئے، یہاں پہونچکر

---

[1] یہ کتاب ڈاکٹر عبدالعظیم الدیب کی تحقیق سے شیخ عبداللہ ابن ابراہیم الانصاری کی توجہ اور اہتمام سے حکومت قطر کے "الشئون الدینیۃ" کے مصارف پر ۱۴۰۰ھ میں طبع ہوئی، کتاب کی ضخامت بڑی تختی پر ۶۱۱ صفحات ہیں۔ [2] ابن خلکان، طبقات الشافعیہ وغیرہ، نظام الملک کے حالات وکمالات کے لئے (اردو میں) ملاحظہ ہو "نظام الملک طوسی" از مولوی عبدالرزاق صاحب کانپوری مرحوم۔

کہ کتاب فقہ (شافعی) کی کتاب بن جاتی ہے، کتاب میں خلفائے راشدین کی خلافت کی صحت و اہمیت سے بحث نہیں، وہ درحقیقت امامت کے شرعی احکام، صفات و فرائض پر ہے، کتاب میں جابجا ماوردی کی کتاب "الاحکام السلطانیہ" پر تعریض اور مولف پر اعتراضات بھی ہیں۔

تیسری قابل ذکر کتاب شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ (۶۶۱ھ - ۷۲۸ھ) کی کتاب "السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیۃ" ہے، مصنفِ علّام نے کتاب کے خطبہ میں صراحت سے کہدیا ہے کہ یہ مختصر رسالہ ہے جس میں سیاست الٰہیہ اور نیابت نبویہ کے وہ چند اصول و احکام بیان کئے جائیں گے جن سے راعی اور رعیت کوئی بھی مستغنی نہیں، کتاب درحقیقت آیت قرآنی :-

انَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا	خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ امانت
الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓى اَهْلِهَا ۙ وَاِذَا حَكَمْتُمْ	والوں کی امانتیں ان کے حوالہ کر دیا
بَيْنَ النَّاسِ اَنْ تَحْكُمُوْا بِالْعَدْلِ ؕ	کرو، اور جب لوگوں میں فیصلہ کرنے
(الی قولہ تعالیٰ) ذٰلِكَ خَيْرٌ	لگو تو انصاف سے فیصلہ کیا کرو۔
وَّاَحْسَنُ تَاْوِيْلًا ۝	یہ بہت اچھی بات ہے اور اس کا
(سورۃ النساء - ۵۸-۵۹)	آل بھی اچھا ہے

کی تفسیر و تفصیل ہے۔

قسم اول میں باب اول کا عنوان "الولایات" ہے، باب دوم کا "الأموال" ہے، اور قسم ثانی میں پہلے حدود اللہ اور حقوق اللہ سے بحث کی گئی ہے، پھر حقوق العباد سے کتاب متوسط سائز کے ۱۶۸ صفحات پر آئی ہے[1]

---

[1] ہمارے سامنے اس کا چوتھا ایڈیشن ہے جو ۱۹۶۹ء میں دار الکتاب العربی مصر کی طرف سے شائع ہوا۔

اس کتاب میں بھی خلافت راشدہ اور خلفائے راشدین کے سلسلہ کی اصولی، کلامی اور تاریخی بحثوں سے کوئی تعرّض نہیں کیا گیا، جس کے بارہ میں کتاب کے جلیل القدر مصنف سند اور امام کا درجہ رکھتے تھے، اور اگر وہ اس کی طرف توجہ فرماتے تو وہ اسلام کے تحقیقی ذخیرۂ کتب اور مباحث میں گرانقدر اضافہ ہوتا، اس موضوع پر ان کے وسیع علم اور رواں قلم نے "منہاج السنۃ" کے صفحات پر اپنا اصلی جوہر دکھایا ہے، اور اس میں ان کے دریائے علم کی طغیانی اور رہوارِ قلم کی جولانی کا تماشا دیکھنے میں آتا ہے[1]۔

اسلام میں خلافت کی حیثیت و مقام

قرآن مجید اور حدیث نبویؐ میں دعوت اسلامی اور دین محمدیؐ کے قبول کرنے، اور ان پر ایمان لانے والوں کا تصور ایک منظّم اور مربوط جماعت ہی کی شکل میں کیا گیا ہے، ان کے لئے "امت"، "ملّت"، "جماعت" کے جو الفاظ استعمال کئے گئے ہیں، وہ سب اسی حقیقت پر دلالت کرتے ہیں، اہل بصیرت جانتے ہیں کہ یہ الفاظ کتاب و سنت کی لغت و اصطلاح میں محض تعداد کی کثرت، اور انسانوں کے انبوہ کے جیسے سطحی مفہوم اور معنی کے لئے استعمال نہیں کئے گئے، جن کا ادیان و ملل کی تاریخ میں بھی، اور قوموں اور تہذیبوں کی تقدیر میں بھی کوئی وزن اور اثر نہیں ہے، بلکہ سارا قرآن مجید کہیں امم سابقہ کے واقعات کے سلسلہ میں اور کہیں قوت و ضعف اور غلبہ و ہزیمت کے اسباب کے تذکرے میں، تعداد کی کثرت کی بے اثری، انسانی انبوہ کی بے وزنی اور صالح ترین افراد کی موجودگی میں فساد کے غلبہ، انسانوں کی مظلومیت اور دین حق کی مغلوبیت کے تذکرہ سے بھرا ہوا ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "منہاج السنۃ" پر تبصرہ "تاریخ دعوت و عزیمت" حصۂ دوم ص ۲۸۴-۳۱۲

میزان عدل اور میزان عقل دونوں میں منتشر افراد کی (جن کی تعداد خواہ کتنی ہی زائد ہو) کوئی بڑی اہمیت وافادیت نہیں۔

اسلام کے پیش نظر جو عظیم مقاصد ہیں، ان میں عبد و معبود کے تعلق کی اصلاح و تنظیم، پھر اس کی ترویج و توسیع، انسانی زندگی کو اس کے قالب میں ڈھالنے کی سعی، افراد جماعت کے باہمی تعلقات کی استواری اور خوشگواری بھی ہے، ایک ایسی شائستہ، خوش اسلوب پُرسکون اور پُرامن زندگی کے لئے فضا ہموار کرنا بھی ہے، جس میں خالق کے فرائض، مخلوق کے حقوق، دونوں کے ادا کرنے کا پورا موقعہ، اور ان کمالات وارتقائی منازل تک پہونچنے کا پورا امکان پایا جائے، جن کی صلاحیت انسان کی فطرت میں ودیعت کی گئی ہے، اس نے کوشش کی ہے، کہ اس کی قوت عمل اور ذہانت، ان خطرات کا مقابلہ کرنے، ان نقصانات سے بچنے اور ان مفاسد کے دور کرنے میں ضائع نہ ہو، جو کبھی غیر منظم زندگی سے پیدا ہوتے ہیں، کبھی خود ساختہ قوانین سے، کبھی مطلق العنانی اور جاہ و اقتدار کی ہوس سے، اس کے لئے ایک منزل من اللہ قانون، آسمانی شریعت، اور خدا کی الوہیت و حاکمیت کے عقیدہ پر ایک نظامِ خلافت و امارت ضروری ہے، جہاں تک شریعت الٰہی کا تعلق ہے، اس کے منزل من اللہ، معصوم عن الخطاء، اغراض و مفادات، تعصّبات اور جنبہ داریوں سے بلند و بالاتر ہونے کا عقیدہ ضروری ہے اور جہاں تک خلافت و امارت کا تعلق ہے، اس کا اس شریعت کے صحیح ترجمان و نمائندہ، اور انسانی طاقت و ارادہ کی حد تک بے جا حمایت و عصبیت، مداہنت اور عدم مساوات سے دور رہنا ضروری ہے۔

ان مقاصد کی تکمیل اور ان نتائج کے ظہور کے لئے ابتداء ہی سے صاحبِ شریعت (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسے احکام و ہدایات صادر فرمائیں جن کی موجودگی میں مسلمان

ایک ایسی منظم اور مربوط جماعت کی شکل اختیار کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں، جو ایک ایسے صاحب امر فرد کے حکم و انتظام کی تابع ہے، جو بہت سی خصوصیات میں ان سے امتیاز رکھتا ہے، ان کے مصالح، مفادات اور ضروریات کا نگراں ہے، اور انھوں نے اس کو شریعت کے وسیع و لچکدار رہنما اصولوں کی روشنی میں انتخاب کیا ہے، اگر وہ امامت کبریٰ کے منصب پر فائز ہے تو اس کو خلیفۃ المسلمین، امیر المؤمنین، یا امام کہیں گے، اور اگر وہ اس کا نائب اس کا نامزد کیا ہوا ہے، یا شریعت کے احکام کے نفاذ، فصل خصومات، اور منظم دینی زندگی گذارنے کے لئے مسلمانوں نے اس کو (جزئی اور مقامی طور پر) انتخاب کیا ہے، تو اس کو امیر کہیں گے۔

خلیفہ کا انتخاب ایسے دینی فرائض میں سے تھا کہ سب سے بڑے عاشق رسولؐ اور جاں نثار رفیق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سب سے بڑے عشاق و جاں نثاروں کے گروہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے (معہ اہل بیت عظام کے) اس مسئلہ کا تصفیہ، اور خلیفۃ المسلمین کے انتخاب کو جسد اطہر و انور کی تدفین پر مقدم رکھا، اور تقریباً یہی معمول ہر خلیفہ کے انتقال پر رہا، صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے انتخاب ۱۱ھ سے لے کر خلیفہ مستعصم باللہ عباسی کی شہادت ۶۵۶ھ تک عالم اسلام خلیفۂ اسلام سے کبھی محروم نہیں رہا، صرف خلیفۂ مسترشد باللہ جو سلطان مسعود سلجوقی کے ہاتھوں ۱۰ رمضان ۵۲۹ھ میں گرفتار ہوا تھا، کی غیبت و اسیری کے قلیل وقفہ میں جو تین مہینے سات دن سے متجاوز نہیں تھا، عالم اسلام خلیفۂ اسلام کے بغیر رہا، لیکن یہ عالم اسلام کے لئے ایک ایسا انوکھا تجربہ، اور المناک واقعہ تھا جس کی وجہ سے وہ سیاہ پوش اور سوگوار، اور بغداد زیر و زبر ہو گیا، ابن کثیرؒ کے الفاظ میں:۔

"بغداد کے باشندوں میں ظاہر و باطن ہر لحاظ سے ایک زلزلہ سا آ گیا، عوام نے مسجد کے منبروں تک کو توڑ ڈالا، اور جماعتوں میں شریک ہونا بھی چھوڑ دیا، عورتیں

سر سے دوپٹہ ہٹا کر نوحہ خوانی کرتی ہوئی باہر نکل آئیں، اور خلیفہ کے قید اور اس کی پریشانیوں اور مصیبتوں کا ماتم کرنے لگیں، دوسرے علاقے بھی بغداد ہی کے نقش قدم پر چلے، اس کے بعد یہ فتنہ اتنا بڑھا کہ کم و بیش تمام علاقے اس سے متاثر ہو گئے ملک سنجر نے یہ ماجرا دیکھ کر اپنے بھتیجہ کو معاملہ کی نزاکت اور اہمیت سے آگاہ اور خبردار کیا، اور اس کو حکم دیا کہ خلیفہ کو بحال کر دے، ملک مسعود نے اس حکم کی تعمیل کی۔[1]

خلیفہ مستعصم باللہ کی شہادت پر شیخ سعدیؒ نے جو مرکز خلافت سے بہت دور شیراز میں رہتے تھے، جو دل دوز و جگر سوز مرثیہ کہا ہے، اور جس کا مطلع ہے ؎

آسماں را حق بود گر خوں ببارد بر زمیں
بر زوالِ امرِ مستعصم امیر المؤمنیں

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمان خلافت اور خلیفہ کو کس نظر سے دیکھتے تھے، اور عالم اسلام کی ان سے محرومی پر کن جذبات کا اظہار کرتے تھے۔

خلافت کی جامع و مانع تعریف

شاہ صاحبؒ نے جن کی نظر کتاب و سنت، فقہ، عقائد اور علم کلام اور سیرت و تاریخ پر نہایت وسیع اور گہری تھی، اور وہ مقاصد شریعت کے رمز آشنا تھے، خلافت کی ایسی جامع و مانع تعریف کی ہے جس سے بہتر پیش کرنی مشکل ہے، اس تعریف کا ہر لفظ اپنے ساتھ معانی و مطالب اور مثالوں کا ایک دفتر رکھتا ہے، وہ تحریر فرماتے ہیں:۔

الخلافۃ ھی الریاسۃ العامۃ — خلافت اس عمومی سربراہی اور

---

[1] ابن کثیر جلد ۱۲ ص ۲۰۸

فی التصدی لإقامة الدین
بإحیاء العلوم الدینیة وإقامة
أرکان الإسلام والقیام بالجهاد
ومایتعلق به من ترتیب الجیوش
والفرض للمقاتلة واعطائهم
من الفئ، والقیام بالقضاء،
وإقامة الحدود، ورفع المظالم،
والأمر بالمعروف والنهی عن
المنکر، نیابةً عن النبی صلی الله
علیه وآله وسلم۔[1]

ریاست عامہ کا نام ہے جو "اقامتِ
دین" کے کام کی تکمیل کے لئے وجود
میں آئے، اس "اقامتِ دین" کے
دائرۂ کار میں علوم دینیہ کا احیاء،
ارکان اسلام کا قیام، جہاد اور
اس کے متعلقات کا انتظام، مثلاً
لشکروں کی ترتیب، جنگ میں حصہ
لینے والوں کے حصص و مال غنیمت
میں ان کا حق، نظام قضا کا اجراء،
حدود کا قائم کرنا، مظالم و شکایات کا
ازالہ، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کے فرض کی ادائیگی شامل ہے، اور
یہ سب آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ
وسلم کی نیابت اور نمائندگی میں ہونا چاہئے۔

پھر اقامت دین کی مزید تشریح و تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ :۔

"ہم جب معاملات کو استقرائی نظر سے دیکھتے ہیں، جزئیات سے کلّیات اور
کلّیات سے ایک ہی کلّیہ کی طرف جو سب پر حاوی ہو منتقل ہوتے ہیں، تو اس نتیجہ پر
پہونچتے ہیں کہ ان معاملات، جزئیات متشتتہ اور کلّیات کثیرہ کی جنس اعلیٰ اور

---

[1] ازالۃ الخفا ص ۲/۱

(گویا کُلّیۃ الکلیات) وہ حقیقت ہے جس کا عنوان "اقامت دین" ہے، جس کے ماتحت دوسری انواع و اجناس آتی ہیں، جن میں سے ایک احیاء علوم دین ہے، جس میں قرآن و سنت کی تعلیم اور تذکیر و موعظت شامل ہے، اللہ تعالےٰ کا ارشاد ہے :-

هُوَ الَّذِیْ بَعَثَ فِی الْاُمِّیّٖنَ	وہی تو ہے جس نے اَن پڑھوں میں
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ یَتْلُوْا عَلَیْهِمْ اٰیٰتِهٖ	انھیں میں سے (محمدؐ کو) پیغمبر بنا کر
وَیُزَكِّیْهِمْ وَیُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ	بھیجا جو ان کے سامنے اس کی آیتیں
وَالْحِكْمَةَ ۗ وَاِنْ كَانُوْا مِنْ قَبْلُ	پڑھتے اور ان کو پاک کرتے اور انھیں
لَفِیْ ضَلٰلٍ مُّبِیْنٍ ۝"	(خدا کی) کتاب اور دانائی سکھاتے
(سورۃ الجمعۃ - ۲)	ہیں اور اس سے پہلے تو یہ لوگ صریح
	گمراہی میں تھے۔

خلفائے راشدین کی خلافت پر قرآن سے استدلال

کتاب کا سب سے وجد انگیز حصہ وہ ہے جس میں شاہ صاحبؒ نے قرآن مجید کی متعدد آیات سے خلفائے راشدین کی خلافت کے انعقاد اور ان کے خلیفۂ راشد ہونے اور ان کے ذریعہ سے منشائے الٰہی کی تکمیل، اور امر تکوینی کے تحقّق پر استدلال کیا ہے، اور آیات کے ایسے اشارات بلکہ تصریحات کی طرف توجہ دلائی ہے جن سے بدیہی طور پر (بلکہ بعض مقامات پر ریاضی کے نتائج کے رنگ میں) یہ ثابت ہوتا ہے کہ ان حضرات کے سوا ان آیات کا کوئی اور مصداق اور مراد

---

[1] ازالۃ الخفا ص ۲-۳/۱

نہیں ہوسکتا، اوران پیشین گوئیوں کا انطباق ان کی ذات کے سوا کسی پر، اوران وعدوں کا تحقّق ان کے دور خلافت کے سوا کسی دور میں وقوع پذیر نہیں ہوا، اگر ان کی شخصیتوں اور ان کے عہد کو بیچ میں سے نکال لیا جائے تو یہ صفات بغیر کسی مصداق کے اور یہ وعدے تشنۂ تکمیل رہ جاتے ہیں۔

ان آیات میں جو شاہ صاحبؒ نے پیش کی ہیں، ہم بطور نمونہ کے صرف دو آیتیں انتخاب کرتے ہیں، ان میں سے ایک سورۂ نور کی آیت ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:۔

وَعَدَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ	جو لوگ تم میں سے ایمان لائے اور
وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ	نیک کام کرتے رہے ان سے خدا کا
فِي الْاَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِيْنَ	وعدہ ہے کہ ان کو ملک کا حاکم بنادے گا
مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِيْنَهُمُ	جیسا ان سے پہلے لوگوں کو حاکم بنایا
الَّذِي ارْتَضٰى لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ	تھا اور ان کے دین کو جسے اس نے
مِّنْۢ بَعْدِ خَوْفِهِمْ اَمْنًا ؕ يَعْبُدُوْنَنِيْ	ان کے لئے پسند کیا ہے مستحکم و پائیدار
لَا يُشْرِكُوْنَ بِيْ شَيْـًٔا ؕ وَمَنْ كَفَرَ	کرے گا اور خوف کے بعد ان کو امن
بَعْدَ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ	بخشے گا وہ میری عبادت کریں گے،
الْفٰسِقُوْنَ ۝	(اور) میرے ساتھ کسی اور کو شریک
(سورۂ النور۔ ۵۵)	نہ بنائیں گے اور جو اس کے بعد کفر
	کرے تو ایسے لوگ بدکردار ہیں۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ یہ وعدہ (استخلاف و تمکین فی الارض اور خوف کے بعد امن کا) ان لوگوں کے ساتھ کیا گیا ہے، جو سورۂ نور کے نزول کے وقت موجود،

اسلام اور صحبت نبویؐ سے مشرّف، اور دین کی نصرت وتائید میں شریک تھے، شاہ صاحبؒ صفائی سے لکھتے ہیں کہ اس وعدہ کا اطلاق حضرت معاویہؓ، بنوامیہ اور بنوعباس پر نہیں ہوتا، جو اس وقت یا تو اسلام نہیں لائے تھے، یا مدینہ میں موجود نہیں تھے۔

پھر لکھتے ہیں کہ یہ بات نہ تو ممکن ہے نہ معقول کہ اس پوری جماعت مسلمین کو خلافت فی الارض سے سرفراز کیا جائے، اور وہ سب بیک وقت منصبِ خلافت پر فائز ہوں، اس لئے اس سے کچھ خاص افراد ہی مراد لئے جا سکتے ہیں، فرماتے ہیں:۔

"لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ یعنی لیستخلفنّ جمعًا منهم، و "اتقیا" لوازم اوست"

یعنی ان میں سے ایک جماعت کو خلیفہ بنایا جائیگا، اور اتقیا دو طاعت اس کے لئے شرط ہے، پھر یہ کہ جب اس وعدہ کا تحقق ہوگا، تو دین علی اکمل الوجوہ ظہور میں آئیگا، اور اس کو پورا اقتدار اور اختیار حاصل ہوگا، ایسا نہیں، جیسے اثنا عشری حضرات کہتے ہیں کہ خدا کو جو دین پسند ہے وہ ہمیشہ مستور و مختفی رہا ہے، اور اسی بناء پر ائمۂ اہلِ بیت نے ہمیشہ تقیہ سے کام لیا، اور ان کو اپنے دین کے کھلم کھلا اعلان کی کبھی قدرت حاصل نہیں ہوئی "وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ" (ان کے لئے اللہ تعالیٰ اس دین کو قوت وغلبہ عطا فرمائیگا، جس کو اس نے ان کے لئے پسند کر لیا ہے) اس سے معلوم ہوا کہ وہ دین خدا کا پسندیدہ اور منتخب دین نہیں جس کا اس زمانۂ خلافت میں اعلان واظہار نہ کیا جا سکے[1]

اسی طرح فرماتا ہے "وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا" اس زمانۂ استخلاف

---

[1] ازالۃ الخفا ص ۲۰/۱

میں اللہ تعالےٰ خوف وہراس کی فضا کے بجائے امن واطمینان کی فضا پیدا کردے گا، اس سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ یہ مستخلفین اور بقیہ مسلمان اس وعدہ کی تکمیل کے وقت امن واطمینان کے ساتھ ہوں گے، نہ ان کو مختلف الادیان کفار کا کوئی ڈر ہوگا، اور نہ کسی اور جماعت یا طاقت کا اندیشہ، برخلاف اس کے فرقۂ امامیہ کے لوگ کہتے ہیں کہ ائمۂ اہل بیت ہمیشہ ترساں وہراساں رہے، انھوں نے تقیہ سے کام لیا، ان کو اور ان کے ساتھیوں کو ہمیشہ مسلمانوں سے اذیت اور تکلیف پیش آئی اور وہ اہانت وذلت کا سامنا کرتے رہے، اور کبھی مؤیّد ومنصور نہیں رہے[1]، استخلاف اور تمکین فی الارض کے وعدہ کا ظہور انھیں مہاجرین اولین اور نزول آیت استخلاف کے وقت موجود رہنے والے حضرات کے ذریعہ ہوا، اور اگر یہ لوگ خلیفہ نہیں تھے، تو اس وعدہ کا ظہور ہی نہیں ہوا، اور نہ قیامت تک ہونے والا ہے" تعالی اللہ عن ذالک علوًا کبیرًا"[2]

دوسری آیت "قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ" الخ سورۂ فتح (آیت ۱۱) کی ہے، شاہ صاحبؒ نے اس آیت پر مفصل بحث کی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ۶ھ میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک بڑی جماعت کے ساتھ اس خواب کی بناء پر جو آپ نے دیکھا تھا، عمرہ کے قصد سے مکہ معظمہ کی طرف کوچ فرمایا، واقعہ کی اہمیت، مکہ معظمہ کے حالات اور قریش کی مخالفت کے خطرہ کی بناء پر صحابہ کرامؓ بڑی تعداد میں ہمرکاب ہوئے، لیکن اعراب (بادیہ کے ساکنین) خوف ونفاق کی بناء پر ساتھ نہیں ہوئے،

---

[1] ازالۃ الخفا ص ۲۰ ج ۱ [2] ایضًا ص ۲۳ ج ۱

حُدَیبیہ میں فسخ عزیمت اور قریش کے ساتھ صلح کا وہ تاریخ ساز واقعہ پیش آیا جو حدیث اور سیرت کی کتابوں میں تفصیل کے ساتھ ملتا ہے، وہیں وہ بیعت رضوان ہوئی، جس میں شریک ہونے والوں کو اللہ تعالےٰ نے اپنی خوشنودی کا خاص پروانہ عطا فرمایا، اور قریبی زمانہ کی فتح کا مژدہ سنایا[1]، پھر اسی سورہ فتح میں یہ بھی اعلان فرمادیا کہ اس فتح قریب (فتح خیبر) میں (جو محرم ۷ھ کا واقعہ ہے) ان اعراب کو ساتھ نہیں لیا جائیگا، جو حدیبیہ کے موقعہ پر موجود نہیں تھے، اور جنھوں نے اس عظیم وخطرناک مہم میں رفاقت سے پہلوتہی کی تھی، اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

سَيَقُوْلُ الْمُخَلَّفُوْنَ اِذَا انْطَلَقْتُمْ	جب تم لوگ غنیمتیں لینے چلوگے تو
اِلٰى مَغَانِمَ لِتَاْخُذُوْهَا ذَرُوْنَا	جو لوگ پیچھے رہ گئے تھے وہ کہیں گے
نَتَّبِعْكُمْ ۚ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا	ہمیں بھی اجازت دیجئے کہ آپ کے
كَلٰمَ اللّٰهِ ۭ قُلْ لَّنْ تَتَّبِعُوْنَا كَذٰلِكُمْ	ساتھ چلیں یہ چاہتے ہیں کہ خدا کے
قَالَ اللّٰهُ مِنْ قَبْلُ ۚ فَسَيَقُوْلُوْنَ	قول کو بدل دیں کہدو کہ تم ہرگز
بَلْ تَحْسُدُوْنَنَا ۭ بَلْ كَانُوْا لَا يَفْقَهُوْنَ	ہمارے ساتھ نہیں چل سکتے اسی طرح
اِلَّا قَلِيْلًا ۝	خدا نے پہلے سے فرمادیا ہے پھر کہیں گے
(سورۃ الفتح - ۱۵)	(نہیں) تم تو ہم سے حسد کرتے ہو
	بات یہ ہے کہ یہ لوگ سمجھتے ہی نہیں
	مگر بہت کم

لیکن اس کے بعد ہی ان متخلفین سے فرمایا گیا کہ اس فتح قریب (فتح خیبر) میں

---

[1] سورۂ فتح - ۱۸

تو تمہیں شرکت اور اس کے مغانم سے فائدہ اٹھانے کی اجازت نہیں ہے لیکن عنقریب تم کو ایسے لوگوں سے قتال کرنے کے لئے مدعو کیا جائیگا جن کی ایک صفت تو یہ ہے کہ وہ بڑی شجاعت اور طاقت کے مالک ہیں، دوسرے ان کی خصوصیت یہ ہوگی کہ ان سے یا تو قتال کیا جائیگا یا وہ اسلام لے آئیں گے، درمیان کی کوئی چیز (جزیہ) نہیں ہے، اور یہ دعوتِ قتال اللہ کو ایسی محبوب اور اس کا داعی ایسا معتبر اور واجب الاطاعت ہوگا کہ اگر تم اس کی دعوت قبول اور اس کے حکم کی بجا آوری کروگے تو اللہ تعالےٰ تم کو اجر حسن سے نوازے گا، اور اگر پہلے کی طرح روگردانی کروگے، تو عذابِ الیم میں مبتلا کرے گا۔

اللہ تعالےٰ فرماتا ہے:-

قُلْ لِّلْمُخَلَّفِيْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ	جو گنوار پیچھے رہ گئے تھے ان سے
سَتُدْعَوْنَ اِلٰى قَوْمٍ اُولِيْ بَاْسٍ	کہدو کہ تم ایک سخت جنگجو قوم کے
شَدِيْدٍ تُقَاتِلُوْنَهُمْ اَوْ يُسْلِمُوْنَ ۚ	(ساتھ لڑائی کے) لئے بلائے جاؤگے
فَاِنْ تُطِيْعُوْا يُؤْتِكُمُ اللّٰهُ اَجْرًا حَسَنًا ۚ	ان سے تم (یا تو) جنگ کرتے رہوگے
وَاِنْ تَتَوَلَّوْا كَمَا تَوَلَّيْتُمْ مِّنْ قَبْلُ	یا وہ اسلام لے آئیں گے اگر تم حکم
يُعَذِّبْكُمْ عَذَابًا اَلِيْمًا ۝	مانوگے تو خدا تم کو اچھا بدلہ دے گا
(سورۃ الفتح - ۱۶)	اور اگر منہ پھیر لوگے جیسے پہلی دفعہ
	پھیرا تھا تو وہ تم کو بڑی تکلیف کی
	سزا دے گا۔

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ "سَتُدْعَوْنَ" (عنقریب تم بلائے جاؤگے) سے بطریق اقتضاء ثابت ہوتا ہے کہ زمانۂ مستقبل میں کوئی ایسا داعی (بلانے والا) ہوگا جو اعراب

(بادیہ کے رہنے والوں کو جو صلح حدیبیہ کے موقعہ پر لشکر اسلام کے ساتھ نہیں گئے تھے) کو ایسی قوم سے جنگ کرنے کے لئے دعوت دے گا جس کے لئے دو ہی شکلیں ہیں یا قتال، یا اسلام (اور جس کا مصداق عرب کے مرتد قبائل ہی ہو سکتے ہیں، جن سے جزیہ لینا جائز نہ تھا، وہ یا تو جنگ میں مارے جاتے یا اسلام قبول کرتے) اور یہ شکل صرف حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں پیش آئی جنھوں نے مرتدین عرب سے قتال کیا، ان کا حکم شرعی یہی تھا، اس سے مراد نہ رومی ہو سکتے ہیں، نہ ایرانی، جن کے لئے تین شکلیں تھیں قتال، اسلام اور جزیہ، اس لئے اس سے بداہتہً حضرت صدیق اکبرؓ کی خلافت ثابت ہوتی ہے، جنھوں نے مرتدین سے جنگ کرنے کے لئے حضرت خالدؓ کی ماتحتی میں فوج بھیجی اور اعراب کو اس کی دعوت دی، پھر اس دعوت کے قبول کرنے پر اجر کا ملنا اور نہ قبول کرنے پر عذاب کا مستحق ہونا ایک خلیفۂ راشد ہی کا مقام و منصب ہے[1]۔

کتاب کے دوسرے قیمتی مضامین

خلفائے راشدین کی خلافت کے اثبات کے دلائل اور خلفائے اربعہ کے مآثر و مناقب،

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو ازالۃ الخفا ص ۳۸-۳۹ ج ۱ شاہ صاحب کے اس استدلال کی تائید علامہ شہاب الدین محمود الآلوسی (م ۱۲۷۰ھ) کی مشہور تفسیر "روح المعانی" سے بھی ہوتی ہے، وہ لکھتے ہیں:-

"المراد بالمغانم مغانم خیبر کما علیہ عامۃ المفسرین"[1]

"ستدعون الی قوم اولی بأس شدید" وھم علی ما اخرج ابن المنذر والطبرانی عن الزھری بنو حنیفہ میلمۃ وقومہ اھل الیمامہ. وعن رافع بن خدیج انا کنا نقرأ ھذہ الایۃ فیما مضی ولا نعلم من ھم حتی دعا ابوبکر رضی اللہ عنہ الی قتال بنی حنیفۃ فعلمنا انھم أرید وا بھا[2]

وشاع الاستدلال بالایۃ علی صحۃ امامۃ ابی بکر رضی اللہ عنہ[3]۔

---

[1] روح المعانی ص ۱۰۱ [2] ایضاً ص ۱۰۲ [3] ایضاً ص ۱۰۴

ان کے زمانہ کے کارناموں اور ان کے بہت سے قیمتی کلمات اور ارشادات کے علاوہ اس کتاب میں اور بھی بیش بہا فوائد، تحقیقات نادرہ، اور وہ قیمتی مواد ہے، جو نہ عقائد وعلمِ کلام کی کتابوں میں عام طور پر ملتا ہے، نہ تاریخ اور سیر میں، ان میں سے ایک قرون ثلاثہ کی توضیح[1] خلافت وسلطنت کا فرق اور اس کی تفصیلات[2]، ملک عضوض (مطلق العنان فرمانروائی) کی تشریح اور اس بات کی تصریح ہے، کہ بنی اُمیّہ کی سلطنت اور مطلق العنان فرمانروائی خلافت نہ تھی، ان کے نزدیک اگرچہ خلافت راشدہ حضرت علی مرتضیٰ پر ختم ہوگئی، لیکن وہ حضرت معاویہ کے بارے میں (ان مناقب کی بناء پر جو ان کے بارہ میں وارد ہوئے ہیں) سوءِ ظن اور طعن وتشنیع سے احتراز کی تلقین کرتے ہیں[3]، لیکن ان کے بعد کے خلفاء بنی مروان کے متعلق صاف لکھتے ہیں :—

چوں عبدالملک تسلط یافت فرقت	جب عبدالملک (بن مروان) نے اقتدار
ازمیان رفت واحکام خلافت جابرہ	حاصل کرلیا، تو انتشار ختم ہوگیا، اور خلافت
کہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم	جابرہ کے احکام جن کی آنحضرت صلے اللہ
درچندیں احادیث تشریح آں فرمودہ	علیہ وآلہ وسلم نے متعدد احادیث میں
بودند، بر منصۂ ظہور آمد۔[4]	تشریح فرمائی تھی منظر عام پر آگئے۔

اس کتاب کی ایک خصوصیت فاروق اعظم رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے مذہب، ان کے فتاویٰ اور احکام پر وہ مفصل مواد ہے، جس کو اس میں جمع کر دیا گیا ہے، اور جس سے ایک پوری

---

[1] ازالۃ الخفا ص۱۲۱-۱۲۲ [2] ایضاً ص۱۲۶ [3] ایضاً ص۱۴۶

[4] ایضاً ص۱۴۳ یزید کے متعلق "حجۃ اللہ البالغہ" میں صفائی سے لکھتے ہیں "دعاۃ الضلال یزید بالشام ومختار بالعراق" ترجمہ۔ ضلالت کے داعی دو تھے، یزید شام میں اور مختار عراق میں (حجۃ اللہ البالغہ ج۲ ص۲۱۳) اسی طرح مناقب کی بحث میں یزید کو منافق یا فاسق لکھا ہے۔ ص۲۱۵

فقہ فاروقی سامنے آگئی ہے[1]۔

فقہ فاروقی کو یگانہ حیثیت سے پیش کرنے اور حضرت عمرؓ کے اجتہادات اور فتاویٰ کو جمع کرنے کا شاید یہ پہلا مبارک اقدام تھا، جس کو شاہ صاحب نے دوسری اولیات کے ساتھ انجام دیا، اس موضوع پر کوئی جامع منفرد کتاب اب تک تصنیف نہیں ہوئی، حال میں (۱۴۰۱ھ - ۱۹۸۱ء) ڈاکٹر محمد رواس قلعہ جی نے "موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب" (حضرت عمرؓ کی فقہ کا دائرۃ المعارف، انسائیکلوپیڈیا) کے نام سے ایک ضخیم مفصل کتاب مرتب کی جو مکتبۃ الفلاح کویت کی طرف سے شائع ہوئی، یہ کتاب بڑے سائز کے ۸۰۰ صفحات پر آئی ہے۔

خلفائے ثلاثہ (رضوان اللہ علیہم اجمعین) کی خلافت کے اثبات، اور ان کے فضائل و مناقب، آثار اور خدمات کے ایسے تفصیلی تذکرہ کے ساتھ جس میں شاہ صاحبؒ کا ذوق و جوش صاف جھلکتا ہے، اور جو اس ضرورت کی تکمیل ہے، جو اس زمانہ کا تقاضا اور کتاب کی تصنیف کا اصل محرک ہے، انھوں نے امیر المومنین سیدنا علی مرتضیٰ کرم اللہ وجہہ کے آثار و فضائل بیان کرنے میں تأمل و تحفظ سے کام نہیں لیا ہے، ان کو بھی انھوں نے پوری عقیدت، ان کے حقوق کے اعتراف اور اہل بیت کرام کے ساتھ محبت کے جذبہ اور پورے توسع کے ساتھ بیان کیا ہے[2]، آثار سیدنا علیؓ بن ابی طالب کو حسب ذیل الفاظ سے شروع کرتے ہیں "آثار امیر المومنین و امام الاشجعین اسد اللہ الغالب علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ" اسی طرح حضرات حسنینؓ بالخصوص سبط اکبر سیدنا حسن مجتبیٰ کا ذکر پوری عظمت و محبت کے ساتھ کرتے ہیں، وفات نبویؐ کے بعد حوادث مہمہ میں حضرت عثمانؓ کی شہادت کو

---

[1] ملاحظہ ہو ص ۸۵-۱۴۲/۲ [2] ایضاً ص ۲۵۱-۲۸۳/۲

فتنۂ اولیٰ شمار کیا ہے[1]، اور فتنۂ ثانیہ میں جگر گوشۂ رسول حضرت امام حسینؓ کی شہادت کو لیا ہے، اور مشکوٰۃ شریف کی ایسی روایت (جو بیہقی سے ماخوذ ہے) نقل کی ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت امامؓ کو آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وہی نسبت ہے جو ایک مضغۂ گوشت کو جسم سے ہوتی ہے، اور آپ نے اس کی خبر دی ہے کہ امت ان کو شہید کرے گی[2]، اسی فتنہ میں واقعۂ ہائلہ حرّہ کو بھی شمار کیا ہے جس میں یزید کے زمانہ میں اس کے لشکر کے ہاتھوں مدینہ طیبہ میں قتل و نہب کا شرمناک واقعہ پیش آیا، اور مدینہ و اہل مدینہ کی سخت بے حرمتی ہوئی[3]، شاہ صاحبؒ نے بنی امیہ کے بارے میں جا بجا کھلی تنقید سے کام لیا ہے[4]، اس طرح کتاب میں وہ توازن اور اعتدال پورے طور پر موجود ہے، جو اہل سنت والجماعت کا شعار و افتخار ہے۔

وفات نبویؐ کے بعد کے تغیرات و فتن کی نشاندہی

اس کتاب کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسلام کی دینی تاریخ، اور ذہنی و مذہبی انقلاب و تغیر کا ایک مختصر ابھرا ہوا خاکہ بھی آگیا ہے، اسلام کی سیاسی و علمی تاریخیں تو بے شمار ہیں لیکن ایسی تاریخ کہیں نہیں ملتی جس میں اسلام کے سیاسی و تمدنی تاریخی تسلسل کے درمیان نئی ذہنی، علمی اور اخلاقی تبدیلیوں کے نشان (خواہ وہ ایسے ہلکے اور پھیکے رنگ کے ہوں جو صحیح اسلامی مزاج کی واقفیت کی خوردبین کے بغیر دیکھے نہ جا سکیں) نظر آئیں، کتابوں میں تھوڑا سا منتشر مواد ملتا ہے لیکن کسی نے اس کو اپنی بحث کا عنوان نہیں بنایا، شاہ صاحبؒ خیر القرون سے متصل اس کے بعد کے فتنے[5]، خیر القرون اور شر القرون کے احکام کا اختلاف[6]، اور تغیرات کلیہ کے ضمن میں ان معنوی اور فکری تغیرات کا تذکرہ کرتے ہیں، جو عہد رسالت اور خیر القرون کے بعد پیش آئے، ان کے عنوانات شاہ صاحبؒ

---

[1] ملاحظہ ہو ص ۱۵۴ ج ۱ [2] ص ۱۵۴ ج ۱ [3] ص ۱۵۴ ج ۱ [4] ص ۱۵۴-۱۵۵ ج ۱ [5] ص ۱۲۳ ج ۱ [6] ص ۱۳۶ ج ۱

کے یہاں حسب ذیل ہیں۔

ظہور کذب، تجوید قرآن کے سلسلہ میں تعمق و مبالغہ، قراءت اور تلاوت پر اکتفا اور تدبر فی القرآن اور تفقہ کی کمی، فقہی مسائل میں موشگافی اور مسائل کی فرضی شکلوں پر جو وقوع پذیر نہیں ہوئیں پہلے سے بحث و مباحثہ، متشابہات قرآن کی تاویل اور اس میں دور کی کوڑی لانا، عقائد والٰہیات میں نئے نئے سوالات کا پیدا کرنا، تقرب الی اللہ کی نیت سے نئے نئے اوراد و احزاب کی ایجاد، جو سنت ماثورہ پر اضافہ کرتے ہیں، مستحبات کی ایسی پابندی اور التزام جیسی واجبات کی ہونی چاہیئے، فتوے دینے کے بارے میں اجتماعی مشورہ، اور علمائے صالحین سے رجوع کے سلسلہ کا ختم ہو جانا، نئے نئے فرقوں قدریہ اور مرجیۂ وغیرہ کا پیدا ہونا، مسلمانوں کے باہمی اعتماد و امن کا اٹھ جانا، ایسے لوگوں کا حکومت پر متمکن ہو جانا جو یا تو سرے سے حکومت کا استحقاق نہیں رکھتے، یا درجہ دوم سوم کے لوگ ہیں، ارکان اسلام کے قیام میں سستی اور فتور کا واقع ہونا۔[1]

کتاب کی طباعت و اشاعت

کتاب ازالۃ الخفا پہلی مرتبہ مولوی محمد احسن صدیقی کے اہتمام میں منشی جمال الدین خاں صاحب مدار المہام ریاست بھوپال کے حکم و ہدایت پر ۱۲۸۶ھ بریلی میں مطبع صدیقی میں چھپی، اس وقت تین نسخے فراہم ہو سکے، جن سے تصحیح و مقابلہ کا کام کیا گیا، ایک منشی صاحب کا بھوپال کا نسخہ، دوسرا مولوی احمد حسن صاحب امروہی کا نسخہ، تیسرا مولوی نور الحسن صاحب کاندھلوی کا، قرینہ ہے کہ مصنف علام کتاب پر نظر ثانی نہیں فرما سکے۔

---

[1] ص ۱۳۳/۱

کتاب کا دوسرا ایڈیشن سہیل اکیڈمی لاہور پاکستان سے ۱۳۹۶ھ/۱۹۷۶ء کو شائع ہوا، جو پہلے ایڈیشن کا آفسٹ ہے[1]، کتاب کا عربی ترجمہ المجلس العلمی ڈابھیل کے اہتمام میں تیار ہوا، لیکن اس کی کماحقہ ممالک عربیہ میں اشاعت نہیں ہوسکی، امام اہل سنت مولانا عبدالشکور صاحب فاروقیؒ لکھنوی نے کتاب کا اردو ترجمہ کیا، جو کتاب کی فصل اول سے فصل پنجم (ص ۱۵۵) تک پر مشتمل ہے، اس کا نام کشف الغطاء عن السنۃ البیضاء رکھا، اس مطبوعہ حصہ کی ضخامت ۳۳۶ صفحات ہے، ۱۳۲۹ھ میں عمدۃ المطابع لکھنؤ سے شائع ہوا۔

---

[1] یہی ایڈیشن اس باب کی تحریک، نت پیش نظر رہا ہے، اور اسی کے صفحات کا حوالہ دیا گیا ہے۔

باب نہم

سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں شاہ صاحب کا مجاہدانہ و قائدانہ کردار

تین نوخیز جنگجو طاقتیں

کتاب کے باب دوم[1] میں گزر چکا ہے کہ بارہویں صدی (ہجری) کا ہندوستان سیاسی انتظامی اور اخلاقی حیثیت سے انحطاط و پستی، بدنظمی و طوائف الملوکی، اور انتشار و اضطراب کے اس نقطہ پر پہونچ گیا تھا جس کو کسی معاشرہ و نظام کا دم واپسیں یا حالتِ احتضار سے تعبیر کیا جا سکتا ہے، مغلیہ سلطنت ایک حکمراں مسلمان خاندان کے طویل ترین اور قوی ترین اقتدار کی علامت (SYMBOL) بن کر رہ گئی تھی جس کے پیچھے نہ کوئی طاقت تھی، نہ سلیقہ، نہ حوصلہ۔

بظاہر اس وقت سلطنت مغلیہ ہی نہیں پورے ملک کی قسمت کا فیصلہ کرنے والی تین نوخیز جنگجو طاقتیں تھیں، علی الترتیب مرہٹہ، سکھ، جاٹ۔

مرہٹے

مرہٹے جن کی سرگرمیاں پہلے دکن میں محدود تھیں، اور جن کی حیثیت ایک منظم قانونی

---

[1] ہندوستان (سیاسی حالت)۔

حکومت کے خلاف ایک "احتجاجی گروہ (AGITATORS) اور چھاپہ مار (GUERRILLA) طاقت سے زیادہ نہ تھی، مرکزی حکومت کی روزافزوں کمزوری، طالع آزما سرداروں کی باہمی زورآزمائی، اور امرائے سلطنت کی کوتاہ نظری کی وجہ سے (جو اپنے حریف کو زک دینے یا زچ کرنے کی نیت سے مرہٹوں سے کام لیتے رہتے تھے) ایک ایسی ہمہ گیر طاقت بن گئے، جو دہلی کے تخت پر قبضہ کرنے اور اس خلا کو پُر کرنے کا خواب دیکھنے لگے جو مغلوں کی فوجی طاقت کی کمزوری اور ان کی انتظامی نااہلی نے پیدا کر دیا تھا۔

۱۱۷۰ھ/۱۷۵۶ء میں[1] ملہار راؤ ہولکر اور رگھوناتھ راؤ نے شمالی ہند پر اپنا تسلط قائم کرنے کا فیصلہ کیا، اور جاٹوں کی مدد سے ۱۱۷۱ھ/۱۷۵۷ء کو دہلی پر حملہ کر دیا، نجیب الدولہ کو مجبور ہو کر صلح کرنی پڑی، اس کے بعد انھوں نے پنجاب کا رخ کیا جو اس اہم جنگی علاقہ کا دروازہ تھا، جس سے فاتح ہندوستان میں داخل ہوتے رہے، اور جو ابھی تک کسی غیر اسلامی طاقت کے زیر نگیں نہیں رہا تھا، انھوں نے اپریل ۱۷۵۸ء میں لاہور پر قبضہ کر لیا، اور آدینہ بیگ کو اپنی طرف سے پنجاب کا حاکم مقرر کیا، آدینہ بیگ کے مرنے پر انھوں نے سباجی سندھیا کو پنجاب کا حاکم (گورنر) مقرر کیا۔

صفدر جنگ کے اشارہ اور مدد سے پہلے مرہٹے دوآبہ میں (جو ان علماء و مشائخ کا مرکز تھا، جو خود دہلی کی زیب و زینت تھے) داخل ہوئے، اب داتاجی سیندھیا نے ۱۱۷۲ھ میں دکن سے آکر سارے ہندوستان کے فتح کر لینے کا بیڑا اٹھایا، پہلے روہیلکھنڈ ۱۷۵۸ء اور اودھ کا رخ کیا، اور اس ارادہ سے جمنا کو عبور کیا ۱۱۷۲ھ/۱۷۵۹ء میں جب دریا قابل عبور ہوئے، اس سے گوبند رائے بندیلہ کو بیس ہزار لشکر کے ساتھ روہیلکھنڈ میں

---

[1] حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات سے ۵-۶ سال پیشتر۔

اتار دیا، اس نے رام گنگا سے اتر کر امروہہ تک (جو دہلی سے زیادہ فاصلہ پر نہیں ہے) ملک کو لوٹ لیا۔

۲۴ر جون ۱۷۶۰ء (۹ر ذی الحجہ ۱۱۷۳ھ) کو مرہٹے پایہ تخت دہلی میں داخل ہوئے یعقوب علی خاں قلعہ دار نے قلعہ حوالہ کر دیا، بھاؤ نے قلعہ کی قلعہ داری شنکر راؤ کے سپرد کی اس نے دیوان خاص کی نقرئی و سیمین چھت کو اتار لیا اور ٹکسال میں بھیج دیا، قدم شریف اور حضرت نظام الدین اولیاء کی درگاہ میں سونے چاندی کا جو سامان تھا لے لیا، ۱۰ر نومبر ۱۷۶۰ء (۲۹ر صفر ۱۱۷۴ھ) کو شاہ جہاں ثانی کو معزول کر کے مرزا جوان بخت خلف شاہ عالم عالی گہر کو تخت پر بٹھایا چاہتا تھا کہ خود تیموری تخت پر جلوہ افروز ہو، اور وہ ایسا کر سکتا تھا، مگر لشکر کے دانشمندوں نے اس کو اس ارادہ سے باز رکھا کہ اس سے پورے ملک میں شورش برپا ہو جائیگی، اور رعایا تخت بابری پر کسی مرہٹہ سردار کو بیٹھا دیکھ کر آسانی سے برداشت نہیں کر سکے گی، اس وقت مرہٹوں کی عملداری کو جو وسعت حاصل تھی، وہ نہ اس سے پہلے کبھی ہوئی تھی، نہ اس کے بعد ہوئی، اس کی شمالی سرحد اٹک اور ہمالیہ کے پہاڑ تھے، جنوب میں جزیرہ نمائے دکن کے پچھلے سرے یعنی سمندر تک پھیلی ہوئی تھی، جو علاقے ان حدود کے اندر آزاد تھے، وہ اس کے باج گزار تھے، ان کے پاس آزمودہ کار سپہ سالار ملازم تھے، دس ہزار سپاہ فرنگستان کی قواعد دان ان کے پاس موجود تھی، پانی پت کی لڑائی میں ان کے پاس پچپن ہزار سوار جرار اور پندرہ ہزار پیادے تھے، دو سو توپیں (علاوہ قلعہ شکن توپوں کے) ساتھ تھیں، راجپوتوں کی فوج بھی ساتھ ہو گئی تھی، اس طرح سب مل کر تین لاکھ لڑنے والے سپاہی ان کے جھنڈے کے نیچے اور زیر قیادت تھے۔

بایں ہمہ مرہٹوں کا مزاج شاہانہ اور ذمہ دارانہ نہ تھا، ہندوستان کے ایک مؤرخ کے بقول "وہ آدھے بادشاہ آدھے راہ زن تھے"[1] رعایا پروری، ہمدردیٔ خلائق اور انسانی جان و مال، عزت و آبرو کی حفاظت کی قدیمی و موروثی روایات (جو رعونت و نفسانیت کے موقعوں پر بھی خود مختار حاکموں اور بادشاہوں کی کسی حد تک حفاظت کرتی، اور عناں گیر ہوتی رہی ہیں) نیز شاندار تاریخی پس منظر (BACK GROUND) نہ ہونے اور اعلیٰ اور واضح تعمیری و سیاسی مقاصد کے مفقود ہونے کی وجہ سے پھر اس سب کے علاوہ ہندو مذہب و تہذیب کے احیاء کے جذبہ (HINDU REVIVALISM) نے ان میں جارحیت، فیصلوں میں عجلت اور عدم رواداری کی صفت پیدا کر دی تھی، لوٹ کا مال، اور اس کی محبت ان کی قومی کمزوری تھی۔

مرہٹوں کی ہنگامہ آرائیوں سے ہندو مسلمان سبھی متاثر ہوتے تھے، دیہاتوں کو بے دردی سے لوٹنا، لوگوں کے ہاتھ ناک کان کاٹ لینا کوئی غیر معمولی بات نہ تھی، حملہ آوروں کی نفسانی ہوس کا شکار بلا تفریق مذہب و ملت عورتوں کا پورا طبقہ بنتا تھا، اس میں بھی ہر طرح کے حدود سے تجاوز کر کے بہیمانہ و وحشیانہ عمل کا مظاہرہ کیا جاتا رہا، بنگال کے مشہور شاعر گنگا رام نے بنگال پر ان کے حملوں پر تبصرہ کرتے ہوئے ان تاثرات کا اظہار کیا ہے[2]۔

پرتگالی مصنفوں نے بھی مرہٹوں کی اخلاق سوز حرکتوں پر اپنے استعجاب کا اظہار

---

[1] تاریخ ہندوستان از مولوی ذکاء اللہ دہلوی صفحہ ۳۰۴ ج ۹

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو جادوناتھ سرکار کی کتاب FALL OF THE MOGHAL EMPIRE, P. 87

کیا ہے[1]، مرہٹوں کے اقتدار کا عوام پر بڑا اقتصادی اثر پڑا، مولانا غلام علی آزاد بلگرامی کے بقول "ان کی نیت یہ ہے کہ جہاں تک ان کی دسترس ہو، خلق خدا کے معاشی ذرائع مسدود کر کے اپنے قبضہ میں کر لیں" مرہٹے مغلیہ سلطنت کے ان دور افتادہ علاقوں سے چوتھ[2] وصول کرتے تھے، جو ان کے رحم و کرم پر تھے۔

مرہٹوں کی تاخت صرف فوجی حدود اور عوام کے استحصال ہی کے دائرہ میں محدود نہ تھی، وہ ہندو مذہب و تہذیب کی "احیائیت" (REVIVALISM) پر بھی مبنی تھی، اس تحریک کے قائدِ اول شیواجی کے متعلق ماونٹ رسٹوارٹ الفنسٹن (گورنر بمبئی) اپنی تاریخ ہند میں لکھتا ہے :-

"اس کی طبیعت نے ہندوانہ تعصبوں سے تربیت پائی تھی.....

اس طبیعت پر مجبول ہونے سے وہ مسلمانوں اور ان کے رسم و رواج سے سخت نفرت، اور ہندوؤں اور ان کے طور طریقوں سے بڑی رغبت رکھتا تھا، اور یہ ترقی روز افزوں تھی، اس کا یہ مزاج تدبیر ملکی سے ایسا راس آیا تھا کہ اس نے بھگتوں کی صورت بنائی، اور اوتاروں کی کرامتوں، اور دیوتاؤں کی عنایتوں کا دعویٰ کیا"[3]

---

[1] PISSURLEN: PORTUGUESES, II, P. 49

[2] سب سے پہلے شیواجی نے چوتھ وصول کیا جو لگان کا چوتھائی تھا، چوتھ دوسری ریاستوں سے ان کی حفاظت یا حملہ نہ کرنے کے لئے وصول کرتے تھے، جبکہ اپنی مملکت میں کسانوں سے پیداوار کا تیس[30] فی صد لیا کرتے تھے، جو بعد میں بڑھ کر چالیس[40] فی صد ہو گیا تھا۔

[3] تاریخ ہند (اردو ترجمہ) ص ۱۰۴۱ (علی گڑھ ۱۸۶۷ء)

پانی پت کے میدان میں آخری فیصلہ ہونے سے پہلے اور حالات کی نزاکت کا خیال کرکے انھوں نے نواب شجاع الدولہ کی معرفت (جو اس سے پہلے مرہٹوں کے لئے اپنے دل میں نرم گوشہ رکھتے تھے) کوشش کی کہ شاہ ابدالی سے صلح ہو جائے، شجاع الدولہ نے ان مسلسل تجربوں اور تلخ حقیقتوں کی بناء پر ان کو جو جواب دیا، اس سے مرہٹوں کے قومی مزاج اور ان کی فتح مندی اور غلبہ کے اثرات و نتائج پر اچھی روشنی پڑتی ہے۔

نواب شجاع الدولہ نے کہا:-

"دکن کے برہمن ہندوستان پر مدت سے متسلط ہیں، ان کے سر پر فور طمع و حرص و بدعہدی و بدقولی کے سبب سے یہ بلا شاہ درّانی کی آئی ہے، ایسوں کے ساتھ کیا کوئی صلح کرے جو کسی کی آبرو اور آسائش کے روادار نہ ہوں، سب چیزیں اپنے اور اپنی قوم کے لئے جانتے ہوں، آخر سب ان کے ہاتھوں سے ایسے عاجز ہوئے کہ انھوں نے اپنے پاس ناموس اور حفظ آبرو اور رفاہ خلائق کے لئے شاہ ابدالی کو منتیں کرکے ولایت سے بلایا ہے، اور اس کے صدمات کو مرہٹوں کی ایذا رسانی سے سہل سمجھا"[1]

بالآخر ۱۴ر جنوری ۱۷۶۱ء (۶ر جمادی الآخرہ ۱۱۷۴ھ) کو پانی پت کے میدان میں احمد شاہ ابدالی کی افغانی فوجوں، نواب نجیب الدولہ کے روہیلہ سپاہیوں اور نواب شجاع الدولہ کے لشکر کی متحدہ طاقت سے مرہٹوں کو شکست فاش ہوئی، اور بقول ایک مورخ کے "مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور کی طرح اڑ گئی"! احمد شاہ ابدالی کی آمد کے محرکات اور پس منظر اور اس فیصلہ کن جنگ کی مزید تفصیلات جس نے تاریخ کے

---

[1] تاریخ ہندوستان۔ ج ۹ ص ۳۰۵

دھارے کو موڑ دیا، شاہ صاحب کے قائدانہ کارنامہ کے سلسلہ میں آئندہ صفحات میں آئیگی۔

سکھ

سکھ پنجاب کا ایک مذہبی گروہ تھا، جس کی بنیاد پندرھویں صدی عیسوی میں گرو بابا نانک (۱۴۶۹ء۔ ۱۵۳۹ء) کے ہاتھوں پڑی، وہ نفس کشی، اخلاقیات اور سچائی کی تعلیم دیتے تھے، "سیر المتاخرین" کے بیان کے مطابق بابا نانک نے فارسی اور دینیات کی تعلیم ایک بزرگ سید حسن سے حاصل کی تھی، اور ان کی بابا نانک پر خصوصی نظر تھی[1]، تیسرے گرو امر داس نے سکھوں کی مذہبی اور معاشرتی تنظیم کے سلسلہ میں سب سے پہلے قدم اٹھایا، اکبر بادشاہ ان کے مکان پر ان سے ملنے گیا، اور انھیں ایک بڑی جاگیر عطا کی، انھوں نے اخلاقیات کی تعلیم میں گرو نانک کی تعلیمات کی روح کو قائم رکھا، اور ہندؤں کی اوہام پرستی خصوصاً رسم ستی کی کھلم کھلا مخالفت کی اور نکاح بیوگان کے احکام جاری کئے، اکبر نے ۱۵۷۷ء میں انھیں ایک وسیع قطعہ آراضی عنایت کیا، انھیں کے زمانہ میں امرتسر کے مذہبی مرکز کی بنیاد پڑی، اس طرح سکھوں کی قومی زندگی کے لئے ایک روحانی مرکز تیار ہوگیا۔

۱۵۱۸ء میں گرو ارجن اپنے باپ کے جانشین ہوئے، انھوں نے سکھوں کو

---

[1] بعض روایات کے مطابق بابا گرو نانک متعدد مسلمان درویشوں اور فقیروں کی صحبت میں رہے، ان میں پیر جلال، میاں مٹھا، شاہ شرف الدین، پیر عبدالرحمٰن اور پاک پٹن کے فرید ثانی اور شاہ ابراہیم کے نام خاص طور پر لئے گئے ہیں بعض روایات کے مطابق بابا نانک نے بغداد، حرمین شریفین کا سفر بھی کیا شیخ فرید پاک پٹن سے ان کا خاص ارتباط تھا۔

ایک فرقہ کی حیثیت سے منظم کرنے کی مزید کوشش کی، اور گرنتھ کی تدوین عمل میں لائے، گروارجن نے اپنے آپ کو "سچا بادشاہ" کے نام سے ملقب کیا جو ان کے سیاسی اقتدار کی ہوس کا پتہ دیتا ہے، جہانگیر کے حکم سے گرو کو لاہور میں قید کر دیا گیا، اس لئے کہ انھوں نے اس کے باغی شہزادہ خسرو کی مالی امداد کی تھی، وہاں ان کو قتل کر دیا گیا[1]، ان کے جانشین ہرگوبند نے علانیہ علی مدلغت و مزاحمت کا طرز عمل اختیار کیا جس سے سکھوں کی فوجی زندگی کا آغاز ہوا، انھوں نے جلدی شاہانہ منصب اختیار کر لیا، وہ شہنشاہ جہانگیر کے خلاف دشمنی کے جذبات رکھتے تھے، اور اپنے باپ کی موت کا اس کو ذمہ دار سمجھتے تھے، انھوں نے ہرگوبند پور کا ایک مضبوط قلعہ بنایا جہاں سے نکل کر وہ میدانی علاقوں پر تاخت کرتے تھے، جہانگیر نے انھیں گوالیار کے قلعہ میں نظر بند کر دیا، لیکن کچھ عرصہ کے بعد رہا کر دیا، اور ان کا بڑا اعزاز کیا، شاہجہاں کی تخت نشینی کے فوراً بعد انھوں نے کھلم کھلا سرکشی اختیار کر لی اور حکومت کے خلاف علم بغاوت بلند کیا، اخیر میں وہ پہاڑیوں کی طرف نکل گئے اور ۱۶۴۵ء میں انتقال کیا۔

۱۶۶۴ء میں اورنگ زیب کے زمانہ میں ہرگوبند کے بیٹے تیغ بہادر گرو منتخب ہوئے، انھوں نے مفروروں اور قانون شکنوں کو پناہ دی، ان کا اقتدار ملک کی ترقی میں حائل ہوا[2]، شاہی دستوں نے ان پر چڑھائی کی اور انھیں قید کر کے دہلی لے آئے

---

[1] گروارجن کو حقیقت میں چندو لال نے ذاتی مخالفت کی بناء پر قتل کرایا تھا، جو جہانگیر کے یہاں رسوخ رکھتا تھا، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ ہندوستان" ج ۹ ص ۵۲

[2] ملاحظہ ہو J. D. CUNNINGHAUM, A HISTORY OF THE SIKHS GUARD, 1918, P.64

جہاں انھیں اورنگ زیب کے حکم سے ۱۶۷۵ء میں سزائے موت دی گئی[1]، ان کی موت کے بعد ان کے بیٹے گوونند رائے کو گرو تسلیم کیا گیا، انھوں نے سکھوں کو جو ابتداء میں محض ایک مذہبی "گن گیان" والی جماعت تھی، ایک جنگجو قوم بنا دیا، انھوں نے سکھوں میں جمہوری مساوات کے جذبات کو ابھارا، اور انھیں ایک قوم کی صورت میں منظم کرنے کا کام کیا، اورنگ زیب کے انتقال تک وہ زندہ رہے، اورنگ زیب کے جانشین بہادر شاہ نے گرو کے ساتھ مفاہمت کی کوشش کی اور انھیں دکن کی فوجی کمان عطا کر دی لیکن انھوں نے اکتوبر ۱۷۰۸ء میں ایک افغان ملازم کے زخم سے جانبر نہ ہوتے ہوئے انتقال کیا، انھوں نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا، اور اپنے پیروؤں کو حکم دیا کہ گرنتھ کو وہ اپنا آئندہ گرو، اور خدا کو اپنا واحد محافظ تصور کریں۔

ہرگوونند کا جانشین بندہ بیراگی ہوا جس کی اصل حیثیت سکھوں کے فوجی قائد کی تھی، (وہ اصلاً کشمیری راجپوت تھا جس نے سکھ مت اختیار کر لیا تھا) اس نے پنجاب میں وسیع پیمانہ پر رہزنی کی وارداتیں شروع کر دیں، اورنگ زیب کی وفات کے بعد سلطنت مغلیہ پر بہت سرعت سے زوال آنا شروع ہو گیا، اس کے بیٹوں اور پوتوں کے مابین تخت کے لئے متواتر لڑائی جھگڑے شروع ہو گئے، جن کی وجہ سے سکھوں کو کھلم کھلا اپنی طاقت میں اضافہ کرنے کا موقعہ مل گیا، بندہ بیراگی مسلمانوں کو ہزاروں کی تعداد میں بے رحمی سے قتل کرتا اور قصبہ بقصبہ لوٹتا ہوا دہلی کے عین قرب وجوار میں جا پہونچا، مئی ۱۷۱۰ء میں اس نے سرہند پر دھاوا بول دیا، اور لوٹ مار اور قتل وغارت گری کے لئے کھلا چھوڑ دیا، قصبہ کے

---

[1] گرو تیغ بہادر کے قتل کی بھی تنہا اورنگ زیب پر ذمہ داری نہیں، اس میں ان کے مخالفوں کا ہاتھ ہے۔

(نہنگ سنگ سندیس ۲۵ دسمبر ۱۹۵۱ء)

باشندوں پر (بلا تمیز عمر و صنف) ہیبت ناک مظالم توڑے گئے، بہادر شاہ نے پنجاب کا رخ کیا، شاہی فوجوں نے بندہ کو شکست دی، لیکن بندہ پہاڑیوں کی طرف نکل گیا، فرخ سیر کی تخت نشینی کے بعد سیاسی انتشار اور شاہی خاندان کی خانہ جنگی سے فائدہ اٹھا کر بندہ بیراگی نے دوبارہ دہشت انگیزی سے کام لینا شروع کیا، بالآخر ۱۷۱۶ء میں اسے دہلی میں لا کر قتل کر دیا گیا، سکھوں کے نزدیک بھی وہ کوئی محترم و محبوب شخصیت نہیں تھا، اس نے سکھ مذہب کے عقائد و عبادات میں بھی کچھ تبدیلیاں کیں، اس کی قیادت میں سکھ ایک فوجی طاقت بن گئے، فرخ سیر کے عہد میں پنجاب کے مغل گورنر معین الملک نے (جو میر منّو کے نام سے زیادہ مشہور ہے) فرخ سیر کی تعزیر کی حکمت عملی کو جاری رکھا، مگر سلطنت مغلیہ کے زوال کی رفتار بہت تیز تھی، پنجاب کی حکومت احمد شاہ ابدالی کے پے در پے حملوں کی وجہ سے زیادہ کمزور ہو گئی تھی، سکھوں کو دوبارہ اٹھنے اور ابھرنے کا موقعہ ملا، وہ نہ صرف احمد شاہ درّانی کے فرزند شاہزادہ تیمور کو جو پنجاب کا حاکم تھا، اور جس نے امرتسر پر حملہ کر کے ہرمندر کو منہدم اور مذہبی تالاب کو ملبہ سے پُر کر دیا تھا، نکالنے میں کامیاب ہوئے، بلکہ لاہور پر عارضی طور پر قبضہ بھی کر لیا، اور ان کے فوجی سردار جسا سنگھ کلال نے اپنے نام کا سکہ بھی جاری کر دیا، لیکن رگھوبا کے زیر کمان مرہٹوں کی آمد (۱۷۵۸ء) پر وہ لاہور سے نکل گئے، احمد شاہ نے پانچویں بار پنجاب کا رخ کیا، پانی پت کی مشہور لڑائی کے بعد جس نے مرہٹہ طاقت کی کمر توڑ دی جونہی اس نے پنجاب چھوڑا، سکھ پھر نکل آئے، اور انھوں نے اپنی کھوئی ہوئی سلطنت دوبارہ حاصل کر لی، احمد شاہ پھر واپس آیا، اور لدھیانہ میں (۱۷۶۲ء میں) اس نے سکھوں کو شکست فاش دی، لیکن اس کے جانے کے بعد ۱۷۶۳ء میں سکھوں نے سرہند کو تخت و تاراج کر کے ویران کر دیا، اور ایک بار پھر لاہور پر قبضہ کر کے خالصہ حکومت

کا اعلان کر دیا، اس کے بعد سکھ متعدد ریاستوں اور گروہوں میں جس کو مسلین کہتے تھے، منقسم ہو گئے، ان پر کوئی حاکم اعلیٰ متعین نہیں تھا، اور مذہب کے سوا ان کے درمیان کوئی چیز مشترک نہیں تھی، تیس۳۰ سال کی اس غیر مستقل صورتِ حال کے بعد پنجاب میں رنجیت سنگھ کا ستارۂ اقبال بلند ہوا، جنھوں نے ان مخالف گروہوں کو ایک مضبوط سلطنت کی شکل میں متحد کر دیا۔

سکھ مذہب کا نصب العین ہندوؤں کے مذہبی عقائد کی تطہیر تھا، اس میں کچھ شبہ نہیں کہ بابا نانک اسلامی تعلیمات سے متاثر تھے، چنانچہ ان کا عقیدۂ توحید، بنی نوع انسان کی مساوات، اور بت پرستی سے اجتناب وغیرہ اسلام کے اثر کا نتیجہ ہیں[۱]۔

سکھوں کے مذہبی ادب کی زبان پر فارسی کے بڑے اثرات ہیں، خصوصاً ادی گرنتھ میں فارسی و اسلامی، دینی و صوفیانہ الفاظ کی بڑی آمیزش ہے[۲]۔

اس کے پورے قرائن موجود تھے کہ یہ اصلاحی تحریک (اگر اپنے اصولوں پر سختی سے قائم رہتی اور ہندو مذہب و تہذیب میں تحلیل نہ ہو جاتی) ہندوستانی معاشرہ میں کوئی انقلابی خدمت انجام دیتی اور سکھ ہندوؤں سے الگ ایک مستقل و ممتاز فرقہ ہوتا جس کی اساس توحید و مساوات پر ہوتی، اور اس طرح وہ مسلمانوں کے قریب تر مذہبی گروہ ہوتا، لیکن حکومتِ وقت کے ساتھ تصادم، اور سیاسی عمل و ردِ عمل کے بے ضمیر چکر نے جو مذہبی و اخلاقی نتائج سے بے پروا ہو کر وقت کے تقاضوں اور جماعتوں کے مفادات کی تکمیل کرتا ہے،

---

[۱] ملاحظہ ہو جپ جی، نیز MACAULFFE ۲ : ۳۴۷

[۲] تاریخی مواد و معلومات کا بنیادی حصہ "دائرہ معارف اسلامیہ" ج ۱۱ کے مقالہ سکھ سے ماخوذ ہے، جو پروفیسر محمد اقبال کے قلم سے ہے۔

سکھوں کو مسلم حکومتوں ہی نہیں مسلم عوام سے دور و نفور، اور ان سے برسرِ پیکار بنا دیا، اور خصوصیت کے ساتھ بارہویں صدی ہجری اور اٹھارویں صدی عیسوی کے وسط میں ان کو ہندوستان کی انتشار انگیز طاقتوں میں ایک اضافہ اور بڑے بڑے شہروں کے پر امن شہریوں کے لئے ایک دہشت انگیز اور زلزلہ خیز طاقت میں تبدیل کر دیا، ان کے دورِ حکومت میں اکثر اور مہاراجہ رنجیت سنگھ کے دورِ اقتدار میں خاص طور پر[1] مساجد و مقابر کی بے حرمتی ہوئی، عبادات میں خلل ڈالا گیا، اور وہ صورتِ حال پیدا ہوئی، جس کی ترجمانی علامہ اقبال نے اپنے اس شعر میں کی ہے ؎

خالصہ شمشیر و قرآن را ببرد
اندراں کشور مسلمانی بمرد

اس صورت حال کے خلاف تیرھویں صدی کے تقریباً وسط، اور انیسویں صدی کے ثلث اول میں حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۰ء) اور مولانا اسماعیل شہیدؒ (۱۲۴۶ھ/۱۸۳۱ء) نے جو شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی دانش گاہ کے تعلیم یافتہ اور ان کے فرزند اکبر شاہ عبدالعزیزؒ کے تربیت یافتہ تھے، رنجیت سنگھ کی فوجی حکومت کے خلاف علم جہاد بلند کیا، اور اس سے اپنے اس وسیع و عمیق منصوبہ اور مہم کا آغاز کیا، جو ہندوستان کو غیر ملکی اقتدار سے آزاد کرانے، حکومت شرعی کے قیام اور مسلم معاشرہ کی اصلاح و تطہیر اور احیائے دین کے لئے شروع کی تھی۔[2]

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہیدؒ" جلد اول سترھواں باب عنوان "پنجاب میں مسلمانوں کی حالت" ص ۴۱۳-۴۱۹۔

[2] ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہیدؒ" ۱-۲

جاٹ

جاٹ مرہٹوں کی طرح نہ کوئی منظم فرقہ تھے نہ سکھوں کی طرح کوئی مذہبی گروہ، لیکن مغل سلطنت کی کمزوری، سیاسی انتشار، اور عام آبادی کے عدم تحفظ کے احساس نے ان میں ایک طرح کی سلبی و جارحانہ تنظیم پیدا کردی تھی، اور وہ ایک تخریبی اور انتشار انگیز طاقت بن گئے تھے، جس کا مقصد قیام سلطنت اور کوئی سیاسی انقلاب نہ تھا محض بگڑے ہوئے حالات سے عارضی فائدہ اٹھانا، استحصال اور اقتصادی مقاصد کی تکمیل تھی۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی اپنی کتاب "شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات" میں لکھتے ہیں:-

"جمنا کے جنوبی علاقہ میں آگرہ سے دہلی تک جاٹ آباد تھے، ان کی مشرقی سرحد چنبل تھی، اس علاقہ میں ان کی ہنگامہ آرائی کا یہ عالم تھا کہ مرکزی حکومت کا ناک میں دم آگیا تھا، بقول سرکار، دہلی اور آگرہ کی سڑک پر ایسا کانٹا برداشت نہیں کیا جاسکتا تھا (FALL, VOL I.P 369) دہلی سے آگرہ نقل و حرکت میں بڑی احتیاط برتنی پڑتی تھی، دکن کو اجمیر ہوتی ہوئی جو فوجیں جاتی تھیں، وہ اسی علاقہ سے گذرتی تھیں۔

بہادر شاہ کے زمانہ میں اس سڑک کی مخدوش حالت کا اندازہ "دستور الانشاء" کے مطالعہ سے ہوتا ہے (ملاحظہ ہو دستور الانشاء از یار محمد ص۱۳۰) ۱۷۱۲ء میں جب ڈچ نمائندے اس علاقہ سے گذرے تو انھوں نے بھی ان ہنگاموں کو دیکھا۔ (.ATER MUGHALS, I.,P. 321)

جان سرمن (JOHN SURMAN) جون ۱۷۱۵ء میں یہاں سے گذرا تھا اس نے جاٹوں کی امن سوز حرکتوں کا ذکر اپنی ڈائری میں کیا ہے:۔

(ORME COLLECTIONS, P. 1694)

شاہ جہاں کے عہد میں جاٹوں نے ایک مرتبہ زبردست شورش برپا کی تھی، ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۷ء میں متھرا کا فوجدار مرشد قلی خاں ان سے لڑتا ہوا مارا گیا تھا۔

سر جدوناتھ سرکار تاریخ اورنگ زیب جلد پنجم ص ۲۹۶ پر لکھتے ہیں:۔

اورنگ زیب کی شمالی ہندوستان سے غیر حاضری کا فائدہ دو نئے جاٹ لیڈروں راجہ رام اور رام چہرہ نے اٹھایا..... راجہ رام کی قانون شکن حرکتوں کو آگرہ کا گورنر خافی خاں بھی نہ روک سکا، جاٹوں نے راستے بند کر دیئے، اور بہت سے علاقوں کو لوٹا، اور اکبر کے مقبرہ کو لوٹنے کے لئے سکندرہ کا رخ کیا لیکن میر ابوالفضل نے جو وہاں کا فوجدار تھا، بہادری سے مقابلہ کیا، اور باغی کو آگے نہ بڑھنے دیا، راجہ رام نے مشہور تورانی افسر اصغر خاں کا سامان لوٹا، .....اصغر خاں جاٹوں سے لڑتا ہوا مارا گیا۔"[1]

ہرچرن داس مصنف چہار گلزار شجاعی کا بیان ہے کہ جب جاٹوں نے پرانی دہلی کو لوٹنا شروع کیا تو دہلی کے باشندے گھبراہٹ اور پریشانی میں گھر سے نکل کھڑے ہوئے، وہ دربدر، گلی بہ گلی مارے مارے پھرتے تھے، بالکل اس طرح جیسے کوئی ٹوٹا ہوا جہاز ظالم موجوں کے رحم وکرم پر ہو، پاگلوں کی طرح ہر شخص پریشان حال اور گھبرایا ہوا نظر آتا تھا۔" (قلمی نسخہ ص ۱۴۱)[2]

---

[1] شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی مکتوبات، از پروفیسر خلیق احمد نظامی ص ۱۷۵ [2] ایضاً ص ۱۷۷

مولوی ذکاء اللہ صاحب ۱۷۶۵ء کے واقعات میں لکھتے ہیں :۔

"آگرہ کے قلعہ میں جاٹوں کا تسلط تھا، دہلی سے سو میل پر جاٹوں کا عمل دخل تھا، راجہ سورج مل بڑا ہوشیار صف آرائی میں ماہر اور ملک ستانی میں کارداں تھا، اس نے آگرہ سے مرہٹہ سردار کو نکال دیا، اور میوات پر قبضہ کر لیا، چار قلعے نہایت مستحکم بنائے، اس نے دلّی کی سلطنت سے ایسی درخواستیں کرنی شروع کیں، جن سے سلطنت کا نا ... نہ رہے، نجیب الدولہ نے اپنی حسن تدبیر اور بلوچوں کی مدد سے جاٹوں پر فتح حاصل کی، راجہ سورج مل نجیب الدولہ کے مقابلہ میں دہلی کے قریب مارا گیا، اس کے بعد جاٹوں کی ریاست میں بہت سے جھگڑے برپا ہوئے، سورج مل کے دو بیٹے مارے گئے، تیسرا بیٹا رنجیت سنگھ راجہ ہوا، اس کے عہد میں جاٹوں کی ریاست کا بڑا عروج ہوا، جس ملک پر وہ فرماں روائی کرتے تھے، اس کے شمال مغرب میں الور اور جنوب مغرب میں آگرہ تھا، اس کی آمدنی ڈیڑھ کروڑ روپے کی تھی، ساٹھ ہزار فوج ان کے پاس تھی"[1]

دہلی کی حالت

مرہٹوں، سکھوں، اور جاٹوں کے حملوں سے جو گویا روزانہ کا معمول بن گیا تھا، اور حفاظت و دفاع کی ہر قسم کی طاقت اور اہلیت کے فقدان سے دہلی ایک ایسا پرثمر اور غیر محفوظ درخت بن گیا تھا، جس پر ہر طرف سے غول بیابانی حملہ کرتا اور اس کو برگ و بار سے محروم کر دیتا، دہلی کے باشندے جو ساری سلطنت میں نہ صرف عزت و احترام کی

[1] مختصراً از "تاریخ ہندوستان" از مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی۔ جلد نہم ص ۳۱۶-۳۱۸

نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، بلکہ علم، زبان، تہذیب، شرافت اور عادات واطوار میں بھی معیار سمجھے جاتے تھے، حملہ آوروں کے لئے "خوان یغما" بن گئے تھے، اس عہد کے علماء ومشائخ کے (جن کا شعار انقطاع الی اللہ اور رضا بالقضاء ہے) خطوط سے بھی جو انھوں نے اپنے معتقدین واحباب کو لکھے ہیں، اس بدامنی، بے اطمینانی اور بے یقینی کا اندازہ ہوتا ہے، یہاں پر صرف حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے نامور معاصر، اور سلسلۂ نقشبندیہ مجدّدیہ کے گلِ سرسبد حضرت مرزا مظہر جان جاناں (۱۱۱۱ھ - ۱۱۹۵ھ) کے خطوط کے چند اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، ایک مکتوب میں لکھتے ہیں:-

از تشویشات ہر روزہ دہلی تنگ آمدہ ام[1]۔	دہلی کے روزمرہ کے ہنگاموں اور بے اطمینانی سے تنگ آگیا ہوں۔

ایک دوسرے مکتوب میں فرماتے ہیں:-

از ہر طرف فتنہ قصد دہلی می کند[2]۔	ہر طرف سے فتنہ دہلی کا رخ کرتا ہے۔

ایک اور مکتوب میں دارالسلطنت کی بدامنی اور اہل شہر کی پریشان حالی کا تذکرہ فرماتے ہوئے کہتے ہیں:-

احوال مردم شہر از بیماری عام وناایمنی تا کجا نویسد، خدا ازیں بلدہ مورد غضب الٰہی برآرد کہ نسقے در امور سلطنت نماندہ خدا خیر کند[3]۔	عام بیماری اور بدامنی سے اہل شہر کی پریشانی کا حال کہاں تک لکھا جائے، خدا اس شہر سے جو غضب الٰہی کا مورد ہو رہا ہے باہر نکالے کہ امور سلطنت میں کوئی نظم باقی نہیں رہا

---

[1] کلمات طیبات، مکتوب ۴۰ [2] ایضاً ۵۴ [3] ایضاً ۸۶

خدا اپنا فضل فرمائے۔

حملۂ نادری

شاہ صاحب ۱۱۴۵ھ میں حجاز سے دلّی پہونچے تھے، پانچ سال ہی گزرے تھے کہ ۱۱۵۱ھ/۱۷۳۸ء میں نادر شاہ کا دلی پر وہ حملہ ہوا، جس نے سلطنت مغلیہ کی رہی سہی چولیں ہلا دیں اور دلّی کی خاک اڑا دی۔ اس حملہ نے دلّی کے غیرت مند شہریوں اور شریف خاندانوں کے دل و دماغ پر وہ اثر ڈالا کہ وہ زندگی سے بیزار و شرمسار اور اپنے ہاتھوں اپنی موت کا سامان کرنے کے لئے تیار تھے، شاہ عبدالعزیز صاحب کے ملفوظات میں ہے کہ آپ نے اس کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ اس قتل عام اور عزت و ناموس کی بربادی کے موقعہ پر پرانی دلّی کے شرفاء، پرانے راجپوتوں کے دستور کے مطابق "جوہر"[1] کا قطعی طور پر ارادہ کر چکے تھے، اس موقعہ پر والد ماجد (شاہ ولی اللہ صاحب) مسلمانوں کو واقعۂ کربلا، اور سیدنا حسینؓ کے مصائب یاد دلا کر اس ارادہ سے باز رکھا کہ انھوں نے ان لرزہ خیز اور ناقابل تصور مصائب کے باوجود صبر و رضا کی راہ اختیار کی اور خاکم بدہن، خویش کشی اور خودکشی کا ارادہ نہیں کیا۔

نامساعد و زلزلہ انگیز حالات میں تدریس و تصنیف کی یکسوئی

مرہٹہ گردی، جاٹ گردی، سکھ گردی اور نادر گردی کے ہوش رُبا مصائب اور زلزلوں

---

[1] جب راجپوت شرفاء ہر طرف سے گھر جاتے تھے اور باعزت زندگی کا کوئی امکان باقی نہیں رہتا تھا تو اپنے اہل و عیال کو تہہ تیغ کر کے جلتی ہوئی آگ میں پھاند جاتے تھے۔

کے درمیان جو دلّی کو زیروزبر کرکے رکھ دیتے تھے، اور جن میں بعض اوقات نقل مکانی بھی کرنا پڑا، "القول الجلی" سے معلوم ہوتا ہے کہ ۱۱۷۳ھ کے درّانی فتنہ میں شاہ صاحب خدام کی استدعا پر وطن مالوف سے مع اہل خانہ و متعلقین منتقل ہوکر قصبہ پٹھانہ میں تشریف لائے، جب رمضان کا مہینہ آیا، تو معمول قدیم کے مطابق ایک چلّہ کا اعتکاف بھی فرمایا[1]، شاہ صاحبؒ درس، تصنیف، دعوت الی اللہ، تزکیۂ نفوس و تربیتِ طالبین کا کام اس جمعیت خاطر اور اس اہتمام و انصرام کے ساتھ کرتے رہے کہ معلوم ہوتا ہے کہ دلّی ہی نہیں سارے ہندوستان میں معتدل و پُرسکون حالات ہیں، اور وہ ایک گوشۂ عافیت میں بیٹھے ہوئے علمی تحقیق، فکری رہنمائی اور اخلاقی تربیت اور احیائے ملت کے کام میں ہمہ تن مصروف ہیں، مولانا سید سلیمان ندویؒ نے بڑی خوبی اور بلاغت کے ساتھ اس حقیقت کی طرف اشارہ کیا ہے، وہ لکھتے ہیں :-

"ایسے کم مصنّف گزرے ہیں جن کی تصانیف میں ان کے زمانہ کی روح نہ ہو، یا اس میں زمان و مکان کی جھلک نہ ہو، اور کم از کم یہ کہ اپنے زمانہ کی علمی ناقدر شناسی اور اضطراب احوال کا ذکر نہ ہو، مگر شاہ صاحب کی تصانیف کا یہ حال ہے کہ وہ زمان و مکان کی قید سے بالکل پاک اور گلۂ و شکایت اور حرف و حکایت سے سراپا بے نیاز ہیں، یہ معلوم ہی نہیں ہوتا، کہ یہ کتابیں اس زمانہ میں لکھی گئی ہیں، جب امن و اطمینان اس ملک سے حرف غلط کی طرح مٹ گیا تھا، سارا ملک طوائف الملوکی، خانہ جنگی، سیاسی بدامنی، اور ہر طرح کے شور و شر میں مبتلا تھا، دلّی کی سیاسی مرکزیت مٹ چکی تھی، ہر شمشیر زن اپنی بادشاہی کا خواب دیکھ رہا تھا، سکھ ایک طرف، مرہٹے دوسری طرف، جاٹ تیسری طرف، اور روہیلے چوتھی طرف، ملک میں ہر طرف اودھم مچا رہے تھے،

---

[1] القول الجلی (قلمی)

اورنادرشاہ اوراحمدشاہ جیسے پرجوش سپہ سالار خیبر کے دروازہ کے پاس کھڑے جب چاہتے تھے، آندھی کی طرح آجاتے، اور سیلاب کی طرح نکل جاتے تھے، اس درمیان میں دلّی خدا جانے کتنی دفعہ لُٹی اور کتنی دفعہ بنی، مگر الٰہ رے دلّی کے تاجدارِ علم کا امن واطمینان کہ یہ سب کچھ آنکھوں کے سامنے ہوتا رہا، مگر نہ دل کو اضطراب، نہ خیال میں انتشار، نہ قلم میں اضطرار، نہ زبان پر زمانہ کا گلہ، نہ قلم سے بے اطمینانی کا اظہار، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ بلندی کے جس آسمان یا صبر ورضا کے جس لامکان میں تھے، وہاں تک زمین کی آندھیاں نہیں پہونچتیں، اور زمان ومکان کی گردشیں وہاں اپنا کام نہیں کرتیں، اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ سچے اہل علم کی شان کتنی بلند، اور اصحاب تسلیم ورضا کا منصب کتنا اونچا ہے۔

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ۝ (الرعد-۲۸)

ہاں اللہ کی یاد ہی سے دل اطمینان پاتے ہیں۔

صحیح علم کی صحیح خدمت بھی ذکر اللہ کی دوسری شکل ہے، اس لئے اگر وہ بھی قلب میں اطمینان، اور روح میں سکون پیدا کرے تو عجب نہیں، شاہ صاحب کی تصنیفات کے ہزاروں صفحے پڑھ جایئے، آپ کو یہ معلوم بھی نہ ہوگا کہ یہ بارہویں صدی ہجری کے پُرآشوب زمانہ کی پیداوار ہے، جب ہر چیز بے اطمینانی اور بدامنی کی نذر تھی، صرف یہ معلوم ہوگا، کہ علم وفضل کا ایک دریا ہے جو کسی شور وغل کے بغیر سکون وآرام کے ساتھ بہہ رہا ہے، جو زمان ومکان کے خس وخاشاک کی گندگی سے پاک وصاف ہے[1]۔

---

[1] شاہ ولی اللہؒ نمبر "الفرقان" ص ۳۴۸-۳۴۹

سیاسی انتشار اور حکومت مغلیہ کے دور احتضار میں مجاہدانہ وقائدانہ کردار

صرف یہی نہیں کہ شاہ صاحب مصائب وحوادث کے اس گرد وغبار، بلکہ ان کی موسلا دھار بارش کے درمیان زیر آسمان بیٹھے ہوئے تصنیف وتحقیق اور درس وتعلیم میں اس طرح منہمک تھے کہ نہ ہوا کے تیز جھونکے سے زیر تسوید کتاب کا کوئی ورق الٹتا تھا، نہ بارش کا کوئی قطرہ اس کے کسی نقش کو مٹاتا تھا، بلکہ وہ ان حالات کو تبدیل کرنے، اس ملک میں مسلمانوں کے اقتدار کو دوبارہ واپس لانے، اور ایک فرض شناس، حقیقت پسند، احکام شریعت پر عمل کرنے والی، عام شہریوں کی عزت وناموس کی محافظ، انتشار انگیز طاقتوں کو ختم کرنے والی، مستحکم وخوش حال سلطنت کے قیام کے لئے بھی ساعی اور سرگرم تھے، اور اس سلسلہ میں بھی وہ ایسا قائدانہ کردار ادا کر رہے تھے، جو بڑے سے بڑا سیاسی مُبصّر ادا کر سکتا تھا، جس کو تصنیف وتالیف، اور درس وتحقیق سے ادنیٰ مناسبت اور ذرّہ برابر فرصت نہ ہو۔

مجدّدین اور داعیانِ اسلام، اور محققین ومصنّفین میں اگر کسی کی زندگی میں یہ مماثلت نظر آتی ہے تو شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ کی زندگی میں، جنھوں نے ۷۰۰ھ میں شام کے مسلمانوں کو خون آشام تاتاریوں کا مقابلہ کرنے کی دعوت دی اور ان کے اکھڑتے ہوئے قدم جمائے، پھر جب سلطان مصر محمد بن قلاوؤن نے شام آکر تاتاریوں سے جنگ کرنے کا ارادہ ملتوی کیا اور اہل شام میں سخت انتشار اور اضطراب پیدا ہوا، تو وہ خود مصر گئے اور سلطان کو ملک شام کی حفاظت اور تاتاریوں سے مقابلہ پر آمادہ کیا، اور سلطان کے ساتھ جہاد میں شرکت کی، اور تاتاریوں کو ایسی شکست فاش ہوئی جس کی مثال ان کی گزشتہ تاریخ میں ملنی مشکل ہے[1]۔

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت وعزیمت" جلد ۲ ص ۴۷-۵۴

شاہ صاحب نے بھی اپنے علمی مشاغل اور احیاء و تجدید کی مساعی کے ساتھ ایسے سیاسی تدبّر، اور ایسی ذہانت اور بلند نگاہی سے کام لیا کہ اگر مغلوں میں کچھ بھی صلاحیت یا امرائے سلطنت میں ہمت اور سیاسی شعور ہوتا تو ہندوستان نہ صرف تنگ نظر اور انتشار پسند ملکی حوصلہ آزماؤں سے محفوظ ہو جاتا، بلکہ انگریزوں کے اس تسلّط سے بھی محفوظ ہو جاتا جس نے انیسویں صدی کے وسط میں ہندوستان کو کمزور اور میدان کو خالی پاکر اپنے قدم جمالئے، اور اس کو برطانوی سلطنت میں نہ صرف شامل کیا، بلکہ اس سے وہ قوت اور وسائل حاصل کئے، جس نے دنیا کی پوری سیاست پر اثر ڈالا، اور مسلم اور عرب ممالک پر اپنا اقتدار جمایا۔

شاہ صاحب کی اس جمعیتِ خاطر، ہمت و استقامت، بلند نگاہی و اولوالعزمی اور اس کے مقابلے میں ملک کی زلزلہ انگیز فضا کو دیکھتے ہوئے (جس میں نہ کسی سنجیدہ اور عمیق و مسلسل مشغولیت کی گنجائش معلوم ہوتی ہے، نہ کسی انقلابِ حال اور عروج بعد زوال کی امید) اقبال کا یہ شعر حقیقت حال کی سچی تصویر معلوم ہوتا ہے ؎

ہَوا ہے گو تُند و تیز لیکن چراغ اپنا جلا رہا ہے
وہ مردِ درویش جس کو حق نے دیئے ہیں اندازِ خسروانہ

شاہ صاحبؒ کا احساس و اضطراب

شاہ صاحب جنھوں نے ابتدائے سنِ شعور میں اورنگ زیب عالمگیر کے دبدبۂ حکومت و اقبال سلطنت کے آثار دیکھے تھے، اور اس سے پہلے کے (جب سلطنت مغلیہ کا ستارۂ اقبال بلند اور جاہ و جلال قائم تھا) قصے دہلی کے بزرگوں اور اہل خاندان سے سُنے تھے، اور جن کے قلم سے خلافتِ راشدہ کے کارنامے اور تاریخ اسلام کے عہد زرّیں کے تابناک نقوش،

اسلامی حکومت کے فرائض وذمہ داریوں اور اس کے ساتھ خدا کی مدد اور نصرت کی تفصیل ازالۃ الخفا کے صفحات پر ثبت ہوئی تھی، ان کی آنکھوں نے مغلیہ سلطنت کے عہد زوال اور فرخ سیر اور محمد شاہ کے زمانہ کی بدنظمی، طوائف الملوکی، اسلام کی بدنامی، باہمی تنازعات مذہب وملت اہل ملک کی جان ومال، عزت وآبرو کا عدم تحفظ اور انسانی خون کی ارزانی شعائرِ اسلام کی بے حرمتی اور مسلمانوں کی (جو چھ سو سال سے اس ملک پر حکومت کر رہے تھے) مجبوری اور بے بسی کا نظارہ دیکھا تو ان کا حساس و دردمند دل خون کے آنسو رویا، اور خون کے یہ قطرے ان کے گوہر بار قلم سے ان خطوط کے صفحات پر جو انھوں نے اپنے زمانہ کے بعض اہلِ دُول اور معتمدین کو لکھے ہیں ٹپک پڑے، یہاں پر اس کے چند نمونے پیش کئے جاتے ہیں، ایک معاصر بادشاہ کے نام[1] سورج مل جاٹ کے دور دورہ اور اسلام کی غربت کا حال بیان کرتے ہوئے ایک خط میں لکھتے ہیں :-

ازان باز شوکت سورج مل افزونی	اس کے بعد سے سورج مل کی شوکت
یافت واز دو کروہ دہلی گرفتہ	ترقی پاگئی دہلی سے دو کوس کے فاصلے
تا اقصیٰ اکبر آباد طولاً واز حدود	سے لے کر آگرہ کے آخر تک طول میں
میوات تا فیروز آباد و شکوہ آباد	اور میوات کے حدود سے فیروز آباد
عرضاً متصرف شد واذان وصلاۃ	اور شکوہ آباد تک عرض میں سورج مل
مقدور کسے نہ کہ برپا دارد۔[2]	قابض ہوگیا کسی کی طاقت نہیں کہ
	وہاں اذان ونماز جاری کرسکے۔

---

[1] جیسا کہ آگے آئیگا اس بات کے پورے قرائن موجود ہیں کہ یہ خط احمد شاہ ابدالی کے نام لکھا گیا ہے۔

[2] مکتوب بہ بعض سلاطین (شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات — پروفیسر خلیق احمد نظامی ص۱۵)

اسی مکتوب میں ایک آباد و مردم خیز شہر بیانہ کی ویرانی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

شہر بیانہ راکہ شہر قدیم اسلام بود	شہر بیانہ جو کہ اسلام کا قدیم شہر
وعلماء ومشائخ ازمدت ہفت صد	تھا اور جہاں پر علماء و مشائخ
سال درآں جا اقامت داشتند	سات سو سال سے اقامت پذیر
قہراً وجبراً متصرف گشتہ ہمہ	تھے، اس شہر پر قہراً و جبراً قبضہ
مسلمانان رابخواری اخراج نمودند[1]	کر کے مسلمانوں کو ذلت و خواری
	کے ساتھ وہاں سے نکال دیا۔

ملازمین شاہی جن کی تعداد لاکھ سے اوپر تھی کی خستہ حالی کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :۔

چوں خزانۂ پادشاہ نماند نقدی	جب خزانۂ بادشاہ نہیں رہا،
ہم موقوف شد آخر حال ہمہ از	نقدی بھی موقوف ہوگئی، آخر کار
ہم پاشیدند، وکاسۂ گدائی در	سب ملازمین تتر بتر ہوگئے، اور
دست گرفتہ اند، واز سلطنت	کاسۂ گدائی اپنے ہاتھ میں لے لیا،
بجز نامے باقی نماند[2]۔	سلطنت کا بجز نام کے اور کچھ
	باقی نہ رہا۔

مسلمانوں کے مختلف طبقوں کا حال لکھتے ہوئے ان کے قلم سے یہ موثر جملہ نکل گیا ہے :۔

بالجملہ ایں جماعت مسلمین قابل ترحّم	غرض کہ جماعت مسلمین قابل رحم
اند[3]۔	ہے۔

نواب نجیب الدولہ کے نام ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں :۔

---

[1] ایضاً ص ۹ [2] ایضاً ص ۱۱ [3] ایضاً ص ۱۱

مسلمانانِ ہندوستان چہ دہلی وچہ غیر آں چندیں صدمات دیدہ اند، وچند بار نہیب وغارت آزمودہ کار باستخواں رسیدہ است، جائے ترحم است[1]۔

مسلمانانِ ہندوستان نے خواہ وہ دہلی کے ہوں خواہ اس کے علاوہ کسی اور جگہ کے، کئی صدمات دیکھے ہیں اور چند بار لوٹ مار کے شکار ہوئے ہیں" چاقو ہڈی تک پہونچ گیا ہے" رحم کا مقام ہے۔

شاہ صاحب حقائق و واقعات اور مؤثر اور طاقتور اسباب پر نظر کرکے یقینی نتائج اور مستقبل قریب کی اس طرح پیشین گوئی کرتے ہیں، جس میں قیاس و ذہانت کا دخل نہیں محض حالات کا غیر جانبدارانہ اور حقیقت پسندانہ جائزہ ہے:۔

اگر غلبۂ کفر معاذ اللہ بہمیں مرتبہ ماند مسلماناں اسلام فراموش کنند واندکے از زماں نہ گذرد کہ قومے شوند کہ نہ اسلام را دانند نہ کفر را[2]۔

اگر غلبۂ کفر معاذ اللہ اسی انداز پر رہا تو مسلمان اسلام کو فراموش کردیں گے اور تھوڑا ہی زمانہ گذرے گا کہ یہ مسلم قوم ایسی قوم بن جائیگی کہ اسلام اور غیر اسلام میں تمیز نہ کرسکے گی۔

مغل بادشاہوں اور ارکان سلطنت کو نصیحت ومشورہ

شاہ صاحبؒ نے خاندان مغلیہ کے سلاطین کے عروج وزوال اور ان کے اسباب کا

---

[1] مکتوب ہفتم بطرف نجیب الدولہ ص۲۲-۲۳ [2] ایضاً ص۱۲

بغور مطالعہ فرمایا تھا، (جیسا کہ حجۃ اللہ البالغہ کے اس مضمون سے ظاہر ہوتا ہے جو باب ہفتم میں گزر چکا ہے) سلطنت مغلیہ کے علاوہ انھوں نے دوسری اسلامی سلطنتوں کی تاریخ بھی دقت نظر سے پڑھی تھی، اور اس سے انھوں نے وہ حکیمانہ نتائج اخذ کئے تھے، جو قرآن مجید کا ایسا ہی حامل اور عالم اخذ کر سکتا ہے، جو خدا کے قانون مجازاۃ اور سنت اللہ سے واقف ہے، ان سے یہ حقیقت مخفی نہ تھی کہ اس خاندان کا مزاج طویل موروثی سلطنت، اسبابِ عیش و عشرت کی فراوانی، اور خود غرض، مصاحبین، اور مشیران سلطنت کی کوتاہ نظری سے فاسد ہو گیا ہے، اور بیماریاں اس کے جسم میں جڑ پکڑ گئی ہیں، وہ عرب فلسفی مورخ علامہ ابن خلدون کے اس حکیمانہ مقولہ سے بھی بے خبر نہ تھے کہ "إن الهرم إذا نزل بالدولة لا يرتفع"[1] (جب کوئی سلطنت بوڑھاپے کے مرحلہ میں داخل ہو جاتی ہے تو اس کا از سر نو جوان ہونا (عام طور پر) ممکن نہیں ہوتا۔)

لیکن صحیح فکرمندی، سچی طلب اور دل سے لگی ہوئی بات انسان کو ایسی جگہ بھی قسمت آزمائی پر آمادہ کرتی ہے، جہاں کامیابی کی امید موہوم بھی ہو، جس مسافر پر تشنگی کا غلبہ ہوتا ہے، اور جان لبوں پر آجاتی ہے، ہنر اور عقل و دانائی اور تجربوں کے باوجود بھی اس کے قدم پانی کی امید میں چشمۂ سراب کی طرف بے اختیارانہ اُٹھ جاتے ہیں کہ عقل کی خود فریبی سچی پیاس کی علامت ہے، عرفی نے کیا خوب کہا ہے ؎

زنقصِ تشنہ لبی داں بہ عقل خویش مناز
دلت فریب گر از جلوۂ سراب نخورد

(سچی پیاس کی کمی کو اس کا سبب سمجھ، اپنی عقل پر ناز نہ کر اگر تیرے دل نے (جان بوجھ کر بھی)

---

[1] ملاحظہ ہو مقدمۃ ابن خلدون فصل إن الهرم اذا نزل بالدولة لا يرتفع ص ۲۰۶

سراب کی ظاہری چمک دمک سے دھوکا نہیں کھایا۔)

لیکن انسان پھر ایک ایسے خاندان کا معاملہ جس نے صدیوں جاہ و جلال سے حکومت کی تھی، ایک بے جان اور جامد سراب سے بہر حال مختلف ہے، اور اس سے یہ توقع کرنی بے جا نہیں کہ اس میں پھر کوئی باحمیّت اور صاحبِ عزیمت مردِ میدان پیدا ہو سکتا ہے، جو حالات کا رُخ بدل دے اور جاں بلب سلطنت میں زندگی کی نئی روح پھونک دے۔ شاہ صاحب اپنے عہد کے قرآن مجید کے بڑے رمز شناس اور غوّاص تھے، ان کے سامنے قرآن کی یہ آیت تھی :۔

تُوْلِجُ اللَّيْلَ فِي النَّهَارِ وَتُوْلِجُ النَّهَارَ	تو ہی رات کو دن میں داخل کرتا اور
فِي اللَّيْلِ وَتُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ	تو ہی دن کو رات میں داخل کرتا ہے
وَتُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَتَرْزُقُ	اور تو ہی بے جان سے جاندار پیدا
مَنْ تَشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ۝	کرتا ہے، اور تو ہی جاندار سے بے جان
(آل عمران - ۲۷)	پیدا کرتا ہے اور تو ہی جس کو چاہتا ہے
	بے شمار رزق بخشتا ہے۔

اسی بنا پر شاہ صاحب نے قلعۂ معلّٰی کے حالات کو اچھی طرح جانتے ہوئے بھی اپنے زمانہ کے ایک مغل بادشاہ[1] کو خط لکھا ہے، جس میں اس کو اصلاح حال، تقویت سلطنت، اور خدا کی رحمت و نصرت کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے ایسے حکیمانہ اور دانشمندانہ مشورے دیئے گئے ہیں، جو اعلیٰ درجہ کی حکمت دین، تاریخ و سیاست اور نظم مملکت کے عمیق و وسیع مطالعہ پر مبنی ہے، شروع ہی میں لکھا ہے کہ :۔

امیدواری از فضل حضرت باری	اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے

---

[1] افسوس ہے کہ اس مغل بادشاہ کا نام (جس کے نام یہ اہم خط لکھا گیا ہے) معلوم نہیں ہو سکا۔

آنست کہ اگر بموجب ایں کلمات عمل کنند تقویت امور سلطنت وبقائے دولت، ورفع منزلت بظہور می رسد فرد ؎

امید ہے کہ اگر ان کلمات کے بموجب عمل کریں گے تو امور سلطنت کی تقویت، حکومت کی بقاء اور عزت کی بلندی ظہور پذیر ہو گی۔

درپس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
انچہ استاد ازل گفت ہماں می گویم[1]

شاعر کہتا ہے۔
کہ مجھکو آئینہ کے پیچھے طوطی کے مانند رکھا ہے، جو کچھ استاد ازل نے کہا ہے وہی کہتا ہوں۔

اس خط میں جو بادشاہ وقت، اس کے وزیر اور امراء سلطنت کو لکھا گیا ہے، چند نہایت دانشمندانہ، سیاسی وانتظامی مشوروں کے بعد جن کے بغیر سلطنت کا قیام، رعیت کا رفاہِ عام اور لوگوں کا اعتماد بحال نہیں ہو سکتا، آخر میں لکھا ہے کہ قاضی اور محتسب ایسے لوگوں کو بنایا جائے جن کو رشوت ستانی کی تہمت نہ لگی ہو، اور وہ مذہب اہل سنت والجماعت کے ہوں، نیز یہ کہ ائمۂ مساجد کو اچھے طریقہ پر تنخواہ دی جائے، نماز باجماعت کی حاضری کی تاکید کی جائے، اور اس کا پورے اہتمام کے ساتھ اعلان کیا جائے کہ ماہ رمضان کی بے حرمتی نہ ہونے پائے، آخر میں یہ کہ بادشاہ اسلام اور امرائے عظام ناجائز عیش وعشرت میں مشغول نہ ہوں، گذشتہ گناہوں سے سچے دل سے توبہ کریں اور آئندہ گناہوں سے بچتے رہیں، اگر ان کلمات پر عمل کیا جائیگا تو مجھے امید ہے کہ بقائے سلطنت، تائید غیبی اور نصرت الٰہی میسر ہو گی "وما توفیقی إلا باللہ علیہ توکلت وإلیہ أنیب[2]"

---

[1] شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے سیاسی مکتوبات، مکتوب اول بجانب بادشاہ ووزیر وامراء۔

[2] ملاحظہ ہو سیاسی مکتوبات ص ۸۰-۸۱

اس طرح شاہ صاحبؒ نے اپنا وہ فرض ادا کر دیا جو ایک جیّد عالم دین، شارحِ قرآن وحدیث اور وقت کے مصلح اور مجدّد کو ادا کرنا چاہیئے تھا، جو اپنے فرائض اور ذمہ داریوں سے آگاہ اور ان خطرات سے باخبر ہے جو صرف حکمراں خاندان ہی کے سر پر نہیں، پورے اہل ملک کی گردنوں پر ننگی تلوار کی طرح لٹک رہے تھے، شاہ صاحبؒ نے اپنے اسلاف کے اتباع اور ربانیین امت کے دستور کے مطابق سرکار دربار سے براہ راست کوئی تعلق نہیں رکھا تھا، اور اپنے بوریائے فقر پر متمکّن رہے تھے، لیکن حضرت خواجہ نظام الدین اولیاءؒ اور ان کے جانشین حضرت سید نصیر الدین چراغ دہلیؒ کی طرح ان کا دل حکومتِ وقت اور اس کی صحیح رہنمائی کے لئے دعا میں مشغول تھا، اور ان لوگوں کو جو اس مرکز علمی و روحانی سے تعلق رکھتے تھے، وہ زبان و قلم سے صحیح مشورہ دینے میں کسی بخل اور احتیاط سے کام نہیں لیتے تھے، ایک دو بار ایسا بھی ہوا کہ بادشاہ خود اچانک شاہ صاحب کی خدمت میں حاضر ہو گیا اور دعا کی درخواست کی، اپنے محبوب و معتمد مرید مسترشد اور برادر نسبتی شاہ محمد عاشق پھلتیؒ کو ایک خط میں تحریر فرماتے ہیں:-

"جمعرات کے دن بادشاہ حضرت نظام الدین اولیاء اور دیگر مشائخ کے مزارات کی زیارت کرنے کے لئے سوار ہو کر گیا تھا[1]، مجھے پہلے سے اطلاع دیئے بغیر کابلی دروازہ سے سادہ تخت پر سوار ہو کر غریب خانہ پر وارد ہوا، فقیر کو کوئی اطلاع ہی نہ تھی، مسجد میں بوریوں پر آ کر بیٹھ گیا، اس قدر توقیر سلطان کرنا لازم ہوئی کہ فقیر جس مصلّے پر بیٹھتا ہے اور نماز ادا کرتا ہے، اس کو اس طریقہ سے بچھا دیا گیا کہ اس کی ایک جانب بیٹھ گیا اور دوسری جانب بادشاہ، بادشاہ نے اول مصافحہ کیا بڑی تعظیم کے ساتھ بعد ازاں کہا، میں مدت سے آپ کی ملاقات کا مشتاق تھا، لیکن آج اس جوان کی رہنمائی میں

---

[1] افسوس ہے کہ مکتوب میں اس بادشاہ کا نام درج نہیں، اور نہ کسی اور ذریعہ سے اس کی وضاحت ہو سکی۔

یہاں پہونچا ہوں' اشارہ وزیر کی طرف کیا پھر کہا کہ غلبۂ کفر، اور رعیت کا تفرّق و انتشار اس درجہ پر پہونچ گیا ہے کہ سب کو معلوم ہے، چنانچہ مجھے تو سونا، اور کھانا پینا دوبھر اور تلخ ہوگیا ہے' اس بارہ میں آپ سے دعا مطلوب ہے' میں نے کہا کہ پہلے بھی میں دعا کرتا تھا اور اب تو انشاء اللہ اور زیادہ دعا میں مشغول رہوں گا۔

اسی دوران میں وزیر نے مجھ سے کہا کہ حضرت بادشاہ پانچوں وقت کی نماز کا بڑا اہتمام فرماتے ہیں' میں نے کہا الحمدللہ! یہ وہ بات ہے کہ ایک مدت کے بعد سننے میں آرہی ہے' ورنہ ماضی قریب کے بادشاہوں میں سے کسی میں یہ نماز کی پابندی سننے میں نہیں آئی تھی"[1]

آخر میں شاہ صاحبؒ نے بادشاہ کو حضرت ابوبکر صدیقؓ کی وہ وصیت سنائی جو انھوں نے حضرت عمر فاروقؓ کو خلیفہ بناتے وقت فرمائی تھی :۔

"خلیفہ کو بھی عجیب عجیب مشکلات درپیش ہوتی ہیں' اعدائے دین کی طرف سے بھی اور موافقین کی طرف سے بھی' ان تمام مشکلات کا بس ایک ہی علاج ہے کہ مرضیاتِ حق کو اپنا نصب العین بنا کر حق تعالےٰ سے ہی مدد طلب کی جائے' اور اس کے غیر سے قطع نظر کر لی جائے"[2]

شیخ محمد عاشق کے نام ایک اور خط میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"بادشاہ[3] اور اس کی والدہ آئے تھے' پہلے مسجد میں زنانہ کا انتظام کیا گیا، اس صورت سے بادشاہ کے آنے کی غرض یہ تھی کہ بے تکلف ہو کر کچھ دیر ٹھہرے'

---

[1] سیاسی مکتوبات ص۱۳۵-۱۳۶ [2] ایضاً ص۱۳۶-۱۳۷ [3] یہاں بادشاہ سے احمد شاہ مراد ہے جو محمد شاہ کا فرزند و جانشین تھا ۱۱۶۱ھ میں تخت نشین ہوا۔

تقریباً تیس [illegible] گزشتہ [illegible] کہا تھا کہ یہ اس کی زیادہ تر باتیں مخلوق خدا کی

[illegible] سے متعلق تھیں[1]"

لیکن ظاہر ہے کہ حکمراں خاندان کا زوال طویل موروثی سلطنت کے اثرات اور بیرونی مخالفتیں اور سازشیں اس درجہ کو پہونچ گئی تھیں کہ کوئی بڑے سے بڑا صاحب عزم اور رنگ نشین بھی تنہا اس زوال کو عروج سے، کمزوری کو نئی طاقت اور توانائی سے بدل کر پورے ملک کے حالات میں انقلاب نہیں لا سکتا تھا تاریخ سے ثابت ہوتا ہے کہ جب کسی سلطنت کا زوال اپنے آخری حدود تک پہونچ جاتا ہے، اور مخالفتوں اور سازشوں کی سرنگیں سلطنت کو بارود کی طرح اڑانے کے لئے تیار ہوتی ہیں، تو بڑے سے بڑا قوی الارادہ جفاکش اور صاحبِ صلاح بادشاہ بھی سلطنت کے جسم میں زندگی کی نئی روح پھونکنے میں ناکام رہتا ہے، متعدد بار ایسا پیش آیا کہ حکمراں خاندان کا آخری آدمی جس کے زمانہ میں سلطنت کا انقراض پیش آیا، اپنے بہت سے پیشروؤں سے بہتر تھا، اور اس نے سلطنت کو سقوط سے بچانے کی جانبازانہ کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہو سکا، بنی مروان کے خاندان اور بنی امیہ کی سلطنت کے آخر میں مروان ابن محمد معروف بمروان الحمار (م ۱۳۲ھ) اور خلفائے عباسیہ کے خاندان کا آخری فرمانروا مستعصم باللہ (م ۶۵۶ھ) اور کسی حد تک تیموری خاندان کا آخری فرمانروا ابوظفر بہادر شاہ (م ۱۲۷۹ھ / ۱۸۶۲ء) اس کی چند مثالیں ہیں.

اس لئے ضرورت تھی کہ شاہ صاحبؒ کا جیسا بالغ نظر مصلح، وسیع النظر مؤرخ اور فراست ایمانی کا حامل برائے نام مغل فرمانرواؤں اور ان کے امرائے دربار سے رابطہ قائم کرنے، ان کے اندر.... حمیتِ ملّی و غیرتِ دینی بیدار کرنے، بگڑے ہوئے حالات اور

---

[1] سیاسی مکتوبات ص۱۱۱

انتشار انگیز طاقتوں سے پنجہ آزمائی پر آمادہ اور تیار کرنے پر اکتفا نہ کرے، شاہ صاحبؒ نے درباری امراء کے محدود حلقہ سے باہر نکل کر ان امرائے سلطنت آزمودہ کار قائدین افواج اور عالی حوصلہ سرداروں سے خط و کتابت کی جن کے خاکستر میں ان کو دینی حمیت اور قومی عزت کی کوئی دبی ہوئی چنگاری نظر آئی، ان میں حسب ذیل امرائے سلطنت اور قائدین تھے، وزیر مملکت آصف جاہ[1]، نواب فیروز جنگ نظام الملک احمد شاہی[2]، عماد الملک وزیر، تاج محمد خاں بلوچ، نواب مجد الدولہ بہادر[3]، نواب عبید اللہ خاں کشمیری، میاں نیاز گل خاں، سید احمد روہیلہ۔

لیکن شاہ صاحب کی نگاہ انتخاب و اختصاص (جس کے ساتھ فراست ایمانی اور الہام ربانی شامل معلوم ہوتا ہے) اس عہد کی دو عظیم شخصیتوں پر پڑی جن میں سے ایک ہندوستان کے اندر کی تھی اور ایک باہر کی، ہماری مراد امیر الامراء نواب نجیب الدولہ اور احمد شاہ ابدالی والیٔ افغانستان سے ہے۔

نواب نجیب الدولہ

نواب نجیب الدولہ[4] میں وہ تمام صفات و خصائص پائے جاتے تھے، جو عہد قدیم میں بانیان سلطنت کی خصوصیت ہیں، اور جنھوں نے شخصی سلطنتوں اور خاندانوں کے عروج و اقتدار کے عہد میں (جب ذاتی جوہر اور وفاداروں کی جمعیت کا فراہم ہو جانا

---

۱ و ۲ مجموعۂ مکتوبات حضرت شاہ عبد الرحیم و حضرت شاہ ولی اللہؒ (قلمی) محفوظ عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری حیدرآباد مخطوطات ص ۲۱۴ ۳ ان کے نام چار خط ہیں ملاحظہ ہو "حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی مکتوبات" ص ۶۷-۶۶ ۴ تفصیلی حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نجیب التواریخ" از نصیر الدین (قلمی نسخہ حبیب گنج) مختصر حالات کے لئے "شاہ ولی اللہ صاحب کے سیاسی مکتوبات" ص ۲۳۱-۲۳۴

فتح اور قیام سلطنت کے لئے کافی ہوتا تھا) اہم کردار ادا کیا ہے، اور ان کے ہاتھوں کسی فتح و تسخیر کے کسی کارنامہ کا ظہور ہوا ہے، ان کے اندر اپنے ولیِ نعمت کے ساتھ وفاداری کا جوہر اپنے رفیقوں اور ماتحتوں کے ساتھ شرافت و احسان کی خو، سپہ گری کا جوہر و شجاعت اور قائدانہ صلاحیت کوٹ کوٹ کر بھری تھی، لیکن تاریخی تجربہ یہ ہے کہ یہ صفات و کمالات جنگی طاقتوں کو شکست دینے اور ملک فتح کرنے میں تو کامیاب ہو جاتی ہیں، لیکن ایسے ماحول میں جس میں غدّاری اور کورنکی کو "فنّ شریف" کا درجہ دیا جائے، بے اصولی و بے کرداری کو اعلیٰ درجہ کی سیاست سمجھا جائے، اور موقع سے فائدہ اٹھانے کو دانشمندی اور دور اندیشی تصور کیا جائے، اکثر مفید بننے کے بجائے کامیابی میں حارج اور مشکلات پیدا ہونے کا باعث بنتی ہیں، بدقسمتی سے نواب نجیب الدولہ اور آصف جاہ نظام الملک کو ایسا ہی فاسد ماحول ملا تھا، مؤرخین اس کے اعلیٰ کردار اور سپاہیانہ و قائدانہ صلاحیت کی تعریف میں یک زبان ہیں سر جادوناتھ سرکار لکھتا ہے :-

"ایک مؤرخ کی سمجھ میں یہ نہیں آتا کہ اس کی کس خوبی کی سب سے زیادہ تعریف کرے میدان جنگ میں اس کی حیرت انگیز قیادت کی، یا مشکلات میں اس کی تیز نگاہ یا صحیح رائے کی، یا اس کی اس فطری صلاحیت کی جو اس کو انتشار و ابتری میں ایسی راہ دکھاتی تھی جس سے نتیجہ اس کے موافق نکل آتا تھا"[1]

مولوی ذکاء اللہ دہلوی "تاریخ ہندوستان" میں لکھتے ہیں :-

"نجیب الدولہ ایسا عاقل، ہوشیار و دانشمند تھا کہ کمتر ہوتے ہیں، امانت داری

---

[1] SARKAR : FALL OF THE MUGHAL EMPIRE , VOL - II. P. 416

(ماخوذ از سیاسی مکتوبات ص ۲۳۲)

ایمانداری تو اس وقت میں اس پر ختم تھی، وہ اپنے پرانے آقاؤں نواب دوندے خاں روہیلہ اور نواب شجاع الدولہ کی فرمانبرداری کئے جاتا تھا، ملہر راؤ ہلکر سے بھی اس کا ساز باز چلا جاتا تھا، یاد ہوگا یہ مرہٹہ پانی پت کی لڑائی سے اپنے ہم وطنوں کو چھوڑ کر بھاگ گیا تھا، غرض یہ جوانمرد اس ٹوٹی پھوٹی سلطنت کو نباہ رہا تھا۔"[1]

شاہ عبدالعزیز صاحب فرماتے ہیں:-

نزد نجیب الدولہ نہ صد عالم بود
ادنی پنج روپیہ اعلیٰ پنج صد روپیہ[2]

"نجیب الدولہ کے یہاں نو سو عالم تھے، جن میں سے سب سے نیچے درجہ والے کو پانچ روپیہ اور اعلیٰ کو پانچ سو روپیہ ملتے تھے۔

پروفیسر خلیق احمد نظامی کے بقول "۱۷۶۱ء سے ۱۷۷۰ء تک وہ دہلی کی سب سے بڑی شخصیت تھی، تمام سیاست اس کے گرد گھومتی تھی اور وہ سارا نظام حکومت اپنے کاندھوں پر سنبھالے ہوئے تھا۔"[3]

شاہ صاحبؒ نے جن کو اللہ تعالیٰ نے مردم شناسی و حقیقت پسندی کا وہ ملکہ عطا فرمایا تھا جو ان لوگوں کو عطا ہوا کرتا ہے جو تاریخ اصلاح و تجدید اور کارِ آدم گری و مردم سازی میں کوئی بڑا کام کرتے ہیں، قحط الرجال کے اس عہد میں جو حوصلہ مندوں اور طالع آزماؤں سے بھرا ہوا تھا اپنے کام کی تکمیل و مدد لینے میں نجیب الدولہ کا انتخاب کیا اور ان کی دوربین و باریک بین نگاہ نے اس جوہر قابل اور اس کے اندر دینی حمیت کو دیکھ لیا،

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم ص ۳۱۵ [2] ملفوظات ص ۸۱ [3] سیاسی مکتوبات ص ۲۳۲

شاہ صاحب نے ان سے مراسلت شروع کی اور ان چنگاریوں کو فروزاں کرنے کی کوشش کی جو ان کی خاکستر میں دبی ہوئی تھیں، وہ ان کے نام اپنے مکتوب میں لکھتے ہیں:-

خدائے عزوجل آں امیر المجاہدین را	خدائے عزوجل امیر المجاہدین کو
بنصر ظاہر و تائید باہر مشرّف کناد،	نصرت ظاہر اور تائید واضح کے ساتھ
و این عمل را بالعز قبول رسانیدہ	مشرف کرے اور اس عمل کو قبولیت کے
ثمرات عظیم و برکات جسیم برآں مرتب	درجہ میں پہونچا کر بڑی بڑی برکتیں
گرداناد۔	اور رحمتیں اس پر مرتب کرے۔
از فقیر ولی اللہ عفی عنہ بعد سلام	فقیر ولی اللہ عفی عنہ کی جانب سے
محبت شام واضح آنکہ دعائے نصر	بعد سلام محبت شام واضح ہو کہ نصرت
مسلمین کردہ می شود و از سرِ وش غیبی	مسلمین کے لئے یہاں دعا کی جارہی
نفحات قبول شنیدہ می شود امید	ہے اور سروش غیبی سے آثار قبول
انست کہ خدائے تعالےٰ بر دستِ	محسوس ہوتے ہیں امید یہ ہے کہ اللہ تعالےٰ
ایشاں احیاء طریقۂ جہاد فرمودہ	آپ کے ہاتھ پر دینی جہد و جہاد کو زندہ
برکات آن عاجلاً و آجلاً نصیب	کر کے اس کے برکات اس دنیا اور آخرت
کند۔	میں عطا فرمائے گا۔
إنہ قریب مجیب۔[1]	إنہ قریب مجیب۔

ایک دوسرے خط میں ان کو "امیر الغزاۃ اور رئیس المجاہدین" کے لقب سے یاد فرماتے ہیں،[2] ایک اور مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:-

---

[1] سیاسی مکتوبات ص۱۹ [2] ایضاً ص۲۰

"معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں تائید ملت اسلامیہ اور امداد امت مرحومہ کا کام آپ ہی کے ذریعہ انجام پائے گا جو اس کار خیر کا سرچشمہ اور ذریعہ ہے آپ کسی طرح کے وساوس وخیالات کو دل میں جمنے نہ دیں انشاء اللہ تمام کام دوستوں کی مرضی اور خواہش کے مطابق انجام پائیں گے"[1]

شاہ صاحب نواب نجیب الدولہ کے نام خطوط میں دعا و تہنیت پر اکتفا نہیں کرتے ان کو بڑے مفید بنیادی مشورے بھی دیتے ہیں، اور ان غلطیوں اور واقعات کے اعادہ سے محتاط و محترز رہنے کی تلقین بھی فرماتے ہیں جو اس سے پہلے حملہ آوروں اور مسلمان افواج سے ظہور پذیر ہوئے اور جو خدا کی نصرت و تائید سے مانع بن جاتے ہیں ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں کہ:۔

"جب افواج شاہی کا گذر دہلی میں ہو تو اس وقت اس بات کا پورا انتظام و اہتمام ہونا چاہیئے کہ شہر سابق کی طرح ظلم سے پائمال نہ ہو جائے، دہلی والے کئی مرتبہ لوٹ مار، ہتک عزت، اور بے آبروئی کا تماشہ دیکھ چکے ہیں، اسی وجہ سے مطلب برآری اور مقاصد میں تاخیر پیش آرہی ہے آخر میں مظلوموں کی آہ بھی اثر رکھتی ہے اگر اس بار آپ چاہتے ہیں کہ وہ کام جو تشنۂ تکمیل تھے، وہ مکمل ہو جائیں تو اس بات کی پوری تاکید و پابندی ہونی چاہیئے کہ کوئی فوجی دہلی کے مسلمانوں اور غیر مسلموں سے جو ذمی کی حیثیت رکھتے ہیں تعرض نہ کرے"[2]

شاہ صاحب متعدد خطوط میں ہندوستان کی، ان تین انتشار پسند اور جنگجو طاقتوں کے خطرہ اور ملک کو ان کے گزند سے محفوظ کر دینے کی ضرورت کی طرف بار بار متوجہ فرماتے ہیں (جن کا ذکر اس باب کے آغاز میں موجود ہے) کہ اس کے بغیر ملک میں نظم و نسق، امن و امان، شعائر دینی و معابد کی حفاظت اور معتدل معمول کے مطابق (NORMAL) زندگی گزاری نہیں جا سکتی،

---

[1] سیاسی مکتوبات ص۲۸ [2] ایضاً ص۲۱

ان کی وجہ سے سارا ملک مستقل طور پر حالت جنگ اور عسکری نظام کی صورت میں زندگی گذار رہا ہے[1]

شاہ صاحبؒ کو نواب نجیب الدولہ سے ایسا تعلق خاطر معلوم ہوتا ہے اور وہ ان سے ایسی توقعات رکھتے ہیں کہ بار بار اس کی تاکید فرماتے ہیں کہ جب وہ اس مقصد کے لئے عنان عزیمت اٹھائیں تو شاہ صاحب کو اس کی ضرور اطلاع کریں تاکہ وہ دعا میں مشغول ہو جائیں[2]، نیز ان کو بار بار فتح و کامیابی کی امید دلاتے ہیں، اور اس کی پیشین گوئی فرماتے ہیں، لکھتے ہیں کہ :-

"فقیر کو اس بارے میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے"[3]

شاہ صاحبؒ نے نواب نجیب الدولہ ہی کو احمد شاہ ابدالی کو ہندوستان بلانے کے لئے خاص ذریعہ بنایا ان کے نام براہ راست خط لکھنے کے علاوہ جو آئندہ صفحات میں آرہا ہے، ان سے بھی خطوط لکھوائے، اور ان کو بار بار تاکید کی، نواب نجیب الدولہ نے شاہ صاحبؒ کی وفات کے آٹھ سال بعد رجب ۱۱۸۴ھ (۳۱ اکتوبر ۱۷۷۰ء) کو انتقال کیا پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ :-

"اس کی عدل گستری و بالغ نظری کا یہ واقعہ ہمیشہ تاریخ میں یادگار رہے گا کہ وہ جس وقت بستر مرگ پر آخری سانس لے رہا تھا تو اس نے اپنے فوجوں کو (جو اس کے ساتھ ہاپڑ کے مقام پر تھیں اور گڑھ کا میلہ ہو رہا تھا) حکم دیا کہ گنگا کے میلہ میں آنے جانے والے ہندو یاتریوں کے جان و مال کی پوری حفاظت کی جائے"[4]

---

[1] ملاحظہ ہو مکتوب ششم و ہفتم سیاسی مکتوبات ص ۲۱-۲۱ [2] ملاحظہ ہو مکتوب ہشتم و نہم سیاسی مکتوبات ص ۲۵-۲۷ [3] مکتوب ہشتم ص ۲۴-۲۵ و مکتوب نہم ص ۲۶

[4] سیاسی مکتوبات ص ۲۳۴ بحوالہ سرکار ج م ص ۴۱۵

احمد شاہ ابدالی

شاہ صاحبؒ نے اپنی بالغ نظری، ہندوستان کی صورت حال کے حقیقت پسندانہ مطالعہ، ارکان سلطنت اور امراء دربار کی بے کرداری اور حکمراں خاندان کی روز افزوں نااہلی سے دو حقیقتیں ایسی سمجھ لی تھیں جو روز روشن کی طرح صاف تھیں، ایک تو یہ کہ ملک کی پہلی ضرورت اس بے نظمی اور طوائف الملوکی کو دور کرنا ہے جس سے نہ اہل ملک کی جان و مال عزت و آبرو محفوظ ہے نہ کسی تعمیری کام اور بہتر نظم و نسق کی گنجائش ہے، جیسا کہ گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے، اس افراتفری، بے یقینی اور سراسیمگی کی دائمی فضا کی ذمہ داری ان تینوں انتشار پسند اور جنگجو گروہوں پر تھی، جو نہ تو کسی ایسے ملک میں حکومت کا تجربہ رکھتے تھے جس میں مختلف مذاہب، قومیں و تہذیبیں صدیوں سے پائی جاتی تھیں، اور جس کے انتظام کی ذمہ داری سنبھالنے کے لئے اعلیٰ درجہ کا احساسِ ذمہ داری، قوت ضبط و تحمل، وسیع النظری اور فراخ دلی ضروری تھی، نہ ان کے پاس ملک کو اعتدال و سکون عطا کرنے، اہل ملک کا اعتماد بحال کرنے اور نظم و نسق کو بہتر بنانے کے لئے کوئی منصوبہ تھا نہ کوئی تخیل، اس لئے پہلا کام یہ تھا کہ ان تینوں طاقتوں بالخصوص مرہٹوں کے غلبہ کے خطرہ سے ملک کو محفوظ کر دیا جائے جس سے ہندوستان کے اس مرکزی حصہ کو جو حکومتوں کا مستقر رہا ہے، یعنی لاہور سے دہلی اور صوبجات متحدہ تک کے علاقہ کو کسی وقت اطمینان نہیں تھا کہ کس وقت میدان جنگ میں تبدیل اور گلزار و پر رونق شہر ایک آزاد شکارگاہ میں مبدل ہو جائیں گے، جہاں شکاریوں کو پُرامن شہریوں کو چڑیوں اور جانوروں کی طرح مارنے کی اجازت ہوگی اور ان کا پشتوں اور نسلوں کا اندوختہ دیکھتے دیکھتے تاراج ہو جائیگا، اس سے دوسرے درجہ پر وہ خطرہ تھا جو سکھوں اور جاٹوں کی شکل میں تہذیب و تمدن

اور دولت وثروت کے ان مرکزوں کو بلائے ناگہانی کی طرح پیش آتا رہتا تھا۔

دوسری حقیقت یہ تھی کہ اس خطرہ کو دور کرنے کے لئے کسی ایسے تجربہ کار عسکری قائد اور منظم سپاہ کی ضرورت ہے جو نئی جنگی طاقت سے معمور تو ہو لیکن مخمور نہ ہو، اس کے اندر سپہ گری کے جوہر اور شجاعت و بہادری کے ماسوا... ایمانی غیرت و دینی حمیّت بھی ہو، نیز وہ ان ذیلی و ضمنی اختلافات رقابتوں اور پرانے کینوں اور دشمنیوں سے محفوظ ہو جو دہلی کے ایوان سلطنت اور ملک کے اہل سیاست کو گھُن کی طرح کھا رہی تھیں، اور جن کی موجودگی میں کسی ایسے بلند تر مقصد کی تکمیل کی توقع نہیں کی جا سکتی تھی، جس میں بجائے کسی نسلی عنصر، مذہبی گروہ یا ذاتی فتح مندی کے حصول کے ملت کا فائدہ، اسلام کی تقویت اور ملک کی حفاظت مقصود و پیش نظر ہو، شاہ صاحب کی نظر میں ایک ذریعہ اور واسطہ کی حیثیت سے تو امیر الامراء نواب نجیب الدولہ کی (جیسا کہ اوپر گذرا) ضرورت و افادیت تھی لیکن وہ حالات کی سنگینی کے پیش نظر تنہا کافی نہیں تھے، اور ان کے ذریعہ ان طاقتوں کا زور نہیں توڑا جا سکتا تھا جنھوں نے اپنی فوجی طاقت اتنی بڑھا لی تھی کہ ملک کی کوئی واحد فوجی طاقت ان کو شکست نہیں دے سکتی تھی، اس کے لئے ایک تازہ دم بیرونی فوجی قائد کی ضرورت تھی جو اس ملک کے لئے مطلقاً اجنبی اور نووارد نہ ہو، وہ اس ملک کے نشیب و فراز، باشندگان ملک کی راہ رسم، اور یہاں کے حریف اور نبرد آزما گروہوں کے مزاج اور کمزوریوں سے بھی واقف ہو، اور جو اس کا حوصلہ اور ظرف بھی رکھتا ہو کہ اس ملک کو ان فوری خطروں سے محفوظ کر کے عنان حکومت یہیں کے قدیم حکمراں خاندان کے کسی اہل اور باصلاحیت فرد، وفادار و صاحب کردار امیر یا وزیر کے حوالہ کر کے واپس چلا جائے، کہ یہی حقیقت پسندی، ملّی مفاد اور حبّ الوطنی کا تقاضا ہے۔

اس نازک اور دشوار کام کے لئے (جس میں ہر نازک و دشوار کام کی طرح مضرت

ومنفعت کے پہلو ہوا کرتے ہیں) شاہ صاحب کی نظرِ انتخاب احمد شاہ دُرّانی (۱۱۳۶ھ تا ۱۷۲۳ء ۱۱۸۶ھ ۱۷۷۲ء) والیٔ قندھار پر پڑی، جو ہندوستان کے لئے اجنبی اور نووارد نہیں تھا، وہ ملتان میں پیدا ہوا[1]، یہاں اب تک ایک سڑک ابدالی روڈ کہلاتی ہے، اس نے مختلف حالات و مقاصد کے تحت ۱۷۴۷ء سے ۱۷۶۹ء تک ہندوستان پر نو حملے کئے، شاہ صاحب اور نواب نجیب الدولہ کی دعوت اور پانی پت کے معرکہ سے پہلے وہ چھ مرتبہ ہندوستان آچکا تھا، وہ ملک کے نشیب و فراز، طریقۂ جنگ، فوجی طاقتوں کے تناسب، اور امراء اور ارکین سلطنت کے رجحانات سے واقف تھا، وہ اٹھارویں صدی عیسوی اور بارھویں صدی ہجری کے وسط کے ان ممتاز ترین فوجی قائدین میں تھا، جو عرصۂ دراز کے بعد پیدا ہوتے ہیں اور مستقل حکومتوں کی بنیاد رکھتے ہیں، اُس نے بڑی خوبی و کامیابی کے ساتھ منتشر افغانوں کی شیرازہ بندی کی، منصفانہ قوانین جاری کئے، محکمۂ احتساب قائم کیا، وہ سپہ گری، مکارم اخلاق اور شرافت نفس کی صفات کا جامع تھا، علم و ادب کا ذوق رکھتا تھا، وقار و رعب کے ساتھ اپنی قوم میں محبوب و مانوس بھی تھا، دیندار، پابندِ مذہب اور علماء اور صلحاء کی مجالست کا خواہش مند، سادات و مشائخ کا ادب کرنے والا، اپنے مذہبی معلومات میں اضافہ اور علمی تبادلۂ خیال کا شائق، رحم دل و فیاض، مساوات اور مذہبی رواداری پر عامل تھا، اس نے بعض ایسی سنتوں کو احیاء کیا جن کا افغانی ماحول میں نام لینا بھی مشکل تھا، مثلاً بیوگان کا نکاح ثانی، وہ خود بھی تعلیم یافتہ اور اہل قلم تھا، اپنی روحانی ترقی کا متمنی رہتا تھا[2]، فیریر نے لکھا ہے کہ:-

---

[1] مقالہ (C. COLLIN DAVIES) انسائیکلوپیڈیا آف اسلام

[2] احمد شاہ ابدالی کے حالات میں ملاحظہ ہو ڈاکٹر گنڈا سنگھ کی کتاب

AHMAD SHAH DURRANI - FATHER OF MODERN AFGHANISTAN, ASIA PUBLISHING HOUSE, 1949

"مشرقی ممالک کی بہت سی خرابیوں سے احمد شاہ مبرّا تھا، شراب نوشی، افیون وغیرہ سے اجتناب کلّی کرتا تھا لایچ اور منافقانہ حرکتوں سے پاک تھا مذہب کا سخت پابند تھا، اس کی سادہ لیکن باوقار عادتیں اس کو ہر دلعزیز بنا دیتی تھیں اس تک پہونچنا آسان تھا وہ انصاف کا خاص خیال رکھتا تھا کبھی کسی نے اس کے فیصلہ کی شکایت نہیں کی"[1]

احمد شاہ دُرّانی شاہ صاحبؒ کے زمانہ میں چھ مرتبہ ہندوستان آکر اور مقامی اور وقتی ضرورتوں کو پورا کر کے واپس جا چکا تھا، ان حملوں میں اپنی فوجی طاقت کے مظاہرہ اور وقتی ضروریات کی تکمیل کے علاوہ اس نے کوئی اور مفید کام انجام نہیں دیا تھا، اس کی فوج نے ان اسلامی تعلیمات و آداب کی پابندی بھی نہیں کی تھی جن کی ایک پابند شریعت مسلمان سے توقع کی جاتی ہے، اس کے بعض حملوں سے شاہ صاحبؒ اور ان کے متعلقین کو بھی پریشانی و مصائب برداشت کرنے پڑے تھے، لیکن ان کمزوریوں اور تلخ تجربات کے باوجود وہی ایک ستارۂ امید تھا جو اس تاریک افق پر نظر آتا تھا، مولانا محمد عاشق صاحب پھلتی کا بیان ہے کہ اس سب کے بعد بھی شاہ صاحبؒ یہی فرماتے تھے "دے را دریں دیار غلبہ شدنی است" (اس کا اس علاقہ پر غلبہ ہوگا) ایک مرتبہ بہادر خاں بلوچ کے سوال کے جواب میں فرمایا "دریں ملک غلبہ کلّی وے خواہد شد" (اس ملک پر اس کا پورا غلبہ ہوگا) ایک مرتبہ اس کی موت کی افواہ گرم ہوئی شیخ محمد عاشق کے دریافت کرنے پر فرمایا:-

آنچہ معلوم شدہ اینست کہ احمد شاہ	جو معلوم ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ احمد شاہ
دُرّانی باز دریں ملک می آید و ایں	دُرّانی اس ملک میں پھر آئیگا اور

---

[1] HISTORY OF THE AFGHANS ماخوذ از سیاسی مکتوبات ص ۲۲۵-۲۲۶

کفار را برانداز دو ویرا با وجود ایں اوزار ظلم برائے ہمیں کار گذاشتہ اند۔[1]	ان کفار کو زیر و زبر کردے گا باوجود مظالم کے جو وہ کر رہا ہے اس کو اسی لئے اب تک اللہ نے باقی رکھا ہے وہ یہی کام ہے۔

شاہ صاحبؒ کو امید تھی کہ اللہ تعالےٰ شاہ ابدالی کے حالات کی اصلاح فرمائیگا اور اس سے وہ کام لے گا جو بظاہر ارباب، کسی دوسرے امیر یا قائد کے بس کا نہیں ہے، حکیم ابوالوفاء کشمیری سے ایک مرتبہ فرمایا کہ ابدالی کو حصول مقصد میں جو دشواریاں پیش آرہی ہیں وہ اس وبال ظلم کی بنا پر ہیں، جو اس نے (اپنے پہلے حملوں میں) ہندوستان کے شہروں پر کئے ہیں بعد کو اس کے حالات ٹھیک ہوجائیں گے۔[2]

شاہ صاحبؒ احمد شاہ ابدالی سے ملک کو اس غیر یقینی صورت حال اور افراتفری سے محفوظ کر دینے اور سلطنت کو شاہی خاندان کے کسی نسبتاً لائق تر آدمی کے حوالہ کر دینے کا کام لینا چاہتے تھے، شاہ صاحبؒ نے اس کی آمد سے پہلے پیشین گوئی کی تھی، اور فرمایا تھا کہ ابدالی یہاں ٹھہرے گا نہیں بلکہ اولاد ملوک میں سے کسی کے حوالہ کر کے چلا جائیگا۔[3]

بالآخر شاہ صاحبؒ نے احمد شاہ ابدالی کو نجیب الدولہ سے خطوط لکھوائے پھر براہ راست ایک پُرزور و پُراثر خط لکھا جو شاہ صاحب کی سیاسی بصیرت، دینی حمیت، اخلاقی جرأت اور زور انشاء کا آئینہ دار ہے،[4] اس خط میں ہندوستان کی موجودہ صورت حال، اس کا قدیم طرز حکومت اس کے مختلف صوبوں کا نظم و نسق، ملک کی مختلف نسلی و مذہبی گروہوں

---

[1] ماخوذ از سیاسی مکتوبات ص ۲۶-۲۷ [2] ایضاً ص ۳۰ [3] ایضاً

[4] پورا خط ملاحظہ ہو مکتوب دوم بعض سلاطین کے عنوان سے شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ص ۶-۱۷

کی تعداد و طاقت کا تناسب، ان کے بارے میں مسلمان بادشاہوں کی سیاسی غلطیوں اور کوتاہ نظری، ان کا تدریجی طور پر طاقت پکڑ لینا اور اقتدار حاصل کرنا اس سلسلہ میں مرہٹہ اور جاٹ کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور ان کے اقتدار، بار بار کے حملوں سے غربتِ اسلام اور مسلمانوں کی مظلومیت کا دلدوز نقشہ کھینچا گیا ہے، اور اس باحمیت مسلمان قائد کو جو اس وقت ہندوستان سے لے کر ایران تک سب سے بڑی منظم فوجی طاقت کا مالک تھا، اس صورت حال کا مقابلہ کرنے اور سلطنت مغلیہ کو اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے اور ملک کی ذمہ داری سنبھالنے کا موقع دینے پر آمادہ کیا گیا ہے، اور صفائی کے ساتھ لکھا گیا ہے :-

دریں زمانہ پادشاہ صاحب اقتدار	اس زمانہ میں ایسا بادشاہ جو
وشوکت باشد و قادر بشکست لشکر	صاحبِ اقتدار اور شوکت ہو اور
کفار و دوراندیش جنگ آزمائی غیر آں	لشکر مخالفین کو شکست دے سکتا ہو
ملازمان آنحضرت موجود نیست۔[1]	دوراندیش و جنگ آزما ہو سوائے
	آنجناب کے کوئی اور موجود نہیں ہے۔

آگے لکھتے ہیں :-

ما بندگان الٰہی رسول خدا را صلے اللہ	ہم بندگان الٰہی حضرت رسول اللہ
علیہ وسلم شفیع می آریم، و بنام خدائے	صلے اللہ علیہ وسلم کو شفیع بناتے ہیں
عزوجل سوال می نمائیم کہ ہمت	اور خدائے عزوجل کے نام پر التماس
با ہمت را بجانب جہاد کفار	کرتے ہیں کہ ہمت مبارک کو

---

[1] سیاسی مکتوبات صـ۱۲

ایں نواحی مصروف فرمائید تادر پیش	اس جانب متوجہ فرما کر مخالفین سے
خدائے عزوجل ثواب جمیل درنامہ	مقابلہ کریں تاکہ خدائے تعالےٰ کے
اعمال آنحضرت ثبت شود و در دیوان	یہاں بڑا ثواب جناب کے نامۂ اعمال
مجاہدین فی (سبیل) اللہ نام نامی	میں لکھا جائے اور مجاہدین فی سبیل اللہ
نوشتہ شود، و در دنیا غنائم بے حساب	کی فہرست میں نام درج ہو جائے
بدست غازیانِ اسلام افتد و	دنیا میں بے حساب غنیمتیں ملیں، اور
مسلمانان از دست کفار نجات یابند۔[1]	مسلمان دست کفار سے خلاصی
	پا جائیں۔

اسی خط میں انھیں سیاسی بصیرت اور حالات سے گہری واقفیت کی بناء پر ہندوستان کی ان نوخیز طاقتوں کے بارے میں جن کی کسی مقابل منظم طاقت کے نہ ہونے کی وجہ سے شجاعت وطاقت کی دھاک بیٹھی ہوئی تھی، اور ان کو ناقابل شکست سمجھا جاتا تھا، صحیح اندازہ پیش کیا ہے جو ایک تجربہ کار قائد اور سیاسی مبصر ہی پیش کر سکتا ہے، مرہٹوں کے متعلق تحریر فرماتے ہیں:۔

"قوم مرہٹہ کا شکست دینا آسان کام ہے بشرطیکہ غازیان اسلام کمر ہمت باندھ لیں حقیقت یہ ہے قوم مرہٹہ خود قلیل ہے، لیکن ایک گروہ کثیر ان کے ساتھ ملا ہوا ہے ایک گروہ میں سے ایک صف کو بھی اگر درہم برہم کر دیا جائے تو یہ قوم منتشر ہو جائیگی اور اصل قوم اسی شکست سے ضعیف ہو جائیگی، چونکہ یہ قوم قوی نہیں ہے، اس لئے ان کا تمامتر سلیقہ ایسی کثیر فوج جمع کرنا ہے جو چیونٹیوں اور ٹڈیوں سے زیادہ ہو، دلاوری اور سامان حرب کی بہتات ان کے یہاں نہیں ہے"[2]

---

[1] سیاسی مکتوبات ص۱۲ [2] ایضاً ص۸۶

شاہ صاحب کی ہدایت کے مطابق نجیب الدولہ نے احمد شاہ ابدالی کو جو خطوط لکھے پھر شاہ صاحب نے جو طویل و مؤثر خط براہ راست لکھا (جس کا کچھ اقتباس اوپر گذرا) وہ بے اثر نہیں رہا، احمد شاہ ابدالی نے ۱۱۷۳ھ (۱۷۵۹ء) میں مرہٹوں کا زور توڑنے اور نجیب الدولہ اور شجاع الدولہ کی مدد کرنے کے لئے (جنھوں نے اس موقع پر سیاسی شعور اور اسلامی اتحاد کا ثبوت دیا تھا) ہندوستان کا قصد کیا ایک سال دہلی جنگوں اور جھڑپوں میں گذر گیا، بالآخر ۱۱۷۴ھ (۱۴ر جنوری ۱۷۶۱ء) کو پانی پت کے میدان میں مرہٹوں اور افغانوں اور ہندوستانی اسلامی متحدہ محاذ کے درمیان وہ فیصلہ کن جنگ ہوئی جس نے ہندوستان کی تاریخ کا رخ بدل دیا، اور مرہٹوں کو ہندوستان کے نئے ابھرتے ہوئے سیاسی نقشہ سے باہر نکال دیا، اس جنگ کا مختصر حال اور نتیجہ مولوی ذکاء اللہ صاحب مؤلف "تاریخ ہندوستان" کے الفاظ میں لکھا جاتا ہے[1]:-

"لڑائی میں بڑا گھمسان ہو گیا مگر اب بھی مرہٹوں کا پلہ بھاری تھا، احمد شاہ نے اپنے بھگوڑے سپاہیوں کو گھیر کر قتل کرنے کا حکم سنایا اور یہ کہدیا جو بھاگے گا مارا جائے گا، بعد اس کے اس نے اپنی صف کو آگے بڑھنے کا حکم دیا، ایک سپاہ کو اپنے بائیں طرف دشمن کے بازو پر حملہ کا حکم دیا، اس تدبیر کا تیر ٹھیک نشانہ پر بیٹھا، قلب سپاہ میں بھاؤ، بسواس راؤ گھوڑوں پر سوار لشکر کو لڑا رہے تھے، خنجر اور کھانڈے بازی ہو رہی تھی کہ یکایک خدا معلوم کیا ہوا کہ مرہٹوں کے لشکر کا قدم میدان جنگ سے اُٹھ گیا، قدم کا اٹھنا تھا کہ میدان جنگ کا ان کے مُردوں سے بھرنا تھا، لشکر اسلامیہ نے ان کا تعاقب بڑے جوش و خروش سے ہر جانب میں پندرہ ۱۵ پندرہ، بیس ۲۰ بیس ۳۰ میل تک کیا،

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تاریخ ہندوستان جلد نہم ص ۳۰۵-۳۰۹

اور مرہٹوں کو مار مار کر ڈھیر لگا دیا، جو مرہٹے ان دشمنوں کے ہاتھ سے بچ گئے، ان کو گنواروں نے مار ڈالا، بسواس راؤ اور بھاؤ مارے گئے، جن کو جی سیندھیا کو کسی درّانی نے چھپا رکھا تھا، وہ بھی تلاش کرنے سے پکڑا گیا اور مارا گیا، ابراہیم خاں گاردی بھی قید ہوا، ایک ہفتہ کی موت نے اس کے زخموں پر بھی مرہم رکھا شمشیر بہادر بھی بھاگتے ہوئے مارے گئے، مالوہ میں ملہار راؤ جان بچا کر نکل گیا، آپا جی سیندھیا بھی لنگڑا ہو کر وہاں جا پہونچا، ان دو سرداروں کے سوا کوئی اور نامور سردار نہیں بچا، مرہٹوں کو ایسی شکست کبھی نہیں ہوئی تھی، نہ ایسی مصیبت پڑی تھی، اس سے ساری قوم کا دل پژمردہ و افسردہ ہو گیا، اس صدمہ سے بالا جی بھی تھوڑے دنوں کے بعد مر گیا جب سے شکست کی خبر سنی تھی، ایک مندر میں بیٹھ کر سنسکرت پڑھانا اختیار کر لیا تھا۔"[1]

بقول ایک مؤرخ کے "مرہٹوں کی طاقت چشم زدن میں کافور کی طرح اڑ گئی، سرجدوناتھ سرکار نے لکھا ہے کہ مہاراسٹر میں کوئی گھر ایسا نہ تھا جس میں صف ماتم نہ بچھ گئی ہو، لیڈروں کی پوری نسل ایک ہی معرکہ میں غائب ہوئی۔"[2]

شاہ صاحبؒ کے نقشہ کے مطابق احمد شاہ ابدالی نے وقت کا یہ ضروری کام انجام دے کر قندھار کی طرف عنان عزیمت موڑی، مولوی ذکاء اللہ لکھتے ہیں:۔

"بعد اس فتح کے احمد شاہ پانی پت سے نواح دہلی میں آیا اور چند روز متوقف رہا، ہندوستان کا بادشاہ شاہزادہ عالی گوہر یعنی شاہ عالم کو مقرر کیا، اور بادشاہ سے شجاع الدولہ کے وزیر اور نجیب الدولہ کے امیر الامراء ہونے کی سفارش کی شاہ عالم اس وقت

---

[1] تاریخ ہندوستان جلد نہم صـ۳۹ [2] شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات صـ۴۵

دہلی میں نہ تھا، اس لئے اس کے بیٹے جواں بخت کو بادشاہ کا نائب دہلی میں مقرر کیا اور نجیب الدولہ کو دہلی کا منتظم مقرر کیا اور شجاع الدولہ کو خلعت دے کر اودھ اور الہ آباد کے صوبوں پر بھیج دیا اور خود قندھار کو چلا گیا۔"[1]

پروفیسر خلیق احمد نظامی لکھتے ہیں کہ :-

"جنگ پانی پت کے بعد احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کو دہلی بلانے کی بے حد کوشش کی اور اپنا آدمی بھیجا جب نہ آیا تو احمد شاہ ابدالی نے شاہ عالم کی والدہ نواب زینت محل سے خط لکھوایا احمد شاہ نے شاہ عالم کو بلانے کی کوشش اس لئے کی تھی کہ وہ انگریزوں کے اثر سے نکل آئے اور دہلی آکر احمد شاہ کی موجودگی میں اپنی طاقت کا استحکام کرے۔"[2]

خلیق صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"مرہٹوں، جاٹوں، سکھوں کسی کی تحریک میں اتنی وسعت اور ہمہ گیری نہ تھی کہ وہ ہندوستان کی مرکزیت و وحدت کو برقرار رکھ سکنے کی تدبیر سوچتی، شاہ صاحب اپنے مجوزہ نظام میں اکبر، جہانگیر، شاہجہاں اور اورنگ زیب کے زمانہ کی مرکزیت اور سلطنت ہند کے اقتدار اعلیٰ کو بحال دیکھنا چاہتے تھے لیکن اس طرح سے کہ مطلق العنان بادشاہوں کے بجائے انصاف کی حکومت ہو۔"[3]

اگر سلطنت میں تھوڑی سی بھی جان ہوتی تو وہ جنگ پانی پت کے نتائج سے فائدہ اٹھا کر اپنے اقتدار کو ہندوستان میں پھر کچھ صدیوں کے لئے قائم کر سکتی تھی لیکن حقیقت یہ ہے کہ مغلیہ سلطنت اس وقت بے روح جسم کی مانند تھی جنگ پانی پت کا اصلی فائدہ فاتحین جنگ پلاسی نے اٹھایا۔"[4]

---

[1] تاریخ ہندوستان ج ۹ ص ۳۰۹-۳۱۰ [2] سیاسی مکتوبات ص ۴۵-۴۶ [3] ایضاً ص ۴۷ [4] ایضاً ص ۴۵

شاہ عالم نے اپنی پست ہمتی اور کوتاہ نظری سے یہ زرّیں موقع کھو دیا اور ساری کوششوں اور خود اپنی والدہ زینت محل کے مشفقانہ خط کے باوجود پورے دس برس کے بعد ۱۷۷۱ء کے آخر میں ۲۵ دسمبر ۱۷۷۱ء کو قلعہ میں داخل ہوا اس کے بعد اس کے اور اس کے جانشینوں کے ساتھ جو کچھ پیش آیا وہ تاریخ میں تفصیل کے ساتھ درج ہے، اس کا نقطۂ عروج (CLIMAX) ۱۸۵۷ء کا انقلاب سلطنت بلکہ انتزاع سلطنت ہے (اگرچہ سلطنت برائے نام تھی) جو انگریزوں کے ہاتھ پیش آیا، جنھوں نے اپنی دانشمندی اور سیاسی ذہانت سے ہندوستان پر تسلّط کا کوئی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا۔

شاہ صاحب کے بعد ان کے صحیح جانشین اور علم و بصیرت اور غیرت و حمیّت دینی کے وارث ان کے فرزند ارجمند سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اپنے والد نامدار کے شروع کئے ہوئے کام کو نہ صرف جاری رکھا بلکہ اس کی توسیع و تکمیل کی کوشش کی اور سیاسی حالات کی تبدیلی کے ساتھ اپنی توجہ اس وقت کے سیاسی میدان کے اصل حریف اور حقیقی طاقت (انگریزی اقتدار) کی طرف موڑ دی جس نے اب "خطرہ" سے بڑھ کر (جس کے دیکھنے کے لئے سیاسی بصیرت درکار ہوتی ہے) "واقعہ" کی شکل اختیار کر لی تھی جس کے دیکھنے کے لئے بصارت بھی کافی ہوتی ہے[1]۔

شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد انھیں کے دانش گاہ کے دو تربیت یافتہ صاحبِ عزیمت داعی و مصلح، حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ اسماعیل شہیدؒ نے حضرت شاہ صاحبؒ کے سیاسی نقشہ میں (جو انھوں نے نظری طور پر "حجۃ اللہ البالغہ" اور "ازالۃ الخفا" کے صفحات اور تفہیمات میں پیش کیا تھا) رنگ بھرنے کی کوشش کی اور اس کو خلافت علی منہاج النبوۃ کی اساس پر قائم کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگا دی، انھوں نے حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کی

---

[1] اس اجمال کی تفصیل باب یازدہم میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سلسلہ میں آئیگی۔

تعلیمات اوران کی دی ہوئی روشنی سے کتنا فائدہ اٹھایا ان کے عزائم کتنے بلند، ان کی نگاہ کتنی دور بین، ان کا قلب کتنا وسیع اور فراخ تھا، وہ پنجاب کے مسلمانوں کو سکھوں کی فوجی حکومت کے استئصال واستحصال کی اسی طرح کی فوری مصیبت سے بچانے کے بعد (جس طرح شاہ ولی اللہ صاحب نے مرہٹوں اور جاٹوں کے روزمرہ کے قتل و غارت گری سے اپنے وقت کے ماحول و معاشرہ کو بچانے کی کوشش کی تھی) اور انگریزوں کو جن کو وہ "بیگانگان بعید الوطن وتاجران متاع فروش" کے الفاظ سے یاد کرتے ہیں، نکالنے کے بعد ہندوستان کو وہ کس طرح آزاد کرانا اور اسلام کے عدل و مساوات کے اصول پر اس کا نظم و نسق قائم کرنا چاہتے تھے، اس کا اندازہ ان کے مکاتیب سے ہوگا جو انھوں نے سلاطین وقت، امراء نامدار، صاحب حمیت مسلمانوں اور ہوشمند والیان ریاست کو لکھے ہیں[1]:-

اس طرح اس سلسلے کے اہل دعوت و عزیمت کو یہ کہنے کا حق ہے کہ ؎

آغشتہ ایم ہر سر خارے بخونِ دل
قانون باغبانیٔ صحرا نوشتہ ایم

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سید احمد شہیدؒ" جلد اول کا دسواں باب جہاد اور اس کے مقاصد و اسباب ص ۳۸۵-۳۹۴

باب دہم

امت کے مختلف طبقات کا احتساب

اور

اُن کو دعوتِ اصلاح و انقلاب

شاہ صاحب کا امتیاز

عام طور پر جن علمائے کبار کا ذوق علمی، تصنیفی اور تحقیقی ہوتا ہے، اور ان کو ذکاوت، باریک بینی اور دقیقہ رسی سے حصۂ وافر عطا ہوتا ہے، وہ عام طور پر مطالعۂ کتب، علمی مباحث پر تحقیق و تدقیق یا تدریس و تصنیف کے مشغلہ میں ہمہ تن منہمک و مستغرق رہتے ہیں، اور معاشرہ کے مختلف طبقات اور عامۃ المسلمین کی کمزوریوں اور بیماریوں سے یا تو بے خبر ہوتے ہیں، یا ان کے لئے اس عوامی سطح تک اترنا اور اس علمی نظری بلندی سے (جس میں دنیا کی ہر لذّت و حلاوت سے بڑھ کر لذّت و حلاوت ہوتی ہے) "نزول" دشوار ہوتا ہے۔

علمائے سلف میں اس بارے میں دو شخصیتوں کا واضح طریقہ پر استثنا کیا جا سکتا ہے، ایک حجۃ الاسلام امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ) کا، جنھوں نے اپنی شہرۂ آفاق و زندۂ جاوید کتاب احیاء علوم الدین میں اپنے زمانہ کے مسلم معاشرہ اور ملت اسلامیہ کے مختلف طبقات کی بیماریوں اور کمزوریوں کی اس طرح نشاندہی کی ہے کہ صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ

اپنے زمانہ کی عوامی زندگی اور معاشرہ کے مختلف طبقات سے، علماء کے حلقہائے درس اور مشائخ کی مجالسِ ذکر و فکر سے لے کر، خلفاء و سلاطین کے درباروں، امراء کے ایوانوں اور رؤسا کے عشرت خانوں تک، اور ان محل سراؤں سے لے کر اہل حرفہ و تاجروں کی دوکانوں اور بازاروں کے پرشور ہنگامہ خیز ماحول تک سے واقف ہیں، اور جانتے ہیں کہ نفس و شیطان نے کس کس طرح سے علماء و رؤسا کے مختلف طبقوں اور عوام و خواص کے مختلف حلقوں کو فریب دے رکھا ہے، دینی مفاہیم و حقائق کس طرح تبدیل ہو گئے ہیں، اور وہ مقصد اصلی (سعادتِ اخروی اور رضائے الٰہی) سے کس طرح غافل ہیں[1]۔

یہی حال (اجمال و تفصیل اور طرز و اسلوب کے فرق کے ساتھ) علامہ ابن جوزی (متوفی ۵۹۷ھ) کا اپنی مشہور تصنیف تلبیس ابلیس میں ہے، اس کتاب میں انھوں نے اپنے زمانہ کی پوری مسلمان سوسائٹی کا جائزہ لیا ہے، اور مسلمانوں کے ہر طبقہ اور جماعت کو سنت و شریعت کے معیار سے جانچا ہے، اور اس کی کمزوریوں بے اعتدالیوں اور غلطیوں کی نشاندہی کی ہے، اور اس بارے میں کسی طبقہ کی رعایت نہیں کی، علماء و محدثین فقہاء و واعظین، ادباء و شعراء، سلاطین و حکام، عبّاد و زہّاد، صوفیائے اہل دین اور عوام سب کا بے لاگ احتساب کیا، اور ان کے مغالطوں کا پردہ چاک کیا ہے[2]۔

لیکن (جہاں تک تلبیس ابلیس کا تعلق ہے) یہ تنقید و احتساب زیادہ تر "سلبی" اور منفی انداز کا ہے، اس کے ساتھ اصلاح حال کی مفصل و پرزور "مثبت" دعوت نہیں ہے، یا اگر ہے تو مقدار و تاثیر میں اس کے درجہ کی نہیں ہے، غالباً اس کی وجہ یہ ہے کہ اس کے

---

[1] تفصیل اور مثالوں کے لئے ملاحظہ ہو احیاء علوم الدین ج ۲-۳ یا تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۱۴۶ تا ۱۶۶

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو تلبیس ابلیس از ص ۱۱۹ تا ۳۹۴ یا تاریخ دعوت و عزیمت ج ۱ ص ۲۳۴ تا ۲۳۹

موضوع کے دائرہ میں اس سے زیادہ گنجائش نہیں تھی۔

مختلف طبقات امت سے خصوصی خطاب

ان دُوشہرۂ آفاق علماء و داعیان دین و معلّمین اخلاق کے بعد (جو اپنے اصلاحی وتربیتی مقام کے ساتھ عظیم المرتبت عالم و مصنف بھی تھے) ہمیں (اپنے محدود مطالعہ میں) اس سلسلہ میں شاہ ولی اللہ صاحب کا کارنامہ سب سے زیادہ روشن اور تابناک نظر آتا ہے، انھوں نے سلاطین اسلام، امراء وارکان دولت، فوجی سپاہیوں، اہل صنعت و حرفت مشائخ کی اولاد (پیرزادوں) غلط کار علماء، متقشّف اور خوردہ گیر واعظوں اور تارک الدنیا و عزلت گزیں زاہدوں کو علیٰحدہ علیٰحدہ خطاب کیا ہے، ان کی دکھتی ہوئی رگوں پر انگلی رکھی ہے، اور ان کی اصلی بیماریوں اور خود فریبیوں کی نشاندہی کی ہے، ان سب کے علاوہ امت اسلامیہ سے عمومی اور جامع خطاب فرمایا ہے، اور ان کے امراض کی تشخیص کی ہے، اور ان کا علاج بتایا ہے، ان خصوصی خطابات میں شاہ صاحب کے دل کا درد، اسلامی حمیت کا جوش، دعوت کا جذبہ اور زور قلم اس نقطۂ عروج پر ہے، جس کی مثال سابق الذکر مصلحین و ناقدین اور ان کی مذکورہ بالا کتابوں میں ملنی مشکل ہے، شاہ صاحب کی مشہور کتاب "التفہیمات الالٰہیہ"[1] (جلد ۱-۲) سے یہاں پر مختلف اقتباسات پیش کئے جاتے ہیں، جن میں آپ نے اپنے زمانہ کے مختلف ممتاز اور صاحب اثر طبقوں کے سربراہوں سے خطاب کیا ہے[2]، ان خصوصی خطابات سے شاہ صاحب کی ژرف نگاہی،

---

[1] یہ کتاب المجلس العلمی ڈابھیل سورت کی طرف سے ۱۳۵۹ھ ۱۹۳۶ء میں مدینہ پریس بجنور سے دو جلدوں میں شائع ہوئی

[2] شاہ صاحب کی اصل عبارت عربی میں ہے، اس کا ترجمہ خود پیش کرنے کے بجائے ہم نے فاضل گرامی (باقی صـ ۳۲۶ پر)

حکمت دعوت، اخلاقی جرأت اور واقفیتِ عامّہ وخاصّہ کا ایسا اظہار ہوتا ہے، جس کو دیکھ کر تاریخ کا ایک ایسا طالب علم جو اس عہد و معاشرہ کی زبوں حالی، اہل علم و اہل قلم کی مصلحت اندیشی اور داعیوں و مصلحوں کی اصلاح حال سے مایوسی کی کیفیت سے واقف ہے، انگشت بدنداں رہ جاتا ہے، اور بے اختیار کہہ اٹھتا ہے۔ ع

ایسی چنگاری بھی یارب اپنے خاکستر میں تھی؟

سلاطین اسلام سے خطاب

"اے بادشاہو! ملأ اعلیٰ کی مرضی اس زمانہ میں اس امر پر مستقر ہو چکی ہے کہ تم تلواریں کھینچ لو اور اس وقت تک نیام میں داخل نہ کرو جب تک "ام مشرک سے بالکلیہ جدا نہ ہو جائے، اور اہل کفر و فسق کے سرکش لیڈر کمزوروں کے گروہ میں جا کر شامل نہ ہو جائیں، اور یہ کہ ان کے قابو میں پھر کوئی ایسی بات نہ رہ جائے جس کی بدولت وہ آئندہ سر اٹھا سکیں" فَقَاتِلُوهُمْ حَتَّىٰ لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلَّهِ" (یعنی ان سے جنگ کرتے رہو تا آنکہ فتنہ فرو ہو جائے، اور "دین" صرف اللہ کے لئے مخصوص ہو جائے) پھر جب کفر و اسلام کے درمیان ایسا کھلا نمایاں امتیاز پیدا ہو جائے، تب تمہیں چاہئے کہ ہر تمن[۳] دن

(باقی صـ۳۲۵ کا) مولانا سید مناظر احسن گیلانی کے اس مضمون کے اقتباسات پیش کرنے پر اکتفا کی ہے جو انھوں نے الفرقان کے شاہ ولی اللہ نمبر کے لئے "آغوش موج کا ایک دُرِّ تابندہ" کے عنوان سے لکھا تھا، اس مضمون میں تفہیمات کے ان ٹکڑوں کو اردو میں ترجمہ کر کے پیش کیا ہے، اور ان پر مختلف عنوانات لگا دیئے ہیں، اس طرح شاہ صاحب کے مبارک تذکرے کے ساتھ ایک مخلص و متبحّر عالم کی یاد بھی تازہ اور زندہ رہے گی۔ رحمہ اللہ تعالیٰ۔

یا چار دن کے سفر کی منزلوں پر اپنا ایک ایک حاکم مقرر کرو، ایسا حاکم جو عدل وانصاف کا مجسمہ ہو، قوی ہو، جو ظالم سے مظلوم کا حق وصول کر سکتا ہو، اور خدا کے حدود کو قائم کر سکتا ہو، اور اس میں سرگرم ہو کر پھر لوگوں میں بغاوت وسرکشی کے جذبات پیدا نہ ہوں، نہ وہ جنگ پر آمادہ ہوں، اور نہ دین سے مرتد ہونے کی کسی میں جرأت باقی رہے، نہ کسی گناہ کبیرہ کے ارتکاب کی کسی کو مجال ہو، اسلام کا کھلے بندوں اعلان ہو، اور اس کے شعائر کا علانیہ اظہار کیا جائے، ہر شخص اپنے متعلقہ فرائض کو صحیح طور پر ادا کرے، چاہئے کہ ہر شہر کا حاکم اپنے پاس اتنی قوت رکھے جس کے ذریعہ سے اپنی متعلقہ آبادی کی اصلاح کر سکتا ہو۔

مگر اسی کے ساتھ اس کو اتنی قوت فراہم کرنے کا موقع نہ دیا جائے جس کے بل بوتے پر وہ خود ان سے نفع گیر ہونے کی تدبیریں سوچنے لگے، اور حکومت کے مقابلہ پر آمادہ ہو جائے۔

چاہئے کہ اپنے متعلقہ مقبوضات کے بڑے علاقہ اور اقلیم پر ایسے امیر مقرر کئے جائیں جو جنگی مہمات کا بھی اختیار رکھتے ہوں، ایسے امیر کے ساتھ بارہ ہزار کی جمعیت رکھی جائے، مگر جمعیت ایسے آدمیوں سے بھرتی ہو، جن کے دل میں جہاد کا ولولہ ہو، اور خدا کی راہ میں کسی کی ملامت سے خوفزدہ نہ ہوں، ہر سرکش اور متمرد سے جنگ اور مقابلہ کی ان میں صلاحیت ہو ——— اے بادشاہو! جب تم یہ کر لوگے تو اس کے بعد ملأ اعلیٰ کی رضامندی یہ چاہے گی کہ تم لوگوں کی منزلی اور عائلی زندگی کی طرف توجہ کرو، ان کے باہمی معاملات کو سلجھاؤ، اور ایسا کرو کہ پھر کوئی معاملہ ایسا نہ ہونے پائے، جو شرعی قوانین کے مطابق نہ ہو، اسی کے بعد

لوگ امن وامان کی صحیح مسرت سے فائز المرام ہو سکتے ہیں۔[1]

امراء وارکان دولت سے خطاب

اے امیرو! دیکھو کیا تم خدا سے نہیں ڈرتے، دنیا کی فانی لذتوں میں تم ڈوبے جا رہے ہو، اور جن لوگوں کی نگرانی تمہارے سپرد ہوئی ہے ان کو تم نے چھوڑ دیا ہے تاکہ ان میں بعض بعض کو کھاتے اور نگلتے رہیں، کیا تم علانیہ شرابیں نہیں پیتے؟ اور پھر اپنے اس فعل کو تم بُرا بھی نہیں سمجھتے، تم نہیں دیکھ رہے ہو کہ بہت سے لوگوں نے اونچے اونچے محل اس لئے کھڑے کئے ہیں کہ ان میں زناکاری کی جائے، اور شرابیں ڈھالی جائیں، جُوا کھیلا جائے لیکن تم اس میں دخل نہیں دیتے، اور اس حال کو نہیں بدلتے، کیا حال ہے ان بڑے بڑے شہروں کا جن میں چھ سو سال سے کسی پر حد شرعی نہیں جاری ہوئی جب کوئی کمزور مل جاتا ہے تو اسے پکڑ لیتے ہو، اور جب قوی ہوتا ہے تو چھوڑ دیتے ہو، تمہاری ساری ذہنی قوتیں اس پر صرف ہو رہی ہیں، کہ لذیذ کھانوں کی قسمیں پکواتے رہو، اور نرم گداز جسم والی عورتوں سے لطف اٹھاتے رہو، اچھے کپڑوں اور اونچے مکانات کے سوا تمہاری توجہ اور کسی طرف منعطف نہیں ہوتی، کیا تم نے اپنے سر کبھی اللہ کے سامنے جھکائے؟ خدا کا نام تمہارے پاس صرف اس لئے رہ گیا ہے کہ اپنے تذکروں اور قصے کہانیوں میں اس نام کو استعمال کرو، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ اللہ کے لفظ سے تمہاری مراد زمانہ کا انقلاب ہے، کیونکہ تم اکثر بولتے ہو خدا قادر ہے کہ ایسا کر دے، یعنی زمانہ کے انقلاب کی یہ تعبیر ہے۔

---

[1] تفہیمات الٰہیہ جلد اول از ص ۲۱۵ تا ۲۱۶

فوجی سپاہیوں کو خطاب

"اے فوجیو! اور عسکریو! تمہیں خدا نے جہاد کے لئے پیدا فرمایا تھا، مقصد یہ تھا کہ اللہ کی بات اونچی ہوگی، اور خدا کا کلمہ بلند ہوگا، اور شرک اور اس کی جڑوں کو تم دنیا سے نکال پھینکو گے، لیکن جس کام کے لئے تم پیدا کئے گئے تھے، اسے تم چھوڑ بیٹھے اب جو تم گھوڑے پالتے ہو، ہتھیار جمع کرتے ہو، اس کا مقصد صرف یہ رہ گیا ہے کہ محض اس سے اپنی دولت میں اضافہ کرو، اس سلسلہ میں جہاد کی نیت سے تم بالکل خالی الذہن رہتے ہو ـــــ تم شرابیں پیتے ہو، بھانگ کے پیالے چڑھاتے ہو، ڈاڑھیاں منڈواتے ہو، اور مونچھیں بڑھاتے ہو، عام لوگوں پر زیادتیاں اور ظلم کرتے ہو، حالانکہ جو کچھ ان کا لے کر کھاتے ہو، اس کی قیمت ان تک نہیں پہونچتی ـــ ـــ خدا کی قسم تم عنقریب اللہ کی طرف واپس جاؤ گے، پھر تمہیں وہ بتائے گا جو کچھ تم کیا کرتے تھے، تمہارے ساتھ خدا کی یہ مرضی ہے کہ اچھے پارسا صالحین غازیوں کا لباس اور ان کی وضع اختیار کرو چاہیئے کہ اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ، مونچھیں کٹواؤ، پنج وقتہ نماز ادا کیا کرو اور عام لوگوں کے مال سے بچتے رہو، جنگ اور مقابلہ کے میدان میں ڈٹے رہو، تمہیں چاہیئے کہ سفر اور جنگ وغیرہ کے موقع پر نماز میں جو آسانیاں اور رخصتیں رکھی گئی ہیں، انھیں سیکھ لو، مثلاً قصر کرنا، جمع کرنا، سنتوں کے ترک کرنے کی اجازت ہے، اس سے واقف ہونا، تیمم کی اجازت سے مطلع ہونا، پھر اس کے بعد نماز کو خوب زور سے پکڑ لو، اور اپنی نیتوں کو درست کر لو، اللہ تعالیٰ تمہارے جاہ و منصب میں برکت دے گا، اور دشمنوں پر تمہیں فتح عطا فرمائے گا"[1]

[1] تنبیہات ج ۱ ص ۲۱۶

اہل صنعت وحرفت سے خطاب

"ارباب پیشہ! دیکھو! امانت کا جذبہ تم سے مفقود ہوگیا ہے، تم اپنے رب کی عبادت سے بالکل خالی الذہن ہوچکے ہو، اور تم اپنے فرضی بنائے ہوئے معبودوں پر قربانیاں چڑھاتے ہو، تم مدار[1] اور سالار[2] کا حج کرتے ہو، تم میں بعض لوگوں نے فال بازی اور ٹوٹکا اور گنڈے وغیرہ کا پیشہ اختیار کر رکھا ہے، یہی ان کی دولت ہے، اور یہی ان کا ہنر ہے، یہ لوگ خاص قسم کا لباس اور جامہ اختیار کرتے ہیں، خاص طرح سے کھانے کھاتے ہیں ان میں جن کی آمدنی کم ہوتی ہے، وہ اپنی عورتوں اور اپنے بچوں کے حقوق کی پروا نہیں کرتے، تم میں بعض صرف شراب خواری کو پیشہ بنائے ہوئے ہیں، اور تم ہی میں کچھ لوگ عورتوں کو کرایہ پر چلا کر پیٹ پالتے ہیں، یہ کیسا بدبخت آدمی ہے، اپنی دنیا اور آخرت دونوں کو برباد کر رہا ہے، حالانکہ حق تعالیٰ نے تمہارے لئے مختلف قسم کے پیشے اور کمانے کھانے کے دروازے کھول رکھے ہیں، جو تمہاری اور تمہارے متعلقین کی ضرورتوں کے لئے کافی ہوسکتے ہیں، بشرطیکہ تم اعتدال کی راہ اپنے خرچ میں اختیار کرو، اور محض اتنی روزی پر قناعت کرنے کے لئے آمادہ ہوجاؤ جو تمہیں بآسانی اخروی زندگی کے نتائج تک پہونچا دے، لیکن تم نے خدا کی ناشکری کی، اور غلط راہ حصول رزق کی اختیار کی، کیا تم جہنم کے عذاب سے نہیں ڈرتے جو بڑا برا بچھونا ہے۔

---

[1] شاہ بدیع الدین مدار مکنپوری مراد ہیں جو شاہ مدار کے نام سے مشہور ہیں۔ [2] سید سالار مسعود غازی فلنِ بہرائچ جن کے جھنڈے نکالے جاتے ہیں، اور لوگ دور دور سے آکر اُن کے عرس میں شریک ہوتے ہیں۔

دیکھو! اپنی صبح وشام کو تم خدا کی یاد میں بسر کیا کرو، اور دن کے بڑے حصہ کو اپنے پیشہ میں صرف کرو اور رات کو اپنی عورتوں کے ساتھ گذارو، اپنے خرچ کو اپنی آمدنی سے ہمیشہ کم رکھا کرو، پھر جو بچ جایا کرے اس سے مسافروں کی، مسکینوں کی مدد کیا کرو، اور کچھ اپنے اتفاقی مصائب اور ضرورتوں کے لئے پسماندہ بھی کیا کرو۔ تم نے اگر اس راہ کو اختیار نہ کیا تو تم غلط راہ پر جا رہے ہو، اور تمہاری تدبیر درست نہیں ہے[1]"

پھر اسی طرح مشائخ کی اولاد، اس زمانہ کے طلبۂ علم اور واعظوں زاہدوں کو بھی آپ نے خصوصیت کے ساتھ پکارا ہے، مثلاً مشائخ کی اولاد کو نصیحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

مشائخ کی اولاد یعنی پیرزادوں سے خطاب

"اے وہ لوگو! جو اپنے آبا و اجداد کے رسوم کو بغیر کسی حق کے پکڑے ہوئے ہو یعنی گذشتہ بزرگان دین کی اولاد میں ہو، میرا آپ سے سوال ہے کہ آپ کو کیا ہو گیا ہے کہ ٹکڑیوں ٹکڑیوں، ٹولیوں ٹولیوں میں آپ بٹ گئے ہیں، ہر ایک اپنے اپنے راگ اپنی اپنی منڈلی میں الاپ رہا ہے، اور جس طریقہ کو اللہ نے اپنے رسول محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ سے نازل فرمایا تھا، اور محض اپنے لطف وکرم سے جس راہ کی طرف راہنمائی فرمائی تھی، اسے چھوڑ کر ہر ایک تم میں ایک مستقل پیشوا بنا ہوا ہے، اور لوگوں کو اسی کی طرف بلا رہا ہے، اپنی جگہ اپنے کو راہ یافتہ اور راہ نما ٹھہرائے ہوئے ہے، حالانکہ دراصل وہ خود گم کردۂ راہ

---

[1] ایضاً ص ۲۱۷

اور دوسروں کو بھٹکانے والا ہے، ہم ایسے لوگوں کو قطعاً پسند نہیں کرتے جو محض لوگوں کو اس لئے مرید کرتے ہیں تاکہ ان سے ٹکے وصول کریں، ایک علم شریف کو سیکھ کر دنیا بٹورتے ہیں، کیونکہ جب تک اہل دین کی شکل و شباہت اور طرز و انداز وہ نہ اختیار کریں گے، دنیا حاصل نہیں ہو سکتی۔

اور نہ میں ان لوگوں سے راضی ہوں جو سوائے اللہ و رسول کے خود اپنی طرف لوگوں کو بلاتے ہیں، اور اپنی مرضی کی پابندی کا لوگوں کو حکم دیتے ہیں، یہ لوگ بٹ مار اور راہ گیر ہیں، ان کا شمار دجالوں کذابوں فتانوں اور ان لوگوں میں ہے جو خود فتنہ اور آزمائش کے شکار ہیں۔

خبردار! خبردار! ہرگز اس کی پیروی نہ کرنا، جو اللہ کی کتاب اور رسول کی سنت کی طرف دعوت نہ دیتا ہو، اور اپنی طرف بلاتا ہو، اور چاہئے کہ زبانی جمع خرچ صوفیائے کرام کے اشاروں کے متعلق عام مجلسوں میں نہ کیا جائے کیونکہ مقصد تو (تصوف) سے صرف یہ ہے کہ آدمی کو احسان کا مقام حاصل ہو جائے، لوگو، دیکھو! کیا تمہارے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ کے اس ارشاد میں کوئی عبرت نہیں ہے۔

وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِیْ مُسْتَقِیْمًا	یہ میری راہ ہے سیدھی، تو اس پر چل پڑو
فَاتَّبِعُوْهُ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ	اور مختلف راہوں کے پیچھے نہ پڑو، وہ
بِكُمْ عَنْ سَبِیْلِهٖ۔ (الانعام۔۱۵۳)	تمہیں اللہ کی راہ سے بچھڑا دیں گے"[1]

پھر اس زمانہ کے طلبۂ علم کو خطاب کر کے فرماتے ہیں:۔

---

[1] ایضاً ص ۲۱۴

غلط کار علماء سے خطاب

"ارے بدعقلو! جنھوں نے اپنا نام "علماء" رکھ چھوڑا ہے، تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو، اور صرف ونحو و معانی میں غرق ہو، اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، یاد رکھو! علم یا تو قرآن کی کسی آیت محکم کا نام ہے، یا سنت ثابتہ قائمہ کا۔ چاہئے کہ قرآن سیکھو، پہلے اس کے غریب لغات کو حل کرو، پھر سبب نزول کا پتہ چلاؤ، اور اس کے مشکلات کو حل کرو، اسی طرح جو حدیث رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی صحیح ثابت ہو چکی ہے، اسے محفوظ کرو، یعنی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے تھے، وضوء کرنے کا حضور صلے اللہ علیہ وسلم کا کیا طریقہ تھا، اپنی ضرورت کے لئے کس طرح جاتے تھے، اور حج کیونکر ادا فرماتے تھے، جہاد کا آپ کے کیا قاعدہ تھا، گفتگو کا کیا انداز تھا، اپنی زبان کی حفاظت کس طرح فرماتے تھے، حضور صلے اللہ علیہ وسلم کے اخلاق کیا تھے، چاہئے کہ حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی پوری روش کی پیروی کرو، اور آپ کی سنت پر عمل کرو، مگر اس میں بھی اس کا خیال رہے کہ جو سنت ہے، اسے سنت ہی سمجھو، نہ کہ اسے فرض کا درجہ عطا کرو، اسی طرح چاہئے کہ جو تم پر فرائض ہیں، انھیں سیکھو، مثلاً وضو کے ارکان کیا ہیں، نماز کے ارکان کیا ہیں، زکاۃ کا نصاب کیا ہے، قدر واجب کیا ہے، میت کے حصوں کی مقدار کیا ہے، پھر حضور صلے اللہ علیہ وسلم کی عام سیرت کا مطالعہ کرو، جس سے آخرت کی رغبت پیدا ہو، صحابہ اور تابعین کے حالات پڑھو، اور یہ چیزیں فرائض سے فاضل اور زیادہ ہیں، لیکن ان دنوں تم جن چیزوں میں الجھے ہوئے ہو اور

جس میں سر کھپا رہے ہو، اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ، یہ دنیا کے علوم ہیں"[1]

پھر ان ہی طلباء کو فرماتے ہیں :۔

"جن علوم کی حیثیت صرف ذرائع اور آلات کی ہے (مثلاً صرف و نحو وغیرہ) تو ان کی حیثیت آلہ اور ذریعہ ہی کی رہنے دو، نہ کہ خود انہی کو مستقل علم بنا بیٹھو، علم کا پڑھنا تو اس لئے واجب ہے کہ اس کو سیکھ کر مسلمانوں کی بستیوں میں اسلامی شعائر کو رواج دو لیکن تم نے دینی شعار اور اس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں اور لوگوں کو زائد از ضرورت باتوں کا مشورہ دے رہے ہو۔

تم نے اپنے حالات سے عام مسلمانوں کو یہ باور کرا دیا ہے کہ علماء کی بڑی کثرت ہو چکی ہے، حالانکہ ابھی کتنے بڑے بڑے علاقے ہیں، جو علماء سے خالی ہیں، اور جہاں علماء پائے بھی جاتے ہیں، وہاں بھی دینی شعاروں کو غلبہ حاصل نہیں ہے"[2]

پھر آپ نے ان لوگوں کو بھی مخاطب کیا ہے، جنھوں نے اپنے وسوسوں کا نام دین رکھ چھوڑا ہے، اور جو ان کے وسواسی معیار پر پورا نہیں اترتا، گویا دین سے وہ خارج ہے، اس گروہ میں زیادہ تر زہّاد، عبّاد اور وعّاظ ہی اس زمانہ میں مبتلا تھے، اس لئے عنوان کا آغاز انہیں سے کیا گیا ہے، فرماتے ہیں :۔

دین میں تنگی پیدا کرنے والے واعظوں اور کنج نشیں زاہدوں سے خطاب

"دین میں خشکی اور سختی کی راہ اختیار کرنے والوں سے میں پوچھتا ہوں، اور

---

[1] ایضاً ص ۲۱۴ [2] ایضاً ص ۲۱۵

واعظوں اور عابدوں اور ان کنج نشینوں سے سوال ہے جو خانقاہوں میں بیٹھے ہیں کہ بہ جبر اپنے اوپر دین کو عائد کرنے والو! تمہارا کیا حال ہے، ہر بری بھلی بات، ہر رطب و یابس پر تمہارا ایمان ہے، لوگوں کو تم جعلی اور گڑھی ہوئی حدیثوں کا وعظ سناتے ہو، اللہ کی مخلوق پر تم نے زندگی تنگ کر چھوڑی ہے، حالانکہ تم تو (اے امتِ محمدیہ) اس لئے پیدا ہوئے تھے کہ لوگوں کو آسانیاں بہم پہونچاؤ گے نہ کہ ان کو دشواریوں میں مبتلا کر دو گے، تم ایسے لوگوں کی باتیں دلیل میں پیش کرتے ہو، جو بیچارے مغلوب الحال تھے، اور عشق و محبت الٰہی میں عقل و حواس کھو بیٹھے تھے، حالانکہ اہل عشق کی باتیں وہیں کی وہیں لپیٹ کر رکھدی جاتی ہیں، نہ کہ ان کا چرچا کیا جاتا ہے تم نے وسواس کو اپنے لئے گوارا کر لیا ہے، اور اس کا نام احتیاط رکھ چھوڑا ہے، حالانکہ تمہیں صرف یہ چاہئے تھا کہ اعتقاداً و عملاً احسان کے مقام کے لئے جن امور کی ضرورت ہے بس اس کو سیکھ لیتے، لیکن جو بیچارے اپنے اپنے خاص حال میں مغلوب تھے، خواہ مخواہ ان کی باتوں کو احسانی خالص امور میں گڈمڈ کرنے کی حاجت نہ تھی، اور نہ اربابِ کشف کی چیزوں کو ان میں مخلوط کرنے کی ضرورت تھی، چاہئے کہ مقام احسان کی طرف لوگوں کو بلاؤ، پہلے اسے خود سیکھ لو، پھر دوسروں کو دعوت دو، کیا تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ سب سے بڑی رحمت اور سب سے بڑا کرم اللہ کا وہ ہے جسے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے پہونچایا ہے، وہی صرف ہدایت ہے، جو آپ کی ہدایت ہے، پھر تم کیا بتا سکتے ہو؟ کہ تم جن افعال کو کرتے ہو وہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ کرامؓ کیا کرتے تھے"[1]

---

[1] ایضاً ص ۲۱۵

آخر میں ایک عام خطاب عام مسلمانوں کے نام ہے، جس میں کسی خاص طبقہ کی تخصیص نہیں ہے، فرماتے ہیں :۔

عام امتِ مسلمہ سے جامع خطاب امراض کی تشخیص اور علاج کی تجویز

"میں مسلمانوں کی عام جماعت کی طرف اب مخاطب ہوں اور کہتا ہوں، اے آدم کے بچو! دیکھو تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بیجا حرص و آز کا ہوکھا سوار ہو گیا ہے، تم پر شیطان نے قابو پا لیا ہے، عورتیں مردوں کے سر چڑھ گئیں ہیں، اور مرد عورتوں کے حقوق برباد کر رہے ہیں، حرام کو تم نے اپنے لئے خوشگوار بنا لیا ہے، اور حلال تمہارے لئے بدمزہ ہو چکا ہے، پھر قسم ہے اللہ کی، اللہ نے ہرگز کسی کو اس کے بس سے زیادہ تکلیف نہیں دی ہے، چاہئے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو، خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح ہی کیوں نہ کرنا پڑے، اور اپنے مصارف وضع قطع میں تکلف سے کام نہ لیا کرو، اسی قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو، یاد رکھو! ایک کا بوجھ دوسرا نہیں اٹھاتا، اور اپنے اوپر خواہ مخواہ تنگی سے کام نہ لو، اگر تم ایسا کرو گے تو تمہارے نفوس بالآخر فسق کے حدود تک پہونچ جائیں گے، اللہ تعالیٰ اس کو پسند فرماتا ہے کہ اس کے بندے اس کی آسانیوں سے نفع اٹھائیں، جیسا کہ یہ بھی اسی کو پسند ہے کہ جو چاہیں وہ اعلیٰ مدارج پر احکام کی پابندی بھی کر سکتے ہیں، اپنے شکم کی خواہشوں کی تکمیل چاہئے کہ کھانوں سے کرو اور اتنا کمانے کی کوشش کرو جس سے تمہاری ضرورتیں پوری ہوں، دوسروں کے سینوں کے بوجھ بننے کی کوشش نہ کرو کہ ان سے مانگ مانگ کر کھایا کرو،

تم ان سے مانگو اور وہ نہ دیں، اسی طرح بیچارے بادشاہوں اور حکّام کے اوپر بھی بوجھ نہ بن جاؤ، تمہارے لئے یہی پسندیدہ ہے کہ تم خود کما کر کھایا کرو، اگر تم ایسا کروگے تو خدا تمہیں معاش کی بھی راہ سُجھائے گا، جو تمہارے لئے کافی ہوگی۔

اے آدم کے بچو! جسے خدا نے ایک جائے سکونت دے رکھی ہو جس میں وہ آرام کرے، اتنا پانی جس سے وہ سیراب ہو اتنا کھانا جس سے بسر ہو جائے، اتنا کپڑا جس سے تن ڈھک جائے، ایسی بیوی جو اس کی شرمگاہ کی حفاظت کر سکتی ہو، اور اس کو رہن سہن کی جدوجہد میں مدد دے سکتی ہو، تو یاد رکھو کہ دنیا کامل طور سے اس شخص کو مل چکی ہے، چاہئے کہ اس پر خدا کا شکر کرے۔

بہر حال کوئی نہ کوئی کمائی کی راہ آدمی ضرور اختیار کرے اور اسی کے ساتھ قناعت کو اپنا دستور زندگی بنائے، اور رہنے سہنے میں اعتدال کا جادہ اختیار کرے، اور اللہ کی یاد کے لئے جو فرصت ہم دست ہو اسے غنیمت شمار کرے، کم از کم تین وقتوں صبح شام اور پچھلی رات کے ذکر کا خاص طور پر خیال رکھے، حق تعالےٰ کی یاد اس کی تسبیح و تہلیل اور قرآن کی تلاوت کے ذریعہ سے کیا کرے، اور رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کی حدیث سنے اور ذکر کے حلقوں میں حاضر ہوا کرے۔

اے آدم کے بچو! تم نے ایسے بگڑے ہوئے رسوم اختیار کر لئے ہیں، جن سے دین کی اصلی صورت بگڑ گئی ہے، تم عاشوراء کے دن، جھوٹی باتوں پر اکٹھے ہوتے ہو، اسی طرح شب برات میں کھیل کود کرتے ہو، اور مُردوں کے لئے کھانے پکا پکا کر کھلانے کو اچھا خیال کرتے ہو، اگر تم سچے ہو تو اس کی دلیل پیش کرو۔

اسی طرح اور بھی بری بری رسمیں تم میں جاری ہیں جس نے تم پر تمہاری زندگی

تنگ کردی ہے، مثلاً تقریبات کی دعوتوں میں تم نے حد سے زیادہ تکلّف برتنا شروع کر دیا ہے، اسی طرح ایک بُری رسم یہ بھی ہے کہ کچھ بھی ہو جائے لیکن طلاق کو گویا تم نے ناجائز ٹھہرالیا ہے، یونہی بیوہ عورتوں کو نکاح سے روکے رہتے ہو، ان رسموں میں تم اپنی دولت ضائع کرتے ہو، وقت برباد کرتے ہو اور جو صحت بخش روش تھی، اسے چھوڑ بیٹھے ہو۔

تم نے اپنی نمازیں برباد کر رکھی ہیں، تم میں کچھ لوگ ہیں، جو دنیا کمانے میں اور اپنے دھندوں میں اتنے پھنس گئے ہیں کہ نماز کا انھیں وقت ہی نہیں ملتا، کچھ لوگ ہیں، جو قصہ کہانی سننے میں وقت گنواتے ہیں، خیر پھر بھی اگر ایسی مجلسیں لوگ ایسے مقامات پر قائم کیا کرتے جو مسجدوں سے قریب ہوں تو شاید ان کی نمازیں ضائع نہ ہوتیں، تم نے زکاۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے، حالانکہ کوئی ایسا دولت مند نہیں ہے، جس کے اقربا و اعزّہ میں حاجت مند لوگ نہیں ہوتے، اگر ان لوگوں کی وہ مدد کیا کریں اور ان کو کھلایا پلایا کریں اور زکاۃ کی نیت کر لیا کریں تو یہ بھی ان کے لئے کافی ہو سکتی ہے۔

تم میں بعضوں نے روزے چھوڑ رکھے ہیں، خصوصاً جو فوجی ملازم ہیں کہتے ہیں کہ وہ روزہ رکھنے پر قادر نہیں ہیں، یعنی جو محنت انھیں برداشت کرنی پڑتی ہے، اس کے ساتھ روزے نہیں رکھ سکتے، تم کو معلوم ہونا چاہئے کہ تم نے راہ غلط کر دی ہے، اور تم حکومت کے سینہ پر بوجھ بن گئے ہو، بادشاہ جب اپنے خزانہ میں اتنی گنجائش نہیں پاتا جس سے تمہاری تنخواہ ادا کرے، تب رعایا پر زندگی کو دشوار کرتا ہے، سپاہیو! یہ تمہاری کیسی بُری عادت ہے ــــ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں

جو روزے رکھتے ہیں لیکن سحری نہیں کرتے، اور رمضان میں ان سخت کاموں کو نہیں چھوڑتے، جن کی وجہ سے روزے ان پر گراں ہو جاتے ہیں"

آخر میں فرماتے ہیں :۔

" لأ اعلیٰ کی طرف سے اصلاحی مطالبات کا اس زمانہ میں جن جن امور سے متعلق تقاضا ہو رہا ہے، اس کا ایک طویل باب ہے، لیکن کھڑکی سے آدمی بڑی نیکیوں کو جھانک سکتا ہے، اور ڈھیر کے لئے اس کا نمونہ کافی ہے[1]"

اصلاح رسوم و تطہیر معاشرہ

شاہ صاحب نے ان خصوصی طبقات سے خصوصی خطاب پر ہی اکتفا نہیں کیا، بلکہ اس وقت کے مسلم معاشرہ میں صدیوں سے ہندؤں کے درمیان رہنے، حدیث و سنت کی عدم اشاعت، علمائے دین کی غفلت و کوتاہی اور اسلامی حکومت کی فرض ناشناسی اور دینی احتساب کے فقدان کی وجہ سے جو ہندوانہ رسوم، بدعات اور غیر اسلامی شعائر رواج پا گئے تھے، اور مسلمان سختی سے ان کے پابند تھے، ان پر بھی شاہ صاحب نے نکیر فرمائی، اور ان عقائدِ فاسدہ، توہمات اور غیر مسلموں کی تقلید کی مذمت کی، عام طور پر وہ علماء، جن کا معقولات علوم حکمت سے اشتغال تھا، ان عادات و رسوم کو معمولی سمجھکر، یا اس بکھیڑے اور مخالفتِ عوام سے بچنے کے لئے ان کو نظر انداز کر دیا کرتے تھے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے بعد جنھوں نے اپنے متعدد مکتوبات میں ان عقائد شرکیہ، شعائر جاہلیت و رسوم فاسدہ کی تردید و مذمت کی ہے[2]، اصلاحِ رسوم اور اسلامی معاشرہ کی تطہیر کا کام حضرت شاہ ولی اللہ صاحب کے ذریعہ

---

[1] ایضاً ص ۲۱۷ تا ۲۱۸ [2] ملاحظہ ہو "تاریخ دعوت و عزیمت" ج ۴ از ص ۲۳۹ تا ۲۵۳

شروع ہوا، جس کی تکمیل ان کے فرزندان گرامی مرتبت اور انھیں کے خاندان کے تربیت یافتہ مصلحین امت، حضرت سید احمد شہیدؒ (خلیفہ شاہ عبدالعزیزؒ) حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ (نبیرۂ حضرت شاہ ولی اللہؒ) نے کی۔[1]

یہاں پر تفہیمات اور وصیت نامہ (فارسی) کا ایک اقتباس پیش کیا جاتا ہے:۔

"ہندؤں کی عادات شنیعہ میں سے ایک یہ ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر مرجاتا ہے تو اسے وہ دوسری شادی نہیں کرنے دیتے، عربوں میں یہ عادت بالکل نہ تھی، نہ آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے پہلے، نہ ان کے زمانہ میں، نہ بعد میں، اللہ تعالےٰ اس شخص پر رحم فرمائے جو اس شنیع عادت کو ختم کرے، اور اگر عام لوگوں سے اس کا رواج ختم نہ ہوسکے تو اپنی قوم کے درمیان ہی عربوں کے طریقہ کو رواج دینا چاہئے، اور اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو اس عادت کو قبیح سمجھنا اور دل سے اس کا دشمن ہونا چاہئے کہ یہ ہی منکر کا سب سے آخری درجہ ہے۔

ہماری دوسری بری عادت یہ ہے کہ بہت لمبا مہر باندھتے ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم (کہ آپ سے ہمارے دین و دنیا کی عزت وابستہ ہے) اپنے گھر والوں کے مہر (جو بہترین خلائق تھے) ساڑھے بارہ اوقیہ مقرر فرمائے تھے جس کے پانچ سو درم ہوتے ہیں۔

ہماری ایک دوسری بری عادت اسراف کی ہے کہ خوشی کے موقعوں اور رسموں میں بہت خرچ کرتے ہیں، آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم سے شادیوں میں صرف ولیمہ اور

---

[1] ملاحظہ ہو صراط مستقیم (از افادات حضرت سید احمد شہیدؒ، جمع کردہ شاہ اسماعیل شہیدؒ) نیز کتاب سیرت سید احمد شہیدؒ (۱-۲) "وکاروان ایمان وعزیمت" از مصنف۔

عقیقہ ثابت ہے، چنانچہ ان دونوں کی پابندی کرنی چاہئے، اور اس کے علاوہ سے بچنا چاہئے، یا ان کا زیادہ اہتمام نہیں کرنا چاہئے۔

ہماری بری عادتوں میں غم کے موقعوں، سیُّم، چہلم، ششماہی، فاتحہ اور سالانہ کے نام پر بھی اسراف ہے، حالانکہ ان میں سے کسی کا عرب اولین میں رواج نہیں تھا، بہتر یہی ہے کہ میت کے ورثا کی تین دن تعزیت اور ایک شب و روز کے کھانے کے علاوہ کوئی اور رسم نہ کریں، تین دن کے بعد قبیلہ کی عورتیں جمع ہو کر میت کی عورتوں کے کپڑوں میں عطر ملیں، اور اگر میت کی زوجہ حیات ہو تو عدت گذرنے کے بعد سوگ کا سلسلہ ختم کر دیں[1]"

مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی مرحوم نے اپنے مضمون "منصب تجدید کی حقیقت" اور تاریخ تجدید میں حضرت شاہ ولی اللہ کا مقام" (الفرقان ولی اللہ نمبر) میں "ازالۃ الخفا" اور "تفہیمات" کے اقتباسات کو پیش کرنے کے بعد صحیح لکھا ہے کہ:۔

"ان اقتباسات سے ایک دھندلا سا اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحب نے مسلمانوں کے ماضی اور حال کا کس قدر تفصیلی جائزہ لیا ہے، اور کس قدر جامعیت کے ساتھ ان پر تنقید کی ہے، اس قسم کی تنقید کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ سوسائٹی میں جتنے صالح عناصر موجود ہوتے ہیں، جن کے ضمیر و ایمان میں زندگی، جن کے قلب میں بُرے اور بھلے کی تمیز ہوتی ہے، ان کو حالات کی خرابی کا احساس سخت مضطرب کر دیتا ہے، ان کی اسلامی حس اتنی تیز ہو جاتی ہے کہ اپنے گرد و پیش کی زندگی میں جاہلیت کا ہر اثر انھیں کھٹکنے لگتا ہے، ان کی قوت امتیاز اتنی بڑھ جاتی ہے کہ وہ زندگی کے ہر پہلو میں

---

[1] تفہیمات الٰہیہ از ص ۲۴۶ تا ۲۴۷ طبع بجنور ۱۳۵۵ھ ۱۹۳۶ء، وصیت نامہ فارسی مطبوعہ دہلی ۱۲۶۸ھ ص ۲۴

اسلام اور جاہلیت کی آمیزشوں کو محسوس کرنے لگتے ہیں، اور ان کی قوت ایمانی اس قدر بیدار ہو جاتی ہے کہ خارزار جاہلیت کی ہر کھٹک انھیں اصلاح کے لئے بیچین کر دیتی ہے، اس کے بعد مجدد کے لئے یہ ضروری ہوتا ہے کہ ان کے سامنے تعمیر نو کا ایک نقشہ واضح صورت میں پیش کرے، تاکہ حالت موجودہ کو جس حالت سے بدلنا مطلوب ہے، اس پر وہ اپنی نظر جما سکیں، اور اپنی تمام سعی و عمل کو اسی سمت میں مرکوز کر دیں، یہ تعمیری کام بھی شاہ صاحب نے اسی خوبی اور جامعیت کے ساتھ انجام دیا، جو ان کے تنقیدی کام میں آپ دیکھ چکے ہیں"[1]

---

[1] الفرقان شاہ ولی اللہ نمبر ص ۱۰۱، ۱۰۲

باب یازدہم

فرزندان گرامی قدر، خلفائے عالی مرتبت، نامور معاصر

لائق فرزندان وجانشین

مصلحینِ امت ومجدّدینِ اسلام میں حکیم الامت حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ پر اللہ تعالیٰ کے جو خصوصی انعامات، اور اہلِ دعوت وعزیمت میں آپ کو جو امتیازات حاصل ہیں، ان میں ایک تاریخی امتیاز اور اللہ تعالیٰ کا آپ کے ساتھ معاملۂ خاص یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو ایسے فرزند وجانشین عطا فرمائے جو "نعم الخلف لنعم السلف" کے صحیح مصداق ہیں، اور جنھوں نے حضرت شاہ صاحبؒ کے جلائے ہوئے چراغ کو نہ صرف روشن وتاباں رکھا، بلکہ اس سے سیکڑوں چراغ جلائے، پھر ان چراغوں سے وہ چراغ جلتے رہے جن سے اس پورے تحتی برِاعظم (ہندوستان) اور ہندوستان کے باہر بھی کتاب وسنت، عقائدِ حقہ، اشاعتِ توحید خالص، ردِّ شرک وبدعت، اصلاح رسوم، تزکیۂ نفس، حصول درجۂ احسانی، اعلائے کلمۃ اللہ وجہاد فی سبیل اللہ، حمیّت دینی، تأسیس مدارس دینیہ، دین کی صحیح تعلیمات کی ترجمانی وتبلیغ کے لئے تصنیف وتالیف، اور تراجم قرآن وکتب حدیث وفقہ کا مبارک سلسلہ اس وقت سے لے کر اس وقت تک جاری ہے، اگر ان مبارک اقدامات ومساعی کی تاریخ دیکھی جائے اور خیر وبرکت کے ان مراکز اور سلسلوں کے "شجرۂ نسب" کی تحقیق کی جائے،

تو معلوم ہوگا کہ ایک دیئے سے دوسرا دیا جلتا رہا، اور یہ سب چراغ اس چراغ سے روشن ہوئے جو بارہویں صدی ہجری کے وسط میں حکیم الاسلام حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے آندھیوں کے طوفان میں جلایا تھا، اس وقت بے اختیار فارسی کا یہ شعر زبان پر آتا ہے ؎

یک چراغیست درایں خانہ کہ از پرتوِ آں
ہر کجا می نگرم انجمنے ساختہ اند

عجیب مماثلت

فرزندان گرامی اور ان کے ذریعہ سے اپنی خصوصی دعوت اور اس سلسلہ کی اشاعت میں (جو ہزار کمالات کے باوجود تذکرہ و تراجم کی کتابوں میں ایک نادر و نایاب خصوصیت ہے) آپ کو اپنے ہی سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ کے بانی اور شیخ الشیوخ حضرت مجدد الف ثانیؒ سے عجیب مماثلت ہے، حضرت مجدد الف ثانیؒ کے چار فرزندان گرامی درجۂ کمال کو پہونچے[1] خواجہ محمد صادق، خواجہ محمد سعید، خواجہ محمد معصوم، خواجہ محمد یحییٰ، ان میں سے اول الذکر حضرت خواجہ محمد صادق کا ۲۵ سال کی عمر میں ۱۰۲۵ھ میں انتقال ہوگیا، حضرت مجددؒ سے ان کے بارے میں بلند کلمات منقول ہیں، سلسلۂ مجددیہ کی اشاعت تین آخر الذکر فرزندان گرامی کے ذریعہ ہوئی اور حضرت سید آدم بنوریؒ کو مستثنیٰ کرکے (جن کا تعلق حضرت سے نسب کے بجائے نسبت کا تھا، اور وہ نسبت ایسی قوی اور مقبول تھی کہ انھیں کے سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور حضرت حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکیؒ، اور ان کے خلفائے نامدار اور علمائے کبار ہیں) اس سلسلۂ عالیہ کی توسیع و تبلیغ اور حضرت مجددؒ کے شروع کئے ہوئے

---

[1] ان چار کے علاوہ حضرت مجدد کے بقیہ صاحبزادے شیر خوارگی اور صغر سنی میں وفات پاگئے تھے۔

کارِ تجدید و انقلاب کی تکمیل انھیں تین فرزندان گرامی قدر کے ذریعہ ہوئی، پھر ان تینوں میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو امتیاز خاص حاصل ہے کہ ان کے ذریعہ سے یہ سلسلہ ترکستان و عرب اور ترکی تک پہونچا اور کہنے والے نے صحیح کہا کہ ؎

چراغِ ہفت کشور خواجہ معصومؒ

منوّر از فروغش ہند تا روم

پھر آپ ہی کا مخفی ہاتھ اور توجّہات باطنی تھیں کہ اکبر کے تخت پر دو پشتوں کے بعد ہی وہ باحمیّت، مجاہد و غازی، متشرّع اور فقیہ سلطان آیا، جو ماحیِ دین بننے کے بجائے حامی دین، اور ہادم ملّت کے بجائے خادم ملت قرار پایا، جس کو حضرت خواجہ شروع سے اپنے مکتوبات میں "شہزادۂ دین پناہ" لکھ کر اس کارِ عظیم کے لئے تیار کر رہے تھے۔

بالکل اسی طرح حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے چار[1] باکمال فرزند چھوڑے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے فرزندان گرامی کا بھی یہی معاملہ ہے کہ ان کے چار[2] صاحبزادوں میں سے شاہ عبدالغنی صاحب کا (جو اپنے بھائیوں میں سب سے صغیر السن تھے) اپنے بھائیوں میں سب سے پہلے (۱۲۲۷ھ میں) انتقال ہو گیا[1]، شاہ صاحبؒ کی تعلیمات، آپ کے علوم و معارف کی

---

[1] شاہ صاحبؒ کی پہلی اہلیہ سے شیخ محمد کے نام سے ایک فرزند تھے، جن کا انتقال شاہ صاحبؒ کی وفات کے کچھ عرصہ بعد جوانی میں ہو گیا تھا، ان کا ذکر گذشتہ صفحات میں گذر چکا ہے، مختصر ترجمہ "نزہۃ الخواطرؒ" میں بھی ہے۔

[2] حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ انھیں کے فرزند تھے، شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد یہی چار صاحبزادے (شاہ عبدالعزیز صاحبؒ، شاہ رفیع الدین صاحبؒ، شاہ عبدالقادر صاحبؒ اور شاہ عبدالغنی صاحبؒ) معروف و مشہور ہوئے۔

صاحبزادوں کی ترتیب وفات عکسی ہے، سب سے چھوٹے صاحبزادہ شاہ عبدالغنی صاحبؒ نے پہلے (۱۲۲۷ھ میں) پھر ان سے بڑے شاہ عبدالقادر صاحبؒ نے (۱۲۳۰ھ میں)، پھر شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے (۱۲۳۳ھ میں) پھر حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے (۱۲۳۹ھ میں) وفات پائی۔

تبلیغ واشاعت، مردانِ کار کی تربیت وتکمیل اور تدریس وتصنیف کا وہ طرز خاص جس میں شاہ صاحبؒ کا ذوق، اور اجتہاد وتجدید کا رنگ جھلکتا تھا، انھیں تین صاحبزادوں کے ذریعہ جاری رہا، پھر ان تینؒ میں بھی سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز صاحبؒ کو اپنے بھائیوں میں وہ مقام حاصل ہوا، جو حضرت مجددؒ کے صاحبزادوں میں حضرت خواجہ محمد معصومؒ کو حاصل ہوا تھا، اور ان کے ذریعہ حضرت شاہ صاحبؒ کے سلسلہ، اور آپ کے علوم وتعلیمات کی عالمگیر اشاعت ہوئی، اور بعض شعبوں کی تو اس طرح توسیع وتکمیل ہوئی کہ ادب کے ساتھ کہنا پڑتا ہے کہ۔ ع

اگر پدر نتواند پسر تمام کند

قبل اس کے کہ ہم شاہ صاحبؒ کے شروع کئے ہوئے کاموں کی اس تکمیل، توسیع وترقی کا ذکر کریں، جو شاہ عبد العزیز صاحبؒ کے ہاتھوں عمل میں آئی، ہم ان کے مختصر حالاتِ زندگی اور تذکرہ وتعارف پیش کرتے ہیں، اس سلسلہ میں ہم مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب "نزہۃ الخواطر" کی جلد ہفتم سے ان کا تذکرہ نقل کرنے پر اکتفا کریں گے، جو ماقلّ ودلّ کا مصداق ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز دہلویؒ

امام العلماء، راس الفضلاء، علامۂ محدث، شاہ عبد العزیز بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبد الرحیم عمری دہلویؒ، خود اپنے زمانہ کے علماء کے سردار اور گزشتہ علماء کے سرتاج کے چشم وچراغ، بعض لوگوں نے آپ کو "سراج الہند" اور بعض نے "حجۃ اللہ" کا خطاب دیا۔

آپ پنجشنبہ کی رات ۲۵ رمضان ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے، جیسا کہ آپ کے

تاریخی نام "غلام حلیم" سے معلوم ہوتا ہے، آپ نے قرآن شریف کے حفظ سے فراغت پائی، اور اپنے والد ماجد سے تعلیم کا سلسلہ شروع کیا، آپ نے ان سے قرأت وسماعت کے ذریعہ پوری تحقیق ودرایت اور توجہ سے علم حاصل کیا، جس سے آپ کو علوم میں ملکۂ راسخہ حاصل ہوگیا، جب آپ ۱۶ سال کے تھے، تو آپ کے والد ماجد نے انتقال کیا، اس کے بعد آپ نے شیخ نوراللہ بڑھانوی، شیخ محمد امین کشمیری سے استفادہ کیا، آپ کو اجازت علمی شاہ محمد عاشق بن عبیداللہ پھلتی سے حاصل ہوئی جو آپ کے والد ماجد کے تربیت یافتہ اور محرم راز تھے، آپ نے ان حضرات سے ان علوم وکمالات میں استفادہ اور ان کی تکمیل کی جو والد صاحب کی وفات سے تشنۂ تکمیل تھے، اپنے ایک رسالہ میں آپ نے اپنے والد صاحب اور دوسرے علماء سے اپنے استفادہ کی تفصیل لکھی ہے، جس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے کتب حدیث میں پوری مؤطا امام مسویٰ اور مشکوٰۃ المصابیح اپنے والد صاحب سے پڑھیں، حصن حصین، اور شمائل ترمذی کی آپ کے درس میں سماعت کی جس کی قرأت آپ کے بھائی شیخ محمد کرتے تھے، صحیح بخاری کتاب الحج تک کی سماعت سید غلام حسین مکی کی قرأت سے کی، جامع الترمذی، سنن ابی داؤد کی سماعت مولوی ظہوراللہ مرادآبادی کی قرأت سے اور مقدمۂ صحیح مسلم اور اس کی بعض احادیث اور سنن ابن ماجہ کے کچھ حصوں کی سماعت محمد جواد پھلتی کی قرأت سے، مسلسلات اور مقاصد جامع الاصول کے بعض حصوں کی سماعت مولوی جاراللہ نزیل مکہ کی قرأت اور سنن النسائی کے کچھ حصوں کی سماعت آپ نے اپنے والد ماجد کے حلقۂ درس میں کی، صحاح ستہ کے باقی ابواب کی سماعت آپ نے اپنے والد ماجد کے خلفاء سے، جیسے شیخ نوراللہ اور خواجہ محمد امین سے کی اور ان کے علاوہ کتابوں کی اجازت عامہ اپنے والد کے خلیفۂ ارشد

اور ماموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق پھلتی اور خواجہ محمد امین سے پائی، اور ان دونوں کے لئے آپ کے والد ماجد صاحب کا اجازت نامہ "تفہیمات الٰہیہ" اور "شفاء العلیل" میں موجود ہے، ان لوگوں نے آپ کے والد صاحب سے پڑھا ہے، جبکہ شاہ محمد عاشق، آپ کے والد ماجد کی شیخ ابو طاہر مدنی کی خدمت میں قرأت وسماعت اور ان سے اجازت میں شریک بھی تھے، ان کی اسانید ان کی کتاب "الارشاد فی مهمات الاسناد" وغیرہ رسائل میں مذکور ہیں۔

آپ طویل القامت، نحیف البدن، گندم گوں، کشادہ چشم تھے، داڑھی گھنی تھی، خط نسخ ورقاع بڑی خوبصورتی کے ساتھ لکھتے تھے، تیر اندازی، شہ سواری اور موسیقی میں بھی مہارت تھی، آپ سے آپ کے بھائیوں، شاہ عبد القادرؒ، شاہ رفیع الدینؒ، شاہ عبد الغنیؒ اور آپ کے داماد مولانا عبد الحیؒ بن ہبۃ اللہ بڑھانوی نے درس لیا، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی اور سید قمر الدین سونی پتی آپ سے قرأت وسماعت میں آپ کے بھائیوں کے ساتھ تھے، حضرت شاہ غلام علی مجددیؒ (خلیفہ حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ) نے آپ سے صحیح بخاری پڑھی، مولانا سید قطب الہدیٰ بن مولانا محمد واضحؒ رائے بریلوی نے آپ سے صحاح ستہ کا درس لیا۔

آپ کے دوسرے اصحاب نے آپ کے بھائیوں سے پڑھا ہے اور آپ سے سند لی ہے، آپ کی مجلسوں میں حاضر رہے ہیں، اور آپ کا درس قرآن سنا ہے، اور آپ سے حسب توفیق استفادہ کیا ہے، آپ کے نواسہ شاہ محمد اسحاق بن افضل عمری آپ کے یہاں قاری تھے، جو ہر روز قرآن مجید کے ایک رکوع کی تلاوت کرتے تھے، اور شاہ صاحبؒ اس کی تفسیر فرماتے تھے، یہی آپ کے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہؒ کا طریقہ بھی تھا، شاہ ولی اللہ صاحبؒ

کا آخری درس قرآن آیت "اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی"[1] تک ہوا تھا، جہاں سے شاہ عبدالعزیز صاحب نے اپنا درس شروع کیا، آپ کا آخری درس "اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰکُمْ"[2] تک ہوا تھا، وہاں سے آپ کے نواسہ شاہ محمد اسحاق صاحب نے اپنا درس شروع کیا جیسا کہ "مقالات طریقت" میں ہے، آپ اپنے علم و فضل، فہم و ذکاء اور سرعت حفظ میں یگانۂ روزگار تھے، آپ نے پندرہ[۱۵] سال کی عمر ہی سے درس و افادہ کا سلسلہ شروع کر دیا اور آپ سے بڑے بڑے فضلاء نے استفادہ کیا، اکثر اطراف کے طلبہ آپ کی خدمت میں اس ذوق و شوق سے حاضر ہوئے جیسے پیاسا پانی پر گرتا ہے۔

پچیس[۲۵] سال کی عمر میں آپ کو متعدد اذیت رساں امراض نے گھیر لیا، جن کے سبب آپ مراق، جذام، برص میں مبتلا ہوئے اور بصارت بھی جاتی رہی، بعض واقفان حال نے آپ کے چودہ[۱۴] تکلیف دہ امراض کا ذکر کیا ہے، اس وجہ سے آپ نے اپنی تدریسی ذمہ داری اپنے دونوں بھائیوں شاہ رفیع الدین صاحبؒ اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے سپرد کر دی، مگر اس کے ساتھ خود بھی درس دیتے تھے، تصنیف و افتاء اور وعظ کا سلسلہ بھی جاری رہتا تھا، ہر سہ شنبہ کو آپ کا ہفتہ وار وعظ قرآن مجید کی تفسیر پر مشتمل ہوتا تھا، اخیر عمر میں آپ مجلس میں تھوڑی دیر بھی نہیں بیٹھ سکتے تھے، اس لئے اپنے قدیم و جدید مدرسہ کے درمیان ٹہلتے رہتے اور لوگ بڑی تعداد میں اس حالت میں بھی استفادہ کرتے اور آپ کا درس و افتاء اور وعظ ہوتا رہتا تھا، اسی طرح عصر و مغرب کے درمیان دو آدمیوں کی مدد سے مدرسہ اور جامع مسجد کی درمیانی سڑک پر نکلتے تھے، لوگ راستہ میں آپ کے منتظر رہتے اور اپنی مشکلات حل کراتے۔

انھیں امراض میں عدمِ اشتہا کا مرض اس حد تک بڑھ گیا کہ کئی کئی دن کسی چیز کے

---

[1] المائدہ — ۸ [2] الحجرات — ۱۳

چکھنے کی بھی نوبت نہ آتی، اور بخار کی طرح اس کی بھی باری آتی تھی، آپ نے "مناقب حیدریہ" کی تقریظ میں لکھا ہے :۔

"اس تقریظ میں کوتاہی کے لئے میں معذرت خواہ ہوں، جو اعذار اور امراض کے سبب ہوئی جن کی وجہ سے بھوک بالکل ختم ہوگئی ہے، اور کھانے کی نوبت باری کے بخار کی طرح آتی ہے، ایسا غالباً پت کے غلبہ کے سبب ہے، قویٰ مضمحل ہوگئے، حواس میں فرق آگیا، اعضاء کمزور پڑ گئے، ہڈیاں اور ڈاڑھیں بھی کمزور ہوگئیں"۔

امیر حیدر بن نور الحسنین بلگرامی کو خط میں لکھتے ہیں :۔

"اگر آپ اپنے محب کا حال پوچھتے ہیں، تو وہ بہت خراب ہے اور صبح و شام اس میں اضافہ ہی ہوتا رہتا ہے، اور اسے ظاہری و باطنی آلام گھیرے ہوئے ہیں، قرار و سکون چھن گیا ہے، اور قلق و اضطراب بڑھ گیا ہے، اور یہ سب ایسے امراض کے سبب ہے جن میں سے ایک مرض بھی آدمی کو پریشان اور غمزدہ کرنے کے لئے کافی ہے، جیسے بواسیر، معدہ اور آنتوں میں ریاح کا رکنا، اس حد تک فقدانِ اشتہا کہ کئی رات دن کھانا چکھنے کی بھی نوبت نہیں آتی، بخارات جب قلب کی طرف چڑھتے ہیں تو دم گھٹنے کی کیفیت ہوجاتی ہے، یہ جب دماغ کی جانب پہونچتے ہیں تو تکلیف دہ درد سر شروع ہوجاتا ہے، جو ہاون دستہ کے ضرب کی طرح محسوس ہوتا ہے، "وَإِلَى اللهِ الْمُشْتَكَىٰ وَهُوَ الْمُسْتَعَانُ" یہ حالت ایک لفظ بھی بولنے کی اجازت نہیں دیتی، چہ جائیکہ کوئی کتاب املا کرا سکے یا کوئی پیغام لکھوا سکے"۔

آپ کو حیرت ہوگی کہ آپ ان موذی امراض کے باوجود لطیف الطبع، حاضر جواب، خوش گفتار ہے، اور تواضع، بشاشت اور مہر و محبت کی یہی ادا قائم رہی جو شروع سے تھی، آپ کی صحبت ذہن و فکر کو

جلا بخشتی تھی، ان صحبتوں میں حیرت انگیز خبریں، چیدہ اشعار، دور دراز کے ملکوں، ان کے باشندوں اور وہاں کے عجائبات کا بیان اس طرح ہوتا تھا، جس سے سامعین کو محسوس ہوتا تھا کہ آپ اپنے مشاہدات بیان فرما رہے ہیں، حالانکہ آپ نے کلکتہ کے علاوہ کوئی اور شہر نہیں دیکھا تھا، مگر آپ غیر معمولی طور پر ذہین اور متجسّس فطرت کے مالک تھے، جس کے سبب آپ نے باہر سے دہلی آنے والوں اور معلومات افزا کتابوں سے (جن کے مطالعہ سے مشاہدہ کی کیفیت حاصل ہو سکتی ہے) یہ معلومات اپنے دماغ میں محفوظ کر لئے تھے۔

لوگ آپ سے علمی استفادہ کے لئے حاضر ہوتے، شاعر و ادیب ادبی استفادہ اور اپنا کلام دکھانے کے لئے[1]، اور محتاج و ضرورت مند لوگ امراء سے سفارش کرانے اور آپ کی ممکن مدد حاصل کرنے کے لئے آتے، کیونکہ آپ کے اخلاق کریمانہ کی شہرت عام تھی، اسی طرح مریض دوا علاج کے لئے حاضر ہوتے، اہل جذب و سلوک آپ سے روحانی استفادہ کے لئے آپ کے پاس جاتے تھے، پردیسی علماء و مشائخ کو آپ اپنے یہاں ٹھہراتے اور ان کی حاجت روائی کرتے، اگر آپ کے پاس کوئی مخالف یا ایسا شخص بیٹھتا جسے دینی مسائل میں کچھ اختلاف ہوتا تو آپ اپنی سحر بیانی سے

---

[1] مولوی محمد حسین آزاد "آب حیات" میں لکھتے ہیں کہ "شاہ نصیر نے دکن میں کسی کی فرمائش سے ۹ شعر کی ایک غزل کہی تھی جس کی ردیف تھی، آتش و آب و خاک و باد، وہ غزل مشاعرہ میں سنائی اور کہا کہ اس طرح میں جو غزل کہے اسے میں استاد مانتا ہوں، دوسرے مشاعرہ میں استاد ذوق نے (جو شاہ نصیر کے شاگرد تھے) اسی پر غزل پڑھی، شاہ صاحب کی طرف سے بجائے خود اس پر اعتراض ہوئے، جشن قریب تھا، شیخ علیہ الرحمہ نے بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ اسی طرح میں لکھا مگر پہلے مولوی شاہ عبدالعزیز صاحب کے پاس لے گئے کہ اس کے صحت و سقم سے آگاہ فرمائیں، انھوں نے سُن کر پڑھنے کی اجازت دی مگر دلی عہد بہادر نے اپنے شفقت کے ساتھ اسے پھر شاہ صاحب پاس بھیجا انھوں نے جو کہا تھا وہی جواب میں لکھ دیا، شیخ مرحوم کا دل اور بھی قوی ہو گیا اور دربار شاہی میں جا کر قصیدہ سنایا" آب حیات ص ۴۵۲-۴۵۳" از مصنف

آگ اور پانی اور متضاد چیزوں میں اتحاد پیدا کر دیتے، اور وہ آپ سے متفق وہم خیال ہو کر جدا ہوتا۔

شیخ محسن بن یحییٰ تُرہتی" الیانع الجنی" میں لکھتے ہیں :۔

"وہ فضل وکمال اور شہرت ومقبولیت کے اس مقام پر فائز تھے کہ اطراف ہند کے لوگ ان سے انتساب بلکہ آپ کے تلامذہ ومنتسبین سے بھی ادنی نسبت پر فخر کرتے تھے..... آپ کے ان کمالات میں جن میں آپ کا کوئی معاصر آپ کا مقابل نہ تھا، آپ کی حاضر دماغی اور حاضر جوابی بھی تھی، جس کے سبب آپ بحث میں غالب آتے اور مخاطب کو لاجواب کر دیتے، انھیں کمالات میں آپ کی قادر الکلامی، حسن تعبیر وخوبیٔ تحریر بھی تھی جس میں اہل نظر نے آپ کو سب پر فائق تسلیم کیا تھا"

آپ کے ایسے ہی کمالات میں آپ کی بے مثل فراست بھی تھی، جس کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے تعبیر خواب کی امتیازی صلاحیت عطا کی تھی، آپ خواب کی ایسی تعبیر دیتے جو پوری ہوتی تھی، اور آپ کی چشم دید معلوم ہوتی تھی، یہ صلاحیت بڑے پاک نفس انسانوں ہی کے حصہ میں آتی ہے، ان کے علاوہ بھی آپ کے متعدد فضائل وکمالات ہیں، مختصراً یہی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات میں نوع بہ نوع اور گوناگوں فضائل جمع کر دیئے تھے، جو ابنائے دہر میں پھیلے ہوئے تھے، اگر یہ شعر کہنے والا شاعر ان کو دیکھتا تو اس کو صاف معلوم ہوتا کہ اس کا مبالغہ بھی قاصر ہے ؎

ولم أر أمثال الرجال تفاوتا ... لدى المجد حتى عُدَّ ألفٌ بواحد

(میں نے انسانوں کی طرح فرق مراتب نہیں دیکھا جس کے سبب ہزار انسان ایک کے برابر شمار ہوتے ہیں۔)

اس صورت میں آپ کے مفاخر وفضائل کا شمار کون کر سکتا ہے؟ شاہ عبد العزیز صاحبؒ کی سب تصنیفات علماء کے حلقوں میں بالعموم وقعت وقبولیت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہیں، اور ان سے استدلال کیا جاتا ہے، ان کے اسلوب تحریر میں ایسی قوت اور فصاحت وسلاست ہے کہ

کان ان سے حلاوت پاتے ہیں، اور دل ان سے لذت یاب ہوتے ہیں، ان کے کلام میں تاثیر وتسخیر کی ایسی قوت ہے کہ اس سے متاثر ومتفق نہ ہونا مشکل ہے، آپ کوئی کمزور اور قابل اعتراض تحریر دیکھتے تو بڑی خوش اسلوبی سے اس کی تردید فرماتے تھے، کلامی مسائل میں مذہب تشیّع آپ کا خاص موضوعِ بحث وتنقید رہا ہے، آپ نے ایسے عالمانہ ومتکلّمانہ انداز سے اس پر بحث کی ہے کہ اس کا جواب شافی ابھی تک نہیں ہوسکا ہے۔

آپ کی مشہور تصانیف میں یہ کتابیں ہیں:-

تفسیر قرآن مسمّی بہ "فتح العزیز" جسے آپ نے شدت مرض اور ضعف کی حالت میں املاء کرایا تھا، یہ کئی بڑی جلدوں میں تھی، جس کا بڑا حصہ ۱۸۵۷ء کے ہنگامہ میں ضائع ہوگیا، اور صرف شروع اور اخیر کی دو جلدیں بچ گئیں، انھیں میں "الفتاوی فی المسائل المشکلۃ"[1] بہت ضخیم تھی، مگر اب اس کا خلاصہ دو جلدوں میں ملتا ہے، انھیں کتابوں میں "تحفۂ اثنا عشریہ" (جو مذہب شیعہ کی تنقید وتردید میں ہے) ایک بے مثل کتاب ہے، دوسری کتابوں میں "بستان المحدّثین"[2] ہے جو کتب حدیث اور محدثین کی تفصیلی فہرست وتذکرہ ہے، جو نامکمل رہی، "العجالۃ النافعۃ" اصول حدیث میں ایک فارسی رسالہ ہے، طلبہ حدیث کے حفظ کے لئے بھی ایک رسالہ ہے، "میزان البلاغۃ" علم بلاغت کا ایک بہترین تتمہ ہے، اسی طرح "میزان الکلام" علم کلام میں ایک تتمہ ہے، ایک رسالہ "السرّ الجلیل فی مسئلۃ التفضیل" ہے، جس میں خلفائے راشدینؓ کے فرق مراتب پر گفتگو ہے، ایک رسالہ "سرّ الشہادتین" جو شہادت

---

[1] حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا پایہ فقہ حنفی میں بہت بلند تھا، اس میں ان کو رسوخ کامل اور تفقہ کا درجہ حاصل تھا اور بعض اہل نظر کے نزدیک وہ اس میں حضرت شاہ ولی اللہؒ سے بھی فائق تھے۔ (مصنف)

[2] اس کتاب سے شاہ صاحب کی طبقات محدثین اور کتب حدیث پر وسعت نظر کا اندازہ ہوتا ہے۔

حضرات حسنینؓ کے بیان میں ایک عمدہ رسالہ ہے، ایک رسالہ انساب میں ہے، ایک رسالہ "تعبیر رؤیا" پر ہے، ان کے علاوہ اور بھی رسائل ہیں، منطق و حکمت کی کتابوں میں "میر زاہد رسالہ" "میر زاہد ملا جلال" "میر زاہد شرح مواقف" پر آپ کے حاشیے ہیں" حاشیہ ملا کوسج" پر "عزیزیہ" کے نام سے آپ کا حاشیہ ہے، صدر شیرازی کی "شرح ہدایۃ الحکمۃ" پر بھی آپ کا حاشیہ ہے "ارجوزۂ اصمعی" کی شرح بھی لکھی ہے، علماء و ادباء کے نام آپ کے بہت سے خطوط بھی ہیں، اپنے والد ماجدؒ کے قصائد بائیہ و ہمزیہ کی نفیس تخمیس بھی کی ہے[1]، نظم و نثر، قوت تحریر، حسن انشاء، خوبیٔ تعبیر میں آپ اپنی مثال تھے، آپ کی تحریریں برجستگی، و بدیہہ گوئی، قلم کی روانی اور زود نویسی کی اچھی مثال ہیں۔

نماز فجر کے بعد یکشنبہ، ۷ شوال ۱۲۳۹ھ کو اسّی سال کی عمر میں انتقال فرمایا، آپ کی قبر دہلی میں شہر کے باہر آپ کے والد ماجد کے قریب ہے[2]۔

شاہ صاحبؒ کی سعی و تکمیل

شاہ صاحبؒ کے تجدیدی کارنامہ کو ہم پانچ شعبوں میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ قرآن مجید کی ترجمانی، مسلمانوں میں اس کی تعلیمات و مضامین کی اشاعت عام، اس کے ذریعہ سے عقائد کی اصلاح اور دین خالص سے عوام کے براہ راست ربط و تعلق کی سعی جمیل۔

---

[1] شاہ صاحب کا عربی کلام بالخصوص ان کا قصیدۂ لامیہ (جو ان کے ترجمہ میں "نزہۃ الخواطر" میں منقول ہے) عربیت کا اعلیٰ نمونہ ہے، اور اس میں وہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے عربی کلام سے بھی فائق معلوم ہوتا ہے، اہل زبان کی سی یہ عربیت ان کے بعد ان کے تلمیذ رشید مفتی صدر الدین خاں صاحب کے عربی کلام میں نظر آتی ہے، ملاحظہ ہوں وہ ابیات جو نمونۂ کلام کے طور پر "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الھند" اور "نزہۃ الخواطر" میں مفتی صاحب کے تذکرہ میں منقول ہیں۔ (مصنف)

[2] "نزہۃ الخواطر" ج ۷، ص ۲۶۸-۲۷۶ باختصار خفیف۔

۲۔ حدیث کی نشر و اشاعت، اس کے درس و اجازت کے سلسلہ کا احیاء، اس کے حلقہائے درس کا اجراء اور اساتذۂ حدیث، اور شارحین کتب حدیث کی تربیت۔

۳۔ فتنۂ رفض و تشیّع کا مقابلہ، صحابہ کرامؓ اور قرآن عظیم کو مجروح و مشکوک بنانے والی کوششوں اور سازشوں کا سدّباب۔

۴۔ جہاد فی سبیل اللہ کا احیاء اور ہندوستان میں اسلامی اقتدار اور مسلمانوں کی آزادی کے لئے بڑے خطرے اور چیلنج کا مقابلہ۔

۵۔ ان مردان کار کی تربیت جو حالات اور وقت کے تقاضوں اور دین کے حقیقی مطالبوں کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام انجام دیں۔

اشاعت و تبلیغ قرآن

جہاں تک عوام تک قرآن مجید کے پہونچانے اور اس کے ذریعہ سے عقائد باطلہ اور رسوم فاسدہ کی اصلاح اور ربط مع اللہ کی کوشش کا تعلق ہے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے اس سلسلہ میں اپنے والد بزرگوار کے کام کو بہت ترقی دی، اور اس میں بڑی عمومیت اور وسعت پیدا کردی، شاہ ولی اللہ صاحبؒ کا درس قرآن سورہ نساء کی آیت "اعدلوا ھو اقرب للتقویٰ" تک پہونچا تھا کہ آپ کی وفات ہوگئی، شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے یہیں سے درس شروع کیا، سورہ حجرات کی آیت "ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم" تک پہونچے تھے کہ یہ سلسلہ بھی آپ کے سلسلہ حیات کے ساتھ ختم ہوا، آپ کی وفات کے بعد آپ کے نواسہ (جو کلیۃً آپ ہی کے تربیت یافتہ اور آپ کے صحیح جانشین تھے) شاہ محمد اسحاقؒ صاحبؒ نے درس شروع کیا۔

حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا درس قرآن ہر ہفتہ سہ شنبہ و جمعہ کے روز ہوتا تھا جس میں خواص بطریق خاص اور عوام بڑے ذوق و شوق سے شریک ہوتے تھے، اس درس میں آپ کی طبیعت اپنے پورے جوش پر ہوتی تھی، اور مضامین کی آمد سیل رواں کی طرح[1]، اس درس سے دارالسلطنت دہلی میں (جو علماء و فضلاء کا بھی مرکز تھا) قرآن مجید کا ذوق عام ہوا، اصلاح عقائد کی ایک طاقتور رو چلی، اور ترجمۂ قرآن اور درس تفسیر کا وہ مبارک سلسلہ شروع ہوا جو اس وقت تک اس برصغیر میں جاری ہے، اور جس سے لاکھوں انسانوں کی اصلاح ہوئی، اور ان کے دل و دماغ حلاوتِ توحید اور لذّت قرآن سے آشنا ہوئے، خود مدارس عربیہ میں اسی درس کے فیض یافتہ اور تربیت یافتہ علماء کے اثر سے متنِ قرآن کے درس و افہام و تفہیم کا سلسلہ شروع ہوا جس کو نصاب درس میں مختصر تفسیر[2] کی شکل میں تبرکاً جگہ دی گئی تھی، اور علمائے دنیا کا پھیلایا ہوا طلسم ٹوٹا کہ قرآن مجید کی اشاعت عوام میں بڑے دینی خطرات، بلکہ ضلالت کا پیش خیمہ ہے، اس میں یہ مخفی اندیشہ کام کر رہا تھا کہ عوام ان پیشہ ور علماء کے ہاتھ سے نکل جائیں گے، جنھوں نے قرآن کو چیستان بنا رکھا تھا، اور عوام کو اس سے دور رکھنے کی کوشش کی تھی۔

حضرت شاہ صاحبؒ کا دوسرا علمی و اصلاحی کارنامہ تفسیر "فتح العزیز" کی شکل میں ہے، جسے "تفسیر عزیزی" اور "بستان التفاسیر" کا نام بھی دیا گیا ہے، یہ شاہ صاحبؒ کی باقاعدہ املا کی ہوئی مستقل تصنیف ہے، خود شاہ صاحبؒ کی تصریح کے مطابق وہ سورۃ الفاتحہ، سورۃ البقرہ، پھر سورۃ الملک، آخر قرآن تک ہے[3]، لیکن سورۂ بقرہ مکمل نہیں ہو سکی (جس کے اسباب معلوم نہیں ہو سکے) صرف ربع پارۂ دوم کے قریب تک آیت "اَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ" تک طبع ہو سکی، اصل فارسی تفسیر کے

---

[1] ملاحظہ ہو ملفوظات حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ص۱۰ [2] قدیم درس میں جلالین کامل اور بیضاوی شریف (سورۂ بقرہ) ہوتی تھی، پورے متن قرآن کے ترجمہ و تفسیر کا رواج نہ تھا۔

[3] مقدمہ تفسیر "فتح العزیز" از حضرت شاہ عبدالعزیزؒ ص۳، مقدمہ سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اس تصنیف کا سلسلہ برادر بزرگ مولانا محمد بن شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تحریک و تقاضے سے ۱۲۰۶ھ میں شروع کیا گیا۔

متعدد ایڈیشن شائع ہوئے ہیں، کتاب تین جلدوں میں ہے، پہلی جلد سورۂ فاتحہ سے لے کر پارۂ دوم کے ربع کے قریب تک ہے، دوسری جلد سورۃ الملک (انتیسویں ۲۹ پارے) سے لے کر آخر سورۃ المرسلات تک ہے، تیسری جلد سورۂ "عَمَّ یَتَسَآءَلُوْنَ" (سورۂ نباء) سے شروع ہو کر آخرِ قرآن مجید یعنی سورۃ الناس کے ختم تک ہے۔

شاہ صاحب کے بعد ان کے شاگرد رشید علامہ حیدر علی فیض آبادی (م ۱۲۹۹ھ) صاحبِ "منتہی الکلام" نے اس کا تکملہ لکھا، صاحبِ "مقالات طریقت" لکھتے ہیں کہ: "مولوی حیدر علی صاحبِ "منتہی الکلام" نے حسبِ خواہش سکندر بیگم والیِ بھوپال تفسیر "فتح العزیز" کا تکملہ ستائیس ۲۷ جلدوں میں کیا، راقم نے دیکھا ہے[1]"۔

یہ تکملہ صرف پانچویں ۵ پارہ کے اختتام تک کتب خانہ ندوۃ العلماء میں محفوظ ملتا ہے، ابتدا کے ایک دو ورق نہیں ہیں۔

ایک کتاب (اردو میں) "تفسیر عزیزی" المعروف بوعظِ عزیز کے نام سے مطبع انصاری دہلی کی چھپی ہوئی بھی ملتی ہے، جس میں اس کے مرتب ابوالفرید محمد امام الدین صاحب کی تصریح کے مطابق شاہ صاحبؒ کا درس قرآن و حدیث (جو ہر سہ شنبہ اور جمعہ کو ہوتا تھا) قلمبند کر کے پیش کیا گیا ہے، یہ ۱۲۵۹ھ کی تالیف ہے، اور سورۃ المومنون سے سورۃ الصافات تک ہے۔

لیکن اس عدم تکمیل کے باوجود اس تفسیر میں بہت سے ایسے نکات و تحقیقات ہیں جو بہت سی مشہور تفاسیر میں نہیں ملتیں، شاہ صاحبؒ کے درس تفسیر اور آپ کی کتاب تفسیر فتح العزیز میں ان مسائل پر خاص طور پر محققانہ کلام کیا گیا ہے، جن کے بارے میں اس وقت کے علماء نے تحقیق و صاف بیانی سے کام نہیں لیا تھا، اور اس کی وجہ سے عوام کی ایک بڑی تعداد فاسد عقیدہ اور مشرکانہ اعمال تک میں گرفتار تھی، مثلاً آیت "وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" کی تفسیر جو اس کتاب کے خصوصی مقامات میں سے ہے، اسی طرح سحر کی بحث ("وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ" الخ کے ذیل میں)

---

[1] مقالاتِ طریقت ص ۳۳

اور بعض دوسری آیات کے سلسلہ میں تحقیقات نادرہ اس کتاب کی خصوصیات میں سے ہیں۔

حدیث کی تدریس و ترویج

جہاں تک درس حدیث اور اس کی ترویج و اشاعت کا تعلق ہے ہندوستان کی علمی و دینی تاریخ میں اس کی مثال ملنی مشکل ہے آپ کے درس حدیث کی مدت تقریباً چونسٹھ ۶۴ سال کی ہے اس مدت میں آپ نے نہ صرف صحاح کا درس دیا اور ازالۃ الخفاء اور ازالۃ النافعہ جیسی مفید کتابیں تصنیف کیں جو حدیث کا صحیح ذوق طبقات حدیث سے واقفیت اور محدثین کا مرتبہ شناس بنانے اور اصول سے واقف کرنے میں سیکڑوں صفحات کا عطر آگیا ہے آپ نے حدیث کے ایسے اساتذہ کا ملیہ [illegible] پیدا کئے جنھوں نے ہندوستان ہی میں نہیں حجاز میں بھی درس حدیث کا فیض عام کیا اور ایک عالم کو مستفید کیا آپ کے ان باکمال تلامذہ کی تعداد جن کے تراجم صرف "نزہۃ الخواطر" کی جلد ہفتم میں موجود ہیں چالیس سے اوپر ہے ان میں وہ حضرات جن سے حدیث کے درس کے حلقے قائم ہوئے اور انھوں نے حدیث کے دوسرے شیوخ و اساتذہ پیدا کئے حسب ذیل ہیں:۔

مولانا شاہ محمد اسحٰق دہلوی، مولانا شاہ محمد یعقوب دہلوی، مفتی الٰہی بخش کاندھلوی، مولانا سید اولاد حسن قنوجی، مرزا حسن علی شافعی لکھنوی، مولانا حسین احمد ملیح آبادی محدث، مولانا حیدر علی ٹونکی، مولانا خرم علی بلہوری، مفتی صدرالدین دہلوی، مولانا مفتی علی کبیر مچھلی شہری، مولانا سید قطب الہدیٰ حسنی رائے بریلوی۔

ان کے علاوہ جن لوگوں نے آپ سے حدیث کی سند لی ان کی فہرست اتنی طویل ہے کہ اس کا استقصاء مشکل ہے، یہاں ان چند حضرات کے نام لکھے جاتے ہیں، جو اپنے بعض دوسرے کمالات، یا سلسلۂ طریقت، یا شہرت کے لحاظ سے امتیاز خاص رکھتے ہیں:۔

حضرت شاہ غلام علی دہلوی (خلیفہ اعظم حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ)

حضرت شاہ ابوسعید دہلوی (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ)

حضرت شاہ احمد سعید دہلوی (خلیفہ حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ)

حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ (خلیفہ حضرت شاہ محمد آفاق دہلوی)

مولانا بزرگ علی مارہروی (استاد مفتی عنایت احمد صاحب کاکوروی)

شاہ بشارت اللہ بہرائچی (مجددی سلسلہ کے ایک بڑے شیخ)

شاہ پناہ عطا سلونوی (سلسلۂ چشتیہ نظامیہ کے ایک بڑے شیخ جن کو مکاتبۃً اجازت حاصل تھی)

شیخ ظہور الحق پھلواروی۔

ان تلامذۂ حدیث اور تربیت یافتہ شیوخ میں حدیث کی سب سے بڑی اشاعت حضرت شاہ محمد اسحاق صاحب کے ذریعہ ہوئی، جنھوں نے ۱۲۵۸ھ میں مکہ معظمہ ہجرت کی اور ان سے حجاز کے ممتاز ترین علماء نے حدیث کی سند لی۔

آپ کے تلامذہ میں مولانا سید نذیر حسین محدث دہلویؒ معروف بہ میاں صاحب، قاری عبدالرحمٰن صاحب، پانی پتی، مولانا سید عالم علی مراد آبادی، مولانا مفتی عبدالقیوم ابن مولانا عبدالحی بڑھانوی (خلیفۂ اجل حضرت سید احمد شہیدؒ) حضرت مولانا فضل رحمٰن گنج مراد آبادیؒ، نواب قطب الدین دہلوی (مصنف مظاہر حق) مولانا احمد علی سہارنپوری (محشی و ناشر صحیح بخاری) مفتی عنایت احمد کاکوروی (استاد الاساتذۃ العلماء مولانا لطف اللہ صاحب علی گڑھی) اور بہت سے علماء ہیں جن کی فہرست طویل ہے، بقول صاحب "نزہۃ الخواطر" ہندوستان میں یہی سند حدیث باقی رہی۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے تلامذہ میں تنہا مولانا سید نذیر حسین صاحب محدث دہلوی م ۱۳۲۰ھ) نے دہلی میں سالہا سال حدیث کا درس دیا اور آپ کے درس سے متعدد جلیل القدر ناشرین و شارحین حدیث پیدا ہوئے، جن میں مولانا عبدالمنان وزیر آبادی (جن کے کثیر التعداد تلامذہ پنجاب میں مصروف درس و افادہ تھے) عارف باللہ سید عبداللہ غزنوی امرتسری اور اُن کے

فرزند جلیل مولانا سید عبدالجبار غزنوی امرتسری (والد مولانا سید داؤد غزنوی) مولانا شمس الحق ڈیانوی مصنف غایۃ المقصود، مولانا محمد حسین بٹالوی، مولانا غلام رسول قلعوی، مولانا محمد بشیر سہسوانی، مولانا امیر احمد سہسوانی، مولانا حافظ عبداللہ غازیپوری ابو محمد مولانا ابراہیم آروی صاحب طریق النجاۃ، مولانا سید امیر علی ملیح آبادی، مولانا عبدالرحمٰن مبارک پوری صاحب تحفۃ الاحوذی، (اور علمائے عرب میں سے) شیخ عبداللہ بن ادریس الحسنی السنوسی، شیخ محمد بن ناصر النجدی، شیخ سعد بن احمد بن عتیق النجدی، کے نام اس درس کی وسعت وافادیت کا اندازہ کرنے کے لئے کافی ہیں۔

حضرت شاہ محمد اسحٰق صاحب کے تلامذہ میں حضرت شاہ عبدالغنی مہاجر مدنی (م ۱۲۹۶ھ) بھی شامل ہیں، جن سے ہندوستان کے کبار علماء واساتذۂ حدیث کو شرف تلمذ حاصل ہے، اور ان کے ذریعہ سارا ہندوستان حدیث کے نور سے منور اور معمور ہوگیا، اور اس وقت کے سارے حلقہائے درس اور مدارس عربیہ انھیں سے شرف انتساب رکھتے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد گنگوہیؒ اور حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ (بانی دارالعلوم دیوبند) ان کے نامور تلامذہ میں سے ہیں، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے تلامذہ کبار میں مولانا محمد یحییٰ کاندھلویؒ، اور حضرت مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ صاحب بذل المجہود کا نام لینا کافی ہے، مولانا خلیل احمد صاحب سہارنپوریؒ کے تلامذہ میں حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی مصنف اوجز المسالک وغیرہ کا نام لینا کافی ہے، مولانا محمد قاسم صاحب کے تلامذہ میں مولانا سید احمد حسن امروہی اور شیخ الہند مولانا محمود حسن دیوبندی اور ان کے تلامذہ میں مولانا سید انور شاہ کشمیری اور مولانا سید حسین احمد مدنی کا نام اور کام محتاج تعارف نہیں، شاہ صاحبؒ

کے علو اسناد، عموم فیض اور بلند مرتبہ کے لئے ان کے شاگرد رشید مولانا محسن بن یحییٰ ترہتی کی مشہور کتاب "الیانع الجنی فی أسانید الشیخ عبد الغنی" کا مطالعہ معلومات افزا و بصیرت افروز ہے۔

نصرت سنّت و ردِّ شیعہ

جہاں تک فتنۂ رفض و تشیّع کے مقابلہ اور اس کے اثر سے اہل سنت کو محفوظ رکھنے کے کارنامہ کا تعلق ہے، اور جس کی ابتدا حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنی بے نظیر کتاب "ازالۃ الخفاء" سے کی تھی، اس کی تکمیل اور تقویت حضرت شاہ عبد العزیزؒ نے اپنی نادرۂ روزگار تصنیف "تحفہ اثنا عشریہ" سے کی، جو ان کتابوں میں ہے، جن کو ——— تاریخ ساز کہا جا سکتا ہے، اور جس طرح ملا محب اللہ بہاری کی تصانیف "مسلّم العلوم" اور مسلّم الثبوت نے تقریباً سو برس تک علمائے ہند کو اپنی شرح و تحشیہ میں مشغول رکھا، اور ان کی بہترین ذہانتوں اور توانائیوں کو مرکوز کر لیا[1]، اسی طرح اس کتاب کے جواب نے ممتاز ترین شیعہ علماء کو تصنیف و تالیف میں مشغول کر دیا، تنہا عبقات جس کا پورا نام "عبقات الانوار فی إمامۃ الأئمۃ الأطہار"[2] ہے، اور جس کے مصنف مولوی سید حامد حسین صاحب کنتوری (م ۱۳۰۶ھ) ہیں، آٹھ جلدوں میں لکھی گئی،

---

[1] مولانا حکیم سید عبد الحی صاحبؒ کی کتاب "الثقافۃ الاسلامیۃ فی الہند" مطبوعہ مجمع اللغۃ العربیۃ دمشق اور اس کے اردو ترجمہ "اسلامی علوم و فنون ہندوستان میں" مطبوعہ دار المصنفین اعظم گڑھ سے ان شروح و حواشی کی حیرت خیز تعداد معلوم ہو سکتی ہے، جو ان دونوں کتابوں بالخصوص مسلم کی شرح میں لکھی گئیں۔ [2] کتاب کے متعدد اجزاء لکھنؤ و لدھیانہ کے مختلف مطابع میں شائع ہوئے ہیں۔

اس کتاب کی ضخامت کا اندازہ اس سے ہوسکتا ہے کہ اس کی جلد اول ۱۲۵۱ صفحات میں، جلد دوم ۹۷۷ صفحات میں، سوم ۶۰۹ صفحات میں، چہارم ۳۹۹ صفحات میں، پنجم ۷۴۵ صفحات میں، ششم کل صفحات ۷۰۴، بقیہ حصص علیٰ ہذا القیاس ـــــــ پوری کتاب ۳۰ حصوں میں ہے، مصنف کے فرزند مولوی سید ناصر حسین صاحب نے کتاب کی تکمیل کی، کتاب نجوم السماء سے معلوم ہوتا ہے کہ مولوی سید حامد حسین صاحب کے علاوہ مولوی دلدار علی صاحب مجتہد اول، حکیم مرزا محمد کامل دہلوی، مفتی محمد قلی خاں کنتوری، اور سلطان العلماء سید محمد صاحب نے بھی اس کتاب کی تردید میں اور اس کے اثر کو زائل کرنے کے لئے ضخیم کتابیں تصنیف کیں، یہ سلسلہ مرزا ہادی رسوا لکھنوی پر جاکر ختم ہوا، جو ادب وفلسفہ کے میدان کے آدمی تھے، لیکن انھوں نے بھی اس کار خیر میں حصہ لینے کی کوشش کی۔

تدریسی مشغولیت وانہماک، درس تفسیر وحدیث، اشاعت کتاب وسنت، بیعت وارشاد وتربیت مریدین، افتاء وفصل خصومات کی ہوش ربا مشغولیت میں اور مختلف عوارض وامراض کی موجودگی میں شاہ صاحبؒ کو اس مسئلہ کی طرف ہمہ تن متوجہ ہونے کا خیال اور ایک ایسی کتاب تصنیف کرنے کی فرصت کیسے ہوئی جس کے لئے بیسیوں کتابوں اور ہزاروں صفحات کا مطالعہ اور ذہنی یکسوئی اور توجہ کامل ضروری تھی؟ اس کا اندازہ اس وقت تک نہیں ہوسکتا جب تک کہ بارہویں صدی ہجری کے وسط وآخر (اٹھارویں صدی کے نصف آخر کی) ہندوستان بالخصوص شمالی ہند، دہلی اور اس کے اطراف، اور اودھ، بہار وبنگال کے مسلم معاشرہ وتمدن کی صورت حال پر گہری نظر نہ ہو، اور اس ذہنی انتشار، دینی تشکیک اور مسلمان خاندانوں بالخصوص شرفاء، اہل حکومت اور صاحب اثر طبقہ پر تشیّع کے اثرات اور اس کے اقدامی وجارحانہ رویّہ سے واقفیت نہ ہو، اس کا اندازہ وہ شخص نہیں کرسکتا جس نے ہمایوں کے

ایران سے واپس آنے کے بعد سے فرخ سیر اور اس کے بعد تک کے سیاسی و انتظامی انقلابات ایرانی النسل امراء و علماء کے اثر و نفوذ، سید برادران (حسن علی خاں اور حسین علی خاں) کے دربار دہلی پر اثر و رسوخ، پھر دہلی میں نواب نجف علی خاں کے تسلط کی تفصیلات[1]، نیز اودھ میں نواب ابوالمنصور خاں صفدر جنگ نیشاپوری کے خاندان کی حکومت قائم ہو جانے اور شجاع الدولہ کے بعد سے شیعیت کے اثرات کا جائزہ نہ لیا ہو، اس کا کسی قدر اندازہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے اس بیان سے ہو سکتا ہے، جو تحفہ کے مقدمہ میں ان کے محتاط قلم سے نکلا ہے، وہ فرماتے ہیں:-

"اس ملک میں جس میں ہم سکونت پذیر ہیں، اور اس زمانہ میں جو ہمارے حصہ میں آیا ہے، مذہب اثنا عشری کا رواج اور اس کے شیوع کی نوبت اس حد تک آ گئی ہے کہ (سنیوں کے) کم گھر ہوں گے، جن میں ایک دو شخص اس گھر کے اس مذہب کے پیرو، اور اس عقیدہ کی طرف راغب نہ ہوں، ان میں سے اکثر علم تاریخ و اخبار سے بے خبر اور اپنے اسلاف کے حالات و اصول سے ناواقف اور غافل نظر آتے ہیں، جب مجالس اور محافل میں اہل سنت والجماعت کے ساتھ گفتگو کرتے ہیں تو کج بیانی

---

[1] نواب نجف علی خاں کا دہلی پر مکمل تسلط و اقتدار تھا، اور وہ کھل کر تشیع کے حامی اور اہل سنت کے مخالف تھے ان کی تعدی کے متعدد واقعات مشہور ہیں، جو خواہ کلیتہً صحیح نہ ہوں اور ان میں مبالغہ یا تعصب سے کام لیا گیا ہو، مگر ان کی کچھ اصل ضرور ہے، غالباً اس تعدی سے بچنے کے لئے، شاہ صاحبؒ نے تحفہ کی تصنیف کی نسبت اپنے مشہور نام کے بجائے، اپنے تاریخی نام "غلام حلیم" کی طرف کی ہے، اور سرورق پر حسب ذیل عبارت ہے۔

"مصنفہ عالم باعمل فاضل اکمل حافظ غلام حلیم ابن شیخ قطب الدین احمد بن شیخ ابوالفیض دہلوی قدس سرہم" کتاب کا جواب لکھنے والوں نے جہاں مصنف کا حوالہ دیا ہے، وہاں "فاضل عزیز" کے لقب سے یاد کیا ہے۔

اور خلط مبحث سے کام لیتے ہیں، اس غرض کے لئے حسبۃً للہ تعالیٰ یہ رسالہ ترتیب
دیا گیا تاکہ بحث و مناظرہ کے وقت اس مذہب کے پیرو پٹڑی سے اترنے نہ پائیں،
اور خود اپنے اصول کے منکر نہ ہوں، اور ان بعض امور میں جو حقیقت پر مبنی ہیں،
شک و تردّد کو راہ نہ دیں[1]"

شاہ صاحبؒ نے اس کتاب میں ان مناظرانہ اور متکلّمانہ کتابوں اور اسلوب کی پیروی نہیں کی، جو کسی مخالف فرقہ کی تردید و ابطال میں لکھی جاتی ہیں، اور ان کی خاص زبان ہوتی ہے، اولاً اس کتاب میں مذہب تشیّع کے پیدا ہونے اور اس کے مختلف فرقوں میں تقسیم ہونے کا بیان ہے، اسی طرح فرقۂ شیعہ کے اسلاف علماء اور ان کی کتابوں کا تعارف ہے، پھر خلافت کی بحث اور مطاعن صحابہؓ اور ان کے جوابات پر اکتفا کرنے کے بجائے اصولی مسائل، الٰہیّات، نبوت، معاد، اور امامت پر مستقل ابواب تحریر کئے گئے ہیں، پھر خلفائے ثلاثہ، اور حضرت ام المؤمنین حضرت عائشہؓ اور دوسرے صحابہؓ پر شیعوں کی طرف سے جو اعتراضات اور قدح کی گئی ہے، ان کا مفصل جواب ہے، پھر مذہب شیعہ کے خواص، ان کے اوہام و تعصّبات پر کلام کیا گیا ہے، اور ان کی غلطیوں اور غلط فہمیوں پر تبصرہ ہے، آخری باب (دوازدہم) تولّا و تبرّا پر مشتمل ہے، جو دس مقدمات پر مبنی ہے، کتاب بڑی تقطیع اور باریک طباعت میں ۴۰۰ صفحات میں آئی ہے۔

دوسری خصوصیت زبان کی حلاوت و سلاست اور برجستگی ہے، جس کا اعتراف ہندوستان اور ایران کے متعدد شیعہ علماء نے بھی کیا ہے، خود نام سے اس طرز فکر اور قصد و ارادہ کا اظہار ہوتا ہے، جو اس کتاب کی تصنیف کا محرّک ہوا ہے، اس کے مقابلہ میں

---

[1] تحفہ اثنا عشریہ ص۲ مطبوعہ مطبع نولکشور۔ لکھنؤ ۱۳۲۵ھ

جو کتابیں لکھی گئیں، ان کے ناموں سے اکثر غضب و اشتعال کا اظہار ہوتا ہے، اور سیف و سنان کی چمک ظاہر ہوتی ہے، مثلاً ایک کتاب کا نام "صوارم الإلٰهیات" ہے، ایک کا "حسام الإسلام" ایک کا "سیف ناصری" ایک کا "ذوالفقار"۔

اس عہد میں اس کا اندازہ کرنا مشکل ہے کہ اس کتاب کی تصنیف نے جو وقت کی ایک ضرورت تھی، کیا خدمت انجام دی، راقم نے نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمٰن خاں شروانی سابق صدر الصدور امور مذہبی ریاست حیدرآباد سے (جن کا خاندان حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور ان کے خلفاء سے وابستہ رہا ہے) خود سنا کہ "اس کتاب کی تصنیف نے شیعیت کے بڑھتے ہوئے سیلاب کے مقابلہ میں ایک مضبوط پشتہ کا کام کیا" یہ کتاب شاہ صاحبؒ کی زندگی میں ۱۲۱۵ھ میں طبع ہو کر مشہور ہو گئی تھی[1]، اور اس کے جوابات کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا، شاہ صاحبؒ کے ایک فاضل شاگرد مولوی اسلمی مدراسی نے اس کا عربی میں ترجمہ کیا، راقم نے یہ ترجمہ شیخ الاسلام عارف حکمت بے کے کتب خانہ واقع باب جبریل مدینہ طیبہ میں دیکھا ہے۔

انگریزی اقتدار کی مخالفت اور مسلمانوں کا ملّی تحفّظ

جہاں تک ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت اور مسلمانوں کی آزادی کی راہ میں پیش آنے والے خطرے اور چیلنج کے مقابلہ کا تعلق ہے، شاہ صاحبؒ نے اس سلسلہ میں حالات کے اس حقیقت پسندانہ جائزہ، بیدار مغزی، دور بینی اور شان عزیمت کا نمونہ پیش کیا، جو ایک صاحبِ بصیرت و فراست عالم دین، داعی و مصلح، اور اپنے وقت کے دینی رہنما کے

---

[1] مقالات طریقت ص۳۳

شایان شان ہے، حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے زمانہ میں وقت کا سب سے بڑا مسئلہ مرہٹوں کی تاخت اور ان کی اس فوج کشی و غارت گری کو روکنا تھا، جو ایک روز مرہ کا واقعہ بن گیا تھا، اور جس سے ایک طرف سلطنت مغلیہ بے بس، بے اثر اور ذلیل ہو رہی تھی، دوسری طرف مسلمانوں کی عزت و ناموس محفوظ نہیں رہے، اور شہروں کی معمول کے مطابق زندگی باقی نہیں رہی تھی، اس وقت اس خطرہ کو دور کرنا، اور اس کو روکنے کے لئے کسی امکانی امداد کو حاصل کرنا ایسا ہی تھا جیسے کسی گھر یا محلہ میں آگ لگنے کے وقت آگ بجھانے والے انجن و دستہ FIRE BRIGADE کو طلب کیا جاتا ہے، اور شاہ صاحبؒ کی نظر میں احمد شاہ ابدالی اور اس کی فوج کی یہی حقیقت تھی، اور ان سے یہی شرط ہو گئی تھی کہ اس آگ کو بجھانے کے بعد واپس چلے جائیں گے، شاہ صاحبؒ کی نظر میں یہ سلطنت مغلیہ کو سنبھلنے کا موقعہ دینے کے لئے اور کسی بہتر نظام کو اس کی جگہ لینے کے لئے (اگر اس کے بغیر چارہ نہیں ہے) ایک عارضی انتظام اور تدبیر کے درجہ کی چیز تھی جو اس وقت کے مغل تاجدار شاہ عالم کی دُوں ہمتی اور کوتاہ نظری کی وجہ سے کامیاب نہیں ہو سکی، اس وقت تک ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہندوستان کی زمام اقتدار سنبھالنے، پھر اس وسیع ملک پر سات سمندر پار کی ایک ملک کی حکومت قائم ہو جانے کے وہ آثار ظاہر نہیں ہوئے تھے، جو شاہ صاحبؒ کی توجہ کو پورے طور پر اس پر مرکوز کر دیتے۔

لیکن شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ہندوستان کے حالات تیزی سے بدلے ۱۱۷۹ھ / ۱۷۶۵ء میں (شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی وفات کے تین سال بعد) بنگال، بہار، اڑیسہ تینوں صوبوں کی دیوانی بلا شرکت غیرے بطور "التمغا" (انعامی یا عطا شدہ جاگیر کی سند) سرکار کمپنی کو دی جا چکی تھی، سرکار بنارس اور غازیپور بطور جاگیر کمپنی کو مل چکے تھے، اب

خاندان تیموریہ کے بادشاہ شاہ عالم کے پاس ملک میں صرف ایک صوبہ الہ آباد تھا، اور آمدنی میں وہ روپیہ تھا، جو انگریز اس کو دیتے تھے، ۸ مارچ ۱۷۸۷ء (۱۲۰۲ھ) میں کلکتہ گزٹ میں مشتہر کیا گیا کہ "مسلمانوں کی سلطنت تو نہایت حقیر و ذلیل ہو گئی ہے، ہندوؤں سے ہم کو کچھ خوف نہیں ہے" ۱۷۵۷ء میں انگریزوں نے پلاسی کے میدان میں سراج الدولہ کو اور ۲۳ اکتوبر ۱۷۶۴ء (۱۱۷۸ھ) میں بکسر کے میدان میں شجاع الدولہ کو شکست دی، ۱۷۹۹ء (۱۲۱۴ھ) میں سلطان شہید سلطان ٹیپو نے سرنگاپٹن کے میدان میں شہادت حاصل کی، اور گویا ہندوستان میں مسلمانوں کے اقتدار کی قسمت پر مہر لگ گئی، سلطان شہید کی نعش دیکھ کر جنرل ہارس HARRIS نے بجا طور پر کہا کہ "آج ہندوستان ہمارا ہے"[1]

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جو دہلی میں مصروف درس و افادہ تھے، لیکن ان کی حقیقت بین نگاہ سارے ہندوستان پر تھی، اور اللہ تعالیٰ نے ان کو غیر معمولی طور پر حقیقت رس ذہن اور صاحبِ حمیّت و عزیمت طبیعت عطا فرمائی تھی، اس انقلاب کا پورا جائزہ لیا، اور اس نتیجہ تک پہونچ گئے کہ اس وقت بچے کھچے اسلامی اقتدار اور اس ملک میں مسلمانوں کے مستقبل کے لئے خطرہ انگریز ہیں، ان کے ایک عربی شعر میں اس حقیقت کی پوری عکاسی ہے، اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ انگریزوں کے اثرات کو ہندوستان ہی تک محدود نہیں سمجھتے تھے، ان کو اس سے زیادہ وسیع اور دوررس سمجھ رہے تھے، وہ فرماتے ہیں :-

وانی أری الافرنج أصحاب ثروۃ لقد أفسدوا مابین دھلی وکابل

(میں فرنگیوں کو جو دولت کے مالک ہیں دیکھتا ہوں کہ انھوں نے دہلی اور کابل کے درمیان فساد برپا کر رکھا ہے)

---

[1] ملاحظہ ہو تاریخ سلطنت خداداد میسور از محمود خاں محمود بنگلوری ص ۲۶۶

ہمارے علم میں وہ پہلے شخص ہیں جنھوں نے اس وقت ہندوستان کو دارالحرب قرار دینے کی جرءت کی، اور صورت حال کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیتے ہوئے، فقہ و اصول فقہ کی روشنی میں مسئلہ کی ایسی تنقیح کی جس سے ان کی بصیرت کا بھی اظہار ہوتا ہے، اور اخلاقی و دینی جرءت کا بھی، فتاویٰ عزیزی جلدادوں میں اس سوال کے جواب میں کہ دارالاسلام دارالحرب ہوسکتا ہے یا نہیں؟ "درّ مختار" کی ایک طویل عبارت نقل کرنے کے بعد تحریر فرماتے ہیں کہ :-

"اس شہر (دہلی) میں امام المسلمین کا حکم اصلاً جاری نہیں ہے، نصرانی حکّام کا حکم بے دغدغہ جاری ہے فقہاء جس کو اجرائے احکام کفر کہتے ہیں، اس سے مراد یہ ہے کہ ملک داری کے معاملہ، رعایا کے بندوبست، خراج و باج، اور اموال تجارت کے عشور کے وصول کرنے، ڈاکوؤں، چوروں کو سزا دینے، فصلِ خصومات اور جرائم کی تعزیر میں کفار بطور خود حاکم و مختار ہوں، اگر بعض اسلامی احکام جیسے جمعہ اور عیدین، اذان و ذبح بقر سے وہ تعرّض نہ کرتے ہوں لیکن اصل الاصول یہی ہے کہ یہ چیزیں ان کے رحم و کرم پر ہوں، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ مساجد کو بے تکلف منہدم کر دیتے ہیں، کوئی مسلمان، یا (غیر مسلم) ذمّی ان کی اجازت کے بغیر اس شہر اور اس کے نواح میں داخل نہیں ہوسکتا، اپنی منفعت کے لئے وہ باہر سے آنے والوں، مسافروں، اور سوداگروں کو منع نہیں کرتے لیکن دوسرے ذی وجاہت لوگ مثلاً شجاع الملک، ولایتی بیگم بغیر ان کے حکم کے ان شہروں میں داخل نہیں ہوسکتے، اس شہر دہلی سے کلکتہ تک نصاریٰ کی عملداری پھیلی ہوئی ہے، ہاں دائیں بائیں مثلاً حیدرآباد، لکھنؤ اور رام پور میں انھوں نے اپنے احکام جاری نہیں کئے ہیں،

کچھ تو اپنے مصالح کی بنا پر اور کچھ ان ریاستوں کے محکام کے ان کی اطاعت
قبول کر لینے کی بنا پر"[1]

حضرت شاہ صاحبؒ کے خیالات کا، اور وہ انگریزوں کو جس نظر سے دیکھتے تھے، پورا عکس ان کے جلیل القدر خلیفہ اور تربیت یافتہ داعی و مصلح حضرت سید احمد شہیدؒ کے خیالات و جذبات میں پایا جاتا ہے، جن کی صاف جھلک آپ کے خطوط میں نظر آتی ہے، جو آپ نے اس وقت ہندوستان کے بعض ذی اثر و صاحبِ حکومت رؤسا، اور بعض غیر ملکی مسلمان اہل حکومت کو لکھے ہیں، شاہ سلیمان والیِ پترال کو ایک خط میں لکھتے ہیں:-

قضارا از مدت چند سال حکومت	تقدیر سے چند سال سے ہندوستان
وسلطنت ایں ملک برایں عنوان	کی حکومت وسلطنت کا یہ حال
گردیدہ کہ نصارا نکوہیدہ خصال	ہوگیا ہے کہ عیسائیوں اور مشرکین
ومشرکین بدمآل بر اکثر بلاد ہند استیلا	نے ہندوستان کے اکثر حصہ پر
یافتند و آں دیار را بہ ظلمات ظلم و بیداد	غلبہ حاصل کر لیا ہے، اور ظلم و بیداد
مشحون ساختند۔[2]	شروع کر دی ہے۔

اس سے زیادہ واضح الفاظ میں ہندو راؤ وزیر گوالیار کو لکھتے ہیں:-

برائے سامی روشن و مبرہن است کہ	جناب کو خوب معلوم ہے کہ یہ پردیسی
بیگانگان بعید الوطن، ملوک زمین	سمندر پار کے رہنے والے، دنیا
وزمن گردیدہ، و تاجران متاع فروش	جہاں کے تاجدار اور یہ سوداگر

---

[1] فتاویٰ عزیزی جلد اول مطبوعہ مطبع مجتبائی، دہلی ص۱۱۲ [2] سیرت سید احمد شہید حصہ اول ص۳۸۹

بہ پایہ سلطنت رسیدہ، امارت	پہنچنے والے سلطنت کے مالک بن گئے
امرائے کبار و ریاست رؤسائے عالی	ہیں، بڑے بڑے اہل حکومت کی
مقدار بر باد نمودہ اند، و عزت	حکومت اور ان کی عزت و حرمت
و اعتبار ایشاں بالکل ربودہ[1]۔	کو انھوں نے خاک میں ملا دیا ہے۔

غلام حیدر خاں کے نام لکھتے ہیں، جو گوالیار کے ایک فوجی افسر تھے :۔

اکثر بلاد ہندوستان بدست	ملکِ ہندوستان کا بڑا حصہ غیر ملکیوں
بیگانگان افتادہ و ایشاں ہر جا بنیاد	کے قبضہ میں چلا گیا ہے، اور انھوں نے
و آئین جور و ظلم نہادہ، ریاست	ہر جگہ ظلم و زیادتی پر کمر باندھ لی
رؤسائے ہندوستان بر باد رفتہ[2]۔	ہے، ہندوستان کے حاکموں کی
	حکومت برباد ہو گئی۔

سید صاحبؒ کے اس خط سے جو انھوں نے شہزادہ کامران کو لکھا ہے، صاف معلوم ہوتا ہے کہ اس جہاد سے آپ کا مقصود اصلی ہندوستان تھا، جو بتدریج انگریزوں کے قبضہ میں چلا جا رہا تھا خط میں تحریر فرماتے ہیں :۔

باز خود ایں جانب معہ مجاہدین صادقین	اس مہم (سرحد و پنجاب) سے
بہ سمت بلاد ہندوستان بنا بر	فراغت کے بعد یہ خاکسار مع مجاہدین
ازالہ کفر و طغیان متوجہ خواہد شد،	صادقین کفر و طغیان کے ازالہ کی
کہ مقصود اصلی خود ہندوستان	نیت سے ملک ہندوستان کی طرف
است[3]۔	متوجہ ہوگا کہ وہی مقصود اصلی ہے۔

---

[1] سیرت سید احمد شہیدؒ حصہ اول ص ۳۸۹-۳۹۰ [2] ایضاً ص ۳۹ [3] ایضاً

اس کا اندازہ اس سے بھی ہو سکتا ہے کہ سید صاحبؒ ۱۲۲۷ھ میں (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی وفات سے بارہ[۱۲] سال پہلے) امیر خاں کے لشکر میں تشریف لے گئے، جو اس وقت انگریزوں سے برسرپیکار تھے، ان کے ساتھ ہندوستان کا بہترین فوجی عنصر، مسلمانوں کا گرم و تازہ خون، ہندوستان کی فاتح طاقت کا بچا کھچا سرمایہ، اور وقت کے بہت سے شاہین و شہباز تھے، یہ ہندوستان میں ایک بڑھتی ہوئی آزاد طاقت تھی، جس کو وقت کا کوئی مبصّر نظر انداز نہیں کر سکتا اور جس کو بامقصد اور منظّم بنا کر انگریزوں کی ابھرتی ہوئی طاقت کے مقابلہ میں لایا جا سکتا تھا[۱]، کہ ملکوں اور قوموں کی تاریخ میں ایسی حوصلہ مند طاقتوں نے اپنی عددی اور سلاحی کمزوری کے باوجود حالات کا رخ بدل دیا ہے، اس کا کوئی تحریری ثبوت ابھی تک نہیں ملا ہے، کہ حضرت سید صاحبؒ، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی صریح ہدایت اور حکم سے نواب امیر خاں کے لشکر میں تشریف لے گئے، لیکن اس کا قرینہ ضرور پایا جاتا ہے کہ یہ اقدام حضرت شاہ صاحبؒ کے ایماء پر یا کم سے کم تائید و پسندیدگی پر ہوا، اس لئے کہ ۱۲۳۳ھ میں جب نواب نے انگریزوں سے مصالحت کر لی اور راجپوتانہ اور مالوہ کے چند متفرق اور غیر اہم حصوں پر قناعت کر کے جن کے مجموعہ کا نام ریاست ٹونک تھا، انگریزوں سے جنگ کرنے سے علٰیحدگی اختیار کر لی، اور سید صاحبؒ نے اب وہاں مزید قیام بے سود سمجھا تو آپ نے علٰیحدگی کا فیصلہ فرمایا اور ایک خط حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کو لکھا جس کا مضمون تھا:۔

---

[۱] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہیدؒ" حصۂ اول۔ امیر خاں مرحوم کو پنڈاروں سے جن کو انگریزی تاریخوں، اور ان سے متأثر مؤرخوں کی کتابوں میں ایک راہزن اور تخریبی گروہ کی حیثیت سے یاد کیا گیا ہے، کوئی تعلق نہ تھا، اصلیت صرف اتنی ہے کہ پنڈارے کبھی کبھی ان کی پناہ لے لیتے تھے، اور وہ ان کو فوری خطرہ سے بچا لیتے تھے۔

"خاکسار قدم بوسی کو حاضر ہوتا ہے، یہاں لشکر کا کارخانہ درہم برہم ہوگیا، نواب صاحب انگریزوں سے مل گئے، اب یہاں رہنے کی کوئی صورت نہیں"[1]

اس سے یہ نتیجہ نکالا جاسکتا ہے کہ یہ سفر شاہ صاحبؒ کے ایماء و مشورہ سے ہوا تھا، اس لئے واپسی پر آپ کو اس کی اطلاع دینی ضرور تھی۔

اس طرح شاہ صاحبؒ نے اس خطرہ کے پہچاننے میں جو مسلمانوں اور ہندوستان کو درپیش تھا، خداداد بصیرت اور مومنانہ فراست سے کام لیا، اور اس کے لئے وہ اپنے زمانہ میں جو تدبیر کرسکتے تھے، اس میں کوئی کمی نہیں کی، ان کی یہی بصیرت اور جذبہ ان سے انتساب رکھنے والی جماعت مجاہدین (جس کی قیادت حضرت سید احمد شہیدؒ اور شاہ صاحبؒ کے قابل فخر بھتیجے حضرت شاہ اسماعیل شہیدؒ کر رہے تھے) میں پورے طور پر کارفرما نظر آتا ہے، اور جس کا پورا مظاہرہ مولانا ولایت علی عظیم آبادی، مولانا یحییٰ علی صادقپوری، مولانا احمداللہ، و مولانا عبداللہ صاحب کی انگریزوں کے خلاف سرحدی جنگوں، اور صادقین صادقپور کی عظیم قربانیوں میں جلوہ فگن ہے، جن کی نظیر ملنی مشکل ہے[2]۔

پھر یہ جذبہ اس جماعت سے ان علماء اور دینی قائدین کی طرف منتقل ہوا، جنھوں نے ۱۸۵۷ء میں اس کے لئے جان کی آخری بازی لگائی، اور جن میں مولانا احمداللہ شاہ مدراسیؒ، مولانا لیاقت علی الہ آبادیؒ، حضرت حاجی امداداللہ تھانویؒ اور حضرت حافظ ضامن شہیدؒ کے نام معروف و مشہور ہیں، اور اس کے بعد ان علماء کی طرف جنھوں نے اس شمع کو روشن رکھا اور ۱۹۴۷ء تک اس کا سلسلہ کسی نہ کسی طرح جاری رکھا۔ ع

---

[1] وقائع احمدی (قلمی) ص۸۵ نسخہ محفوظ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

[2] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مصنف کی کتاب "کاروان ایمان و عزیمت" از ص۴۴ تا ۶۱

خدا رحمت کند ایں عاشقانِ پاک طینت را

مردانِ کار کی تربیت

جہاں تک ان مردانِ کار کی تربیت کا تعلق ہے جو حالات اور وقت کے تقاضوں اور دین کے حقیقی مطالبوں کے مطابق دعوت و اصلاح کا کام انجام دیں، اور جہد و جہاد کا بیڑہ اٹھائیں، یہ تقدیر اور حکمت الٰہی کی بات ہے کہ اس میں حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کا حصہ اپنے بہت سے مشائخ و اسلاف اور بعض ایسے حضرات سے بھی بڑھا ہوا ہے، جن کا درجہ ممکن ہے (اور قرائن اس پر دلالت کرتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں ان سے بڑھا ہوا ہو، شاہ صاحبؒ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے ایسے متعدد عالی استعداد اور بلند ہمت و عزیمت رکھنے والے صاحبِ تاثیرِ نفوس کی تربیت کا کام لیا، جنھوں نے ہزاروں انسانوں کی زندگیوں میں انقلاب برپا کر دیا، اور ایک پوری صدی سنبھال لی، شاہ صاحبؒ کے علم اور زندگی کے دریا کی سطح ساکن تھی، لیکن بقول اقبالؔ ؎

اسی دریا سے اٹھتی ہے وہ موجِ تند جولاں بھی
نہنگوں کے نشیمن جس سے ہوتے ہیں تہ و بالا

حضرت سید احمد شہیدؒ

اس دعوے کے ثبوت کے لئے تنہا ان کے خلیفۂ ارشد حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ بمطابق ۱۲۴۶ھ) کا نام لینا کافی ہے، جنھوں نے اس تحتی برّاعظم میں اس عظیم اسلامی تحریک کی رہنمائی کی جس کی نظیر جامعیت، قوت تاثیر اور اسلام کی اولین دعوت اور

طریق نبوت سے قرب و مماثلت میں نہ صرف تیرھویں صدی میں نظر نہیں آتی جو اس کا عہد ہے، بلکہ گزشتہ کئی صدیوں میں بھی اس جیسی ایمان آفریں تحریک، اور صادقین و مخلصین کی ایسی مربوط و منظم جماعت کا کوئی سراغ نہیں ملتا، وہ عقائد و اعمال کی تصحیح، افراد کی تربیت، وعظ و تبلیغ، اور جہاد و سرفروشی کے وسیع و طویل محاذ پر جس طرح سرگرم عمل رہے، اس کا اثر صرف ان کے میدان کارزار، اور ان کی معاصر نسل تک محدود نہ رہا، بلکہ اس نے آئندہ نسل، اپنے بعد آنے والے اہل حق، اصحاب دعوت اور دین کے علمبرداروں اور خادموں پر گہرے اور دیرپا نقوش چھوڑے، بڑھتے ہوئے انگریزی اقتدار کے مقابلہ ہندوستان اور اس کے پڑوسی مسلم ممالک کی حفاظت اور قیام حکومت اسلامیہ علی منہاج الخلافۃ الراشدہ کی جد و جہد کی ابتدا بھی آپ ہی نے کی، اس تحریک اور جدّ و جہد کی زمامِ قیادت ہندوستان میں اول اول اسی جماعت کے علماء اور قائدین کے ہاتھ میں رہی، ہندوستان کے مختلف حصوں میں دینی کتابوں کی تصنیف و تالیف، اور ترجمہ اور نشر و اشاعت کی جدید تحریک (جس نے اس وسیع و عمیق خلیج کو پُر کیا، جو مسلم عوام اور صحیح اسلامی تعلیمات اور کتاب و سنت کے درمیان پائی جاتی تھی) انھیں کی کوششوں کی رہین منّت ہے، مسلمانوں کی دینی و سیاسی بیداری بالواسطہ اور بلا واسطہ اسی دعوت و تحریک کا نتیجہ اور ثمرہ ہے، اس تحریک کے اثرات، علم و ادب، فکر اسلامی، اور زبان و اسالیب بیان پر بھی پڑے، اس نے اصلاح معاشرہ، جاہلی رسوم کے ابطال، ہندوانہ اثرات کے ازالہ اور صحیح اسلامی زندگی کی طرف بازگشت کا زبردست کام انجام دیا۔

سید صاحبؒ اور ان کی دعوت و تربیت کے اثرات کی وسعت، قوت اور گہرائی و گیرائی کا اندازہ کرنے کے لئے یہاں پر ہم چند اہل نظر کی تحریروں کے کچھ اقتباسات

پیش کرتے ہیں۔

ہندوستان کے شہرۂ آفاق مصنف ومؤرخ نواب سید صدیق حسن خاںؒ والی بھوپال (م ۱۳۰۷ھ) جنھوں نے سید صاحبؒ کی تعلیم وتربیت کے اثرات کو خود دیکھا تھا، اور آپ کے دیکھنے والوں کی ایک بڑی جماعت کا زمانہ پایا تھا، اپنی تصنیف "تقصار جیود الاحرار" میں لکھتے ہیں :۔

"خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وہ خدا کی ایک نشانی تھے، ایک بڑی خلقت اور ایک دنیا آپ کی قلبی وجسمانی توجہ سے درجۂ ولایت کو پہونچی، آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمین ہند کو شرک وبدعت کے خس وخاشاک سے پاک کر دیا، اور کتاب وسنّت کی شاہراہ پر ڈال دیا، ابھی تک ان کے وعظ وپند کے برکات جاری وساری ہیں"

آگے چل کر لکھتے ہیں :۔

"خلاصہ یہ کہ اس زمانہ میں دنیا کے کسی ملک میں بھی ایسا صاحبِ کمال سنا نہیں گیا اور جو فیوض اس گروہ حق سے خلق خدا کو پہونچے ان کا عُشر عشیر بھی اس زمانہ کے علماء ومشائخ سے نہیں پہونچا"[1]

علامۂ عصر استاد الاساتذہ حضرت مولانا حیدر علی رام پوری ٹونکی (م ۱۲۷۳ھ) تلمیذ حضرت شاہ عبدالعزیز دہلویؒ "صیانۃ الناس" میں تحریر فرماتے ہیں :۔

"ان کی ہدایت کا نور آفتاب کے مثل کمال زور وشور کے ساتھ بلاد وقلوب عباد میں منور ہوا، ہر ایک طرف سے سعیدان ازلی رخت سفر باندھ کر منزلوں سے

---

[1] تقصار جیود الأحرار من تذکار جنود الأبرار (فارسی) مطبوعہ بھوپال ۱۲۹۸ھ ص ۱۱۰-۱۰۹

آ آ کے شرک و بدعات وغیرہ منہیات سے (جن کے حسب عادت زمانہ خوگر ہو رہے تھے) توبہ کر کے توحید و سنت کی راہ راست اختیار کرنے لگے، اور اکثر ملکوں میں خلفائے راست کردار جناب موصوف نے سیر فرما کر لاکھوں آدمی کو دین محمدیؐ کی راہ راست بتا دی، جن کو سمجھ تھی، اور توفیق الٰہی نے ان کی دستگیری کی، وہ اس راہ پر چلے"[1]

ہندوستان کے ایک باخبر اور ثقہ عالم دین مولوی عبدالاحد صاحب جنھوں نے اس جماعت قدسیہ کے بہت سے افراد کی زیارت کی تھی، اور جن کا زمانہ سید صاحبؒ سے قریب تھا، لکھتے ہیں :-

"حضرت سید صاحبؒ کے ہاتھ پر چالیس[۴۰] ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے، اور تیس[۳۰] لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلۂ بیعت آپ کے خلفاء کے ذریعہ تمام روئے زمین پر جاری ہے، اس سلسلہ میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں"[2]

---

[1] "صیانۃ الناس عن وسوسۃ الخناس" مطبوعہ ۱۲۷۰ھ ص ۴

[2] سوانح احمدی، اس سلسلہ میں مزید شہادتیں اور حضرت مولانا ولایت علی عظیم آبادی (م ۱۲۶۹ھ) مولانا کرامت علی جونپوری (م ۱۲۹۰ھ) کے بیانات مصنف کے رسالہ "تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ" میں دیکھے جائیں، سید صاحبؒ کے مفصل حالات و کمالات کے لئے مولانا غلام رسول مہر کی کتاب "سید احمد شہیدؒ" (۱-۲-۳-۴) اور مصنف کی کتاب "سیرت سید احمد شہید" (۱-۲) کا مطالعہ کیا جائے، سید صاحبؒ کے خلفاء کے ذریعہ جو عمومی ہدایت و اصلاح ہوئی اور وہ جس درجہ کے صالح و تاثیر تھے اس کا کچھ اندازہ "الذکر الجلی فی کرامات السید محمد علی" (اردو تصنیف افسر الدولہ جانِ جہاں خاں ابن نواب محمد خاں عالم خاں بہادر تہور جنگ مطبوعہ ۱۳۰۵ھ مطبع مرغوب دکن سکندر آباد) سے ہو سکتا ہے جو سید صاحبؒ کے خلیفہ مولانا سید محمد علی واعظ رامپوری کے حالات و کرامات اور مدراس میں ان سے جو ہدایت و فیض پہونچا اس کے تذکرہ میں ہے۔

اسی عظیم الشان اصلاحی و تجدیدی کارنامہ کی بناء پر اکثر اصحاب نظر و اہل انصاف آپ کو تیرہویں صدی کا مجدّد مانتے ہیں۔

مولانا عبدالحی بڑھانویؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ

شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی تعلیم و تربیت کا دوسرا نمونہ آپ کے دو تلامذۂ رشید اور عزیز قریب مولانا عبدالحی بڑھانویؒ اور مولانا محمد اسماعیل شہیدؒ ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ خود ان دونوں کی فضیلت علمی اور تبحر کے قائل تھے، آپ نے ایک خط میں ان دونوں کو "تاج المفسّرین فخر المحدّثین سرآمدِ علمائے محقّقین" لکھا ہے، اور فرمایا ہے کہ :-

"دونوں حضرات تفسیر و حدیث، فقہ و اصول و منطق وغیرہ میں اس فقیر سے کم نہیں ہیں، جناب باری کی جو عنایت ان دونوں بزرگوں کے شامل حال ہے، اس کا شکر مجھ سے ادا نہیں ہو سکتا، ان دونوں کو علمائے ربّانی میں شمار کرو اور جو اشکال حل نہ ہو ان کے سامنے پیش کرو"[1]

مولانا عبدالحی صاحبؒ کا پایہ اہل علم کے نزدیک علوم رسمیہ میں بہت بلند تھا، اور تفسیر میں خود شاہ صاحبؒ مولانا کو اپنے تمام تلامذہ پر فضیلت دیتے تھے، اور فرماتے تھے کہ وہ میرا نمونہ ہیں، شیخ الاسلام کا لقب جو اسلام میں خاص خاص علماء کو دیا گیا ہے، شاہ صاحبؒ نے خود مولانا کو ایک خط میں دیا ہے۔

علمی تبحر اور ذہنی کمالات پر بھی جو چیز فوقیت رکھتی ہے، وہ آپ کی للّٰہیت اور اخلاص ہے کہ اس علم و فضل کے ساتھ سید صاحبؒ کی طرف رجوع ہوئے، جو عمر میں آپ سے کہیں خورد سال

---

[1] مکتوب بنام منشی خیرالدین صاحب (سرائے معالی خاں لکھنؤ) ملاحظہ ہو "سیرت سید احمد شہیدؒ" حصہ اول ص ۲۱۶-۲۱۷

اور علم میں آپ سے تلمذ کا شرف رکھتے تھے، بیعت ہوتے ہی آپ سید صاحبؒ کے رنگ میں رنگ گئے، اور اپنے سارے علم و فضل کو آپ پر اور دعوت و جہاد کے کام پر تصدّق، اور قلم و زبان اور خدا کی دی ہوئی ہر قوت و قابلیت کو حق کی اشاعت و نصرت کے لئے وقف کر دیا، اور سفر ہجرت و جہاد ہی میں جان جاں آفریں کے سپرد کی۔

جہاں تک مولانا شاہ محمد اسماعیل شہیدؒ کا تعلق ہے، وہ ان اولوالعزم، عالی ہمت، ذکی، جری اور غیر معمولی افراد میں تھے، جو صدیوں میں پیدا ہوتے ہیں، وہ مجتہدانہ دماغ کے مالک تھے، اور اس میں ذرا مبالغہ نہیں کہ ان میں بہت سے علوم کو از سر نو مدوّن کرنے کی قدرت و صلاحیت تھی، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے ایک خط میں ان کو حجّۃ الاسلام کے لقب سے یاد کیا ہے، آپ کی تصانیف اور علم میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے طرز کی جھلک نظر آتی ہے[1]، وہی علم کی تازگی، استدلال کی لطافت، نکتہ آفرینی، سلامت ذوق قرآن و حدیث کا خاص تفقّہ اور استحضار اور زور کلام۔

شاہ صاحبؒ کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے علماء اہل درس اور اہل ذکاوت کے اس دائرہ سے باہر قدم نکالا، جو برسوں بلکہ صدیوں سے اس گروہ کے لئے مقرر ہو چکا تھا، اور اصلاح و ارشاد عام اور جہاد و عزیمت کے دائرہ میں نہ صرف قدم رکھا، بلکہ اس میں قیادت کا فرض انجام دیا، ان کی تنہا تصنیف "تقویۃ الایمان" سے خلق خدا کو وہ فائدہ پہونچا اور عقائد کی ایسی اصلاح ہوئی کہ شاید کسی حکومت کی منظم کوشش سے مشکل سے ہوتی، حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہی فرماتے تھے کہ "مولوی اسماعیل صاحبؒ کی حیات ہی میں دو ڈھائی لاکھ آدمی درست ہو گئے تھے، اور ان کے بعد جو نفع ہوا، اس کا تو اندازہ

---

[1] ملاحظہ ہو "منصب امامت" "عبقات" "ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح"

ہو ہی نہیں ہو سکتا"

عمومی دعوت و اصلاح کے اس عظیم کام کے ساتھ آپ نے جہاد فی سبیل اللہ کے لئے اپنے کو پورے طور پر تیار کیا، سید صاحبؒ کی (جن سے آپ نے بیعت سلوک و بیعت جہاد کی تھی) نہ صرف ہمرکابی اور رفاقت کا حق ادا کیا، بلکہ اس کام میں آپ کی حیثیت تحریک کے ایک قائد اور امیر کے وزیر و نائب کی تھی، پھر اسی کام میں اپنی ہستی فنا کر دی اور بالاکوٹ کے معرکہ میں شہادت کا شرف حاصل کیا، اقبال نے ایسے ہی حضرات کے متعلق کہا ہے ؎

تکیہ بر حجت و اعجاز بیاں نیز کنند — کارِ حق گاہ بشمشیر و سناں نیز کنند
گاہ باشد کہ تہِ خرقہ زرہ می پوشند — عاشقاں بندۂ حال اند و چناں نیز کنند

مولانا شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ و شاہ محمد یعقوب صاحبؒ

شاہ صاحبؒ کے ذوق خاص، درس حدیث، اجازت و اسناد اور علوم دینیہ کی نشر و اشاعت میں آپ کے جانشین آپ کے دونوں نواسے حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ (۱۱۹۷ھ ۱۲۶۲ھ) اور شاہ محمد یعقوبؒ (۱۲۰۰ھ ۱۲۸۲ھ) تھے، جو شاہ محمد افضل کے صاحبزادے تھے، حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ کو اپنا جانشین بنایا، اور اپنی تمام کتابیں اور گھر وغیرہ آپ ہی کو ہبہ کر دیا، آپ شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان کی مسندِ درس پر بیٹھے اور ۱۲۳۹ھ سے لے کر ۱۲۵۸ھ تک دہلی میں اور ۱۲۵۸ھ سے (جب آپ نے مکہ معظمہ ہجرت کی) ۱۲۶۲ھ تک حجاز مقدس میں حدیث کی تدریس و خدمت میں سرتاپا غرق و منہمک رہے، اور ہندوستان کے صدہا علماء نے آپ سے حدیث کا درس لیا، اور بڑے بڑے علماء

واساتذۂ حدیث نے بلاد وامصار سے آکر آپ سے استفادہ کیا اور حدیث کی سند لی جن میں شیخ عبداللہ سراج مکّی اور دوسرے کبار علماء شامل ہیں، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اس پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتے تھے کہ اللہ نے ان کو شاہ محمد اسماعیل (بھتیجہ) اور شاہ محمد اسحٰق (نواسہ) کی شکل میں دو قوتِ بازو اور عصائے پیری عطا فرمائے، اور اکثر یہ آیت پڑھتے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ وَهَبَ لِیْ عَلَى الْكِبَرِ اِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ" دوشنبہ ۲۷ رجب ۱۲۶۲ھ مکہ معظمہ میں وفات پائی اور جنۃ المعلاۃ میں حضرت سیدہ خدیجہؓ کی قبر کے پاس دفن ہوئے[۱]۔

شاہ محمد یعقوب صاحبؒ نے بھی دہلی میں ایک مدت تک درس وافادہ کا سلسلہ جاری رکھا، پھر اپنے بڑے بھائی شاہ محمد اسحٰق صاحبؒ کے ساتھ ۱۲۵۸ھ میں مکہ معظمہ ہجرت کی اور وہیں متوطّن ہوگئے، ان سے نواب سید صدیق حسن خاں قنوجیؒ (والی بھوپال[۲]) حضرت مولانا سید خواجہ احمد حسنی نصیر آبادیؒ[۳]، اور ایک خلق نے استفادہ کیا، جمعہ کے دن ۲۷ ذی قعدہ ۱۲۸۲ھ میں مکہ مکرمہ میں انتقال کیا، اور جنۃ المعلاۃ میں مدفون ہوئے۔

اجلّۂ علماء واساتذۂ کبار

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ صاحبؒ کے درس وتربیت وصحبت سے جن علماء نے

---

[۱] حالات کے لئے ملاحظہ ہو "نزہۃ الخواطر ج ۷"۔ [۲] نواب صاحب نے حدیث کی جو خدمت کی اور ان کی ذات سے کتب حدیث کی جو اشاعت ہوئی، ان کی توجہ اور سرپرستی سے ریاست بھوپال جس طرح درس حدیث کا ایک مرکز اور محدثین یمن کا مسکن وموطن بن گیا وہ ایک تاریخی حقیقت اور ان کا ایک کارنامہ ہے، پہلی بار فتح الباریؒ کی طباعت واشاعت جو مطبع بولاق مصر سے ہوئی اور اس پر پچاس ہزار روپیہ کی رقم صرف ہوئی، علماء اور طلبائے علم حدیث پر احسان عظیم ہے اور یہ شرف اولیت ان کو حاصل ہے۔ [۳] آپ حضرت سید احمد شہیدؒ کے خاندان اور سلسلہ کے بلند پایہ مصلح، داعی الی اللہ اور صاحب سلسلہ تھے، تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو "کاروان ایمان وعزیمت"۔

فائدہ اٹھایا، پھر اپنا حلقۂ درس قائم کر کے سارے ہندوستان میں نام پیدا کیا، اور دینی نظام تعلیم میں زندگی کی ایک نئی روح پھونک دی، پھر خود ان کے درس کے فیض سے کثیر التعداد جید علماء تیار ہو کر نکلے، ان میں سے چند کے نام یہاں لکھے جاتے ہیں، جو اپنی قوت و ملکۂ تدریس منقول و معقول کی جامعیت، اور تبحر علمی میں مشہور و مسلّم تھے، اور جو اپنی اپنی جگہ خود ایک مدرسہ اور دبستان تھے۔

(۱) مولانا مفتی الٰہی بخش کاندھلوی (۲) مولانا امام الدین دہلوی (۳) مولانا حیدر علی رامپوری ٹونکی (۴) مولانا حیدر علی فیض آبادی صاحبِ "منتہی الکلام" (۵) مولانا رشید الدین دہلوی (۶) مولانا مفتی صدر الدین دہلوی۔

ان کاملین علم و فن، اساتذۂ کبار اور ان سے بیشتر جن اہل دعوت و عزیمت اور تحریک اصلاح و تجدید اور جہاد فی سبیل اللہ کے قائدین کا نام آیا، جو شاہ صاحبؒ سے نسبت روحانی اور استفادۂ باطنی رکھتے تھے، ان سب کی وجہ سے کہا جا سکتا ہے کہ تیرہویں صدی حضرت شاہ عبد العزیزؒ کے تعلیم و ارشاد اور تربیت افراد کی صدی تھی، "وَذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَآءُ"۔

شاہ صاحبؒ کے تذکرہ سے فارغ ہو کر جو سلسلۂ ولی اللّٰہی کے دائرہ کا نقطۂ مرکزی، اور ان کے صاحبزادگان اور تلامذہ کے سلک نور میں "دُرِّ شہوار" (واسطۃ العقد) کی حیثیت رکھتے تھے، ہم شاہ صاحبؒ کے دوسرے دو صاحبزادوں حضرت شاہ رفیع الدینؒ اور حضرت شاہ عبد القادرؒ کا اور شاہ صاحب کے تین خلفائے کبار حضرت شاہ محمد عاشق پھلتیؒ، خواجہ محمد امین کشمیری اور سید شاہ ابو سعید حسنیؒ رائے بریلوی کا تذکرہ پیش کریں گے، جو "نزہۃ الخواطر" ج ۷ سے ماخوذ و مقتبس ہوگا۔

شاہ رفیع الدین دہلویؒ

شیخ امام، عالم کبیر، علامہ رفیع الدین عبدالوہاب بن ولی اللہ بن عبدالرحیم عمری دہلوی اپنے وقت کے مشہور محدث، متکلم، اصولی، مسند وقت، فرید عصر اور نادرۂ دہر تھے، دہلی میں ولادت اور نشو ونما ہوئی اور اپنے برادر اکبر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے تحصیل علم کی اور ایک مدت تک ان کے ساتھ رہے، طریقت میں شاہ محمد عاشق بن عبیداللہ پھلتی سے استفادہ کیا، اور بیس سال کی عمر میں علم و افتاء اور درس میں امتیاز و شہرت حاصل کی، اپنے برادر مذکور کی زندگی ہی میں آپ نے تصنیف و تالیف کا سلسلہ شروع کر دیا تھا، اور اکابر علماء میں شمار ہونے لگے تھے، شاہ صاحبؒ کے آنکھوں سے معذور ہونے کے بعد درس و تدریس کا کام آپ نے سنبھال لیا، طلبہ کا ہجوم ہوا اور انھوں نے بقدر استعداد آپ کے علمی افادات سے فائدہ اٹھایا، علمائے آفاق نے آپ کے علم و فضل کا اعتراف کیا، اور آپ کی تصانیف نے قبولیت و شہرت حاصل کی، آپ کے برادر معظم شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے شیخ احمد بن محمد شروانی کو شاہ رفیع الدین صاحبؒ کے بارے میں لکھا تھا:۔

"اب برادر یگانہ اور خلیق زمانہ کا وقت ہے، جو نسباً میرے حقیقی بھائی ہیں، اور فنون علم و ادب میں (جن کا لوگ مجھ سے انتساب کرتے ہیں) میرے شریک ہیں، وہ عمر میں مجھ سے کچھ ہی چھوٹے ہیں، مگر فن و حکمت میں میرے برابر ہیں، اللہ تعالیٰ نے اپنی مہربانی سے ان کی پرورش میرے ہاتھوں کی اور ان کی تکمیل کا مجھے ذریعہ بنا کر مجھ پر احسان کیا، وہ چند دنوں کے سفر کے بعد

واپس آئے تو مجھے ایک مختصر مگر قیمتی رسالہ کا تحفہ دیا، جو ایسے لطائف ونکات پر مشتمل ہے، جن میں وہ منفرد ہیں، اور ان سے پہلے انھیں کسی نے نہیں لکھا، ان کی یہ انفرادیت آیت نور کی تفسیر اور اس کے اندر پوشیدہ معانی کی رونمائی کے سلسلہ میں ہے، میں پورے یقین کے ساتھ کہتا ہوں کہ اس باب میں ان کے بیانات ایسے حیرت انگیز ہیں، جن کے ذریعہ انھوں نے مغز سخن کو ظاہر کردیا اور دلوں کے چراغ روشن کر دیئے اور اپنے اسلوب کی انفرادیت سے سعید روحوں کو تازہ دم کردیا ہے"۔

شیخ محسن بن یحییٰ ترہتی "الیانع الجنی" میں فرماتے ہیں:۔

"ان مروّجہ علوم کے علاوہ شاہ صاحبؒ کو علوم اوائل میں بھی مہارت تامّہ حاصل تھی، جو ان کی طرح بہت کم اہل علم کے حصہ میں آتی ہے، ان کی تصانیف بہت عمدہ اور مرصّع ہیں، ——— میں نے بعض کتابیں دیکھیں تو آپ کی علمی وفنّی عبارتوں میں ایسے اسرار ورموز نظر آئے جن کے رمز آشنا کم ہی ہوتے ہیں، تھوڑے سے لفظوں میں آپ بہت سے مسائل جمع کردیتے ہیں، جس سے آپ کی علمی گہرائی اور دقّت فہم کا اندازہ ہوتا ہے، آپ کی کتاب "دمغ الباطل" علم حقائق کے بعض مشکل مسائل پر مشتمل ہے، جس کی اہل فن نے تعریف کی ہے، آپ کا ایک مختصر وجامع رسالہ اور ہے، جس میں آپ نے ہر چیز میں محبت کی کارفرمائی دکھائی ہے، اور اس کی وضاحت کی ہے، اس کا نام "اسرار المحبۃ" ہے، ایسے بہت کم لوگ ملیں گے جنھوں نے اس موضوع پر اظہار خیال کیا ہو، میرے خیال میں آپ سے پہلے اس موضوع پر

صرف دو فلسفیوں، ابوالنصر فارابی اور بوعلی سینا نے لکھا ہے، جیسا کہ
نصیر الدین طوسی کی بعض کتابوں سے معلوم ہوتا ہے"۔

شیخ محسن کی ذکر کردہ کتابوں کے علاوہ بھی ان کی کتابیں ہیں، جن میں عروض میں ایک رسالہ، مقدمہ علم، تاریخ، اثبات شق القمر، حکماء کے اصول پر براہینِ حکمیہ کے ابطال، تحقیق الوان، آثار قیامت، حجاب، برہان تمانع، عقد انامل، اربعین کافات کی شرح، منطق، امور عامہ پر بھی آپ کے رسالے ہیں، رسالہ میرزاہد پر حاشیہ بھی لکھا ہے۔

آپ کی کتابوں میں "تکمیل الصناعۃ" ایسی عجیب کتاب ہے کہ بہت کم مصنفین کو ایسی کتاب لکھنے کا اتفاق ہوا ہوگا، ان کے علاوہ بھی آپ کی متعدد بلند پایہ کتابیں ہیں، اپنے والد ماجد کے بعض عربی قصائد کی آپ نے تخمیس بھی کی ہے، ان کے عربی اشعار کا نمونہ یہ ہے:-

یا احمد المختار یا زین الوریٰ　　یا خاتما للرسل ما اعلاکا
یا کاشف الضراء من مستنجد　　یا منجیا فی الحشر من والاکا
ھل کان غیرک فی الأنام من اسنوی　　فوق البراق وجاوز الأفلاکا الخ

ان کا ایک اور فصیح و بلیغ قصیدہ ہے جس سے علوم عقلیہ میں ان کی بلندی اور عربی پر قدرت کا پتہ چلتا ہے، آپ نے اس میں بوعلی سینا کے قصیدہ "عینیہ" کا جواب لکھا ہے، جو "قصیدۃ الروح" کہلاتا ہے، اور جس کا مطلع ہے ؎

ھبطت الیک من المحل الارفع　　ورقاء ذات تعزز و تمنع

یہ قصیدہ ابن سینا کی عربی زبان پر قدرت، بیک وقت حلاوت و سلاست اور شکوہِ الفاظ کا مظہر ہے، ہر شخص کا کام نہیں تھا کہ اس کا جواب دے، حضرت شاہ

رفیع الدین صاحبؒ نے اس کا جواب لکھا ہے جس سے آپ کی قادر الکلامی اور عربیت کا اظہار ہوتا ہے آپ کے قصیدہ کا مطلع ہے ؎

عجبا لشیخ فیلسوف ألمعی خفیت لعینیہ منارۃ مشرع[1]

آپ نے اپنے برادر بزرگ شاہ عبدالعزیزؒ کی حیات ہی میں ۶ر شوال ۱۲۳۳ھ کو دہلی میں وفات پائی اور شہر کے باہر اپنے والد ماجد و جدامجد کے پاس دفن ہوئے۔[2]

شاہ عبدالقادر دہلویؒ

شیخ امام، عالم کبیر و عارف شہیر شاہ عبدالقادر بن شاہ ولی اللہ بن شاہ عبدالرحیم عمری دہلوی علوم الٰہیہ کے ممتاز علماء میں تھے، آپ کی ولایت و جلالت پر لوگوں کا عام اتفاق ہے، جب آپ کے والد ماجد کی وفات آپ کے بچپن میں ہوگئی تو آپ نے اپنے برادر بزرگ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے تحصیل علم کیا، اور شاہ عبدالعدل دہلویؒ سے طریقت کی تعلیم پائی اور علم و عمل، زہد و تواضع، اور حسن سلوک میں امتیاز کے مالک ہوئے، ان فضائل کے سبب اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کردی اور آپ اپنے شہر میں مرجع عام بن گئے اور علم روایت و درایت، اصلاح نفس، اور روحانی تربیت میں آپ سے رجوع کیا جانے لگا۔

آپ درس و افادہ میں مشغول اور دہلی کی اکبرآبادی مسجد میں مقیم رہتے تھے آپ سے مولانا عبدالحیؒ بن ہبۃ اللہ بڑھانوی، مولانا محمد اسماعیلؒ بن شاہ عبدالغنی دہلویؒ، مولانا فضل حق بن

---

[1] علامہ نعمان آلوسی بغدادی کی "جلاء العینین" میں دونوں قصیدے ملاحظہ ہوں ص ۱۵۴-۱۴۸ شاہ صاحب کا قصیدہ ایک سو سولہ (۱۱۶) اشعار کا ہے۔ [2] نزہۃ الخواطر جلد سابع ص ۱۸۲-۱۸۶

فضل امام خیرآبادی، مرزا حسن علی شافعی لکھنوی، شاہ اسحٰق بن شاہ افضل عمری دہلوی (مدفون مکہ مکرمہ) مولانا سید محبوب علی جعفری، مولانا سید اسحٰق بن عرفان رائے بریلوی (برادر معظم حضرت سید احمد شہیدؒ) اور بہت سے لوگوں نے استفادہ کیا۔

آپ پر اللہ تعالیٰ کی سب سے بڑی عنایت یہ تھی کہ آپ کو ہندوستانی زبان میں قرآن کریم کے ترجمہ و تفسیر کی توفیق ملی، علماء نے اس کی بڑی قدردانی کی اور اسے معجزاتِ نبویؐ میں سے ایک معجزہ قرار دیا، والد ماجدؒ نے "مہر جہاں تاب" میں لکھا ہے کہ "شاہ عبدالقادرؒ نے یہ ترجمہ لکھنے سے پہلے خواب دیکھا تھا کہ آپ پر قرآن نازل ہوا، اسے آپ نے اپنے بھائی شاہ عبدالعزیزؒ سے بیان کیا تو انھوں نے فرمایا کہ یہ سچا خواب ہے، مگر چونکہ اب نبی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد سے وحی آنے کا سلسلہ موقوف ہو گیا ہے، تو اس کی تعبیر یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ تم سے قرآن کی بے مثال خدمت لے گا" چنانچہ یہ بشارت "موضح القرآن" کی صورت میں پوری ہوئی۔

اس کی خصوصیات میں سے یہ ہے کہ انھوں نے زبان کے مقابلہ میں ایسی زبان اختیار کی ہے، جس میں عموم و خصوص اور اطلاق و تقیید اور محل استعمال کا پورا لحاظ ہے، یہ اللہ کی ایسی عنایت ہے، جس کے لئے وہ چند ہی لوگوں کو مخصوص کرتا ہے[1]۔

---

[1] مختلف مثالوں سے یہ ثابت کیا جا سکتا ہے کہ شاہ صاحبؒ کو عربی زبان و ادب کا جیسا صحیح ذوق اور قرآنی الفاظ کی روح اور طاقت اور منشاء کے مطابق اردو کے الفاظ کے انتخاب میں جو کامیابی حاصل ہوئی ہے، اس کی نظیر کم سے کم ہندوستان میں نہیں ہے، اور بعض مقامات پر وہ علامہ زمخشری و راغب اصفہانی جیسے علمائے بلاغت و ائمہ لغت سے بھی بڑھ جاتے ہیں، تائید الٰہی، اعلیٰ درجہ کے اخلاص اور وہبی ادبی اور لسانی صحیح ذوق کے سوا کسی چیز سے اس کی توجیہ نہیں کی جا سکتی۔ (مصنف)

میں نے "موضح القرآن" کی سماعت و روایت اپنی نانی صاحبہ سیدہ حمیرا بنت شاہ علم الہدیٰ حسنی نصیر آبادی سے کی ہے، جنھوں نے شاہ عبدالقادرؒ صاحب کی صاحبزادی سے روایت کی ہے، اور جنھوں نے اپنے والد ماجد سے روایت کی تھی، آپ کی وفات چہارشنبہ ۱۹ رجب ۱۲۳۰ھ میں ہوئی اور اپنے والد کے پاس دفن ہوئے، اس وقت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ حیات تھے، اس لئے قدرتی طور پر انھیں بہت صدمہ ہوا، وہ حضرات ان کے دفن کے وقت یہ کہہ رہے تھے کہ "ہم ایک انسان کو نہیں بلکہ سراپائے علم و عرفان کو دفن کر رہے ہیں"!

یہ عجائبات زمانہ میں سے ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے چار صاحبزادے اور ایک خاتون بنت سید ثناء اللہ سے تھے، جن میں بڑے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ پھر شاہ رفیع الدین صاحبؒ پھر شاہ عبدالقادر صاحبؒ پھر سب سے چھوٹے شاہ عبدالغنی صاحبؒ (مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کے والد) تھے، مگر سب سے پہلے چھوٹے بھائی شاہ عبدالغنی صاحبؒ کی وفات ہوئی پھر ان کے بعد شاہ عبدالقادر صاحبؒ کی، پھر شاہ رفیع الدین صاحبؒ کی، پھر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی وفات ہوئی، یہ سب بھائی علم و عمل، افادہ و فیض رسانی میں (شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے سوا، کیونکہ ان کی وفات عنفوان شباب میں ہوگئی تھی) فضلائے زمانہ میں ممتاز تھے، شاہ عبدالغنی صاحبؒ کے صاحبزادۂ گرامی قدر حضرت مولانا اسماعیل شہیدؒ کو اللہ نے ایسی توفیق عطا کی جس سے انھوں نے اپنے والد ماجد کی طرف سے پوری تلافی کر دی[1]۔

شاہ محمد عاشق پھلتی

عالم کبیر و محدّث جلیل مولانا شاہ محمد عاشق بن عبیداللہ بن محمد صدیقی پھلتی،

---

[1] نزہۃ الخواطر ، ص ۲۹۵-۲۹۶

کبار مشائخ میں سے تھے، آپ کا نسب حضرت محمد بن ابی بکر صدیق رضؓ تک اکیس ۲۱ واسطوں سے پہونچتا ہے، بچپن ہی سے تحصیل علم میں مشغول ہوئے، اور شیخ اجل حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کی صحبت اختیار کی، (جو آپ کے پھوپھی زاد بھائی تھے) اُن سے آپ نے علم و معرفت حاصل کی، اور ان کے ساتھ ۱۱۴۳ھ میں حرمین شریفین کا سفر بھی کیا اور حج و زیارت سے مشرف ہوئے، اور اساتذۂ حرمین سے اخذ و استفادہ میں آپ کے ساتھ شریک رہے، جن میں شیخ ابو طاہر محمد بن ابراہیم کردی مدنی امتیاز خاص رکھتے ہیں، شیخ ابو طاہر نے ان کو اجازت بھی دی۔

شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے اصحاب میں آپ علم و معرفت کے لحاظ سے سب پر فائق تھے، اس طرح آپ شاہ صاحب دہلویؒ کے محرمِ اسرار ہو گئے، جیسا کہ شیخ ابو طاہرؒ نے اپنے اجازت نامہ میں ان کے بارے میں لکھا ہے کہ "یہ اُن (شاہ ولی اللہؒ) کے کمالات کا آئینہ اور خصالِ جمیلہ کا نمونہ ہیں" ان کے استاد حضرت شاہ ولی اللہؒ نے انھیں مخاطب کرتے ہوئے فرمایا تھا ؎

يحدثني نفسي بأنك واصل ... إلى نقطة قصواء وسط المراكز

وأنك في تيك البلاد مفخم ... بكفيك يومًا كل شيخ وناهز

(میرا دل کہتا ہے کہ تم علمی مرکزوں کے مقامِ بلند پر فائز ہو گے اور ان شہروں میں محترم ہو گے اور چھوٹا بڑا تمہارا تابع ہو گا۔)

دوسری جگہ کہتے ہیں ؎

وان يك حقا ما علمت فانه ... سيلقى إليك الامر لابد سابغا

سياتيك أمر لا يطاق بهاءه ... إلى كل سر لا محالة بالغا

وثلج وبرد يجمعان شتاتكم　　يزيحان همانی فؤادك لاذعا

(اگر میرا یقین صحیح ہے تو سررشتہ تمہارے ہاتھ آئے گا، اور تمہیں وہ نور حاصل ہوگا جس سے نگاہیں خیرہ ہو جائیں گی اور وہ ہر راز کو افشا کر دے گا، اور شرح صدر سے وہ جمعیت خاطر حاصل ہوگی جو تمہارا غم غلط کر دے گی۔)

شرح دعائے اعتصام کی تقریظ میں شاہ صاحبؒ نے لکھا تھا ؎

ليهنك ما أوتيت ذروة حقه　　من الفحص والتفتيش والفهم والفكر

ويهنك عن طي العلوم ونشرها　　ونظمك أصناف الجواهر والدرر

ويحفظك للرمز الخفي مكانه　　ويخومنك بحرا زاخرا أيما بحر

فلله ما أوتيت من حلل المنى　　ولله ما أعطيت من عظم الفخر

(علم وتحقیق اور فکر ونظر کی بلندیوں پر فائز ہونا مبارک ہو، اور علوم کی تحقیق واشاعت اور علم کے ہیرے موتیوں کی تنظیم وترتیب بھی مبارک ہو، نیز رمز مخفی کی حفاظت اور علم وعمل کے بحر زخّار کی غواصی وشناوری تمہیں یہ مراد یں اللہ ہی کی طرف سے ملی ہیں، اور مفاخر کا سرمایہ بھی اللہ ہی کا عطیہ ہے۔)

ان سے شاہ عبدالعزیزؒ اور ان کے بھائی شاہ رفیع الدینؒ اور سید ابوسعید رائے بریلویؒ اور ایک خلق نے استفادہ کیا، ان کی کتابوں میں "سبیل الرشاد" فارسی میں تصوف کی ایک مبسوط کتاب ہے، دوسری کتاب "القول الجلی فی مناقب الولی" ان کے شیخ حضرت شاہ ولی اللہؒ کے حالات میں ہے، "دعائے اعتصام" حقائق ومعارف میں حضرت شاہ صاحبؒ کی کتاب کی شرح، ان کی سب سے بڑی کتاب "تبییض المصفیٰ شرح المؤطا" ہے جو شاہ صاحبؒ کی کتاب "مصفی" سے

متعلق ہے، ۱۱۸۷ھ میں انتقال کیا جیسا کہ سید ابو سعید رائے بریلویؒ کے نام حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے گرامی نامہ سے معلوم ہوتا ہے۔

خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہی

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے ان چار[1] خلفاء و مسترشدین کبار میں سے جن سے ان کے سلسلۂ تعلیمات اور مقاصد کی اشاعت و تبلیغ ہوئی، ان کے ایک اہم شاگرد خلیفہ خواجہ محمد امین کشمیری بھی تھے، مولانا حکیم سید عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ "نزہۃ الخواطر" میں ان کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ "وہ اصلاً کشمیر سے تعلق رکھتے تھے لیکن دہلی میں سکونت تھی، وہ شاہ صاحبؒ کے اجلّۂ اصحاب میں تھے، اپنے شیخ کی طرف اپنی نسبت کرتے تھے، اور ولی اللّٰہی لکھتے، اور کہلاتے تھے، ان کے امتیاز و شرف کے لئے اتنا کافی ہے کہ شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے شاہ صاحبؒ کی وفات کے بعد ان سے علوم کی تکمیل کی جیسا کہ خود شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے اپنے رسالہ "عجالۂ نافعہ" میں اس کی صراحت کی ہے، ان کے اعزاز و امتیاز کی دوسری دلیل یہ ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے ان کے لئے خصوصی طور پر بعض رسائل تصنیف فرمائے، حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کے اس مکتوب گرامی سے جو انھوں نے حضرت شاہ ابو سعید رائے بریلویؒ کے نام بھیجا ہے۔

---

[1] مولانا عبید اللہ صاحب سندھی مرحوم اپنی کتاب "التمہید" (حصۂ اردو) میں لکھتے ہیں :-

"شاہ صاحب کے مکمل نظریہ کو سمجھنے والوں میں چار رفقاء سے زیادہ نہیں ہیں (۱) ان کے ماموں زاد بھائی شاہ محمد عاشق (۲) جمال الدین شاہ محمد امین ولی اللّٰہی کشمیری (۳) شاہ نور اللہ بڈھانوی (۴) شاہ ابو سعید بریلوی" (شاہ ولی اللہ اور ان کی سیاسی تحریک از مولانا عبید اللہ سندھی ص ۱۷۳-۱۷۴)

اصحاب ثلاثہ شیخ محمد عاشق پھلتی، خواجہ محمد امین کشمیری ولی اللّٰہی اور شاہ ابو سعید صاحبؒ رائے بریلوی کا ذکر مستقل طور پر آیا ہے، چوتھے صاحب شیخ نور اللہ صدیقی بڈھانوی حضرت شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خصوصی تلامذہ میں تھے، اور شاہ صاحب کی زندگی ہی میں اُن کو امتیازی شہرت حاصل ہو گئی تھی، اور حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جو ان کے داماد بھی تھے، اُن سے فقہ کی کتابیں پڑھیں ۱۱۸۷ھ کے قریب ان کی وفات ہوئی۔

(نزہۃ الخواطر جلد ۶)

پتہ چلتا ہے کہ ان کا انتقال ۱۱۸۷ھ میں یا اس کے آس پاس ہوا، اس لئے کہ حضرت سید شاہ ابو سعید صاحب ربیع الاول ۱۱۸۷ھ میں عازم حج ہوئے تھے اور ۱۱۸۸ھ میں ان کی مراجعت ہوئی اور شاہ صاحبؒ کا یہ خط ان کی واپسی پر ملا۔[1]

خواجہ محمد امین کشمیری کی خصوصیت اس سے بھی معلوم ہوتی ہے کہ کلمات طیبات" میں شاہ صاحب کے ان کے نام چار اہم مکتوب ہیں جو دقیق حقائق و معارف پر مشتمل ہیں۔[2]

ان چار خلفائے عظام کے علاوہ شاہ صاحب کے بعض دوسرے خلفاء بھی تھے، جن کے حالات تفصیل سے نہیں ملتے، ان میں ایک حافظ عبد النبی معروف بہ عبد الرحمٰن بھی تھے، جن سے شاہ صاحب کا خصوصی تعلق معلوم ہوتا ہے۔[3]

شاہ ابو سعید حسنی رائے بریلویؒ

سید والا تبار ابو سعید بن محمد ضیاء بن آیت اللہ بن شیخ اجل علم اللہ نقشبندیؒ بریلوی، علمائے ربانیین میں سے تھے، رائے بریلی میں ولادت اور نشو و نما ہوئی، اور ملا عبد اللہ ایٹھوی سے تعلیم حاصل کی، پھر اپنے چچا سید محمد صابر بن آیت اللہ نقشبندیؒ سے بیعت ہوئے اور صوفیہ کے اذکار و اشغال میں ایک مدت تک مصروف رہے، اس کے بعد دہلی جا کر حضرت شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے پاس رہ کر ان سے استفادہ کیا، اور ان کی وفات کے بعد ضرورت کا احساس کر کے شاہ صاحبؒ کے شاگرد شیخ محمد عاشق بن عبید اللہ پھلتی سے بھی استفادہ کیا، شاہ محمد عاشق صاحبؒ نے آپ کے

---

[1] نزہۃ الخواطر ج ۶ ص ۲۸۶ [2] کلمات طیبات ص ۱۶۱-۱۶۷

[3] ملاحظہ ہو رسالہ برہان مقالہ مسعود انور صاحب علوی ایم۔ اے علیگ شمارہ ستمبر و اکتوبر ۱۹۸۳ء۔

اجازت نامہ میں لکھا ہے :۔

"سید تقی و نقی، عارف باللہ، قابل تعریف ولی میر ابوسعید ہمارے شیخ ولی اللہ محدث رح کے ساتھ رہے ہیں، اور ان سے بعض اشغالِ طریقت معلوم کر کے ان پر مداومت کی ہے، حتی کہ ان پر شیخ کی توجہ کی برکت سے ظاہری و باطنی لطائف و اسرار کے دروازے کھل گئے، اور ان کی شخصیت میں صوفیہ کے احوال و آثار ظاہر ہوئے اور انھیں وہ "شہود" حاصل ہوا جو صوفیہ کا مقصود ہے"

آگے تحریر فرماتے ہیں :۔

"پھر جب حضرت شیخ رح نے دار رضوان کو انتقال فرمایا تو انھیں خیال ہوا کہ سلسلۂ نقشبندیہ، قادریہ، چشتیہ وغیرہ کے بقیہ اشغال فقیر سے حاصل کریں، اور صوفیہ کے متوارث طریقہ میں داخل ہوں، میں نے ان کی طلب دیکھ کر حدیث "اِبجام" کے خوف سے حصول مقصد میں ان کی مدد کی اور ان اشغال کی تلقین کی، اور جب ان میں ان کے آثار و انوار کا مشاہدہ کیا اور ان کی پختگی کا اندازہ کر لیا، تو استخارہ کے بعد انھیں طالبین و سالکین کی رہنمائی کی اجازت دی، اور انھوں نے تمام طریقوں میں بیعت کی، اور انھیں "خرقۂ فقریہ فخریہ" انابت و اجازت کے طور پر پہنایا، جیسا کہ ہمارے شیخ رح نے ہمیں پہنایا تھا، اور اس کی اجازت دی تھی، اور جیسا کہ شیخ عبید اللہ نے ہمیں اپنے آباء و مشائخ کرام کے ذریعہ حاصل ہونے والے لباس اور اجازت سے نوازا تھا، اس کے ساتھ میں نے انھیں تفسیر و حدیث، فقہ و تصوّف کے درس کی (بشرط مطالعہ و مراجعت شروح) اور

نحو وصرف کے درس کی اجازت دی، نیز جائز ضرورتوں کے وقت تعویذ اور اعمال مشائخ کی اجازت دی" القول الجمیل فی بیان سواء السبیل" "الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ" میں مندرج تمام اعمال واشغال کی اجازت دی"۔

سید شاہ ابوسعیدؒ ایک باوقار، کریم النفس، کثیر الاحسان، مہمان نواز، غریب پرور بزرگ تھے، رفقاء کے ساتھ آپ نے حجاز کا سفر کیا اور ۲۸ ربیع الاول ۱۱۸۷ھ کو مکہ مکرمہ پہونچے اور حج سے مشرف ہوکر مدینہ منورہ حاضر ہوئے اور وہاں چھ ماہ مقیم رہے اور "مصابیح" کی شیخ ابوالحسن سندھی صغیر سے سماعت کی، ایک بار آپ مرقد نبویؐ (صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، آپؐ کو دیکھا کہ حجرۂ مبارکہ سے باہر جلوہ افروز ہیں، پہلے آپؐ کے دوش مبارک ظاہر ہوئے، پھر جسد مطہر ظاہر ہوا اور آنحضرتؐ سامنے تشریف فرما ہوکر متبسم ہوئے، آپ کے مرید ومجاز شیخ امین بن حمید علوی کاکوروی اپنے رسالہ میں لکھتے ہیں کہ :۔

"شیخ ابوسعیدؒ فرماتے تھے کہ میں نے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مدینہ منورہ میں بچشم سر دیکھا ہے"۔

پھر آپ مکہ مکرمہ واپس ہوئے اور "جزریہ" شیخ محمد میرداد انصاری سے پڑھی، پھر طائف ہوتے ہوئے، ہندوستان آئے اور "مدراس" میں داخل ہوئے، اور وہاں ایک مدت تک قیام کیا اور مقبولیت حاصل کی، اور آپ سے بہت سے لوگ مستفید ہوئے، ان میں الحاج امین الدین بن حمید الدین کاکوروی، مولانا عبدالقادر خاں خالص پوری، میر عبدالسلام بدخشی، شیخ میرداد انصاری مکی، مولانا جمال الدین بن محمد صدیق قطب، مولانا عبداللہ آفندی، اور شیخ عبداللطیف حسینی مصری، اور بہت سے دوسرے

لوگ تھے، ۹ رمضان ۱۱۹۳ھ کو رائے بریلی میں وفات پائی اور وہیں سپردِ خاک ہوئے[1]۔

ایک نامور معاصر و مصلح شیخ محمد بن عبدالوہّاب

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ایک نامور معاصر اور عظیم مصلح نجد کے ایک ممتاز عالم اور صاحبِ عزیمت داعی و مصلح شیخ محمد بن عبدالوہاب بن سلیمان التمیمی، الحنبلی، (۱۱۱۵-۱۲۰۶ھ) (۱۷۰۳-۱۷۹۲ء) ہیں، وہ سنہ ولادت کے لحاظ سے شاہ صاحبؒ کے متقارب السن[2]،

---

[1] واضح رہے کہ آپ حضرت سید احمد شہیدؒ کے حقیقی نانا تھے، خاندان ولی اللّٰہی سے آپ کے تعلّقات کی نوعیت، اور آپ کی خصوصیت و عظمت کا اندازہ ان خطوط سے ہوتا ہے، جو شاہ اہل اللہ (برادر حضرت شاہ ولی اللہ) مولانا نور اللہ، حضرت شاہ محمد عاشقؒ، اور حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے آپ کے نام بھیجے ہیں، اور جن میں خاندانی حوادث اور پیش آنے والے واقعات کی اطلاع، نیز آپ کے بلند مقام اور کمالات کا اعتراف ہے، یہ مجموعہ مولوی سید ابوالقاسم صاحب ہنسوی کا مرتب کیا ہوا "مکتوب المعارف" کے نام سے خاندانی ذخیرۂ کتب میں محفوظ ہے، آپ ہی کے حقیقی چچا زاد بھائی مولانا سید محمد واضح حسنی کو بھی حضرت شاہ ولی اللہؒ کی طرف سے اجازتِ عامّہ تھی اور شاہ صاحبؒ ان کا بلند الفاظ میں ذکر فرماتے ہیں۔

(ملاحظہ ہو مکتوب مشمولہ مکتوبات قلمی عثمانیہ یونیورسٹی لائبریری حیدرآباد نمبر ۱۵۰)

[2] شاہ صاحبؒ کی ولادت ۱۱۱۴ھ کی ہے، اس طرح آپ شیخ سے ایک سال بڑے تھے۔

اور سنہ وفات کے لحاظ سے ان سے تیس۳۰ سال متاخر ہیں، معاصر ہونے اور متعدد مابہ الاشتراک باتوں کے باوجود، ملاقات تو بجائے خود ایک کی دوسرے سے واقفیت کا بھی ابھی تک کوئی سراغ نہیں ملا، حضرت شاہ صاحبؒ ۱۱۴۳ھ میں حج کے لئے گئے اور ایک سال سے کچھ زیادہ حجاز میں قیام فرمایا، یہ وہ زمانہ ہے کہ شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت و تحریک نجد کے علاقہ عُیینہ و درعیہ وغیرہ میں محدود تھی، امیر محمد بن سعود نے اس وقت تک نہ شیخ سے بیعت کی تھی اور نہ ان دونوں کے درمیان (دعوت کی نشر و اشاعت اور اس کی بنیاد پر حکومت کے قیام اور اس کی تائید کا) کوئی معاہدہ اور سمجھوتہ ہوا تھا، یہ معاہدہ ۱۱۵۸ھ میں ہوا اور اس کے نتیجہ میں درعیہ دعوت کا مرکز اور ایک دینی دارالحکومت بنا، شیخ کی دعوت کا حجاز میں اس وقت تعارف اور اثر و نفوذ پیدا ہوا جب ۱۲۱۸ھ میں (شیخ کی وفات کے بارہ۱۲ سال اور شاہ صاحبؒ کی وفات کے بیالیس۴۲ برس بعد) مکہ معظمہ پر آل سعود کا قبضہ ہوا۔

شیخ محمد بن عبدالوہاب کی دعوت و جدّ و جہد کا اصل دائرہ توحیدِ خالص کی دعوت و تبلیغ، ردّ شرک، و استیصال رسوم جاہلیت (جس کے بعض مظاہر و شعائر کا بُعدِ زمانہ، جہالت، اور علماء کی غفلت سے جزیرۃ العرب کے مشرقی حصہ کے بعض علاقوں اور قبائل میں ظہور ہو گیا تھا[1]) توحید الوہیت و توحید ربوبیت کا فرق اور خدا کی طرف سے جس توحید کا اپنے بندوں سے مطالبہ اور قرآن مجید میں

---

[1] تفصیل کے لئے ملاحظہ ہو مولانا مسعود عالم ندوی کی کتاب "محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح" (مطبوعہ مکتبۂ نشأت ثانیہ حیدرآباد) نیز عربی کی وہ کتابیں جو شیخ کے حالات میں لکھی گئیں اور ان کی فہرست طویل ہے۔

اس کی صریح دعوت ہے' اس کی وضاحت و تنقیح تھی[1]، اس بارے میں شیخ کو جو کامیابی ہوئی اس کی مثال پچھلے دور کے مصلحین میں ملنی مشکل ہے' اگرچہ بقول ڈاکٹر احمد امین' اس میں اس کو بہت دخل تھا کہ اس کی بنیاد پر ایک حکومت' (حکومت سعودیہ) قائم ہوئی' اور اس نے اس دعوت کو اپنا لیا، اور اس کی سرپرستی کی[2]، لیکن بہرحال یہ حقیقت ہے کہ شیخ نے اس سلسلہ میں ایک انقلابی مصلح کا کردار ادا کیا، اور خواہ کسی صاحبِ علم کو ان کے افکار' دعوت پیش کرنے کے طریقہ و لہجہ اور طرزِ عمل سے سو فیصدی اتفاق نہ ہو' اس دعوت کی افادیت' اثر انگیزی اور ان خاص حالات میں اس کی ضرورت سے انکار نہیں ہو سکتا۔

عقیدۂ توحید کی توضیح و تنقیح، قرآن مجید سے اس کے ثبوت' اور توحید الوہیت و توحید ربوبیت کے درمیان فرق کا جہاں تک تعلق ہے' اس میں حضرت شاہ صاحبؒ اور شیخ محمد بن عبدالوہابؒ کے خیالات و تحقیقات میں بڑی مماثلت نظر آتی ہے' جو قرآن مجید کے عمیق اور براہ راست مطالعہ و تدبّر اور کتاب و سنّت سے گہری واقفیت کا نتیجہ ہے' اور جس نے اپنے زمانہ میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور اپنے اپنے زمانہ میں دوسرے محققین و مصلحین کو مماثل نتائج پر پہونچایا اور ان کو واضح اور دوٹوک دعوت توحید کی اشاعت و تبلیغ پر آمادہ کیا۔

لیکن شاہ صاحبؒ کا دائرۂ عمل اور ان کے اصلاحی و تجدیدی کام کا میدان اس سے کہیں زیادہ وسیع ہے' اس میں علوم اسلامیہ کا احیاء، فکر اسلامی کی تجدید'

---

[1] ملاحظہ ہو شیخ کا شہرۂ آفاق رسالہ "التوحید الذی ھو حق اللہ علی العبید"

[2] ملاحظہ ہو "زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث" ترجمہ شیخ محمد بن عبدالوہاب۔

اسرار و مقاصد شریعت کی نقاب کشائی، شریعت اور تعلیمات اسلامی کو مربوط و مکمل شکل میں پیش کرنے کا علمی کارنامہ، علمی جمود اور مذاہب فقہیہ کے تعصّب کی اصلاح، تطبیق بین العقل والنقل اور توفیق بین المذاہب الفقہیہ کا مجتہدانہ کام، ہندوستان میں اسلامی اقتدار کی حفاظت کی سعی، حدیث کا عمیق مطالعہ اور اس کی نشر و اشاعت کی مجدّدانہ کوشش، تزکیۂ نفس اور حصولِ درجۂ احسان کی دعوت اور اس کی تعلیم اور مردان کار کی تربیت شامل ہے، اسی کے ساتھ شاہ صاحبؒ کے یہاں (اقبالؔ کے الفاظ میں) "حجازی ریگ زار" (توحید خالص کی مضبوط زمین) میں زمزم کا چشمۂ شیریں (محبّت و لینت کی جوئے شیر) بھی ہے، جو شاہ صاحبؒ کے خاص ماحول و تربیت اور تصوف و سلوک کا نتیجہ ہے، اور جس کا نمونہ ان کے نعتیہ قصائد اور شوقیہ اشعار میں دیکھا جا سکتا ہے، اس لحاظ سے ان کا اور شیخ محمد بن عبدالوہاب کا (جن کی سعی بہر حال مشکور ہے) تقابلی مطالعہ کرنے اور ان دونوں میں مماثلت و اتفاق کے نقاط تلاش کرنے کے بجائے شاہ صاحبؒ کا اور شیخ الاسلام حافظ ابن تیمیہؒ کا تقابلی مطالعہ اور اتفاق و اختلاف کے نقاط تلاش کرنا زیادہ مناسب ہوگا کہ دونوں اپنے علمی تبحّر، علوم کتاب و سنت میں درجۂ امامت و اجتہاد تک پہونچنے، عمق و وسعتِ نظر، کار اصلاح و تجدید کے تنوّع اور شخصیت کی عظمت و عبقریت میں زیادہ مماثل نظر آتے ہیں، (اور کتاب میں اس کی طرف جا بجا اشارات گزر چکے ہیں) اس اختلاف کے ساتھ جو ماحول تعلیم و تربیت، زمان و مکان کے اختلاف اور سلوک و تربیتِ باطنی کا نتیجہ ہے۔

باب دوازدہم ۱۲

حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ کی تصنیفات

کتب ورسائل

یہاں حضرت شاہ صاحبؒ کی چھوٹی بڑی عربی فارسی تصنیفات کی حروف تہجّی کے اعتبار سے فہرست دی جارہی ہے، اہم کتابوں کا مختصر تعارف بھی کرایا گیا ہے، قلمی ومطبوعہ اور زبان کی نشان دہی کی بھی کوشش کی گئی ہے۔

(۱)

۱۔ الأربعین (عربی) چالیس۴۰ احادیث کا مجموعہ جوان مختصر اور جامع احادیث پر مشتمل ہے جو "جوامع الکلم" کا مصداق ہیں، مطبع انوار محمدی لکھنؤ سے ۱۳۱۹ھ میں شائع ہوا، ۱۲۵۴ھ میں اس کا اردو ترجمہ حضرت سید احمد شہیدؒ کے ایک خلیفہ سید عبداللہ مرحوم نے مطبع احمدی کلکتہ سے شائع کیا، اس کے بعد متعدد ترجمے شائع ہوئے، مولانا عبدالماجد دریاآبادی نے ۱۳۸۷ھ (۱۹۶۷ء) میں اس کا ترجمہ اور مختصر تشریح کی، جو ہندوستان وپاکستان سے "چہل حدیث ولی اللّٰہی" اور "اربعین ولی اللّٰہی" کے نام سے شائع ہوئی۔

۲۔ الإرشاد إلی مُہمّات علم الاسناد (عربی) اس میں اپنے اساتذہ وشیوخ حجاز کا

ذکر ہے، رسالہ مطبوعہ ہے۔

۳۔ ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء (فارسی) موضوع، حجم، طباعت اور اہم مضامین کی تلخیص، کتاب کے تعارف میں گزر چکی ہے۔

۴۔ أطیب النغم فی مدح سیّد العرب والعجم (عربی) یہ شاہ صاحبؒ کے نعتیہ قصائد کا مجموعہ ہے، جن سے شاہ صاحبؒ کی قادر الکلامی اور عشق نبویؐ کا اندازہ ہوتا ہے، مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۰۸ھ میں شائع ہوا۔

۵۔ أُلطاف القدس (فارسی) کتاب لطائف باطنی کی تشریح اور تصوف کے بنیادی مسائل کی توضیح میں ہے، سید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں مطبع احمدی سے شائع ہوئی۔

۶۔ الإمداد فی مآثر الأجداد (فارسی) مختصر رسالہ ہے، اس میں شاہ صاحبؒ نے اپنے چند اجداد کا حال لکھا ہے، اس میں اپنا سلسلۂ نسب بھی درج کیا ہے، "انفاس العارفین" میں یہ رسالہ بھی شامل ہے، نیز مطبع احمدی دہلی کے طبع کردہ مجموعہ خمسہ رسائل شاہ ولی اللہ دہلویؒ میں بھی شامل ہے۔

۷۔ الانتباہ فی سلاسل أولیاء اللہ[1] (فارسی) تصوف کے مختلف سلاسل کی تاریخ اور ان کی تعلیمات کا مختصر تذکرہ، ۱۳۱۱ھ میں سید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں اردو ترجمہ کے ساتھ مطبع احمدی سے شائع ہوا۔

---

[1] الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ میں صفحہ ۱ پر کشف قبور کے عنوان کے ماتحت جو طریقہ لکھا گیا ہے وہ ان تمام احتیاطوں اور محققانہ و محدثانہ ذوق سے مطابقت نہیں رکھتا، جو شاہ صاحبؒ کی اہم تصنیفات بالخصوص حجۃ اللہ البالغہ، تفہیمات الٰہیہ اور الفوز الکبیر میں نمایاں ہے، اور اگرچہ اس کی تاویل کی جا سکتی ہے (ملاحظہ ہو "حفظ الایمان" از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ ص۸) لیکن ان موہم الفاظ میں بھی اس مضمون کا آنا جو مشائخ طریقت کے تجربات اور بعض کے عمل کے مطابق ہے عملی لغزش اور غلط فہمی کا باعث ہو سکتا ہے، امام مالکؒ کے درجے اللہ تعالیٰ بلند فرمائے کہ انھوں نے مسجد نبویؐ کے درس میں قبر انور کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "کلٌّ یُؤخذ من قولہ ویُردّ، إلّا صاحب ھٰذا القبر" (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)

۸۔ انسان العین فی مشائخ الحرمین (فارسی) اس رسالہ کا تعارف شاہ صاحبؒ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے "انفاس العارفین" کا جزء ہے، مطبع احمدی سے مجموعۂ خمسہ رسائل شاہ ولی اللہؒ کے ضمن میں بھی شائع ہوا ہے۔

۹۔ الانصاف فی بیان أسباب الاختلاف (عربی) رسالہ کے تعارف کے سلسلہ میں اس کی اہمیت، طباعت اور مختلف ایڈیشنوں کی تفصیل گزر چکی ہے۔

۱۰۔ انفاس العارفین (فارسی) کتاب کا تعارف شاہ صاحبؒ کے تذکرہ میں گزر چکا ہے، ۱۳۳۵ھ (۱۹۱۷ء) میں مطبع مجتبائی دہلی سے شائع ہوئی، یہ کتاب دراصل حسب ذیل سات رسالوں کے مجموعہ کا نام ہے۔

(۱) بوارق الولایۃ (۲) شوارق المعرفۃ (۳) الامداد فی مآثر الاجداد
(۴) النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ (۵) العطیۃ الصمدیۃ فی انفاس المحمدیۃ
(۶) انسان العین فی مشائخ الحرمین (۷) الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف

اس میں سے اکثر رسائل علیحدہ بھی طبع ہوئے ہیں۔

(ب)

۱۱۔ البدور البازغۃ۔ (عربی) کتاب فلسفۂ دینی کے بیان پر مشتمل ہے، لیکن اس میں فلسفہ کی اصطلاحات فطرت و ترکیب انسانی، طبقات و افراد کے خصائص پر فلسفیانہ اور اشراقی رنگ میں روشنی ڈالی گئی ہے، اور طبعیات و علم الاخلاق کے مباحث ملے جلے ہیں، ارتفاقات کو بھی تفصیل سے بیان کیا گیا ہے، اور صالح تمدن اور اس بارے میں شریعت کی رہنمائی پر بھی روشنی ڈالی گئی ہے، جماعت انسانی کی صحیح تنظیم اور خلافت و امارت کے احکام و آداب بھی بیان کئے گئے ہیں، پھر معرفت الٰہی،

اور اسماء وصفات سے بھی پردہ اٹھایا گیا ہے، مراتب احسان اور ان کے حجابات کا بھی ذکر کیا گیا ہے، مرض شرک اور اس کے اصناف اور طبقات کا بھی ذکر ہے، فتن اور قیامت کا اثبات بھی ہے، عالم برزخ وحشر کے منازل، فضائل اعمال ومناقب کا تذکرہ، نبوت کا اثبات، اقسام انبیاء ومراتب وحی کی بھی تفصیل ہے، ملّت کی حقیقت، اس کے ظہور کے انواع، جاہلیت اولیٰ کا تذکرہ اور ملل سابقہ کا بھی تعارف کرایا گیا ہے، پھر اس ملّت کی شریعت، اس کے ارکان دین، علم تشریع اور مقاصد شرع کا بیان تفصیل سے ہے، اور ارکان اربعہ کے اسرار وحکم پر خاص طور سے روشنی ڈالی گئی ہے۔

اس کتاب میں "حجۃ اللہ البالغہ" کے مقابلہ میں مضامین کی کثرت اور ان کا تنوّع زیادہ ہے، اور اس میں بعض ایسے مباحث الٰہیہ اور مسائل کلامیہ بھی آگئے ہیں، جن کو جمہور متکلمین اور حکمائے امت نے بیان نہیں کیا تھا، لیکن حجۃ اللہ البالغہ اپنے عمق، علم ونظر کی پختگی، ذہنی وعلمی ارتقاء اور علوم وحقائق کو شریعت وسنت کی زبان اور زیادہ طاقتور عربی اسلوب میں بیان کرنے میں فائق ہے، مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۴ھ میں مدینہ پریس بجنور سے شائع کیا۔

۱۲۔ بوارق الولایۃ (فارسی) یہ رسالہ انفاس العارفین کا جزء ہے، اس میں اپنے والد شاہ عبدالرحیم صاحبؒ کے اقوال واحوال وواقعات وتصرّفات ذکر کئے ہیں۔

(ت)

۱۳۔ تاویل الاحادیث (عربی) اس میں انبیاء علیہم السلام کے ان قصص کے جو قرآن مجید میں بیان کئے گئے ہیں، لطائف ونکات اور ان سے استخراج کئے ہوئے بہت سے اصول شرعیہ کا بیان ہے، اختصار کے باوجود کتاب میں بعض بڑے قیمتی اشارات اور قرآن مجید کے عمیق فہم کے نمونے ہیں، شاہ ولی اللہؒ اکیڈمی حیدرآباد (پاکستان) کی جانب سے شائع ہوئی۔

۱۴۔ تحفۃ الموحدین۔ یہ عقیدۂ توحید کی تشریح پر شاہ صاحب کا فارسی میں ایک مختصر رسالہ ہے، جس کا متن افضل المطابع دہلی سے شائع ہوا تھا، مولانا حافظ محمد رحیم بخش دہلوی مصنف "حیات ولی" نے اس کا اردو میں ترجمہ کیا، ۱۳۸۱ھ ۱۹۶۲ء میں مکتبۂ سلفیہ شیش محل روڈ لاہور کی طرف سے یہ ترجمہ شائع ہوا ہے، شاہ صاحب کی تصنیفات میں عام طور پر اس رسالہ کا ذکر نہیں آتا، رسالہ کا بنیادی مضمون اگرچہ شاہ صاحب کی دوسری تحریرات کے مطابق ہے، لیکن بعض مضامین کی بنا پر بعض اہل نظر کو اس کی شاہ صاحب کی طرف نسبت میں تردد ہے، واللہ اعلم بالصواب۔

۱۵۔ تراجم ابواب البخاری (عربی) اس میں اصولی طور پر ایسے قواعد بیان کئے گئے ہیں، جن سے تراجم بخاری کے حل میں مدد ملے، مجموعہ رسائل اربعہ نیز مسلسلات مطبوعہ مطبع نور الانوار آرہ کے آخر میں طبع ہوا ہے۔

۱۶۔ التفہیمات الإلٰہیۃ (عربی و فارسی) اس میں شاہ صاحبؒ کے وارداتِ قلبی اور وجدانی مضامین ہیں، جو زیادہ تر عربی اور کمتر فارسی میں ہیں، اس کی حیثیت ایک ایسی بیاض کی سی ہے، جس میں آدمی اپنے تأثرات و مشاہدات قلم بند کر لیتا ہے، اور وہ خاص حلقۂ احباب و تلامذہ کے مطالعہ میں آنے کے لئے موزوں ہوتی ہے، بعض اوقات صاحبِ بیاض ان کی عام اشاعت کو پسند نہیں کرتا، اس کو مجلس علمی ڈابھیل نے ۱۳۵۵ھ (۱۹۳۶ء) میں مدینہ پریس بجنور سے شائع کیا، اس کتاب میں شاہ صاحبؒ نے مسلمانوں کے مختلف طبقات کو الگ الگ خطاب کیا ہے، جو کتاب کا مؤثر ترین اور مفید ترین حصہ ہے، کتاب دو جلدوں میں ہے۔

(ج)

۱۷۔ الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف (فارسی) ذاتی حالات کا مختصر بیان

اور یادداشت، تذکرہ کے سلسلہ میں تعارف گزر چکا ہے "انفاس العارفین" کا جزء ہے اور علیٰحدہ بھی طبع ہوا ہے

(ح)

۱۸۔ حجۃ اللہ البالغۃ (عربی) کتاب کا تعارف، اس کے اہم مضامین کا بیان اور اس کے طبعات کا تذکرہ باب ہفتم میں گزر چکا ہے۔

۱۹۔ حسن ۱۱ ۃ (عربی) اسلام کے بنیادی عقائد کو اہل سنت کے مسلک اور قرآن وحدیث کی روشنی میں جامع طریقہ پر بیان کیا گیا ہے، رسالہ کا تعارف اور اس کی طباعت واشاعت کا تذکرہ باب پنجم میں گزر چکا ہے، رسالہ "العقیدۃ الحسنۃ" کے نام سے بھی معروف ہے، مولانا محمد اویس صاحب نگرامی ندوی مرحوم نے اس کی شرح "العقیدۃ السنیہ" کے نام سے کی، جو مکتبۂ ندوۃ العلماء سے شائع ہوئی اور دار العلوم ندوۃ العلماء میں نصاب میں شامل ہے۔

(خ)

۲۰۔ الخیر الکثیر (عربی) یہ حقیقتاً فلسفۂ دینی کی کتاب ہے، اس میں معرفت ذات، اسماء الٰہی کی حقیقت، حقیقت وحی، کلام الٰہی وغیرہ کی تشریح کی گئی ہے، وحدۃ الوجود پر بھی فلسفیانہ انداز میں گفتگو کی گئی ہے، عرش، زمان ومکان، افلاک وعناصر، معدن، نبات، وحیوان، اعیان ثابتہ، عالم مثال وغیرہ سے بحث کی گئی ہے، کتاب کا باب الخزانۃ الخامسۃ اہم ہے، جس میں نبی کی بعثت، نبوت کے پانچ مزاج، اور انبیاء کے اصناف وغیرہ کا بیان ہے۔

کتاب فلسفہ، طبعیات، تصوف، حکمۃ الاشراق سب کا مجموعہ ہے۔

خزانہ ثالثہ میں بعثت سے پہلے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کمالات سے بحث ہے۔

خزانہ ثامنہ میں شریعت کے نشو ونما اور اس کے ارتقاء سے بحث ہے۔

خزانہ تاسعہ میں معاد کے احوال و مراتب سے بحث ہے۔

خزانہ عاشرہ میں متفرق فوائد ہیں۔ مجلس علمی ڈابھیل سے ۱۳۵۲ھ میں شائع ہوئی۔

(د)

۲۱۔ الدُّرُّ الثمین فی مبشّرات النبیّ الأمین (عربی) آنحضرت صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بشارات کا ایک مجموعہ جو شاہ صاحبؒ کی ذات یا بزرگوں سے متعلق ہیں، رسالہ مسلسلات اور النوادر کے ساتھ ۱۳۹۱ھ (۱۹۷۱ء) میں طبع ہوا ہے، کتب خانہ یحیوی سہارنپور سے بھی شائع ہوا۔

۲۲۔ دیوان اشعار (عربی) جسے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے جمع کیا، اور شاہ رفیع الدین صاحبؒ نے مرتب کیا، مخطوطہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ۔

(س)

۲۳۔ رسالہ۔ حضرت خواجہ خورد شیخ عبداللہ بن عبدالباقی کے جواب میں اپنے کشف کے مطابق۔

۲۴۔ رسالہ دانشمندی (فارسی) اصولِ تعلیم و اساتذہ کے لئے قیمتی ہدایات پر مشتمل ایک پُر مغز اور مفید رسالہ ہے، اردو ترجمہ "الرحیم" حیدرآباد سندھ سے ستمبر ۱۹۶۴ء میں پروفیسر محمد سرور نے شائع کیا، نیز عربی ترجمہ "البعث الاسلامی" شمارہ ۴ جلد ۲۷ محرم ۱۴۰۳ھ میں محمد اکرم ندوی کے قلم سے "اصول الدراسۃ والتعلیم" کے عنوان سے شایع ہوا۔

(ز)

۲۵۔ زہراوین ۔ سورۂ بقرہ و سورۂ آل عمران کی تفسیر۔

(س)

۲۶۔ سطعات (فارسی) دربیان طلسم الٰہی کہ رابطہ است دربیان مجرد محض وعالم شہادت وبعض حواس وآثار آں۔

کتاب کو فلسفۂ الٰہیہ میں سمجھنا چاہیئے جس میں فلسفیانہ اور متصوفانہ اصطلاح اور فلسفۂ وحدۃ الوجود کی تعبیرات استعمال کی گئی ہیں، اور جس میں حقیقتاً "ربط الحادث بالقدیم" کے معمہ کو حل کرنے کی کوشش کی گئی ہے، کتاب ان اخصّ الخواص کے مطالعہ کے قابل ہے، جو فلسفۂ قدیم کے پورے رمز شناس اور وحدۃ الوجود کی تائیدی وتردیدی بحثوں کے کوچہ سے آشنا ہوں، عام اشاعت اور دعوت کی چیز نہیں ہے، کتاب میں طبّی اصطلاحات، اور حکمت طبعیہ کے مضامین کی بھی شمولیت ہے، کتاب میں ان اصولوں کے ماتحت بعض آیات کی لطیف تفسیر بھی ہے، کہیں کہیں اپنی تحقیق سے فلاسفہ اور متکلمین دونوں سے اختلاف ظاہر کیا ہے، تعلیم الٰہی کے اقسام کو بھی تفصیل سے ذکر کیا ہے، اور اس کے اشکال اور صورتوں کو بیان کیا ہے "شخص اکبر" کی اصطلاح جابجا استعمال کی ہے، ہدایت الٰہی و بعثت انبیاء سے بحث کی ہے، اور یہ کہ وہ کن کن مظاہر میں ظاہر ہوتی ہے، تجلّیات الٰہیہ، ان کے اقسام و مظاہر سے بھی بحث کی ہے کُل رسالہ چوبیس ۲۴ صفحے میں آیا ہے، مطبع احمدی سے سید ظہیر الدین صاحب کے اہتمام میں شائع ہوا، ۱۹۳۹ء میں مولوی فضل احمد صاحب نے بیت الحکمہ کراچی سے اور ۱۹۶۴ء میں مولانا غلام مصطفےٰ قاسمی نے شاہ ولی اللہ رح اکیڈمی سے بھی شائع کیا۔

۲۷۔ سرور المحزون (فارسی) ابن سیّد الناس کی سیرت پر مشہور کتاب "نور العیون فی سیر الامین المامون" کا خلاصہ ہے، اپنے نامور معاصر اور سلسلۂ مجدّدیہ کے شیخ کبیر حضرت مرزا مظہر جانجاناں کی فرمائش سے تصنیف کیا، اردو میں اس کے متعدد ترجمے شائع ہوئے۔

(ش)

۲۸۔ شرح تراجم ابواب صحیح البخاری (عربی) صحیح بخاری کے تراجم اور عنوانات واحادیث کے مطابق لطائف واسرار پر ۱۳۲۳ھ میں دائرۃ المعارف حیدرآباد سے شائع ہوا، اس کے شروع میں تراجم ابواب البخاری بھی ہے۔

۲۹۔ شفاء القلوب (فارسی) حقائق ومعارف میں ایک رسالہ ہے۔

۳۰۔ شوارق المعرفۃ (فارسی) شاہ صاحبؒ کے چچا شیخ ابوالرضا کے حالات پر مشتمل ہے، انفاس العارفین کا جزء ہے۔

(ع)

۳۱۔ العطیۃ الصمدیۃ فی انفاس المحمدیۃ (فارسی) یہ مختصر رسالہ شیخ محمد بھلیتیؒ کے حالات میں ہے، جو شاہ صاحبؒ کے جدّ مادری تھے، "انفاس العارفین" کا جزء ہے، مجموعہ خمسہ رسائل میں بھی شامل ہے۔

۳۲۔ عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید (عربی) باب ششم میں رسالہ کا تعارف گزر چکا ہے۔

العقیدۃ الحسنۃ دیکھئے حسن العقیدۃ۔

(ف)

۳۳۔ فتح الرحمٰن (فارسی) قرآن مجید کا فارسی ترجمہ، باب پنجم میں اس کا تعارف وتذکرہ گزر چکا ہے، مطبع فاروقی دہلی سے ۱۲۹۴ھ میں شاہ ولی اللہ صاحبؒ کے فارسی فوائد اور شاہ عبدالقادر صاحبؒ کے ترجمہ اردو اور فوائد موضح القرآن کے ساتھ شائع ہوا، جو کلکتہ کے مطبوعہ نسخہ کی نقل ہے۔

۳۴۔ فتح الخبیر (عربی) قرآن مجید کے مشکل الفاظ کی تشریح، یہ رسالہ "الفوز الکبیر" کے تتمہ کے طور پر شامل ہے۔

۳۵۔ فتح الودود لمعرفۃ الجنود (عربی) مطبوعہ مصنف کی نظر سے نہیں گذرا، مولانا رحیم بخش نے "حیاتِ ولی" میں اس کو اخلاق وتصوف سے متعلق لکھا ہے، لیکن نام سے اس کی وضاحت نہیں ہوتی۔

۳۶۔ الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الأمین (عربی) مطبوعہ، یہ رسالہ مسلسلات کے نام سے معروف ہے، فن حدیث سے متعلق ہے۔

۳۷۔ الفوز الکبیر (فارسی) رسالہ کا تذکرہ وتعارف باب پنجم میں گزر چکا ہے۔

۳۸۔ فیوض الحرمین (عربی) کتاب زیادہ تر قیام حجاز کے زمانہ کے مشاہدات، حقائق باطنی، مسائل کلامی اور مسائل تصوف سے تعلق رکھتی ہے، یہ کتاب بھی خواص کے مطالعہ کی ہے، ان لوگوں کے دسترس سے بالاتر ہے جو فلسفہ اور تصوّف میں پورا درک نہیں رکھتے۔

(ق)

۳۹۔ قُرَّۃ العینین فی تفضیل الشیخین (فارسی) حضرات شیخین کی فضیلت کے اثبات میں متعدد مرتبہ طبع ہو چکا ہے۔

۴۰۔ القول الجمیل فی بیان سواء السبیل (عربی) عربی کا رسالہ ہے، جس میں بیعت کا ثبوت، بیعت کی سنّیت، بعض ابتدائی زمانوں میں اس کے عدم رواج اور پابندی نہ ہونے کے اسباب، حکمت بیعت، شرائط مرشد، شرائط مرید، صوفیا کی بیعت کے اقسام، تکرار بیعت کے حکم سے بحث کی گئی ہے، طریقۂ تربیت اور تعلیم مرید کو بیان کیا گیا ہے، عالمِ حقّانی کے صفات اور تذکیر و وعظ گوئی کے آداب کا ذکر ہے، پھر سلسلۂ قادریہ چشتیہ، نقشبندیہ کے اشغال و مراقبات اور طریقۂ مجدّدیہ کے اشغال کا تکملہ بھی ہے، اور اصطلاحات کی تشریح بھی، شاہ صاحب نے اپنے خاندانی اعمال و مجرّبات کو بھی درج کر دیا ہے، جو مختلف حالات اور ضرورتوں میں معمول بہا اور آزمودہ ہیں، مختصراً کتاب ان طالبین کے دستور العمل اور ہدایت نامہ کی حیثیت رکھتی ہے، جو ان سلاسلِ ثلاثہ میں کسی سے منسلک ہوں، اور ان کو سنت حقّہ کا اہتمام اور دعوت و اصلاح کا بھی ذوق ہو۔

کتاب کا مطالعہ کرنے والے کو اس کتاب میں کہیں کہیں وہ محدّثانہ و مجتہدانہ رنگ نظر نہیں آئے گا، جو شاہ صاحب کی اہم و مشہور کتابوں کی خصوصیت ہے، بلکہ اس کے بعض مندرجات توحید کے بارہ میں شاہ صاحب کے معروف عالمانہ اور مصلحانہ مسلک سے میل نہیں کھاتے، مثلاً اصحابِ کہف کے ناموں کے بارہ میں لکھا ہے، "أسماء أصحاب الكهف امان من الغرق والحرق والنهب والشرق"[1] پھر ان کے نام لکھے ہیں، حالانکہ یہ نام بھی کسی صحیح حدیث یا قطعی الثبوت ذریعہ سے ثابت نہیں ہیں۔

---

[1] نسخہ مطبوعہ مصر، مطبع الجمالیہ مصر ۱۲۹۰ھ ص ۳۹

اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ یہ کتاب سفر حرمین (۱۱۴۳ھ - ۱۱۴۵ھ) کے پیشتر کی تصنیف ہے اس کی ایک بڑی دلیل یہ ہے کہ کتاب میں جہاں اپنے مشائخِ تصوّف، ان کی اجازت اور خرقوں کا ذکر کیا ہے، وہاں اپنے محبوب و مربّی استاذ شیخ ابوطاہر مدنی کا ذکر نہیں ہے، حالانکہ "الجزء اللّطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف" میں اس کی صراحت موجود ہے، شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں :-

"ولبست الخرقۃ الصوفیۃ عن الشیخ ابی طاھر المدنی رحمہ اللہ ولعلھا حاویۃ لخرق الصوفیۃ کلھا"[1]

حدیث کی اسانید اور ان کے شیوخ میں بھی والد ماجد (حضرت شاہ عبدالرحیم) اور حاجی محمد افضل کا ذکر کیا ہے، شیخ ابوطاہر اور شیوخ حجاز میں سے کسی کا ذکر نہیں ہے حالانکہ اس موقعہ پر یہ ضروری اور ہر طرح قرین قیاس تھا۔[2]

---

[1] الجزء اللطیف ص۵ مطبوعہ سلفیہ لاہور۔

[2] ڈاکٹر مظہر بقا نے اپنی کتاب "اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ" (مطبوعہ ادارۂ تحقیقات اسلامی اسلام آباد پاکستان) میں لکھا ہے: "یہ کتاب سفر حرمین کے بعد کی ہے"! (ص۶۸)

لیکن یہ ایک مفروضہ سے زیادہ کی حیثیت نہیں رکھتا کہ "یہ کتاب سفر حرمین کے بعد کی ہے" قرائن اور داخلی شہادتیں جیسا کہ اوپر گذرا اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ یہ کتاب شاہ عبدالرحیم صاحب کی وفات ۱۱۳۱ھ اور سفرِ حج ۱۱۴۳ھ کے درمیان کی ہے، جب شاہ صاحب کے منتسبین اور طالبینِ سلوک کا ان کے فرزندِ جلیل (حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ) کی طرف رجوع ہوا۔

"القول الجمیل" کے کتب خانہ ندوۃ العلماء میں دو قدیم مخطوطہ نسخے ہیں، ایک نسخہ مولانا سید قطب الہدیٰ حسنی (م ۱۳۳۶ھ) کے قلم کا ہے، جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے ممتاز تلامذہ میں ہیں، اور وہ مستند اور قدیم العہد نسخہ ہے جو مولانا حکیم سید عبدالحی حسنیؒ کے کتب خانہ کا ہے، جو کتب خانہ ندوۃ العلماء میں محفوظ ہے، دوسرا نسخہ نواب سید صدیق حسن خاںؒ کے کتب خانہ کا ہے۔

پھر بھی اس کتاب میں شاہ صاحب کا اصلاحی رنگ نمایاں ہو کر رہا ہے، صوفیہ کی عبادت کے بعض طریقوں مثلاً صلوۃ معکوس کا اس بنا پر ذکر نہیں کیا ہے کہ اس کا سنّت اور اقوالِ فقہا سے ثبوت نہیں ہے، اسی طرح مصحف کو آگے پیچھے، دائیں بائیں رکھ کر ضرب لگانے سے اختلاف کیا ہے، اور اس کو بے ادبی پر محمول کیا ہے، بعض احادیث پر جو ان سلاسل میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سلوک کی تلقین کے سلسلہ میں وارد ہوئی ہیں، محدثانہ کلام کیا ہے، شاہ صاحب کا مسلک اور اصلی ذوق اس عبارت سے ظاہر ہوتا ہے :-

"یہ وصیت ہے کہ صحبت نہ اختیار کرے صوفیان جاہل کی، اور نہ جاہلان عبادت شعار کی، اور نہ فقیہوں کی جو زاہدِ خشک ہیں، اور نہ محدثین ظاہری کی جو فقہ سے عداوت رکھتے ہیں، اور نہ اصحابِ معقول اور کلام کی جو منقول کو ذلیل سمجھ کر استدلال عقلی میں افراط کرتے ہیں، بلکہ طالبِ حق کو چاہئے کہ عالم صوفی ہو، دنیا کا تارک، ہر دم اللہ کے دھیان میں، حالات بلند میں ڈوبا ہوا، سنت مصطفوی میں راغب، حدیث اور آثار صحابہ رضی اللہ عنہم کرام کا متجسس، حدیث و آثار کی شرح اور بیان کا طلب کرنے والا، ان فقیہان محققین کے کلام سے جو حدیث کی طرف مائل ہیں نظر سے، اور ان اصحاب عقائد کے کلام سے جن کے عقائد ماخوذ ہیں سنت سے، جو ناظر ہیں دلیل عقلی میں بطریق تبرّع اور عدم لزوم کے، اور ان اصحاب سلوک کے کلام سے جو جامع ہیں علم و تصوف کے، تشدد کرنے والے نہیں اپنے نفوس پر، اور نہ تدقیق سے کام لینے والے سنت نبویہ پر اضافہ کر کے"[1]

---

[1] شفاء العلیل ص ۱۱۶-۱۱۷

اس کتاب میں شاہ صاحب کا تطبیقی ذوق (جو ان کو وراثت میں ملا تھا اور ان کا فطری رجحان تھا) نمایاں ہو کر رہا ہے، انھوں نے مذاہب فقہا میں سے کسی مذہب کو دوسرے مذہب پر ترجیح دینے کو ناپسند کیا ہے، ان کے نزدیک مناسب یہ ہے کہ ان کو بالاجمال قبولیت کی نظر سے دیکھے اور پیروی اس کی کرے جو صریح اور مشہور سنت کے موافق ہو۔[1]

ہندوستان کے مخطوطہ نسخوں کے علاوہ یہ رسالہ مولانا محمد صادق مدراسی کے مختصر مقدمہ اور تشریحات کے ساتھ ۱۲۹۰ھ میں الحاج منصور محمد کے مطبع (الجمالیہ مصر) میں عبدالعال احمد کاتب کا کتابت کیا ہوا لیتھو میں چھپا ہے اور کتب خانہ ندوۃ العلماء میں موجود ہے، کتاب کا ترجمہ مولانا خرّم علی بلہوری (م ۱۲۷۷ھ) نے ۱۲۶۰ھ میں اردو میں کیا وہ لکھتے ہیں کہ "جو حواشی مصنف قدس سرہٗ اور ان کے خلف الرشید علامۂ عصر مسند دہر مولانا شاہ عبدالعزیزؒ کے اس کتاب پر صحیح پائے مزید توضیح و تفسیر فوائد کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی ذیلی فوائد میں مندرج کر دیا" یہ ترجمہ پہلی مرتبہ ۱۲۷۸ھ ۱۸۶۱ء میں مطبع درخشانی میں اور دوسری بار ۱۳۰۷ھ ۱۸۸۹ء میں مطبع نظامی کانپور میں چھپا۔

(ك)

۴۱۔ کشف الغین عن شرح الرباعیتین (فارسی) حضرت خواجہ باقی باللہؒ کی دو رباعیوں کی خواجہ کے قلم سے شرح ہے، اس شرح کی شرح شاہ صاحبؒ نے فرمائی ہے، مطبع مجتبائی دہلی سے ۱۳۱۰ھ میں شائع ہوئی۔

---

[1] شفاء العلیل ص ۱۱۷

(ل)

۴۲۔ لمعات (فارسی) مطبوعہ، علم تصوف سے متعلق ہے۔

(م)

۴۳۔ المقالة الوضيّة فی النصيحة والوصية (فارسی) "وصیت نامہ" کے نام سے متعدد بار شائع ہو چکا ہے، مطبع مطیع الرحمٰن سے قاضی ثناء اللہ صاحب پانی پتی کی شرح کے ساتھ بھی ۱۲۶۸ھ میں دہلی سے شائع ہوا، قاضی صاحب کی تشریحات ان کے مشہور رسالہ ارشاد الطالبین سے ماخوذ ہیں۔

۴۴۔ المقدمة السنية فی الإنتصار للفرقة السُّنّيـــة (عربی) مجدد صاحبؒ کے رسالہ "ردّ روافض" کا ترجمہ مع اضافہ فوائد ہے[1]، ٹونک اور بھوپال کے کتب خانوں میں اس کے قلمی نسخے موجود ہیں، حال میں مولانا ابوالحسن زید صاحب مجددی کے اہتمام میں دہلی سے بھی شائع ہوا ہے۔

۴۵۔ المقدمة فی قوانين الترجمة (فارسی) مطبوعہ فتح الرحمٰن کے شروع میں بھی شامل ہے۔

۴۶۔ المسوّی من أحاديث المؤطّا (عربی) مؤطا کی عربی شرح دہلی سے دوبار اور مکہ معظمہ سے ایک بار شائع ہوئی۔

۴۷۔ مُصفّٰی (فارسی) مؤطا امام مالکؒ کی فارسی شرح ہے جو بڑے فوائد و تحقیقات پر مشتمل ہے، اور شاہ صاحبؒ کی اہم کتابوں میں ہے، جلد اول مطبع فاروقی دہلی اور جلد ثانی مطبع مرتضوی دہلی سے ۱۲۹۳ھ میں طبع ہوئی۔

۴۸۔ المكتوب المدنی (عربی مطبوعہ) ایک اہم مکتوب وحدۃ الوجود اور وحدۃ الشہود کے تقابل میں جو شیخ اسماعیل بن عبداللہ رومی کے نام لکھا گیا،

---

[1] شاہ صاحبؒ نے یہ ترجمہ اپنے استاد شیخ ابوطاہر مدنی کی خواہش اور فرمائش پر ۱۱۴۳ھ میں قیام حجاز کے دوران کیا۔

یہ "التفہیمات الإلٰہیۃ" میں موجود ہے، نیز علیٰحدہ بھی بعض رسائل کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

۴۹۔ مکتوبات معہ مناقب امام بخاری وفضیلت ابن تیمیہؒ (فارسی) مولوی عبدالرؤف صاحب مہتمم کتب خانہ نذیریہ نے شائع کیا، یہ کوئی مستقل تصنیف نہیں ہے، کلمات طیبات کا ایک مکتوب جو امام بخاری کے مناقب میں لکھا تھا، اور ایک مکتوب جو حافظ ابن تیمیہؒ کے دفاع میں لکھا گیا ہے، لے کر جمع کر دیا گیا ہے۔

(ن)

۵۰۔ النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ (فارسی) اس میں شاہ عبدالرحیمؒ کے نانیہالی جد اعلیٰ شیخ عبدالعزیز دہلویؒ اور ان کے اسلاف واخلاف کے حالات ہیں، "انفاس العارفینؒ" کا جزء ہے، مجموعہ خمسہ رسائل مطبوعہ مطبع احمدی میں بھی شامل ہے۔

۵۱۔ النوادر من أحادیث سید الأوائل والأواخر (عربی) مطبوعہ مسلسلات کے ساتھ طبع ہوا ہے۔

(ہ)

۵۲۔ ہمعات (فارسی) ضخامت ۶۰ صفحے، متوسط سائز، مطبوعہ تحفۂ محمدیہ، دربیان نسبت الی اللہ، تمہید میں کہا گیا ہے کہ "جب اللہ تعالیٰ نے دین محمدیؐ کی حفاظت کا ذمہ لیا اور وہ تمام ادیان پر غالب ہوا، تو تہذیب نفوس عرب وعجم اور ان کے درمیان جو مظالم تھے، ان کا ازالہ بوجہ اتم وجود میں آیا، اور چونکہ دین محمدیؐ کا ایک ظاہر ہے ایک باطن، ظاہر کا تعلق صور ومظاہر، تعیین اوقات، اور

اوضاع و مقادیر سے ہے، اور اس کا پورا اہتمام کیا گیا ہے، اور تحریف کا سدِّباب کیا گیا، باطن کا تعلق طاعات کے انوار و آثار کے حصول سے ہے، اس کا تعلق دو چیزوں سے ہے، ظاہر کے حامل وارثین پیغمبر ہیں، جنھوں نے ظاہر شرع کی حفاظت کی، ان میں فقہاء و محدثین، مجاہدین و قاری داخل ہیں، اور باطن کے حامل (جس کا نام احسان ہے) وہ انوار طاعات، حلاوت کے احساس اور اخلاق فاضلہ سے متخلّق اور احوال سنیہ کے حامل ہیں، (جو صوفیۂ کرام ہیں) ان پر ہر زمانہ میں ان اشغال کا القاء ہوا، جو اس زمانہ کے لوگوں کی طبیعت کے مناسب تھے، اور ان کے کلام و صحبت میں اللہ تعالیٰ نے ایک جذب و تاثیر عطا فرمائی اور ان کو کرامات اور نور باطن سے نوازا اور ہر سلسلہ میں مخصوص اشغال و اوراد کا تعین ہوا، اور لوگ ان کی پیروی کر کے فائز المرام ہوئے، ہر زمانہ میں ایک خانوادہ کے وابستگان اپنے خانوادہ کو دوسرے خانوادوں پر ترجیح دیتے ہیں، یہ ایک طرح سے صحیح ہے، بعض پہلوؤں سے امتیاز ہوتا ہے، لیکن حصر صحیح نہیں

پھر شاہ صاحبؒ نے ان خانوادوں اور ان خانوادوں سے نکلنے والی شاخوں اور ان کے بانیوں کا تذکرہ فرمایا، اس کے بعد شاہ صاحبؒ نے ان تغیرات کلیہ کا ذکر کیا ہے جو طریق تصوف میں پیش آئے، اور عہد رسالت کے بعد زمانہ کے تغیر سے حصولِ احسان کے جو طریقے اور معالجات تجویز کئے گئے ان کا ذکر کیا، اس بارے میں شاہ صاحبؒ نے جس دقیقہ رسی اور تحلیل و تجزیہ سے کام لیا ہے، وہ انھیں کا حصہ ہے، شیخ اکبر اور ان کے مسلک وحدۃ الوجود کے ظہور میں آنے کا بھی ذکر کیا ہے، آپ نے بتایا ہے کہ

سید الطائفہ حضرت جنید بغدادیؒ مسلکِ تصوف کے سب سے بڑے مقنّن اور مرتّب ہیں، پھر ان کے نزدیک اس کے جو شرائط اور بنیادی ارکان ہیں، ان کا ذکر کیا ہے، پھر اپنے اپنے زمانہ کے جن مجدّدین و مجتہدین نے اپنے زمانہ کی استعداد و مزاج کے مطابق اس کا جو نصاب و دستور العمل مرتب کیا، اس کی تفصیل کی ہے، پھر شاہ صاحبؒ نے اپنے زمانہ کے سالک کے لئے جو نصاب ہونا چاہئے وہ بیان کیا ہے، اور جن چیزوں کی طرف اس کی توجہ ہونی چاہئے اس کو بیان کیا ہے، پھر اس طریق کے موانع اور مضر اسباب کا ذکر کیا ہے، اور ان کا طریقِ علاج بتایا ہے، اس راہ میں جو منزلیں پیش آتی ہیں، اُن کی طرف بھی اشارہ کیا ہے، پھر نسبتوں کا ذکر کیا ہے، اس سلسلہ میں صحابہؓ و تابعین اور جمہور صالحین کی نسبت کا ذکر کیا ہے، اور اس کو احسان سے موسوم کیا ہے، پھر اس کی تعریف کی ہے، پھر مختلف انسانوں کی استعدادات کا ذکر کیا ہے، اور لطائف کو بھی بیان کیا ہے، پوری کتاب دقیق مضامین، لطیف نکات اور ذاتی تجربات سے اس طرح مملوء ہے جیسے کوئی حاذق اور طویل تجربہ رکھنے والا طبیب انسانی مزاجوں، اجسام اور صحت و بیماری کے اسباب اور ان کے معالجات پر روشنی ڈالتا ہے۔

۵۳۔ ھوامع شرح حزب البحر (فارسی) مطبوعہ۔

INDEX

اشاریہ

"تاریخ دعوت و عزیمت حصہ پنجم"

مرتبہ

محمد غیاث الدین ندوی

محکومت و عزیمت لکھنؤ ۲۰۱۰ء

شخصیات

سیدنا ونبینا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

الف

(سیدنا حضرت) آدم علیہ السلام ۱۳۲، ۳۳۷

(سیدنا حضرت) ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ۱۱۹، ۱۵۴، ۲۴۱، ۲۴۲

(سیدنا حضرت) اسماعیل علیہ السلام ۲۴۱

(سیدنا حضرت) ابوبکر صدیق رضؓ ۲۴، ۲۶۰، ۲۶۹، ۳۰۳

(ابو محمد مولانا) ابراہیم آروی ۳۶۰

(سلطان) ابراہیم شاہ ۲۸

(شیخ) ابراہیم بغدادی ۱۷۹

(شاہ) ابراہیم ٹٹنی ۲۸۱

(شیخ) ابراہیم کورانی کردی ۱۰۹-۱۱۲

ابراہیم خاں گاردی ۳۱۹

(علامہ) ابراہیم نخعی ۲۰۳

(شیخ الاسلام حافظ) ابن تیمیہؒ ۳۱، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۳۵، ۱۶۴، ۱۶۷، ۱۶۸، ۱۷۵، ۱۷۶، ۲۴۷، ۲۵۷، ۲۹۴، ۳۹۶، ۳۹۷، ۴۱۳

(علامہ) ابن جوزی ۳۲۴

(علامہ) ابن حزم ۲۰۴، ۲۰۸

(علامہ) ابن خلدون ۲۶، ۱۰۱، ۲۹۹

(علامہ) ابن رشد ۲۴۷

(سلطان) ابن سعود ۲۳

(علامہ) ابن قیم الجوزیہ ۱۶۴

(علامہ) ابن کثیر ۲۶۰

(امام) ابن ماجہ ۳۵

(علامہ) ابواسحاق شیرازی ۳۵

(مولانا سید) ابوالاعلی مودودی ۳۴۱

(امام) ابوالحسن اشعری ۱۴۸

(مولانا) ابوالحسن زید ۴۱۲

(شیخ) ابوالحسن سندھی صغیر ۳۹۳

(علامہ) ابوالحسن سندھی کبیر ۳۲

(علامہ) ابوالحسن علی الماوردی ۲۵۵، ۲۵۷

(مولانا سید) ابوالحسن علی ندوی ۱۴

(علامہ) ابوحیان نحوی ۳۱

(امام) ابوحنیفہ ۲۰۳، ۲۵۵

(امام) ابوداؤد ۳۵، ۲۴۳

(شیخ) ابوالرضا محمد ۷۶-۷۴، ۸۰، ۸۲، ۸۶، ۴۰۶

(علامہ) ابوالسعود ۳۴

(حضرت شاہ) ابوسعید دہلوی ۳۵۸

(حضرت شاہ) ابوسعید حسنی رائے بریلوی ۱۰۵، ۱۱۸

۱۱۹، ۱۲۴، ۱۲۷، ۳۸۱، ۹۳ — ۳۸۹
(شیخ) ابوطالب مکی ۲۰۵
(شیخ) ابوطاہر کردی مدنی ۱۶، ۳۳، ۱۲-۱۰۹
۱۸۹، ۱۹۹، ۳۴۸، ۳۸۸، ۴۰۹، ۴۱۲
(مولانا) ابوالعرفان خاں ندوی ۱۳، ۱۸۳
(امیر) ابوالعلاء حسینی اکبرآبادی ۸۲، ۸۳
(میر) ابوالفضل (فوجدار) ۲۸۸
(شیخ) ابوالفیض دہلوی ۳۶۳
(شیخ) ابوالقاسم اکبرآبادی ۸۲، ۸۳
(مولانا سید) ابوالقاسم ہنسوی ۳۹۴
(نواب) ابوالمنصور خاں صفدر جنگ نیشاپوری
۳۶۳
ابونصر فارابی ۳۸۴
(سید) ابونمی ۲۳
(حکیم) ابوالوفاء کشمیری ۳۱۵
آپاجی سندھیا ۳۱۹
(مولوی) احسن مارہروی ۱۴۸
(شیخ) احمد ۶۹
(ڈاکٹر) احمد امین مصری ۳۹۶
(مولانا) احمد بن ابوسعید امیٹھوی (ملّاجیون)
۵۹
(سلطان) احمد ثالث ۲۰
(سرسید) احمد خاں ۱۲۸
(شیخ) احمد بن اسماعیل مانڈوی ۱۷۹
(امام) احمد ابن حنبل ۲۰۳
(مولانا سید) احمد حسن امروہی ۲۷۳، ۳۶۰
(مولانا سید خواجہ) احمد حسنی نصیرآبادی ۳۸۰
(نواب سید) احمد روہیلہ ۳۰۵
(حضرت شاہ) احمد سعید دہلوی ۳۵۸
(حضرت سید) احمد شہیدؒ رائے بریلوی ۳۰، ۹۲
۱۱۹، ۱۴۲، ۲۸۶، ۳۲۱، ۳۴۰، ۳۴۴
۳۵۹، ۳۶۹، ۳۷۳-۷۱، ۳۸۰، ۳۸۶
۳۹۴، ۳۹۸
(مولانا) احمد علی سہارنپوری ۳۵۹
(مولوی) احمد علی خیرآبادی ۱۰۶
(شیخ) احمد علی ۱۱۰، ۱۱۲
(مولانا) احمداللہ شاہ مدراسی ۳۷۲
(نواب فیروز جنگ نظام الملک) احمد شاہی
۳۰۵، ۳۰۶
(سلطان) احمد شاہ بن محمد شاہ ۴۶
(دردوراں) احمد شاہ ابدالی (درّانی) ۱۷
۲۹، ۳۰، ۵۷، ۲۸۰، ۲۸۴، ۲۹۳، ۲۹۶
۳۰۵، ۳۱۰، ۳۱۱، ۳۱۵-۳۱۲، ۳۲۰-۳۱۸
۳۶۶
(حضرت شیخ) احمد فاروقی مجدد دیکھئے مجدد الف ثانی
(سید) احمد کبیر ۶۳
(حضرت سید) آدم بنّوری ۷۵، ۸۱، ۸۴
۳۴۴
آدینہ بیگ ۲۷۶
(سیدہ بی بی) ارادت خاتون ۱۰۶، ۳۸۷

(گرو) ارجن ۲۸۱، ۲۸۲
ارجن دیو ۱۰۶
(شاہ) ارزانی بدایونی ۶۷
(مولانا) آزاد بلگرامی دیکھئے غلام علی
اسٹینلی لین پول ۴۳، ۴۴، ۴۵
(امام) اسحاق ابن راہویہ ۲۰۳
(شاہ) اسحاق دہلوی دیکھئے محمد اسحاق
(مولانا سید) اسحاق بن عرفان رائے بریلوی ۳۸۶
(مولوی) اسلمی مدراسی ۳۶۵
(علامہ) اسماعیل حقی ۳۳
(مولانا) اسماعیل شہیدؒ دیکھئے محمد اسماعیل
(سلطان) اسماعیل صفوی ۳۵
(شیخ) اسماعیل بن عبداللہ رومی ۴۱۲
(شیخ) اسماعیل عجلونی (الجراحی) ۳۲
(شیخ مخدوم) اسماعیل فقیہ السکری صدیقی ۱۹۹
(سلطان) اشرف خاں ۲۶
(حکیم الامت مولانا) اشرف علی تھانوی ۳۹۹
اصغر خاں (تورانی) ۲۸۸
(نظام الملک نواب) آصف جاہ ۵۲، ۵۶، ۳۰۵، ۳۰۶
(علامہ) اقبال ۴۴، ۵۵، ۵۸، ۲۸۶، ۲۹۵، ۳۷۳، ۳۷۹، ۳۹۶
(سلطان) اکبر ۳۶، ۵۳، ۲۸۱، ۳۲۰
(شیخ) اکبر دیکھئے محی الدین ابن عربی
(ملک) الپ ارسلان ۲۵۶
(مفتی) الٰہی بخش کاندھلوی ۳۴۸، ۳۵۸
۳۸۱
(ماونٹ اسٹوارٹ) الفنسٹن ۲۱، ۲۷۹
(مولانا) امام الدین دہلوی ۳۸۱
(بی بی) امۃ العزیز ۱۰۷
(حضرت حاجی) امداد اللہ مہاجر مکی ۳۴۴
۳۷۲
(گرو) امرداس ۲۸۱
(مولانا) امیر احمد سہسوانی ۳۶۰
(نواب) امیر خاں ۳۷۱
(مولانا سید) امیر علی ملیح آبادی ۳۶۰
(شیخ) امین الدین بن حمید الدین علوی کاکوروی ۳۹۳
(مولانا سید) انور شاہ کشمیری ۳۶۰
(سلطان) اورنگ زیب عالمگیر ۳۰، ۴۲، ۴۳، ۴۵-۵۰، ۵۳، ۵۵، ۷۳، ۷۷، ۸۴، ۸۵، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۹۵، ۳۲۰
(مولانا) اولاد حسن قنوجی ۳۵۸
(شاہ) اہل اللہ ۸۸، ۱۲۷، ۳۹۴

ب پ

(سلطان) بابر ۵۵
(امام) باقر بن امام زین العابدین ۱۰۶
(میر) باقر داماد ۳۶

(خواجہ) باقی باللہ ۸۱، ۸۳، ۸۴، ۴۱۱
بالاجی ۳۱۹
(امام) بخاری ۱۸۹، ۴۱۳
(شاہ) بدیع الدین مدار مکنپوری ۳۳۰
(قاضی) بدہ ۶۹
(سید) برکات (شریف مکہ) ۲۳
(ڈاکٹر) برنیر (BERNIER) ۴۳
(مولانا) بزرگ علی مارہروی ۳۵۹
بسواس راؤ ۳۱۹
(شاہ) بشارت اللہ بہرائچی ۳۵۹
(مولوی) بشیر الدین ۱۱۵
(امام) بغوی ۱۷۸
بندہ بیراگی ۲۸۳، ۲۸۴
بوعلی سینا ۳۸۴
(نواب) بہادر خاں بلوچ ۳۱۴
(شاہ عالم) بہادر شاہ اول (محمد معظم) ۴۹-۴۶
۵۴، ۲۸۳، ۲۸۴، ۲۸۷
(سلطان ابو ظفر) بہادر شاہ ۳۰۴
(مولانا خواجہ) بہاء الدین اکرمی ندوی ۱۹۹
(شیخ) بہلول بدخشی (خواجگان ہروی) ۱۷۹
(سردار) بھاؤ ۱۹۷، ۲۷۷
(امام) بیہقی ۲۰۷
پدھوی راج ۱۰۶
(شاہ) پناہ عطا سلونوی ۳۵۹
پیٹر اعظم ۲۶

ت ٹ ث

(علامہ) تاج الدین سبکی ۷۸
(شیخ) تاج الدین قلعی حنفی ۱۱۲، ۱۹۹
تاج محمد خاں بلوچ ۳۰۵
(شیخ) تاج محمود جونپوری ۷۳
(شیخ الاسلام) تقی الدین ابن دقیق العید ۳۱
(علامہ) تقی الدین سبکی ۷۸
(گرو) تیغ بہادر ۲۸۳
(شہزادہ) تیمور ۲۸۴
(سلطان) تیمور شاہ ۳۰
(سلطان شہید) ٹیپو سلطان ۳۶۷
(قاضی) ثناء اللہ پانی پتی ۱۹، ۴۱۲
(سید) ثناء اللہ سونی پتی ۱۰۵

ج چ

(سیدنا حضرت) جابر بن عبداللہ ۱۹۱
(مولوی) جار اللہ (نزیل مکہ) ۳۴۷
(مولانا) جامی ۱۰۰
(مرزا) جان ۱۱۰
(افسر الدولہ) جان جہاں خاں ۲۰۶
(مسٹر) جان سرمن (JOHN SORMAN) ۲۰۸
جداہی علی وردی خاں ۲۰۷
(سر) جدوناتھ سرکار ۴۳، ۲۰۵، ۲۸۸
۳۰۶، ۳۱۹
(سردار) جسا سنگھ کلامی ۲۸۷
(امام) جعفر صادق ۱۰۶

(شیخ) جلال ۷۵
(پیر) جلال ۲۸۱
(شیخ) جمال ۷۱
(مولانا) جمال الدین بن محمد صدیق قطب ۳۹۳
(مدار المہام مولانا) جمال الدین خاں ۲۲۱، ۲۷۳
(میر) جملہ ۴۲
جمیل الدین بدایونی علیگ ۴۱
(حضرت) جنید بغدادی ۴۱۵
(مرزا) جواں بخت ۲۷۷، ۳۲۰
(شیخ) جوہر کشمیری ۱۷۹
(شہنشاہ) جہانگیر ۲۸۲، ۳۲۰
جی سندھیا ۳۱۹
J. P. CUNNINGHUM ۲۸۲
چندولال ۲۸۲

(ح)

(ملا) حامد ۸۵
(مولوی سید) حامد حسین کنتوری ۳۶۱، ۳۶۲
(نواب صدر یار جنگ مولانا) حبیب الرحمٰن خاں شروانی ۳۶۵
حریری ۱۰۲
(سالار) حسام الدین ۶۷
(سیدنا امام) حسنؓ ۲۲۰، ۲۷۱، ۳۵۴
(شیخ سید) حسن ۲۸۱
(امام) حسن بصری ۹، ۱۹۱، ۲۰۱
(شیخ) حسن بن محمد العلقمی (نظام نیشاپوری، دولت آبادی) ۱۴۵
(شیخ) حسن البُجیمی ۳۳، ۱۱۰، ۱۱۲
(سید) حسن علی خاں ۳۶۳
(مرزا) حسن علی شافعی لکھنوی ۳۵۸، ۳۸۶
(سبط اکبر سیدنا) حسن مجتبیٰ ۲۷۱
(سیدنا امام) حسینؓ ۲۲۰، ۲۷۱، ۲۷۲، ۲۹۱، ۳۵۴
(مولانا) حسین احمد مدنی ۳۶۰
(مولانا) حسین احمد ملیح آبادی محدّث ۳۵۸
(سلطان) حسین شاہ ۲۶
(سید) حسین علی خاں ۳۶۳
(امیر الامراء) حسین علی خاں ۵۰، ۵۱، ۵۳، ۶۲
(الامام المنصور باللہ) الحسین بن المتوکل علی اللہ ۲۵
(ملا) حمداللہ سندیلوی ۵۹
(سیدہ) حمیرہ بنت علم الہدیٰ ۳۸۷
(امیر) حیدر بن نور الحسنین بلگرامی ۳۵۰
(مولانا) حیدر علی رامپوری ٹونکی ۳۵۸، ۳۷۵، ۳۸۱
(علامہ) حیدر علی فیض آبادی ۳۵۷، ۳۸۱

(خ)

(سیدنا حضرت) خالدؓ ۲۶۹
(ام المؤمنین حضرت) خدیجہؓ ۳۸۰
(امیر) خانی خاں ۲۸۸
(سلطان) خدیو محمد علی ۲۱
(مولانا) خرّم علی بلہوری ۳۵۸، ۴۱۱
(شہزادہ) خسرو ۲۸۲
(علامہ) خطّابی ۲۱۹

(حضرت مولانا) خلیل احمد سہارنپوری ۳۶۰
(مولانا) خلیل احمد اسرائیلی ۲۲۱
(امیر) خلیل پاشا ۲۲
خلیفہ چلپی ۳۴
(پروفیسر) خلیق احمد نظامی ۱۸۱، ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۶، ۳۰۷، ۳۱۰، ۳۲۰
(امیر) خورد ۶۵
(خواجہ) خورد دیکھئے عبداللہ
(منشی) خیرالدین ۳۷۷

د ڈ ذ

داتاجی سندھیا ۲۷۶
(مولانا سید) داؤد غزنوی ۳۶۰
(مولوی) دلدار علی مجتہد ۳۶۲
(محقق) دوانی ۳۶، ۱۰۰
(نواب) دوندے خاں روہیلہ ۳۰۷
ڈی پی مہاجن ۴۲
(مولوی) ذکاء اللہ دہلوی ۴۸، ۴۹، ۲۷۸، ۲۸۹، ۳۰۶، ۳۱۸، ۳۱۹
(استاد) ذوق ۳۵۱

ر

(شیخ) راجح بن داؤد گجراتی ۱۷۹
راجہ رام ۲۸۸
(امام) رازی ۲۴۷
(علامہ) راغب اصفہانی ۳۸۶
رام چہرہ ۲۸۸
رتن چند ۵۰
(راجہ) رتن سنگھ ۵۰
(مولانا) رحیم بخش ۴۰۷
(سلطان شاہ) رُخ مرزا ۲۸
(مولانا) رستم علی قنوجی ۵۹
(مولوی) رشید احمد انصاری ۱۵۸
(حضرت مولانا) رشید احمد گنگوہی ۳۶۰
(مولانا) رشید الدین دہلوی ۳۸۱
(علامہ سید) رشید رضا مصری ۱۸۳
(سلطان) رفیع الدرجات ابن رفیع القدر ۴۶، ۴۷، ۵۴
(سلطان) رفیع الدولہ ابن رفیع القدر ۴۶، ۴۷، ۵۴
(شیخ) رفیع الدین چشتی شیرازی ۱۷۹
(شاہ) رفیع الدین دہلوی ۱۰۶، ۱۲۲، ۱۲۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۳۴۵، ۳۴۸، ۳۴۹، ۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۸۹، ۴۰۴
(شیخ) رفیع الدین محمد ۷۳، ۷۹، ۸۲
رگھوبا ۲۸۴
رگھوناتھ راؤ ۲۷۶
(آیۃ اللہ العظمی الامام) روح اللہ الخمینی ۲۵۲
(مہاراجہ) رنجیت سنگھ ۲۸۵، ۲۸۶، ۲۸۹

ز

(مرزا قاضی) زاہد ہروی (میرزاہد) ۳۷، ۳۸، ۸۲
(علامہ) زرکلی ۱۱۰

(علامہ) زمخشری ۳۸۶
(علامہ) زیلعی ۱۹۶
(امام) زید بن زین العابدین ۲۴
(نواب) زینت محل ۵۷، ۳۲۰، ۳۲۱
(شیخ مخدوم) زین الدین ملیباری ۱۹۹

(س)

(شیخ) سالم بن عبداللہ بصری ۱۱۳
سباجی سندھیا ۲۷۶
(ڈاکٹر) ستیش چندر ۴۸
(شیخ) ستدو ۶۳
سراج الدولہ ۳۶۷
(شیخ) سعد بن احمد نجدی ۳۶۰
(شیخ) سعدی ۴۴، ۱۴۵، ۲۶۱
(سلطان) سعود بن عبدالوہاب ۲۱
(شیخ) سعید کوکنی ۱۱۰
(نواب) سکندر بیگم ۳۵۷
(سلطان) سکندر لودھی ۷۵
(سلطان) سلیم ۲۳
(شیخ) سلیمان بن الاہدل ۳۳
(شاہ) سلیمان چترالی ۳۶۹
(سلطان) سلیمان قانونی ۲۵
(مولانا سید) سلیمان ندوی ۶۴، ۱۶۷، ۲۹۲
(سلطان) سنان پاشا ۲۵
(ملک) سنجر ۲۶۱
سندھیا ۵۸
(راجہ) سورج مل ۲۸۹، ۲۹۶
سیتلادیوی ۶۳، ۱۳۸
(شیخ) سید سابق مصری ۲۲۱
(سلطان العلماء) سید محمد ۳۶۲

(ش)

(امام) شافعی ۲۰۳، ۲۰۷، ۲۱۳
شاہ جہاں بادشاہ ۴۴، ۲۸۲، ۲۸۸، ۳۲۰
شاہ جہاں ثانی ۲۷۷
(ملک) شاہ سلجوقی ۲۵۶
(سلطان) شاہ عالم ثانی بن عزیز الدین ۴۶
۴۷، ۵۷، ۵۸
شاہ عالم خاں گھوڑ ۲۷، ۳۱۹، ۳۲۰، ۳۲۱، ۳۶۷
(علامہ) شبلی نعمانی ۴۳، ۲۴۷
(شاہ) شجاع ۷۳
(نواب) شجاع الدولہ ۵۷، ۲۸۰، ۳۰۷
۲۰-۳۱۸، ۳۶۳، ۳۶۷
(نواب) شجاع الملک ۳۶۸
(امام) شرف الدین ۲۵
(شاہ) شرف الدین ۲۸۱
(امیر) شریف حسین ۲۳
(علامہ سید) شریف علی جرجانی ۱۴۵
(امیر) شکیب ارسلان ۳۹
(مولوی) شمس تبریز خاں ۱۳، ۱۲۷
(مولانا) شمس الحق ڈیانوی ۳۶۰
(شیخ) شمس الدین مفتی ۶۵-۶۹

(علامہ) شمس الدین ذہبی ۳۱
شمشیر بہادر ۳۱۹
شنکر راؤ ۲۷۷
(شیخ) شہاب الدین احمد مصری ۱۷۹
(ملک العلماء شیخ) شہاب الدین دولت آبادی ۱۰۰
(سلطان) شہاب الدین غوری ۱۰۶
(علامہ) شہاب الدین محمود آلوسی ۲۶۹
(شیخ) شہاب الدین سہروردی مقتول ۳۶
(مولانا) شیخ الاسلام شارح بخاری دہلوی ۱۸۱ ۱۸۲
شیواجی ۲۷۹

ص ض

(مولانا مفتی) صدر الدین دہلوی ۳۵۴، ۳۵۸ ۳۸۱
(علامہ میر) صدر الدین شیرازی ۳۶، ۱۰۰، ۳۵۴
(امیر الملک نواب سید) صدیق حسن خاں بہادر ۱۹۱
۲۲۱، ۳۷۵، ۳۸۰، ۴۰۹
(امام) صغانی ۱۷۸
(شیخ) صفۃ اللہ خیر آبادی ۵۹
(نواب) صفدر جنگ ۲۷۶
(شیخ) صلاح الدین بن شاہ عبدالرحیم ۸۸
۹۷، ۱۰۵
(شیخ) صلۃ بن اشیم العدوی ۱۹۱
(حضرت حافظ) ضامن شہید ۳۷۲
(شیخ) ضیاء الدین مدنی ۱۷۹

ط ظ

طاش کبری زادہ ۳۴
طباطبائی دیکھئے غلام حسین
(شاہ) طہماسپ صفوی ۲۶، ۳۶
(سلطان) ظاہر شاہ ۳۰
(شیخ) ظہور الحق پھلواروی ۳۵۹
(مولوی) ظہور اللہ مرادآبادی ۳۴۷
(سید) ظہیر الدین احمد دہلوی ۱۱۶، ۳۹۹، ۴۰۵

ع

(سیدنا حضرت) عزیرؑ ۱۳۵
(ام المؤمنین حضرت) عائشہؓ ۲۴۲، ۳۶۴
(سیدنا حضرت) عمر فاروقؓ ۲۴، ۶۶، ۲۱۹
۲۷۰، ۲۷۱، ۳۰۳
(سیدنا حضرت) عثمانؓ ۲۷۱
(سیدنا حضرت) علی مرتضیٰؓ ۲۴، ۴۸، ۷۷
۲۷۰، ۲۷۱
عالمگیر اعظم دیکھئے اورنگ زیب
(شیخ الاسلام) عارف حکمت بے ۳۶۵
(مولانا سید) عالم علی مرادآبادی ۳۵۹
(شاہ) عباس صفوی ۳۶
(مولوی) عبدالاحد ۳۷۶
(شیخ) عبدالاحد بن خواجہ محمد سعید سرہندی ۱۱۳
(شیخ) عبدالاول حسینی ۱۸۰
(شیخ) عبدالجبار غزنوی ۳۶۰
(مولانا) عبدالحق حقانی ۱۴۵، ۲۲۱، ۲۲۵ ۲۴۸
(شیخ) عبدالحق محدث دہلوی ۶۵، ۱۱۰، ۱۸۰، ۱۸۱
(شیخ) عبدالحکیم بن شیخ وجیہ الدین ۷۴، ۸۰
(ملا) عبدالحکیم سیالکوٹی ۸۱، ۱۱۰

(مولانا) عبدالحلیم لکھنوی ۷۸
(مولانا) عبدالحی بن ہبۃ اللہ بڈھانوی ۳۴۸
۳۵۹، ۳۷۷، ۳۸۵
(شیخ) عبدالحی ۸۰
(مولانا حکیم سید) عبدالحی حسنی ۶۰، ۸۵، ۱۰۱
۱۱۶، ۱۴۲، ۱۷۷، ۱۸۳، ۳۴۶، ۳۶۱
۳۹۰، ۴۰۹
(مولانا) عبدالحی فرنگی محلی ۷۸، ۲۵۱
(پیر) عبدالرحمٰن ۲۸۱
(قاری) عبدالرحمٰن پانی پتی ۳۵۹
(مولانا) عبدالرحمٰن مبارکپوری ۳۶۰
(حضرت شاہ) عبدالرحیم ۳۸، ۶۷، ۷۰، ۷۱
۸۹-۷۳، ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۰۴
۱۲۸، ۱۲۹، ۱۴۸، ۳۰۵، ۴۰۱، ۴۰۹، ۴۱۳
(مولوی) عبدالرؤف ۴۱۳
(حضرت سید) عبدالرزاق بانسوی ۶۰
(مولوی) عبدالرزاق کانپوری ۲۵۶
(میر) عبدالسلام بدخشی ۳۹۳
(مولانا) عبدالشکور فاروقی لکھنوی ۲۷۴
(مولوی) عبدالعال احمد (کاتب) ۴۱۱
(شاہ) عبدالعدل دہلوی ۳۸۵
(حضرت شاہ) عبدالعزیز دہلوی ۳۷، ۶۰
۶۲، ۱۰۵، ۱۰۶، ۱۰۸، ۱۱۱، ۱۱۷-۱۱۵
۱۲۲، ۱۳۷، ۱۴۲، ۱۵۰، ۱۹۰، ۲۸۶
۲۹۱، ۳۰۷، ۳۲۱، ۳۴۰، ۳۴۵،
۳۴۶، ۳۴۹-۵۶، ۳۶۱، ۳۶۳
۳۶۵، ۳۶۷، ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۷۵
۳۷۷، ۳۷۹-۸۲، ۳۸۵-۸۷، ۳۸۹
۳۹۰، ۳۹۴، ۴۰۴، ۴۰۹، ۴۱۱
(شیخ) عبدالعزیز شکر بار ۷۳، ۸۲، ۸۴
۱۲۸، ۴۱۳
(ڈاکٹر) عبدالعظیم الدیب ۲۵۶
(شاہ) عبدالغنی دہلوی ۱۰۶، ۳۴۵
۳۴۸، ۳۸۵، ۳۸۷
(شیخ) عبدالغنی نابلسی ۳۳
(حضرت شاہ) عبدالغنی مجددی مہاجر مدنی
۱۹۱، ۳۶۰
(شیخ) عبدالغنی بن عبدالحکیم ۶۹
(شیخ) عبدالفتاح ابوغدہ ۱۹۵
(سیدنا) عبدالقادر جیلانی ۷۷، ۱۲۸
(مولانا) عبدالقادر خاں خالص پوری
۳۹۳
(حضرت شاہ) عبدالقادر دہلوی ۱۰۶
۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۸، ۱۴۹، ۱۵۰، ۳۴۵
۳۴۸، ۳۴۹، ۳۸۱، ۳۸۷-۸۷، ۴۰۷
(مفتی) عبدالقیوم بڑھانوی ۳۵۹
(خلیفہ سید) عبداللہ ۳۹۸
(مولانا) عبداللہ ۳۷۲
(حافظ سید) عبداللہ ۸۱، ۸۲
(مولانا) عبداللہ آفندی ۳۹۳

(ملا) عبداللہ ایٹھوی ۱۱۸، ۳۹۱
(شیخ) عبداللہ بصری ۱۱۰
(شیخ) عبداللہ بن ادریس حسنی سنّوسی ۳۶۰
(شیخ) عبداللہ بن ابراہیم انصاری ۲۵۶
(شیخ) عبداللہ بن حسین السُّویدی ۳۳
(قطب الملک) عبداللہ خاں (حسن علی) ۵۰
۵۱، ۵۳
(امیر) عبداللہ بن سعود ۲۱
(شیخ) عبداللہ بن سالم بصری ۱۱۲
(شیخ) عبداللہ بن عبدالباقی (خواجہ خورد) ۸۱
۸۲، ۴۰۴
(شیخ) عبداللہ سراج مکّی ۳۸۰
(شیخ) عبداللہ بن عبدالغنی ۶۹
(شیخ) عبداللہ سلطانپوری ۱۷۹
(مولانا حافظ) عبداللہ غازیپوری ۳۶۰
(عارف باللہ سید) عبداللہ غزنوی امرتسری ۳۵۹
(شیخ) عبداللہ لاہوری ۱۱۰
(شیخ) عبداللہ ملتانی ۱۰۰
(شیخ) عبداللطیف حسینی مصری ۳۹۳
(مولانا) عبدالماجد دریابادی ۳۹۸
(شیخ) عبدالمعطی مکی ۱۷۹
(شیخ) عبدالملک ۶۹
(امام الحرمین ابوالمعالی) عبدالملک الجُوینی ۳۵، ۲۵۶
(خلیفہ) عبدالملک بن مروان ۲۷۰
(مولانا) عبدالمنان وزیرآبادی ۳۵۹
(شیخ) عبدالنبی گنگوہی ۱۷۹
(حافظ) عبدالنبی (عبدالرحمٰن) ۳۹۱
(شیخ) عبدالوہاب متقی ۱۹۹
(شیخ) عبیداللہ ۷۶
(خواجہ) عبیداللہ احرار ۸۳
(شیخ) عبیداللہ پھلتی صدیقی ۱۰۳، ۱۱۳، ۳۹۲
(نواب) عبیداللہ خاں کشمیری ۳۰۵
(مولانا) عبیداللہ سندھی ۱۹۲، ۳۹۰
(مولوی) عتیق احمد ۱۳
(سلطان) عثمان ثالث ۲۰، ۲۱
(شیخ) عجیمی دیکھئے حسن
عرفی (شاعر) ۲۹۹
(شیخ الاسلام) عزالدین بن عبدالسلام ۲۱۹
(سلطان) عزیزالدین عالمگیر بن جہاندارشاہ ۴۶
(شیخ) عزیزاللہ ملتانی ۱۰۰
(مولانا) عطاءاللہ حنیف ۲۲۱
(علامہ) علاءالدین الباجی ۳۱
(علامہ) علّال الفاسی مراکشی ۲۱۶
(حضرت شاہ) علم اللہ حسنی ۱۱۸، ۱۱۹
(شاہ) علم الہدیٰ نصیرآبادی ۳۸۷
(شیخ) علی اصغر قنوجی ۵۹
(مولانا مفتی) علی کبیر مچھلی شہری ۳۵۸
(امیر) علی بے ۲۲

(سلطان) علی قلی عادل شاہ ۲۸
(حکیم) علی گیلانی ۱۸
(علامہ ملا) علی قاری ۱۷۵، ۱۹۹
(علامہ) علی متقی برہانپوری ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۹۹
(شیخ) علیم اللہ بانڈوی ۱۷۹
(وزیر) عماد الملک ۳۰۵
(خلیفۃ المسلمین) عمر بن عبد العزیز ۹
(مفتی) عنایت احمد کاکوروی ۳۵۹
(قاضی) عیاض رض ۲۴۲

(غ)

غازی الدین خاں ۱۱۳
غازی میاں ۶۳
(حجۃ الاسلام امام ابو حامد) الغزالی
دیکھئے محمد الغزالی
غلام حسین طباطبائی ۴۷، ۴۹، ۵۲
(مولوی محمد) غفران ندوی ۱۳
(شیخ) غلام حسین مکی ۳۴۷
غلام حیدر خاں ۳۷۰
(مولانا) غلام رسول مہر ۲۸، ۳۷۶
(مولانا) غلام رسول قلعوی ۳۶۰
(مولانا) غلام علی آزاد بلگرامی ۳۶، ۵۹، ۶۱، ۲۷۹
(حضرت شاہ) غلام علی دہلوی ۱۱۶، ۳۵۸
(مولانا سید) مصطفیٰ قاسمی ۴۰۵
غلام قادر روہیلہ ۵۸
(مولانا) غلام نقشبند لکھنوی ۵۹
(حضرت) غوث الاعظم دیکھئے
عبد القادر جیلانی
(میر) غیاث الدین منصور ۳۶، ۱۰۰
(محمد) غیاث الدین ندوی ۱۳

(ف)

(امیر) فتح اللہ شیرازی ۱۸، ۳۶، ۱۰۰
(شاہ) فخر الدین دہلوی (شاہ فخر) ۶۰
(شاہ) فخر العالم ۱۰۵
(سیدہ) فخر النساء ۹۸
(سلطان محمد) فرخ سیر ابن عظیم الشان ۴۶، ۴۷، ۵۰، ۵۱، ۸۹، ۲۸۴، ۲۹۶
(شیخ) فرید ثانی (پٹنی) ۲۸۱
(مولوی) فضل احمد کراچی ۴۰۵
(مولانا) فضل حق خیر آبادی ۲۵۰، ۳۸۵
(حضرت مولانا) فضل رحمٰن گنج مراد آبادی ۳۵۹
(بابا) فضل اللہ ۱۲۲
(شیخ مخدوم) فقیہ علی مہایمی ۱۹۹
(مسٹر) فیریہ ۳۱۳
(شیخ) فیروز ۷۱

(ق)

(میر) قاسم ۵۷
(میر) قاسم علی ۱۲۲
قاسم بن حسین (امام یمن) ۲۵

(شیخ) قاضی خاں ظفرآبادی ۷۳
(شیخ) قرہ بن خالد السدوسی ۱۹۱
(شیخ) قطب الدین ۶۹
(نواب) قطب الدین دہلوی ۳۵۹
(شیخ) قطب الدین احمد ۳۶۳
(خواجہ) قطب الدین بختیار کعکی ۹۸
(شیخ) قطب الدین عباسی گجراتی ۱۷۹
(امیر کبیر سید) قطب الدین نجد المدنی ۹۲
(علامہ) قطب الدین نہروالی (پٹنی) ۲۵، ۱۹۹
(شیخ) قطب العالم ۷۳
(مولانا سید) قطب الہدیٰ حسنی محدث رائے بریلوی
۱۴۲، ۳۴۸، ۳۵۸، ۴۰۹
(نواب) قمرالدین خاں ۵۶، ۶۲
(سید) قمرالدین سونی پتی ۳۴۸

ک گ

(شہزادہ) کامران ۳۷۰
(مولانا) کرامت علی جونپوری ۳۷۶
(سلطان) کریم خاں زند ۲۸
(شاہ) کلیم اللہ جہان آبادی ۶۰
(شیخ) کمال الدین مفتی ۶۹
C. COLLIN DOVIES ۳۱۳
(ڈاکٹر) گنڈا سنگھ ۳۱۳
گنگا رام (شاعر) ۲۷۸
گوبند رائے بندیلہ ۲۷۶، ۲۸۳

ل

(سلطان) لطف علی ۲۸
(استاذ العلماء مولانا) لطف اللہ علیگڑھی
۳۵۹
(ڈاکٹر) لوتھراپ اسٹاڈرڈ
(LOTHROP STODDARD) ۳۹
(مولانا) لیاقت علی الہ آبادی ۳۷۲
(لارڈ) لیک ۵۸

م

سیدنا حضرت مسیح علیہ السلام ۱۳۵
(امام) مالک ۲۰۳، ۳۹۹، ۴۱۲
ماوردی دیکھئے ابوالحسن علی
ماونٹ اسٹوارٹ الفنسٹن دیکھئے الفنسٹن
(قاضی) مبارک گوپاموی ۵۹
(میاں) مٹھا ۲۸۱
(امام ربانی) مجدد الف ثانی (شیخ احمد سرہندی)
۱۰، ۱۵، ۸۳، ۸۴، ۱۳۷، ۳۳۹، ۳۴۴، ۳۴۶، ۴۱۲
(نواب) مجدالدولہ بہادر ۳۰۵
(قاضی) محب اللہ بہاری ۵۹، ۳۶۱
(مولانا سید) محبوب علی جعفری ۳۸۶
(علامہ) محسن بن یحییٰ ترہتی ۱۱۰، ۲۵۰، ۳۵۲،
۳۶۱، ۳۸۳، ۳۸۴
(امام) محمد ۱۱۲
(مولانا) محمد احسن صدیقی ۲۲۱، ۲۷۳
(مولانا شاہ) محمد اسحاق عمری دہلوی ۱۹۱، ۳۴۸،
۳۴۹، ۳۵۵، ۳۵۸-۶۰، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۶

(قاضی) محمد اسلم ہروی کابلی ۳۷
(مولانا شاہ) محمد اسماعیل شہید ۹۱، ۲۸۶، ۳۲۱، ۳۴۰، ۳۴۵، ۳۷۲، ۳۷۷، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۵، ۳۸۷
(سلطان) محمد اعظم شاہ ۴۷
(میاں) محمد اعظم عثمانی نصیر آبادی ۱۴۲
(مولانا) محمد علی تھانوی ۵۹
(حضرت شاہ) محمد آفاق دہلوی ۳۵۹
(الحاج) محمد افضل ۹-۴۰
(شیخ) محمد افضل سیالکوٹی ۱۱۳، ۴۰۹
(مولانا شاہ) محمد افضل عمری ۳۷۹
(پروفیسر) محمد اقبال ۲۸۵
(مولوی) محمد اکرم ندوی ۴۰۴
(حضرت مولانا) محمد الیاس کاندھلوی ۱۱
(ابوالفرید) محمد امام الدین ۳۵۷
(خواجہ) محمد امین ولی اللّٰہی کشمیری (جمال الدین شاہ) ۱۲۲، ۱۴۷، ۱۹۰، ۳۴۷، ۳۴۸، ۳۸۱، ۳۹۰، ۳۹۱
(مولانا) محمد اویس ندوی نگرامی ۱۶۴، ۴۰۳
(ڈاکٹر) محمد باقر ۱۰۶
(مولانا) محمد برہان الدین سنبھلی ۱۳
(مولانا) محمد بشیر سہسوانی ۳۶۰
(مولوی) محمد بشیر الدین صدیقی ۱۱۷
(حضرت) محمد بن ابی بکر الصدیق رضؓ ۳۸۸
(شیخ) محمد بن احمد السفارینی ۳۳
(الامیر) محمد بن اسماعیل الکحلی الصنعانی ۲۵، ۳۳
(شاہ) محمد بن حسن غوثی ملاوی ۶۵
(امیر) محمد بن سعود ۳۹۵
(شیخ) محمد بن شاہ ولی اللّٰہ ۱۰۵، ۱۲۲، ۳۴۵، ۳۵۶
(علامہ) محمد بن عبدالباقی الزرقانی ۳۳
(امیر) محمد بن عبداللّٰہ ۲۲
(شیخ) محمد بن عبدالوہاب النجدی ۲۱، ۹۷-۳۹۴
(حضرت سید) محمد بن شاہ علم اللّٰہ ۱۱۸
(علامہ) محمد بن علی الشوکانی ۲۵، ۳۳
(سلطان) محمد بن قلاؤون ۲۹۴
(شیخ) محمد بن ناصر نجدی ۳۶۰
(سردار) محمد بے (ابوالذہب) ۲۲
(شیخ) محمد پھلتی صدیقی ۷۵، ۷۶، ۸۸، ۹۷، ۹۸، ۱۰۷، ۴۰۶
(شیخ سید) محمد ترمذی ۸۲
(شیخ) محمد جاد پھلتی ۱۲۲، ۳۴۷
(مولانا) محمد حسن فرنگی محلی (ملا حسن) ۵۹
(مولوی) محمد حسین آزاد ۳۵۱
(مولانا) محمد حسین بٹالوی ۳۶۰
(مولانا) محمد حیات سندی ۳۲، ۱۹۹
(نواب) محمد خاں عالم خاں بہادر تہور جنگ ۳۷۶
(مولانا حافظ) محمد رحیم بخش دہلوی ۶۶، ۴۰۲
(ڈاکٹر) محمد رواس قلعہ جی ۲۷۱
(شیخ الحدیث مولانا) محمد زکریا سہارنپوری ۱۹۲، ۱۹۳، ۳۶۰
محمد ساقی مستعد خاں ۴۳
(پروفیسر) محمد سرور ۴۰۴
(خواجہ) محمد سعید ۳۴۴

(علامہ) محمد سعید السنبل ۳۳
(سلطان) محمد شاہ ابن جہاں شاہ ۴۶، ۴۷، ۵۱
۵۳-۵۷، ۶۱، ۱۱۵، ۲۹۶، ۳۰۳
(سید) محمد صابر حسنی ۳۹۱
(خواجہ) محمد صادق ۳۴۴
(مولانا) محمد صادق مدراسی ۴۱۱
(علامہ) محمد طاہر پٹنی ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۹
(شیخ) محمد عابد سنامی ۶۰
(شیخ) محمد عاشق پھلتی ۷۶، ۱۱۳، ۱۱۵، ۱۲۲
۱۲۶، ۲۲۰، ۳۰۲، ۳۰۳، ۳۱۴، ۳۴۷، ۳۴۸
۳۸۱، ۳۸۲، ۳۸۷، ۳۹۱، ۳۹۴
(شیخ) محمد عاقل ۷۵
(میر) محمد عتیق ۱۲۲
(حضرت سید) محمد عدل (شاہ لعل) ۱۱۹
(مولانا سید) محمد علی واعظ رامپوری ۳۷۶
(حجۃ الاسلام امام ابو حامد) محمد الغزالی ۳۵، ۱۴۸
۲۱۹، ۲۴۷، ۲۵۶، ۳۲۳
(شاہ) محمد غوث قادری لاہوری ۶۰
(شیخ) محمد غوث گوالیاری ۱۷۴
(مولانا) محمد فاخر زائر الہ آبادی ۱۹۸
(شیخ) محمد فاکہی حنبلی ۱۷۹
(مولوی) محمد فائق پھلتی ۱۰۷، ۱۲۲
(استاد) محمد فرید المحامی ۲۱
(حضرت مولانا) محمد قاسم نانوتوی ۳۶۰
(مفتی) محمد قلی خاں کنتوری ۳۶۲
(حکیم مرزا) محمد کامل دہلوی ۳۶۲
(شیخ) محمد مالکی مصری ۱۷۹
(استاد) محمد المبارک ۲۱۶
(خواجہ) محمد معصوم ۴۶-۳۴۴
(سید) محمد معین (ابن سید محمد ضیاء) ۱۲۷
(مولانا) محمد معین سندھی ۱۹۰
(استاد) محمد المغربی ۱۱۲
(شیخ) محمد میرداد انصاری ۳۹۳
(خواجہ) محمد ناصر عندلیب ۶۰
(مولانا سید) محمد نعمان حسنی ۱۱۸، ۱۴۲
(مولانا) محمد واضح حسنی رائے بریلوی ۲۴۸، ۳۹۴
(شیخ) محمد وفد اللہ مالکی ۱۱۲، ۱۹۹
(مولوی) محمد ہارون ندوی ۱۳
(خواجہ) محمد یحییٰ ۳۴۴
(مولانا) محمد یحیی کاندھلوی ۳۶۰
(مولانا شاہ) محمد یعقوب دہلوی ۳۵۸، ۳۶۹، ۳۸۰
(شیخ) محمود ۶۹
(سلطان) محمود اول ۲۰، ۲۲
(شیخ الہند مولانا) محمود حسن دیوبندی ۳۶۰
(سلطان) محمود خاں غلزئی ۲۶
محمود خاں محمود بنگلوری ۳۶۷
(سلطان) محمود غزنوی ۲۹، ۳۰، ۱۰۶
(سلطان) محی السنہ بن کام بخش ۴۶، ۴۷
(شیخ اکبر) محی الدین ابن عربی ۸۴، ۴۱۴
مختار عراقی ۲۷۰
المرادی ۳۳، ۳۴

(مولوی سید) مرتضیٰ نقوی ۱۳
(علامہ سید) مرتضیٰ بلگرامی زبیدی ۱۹۰
(فاضل) مرزا جان ۳۶، ۳۸
مرشد قلی خاں (فوجدار) ۲۸۸
(خلیفہ) مروان بن محمد (مروان الحمار) ۳۰۴
(خلیفہ) مسترشد باللہ ۲۶۰
(خلیفہ) مستعصم باللہ ۲۶۰، ۲۶۱، ۳۰۴
مسعود انور علوی علیگ ۳۹۱
(امیر) مسعود بن سعید ۲۳
(سلطان) مسعود سلجوقی ۲۶۰، ۲۶۱
(مولانا) مسعود عالم ندوی ۳۹۵
(سید سالار) مسعود غازی ۳۳۰
(امام) مسلم ۳۵
(سلطان) مصطفیٰ ثانی ۲۰
(سلطان) مصطفیٰ ثالث ۲۰، ۲۱
مصطفیٰ خاں ۲۱
(سید) المطہر ۲۵
(خلیفہ) المطیع للہ ۲۳
(حضرت مرزا) مظہر جانِ جاناں ۶۰، ۱۱۳، ۱۹۰، ۲۹۰، ۳۴۸، ۳۵۸، ۴۰۶
(حضرت) معاویہؓ ۲۶۵، ۲۷۰
(سلطان) معزّ الدین جہاندار شاہ ۴۶، ۴۷
(شیخ) معظم ۶۹-۷۱
(شیخ) معمر ابراہیم بن داؤد مانیپوری ۱۷۹
(مخدوم) معین الدین سندھی ۱۱۴
معین الملک (میر منّو) ۲۸۴
ملّا زادہ ۱۰۰
ملہر راؤ ہلکر ۲۷۶، ۳۰۷، ۳۱۹
(مولانا سید) مناظر احسن گیلانی ۳۲۶
(الحاج) منصور محمد ۴۱۱
(شیخ) منصور ۶۹، ۷۰
(شاہ) منیب اللہ بالاپوری ۶۰
(ملکہ) مہر پرور ۵۴
(امیر قاضی) میر زاہد دیکھئے زاہد
(خواجہ) میر درد ۶۰

(ن)

(سلطان) نادر شاہ افشار ۱۷، ۲۹، ۲۶، ۵۱، ۵۵، ۵۶، ۲۹۱، ۲۹۳
(قاضی) ناصر الدین بیضاوی ۱۰۰
(مولوی سید) ناصر حسین ۳۶۲
(امام) ناصر الدین شہید سونی پتی ۱۰۶، ۱۰۷
(گرو بابا) نانک ۲۸۱، ۲۸۵
(مولوی) نثار الحق ندوی ۱۳
(نواب) نجف علی خاں ۳۶۳
(نواب) نجیب الدولہ ۵۸، ۲۷۶، ۲۸۰، ۲۸۹، ۲۹۷، ۷-۳۰۵، ۳۰۹، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۱۸، ۳۱۹، ۳۲۰
(مولانا سید) نذیر حسین محدث دہلوی (میاں صاحب) ۱۱۶، ۳۵۹
(امام) نسائیؒ ۳۵، ۲۰۷

(شاہ) نصیر ۳۵۱
(مولوی) نصیر الدین (صاحبِ نجیب التواریخ) ۳۰۵
(حضرت سید) نصیر الدین چراغ دہلی ۳۰۲
(امیر الممالک) نصیر الدین ۱۰۶
(خواجہ) نصیر الدین طوسی ۳۵، ۳۸۴
(سلطان المشائخ خواجہ) نظام الدین اولیاء ۶۵، ۲۷۷، ۳۰۲
(استاذ العلماء ملّا) نظام الدین سہالوی فرنگی محلی ۶۰، ۱۰۱، ۱۸۲
(وزیر) نظام الملک طوسی ۲۵۶
(ملّا) نظام الدین برہانپوری (سررشتۂ تدوین فتاوی عالمگیر) ۸۴، ۸۵
(علامہ سید) نعمان خیر الدین آلوسی بغدادی ۱۱۱، ۳۸۵
(سید) نور الجبار سونی پتی ۷۱
(مولوی) نور الحسن راشد کاندھلوی ۱۳، ۱۲۸
(علامہ مفتی) نور الحق دہلوی ۱۸۰، ۱۸۱، ۲۷۳
(امیر) نور العلاء ۸۲، ۸۳
(مولوی) نور محمد ۱۱۵
(شاہ) نور محمد بدایونی ۶۰
(مولانا) نور اللہ بڑھانوی ۳۴۷، ۳۹۰، ۳۹۴
(امام) نوویؒ ۲۴۲
(میاں) نیاز گل خاں ۳۰۵
(سلطان) نیکوسیر ۴۶

(و)

(شیخ) وجیہ الدین شہیدؒ ۶۶، ۶۷، ۶۹، ۷۱، ۷۶-۷۳، ۸۷، ۹۱
(حکیم الاسلام شاہ) ولی اللہ دہلوی پوری کتاب
(مولانا) ولایت علی عظیم آبادی ۳۷۲، ۳۷۶
ولایتی بیگم ۳۶۸
ولیم ایل لینگر ۲۸
(شیخ) ولی محمد نارنولی ۸۲

(ہ)

(مرزا) ہادی رسوا لکھنوی ۳۶۲
(جنرل) ہارس (HARRIS) ۳۶۷
(خواجہ) ہاشم نقشبندی ۸۰
(سید) ہاشمی فرید آبادی ۵۳، ۵۴، ۶۱، ۶۲
ہرچرن داس ۲۸۸
ہرہر دیو ۱۰۶
ہرگووند ۲۸۲، ۲۸۳
(شہنشاہ) ہمایوں ۱۸
ہمر (HEMER) ۲۱
(ملہر راؤ) ہولکر دیکھئے ملہار
ہندو راؤ ۳۶۹

(ی)

یار محمد ۲۸۷
(امام) یحیی بن یحیی مصمودی ۱۹۲
(مولانا) یحیی علی صادقپوری ۳۷۲
(خلیفہ) یزید بن معاویہ ۲۷۰، ۲۷۲
(شیخ) یعقوب بن حسن کشمیری ۱۷۹
یعقوب علی خاں (قلعہ دار) ۲۷۷

کتابیات

قرآن مجید

الف

آب حیات ۳۵۱

وفیات الأعیان ۲۵۶

ابن کثیر (البدایہ والنہایہ) ۲۶۱

اتحاف السادۃ المتقین لشرح احیاء علوم الدین ۱۹۰

اثار الصنادید ۱۲۸

الأحکام السلطانیہ والولایات الدینیہ ۲۵۵، ۲۵۷

احیاء علوم الدین ۳۲۳، ۳۲۴

اخبار الأخیار ۶۵

الأربعین ۳۹۸

ارجوزۂ اصمعی ۳۵۴

الارشاد الی مہمات علم الاسناد ۱۰۰، ۱۰۵، ۳۴۸

ارشاد الطالبین ۴۱۲

ازالۃ الخفاء عن خلافۃ الخلفاء ۱۲۵، ۲۴۹-۵۵، ۲۶۲، ۲۶۳، ۲۶۶، ۲۶۹، ۲۷۰، ۲۷۳، ۲۹۶، ۳۲۱، ۳۴۱، ۳۶۱، ۳۹۹

اسرار المحبۃ (رسالہ) ۳۸۳

الاسفار الأربعہ ۳۶

اسلامی علوم وفنون ہندوستان میں ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۳، ۳۶۱

اسلامی مزاج وماحول کی تشکیل وحفاظت میں حدیث کا بنیادی کردار (رسالہ) ۱۷۰، ۱۷۶، ۲۱۶

اشراق ہیاکل النور ۳۶

اصول بزدوی ۱۰۰

اصول فقہ اور شاہ ولی اللہ ۴۰۹

اطیب النغم فی مدح سید العرب والعجم ۳۹۹

الأعلام (زرکلی) ۲۳، ۱۱۰

الأفق المبین ۳۶

ألطاف القدس ۱۲۵، ۳۹۹

الامداد فی مآثر الأجداد ۶۶، ۷۳، ۳۹۹، ۴۰۰

الانتباہ فی سلاسل اولیاء اللہ ۳۹۳، ۳۹۹

انسان العین فی مشائخ الحرمین (رسالہ) ۶۶

انسائیکلوپیڈیا آف اسلام ۹۷، ۱۲-۱۰۹، ۱۹۹، ۴۰۰

انسائیکلوپیڈیا تاریخ عالم ۳۱۳

الانصاف فی بیان اسباب الاختلاف ۲۷، ۲۸

انفاس العارفین ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۳، ۴۰۰

الأوائل السنبلیہ فی أوائل کتب الحدیث ۶۶، ۶۷، ۷۷، ۷۸، ۸۷-۸۰۰

۸۹، ۹۷، ۹۸، ۱۰۳، ۱۰۴، ۱۲۵، ۲۰۱، ۳۹۹

۴۰۰، ۴۰۳-۴۰۶

۳۳

اوجز المسالك ۱۹۲، ۳۶۰

اهل السنة والجماعة (رساله) ۱۶۷

ایات الله الکاملہ ۲۲۱

ایضاح الحق الصریح فی احکام المیت والضریح ۳۷۸

AURANGZEB ۴۳-۴۵

AURANGZEB AND HIS AGE ۴۳

AHMAD SHAH DURRANI ۳۱۳

A HISTORY OF THE SIKHS GUARD ۲۸۲

ORME COLLECTIONS ۲۸۸

(ب پ)

البدر الطالع بمحاسن من بعد القرن السابع ۳۳

البدور البازغة ۴۰۰

بذل المجهود ۳۶۰

البرق الیمانی فی الفتح العثمانی ۲۵

برہان (رسالہ) ۱۲۸، ۳۹۱

بستان المحدثین ۳۵۳، ۳۵۸

البعث الاسلامی (مجلہ) ۴۰۴

بلوغ المرام ۳۳

بوارق الولایۃ (رسالہ) ۴۰۰، ۴۰۱

بوستان ۱۴۵

البیان فی علوم القرآن (مقدمہ تفسیر حقانی) ۱۴۵

بیضاوی شریف ۷۷، ۹۹، ۳۵۶

PARTIES AND POLITICS IN THE MUGHAL COURT ۴۸

PORTUGUESES ۲۷۹

(ت)

تاج العروس ۱۹۰

تاریخ اخبار و آثار ۳۵

تاریخ اورنگ زیب ۲۸۸

تاریخ دعوت و عزیمت ۹، ۱۱، ۱۵، ۱۶، ۴۳، ۶۸، ۹۴، ۱۳۵، ۱۳۶، ۱۷۴، ۲۵۸، ۲۹۴، ۳۲۴، ۳۳۹

تاریخ الدولۃ العلیۃ العثمانیہ ۲۱

تاریخ سلطنت خداداد میسور ۳۶۷

تاریخ فیروز شاہی ۶۸

تاریخ المذاہب الاسلامیہ ۲۴

تاریخ نثر اردو ۱۴۸

تاریخ ہند ۵۳، ۵۴، ۶۲، ۲۷۹

تاریخ ہندوستان ۴۵، ۵۲-۴۸، ۵۵، ۵۶، ۵۸، ۲۷۸، ۲۸۰، ۲۸۲، ۲۸۹، ۳۰۶، ۳۰۷، ۲۰-۳۱۸

تاویل الأحادیث ۴۰۱

تبییض المصفّٰی شرح المؤطا ۳۸۹

تحفۂ اثنا عشریہ ۳۵۳، ۳۶۱، ۳۶۳، ۳۶۴

تحفۃ الأحوذی ۳۶۰

تحفۃ الموحّدین ۱۴۲، ۱۴۴، ۴۰۲

تحقیق و انصاف کی عدالت میں ایک مظلوم مصلح کا مقدمہ (رسالہ) ۳۷۶

تذئیل شفاء الغرام لأخبار البلد الحرام ۲۳

تراجم البخاری (رسالہ) ۱۹۳

تراجم ابواب البخاری (رسالہ) ۱۹۳، ۴۰۲

تعبیر رؤیا (رسالہ) ۳۵۴

التعلیق الممجّد علی مؤطا الامام محمد ۲۵۱
التفسیرات الاحمدیہ ۵۹
تفسیر تبصیر الرحمٰن وتیسیر المنّان ۱۹۹
تفسیر حقّانی ۱۴۵، ۲۴۸
تفسیر روح المعانی ۲۶۹
تفسیر زہراوین ۴۰۵
تفسیر فتح الرحمٰن ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۵، ۱۴۷، ۴۰۷، ۴۱۲
تفسیر فتح العزیز (تفسیر عزیزی۔ بستان التفاسیر) ۳۵۳، ۳۵۶
تفسیر کشاف ۱۰۰
تفسیر مدارک ۹۹
تفسیر مظہری ۱۹۰
التفہیمات الالٰہیہ ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۸۹، ۳۲۱، ۳۲۵، ۳۲۶، ۳۲۸، ۳۲۹، ۳۴۰، ۳۴۱، ۳۴۸، ۳۹۹، ۴۰۲، ۴۱۳
تقصار جیود الأحرار من تذکار جنود الأبرار ۳۷۵
تقویۃ الایمان ۳۷۸
تکملہ تفسیر فتح الرحمٰن ۳۵۷
تکمیل الصناعۃ ۳۸۴
تلبیس ابلیس ۳۲۴
التمہید ۳۹۰
تنبیہ الغافلین ۸۷
تنقیح الأنظار، توضیح الأفکار ۳۳
التوحید الذی ہو حق اللہ علی العبید ۳۹۲
توضیح وتلویح ۱۰۰

ج چ

جامع الترمذی ۱۸۳، ۳۴۷
جائزہ تراجم قرآنی ۱۴۵، ۱۴۹
الجزء اللطیف فی ترجمۃ العبد الضعیف ۸۸، ۹۷، ۹۹، ۱۰۲، ۱۰۳، ۱۰۹، ۲۰۰، ۲۰۱، ۴۰۲، ۴۰۹
جلاء العینین فی محاکمۃ الأحمدین ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۶۸
جلالین ۳۵۶، ۳۸۵
جواہر خمسہ ۱۷۴
چہار گلزار شجاعی ۲۸۸
چہل حدیث ولی اللّٰہی (اربعین ولی اللّٰہی) ۳۹۸

ح خ

حاشیہ خیالی ۸۱، ۸۲
حاشیہ شرح عقائد ۸۱
حاشیہ ملّا زادہ ۱۰۰
حاشیہ ملّا کوسج ۳۵۴
حاضر العالم الاسلامی ۳۹
حجۃ اللہ البالغہ ۱۰۱، ۱۲۵، ۱۵۸، ۱۶۰، ۱۶۲، ۱۶۷، ۱۸۴، ۱۸۵، ۱۹۴، ۱۹۵، ۲۰۱، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۸، ۲۱۰، ۲۱۵–۲۹، ۲۳۷، ۲۳۹–۴۴، ۲۴۸، ۲۴۹، ۲۵۱، ۲۵۴، ۲۷۰، ۲۹۹، ۳۲۱، ۳۴۶، ۳۹۹، ۴۰۱، ۴۰۳
حسام الاسلام ۳۶۵
حاشی ۱۰۰

حسرۃ العالم بوفاۃ مرجع العالم (رسالہ) ۷۸
حسن العقیدہ دیکھئے العقیدۃ الحسنہ
حفظ الایمان (رسالہ) ۳۹۹
حصن حصین ۳۴۷
الحکومۃ الاسلامیۃ ۲۵۲
حیات شیخ عبدالحق محدث دہلوی ۱۸۱
حیات ولی ۶۶، ۱۱۴، ۱۴۱، ۴۰۲، ۴۰۷
خلاصۃ الکلام ۲۳
خیالی ۱۰۰
الخیر الکثیر ۲۰۳

(د) (ذ)

دار الحکومت دہلی ۱۱۵
دائرہ معارف اسلامیہ ۲۸۵
دراسات اللبیب فی الأسوۃ الحسنۃ بالحبیب ۱۹۰
الدرّ الثمین فی مبشّرات النبی الامین ۴۴
درّ مختار ۳۶۸
الدرر المصنوعات فی الاحادیث الموضوعات ۳۳
دستور الانشاء ۲۸۷
دستور حیات ۱۳۳، ۱۶۵
دمغ الباطل ۳۸۳
دور الحدیث فی تکوین المناخ الاسلامی وصیانتہ ۱۷۰
دہلی اور اس کے اطراف ۱۱۶، ۱۱۷
دیوان اشعار ۴۰۴
الذکر الجلی فی کرامات السید محمد علی ۳۷۶
ذوالفقار (کتاب) ۳۶۵

(ر) (ز)

الرحیم ۴۰۴
ردّ روافض ۴۰۲
رسالہ ۴۰۴
رسالہ دانشمندی ۴۰۴
رسالہ قطبیہ ۳۷
رسائل نقشبندیہ ۱۰۰
روح البیان فی تفسیر القرآن (تفسیر حقانی) ۳۳
روح المعانی دیکھئے تفسیر روح المعانی
ROLE OF HADITH IN THE PROMOTION OF ISLAMIC CLIMATE & ATTITUDES ۱۷۰
زاد المعاد ۱۶۴
زعماء الاصلاح فی العصر الحدیث ۳۹۶
زواھد ثلاثہ ۳۷

(س)

سبل السلام ۲۵، ۳۳
سبیل الرشاد ۳۸۹
السرّ الجلیل فی مسئلۃ التفضیل ۳۵۳
سرّ الشہادتین (رسالہ) ۳۵۳
سرور محزون ۴۰۶

سطعات ۴۰۵
سلك الدرر فی أعیان القرن الثانی عشر ۳۳-۳۵
سلّم العلوم ۵۹، ۳۶۱
سنن ابن ماجہ ۱۹۳، ۳۴۷
سنن ابی داؤد ۱۸۳، ۳۴۷
سنن بیہقی ۱۶۴، ۲۷۲
سنن النسائی ۳۴۷
سوانح احمدی ۳۷۶
سید احمد شہید (مہر صاحب) ۳۷۶
السیاسۃ الشرعیۃ فی اصلاح الراعی والرعیہ ۲۵۷
سیر الاولیاء ۶۵
سیرت سید احمد شہید ۱۱، ۳۰، ۴۱، ۹۲، ۲۸۶، ۳۲۲، ۳۴۰، ۷۱-۳۶۹، ۳۷۶، ۳۷۷
سیر المتاخرین ۴۹-۴۷، ۵۲، ۲۸۱
سیف ناصری ۳۶۵

(ش)

شافیہ ۱۴۴
شاہ ولی اللہ دہلوی کے سیاسی مکتوبات ۲۸۷، ۲۸۸، ۲۹۶، ۳۰۱، ۱۰-۳۰۳، ۱۷-۳۱۴، ۳۱۹، ۳۲۰
شرح اشارات ابن سینا ۳۵
شرح تراجم ابواب صحیح البخاری ۱۹۳، ۴۰۶
شرح تہذیب ۳۷
شرح جامی ۳۵، ۱۰۰
شرح دعائے اعتصام ۳۸۹
شرح رباعیات (جامی) ۱۰۰
شرح سلّم (حمد اللہ) ۵۹
شرح سلّم (ملّا حسن) ۵۹
شرح سلّم (قاضی) ۵۹
شرح شمسیہ ۱۰۰
شرح عقائد ۸۱، ۱۰۰
شرح مطالع ۱۰۰
شرح مواقف ۳۷، ۸۲، ۱۰۰
شرح وقایہ ۳۷، ۳۸، ۱۰۰
شرح ہدایۃ الحکمۃ ۳۶، ۱۰۰، ۳۵۴
شفاء العلیل ۳۴۸، ۴۱۰، ۴۱۱
شفاء القلوب ۴۰۶
شمائل ترمذی ۹۹، ۱۰۵، ۱۸۱، ۳۴۷
شمائل نبوی ۱۱۰
شوارق المعرفۃ (رسالہ) ۴۰۰، ۴۰۶

(ص)

صحاح ستہ ۳۲، ۱۱۲، ۱۷۴، ۱۸۳، ۱۹۲، ۳۴۷، ۳۵۸
صحیح بخاری ۹۹، ۱۱۲، ۱۳۹، ۸۳-۱۸۱، ۱۹۳، ۲۱۸، ۲۴۷، ۲۵۹، ۴۰۶
صحیحین ۱۱۲
صحیح مسلم ۹۶، ۱۳۹، ۱۷۸، ۱۸۳، ۳۴۷
صدرا (شرح ہیاکل النور) ۳۶، ۳۷

صراط مستقیم ۳۴۰
صوارم الالٰہیات ۳۶۵
صیانۃ الناس عن وسوسۃ الخناس ۳۷۵، ۳۷۶

(ط) (ظ)

طبقات الشافعیۃ الکبریٰ ۷۸، ۲۵۶
طریق النجاۃ ۳۶۰
ظفرنامہ شاہجہاں ۴۴

(ع) (غ)

عبقات الانوار فی امامۃ الأئمۃ الأطہار ۳۶۱، ۳۷۸
العجالۃ النافعۃ ۳۵۳، ۳۵۸، ۳۹۰
عرب ودیار ہند ۱۹۹
عزیزیہ (حاشیہ) ۳۵۴
العطیۃ الصمدیہ فی الأنفاس المحمدیۃ ۷۵، ۴۰۰، ۴۰۶
عقائد الاسلام ۲۴۸
عقد الجید فی احکام الاجتہاد والتقلید ۱۹۵، ۲۱۲، ۴۰۶
العقیدۃ الحسنۃ (حسن العقیدۃ) ۱۶۴، ۱۶۵، ۴۰۳، ۴۰۶
العقیدۃ السنیہ ۱۶۴، ۴۰۳
العقیدۃ والعبادۃ والسلوک ۱۶۴
علم الکلام ۲۴۸
عنوان المجد ۲۳
عوارف ۱۰۰
غایۃ المقصود ۳۶۰
غرائب القرآن ۱۴۵
غنیۃ الطالبین ۸۷
غیاث الأمم فی التیاث الظلم (الغیاثی) ۲۵۶

(ف)

فتاویٰ عالمگیریہ (الفتاوی الہندیہ) ۴۳، ۴۴، ۸۴
فتاویٰ عزیزی ۳۶۹
الفتاوی فی المسائل المشکلۃ ۳۵۳
فتح الباری ۱۱۰، ۳۸۰
فتح الخبیر ۴۰۷
فتح الرحمٰن دیکھئے تفسیر فتح الرحمٰن
فتح المعین ۱۹۹
فتح الودود لمعرفۃ الجنود ۴۰۷
فتوحات مکیہ ۳۵
الفرقان (رسالہ) ۱۹۲، ۲۹۳، ۳۲۶، ۳۴۱، ۳۴۲
فصوص الحکم ۳۵، ۸۴
الفضل المبین فی المسلسل من حدیث النبی الأمین (رسالہ) ۱۹۳، ۴۰۷
الفوائد المأتۃ ۱۰۰
الفوز الکبیر فی أصول التفسیر ۱۳۹، ۱۴۰، ۵۳ — ۱۵۰، ۱۵۶، ۱۵۸، ۳۹۹، ۴۰۷
فیوض الحرمین ۱۱۴، ۱۲۵، ۱۹۸، ۴۰۷
فال آف دی مغل امپائر ۵۴، ۲۷۸، ۳۰۶

(ق)

قاموس ۱۹۰
قرۃ العین ۲۰۳
قرۃ العینین فی تفضیل الشیخین ۴۰۷
قصر عارفان ۱۰۶
قوت القلوب ۲۰۵
القول الجلی فی مناقب الولی ۸۸، ۹۷، ۹۸، ۱۰۸، ۱۰۹، ۱۱۳، ۲۹۲، ۳۸۹
القول الجمیل فی بیان سواء السبیل ۳۹۳، ۴۰۸، ۴۰۹

(ک)

کاروان ایمان وعزیمت ۳۴۰، ۳۷۲، ۳۸۰
کافیہ ۹۹، ۱۰۰، ۱۴۴
کتاب الآثار ۱۱۲
کتاب الخراج ۲۵۵
کشاف اصطلاحات الفنون ۵۹
کشف الخفا ومزیل الالباس عمّا اشتہر من الاحادیث علی ألسنۃ الناس ۳۲
کشف الغطاء عن السنۃ البیضاء ۲۷۴
کلکتہ گزٹ ۳۶۷
کلمات طیبات ۶۰، ۱۸۶، ۱۸۹، ۲۹۰، ۳۹۱، ۴۱۳
کمالین ۱۸۱
کنز العمال ۱۷۶، ۱۹۹
کیمبرج ہسٹری آف انڈیا ۴۲
کیمبرج ہسٹری آف دی ورلڈ ۴۲
گرنتھ ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۵
گلزار ابرار ۶۵
گلستان ۱۴۵

(ل)

لُبّ الالباب ۱۰۰
لسان العرب ۲۲۵
لمعات ۴۱۲
لوائح ۱۰۰
LATER MUGHALS ۲۸۷

(م)

ماثر الاجداد دیکھئے الامداد فی مآثر الاجداد
مآثر عالمگیری ۴۳
مآثر الکرام ۶۲، ۶۱
مالابدمنہ ۱۹۰
مجمع بحار الأنوار ۱۷۶، ۱۷۹
مجموعہ خمسہ رسائل شاہ ولی اللہ ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۱۳
مجموعۂ رسائل اربعہ ۱۹۳، ۴۰۲
مجموعۂ رسائل شاہ ولی اللہ ۶۷، ۷۳، ۷۵، ۱۶۵
مجموعہ کشف الأستار عن رجال معانی الآثار ۱۱۰
مجموعۂ مکتوبات شاہ عبدالرحیم وشاہ ولی اللہ ۳۰۵
محلّی ۱۸۱

محمد بن عبدالوہاب ایک مظلوم اور بدنام مصلح ۳۹۵
مختارات ۲۳۵
مختصر المعانی ۳۵، ۱۰۰
المرآۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ (المقالۃ الوضیۃ فی النصیحۃ والوصیۃ) (وصیت نامہ) ۹۳، ۹۴، ۱۶۵، ۱۹۳، ۴۱۲
مرقاۃ ۱۷۶
مسلسلات (رسالہ) ۱۹۴، ۴۰۲، ۴۰۴، ۴۰۷، ۴۱۳
مسلّم الثبوت ۵۹، ۳۶۱
مسند امام احمد ۱۱۰
مسند دارمی ۱۱۲
المسوّیٰ فی احادیث المؤطا ۱۹۲، ۳۴۷، ۴۱۲
مشارق الانوار ۱۰۱، ۱۷۸
مشکوٰۃ المصابیح ۱۲، ۷۷، ۸۷، ۹۹، ۱۷۶، ۲۷۲، ۳۴۷
مصابیح ۳۹۳
مصابیح السنۃ ۱۷۸
مصباح ۱۰۰
مصفّٰی ۱۹۲، ۲۰۳، ۲۱۳، ۲۱۴، ۴۱۲
مضامین عالمگیر ۴۳
مطول ۱۰۰
مظاہر حق ۳۵۹
مفتاح کنوز السنۃ ۱۸۴
مقاصد الشریعۃ الاسلامیہ ومکارمہا ۲۱۶
مقالات سلیمانی ۶۴
مقالات طریقت ۱۰۵، ۳۴۹، ۳۵۷، ۳۶۵
مقامات حریری ۱۰۱، ۱۰۲
مقدمہ ابن خلدون ۲۶، ۲۹۹
المقدمۃ البنیہ فی الانتصار للفرقۃ السُّنّیۃ ۴۱۲
مقدمہ شرح اللمعات ۱۰۰
المقدمۃ فی قوانین الترجمۃ ۴۱۲
مقدمۃ نقد النصوص ۱۰۰
مکتوبات امام ربانی ۹۵
مکتوبات مع مناقب امام بخاری وفضیلۃ ابن تیمیۃ ۴۱۳
المکتوب المدنی ۴۱۲
مکتوب المعارف ۱۰۵، ۱۱۹، ۱۲۷، ۳۹۴
ملفوظات عزیزی ۳۸، ۶۱، ۶۲، ۱۱۱، ۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۸، ۲۹۱، ۳۵۶
منار (رسالہ) ۱۰۰
المنار (مجلہ) ۱۸۳
مناقب حیدریہ ۳۵۰
منتہی الکلام ۳۵۷، ۳۸۱
منصب امامت ۳۷۸

منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین ۱۳۵
منصور ۱۲۵
منہاج السنہ ۲۵۸
موجز ۱۰۰
موسوعۃ فقہ عمر بن الخطاب ۲۷۱
موضح القرآن ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۴۹، ۳۸۶، ۳۸۷، ۴۰۷
مہر جہاں تاب ۳۸۶
مؤطا امام مالک ۱۱۲، ۱۹۲، ۱۹۳، ۲۰۲، ۳۴۷، ۴۱۲
مؤطا یحییٰ بن یحییٰ ۱۱۲، ۱۹۲
MACAUFFE ۲۸۵
مسلم رول ان انڈیا ۴۲
میر زاہد (رسالہ) ۳۵۴
میر زاہد شرح مواقف ۳۵۴
میر زاہد ملا جلال ۳۵۴
میزان البلاغۃ (رسالہ) ۳۵۳
میزان الکلام (رسالہ) ۳۵۳

(ن)

النبذۃ الابریزیۃ فی اللطیفۃ العزیزیۃ ۷۳، ۴۰۰، ۴۱۳
نجوم السماء (کتاب) ۳۶۲
نجیب التواریخ ۳۰۵
نزھۃ الخواطر ۶۰، ۷۳، ۷۶، ۸۲، ۱۰۵، ۱۱۳، ۱۱۶، ۱۱۹، ۱۹۰، ۱۹۱، ۱۹۸، ۳۴۵، ۳۴۶، ۳۵۴، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۸۰، ۳۸۱، ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۹۰، ۳۹۱
نصب الرایۃ فی تخریج احادیث الھدایۃ ۱۹۵
نظام الملک طوسی ۳۵۶
نعمۃ اللہ السابغۃ ۲۲۱، ۲۴۸
النوادر من احادیث سید الاوائل والاواخر ۴۰۴، ۴۱۳
نور الانوار ۵۹
نور العیون فی سیر الامین المامون ۴۰۶
نیل الاوطار ۲۵، ۳۳
نہنگ سنگ سدیس (اخبار) ۲۸۳
جدید دنیائے اسلام (NEW WORLD OF ISLAM) ۳۹، ۴۱

(و)

(رسالہ) وصایا۔ یا۔ وصیت نامہ دیکھئے المرآۃ الوفیہ
وصیت نامہ (فارسی) ۲۰۲، ۳۴۱
وقائع احمدی ۳۷۲

(ہ ی)

ہدایہ ۱۰۰
الہوامش الستۃ ۳۲
ہوامش شرح حزب البحر ۴۱۵

مقامات

الف

اٹک ۲۷۷
اجمیر ۲۸۷
احمد آباد ۱۷۹
آرہ ۴۰۲
اڑیسہ ۵۶، ۵۷، ۳۶۶
آسام ۴۲
استنبول ۱۱۲
اسلام آباد ۴۰۹
اصفہان ۲۶
اعظم گڑھ ۱۸۳، ۳۶۱
افغانستان ۱۷، ۱۸، ۱۹، ۲۶، ۲۹، ۳۰، ۳۷، ۳۸، ۱۳۷، ۱۴۲، ۱۷۵، ۱۹۹
افریقہ ۱۷۶، ۱۷۹
اکبر آباد ۱۷۹، ۱۸۲
آگرہ ۵۱، ۵۷، ۱۶۴، ۱۸۲، ۸۹-۱۸۷، ۱۹۶
الور ۲۸۹
الہ آباد ۵۸، ۳۲۰، ۳۶۷
امرتسر ۲۸۱، ۲۸۴
امروہہ ۲۷۷
اناطولیہ ۲۲
اندلس ۱۷۶
انڈونیشیا ۳۴
اورنگ آباد ۴۹، ۶۲
اودھ ۵۷، ۹۲، ۲۷۶، ۳۲۰، ۳۶۲، ۳۶۳
ایران ۱۹-۱۷، ۲۹-۲۵، ۳۲، ۳۸-۳۵، ۴۳، ۵۱، ۶۸، ۹۱، ۱۰۰، ۱۳۷، ۱۴۲، ۱۶۷، ۱۷۷، ۲۵۲، ۳۶۳
ایشیائے کوچک ۱۹

ب

بارہ بنکی ۷۵
بانس بریلی ۲۸۹
بدایوں ۲۸۹
بدخشاں ۱۹۹
بدھ گیا ۳۶۳
بغداد ۱۱۲
بلخ ۱۹۹
بلوچستان ۱۹۹
بمبئی ۱۷۹
بنارس ۱۸۲، ۲۸۹
بنگال ۱۷۹، ۲۸۹
بنگلہ دیش ۱۹۶
بہار ۱۷۹، ۲۸۹
بہاولپور ۲۸۹
بیجاپور ۱۷۹
بیکانیر ۲۸۹

پ

پاکستان ۱۹۶
پٹنہ ۱۸۲، ۲۸۹
پرتگال ۱۷۶
پشاور ۱۹۹
پنجاب ۱۷۹، ۲۸۹
پونا ۱۷۹

ت

تاشقند ۱۹۹
تبت ۱۹۹
ترکستان ۱۹۹
ترکی ۱۹۶
تھانیسر ۲۸۹

ج

جاپان ۱۹۶
جرمنی ۱۹۶
جمنا ۱۸۲
جنوبی افریقہ ۱۹۶
جودھپور ۲۸۹
جونپور ۲۸۹

بارہہ ۵۱
بازارچق (TOBULKHIN) ۲۱
بائی کلّہ ۱۴
بجنور ۳۲۵
بحراحمر ۱۰۸
بحرروم ۲۲
بحرہند ۱۰۸
بحیرۂ خزر (CASPIAN SEA) ۲۷
بخارا ۲۷، ۲۹، ۶۰، ۸۰
بخارسٹ ۲۱
برہانپور ۷۴
بڑھانہ ۵-۱، ۱۲۱، ۲۹۲
بریلی ۲۲۱، ۲۷۳
بغداد ۳۱، ۳۳، ۲۵۶، ۲۶۰، ۲۸۱
بکسر ۵۷، ۳۶۷
بلخ ۲۷
بلوچستان ۲۷، ۲۹
بمبئی ۱۴، ۲۷۹
بنگال ۴۹، ۵۶، ۵۷، ۲۷۸، ۳۶۲، ۳۶۶
بنگالہ ۴۷، ۵۰، ۷۳
بہار ۴۹، ۵۶، ۵۷، ۳۶۲، ۳۶۶
بھٹکل ۱۹۸
بہرائچ ۳۳۰
بھوپال ۲۲۱، ۲۷۳، ۳۷۵، ۳۸۰، ۴۱۲
بیانہ ۲۹۷
بیروت ۲۱، ۲۲، ۱۹۵

(پ)

پاک پٹن ۲۸۱
پاکستان ۳۹۸، ۴۰۱، ۴۰۹
پانی پت ۱۷، ۵۷، ۵۸، ۲۷۷، ۲۸۰، ۲۸۴، ۳۱۳، ۳۲۰
پشاور ۲۷
پلاسی ۳۶۷
پنجاب ۲۹، ۲۷۶، ۲۸۱، ۸۵-۲۸۳، ۳۵۹، ۳۷۰
پھلت ۷۵، ۷۶، ۹۷

(ت ٹ)

ترکستان ۱۸، ۳۵، ۶۸، ۹۱، ۱۳۷، ۱۴۲، ۱۷۷، ۳۴۵
ترکی ۲۱، ۲۴، ۳۴، ۳۹، ۴۳، ۳۴۵
توران ۵۱
تونس ۳۳، ۱۷۶
ٹونک ۳۷۱، ۴۱۲

(ج چ)

جدّہ ۱۰۹
الجزائر ۱۷۶
جزیرۃ العرب ۲۱، ۹۳، ۳۹۵
جمنا ۲۷۶، ۲۸۷
جنۃ المعلاۃ ۳۸۰
چتلی قبر (دہلی) ۱۱۶

چٹاگانگ ۴۲
چنبل ۲۸۷
چوک سعداللہ خاں (دہلی) ۱۲۲

(ح خ)

حجاز مقدس ۱۶، ۲۱-۲۵، ۳۲، ۵۵، ۹۱، ۹۳، ۹۷، ۱۰۲، ۱۰۷، ۱۱۳، ۱۱۴، ۱۴۱، ۱۴۲، ۱۴۵، ۱۷۳، ۱۷۵، ۱۷۶، ۱۸۶، ۱۹۱، ۱۹۹، ۲۰۰، ۳۵۸، ۳۵۹، ۳۷۹، ۳۹۵، ۳۹۸، ۴۰۷، ۴۰۹، ۴۱۲
حدیبیہ ۲۷۶، ۲۶۹
حرمین شریفین ۱۶، ۲۲، ۲۳، ۳۲، ۳۳، ۹۴، ۱۳-۱۰۷، ۱۴۶، ۱۷۴، ۱۷۹، ۱۸۲، ۱۹۱، ۱۹۹، ۲۰۱، ۲۸۱، ۴۰۹
حرم مکی ۱۷۵
حضرموت ۱۷۶
حلب ۳۲
حیدرآباد دکن ۵۲، ۶۲، ۷۴، ۱۹۳، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۸۰، ۳۶۸، ۳۷۶، ۳۹۵، ۴۰۶
حیدرآباد (پاکستان) ۴۰۱، ۴۰۴

خراسان ۱۰۶، ۱۷۸
خوارزم (خیوہ) ۲۷
خیبر ۲۶۷، ۲۹۳

(د ڈ)

درعیہ ۳۹۵
درۂ بولان ۱۷
درۂ خیبر ۱۷
درگاہ حضرت نظام الدین ۲۷۷
دریائے سندھ ۲۷
دریائے شور ۵۱
دمشق ۲۲، ۳۴، ۸۵، ۳۶۱
دوآبہ ۲۷۶
دہلی ۱۷، ۲۷، ۴۲، ۴۹، ۵۱، ۵۲، ۵۵، ۵۸-۵۶، ۶۱، ۶۶، ۶۸، ۷۴، ۹۲، ۹۴، ۱۰۰، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳-۱۱۵، ۱۱۸، ۱۲۲، ۱۲۶، ۱۵۰، ۱۸۰-۸۲، ۱۹۰، ۲۷۶، ۲۷۷، ۲۸۲-۸۴، ۲۸۷-۹۳، ۲۹۶، ۲۹۸، ۳۰۷، ۳۱۱، ۳۱۹، ۳۴۱، ۳۵۷، ۳۵۹، ۳۶۲، ۳۶۳، ۳۶۷، ۳۸۰، ۳۸۵، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۲، ۴۰۷، ۴۱۲
دیوبند ۱۱۰، ۱۴۵
ڈابھیل ۲۷۴، ۳۲۵، ۴۰۴

(ر)

راجپوتانہ ۵۷، ۱۰۸
رامپور ۳۶۸
رام گنگا ۲۷۷
رائے بریلی ۱۱۸
روس ۲۰، ۲۱، ۲۶
روم ۲۷
روہیلکھنڈ ۲۷۶

رُہتک ۶۵-۶۹

(س)

سامانہ ۹۵
سدّھو ۷۵
سرحد ۳۷۰
سرنگاپٹم ۳۶۷
سرہند ۲۸۳، ۲۸۴
سکندرآباد ۳۷۶
سکندرہ ۲۸۸
سمرقند ۶
سندھ ۱۰۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۱۹۰، ۴۰۴
سورت ۱۰۸، ۱۰۹، ۳۲۵
سونی پت ۶۹، ۱۰۶
سیوازا ۷۴

(ش)

شام ۱۹، ۲۳، ۳۲، ۳۴، ۳۵، ۳۸، ۴۳، ۱۳۶، ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۸۴، ۲۷۰، ۲۹۴
شاہ ابوالخیر مارک ۱۱۶
شاہجہاں آباد ۱۲۸
شکوہ آباد ۲۹۶
شکوہ پو ۷۰
شیراز ۲۸، ۳۶، ۲۶۱
شیش محل روڈ ۱۴۴

(ص) (ط)

صادقپور ۳۷۲
طائف ۳۹۳
طہران ۳۵

(ع)

عالم اسلام۔ ممالک اسلامیہ ۹، ۱۱، ۱۷-۱۵، ۲۰، ۳۰، ۳۱، ۳۴، ۳۹، ۶۸، ۱۶۳، ۱۶۷، ۱۹۵، ۲۱۰، ۲۱۷، ۲۶۰، ۲۶۱
عرب۔ ممالک عربیہ ۱۹، ۲۷، ۱۱۶، ۱۵۶، ۶۰-۱۵۸، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۷، ۱۸۳، ۱۹۱، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۷۴، ۲۹۵، ۳۴۵، ۳۱۳
عراق ۱۹، ۳۲، ۳۵، ۳۸، ۶۸، ۹۱، ۱۳۶، ۱۷۶، ۱۸۴، ۲۷۰
علی گڑھ ۴۸، ۲۷۹
عیینہ ۳۹۵

(غ) (ف)

غزنی ۹۲، ۱۰۶، ۱۷۵
غزّہ ۲۲
فاس ۳۳
فیروزآباد ۲۹۶

(ق)

قدس ۲۲
قدم شریف (دہلی) ۲۷۷
قسطنطنیہ ۲۱، ۲۲، ۲۳، ۳۴

قطر ۲۵۶
قلعۂ آگرہ ۲۸۸، ۲۸۹
قلعۂ معلّٰی ۲۷۷، ۳۰۰
قندھار ۱۷، ۲۷، ۲۹، ۳۰، ۴۷، ۳۱۳، ۳۱۹، ۳۲۰
قنوج ۹۲، ۱۰۶

ک گ

کابل ۱۷، ۲۷، ۴۷، ۱۷۵
کابلی دروازہ (دہلی) ۳۰۲
کاکوری ۹۸، ۱۰۸، ۱۷۹
کالپی ۸۲
کانپور ۴۱۱
کڑہ ۹۲
کراچی ۲۲۱
کرناٹک ۴۲، ۱۹۸
کرنال ۲۷
کشمیر ۲۹، ۴۲، ۱۹۰
کلاں محل (دہلی) ۱۱۶
کلکتہ ۴۳، ۳۶۷، ۳۹۸، ۴۰۷
کھمبات ۱۰۸
کوچۂ فولادخاں ۱۱۶
کویت ۲۷۱
کیرالا ۱۹۸
گجرات ۱۰۸، ۱۷۴، ۱۷۶، ۱۷۹، ۱۸۱
گوالیار ۲۸۲، ۳۶۹، ۳۷۰

ل

لاہور ۲۷، ۴۸، ۴۹، ۹۷، ۱۱۴، ۱۴۴، ۱۹۴، ۲۲۱، ۲۵۰، ۲۷۴، ۲۷۶، ۲۸۴، ۳۱۱، ۴۰۲، ۴۰۹
لدھیانہ ۲۸۴، ۳۶۱
لکھنؤ ۱۱۸، ۱۲۸، ۱۷۹، ۱۸۲، ۲۷۴، ۳۶۱، ۳۶۴، ۳۶۸، ۳۷۲، ۳۹۸

م

مالابار (بلادالمعبر) ۱۹۸، ۱۹۹
مالوہ ۶۵، ۷۲، ۱۰۸، ۳۱۹
مانڈو ۶۵
مانکپور ۹۲
ماوراءالنہر ۱۷۸
متھرا ۲۸۸
مدراس ۱۹۸، ۳۹۳
مدینۃ الخلیل ۱۱۹
مدینہ طیبہ ۱۶، ۱۰۹، ۱۱۱، ۱۱۳، ۲۰۷، ۲۶۵، ۲۷۲، ۳۶۵، ۳۹۳
مراکش ۱۷۶
مشہد ۲۹
مصر ۲۳-۲۱، ۳۲، ۳۳، ۴۳، ۵۹، ۱۳۶، ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۸۳، ۱۸۴، ۱۹۲، ۱۹۵، ۲۲۱، ۲۹۴، ۳۸۰، ۴۰۸، ۴۱۱
مظفرنگر ۹۷
مکۂ معظمہ ۱۶، ۲۳، ۱۰۹، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۷۰

۲۲۰، ۲۶۶، ۳۵۹، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۶
۳۹۳، ۳۹۵، ۴۱۲
ملتان ۱۰۰، ۱۰۶، ۳۱۳
منصورہ ۱۰۶
منہدیان (محلہ) ۱۱۵، ۱۱۷، ۱۲۸
میوات ۲۸۹، ۲۹۶

(ن و)

نابلس ۲۲
نجد ۲۱، ۳۹۴
نصیرآباد ۱۱۸
نوہزیا ۷۴
نیشاپور ۲۵۶
واسطہ ۱۰۶

(ہ ی)

ہرات ۳۷، ۱۷۵
ہرگوندپور ۲۸۲
ہمالیہ ۵۳، ۲۷۷
ہندوستان۔ تقریباً پوری کتاب
ہنڈیا ۷۴
یافہ ۲۲
یمن ۲۴، ۲۵، ۳۲، ۳۳، ۱۷۳، ۱۷۶، ۱۹۹
یونان ۱۳۷، ۱۶۷، ۱۸۷

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ گفتنی

الحمد للہ وسلام علیٰ عبادہ الذین اصطفیٰ !

اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ سیرتِ سید احمد شہیدؒ کی جلد دوم کو ناظرین کی خدمت میں پیش کرنے کی دیرینہ آرزو پوری ہو رہی ہے، اس کتاب کی پہلی جلد غیر معمولی اضافوں کے ساتھ اکتوبر ۱۹۵۸ء میں خواجہ بکڈپو اردو بازار لاہور کی طرف سے شائع ہوئی تھی یہ اس کتاب کا چوتھا ایڈیشن تھا، جو فاضل گرامی مولانا ظفر اقبال صاحب کی نگرانی اور اہتمام میں شائع ہوا، مصنف کو دوسری جلد پر نظر ثانی، اس کے اضافہ و تکمیل اور اسکو اشاعت کے لیے آخری طور پر تیار کرنے میں اپنی گوناگوں مصروفیتوں اور اندرون و بیرون ملک کے طویل طویل سفروں کی بناء پر خاص دیر لگی، بالآخر ستمبر ۱۹۶۲ء میں اس کا مبیضہ مکمل طریقہ پر لاہور کے چند مخلص احباب کے سپرد کر دیا گیا، جو اُسکی طباعت و اشاعت کے ایک بڑی دینی خدمت اور سعادت سمجھ کر آرزومند تھے، یقین واثق تھا کہ یہ جلد قریبی مدت میں شائع ہو جائیگی، لیکن اس کام میں کچھ ایسی رکاوٹیں پڑتی رہیں، اور چند در چند ایسے حوادث پیش آئے کہ پورے چھ برس اس کام کی تکمیل میں لگ گئے، ایسے اوقات بھی آئے کہ اس کی اشاعت سے مایوسی بھی پیدا ہو گئی، لیکن یہ کشتی جس پر یہ متاع گراں مایہ تھی، حوادث و موانع کے تھپیڑے کھاتی ہوئی بالآخر کنارہ لگ گئی اور مصنف بے مایہ کی ایک بڑی قیمتی پونجی ضائع ہونے سے بچ گئی :

"و للہ الامر من قبل و من بعد و یومئذ یفرح المومنون بنصر اللہ"

کسی کتاب کے اجزاء کے ترتیب و اشاعت میں اتنا عظیم تفاوت، اور اتنا طویل فصل، تصنیف کے موضوع و مقصد اور مصنف کے غرض و غایت کے لیے سخت مضرت رساں ہوتا ہے، پھر جبکہ وہ کتاب متفرق مضامین کا مجموعہ نہ ہو، بلکہ ایک

ہی زندگی اور کارنامہ کی تفصیلات اور ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہوں، تو اول و آخر، اور آغاز و انجام کے سامنے آنے میں اتنا طویل وقفہ کتاب کی قوت و افادیت کو سخت نقصان پہنچاتا ہے، یہ صاحب سوانح (رحمۃ اللہ علیہ) کی عظمت و مقبولیت ہی ہے کہ پڑھنے والوں کی پیاس اور اشتیاق اب بھی باقی ہے، اور سیکڑوں آدمیوں کو اس کے دوسرے حصہ کا انتظار ہے بعض ایسے طالب صادق، اور محب عاشق میرے علم میں ہیں، جو اس حصہ کی اشاعت کے لیے دن گنتے ہیں، اور جن کے استفسار اور اشتیاق کو دیکھ کر شدت سے یہ خواہش پیدا ہوتی تھی کہ یہ حصہ ان کی زندگی میں شائع ہو جائے، اور وہ اس سے اپنے دل کی پیاس بجھا سکیں، جہاں تک میرا اندازہ ہے، ان میں سے بعض اس دنیا سے رخصت ہو گئے ہیں، اور یہ حسرت اپنے ساتھ لے گئے، اللہ تعالیٰ اُن کے اس شوق اور مخلصانہ محبت کی شایان شان جزاء عطا فرمائے کہ اس محبت کی اللہ تعالیٰ کے یہاں بڑی قدر ہے۔ " و منهم من قضىٰ نحبه و منهم من ينتظر "

ناچیز مصنف اُن سب دوستوں[1] کے لیے دُعاگو ہے جنھوں نے اس کام کی تکمیل میں کسی طرح کا حصہ لیا، اور اُن تمام کوتاہیوں کے لیے عذر خواہ ہے جو اس کام میں بلا ارادہ اور نادانستہ طریقہ پر پیش آئیں۔ اس وقت عالم اسلام، اور خاص طور پر یہ برصغیر جن نئے حالات اور جس نئے دَور سے گزر رہا ہے، دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس میں اس کتاب اور اس کے مندرجات، اور اس کے ایمان آفریں، روح پرور واقعات، اور ان واقعات کی مرکزی شخصیت کے اسوۂ و نمونہ، اور دعوت و پیام سے فائدہ اٹھانے، اور رہنمائی حاصل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

وما التوفيق إلا من عند الله

ابوالحسن علی

دائرہ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ

رائے بریلی

۲۴ ذیقعدہ ۱۳۸۸ھ

۱۲ فروری ۱۹۶۹ء

(چہارشنبہ)

---

[1] حاجی متین احمد صاحب، مولانا ظفر اقبال صاحب، مفتی سید سیاح الدین صاحب اور سید انور حسین نفیس رقم صاحب۔

فہرستِ مضامین

باب	عنوان	صفحہ
(۱)	شَیدُو کی جنگ	۱
	سرداران پشاور کی رفاقت ۱- سرداران پشاور کی آمد اور شَیدُو کی جنگ ۴- زہر خورانی ۵- یار محمد خاں کا فرار ۶- زخمی اور بیمار تورُدہیں ۷- سید صاحبؒ سے محبت ۷- سید صاحبؒ محفوظ مقام پر ۸- رضا بالقضا اور دُعا ۸- کھانے کی تنگی اور مجاہدین کا مجاہدہ ۹- جنگِ شیدُو اور یار محمد خاں کا طرزِ عمل ۱۰- جنگِ شیدُو کے نتیجے پر دربارِ لاہور کی مسرت ۱۲-	
(۲)	بونیر وسوات کا دَورہ	۱۳
	جملہ دبونیر ۱۳- سوات ۱۴- مولوی قلندر صاحب کا قافلہ ۱۴- نمازِ عید اور قاضی احمد اللہ صاحب کا قافلہ ۱۴- مولوی محمد یوسف صاحب کی وفات ۱۵- مولوی رمضان صاحب کا قافلہ ۱۵- شاہِ چترال کو تحفہ ۱۶- مولانا عبدالحی صاحب کی آمد ۱۶- میاں مقیم کا قافلہ ۱۷- پنجتار کو واپسی ۱۷- درّے پر ایک نظر ۱۷-	
(۳)	پنجتار کا مرکزِ مجاہدین	۱۹
	پنجتار کی اسلامی چھاؤنی ۱۹- سرحد میں مجاہدین کی نوآبادی ۲۰- مجاہدین کی معاشرت اور طرزِ زندگی ۲۲- کاموں میں سید صاحبؒ کی شرکت ۲۳- مجاہدین کی خوراک و پوشاک ۲۴- سید صاحبؒ کی مصروفیت ۲۶-	
(۴)	ہزارے کے سرداروں کی امداد	۲۷
	ہزارہ دُرّانی عہد میں ۲۷- سکھ حکومت کی ابتدا ۲۸- امر سنگھ مجیٹھہ کی گورنری ۲۹- سردار ہری سنگھ نلوہ کی آمد ۳۰- ہری سنگھ کے عہد میں ہزارے کے حالات ۳۰- ناڑا میں ہری سنگھ کو شکست ۳۱- ہزارے میں رنجیت سنگھ کی آمد ۳۱- رنجیت سنگھ کی واپسی کے بعد سردار ہری سنگھ کے سخت اقدامات ۳۲- فوجی امداد کے لیے	

باب	عنوان	صفحہ
	خوانین کی آمد ۳۲ - پائندہ خاں سے استِصواب ۳۳ -	
(۵)	اَگرُوڑ اور پکھلی کے عِلاقے میں	۳۵
	لشکر کی تیاری ۳۵ - اَگرُوڑ اور اَمُب کے حالات مولانا اسمٰعیل شہیدؒ کی زبانی ۳۵ - ستھانے میں ۳۶ - اَمُب اور اس کا محلِ وقوع ۳۷ - پائندہ خاں ۳۷ - دریائے سِندھ کے مشرقی جانب ۳۷ - موضع نِکا پانی ۳۸ - پائندہ خاں سے تعلق یا بے تعلقی ۳۹ ؛ جفاکش اور فرمانبردار غازیوں کی ضرُورت ۳۹ - ضلع اَگرُوڑ اور عبدالغفور خاں ۴۰ - مجاہدین کا مرکز ۴۱ - مزید لشکر اور کمک کی ضرُورت ۴۱ - اہلِ علاقہ کا تردُّد اور سکھوں سے وابستگی ۴۱ - خوانین پکھلی کی اصل کیفیت ۴۲ - خرچ کی تنگی اور بعض مجاہدین کا اِضطراب ۴۳ - حبیب اللہ خاں کی مدد کے لیے ۴۳ - سربلند خاں اور اس کے ساتھی ۴۴ - سربلند خاں کا مقصُودِ اصلی ۴۴ - پائندہ خاں کی مخالفت خلافِ مصلحت ۴۵ - خوانین کے متعلق عام تاثُّر ۴۵ - اس علاقے کے لیے صحیح طریقِ کار ۴۶ - جہاد کی حقیقت ۴۶ -	
(۶)	ڈمگلا اور شنکیاری کی جنگیں اور ہندوستانی مُجاہدین کے قافلے	۴۸
	ڈمگلا کا شب خُون ۴۸ - زخمیوں کا جذبہ ۵۰ - جنگِ شنکیاری ۵۰ - مجاہدین کی واپسی ۵۱ - ہندُستان کے قافلے ۵۲ - مولوی محبُوب علی صاحب کا اختلاف ۵۳ - کھانے کی تفصیل ۵۴ - پوشاک پر اعتراض اور اس کا جواب ۵۵ - جہاد و قِتال میں فرق ۵۵ - مولوی محبُوب علی صاحب کی واپسی ۵۶ - ہندوستان سے امدادی رقمیں ۵۷ - داعیوں اور مبلّغوں کی روانگی ۵۷ - مولوی مظہر علی عظیم آبادی کی آمد ۵۸ - شاہِ چترال کے تحائف ۵۹ -	
(۷)	خہر کا قیام	۶۰
	ایک تبلیغی دَورہ ۶۰ - مولانا عبدالحی صاحب کی وفات ۶۱ - مولوی احمداللہ صاحب کی آمد ۶۲ - سیّد صاحبؒ کا تیسرا نِکاح ۶۳ - جنگی مشقیں ۶۴ - سرحد کا ایک مُخلص عالِم ۶۵ -	
(۸)	اُتمان زئی کی جنگ	۶۷
	دُرّانیوں کے ستائے ہُوئے سردار ۶۷ - عُلماء سے استِفتاء ۶۸ - ارباب بہرام خاں کی خیبر کی طرف	

باب	عنوان	صفحہ

روانگی ۶۸۔ موضع ٹوٹنی میں ۶۹۔ مجاہدین کی آزمائش ۷۰۔ سید صاحبؒ کی آمد اور مجاہدین کی تشفی ۷۱۔ کوچ کی تیاری ۷۲۔ کامیاب شبخون ۷۴۔ مجاہدین کی مورچہ بندی اور دن بھر کی جنگ ۷۴۔ عالم خاں کی کمزوری اور معذرت ۷۶۔ خیبریوں کا اختلاف اور درانیوں سے اتحاد ۷۷۔ مراجعت کی تجویز ۷۷۔ خبر کو واپسی ۷۹۔ بخارا کی طرف سفارتِ جہاد ۷۹۔ تنخواہ دار سپاہی اور ان کی برطرفی ۸۰۔ ترغیب و فضائل کی قوت ۸۱۔

(۹) بیعتِ امامت کی تجدید اور نظامِ شرعی کا قیام اور اس کے اثرات ۸۳

احکامِ شریعت کا نفاذ و اجرا ۸۳۔ سردار فتح خاں اور اشرف خاں کی دعوت ۸۴۔ ڈاگئی میں علماء کا ایک اجتماع اور بیعتِ امامت ۸۴۔ پنجتار میں آمد اور فتح خاں سے گفتگو ۸۴۔ علماء اور رؤسا کا اجتماعِ عظیم ۸۵۔ فتح خاں کا اقرار ۸۵۔ بیعتِ امامت کی تجدید ۸۶۔ قضاۃ کا تقرر اور اقامتِ شریعت ۸۷۔ نظامِ شرعی کے برکات ۸۷۔ مانیری کا واقعہ ۸۷۔

(۱۰) پنجتار کا نظارہ ۹۰

ممتاز مجاہدین کے ڈیرے ۹۰۔ غلے کی تقسیم میں میر امانت علی کی امانت ۹۲۔ مولوی عبدالوہاب کا تقرر ۹۲۔ ایثار و بے نفسی ۹۴۔ سرداروں کے درمیان مصالحت ۹۴۔

(۱۱) خادی خاں کی مخالفت و سازباز، وینڑہ کی آمد و پسپائی اور قلعۂ اٹک کی مہم ۹۶

خادی خاں کا اختلاف و انحراف ۹۶۔ اشرف خاں سے جنگ اور ہزیمت ۹۷۔ اشرف خاں کی اچانک موت اور فتح خاں کی جانشینی ۹۸۔ وینڑہ کی آمد ۹۸۔ خادی خاں کی سازباز ۹۹۔ وینڑہ کی سید صاحبؒ سے خط و کتابت ۱۰۰۔ مولوی خیرالدین صاحب کی گفتگو ۱۰۲۔ وینڑہ کی پسپائی ۱۰۳۔ قلعۂ اٹک پر مہم ۱۰۳۔ آدمیوں کا انتخاب اور روانگی ۱۰۴۔ قلعہ دار کو اطلاع ۱۰۵۔ خادی خاں کی مخبری ۱۰۵۔

(۱۲) علماء اور خوانین کا دوبارہ اجتماع اور نیا عہد و پیمان ۱۰۷

مسلمانوں کی نااتفاقی کا شکوہ ۱۰۷۔ اجتماع کی تجویز و انتظام ۱۰۸۔ سید صاحبؒ کی تقریر ۱۰۷۔ آمد کا مقصد ۱۰۹۔ تقریر کی تاثیر ۱۱۰۔ مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی گفتگو اور حکیمانہ مثال ۱۱۱۔ مولانا کا استفتاء ۱۱۲۔

باب	عنوان	صفحہ

عُلمائ کا اِقرار ۱۱۲ - خادی خاں کو تفہیم ۱۱۴ - خادی خاں کا مُتکبرانہ جواب ۱۱۴ -

(۱۳) وینٹورہ کی دوبارہ آمد اور جنگِ پنجتار ۱۱۶

وینٹورہ کی دوبارہ آمد ۱۱۶ - اہلِ علاقہ کو خطوط اور دفاعی دیواریں ۱۱۷ - غزوۂ خندق کی یاد ۱۱۸ - لشکر کی آمد ۱۱۹ - جہاد کی تحریض اور موت کی بیعت ۱۲۰ - شہادت کی تیاری اور وصیت ۱۲۱ - لشکر کے نشان ۱۲۱ - وینٹورہ کا اضطراب ۱۲۲ - حملہ اور وینٹورہ کی پسپائی ۱۲۲ - نمازِ شکر ۱۲۳ - نظامِ شرعی کی توسیع اور استحکام ۱۲۳ -

(۱۴) ہَنڈ کی تسخیر اور تنگی کی مُہم ۱۲۷

خادی خاں سے شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کی ملاقات اور اتمامِ حجت ۱۲۷ - خادی خاں کا صاف جواب ۱۲۸ - تنگی والوں کی فریب دہی ۱۲۸ - قلعۂ ہَنڈ کی تسخیر کی تجویز ۱۲۹ - سفر کی روداد ۱۳۱ - قلعۂ ہَنڈ کے اندر ۱۳۲ - خادی خاں کا قتل ۱۳۳ -

(۱۵) جنگِ زیدہ اور یار محمّد خاں کا قتل ۱۳۵

جنگ کے محرّکات و اسباب ۱۳۵ - امیر خاں کی فتنہ انگیزی ۱۳۵ - مُقرّب خاں کی کنارہ کشی ۱۳۷ - راستے مسدود ہو گئے ۱۳۷ - سیّد صاحبؒ زیدہ میں ۱۳۸ - امیر خاں کی یار محمّد خاں کے ساتھ سازش ۱۳۸ - ہَنڈ پر حملے کی تیاری ۱۳۹ - مُجاہدین سے مختلف معرکے ۱۳۹ - یار محمّد خاں ہریانے میں ۱۴۱ - دیہاتوں میں لُوٹ مار ۱۴۲ - نامہ و پیام ۱۴۲ - یار محمّد خاں کا متکبرانہ جواب ۱۴۲ - حملے کا حکم ۱۴۳ - زیدہ کی جنگ ۱۴۴ - مُجاہدین کی جانبازی اور توپوں پر قبضہ ۱۴۴ - دُرّانی لشکر کا فرار ۱۴۵ - غلط خبر ۱۴۵ - یار محمّد خاں کی ہلاکت ۱۴۶ - مالِ غنیمت ۱۴۶ - پنجتار میں فاتحانہ داخلہ ۱۴۶ - لُوٹ مار کی مذمّت کا پُر اثر وعظ ۱۴۷ - فتح کا اثر ۱۴۸ - امیر خاں کا قتل ۱۴۸ - قیدی کے ساتھ سلوک ۱۴۸ - مالِ غنیمت کی تقسیم اور مُجاہدین کا ایثار ۱۴۹ -

(۱۶) پنجتار میں ۱۵۰

قاضیوں کے تقرّر کی درخواست ۱۵۰ - توپخانے کا مرکز اور گولے کا کارخانہ ۱۵۱ - فنونِ سپہ گری کی مشق اور اکھاڑے ۱۵۲ - دو جاسُوسوں کا قبولِ اسلام ۱۵۵ - ضروری تعمیر ۱۵۶ - قِصاص کا ایک مقدّمہ ۱۵۷ -

باب	عنوان	صفحہ
(۱۷)	پائندہ خاں کی مُلاقات، قلعۂ ہنڈ کا تخلیہ	۱۶۲
	تربیلا کی دعوت ۱۶۲- ہری سنگھ کی مزاحمت و مقابلہ ۱۶۳- سید اکبر شاہ کی مُلاقات ۱۶۴- سید صاحبؒ ستھانے میں ۱۶۵- پائندہ خاں کی مُلاقات کا مشورہ اور سید اکبر شاہ کی رائے ۱۶۶- سید نادر شاہ کی گفتگو ۱۶۶- سید صاحبؒ کا ارشاد ۱۶۷- پائندہ خاں کی درخواستِ ملاقات ۱۶۸- مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کا انتظام اور پیش بندی ۱۶۹- پائندہ خاں کی سازش کی ناکامی ۱۷۰- سید صاحبؒ کی شفقت ۱۷۱- ستھانے کو واپسی ۱۷۲- دُرّانیوں کا قلعۂ ہنڈ پر حملہ ۱۷۲- مجاہدین کی جوانمردی ۱۷۳- سلطان محمد خاں کی عہد شکنی ۱۷۴- ہنڈ کا تخلیہ ۱۷۴- قیدیوں کی رہائی ۱۷۵- سکھ لشکر کے مُسلمان عُہدہ داروں سے تعلقات اور خط و کتابت ۱۷۷-	
(۱۸)	پائندہ خاں کی مزاحمت اور عشرہ اور امّب کی جنگیں	۱۷۸
	کشمیر کا مشورہ ۱۷۸- پائندہ خاں کا انکار ۱۷۹- مولانا کی مراجعت ۱۸۰- پائندہ خاں کو خط اور اُس کا جواب ۱۸۰- حملے کی تیاری ۱۸۱- مولانا کے انتظامات ۱۸۲- پائندہ خاں کا فریب ۱۸۳- کوہ کنبر ڈنڈ کی جنگ ۱۸۶- رسالدار عبدالحمید خاں کا اضطراب ۱۸۶- عشرہ اور امّب پر قبضہ ۱۸۷- امب کی سرگزشت ۱۸۸- آتشزنی پر ناراضگی اور ملامت ۱۹۲- فتح کی خوشخبری ۱۹۲-	
(۱۹)	چھتر بانڈ	۱۹۳
	چھتر بانڈ کی گڑھی ۱۹۳- سید صاحبؒ کی امب میں آمد ۱۹۴- ایک مجاہد کی خود رائی ۱۹۵- بھائی کی خبرِ شہادت پر ۱۹۷- غمزدہ کی خاطرداری ۱۹۷- حافظ عبداللطیف کی تادیب ۱۹۷- پائندہ خاں کا دُوسرا فریب ۱۹۸-	
(۲۰)	پھُولڑے کی جنگ	۲۰۲
	حملے کی تجویز ۲۰۲- لشکر کی روانگی اور عبورِ دریا ۲۰۳- شاہ کوٹ پر قبضہ ۲۰۴- چھتر بانڈ کا تخلیہ ۲۰۵- لشکر گاہ ۲۰۵- اچانک حملہ ۲۰۶- مجاہدین کی جوانمردی اور دلیرانہ شہادت ۲۰۸- سید احمد علی کی شہادت کی اطلاع اور پس ماندگان سے تعزیت ۲۰۹- شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کی مراجعت ۲۱۰- پائندہ خاں کی زنبورکیں ۲۱۰-	

باب	عنوان	صفحہ
(۲۱)	اَمْب کا قیام	۲۱۱
	پائندہ خاں کی مصالحت ۲۱۱ - نظامِ قضاؤ اِصلاحِ اخلاق ۲۱۲ - لشکرِ اسلام کی اسلامی مُعاشرت ۲۱۲ - ایک رہزن کی توبہ اور اصلاح ۲۱۴ - پھلیلہ کی کارگزاری ۲۱۶ - اَمْب کا آم ۲۱۶ -	
(۲۲)	سِکھوں کی سعیِ مصالحت اور مُسلمان سفیروں کی حق گوئی و جُرأت	۲۱۸
	مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پیغامِ مصالحت ۲۱۸ - وینٹورہ کی خواہش پر سفارت کی روانگی ۲۲۰ - فرانسیسی جنرل کے خیمے میں ۲۲۱ - وینٹورا اور مولوی خیرالدین صاحب کی گفتگو ۲۲۲ - جہاد کا اِسلامی فریضہ ۲۲۳ - جہاد کی حقیقت ۲۲۵ - مُجاہدین کا اعتقاد و اعتماد ۲۲۵ - تاریخ کی شہادت ۲۲۶ - اَمْب کا جاے وُقوع ۲۲۶ - پنجتار میں مقابلے کی تیاریاں ۲۲۶ - تحائف کے لیے وینٹورا کا اصرار ۲۲۷ - مولوی خیرالدین صاحب کی دُور اندیشی ۲۲۷ - مولوی صاحب کا صاف جواب ۲۲۸ - پنجتار پر حملے کی تیاری اور پسپائی ۲۲۹ - سیّد صاحبؒ کی تحسین و تائید ۲۳۰ -	
(۲۳)	مُلکِ سمہ کی دوبارہ تسخیر و اِنتظام اور جنگِ مردان	۲۳۲
	قاضی جبّان صاحب کی تجویز ۲۳۲ - قاضی صاحب پنجتار میں ۲۳۳ - ہَنڈ کی تسخیر ۲۳۳ - ادائے عُشر اور اطاعت و شرکت کا دوبارہ اقرار ۲۳۴ - خان ہوتی کی سرکشی ۲۳۴ - مُجاہدینِ ہوتی مردان میں ۲۳۵ - مُستامن کا مال ۲۳۶ - مردان کی فتح اور قاضی جبّان صاحب کی شہادت ۲۳۷ - لُوٹ کے مال کی واپسی ۲۳۸ - مولانا مُحمّد اسمٰعیل صاحبؒ کا وعظ و نصیحت ۲۳۹ - عُشر کے تحصیلداروں کا تقرّر ۲۴۰ -	
(۲۴)	سُلطان مُحمّد خاں کی لشکر کشی	۲۴۲
	دُرّانیوں کا لشکر ہوتی کو ۲۴۲ - خوانین کا مشورہ ۲۴۲ - سیّد صاحبؒ پنجتار میں ۲۴۳ - تورُو میں ۲۴۳ - سردارانِ پشاور کو فہمائش و نصیحت ۲۴۳ - سُلطان مُحمّد خاں کا جواب ۲۴۴ - سیّد صاحبؒ کی طرف سے اِتمامِ حُجّت ۲۴۴ - سُلطان مُحمّد خاں کا مُتکبّرانہ جواب ۲۴۷ - مولانا مُحمّد اسمٰعیل صاحبؒ کی آمد ۲۴۷ -	
(۲۵)	مایار کی جنگ	۲۴۹
	جنگ کی تیاری ۲۴۹ - دُعا ۲۴۹ - سیّد اکبر مُحمّد کی بیعت اخلاص ۲۵۰ - جنگ کی ابتدا ۲۵۱ -	

باب	عنوان	صفحہ

ہدایات ۲۵۲۔ لشکر کے مخلصین ۲۵۳۔ پہلا شہید ۲۵۳۔ مجاہدین کی رجز خوانی ۲۵۴۔ معرکہ ۲۵۴۔ سید صاحبؒ کی شجاعت ۲۵۶۔ ایک لڑکے کی جرأت ۲۵۶۔ مولانا محمد اسمٰعیل اور شیخ ولی محمد صاحب کا کارنامہ ۲۵۷۔ دُرّانیوں کی ہزیمت ۲۵۸۔ جنگ کے اختتام پر ۲۵۸۔ زخمیوں کی مرہم پٹی ۲۵۸۔

(۲۶) مایار کے شہدا و مجروحین ۲۶۰

شہدا کا دم واپسیں نوجوان زخمی ۲۶۱۔ ایک آدمی کی استقامت ۲۶۳۔ رسالدار عبدالحمید خاں ۲۶۴۔ شیخ امیر اللہ تھانوی ۲۶۵۔ دوسرے شہدا ۲۶۵۔ مایار کے مجروحین ۲۶۶۔ میدانِ جہاد کا غبار ۲۶۶۔ تردد کو واپسی اور دُعا ۲۶۶۔ ترانۂ حمد و توحید ۲۶۷۔ شہدا کی تدفین اور دُعا ۲۶۷۔ ہمارے پھلت والے بھائیوں کو نظر نہ لگاؤ ۲۶۸۔

(۲۷) پشاور کا قصد ۲۶۹

خدا کا رُعب اور سہارا کافی ہے ۲۶۹۔ روانگی ۲۶۹۔ مردان کی گڑھی کا تخلیہ ۲۷۲۔ غلط اطلاع کی بنا پر سید صاحبؒ کی آمد اور مولانا اسمٰعیل صاحبؒ کی ناراضگی ۲۷۵۔ امیر و مامور کا اخلاص و للّٰہیت ۲۷۶۔

(۲۸) مردان سے پشاور تک ۲۷۸

مردان سے کوچ ۲۷۸۔ حکومت کا رعیت کے ساتھ معاملہ ۲۷۹۔ عبورِ دریا کے انتظامات ۲۸۰۔ اسلامی مساوات ۲۸۱۔ سلطان محمد خاں کا پیغام ۲۸۲۔

(۲۹) پشاور میں ۲۸۴

پشاور میں داخلہ ۲۸۴۔ اہلِ شہر کی مسرت و استقبال ۲۸۵۔ سید صاحبؒ اور لشکر کی فرودگاہ ۲۸۵۔ حفاظتی انتظامات ۲۸۶۔ لشکرِ مجاہدین کا اخلاقی اثر ۲۸۶۔ کھانے کا انتظام ۲۸۶۔ دو عورتوں کی گفتگو ۲۸۷۔ دُرّانی لشکر میں انتشار و پراگندگی ۲۸۸۔ سلطان محمد خاں کی طرف سے نامہ و پیام ۲۸۸۔ سید صاحبؒ کا ارشاد ۲۸۹۔ سلطان محمد کا دوبارہ پیغام ۲۹۰۔ آمد کا مقصد ۲۹۰۔

(۳۰) پشاور کی سپردگی کی تجویز ۲۹۲

باب	عنوان	صفحہ

مشورہ ۲۹۲ - شہر میں تشویش ۲۹۲ - ارباب بہرام خاں کی سید صاحبؒ سے گفتگو ۲۹۳ - سید صاحبؒ کی تقریر ۲۹۴ - تقریر کا اثر ۲۹۶ - پشاور کے ایک سیٹھ کی گفتگو ۲۹۷ - سید صاحبؒ کا جواب ۲۹۸ -

(۳۱) سُلطان محمّد خاں کی مُلاقاتیں اَور پشاور کی سپُردگی ۳۰۰

سردار سُلطان محمّد خاں اَور مولانا محمّد اسمٰعیل صاحبؒ کی ملاقات ۳۰۰ - مولانا محمّد اسمٰعیل صاحبؒ کی دُوسری مُلاقات ۳۰۳ - شہر میں وعظ و اِصلاح ۳۰۴ - سید صاحبؒ اَور سردار سُلطان محمّد خاں کی ملاقات ۳۰۴ - مولانا محمّد اسمٰعیل صاحبؒ کی احتیاط ۳۰۶ - سید صاحبؒ کی سردار سُلطان محمّد خاں سے گفتگو ۳۰۶، ہندوستانی محضر ۳۰۷ - دُنیادار عُلماء و مشائخ کی مخالفت کی وجہ ۳۰۷ - بدخواہوں کے ساتھ خیرخواہی ۳۰۸ - عالی ہمتی اور دریادلی ۳۰۸ - قاضی کا تقرر ۳۰۸ -

(۳۲) پنجتار کو واپسی ۳۰۹

روانگی ۳۰۹ - اہل سوات کی شوخ چشمی ۳۰۹ - ایک جاہلی رسم کی اصلاح ۳۱۲ - لڑکیوں کی رخصتی ۳۱۳ - قاضیوں کی شکایت ۳۱۴ - پنجتار میں ۳۱۴ - جُمعے میں سید صاحبؒ کا وعظ ۳۱۴ - قاضی القضاۃ کا تقرر ۳۱۵ - سوات کے سرحدی علاقے میں احکام شرعی کا اِجراء ۳۱۵ -

(۳۳) حکُومتِ شرعیہ کے عُمّال اور غازیوں کا قتلِ عام ۳۱۸

اسباب و مخرّکات ۳۱۸ - سید صاحبؒ اور آپ کی جماعت کے خِلاف عُلماء سرحد کے الزامات ۳۲۳ -

(۳۴) ابرار مُجاہدین کی مظلُومانہ شہادت ۳۳۱

فتنے کا آغاز ۳۳۱ - مولوی سیّد مظہر علی صاحب سے سُلطان محمّد خاں کی جواب طلبی اَور عُلماء کا سوال و جواب ۳۳۱ - ایک مُخلِص کی اطلاع ۳۳۵ - مولوی مظہر علی صاحب اَور ارباب فیض اللہ خاں کی شہادت ۳۳۵ - حاجی بہادر شاہ خاں کی شہادت ۳۳۸ - مولوی رمضان شاہ اَور ان کے ساتھیوں کی شہادت ۳۳۸ - مینئ میں مُجاہدین کا مُحاصرہ ۳۳۹ - عُلماء و سادات اور عورتوں کی خوشامد ۳۳۹ - ہندوؤں کی خوشامد اَور سفارش ۳۴۰ - قتلِ عام ۳۴۰ - مُلّاؤں کی جرأت ۳۴۰ - مُجاہد کے جذبات ۳۴۱ - یہ منظور نہیں ۳۴۱ -

باب	عنوان	صفحہ
	وفادار رفیق ۳۴۲۔ حاجی محمود خاں رامپوری اور اُن کے ساتھیوں کی شہادت ۳۴۳۔ بعض مُلّاؤں کی ہمدردی ۳۴۴۔ لکھمیر خاں کا واقعہ ۳۴۴۔ ایک لڑکے کی ہمت ۳۴۴۔	
(۳۵)	محفوظ مُجاہدین	۳۴۶
	مولوی خیرالدین صاحب کا حزم و تدبّر ۳۴۶۔ پنجتار کا سفر ۳۵۰۔ مولوی خیرالدین صاحب کا استقبال اور خندہ و دُعا ۳۵۲۔ چھترباؤ اور امب کے مُجاہدین ۳۵۲۔ امب کی گڑھی کا تخلیہ ۳۵۳۔ ہری سنگھ کا پیغام اور مُجاہدین کا جواب ۳۵۳۔ چھترباؤ کا تخلیہ ۳۵۵۔	
(۳۶)	غدر کے اسباب کی تحقیق اور ہجرت کا عزم	۳۵۶
	پنجتار پر بلوائیوں کا نرغہ ۳۵۶۔ سیّد صاحبؒ کا ارشاد ۳۵۷۔ فتح خاں سے گفتگو ۳۵۸۔ فتح خاں کی حاضری ۳۵۸۔ دِل کا علاج ۳۵۸۔ عُلماء اور سادات کا اجتماع اور سبب کی تحقیق ۳۵۹۔ اہلِ علاقہ کی مہمانداری اور مدارات ۳۵۹۔ سیّد صاحبؒ کا استفسار ۳۶۰۔ معاملے کی تحقیق ۳۶۱۔ بلوائیوں کا بیان ۳۶۲۔ پھر خطوط ۳۶۲۔ سیّد صاحبؒ کا ارشاد ۳۶۲۔ جہاد برطریقِ سنّت ۳۶۴۔ سیّد صاحبؒ کا عزم اور فیصلہ ۳۶۵۔ ہجرت کے متعلق مولوی خیرالدین صاحب کی گفتگو ۳۶۵۔ اہلِ سمہ سے مایوسی اور طبعی تنفّر ۳۶۵۔ شہدائے سمہ اپنے مُلک کا خلاصہ اور لُبِّ لباب تھے ۳۶۶۔	
(۳۷)	ہجرت کا دُوسرا سفر	۳۶۷
	ہجرت کے داعی ۳۶۷۔ ہجرت کی شہرت اور مخلصین کا تأسّف ۳۶۷۔ فتح خاں کی مرضی ۳۶۸۔ ہرکہ مارا رنج داده، راحتش بسیار باد! ۳۶۸۔ ہجرت کے بارے میں ایک فقہی اشکال اور اس کا جواب ۳۶۹۔ ہجرت کی اطلاع اور وصیت ۳۷۰۔ راستے کا انتخاب ۳۷۰۔ خوانین کا انکار ۳۷۰۔ سردار فتح خاں کے ساتھ مُشفقانہ سلوک ۳۷۱۔ رفیقوں کو اختیار ۳۷۱۔ زندگی کا فیصلہ ۳۷۱۔ راہِ خدا کا نیا مہمان ۳۷۲۔ روانگی کی تیاری ۳۷۲۔ جاں بلب نواسے سے مُلاقات ۳۷۳۔ اگلی منزلیں ۳۷۳۔ اسلامی معاشرت کا ایک نمونہ ۳۷۳۔ زُود پشیمان ۳۷۳۔ بادشنما مُدارا ۳۷۴۔	

باب	عنوان	صفحہ
(۳۸۱)	**برڈھیری سے راج دواری تک**	۳۷۷
	مُجاہدین کی تروتازگی اور نشاط ۳۷۷۔ راستے کی دُشوار گزاری ۳۷۷۔ اللہ کا شکر ۳۷۸۔ موضع راج دواری میں قیام ۳۷۹۔ دو سَرداروں کی مصالحت ۳۷۹۔ لشکر کے کھانے کا انتظام ۳۸۰۔ سَمہ کا عبرتناک انجام ۳۸۰۔ اہلِ سَمہ کو جواب ۳۸۱۔ صاحبزادی کا تولّد ۳۸۱۔ دروں کا اِنتظام ۳۸۲۔ بَیعتِ صُفہ ۳۸۲۔	
(۳۹)	**لشکرِ مُجاہدین بالاکوٹ، سیچوں اور مظفرآباد میں**	۳۸۵
	بالاکوٹ کا انتخاب ۳۸۵۔ مولوی خیرالدین صاحب بالاکوٹ میں ۳۸۶۔ مظفرآباد پر حملے کا مشورہ اور مولوی خیرالدین صاحب کا اِنکار ۳۸۶۔ سکھوں کے زیرِ حکومت بستیوں کو لُوٹنے سے اِحتراز ۳۸۷۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ بالاکوٹ کو ۳۸۸۔ راستے کی دُشوار گزاری اور مُجاہدین کی جاں سپاری ۳۸۸۔ سیّد صاحبؒ کا سیچوں میں قیام ۳۹۱۔ مظفرآباد کی طرف مہم کی روانگی ۳۹۱۔ زبردست خاں کی سازش ۳۹۲۔ مُجاہدین کا چھاؤنی پر قبضہ ۳۹۳۔ زبردست خاں کی بے ہمتی اور مُجاہدین کی واپسی ۳۹۴۔	
(۴۰)	**سیچوں میں**	۳۹۷
	سیّد صاحبؒ کا ایک وعظ ۳۹۷۔ کشمیر پر حملے کا مشورہ اور خوانین کی عرضداشت ۳۹۸۔ شیر سنگھ کی نقل و حرکت کی اطلاع ۳۹۹۔ شیخون کی تجویز ۴۰۰۔ مولانا کی سیچوں میں طلبی ۴۰۰۔ مولانا سیچوں میں ۴۰۰۔ عُشر کا انتظام ۴۰۱۔ مشکوٰۃ شریف کا درس ۴۰۱۔ سیّد ضامن شاہ کی آمد اور بَیعت ۴۰۲۔ سیّد صاحبؒ کی ایک گفتگو ۴۰۲۔ دُعا کا اہتمام ۴۰۳۔ گوجروں کی توقیر ۴۰۳۔	
(۴۱)	**سیچوں سے بالاکوٹ**	۴۰۵
	بالاکوٹ کی تجویز ۴۰۵۔ گھر والوں کو پَیغام ۴۰۶۔ معیّت و رفاقت کا اشتیاق ۴۰۶۔ بالاکوٹ کو روانگی ۴۰۶۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی تقریر ۴۰۷۔ گوجر عورتوں کی خِدمت و تواضع ۴۰۷۔ توکّل اور خدائی اِنتظام ۴۰۷۔ ایک خواہش ۴۰۹۔ طبیعت پر اثر ۴۰۹۔	
(۴۲)	**بالاکوٹ میں**	۴۱۱

باب	عنوان	صفحہ

بالاکوٹ میں داخلہ ۴۱۱ - بالاکوٹ اور اس کا اجمالی خاکہ ۴۱۱ - حفاظتی انتظامات ۴۱۲ - پہرے کی تبدیلی ۴۱۴ -
بالاکوٹ سے سید صاحبؒ کا آخری خط ۴۱۴ - ایک جاسوس ۴۱۵ -

(۴۳) آخری جنگ کی تیاریاں ۴۱۷

سکھوں کا لشکر مٹی کوٹ پر ۴۱۷ - سلطان نجف خاں کا خط ۴۱۸ - اسی میدان میں لاہور ہے اسی میں جنت ہے ۴۲۰ - بارگاہِ الٰہی میں نذرانہ ۴۲۰ - کل صبح کو اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفار کا میدان ہے ۴۲۱ - شہادت کی تیاری ۴۲۱ - آخری انتظامات ۴۲۱ - رخصتی لباس ۴۲۲ - شہادت کی رات ۴۲۳ -

(۴۴) مشہدِ بالاکوٹ ۴۲۴

شہادت کی صبح ۴۲۴ - ایک عبرتناک واقعہ ۴۲۴ - پہلا شہید ۴۲۵ - دنیا سے بے تعلقی ۴۲۵ - سید صاحبؒ پہلے مورچے پر ۴۲۶ - فتح و شکست اللہ کے اختیار میں ہے ۴۲۶ - ان کو نزدیک آنے دو ۴۲۶ - دعا ۴۲۷ - میدانِ جنگ کی طرف ۴۲۷ - میدانِ جنگ کے اندر ۴۲۷ - مجاہدین کا غلبہ اور سکھوں کی پسپائی ۴۲۹ - مجاہدین کی تشویش اور سید صاحبؒ کی تلاش ۴۳۰ - مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ کی شہادت ۴۳۱ -

(۴۵) مشہدِ بالاکوٹ (۲) ۴۳۲

دشمن کا دوبارہ حملہ اور مجاہدین کی شکست ۴۳۲ - مولوی سید جعفر علی کا چشم دید بیان ۴۳۳ - مجاہدین نے کس طرح جان دی ۴۳۹ - شہداء کی تدفین ۴۴۱ -

(۴۵) (۲) مشہدِ بالاکوٹ (۳) ۴۴۳

سید صاحبؒ کی شہادت ۴۴۳ - آپ کا مدفن ۴۴۹ - مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ ۴۵۰ - دربارِ لاہور میں بالاکوٹ کے واقع کی اطلاع اور مہاراجہ کی مسرت و جشن شادمانی ۴۵۲ - فہرست شہدائے بالاکوٹ بہ ترتیب حروفِ تہجی ۴۵۴ - شہدائے بالاکوٹ کا مقام و پیغام ۴۵۹ - جماعت کی امارت اور نظم و نسق ۴۶۳ -

(۴۶) فطری اخلاق و اوصاف ۴۶۵

باب	عنوان	صفحہ

اخلاق واوصاف کا مرکزی نقطہ ۴۶۵ - اِعتدال وتوسُّط ۴۶۶ - عالی ہمتی ۴۶۷ - سخاوت ودریادِلی ۴۶۸ -
شجاعت اوراعتماد علی اللہ ۴۷۰ - عفوو حِلم ۴۷۲ و حیا ۴۷۹ -

(۴۷) دِینی اخلاق واَوصاف ۴۸۲

اِیذارسانی سے احتراز اور عمومی شفقت ۴۸۲ - کلمہ گو کا احترام ۴۸۴ - مسلمانوں کے درمیان مصالحت ۴۸۶ -
رُفقا پر شفقت ۴۸۸ - سُاوات ۴۸۹ - حمیّتِ شرعی اور غیرتِ دینی ۴۹۲ - اِتباع ۴۹۵ -

(۴۸) روحانی اَوصاف اور باطنی کیفیات ۵۰۲

اِنابت واستغفار ۵۰۲ - دُعا ۵۰۹ - ایمان واِحتساب ۵۱۱ - اِتباعِ سُنّت ۵۱۳ - محبت وخشیت ۵۱۶ -

(۴۹) صفاتِ اِمارت ۵۱۸

قیادت کی ذِمّہ واریاں ۵۱۸ -

(۵۰) تجدید واِمارت وتزکیۂ باطن ۵۲۵

مقامِ تجدید ۵۲۵ - اسلام کی طرف رُجوعِ عام ۵۲۶ - شِرک وبدعت کا استیصال ۵۳۱ - بعض مردہ
سُنّتوں اور غیر مروّج فرائض کا اِحیاء ۵۴۰ - جماعت کی سیرت واخلاق ۵۴۳ - تزکیہ واِصلاحِ باطن ۵۴۵ -
اسلام میں تزکیے کا مقام ۵۴۵ - تزکیہ میں نیابتِ نبوّت ۵۴۶ - جہاد وقربانی اَور اِصلاح وانقلاب کے لیے
تزکیے کی ضرورت ۵۴۸ - سیّد صاحبؒ کے طریقے کی خصوصیات ۵۴۹ - صراطِ مستقیم ۵۵۵ -

(۵۱) اشاریہ (انڈکس)

ترتیب از محمّد غیاث الدّین ندوی ۵۵۹

◎

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

أَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَحْدَهٗ وَالصَّلٰوةُ وَالسَّلَامُ عَلٰى مَنْ لَّا نَبِيَّ بَعْدَهٗ

پہلا باب

شیدو کی جنگ

سرداران پشاور کی رفاقت

حصۂ اوّل کے پچیسویں باب میں گزر چکا ہے کہ ۱۲ جمادی الآخرہ ۱۲۴۲ھ کو ہنڈ میں سید صاحبؒ نے بیعتِ امامت لی۔ خادی خاں، اشرف خاں، فتح خاں، بہرام خاں، سعادت خاں اور علماء و سادات و خوانین نے بیعتِ امامت کی۔ جب یہ خبر مشہور ہوئی، تو قرب و جوار کے خوانین و رؤسا، اور بعض پیرزادوں نے آکر بیعت کی۔ جمعے کے خطبے میں آپ کا نام داخل کیا گیا اور دور دور تک اس کی شہرت ہو گئی۔

سید صاحبؒ نے بیعتِ امامت کی اطلاع کے خطوط اور دعوت نامے نامور سرداروں، والیانِ ملک، علماء و مشائخ و رؤسائے ہندوستان کو بڑے اہتمام سے بھیجے۔ سردار خادی خاں، اشرف خاں اور دوسرے یوسف زئی سرداروں نے سردار یار محمد خاں اور سلطان محمد خاں والیانِ پشاور کو سید صاحبؒ کی امامت و امارت کی اطلاع دیتے ہوئے ایک پُرزور اور طاقتور دعوتی خط لکھا، جس کا کچھ حصہ (جس میں صوبۂ سرحد کی زبوں حالی اور مسلمانوں کی بے کسی کا پُراثر طریقے پر اظہار ہے) گزر چکا ہے۔ اسی خط میں اُنھوں نے لکھا ہے:

"بخدمتِ سراسر رفعت گزارش می نماید کہ　　جنابِ والا کی خدمتِ عالی میں گزارش ہے کہ

اگر رفاقتِ آں امامِ ہمام، آں مُعلّی القاب ہم　　اگر عالی جناب بھی امام المسلمین (حضرت سید احمد)

اختیار نمایند، نہایت مصلحتِ وقت خواہد بُود زیرا کہ از رُوئے آں اِمامِ ہمام اجتماعِ جُمہُورِ اَنام بمعارفِ اقلِ قلیل بمدّے می شود کہ اگر از رُوسائے عالی مقام اضعافِ مُضاعَفِ آں صرف نمایند، عُشرِ عشیرِ آں اجتماع صُورت نہ بندد۔ و بالجُملہ آنچہ از رُوئے اُو بغایت سہولت سرانجام می شود، از غیرِ او بکمالِ صعُوبت ہم مُتصوّر نیست باوصفیکہ اصلاً بہ تحصیلِ سلطنت و حکومت رغبت نمی دارند، پس چرا رفاقتِ اُو را اختیار نکنند و صَرفِ خرجِ قلیل گوارا نہ نمایند کہ ہم سعادتِ اُخرویہ بدست آید و ہم مَنافعِ دُنیویہ حاصل کنند و ہم اعدائے دین را کہ فی الحقیقت دشمنِ جان و مالِ سلطنت و حکومت و ننگ و ناموسِ کافّۂ مُسلمین اَند عموماً و در حقِّ رُوسائے مُسلمین خصُوصاً مستأصل گردانیدہ، و وسعتِ مملکت باندِ بلادِ کفّار و استقلالِ حکومت باستیصالِ مخالفین و آسُودگیِ عساکر بگرفتنِ خزائن آنہا دست آرند و نیک نامی درمیانِ جُمہُورِ اَنام برفاقتِ آں اِمامِ ہُمام حاصل نمایند۔[1]

کی رفاقت اختیار فرمائیں، تو نہایت مناسب ہوگا، اس لیے کہ سیّد صاحب کے ذریعے عامۃ المسلمین کا اجتماع ایسی سہولت اور اس طرح بے مِنّت و بے زحمت ہو جائے گا کہ اگر بڑے بڑے سرداران قوم اس سے بدرجہا زیادہ صرف کریں گے اور بڑی مشکلات اور زحمتیں برداشت کریں گے، تو اس کا عُشرِ عشیر بھی نہ ہو سکے گا جب آپ کو حصُولِ سلطنت و حکومت کی طرف قطعاً میلان نہیں، تو والیانِ سلطنت و اہلِ ریاست کو آپ کی رفاقت اختیار کرنے اور تھوڑے صرف سے زیادہ سے زیادہ نفع حاصل کرنے میں کیا عُذر ہو سکتا ہے جبکہ اس میں سعادتِ اُخروی بھی ہے اور فوائدِ دُنیوی بھی اور اُن دُشمنانِ دین کی سرکوبی و استیصال بھی، جو سلطنت و حکومت کے دشمن تمام مسلمانوں کے ننگ و ناموس کے لیے خطرہ اور خاص طور پر مسلمان اہلِ حکومت کے حریف و رقیب ہیں؟ اِن سب کے علاوہ اس (منظّم و شرعی جہاد) سے مسلمانوں کے حُدود و حکومت میں توسیع، اُن کی مملکت کی حفاظت اور اُس کی خود مختاری کی ضمانت، اسلامی افواج کی آسودگی اور سرداروں کی نیک نامی بھی ہے۔

---

[1] مجموعۂ خطوطِ قلمی صفحہ ۳۰۳

سردار یار محمّد خاں اور سردار سلطان محمّد خاں کابل میں سیّد صاحبؒ کی ملاقات و زیارت سے مشرّف ہو چکے تھے۔ اُنھوں نے آپ کی قوّتِ ایمانی، عالی حوصلگی، اُولوالعزمی، آپ کے رُفقاء کی للّٰہیّت و جاں نثاری اور اہلِ سرحد اور افغانی قبائل کی عقیدت و رجوعِ عام کا منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اور وُہ برابر سُن رہے تھے کہ مسلمان پروانہ وار آپ کے گرد جمع ہو رہے ہیں۔ سمہ میں پہنچ کر آپ کی مقبولیّت اور مرجعیّت اپنے عروج کو پہنچ گئی۔ یوسف زئی سردار، جو اپنی شرافت اور شجاعت میں ممتاز و نامور تھے، آپ کو اپنا اِمام اور امیر و قائد اور شیخ و مُرشد مان چکے ہیں۔ صُوبۂ سرحد، جو ایک زمانۂ دراز سے انتشار و بے نظمی کا شکار اور سکھ فوجوں کے گھوڑوں کی ٹاپوں سے پامال اور زار و نزار رہے، ایک نئی قوّت اور قیادت سے رُوشناس ہو رہا ہے، جس میں رُوحانیت و شجاعت، سیادت اور قیادت دونوں جمع ہیں اور افغانی علاقے کے لیے اس سے زیادہ موزوں اور پُرکشش قیادت نہیں ہو سکتی۔ افغانی اپنی قوّتِ مشاہدہ اور نفع و نقصان کے موازنے میں ہمیشہ سے فائق رہے ہیں۔ پشاور کے جہاں دیدہ اور سرد و گرم چشیدہ سرداروں نے محسوس کر لیا کہ وُہ سیّد صاحب کی رفاقت اختیار کر کے اپنا کھویا ہُوا اِقتدار حاصل کر سکتے ہیں اور قبل اس کے کہ یہ نئی طاقت اُن سے بے نیاز ہو کر کسی نئی سلطنت کی بُنیاد ڈالے اور سکھوں کو بے دخل کر کے اس پُورے علاقے کو اپنے اقتدار میں لے لے، اُن کو اس کے اندر اپنی جگہ بنا لینی چاہیے۔ سب سے پہلے ان کو ایک تجربہ کار و دُنیادار رئیس کی طرح اس کا اطمینان چاہیے تھا کہ یہ نئی جماعت اور نیا عَلَمِ جہاد محض وقتی جوش اور جرأتِ قلندرانہ نہیں ہے، جس کا صوبۂ سرحد نے پچھلی مدّت میں بار بار تجربہ کیا اور جو ہر مرتبہ پانی کی سطح سے اُبھرا اور حُباب کی طرح بیٹھ کر رہ گیا۔ سردار یار محمّد خاں نے سیّد صاحبؒ کے نوشہرے پہنچنے کے چند ہی روز بعد سیّد صاحبؒ کو ایک خط لکھا جس میں آپ کی فوجی طاقت اور مالیات کے متعلق استفسار کیا گیا تھا۔ سیّد صاحبؒ نے اس کا جواب ۲۵ جمادی الاُولیٰ ۱۲۴۲ھ کو نوشہرے سے دیا۔[1] اِس جواب سے یار محمّد خاں کو سیّد صاحبؒ کے اِخلاص و للّٰہیّت، بے غرضی اور بے نفسی اور عزم و پختگی کا اندازہ ہو گیا ہو گا۔ یوسف زئی سرداروں کے دعوت نامے نے، جو افغانی

---

[1] ملاحظہ ہو مجموعۂ خطوط قلمی، صفحہ ۲۹۷۔

سرداروں اور والیانِ ملک کی نفسیات و مزاج کا پورا لحاظ کر کے لکھا گیا تھا۔ سید صاحبؒ کی رفاقت کے فیصلے میں مدد دی۔ سمہ کے علاقے نے سرداران پشاور اور پائندہ خیل امیروں کے اقتدار کو کبھی بخوشی منظور نہیں کیا تھا۔ ایک قلمی خط میں ہے: "ملک سمہ گاہے در قابوئے او نبود"[1] ممکن ہے، اس طرح سے سرداران پشاور کو اس کی بھی اُمید پیدا ہوئی کہ وہ سید صاحبؒ کی رفاقت کے ذریعے اس سرکش و خود مختار علاقے کو مستقل طور پر اپنے اقتدار میں لے سکیں گے۔ بہرحال ان دونوں بھائیوں نے سید صاحبؒ کو اپنی رفاقت و شرکتِ جہاد کی اطلاع کی اور سمہ کی طرف عنان عزیمت موڑی اور لشکر اور توپ خانے کے ساتھ پشاور سے نوشہرے کا رُخ کیا

سرداران پشاور کی آمد اور شیدو کی جنگ

سید صاحبؒ کو ہنڈ میں اطلاع ملی کہ سردار یار محمد خاں، سردار سلطان محمد خاں اور پیر محمد خاں توپخانے اور لشکر کے ساتھ نوشہرے سے پانچ کوس موضع سرائی[2] میں داخل ہوئے ہیں اور حکم کے منتظر ہیں۔ ایک روز آپ خادی خاں، اشرف خاں اور فتح خاں اور چار پانچ سو آدمیوں کے ساتھ اُن کی ملاقات کے لیے نوشہرے تشریف لے گئے۔ یہاں اُن تینوں سرداروں نے بھی امامت کی بیعت کی۔ آپ دو تین دن قیام فرما کر خادی خاں، اشرف خاں، فتح خاں اور باقی لوگوں کو ساتھ لے کر ہنڈ کو روانہ ہو گئے

اُن دنوں لشکرِ مجاہدین میں اکثر لوگ بیمار تھے۔ غلّے کی بھی بہت گرانی تھی۔ لوگوں کو کبھی پیٹ بھر روٹی ملتی تھی، اکثر نہیں ملتی تھی، یوں ہی ساگ پات کھا کر رہ جاتے تھے

خادی خاں، اشرف خاں اور فتح خاں نے غزا کے واسطے اطراف و جوانب سے ملکی لوگ جمع کیے۔ ہنڈ سے کوچ کی تیاری ٹھیری۔ پہلے روز ہنڈ سے کوچ کر کے موضع جلسئی ڈیرہ کیا اور ایک یا دو مقام بھی کیے۔ دوسری منزل وہاں سے چل کر مہڑی بانڈے میں کی۔ صبح کو وہاں سے کوچ کیا۔ نوشہرے میں آئے۔ دریائے لنڈہ کے پار درّانیوں کا ڈیرہ تھا۔ وہ پیادہ و سوار، بھیڑ وغیرہ ملا کر کوئی بیس ہزار کی جمعیت رکھتے تھے اور آٹھ توپیں اُن کے ساتھ تھیں۔ اس طرف نوشہرے میں سید صاحبؒ کا اور آپ کے ہمراہیوں کا ڈیرہ تھا۔ یہ ملکی بھی خادی خاں، اشرف خاں اور فتح خاں کے ہمراہ اسی ہزار سے کچھ زیادہ ہی ہوں گے۔ آپ

---

[1] مجموعۂ خطوط قلمی ص ۲۵۸ [2] اصل لفظ غالباً پیر پائی ہوگا

نے نوشہرے میں دو تین مقام کیے۔ نوشہرے سے لشکر نے شیدو[1] کی طرف کوچ کیا۔ لشکر میں تقریباً لاکھ آدمیوں کی جمعیت تھی اور کوئی آٹھ دس ہزار فقط نشان تھے۔ ملکی لوگ دف بجاتے اور چار بیت گاتے، ننگی تلواریں ہلاتے اور اچھلتے کودتے جاتے تھے۔ جاتے جاتے جب موضع اکوڑہ کوس یا ڈیڑھ کوس رہ گیا، تو تمام لشکر نے ڈیرہ کیا۔

زہر خورانی | سید صاحبؒ کا کھانا اور میوہ دونوں وقت درانیوں کے لشکر سے آتا تھا۔ رات کو سردار یار محمد خاں نے کھچڑی اور گنے کی گنڈیریاں ولی محمد اور نذر محمد کے ذریعے (جو یار محمد خاں کی طرف سے سید صاحبؒ کا کھانا لانے پر مقرر تھے) بھیجیں۔ آپ نے کھچڑی کھائی اور چند گنڈیریاں چوسیں۔ کچھ دیر کے بعد آپ کی طبیعت بگڑ گئی۔ کبھی غشی آتی تھی، کبھی افاقہ ہوتا تھا۔ لشکر میں چرچا تھا کہ یار محمد خاں نے آپ کو زہر دلوایا ہے اور سب علامتیں زہر ہی کی ہیں۔ پچھلے پہر دو تین گھڑی رات رہے کوچ کا نقارہ ہوا۔ یار محمد خاں نے آپ کی سواری کے لیے اپنا ہاتھی بھیجا اور یہاں یہ حال تھا کہ آپ کبھی بیہوش ہو جاتے تھے، کبھی ہوشیار۔ استفراغ جاری تھا۔ ادھر خان مذکور کی طرف سے لحظہ بہ لحظہ تاکید آتی تھی کہ جلد حضرت کو لاؤ۔ لشکر روانہ ہو گیا۔ اس عرصے میں آپ کو قدرے ہوش آیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے عرض کی: "سردار یار محمد خاں کی طرف سے کئی آدمی آپ کو سوار کرانے کو آ چکے ہیں۔ کیا ارشاد ہے؟" آپ نے فرمایا: "خیر بہتر ہے اور ہمارا سفید گھوڑا، جو فتح خاں نے ہم کو دیا ہے، شادل خاں کنیر پورے والے سے کہو کہ اس پر سوار ہو کر فتح خاں کے ہمراہ جائیں اور باقی ہندوستانی سب کے سب ہمارے ساتھ رہیں۔"

یار محمد خاں نے آپ کی سواری کے لیے جو ہاتھی بھیجا تھا، اس پر آپ کو سوار کیا گیا اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب خواصی میں بیٹھے۔ شیدو کے میدان میں جانب مغرب سردار یار محمد خاں کا لشکر پہاڑ کے متصل پڑاؤ باندھے کھڑا تھا، اس کی بائیں طرف سلطان محمد خاں کا لشکر تھا اور اس کی بائیں طرف سردار پیر محمد خاں کا لشکر اور اس کی بائیں طرف اور تمام خوانین یوسف زئی، فتح خاں، اشرف خاں اور خادی خاں وغیرہ اپنے اپنے لوگ لیے کھڑے تھے۔ اسی طرف سکھوں نے اپنے سنگر سے آگے بڑھ کر ایک نالے میں چار مورچے چار جگہ لگائے تھے۔

---

[1] شیدو اکوڑے سے تقریباً چار میل جنوب مشرق میں ہے، یعنی اٹک کی سمت میں۔ سید صاحبؒ کے زمانے میں یہ گاؤں موجودہ جگہ کی بجائے مشرق میں دریا کے قریب آباد تھا۔ شیدو کی لڑائی اس وقت ہوئی تھی، جب گاؤں پہلی جگہ آباد تھا۔ گاؤں کے جنوب مغرب میں میل ڈیڑھ میل پر خٹک کی پہاڑیاں ہیں۔ (سید احمد شہیدؒ، جلد ۱، صفحہ ۳۸۹)

جب مسلمانوں کا لشکر ان کے قریب پہنچا، تو وُہ نالے سے بندوقیں مارنے لگے اور باقی سکھ سنگر سے توپ سر کرنے لگے۔ مسلمانوں کی طرف سے بھی توپیں چلنے لگیں۔

یار محمّد خاں کا فرار اس عرصے میں سردار سلطان محمّد خاں، پیر محمّد خاں اور فتح خاں نے اپنے اپنے سوار لے کر گھوڑوں کی باگیں اُٹھائیں اور جا کر وہ نالہ لیا، جہاں سکھوں نے اپنے چار مورچے قائم کر لیے تھے۔ اس نالے کے چاروں مورچوں کے سکھ بھاگ کر اپنے سنگر میں جا گھسے۔ موضع شیدو کی طرف سے گودڑی شاہزادہ اپنی جماعت اور باقی اَور غازی لے کر سنگر میں جا کُودا۔ اس عرصے میں غازیوں نے سکھوں پر کئی حملے کیے یہاں تک کہ اُن کی توپیں چلنا موقوف ہو گئیں اور صاف نظر آنے لگا کہ لشکرِ اسلام کو فتح ہوئی یہاں تک کہ بعض لوگوں نے سیّد صاحبؒ کو اس کی مبارکباد بھی دی۔ سیّد صاحبؒ کی طبیعت اب بھی خراب تھی۔ کبھی ہوش آتا تھا، کبھی بے ہوش ہو جاتے تھے۔ مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب میدانِ جنگ سے الگ آپ کی خدمت میں تھے۔ سردار یار محمّد خاں اپنے سوار لیے ہوئے جہاں کھڑا تھا، وہیں کھڑا رہا، اپنی جگہ سے نہ ہلا۔ ناگہاں توپ کا ایک گولا سکھوں کی طرف سے سردار یار محمّد خاں کے قریب آیا، جس سے کئی سوار اُڑ گئے۔ یہ واقعہ دیکھ کر یار محمّد خاں نے پیچھے کو باگ پھیری اور فرار اختیار کیا۔ اُس کے بھاگتے ہی اُس کے تمام سوار بھاگے۔ اس طرف میدان خالی دیکھ کر سکھوں کے دو تین ہزار سوار اپنے سنگر سے نکلے۔ یہ حال دیکھ کر سکھ آ پہنچے، نالے والے سواروں نے ہلّہ کیا اور ان میں جا کر گڈمڈ ہو گئے۔ کئی بار اُنھوں نے اُن کا ہلّہ پھیر دیا۔ اس عرصے میں ایک سوار نے پکار کر کہا کہ یار محمّد خاں تو اپنے سوار لے کر بھاگ گیا۔ یہ خبر سُن کر سکھوں کے مقابلے سے یہ تمام سوار پیچھے ہٹے اور بھاگے۔ سکھوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ یہ حال دیکھ کر گودڑی شاہزادہ مع جماعت موضع شیدو میں مورچہ پکڑ کر بیٹھ گیا اور جم کر مقابلہ کیا۔ وُہ اپنی جماعت کو لیے ہوئے ایک آہنی دیوار کی طرح مقابلہ کرتا اور دادِ شجاعت دیتا رہا یہاں تک کہ شہادت پا کر سُرخروئی حاصل کی۔

جب یار محمّد خاں بھاگ گیا، تو لوگوں نے مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب سے عرض کیا کہ لڑائی بگڑ گئی، دُورانیوں نے دغا کی اور حضرت کو ہوش نہیں ہے؛ چلد یہاں سے چلنے کی تیاری کیجیے۔ مولانا سیّد صاحبؒ

کو ہاتھی پر لیے ہوئے چلے۔ ہندوستانی آپ کے ہمرکاب تھے۔ کچھ تھوڑی دُور گئے ہوں گے کہ فیلبان نے اپنے پیچھے دیکھا کہ سکھوں کے سوار بندوقیں مارتے ہوئے چلے آرہے ہیں۔ مولانا سے کہا کہ میں آپ کی خیرخواہی کے واسطے عرض کرتا ہوں کہ اِس وقت حضرت کو تو گھوڑے پر سوار کرکے چند آدمیوں کے ہمراہ پہاڑ کی طرف، جو ایک گاؤں ہے، اُدھر کو روانہ کر دیجیے اور آپ سب جمعیت کے ہمراہ اسی ہاتھی پر سوار رہیے کیونکہ سکھوں کے جو سوار آرہے ہیں، عجب نہیں کہ اسی ہاتھی کے اُوپر حضرت کا خیال کرکے آئیں۔ یہ سُن کر مولانا نے ایک گھوڑے پر آپ کو سوار کرنا چاہا۔ اس اثنا میں آپ کو قدرے ہوش آیا۔ پوچھا کہ مولانا صاحب لڑائی کا کیا طور ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ یار محمّد خاں نے دغا کی، لڑائی بگڑ گئی۔ اِس وقت یہ صلاح ہے کہ آپ گھوڑے پر سوار ہوکر پہاڑ کی طرف تشریف لے جائیں اور میں اس ہاتھی پر لوگوں کو لیے ہوئے اَور طرف سے آپ کے پاس آتا ہوں۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوکر چند ہندوستانیوں کے ساتھ پہاڑ کی طرف روانہ ہوگئے۔

زخمی اَور بیمار تُورو میں | مُجاہدین کے پیچھے موضع شَیدُو میں توپ اَور شاہین چلتی رہی۔ نوشہرے میں مُجاہدین نے اُونٹوں پر کجاوے کَس کر (جن کو سیّد صاحبؒ نے شَیدُو کی جنگ سے پہلے تیاری کا حُکم دیا تھا) اور خچّروں اور ٹٹوؤں کو تیار کرکے زخمیوں اور بیماروں کو سوار کیا اور موضع تُورو میں لے گئے۔ بہادر خاں رئیسِ تُورو نے اپنی گڑھی کا مکان خالی کراکے بیماروں کو اُتارا اور جانوروں کے لیے حُکم دیا کہ ہمارے کھیتوں میں چھوڑ دو۔

سیّد صاحبؒ سے محبّت | اس بستی کی تمام عورتیں آئیں اور لوگوں سے پوچھنے لگیں کہ کہو، سیّد بادشاہ کہاں ہیں۔ باوجودیکہ اُن کے تمام اعزّا و اقربا بھی اس لڑائی میں گئے تھے، مگر اُن کے متعلق کوئی عورت نہیں پوچھتی تھی۔ ہر ایک دُعا دیتی تھی کہ الٰہی، سیّد بادشاہ کو صحیح سلامت رکھ!

سردار بہادر خاں نے مجاہدین کو اپنے پاس بُلایا اور کہا کہ بھائیو، میں تمہارا خادم اور خیرخواہ ہُوں، پر کیا کروں؟ عاجز و ناچار ہوں۔ سکھوں کے آنے کی اس طرف خبر ہے اور میں اُن کے مُقابلے کے لائق نہیں۔ مناسب یہ ہے کہ تم اپنے بیماروں کو یہاں سے جلد نکال کر اَور کہیں امن کی جگہ میں لے جاؤ۔ چنانچہ وہ حضرات تُورو سے

پنجتار کے لیے روانہ ہو گئے۔

سیّد صاحبؒ محفوظ مقام پر ہندوستانی سیّد صاحبؒ کو چارپائی پر لیے ہوئے گھاٹ پر آئے۔ گھاٹ پر بکثرت مُلکی بھی تھے اور دُرّانیوں کے لوگ بھی تھے۔ مُلکی کہتے تھے کہ ہم پہلے اُتریں اور دُرّانی کہتے کہ ہم اُتریں اس ردّ و بدل میں دُرّانی سیّد صاحبؒ کی چارپائی کشتی پر نہیں رکھنے دیتے تھے۔ بیچارے ہندوستانی شش و پنج میں تھے۔ پیچھے سے سکھوں کی آمد کی خبر بھی گرم تھی۔ اس عرصے میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ اپنی جماعت کے ساتھ گھاٹ پر مسلح آپہنچے اور سب کو ڈانٹ ڈپٹ کر کشتی سے اُتار دیا۔ وہ شور و غل کرتے رہے۔ آپ نے جلد سیّد صاحبؒ کی چارپائی کشتی پر رکھ دی اور اپنے سب لوگ مل کر کشتی پر سوار ہوئے اور پار اُتر گئے۔ چارسدے کے سادات سیّد صاحبؒ اور ہندوستانیوں کو اپنے مکان پر لے گئے۔ سیّد صاحبؒ کو جب کچھ ہوش آتا، تو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پوچھتے کہ آپ کی طبیعت کیسی ہے۔ آپ اُن کو تسلی دیتے کہ اللہ کا فضل ہے، آپ کچھ اندیشہ نہ کریں، اللہ تعالیٰ اس صدمے سے مجھ کو زندہ رکھے گا۔

چارسدے کے سیّدوں نے یہ مشورہ کیا کہ سیّد صاحبؒ کو یہاں سے موضع مچنی، جلالہ اور موضع پلّی کی طرف لے جائیں اور موضع باغ میں ہو کر موضع چنگلئی کو پہنچا دیں۔ رات رہے سیّدوں نے اپنا ایک رہبر ہمراہ کر کے اس طرف روانہ کیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سیّد صاحبؒ کو لے کر جماعت کے ساتھ موضع باغ میں مع الخیر پہنچ گئے۔ صبح کو سردار فتح خاں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے مشورہ کر کے سیّد صاحبؒ کو تمام مجاہدین سمیت موضع چنگلئی میں جو باغ سے ڈھائی یا تین کوس ہے، لے گیا۔ بعد میں معلوم ہوا کہ جو لوگ سیّد صاحبؒ کو اُترنے نہیں دیتے تھے، اُن کو یار محمد خاں نے بھیجا تھا کہ تم گھاٹ پر ایسا شور و فساد مچانا کہ پہر ڈیڑھ پہر کا وقفہ اُن کے اُترنے میں ہو جائے۔ تب تک سکھوں کے سوار جا پہنچیں گے۔ تم الگ کے الگ رہو گے۔ وہ خود سیّد صاحب سے جیسا چاہیں گے، سمجھ لیں گے۔

رضا بالقضا اور دُعا موضع چنگلئی میں کئی روز کے بعد سیّد صاحبؒ کو بخوبی ہوش آیا۔ آپ نے لوگوں کو غمگین اور اُداس دیکھ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب، کیا حال ہے اور یہ تمام ہمارے مجاہدین بھائی کیوں اُداس اور غمگین ہیں؟ جس روز سے آپ کو بے ہوشی ہوئی تھی۔ مولانا نے اس وقت تک

کا حال، جو بیان کرنے کے قابل تھا، بیان کیا۔ آپ نے پوچھا: ہمارے اور مجاہدین بھائی کہاں ہیں؟ مولانا نے کہا کہ پنجتار اور تُورو میں ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اِن سب کو یہاں بُلوالو اور فرمایا کہ مولانا صاحب، ہمارے سب مجاہدین بھائیوں کی تسلی اور دلجمعی کیجیے کہ یہ جو کچھ حال ہم پر اور سب بھائیوں پر گزرا، کچھ جنابِ الٰہی میں ہم لوگوں سے خطا اور بے ادبی ہوئی ہے، اُسی کا یہ بدلہ ہے، اور یہ بھی ایک امتحانِ الٰہی تھا۔ وہ سُبحانہٗ تعالیٰ ایسی ایسی آزمائشوں پر ہم لوگوں کو اور ہمارے مجاہدین بھائیوں کو ثابت قدم رکھے اور ہماری تکلیف کو راحت سے بدل دے، اور ان لوگوں کا زہر دینا بھی حکمتِ الٰہی سے خالی نہیں۔ یہ بھی رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلم کی ایک سُنّت ہم سے ادا ہوئی۔

پھر آپ نے ننگے سر ہو کر جنابِ باری میں اِلحاح و زاری کے ساتھ دُعا کی کہ "الٰہی! یہ ہم سب تیرے بندے ذلیل و خاکسار، عاجز و ناچار ہیں اور تیرے سوا ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں محض تیرے ہی فضل و کرم کے اُمیدوار ہیں۔ ہم تیری آزمائش و امتحان کے قابل نہیں۔ ہماری خطاؤں کو نہ پکڑ۔ اپنی رحمت سے معاف کر اور ہم کو اپنی راہِ مستقیم پر ثابت قدم رکھ اور جو لوگ تیری اس راہ کے مخالف ہیں، اُن کو ہدایت کر۔ اسی طرح کے الفاظ بار بار کہے۔ لوگ "آمین! آمین!" کہتے تھے۔ دُعا کے بعد آپ نے سب کو تسلی اور دلاسا دیا کہ بھائیو، مت گھبراؤ۔ اللہ تعالیٰ تم پر اپنا فضل و کرم کرے گا۔

پنجتار کے سب غازی بھی بُلائے گئے اور تمام اسی بستی میں آکر جمع ہوئے۔ بیس پچیس آدمی جو موضع تُورو میں میاں عبدالقیوم صاحب بہادر خاں کے پاس چھوڑ آئے تھے، اُن کو بھی آپ نے وہیں بُلوالیا۔

کھانے کی تنگی اور مُجاہدین کا مُجاہدہ

مجاہدین کے لیے یہ بڑے اِبتلا کا زمانہ تھا۔ گنتی کے چھ سات آدمی تو تندرست تھے، باقی سب بیماروں کی خدمت کرتے تھے۔ کھانے کی تنگی کا یہ حال تھا کہ ایک مُٹھی مکئی ہر آدمی کو ملتی تھی۔ تندرست لوگ اس کو چکّی میں پیس لاتے اور لپٹا پکا کر مریضوں کو کھلاتے اور خُود کھاتے۔ ایک ترشش تین پتّی کی گھاس ہوتی تھی، جس کو فارسی میں سہ برگ کہتے ہیں؛ اس کو پیس چھان کر تھوڑا سا نمک ملا کر ان مریضوں کو پلاتے تھے۔ یہی دوا تھی۔ کبھی دن وہ ایک مُٹھی مکئی بھی نہ ملتی۔ اس دن گھاسوں کی پتّیاں، جو بے مزہ نہ ہوتیں اور پکانے میں گل جاتیں، جنگل سے توڑ لاتے اور بڑی بڑی ہانڈیوں میں نمک ڈال

کر اُبالتے اور اُن مریضوں کو کھلاتے اور خود بھی کھاتے۔ کسی روز ایک بیمار مرتا، کسی روز دو، کسی روز تین، تار بندھا تھا۔ جو مر جاتے، اگر اُن کی کوئی چادر ہوتی، تو اسی کو پاک کر کے اس میں لپیٹ کر دفن کرتے۔ کئی جا جمیں بھی دُھلی ہوئی رکھی تھیں۔ اگر مرنے والے کے پاس کوئی چادر بھی نہ ہوتی، تو اُنھیں جا جموں میں سے ایک چادر پھاڑ کر اُس کے کفن کا انتظام کرتے تھے۔ جب متواتر فاقے ہوئے، تو ایک مرتبہ ایک پگڑی اور ایک تھان بیچ کر چند روز گزارا کیا۔ اس کے بعد پھر فاقے کی نوبت آگئی۔ اس عرصے میں فتح خاں پنجتاری کو اِطّلاع ہوئی۔ اُنھوں نے چند روز کے لیے غلّے کا اِنتظام کر دیا۔ اس عرصے میں ایک چھوٹا سا ہندوستانی قافلہ آ گیا۔ اُنھوں نے وہ روپے، جو جماعت کے لیے لائے تھے، حوالے کیے۔ اسی طرح جب تک سیّد صاحبؒ تشریف لائے، کام چلتا رہا۔

مرنے والوں میں، جن کے نام معلوم ہیں، ایک مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادیؒ کے چھوٹے بھائی مولوی طالب علیؒ تھے؛ دوسرے عبداللہ بسم اللہ تھے، جو پہلے مخنّثوں کے طائفے میں شامل تھے، پھر لشکرِ مجاہدین میں شامل ہوئے اور مردانہ وار راہِ خدا میں جان دی۔

جنگِ شیدو اور یار محمد خاں کا طرزِ عمل جنگِ شیدو کے موقع پر اسلامی افواج کی اتنی بڑی جمعیت فراہم ہو گئی تھی کہ جو نہ صرف سردار بدھ سنگھ کی فوج کو شکست دینے کے لیے، بلکہ پورے صوبۂ سرحد کو سکھوں سے آزاد کرانے کے لیے بھی کافی تھی۔ مسلمان تقریباً ایک لاکھ تھے، جن میں اسلامی ہند کا جاں نثار اور شوقِ شہادت میں سرشار عنصر بھی تھا، جو کئی ہزار میل کا ہفتخواں سرکر کے اعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے آیا تھا۔ ان میں یوسف زئی سرداروں کی فوجی طاقت بھی تھی، جو ستّر اسّی ہزار افراد پر مشتمل تھی اور ان سب کے علاوہ سردارانِ پشاور کی کارآزمودہ فوج بھی تھی۔ اگر سردارانِ پشاور اس موقع پر اِخلاص اور تعاون سے کام لیتے اور کچھ بھی ثابت قدمی اور استقامت دکھاتے، تو نہ صرف میدانِ جنگ کا، بلکہ ہندوستان کا نقشہ ہی دُوسرا ہوتا۔ لیکن عین اُس وقت جب کہ معرکۂ کارزار گرم تھا اور سکھ فوجیں پسپا ہو رہی تھیں، انھوں نے میدانِ جنگ سے علٰیحدگی اختیار کی اور نہ صرف خود میدان سے فرار اختیار کیا، بلکہ سیّد صاحبؒ کے ساتھ (جو جماعتِ مسلمین کے امام اور عساکرِ اسلامیہ کے قائدِ عام اور اس پورے سلسلے کے رُوحِ رواں تھے) ایسا معاملہ کیا کہ نہ صرف

اس معرکے میں تزلزل و انتشار پیدا ہوا، بلکہ قریب تھا کہ پورا سلسلۂ دعوت و جہاد، جو صدیوں کے بعد اپنی صحیح شکل میں ہندوستان میں پیدا ہوا تھا، درہم برہم ہو جائے۔

یار محمد خاں نے ایسا کیوں کیا؟ اس کے اسباب و محرکات کیا تھے؟ اس قدر جلد اس کی طبیعت میں برگشتگی کیوں پیدا ہوئی؟ اُس کے حالات و مزاج سے اندازہ ہوتا ہے کہ اس کو ابتدا سے سید صاحبؒ اور اُن کے مقاصد سے خلوص نہ تھا۔ سید صاحبؒ تو یار محمد خاں کے لیے محض اجنبی اور پردیسی تھے اور اُن کی رفاقت کے لیے سوائے خلوص اور دینی جذبے کے کوئی اور محرک نہ تھا اور اس کا یار محمد خاں کے یہاں فقدان تھا۔ اس نے اپنے ذاتی اقتدار اور مصلحتوں کے مقابلے میں اپنے بھائیوں کے ساتھ بھی وفاداری اور رفاقت کا معاملہ نہ کیا اور ہمیشہ لاہور کی سکھ حکومت سے اظہارِ وفاداری اور اپنی کار برآری کرتا رہا۔ اس نے اپنے سیاسی و ملکی مصالح کی بنا پر سید صاحبؒ کی رفاقت کا فیصلہ کیا، لیکن معلوم ہوتا ہے کہ شیدو کی جنگ سے پہلے سردار بدھ سنگھ نے اُس کو بلا لیا اور یہ منصوبہ تیار ہو گیا کہ وہ عین معرکے میں میدانِ جنگ سے اپنی فوجوں کو لے کر علیحدہ ہو جائے گا۔ سردار بدھ سنگھ کے لیے ایک مذبذب، موقع پرست، دنیادار رئیس کو دنیوی منافع کی لالچ دے کر اور اس جنگ کے عواقب سے ڈرا کر توڑ لینا کچھ مشکل نہ تھا۔ زہر خورانی کا واقعہ ایک مسلمہ تاریخی حقیقت ہے۔ شیدو اور اس کے گرد و نواح میں اس کی عام شہرت تھی۔ مولانا عبدالحی صاحب نے (جو ۲ ذی قعدہ ۱۲۴۲ھ کو لشکر میں پہنچے ہیں) پنجتار سے اپنے دوستوں اور متعلقین کو جو خط لکھا ہے، اس میں یہی تذکرہ کیا ہے[1]۔ خود سید صاحبؒ نے بھی متعدد خطوط میں اس کا تذکرہ فرمایا ہے[2]۔ معاصر مورخوں میں سے لالہ سوہن لال "عمدۃ التواریخ" میں لکھتے ہیں:

منقولِ السنۂ باشندگانِ آں روئے آب	دریائے اٹک کے اس پار رہنے والوں کے زبان
اٹک است کہ عالی جاہ یار محمد خاں بپاسِ ارتباطِ	زد ہے کہ عالی جاہ یار محمد خاں نے اس اتحاد و
اتحادِ سرکارِ دولت مدار در حینِ اشتعالِ نوائرِ	یگانگت کی بنا پر، جو اُن کو سرکارِ دولت مدار
جدال و قتال احمد شاہ را شربتِ شیرین	(مہاراجہ) سے ہے، عین معرکۂ کارزار میں احمد شاہ

---

[1] مجموعۂ خطوطِ قلمی ص ۲۳۰　　[2] ایضاً ص ۵۹ و ص ۲۷۶

ثمّ قاتل نوشاہیدہ قرار برفرار دادند و تمامی لشکریان نیز بمتابعتِ اُو پرداختند۔[1]

(سیّد صاحب) کو زہر ہلاہل دیا اور میدانِ جنگ کو چھوڑ کر چلا جانا طے کیا۔ ان کے تمام لشکریوں نے بھی اُن کی تقلید کی۔

جنگ شہیدوں کے نتیجے پر دربارِ لاہور کی مسرت

یُوسف زئی اور دُرّانی سرداروں کے اس اتحاد اور مجاہدین کی اس جمعیت سے (جس کی مہاراجہ رنجیت سنگھ کو اطلاع ملتی رہتی تھی) لاہور میں بڑی تشویش اور خطرہ محسوس کیا جاتا تھا۔ اس جنگ کے نتیجے پر سکھ حکومت کے مستقبل کا بہت کچھ انحصار تھا۔ یار محمّد خاں کی بے وفائی نے جب جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور مسلمانوں کی فوج (جس سے تعداد میں بڑی فوج سکھوں کے مقابلے میں کبھی جمع نہیں ہوئی) مُنتشر اور پراگندہ ہوگئی، تو لاہور میں بڑی مسرّت و شادمانی کا اظہار کیا گیا اور خُوشی میں چراغاں ہُوا اور توپیں سر کی گئیں۔ لالہ سوہن لال لکھتے ہیں:

سرکارِ دولت مدار بعد از استماعِ این خبر میمنت اثر شلیک توپخانہ کنانیدہ، منادی در شہر جلوہ ظہور پذیرفت کہ از روشنائی چراغاں دیدہ بینندگاں را روشن سازند موافقِ حکمِ عالی ہنگامِ شب روشنائی بکمال لطافت و زیبائش رونقِ اعلان یافت۔[2]

سرکارِ دولت مدار نے یہ مُبارک خبر سُن کر حکم دیا کہ توپیں سر کی جائیں۔ شہر میں منادی ہُوئی کہ بڑے اہتمام کے ساتھ چراغاں ہو۔ چنانچہ فرمانِ شاہی کے مطابق شہر میں بڑے زور کا چراغاں ہُوا۔

مہاراجہ نے اس پر اکتفا نہیں کیا۔ اُنھوں نے اس واقعہ کی خوشی میں جشن منایا اور ہزاروں روپے تقسیم کیے۔ دیوان امرناتھ لکھتے ہیں:

چراغاں در لاہور و تمامی ممالکِ محرُوسہ شُد و سرکارِ والا ہزارہا بر مُحتاجین و فُقرا ایثار کردہ جشنِ شاہانہ فرمُودند۔[3]

لاہور اور تمام ممالکِ محرُوسہ میں چراغاں ہُوا۔ سرکار نے ہزاروں روپے مُحتاجوں اور فُقرا پر تقسیم کیے اور جشنِ شاہانہ منایا۔

---

[1] عُمدۃ التواریخ، دفترِ دوم صفحہ ۳۴۰ [2] ایضاً صفحہ ۳۴۱ [3] ظفرنامہ دیوان امرناتھ، صفحہ ۱۸۱

دُوسرا باب

بونیر و سوات کا دَورہ

چَمْلہ و بونیر شَیدُو کے غیر مُتوقّع و دِل شکن واقعہ سے سیّد صاحبؒ کے عزم و ہمّت اور دعوتِ جہاد کے انہماک میں کوئی فرق واقع نہیں ہُوا۔ چگلئی میں آپ نے ایک مہینہ گُزارا جس کا ابتدائی حصّہ علالت کے اثرات اور ان سے مکمّل افاقے میں گُزرا۔ مہینہ گُزرتے ہی آپ نے بونیر و سوات کا دَورہ شروع فرما دیا۔

چگلئی سے آپ علاقۂ چَمْلہ کو روانہ ہُوئے۔ اس علاقہ میں کوگا نام ایک بستی ہے۔ ظُہر کے وقت اس میں تشریف فرما ہُوئے۔ وہاں سے تھوڑی دُور سیّدوں کی ایک بستی ناؤ گئی تھی۔ وہاں کے رئیس سیّد حَسَن رسُول صاحب بہت لوگوں کے ساتھ آپ کی ملاقات کو آئے۔ دُوسرے خوانین اور اطراف و جوانب کے سردار بھی روزانہ ملاقات کو آتے رہے اور بَیعت سے مشرف ہوتے رہے۔ چار روز آپ نے کوگا میں قیام کیا۔ پھر وہاں سے علاقۂ بونیر کی طرف روانہ ہُوئے۔ شام کو دامنِ کوہ میں ایک بستی میں قیام کیا۔ آپ کی آمد کی خبر سُن کر تختہ بند کا رئیس سیّد میاں آپ کو لینے کو آیا اور صُبح کو آپ کو اپنی بستی میں لے گیا اور اپنے مکان پر اُتارا۔ آپ کی تشریف آوری کی خبر سُن کر اس نواح کے بہت سے خوانین اور سردار ملاقات کو آئے۔ مجاہدین اور اُن لوگوں کو ملا کر پانچ چھ سَو کی جمعیّت ہو گئی۔ سیّد میاں اور اُن کی برادری والوں نے اِس جمِّ غفیر میں سب کے سامنے آپ کے ہاتھ پر بَیعت کی۔ اُن کے بعد اِس نواح کے خوانین اور رُؤسا میں سے جو اُس

وقت حاضر تھے۔ دو ڈھائی سو آدمیوں نے بیعت کی اور سب نے کہا کہ ہم جان و مال سے آپ کے فرماں بردار ہیں؛ جو آپ فرمائیں، ہم بسر و چشم بجا لائیں۔

سوات آپ نے تختہ بند میں چار روز قیام کیا۔ اسی عرصے میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور شیخ سعدالدین پھلتی، جو زخمی تھے، بیمار ہو گئے۔ ان دونوں صاحبوں کو آپ نے تختہ بند میں چھوڑا۔ باقی لوگوں کو لے کر آپ علاقۂ سوات کی طرف روانہ ہوئے۔ موضع الئی، تورسک، جوڑ[1] ٹھیرتے ہوئے کڑاکڑ پہاڑ کی چڑھائی چڑھ کر اس کی چوٹی پر گئے، جہاں سے علاقۂ بونیر کے مواضعات صاف نظر آتے تھے اور دوسری طرف علاقۂ سوات کی ایک ایک بستی دکھائی دیتی تھی۔ پھر اُس پہاڑ سے اُتر کر علاقۂ سوات میں داخل ہوئے۔ شافعیوں کے ایک موضع[2] میں سے ہوتے ہوئے، جو پہاڑ سے اُترنے پر ملا، موضع بُری کوٹ، موضع تھانہ میں قیام فرمایا۔ وہاں سے موضع اُچ کے سادات میں سے بہت سے لوگ آپ سے ملنے کو آئے اور اپنی بستی میں لے گئے۔ اور اپنے عزیز و اقارب کے ساتھ آپ کے ہاتھ پر بیعت کی۔

موضع اُچ میں آپ نے تین روز قیام فرمایا۔ اس عرصے میں مولوی محمد یوسف صاحب بیمار ہو گئے موضع کوٹی گرام کے سادات آپ کو لینے کو آئے تھے۔ آپ مولوی محمد یوسف صاحب کو بھی اپنے ساتھ کوٹی گرام میں لے گئے۔

مولوی قلندر صاحب کا قافلہ چوتھے یا پانچویں دن مولوی قلندر صاحب کا ستر اسّی آدمیوں کا قافلہ کوٹی گرام پہنچا۔ آپ اُن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے اور مصافحہ و معانقہ کیا اور ہندوستان کا حال پوچھا۔ پھر آپ نے سر کھول کر بطورِ معمول دیر تک دعا کی۔

نمازِ عید اور قاضی احمداللہ صاحب کا قافلہ کوٹی گرام میں آپ نے نمازِ عید پڑھی اور دیر تک دعا کی۔ یہ ۱۲۴۲ھ کی عیدالفطر تھی۔ آپ جب تک اس بستی میں رہے، صدہا لوگوں کو ہدایت ہوئی۔ وہاں بر سوات کے علاقے کے لوگ بھی حاضر تھے۔ اُنھوں نے اپنے یہاں آپ کو لے جانے کی درخواست کی۔ عید کے تیسرے دن آپ نے

---

[1] یہ سالارزئی پٹھانوں کی بستی ہے۔ نواب امیر خاں بانیِ ریاستِ ٹونک اسی قبیلے اور اسی بستی سے تعلق رکھتے تھے۔

[2] شافعیوں کی اس بستی کا نام "ناوگئی" ہے۔

کوٹی گرام سے کوچ فرمایا اور بَرسوات کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں موضع اُچ کی دُوسری بستی میں تین دن قیام فرمایا۔ وہاں سے روانگی پر راستے میں قاضی احمداللہ صاحب کا قافلہ ملا۔ قافلے میں ساٹھ ستّر آدمی تھے۔ آپ اُن کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ ہر ایک سے مُصافحہ و مُعانقہ کیا اور مزاج پُرسی کی۔ یہاں جن بستیوں کے درمیان تپنہ داری (گروہ بندی) تھی، اُن کے درمیان مصالحت فرمائی۔ اسی دوران میں مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب بھی تندرست ہو کر قافلے میں شامل ہو گئے۔ جمعدار عبدالحمید خاں، جن سے ٹونک میں ملاقات ہوئی تھی، چند آدمیوں کے ساتھ آکر آپ سے ملے۔

مولوی محمّد یُوسُف صاحب کی وفات | مولوی محمّد یُوسُف صاحب نہایت علیل تھے، مگر ہمراہ تھے۔ راستے میں ایک جگہ اُن کی وفات ہو گئی۔ سیّد صاحبؒ کو بہت ہی رنج ہُوا۔ دیر تک اُن کی خُوبیاں اور بزُرگیاں بیان فرماتے رہے۔ پھر اُن کے واسطے دُعائے مغفرت کی اور اُن کی نعشِ مبارک لانے کے لیے پھلت کے چند آدمیوں کو بھیجا۔ سیّد رستم علی صاحب نے عرض کیا کہ وہاں کے لوگ کہتے ہیں کہ ہماری بستی میں ایک بڑے ولی کا مزارِ پُر انوار ہے۔ وہیں پر مولوی صاحب کو دفن کرو۔ اُن کے ہمسایے میں اُن کو بہت فائدہ ہوگا۔ حضرت نے فرمایا کہ ہمارے مولوی صاحب آپ اللہ کے ولی ہیں۔ ہم اُن کو اسی بستی میں دفن کریں گے۔ اُن کی برکت سے یہاں کے مُردوں کو فائدہ ہوگا۔ پھر وُہ صاحبان وہاں سے نعشِ مُبارک لائے اور تجہیز و تکفین و نمازِ جنازہ کے بعد اس بستی کے گورستان میں دفن کیا۔ مولوی محمّد یُوسف صاحب کے انتقال کا ہر شخص کو بڑا رنج تھا، خصوصاً پھلت والوں کو بڑا صدمہ ہُوا، اس لیے کہ وہ ان پر باپ سے زیادہ شفیق تھے

مولوی رمضان صاحبؒ کا قافلہ | بستی بانڈہ میں رڑکی والے مولوی رمضان صاحب سَو آدمیوں کا قافلہ لے کر آئے اور آپ سے ملے۔

منگُورے میں آپ نے تین روز قیام فرمایا۔ وہاں سے منگلوَر (پرگنہ بابوزئی) ہوتے ہُوئے آپ چارباغ آئے، جو اس نواح میں بڑا آباد اور پُر رونق شہر تھا۔ بستی میں آپ کی آمد پر نقّارہ ہُوا۔ وہاں کے مَلک اور خوانین آئے۔ دعوتوں کا ایسا سلسلہ شروع ہُوا کہ ایک وقت میں کئی کئی جگہ دعوت ہوتی اور مُجاہدین میزبانوں کی خوشی کے لیے سب جگہ تھوڑا تھوڑا کھا لیتے۔ تین دن میں صدہا آدمیوں نے بَیعت کی۔

گُلی باغ کے سرداروں نے کوس، سوا کوس باہر نکل کر آپ کا استقبال کیا۔ مُلّا اپنی زبانِ پشتو میں آپ کی سواری کے آگے آگے آپ کے فضائل بیان کرتے ہُوئے چلتے تھے۔ گُلی باغ کے مَلک اور خوانین بَیعت سے مُشرّف ہُوئے۔

شاہِ چترال کو تحفہ | خواجہ خیل بستی میں چند لوگ آپ کے پاس آئے اور آپ سے کاشکار (چترال) کی باتیں کرنے لگے کہ وہاں کا بادشاہ بڑا دیندار اور غازی ہے۔ اکثر اپنے مُلک کے کُفّار و روافض سے جہاد کیا کرتا ہے۔ اگر آپ اس مُلک میں تشریف لے جائیں، تو خُوب ہو۔ آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس مُلک میں ہم سے اپنی رضامندی کا کام لے۔ یہاں بھی جہاد موجُود ہے۔ اِن شاء اللہ تعالیٰ، وہاں بھی دعوتِ جہاد اور ترغیبِ غزا کے واسطے اپنے چند آدمی بھیجیں گے۔

خواجہ خیل سے آپ نے خونے کی طرف کُوچ فرمایا۔ وہاں کے ایک سیّد اور رئیس، جو بڑے پیرزادے بھی تھے، آپ کو اپنی بستی میں لے گئے اور اپنا مہمان کیا۔ رُفقاء اُن کی خانقاہ میں ٹھیرے۔ وہیں سے آپ نے اخوند فیض مُحمّد کو کئی آدمیوں کے ساتھ کاشکار کی طرف روانہ کیا اور وہاں کے بادشاہ کے لیے ایک قرآن مجید، پستول کی ایک جوڑی اور ایک پیش قبض تحفے کے طور پر بھیجے۔

خونے سے روانہ ہو کر موضع اشالہ[1]، درشت خیل، خنجرہ، شکر درہ، بانڈہ ہوتے ہُوئے دریا اُتر کر چار باغ میں داخل ہُوئے۔

مولانا عبدالحی صاحبؒ کی آمد | چار باغ میں آپ کو اطلاع ملی کہ مولانا عبدالحی صاحب موضع چکدرہ میں مع الخیر داخل ہُوئے۔ صُبح کو، کچھ دن رہے، سیّد صاحبؒ نے بیس پچیس غازی، جن میں اکثر پُختہ والے تھے، کہاروں کے ساتھ مولانا کو لانے کے لیے بھیجے۔ یہ لوگ چلنے کی تیاری کر رہے تھے کہ اُدھر سے مولانا دریا پر پہنچ گئے۔ سیّد صاحبؒ کو اطلاع ہوئی۔ آپ استقبال کے لیے دریا پر تشریف لائے۔ مُصافحہ و مُعانقہ ہُوا۔ مولانا نے آپ کے دستِ مُبارک کو بوسہ دیا۔ سیّد صاحبؒ کو مولانا سے ملنے کا کمال اشتیاق تھا، اُدھر مولانا صاحب کو آپ سے مِلنے کی بے حد آرزو تھی۔ وہاں سے باتیں کرتے ہُوئے آپ

---

[1] اشالہ فتح پور اور خواجہ خیل کے درمیان ہے۔ (سیّد احمد شہید، ج ۱، صـ۴۲۷)

چار باغ کو آئے اور مولانا کو علیحدہ مکان میں اُتارا۔

چار باغ سے منگورہ ہوتے ہوئے آپ ہوڈی گرام تشریف لائے۔

میاں مقیم کا قافلہ | ہوڈی گرام میں میاں مقیم صاحب رامپوری تیس چالیس آدمیوں کے قافلے کے ساتھ پہنچے۔ وُہ اپنے ساتھ کچھ نقد روپیہ اور کئی ضرب قرابین لائے تھے۔ وُہ اُنھوں نے نذر کیں اور آپ کے دستِ مُبارک پر اپنے ہمراہیوں کے ساتھ بیعتِ ہدایت اور بیعتِ جہاد کی۔ جیسے اس قافلے کے لوگ چالاک اور چُست اور سلاح و پوشاک سے دُرست تھے، اَیسے جوان کسی قافلے کے نہیں تھے۔ جُرأت، شجاعت میں یکتا اور بانکے ترچھے اَیسے تھے کہ کھانسی اور تھُوکنے پر تلوار مارتے تھے۔ مگر جس وقت سے اُنھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی، اَیسے صالح و پرہیزگار اور غمخوار و بُردبار ہو گئے کہ جو کوئی چار باتیں اُن سے ناحق کہتا، وُہ دیدہ و دانستہ پی جاتے اور کوئی کلامِ بیجا زبان پر نہ لاتے۔

پنجتار کو واپسی | ہوڈی گرام سے بری کوٹ ہوتے ہوئے کڑاکڑ کی چڑھائی کے کنارے شافعیوں کی بستی میں کچھ دیر ٹھیرتے ہوئے جُوڑ، تورسک، موضع باچا، شل بانڈئی، تختہ بند، کوگا ہوتے ہوئے چنگلئی تشریف لائے۔ وہیں آپ نے عیدالاضحیٰ کی نماز پڑھی اور قربانی کی۔ وہاں سے پنجتار کا رُخ کیا۔ فتح خاں کو خبر ہُوئی۔ وُہ چند سواروں کے ساتھ استقبال کو آیا اور باتیں کرتے کرتے اپنے ہمراہ پنجتار میں لے گیا۔ اس کے گرد سنگین کوٹ ہے۔ اس کے باہر ایک دیوان شاہ کا باغ مشہور تھا۔ وہیں سب لوگ اُترے۔ سیّد صاحبؒ نے بھی وہیں قیام فرمایا۔ کئی سفری ڈیرے خیمے تھے؛ وہ کھڑے کیے گئے۔

دَورے پر ایک نظر | بونیر و سوات کا یہ دَورہ تبلیغ و دعوت، افادہ و ہدایت اور جہاد کی تبلیغ و تحریض کے لحاظ سے بہت کامیاب رہا۔ اس دَورے میں اللہ کے ہزاروں بندوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعتِ توبہ و جہاد کی اور آپ سے اور آپ کے خُلفا سے باطنی فیوض حاصل کیے اور اُن کی خُدا پرستانہ و سرفروشانہ زندگی دیکھی۔ بہت سے قبائل میں، جن میں سخت فتنہ داری اور نزاع و مناقشہ تھا، مصالحت ہُوئی۔ چنگلئی میں مہینہ بھر جس تنگی اور عُسرت اور بیماری کی حالت میں فاقے کے ساتھ وقت بسر ہُوا، یہاں اُسی قدر فراغت اور آسُودگی رہی۔ آپ جس وقت علاقۂ چملہ کو روانہ ہُوئے تھے، پہاڑ کی چوٹی پر آپ نے ننگے سر ہو کر دیر تک بہت گریہ و زاری

کے ساتھ دُعا کی تھی۔ دُعا کے بعد فرمایا تھا کہ جنابِ باری میں دُعا قبول ہُوئی اور اللہ سُبحانہ تعالیٰ نے ہماری تکلیف دُور کی اور اپنا فضل ارزانی فرمایا۔ اس سفر میں ہر جگہ دُعا کی قبولیت کے آثار نظر آئے۔ اسی دَورے میں ہندوستان سے تازہ دم مُجاہدین اور سراپا اشتیاق مخلصین کے چار قافلے پُہنچے، جن میں مجموعی طور پر پُونے تین سَو کے قریب مجاہدین تھے اور مولوی قلندر صاحب، قاضی احمد اللہ صاحب، جمعدار عبدالحمید خاں، مولوی رمضان صاحب، میاں مقیم رامپوری جیسے ممتاز حضرات تھے، جنھوں نے بعد کی جنگوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے اور آخر وقت تک رفاقت کی۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ اسی سفر میں مولانا عبدالحی صاحب بڈھانوی تشریف لائے، جن کا خود سیّد صاحبؒ کو بڑا اشتیاق و انتظار تھا۔ غرض، بونیر و سوات کا یہ دَورہ جماعت کے دائرے کی توسیع، مقاصدِ جہاد کی اشاعت اور مجاہدین کی تقویت کا پورا سامان رکھتا تھا اور نفسیاتی اور انتظامی حیثیت سے اس کی بڑی ضرورت تھی

خوشا وقتِ شوریدگانِ غمش
اگر ریش بینند و گر مرہمش

○

تیسرا باب

پنجتار کا مرکزِ مجاہدین

پنجتار کی اسلامی چھاؤنی جنگِ بازار کے بعد جب آپ ہنڈ کے قریب مقیم تھے، خدوخیل کے سردار فتح خاں پنجتاری نے بیعت کی تھی اور پنجتار کو، جو علاقۂ سوات کے قریب پہاڑوں کے بیچ میں ایک محفوظ مقام تھا، مرکز بنانے کی دعوت دی تھی۔ اس کے بعد ہی شیدو کا معرکہ پیش آیا اور آپ کو اور رفقاء کو ایک مہینہ چنگلئی میں قیام کرنا پڑا۔ اس کے بعد آپ نے بُنیر و سوات کا دورہ فرمایا اور اس میں تقریباً تین مہینے لگ گئے۔ اس دورے کے اختتام اور سفر سے واپسی پر آپ نے پنجتار ہی کا رُخ فرمایا۔ مجاہدین کے قیام، رفقاء کی تعلیم و تربیت اور مجاہدانہ نقل و حرکت کے لیے اس سے زیادہ موزوں کوئی اور مقام نہ تھا۔ اسی مقام کو بالآخر طویل ترین عرصے کے لیے سیّد صاحبؒ اور آپ کے رفقاء کا مستقر، اسلام کی چھاؤنی اور مرکزِ اصلاح و ارشاد بننے کی سعادت حاصل[1] ہوئی اور یہاں اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرت کا صحیح نمونہ اور عبادت و مجاہدہ، اخوت و مساوات، خدمت و مواسات، ایثار و ہمدردی، سادگی و بے تکلفی اور محنت و جفاکشی کے ایسے بھلے جُلے مناظر دیکھنے میں آئے، جو قرونِ اُولیٰ کی یاد تازہ کرتے ہیں۔ یہاں پر اُس زندگی کی، جو کم سے کم ہندوستان کی سرزمین

---

[1] صوبۂ سرحد کے زمانۂ قیام میں کسی مقام کو اس طرح مسلسل اور اتنے طویل عرصے کے لیے سیّد صاحبؒ کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مستقر و مرکز بننے کا شرف حاصل نہیں ہوا۔

پر صدیوں کے بعد وجود میں آئی تھی، مختلف روایات و بیانات اور خطوط کی مدد سے ایک تصویر پیش کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔

مولانا عبدالحیؒ نے اپنے ہندوستانی احباب کو پنجتار سے اپنی خیریت کا خط لکھا ہے جس میں وہاں کے بہت سے حالات بھی تحریر میں آگئے ہیں۔ مولانا فرماتے ہیں :

سرحد میں مجاہدین کی نوآبادی | "ان دنوں ۱۱ ذی الحجہ سے آج پنجشنبہ ۲۳ ذی الحجہ تک حضرت کا قیام پنجتار میں ہے۔ یہاں کا رئیس فتح خاں نامی بڑا صاحب ایمان اور مخلص شخص ہے۔ اس ملک میں اس کی نظیر نہیں۔ مہاجرین کے ساتھ اس کا سلوک اور طرزِ عمل حضراتِ انصار کے سلوک اور طرزِ عمل کی یاد تازہ کرتا ہے، جو اُن حضرات نے مہاجرین کے ساتھ اختیار کیا تھا۔ دوسرے مواضعات کے رؤسا کا بھی کم و بیش یہی حال ہے۔ کسی کا کم، کسی کا زیادہ۔ عوام بھی اسی طرح ہیں، اِلّا ماشاء اللہ۔

مہاجرین مواضعات میں متفرق طور پر قیام پذیر ہیں۔ سات سَو آدمی گرد و نواح کے قصبات میں اور تین سَو حضرت کے ساتھ ہیں۔ یہ مواضعات ایک دُوسرے سے مُتّصل اور قریب قریب ہیں، گویا ایک شہر کے دُور دُور کے محلّے ہیں، جیسے ہمارے وطن کے قریب بارہ سادات یا بارہ بستی۔ دس بارہ من جنس سرکار (بیت المال) سے روزانہ تقسیم ہوتی ہے۔ اسی طرح ضرورت کے مطابق کپڑے بھی ملتے ہیں۔

ایک شخص نے، جو شاید ہندوستان سے آیا ہُوا تھا، مجھ سے پُوچھا : "یہاں سے واپس جانے والوں کو کیا حکم ہے؟" مَیں نے کہا : "گُناہگار ہیں"۔ کہنے لگا : "اگر بھُوکے رہنے کی وجہ سے ہو؟" اس کا اصل جواب تو وقت کی تنگی اور اُس کے حال کے اِشتباہ کی وجہ سے کہ سمجھے گا یا نہ سمجھے گا، میں نے دیا نہیں؛ اس کی اس طرح تسلّی کر دی کہ میرے علم میں یہ عُذر یہاں موجود نہیں، اس لیے کہ جو لوگ یہاں بیمار ہیں، اُن سے سچ سچ پوچھو کہ تمھاری بیماری کا کیا سبب ہے۔ وُہ کہیں گے کہ زیادہ کھانے کی وجہ سے۔ کم سے کم میرے علم میں ایک آدمی بھی ایسا نہیں آیا، جو محض بھُوکے رہنے

کی وجہ سے بیمار ہُوا ہو۔ تم ایسے دو تین بھُوکے لے آؤ؛ مَیں ہیں ایسے آدمی پیش کر دوں گا، جو محض اپنی بسیار خوری کی وجہ سے بیمار پڑے۔ حدیث شریف میں ہے کہ انسان کے معدے کے تین حصّے ہیں: ایک حصّہ غذا کے لیے ہے، ایک حصّہ پانی کے لیے اور ایک حصّہ سانس لینے کے لیے۔ ایک شخص بھی ایسا نہیں، جس کو اس کے معدے کے تیسرے حصّہ بھر کھانا نہ ملتا ہو؛ بلکہ ایسا آدمی بھی مشکل سے ملے گا، جس کو دو حصّے نہ پہنچتے ہوں۔ جو اس سے زیادہ کی بھی فکر کرے، وہ ضرُور مُصیبت میں مُبتلا ہوگا۔ اس پر مجھے ایک قصّہ یاد آیا کہ ایک بے دِین نے یہ حدیث سُن کر کہا: "مَیں تو پُورے معدے کو غذا سے پُر کر لیتا ہوں۔ پانی لطیف چیز ہے، وہ آپ اپنی گنجائش پیدا کر لیتا ہے سانس کا کچھ نہیں، آئے، آئے؛ نہ آئے، نہ آئے، مجھے اس کی فکر نہیں۔ بہرحال جس کا اعتماد مضمُونِ حدیث پر ہے، وُہ تو یہاں خُوش و خُرّم ہے اور جس کو یہ بات حاصل نہیں، وہ بے شک تکلیف اور کوفت میں مُبتلا ہے۔ باقی اصل جواب تو اِن آیات میں ہے:

(۱) وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ (اَلْبَقَرَةُ : ۱۵۵)

(۱) البتہ ہم تم کو آزمائیں گے کچھ خوف سے کچھ بھوک سے۔ (۲ : ۱۵۵)

(۲) ذٰلِكَ بِأَنَّهُمْ لَا يُصِيبُهُمْ ظَمَأٌ وَّلَا نَصَبٌ وَّلَا مَخْمَصَةٌ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَلَا يَطَئُوْنَ مَوْطِئًا يَّغِيْظُ الْكُفَّارَ وَلَا يَنَالُوْنَ مِنْ عَدُوٍّ نَّيْلًا إِلَّا كُتِبَ لَهُمْ بِهٖ عَمَلٌ صَالِحٌ ۭ إِنَّ اللّٰهَ لَا يُضِيْعُ أَجْرَ الْمُحْسِنِيْنَ (اَلتَّوْبَةُ : ۱۲۰)

(۲) یہ اس واسطے کہ نہ کہیں پیاس کھینچتے ہیں، نہ محنت اور نہ بھُوک اللہ کی راہ میں اور نہ زیادہ ٹھیرتے ہیں کہیں جس سے ناراض ہوں کافر اور نہ چھینتے ہیں دشمن سے کوئی چیز، مگر لکھا جاتا ہے اس پر ان کا نیک عمل۔ بے شک اللہ نہیں کھوتا حق نیکی والوں کا۔ (۹ : ۱۲۰)

(۳) لَقَدْ تَّابَ اللّٰهُ عَلَى النَّبِيِّ وَ

(۳) اللہ مہربان ہُوا نبی پر اور مہاجرین پر اور

الْمُهٰجِرِيْنَ وَ الْأَنْصَارِ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُ فِيْ سَاعَةِ الْعُسْرَةِ مِنْ بَعْدِ مَا كَادَ يَزِيْغُ قُلُوْبُ فَرِيْقٍ مِّنْهُمْ (اَلتَّوْبَةُ : ۱۱۷)

انصار پر، جو ساتھ رہے نبیؐ کے مشکل کی گھڑی میں بعد اس کے کہ قریب ہوئے کہ دل پھر جائیں بعضوں کے ان میں سے[1] (۹ : ۱۱۷)

مجاہدین کی معاشرت اور طرزِ زندگی مجاہدین کا عجیب عالم تھا۔ تکبّر، شان، خودی، ننگ و عار کا نام نہ تھا۔ ایک دوسرے کی خدمت کرتے، ہر کام میں للہ فی اللہ شریک ہوتے، دوسرے کا ہاتھ بٹاتے، کسی کو محنت کا کام کرتے دیکھتے، تو بے کہے شریک ہو جاتے اور کرنے لگتے، اگرچہ اس کام کی اس روز ان کی باری نہ ہوتی۔ فقط ثواب جان کر کہ یہ کام خدا کا ہے، دنیا کے سب کام کرتے: چکی پیستے، کھانا پکاتے، کپڑے دھوتے اور سیتے، لکڑی چیرتے، گھاس چھیلتے، گھوڑا ملتے، بیماروں کی خدمت کرتے، اُن کا پیشاب، پاخانہ، قے اُٹھاتے، آپس میں ایک دوسرے کی حجامت بناتے، پیر دباتے، زمین پر سوتے، پھٹے پرانے کپڑے سیتے۔ فحش گوئی، بدزبانی، حسد، عداوت کوئی نہ جانتا تھا۔ جہادِ کفّار کے ساتھ جہادِ نفس بھی اور مجاہدۂ روحانی بھی خانقاہوں سے زیادہ ہو رہا تھا اور ان تمام کاموں میں بڑے بڑے مخدوم اور امیرزادے شریک ہوتے اور اپنی سعادت و عزّت سمجھتے۔

جو لوگ بعد میں قافلوں کے ساتھ آئے اور آپ کے صحبت یافتہ نہ تھے، اُن کو یہ کاروبار دیکھ کر ننگ و عار معلوم ہوتا۔ وہ کہتے کہ یہ رذیلوں کے کام ہیں، شرفاء کی شان کے لائق نہیں۔ سیّد صاحبؒ کو اُن کا عندیہ معلوم ہوا۔ آپ کی عادت تھی کہ جو نصیحت کرتے، کسی کی طرف خطاب کر کے یا کسی کا نام لے کر نہ کرتے تاکہ لوگوں میں اُس کو ندامت نہ ہو۔ حکایت کے طور پر مثالیں بیان کرتے چنانچہ آپ نے ایک مثال دی کہ ایک عورت کا خاوند مر گیا۔ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں۔ اس کا

---

[1] مکتوباتِ فارسی قلمی، مکتوب مولانا عبدالحی از پنجتار۔

خاوند کچھ مال و دولت چھوڑ کر نہیں مرا۔ وُہ بیچاری چرخہ کاتتی ہے، پسائی کرتی ہے، سلائی کرتی ہے اور ہر طرح کی محنت مزدوری، جو بن پڑتی ہے، کرتی ہے اور بچوں کو پالتی ہے صرف اِس اُمید پر کہ یہ پرورش پاکر جوان ہونگے، نوکری چاکری کریں گے، بڑھاپے میں مجھ کو روٹی دیں گے، خدمت کریں گے، میرا بڑھاپا آرام سے بسر ہوگا۔ اُس کی یہ اُمید موہوم ہے، یقینی نہیں۔ اگر وُہ لڑکے زِندہ رہے اور صالح اور لائق ہوئے۔ اپنی ماں کا حق پہچانا، تو اُس کی آرزو پُوری ہوئی اور اگر وہ نالائق اور نکمّے نکلے، تو وہ جھیک جھیک کر مری۔ یہاں جو ہمارے بھائی محض خدا کے واسطے خالص نیّت سے چکّی پیستے ہیں، کھانا پکاتے ہیں، لکڑی چیرتے ہیں، گھاس چھیلتے ہیں، گھوڑا ملتے ہیں، کپڑے سیتے ہیں، اپنے ہاتھ سے کپڑے دھوتے ہیں اور اسی طرح کے سب کام کرتے ہیں، یہ تمام داخلِ عبادت ہیں اور حضرت پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام سے ثابت ہیں، سب اولیاء اللہ آج تک ایسے ہی کام کرتے آئے ہیں۔ جتنے کام شرع کے موافق ہیں کسی کے کرنے میں عار نہیں۔ اِن سب کاموں کا اجر اللہ اور اُس کے رسُولؐ کے ارشاد کے مطابق اللہ تعالیٰ کے ہاں ملنا یقینی ہے۔ سب بھائیوں کو چاہیے کہ ان کاموں کو فخر و عزّت اور سعادتِ دارین سمجھ کر بلا عار و اِنکار کیا کریں اور یہ ہمارے صاحبِ ایمان مسلمان بھائی اپنے گھر بار، خویش و تبار، ناموس و نام، عیش و آرام ترک کر کے محض اللہ و رسُولؐ کی خوشنودی کے لیے آئے، ہمارے لیے گوہرِ نایاب اور لعلِ بے بہا کے ٹکڑے ہیں کہ سیکڑوں بلکہ ہزاروں میں سے چھٹ کر آئے ہیں۔ ان کی قدر و منزلت ہم جانتے ہیں، ہر ایک نہیں پہچان سکتا۔ اِن باتوں سے اور ماحول کے اثر سے رفتہ رفتہ نئے بھی پُرانے لوگوں کے رنگ میں رنگ جاتے۔

کاموں میں سیّد صاحبؒ کی شرکت ایک مرتبہ آپ ایک طرف کو گئے۔ وہاں دیکھا کہ میاں الٰہی بخش رامپوری بیٹھے چکّی پیس رہے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے مکّے میں چکّی پیسی ہے، یہاں پر بھی پیسیں گے۔ یہ کہہ کر آپ بھی بیٹھ کر پیسنے لگے۔ شہرت ہوئی، تو سب لوگ جمع ہو گئے اور جن کو اِس سے پہلے اس کام سے عار تھی جاتی رہی۔

آپ کے باورچی خانے کا ایندھن جب ختم ہو جاتا، تو قادر بخش کنج پورے والے عرض کرتے

کہ حضرت، باورچی خانے میں ایندھن نہیں ہے۔ آپ فرماتے کہ آج لشکر کی سب کُلھاڑیاں لا رکھو، کل چلیں گے۔ شام کو قادر بخش سب کُلھاڑیاں منگوا رکھتے۔ صُبح کی نماز پڑھ کر گھوڑے پر چڑھ کر آپ جنگل کو روانہ ہوتے اور کُلھاڑیاں لے کر قادر بخش آدمیوں کے ساتھ جاتے۔ لشکر میں خبر ہوتی کہ آج حضرت امیر المؤمنین لکڑیاں لینے کو گئے ہیں۔ کھانا پکانے والے تو چار چار آدمی ہر بھیلے میں رہتے، باقی سب جاتے اور آپ کے واسطے لکڑیاں کاٹتے۔ آٹھ آٹھ آدمی آپ کے ساتھ کاٹتے کاٹتے تھک جاتے اور آپ اکیلے نہ تھکتے۔ جب لکڑیاں کاٹ کر فارغ ہوتے، تب ہر کوئی پشتارہ باندھ کر اپنے سر پر اُٹھا لاتا اور آپ کے باورچی خانے میں جمع کر دیتے۔ پھر ایک روز وہ لوگ جاتے، جو کھانا پکانے کو اُس دن بھیلے میں رہ گئے تھے اور اپنے اپنے حصّے کا ایک ایک پشتارہ آپ کے باورچی خانے میں پہنچا دیتے۔ یہ اہتمام لکڑیوں کا صرف مہمانداری کے واسطے تھا، کیونکہ جتنے مہمان لشکر میں آتے تھے، وُہ سب آپ ہی کے باورچی خانے سے کھاتے تھے

ایک جگہ نمازِ جمعہ کے لیے خط کھنچا ہُوا تھا۔ وہاں سنگریزے بہت تھے۔ نمازیوں نے شکایت کی۔ آپ نے سیّد اسمٰعیل صاحب بریلوی سے فرمایا کہ درانتیاں رات کو لے کر جمع کر لینا، کل گھاس چھیلنے چلیں گے۔ صُبح اُٹھ کر گھاس چھیل کر لائے اور مسجد میں بچھا دی

ایک مرتبہ لوگوں نے شکایت کی کہ خیمے میں دُھوپ جاتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ درانتیاں جمع کر دینا۔ صُبح اُٹھ کر آپ تشریف لے گئے۔ آپ نے نہایت انتظام سے خوبصورت ہوادار، کھڑکی دار جھونپڑے بنا دیے، جنھیں دیکھ کر لوگوں میں بہت شوق پیدا ہُوا اور بہت جگہ دیکھا دیکھی ایسے ہی جھونپڑے بن گئے۔[1]

مُجاہدین کی خوراک و پوشاک سب لوگوں کو ایک تاملوٹ گیہوں اور دو مُٹھی دال ملتی تھی۔ ہر بھیلے میں کھانا پکانے کا یہ معمول تھا کہ ہر روز اپنی اپنی باری سے چار آدمی بھیلے بھر کا کھانا پکاتے۔ ہر بھیلے میں بیس آدمی سے کم اور پچیس سے زیادہ نہ تھے۔ اِسی طور آٹا پیسنے کا معمول تھا کہ چار چار آدمی

---

[1] وقائعِ احمدی

اپنی اپنی باری سے پلیتے تھے۔

لکڑی لانے کا یہ دستور تھا کہ بھیلے دار چار آدمیوں کو تو اپنے بھیلے میں کھانا پکانے کو چھوڑ جاتا اور باقی سب کو جنگل میں لے جاتا اور وہاں سے کُلھاڑیوں سے لکڑی کاٹ کر پشتارہ باندھ کر ہر کوئی اپنے اپنے سر پر لے آتا اور دُوسرے روز وہ چار آدمی، جو کھانا پکانے کو رہتے تھے، اپنے اپنے حِصّے کا ایک پشتارہ لکڑی کاٹ لاتے۔

جتنے مہمان لشکر میں آتے تھے، وہ سیّد صاحبؒ کے باورچی خانے سے کھاتے تھے۔ آپ نے وُہ باورچی خانہ فقط مہمانوں کے لیے رکھا تھا۔ وہ خاص آپ کی ذات کا نہ تھا۔ البتہ جہاں سب مہمانوں کا کھانا پکتا، وہیں آپ کا بھی پک جاتا۔

تقسیمِ لباس کا یہ معمول تھا کہ سال بھر میں دو جوڑے جُوتی کے، اور تین جوڑے موٹی کھادی کے ہر کسی کو مِلتے تھے۔ اس کے علاوہ جاڑوں میں ایک دگلا اور رضائی کے واسطے ایک دوہر اور سیر بھر روئی ہر شخص پاتا تھا۔ اس کے سوا جس کا کپڑا جلد پھٹ جاتا یا گُم ہو جاتا، اُس کو ملتا تھا۔

کپڑے دھونے کے لیے ہر جمعرات کو سب کو صابُون کی دو، دو چکیاں تقسیم ہوتی تھیں۔ لوگ ندی نالے یا چشمے پر جا کر اپنے اپنے کپڑے دھولاتے تھے۔ سیّد صاحبؒ نے ترغیب کے لیے کئی بار اپنا حال بیان کیا کہ جب ہم نوّاب امیر خاں کے لشکر میں تھے، ہماری عادت تھی کہ جب اپنے کپڑے دھونے کو جی چاہتا، تو پانچ سات دوستوں کے مَیلے کپڑوں کی گٹھری باندھ کر کندھے میں ڈالتے۔ سب دوست "نہیں"، "نہیں" کرتے رہتے، ہم ایک نہ سُنتے اور ایک دیگچہ اور صابون اور آگ لے کر جہاں پانی ہوتا، چلے جاتے اور سب کپڑے دھولاتے اور سب دوستوں کو لا کر دے دیتے۔ وُہ خُوش ہو جاتے تھے۔

آپ کی اس ترغیب سے سُننے والوں کو بھی رغبت ہوئی اور ایسا ہی کرنے لگے کہ ایک آدمی یا دو آدمی اپنے بھیلے بھر کے کپڑے اور سب کے حِصّے کا صابون لے جاتے اور دھولاتے تھے۔

سیّد صاحبؒ کی مصروفیت | مولانا عبدالحی صاحب پنجبتار سے اپنے دوستوں کو لکھتے ہیں کہ اپنے کام کی مصروفیت کے باوجود ارشاد و تلقین، بیعت و اجازت اور دورہ و سیر کا سلسلہ بھی بڑی سرگرمی اور انہماک سے جاری ہے؛ علماء و سادات، مشائخ زادوں اور عوام و خواص کا تانتا لگا رہتا ہے۔ ہندوستانی، سندھی اور ولایتی علماء و طلبہ سے مسائل دینیہ کا مذاکرہ بھی جاری رہتا ہے، آنے والے معززین و رؤسار کی ملاقات، اُن سے مشورہ، غرباء اور معذورین کی دلجوئی، جو حصولِ برکت کے شوق میں دور دور سے آتے ہیں، ہندوستان اور افغانستان سے آنے والے مجاہدین کے قافلوں کی خبرگیری اور دیکھ بھال، لوگوں کو جہاد کی دعوت و ترغیب کے سلسلے بھی ایک وقت میں جاری ہیں۔ میں جب سے آیا ہوں، نگرانی اور دیکھ بھال میں کمی نہیں دیکھی۔ ان حالات اور مشاغل کو دیکھ کر یہاں کے خوانین اور سردار بھی سمجھ گئے ہیں کہ یہ شخص (حضرت سیّد صاحب) ان علماء و مشائخ کی طرح نہیں ہیں، جنھوں نے ہندوستان یا افغانستان میں کوئی شورش برپا کی اور دو تین دن کی مدت میں جیسے چراغ پھونک کر بجھا دیا جائے، پراگندہ ہو گئے؛ بلکہ یہ ایک صاحب عزم شخص ہیں، جن کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی مختلف تائیدیں ہیں۔[1]

○

---

[1] مجموعہ خطوط (قلمی)

چوتھا باب

ہزارے کے سرداروں کی امداد

سوات کے دَورے کے بعد سیّد صاحبؒ نے ہزارے کی طرف توجّہ فرمائی، جو ایک عرصے تک آپ کی توجہات اور مجاہدین کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز رہا۔ اس علاقے کے خوانین جو سکھ حکومت کے عہد میں اپنی ریاستوں اور جاگیروں سے محروم اور اپنے علاقوں سے جلاوطن ہو گئے تھے، فوجی امداد کے لیے خُود حاضر ہُوئے یا اپنے وکیلوں اور عزیزوں کو بھیجا۔ بالآخر اسی علاقۂ ہزارہ کو آپ کی آخری مجاہدانہ سرگرمیوں کا مرکز بننا نصیب ہُوا۔ اس لیے ضروری ہے کہ اس علاقے کی سیاسی تاریخ اور اس انتشار کا نقشہ ہمارے سامنے آجائے، جو تقریباً ایک صدی سے وہاں قائم تھا اور یہ اندازہ بھی ہو جائے کہ اگر وہاں کے رُؤسا اور سرداروں میں اسلامی حمیّت اور سیاسی شعور ہوتا۔ تو وُہ کس طرح اس مخلص جماعت اور مجاہدانہ طاقت سے فائدہ اُٹھا کر ایک نئی اسلامی حکومت کے قیام میں مدد دے سکتے تھے۔

ہزارہ دُرّانی عہد میں | نادرشاہ کے جانشین احمد شاہ دُرّانی نے ۱۷۴۸ء میں پنجاب پر حملہ کیا اور ۱۷۵۲ء میں پنجاب اور کشمیر پر اس کا قبضہ ہو گیا۔ اسی کے ساتھ ہزارے کی تاریخ میں ایک نئے دور کا آغاز ہُوا۔ احمد شاہ کے عہد میں ہزارے کے نظم و نسق میں کسی قدر استحکام تو ضرور پیدا ہُوا،

لیکن لگان میں اضافہ کرنا خود افغانی حکمرانوں کے مفاد میں نہ تھا۔ ضرورت کے وقت اُن کو اِس ضلع سے اچھے سپاہی مل جاتے تھے اور کشمیر کا ایک بہترین راستہ اس سے ہو کر گزرتا تھا۔ اس لیے اُنھوں نے مقامی سرداروں اور امیروں کے بڑے بڑے وظیفے مقرر کر دیے اور اس سے جو بچتا، اس پر وُہ قناعت کرتے تھے۔ شمالی ضلع کا اِنتظام سواتی قبیلے کے سردار کے سپرد تھا، تناوُل، کرّال اور گکھڑ کے پہاڑی خطّے کی نگرانی وہاں کے اُمراء کے ذمّے تھی اور میدانی علاقے کا اِنتظام کارداروں ورترین کے سردار کے سپرد تھا۔ مگر انیسویں صدی شروع ہوتے ہی دُرّانی حکومت کی طاقت بہت گھٹ گئی تھی اور اسی کی مناسبت سے ہزارے کی اطاعت میں بھی کمی آگئی تھی، اگرچہ یہ بات دُرّانی فرمانرواؤں اور کشمیر میں اُن کے نائبوں کو زیادہ متفکّر نہ کر سکی۔ اُن کی توجّہ کا مرکز دراصل کشمیر کی دولتمند وادی تھی اور وُہ راستے میں وقت صرف کرنا ایک فضُول بات سمجھتے تھے۔ کشمیر جاتے ہُوئے اُن کی خواہش یہی ہوتی تھی کہ جلد از جلد وہاں پہنچ جائیں اور واپسی کے وقت یہ خواہش اور بھی زیادہ قوی ہوتی تھی۔ ایک غیر نفع بخش راہ میں قیام کرنا اُن کے دلوں کو بالکل نہیں بھاتا تھا۔ اس زمانے میں امن و اطمینان کے اِن حالات کا، جنھوں نے ہزارے کو اس کی موجُودہ خوشحالی عطا کی ہے، کہیں پتہ نہ تھا۔

اٹھارویں صدی کے آخر اور انیسویں صدی کے شروع کی تاریخ نفاق، دغابازی، قتل قبائل کی خانہ جنگی اور عام بدامنی کی داستان کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔

سکھ حکُومت کی اِبتدا سکھوں کی طاقت بڑھنا شروع ہو گئی تھی اور تقریباً ۱۸۰۳ء ہی میں اُنھوں نے کابل کی سلطنت کے خلاف آزادی کا اعلان کر دیا۔ ہزارے میں سکھوں کی حکومت ۱۸۱۸ء میں قائم ہُوئی۔ اس سال مانک رائے کے ترک ہاشم خاں نے اپنے قبیلے کے دُوسرے سردار کمال خاں کو قتل کر دیا۔ ترین کے سردار محمّد خاں نے کمال خاں کے خون کا بدلہ لینے کی ٹھانی۔ ہاشم خاں نے اپنے بچاؤ کی یہ تدبیر کی کہ مُلک سکھوں کو سونپ دیا! اس کی دعوت پر راولپنڈی کے سکھ گورنر مکھن سنگھ نے پانچ سو سوار لے کر ہزارے پر حملہ کر دیا، سرائے صالح میں قلعہ بنا لیا اور ہری پور کے میدان پر خراج

باندھ دیا۔

دوسرے سال مہاراجہ رنجیت سنگھ نے کشمیر فتح کیا اور مکھن سنگھ نے غالباً اپنے آقا کی روز افزوں کامیابیوں سے حوصلہ پاکر ترین کے سردار پر خراج کے لیے دباؤ ڈالنا شروع کر دیا۔ نتیجے میں ہزارے کی رعایا مکھن سنگھ کے خلاف اُٹھ کھڑی ہوئی۔ دریائے دوڑ کے کنارے شاہ محمدؒ نامی مقام پر جنگ ہوئی، جس میں مکھن سنگھ کو شکست کا مُنہ دیکھنا پڑا۔ دوسرے روز اس کی فوج سرائے صالح کا قلعہ خالی کر کے اٹک لوٹ گئی۔ اٹک کے گورنر حکما سنگھ نے سرکشوں کو سزا دینے کا ارادہ کیا اور فوج لے کر وہاں سے چلا۔ راستے میں موتا، سلطانپور اور ہروّہ میں مخالفین سے جھڑپیں ہوئیں، جن میں اس نے محسوس کیا کہ اس کی فوج اِس مُہم کے لیے کافی نہ تھی اور وُہ اٹک لَوٹ گیا۔ لاہور سے اُس نے مزید فوج طلب کی، جہاں سے دیوان رام دیال اور کرنل الٰہی بخش اس کی مدد کو آئے۔ ہزارے کا کُچھ حصّہ سکھوں کے قبضے میں آگیا، مگر ترین کے سردار محمّد خاں اور سید خانی اُتمان زئی اور مشوانی قبائل نے کوہ گنگر کے دامن میں ناڑا کے مقام پر زبردست مقابلہ کیا۔ دیوان رام دیال نے پوری احتیاط برتے بغیر اُن پر حملہ کر دیا، اُس نے مُنہ کی کھائی اور مارا گیا۔

امر سنگھ مجیٹھہ کی گورنری | رنجیت سنگھ نے امر سنگھ مجیٹھہ کو جنوبی ہزارے کا گورنر مقرر کیا۔ شمالی ہزارے، یعنی، سُواتی علاقے اور تناوُل کا انتظام اب تک کشمیر سے ہوتا تھا۔ نیا گورنر ایک نہایت ہوشیار آدمی تھا۔ اس نے تمام اُمراء کو بُلا لیا اور ہزارے کے میدانی علاقے سے جو لگان اور خراج وغیرہ سابقہ دُرّانی حکومت وصُول کیا کرتی تھی، وُہ خُود وصُول کرنے لگا، مگر کرّال کے سردار حسن علی خاں کے خلاف کامیاب لشکر کشی کر کے جب وُہ ناڑا کی راہ سے واپس آرہا تھا، تو قبائلیوں نے ایسا چھاپہ مارا کہ پسِ لشکر کو کاٹ کر رکھ دیا اور امر سنگھ کو بھی موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ یہ واقعہ "سمندر" کے کنارے پیش آیا تھا، جو دریائے ہروّہ کا ایک معاون چشمہ ہے۔ اس کے بعد مائی سدا کور اور رنجیت سنگھ کے لڑکے شیر سنگھ کی سرکردگی میں لاہور سے مزید کمک آئی۔ یہ فوج ہری پور کے میدان میں اُتری اور تربیلہ میں اس نے قلعہ تعمیر کر لیا۔ سرداروں سے جو خراج وصُول کیا جاتا تھا، اس پر نظرثانی

کی گئی اور سدا کور نے ایک باقاعدہ جشن منعقد کر کے ترین کے سردار محمد خاں کو متبنّٰی کر لیا۔

سردار ہری سنگھ نلوہ کی آمد مگر بڑے اہم واقعات ہزارے کے سر پر منڈلا رہے تھے۔ مہاراجہ نے کشمیر کے مشہور و معروف گورنر ہری سنگھ نلوہ کو اپنی عملداری کا حساب پیش کرنے کے لیے طلب کیا تھا۔ چنانچہ وہ سات ہزار پیادہ سپاہیوں کے ہمراہ مظفر آباد اور پکھلی کے راستے سے روانہ ہُوا۔ منگل پہنچ کر اُس نے دیکھا کہ جدُون اور تناؤل قبیلوں کی بہت بڑی تعداد (کوئی پچیس ہزار) اُس کا راستہ روکنے کو موجود تھی۔ ہری سنگھ نے پہلے مصالحت کی گفتگو کی۔ مگر جب وہ ناکام رہی، تو اُس نے اس زور کا حملہ کیا کہ قبائلی میدان چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہُوئے۔ ہری سنگھ نے شہر کو نذرِ آتش کر دیا۔ ان جل کر مرنے والوں اور اُن کے علاوہ، جنھوں نے فصیلوں پر سے چھلانگ کر جان دے دی تھی، تقریباً دو ہزار قبائلی جنگ میں مارے گئے۔ نیز ہری سنگھ نے جدُونوں پر پانچ پانچ، چھ چھ روپے فی گھر جرمانہ بھی مقرر کیا اور نواں شہر میں قلعہ تعمیر کیا۔ اس کے بعد اس نے جنوبی ہزارے کی طرف کوچ کیا۔ اس فتح اور کشمیر سے وہ جو بیش بہا تحائف اور عظیم دولت ساتھ لایا تھا، ان سے خوش ہو کر رنجیت سنگھ نے اسے حساب داخل کرنے سے معاف کر دیا اور اسے کُل ہزارے کا گورنر بھی مقرر کر دیا۔

ہری سنگھ کے عہد میں ہزارے کے حالات ۱۸۲۲ء سے لے کر اپنے آخر وقت، یعنی ۱۸۳۷ء تک ہری سنگھ ہزارے پر حکومت کرتا رہا۔ اُس نے قبائل کو بڑی سختی سے دبایا اور سکھوں کی طاقت میں خُوب اضافہ کیا۔ اس کے اولین کاموں سے ایک کام ہری پور کے قلعے کی تعمیر تھی، جو نہایت درجہ مضبُوط تھا۔ اِس کا نام اُس نے ہری کشن گڑھ رکھا۔ اس نے سواتیوں اور تناولیوں کو زبردست سزائیں دیں، جنھوں نے اس کے ڈیرہ جات کے سفر سے فائدہ اُٹھا کر نواں شہر، شنکیاری اور دربند کے قلعوں پر چڑھائی کر دی تھی۔ جدُونوں کو تہِ تیغ کر ڈالا گیا۔ اگرور، ٹکاری اور کونش پر پانچ سو سواروں سے حملہ کیا گیا۔ سواتیوں کی ایک ہزار عورتیں اور بچے گرفتار کر لیے گئے۔ پلال تنولی کے سردار سربلند خاں کے صمد مقام شنگری کو آگ لگا دی گئی۔ خُود سردار کو بانڈہ لوہاران کے قریب شکست دی گئی اور اس کے فرزند شیر خاں کو ہری سنگھ نے اپنے ہاتھ سے قتل کر ڈالا۔

ناڑا میں ہری سنگھ کو شکست اس کے بعد ہری سنگھ گنڈگر کی پہاڑیوں کی طرف متوجّہ ہُوا، جہاں مُحمّد خاں اور کچھ دُوسرے باغی سردار پناہ گزیں ہو گئے تھے۔ اس سے قبل ۱۸۲۲ء میں سکھ اس پہاڑی سِلسلے کے دامن میں سرائے نامی مقام پر فتحیاب ہونے کے بعد سری کوٹ کو زیر کرنے کی کوشش کر چکے تھے، مگر ناکام رہے تھے۔ اب ۱۸۲۴ء میں اُنھوں نے دوبارہ کوشش کی اور پھر ناکام رہے ناڑا میں، جو ایک سری کوٹ جانے والے راستے کے ابتدائی سرے پر واقع ہے، مشوانیوں اور سید خانی اُتمان زئیوں نے جم کر مقابلہ کیا اور سِکھ افواج کو، جن کی تعداد تقریباً آٹھ ہزار تھی، شکستِ فاش دے کر ہری پور لَوٹنے پر مجبور کر دیا۔ ۵۰۰ سکھ سپاہی مارے گئے۔ قبائلیوں کی اس فتح کی یادگار کے طور پر کرنل ایبٹ نے یہاں ایک سفید ستُون نصب کرایا ہے، جو دُور سے نظر آتا ہے۔ خُود ہری سنگھ ایک پتّھر سے زخمی ہو کر، جو کسی نے گاؤں سے پھینک مارا تھا، زمین پر گرا اور لڑھکتا ہُوا نیچے کھڈ میں جا پہنچا۔ وہاں وہ دیر تک بے ہوش پڑا رہا۔ اِس اثنا میں اس کی موت کی افواہ پھیل گئی، مگر ہوش آتے ہی وہ اچانک موضع بگرا میں آدھمکا، جہاں بہت سے قبائلی جمع ہو گئے تھے۔ ہری سنگھ کو وہاں جو بھی مسلّح آدمی نظر آیا، اس کو موت کے گھاٹ اُتروا دیا۔

ہزارے میں رنجیت سنگھ کی آمد ہری سنگھ کی شکست کی اطلاع پاتے ہی رنجیت سنگھ ایک بڑی فوج لے کر ہزارے آیا۔ اس نے ان تمام سرداروں اور دُوسرے ممتاز افراد کو، جنھوں نے سری کوٹ میں پناہ لے لی تھی، طلب کیا، لیکن صرف ترین کے مُحمّد خاں، تنولی کے سربلند خاں اور مشوانیوں کے شاہ مُحمّد نے اس کے حُکم کی تعمیل کی۔ چنانچہ اس نے سری کوٹ کی پہاڑیوں پر ایک ساتھ کئی مقاموں پر حملہ کر دیا اور جو بھی مقابلے پر آیا، اس کو زیر کرتا ہُوا دو رات وہاں مقیم رہا اور پھر تُربیلہ کوچ کر گیا۔ وہاں وہ ہاتھی پر سوار دریا کے کنارے سَیر کر رہا تھا کہ کھبّل کے اُتمان زئیوں نے دُوسری طرف سے اس پر گولی چلا دی۔ اس سے برہم ہو کر اس نے دُوسرے روز صبح اپنے سواروں کو دریا عبُور کرنے کا حُکم دیا اور کھبّل اور کایا کے مواضع برباد کر کے رکھ دیے۔ اُن کے باشندے پہاڑیوں پر بھاگ گئے۔ رنجیت سنگھ ترین کے محمّد خاں کو ساتھ لے کر یُوسف زئی اور سرائے کالا ہوتا ہُوا لاہور لَوٹ آیا۔

رنجیت سنگھ کی واپسی کے بعد سردار ہری سنگھ کے سخت اقدامات

رنجیت سنگھ کی واپسی کے بعد ہری سنگھ کرّال کی طرف متوجہ ہُوا، جنھوں نے جنگ کے بغیر اطاعت قبول کرلی۔ اُن کے سردار حسن علی خاں کو ایک بڑی جاگیر عطا ہُوئی اور ناڑا میں قلعہ تعمیر کیا گیا۔ اِن کاموں سے فارغ ہوکر ہری سنگھ نے موہن سنگھ کو نائب گورنر مقرر کیا اور خود لاہور چلا گیا۔ اس کے جانے کے کچھ ہی دن بعد محمّد خاں، جو لاہور میں اسیر تھے، ان کے بھتیجے بوستان خاں ترین نے سری کوٹ میں علمِ بغاوت بلند کیا۔ اِس لیے وُہ پھر واپس ہُوا اور بغیر کسی خاص دِقّت کے بغاوت کا سر کُچل دیا۔ آئندہ کے لیے شورشوں کا سدِّباب کرنے کی خاطر اس نے سخت ترین کارروائی کی۔ محمّد خاں کو، جسے اُس نے رنجیت سنگھ سے پچاس ہزار روپے میں خرید لیا تھا، اُس نے زہر دِلوا دیا۔ بوستاں خاں ترین اور دو مشوانی اُمراء اور چند دُوسرے ممتاز اشخاص کو توپ سے اُڑا دیا گیا۔ مشوانیوں کو سری کوٹ سے دریائے سندھ کے اس پار مُلک بدر کر دیا گیا، جہاں سے ۱۸۳۰ء میں اُن کی واپسی ہُوئی۔ وہ پچاس ہزار جن کے عوض محمّد خاں کو خریدا گیا تھا، ہزارے کے قریب کُل مواضع سے ڈھائی روپیہ فی گھر کے حساب سے بطور جُرمانہ وصُول کیے گئے۔"[1]

فوجی امداد کے لیے خوانین کی آمد

اِس دَورِ انتشار میں ہزارے میں کوئی ایسی بلند اور مرکزی شخصیت نہ تھی، جس کی قیادت میں یہ مختلف و منتشر عناصر جمع ہو کر اپنے مُشترک حریف کا مقابلہ کرتے اور نہ کہیں کوئی ایسی فوجی طاقت پائی جاتی تھی، جس سے یہ اپنے علاقے کو بازیافت کرنے کے لیے مدد لیتے۔ عین اسی حالت میں سیّد صاحبؒ نے پنجتار کو اپنا فوجی مستقر اور اسلامی امارت کا مُستقر بنایا اور ہمہ کے نامی گرامی سردار، بالخصوص فتح خاں پنجتاری، اشرف خاں زیدے والا وغیرہ ایک جھنڈے کے نیچے جمع ہُوئے۔ ہزارے کا یہ علاقہ پنجتار کے علاقے سے متّصل تھا۔ ہزارے کے ان زخم خُوردہ سرداروں نے اس نئی اُبھرتی ہُوئی اسلامی طاقت کے دامن میں پناہ لینے کے سوا اپنے لیے کوئی اور راستہ نہ دیکھا۔ اُنھوں نے یکے بعد دیگرے خود سے یا اپنے وکیلوں اور عزیزوں کو بھیج کر سیّد صاحبؒ سے

---

[1] ترجمہ واقتباس از ہزارہ گزیٹیر، ترجمۂ ڈاکٹر محمّد آصف قدوائی۔

اپنے تعلق اور عقیدت کا اظہار اور اپنی حمایت اور امداد کی درخواست کی۔

علاقۂ پکھلی سے سربلند خاں نے آکر سیّد صاحبؒ سے بیعت کی اور اپنی جلاوطنی کا حال عرض کیا اور کہا کہ سکھوں نے ظلم و تعدّی کر کے مجھے نکال دیا اور درخواست کی کہ آپ اس کی فوجی امداد کریں اور وہ اپنی ریاست کو دشمن کے قبضے سے نکال لے۔ اسی طرح حبیب اللہ خاں کا وکیل، مظفر آباد سے سُلطان نجف خاں اور سلطان زبردست خاں کا وکیل، اجولی کا رئیس راجہ پارس، علاقۂ اگرور سے عبدالغفور خاں کا بھائی کمال خاں، امان اللہ خاں خان خیل اور ان کا بیٹا عنایت اللہ خاں، ناصر خاں بھٹ گرامی (علاقۂ تندھیاڑ) بھی اسی غرض کے لیے آنے والوں میں تھے۔ اسی اثنا میں امب کے پائندہ خاں تنولی کی عرضی آئی کہ میں آپ کا مطیع و فرمانبردار ہوں اور جان و مال سے حاضر ہوں۔

آپ نے خوانین اور اُن کے وکلاء کو رخصت فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ آپ پہنچ کر اپنے موافقین کو جمع کریں، ہمارے آدمی بھی پیچھے سے آتے ہیں۔

پائندہ خاں سے استصواب | شیدو کے واقعہ کے بعد سیّد صاحبؒ کو تردّد تھا کہ پہلے پشاور کا بندوبست اور امرائے پشاور کا تصفیہ کیا جائے، جنھوں نے عین موقع پر مجاہدین کو دغا دی اور بنا بنایا کھیل بگاڑ دیا یا ہزارے کی طرف رُخ کیا جائے، جہاں بہت سے سردار اور والیانِ ریاست مجاہدین کی امداد کے طالب اور سکھوں سے جنگ کرنے پر آمادہ تھے۔ ان سرداروں میں سیّد صاحبؒ کا سب سے زیادہ رُجحان پائندہ خاں والیِ امب کی طرف تھا۔ سیّد صاحبؒ نے اس کی مردانگی اور سکھوں کے مقابلے میں پامردی اور استقلال کی بہت تعریف سُنی تھی۔ سیّد صاحبؒ کو طبعاً مردانگی و شجاعت، سپاہیانہ اوصاف اور دشمنانِ اسلام سے نبرد آزمائی اور معرکہ آرائی اتنی عزیز تھی کہ جس شخص کے متعلق معلوم ہوتا تھا کہ اس میں یہ اوصاف ہیں، اس کی بڑی قدر کرتے تھے۔ پائندہ خاں کی عرضی پڑھی گئی۔ تو جو خوانین حاضر تھے، وُہ اس کی مذمت کرنے لگے اور اس کی بدعہدی اور بے وفائی کے واقعات بیان کرنے لگے۔ آپ نے فرمایا: "بھائیو، ایسی بات نہ کہنی چاہیے۔ وُہ خان بڑا نامی بہادر اور جوانمرد ہے۔ اُس نے ہم کو اس طرح لکھا ہے۔ وُہ مسلمان ہے۔ ہم اس پر کیونکر بدگمانی کریں؟ ہدایت اور

ضلالت اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ ایک دم میں بُرے کو بھلا اور بھلے کو بُرا کر دیتا ہے۔"[1]

سیّد صاحبؒ نے ۲۸ ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ کو ایک خط لکھا، جس میں اس کی حمیّت و شجاعت اور کُفّار سے مسلسل جنگ کرتے رہنے کی بڑی داد دی اور تحریر فرمایا: "جب سے اس علاقے میں آیا ہوں، تمھاری دینی غیرت اور بہادری کی تعریف سُن رہا ہُوں، خصُوصًا میاں سید شاہ کی زبانی تمھارا جو تذکرہ سُنا، اس سے تعلق بہت بڑھ گیا ہے۔ اس وقت ہمارے سامنے دو مہمیں درپیش ہیں: ایک پشاور کی مہم اور ایک کُفّار سے جہاد۔ اس کے بارے میں تمھارا مشورہ بھی مفید اور وقیع ہوگا۔ اس مقصد کے لیے ملا شاہ سید اخوندزادہ اور خان عالی شان سید مقیم کو، جو اس فقیر کے بڑے عزیز و معتمد اور بڑے عاقل و فرزانہ شخص ہیں، روانہ کیا جا رہا ہے۔ آپ ان کو اپنے خیالات سے آگاہ فرمائیں۔ اس وقت اس معاملے میں تعویق کی گنجائش نہیں۔"[2]

○

---

[1] وقائع احمدی، جلد سوّم ص ۱۲۶۴ [2] مکاتیب شاہ اسمٰعیل شہید ص ۱۲۲، ۱۲۳

پانچواں باب

اگرُور اور پکھلی کے علاقے میں

لشکر کی تیاری | سیّد صاحبؒ نے پکھلی کے لیے لشکر مرتّب فرمایا، جس کے لیے سید محمّد مقیم صاحب رامپوری اور اُن کے ساتھیوں کا انتخاب ہُوا۔ یہ جب سے آئے تھے، درخواست کر رہے تھے کہ ہم لوگ یہاں روٹیاں کھانے کے لیے نہیں آئے ہیں، ہم چاہتے ہیں کہ کچھ خدا کا کام ہمارے ہاتھوں سے ہو۔ اس قافلے کے لوگ سلاح و پوشاک سے بھی خوب آراستہ اور کار آزمودہ تھے۔ آپ نے اس پورے قافلے کو اور اس کے علاوہ سَو آدمی اور ہر بہلیے سے دو دو، چار چار چُن کر مقرر کیے۔ مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب ہی کو سب کا امیر مُقرر کیا اور بارُود کا سامان بھی سپرد کیا۔ گولی بارود کے علاوہ بانس کے پانچ سات سَو نل بھی دیے گئے تھے، جو ایک ایک ڈیڑھ ڈیڑھ بالشت لمبے تھے۔ ان میں بارُود بھری ہُوئی تھی۔ ان نلوں کو آگ دے کر دشمنوں پر پھینکتے تھے۔ رُخصت کے وقت ننگے سر ہو کر دیر تک دُعا فرمائی اور لوگ مُصافحہ کر کے رُخصت ہُوئے۔

اگرُور اور اَمْب کے حالات مولانا اسمٰعیل شہید کی زبانی | مولانا اسمٰعیل شہید نے، جو امیرِ جیش بھی تھے، اگرُور اور اَمْب سے سیّد صاحبؒ کی خدمت میں متعدد مراسلے اِرسال کیے، جن میں سفر کی پوری روئداد، چشم دید حالات اور اس علاقے کے خوانین اور اُمراء کے خیالات،

مزاجی کیفیت اور اس علاقے میں جہاد کے امکانات اور مشکلات کا بڑے مُبصّرانہ طریقے پر جائزہ لیا گیا ہے۔ ان خطوط کا خلاصہ پیش کیا جاتا ہے، جو حالاتِ سفر کے متعلق ایک قیمتی دستاویز ہے۔ ان خطوط سے مولانا کی بیدار مغزی، سیاسی ہوشمندی اور قائدانہ صلاحیتوں کا بھی اندازہ ہوتا ہے۔[۵۱]

ستھانے میں "جنابِ والا سے ہم لوگ رخصت ہو کر موضع ٹوپی میں پہنچے۔ وہاں ایک رات گزارنے کے بعد ہم کھَبَل میں آئے۔ تیسرے روز وہاں سے اُمب کا رُخ کیا۔ غدوی محمد اسمٰعیل نے راستے میں سُنا کہ مقام ستھانہ میں، جو راستے سے ذرا ہٹا ہوا ہے، کسی تقریب کے سلسلے میں کھَبَل کے مَلک حضرات اخون خیل کے معزّزین اور ملّا اسمٰعیل اخوندزادہ، سیّد اعظم شاہ اور سیّد اکبر شاہ کے پاس، جو اس علاقے کے مشاہیر اور اکابر میں سے ہیں، مجتمع ہیں۔ اس بنا پر سیدھا راستہ چھوڑ کر شاہ سیّد کو اپنے ہمراہ لے کر چند رُفقاء کے ساتھ ستھانے پہنچا۔[۵۲] مَیں نے ستھانے میں کچھ دیر قیام کیا اور اُن تمام حضرات کو، جو وہاں مجتمع تھے، جہاد کی ترغیب دی اور اُن سے جنابِ والا کی بیعتِ امامت لی۔ مَیں نے یہ بھی چاہا کہ ان لوگوں کو ہمراہ لے کر اُمب آؤں، لیکن اُنھوں نے بعض عُذر پیش کیے اور کہا کہ آج تو ہمارا جانا مشکل ہے، ایک دو روز کے بعد اگر آپ طلب کریں گے، تو ہم حاضر ہو جائیں گے۔[۵۳] مَیں نے اخوندزادہ

---

۵۱ یہ خطوط تعداد میں پانچ ہیں۔ عام طور پر فارسی میں ہیں، بعض حصّے بلیغ عربی میں ہیں۔ ان میں سے بعض تینوں صاحبوں کی طرف سے ہیں، بعض صرف مولانا محمد اسمٰعیل اور میاں محمد مقیم صاحب کی طرف سے۔ ایک عربی کا رقعہ بھی ہے جو مولانا کی طرف سے ہے اور اس میں دونوں ہمراہیوں سیّد محمد مقیم اور شاہ سیّد کے متعلق مولانا نے اپنی رائے کا اظہار فرمایا ہے

۵۲ کھبل سے لشکر کو براہِ راست اُمب بھیج دیا گیا تھا اور شاہ صاحب ایک مختصر جماعت کے ساتھ ستھانے آگئے تھے۔

۵۳ وقائعِ احمدی میں ہے:

"ستھانے میں سید اکبر صاحب، جو غائبانہ سیّد صاحبؒ کے نہایت مُعتقد تھے، کمال اخلاق اور تواضع و تعظیم سے ملے اور مولانا سے بطریقِ خیر خواہی کہا کہ آپ کو یہاں کے رئیسوں کا حال معلوم نہیں، ہم سے دن رات معاملہ رہتا ہے، یہ آپ کو خوشامد و چاپلوسی سے لے جائیں گے اور سکھوں سے بھڑا دیں گے اور خود دُور سے تماشا دیکھیں گے۔ اگر آپ نے فتح پائی، تو مال و اسباب لُوٹنے کو موجود ہوں گے اور اگر خُدا نخواستہ شکست ہوئی، تو پھر الگ ہی الگ اپنی راہ لیں گے۔ آپ ان سے ہوشیار رہیے گا اور ان کے عہد پر اعتماد نہ کیجیے گا۔"

مُلّا اسمٰعیل کو، جو اُن میں ایک امتیازی حیثیت رکھتے ہیں، اپنے ہمراہ لے لیا۔

اُمب اور اُس کا محلِّ وُقوع | موضع امب میں سردار پائندہ خاں نے اپنے مکان سے باہر نکل کر ہمارا اِستقبال کیا، لیکن بمطابق اَلْحَزْمُ سُوْءُ الظَّنِّ (احتیاط بدگمانی کا نام ہے) اپنی رہائش گاہ سے فاصلے پر مجاہدین کو ٹھیرایا۔ اس روز مشورے کا وقت باقی نہیں رہا تھا۔ ہم نے صرف ملاقات پر اکتفا کی۔ علی الصباح امب کے محلِّ وقوع اور ماحول کو غور سے دیکھنے سے معلوم ہُوا کہ امب دریائے سندھ کے ایک کنارے[۱] پر واقع ہے، دُوسرے کنارے[۲] پر سکھوں کے چھوٹے چھوٹے قلعے اور سلسلۂ کوہ میں دُشوار گزار اور تنگ گلیاں مسلسل واقع ہیں۔ چنانچہ ہم لوگوں کے قیام گاہ کے بالکل محاذات میں ان کا ایک چھوٹا قلعہ ایک گولی کے فاصلے پر ہے۔ چنانچہ دونوں طرف کی آوازیں سُننے میں آتی رہتی ہیں۔

پائندہ خاں | گفتگو سے اندازہ ہُوا کہ میزبان (پائندہ خان) ہم خدّام کا ساتھ دینے کی بالکل ہمّت اور آمادگی نہیں رکھتا اور جان و مال اور اپنے اعوان و انصار کسی کے ساتھ بھی ہماری رفاقت و نُصرت کے لیے تیار نہیں۔

دریائے سندھ کے مشرقی جانب | وہ مقام جہاں پہنچا تھا، دریا کے مشرقی کنارے سے آٹھ میل کے فاصلے پر تھا۔ اگر امب ہی سے دریا کو عبور کیا جاتا، تو دشمنوں کے قلعے راستے میں پڑتے تھے اور اُن سے جھڑپ ہو جانے کا اندیشہ تھا۔ اس لیے ہم نے اس گھاٹ کو چھوڑ دیا اور ایک دُوسرے گھاٹ[۳] کو انتخاب کیا، جو امب سے تین میل یا کچھ زیادہ تھا۔ دریا سے اُس مقام کو جاتے ہُوئے، جو ہماری منزلِ مقصود تھی، اُن مسلمانوں کا علاقہ پڑتا تھا، جو کبھی کسی حکومت کے ماتحت نہیں رہے اور خاص طور پر سکھوں سے ہمیشہ آزاد رہے اور وہ پائندہ خاں سے تعلق کا اظہار کرتے تھے۔

---

[۱] مغربی کنارے پر [۲] مشرقی کنارے پر [۳] یہ گھاٹ چھترباٹی کا تھا

مصلحت معلوم ہوئی کہ دریاے سندھ کے کناروں پر جو قبائل آباد ہیں، مثلاً، عیسےٰ زئی، امان زئی، عبدون اُتمان زئی ان کو دعوت و ترغیب کے لیے کسی معتمد و مخلص شخص کو بھیج دیا جائے۔ چنانچہ مُلّا عصمت اللہ اخوندزادہ اور مولوی عبداللہ خاں کو دو تین آدمیوں کے ہمراہ صاحبزادہ شاہ محمّد نصیر صاحب کے پاس، جو اس علاقے کے اکابر میں سے ہیں بھیج دیا، ایک خط اپنی طرف سے اور ایک اعلام نامہ، جو جنابِ والا کی مُہر کے ساتھ مُزیّن ہے، بھیج دیا گیا۔ خود رُفقاء کی ایک جمعیّت کے ساتھ جمعے کے دن امیب سے کُوچ کر کے اس گھاٹ پر، جو تین کوس کے فاصلے پر واقع ہے، پہنچے۔ چُونکہ اس گھاٹ پر صرف ایک ہالا تھا اور تمام ساتھیوں کا ایک دن میں اس سے پار ہو جانا ناممکن معلوم ہوتا تھا اور ساتھیوں کی اس طرح کی تفریق بھی نامناسب تھی کہ کچھ لوگ اِس پار رہ جائیں اور کچھ لوگ اُس پار پہنچ جائیں اور رات ہو جانے کی وجہ سے انتظار کرنا پڑے۔ اِس بنا پر ایک جماعت کو دُوسرے گھاٹ پر، جو وہاں سے دو تین کوس کے فاصلے پر تھا، بھیج دیا گیا۔ وہاں دو ہالے تھے۔ رات ہم نے دریا کے کنارے گزاری اور ہفتے کے روز نمازِ صبح کے بعد یہ فدوی چند تفنگچیوں کے ساتھ پہلے ہالے میں بیٹھ کر دریا کے پار پہنچ گیا۔ اس کے بعد یکے بعد دیگرے جاتے آتے رہے اور سب ساتھی خیر و عافیت کے ساتھ پار آ گئے۔[1]

موضع نکّا پانی | یہاں سے درہ بند کا قلعہ ایک کوس کے فاصلے پر واقع ہے۔ اس لیے اگرچہ دن تھوڑا رہ گیا تھا، لیکن اس مقام پر رات گزارنا نامناسب معلوم ہُوا۔ اس لیے دو تین کوس وہاں سے چل کر ایک دوسرے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ اِس نواح کے لوگ پائندہ خاں کی ہدایت و اشارہ سے بہت خوش خُلقی اور کُشادہ رُوئی سے پیش

---

[1] مکتوب مؤرخہ ۲۴ محرم ۱۲۴۳ھ

آئے اور رات بھر اُنھوں نے لشکر کے گرد پہرہ دیا۔ علی الصباح وہاں سے کوچ کر کے موضع نکّا پانی پہنچے۔ وہاں کے لوگوں نے بھی جو خانِ ممدوح سے تعلّق رکھتے ہیں، خاطر مدارات کی۔ اِس نواح کے چند علماء بھی مُلاقات کرنے آئے اور جہاد کی نیت ظاہر کی اور کہا کہ اگر ابھی طلب کیا جائے، تو سات آٹھ سَو آدمیوں کے ساتھ ہم رفاقت کریں گے۔ مصلحۃً اُن سے کہ دیا گیا کہ چند دن کے بعد ہم آپ کو طلب کریں گے۔ ہمارا خط پاکر آپ تشریف لے آئیں، کچھ اعلام نامے اِس نواح میں بھیجے گئے۔"

پائندہ خاں سے تعلق یا بے تعلّقی؟ گرامی ناموں سے اظہار ہوتا ہے کہ پائندہ خاں سے دوستی کا تعلق اور رفاقت کی اُمید منقطع کر لی جانے اور عجلت کے ساتھ پچھلی کا رُخ کیا جائے۔ لیکن اس نواح میں سوائے ان مقامات کے، جن کا تعلّق پائندہ خاں سے ہے، کوئی محفُوظ و مامون مقام نظر نہیں آتا اور ابھی تک اُس کی طرف سے سوائے حُسنِ سلوک کے اور کوئی معاملہ نہیں ہُوا، اگرچہ اس سے عملی شرکت کی بالکل توقع نہیں ہے لیکن مخالفت اور بدخواہی کا بھی اس سے خدشہ نہیں۔ اُس نے مُلّا اسمٰعیل اخوند زادہ کو ہماری رفاقت کے لیے مقرر کیا ہے اور خانِ ممدوح نے اپنے پُورے علاقے کے رُؤسا اور معزّزین کو ہماری خدمت و رفاقت کے لیے خطُوط لکھ کر ان کو دے دیے ہیں۔

جفاکش اور فرماں بردار غازیوں کی ضرورت یہ بھی گزارش ہے کہ چُونکہ یہ پہاڑی علاقہ ہے اور راستے نہایت دُشوار گزار ہیں، اس لیے کسی ایسے آدمی کو یہاں نہ بھیجا جائے، جو سواری کا عادی یا محتاج ہو اور انقیادِ کُلّی اور اطاعتِ مُطلق اس کی فطرت نہ بن گئی ہو جس کو جنابِ والا کے ساتھ اطاعت و فرماں برداری کا پورا تعلّق نہیں ہے، وہ آپ کے نائبین کے ساتھ اطاعت کا کیا حق ادا کر سکتا ہے؟

ایسے لوگوں کے لیے یہی مناسب ہے کہ جناب کی تربیت وصحبت میں رہیں تاکہ ان کے اخلاق درست اور نفس مزکّٰی ہو جائے۔ اس وقت یہاں کے مجاہدین کی سب سے بڑی مدد یہ ہے کہ غازیوں کی جماعتوں کو سامانِ جنگ کے ساتھ آہستہ آہستہ بھیجا جائے؛ اس طرح سے کہ ایک ایک دو دو اور تین تین روز کے فاصلے سے پے در پے جماعتیں پہنچتی رہیں۔ یہ اہلِ ایمان کے لیے ہمّت و رغبت اور اہلِ کفر و ارتیاب کے لیے مرعوبیت اور دہشت کا باعث ہوگا۔"[1]

ضلع اکرؤڑا اور عبدالغفور خاں | نکّا پانی سے ہم لوگ کوچ کر کے شیر گڑھ پہنچے۔ یہ بھی پائندہ خاں کی ریاست کا علاقہ ہے۔ یہاں کے جمعدار جانو نے ہماری خاطر مدارات کی وہاں قیام مناسب نہیں معلوم ہوا۔ اس لیے صبح ہی وہاں سے کوچ کر کے علاقۂ اکرؤڑ آئے۔ یہاں کے رئیس عبدالغفور خاں کو ہمارے آنے کی اطلاع ہو گئی تھی۔ اس کا بھائی کمال خاں ہمارے استقبال کو آیا اور ہر طرح سے ہماری خاطر مدارات کی۔ اثنائے گفتگو میں اس نے بیان کیا کہ عبدالغفور خاں کی طبیعت کچھ روز سے علیل ہے، اس لیے خود نہیں آئے۔ کمال خاں نے ہم کو موضع کلکٹی تک پہنچایا اور یہ کہا کہ آج یہیں ڈیرہ کرنا چاہیے صبح اس موضع میں جس میں عبدالغفور خاں مقیم ہیں، چلیں گے۔ میاں محمد مقیم صاحب کو مجاہدین کے پاس چھوڑ کر میں اخوند زادہ ملا محمد اسمٰعیل، شاہ سیّد اور چند دوسرے ساتھیوں کے ہمراہ کمال خاں کی معیّت و رہبری میں عبدالغفور خاں کی قیام گاہ پر آیا۔ وہاں احمد خاں پکھلی والا، حیدر شاہ ابنِ عم سیّد محمد علی شاہ پکھلی والا اور ارسلاں خاں برادر زادۂ عبدالغفور خاں بھی بسلسلۂ عیادت آئے ہوئے تھے۔ ان سب سے بھی ملاقات ہوئی اور ان سب نے میرے ہاتھ پر آپ کی بیعتِ امامت کی۔

---

[1] مکاتیبِ شاہ اسمٰعیل، مکتوبِ دوم

مجاہدین کا مرکز | اثناءِ گفتگو میں ہم نے یہ مسئلہ اُٹھایا کہ ہمارے قیام کے لیے بطور گڑھی کے کوئی محفوظ مقام تجویز کر دیا جائے۔ عبدالغفور خاں نے کہا کہ چھپر گڑھی تو میرے قبضے میں نہیں ہے۔ ایک گڑھی حسبی کوٹ ہے اور دوسری گڑھی شمدڑہ، یہ دونوں حاضر ہیں۔ چونکہ گڑھی حسبی کوٹ بہت دُور ہے، جہاں سے بیٹھ کر جہاد مشکل ہے، اس لیے شمدڑہ کو مَیں نے انتخاب کیا۔ مَیں نے محمد اسمٰعیل کو وہیں چھوڑا۔ سید شاہ کو اس نواح کے مسلمانوں کو، جو عبدالغفور خاں کی برادری ہیں، لیکن اس کے تابع نہیں ہیں، جہاد کی دعوت و ترغیب دینے کے لیے بھیجا اور اپنے لشکر گاہ کلکٹی میں آگیا۔

مزید لشکر اور کمک کی ضرورت | شاہ غلام حسین کی طرف سے آدمی آیا اور اس کا پیغام لایا کہ جب تک دُوسرا لشکر نہیں آتا، یہاں کے لوگ جہاد اور آپ کی رفاقت کے لیے نہیں اُٹھیں گے۔ یہ لشکر کی قلت کی وجہ سے کچھ اعتبار نہیں کر رہے ہیں۔ صاحبزادہ سید محمد نصیر صاحب کا بھی خط آیا کہ یہاں کے آدمی لشکر کی اس مقدار پر جہاد کے لیے آمادہ نہیں ہوں گے۔ اگر دُوسرا لشکر، خصُوصاً بونیر کا لشکر، کمک پر آتا ہے، تو یہاں بہت لوگ اکٹھا ہو جائیں گے۔[1]

ارسلاں خاں برادر زادہ عبدالغفور خاں کچھ آدمیوں کے ساتھ حبیب اللہ خاں کی کُمک کے لیے گیا۔ مصلحت معلوم ہوئی کہ تھوڑا سا لشکر حبیب اللہ خاں کی سمت روانہ کیا جائے، اس لیے کہ جب تک ہم لوگ ہاتھ پاؤں نہیں ماریں گے اور ہماری کچھ مجاہدانہ سرگرمی دیکھی نہیں جائے گی، یہاں کے لوگ نہیں اُٹھیں گے۔ اِس بنا پر غازیوں کی ایک جماعت کو میاں محمد مقیم صاحب کی سرکردگی میں متعین کر دیا۔[2]

اہلِ علاقہ کا تردُّد اور سکھوں سے وابستگی | سیّد محمد علی شاہ اور ناصر خاں کے خطُوط آئے، جن کا

---

[1] مکتُوب سوُم　　[2] مکتُوب چہارُم

مدّعا یہ تھا کہ ابھی مجاہدین اگرور ہی میں قیام کریں اور قُرب وجوار کی طرف رُخ نہ کریں۔ بظاہر وُہ سکھوں کے ساتھ بھی دُنیوی مصالح کی بنا پر وابستگی رکھتے ہیں۔ لشکرِ اسلام کے غلبے کا (ظاہری ساز وسامان کی کمی کی بنا پر) اُن کو ابھی تک یقین نہیں ہے۔ اِس بنا پر وُہ سکھوں کے ساتھ اپنے تعلّق وارتباط کو مُنقطع کرنا اور آپ کے ساتھ اپنی وابستگی کو مشہور کرنا قرینِ مصلحت نہیں سمجھتے۔ اس وجہ سے اُنھوں نے لشکرِ مجاہدین کو مُعطّل اور بیکار کر رکھا ہے۔ اس بنا پر ہم نے بھی مناسب نہیں سمجھا کہ ہم پائندہ خاں، خوانین اگرور اور حبیب اللہ خاں کے ساتھ اپنے رابطۂ اتحاد کو منقطع کریں۔ اس کا راستہ یہی سمجھ میں آتا ہے کہ لشکرِ مذکور اگرور میں قیام کرے اور حبیب اللہ خاں کی تائید کا قصد ظاہر کرتا رہے اور مَیں چند رُفقاء کے ساتھ اُن رؤساء کی مُلاقات کے لیے جاؤں۔ اس بنا پر مَیں عبدالغفور خاں کی ملاقات کو گیا اور اپنے ساتھ اُس کے بھائی کمال خاں کو لے گیا۔ ارسلاں خاں برادر زادۂ عبدالغفور خاں کو وہیں بُلوالیا۔ احمد خاں علاقۂ پکھلی، سیّد حیدر شاہ (برادر زادہ محمد علی شاہ) بھی وہیں مل گئے۔

خوانین پکھلی کی اصل کیفیّت | بہرحال ان تمام خوانین سے وہیں ملاقات ہوگئی اور اچھی طرح گفتگو اور مشورے کی نوبت آئی۔ اس ساری گفتگو کی تفصیل لکھنی مشکل ہے، لیکن حاصلِ کلام یہ ہے کہ اگرچہ یہ خوانین زبانی ایک دُوسرے سے بڑھ چڑھ کر خاطر تواضع کی بات کرتے ہیں یہاں تک کہ اُنھوں نے اس فقیر کے ہاتھ پہ جناب کی بیعتِ امامت بھی کی، لیکن ان کی باتوں سے صاف ٹپکتا ہے کہ ان کے دلوں میں ایمانی غیرت، اسلامی حمیّت اور قلبی اخلاص کا ایک ذرّہ اور اطاعت الٰہی کا کوئی جذبہ نہیں ہے۔ ان کا مطمحِ نظر اور منتہائے فکر محض دُنیاوی مال ومتاع کا حصُول اور ہمچشموں پر تفوق وامتیاز ہے۔ مَیں نے انھیں کے مسلک کے مطابق اُن سے گفتگو کی اور ان

کے مقاصد کے حصول کا اظہار کیا۔ اثنائے گفتگو میں وعظ و تذکیر کے مضامین بھی آگئے۔ بہرحال کسی قدر رابطۂ اتحاد کی شکل پیدا ہوئی۔ وہاں سے مَیں اپنے لشکر گاہ پر آیا۔

خرچ کی تنگی اور بعض مجاہدین کا اضطراب اس درمیان میں یہ واقعہ پیش آیا کہ میاں محمد صاحب کے پاس نقد و خرچ میں سے صرف اشرفی تھی، روپیہ بالکل نہ تھا۔ اگرور کے آدمی اشرفی کے نرخ سے بالکل بے خبر تھے۔ اس لیے غلہ فروخت کرنے کے لیے بالکل تیار نہ تھے اور جب تک اشرفی کہیں بھیج کر تڑائی جائے، غلے کا بطور قرض ملنا اس وقت تک مشکل معلوم ہوتا تھا، جب تک کہ وہاں کے رؤسا کو اس بات کا پورا یقین نہ ہو جائے کہ مجاہدین کا لشکر حبیب اللہ خاں کی تائید میں جائے گا۔ دو روز لشکر میں خرچ کی ایسی تنگی رہی کہ اکثر اہل قافلہ عموماً اور اہل رامپور خصوصاً بڑے مضطرب ہوئے اور وہاں پر (بغیر مشغلۂ جہاد کے) پڑا رہنا اُن کو بہت دشوار معلوم ہوا۔ ان میں سے بعض عقلا نے واپسی کا مشورہ دیا، بعض بغیر اجازت چلے گئے۔ میاں محمد مقیم خاں نے اپنی فطری شجاعت اور جرأت کی بنا پر سلسلۂ جہاد شروع کرنے کا بہ شدت تقاضا کیا، اگرچہ مَیں نے حسن تدبیر اور لطف کلام سے اُن کو بہت کچھ روکا، لیکن ایک ایک دن اُن کو ایک سال معلوم ہوتا تھا۔ میں نے منشی خواجہ محمد کو اشرفی دے کر سربلند خاں کے پاس بھیج دیا کہ اُن سے مشورہ بھی ہو جائے اور اشرفی بھی فروخت کر کے روپیہ لے آئیں۔

حبیب اللہ خاں کی مدد کے لیے اُن کے جانے کے بعد ارسلاں خاں نے آکر کہا کہ مَیں تو حبیب اللہ خاں کی مدد کے لیے جاتا ہوں۔ اگر تم میں سے کسی کو جہاد کا شوق ہو اور مظلوم مسلمانوں کی حمایت کا جذبہ ہو، تو ہمارے ساتھ ہو جائے۔ خرچ میرے ذمے ہوگا۔ اس خبر کو سُن کر بہت سے اہل قافلہ اور خاص طور پر میاں محمد مقیم خاں اُن کے ساتھ جانے پر آمادہ ہو گئے اور مجھ سے اجازت لی۔ اگرچہ ان کو اجازت دینا خلاف مصلحت

تھا، لیکن آپ کی ہدایت کے مطابق اُن کی دلجوئی بھی ضروری تھی۔ میں نے لشکر کو دو حصّوں پر تقسیم کر دیا۔ میاں محمد مقیم خاں کے ساتھیوں کو اور ان سب لوگوں کو جو عُجلت کر رہے تھے، ارسلاں خاں کے ساتھ بھیج دیا اور خود باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ عَبسی کوٹ میں مقیم رہا۔

سربلند خاں اور اُس کے ساتھی ارسلاں خاں اور میاں محمد مقیم خاں کی روانگی کے بعد مع اپنے ہمراہیوں کے، جن کی تعداد چالیس کے قریب ہے اور جن میں ملّا محمد اسمٰعیل اخوندزادہ اور مُلّا شاہ سید وغیرہ ہیں، سربلند خاں کی طلب پر اُن کی مُلاقات کے لیے گئے۔ مُلّا عصمت اللہ برادر شاہ سید بھی وہاں ملے۔ سربلند خاں اس وقت اس مقام پر مسافرانہ ٹھیرا ہُوا ہے۔ اس مقام کا اصل رئیس شاہی خاں ہے، جو خان ممدوح کا دوست اور حامی و مددگار رہا ہے۔ سربلند خاں اور شاہی خاں اور ان کے بھائیوں سے مُلاقات ہوئی۔ اگرچہ اُنس و اتّحاد اور محبّت کی بہت سی باتیں ہوئیں، لیکن ایسا اندازہ ہُوا کہ وُہ یکسوئی اور یک رُوئی کے ساتھ گروہِ مجاہدین میں شامل ہونے کے لیے تیّار نہیں۔ دو دن اور دو رات ہمارا اُن کے یہاں قیام رہا اور ہم نے اُن کو ترغیب دینے میں کوئی کمی نہیں کی

سربلند خاں کا مقصودِ اصلی لیکن اُن کی باتوں اور قرینوں سے معلوم ہُوا کہ اُن کا مقصُودِ اصلی پائندہ خاں کی سرکوبی اور شکست ہے۔ یہ اُس وقت تک مُجاہدین کی رفاقت اِختیار نہیں کریں گے، جب تک اُن کو قُوّت و شوکت حاصل نہیں ہو جائے گی۔ اگر مجاہدین کو کُفّار پر غلبہ حاصل ہوگا، تو یہ بڑی تیزی کے ساتھ مجاہدین کے موافق ہو جائیں گے ورنہ اُن کی مخالفت و موافقت کے درمیان سلامتی کا راستہ اختیار کریں گے اتنی بات یقینی ہے کہ یہ مجاہدین کو نُقصان پہنچانے میں کوئی حِصّہ نہیں لیں گے لیکن فی الحال اُن کی نُصرت و حمایت میں دلیرانہ اور مردانہ طریقے پر میدان میں بھی اُترنے

کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اگر اُن کے حریف (پائندہ خاں) کی بیخ کنی پر کمر باندھ لی جائے، تو یہ بھی ساتھ دینے کے لیے کمر بستہ ہیں، لیکن اگر بیخ کنی کا وعدہ کیا جائے، تو یہ بھی موافقت کے وعدے پر ٹال دیں گے۔

پائندہ خاں کی مخالفت خلافِ مصلحت | یہ فدوی پائندہ خاں سے اظہارِ بیگانگی کو کئی وجوہ سے مضر سمجھتا ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ دریائے سندھ کے دونوں طرف کے گھاٹ اور علاقۂ اگرور اس کے زیرِ حکومت ہے۔ اس سے رابطۂ دوستی ختم کر دینے کی صورت میں مجاہدین کا دریا سے گزرنا مشکل ہو جائے گا۔ دوسرے یہ کہ اس ضلع کے بقیہ خوانین کے مقابلے میں پائندہ خاں سب سے زیادہ صاحبِ حشمت و اقتدار ہے۔ اس کے مقابلے میں دوسرے خوانین کی موافقت کچھ مفید نہیں۔ تیسرے یہ کہ اس کے درمیان اور حبیب اللہ خاں اور دوسرے خوانین اگرور کے درمیان رابطۂ اتحاد نہایت مستحکم ہے۔ میاں محمد مقیم صاحب مجاہدین کی ایک جماعت کے ساتھ حبیب اللہ خاں کے یہاں گئے ہوئے ہیں۔ اگر خوانینِ اگرور کو یہ علم ہو گیا کہ ہمارا پائندہ خاں سے رابطۂ اتحاد منقطع ہو گیا، تو میاں محمد مقیم خاں اور اُن کے ساتھیوں کو مضرت پہنچنے کا اندیشہ ہے۔ چوتھے یہ کہ سلطان زبردست خاں، جو نواحِ کشمیر کا رئیسِ اعظم ہے، حبیب اللہ خاں کے ساتھ زمانۂ قدیم سے رابطۂ اتحاد و اخلاص رکھتا ہے، ممکن ہے کہ ہمارا اور حبیب اللہ خاں کا تعلق سلطان زبردست خاں کے ساتھ تعلق کا ذریعہ بن جائے۔

خوانین کے متعلق عام تاثر | اس علاقے کے جن خوانین سے میں مل چکا ہوں، اُن کے متعلق براہِ راست اور ناصر خاں، حسن علی خاں اور سید محمد علی شاہ، جن سے ابھی تک ملاقات کا اتفاق نہیں ہوا، اُن کے متعلق بہ طریقِ قیاس اندازہ ہے کہ ان سے لشکرِ اسلام کے شوکت و غلبہ کا ذریعہ بننے اور کفار سے مقابلہ کرنے کے لیے کسی سلسلہ جُنبانی کی

اُمید نہیں۔ البتہ اگر ہم کو حشمت و شوکت حاصل ہو جائے، تو یہ ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔ لیکن ان سے کسی نقصان اور مضرّت کا اندیشہ بھی بہت بعید ہے۔ ان کی حیثیت ان ساکتین اور قاعدین کی ہے کہ جو دل سے تو اسلام کا غلبہ چاہتے ہیں، لیکن معرکۂ کارزار میں کوئی حصّہ لینے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ فی الحال سربلند خاں اور شاہی خاں کے مشورے سے مقام جویاں مستور میں اقامت اختیار کی ہے۔ یہاں سے مختلف سرداروں اور معززین کے نام ترغیبی خطوط لکھے ہیں اور مختلف سمتوں کی طرف ترغیب جہاد کے لیے قاصد و مبلغین روانہ کیے ہیں۔ بہرحال اپنی طاقت اور اپنی استطاعت کے مطابق سعی میں مشغول ہوں اور سررشتۂ کار کو قادرِ مختار کے ہاتھ میں دے دیا ہے۔

اِس علاقے کے لیے صحیح طریقِ کار اس علاقے میں آکر ایسا معلوم ہوا کہ اگرچہ طویل مدّت میں خدا کی مہربانی سے مقصود کا حصول متوقع ہے لیکن ابھی اس نواح میں لشکر کے آنے کا وقت نہیں آیا تھا۔ ابھی تو اس کی ضرورت تھی کہ یہ فدوی چند خدمت گزاروں کے ساتھ اس نواح میں آتا اور دیہاتوں اور بستیوں کا خفیہ اور علانیہ دَورہ کرتا جب اس علاقے کے رُوَسا تیار ہو جاتے اور لشکر کے قیام کے لیے کوئی جگہ معیّن ہو جاتی، اس وقت لشکرِ اسلام رونق افروز ہوتا یا اِبتدا ہی میں ایک بڑا لشکرِ جرّار یہاں کا رُخ کرتا اور یہاں کے باشندوں کی موافقت یا مخالفت سے قطعِ نظر کرتے ہوئے علمِ جہاد بلند کرتا اور بغیر کسی تردّد اور دغدغہ کے کفّار و مُنافقین پر دست اندازی کرتا پھر جو مخالفت کرتا، وہ سزا پاتا۔ بہرحال أَلْخَيْرُ فِيْ مَا وَقَعَ۔ اگر یہاں محمد مقیم فتحیاب ہو جاتے ہیں، تو مقصود بہ آسانی حاصل ہو جاتا ہے، ورنہ اس میں کچھ مدّت لگے گی۔

جہاد کی حقیقت ایک دِقّت یہ ہے کہ ہمارے اکثر ساتھیوں کے مزاج میں عجلت ہے

بعض پُورے طَور پر منقاد و مطیع ہیں اور اس بات کو خوب سمجھ چکے ہیں کہ جہاد صرف اس بات کا نام ہے کہ دین کی نُصرت کے سلسلے میں مساعیِ جمیلہ کام میں لائی جائیں، جو وقت کے مناسب حال ہوں۔ وہ تو ہر حالت میں اپنی شرکت باعثِ افتخار سمجھتے ہیں۔ اس وقت ہماری واپسی بھی مقصد کے لیے مضر ہے اور بغیر غور و فکر اور تدبیر کے حملہ اور دست اندازی بھی خلافِ مصلحت ہے، بلکہ عجب نہیں دینی اور عقلی طور پر ممنُوع ہو۔ اس وقت تو اس کی ضرورت ہے کہ خوراک و پوشاک کی تنگی پر صبر کریں، پہاڑوں کے نشیب و فراز اور گھاٹیوں کے طے کرنے کے لیے مُستعد رہیں اور ہر طرح کی ضروری اور مناسب کوششیں عمل میں لائیں اور اس کو جہاد کی اعلیٰ قسم شمار کریں۔ بارگاہِ الٰہی سے اُمیدِ واثق ہے کہ اس فِدوی کے رُفقاء عُمُوماً اور اس کے اہلِ شُوریٰ خصُوصاً اس بارے میں اس فِدوی کے ساتھ پُورے طَور پر شریکِ حال ہوں گے۔ انشاء اللہ کچھ مدّت کے بعد مقصُود میں کامیابی حاصِل ہوگی۔ [1]

○

---

[1] مکتوبِ پنجُم (مکاتیب شاہ اسمٰعیلؒ)

چھٹا باب

ڈمگلا اور شنکیاری کی جنگیں اور ہندوستانی مُجاہدین کے قافلے

ڈمگلا کا شب خُون | اِس اثنا میں شہرت ہُوئی کہ مجاہدین ڈمگلا پر حملہ کرنا چاہتے ہیں[1]۔ یہ مقام خاصی فوجی اہمیت رکھتا تھا۔ اِس کے فتح ہو جانے سے مظفر آباد و کشمیر کی طرف پیش قدمی کا راستہ کُھل جاتا تھا۔ ہری سنگھ نلوہ نے پھول سنگھ کی ماتحتی میں دو تین ہزار سکھوں کا لشکر مقابلے کے لیے بھیجا۔ لشکر نے ڈمگلا میں ڈیرہ کیا۔

میاں مقیم رامپوری اور رئیسوں نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے مشورہ کیا کہ سکھوں کا لشکر ڈمگلا میں داخل ہُوا۔ عجب نہیں کہ کل ہم سے اور اُن سے مقابلہ ہو۔ مناسب یہ ہے کہ آج ہی رات کو ہم اُن پر شبخون ماریں۔ اس تجویز سے سب نے اتّفاق کیا۔

اُسی روز میاں مقیم کے تمام ہمراہی اور پچاس دُوسرے مجاہدین اور چودہ پندرہ سو مُلکی چھاپے کے واسطے مقرر ہُوئے۔ باقی ہندوستانی اور مُلکی مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے اپنے پاس رکھے، گولی بارُود سب کو بانٹ دی اور وُہ چھ سات سو بانس کے بارُود بھرے ہُوئے نل تین تین، چار چار ہر غازی

---

[1] وقائع احمدی اور دُوسرے قدیم آجتذ سے پتہ نہیں چلتا کہ میاں مقیم اور ارسلان خاں کے ساتھ مجاہدین کی جو جمعیت حبیب اللہ خاں کی مدد کے لیے روانہ ہوئی تھی، اس نے کیا کیا اور کیا واقعات پیش آئے اور کس طرح ڈمگلا پر حملہ کرنے کا منصوبہ بنا۔ وقائع احمدی میں اس واقعہ کو جس طرح بیان کیا گیا ہے، درج کیا جاتا ہے۔

کے حوالے کیے اور سمجھا دیا کہ جدھر مخالفوں کا مجمع دیکھنا، ادھر ایک دو نل داغ کر پھینک دینا۔ وہ اس طرف متوجہ ہو جائیں گے اور تم اس طرف سے بندوق اور قرابین مارنا شروع کرنا، اور چار پانچ چارپائیاں بھی سنگر سے اُترنے کے لیے ساتھ کر دیں۔ ہر ایک سے فرمایا کہ سورۂ اِیلٰف گیارہ گیارہ بار پڑھ کر۔ وانہ ہو۔ سب کا امیر میاں مقیم صاحب کو کیا اور مولوی خیر الدین صاحب کو شریک کیا اور شناخت کے لیے اپنے لشکر کے شبخون والوں کا نام عبداللہ رکھ دیا اور دُعا کر کے رُخصت فرمایا۔ سوا پہر رات باقی ہو گی کہ آگے پیچھے حملہ آور جمع ہو کر آگے بڑھے۔ جب سنگر کے قریب آئے اور سب نے مِل کر ارادہ کیا کہ تکبیر کہہ کر سنگر میں گھُسیں، اس وقت تخمیناً تین سو ساڑھے تین سو آدمی باقی رہے اور خدا جانے کدھر چھپ گئے۔ ادھر سکھوں کی جماعت مُلکی اور سکھ ملا کر پانچ چھ ہزار سے کم نہ تھی۔ پھر میاں مقیم وُہ چارپائیاں سنگر پر ڈال کر خود آگے ہُوئے اور اُن کے پیچھے مجاہدین چلے۔ مجاہدین نے میاں مقیم کے پیچھے یکبار بآوازِ بلند أَللّٰهُ أَكْبَر ! أَللّٰهُ أَكْبَر ! کہہ کر بندوق اور قرابین مارتے ہُوئے حملہ کیا۔ سکھ بھی ہوشیار ہو گئے کہ چھاپہ آپہنچا۔ اُنھوں نے جلد نقارہ بجایا اور غول غول ہو کر کئی جگہ جمع ہو گئے اور بندوقیں مارنے لگے۔ اس وقت مجاہدین نے وہی نل داغ کر اُن کے غول میں پھینکے اور پیچھے سے قرابینوں سے حملہ کیا۔ اس وقت میاں مقیم کے لوگوں نے ایسی شجاعت و بہادری کا مظاہرہ کیا کہ (وقائع احمدی کے راوی کے بقول) لوگ رُستم و اسفندیار کی جُرأت و دلیری بھُول گئے۔ وہ اس طرح بیباک ہو کر سکھوں کی جماعت میں گھُستے تھے، جیسے کوئی کبڈی کھیلتا ہے یہاں تک کہ تین چار ہلّوں میں اُن کو سنگر سے نکال کر باہر کر دیا۔

اس عرصے میں وُہ مُلکی لوگ، جو طرح دے کر پیچھے دب رہے تھے، وہ بھی آ کر سنگر میں داخل ہُوئے اور سکھوں کا مال و اسباب لُوٹ لُوٹ کر چلنے لگے۔ مجاہدین سکھوں کے مقابلے میں جمے رہے۔ اس عرصے میں سکھوں نے موضع ڈمگلا کی دو تین جھونپڑیوں میں آگ لگا دی۔ اس کی روشنی سے تمام سنگر اور اُس کے اطراف میں دن سا ہو گیا۔ اِس اُجالے میں سکھوں نے دیکھا کہ سنگر میں لُوٹ مچی ہے، ہر کوئی مال و اسباب لیے ہُوئے چلا جاتا ہے۔ اس وقت مولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی نے

میاں مقیم سے کہا کہ ملکیوں نے لڑائی بگاڑ دی، وہ تو لوٹ لوٹ کر اپنا رستہ لیتے ہیں اور آپ زخمی ہیں۔ مناسب یہی ہے کہ آپ بھی جلد یہاں سے نکلنے کی تدبیر کریں۔

زخمیوں کا جذبہ مولوی خیرالدین صاحب چند مجاہدین کے ساتھ سکھوں کے مقابلے میں رہے اور اُن کو مشغول رکھا اور لوگوں سے کہا کہ جو زخمی اُٹھانے کے قابل ہوں، اُن کو سنگر کے باہر اُٹھا لے چلو اور باقیوں کو رہنے دو۔ مجاہدین نے چھ یا سات زخمیوں کو، جو لے چلنے کے قابل تھے، اُٹھایا۔ دو صاحب سیّد لُطف علی اور عبدالخالق محمّد آبادی زیادہ زخمی تھے۔ جب اُن کو لے چلنے کے لیے اُٹھایا، تو انھوں نے کہا کہ ہمارے ہتھیار لے لو اور ہم کو تکلیف نہ دو، ہم کو یہی میدان پسند ہے۔ مجاہدین نے ان کے ہتھیار لے لیے اور اُن کو وہیں چھوڑ دیا۔ وُہ ظاہراً گھڑی، دو گھڑی کے مہمان تھے۔ چند ہندوستانی شہید ہُوئے اور چند غازی تھوڑے تھوڑے زخمی۔ اُنھیں میں میاں مقیم بھی تھے۔

جب سب زخمی سنگر کے باہر نکل چکے، تب مولوی خیرالدین صاحب بھی استقامت اور دل جمعی کے ساتھ اپنے لوگوں کو لے کر سنگر سے نکلے اور سب کو لے کر روانہ ہُوئے۔ اس وقت سکھوں کو ایسی شکست فاش نصیب ہوئی تھی کہ باوجودیکہ کئی ہزار تھے، کسی کو تعاقب کی جرأت نہیں ہُوئی۔

جنگِ شنکیاری مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی فوج میں دو روز سے فاقہ تھا۔ ڈمگلے کی شبخون کی شام کو کچھ غلّہ میسّر آگیا تھا۔ لوگ کھانے کے انتظام میں مشغول تھے۔ سکھوں کا ایک لشکر روند گشت کے طور پر شنکیاری کی گڑھی سے، جو مجاہدین کی قیام گاہ سے تھوڑے فاصلے پر تھی، باہر نکلا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو، جن کی نگاہ اس گڑھی کی طرف تھی، یہ گمان ہُوا کہ دشمن مقابلے کو آتے ہیں۔ آپ نے لوگوں کو کمربندی کا حکم دیا اور ایک دو باڑھ مار کر اُن پر حملہ کر دیا۔ سکھوں نے بھاگنا شروع کیا۔ اُس وقت ایک شخص نے سکھ لشکر کے عقب میں سے اپنے ساتھیوں کو پکار کر کہا کہ یہ تھوڑے سے آدمی ہیں، تم کیوں بھاگتے ہو؟ یہ پکار سُن کر لشکر لوٹ آیا اور مقابلہ شروع ہُوا۔ اس وقت مولانا اسمٰعیل صاحب کے ہمراہ کُل بارہ آدمی تھے، باقی سب آدمی لشکر کے نگراں تھے۔ مگر یہ بارہ آدمی سیسے کی دیوار کی طرح وہیں جم گئے اور بھرمار شروع کی۔

وقائع میں ہے کہ کہ حملہ کرتے ہوئے نزدیک آئے، تو مجاہدین نے مورچوں سے نکل کر قراہینوں سے مقابلہ کیا جب اور قریب آئے، تو نوبت تلوار کی پہنچی۔ اس وقت لوگوں نے مولانا کی شجاعت و دلیری کا تماشا دیکھا۔ آپ نے تلوار سے لاش پر لاش بچھا دی۔ منظورہ میں ہے کہ ایک سکھ تلوار کھینچ کر مولانا پر حملہ آور ہوا۔ آپ نے وار کرنے سے پہلے اُس کو گولی سے ختم کر دیا۔ جب آپ دوسری بار بندوق بھر رہے تھے، اس وقت دوسرے شخص نے تلوار سے آپ پر حملہ کرنا چاہا۔ آپ نے اُس کو بھی گولی سے اُڑا دیا۔ جب آپ تیسری بندوق بھر کر پیالے میں رنجک ڈال رہے تھے، اُس وقت ایک سکھ کی گولی آپ کی انگلی میں لگی۔ اس گولی کے صدمے سے آپ کا ہاتھ بندوق کے پیالے سے جُدا ہو گیا۔ اس حالت میں بھی آپ نے بندوق چلا دی۔ لیکن جب آپ نے چوتھی بار بندوق بھرنے کا ارادہ کیا، تو اُس زخمی انگلی سے اتنا خون بہا کہ بارود بھی تر ہو گئی اور ہاتھ میں بندوق بھرنے کی طاقت بھی نہ رہی۔ اس بے بسی کی حالت میں ایک سکھ نے ننگی تلوار سے مولانا پر حملہ کیا۔ مولانا نے اُس کو ڈرانے کے واسطے خالی بندوق اُس کے سامنے کر دی۔ وہ گھبرا کر بھاگ گیا اور مولانا اُس کی ضرب سے بچ گئے۔ مولانا بارہا اُس انگلی کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کرتے تھے کہ اگر اللہ تعالیٰ قبول فرمائے، تو یہ میری انگشتِ شہادت ہے، ورنہ بہت سے زخم لگتے ہیں اور ان میں کوئی ثواب نہیں۔ بالآخر سکھ میدان چھوڑ کر چلے گئے۔

ادھر میاں مقیم اور اُن کے ساتھی ڈمگلا سے واپس آ رہے تھے۔ راستے میں اُنھوں نے بندوقوں کی آواز سُنی۔ معلوم ہوا کہ مجاہدین کی قیام گاہ پر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ہمراہیوں اور سکھوں کے درمیان جنگ ہو رہی ہے۔ میاں مقیم اور مولوی خیر الدین صاحب جب مولانا کے پاس پہنچے، تو سکھ جا چکے تھے۔ دیکھا، تو چھ سات آدمی مجاہدین میں شہید ہوئے ہیں اور نو دس زخمی۔ مولانا کی انگلی میں گولی لگی تھی اور دگلے میں چھ سات سُوراخ گولیوں کے ہو گئے تھے۔ سکھوں کے دو ڈھائی سَو آدمی مارے گئے تھے

مجاہدین کی واپسی | مولانا نے کمال خاں اور ناصر خاں کے مشورے سے اگر دُر میں قیام کیا۔ وہاں سے شمدڑہ اور وہاں سے اوگئی آئے۔ وہاں آٹھ روز قیام فرمایا۔ مولانا کا ارادہ تھا کہ یہاں سے نکل کر

سکھوں کی بستیوں پر شبخون ڈالیں گے۔ اس اثنا میں سیّد صاحبؒ کا فرمان پہنچا کہ آپ وہاں سے جلد تشریف لے آئیں، ہندوستان سے مجاہدین کے بہت سے قافلے آئے ہیں۔ چنانچہ آپ وہاں سے منزل بمنزل کوچ کرتے ہوئے مرکز میں پہنچ گئے۔ سیّد صاحبؒ نے پنجتار سے نکل کر ڈھائی، تین سَو آدمیوں کے ساتھ مولانا اور اُن کے ہمراہیوں کا استقبال کیا۔ مولانا سیّد صاحبؒ کی سواری دیکھ کر کمالِ اشتیاق کے ساتھ تیز قدم ہو کر چلے مُصافحہ و مُعانقہ ہُوا اور آپ نے سیّد صاحبؒ کے ہاتھ کو بوسہ دیا۔ تمام لوگ آپس میں ایک دُوسرے سے ملے۔

ہندوستان کے قافلے اوپر گزر چکا ہے کہ بونیر و سوات کے دَورے میں پانچ ہندوستانی قافلے پہنچے، جن میں پُونے تین سَو کے قریب آدمی تھے۔ جب ہندوستان میں سیّد صاحبؒ اور اُن کے رُفقاء کے صُوبۂ سرحد میں استقرار اور معرکہ آرائیوں کی اطلاع پہنچی اور رُفقاء اور اہلِ سرحد نے سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر بَیعتِ امامت و جہاد کی اور اس کے اطلاعی خطوط اور اعلام نامے ہندوستان پہنچے، تو وہاں سے مخلصین کے قافلے، جن میں سے اکثر پہلے سے مستعد و عازم تھے اور مختلف دینی اور انتظامی مصلحتوں سے جن کا بہ یک وقت چلنا مناسب نہ تھا، جُوق در جُوق آنا شروع ہُوئے۔ چنانچہ اس عرصے میں کہ شاہ صاحب اور میاں مقیم ہزارے کے محاذِ جہاد پر تھے، پندرہ قافلے تھوڑے تھوڑے وقفے سے پہنچے۔ ان قافلوں میں بڑے بڑے عُلماء ذی وجاہت اور پُرجوش مجاہد تھے۔ ایک قافلہ سیّد صاحبؒ کے بڑے بھانجے سیّد احمد علی صاحب رائے بریلوی کا تھا، دُوسرا قافلہ مولانا عنایت علی[1] کا، تیسرا مولوی قمرالدین صاحب کا، چوتھا باقر علی صاحب کا۔ پانچواں عثمان علی صاحب کا۔ چھٹا مولانا مظہر علی عظیم آبادی کا، ساتواں مولوی خرّم علی بلہوری کا۔ آٹھواں مولوی عبدالقدوس کانپوری کا، نواں مولانا سیّد محمد علی رامپوری کا، دسواں مولوی عبداللہ امروہی کا، گیارھواں حافظ قطب الدین بھلیتی کا، بارھواں مولانا محبُوب علی دہلوی کا، تیرھواں حکیم محمد اشرف دہلوی کا، چودھواں میرن شاہ نارنولی کا، پندرھواں مولوی عبدالحق نیوتنی کا۔

ڈیرہ اسمٰعیل خاں اور پشاور کے درمیان ایک بستی کنڈوہ ہے۔ کئی قافلے وہاں دُرّانیوں کے

---

[1] برادرِ مولانا ولایت علی عظیم آبادی

خوف سے رُکے رہے اور دریا عبور نہ کر سکے۔ کم و بیش دو مہینے اس تشویش و تردد میں گزرے۔ بالآخر سیّد صاحبؒ نے اپنے کچھ آدمی بھیجے۔ اُنھوں نے مقامی لوگوں سے مل کر ان قافلوں کے دریا عبور کرنے کا بندوبست کیا اور تقریباً دو مہینے کے توقُّف کے بعد اپنی منزلِ مقصود پر پہنچے۔ جب یہ قافلے درے میں داخل ہُوئے، تو سیّد صاحبؒ نے آگے بڑھ کر اُن کا استقبال کیا اور مصافحہ اور معانقہ کر کے اُن کو اپنے ساتھ لائے۔

مولوی محبُوب علی صاحب کا اختلاف | مولوی میر محبُوب علی صاحب حضرت شاہ عبدالعزیز صاحب علیہ الرحمۃ کے مشہور شاگردوں اور نامی علماء میں سے تھے۔ سیّد صاحبؒ اور شاہ صاحبؒ سے پُرانا تعارف اور تعلق تھا۔ جن ہندوستانی علماء و احباب کے نام سرحد سے خطوط و اطلاعات جاتی تھیں، اُن میں مولوی محبُوب علی صاحب بھی تھے۔ آپ نے سیّد صاحبؒ کی ہجرت کے بعد ہندوستان میں جہاد و ہجرت کی دعوت جاری رکھی اور آپ کی ترغیب و تحریض سے مُجاہدین کا ایک قافلہ آپ کی ہمراہی میں روانہ ہُوا۔ راستے کی مُشکلات اور ناگوارِ طبع اُمور کے پیش آنے، نیز طبیعت کی اُفتاد سے اُن کی گرانی اور کدُورت بڑھتی گئی۔ مولانا نے راستے سے سیّد صاحبؒ کو ایک خط لکھا جس میں اس بات پر ناگواری کا اظہار اور اعتراض تھا کہ آپ نے دُرّانیوں سے صُلح کر لی ہے، جو مُجاہدین و مُہاجرین کے سدِّ راہ بن رہے ہیں اور اس کو توکُّل و عزیمت کے منافی بتایا اور صاف صاف مشورہ دیا تھا کہ پہلے اِن کلمہ گو کافروں سے جہاد کرنا چاہیے اور کچھ قرآن مجید کی آیتیں بھی اس مضمون کی لکھ کر بھیجی تھیں۔ سیّد صاحبؒ نے ۱۱ محرم ۱۲۴۰ھ کو اُن کو بڑا محبت آمیز خط لکھا جس میں تشریف لانے اور حالات کا خود مطالعہ کرنے اور صبر و تحمل سے کام لینے اور اعتماد کرنے کی دعوت دی اور اپنے موقف کی وضاحت کی۔[1] مولوی صاحب اس انتظام کے مطابق جس کا اہتمام خود سیّد صاحبؒ نے فرمایا تھا، پنجتار کے مرکز میں تشریف لائے۔ سیّد صاحبؒ نے جب مولوی صاحب کی آمد کی خبر سُنی، تو آپ استقبال کے لیے روانہ ہُوئے۔ آپ کا سبزہ گھوڑا، جو سردار سید محمّد خاں نے نذر کیا تھا، کوتل چلا آرہا تھا۔ اُس پر زرّیں

---

[1] مکاتیب شاہ اسمٰعیل صاحبؒ صفحہ ۱۹۸، ۱۰۰

حاشیے کا مخملی زین پوش پڑا ہوا تھا۔ سیّد صاحبؒ خود پیادہ پا تھے۔ مولوی صاحب کی نظر پہلے گھوڑے پر پڑی۔ فرمایا: گھوڑے پر زرّیں زین پوش! جہاں ایسا امیرانہ ٹھاٹھ ہو، وہاں دیکھا چاہیے، انجام کیا ہو۔ سیّد صاحبؒ سے مصافحہ و معانقہ کے بعد آپ اپنے خیمے میں رہنے لگے، لیکن آپ کے اعتراضات اور شبہات بڑھتے گئے۔ کبھی کہتے کہ آپ امام ہو کر ایسے نفیس کپڑے پہنتے ہیں اور ایسے عمدہ کھانے کھاتے ہیں اور مجاہدین بیچارے چکّی چلاتے ہیں، گھاس چھیلتے ہیں اور پاؤ پاؤ غلّہ پاتے ہیں۔ یہ آپ کو زیبا نہیں۔ سیّد صاحبؒ نے نرمی سے فرمایا کہ مولوی صاحب، اب تو آپ ہمارے یہاں مہمان آئے ہیں۔ جو کچھ میں کھاتا ہوں، وہ آپ بھی کھائیں گے، تب آپ ہی معلوم ہو جائے گا۔

اِس گفتگو کا چرچا بیلے بیلے، ڈیرے ڈیرے، تمام لشکر میں ہونے لگا اور نا اتّفاقی اور فساد کی ایک صورت ظاہر ہونے لگی۔

کھانے کی تفصیل سیّد صاحبؒ کے یہاں یہ طرز تھا کہ اس مُلک کے جو لوگ آپ کی ملاقات کو آتے تھے، وُہ تحفہ کے طور پر کوئی دو مُرغ لاتے، کوئی سیر دو سیر شہد یا گھی لاتے، کوئی چاول، کوئی مُرغی کے انڈے لاتے۔ آپ یہ تمام چیزیں بحفاظت تمام اپنے باورچی خانے میں رکھوا دیتے۔ مہمانوں کا حال یہ تھا کہ کبھی بیس، کبھی تیس چالیس بھی آتے۔ ان کے کھلانے کی بھی کئی صورتیں تھیں۔ ایک تو یہ کہ اگر وُہ سویرے لشکر والوں کے کھانے کے قبل آگئے، تو آپ ایک ایک، دو دو، گنجائش کے موافق، ہر بیلے میں بھیج دیتے اور ان میں جو ذی عزّت، دو چار مُلّا مولوی یا خان و سردار ہوتے، ان کو اپنے ساتھ کھلاتے۔

دُوسری صورت یہ تھی کہ اگر وہ مہمان دیر سے لشکر کے کھانے کے بعد آتے، تو آپ اِسی تحفے اور سوغات میں سے جو مُرغ، چاول، انڈے وغیرہ ہوتے، اُن کے لیے کھانا پکواتے اور اُن کو کھلاتے اور اُن کے شریک ہو کر آپ بھی کھا لیتے۔

تیسری صورت یہ تھی کہ کسی روز اپنے لوگوں کے موافق کھانا پک چکا اور دس پندرہ مہمان آ گئے، تو اسی کھانے میں اُن کو بھی شریک کر لیتے۔ اگر پندرہ آدمی کے لائق کھانا پکا ہے اور اسی قدر مہمان بھی آگئے، تو جہاں فی اسم آدھ سیر کھانا تھا، اب پاؤ بھر سر[1] اسم ہوا۔ جس قدر مہمان زیادہ ہوتے،

---

[1] اس سے مُراد فی نفس ہے۔

اُسی قدر ہر کسی کے حصّے میں کھانا کم آتا۔ اکثر اوقات کھانے میں کمی کا خیال کر کے خود سیّد صاحب نہ کھاتے کہ یہ مہمان کھالیں، ہم کسی کے بھیلے میں کھالیں گے۔ مگر وُہ مہمان ہرگز نہ مانتے، اصرار سے کھلاتے اور کہتے کہ ہم تو آپ ہی کے ساتھ کھانے کو آئے ہیں۔ اگر آپ نہ کھائیں گے، تو ہم اپنے بھائی بندوں کے یہاں چلے جائیں گے، ہمارے واسطے وہاں بھی کھانا موجود ہے۔ اُن کی خاطر سے آپ کو ضرور ہی کھانا پڑتا۔ اسی کش مکش میں ایک ہفتہ مولوی محبوب علی صاحب نے سیّد صاحبؒ کے ساتھ کھانا کھایا اور گھبرا گئے اور کہا کہ ہم سے تو آپ کے ساتھ کھانا نہ کھایا جائے گا۔ آپ نے فرمایا: کیا وجہ ہے؟ آخر ہم بھی تو کھاتے ہیں۔ کہا: ہر روز بھوکا نہیں رہا جاتا۔ سیّد صاحبؒ نے دو تین آدمی مولوی محبوب علی صاحب کے مُعتقدین میں سے اور دو تین آدمی اپنے لوگوں میں سے پہلے ہی دن سے کھانے کی کیفیّت معلوم کرنے کے لیے مولوی صاحب کے شریک کر رکھے تھے۔ آپ کے لوگوں نے مولوی صاحب کے مُعتقدین سے کہنا شروع کیا کہ ایسے ہی کھانے پر تمھارے مولوی صاحب سیّد صاحبؒ پر اعتراض کرتے تھے کہ خود ایسے عمدہ اور نفیس کھانے کھاتے ہیں اور لشکر والے خشک روٹی بمشکل پاتے ہیں۔ اب وُہ عمدہ کھانا مولوی صاحب کیوں نہیں کھاتے ہیں؟

پوشاک پر اعتراض اور اس کا جواب دوسرا اعتراض مولوی صاحب کا پوشاک اور خرچ وغیرہ پر تھا۔ اس کا حال یہ ہے کہ شیخ غلام علی صاحب الٰہ آبادی سلے ہُوئے کپڑوں کے گٹھے کے گٹھے خاص آپ کی ذات کے لیے بھیجتے رہتے تھے اور جُوتوں کے جوڑے بھی وہیں سے آتے تھے۔ اسی طرح اور مُریدین کے یہاں سے ہر قسم کے تھان اور سیکڑوں، بلکہ ہزاروں روپے خاص آپ کے خرچ کے واسطے آتے تھے۔ یہ روپیہ آپ اپنی مرضی کے موافق جہاں مناسب سمجھتے، صرف کرتے۔ چنانچہ آپ نے ہزار، دو ہزار روپے کی اسی قسم کی قبائیں سلطان مُحمّد خان، یار مُحمّد خاں اور سیّد مُحمّد خاں کو عطا فرمائیں۔

جہاد و قتال میں فرق مولوی محبُوب علی صاحب اہلِ لشکر سے کہتے تھے کہ تمھارے اوپر بیوی بچوں اور والدین کے حقوق ہیں، تم یہاں کیوں بیٹھے ہو؟ لوگوں نے کہا: جہاد کے واسطے۔ مولوی صاحب نے کہا: جہاد کہاں ہے اور کون کُفّار سے مقابلہ ہے؟ کس مُلک میں تمھارا عمل دخل ہُوا؟ صُبح سے

شام تک تم لوگ کھانے پکانے کی فکر میں رہتے ہو۔ جہاد کا محض بہانہ ہے۔ تمھاری دُنیا و آخرت دونوں خراب ہیں۔

لوگوں کو ایک معتبر عالم کی زبان سے یہ سُن کر خواہ مخواہ انتشار ہُوا اور لشکر میں اس کا عام چرچا ہُوا۔ آخر ایک روز مولوی مُحمّد حسن رامپوری[1] نے سیّد صاحبؒ سے کچھ کہنے کی اجازت چاہی۔ نماز کے بعد سب لوگ موجود تھے، آپ نے مولوی صاحب سے کہا کہ آپ یہاں کے لوگوں کو کس طرح خارج از جہاد سمجھتے ہیں؟ مولوی صاحب نے کہا کہ تم کس سے جہاد کر رہے ہو، اور کون سا جہاد ہو رہا ہے؟ مولوی مُحمّد حسن نے کہا کہ جنگ کا نام ہی جہاد نہیں ہے، جنگ کو قتال کہتے ہیں، اور وُہ کبھی کبھی پیش آتا ہے۔ جہاد کے معنے ہیں "اِعلاءِ کلمۃ اللہ میں کوشش کرنا"۔ یہ مُدّتِ دراز تک باقی رہتا ہے اور اس کی مختلف صُورتیں ہوتی ہیں۔ یہ آپ کی غلط فہمی ہے کہ قتال کا نام جہاد رکھا ہے اور اُن کوششوں کو جو اِعلاءِ کلمۃ اللہ کے لیے لوگ کر رہے ہیں، عبث قرار دیتے ہیں۔ مَیں آپ سے پُوچھتا ہوں کہ اس وقت جہاد کا انکار کر کے آپ وطن دہلی تشریف لے جائیں اور کسی دن کُفّار سے مقابلہ اور قتال، جس کو آپ جہاد کہتے ہیں، پیش آجائے، تو کس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھ کر آپ کو اطّلاع دی جائے گی؟ اور آپ یہ اپنی کون سی کرامات سے اُڑ کر داخلِ جہاد ہوں گے؟

مولوی محبُوب علی صاحب کی واپسی | ان اعتراضات و اختلافات اور نا اتّفاقی سے سیّد صاحبؒ بہت تنگ آئے۔ جب کسی طرح مولوی صاحب نہ سمجھے، تو ایک روز سیّد صاحبؒ نے آپ سے فرمایا کہ مولوی صاحب اِس لشکرِ اسلام میں آپ نے اپنی نفسانیت سے تفرقہ ڈالا ہے اور تو مَیں کیا کہوں؟ میدانِ حشر میں آپ کا گریبان ہوگا اور میرا ہاتھ۔[2]

---

[1] مولوی مُحمّد حسن رامپوری لشکر کے اہم اور ممتاز افراد میں سے تھے۔ مولوی سیّد جعفر علی کے الفاظ ہیں: "مولانا مُحمّد اسمٰعیل و مولوی محمد حسن رامپوری بجائے وزیرِ انتخاب بُودند۔" (ص ۵۷، وقائع)

[2] "منظومہ" میں مذکور ہے کہ سیّد صاحبؒ نے مولانا سے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ کو میری امامت پر اعتراض ہے، تو آپ خود ہی منصبِ امامت قبول فرمائیں کہ عالِم، فاضل، مُہاجر، سیّد ہیں۔ مَیں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے تیار ہُوں، مگر مولانا نے منظور نہیں فرمایا۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی ڈمگلا و شنکیاری سے واپسی سے تین روز پہلے ایک دن مولوی محبوب علی صاحب رات کو بے طلے اپنے لوگوں کو ساتھ لے کر پشاور کی طرف چلے گئے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے اگر سنا، تو بڑا افسوس کیا اور فرمایا: افسوس! مولوی صاحب چلے گئے۔ اگر میرے آنے تک توقف کرتے، تو اِن شاء اللہ تعالیٰ میں اُن کو سمجھاتا، اُنھوں نے سیّد صاحبؒ کو پہچانا نہیں۔

میرن شاہ نارنولی اپنی آمد کے تیسرے ہی روز کچھ لوگ لے کر پشاور کی طرف چلے گئے۔ راستے میں چکینی ہی میں چند دن بیمار رہ کر انتقال کیا۔ حکیم محمد اشرف دہلوی بھی واپس چلے گئے۔

ہندوستان سے امدادی رقمیں | ہندوستان سے احباب و معاونین صاحبزادہ شاہ محمد اسحٰق صاحب دہلوی کی معرفت برابر مالی امداد کرتے رہتے اور بیش قرار رقموں کی ہُنڈیاں ہندوستان سے آتی تھیں[1]۔ چنانچہ ان دنوں میں بھی ایک پانچ ہزار کی، دُوسری بارہ سَو کی، تیسری دو سَو ستّر روپے کی پہنچی، جو میاں دین محمد کی دانائی و سلیقہ مندی سے ٹُوٹ کر مہاجرین کے مصارف میں آئیں۔

داعیوں اور مبلّغوں کی روانگی | اسی اثناء میں سیّد صاحبؒ نے محمد قاسم صاحب پانی پتی کو وعظ و نصیحت اور جہاد کی دعوت کے لیے بمبئی روانہ کیا۔ اُن کے بعد آپ نے مولانا محمد علی رامپوری سے فرمایا کہ آپ حیدر آباد دکن جائیے۔ اُنھوں نے عُذر کیا کہ مجھ کو نہ اس قدر علم ہے کہ کسی عالِم سے مباحثہ یا مناظرہ کروں اور نہ یہ سلیقہ ہے کہ لوگوں کے مجمع میں وعظ و درس کروں۔ مجھ کو تو آپ کسی کام کو کہیں بھیجیں کہ وُہ کام کر کے چلا آؤں۔ آپ نے فرمایا کہ آپ جس بات کا عُذر کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے اُمید ہے کہ وہ عُذر دُور کر دے۔ آپ نے اپنا کُرتا، پائجامہ اور تاج اُن کو پہنایا اور کہا کہ میں اپنی زبان نکالوں، آپ اپنی زبان سے چاٹ لیں۔ اُنھوں نے ایسا ہی کیا۔ آپ نے چار پانچ آدمی اُن کے ہمراہ کیے اور فرمایا کہ یہاں سے سندھ جائیے گا، وہاں سے پیر کوٹ میں بی بی صاحبہ سے ملتے ہُوئے کراچی جائیے گا، وہاں سے کشتی پر سوار ہو کر بمبئی اُتریے۔ وہاں سے حیدر آباد جائیے۔

---

[1] شاہ اسحٰق صاحبؒ کے نام شاہ اسمٰعیل صاحبؒ و سیّد صاحبؒ کے عربی خطوط ہیں، جو رقموں کی وصول یابی اور طلب کے سلسلے میں اصطلاحات اور رمُوز میں لکھے گئے ہیں۔

آپ نے مولوی صاحب کو وصیت کی کہ کلمۂ حق کہنے سے باز نہ رہیے گا، کوئی خوش ہو یا ناخوش؛ کوئی مارے یا سرفراز کرے۔ خیر و برکت اسی میں ہے۔

کئی دن کے بعد مولوی ولایت علی عظیم آبادی کو بھی دکن بھیجنے کی تجویز ٹھیری۔ آپ نے اُن کو اپنا ملبوسِ خاص، تاج اور کُرتا اور پائجامہ پہنا کر سینے اور پُشت پر ہاتھ پھیرا اور دُعا کی کہ اللہ تعالےٰ تمھاری مدد کرے، اور وصیّت فرمائی کہ کلمۂ حق کے بیان کرنے میں کسی کا خوف اور لحاظ نہ کرنا۔

اُنھیں دنوں رامپور سے خط آیا کہ میاں مقیم کے بھائی کریم اللہ خاں کا، جو نواب احمد علی خاں کے نائبِ کُل تھے، اِنتقال ہو گیا۔ آپ نے میاں مقیم سے فرمایا کہ تمھارے بھائی کا اِنتقال ہوا مناسب ہے کہ تُم جا کر اُن کے اہل و عیال کے خبر گیراں ہو اور اُن کی جگہ نواب احمد علی خاں کے یہاں کام کرو۔ میاں مقیم نے عُذر کیا کہ مَیں وہاں سے جہادِ فی سبیل اللہ کی نیّت کر کے آیا ہوں، اب وہاں جا کر کیا کروں؟ آپ نے فرمایا کہ ہم تم کو بھیجتے ہیں۔ تمھارے بغیر وہاں کا کاروبار ابتر ہو جائے گا اور تمھارے وہاں رہنے سے خُدا کا بھی بہت کام نکلے گا۔ وہ مجبوراً جانے پر راضی ہُوئے اور سب سلاح و اسباب جو اُن کے پاس تھا، وہیں چھوڑا۔

ان کے علاوہ حافظ قطب الدّین اور مولوی عنایت علی کو بھی ہندوستان بھیجنے کی تجویز ہُوئی۔ آپ نے مولوی عنایت علی کو بُلا کر فرمایا کہ آپ کو جہاد کی ترغیب کے لیے بنگالے کو بھیجتے ہیں۔ انھوں نے عرض کیا کہ حاضر ہوں، مگر دل چاہتا ہے کہ یہاں کا بھی کوئی واقعہ دیکھ لیتا۔ آپ نے فرمایا کہ وہاں تمھارے ہاتھوں اللہ تعالیٰ کا بہت کام نکلے گا۔ خُدا کے کام کی کوشش کے لیے تمھارا وہاں رہنا گویا ہمارے ساتھ یہاں کا رہنا ہے اور اللہ تعالیٰ تم کو وقائع بہت دکھائے گا۔[1]

مولوی مظہر علی عظیم آبادی کی آمد مولوی عنایت علی کی روانگی کے چند ہی دن بعد آپ کے پاس خبر آئی کہ مولوی مظہر علی عظیم آبادی کا قافلہ زیارت میں آ کر داخل ہُوا۔ آپ اُن کے آنے سے کمال خوش

---

[1] چنانچہ مولانا ولایت علی صاحب کے بعد مولانا عنایت علی غازی ہی مجاہدین کے قائد اور ستھانہ میں مجاہدین و مُہاجرین کے امیر رہے۔

ہوئے اور فرمایا کہ مولوی ولایت علی اور مولوی عنایت علی کی جگہ پر اللہ تعالیٰ نے مولوی مظہر علی صاحب کو بھیجا۔

شاہِ چترال کے تحائف آپ نے پنجتار سے اخوند فیض محمدؒ کو کچھ تحفے دے کر شاہ کاشکار (چترال) کے پاس جہاد کی دعوت کے لیے روانہ کیا۔ اخوند صاحب چترال سے واپس آئے اور شاہ کے تحائف بھی لائے۔ شاہ نے ایک سیدہ صاحبزادی اور ایک پشمینے کی نہایت باریک اور بیش قیمت چادر، ایک خوشخط و مُطلا قرآن مجید اور ایک فولادی شیر ماہی کے دستے کی پیش قبض، جس کا تہنال و مہنال نقرئی تھا، بھیجا، ان تحائف کے ساتھ بادشاہ کا خط بھی تھا۔



ساتواں باب

خہر[1] کا قیام

ایک تبلیغی دورہ | پنجتار میں ارباب بہرام خاں[2] بیس پچیس سواروں اور پیادوں کے ساتھ آپ کی ملاقات کو آئے اور آپ کے دست مبارک پر بیعت کی اور کئی دن قیام کیا۔ ایک روز انھوں نے سید صاحب سے مشورۃً عرض کیا کہ ان دنوں یہاں کوئی مشغولیت نہیں ہے۔ اگر مناسب سمجھیں، تو چند دن اس نواح میں دورہ فرمائیں اور جہاد کی ترغیب کے لیے وعظ و نصیحت فرمائیں۔ اس ملک کے اکثر لوگوں میں زمینداری کے سلسلے میں رقابتیں اور مخاصمتیں ہیں۔ اگر آپ ان کے درمیان مصالحت کرا دیں، تو وہ آپ کے شکر گزار اور فرماں بردار بن جائیں گے۔

آپ کو ارباب صاحب کی یہ صلاح پسند آئی۔ آپ نے بیمار اور معذور لوگوں کو پنجتار میں چھوڑا اور باقی لشکر لے کر وہاں سے کوچ کیا اور قریب و جوار کے مواضعات میں دورہ کر کے واپس پنجتار تشریف لائے۔ اس دورے میں شیوہ، چارگلئی، موضع مہر علی، پنجی، امان زئی، اسماعیلہ،

---

[1] عام طور سے "خار" کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔

[2] ارباب صاحب تہکال مضافات پشاور کے رہنے والے تھے۔ اس زمانے میں پنجتار کے قریب کے موضع مہر علی میں مقیم تھے۔ سرحد کے اہلِ تعلق و مخلصین میں ارباب بہرام خاں کو سب پر امتیاز و فوقیت حاصل تھی۔ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔

کالوخاں، تلاندئی، شیخ جانا مقامات پر جانا ہوا۔ ہر جگہ لوگوں نے بیعت کی۔ آپ نے وعظ و نصیحت فرمائی اور مواضعات کے خوانین و شرفاء نے اہلِ سرحد کے دستور کے مطابق دعوت و ضیافت کا شرف حاصل کیا۔ اس دورے میں پندرہ روز صرف ہوئے۔

پنجتار آپ کی واپسی پر اطراف و نواح کے خوانین آکر جمع ہوئے اور چند روز تک متواتر اُن سے مشورہ رہا۔ اس کے بعد دفعتہً آپ مع لشکر پنجتار سے روانہ ہوئے اور موضع شیرہ، پنجی، کاٹ لنگ، لوند خوڑ، شاہ کوٹ[1] میں قیام کرتے ہوئے اور جہاد کی دعوت دیتے ہوئے عنایت اللہ خاں[2] سواتی کے مشورے سے درگئی ٹھیرتے ہوئے (جو ضلع سمنہ کا آخری موضع ہے) علاقۂ سوات میں خہر تشریف لے گئے[3] اور وہیں لشکر کو طلب فرمالیا۔ امیر خاں مورانوی درگئی میں رہے اس لیے کہ لشکر کے اونٹوں کو چارے پانی کا وہاں زیادہ آرام تھا۔ یہاں خہر میں پورے ایک سال سید صاحبؒ اور لشکر مجاہدین کا قیام رہا۔ اس نواح کے خوانین آپ کی ملاقات کو آئے اور مرید ہوئے اور سب نے اطاعت و شرکتِ جہاد کا عہد کیا اور آپ نے اِس نواح کا بھی دورہ کر کے لوگوں کو مستفید فرمایا۔

مولانا عبدالحی صاحب کی وفات | مولانا عبدالحی صاحب مرضِ بواسیر میں مبتلا تھے۔ کوئی دوا مفید نہیں ہو رہی تھی۔ روز بروز بیماری بڑھتی جاتی تھی یہاں تک کہ نزع کی حالت ہوئی۔ کسی وقت آپ بے ہوش ہو جاتے تھے، کبھی وقت ہوش میں آتے تھے۔ یہ حال سُن کر سید صاحبؒ آپ کے پاس تشریف لائے۔ جب مولانا کو ہوش آیا، سید صاحبؒ کو دیکھا اور پہچانا۔ آپ نے پوچھا: "کیا حال ہے؟" فرمایا: "نہایت تکلیف ہے، آپ میرے واسطے دعا کریں اور میرے سینے پر اپنا قدم رکھ دیں کہ اُس کی برکت سے اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے مجھ کو نجات دے۔" آپ نے فرمایا: "مولانا صاحب،

---

[1] قدیم کتابوں میں شاہ کوٹ لکھا ہوا ہے، لیکن غالباً اس سے مُراد سنگاکوٹ ہے، جو آج کل مالاکنڈ ایجنسی میں درگئی سے اِس طرف پانچ میل ریلوے سٹیشن اور منڈی ہے۔ قدیم گاؤں ریلوے اسٹیشن سے کچھ فاصلے پر اب بھی موجود ہے۔

[2] یہ موضع اَلاڈنڈ کا رئیس تھا۔

[3]

آپ کے سینے میں قرآن و حدیث کا علم ہے۔ یہ اس لائق نہیں کہ میں اس پر اپنا قدم رکھوں۔ پھر آپ نے بسم اللہ کر کے اپنا ہاتھ رکھ دیا۔ مولانا کو قدرے تسکین ہوئی اور کئی بار أَللّٰهُ الرَّفِيْقُ الْأَعْلٰى ! أَللّٰهُ الرَّفِيْقُ الْأَعْلٰى ! اپنی زبان سے کہا اور انتقال فرمایا۔

اُس وقت مولانا کے فرزند مولوی عبدالقیوم، جو خُرد سال تھے، اور مولوی عبدالقیوم کے دو ماموں شیخ جلال الدین اور شیخ صلاح الدین وہاں موجود تھے اور پھلت والے تمام اعزہ و اقربا حاضر تھے اور مجاہدین کا بھی اِزدحام تھا۔ سب نہایت غمگین و رنجیدہ تھے، خصوصاً مولوی عبدالقیوم کا، جن کی عُمر بارہ تیرہ سال کی تھی، رنج و غم سے بُرا حال تھا۔ سید صاحبؒ بار بار اُن کو سینے سے لگاتے تھے اور تسلّی اور دلاسا دیتے تھے۔

مولانا کا انتقال پچھلی رات کو ہُوا۔ رات کو تجہیز و تدفین عمل میں نہ آسکی۔ صُبح کو قبر کی تیاری اور غُسل شروع ہُوا۔ مولانا محمد اسمٰعیل، مولوی محمد حسن، قاضی علاء الدین، میاں جی چشتی، میاں جی محی الدین نے غُسل دیا۔ سید صاحبؒ مجمع میں مولانا کے فضائل و مناقب بیان کرتے تھے، آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور فرماتے تھے کہ مولانا دین کے ایک رُکن اور بڑے برکت والے شخص تھے۔ اللہ نے اُن کو اُٹھا لیا۔ مالک کی مرضی۔ سید صاحبؒ نے نمازِ جنازہ پڑھائی۔ مقامی اصحاب کے علاوہ سات سَو غازی شریکِ نماز و دُعا تھے۔ پہر، ڈیڑھ پہر دن چڑھے دفن سے فارغ ہُوئے۔

مولانا عبدالحی صاحب ذی الحجہ ۱۲۴۲ھ کے پہلے عشرے میں ہندوستان سے پنجتار تشریف لائے تھے اور شعبان کی آٹھ تاریخ کو آٹھ مہینے زندہ رہ کر خہر میں انتقال فرمایا۔[1] سید صاحبؒ نے پھلت والوں کو، جو مولانا کے عزیز و اقربا تھے، بُلا کر تسلّی دی اور سب کو کھانا کھلایا اور اسی دن سے مولوی عبدالقیوم صاحب کا کھانا اپنے ساتھ مقرر کیا۔

مولوی احمد اللہ صاحب کی آمد | مولانا عبدالحی صاحب کے ایک دُوسرے بھائی تھے دوسری ماں سے، جن کا نام مولوی احمد اللہ صاحب تھا۔ وُہ ناگپور میں رہتے تھے اور بڑے عالم اور بڑے متقی

---

[1] وقائعِ احمدی میں آپ کی وفات رجب کے اخیر عشرے میں بیان کی گئی ہے، لیکن سید احمد علی صاحب کے ایک مکتوب (بنام وزیر الدولہ) میں ہے کہ آپ نے ۸ شعبان کو وفات پائی اور یہی صحیح ہے۔

تھے۔ دونوں بھائیوں میں کبھی ملاقات کی نوبت نہیں آئی تھی، صرف خط و کتابت تھی۔ دونوں کو ایک دوسرے سے ملنے کا بڑا اشتیاق تھا۔ وہ جہاد کے ارادے سے چند آدمیوں کو ساتھ لے کر وطن سے چلے اور مولانا عبدالحی صاحب کی وفات کے تیسرے یا چوتھے دن موضع درگئی میں داخل ہوئے اور لوگوں سے سُنا کہ مولانا کا انتقال ہو گیا۔ دُوسرے دن شہر میں آئے اور سیّد صاحبؒ سے ملے اور مصافحہ و معانقہ کیا، اپنا حال بیان کیا اور آپ کے ہاتھ پر بَیعت کی اور مولانا کے انتقال پر بڑا افسوس و غم کیا کہ مجھ کو بھائی صاحب سے مِلنے کا بڑا اِشتیاق تھا، مگر مرضیٔ الٰہی یوں ہی تھی: "اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ! آپ نے اُن کو سمجھایا اور تسلّی دی اور مولوی عبدالقیوم کو بُلا کر اُن سے بلایا اور فرمایا کہ یہ آپ کے بھائی صاحب کے بیٹے ہیں۔ اُنھوں نے بڑی محبت سے اُن کو اپنے سینے سے لگایا اور پیار کیا۔ مولوی عبدالقیوم صاحب اُن کو اپنے ڈیرے پر لے گئے اور وہیں اُن کو اور اُن کے لوگوں کو اُتارا۔ مولوی احمداللہ صاحب برابر سیّد صاحبؒ کی رفاقت میں رہے یہاں تک کہ بالاکوٹ میں شہید ہُوئے۔

سیّد صاحبؒ کا تیسرا نکاح شَیدُو کے واقعے میں یار محمّد خاں کی طرف سے آپ کو جو زہر دیا گیا تھا، اس کی گرمی کا اثر آپ کی طبیعت میں ظاہر ہونے لگا تھا۔ اُس کے دُور ہونے کے لیے لشکر کے تجربہ کار لوگوں کی رائے ہُوئی کہ آپ کہیں نکاح کر لیں۔[1] آپ نے فرمایا: "بات تو مناسب ہے، مگر والدۂ سیّد محمّد اسمٰعیل (زوجۂ ثانیہ) نے مجھ سے عہد لیا تھا کہ مَیں اُن کے اُوپر کوئی اور شادی نہیں کروں گا۔ اِس لیے مَیں اُن کی اجازت کے بغیر عقد نہیں کروں گا۔" لوگوں نے عرض کیا کہ اگر اتنی ہی بات ہے، تو کسی قاصد کو بسندھ بھیج کر اُن سے اجازت منگوا لی جائے۔ چنانچہ والدۂ صاحبہ سیّد محمّد اسمٰعیل کو اِس مضمون کا خط آپ کی طرف سے گیا کہ اِن دِنوں مجھ کو ایسا عارضہ لاحق ہے اور تجربہ کار شخصوں نے اس کے دفعیہ کے لیے نکاح تجویز کیا ہے، لیکن یہ بات آپ کی اجازت پر موقوف ہے، اس لیے کہ آپ نے

---

[1] آپ کی دونوں زوجۂ محترمہ سندھ میں تھیں، سرحد کے پُرخطر اور غیر محفوظ راستوں سے گزر کر مستورات کا پنجاب میں پہنچنا بہت مشکل اور تقریباً ناممکن تھا۔ اس لیے وہیں کہیں عقد کی تجویز ہُوئی۔

اپنے نکاح کے وقت یہ عہد لیا تھا کہ ہماری زندگی میں ہماری اجازت کے بغیر نکاح نہ کیجیے گا۔ اس لیے آپ سے پوچھنے کی ضرورت پیش آئی، آپ کے خلاف ہم نہیں کریں گے۔ کچھ عرصے کے بعد اس کا جواب آیا کہ آپ نے ہمارا عہد وفا کیا۔ ہمیں بخوشی منظور ہے۔ ہماری طرف سے اس کی پوری اجازت ہے۔ ایک تو آپ یہ کام بیماری کے عذر سے کرتے ہیں، دوسرے ابھی دو اور بیویاں کرنے کی اللہ تعالیٰ کی طرف سے رخصت ہے اور لونڈیوں کے رکھنے کی بھی شریعت کی طرف سے اجازت ہے۔ البتہ ہماری خواہش ہے کہ آپ ایسی جگہ یہ رشتہ کریں کہ ہمارے آپس میں کوئی قضیہ کھیڑا نہ ہو۔ ہمارا آپ سے ملنا تو اللہ تعالیٰ کے ارادے ہی پر موقوف ہے۔

آپ نے خط پڑھ کر اُن کی ہمت و قوتِ ایمانی کی بہت داد دی اور دعائیں دیں۔ پھر سب کی تجویز سے کاشکاری (چترالی) صاحبزادی سے آپ کا عقد ہوا۔ میاں جی چشتی نے خطبہ پڑھ کر ایجاب قبول کرایا۔ بی بی صاحبہ کو قرآن مجید پڑھانے کے لیے مولوی سعادت علی کو مقرر کیا اور مسائل و ضروریات دین کی تعلیم کے لیے مولانا عبدالحی صاحب کے شاگرد قاضی علاء الدین صاحب کو متعین فرمایا اور قاضی صاحب موصوف سے فرمایا کہ کوئی مختصر منظوم رسالہ سلیس اردو میں اُن کے لیے بنا دیجیے، اس لیے کہ نظم جلد یاد ہو جاتی ہے۔ اُنھوں نے نماز روزے کے مسائل پر رسالہ نظم کرنا شروع کیا، جو جو مسائل وہ نظم کرتے تھے، مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو سُنا دیا کرتے تھے۔ مولوی صاحب بالاکوٹ میں شہید ہوئے اور وُہ رسالہ ناتمام رہا۔

جنگی مشقیں | خہر کے قیام کے دوران میں ایک روز چند مجاہدین نے سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ اِن دنوں ہم لوگ یہاں معطّل بیٹھے ہیں۔ اگر اجازت ہو، تو قواعد بھرماری وغیرہ کی مشق کیا کریں اور لوگ رنجک بھی اُڑایا کریں تاکہ بندوق لگانے میں آنکھ نہ جھپکے۔ آپ نے پسند فرمایا۔ چنانچہ میر عبدالرحمٰن، حافظ امام الدین رامپوری اور ایک دوسرے رامپوری سیّد لوگوں سے توڑے دار بندوقوں کی قواعد لینے لگے اور حاجی عبداللہ رامپوری، میر امام علی عظیم آبادی، شیخ خواہش علی غازی پوری، شیخ بلند بخت، شیخ نصراللہ خورجوی اور اکبر خاں، چقماق اور قرابین کی قواعد کراتے تھے اور رات کو سیّد صاحبؒ سے

حال بیان کرتے تھے اور آپ کبھی کبھی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ رنجک دن اور رات کو بھی اپنے اپنے ڈیروں پر اُڑاتے تھے۔ یہ قواعد کم و بیش ڈھائی تین مہینے رہی۔ قواعد لینے والوں نے ایک روز آپ سے بہت تعریف کی اور کہا کہ اَلحمدُ للہ، اب ہمارے ساتھی بہت مشاق اور ہوشیار ہو گئے ہیں آپ نے فرمایا کہ اِنشاء اللہ کل صُبح کو ہم بھی دیکھنے آئیں گے۔

آپ کے آنے کی خبر سُن کر مجاہدین خاص طور پر آراستہ ہو کر آئے اور خوب چُستی اور چالاکی کے ساتھ قواعد کرنے میں مشغول ہوئے۔ کچھ دِن چڑھے جماعت کے پچاس، ساٹھ خاص آدمیوں کے ساتھ آپ وہاں تشریف لے گئے اور دیر تک قواعد کو ملاحظہ فرمایا اور کہا کہ بھائیو، اب دو دو، چار چار چوٹ بندوقیں بھر کر اسی پھُرتی کے ساتھ لگاؤ۔ لوگوں نے بندوقیں بھی چلائیں اور قرابینیں بھی لگائیں۔ آپ بہت خوش ہُوئے۔ پھر آپ نے جنابِ الٰہی میں سب کے واسطے دعا فرمائی اور فرمایا کہ بھائیو، قواعد پر اعتماد نہ کرنا۔ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے، قواعد پر موقوف نہیں ہے اگر تم صرف عنایتِ الٰہی پر اعتماد کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمھیں قواعد والوں پر فتحیاب کرے گا۔ اب کل سے قواعد موقوف کرو جس کا دل چاہے، تنہا تنہا بھاری کی مشق کر لیا کرے۔

سرحد کا ایک مخلص عالم | خہر میں ایک روز کانڑا، خُورَبند کے باشندے مولوی سیّد محمد حبّان صاحب، جو اِس نواح کے ایک بڑے ذکی الطبع اور خوش تقریر عالم تھے، آئے اور عرض کیا کہ میں اپنے گھر سے بہت آسُودہ حال ہُوں، اللہ تعالیٰ نے روپیہ پیسہ بہت دیا ہے۔ میں آپ کی خدمت بابرکت میں صرف خُدا کے لیے آیا ہوں۔ اگر آپ کی برکت کا اثر دل میں پاؤں گا۔ تو بیعت کروں گا۔ آپ نے فرمایا: آپ پہلے بیعت کر لیجیے، پھر انشاء اللہ برکت کا اثر بھی معلوم ہو جائے گا۔ اُنھوں نے بیعت کی اور آپ کے حُکم سے نظام الدین اولیاء نے، جو ایک ناخواندہ آدمی تھے، اُن کو توجّہ دی۔ مولوی سیّد محمد حبّان صاحب نے توجہ کے بعد کہا کہ میاں نظام الدین ایک عامی آدمی ہیں اور مجھ کو لوگ عالم جانتے ہیں؛ سو اُن کی توجہ دینے سے مجھ کو وُہ فائدہ ہُوا کہ تمام عُمر میں کبھی کسی سے نہ ہُوا تھا، جیسے کسی اندھے کی آنکھیں کُھل جاتی ہیں، اِس وقت اُیسا ہی میرا حال ہُوا۔ مَیں نے اپنے دل میں جانا کہ میں از سرِ نو آج

مُسلمان ہُوا ہوں، اگلی تمام عُمر میری یُوں ہی برباد ہُوئی۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب اللہ کے فضل سے آپ ہمیشہ کے مُسلمان ہیں، مگر اس کی حقیقت کا آپ کو آج احساس ہُوا۔

مولوی حبّان صاحب اس کے بعد برابر سیّد صاحبؒ کی خدمت میں رہے۔ آپ نے اُن کو قاضی القُضاۃ کا عُہدہ بھی دیا۔ مردان کی جنگ میں شہید ہُوئے۔

○

آٹھواں باب

اُتمان زئی کی جنگ

دُرّانیوں کے ستائے ہُوئے سردار ایک روز خہر میں موضع اُتمان زئی کے عالم خاں اور جلالہ کے رسُول خاں سیّد صاحبؒ کے پاس آئے اور اپنی جلاوطنی کا شکوہ کیا اور کہا کہ دُرّانیوں نے ہمارے گھر کا تمام مال و اسباب لُوٹ لیا اور ہمیں ہماری بستی سے نکال دیا۔ آپ ہمارا کچھ انتظام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ چند روز صبر کرو اور ٹھیرو۔ دیکھو، اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے۔ تمھاری طرح چند لوگ اور بھی اُن کے ستائے اور جلاوطن کیے ہُوئے یہاں موجود ہیں، جیسے ارباب بہرام خاں اور ان کے بھائی ارباب جمعہ خاں وغیرہ۔ اِس دشمنی اور ایذا رسانی کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ للّٰہ فی اللّٰہ ہماری رفاقت کرتے ہیں اور ہم سے راہ و رسم رکھتے ہیں، اُن سے دُرّانیوں کو قلبی عداوت ہے۔ وہ سکّھوں کے خیرخواہ اور معاون و مددگار ہیں یہاں تک کہ ہمارے جو قاصد یا غازی اِکّا دُکّا ہندوستان سے آتے ہیں، اُن کو بھی وُہ طرح طرح کی ایذا دیتے ہیں اور اُنھوں نے وہاں کے سیٹھ ساہوکاروں کو روک دیا ہے کہ اُن کی ہُنڈیاں بھُننے نہ پائیں۔ جب ہم لوگ پنجتار سے اس طرف کو آتے تھے، وہ ہمارے مقابلے کے لیے پانچ چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ شاہ کوٹ[1] پر آکر جمع ہُوئے تھے۔ ہم نے مُقابلہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ طرح دے کر چلے

---

[1] غالباً سخاکوٹ مراد ہے جیسا کہ گزر چکا۔

آئے۔ اب دیکھو، اللہ کیا کرتا ہے۔

عُلماء سے استفتاء یہ گفتگو سُن کر وُہ دونوں خان اس روز تو خاموش ہو گئے۔ کئی روز کے بعد ارباب بہرام خان اور ارباب جُمعہ خاں وغیرہ کو لے کر پھر آپ کے پاس آئے اور یہ خبر لائے کہ دُرّانیوں کا لشکر دریائے کابل (لُنڈے) اُتر کر اُتمان زئی میں آیا ہے۔ اب آپ اس کا ضرور انتظام کریں ایسا نہ ہو کہ وُہ اس طرف کا رُخ کریں۔ یہ سُن کر آپ نے دُوسرے یا تیسرے دِن الاڈنڈ کے عنایت اللہ خاں، خہر کے زید اللہ خاں، گھڑیالے کے محمُود خاں، چارگُلئی کے منصُور خاں، نیز مولوی حبّان، تُورو کے مولوی عبدالرحمٰن، خہر کے مُلّا کلیم کو بُلایا۔ ان کے علاوہ اور جو عُلماء نزدیک تھے، ان سب کو جمع کیا اور عالم خاں اور رسُول خاں وغیرہ کی جلاوطنی کا حال سُنایا اور شروع سے اس وقت تک دُرّانیوں نے آپ کے ساتھ جو شرارتیں اور بغاوتیں کی تھیں، سب بیان کیں اور سب عُلماء سے اس امر میں فتوٰی طلب کیا کہ ان سے جہاد کرنا کیسا ہے۔ یہ لوگ باغی ہیں یا نہیں؟[1]

عُلماء میں اس مسئلے میں مختلف تقریریں رہیں۔ آپ نے تُورو کے مولوی عبدالرحمٰن اور مولوی حبّان کو، جو اِسی مُلک کے تھے، اپنی طرف سے مقرر فرمایا کہ آپ ان سے گفتگو کر کے اس کا تصفیہ کیجیے۔ آخر کچھ قیل و قال کے بعد اس پر اتّفاق ہُوا کہ وُہ باغی ہیں، اُن سے لڑنا شرعاً دُرست ہے۔

ارباب بہرام خاں کی خیبر کی طرف روانگی جب تمام عُلماء نے متفق ہو کر اُن کی بغاوت کا فتوٰی دے دیا، تب آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ آخر یہ تجویز ہُوئی کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ارباب بہرام خاں اور ارباب جمعہ خاں خیبر کی طرف روانہ کیے

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ سیّد صاحبؒ محض دو آدمیوں کی مدد کے لیے (جن کو اپنے مخالفین کی عداوت و ایذا رسانی سے ترکِ وطن کرنا پڑا تھا) لشکرِ اسلام کو حرکت دینے اور معرکۂ جہاد گرم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کے سامنے یہ مقصد تھا کہ اُتمان زئی کی طرف کوچ کر کے پشاور کی طرف پیش قدمی کی جائے، جو مخالفت و ایذا رسانی اور صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللہِ کا مرکز بن گیا تھا۔ اِسی کے لیے آپ کو ان دُرّانیوں کی بابت عُلماء و خوانین کا نقطۂ نظر معلوم کرنے اور اُن سے جہاد کرنے پر اتفاقِ رائے حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی اور اِسی منصُوبے کے پیشِ نظر اِس کی ضرورت تھی کہ خیبر کی طرف کے قبائل کو متحد و متفق کیا جائے تاکہ سردارانِ پشاور کو نہ اُن سے کمک حاصل ہو سکے، نہ کابل کی طرف سے کوئی مدد آسکے۔

جائیں کہ وُہ وہاں سے اپنی قوم کو متفق کر کے پشاور پر لائیں اور ادھر سے آپ باقی لشکر لے کر اُتمان زئی کی طرف کُوچ فرمائیں اس لیے کہ ارباب بہرام خاں خیبر کی طرف اپنی قوم اور دُوسرے قبائل کو بلا لیں گے، تو اس طرف سے دُرّانیوں کو مدد نہیں مِل سکے گی۔

یہ تدبیر سب کو پسند آئی اور آپ نے ارباب بہرام خاں کو ساتھ بھیجنے کے لیے مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو جماعت کے ساتھ اور شیخ ولی محمد پھلتی کی جماعت کے چند لوگوں کے ساتھ شیخ علی محمد دیوبندی اور مولوی نصیر الدین منگلوری کو مقرر فرمایا اور پوری جماعت کا امیر سیّد احمد علی رائے بریلوی کو، جو آپ کے بھانجے تھے، بنایا اور اُن کو رُخصت کرتے وقت ننگے سر ہو کر دیر تک بڑے عجز و انکسار سے دُعا کی اور روانہ فرمایا۔

موضع ٹوٹئی میں | جب یہ لوگ خیریت کے ساتھ خیبر میں داخل ہُوئے اور ارباب بہرام خاں نے وہاں کے لوگوں کے متفق ہونے کی خبر بھیجی اور کہلایا کہ مہمند اور خلیل کے سرداروں اور خوانین کو بھی مَیں نے بُلایا ہے، تو آپ نے یہ معلوم کر کے کُوچ کی تیاری کی، معذورین کو بی بی صاحبہ کی حفاظت کے لیے خہر میں چھوڑا اور میاں جی غلام محمد سہارنپوری کو اِنتظام اور بندوبست کے لیے مقرر کیا، پھر اَلاڈنڈ کے عنایت اللہ خاں اور خہر کے زید اللہ خاں وغیرہ خوانین کو مع لشکر اُتمان زئی کے عالم خاں تنگی کے محمود خاں، جلالہ کے رسُول خاں کے ساتھ موضع ٹوٹئی کی طرف چلنے کی تیاری کی اور معمول کے مطابق دُعا کر کے روانہ ہُوئے۔ وہاں سے کوچ کر کے منزل بہ منزل موضع ٹوٹئی میں داخل ہُوئے۔ وہاں ایک مہینے کے قریب قیام فرمایا۔ مُلکِ سوات اور سَمہ کے جو خوانین اور سردار آپ سے موافقت رکھتے تھے، وُہ اپنی جمعیّت لے کر اور سوات کا سردار انبالی خاں بھی اپنے لوگوں کے ساتھ وہیں حاضر ہُوا۔

مشورہ ہُوا کہ اُتمان زئی پر چھاپہ مارا جائے۔ آپ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ ظہر کی نماز کے بعد مَیدان میں سب کمر باندھ کر ہتھیار لگا کر رُخصت کے لیے حاضر ہوں۔ جب سب مجاہدین مَیدان میں جمع ہو گئے، آپ تشریف لائے، نمازِ عصر پڑھائی اور بڑی گریہ وزاری کے ساتھ دُعا کی اور مصافحہ کر کے سب کو رُخصت کیا۔

مُجاہدین کی آزمائش مُجاہدین نے مغرب کے قبل نالے پر پہنچ کر وضو کیا اور مشکیزوں اور لوٹوں میں پانی بھر لیا اور مغرب وعشا پڑھ کر رہبر کی رہنمائی میں روانہ ہُوئے۔ راہبر گھاٹی سے نکال کر آگے لے چلا۔ وہاں کوسوں مَیدان ہی مَیدان نظر آتا تھا۔ رات اندھیری تھی۔ راہبر سے راستہ چھُوٹ گیا۔ تمام رات سراسیمہ وسرگردان سب کو لیے اسی بیابان میں پھرا کیا یہاں تک کہ سُورج نکلا اور دُھوپ تیز ہونے لگی۔ جو پانی لوگوں نے نالے سے ساتھ لیا تھا، ختم ہو گیا اور پیاس معلوم ہونے لگی۔ پانی کا وہاں کوسوں نام نہ تھا۔ لوگوں نے رہبر کو تنگ کرنا اور الزام دینا شروع کیا کہ تم نے ہم کو کہاں لاکر ڈالا۔ اس نے دیر تک سوچ کر ایک طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا کہ وُہ جو ایک ٹیلا سا نظر آتا ہے، وہاں پانی ہے۔ وہ ٹیلا وہاں سے ڈیڑھ یا دو کوس تھا۔ آخر سب لوگ اس کے ساتھ چلے۔ وہاں جاکر دیکھا، تو پانی کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ لوگ گھبرا کر اس سے کہنے لگے: "تو کہاں ہم کو حیران وپریشان کرتا پھرتا ہے؟" وہاں دو ڈھائی کوس پر ایک دُوسرا ٹیلا نظر آیا۔ اُس نے کہا: "بھائیو، گھبراؤ نہیں، میرے ساتھ آؤ، وہاں پانی ملے گا۔" آخر سب اُس ٹیلے کی طرف روانہ ہُوئے۔ لوگ دُھوپ کی تمازت اور پیاس کی شدّت سے بیتاب تھے۔ بہ ہزار دقّت گرتے پڑتے وہاں تک پہنچے، مگر وہاں بھی پانی کا پتہ نہ تھا۔ سوا پہر، ڈیڑھ پہر دن ہو چکا تھا۔ گرمی اور تشنگی سے ہر ایک کے بدن میں چنگاریاں سی لگ رہی تھیں، ہلاکت کا قوی اندیشہ تھا، ہر ایک شخص سمجھ رہا تھا کہ اسی مَیدان میں مَوت آنی ہے اور تڑپ تڑپ کر جان دینا ہے، مگر شکرِ الٰہی کے سوا کوئی شکایت کا کلمہ زبان پر نہ آیا۔ اگرچہ ہر ایک اضطراب اور پیاس سے نیم جان ہو رہا تھا، مگر دُوسرے کو تسلّی دیتا تھا کہ مت گھبراؤ، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا، خُدا کی راہ میں مسلمانوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں، یہ پیاس کی تکلیف تو کچھ بھی نہیں ہے۔

آخر اس راہبر نے کہا: بھائیو، اب کچھ اندیشہ مت کرو، اب راستہ یہاں سے قریب ہے ایک تیسرا ٹیلا وہاں سے کوئی سوا کوس تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے اُس نے بتایا کہ وہاں گوجروں کے جانوروں کی چراگاہ ہے، پانی بھی بہت ہے اور دُودھ دہی سب موجُود ہے۔ کسی طرح وہاں تک چلے

چلو۔ مجھ کو سُورج نکلتے ہی معلوم ہُوا تھا کہ راستہ اتنی دُور ہے۔ اگر مَیں پہلے سے پانچ چھ کوس بتا دیتا، تو تُم سب کے سب گھبرا کر بے حواس ہو جاتے، راستہ طے کرنا پہاڑ ہو جاتا۔ الغرض، سب کو اُمید ہوئی کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہاں ضرور پانی ہوگا، اِس لیے کہ وہاں سے اس ٹیلے کی طرف چار پانچ گوجروں کے جھونپڑے نظر آتے تھے۔ مگر پیاس سے سب کے سب جاں بلب تھے۔ رہبر نے کہا کہ مَیں آگے چل کر تمھارے واسطے پانی بھیجتا ہوں، تم بھی آہستہ آہستہ اسی طرف چلے آؤ۔ یہ کہہ کر وُہ آگے بڑھ گیا اور جو قوی دل اور باحواس تھے، وہ اُس کے ساتھ ہو لیے۔ ایک سقّہ بیل پر کھال لیے ہُوئے اور ایک سقّہ مشک لیے ہُوئے اُن کے ساتھ ہُوا۔ تقریباً پُونے دو سَو آدمی آگے گئے۔ باقی لوگوں کا یہ حال تھا کہ جا بجا مارے دُھوپ کے چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں میں سر ڈالے ہُوئے بے حواس پڑے تھے اور کچھ آہستہ چلے بھی جاتے تھے۔ اس عرصے میں آگے جانے والوں نے ایک کھال پانی بیل پر اور دو مشکیں گدھے پر لاد کر پچھلے لوگوں کے لیے بھیجیں۔ گوجر بھی مشکوں میں چھاچھ، دُودھ اور پانی لے کر دَوڑے۔ جو لوگ راستے میں تھے، وُہ ایسے پیاسے تھے کہ سب پانی اور چھاچھ وغیرہ پی گئے اور جو جھاڑیوں میں جا بجا پڑے تھے، اُن تک پانی نہ پہنچا، جنھوں نے پیا تھا، وہ چراگاہ پہنچے اور کھال، مشکیں اور مشکے وغیرہ پانی سے دوبارہ بھر کر لے دَوڑے۔ چراگاہ سے جھاڑیوں تک آدمیوں کی ایک قطار سی بندھ گئی۔ سب سَیراب ہُوئے اور وہاں سے چراگاہ میں آئے۔ چراگاہ پہنچتے پہنچتے دوپہر ہو گئی تھی۔

سیّد صاحبؒ کی آمد اور مُجاہدین کی تشفّی

اسی روز سیّد صاحبؒ ڈھائی تین سَو سواروں اور پیادوں کے ساتھ عصر و مغرب کے درمیان چراگاہ میں آئے۔ تمام لوگ اس دن کی تکلیف سے بیتاب و پژمردہ پڑے ہُوئے تھے۔ آپ کو دیکھ کر سب اپنی تکلیف بھُول گئے اور خوشی سے تر و تازہ ہو گئے۔ لوگوں نے آپ سے دن کا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے ہر ایک کو تسلّی دی اور فرمایا کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو طرح طرح کی تکلیفوں اور مُصیبتوں سے آزماتا ہے: بھُوک سے، پیاس سے، خَوف سے، نُقصانِ مال و جان سے۔ جو صبر کر کے اِن بلاؤں کو سہتا ہے اور دِین کے راستے پر ثابت قدم رہتا ہے، اُس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بڑے بڑے درجے اور

مرتبے عنایت فرماتا ہے۔ اسی طرح آپ فرماتے رہے اور کہتے کہتے دفعۃً دریائے محبتِ الٰہی نے جوش مارا اور آپ برہنہ سر ہو کر دُعا کرنے لگے۔ طرح طرح سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے اور گوہرِ اشک سے دامن بھرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف میں عجیب عجیب الفاظ آپ کی زبان سے نکلتے تھے۔ اُس وقت اِس دُعا کی تاثیر اور برکت سے ہر شخص کا عجیب حال تھا۔ دن بھر کی تکلیف خواب و خیال ہو گئی تھی، سب میں نئی زندگی اور تازگی پیدا ہو گئی تھی۔ لوگوں نے دُعا کے بعد عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو، تو نمازِ مغرب کے بعد ہم لوگ اُتمان زئی کو روانہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اتنی عجلت کی ضرورت نہیں، تسلی اور دل جمعی سے کام خوب ہوتا ہے۔ لوگ یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔

آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل، مولوی حبّان، رسُول خاں، عالم خاں، محمود خاں اور منصور خاں، زید اللہ خاں، عنایت اللہ خاں اور ببالی خاں وغیرہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ آج ہمارے مجاہدین کو راستے میں بڑی تکلیف ہوئی۔ اگرچہ اپنی ہمت و جرأت سے باتیں کرتے ہیں، مگر جان ہی جان باقی ہے۔ اب یہاں سے کُوچ کی کیا تدبیر ہے؟

آخر مشورے میں یہ قرار پایا کہ اُتمان زئی تو یہاں سے کڑی منزل ہے، راستے میں پانی بھی نہیں ہے، وہاں تک تو پہنچنا دُشوار ہے۔ یہاں سے ڈھائی یا تین کوس موضع جلالہ ہے۔ وہاں سے بھی موضع اُتمان زئی اسی قدر ہے۔ آج رات تو سب اسی چراگاہ میں رہیں تاکہ ماندگی بھی رفع ہو اور نبیذ کا خمار بھی دُور ہو، پھر کل یہاں سے چل کر جلالہ میں ڈیرہ ہو۔

کُوچ کی تیاری | آپ کو یہ صلاح پسند آئی۔ رات کو اِسی چراگاہ میں وُہ لشکر رہا، وہاں کے گوجروں نے دُودھ دہی کی خُوب مہمانی کی۔ نمازِ فجر کے بعد کُوچ ہُوا۔ دِن چڑھے موضع جلالہ میں داخل ہُوئے وہاں پانچ دن قیام رہا۔ دُرّانیوں کا حال معلوم کرنے کے لیے وہاں سے دو ملکی اُتمان زئی کو روانہ کیے گئے۔ رسُول خاں کے مشورے سے مٹی کی ایک ہزار بطکیاں بنوائی گئیں، جن میں دو ڈھائی سیر پانی سما سکتا تھا۔ دونوں جاسُوسوں نے آکر خبر دی کہ دُرّانیوں کا لشکر، پیادہ و سوار ملا کر، چار ہزار کے قریب ہے گا۔ ان کے ساتھ دو توپیں بھی ہیں۔

یہ خبر سُن کر آپ نے رسُول خاں اور عالم خاں کو بُلا کر فرمایا کہ چالیس پچاس گھڑے پانی آج کسی وقت جس راستے ہم جائیں گے، یہاں سے روانہ کر دو اور جب تک ہمارا لشکر وہاں داخل ہو تب تک مزدوروں کو وہیں اپنے ساتھ رکھنا۔ اس روز نمازِ عشا کے بعد، کوئی پہر رات گئے، پندرہ بیس بندوقچیوں کے ساتھ رسُول خاں اور عالم خاں پانی کے گھڑے مزدوروں کے سروں پر رکھ کر روانہ ہوئے۔ صبح کو آپ نے وُہ بطکیاں منگوائیں اور چاروں جماعت داروں کو بُلا کر آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ چالاک و چُست اور صحیح تندرست ہوں کہ دس بارہ کوس جانے اور پلٹ آنے کی طاقت رکھتے ہوں، ان کو ایک ایک بطکی دے کر کہ دو کہ ہر کوئی دو دو وقت کی روٹیاں پکا کر باندھ لے۔ آج عصر سے پہلے کُوچ ہے اور جو لوگ بیمار اور چلنے سے ناچار ہوں، اُن کو یہیں رہنے دینا اور ہماری طرف سے اُن کی تسلّی و تشفّی کر دینا کہ انشاء اللہ تعالیٰ پیچھے سے تم کو بھی بُلوا لیں گے یا ہم بھی آکر ملیں گے۔

لوگ سب سامان دُرست کر کے سو رہے کہ تمام رات چلنا ہوگا۔ جب ظُہر کی اذان ہُوئی، آپ نے اُٹھ کر وضُو کیا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا کہ پہر دن رہے سے سب بھائی کمر باندھ کر نالے پر، جو یہاں سے پاؤ کوس ہے، جمع ہوں، عصر کی نماز وہیں پڑھیں گے۔ لوگ تیار ہو کر گئے۔ سیّد صاحبؒ بھی دو سو پیادہ اور سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ مَیدان میں نمازِ عصر پڑھائی اور بہُت الحاح و زاری کے ساتھ دُعا فرمائی اور اُن جاسُوسوں کو، جو اُتمان زئی سے دُرّانیوں کی خبر لائے تھے، آگے کیا اور وہاں سے کُوچ فرمایا۔

قریب پہر رات گئے اس پانی پر، جو رکھایا تھا، جا پہنچے اور وہیں نمازِ عشا پڑھی۔ ہندوستانی اور مُلکی مِلا کر قریب ہزار آدمی کے ہوں گے۔ آپ نے ان دو جاسُوسوں سے کہا کہ ایک تم میں سے آگے جائے اور دُرّانیوں کے لشکر کی خبر لائے کہ اُن کے لشکر میں کس طرف لوگ ہوشیار ہیں اور کس طرف غافل، اور ایک ہمارے لشکر کے ساتھ رہے۔ پھر ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ میں تو لشکر کو لے کر اُتمان زئی سے آدھ کوس جانب شمال فلاں جگہ ٹھیروں گا اور تم خبر لے کر وہیں آنا۔ پھر ایک اُدھر گیا اور دُوسرا لشکر کے ساتھ رہا۔ جاتے جاتے اس جاسُوس نے پتے کی

جگہ پر پہنچایا۔ اس عرصے میں دُوسرا مُخبر بھی آیا اور کہا کہ موضع اُتمان زئی کو بائیں ہاتھ کی طرف چھوڑ کر میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اُس وقت کوئی پانچ چھ گھڑی رات رہی ہوگی۔

کامیاب شبخون | یہ سُن کر آپ نے اپنے لشکر کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک گروہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے سپُرد کیا اور فرمایا کہ آپ اس جاسوس کے ساتھ جاکر دُرّانیوں کے لشکر پر شبخون ماریں؛ اور ایک گروہ اپنے ہمراہ لے کر موضع اُتمان زئی کی طرف روانہ ہُوئے کہ اگر دُرّانی چھاپے سے بھاگیں گے تو بستی میں آکر گھُسیں گے، یہاں ہم اُن سے مقابلہ کریں گے۔ یہ آپ نے ہمراہیوں سے فرمایا کہ جو کوئی تم سے مقابلہ کرے، اس کو مارنا اور جو تم سے امن مانگے، اُس کو امن دینا، اُس کا پیچھا نہ کرنا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھیوں سے بھی یہ فرما دیا تھا۔

جب مولانا اپنی جماعت لے کر دُرّانیوں کے لشکر سے توپ کی زد پر گئے اور وہاں کھڑے ہُوئے، آپ نے سب لوگوں سے کہا کہ اب یہاں سے ہلّہ کریں گے؛ جب تک ہماری بندوق نہ چلے، کوئی دُوسرا نہ چلائے۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے۔ دُرّانیوں کا چور پہرا کھڑا تھا۔ اُس نے آواز دی: "کون ہے؟" اس طرف سے کوئی نہ بولا۔ دُوسری بار پھر اُس نے آواز دی۔ پھر اِدھر سے کوئی نہ بولا۔ تیسری آواز پھر اس نے دی۔ جب کوئی اِدھر سے نہ بولا، تب اُس نے بندوق ماری اور شور کر کے بھاگا کہ لشکر آپہنچا۔ اِدھر سے سب نے باآوازِ بلند تکبیر کہتے ہُوئے ہلّہ کیا۔ اُدھر سے گولنداز نے توپ سر کی۔ سب مُجاہدین بیٹھ گئے۔ پھر اُٹھ کر دَوڑے یہاں تک کہ اُن کے لشکر میں جا داخل ہُوئے۔ پھر اُدھر سے دُوسری توپ چلی۔ اِدھر سے مولانا نے بندوق سَر کی۔ اس کے ساتھ ہی مجاہدین کی ایک باڑھ چلی اور سب نے جاکر اُن کی دونوں توپیں لے لیں۔ اُن کا ایک گولنداز مارا گیا، باقی لشکر اور گولہ انداز بھاگ کھڑے ہُوئے یہاں تک کہ کسی نے بندوق بھی نہ چلائی۔ اِدھر فضلِ الٰہی سے نہ کوئی مارا گیا اور نہ زخمی ہُوا۔

مجاہدین کی مورچہ بندی اور دن بھر کی جنگ | اُدھر سے سیّد صاحبؒ بھی اپنا غول لے کر آپہنچے۔ آپس میں مُبارکباد ہُوئی اور سب نے اللہ تعالیٰ کا شُکر ادا کیا کہ سب طرح سے اللہ نے

خیبر کی۔ وہاں سے توپ کی زد پر ایک ٹیلا تھا۔ دُرّانیوں کا لشکر اُس کی آڑ پکڑ کر کھڑا ہُوا۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ دونوں توپیں جو بھری ہُوئی تیار ہیں، اس ٹیلے کے سامنے لگا دو۔ آدھے لوگ اُن کے مقابلے پر رہیں اور آدھے لوگ نمازِ فجر پڑھ لیں۔ اس کے بعد یہ مقابلے پر جائیں، وُہ نماز پڑھ لیں۔ چنانچہ اَیسا ہی ہُوا۔ اِس عرصے میں کچھ مجاہدین دائیں بائیں سے مورچہ بندی کے طَور پر پہلے قافلے کے بیچ میں گئے تھے۔ اُن کو دیکھ کر دُرّانیوں کے سوار دو دو، چار چار کر کے اس ٹیلے پر جمع ہُوئے۔ مُجاہدین نے سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ یہ سوار ٹیلے پر جمع ہیں، اَیسا نہ ہو کہ ہم پر حملہ کریں۔ سیّد صاحبؒ نے آگے بڑھ کر مُجاہدین کے چار مورچے چار جگہ قائم کیے۔ جانبین سے بندوقیں چلنے لگیں۔ پھر مجاہدین نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو، تو توپ چلائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تأمُّل کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ توپوں کے پاس آئے اور اُن کو کھچوا کر ایک ٹیلے پر لگا دِیا اور سواروں کے غول پر شست باندھی۔ مرزا حسن بیگ بانس بریلوی سے، جو توپ چلانے میں بڑے اُستاد تھے، فرمایا کہ دیکھو تو، شست ان توپوں کی اس غُول کی طرف کیسی ہے۔ مرزا صاحب نے دیکھ کر کہا کہ دُرست ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بتّی دو۔ اُنھوں نے ایک توپ کو سر کیا۔ وہ گولہ ان سواروں کے سر پر ہو کر نکل گیا! اس میں وُہ سوار پراگندہ ہو گئے۔ مرزا صاحب نے دُوسری توپ سر کی۔ اس گولے میں ان میں سے دو سوار اُڑ گئے اور باقی اُوپر سے اُتر کر اسی ٹیلے کی آڑ میں کھڑے ہو گئے اور پیادوں کی بندوقیں چلتی رہیں۔ جب مجاہدین ان کے کسی مورچے کا زیادہ زور دیکھتے، تو اس طرف ایک یا دو گولے مار دیتے۔ یا جب دس بیس سواروں کا مجمع ٹیلے پر ہوتا، تب ایک یا دو گولے مار دیتے۔

اِسی طرح صبح سے شام تک اُس روز لڑائی رہی، مگر مجاہدین میں سے نہ کوئی زخمی ہُوا اور نہ مقتول۔ ظہر اور عصر کی نماز فجر کی نماز کی طرح دو بار کر کے آدھے آدھے لوگوں نے پڑھی۔ جب مغرب کا وقت آیا، اُس وقت دُرّانیوں نے بہت زور دیا۔ شاید اُن کو کسی طرف سے کچھ کمک آگئی، اس لیے کہ ان میں دو شاہینیں اُن کی طرف سے چلنے لگیں، جو پہلے نہ تھیں۔ گولیوں کا مینہ سا مجاہدین پر برستا تھا، مگر سرد گولیاں آتی تھیں۔ مغرب کی نماز مجاہدین کو پڑھنی دُشوار ہو گئی۔ پھر اسی تقسیم و انتظام سے

نماز پڑھی۔ شاہینوں کی گولیاں ایسی تیز آتی تھیں کہ مجاہدین میں سے کوئی سر نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ اُس وقت لوگوں نے سیّد صاحبؒ سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو، تو ہم لوگ اُن پر حملہ کریں: سامنے سے تو مورچے والے ماریں، اور کچھ لوگ اُن کے بائیں جانب سے جا کر ماریں۔ پھر جس کو اللہ فتح دے، وہ لے۔ آپ کو یہ مشورہ پسند آیا اور فرمایا کہ آفرین ہے تم کو! اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ جرأت و بہادری نصیب کرے، مگر ابھی توقف کرو۔ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و حکمت سے کیا راستہ نکالتا ہے؛ لیکن آگے بڑھ کر اُن کے بائیں جانب مورچہ لگا کر بندوقیں مارو اور ہماری اجازت کے بغیر حملہ نہ کرنا۔ ہم سیّد ابو محمدؒ صاحب کو بھیجیں گے۔ جیسا وہ کہیں، ویسا عمل میں لانا۔

آپ کے فرمان کے موافق لوگوں نے آگے بڑھ کر وہیں دُرّانیوں کے بائیں جانب مورچہ لگایا اور سو سوا سو مجاہدین کے ساتھ سیّد صاحبؒ توپوں کے پاس تشریف لائے اور مرزا حسن بیگ سے فرمایا کہ دُرّانیوں کی شاہینوں نے ہمارے غازیوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے۔ کسی طرح اُن کو بند کرو۔ اُنھوں نے عرض کی کہ بہت خوب، دیکھیے، انشاء اللہ تعالیٰ بند کرتا ہوں۔ سیّد صاحبؒ تو وہاں سے ایک درخت کے نیچے تشریف لے گئے اور مرزا صاحب نے اُن کی شاہینوں کی طرف شست باندھی۔ جیسے ہی ایک شاہین کی زنجک اُڑی ویسے ہی مرزا صاحب نے ایک توپ کو بتی دی۔ مگر وُہ گولا خالی گیا۔ اِس دوران میں اُنھوں نے توپ کے جواب میں دُوسری سر کی۔ مرزا صاحب نے فوراً اُس کی زنجک پر ایک توپ کی شست باندھی۔ اس عرصے میں دوسری شاہین بھی چلی۔ مرزا صاحب نے اس کی زنجک پر دوسری توپ کی شست باندھی اور دونوں توپوں کو آگے پیچھے بتی دی۔ واللہ اعلم اس طرف کیا حال گزرا کہ پھر ان شاہینوں میں سے ایک بھی نہ چلی، مگر بندوقیں بدستور دونوں طرف چلتی رہیں۔ کچھ کچھ دیر کے بعد مرزا صاحب دو ایک توپ بھی اپنے موقع پر چلاتے رہے۔

عالم خاں کی کمزوری اور معذرت اس عرصے میں اُتمان زئی کا عالم خاں، جس نے دُرّانیوں پر حملے کی تحریک اور دعوت دی تھی، سیّد صاحبؒ کے پاس آیا اور رونے لگا اور اپنے سر کی پگڑی اُتار کر آپ کے قدموں پر ڈال دی اور کہنے لگا کہ میرا بیٹا مجھ سے منحرف ہو کر اور میرے طرفداروں کو

اپنے ساتھ لے کر دُرّانیوں سے جا ملا۔ اب کوئی بات میرے قابو کی نہیں رہی، اس لیے کہ جن سے مجھ کو زور اور طاقت حاصل تھی، وہ سب اُس کے ساتھ چلے گئے۔ اب آپ جیسا مناسب جانیں ویسا کریں۔

یہ خبر سیّد صاحبؒ کو اُسی روز عصر سے پہلے پہنچ چکی تھی کہ عالم خاں کی نیّت میں کچھ فتور آ گیا ہے، مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ فی الحقیقت اُس کا بیٹا اُس سے منحرف ہو کر دُرّانیوں سے جا ملا، یا اس میں اسی کی سازش ہے۔ سیّد صاحبؒ نے عالم خاں سے کہا کہ خان بھائی، تم اپنے گھر جا کر تسلّی سے بیٹھو، ہم کو تمھارے بیٹے اور کسی دوسرے کی پروا نہیں کہ کوئی ہماری مدد کرے۔ ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

خیبریوں کا اختلاف اور دُرّانیوں سے اتّحاد

عالم خاں اپنے مکان کو چلا گیا۔ اس عرصے میں مولوی نصیر الدین منگلوری ایک آدمی کے ساتھ عشا کے قریب آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ارباب بہرام خاں وغیرہ کی کوششوں سے خیبریوں میں جو اتّحاد ہوا تھا، وہ ٹوٹ گیا، وہ سب کے سب پھوٹ کر دُرّانیوں کی طرف ہو گئے۔ یہ خبر سُن کر آپ نے فرمایا کہ کیا اندیشہ ہے ہمارا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ ہم نے تو انھیں لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کے سبب وہاں خیبر کو بھی لوگ روانہ کیے تھے اور یہاں بھی اپنے لشکر کو لے کر آئے تھے، مگر یہ لوگ کوئی بھی اپنے عہد و پیمان کے پورے نہیں ہیں۔ اب یہ جانیں، ہم سے کچھ کام نہیں۔

مراجعت کی تجویز

آپ نے نمازِ عشا کے بعد سب جماعت داروں اور بہیلہ داروں کو اپنے پاس بُلا کر مشورہ کیا کہ عالم خاں کی تقریر آپ سب سُن چکے۔ خیبریوں کا حال بھی مولوی نصیر الدّین صاحب کی زبانی معلوم ہو گیا کہ ارباب بہرام خاں نے جن لوگوں کو متّفق کیا تھا، اُن میں اختلاف پڑ گیا، سب کے سب پھوٹ کر دُرّانیوں کی طرف ہو گئے۔ اس لیے اب یہاں سے چلنے کی تدبیر کرنی چاہیے، مگر اس طرح کہ ہر مورچے میں دو یا تین آدمی تو رہنے دینے چاہئیں کہ وہ بندوق چلاتے رہیں، باقی سب کو بستی اُتمان زئی سے کوئی پاؤ کوس پر جو درخت ہے، وہاں جمع کیجیے۔ اُن سے یہ کہیے کہ یہ صلاح ٹھیری ہے کہ دُرّانیوں کی پُشت پر چل کر شبخون مارا جائے۔

پھر آپ نے بستی سے عالم خاں کو بھی وہیں بُلوایا اور فرمایا کہ ہم نے سُنا ہے کہ سردار سید محمد خاں کا بھائی دو آبے سے ان دُرّانیوں کی مدد کو لشکر لا رہا ہے، اس لیے تم تسلّی سے اپنے مکان میں جا کر بیٹھو۔ ہم اس وقت جا کر اُن پر شبخون ماریں گے۔ یہ سُن کر عالم خاں بہت گھبرایا، وہاں سے جلد اپنے مکان پر آیا اور اپنا ایک آدمی دُرّانیوں کی طرف روانہ کیا کہ ہوشیار ہو جاؤ، سید بادشاہ کا چھاپہ تمہارے کمک والوں کے لشکر پر آتا ہے اور عجب نہیں کہ تم پر بھی آ پڑے۔ سید صاحبؒ بھی اسی وقت سَو سوا سَو مجاہدین کے ساتھ اس درخت کی طرف تشریف لے گئے اور جماعت دار، بیلے دار سب مورچوں کو روانہ ہُوئے اور آپ کے ارشاد کے موافق ہر مورچے میں دو یا تین غازی رہنے دیے اور باقی سب کو وہاں سے لا کر اسی درخت کے پاس سید صاحبؒ کی خدمت میں جمع کیا۔ آپ نے سب کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ جلالہ کی طرف رخصت کیا اور کوئی پچاس آدمی اپنے پاس رکھ لیے۔ پھر سید ابو محمد صاحب کو مورچوں میں بھیجا کہ جو لوگ وہاں ہیں اُن کو بھی اپنے ساتھ لے آؤ۔ ابو محمد صاحب سب کو آپ کے پاس لے آئے۔ اُن کو آپ اپنے ساتھ لے کر روانہ ہُوئے۔ صرف ایک ہندو راجہ رام سلون ضلع رائے بریلی کے پاس کا رہنے والا اور مولوی احمد اللہ صاحب کا ساتھی توپوں پر رہ گیا۔ اُس کو آپ کے کُوچ کی خبر نہ ہُوئی۔ وہ خود ہی دونوں توپوں کو بھرتا تھا اور آپ ہی چلاتا تھا۔ مجاہدین راستے میں اُس کی توپوں کی آواز سُنتے چلے جاتے تھے۔ بستی والے بھی اس سے مزاحم نہیں ہوتے تھے۔ وہ سمجھتے تھے کہ سید بادشاہ کے ساتھی دُرّانیوں پر چھاپہ مارنے گئے ہیں۔ وہاں سے وہ لوگ پھر یہاں آئیں گے۔

جونہیں مجاہدین کے مورچوں سے بندوقیں چلنی موقوف ہُوئیں، مقابل کا لشکر بھاگا، کیونکہ عالم خاں سے شبخون کی خبر اُن کو مل چکی تھی۔

جلالہ سے دُوسرے دن ظُہر کے وقت جب مجاہدین نماز سے فارغ ہُوئے، یکبارگی غُل ہُوا کہ نالے کی طرف کچھ سوار اور پیادے نظر آتے ہیں۔ سب کو احتمال ہُوا کہ دُرّانی آ پہنچے۔ سید صاحبؒ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جلد کمر باندھ کر ہتھیار لگا کر تیار ہو جاؤ۔ اور رسُول خاں جلالہ والے سے کہا کہ چند

آدمی اپنے ساتھ لے کر جاؤ اور خبر لاؤ کہ کون لوگ آتے ہیں۔ کچھ دیر میں لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اپنے ہی لشکر کے آدمی ہیں، جو پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ ۲۵، ۳۰۰ آدمی تھے، جن میں شیخ امجد علی غازی پوری سوار، اور راجہ رام راجپوت پیادوں میں تھا۔ آپ نے راجہ رام کو شاباش دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت نصیب کرے! تم نے خوب ہی بہادری کا کام کیا۔ شیخ امجد علی کو دیکھ کر تبسم کیا اور فرمایا ہمارے شیخ بھائی گویا زندہ شہید ہیں جس نے شہید نہ دیکھا ہو، وہ ان کو دیکھے کہ ایسی خطرناک جگہ سے زندہ سلامت بچ آئے۔

اسی روز کئی ملکیوں کی زبانی جو اُتمان زئی سے آئے تھے معلوم ہوا کہ سید صاحبؒ تر لشکر کے ساتھ رات کو کوچ کر کے جلالہ کی طرف روانہ ہوئے، مگر درانی خوف کے مارے پہر دن چڑھے تک توپوں کے پاس نہ آئے کہ ایسا نہ ہو بستی میں غازیوں کا لشکر چھپا ہو جب اُن کو اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں، تب وہ آکر توپیں لے گئے۔

خہر کو واپسی جلالہ سے آپ مع لشکر خہر واپس آئے۔ وہیں سید احمد علی، مولوی مظہر علی عظیم آبادی، حسن خاں، شیخ علی محمد دیوبندی، ارباب جمعہ خاں وغیرہ بھی خیبر سے واپس آگئے اور وہاں کے لوگوں کی بدعہدی کا حال بیان کیا۔

دس پندرہ دن کے بعد آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد سے فرمایا کہ ٹوٹی میں جو روپے ہم اُتمان زئی کے کوچ سے پہلے دفن کر آئے تھے، لے آئے جائیں۔ چنانچہ وہ واپس لائے گئے۔

بخارا کی طرف سفارت جہاد لشکر کے چند اہل الرائے اور اہل علم حضرات نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر مناسب سمجھیں، تو ایک جماعت، دعوتِ جہاد کے لیے بخارا روانہ فرمائیں۔ آپ کو یہ مشورہ پسند آیا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے میاں جی چشتی صاحب کو اس مہم کے لیے تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بالکل تو اُرد ہوا۔ چنانچہ میاں جی چشتی کو نو آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا اور ایک قرآن مجید کا نہایت خوشخط و مطلا نسخہ، جو آپ کو نواب امیر خاں نے ہدیہ کیا تھا، شاہِ بخارا کے لیے دیا اور دعوت و جہاد کا ایک عام اعلام نامہ بھی سپرد کیا۔

تنخواہ دار سپاہی اور اُن کی برطرفی

ایک مرتبہ خہر میں لشکر کے چند لوگوں نے سیّد احمد علی صاحب کے توسّط سے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی سیّد محبوب علی صاحب کے چلے جانے اور اُن کے ساتھ کچھ اور لوگوں کے واپس ہو جانے، نیز اُن کے اثر سے ہندوستان کے قافلوں کی آمد بند ہو جانے کی وجہ سے آدمیوں کی کچھ کمی ہو گئی ہے۔ اگر اس وقت دو ڈھائی سَو پردیسی آدمی چار چار روپے کی شرح پر ملازم رکھ لیے جائیں، تو بہتر ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام آپ بناتا ہے، وہ کسی کا مُحتاج نہیں ہے۔ چاہے تو قلیل جماعت کو کثیر جماعت پر غالب کر دے؛ اور چاہے، اس کے برعکس کرے۔ اُس کو سب قُدرت ہے۔ وُہ اپنا کام بغیر کسی کی اعانت و شرکت کے بناتا ہے، مگر خیر، اگر آپ کی رائے میں یہی ہے، تو دو سَو آدمی نوکر رکھ لیں۔

دونوں صاحبوں نے لوگوں سے کہا کہ حضرت کی مرضی تو نہ تھی، مگر تم لوگوں کی خاطر سے آپ نے دو سَو آدمیوں کی اجازت دی ہے۔ ان سب نے اخوند ظہُور اللہ کو تجویز کیا۔ آپ نے اُن کو رخصت دی۔ وہ اپنے وطن کو گئے اور کوئی ڈیڑھ یا پونے دو مہینے کے بعد اُن کی عرضی آئی کہ میں نے آپ کی اجازت کے موافق دو سَو پنجابی مسلمان چار چار روپے کی شرح کے نوکر رکھے ہیں۔ وُہ اُن کو کاٹ لنگ میں لے کر آئے۔

کچھ عرصے کے بعد اُن کی تنخواہیں چڑھ گئیں اور اُنھوں نے اخوند ظہُور اللہ کو پریشان کرنا شروع کیا۔ اسی عرصے میں ہندوستان سے کچھ رقمیں آئیں۔ لشکر کے بعض مُخلص خیر خواہوں اور مُخلصین نے آپ سے عرض کیا کہ یہ جو اتنے لوگ آپ نے نوکر رکھے ہیں، یہ کس مُلک کی آمدنی پر رکھے ہیں۔ ڈھائی ہزار روپے اُن کی تنخواہ کے چڑھ گئے ہیں اور ابھی تک ایک پیسے کا کام اُن سے نہیں نکلا۔ مُناسب یہ ہے کہ اُن کا چڑھا ہُوا اُن کو دے کر جلد اُن کو برطرف کر دیا جائے۔ آپ بارہا ارشاد فرما چکے ہیں کہ میرا جو کام کسی صاحب کے نزدیک نامناسب ہو، وُہ بے تکلّف مجھے اطّلاع کرے۔ میں یا تو جواب دے کر اُس کو تسلّی کر دُوں گا یا میں اُس کام کو چھوڑ دُوں گا۔ اس امر میں جو کوئی جان بُوجھ کر سکوت کرے گا،

مَیں قیامت کے دِن اُس کا دامنگیر ہُوں گا۔ اس لیے ہم لوگ اس سلسلے میں اپنی رائے بے تکلّف عرض کر رہے ہَیں۔

آپ نے فرمایا کہ تم نے بہت خُوب کیا۔ ہمارے چند غازیوں نے آکر مجھ سے کہا کہ ان دنوں مولوی محبُوب علی صاحب کے جانے سے بہت سے آدمی ہندوستان چلے گئے، اگر کچھ لوگ رکھ لیجیے، تو لشکر میں آدمیوں کا اضافہ ہو جائے گا۔ ان کے کہنے سے میں نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تم نے بہتر صلاح دی ہے۔ اب تم جا کر اس کا مشورہ کرو اور جو کچھ مشورے میں قرار پائے، اُس کی اطلاع کرو۔

مولانا اسمٰعیل اور دوسرے اہل الرائے حضرات کے مشورے سے یہ طے پایا کہ اُن کا حساب صاف کر دیا جائے۔ آپ کو اس مشورے کی اطلاع ہُوئی اور آپ نے اس کی منظوری دی۔ چنانچہ اُن کا حساب بیباق کر دیا گیا۔

ترغیب و فضائل کی قوّت جب حساب ہو چکا، آپ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ان سب صاحبوں کو ہمارے پاس لاؤ۔ جب وُہ سب آئے، تو آپ نے پوچھا کہ تم سب اپنا جو کچھ حق تھا، پا چکے؟ سب نے عرض کی کہ پا چکے۔ پھر آپ نے اُن کے سامنے جہاد فی سبیل اللہ کے فضائل بیان کیے اور مُجاہدینِ مُخلصین اور شُہداء کے مراتب کا ذِکر کیا اور فرمایا کہ جو کوئی نوکر ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہے اور کُفّار کے ہاتھوں مارا جاتا ہے، کم درجے کا وُہ بھی شہید ہوتا ہے، بہ نسبت اور مَوتوں کے اُس کی موت بہتر ہوتی ہے۔ مگر جو لوگ خالصًا لوجہ اللہ جہاد کرتے ہَیں اور کُفّار کے مقابلے میں مارے جاتے ہَیں، اُن کے درجۂ شہادت کو کوئی نہیں پہنچتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ غازی جو خُدا کے واسطے ہمارے ساتھ ہیں، یہ سب اپنے گھر کے کھاتے پیتے خوش حال تھے، کوئی تو اُن میں بیش قرار نوکری چھوڑ کر آیا ہے، کوئی اپنی جاگیر زراعت اور کوئی پیشہ اور تجارت چھوڑ کر آیا ہے اور یہاں یہ سب ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے لیے رہتے ہَیں، فقر و فاقہ سہتے ہَیں، خُوش و خُرّم راضی برضا صابر بقضا ہَیں۔ اگر اسی طرح تم صاحب بھی رہو، جو کچھ ہمارے یہ بھائی کھائیں پہنیں، وُہ تم کھاؤ پہنو، اس امر میں ہم حاضر ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو کسی اور طَور کی فراغت دے گا، تب

ہم تم کو اس کے سوا اور بھی دیں گے اور وہ تم کو تمھاری نوکری سے زیادہ پڑے گا، مگر اس کا ہم ابھی سے اقرار نہیں کرتے ہیں کہ کل کو کوئی ہم سے مطالبہ کرے۔

یہ سن کر پنجاب کے ایک احمد بیگ[1] مرزا بولے کہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے حاضر ہوں، آپ کے ساتھ رہوں گا۔ یہ بات سُن کر اُن میں کے تیس چالیس آدمی اور بھی بولے کہ ہم بھی خدا کے واسطے آپ کا ساتھ دینے کے لیے حاضر ہیں۔ پھر جب آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا، وہ سب دو سو آدمی آپ کے ہمرکاب پنجتار تک آئے، پھر وہ تیس چالیس آدمی تو رہے اور باقی رفتہ رفتہ چند روز میں اپنے اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔

○

[1] مرزا احمد بیگ پنجابی بڑے مخلص مجاہد اور وفادار رفیق ثابت ہوئے اور بالاکوٹ کے معرکے تک شریک رہے۔

نواں باب

بَیعتِ امامتؒ کی تجدید اور نظامِ شرعی کا قیام
اور
اُس کے اثراتؒ

احکامِ شریعت کا نفاذ و اجرا [1] سوات میں یہ خیال اَور پُختہ ہُوا کہ باقاعدہ شرعی جہاد جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے اور اُس کی طرف سے فتح و نُصرت کا وعدہ ہے، اُس کے بغیر ممکن نہیں کہ ان اطراف کے مسلمانوں کو احکامِ شرع کے قبول کرنے اور رسُومِ افغانی کے ترک کرنے اور امام کی اطاعت کی ایسی دعوت دی جائے کہ بدعات و مُنکرات اور امام کی مخالفت و سرتابی کا سدِّ باب ہو جائے اور اللہ و رسُولؐ اور اُولِی الْاَمْر کی اطاعت پُورے طور پر ہونے لگے۔ اسی صُورت میں جہاد کا پورا نظام قائم ہو سکے گا۔

اس بنا پر خہر میں وضاحت اور قُوّت کے ساتھ اس کی دعوت دی گئی اور سادات، عُلماء و خوانین و عوام میں سے ہزاروں آدمیوں نے فرداً فرداً بیعت کی اور احکامِ شرعیہ کے اِجراء کا اقرار کیا، لیکن چونکہ ہر ہر شخص نے انفرادی طَور پر اقرار کیا تھا اور مسلمانوں کی کسی جماعت نے اجتماعی طور پر اس کا عہد نہیں کیا تھا، اِس لیے بہت بعید معلوم ہوتا تھا کہ ان متفرق اشخاص سے اس عظیم الشان مقصد

---

[1] اس باب کا سارا مضمون ایک قلمی تحریر سے ماخوذ ہے جو قلمی مکتوبات کے مجموعے میں شامل ہے۔ اُس کا عُنوان یہ ہے:
"ذکر سرگزشت حضرتِ امامِ ہُمام دریں ایّام بر ایں نمط است" ص۹۵

کی تکمیل ہو سکے گی۔ اس لیے آپ یہاں سے کسی دوسرے مناسب مقام کو منتقل ہونے کا قصد رکھتے تھے

سردار فتح خاں اور اشرف خاں کی دعوت

اسی اثنار میں سردار فتح خاں اور سردار اشرف خاں کی طرف سے اس مضمون کا عریضہ پہنچا کہ اگر جناب والا غریب خانے پر رونق افروز ہوں تو ہم ضرور احکامِ شریعت کی بے کم و کاست تعمیل کی ذمے داری قبول کرنے کے لیے تیار ہیں اور اپنی رعیت پر بھی اُن کو جاری کریں گے۔ اس معاملے میں جان و دل سے کوشش کریں گے۔

ڈاگئی میں علما کا ایک اجتماع اور بیعتِ امامت

چونکہ اُن کے اس مضمون کے عریضے متواتر و مسلسل پہنچے، اس لیے سید صاحبؒ نے خہر سے کوچ فرمایا اور پنجتار کا رُخ کیا۔[1] راستے میں ضلع سمہ صدہ میں جو مَندن قوم کے علمار و اعیان کے دو مرکزوں میں سے ایک مرکز ہے اور موضع ڈاگئی میں جو اس علاقے کا صدر مقام ہے، ڈیرہ کیا۔ آپ کی ملاقات کے لیے علمار میں سے ایک بڑی جماعت، جو دو سو افراد سے کم نہ ہوگی، آئی۔ ان سب علمار کا اس موضع میں قیام ہوا اور آپ نے امام کے تعیّن و وجوب اور اُس کی اطاعت کا مسئلہ اُن کے سامنے پیش کیا۔ کچھ قیل و قال اور سوال و جواب کے بعد اس مسئلے کی تنقیح ہوئی۔ مولانا نیاز محمد، جو سرگروہ علمار تھے، اور دوسرے علمار نے صاف صاف اعتراف کیا کہ ہم نے امام کے تقرر کے بارے میں واقعی بڑے تساہل سے کام لیا اور ہم خطاوار ہیں۔ انھوں نے اس موقع پر قوم کے سربرآوردہ اشخاص اور سرداروں کو بھی نصیحت آمیز ملامت کی کہ اُنھوں نے مسائل میں عموماً اور جہاد اور امام کے تقرر کے بارے میں خصوصاً مجرمانہ غفلت اور سہل انگاری سے کام لیا ہے۔ اکثر اہلِ مجلس اُن کی اس مؤثر اور پُرخلوص گفتگو سے متأثر ہوئے اور مولانا نے اور تمام حاضرینِ مجلس نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی۔

پنجتار میں آمد اور فتح خاں سے گفتگو

اس کے بعد آپ موضع پنجتار میں تشریف لائے اور بار بار جلوت و خلوت میں مختلف طریقوں سے آپ نے فتح خاں کو سمجھایا کہ صلح و جنگ میں ہماری

---

[1] سید صاحبؒ خہر میں جمادی الآخرہ ۱۲۴۳ھ سے جمادی الآخرہ ۱۲۴۴ھ تک کچھ کم یا زیادہ ایک سال رہے۔ رمضان بھی وہیں ہوا اور عیدین اور محرم بھی وہیں ہوا۔ (وقائعِ احمدی)

تمہاری شرکت اور تمہارے وطن کی سکونت کی شرط یہی ہے کہ ریاست و سیاست کی تمام رسُوم اور باقی تمام خلافِ شرع رسم و آئین، جو محض حُصُولِ مال و جاہ کی غرض سے چلی آرہی ہیں، یک قلم ترک ہو جائیں اور تم اپنے کو معمولی آدمی کی طرح ہمارے نظام کے تابع کر دو، احکامِ شرع کے اجرا میں اپنے احباب و اعزّا کی پاسداری کا خیال بالکل چھوڑ دو اور مال و دولت کے حصُول کے تمام خلافِ شرع راستوں اور ذرائع سے دست بردار ہو جاؤ اور معاش اور گزران کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کفالت پر توکل کرو۔

چند دن گزرے تھے کہ علاقۂ اُتمان نامہ کا سفیر پیش آگیا، جو قوم مَنڈن کے سربرآوردہ لوگوں کا دوسرا مرکز ہے۔ جب آپ موضع باجا میں، جو اُتمان نامہ کا صدر مقام ہے، پہنچے، اس نواح کے عُلماء آپ کی ملاقات کے لیے جمع ہوئے اور وہی واقعہ پیش آیا، جو ضلع سمہ صدہ کے موضع ڈاگئی میں پیش آیا تھا۔ وہاں سے پنجتار کو واپسی پر آپ نے فتح خاں کے سامنے پھر وہی مضمون پیش کیا۔ آخرکار خانِ ممدوح نے اقرار کیا کہ کچھ دنوں کے بعد آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کروں گا۔

عُلماء اور رُؤسا کا اجتماعِ عظیم | انھیں دنوں میں آپ نے کسی تقریب سے سمہ صدہ اور اُتمان نامہ کے عُلماء کو پنجتار میں مدعو کیا۔ چنانچہ اساتذہ و عُلماء میں سے ایک بڑی جماعت، جو دو ہزار آدمیوں سے کم نہ ہوگی اور ایک جمِ غفیر اُن کے تلامذہ کا، کہ وُہ بھی دو ہزار ہوں گے، پنجتار میں جمع ہُوا۔ آپ نے اُنھیں دنوں میں اشرف خاں اور خادی خاں کو بھی آنے کی دعوت دی اور عُلماء و خوانین کے لیے بہت بڑی ضیافت کا اہتمام فرمایا۔ جمعے کے دن یکم شعبان ۱۲۴۴ھ کو عُلماء و رؤسا کے اس مجمع میں فتح خاں کو پھر وُہی مضمون سمجھایا اور فرمایا کہ اگر ہمارے اس مُطالبے کو قبول کرتے ہو، تو اِسی مجمع میں قبول کرو، ورنہ ہمارے اتحاد سے دست بردار ہو جاؤ۔

فتح خاں کا اِقرار | فتح خاں نے بڑے غور و فکر کے بعد کہا کہ اگرچہ اس کا اقرار و معاہدہ بڑا دُشوار کام ہے کہ جاہ و دولت سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا، معاش کے دروازے بھی بند کرنے ہوں گے اور مُروّجہ رُسُوم کو، جو سیکڑوں برس سے جاری ہیں، ترک کر کے پٹھانوں سے لڑائی مول لینی پڑے گی، لیکن محض لِلّٰہ فی اللہ، اللہ کی رِضا کے لیے اور اللہ کی کفالت پر بھروسہ کرتے ہوئے میں نے اس

ذمہ داری کو جان و دل سے قبول کیا اور تمام احکامِ عبادات و معاملات میں خدا و رسولؐ اور صاحبِ امرؑ کا اتباع اختیار کیا، بدیر نفع کو فوری ضرر پر، آخرت کی صلاح کو معاش کی بربادی پر ترجیح دی، انشاء اللہ تعالےٰ نمازِ جمعہ کے بعد مجمعِ عام میں بیعتِ امام کی تجدید کروں گا اور اس مضمون کا تحریری عہدنامہ بھی پیش کروں گا اور دوسرے خوانین کو بھی اسی بات کی ترغیب دوں گا۔

اسی روز آپ نے علماء کو بھی حکم دیا کہ جو بیعتِ امامت وہ پہلے کر چکے ہیں، اس مجمع میں اس کی پھر تجدید کریں۔ چنانچہ انھوں نے بھی عہدنامہ تحریر کیا اور اس پر مشاہیر علماء کی مہریں ثبت کر کے اس کو تیار کیا کہ نمازِ جمعہ کے بعد تجدیدِ بیعت بھی کریں گے اور عہدنامہ بھی پیش کریں گے۔

اسی اثناء میں آپ نے ایک استفتاء تحریر کروایا جس میں مخالفِ امام اور باغی کے احکام دریافت کیے تھے اور فرمایا کہ تجدیدِ بیعت اور عہدنامے کے بعد یہ استفتاء علماء کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے اور اس کا جواب مشاہیر علماء کی مہروں کے ساتھ طلب کرنا چاہیے۔

بیعتِ امامت کی تجدید | نمازِ جمعہ کے بعد تمام علماء و رؤساء نے بیعتِ امامت کی تجدید کی۔ علماء نے اپنا عہدنامہ، جو عربی زبان میں تھا اور جس پر اُن کی مہریں بھی لگی ہوئی تھیں، پیش کیا اور خوانین نے عہدنامہ، جو فارسی زبان میں تھا، اپنی مہروں کے ساتھ خدمت میں گزارا۔ اس کے بعد علماء نے استفتا کا مفصل و مدلل جواب لکھا، جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سیّد صاحب کی امامت از روئے قوانینِ شرعیہ و تعاملِ ثابت و برحق ہے، آپ کی اطاعت فرض اور اس سے خارج باتفاقِ کتاب و سنّت و اجماع و نصوصِ فقہ باغی، اس کا قتل واجب، اُس کا خون حلال اور وہ ناری ہے۔ اس پر نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھنی چاہیے، مع حوالہ جاتِ آیات و احادیث و کتبِ فقہ۔ اس پر پچیس مشاہیر و اکابر علماء نے اپنی مہریں اور دستخط کیے۔[1]

تیسرے جمعے، ۱۵ شعبان ۱۲۴۴ھ کو فتح خاں نے اپنی رعیّت کے سربرآوردہ لوگوں کو جمع کیا اور اُن سے بھی سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کرنے، احکامِ شرعیہ کا اجراء اور رُسوم

[1] ان عہدناموں، اِفتاء اور دوسری دستاویزوں کی نقل مجموعۂ خطوطِ قلمی میں موجود ہے۔

جاہلیت کے ترک کا مطالبہ کیا، ان مخلصین نے بھی نمازِ جمعہ کے بعد بیعتِ امامت کی اور دونوں باتوں کا اقرار کیا۔

قضاۃ کا تقرر اور اقامتِ شریعت

اسی مجمع میں ایک دیندار اور بڑے عالم مولانا سیّد محمد میر کو ضلع پنجتار کا منصبِ قضا سپرد ہوا، دستارِ قضا اُن کے سر پر باندھی گئی اور فرمانِ قضا عطا ہوا۔[1] اور اُس کے بعد احکامِ شرع جاری ہو گئے۔ پنجتار کے اضلاع میں مقدمات و تنازعات کا شرعِ شریف کے مطابق فیصلہ ہونے لگا۔

ایک دوسرے بزرگ ملا قطب الدّین ننگرہاری کو جو بڑے دیندار و متقی تھے، بے نمازیوں پر احتساب کی خدمت سپرد کی گئی اور تیس قندھاری تفنگچی اُن کی ماتحتی میں دیے گئے۔

نظامِ شرعی کے برکات

اس نظامِ شرعی کے برکات جلد ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ شریعت کے احکام جاری ہو گئے، مقدمات شریعت کے مطابق فیصل ہونے لگے اور شریعت کے سامنے لوگوں کے سر جھک گئے۔

افغانیوں کی بھی عرب جاہلیت کی سی عادت تھی کہ اگر کوئی شخص حقوق اللہ یا حقوق العباد کا کوئی گناہ کرتا، تو دوسرے کسی گاؤں میں چلا جاتا اور اُس کے رؤسا کی حمایت حاصل کر لیتا، وہ جان و مال سے اُس کی پوری جانبداری و حمایت کرتے۔ اس طرح کسی جرم کا استیصال اور مجرم کی گوشمالی نہ ہو سکتی۔ لیکن اس نظام کے بعد کوئی کسی کی بیجا حمایت و پاسداری نہیں کر سکتا تھا۔ عبرتناک سزائیں دی جاتیں، علانیہ تعزیر جاری کی جاتی اور کوئی مداخلت نہ کرتا۔

مانیری کا واقعہ

ایک واقعہ ایسا بھی ہوا جس سے معلوم ہوا کہ یہ نظام کامیاب ہے اور بڑی بڑی حکومتوں سے زیادہ اس میں قدرت و طاقت ہے۔

ہنڈ کے علاقے میں، جو خادی خاں کے زیرِ حکومت تھا، مانیری ایک گاؤں تھا جس کے باشندے نہایت سرکش و شورہ پشت تھے۔ دو ہزار تفنگچی دیہات میں رہتے تھے اور چھ ہزار اس کے

---

[1] سندِ قضا مندرجہ خطوطِ قلمی مؤرخہ ۱۵ شعبان ۱۲۴۳ھ۔

گرد کے گاؤں میں تھے۔ نوّے برس ہوئے، جب اُن لوگوں نے ایک مرتبہ اتّفاق کر کے اپنے گاؤں کے رؤسا، و زمینداروں کی زمینوں اور املاک پر زبردستی قبضہ کر لیا اور اُن کو بے دخل کر دیا۔ ان مظلوموں نے بھاگ کر دُوسرے مقامات پر، جو اشرف خاں کے قبضے میں تھے، پناہ لی اور مدد چاہی وہاں کے لوگوں نے اُن کی امداد کی اور اس گاؤں پر حملہ کیا۔ سخت جنگ ہُوئی اور بڑا کُشت و خُون ہُوا۔ اُس وقت سے دونوں قوموں اور دونوں مقامات کے باشندوں میں عداوت مستحکم اور موروثی ہو گئی اور ہمیشہ جنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ ایک صدی گزر گئی اور فریقین کے تین چار ہزار آدمی قتل ہُوئے۔ جب اس نظام کی شہرت و کامیابی ہُوئی، تو یہ مظلوم سیّد صاحبؒ کے پاس حاضر ہُوئے اور فریاد کی۔ سیّد صاحبؒ نے خادی خاں، فتح خاں، اشرف خاں اور دُوسرے مُعزّزین اور قُرب و جوار کے خوانین کو جمع کیا اور معاملے کی تحقیق کی۔ تفتیش کے بعد اُنھیں مظلوموں کا حق ثابت ہُوا۔ وہاں کے قوانین عُرفیہ میں سے یہ بھی تھا کہ اگر کسی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ پر قبضۂ مخالفانہ ہو جائے اور اس پر کُشت و خُون بھی ہو، تو وہ قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ چُونکہ اس جائداد پر ہزاروں آدمیوں کا کُشت و خُون ہو چکا تھا اور بڑی طویل مدّت گزر گئی تھی، اس لیے اصل مالکوں کا حق منقطع سمجھ لیا گیا تھا۔ آپ نے اصل حقداروں کو حُکم دیا کہ اپنی زمینوں پر قابض ہو جائیں اور اپنے باپ دادا کے گھروں میں آباد ہوں۔ اوّل مانیری والوں نے مزاحمت کی اور خادی خاں نے اُن کی حمایت کی۔ سیّد صاحبؒ، فتح خاں و اشرف خاں اور اُن کے لشکروں اور اپنے لشکر و عُلماء و طلبہ کی معیّت میں اُن کی تادیب کے لیے چلے۔ عُلماء نے اُن کے مُستحِقُّ الدّم ہونے کا فتویٰ دیا۔ وہ مرعُوب ہو کر خود حاضر ہُوئے اور مُدّعیوں کو لے جا کر اُن کی زمینوں اور مکانات پر قبضہ دِلا دیا اور خود اُن کی رعایا بن گئے۔ اس طرح سے اللہ کے فضل سے وُہ قضیہ جو سَو برس سے طے نہیں ہُوا تھا اور جس پر ہزاروں آدمیوں کی جانیں گئیں، چُٹکیوں میں فیصل ہو گیا۔ سارے دیکھنے والوں اور سُننے والوں کو سخت حیرت تھی کہ آج تک اس مُلک میں ایسا نہیں ہُوا۔

اِحتساب کا ایسا اثر ہُوا کہ کوسوں تک ڈھونڈے سے کوئی بے نمازی نہیں ملتا تھا۔ لوگوں

پر ایسی ہیبت طاری ہوئی کہ اگر کوئی ہندوستانی یا قندھاری کسی دیہات میں پہنچتا، تو شور مچ جاتا اور وہاں کے رؤسا و حکام باہر نکل آتے اور عرض کرتے کہ یہاں کوئی بے نمازی نہیں ہے۔[1]

○

---

[1] مجموعۂ خطوطِ قلمی

دسواں باب

پنجتار کا نظارہ

مُمتاز مُجاہدین کے ڈیرے | پنجتار کی چھوٹی سی پہاڑی[1] مُجاہدین کی ایک بارونق چھاؤنی اور زِندہ مُسلمان نوآبادی تھی، جِس کا کونہ کونہ مجاہدوں اور عابدوں سے آباد اور ذِکر وعبادت، جہاد اور مجاہدے اور محبّت اور اخوّت سے گُلزار تھا۔

شہر پناہ کے مشرق اور شمال کے کونے پر جو بُرج تھا، اُس میں سیّد صاحبؒ نے مع اپنی جماعتِ خاص کے قیام فرمایا۔ دُوسرا بُرج جو شمال اور مغرب کے کونے پر تھا، اُس میں آپ کا باورچی خانہ اور غلّے کی تقسیم کا کوٹھا تھا۔ اس حُجرے کے جنُوب کی طرف مسجد کے دو حُجرے تھے۔ اُن میں سے جو ایک مشرق کی طرف تھا، اُس میں مُنشی خانہ مُقرر ہُوا۔ قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی مُنشی تھے۔ نمازِ جُمعہ اور نمازِ عیدین بھی وہی پڑھاتے تھے اور کبھی کبھی نمازِ پنجگانہ بھی پڑھاتے تھے۔ دُوسرے حُجرے میں، جو مغرب کی طرف تھا، مورانواں کے پیر خاں اپنی جماعت کے ساتھ مقیم تھے۔ مسجد کے جنُوب میں جو بُرج تھا، اُس میں مولوی سیّد مظہر علی عظیم آبادی اپنی جماعت کے ساتھ فروکش تھے۔

---

[1] یہ پہاڑی اب بالکل کھنڈر اور پتھروں کا ایک ڈھیر ہے، جہاں اب فتح خاں مرحُوم کے خاندان کے چند مکانات کے سوا کوئی آبادی نہیں۔

جنوب و مشرق کے کونے کے بُرج میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اپنی جماعت کے ساتھ مقیم تھے۔ فصیل کے مشرقی دروازے کے متصل مسجد اور ایک حجرہ تھا۔ اس میں مولانا عبدالحیؒ کے حلاتی بھائی مولوی احمد اللہ ناگپوری اپنے چند آدمیوں کے ساتھ مقیم تھے۔

سید صاحبؒ کے بُرج کے متصل جانب مغرب مولوی وارث علی بنگالی اپنے رُفقاء کے ساتھ، اور اُن کے متصل، جانب مغرب مولوی امام الدین بنگالی اپنے ساتھیوں کے ساتھ، ان سے مغرب میں متصلاً سید صاحبؒ کے اعزہ، سید احمد علی، سید ابو محمد، دادا سید ابوالحسن اور سید موسیٰ فرزند سید احمد علی اپنے رفیقوں کے ساتھ حجروں میں مقیم تھے۔ اس حجرے کے جانب جنوب جو مکان تھا، اُس میں امان اللہ خاں لکھنوی، جو سید صاحبؒ کے شُتر خانے کے منتظم تھے، مقیم تھے۔ اُن کے مشرق اور جنوب کے کونے میں پانی پت کے حافظ جانی اور حافظ مانی اپنے رفیقوں کے ساتھ، اور اُن کے جانب مشرق قاضی حمایت اللہ اور قاضی بُرہان الدین اور شیخ عبدالوہاب مقیم تھے۔

سید صاحبؒ والے بُرج میں آپ کے اہلِ خانہ کا قیام تھا۔ اس بُرج کے آگے ایک وسیع میدان تھا، جس میں چھپر کے اندر آپ کا پلنگ بچھا تھا۔ اِس چھپر میں شیخ عبدالحکیم پھلتی اور سید اسمٰعیل رائے بریلوی اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے۔ یہ فصیل کے اندر کی آبادی تھی

فصیل کے باہر فصیل سے متصل سید صاحبؒ کے بُرج کے قریب ابراہیم خاں خیرآبادی اور اُن کے بھائی امام خاں اپنے بھیلے کے ساتھ مقیم تھے۔ اُن کے ڈیرے کے متصل جانب جنوب شیخ حسن علی اپنے بھیلے کے ساتھ، اُن کے متصل صوفی نور محمد صاحب بنگالی اپنے بھیلے کے ساتھ، صوفی صاحب کے متصل مولوی خیرالدین صاحب شیرکوٹی، اُن کے متصل شیخ صلاح الدین صاحب پھلتی، جو مولانا عبدالحی صاحب کے برادر نسبتی تھے، اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے۔

پنجتار سے متصل کے دیہاتوں میں مجاہدین کا قیام تھا۔ موضع قاسم خیل میں، جو پنجتار کے قریب شمالی جانب میں ہے، حاجی زین العابدین خاں رامپوری اپنے رُفقاء کے ساتھ اور پنجتار کے جانب مغرب تھوڑے فاصلے پر شیشم کے چند درخت اور ایک نالہ تھا۔ وہاں نمازِ جمعہ بھی ہوتی تھی۔ ان درختوں کے

سایے میں مرزا احمد بیگ پنجابی اپنی چھاؤنی ڈالے ہُوے تھے۔ مرزا صاحب سے ایک بندوق کی زد پر جنُوب کی طرف موضع غُورغُشتی ہے۔ وہاں حاجی حمزہ علی خاں لوہاروی اپنے رفیقوں کے ساتھ اور اُن کے جنوبی جانب اسی بستی میں مولوی نصیرالدّین بنگلوری اپنے بھیلے کے ساتھ مقیم تھے۔ مولوی نصیرالدّین صاحب سے جانب جنُوب ایک تیر کی زد پر موضع سنگ ٹبّی میں قندھاری قافلہ مقیم تھا، جن میں چار سردار بڑے نامی تھے: ایک لال محمّد، دُوسرے مُلّا قطب الدّین، تیسرے مُلّا نور محمّد، چوتھے مُلّا عظمت۔ ان قندھاریوں کے جنوب کی طرف ایک تیر کی زد پر موضع خلی کلے میں متفرق ولایتی وغیرہ مقیم تھے۔ پنجتار کے مغرب اور جنوب کے کونے پر ایک تیر کی زد پر شہتوت کا باغ تھا۔ اس میں ارباب بہرام خاں، اُن کے بھائی ارباب حُمعہ خاں اور ان کے بھتیجے مُحمّد خاں اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے۔ باقی ہندوستانی متفرق پانچ پانچ، دس دس کر کے پنجتار کے اندر اور باہر جہاں کہیں جگہ ملی، چھپّر ڈال کر پڑے ہُوے تھے۔

غلّے کی تقسیم میں میر امانت علی کی امانت

میر امانت علی پیران ساڈھورہ ضلع پٹیالہ کے رہنے والے خاندانی پیرزادے اور بڑے محتاط اور متّقی تھے۔ اُن کے مزاج میں یہاں تک احتیاط تھی کہ غلّے کی تقسیم کرتے ہُوے اگر کوئی بھیلے دار اُن سے کہتا کہ آج میرے بھیلے میں ایک یا دو مہمان آئے ہیں، اُن کا بھی غلّہ دو، تو وہ غلّہ بانٹنا موقوف کر کے وہاں سے سیّد صاحبؒ کے پاس جاتے اور آپ سے اجازت لاتے، باوجود کہ آپ کی طرف سے اُن کو اجازت تھی، آپ نے فرما دیا تھا کہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کی خیر خواہی اور حفاظت جیسی مجھ پر ہے، ویسی ہی تم پر ہے، جس کو مُستحق جانو، مجھ سے بے پوچھے دیا کرو۔ مگر وہ اپنی احتیاط نہیں چھوڑتے تھے۔ لوگ تو غلّہ لینے کو اپنے اپنے تھیلے لیے ہُوے بیٹھے ہوتے اور وُہ دو دو بار، تین تین بار اجازت لینے جاتے۔ لوگوں کا حرج ہوتا اور وہ تنگ ہوتے۔ آخر کئی بار سیّد صاحبؒ سے اس کی شکایت کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کام کے لیے کسی اور کو تجویز کر کے مجھے بتلاؤ۔

مولوی عبدالوہاب کا تقرّر

لوگوں نے مولوی عبدالوہاب صاحب اور بعض اور آدمیوں کو تجویز کیا۔

آپ نے مولوی عبدالوہاب کو پسند کیا اور اُن کو بُلوایا۔ مولوی صاحب بہت دنوں سے بیمار اور دائم المرض سے تھے۔ نہایت لاغر ہو رہے تھے، چہرہ زرد تھا۔ اس بیماری کی حالت میں قرآنِ مجید بھی حفظ کرتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ ہم نے آج سے تم کو میر امانت علی صاحب کے عُہدے پر قائم کیا۔ تم ہی لوگوں کو غلّہ اور آٹا تقسیم کیا کرو۔ اُنھوں نے عرض کی کہ مَیں حاضر ہوں مگر کئی عارضوں میں گرفتار ہُوں اور اسی حال میں تھوڑا تھوڑا قرآنِ مجید بھی حفظ کرتا ہُوں اور یہ محنت کا کام ہے اس کے واسطے طاقت اور تندرستی چاہیے۔

آپ نے یہ سُن کر سکوت کیا۔ پھر فرمایا: "مولوی صاحب، تم بسم اللہ کر کے مسلمان بھائیوں کی خدمت کے لیے کمر باندھو، ہم تمھارے واسطے دُعا کریں گے۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ تمھارے سب عارضے جاتے رہیں گے اور طاقت و توانائی بھی آجائے گی اور اِسی خدمتِ عُظمیٰ کے انجام دینے کے دَوران میں تم کو قرآن شریف بھی حفظ ہو جائے گا۔"

یہ بشارت سُن کر وُہ خوش ہُوئے اور اسی روز غلّہ بانٹنے لگے۔ تمام لوگ اُن سے راضی تھے اور سیّد صاحبؒ سے اُن کی خوبیاں بیان کرتے تھے۔ چند روز میں اسی خدمت کے اندر اللہ تعالیٰ نے اُن کے تمام امراض دُور کر دیے اور وُہ بالکل صحیح سالم اور طاقتور ہو گئے۔ اسی خدمت کے اندر قرآنِ مجید ان کو حفظ ہو گیا۔ ایک روز سیّد صاحبؒ نے خُوش ہو کر فرمایا کہ مولوی صاحب، اب تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے تم کو خُوب تندرست و توانا کر دیا اور قرآن مجید بھی تم کو یاد ہو گیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ ہاں، اللہ تعالیٰ نے آپ کی دُعا کی برکت سے میری دونوں مرادیں پوری کر دیں، اب میرے واسطے آپ دُعا کریں کہ میرا قرآن شریف پُختہ ہو جائے۔ میری یہ آرزو ہے کہ ایک بار تراویح میں قرآن مجید اوّل سے آخر تک آپ کو سُنا دُوں۔ آپ نے فرمایا: بہت خُوب، ہم دُعا کریں گے۔ اب انشاء اللہ تعالیٰ قرآن شریف تم نہ بھولو گے۔ تم جو خالصًا لِلّٰہ مسلمان بھائیوں کی خدمت کرتے ہو، اللہ تعالیٰ نے تم کو گویا مزدُوری میں یہ عنایت کیا ہے۔

مولوی عبدالوہاب صاحب کا ہر روز یہ معمول تھا کہ قرآن شریف پڑھتے جاتے تھے اور غلّہ یا آٹا

لوگوں کو تقسیم کرتے جاتے تھے۔ بعض اوقات بیس بیس، پچیس پچیس آدمیوں کا آٹا خلہ ایک ایک کو دیتے اور زبان سے نہ گنتے مگر کبھی کسی کے آٹے خلے میں کسی قسم کی کمی بیشی نہ آتی۔

ایثار و بے نفسی | ایک روز آٹا تقسیم کر رہے تھے۔ میر امام علی عظیم آبادی آٹا لینے کو آئے۔ وہ زوار تھے اور بڑے قوی اور جسیم تھے۔ آٹا وار سے تقسیم ہوتا تھا۔ جو پہلے آتا، وہ پہلے پاتا؛ جو پیچھے آتا، وہ پیچھے پاتا۔ وہ پہلے مانگنے لگے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تمہارا ابھی وار آتا ہے، ٹھیر جاؤ۔ وہ جلدی کرنے لگے۔ انھوں نے نہ مانا۔ آخر میر امام علی نے مولوی صاحب کو دھکا دیا اور وہ گر پڑے۔ وہاں قندھاری بھی آٹا لینے کو بیٹھے تھے۔ اُن کو بُرا معلوم ہُوا اور سب مل کر میر امام علی کو مارنے پر تیار ہُوئے۔ مولوی صاحب نے قندھاریوں کو روکا اور کہا: "وہ ہمارا بھائی ہے۔ دھکا دیا، تو ہم کو دیا؛ تم سے کیا مطلب؟" وہ سب نادم ہو کر چُپ ہو رہے۔ مولوی صاحب نے اُن کو آٹا دِیا۔ وہ اپنے ڈیرے کو گئے۔ لوگوں نے سیّد صاحبؒ سے جا کر یہ قصّہ بیان کیا۔ جب اُس دن مولوی صاحب رات کو حضرت کے پاس گئے، آپ نے پوچھا کہ مولوی صاحب، آج میر امام علی نے تم سے کیا قصّہ کیا۔ انھوں نے کہا: "میرے نزدیک اُنھوں نے کچھ نہیں کیا۔ وہ تو بڑے نیک بخت آدمی ہیں۔ وہ آٹا لینے کو آئے اور مجھ سے مانگا۔ اُن کا وار نہ تھا، اُنھوں نے جلدی کی، اس میں اُن کا دھکا میرے لگ گیا، بس اتنی بات تھی۔" سیّد صاحبؒ یہ بات سُن کر خاموش ہو رہے۔ کسی نے یہ بات میر امام علی کو پہنچائی کہ مولوی عبدالوہّاب نے تمہارے متعلق سیّد صاحب سے ایسی گفتگو کی۔ وہ اپنی حرکت پر بہت نادم ہُوئے اور اسی وقت سیّد صاحبؒ کے سامنے آ کر مولوی عبدالوہاب سے اپنی خطا معاف کرائی اور مصافحہ کیا۔

کئی سال کے بعد موضع راج دواری میں مولوی عبدالوہاب صاحب نے سیّد صاحبؒ کو تراویح میں قرآن شریف سُنایا اور اس کے بعد ہی ذی قعدہ میں بالاکوٹ کی جنگ میں شہید ہُوئے۔

سرداروں کے درمیان مصالحت | خہر سے واپسی کے چھ سات مہینے پیشتر سے فتح خاں اور اُن کے چھوٹے بھائی ناصر خاں سے بگاڑ ہو گیا تھا۔ گرد و پیش کے دیہاتوں کے جتنے رئیس اور سردار فتح خاں کے طرفدار و مددگار تھے، اُن سب کو ناصر خاں نے توڑ کر اپنی طرف کر لیا تھا اور فتح خاں کو یہاں

سایے میں مرزا احمد بیگ پنجابی اپنی چھاؤنی ڈالے ہُوے تھے۔ مرزا صاحب سے ایک بندوق کی زد پر جنُوب کی طرف موضعِ غُورغُشتی ہے۔ وہاں حاجی حمزہ علی خاں لوہاروی اپنے رفیقوں کے ساتھ اور اُن کے جنوبی جانب اسی بستی میں مولوی نصیرالدّین بنگلوری اپنے بھیلے کے ساتھ مقیم تھے۔ مولوی نصیرالدّین صاحب سے جانب جنُوب ایک تیر کی زد پر موضع سنگ ٹبّی میں قندھاری قافلہ مقیم تھا، جن میں چار سردار بڑے نامی تھے: ایک لال محمّد، دُوسرے مُلّا قطب الدّین، تیسرے مُلّا نور محمّد، چوتھے مُلّا عظمت۔ ان قندھاریوں کے جنوب کی طرف ایک تیر کی زد پر موضع خلی کلے میں متفرق ولایتی وغیرہ مقیم تھے۔ پنجتار کے مغرب اور جنوب کے کونے پر ایک تیر کی زد پر شہتوت کا باغ تھا۔ اس میں ارباب بہرام خاں، اُن کے بھائی ارباب حُمعہ خاں اور ان کے بھتیجے مُحمّد خاں اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے۔ باقی ہندوستانی متفرق پانچ پانچ، دس دس کر کے پنجتار کے اندر اور باہر جہاں کہیں جگہ ملی، چھپّر ڈال کر پڑے ہُوے تھے۔

غلّے کی تقسیم میں میر امانت علی کی امانت

میر امانت علی پیرانِ سادھورہ ضلع پٹیالہ کے رہنے والے خاندانی پیرزادے اور بڑے مُحتاط اور مُتقی تھے۔ اُن کے مزاج میں یہاں تک احتیاط تھی کہ غلّے کی تقسیم کرتے ہُوے اگر کوئی بھیلے دار اُن سے کہتا کہ آج میرے بھیلے میں ایک یا دو مہمان آئے ہیں، اُن کا بھی غلّہ دو، تو وُہ غلّہ بانٹنا موقوف کر کے وہاں سے سیّد صاحبؒ کے پاس جاتے اور آپ سے اجازت لاتے، باوجود کہ آپ کی طرف سے اُن کو اجازت تھی، آپ نے فرما دیا تھا کہ مال اللہ تعالیٰ کا ہے، اس کی خیر خواہی اور حفاظت جیسی مجھ پر ہے، ویسی ہی تم پر ہے، جس کو مُستحق جانو، مجھ سے بے پوچھے دیا کرو۔ مگر وُہ اپنی احتیاط نہیں چھوڑتے تھے۔ لوگ تو غلّہ لینے کو اپنے اپنے تھیلے لیے ہُوے بیٹھے ہوتے اور وُہ دو دو بار، تین تین بار اجازت لینے جاتے۔ لوگوں کا حرج ہوتا اور وہ تنگ ہوتے۔ آخر کئی بار سیّد صاحبؒ سے اس کی شکایت کی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ اس کام کے لیے کسی اور کو تجویز کر کے مجھے بتلاؤ۔

مولوی عبدالوہاب کا تقرر

لوگوں نے مولوی عبدالوہاب صاحب اور بعض اور آدمیوں کو تجویز کیا۔

جنوب و مشرق کے کونے کے بُرج میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اپنی جماعت کے ساتھ مقیم تھے۔ فصیل کے مشرقی دروازے کے متصل مسجد اور ایک حجرہ تھا۔ اس میں مولانا عبدالحیؒ کے حلاقی بھائی مولوی احمد اللہ ناگپوری اپنے چند آدمیوں کے ساتھ مقیم تھے۔

سید صاحبؒ کے بُرج کے متصل جانب مغرب مولوی وارث علی بنگالی اپنے رُفقاء کے ساتھ، اور اُن کے مُتصل، جانب مغرب مولوی امام الدین بنگالی اپنے ساتھیوں کے ساتھ، ان سے مغرب میں متصلاً سید صاحبؒ کے اعزہ، سید احمد علی، سید ابو محمد، دادا سید ابوالحسن اور سید موسیٰ فرزند سید احمد علی اپنے رفیقوں کے ساتھ حجروں میں مقیم تھے۔ اس حجرے کے جانب جنوب جو مکان تھا، اُس میں امان اللہ خاں لکھنوی، جو سید صاحبؒ کے شُتر خانے کے مُنتظم تھے، مقیم تھے۔ اُن کے مشرق اور جنوب کے کونے میں پانی پت کے حافظ جانی اور حافظ مانی اپنے رفیقوں کے ساتھ، اور اُن کے جانب مشرق قاضی حمایت اللہ اور قاضی بُرہان الدین اور شیخ عبدالوہاب مقیم تھے۔

سید صاحبؒ والے بُرج میں آپ کے اہلِ خانہ کا قیام تھا۔ اس بُرج کے آگے ایک وسیع مَیدان تھا، جس میں چھپّر کے اندر آپ کا پلنگ بچھا تھا۔ اِس چھپّر میں شیخ عبدالحکیم پھلتی اور سید اسمٰعیل رائے بریلوی اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے۔ یہ فصیل کے اندر کی آبادی تھی

فصیل کے باہر فصیل سے مُتصل سید صاحبؒ کے بُرج کے قریب ابراہیم خاں خیرآبادی اور اُن کے بھائی امام خاں اپنے بھیلے کے ساتھ مقیم تھے۔ اُن کے ڈیرے کے مُتصل جانب جنوب شیخ حسن علی اپنے بھیلے کے ساتھ، اُن کے متصل صُوفی نُور محمد صاحب بنگالی اپنے بھیلے کے ساتھ، صُوفی صاحب کے مُتصل مولوی خیرالدین صاحب شیرکوٹی، اُن کے مُتصل شیخ صلاح الدین صاحب پھلتی، جو مولانا عبدالحی صاحب کے برادر نسبتی تھے، اپنے رفیقوں کے ساتھ مقیم تھے۔

پنجتار سے متصل کے دیہاتوں میں مُجاہدین کا قیام تھا۔ موضع قاسم خیل میں، جو پنجتار کے قریب شمالی جانب میں ہے، حاجی زین العابدین خاں رامپوری اپنے رُفقاء کے ساتھ اور پنجتار کے جانب مغرب تھوڑے فاصلے پر شیشم کے چند درخت اور ایک نالہ تھا۔ وہاں نمازِ جُمعہ بھی ہوتی تھی۔ ان درختوں کے

دسواں باب

پنجتار کا نظارہ

مُمتاز مُجاہدین کے ڈیرے | پنجتار کی چھوٹی سی پہاڑی[1] مُجاہدین کی ایک بارونق چھاؤنی اور زِندہ مُسلمان نوآبادی تھی، جس کا کونہ کونہ مجاہدوں اور عابدوں سے آباد اور ذِکر و عبادت، جہاد اور مجاہدے اور محبّت اور اخوّت سے گُلزار تھا۔

شہر پناہ کے مشرق اور شمال کے کونے پر جو بُرج تھا، اُس میں سیّد صاحبؒ نے مع اپنی جماعتِ خاص کے قیام فرمایا۔ دُوسرا بُرج جو شمال اور مغرب کے کونے پر تھا، اُس میں آپ کا باورچی خانہ اور غلّے کی تقسیم کا کوٹھا تھا۔ اس حُجرے کے جنُوب کی طرف مسجد کے دو حُجرے تھے۔ اُن میں سے جو ایک مشرق کی طرف تھا، اُس میں مُنشی خانہ مُقرر ہُوا۔ قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی مُنشی تھے۔ نمازِ جُمعہ اور نمازِ عیدین بھی وہی پڑھاتے تھے اور کبھی کبھی نمازِ پنجگانہ بھی پڑھاتے تھے۔ دُوسرے حُجرے میں، جو مغرب کی طرف تھا، مورانواں کے پیر خاں اپنی جماعت کے ساتھ مقیم تھے۔ مسجد کے جنُوب میں جو بُرج تھا، اُس میں مولوی سیّد مظہر علی عظیم آبادی اپنی جماعت کے ساتھ فروکش تھے۔

---

[1] یہ پہاڑی اب بالکل کھنڈر اور پتھروں کا ایک ڈھیر ہے، جہاں اب فتح خاں مرحُوم کے خاندان کے چند مکانات کے سوا کوئی آبادی نہیں۔

پر ایسی مَیبت طاری ہُوئی کہ اگر کوئی ہندوستانی یا قندھاری کسی دیہات میں پہُنچتا، تو شور مچ جاتا اور وہاں کے رُؤسا و حُکّام باہر نکل آتے اور عرض کرتے کہ یہاں کوئی بے نمازی نہیں ہے۔[1]

○

---

[1] مجمُوعۂ خطوطِ قلمی

گرد کے گاؤں میں تھے۔ نوّے برس ہوئے، جب اُن لوگوں نے ایک مرتبہ اتفاق کر کے اپنے گاؤں کے رؤسار و زمینداروں کی زمینوں اور املاک پر زبردستی قبضہ کر لیا اور اُن کو بے دخل کر دیا۔ ان مظلوموں نے بھاگ کر دُوسرے مقامات پر، جو اشرف خاں کے قبضے میں تھے، پناہ لی اور مدد چاہی وہاں کے لوگوں نے اُن کی امداد کی اور اس گاؤں پر حملہ کیا۔ سخت جنگ ہُوئی اور بڑا کُشت و خُون ہُوا۔ اُس وقت سے دونوں قوموں اور دونوں مقامات کے باشندوں میں عداوت مستحکم اور موروثی ہو گئی اور ہمیشہ جنگ ہوتی رہی یہاں تک کہ ایک صدی گزر گئی اور فریقین کے تین چار ہزار آدمی قتل ہُوئے۔ جب اس نظام کی شہرت و کامیابی ہُوئی، تو یہ مظلوم سیّد صاحبؒ کے پاس حاضر ہُوئے اور فریاد کی۔ سیّد صاحبؒ نے خادی خاں، فتح خاں، اشرف خاں اور دُوسرے مُعزّزین اور قُرب و جوار کے خوانین کو جمع کیا اور معاملے کی تحقیق کی۔ تفتیش کے بعد اُنھیں مظلوموں کا حق ثابت ہُوا۔ وہاں کے قوانین عُرفیہ میں سے یہ بھی تھا کہ اگر کسی جائداد منقولہ یا غیر منقولہ پر قبضۂ مخالفانہ ہو جائے اور اس پر کُشت و خُون بھی ہو، تو وہ قبضہ تسلیم کر لیا جائے گا۔ چُونکہ اس جائداد پر ہزاروں آدمیوں کا کُشت و خُون ہو چکا تھا اور بڑی طویل مدّت گزر گئی تھی، اس لیے اصل مالکوں کا حق منقطع سمجھ لیا گیا تھا۔ آپ نے اصل حقداروں کو حُکم دیا کہ اپنی زمینوں پر قابض ہو جائیں اور اپنے باپ دادا کے گھروں میں آباد ہوں۔ اوّل مانیری والوں نے مزاحمت کی اور خادی خاں نے اُن کی حمایت کی۔ سیّد صاحبؒ، فتح خاں و اشرف خاں اور اُن کے لشکروں اور اپنے لشکر و عُلماء و طلبہ کی معیّت میں اُن کی تادیب کے لیے چلے۔ عُلماء نے اُن کے مُستحِلّ الدّم ہونے کا فتویٰ دیا۔ وہ مرعُوب ہو کر خود حاضر ہُوئے اور مُدّعیوں کو لے جا کر اُن کی زمینوں اور مکانات پر قبضہ دِلا دیا اور خود اُن کی رعایا بن گئے۔ اس طرح سے اللہ کے فضل سے وُہ قضیہ جو سَو برس سے طے نہیں ہُوا تھا اور جس پر ہزاروں آدمیوں کی جانیں گئیں، چٹکیوں میں فیصل ہو گیا۔ سارے دیکھنے والوں اور سُننے والوں کو سخت حیرت تھی کہ آج تک اس مُلک میں ایسا نہیں ہُوا۔

اِحتساب کا ایسا اثر ہُوا کہ کوسوں تک ڈھونڈے سے کوئی بے نمازی نہیں ملتا تھا۔ لوگوں

جاہلیت کے ترک کا مطالبہ کیا، ان مخلصین نے بھی نمازِ جمعہ کے بعد بیعتِ امامت کی اور دونوں باتوں کا اقرار کیا۔

قضاۃ کا تقرر اور اقامتِ شریعت

اسی مجمع میں ایک دیندار اور بڑے عالم مولانا سیّد محمّد میر کو ضلع پنجتار کا منصبِ قضا سپرد ہوا، دستارِ قضا اُن کے سر پر باندھی گئی اور فرمانِ قضا عطا ہوا۔[1] اور اُس کے بعد احکامِ شرع جاری ہو گئے۔ پنجتار کے اضلاع میں مقدمات و تنازعات کا شرعِ شریف کے مطابق فیصلہ ہونے لگا۔

ایک دوسرے بزرگ ملا قطب الدّین ننگرہاری کو جو بڑے دِیندار و متقی تھے، بے نمازیوں پر احتساب کی خدمت سپرد کی گئی اور تیس قندھاری تفنگچی اُن کی ماتحتی میں دیے گئے۔

نظامِ شرعی کے برکات

اس نظامِ شرعی کے برکات جلد ظاہر ہونے شروع ہو گئے۔ شریعت کے احکام جاری ہو گئے، مقدمات شریعت کے مطابق فیصل ہونے لگے اور شریعت کے سامنے لوگوں کے سر جُھک گئے۔

افغانیوں کی بھی عرب جاہلیت کی سی عادت تھی کہ اگر کوئی شخص حقوق اللہ یا حقوق العباد کا کوئی گناہ کرتا، تو دوسرے کسی گاؤں میں چلا جاتا اور اُس کے رؤسا کی حمایت حاصل کر لیتا، وہ جان و مال سے اُس کی پوری جانبداری و حمایت کرتے۔ اس طرح کسی جُرم کا استیصال اور مُجرِم کی گوشمالی نہ ہو سکتی۔ لیکن اس نظام کے بعد کوئی کسی کی بیجا حمایت و پاسداری نہیں کر سکتا تھا۔ عبرتناک سزائیں دی جاتیں، علانیہ تعزیر جاری کی جاتی اور کوئی مداخلت نہ کرتا۔

مانیری کا واقعہ

ایک واقعہ ایسا بھی ہوا جس سے معلوم ہوا کہ یہ نظام کامیاب ہے اور بڑی بڑی حکومتوں سے زیادہ اس میں قدرت و طاقت ہے۔

ہنڈ کے علاقے میں، جو خادی خاں کے زیرِ حکومت تھا، مانیری ایک گاؤں تھا جس کے باشندے نہایت سرکش و شورہ پشت تھے۔ دو ہزار تفنگچی دیہات میں رہتے تھے اور چھ ہزار اس کے

---

[1] سندِ قضا مندرجۂ خطوطِ قلمی مؤرخہ ۱۵ شعبان ۱۲۴۳ھ۔

ذمہ داری کو جان و دل سے قبول کیا اور تمام احکامِ عبادات و معاملات میں خدا و رسولؐ اور صاحبِ امرؑ کا اتباع اختیار کیا، بدیر نفع کو فوری ضرر پر، آخرت کی صلاح کو معاش کی بربادی پر ترجیح دی، انشاء اللہ تعالےٰ نمازِ جمعہ کے بعد مجمعِ عام میں بیعتِ امام کی تجدید کروں گا اور اس مضمون کا تحریری عہدنامہ بھی پیش کروں گا اور دوسرے خوانین کو بھی اسی بات کی ترغیب دوں گا۔

اسی روز آپ نے علماء کو بھی حکم دیا کہ جو بیعتِ امامت وہ پہلے کر چکے ہیں، اس مجمع میں اس کی پھر تجدید کریں۔ چنانچہ انھوں نے بھی عہدنامہ تحریر کیا اور اس پر مشاہیر علماء کی مہریں ثبت کر کے اس کو تیار کیا کہ نمازِ جمعہ کے بعد تجدید بیعت بھی کریں گے اور عہدنامہ بھی پیش کریں گے۔

اسی اثناء میں آپ نے ایک استفتاء تحریر کروایا جس میں مخالفِ امام اور باغی کے احکام دریافت کیے تھے اور فرمایا کہ تجدیدِ بیعت اور عہدنامے کے بعد یہ استفتاء علماء کی خدمت میں پیش کرنا چاہیے اور اس کا جواب مشاہیر علماء کی مہروں کے ساتھ طلب کرنا چاہیے۔

بیعتِ امامت کی تجدید | نمازِ جمعہ کے بعد تمام علماء و رؤساء نے بیعتِ امامت کی تجدید کی۔ علماء نے اپنا عہدنامہ، جو عربی زبان میں تھا اور جس پر اُن کی مہریں بھی لگی ہوئی تھیں، پیش کیا اور خوانین نے عہدنامہ، جو فارسی زبان میں تھا، اپنی مہروں کے ساتھ خدمت میں گزارا۔ اس کے بعد علماء نے استفتا کا مفصل و مدلل جواب لکھا جس کا خلاصہ یہ تھا کہ سید صاحب کی امامت از روئے قوانینِ شرعیہ و تعاملِ ثابت و برحق ہے، آپ کی اطاعت فرض اور اس سے خارج باتفاقِ کتاب و سنت و اجماع و نصوصِ فقہ باغی، اس کا قتل واجب، اس کا خون حلال اور وہ ناری ہے۔ اس پر نمازِ جنازہ بھی نہیں پڑھنی چاہیے، مع حوالہ جاتِ آیات و احادیث و کتبِ فقہ۔ اس پر پچیس مشاہیر و اکابر علماء نے اپنی مہریں اور دستخط کیے۔[1]

تیسرے جمعے، ۱۵ شعبان ۱۲۴۴ھ کو فتح خاں نے اپنی رعیت کے سربرآوردہ لوگوں کو جمع کیا اور اُن سے بھی سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کرنے، احکامِ شرعیہ کا اجراء اور رسوم

[1] ان عہدناموں، افتاء اور دوسری دستاویزوں کی نقل مجموعۂ خطوطِ قلمی میں موجود ہے۔

تمہاری شرکت اور تمہارے وطن کی سکونت کی شرط یہی ہے کہ ریاست و سیاست کی تمام رسُوم اور باقی تمام خلافِ شرع رسم و آئین، جو محض حُصُولِ مال و جاہ کی غرض سے چلی آ رہی ہیں، یک قلم ترک ہو جائیں اور تم اپنے کو معمولی آدمی کی طرح ہمارے نظام کے تابع کر دو، احکامِ شرع کے اجراء میں اپنے احباب و اعزّاء کی پاسداری کا خیال بالکل چھوڑ دو اور مال و دولت کے حصُول کے تمام خلافِ شرع راستوں اور ذرائع سے دست بردار ہو جاؤ اور معاش اور گزران کے بارے میں اللہ تعالیٰ کی کفالت پر توکل کرو۔

چند دن گزرے تھے کہ علاقۂ اُتمان نامہ کا سفیر پیش آگیا، جو قومِ مَندن کے سربرآوردہ لوگوں کا دوسرا مرکز ہے۔ جب آپ موضع باجا میں، جو اُتمان نامہ کا صدر مقام ہے، پہنچے، اس نواح کے عُلماء آپ کی ملاقات کے لیے جمع ہُوئے اور وہی واقعہ پیش آیا، جو ضلع سمہ صدہ کے موضع ڈاگئی میں پیش آیا تھا۔ وہاں سے پنجتار کو واپسی پر آپ نے فتح خاں کے سامنے پھر وہی مضمون پیش کیا۔ آخرکار خانِ ممدوح نے اقرار کیا کہ کچھ دنوں کے بعد آپ کے ارشاد کے مطابق عمل کروں گا۔

عُلماء اور رُؤسار کا اجتماعِ عظیم | انھیں دنوں میں آپ نے کسی تقریب سے سمہ صدہ اور اُتمان نامہ کے عُلماء کو پنجتار میں مدعو کیا۔ چنانچہ اساتذہ و عُلماء میں سے ایک بڑی جماعت، جو دو ہزار آدمیوں سے کم نہ ہوگی اور ایک جمِّ غفیر اُن کے تلامذہ کا، کہ وُہ بھی دو ہزار ہوں گے، پنجتار میں جمع ہُوا۔ آپ نے اُنھیں دنوں میں اشرف خاں اور خادی خاں کو بھی آنے کی دعوت دی اور عُلماء و خوانین کے لیے بہت بڑی ضیافت کا اہتمام فرمایا۔ جمعے کے دن یکم شعبان ۱۲۴۴ھ کو عُلماء و رؤساء کے اس مجمع میں فتح خاں کو پھر وُہی مضمون سمجھایا اور فرمایا کہ اگر ہمارے اس مُطالبے کو قبول کرتے ہو، تو اِسی مجمع میں قبول کرو، ورنہ ہمارے اِتحاد سے دست بردار ہو جاؤ۔

فتح خاں کا اِقرار | فتح خاں نے بڑے غور و فکر کے بعد کہا کہ اگرچہ اس کا اقرار و معاہدہ بڑا دُشوار کام ہے کہ جاہ و دولت سے بھی دست بردار ہونا پڑے گا، معاش کے دروازے بھی بند کرنے ہوں گے اور مُروّجہ رُسُوم کو، جو سیکڑوں برس سے جاری ہیں، ترک کر کے پٹھانوں سے لڑائی مول لینی پڑے گی، لیکن محض لِلّٰہ فی اللّٰہ، اللّٰہ کی رِضا کے لیے اور اللّٰہ کی کفالت پر بھروسہ کرتے ہُوئے مَیں نے اس

کی تکمیل ہو سکے گی۔ اس لیے آپ یہاں سے کسی دوسرے مناسب مقام کو منتقل ہونے کا قصد رکھتے تھے

سردار فتح خاں اور اشرف خاں کی دعوت

اسی اثنار میں سردار فتح خاں اور سردار اشرف خاں کی طرف سے اس مضمون کا عریضہ پہنچا کہ اگر جناب والا غریب خانے پر رونق افروز ہوں تو ہم ضرور احکامِ شریعت کی بے کم و کاست تعمیل کی ذمے داری قبول کرنے کے لیے تیار ہیں اور اپنی رعیت پر بھی اُن کو جاری کریں گے۔ اس معاملے میں جان و دل سے کوشش کریں گے۔

ڈاگئی میں علمار کا ایک اجتماع اور بیعتِ امامت

چونکہ اُن کے اس مضمون کے عریضے متواتر و مسلسل پہنچے، اس لیے سید صاحبؒ نے خہر سے کوچ فرمایا اور پنجتار کا رُخ کیا۔[1] راستے میں ضلع سمہ صدہ میں جو مَندن قوم کے علمار و اعیان کے دو مرکزوں میں سے ایک مرکز ہے اور موضع ڈاگئی میں جو اس علاقے کا صدر مقام ہے، ڈیرہ کیا۔ آپ کی ملاقات کے لیے علمار میں سے ایک بڑی جماعت، جو دو سو افراد سے کم نہ ہوگی، آئی۔ ان سب علمار کا اس موضع میں قیام ہوا اور آپ نے امام کے تعیّن و وجوب اور اُس کی اطاعت کا مسئلہ اُن کے سامنے پیش کیا۔ کچھ قیل و قال اور سوال و جواب کے بعد اس مسئلے کی تنقیح ہوئی۔ مولانا نیاز محمد، جو سرگروہ علمار تھے، اور دوسرے علمار نے صاف صاف اعتراف کیا کہ ہم نے امام کے تقرر کے بارے میں واقعی بڑے تساہل سے کام لیا اور ہم خطاوار ہیں۔ انھوں نے اس موقع پر قوم کے سربرآوردہ اشخاص اور سرداروں کو بھی نصیحت آمیز ملامت کی کہ اُنھوں نے مسائل میں عموماً اور جہاد اور امام کے تقرر کے بارے میں خصوصاً مجرمانہ غفلت اور سہل انگاری سے کام لیا ہے۔ اکثر اہلِ مجلس اُن کی اس مؤثر اور پُرخلوص گفتگو سے متأثر ہوئے اور مولانا نے اور تمام حاضرینِ مجلس نے سید صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت امامت کی۔

پنجتار میں آمد اور فتح خاں سے گفتگو

اس کے بعد آپ موضع پنجتار میں تشریف لائے اور بار بار جلوت و خلوت میں مختلف طریقوں سے آپ نے فتح خاں کو سمجھایا کہ صلح و جنگ میں ہماری

---

[1] سید صاحبؒ خہر میں جمادی الآخرہ ۱۲۴۳ھ سے جمادی الآخرہ ۱۲۴۴ھ تک کچھ کم یا زیادہ ایک سال رہے۔ رمضان بھی وہیں ہوا اور عیدین اور محرم بھی وہیں ہوا۔ (وقائع احمدی)

نواں باب

بَیعتِ امامتؒ کی تجدید اور نظامِ شرعی کا قیام
اور
اُس کے اثراتؒ

احکامِ شریعت کا نفاذ و اجرا [1] ۱۸۲۲ء سوات میں یہ خیال اور پختہ ہُوا کہ باقاعدہ شرعی جہاد جس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی تائید ہوتی ہے اور اُس کی طرف سے فتح و نُصرت کا وعدہ ہے، اُس کے بغیر ممکن نہیں کہ ان اطراف کے مسلمانوں کو احکامِ شرع کے قبول کرنے اور رسُومِ افغانی کے ترک کرنے اور امام کی اطاعت کی ایسی دعوت دی جائے کہ بدعات و مُنکرات اور امام کی مخالفت و سرتابی کا سدِّ باب ہو جائے اور اللہ و رسُولؐ اور اُولِی الامر کی اطاعت پُورے طور پر ہونے لگے۔ اسی صُورت میں جہاد کا پورا نظام قائم ہو سکے گا۔

اس بنا پر خہر میں وضاحت اور قُوّت کے ساتھ اس کی دعوت دی گئی اور سادات، عُلماء و خوانین و عوام میں سے ہزاروں آدمیوں نے فرداً فرداً بَیعت کی اور احکامِ شرعیہ کے اِجراء کا اقرار کیا، لیکن چونکہ ہر ہر شخص نے انفرادی طَور پر اقرار کیا تھا اور مسلمانوں کی کسی جماعت نے اجتماعی طور پر اس کا عہد نہیں کیا تھا، اِس لیے بہت بعید معلوم ہوتا تھا کہ ان متفرق اشخاص سے اس عظیم الشان مقصد

---

[1] اس باب کا سارا مضمون ایک قلمی تحریر سے ماخوذ ہے جو قلمی مکتوبات کے مجموعے میں شامل ہے۔ اُس کا عُنوان یہ ہے:
"ذکر سرگزشتِ حضرتِ امامِ ہُمام دریں ایّام بر ایں نمط است" ص۹۵

ہم تم کو اس کے سوا اور بھی دیں گے اور وہ تم کو تمھاری نوکری سے زیادہ پڑے گا، مگر اس کا ہم ابھی سے اقرار نہیں کرتے ہیں کہ کل کو کوئی ہم سے مطالبہ کرے۔

یہ سن کر پنجاب کے ایک احمد بیگ[1] مرزا بولے کہ میں اللہ تعالیٰ کے واسطے حاضر ہوں، آپ کے ساتھ رہوں گا۔ یہ بات سُن کر اُن میں کے تیس چالیس آدمی اور بھی بولے کہ ہم بھی خدا کے واسطے آپ کا ساتھ دینے کے لیے حاضر ہیں۔ پھر جب آپ نے وہاں سے کوچ فرمایا، وہ سب دو سو آدمی آپ کے ہمرکاب پنجتار تک آئے، پھر وہ تیس چالیس آدمی تو رہے اور باقی رفتہ رفتہ چند روز میں اپنے اپنے گھر کو روانہ ہو گئے۔

○

[1] مرزا احمد بیگ پنجابی بڑے مخلص مجاہد اور وفادار رفیق ثابت ہوئے اور بالاکوٹ کے معرکے تک شریک رہے۔

مَیں قیامت کے دِن اُس کا دامنگیر ہُوں گا۔ اس لیے ہم لوگ اس سلسلے میں اپنی رائے بے تکلّف عرض کر رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ تم نے بہت خُوب کیا۔ ہمارے چند غازیوں نے آکر مجھ سے کہا کہ ان دنوں مولوی محبُوب علی صاحب کے جانے سے بہت سے آدمی ہندوستان چلے گئے، اگر کچھ لوگ رکھ لیجیے، تو لشکر میں آدمیوں کا اضافہ ہو جائے گا۔ ان کے کہنے سے میں نے انکار کرنا مناسب نہ سمجھا۔ تم نے بہتر صلاح دی ہے۔ اب تم جا کر اس کا مشورہ کرو اور جو کچھ مشورے میں قرار پائے، اُس کی اطلاع کرو۔

مولانا اسمٰعیل اور دوسرے اہل الرائے حضرات کے مشورے سے یہ طے پایا کہ اُن کا حساب صاف کر دیا جائے۔ آپ کو اس مشورے کی اطلاع ہُوئی اور آپ نے اس کی منظوری دی۔ چنانچہ اُن کا حساب بیباق کر دیا گیا۔

ترغیب و فضائل کی قوّت جب حساب ہو چکا، آپ کو اس کی اطلاع دی گئی۔ آپ نے فرمایا کہ ان سب صاحبوں کو ہمارے پاس لاؤ۔ جب وُہ سب آئے، تو آپ نے پوچھا کہ تم سب اپنا جو کچھ حق تھا، پا چکے؟ سب نے عرض کی کہ پا چکے۔ پھر آپ نے اُن کے سامنے جہاد فی سبیل اللہ کے فضائل بیان کیے اور مُجاہدینِ مُخلصین اور شُہداء کے مراتب کا ذِکر کیا اور فرمایا کہ جو کوئی نوکر ہو کر جہاد فی سبیل اللہ کرتا ہے اور کُفّار کے ہاتھوں مارا جاتا ہے، کم درجے کا وُہ بھی شہید ہوتا ہے۔ بہ نسبت اور موتوں کے اُس کی موت بہتر ہوتی ہے۔ مگر جو لوگ خالصًا لوجہ اللہ جہاد کرتے ہیں اور کُفّار کے مقابلے میں مارے جاتے ہیں، اُن کے درجۂ شہادت کو کوئی نہیں پہنچتا۔ حاصل کلام یہ ہے کہ یہ غازی جو خُدا کے واسطے ہمارے ساتھ ہیں، یہ سب اپنے گھر کے کھاتے پیتے خوش حال تھے، کوئی تو اُن میں بیش قرار نوکری چھوڑ کر آیا ہے، کوئی اپنی جاگیر، زراعت اور کوئی پیشہ اور تجارت چھوڑ کر آیا ہے اور یہاں یہ سب ہمارے پاس اللہ تعالیٰ کے لیے رہتے ہیں، فقر و فاقہ سہتے ہیں، خُوش و خُرّم راضی برضا صابر بقضا ہیں۔ اگر اسی طرح تم صاحب بھی رہو، جو کچھ ہمارے یہ بھائی کھائیں پہنیں، وُہ تم کھاؤ پہنو، اس امر میں ہم حاضر ہیں اور جب اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے ہم کو کسی اور طَور کی فراغت دے گا، تب

تنخواہ دار سپاہی اور اُن کی برطرفی

ایک مرتبہ خہر میں لشکر کے چند لوگوں نے سیّد احمد علی صاحب کے توسّط سے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ مولوی سیّد محبوب علی صاحب کے چلے جانے اور اُن کے ساتھ کچھ اور لوگوں کے واپس ہو جانے، نیز اُن کے اثر سے ہندوستان کے قافلوں کی آمد بند ہو جانے کی وجہ سے آدمیوں کی کچھ کمی ہو گئی ہے۔ اگر اس وقت دو ڈھائی سَو پردیسی آدمی چار چار روپے کی شرح پر ملازم رکھ لیے جائیں، تو بہتر ہے۔

آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اپنا کام آپ بناتا ہے، وہ کسی کا مُحتاج نہیں ہے۔ چاہے تو قلیل جماعت کو کثیر جماعت پر غالب کر دے؛ اور چاہے، اس کے برعکس کرے۔ اُس کو سب قُدرت ہے۔ وُہ اپنا کام بغیر کسی کی اعانت و شرکت کے بناتا ہے، مگر خیر، اگر آپ کی رائے میں یہی ہے، تو دو سَو آدمی نوکر رکھ لیں۔

دونوں صاحبوں نے لوگوں سے کہا کہ حضرت کی مرضی تو نہ تھی، مگر تم لوگوں کی خاطر سے آپ نے دو سَو آدمیوں کی اجازت دی ہے۔ ان سب نے اخوند ظہُور اللہ کو تجویز کیا۔ آپ نے اُن کو رخصت دی۔ وہ اپنے وطن کو گئے اور کوئی ڈیڑھ یا پونے دو مہینے کے بعد اُن کی عرضی آئی کہ میں نے آپ کی اجازت کے موافق دو سَو پنجابی مسلمان چار چار روپے کی شرح کے نوکر رکھے ہیں۔ وُہ اُن کو کاٹ لنگ میں لے کر آئے۔

کچھ عرصے کے بعد اُن کی تنخواہیں چڑھ گئیں اور اُنھوں نے اخوند ظہُور اللہ کو پریشان کرنا شروع کیا۔ اسی عرصے میں ہندوستان سے کچھ رقمیں آئیں۔ لشکر کے بعض مُخلص خیر خواہوں اور مُخلصین نے آپ سے عرض کیا کہ یہ جو اتنے لوگ آپ نے نوکر رکھے ہیں، یہ کس مُلک کی آمدنی پر رکھے ہیں۔ ڈھائی ہزار روپے اُن کی تنخواہ کے چڑھ گئے ہیں اور ابھی تک ایک پیسے کا کام اُن سے نہیں نکلا۔ مُناسب یہ ہے کہ اُن کا چڑھا ہُوا اُن کو دے کر جلد اُن کو برطرف کر دیا جائے۔ آپ بارہا ارشاد فرما چکے ہیں کہ میرا جو کام کسی صاحب کے نزدیک نامناسب ہو، وُہ بے تکلّف مجھے اطّلاع کرے۔ مَیں یا تو جواب دے کر اُس کو تسلّی کر دُوں گا یا مَیں اُس کام کو چھوڑ دُوں گا۔ اس امر میں جو کوئی جان بُوجھ کر سکوت کرے گا،

آدمی اپنے ساتھ لے کر جاؤ اور خبر لاؤ کہ کون لوگ آتے ہیں۔ کچھ دیر میں لوگوں کی زبانی معلوم ہوا کہ اپنے ہی لشکر کے آدمی ہیں، جو پیچھے رہ گئے تھے۔ وہ ۲۵، ۳۰ آدمی تھے، جن میں شیخ امجد علی غازی پوری سوار، اور راجہ رام راجپوت پیادوں میں تھا۔ آپ نے راجہ رام کو شاباش دی اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ تم کو ہدایت نصیب کرے! تم نے خوب ہی بہادری کا کام کیا۔ شیخ امجد علی کو دیکھ کر تبسم کیا اور فرمایا ہمارے شیخ بھائی گویا زندہ شہید ہیں جس نے شہید نہ دیکھا ہو، وہ ان کو دیکھے کہ ایسی خطرناک جگہ سے زندہ سلامت بچ آئے۔

اسی روز کئی ملکیوں کی زبانی جو اُتمان زئی سے آئے تھے معلوم ہوا کہ سید صاحبؒ تر لشکر کے ساتھ رات کو کوچ کر کے جلالہ کی طرف روانہ ہوئے، مگر درانی خوف کے مارے پہر دن چڑھے تک توپوں کے پاس نہ آئے کہ ایسا نہ ہو بستی میں غازیوں کا لشکر چھپا ہو جب اُن کو اچھی طرح ثابت ہو گیا کہ وہاں کوئی نہیں، تب وہ آکر توپیں لے گئے۔

خہر کو واپسی جلالہ سے آپ مع لشکر خہر واپس آئے۔ وہیں سید احمد علی، مولوی مظہر علی عظیم آبادی، حسن خاں، شیخ علی محمد دیوبندی، ارباب جمعہ خاں وغیرہ بھی خیبر سے واپس آگئے اور وہاں کے لوگوں کی بدعہدی کا حال بیان کیا۔

دس پندرہ دن کے بعد آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد سے فرمایا کہ ٹوٹئی میں جو روپے ہم اُتمان زئی کے کوچ سے پہلے دفن کر آئے تھے، لے آئے جائیں چنانچہ وہ واپس لائے گئے۔

بخارا کی طرف سفارتِ جہاد لشکر کے چند اہل الرائے اور اہل علم حضرات نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اگر مناسب سمجھیں، تو ایک جماعت، دعوتِ جہاد کے لیے بخارا روانہ فرمائیں آپ کو یہ مشورہ پسند آیا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے میاں جی چشتی صاحب کو اس مہم کے لیے تجویز کیا۔ آپ نے فرمایا کہ بالکل تو اُرد ہوا۔ چنانچہ میاں جی چشتی کو نو آدمیوں کے ساتھ روانہ فرمایا اور ایک قرآن مجید کا نہایت خوشخط و مطلا نسخہ، جو آپ کو نواب امیر خاں نے ہدیہ کیا تھا، شاہِ بخارا کے لیے دیا اور دعوت و جہاد کا ایک عام اعلام نامہ بھی سپرد کیا۔

پھر آپ نے بستی سے عالم خاں کو بھی وہیں بُلوایا اور فرمایا کہ ہم نے سُنا ہے کہ سردار سید محمد خاں کا بھائی دو آبے سے ان دُرّانیوں کی مدد کو لشکر لا رہا ہے، اس لیے تم تسلّی سے اپنے مکان میں جا کر بیٹھو۔ ہم اس وقت جا کر اُن پر شبخون ماریں گے۔ یہ سُن کر عالم خاں بہت گھبرایا، وہاں سے جلد اپنے مکان پر آیا اور اپنا ایک آدمی دُرّانیوں کی طرف روانہ کیا کہ ہوشیار ہو جاؤ، سیّد بادشاہ کا چھاپہ تمہارے کمک والوں کے لشکر پر آتا ہے اور عجب نہیں کہ تم پر بھی آ پڑے۔ سیّد صاحبؒ بھی اسی وقت سوا سو مجاہدین کے ساتھ اس درخت کی طرف تشریف لے گئے اور جماعت دار، بھیلے دار سب مورچوں کو روانہ ہُوئے اور آپ کے ارشاد کے موافق ہر مورچے میں دو یا تین غازی رہنے دیے اور باقی سب کو وہاں سے لا کر اسی درخت کے پاس سیّد صاحبؒ کی خدمت میں جمع کیا۔ آپ نے سب کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھ جلالہ کی طرف رخصت کیا اور کوئی پچاس آدمی اپنے پاس رکھ لیے۔ پھر سیّد ابو محمد صاحب کو مورچوں میں بھیجا کہ جو لوگ وہاں ہیں اُن کو بھی اپنے ساتھ لے آؤ۔ ابو محمد صاحب سب کو آپ کے پاس لے آئے۔ اُن کو آپ اپنے ساتھ لے کر روانہ ہُوئے۔ صرف ایک ہندو راجہ رام سلون ضلع رائے بریلی کے پاس کا رہنے والا اور مولوی احمد اللہ صاحب کا ساتھی توپوں پر رہ گیا۔ اُس کو آپ کے کُوچ کی خبر نہ ہُوئی۔ وُہ خود ہی دونوں توپوں کو بھرتا تھا اور آپ ہی چلاتا تھا۔ مجاہدین راستے میں اُس کی توپوں کی آواز سُنتے چلے جاتے تھے۔ بستی والے بھی اس سے مزاحم نہیں ہوتے تھے۔ وُہ سمجھتے تھے کہ سیّد بادشاہ کے ساتھی دُرّانیوں پر چھاپہ مارنے گئے ہیں۔ وہاں سے وہ لوگ پھر یہاں آئیں گے۔

جُونہیں مُجاہدین کے مورچوں سے بندوقیں چلنی موقُوف ہُوئیں، مقابل کا لشکر بھاگا، کیونکہ عالم خاں سے شبخون کی خبر اُن کو مل چکی تھی۔

جلالہ سے دُوسرے دن ظُہر کے وقت جب مُجاہدین نماز سے فارغ ہُوئے، یکبارگی غُل ہُوا کہ نالے کی طرف کچھ سوار اور پیادے نظر آتے ہیں۔ سب کو احتمال ہُوا کہ دُرّانی آ پہنچے۔ سیّد صاحبؒ نے لوگوں کو حکم دیا کہ جلد کمر باندھ کر ہتھیار لگا کر تیار ہو جاؤ۔ اور رسُول خاں جلالہ والے سے کہا کہ چند

اپنے ساتھ لے کر دُرّانیوں سے جا ملا۔ اب کوئی بات میرے قابو کی نہیں رہی، اس لیے کہ جن سے مجھ کو زور اور طاقت حاصل تھی، وہ سب اُس کے ساتھ چلے گئے۔ اب آپ جیسا مناسب جانیں ویسا کریں۔

یہ خبر سیّد صاحبؒ کو اُسی روز عصر سے پہلے پہنچ چکی تھی کہ عالم خاں کی نیّت میں کچھ فتور آ گیا ہے، مگر یہ نہیں معلوم تھا کہ فی الحقیقت اُس کا بیٹا اُس سے منحرف ہو کر دُرّانیوں سے جا ملا، یا اس میں اسی کی سازش ہے۔ سیّد صاحبؒ نے عالم خاں سے کہا کہ خان بھائی، تم اپنے گھر جا کر تسلّی سے بیٹھو، ہم کو تمھارے بیٹے اور کسی دوسرے کی پروا نہیں کہ کوئی ہماری مدد کرے۔ ہم کو اللہ تعالیٰ کافی ہے۔

خیبریوں کا اختلاف اور دُرّانیوں سے اتّحاد

عالم خاں اپنے مکان کو چلا گیا۔ اس عرصے میں مولوی نصیر الدین منگلوری ایک آدمی کے ساتھ عشا کے قریب آپ کے پاس آئے اور عرض کیا کہ ارباب بہرام خاں وغیرہ کی کوششوں سے خیبریوں میں جو اتّحاد ہوا تھا، وہ ٹوٹ گیا، وہ سب کے سب پھوٹ کر دُرّانیوں کی طرف ہو گئے۔ یہ خبر سُن کر آپ نے فرمایا کہ کیا اندیشہ ہے ہمارا اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔ ہم نے تو انھیں لوگوں کی خوشامد اور چاپلوسی کے سبب وہاں خیبر کو بھی لوگ روانہ کیے تھے اور یہاں بھی اپنے لشکر کو لے کر آئے تھے، مگر یہ لوگ کوئی بھی اپنے عہد و پیمان کے پورے نہیں ہیں۔ اب یہ جانیں، ہم سے کچھ کام نہیں۔

مراجعت کی تجویز

آپ نے نمازِ عشا کے بعد سب جماعت داروں اور بہیلہ داروں کو اپنے پاس بُلا کر مشورہ کیا کہ عالم خاں کی تقریر آپ سب سُن چکے۔ خیبریوں کا حال بھی مولوی نصیر الدّین صاحب کی زبانی معلوم ہو گیا کہ ارباب بہرام خاں نے جن لوگوں کو متّفق کیا تھا، اُن میں اختلاف پڑ گیا، سب کے سب پھوٹ کر دُرّانیوں کی طرف ہو گئے۔ اس لیے اب یہاں سے چلنے کی تدبیر کرنی چاہیے، مگر اس طرح کہ ہر مورچے میں دو یا تین آدمی تو رہنے دینے چاہئیں کہ وہ بندوق چلاتے رہیں، باقی سب کو بستی اُتمان زئی سے کوئی پاؤ کوس پر جو درخت ہے، وہاں جمع لیجیے۔ اُن سے یہ کہیے کہ یہ صلاح ٹھیری ہے کہ دُرّانیوں کی پُشت پر چل کر شبخون مارا جائے۔

نماز پڑھی۔ شاہینوں کی گولیاں ایسی تیز آتی تھیں کہ مجاہدین میں سے کوئی سر نہیں اُٹھا سکتا تھا۔ اُس وقت لوگوں نے سیّد صاحبؒ سے عرض کی کہ اگر اجازت ہو، تو ہم لوگ اُن پر حملہ کریں: سامنے سے تو مورچے والے ماریں، اور کچھ لوگ اُن کے بائیں جانب سے جا کر ماریں۔ پھر جس کو اللہ فتح دے، وہ لے۔ آپ کو یہ مشورہ پسند آیا اور فرمایا کہ آفرین ہے تم کو! اللہ تعالیٰ اس سے زیادہ جرأت و بہادری نصیب کرے، مگر ابھی توقف کرو۔ دیکھو کہ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و حکمت سے کیا راستہ نکالتا ہے۔ لیکن آگے بڑھ کر اُن کے بائیں جانب مورچہ لگا کر بندوقیں مارو اور ہماری اجازت کے بغیر حملہ نہ کرنا۔ ہم سیّد ابو محمدؒ صاحب کو بھیجیں گے۔ جیسا وہ کہیں، ویسا عمل میں لانا۔

آپ کے فرمان کے موافق لوگوں نے آگے بڑھ کر وہیں دُرّانیوں کے بائیں جانب مورچہ لگایا اور سَو سَوا سَو مجاہدین کے ساتھ سیّد صاحبؒ توپوں کے پاس تشریف لائے اور مرزا حسن بیگ سے فرمایا کہ دُرّانیوں کی شاہینوں نے ہمارے غازیوں کو بہت تنگ کر رکھا ہے۔ کسی طرح اُن کو بند کرو۔ اُنھوں نے عرض کی کہ بہت خوب، دیکھیے، انشاء اللہ تعالیٰ بند کرتا ہوں۔ سیّد صاحبؒ تو وہاں سے ایک درخت کے نیچے تشریف لے گئے اور مرزا صاحب نے اُن کی شاہینوں کی طرف شست باندھی۔ جیسے ہی ایک شاہین کی زنجک اُڑی ویسے ہی مرزا صاحب نے ایک توپ کو بتّی دی۔ مگر وُہ گولا خالی گیا۔ اِس دوران میں اُنھوں نے توپ کے جواب میں دُوسری سر کی۔ مرزا صاحب نے فوراً اُس کی زنجک پر ایک توپ کی شست باندھی۔ اِس عرصے میں دوسری شاہین بھی چلی۔ مرزا صاحب نے اس کی زنجک پر دوسری توپ کی شست باندھی اور دونوں توپوں کو آگے پیچھے بتّی دی۔ واللہ اعلم اس طرف کیا حال گزرا کہ پھر ان شاہینوں میں سے ایک بھی نہ چلی، مگر بندوقیں بدستور دونوں طرف چلتی رہیں۔ کچھ کچھ دیر کے بعد مرزا صاحب دو ایک توپ بھی اپنے موقع پر چلاتے رہے۔

عالم خاں کی کمزوری اور معذرت اس عرصے میں اُتمان زئی کا عالم خاں، جس نے دُرّانیوں پر حملے کی تحریک اور دعوت دی تھی، سیّد صاحبؒ کے پاس آیا اور رونے لگا اور اپنے سر کی پگڑی اُتار کر آپ کے قدموں پر ڈال دی اور کہنے لگا کہ میرا بیٹا مجھ سے منحرف ہو کر اور میرے طرفداروں کو

خیبر کی۔ وہاں سے توپ کی زد پر ایک ٹیلا تھا۔ دُرّانیوں کا لشکر اُس کی آڑ پکڑ کر کھڑا ہُوا۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ دونوں توپیں جو بھری ہُوئی تیار ہیں، اس ٹیلے کے سامنے لگا دو۔ آدھے لوگ اُن کے مقابلے پر رہیں اور آدھے لوگ نمازِ فجر پڑھ لیں۔ اس کے بعد یہ مقابلے پر جائیں، وُہ نماز پڑھ لیں۔ چنانچہ اَیسا ہی ہُوا۔ اِس عرصے میں کچھ مجاہدین دائیں بائیں سے مورچہ بندی کے طَور پر پہلے قافلے کے بیچ میں گئے تھے۔ اُن کو دیکھ کر دُرّانیوں کے سوار دو دو، چار چار کر کے اس ٹیلے پر جمع ہُوئے۔ مُجاہدین نے سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ یہ سوار ٹیلے پر جمع ہیں، اَیسا نہ ہو کہ ہم پر حملہ کریں۔ سیّد صاحبؒ نے آگے بڑھ کر مُجاہدین کے چار مورچے چار جگہ قائم کیے۔ جانبین سے بندوقیں چلنے لگیں۔ پھر مجاہدین نے عرض کی کہ اگر اجازت ہو، تو توپ چلائیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی تأمّل کرو۔ تھوڑی دیر کے بعد آپ توپوں کے پاس آئے اور اُن کو کھچوا کر ایک ٹیلے پر لگا دِیا اور سواروں کے غول پر شست باندھی۔ مرزا حسن بیگ بانس بریلوی سے، جو توپ چلانے میں بڑے اُستاد تھے، فرمایا کہ دیکھو تو، شست ان توپوں کی اس غُول کی طرف کیسی ہے۔ مرزا صاحب نے دیکھ کر کہا کہ دُرست ہے۔ آپ نے فرمایا کہ بتّی دو۔ اُنھوں نے ایک توپ کو سر کیا۔ وہ گولہ ان سواروں کے سر پر ہو کر نکل گیا! اس میں وہ سوار پراگندہ ہو گئے۔ مرزا صاحب نے دُوسری توپ سر کی۔ اس گولے میں ان میں سے دو سوار اُڑ گئے اور باقی اُوپر سے اُتر کر اسی ٹیلے کی آڑ میں کھڑے ہو گئے اور پیادوں کی بندوقیں چلتی رہیں۔ جب مجاہدین ان کے کسی مورچے کا زیادہ زور دیکھتے، تو اس طرف ایک یا دو گولے مار دیتے۔ یا جب دس بیس سواروں کا مجمع ٹیلے پر ہوتا، تب ایک یا دو گولے مار دیتے۔

اِسی طرح صبح سے شام تک اُس روز لڑائی رہی، مگر مجاہدین میں سے نہ کوئی زخمی ہُوا اور نہ مقتول۔ ظہر اور عصر کی نماز فجر کی نماز کی طرح دو بار کر کے آدھے آدھے لوگوں نے پڑھی۔ جب مغرب کا وقت آیا، اُس وقت دُرّانیوں نے بہت زور دیا۔ شاید اُن کو کسی طرف سے کچھ کمک آ گئی، اس لیے کہ ان میں دو شاہینیں اُن کی طرف سے چلنے لگیں، جو پہلے نہ تھیں۔ گولیوں کا مینہ سا مجاہدین پر برستا تھا، مگر سرد گولیاں آتی تھیں۔ مغرب کی نماز مجاہدین کو پڑھنی دُشوار ہو گئی۔ پھر اسی تقسیم و انتظام سے

جگہ پر پہنچایا۔ اس عرصے میں دُوسرا مُخبر بھی آیا اور کہا کہ موضع اُتمان زئی کو بائیں ہاتھ کی طرف چھوڑ کر میرے پیچھے پیچھے چلے آؤ۔ اُس وقت کوئی پانچ چھ گھڑی رات رہی ہوگی۔

کامیاب شبخون | یہ سُن کر آپ نے اپنے لشکر کو دو گروہوں میں تقسیم کیا۔ ایک گروہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے سپُرد کیا اور فرمایا کہ آپ اس جاسوس کے ساتھ جاکر دُرّانیوں کے لشکر پر شبخون ماریں؛ اور ایک گروہ اپنے ہمراہ لے کر موضع اُتمان زئی کی طرف روانہ ہُوئے کہ اگر دُرّانی چھاپے سے بھاگیں گے تو بستی میں آکر گھُسیں گے، یہاں ہم اُن سے مقابلہ کریں گے۔ یہ آپ نے ہمراہیوں سے فرمایا کہ جو کوئی تم سے مقابلہ کرے، اس کو مارنا اور جو تم سے امن مانگے، اُس کو امن دینا، اُس کا پیچھا نہ کرنا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ساتھیوں سے بھی یہ فرما دیا تھا۔

جب مولانا اپنی جماعت لے کر دُرّانیوں کے لشکر سے توپ کی زد پر گئے اور وہاں کھڑے ہُوئے، آپ نے سب لوگوں سے کہا کہ اب یہاں سے حملہ کریں گے؛ جب تک ہماری بندوق نہ چلے، کوئی دُوسرا نہ چلائے۔ پھر وہاں سے آگے بڑھے۔ دُرّانیوں کا چور پہرا کھڑا تھا۔ اُس نے آواز دی: "کون ہے؟" اس طرف سے کوئی نہ بولا۔ دُوسری بار پھر اُس نے آواز دی۔ پھر اِدھر سے کوئی نہ بولا۔ تیسری آواز پھر اس نے دی۔ جب کوئی اِدھر سے نہ بولا، تب اُس نے بندوق ماری اور شور کر کے بھاگا کہ لشکر آپہنچا۔ اِدھر سے سب نے بآوازِ بلند تکبیر کہتے ہُوئے حملہ کیا۔ اُدھر سے گولنداز نے توپ سر کی۔ سب مُجاہدین بیٹھ گئے۔ پھر اُٹھ کر دَوڑے یہاں تک کہ اُن کے لشکر میں جا داخل ہُوئے۔ پھر اُدھر سے دُوسری توپ چلی۔ اِدھر سے مولانا نے بندوق سَر کی۔ اس کے ساتھ ہی مجاہدین کی ایک بار دھچلی اور سب نے جاکر اُن کی دونوں توپیں لے لیں۔ اُن کا ایک گولنداز مارا گیا، باقی لشکر اور گولہ انداز بھاگ کھڑے ہُوئے یہاں تک کہ کسی نے بندوق بھی نہ چلائی۔ اِدھر فضلِ الٰہی سے نہ کوئی مارا گیا اور نہ زخمی ہُوا۔

مجاہدین کی مورچہ بندی اور دن بھر کی جنگ | اِدھر سے سیّد صاحبؒ بھی اپنا غول لے کر آپہنچے۔ آپس میں مُبارکباد ہُوئی اور سب نے اللہ تعالیٰ کا شُکر ادا کیا کہ سب طرح سے اللہ نے

یہ خبر سُن کر آپ نے رسُول خاں اور عالم خاں کو بُلا کر فرمایا کہ چالیس پچاس گھڑے پانی آج کسی وقت جس راستے ہم جائیں گے، یہاں سے روانہ کر دو اور جب تک ہمارا لشکر وہاں داخل ہو، تب تک مزدوروں کو وہیں اپنے ساتھ رکھنا۔ اس روز نمازِ عشا کے بعد، کوئی پہر رات گئے، پندرہ بیس بندوقچیوں کے ساتھ رسُول خاں اور عالم خاں پانی کے گھڑے مزدوروں کے سروں پر رکھ کر روانہ ہُوئے۔ صبح کو آپ نے وُہ بطکیاں منگوائیں اور چاروں جماعت داروں کو بُلا کر آپ نے حکم دیا کہ جو لوگ چالاک و چُست اور صحیح تندرست ہوں کہ دس بارہ کوس جانے اور پلٹ آنے کی طاقت رکھتے ہوں، ان کو ایک ایک بطکی دے کر کہ دو کہ ہر کوئی دو دو وقت کی روٹیاں پکا کر باندھ لے۔ آج عصر سے پہلے کُوچ ہے اور جو لوگ بیمار اور چلنے سے ناچار ہوں، اُن کو یہیں رہنے دینا اور ہماری طرف سے اُن کی تسلی و تشفی کر دینا کہ انشاء اللہ تعالیٰ پیچھے سے تم کو بھی بُلوا لیں گے یا ہم بھی آکر ملیں گے۔

لوگ سب سامان درُست کر کے سو رہے کہ تمام رات چلنا ہوگا۔ جب ظُہر کی اذان ہُوئی، آپ نے اُٹھ کر وضُو کیا اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے فرمایا کہ پہر دن رہے سے سب بھائی کمر باندھ کر تیار رہے، جو یہاں سے پاؤ کوس ہے، جمع ہوں، عصر کی نماز وہیں پڑھیں گے۔ لوگ تیار ہو کر گئے۔ سیّد صاحبؒ بھی دو سو پیادہ اور سواروں کے ساتھ تشریف لے گئے۔ مَیدان میں نمازِ عصر پڑھائی اور بہُت الحاح و زاری کے ساتھ دُعا فرمائی اور اُن جاسُوسوں کو، جو اُتمان زئی سے دُرّانیوں کی خبر لائے تھے، آگے کیا اور وہاں سے کُوچ فرمایا۔

قریب پہر رات گئے اس پانی پر، جو رکھایا تھا، جا پہنچے اور وہیں نمازِ عشا پڑھی۔ ہندوستانی اور ملکی ملا کر قریب ہزار آدمی کے ہوں گے۔ آپ نے ان دو جاسُوسوں سے کہا کہ ایک تم میں سے آگے جائے اور دُرّانیوں کے لشکر کی خبر لائے کہ اُن کے لشکر میں کس طرف لوگ ہوشیار ہیں اور کس طرف غافل، اور ایک ہمارے لشکر کے ساتھ رہے۔ پھر ان دونوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ میں تو لشکر کو لے کر اُتمان زئی سے آدھ کوس جانب شمال فلاں جگہ ٹھیروں گا اور تم خبر لے کر وہیں آنا۔ پھر ایک اُدھر گیا اور دُوسرا لشکر کے ساتھ رہا۔ جاتے جاتے اس جاسُوس نے پتے کی

موتبے عنایت فرماتا ہے۔ اسی طرح آپ فرماتے رہے اور کہتے کہتے دفعتہً دریائے محبّتِ الٰہی نے جوش مارا اور آپ برہنہ سر ہو کر دُعا کرنے لگے۔ طرح طرح سے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا بیان کرتے تھے اور گوہرِ اشک سے دامن بھرتے تھے اور اللہ تعالیٰ کی تعریف میں عجیب عجیب الفاظ آپ کی زبان سے نکلتے تھے۔ اُس وقت اِس دُعا کی تاثیر اور برکت سے ہر شخص کا عجیب حال تھا۔ دن بھر کی تکلیف خواب و خیال ہو گئی تھی، سب میں نئی زندگی اور تازگی پیدا ہو گئی تھی۔ لوگوں نے دُعا کے بعد عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو، تو نمازِ مغرب کے بعد ہم لوگ اُتمان زئی کو روانہ ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ اتنی عُجلت کی ضرورت نہیں، تسلّی اور دل جمعی سے کام خوب ہوتا ہے۔ لوگ یہ سُن کر خاموش ہو گئے۔

آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل، مولوی حبّان، رسُول خاں، عالم خاں، محمُود خاں اور منصُور خاں، زید اللہ خاں، عنایت اللہ خاں اور ربنالی خاں وغیرہ کو جمع کیا اور فرمایا کہ آج ہمارے مجاہدین کو راستے میں بڑی تکلیف ہوئی۔ اگرچہ اپنی ہمّت و جرأت سے باتیں کرتے ہیں، مگر جان ہی جان باقی ہے۔ اب یہاں سے کُوچ کی کیا تدبیر ہے؟

آخر مشورے میں یہ قرار پایا کہ اُتمان زئی تو یہاں سے کڑی منزل ہے، راستے میں پانی بھی نہیں ہے، وہاں تک تو پہنچنا دُشوار ہے۔ یہاں سے ڈھائی یا تین کوس موضع جلالہ ہے۔ وہاں سے بھی موضع اُتمان زئی اسی قدر ہے۔ آج رات تو سب اسی چراگاہ میں رہیں تاکہ ماندگی بھی رفع ہو اور نبیذ کا خمار بھی دُور ہو، پھر کل یہاں سے چل کر جلالہ میں ڈیرہ ہو۔

کُوچ کی تیاری آپ کو یہ صلاح پسند آئی۔ رات کو اِسی چراگاہ میں وُہ لشکر رہا، وہاں کے گوجروں نے دُودھ دہی کی خُوب مہمانی کی۔ نمازِ فجر کے بعد کُوچ ہُوا۔ دِن چڑھے موضع جلالہ میں داخل ہُوئے وہاں پانچ دن قیام رہا۔ دُرّانیوں کا حال معلوم کرنے کے لیے وہاں سے دو مُلکی اُتمان زئی کو روانہ کیے گئے۔ رسُول خاں کے مشورے سے مٹی کی ایک ہزار بطکیاں بنوائی گئیں، جن میں دو ڈھائی سیر پانی سما سکتا تھا۔ دونوں جاسُوسوں نے آکر خبر دی کہ دُرّانیوں کا لشکر، پیادہ و سوار ملا کر، چار ہزار کے قریب ہے گا۔ ان کے ساتھ دو توپیں بھی ہیں۔

چلو۔ مجھ کو سورج نکلتے ہی معلوم ہوا تھا کہ راستہ اتنی دور ہے۔ اگر میں پہلے سے پانچ چھ کوس بتا دیتا، تو تم سب کے سب گھبرا کر بے حواس ہو جاتے، راستہ طے کرنا پہاڑ ہو جاتا۔ الغرض، سب کو اُمید ہوئی کہ انشاء اللہ تعالیٰ وہاں ضرور پانی ہوگا، اِس لیے کہ وہاں سے اس ٹیلے کی طرف چار پانچ گوجروں کے جھونپڑے نظر آتے تھے۔ مگر پیاس سے سب کے سب جاں بلب تھے۔ رہبر نے کہا کہ میں آگے چل کر تمہارے واسطے پانی بھیجتا ہوں، تم بھی آہستہ آہستہ اسی طرف چلے آؤ۔ یہ کہہ کر وہ آگے بڑھ گیا اور جو قوی دل اور باحواس تھے، وہ اُس کے ساتھ ہو لیے۔ ایک سقہ بیل پر کھال لیے ہوئے اور ایک سقہ مشک لیے ہوئے اُن کے ساتھ ہوا۔ تقریباً پونے دو سو آدمی آگے گئے۔ باقی لوگوں کا یہ حال تھا کہ جا بجا مارے دھوپ کے چھوٹی چھوٹی جھاڑیوں میں سر ڈالے ہوئے بے حواس پڑے تھے اور کچھ آہستہ چلے بھی جاتے تھے۔ اس عرصے میں آگے جانے والوں نے ایک کھال پانی بیل پر اور دو مشکیں گدھے پر لاد کر پچھلے لوگوں کے لیے بھیجیں۔ گوجر بھی مشکوں میں چھاچھ، دودھ اور پانی لے کر دوڑے۔ جو لوگ راستے میں تھے، وہ ایسے پیاسے تھے کہ سب پانی اور چھاچھ وغیرہ پی گئے اور جو جھاڑیوں میں جا بجا پڑے تھے۔ اُن تک پانی نہ پہنچا، جنھوں نے پیا تھا، وہ چراگاہ پہنچے اور کھال، مشکیں اور مشکے وغیرہ پانی سے دوبارہ بھر کر لے دوڑے۔ چراگاہ سے جھاڑیوں تک آدمیوں کی ایک قطار سی بندھ گئی۔ سب سیراب ہوئے اور وہاں سے چراگاہ میں آئے۔ چراگاہ پہنچتے پہنچتے دوپہر ہو گئی تھی۔

سیّد صاحبؒ کی آمد اور مجاہدین کی تشفی

اسی روز سیّد صاحبؒ ڈھائی تین سو سواروں اور پیادوں کے ساتھ عصر و مغرب کے درمیان چراگاہ میں آئے۔ تمام لوگ اس دن کی تکلیف سے بیتاب و پژمردہ پڑے ہوئے تھے۔ آپ کو دیکھ کر سب اپنی تکلیف بھول گئے اور خوشی سے تر و تازہ ہو گئے۔ لوگوں نے آپ سے دن کا واقعہ بیان کیا۔ آپ نے ہر ایک کو تسلی دی اور فرمایا کہ یہ بھی اللہ کی طرف سے ایک آزمائش تھی۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو طرح طرح کی تکلیفوں اور مصیبتوں سے آزماتا ہے: بھوک سے، پیاس سے، خوف سے، نقصانِ مال و جان سے۔ جو صبر کر کے اِن بلاؤں کو سہتا ہے اور دین کے راستے پر ثابت قدم رہتا ہے، اُس کو اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے بڑے بڑے درجے اور

مُجاہدین کی آزمائش مُجاہدین نے مغرب کے قبل نالے پر پہنچ کر وضو کیا اور مشکیزوں اور لوٹوں میں پانی بھر لیا اور مغرب وعشا پڑھ کر رہبر کی رہنمائی میں روانہ ہُوئے۔ راہبر گھاٹی سے نکال کر آگے لے چلا۔ وہاں کوسوں مَیدان ہی مَیدان نظر آتا تھا۔ رات اندھیری تھی۔ راہبر سے راستہ چھُوٹ گیا۔ تمام رات سراسیمہ وسرگردان سب کو لیے اسی بیابان میں پھرا کیا یہاں تک کہ سُورج نکلا اور دُھوپ تیز ہونے لگی۔ جو پانی لوگوں نے نالے سے ساتھ لیا تھا، ختم ہو گیا اور پیاس معلوم ہونے لگی۔ پانی کا وہاں کوسوں نام نہ تھا۔ لوگوں نے رہبر کو تنگ کرنا اور الزام دینا شروع کیا کہ تم نے ہم کو کہاں لاکر ڈالا۔ اس نے دیر تک سوچ کر ایک طرف ہاتھ سے اشارہ کیا اور کہا کہ وُہ جو ایک ٹیلا سا نظر آتا ہے، وہاں پانی ہے۔ وہ ٹیلا وہاں سے ڈیڑھ یا دو کوس تھا۔ آخر سب لوگ اس کے ساتھ چلے۔ وہاں جاکر دیکھا، تو پانی کا نام ونشان بھی نہ تھا۔ لوگ گھبرا کر اس سے کہنے لگے: "تو کہاں ہم کو حیران وپریشان کرتا پھرتا ہے؟" وہاں دو ڈھائی کوس پر ایک دُوسرا ٹیلا نظر آیا۔ اُس نے کہا: "بھائیو، گھبراؤ نہیں، میرے ساتھ آؤ، وہاں پانی ملے گا۔" آخر سب اُس ٹیلے کی طرف روانہ ہُوئے۔ لوگ دُھوپ کی تمازت اور پیاس کی شدّت سے بیتاب تھے۔ بہ ہزار دقّت گرتے پڑتے وہاں تک پہنچے، مگر وہاں بھی پانی کا پتہ نہ تھا۔ سوا پہر، ڈیڑھ پہر دن ہو چکا تھا۔ گرمی اور تشنگی سے ہر ایک کے بدن میں چنگاریاں سی لگ رہی تھیں، ہلاکت کا قوی اندیشہ تھا، ہر ایک شخص سمجھ رہا تھا کہ اسی مَیدان میں مَوت آنی ہے اور تڑپ تڑپ کر جان دینا ہے، مگر شکرِ الٰہی کے سوا کوئی شکایت کا کلمہ زبان پر نہ آیا۔ اگرچہ ہر ایک اضطراب اور پیاس سے نیم جان ہو رہا تھا، مگر دُوسرے کو تسلّی دیتا تھا کہ مت گھبراؤ، اللہ تعالیٰ فضل فرمائے گا، خُدا کی راہ میں مسلمانوں نے بڑی بڑی تکلیفیں اٹھائی ہیں، یہ پیاس کی تکلیف تو کچھ بھی نہیں ہے۔

آخر اس راہبر نے کہا: بھائیو، اب کچھ اندیشہ مت کرو، اب راستہ یہاں سے قریب ہے ایک تیسرا ٹیلا وہاں سے کوئی سوا کوس تھا۔ ہاتھ کے اشارے سے اُس نے بتایا کہ وہاں گوجروں کے جانوروں کی چراگاہ ہے، پانی بھی بہت ہے اور دُودھ دہی سب موجُود ہے۔ کسی طرح وہاں تک چلے

جائیں کہ وُہ وہاں سے اپنی قوم کو متفق کر کے پشاور پہ لائیں اور ادھر سے آپ باقی لشکر لے کر اُتمان زئی کی طرف کُوچ فرمائیں اس لیے کہ ارباب بہرام خاں خیبر کی طرف اپنی قوم اور دُوسرے قبائل کو بلالیں گے، تو اس طرف سے دُرّانیوں کو مدد نہیں مِل سکے گی۔

یہ تدبیر سب کو پسند آئی اور آپ نے ارباب بہرام خاں کو ساتھ بھیجنے کے لیے مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو جماعت کے ساتھ اور شیخ ولی محمد پھلتی کی جماعت کے چند لوگوں کے ساتھ شیخ علی محمد دیوبندی اور مولوی نصیر الدین منگلوری کو مقرر فرمایا اور پوری جماعت کا امیر سید احمد علی رائے بریلوی کو، جو آپ کے بھانجے تھے، بنایا اور اُن کو رُخصت کرتے وقت ننگے سر ہو کر دیر تک بڑے عجز و انکسار سے دُعا کی اور روانہ فرمایا۔

موضع ٹوٹئی میں جب یہ لوگ خیریت کے ساتھ خیبر میں داخل ہُوئے اور ارباب بہرام خاں نے وہاں کے لوگوں کے متفق ہونے کی خبر بھیجی اور کہلایا کہ مہمند اور خلیل کے سرداروں اور خوانین کو بھی میں نے بُلایا ہے، تو آپ نے یہ معلوم کر کے کُوچ کی تیاری کی، معذورین کو بی بی صاحبہ کی حفاظت کے لیے خہر میں چھوڑا اور میاں جی غلام محمد سہارنپوری کو انتظام اور بندوبست کے لیے مقرر کیا، پھر اَلاڈنڈ کے عنایت اللہ خاں اور خہر کے زید اللہ خاں وغیرہ خوانین کو مع لشکر اُتمان زئی کے عالم خاں تنگی کے محمود خاں، جلالہ کے رسُول خاں کے ساتھ موضع ٹوٹئی کی طرف چلنے کی تیاری کی اور معمول کے مطابق دُعا کر کے روانہ ہُوئے۔ وہاں سے کوچ کر کے منزل بہ منزل موضع ٹوٹئی میں داخل ہُوئے۔ وہاں ایک مہینے کے قریب قیام فرمایا۔ مُلک سوات اور سمہ کے جو خوانین اور سردار آپ سے موافقت رکھتے تھے، وُہ اپنی جمعیت لے کر اور سوات کا سردار انبالی خاں بھی اپنے لوگوں کے ساتھ وہیں حاضر ہُوا۔

مشورہ ہُوا کہ اُتمان زئی پر چھاپہ مارا جائے۔ آپ نے لوگوں کو تیاری کا حکم دیا اور فرمایا کہ ظہر کی نماز کے بعد میدان میں سب کمر باندھ کر ہتھیار لگا کر رُخصت کے لیے حاضر ہوں جب سب مجاہدین میدان میں جمع ہو گئے، آپ تشریف لائے، نمازِ عصر پڑھائی اور بڑی گریہ وزاری کے ساتھ دُعا کی اور مصافحہ کر کے سب کو رُخصت کیا۔

آئے۔ اب دیکھو، اللہ کیا کرتا ہے۔

عُلماء سے استفتاء یہ گفتگو سُن کر وُہ دونوں خان اس روز تو خاموش ہو گئے۔ کئی روز کے بعد ارباب بہرام خاں اور ارباب جُمعہ خاں وغیرہ کو لے کر پھر آپ کے پاس آئے اور یہ خبر لائے کہ دُرّانیوں کا لشکر دریائے کابل (لُنڈے) اُتر کر اُتمان زئی میں آیا ہے۔ اب آپ اس کا ضرور انتظام کریں ایسا نہ ہو کہ وُہ اس طرف کا رُخ کریں۔ یہ سُن کر آپ نے دُوسرے یا تیسرے دن الاڈنڈ کے عنایت اللہ خاں خہر کے زید اللہ خاں، گھڑیالے کے محمود خاں، چارگُلئی کے منصور خاں، نیز مولوی حبّان، تُورو کے مولوی عبدالرحمٰن، خہر کے مُلّا کلیم کو بُلایا۔ ان کے علاوہ اور جو عُلماء نزدیک تھے، ان سب کو جمع کیا اور عالم خاں اور رسُول خاں وغیرہ کی جلاوطنی کا حال سُنایا اور شروع سے اس وقت تک دُرّانیوں نے آپ کے ساتھ جو شرارتیں اور بغاوتیں کی تھیں، سب بیان کیں اور سب عُلماء سے اس امر میں فتویٰ طلب کیا کہ ان سے جہاد کرنا کیسا ہے۔ یہ لوگ باغی ہیں یا نہیں؟[1]

عُلماء میں اس مسئلے میں مختلف تقریر رہی۔ آپ نے تُورو کے مولوی عبدالرحمٰن اور مولوی حبّان کو، جو اِسی مُلک کے تھے، اپنی طرف سے مقرر فرمایا کہ آپ ان سے گفتگو کر کے اس کا تصفیہ کیجیے۔ آخر کچھ قیل وقال کے بعد اس پر اتفاق ہُوا کہ وُہ باغی ہیں، اُن سے لڑنا شرعاً دُرست ہے۔

ارباب بہرام خاں کی خیبر کی طرف روانگی جب تمام عُلماء نے متفق ہو کر اُن کی بغاوت کا فتویٰ دے دیا، تب آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ آخر یہ تجویز ہُوئی کہ پچاس ساٹھ آدمیوں کے ساتھ ارباب بہرام خاں اور ارباب جمعہ خاں خیبر کی طرف روانہ کیے

---

[1] معلوم ہوتا ہے کہ سیّد صاحبؒ محض دو آدمیوں کی مدد کے لیے (جن کو اپنے مخالفین کی عداوت و ایذا رسانی سے ترکِ وطن کرنا پڑا تھا) لشکرِ اسلام کو حرکت دینے اور معرکۂ جہاد گرم کرنے کی ضرورت نہیں سمجھتے تھے۔ آپ کے سامنے یہ مقصد تھا کہ اُتمان زئی کی طرف کوچ کر کے پشاور کی طرف پیش قدمی کی جائے، جو مخالفت و ایذا رسانی اور صَدٌّ عَنْ سَبِیْلِ اللہِ کا مرکز بن گیا تھا۔ اِسی کے لیے آپ کو ان دُرّانیوں کی بابت عُلماء و خوانین کا نقطۂ نظر معلوم کرنے اور اُن سے جہاد کرنے پر اتفاقِ رائے حاصل کرنے کی ضرورت پیش آئی اور اِسی منصُوبے کے پیشِ نظر اِس کی ضرورت تھی کہ خیبر کی طرف کے قبائل کو متحد و متفق کیا جائے تاکہ سردارانِ پشاور کو نہ اُن سے کمک حاصل ہو سکے، نہ کابل کی طرف سے کوئی مدد آ سکے۔

آٹھواں باب

اُتمان زئی کی جنگ

دُرانیوں کے ستائے ہُوئے سردار ایک روز خہر میں موضع اُتمان زئی کے عالم خاں اور جلالہ کے رسُول خاں سیّد صاحبؒ کے پاس آئے اور اپنی جلاوطنی کا شکوہ کیا اور کہا کہ دُرانیوں نے ہمارے گھر کا تمام مال و اسباب لُوٹ لیا اور ہمیں ہماری بستی سے نکال دیا۔ آپ ہمارا کچھ انتظام فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ چند روز صبر کرو اور ٹھیرو۔ دیکھو، اللہ تعالیٰ کو کیا منظور ہے۔ تمھاری طرح چند لوگ اور بھی اُن کے ستائے اور جلاوطن کیے ہُوئے یہاں موجود ہیں، جیسے ارباب بہرام خاں اور ان کے بھائی ارباب جمعہ خاں وغیرہ۔ اِس دشمنی اور ایذا رسانی کا سبب یہ ہے کہ جو لوگ للّٰہ فی اللّٰہ ہماری رفاقت کرتے ہیں اور ہم سے راہ و رسم رکھتے ہیں، اُن سے دُرانیوں کو قلبی عداوت ہے۔ وہ سکّھوں کے خیرخواہ اور معاون و مددگار ہیں یہاں تک کہ ہمارے جو قاصد یا غازی اِکّا دُکّا ہندوستان سے آتے ہیں، اُن کو بھی وُہ طرح طرح کی اِیذا دیتے ہیں اور اُنھوں نے وہاں کے سیٹھ ساہوکاروں کو روک دیا ہے کہ اُن کی ہُنڈیاں بھُنانے نہ پائیں۔ جب ہم لوگ پنجتار سے اس طرف کو آتے تھے، وہ ہمارے مقابلے کے لیے پانچ چھ ہزار آدمیوں کے ساتھ شاہ کوٹ[1] پر آکر جمع ہُوئے تھے۔ ہم نے مُقابلہ کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ طرح دے کر چلے

---

[1] غالباً سنا کوٹ مراد ہے جیسا کہ گزر چکا۔

مُسلمان ہُوا ہوں، اگلی تمام عُمر میری یُوں ہی برباد ہُوئی۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ مولوی صاحب اللہ کے فضل سے آپ ہمیشہ کے مُسلمان ہیں، مگر اس کی حقیقت کا آپ کو آج احساس ہُوا۔

مولوی حبّان صاحب اس کے بعد برابر سیّد صاحبؒ کی خدمت میں رہے۔ آپ نے اُن کو قاضی القُضاۃ کا عُہدہ بھی دیا۔ مردان کی جنگ میں شہید ہُوئے۔

حال بیان کرتے تھے اور آپ کبھی کبھی اصلاح فرمایا کرتے تھے۔ رنجک دن اور رات کو بھی اپنے اپنے ڈیروں پر اُڑاتے تھے۔ یہ قواعد کم و بیش ڈھائی تین مہینے رہی۔ قواعد لینے والوں نے ایک روز آپ سے بہت تعریف کی اور کہا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ، اب ہمارے ساتھی بہت مشّاق اور ہوشیار ہو گئے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اِنشاء اللہ کل صُبح کو ہم بھی دیکھنے آئیں گے۔

آپ کے آنے کی خبر سُن کر مجاہدین خاص طور پر آراستہ ہو کر آئے اور خوب چُستی اور چالاکی کے ساتھ قواعد کرنے میں مشغول ہوئے۔ کچھ دِن چڑھے جماعت کے پچاس، ساٹھ خاص آدمیوں کے ساتھ آپ وہاں تشریف لے گئے اور دیر تک قواعد کو ملاحظہ فرمایا اور کہا کہ بھائیو، اب دو دو، چار چار چوٹ بندوقیں بھر کر اسی پھُرتی کے ساتھ لگاؤ۔ لوگوں نے بندوقیں بھی چلائیں اور قرابینیں بھی لگائیں۔ آپ بہت خوش ہُوئے۔ پھر آپ نے جنابِ الٰہی میں سب کے واسطے دعا فرمائی اور فرمایا کہ بھائیو، قواعد پر اعتماد نہ کرنا۔ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت میں ہے، قواعد پر موقوف نہیں ہے۔ اگر تم صرف عنایتِ الٰہی پر اعتماد کرو گے، تو اللہ تعالیٰ تمھیں قواعد والوں پر فتحیاب کرے گا۔ اب کل سے قواعد موقوف کرو۔ جس کا دل چاہے، تنہا تنہا بھرماری کی مشق کر لیا کرے۔

سرحد کا ایک مُخلص عالِم | خہر میں ایک روز کانڑا، غُورَبند کے باشندے مولوی سیّد محمّد حبّان صاحب، جو اِس نواح کے ایک بڑے ذکی الطبع اور خوش تقریر عالم تھے، آئے اور عرض کیا کہ میں اپنے گھر سے بہت آسُودہ حال ہُوں، اللہ تعالیٰ نے روپیہ پیسہ بہت دیا ہے۔ میں آپ کی خدمت بابرکت میں صرف خُدا کے لیے آیا ہوں۔ اگر آپ کی برکت کا اثر دل میں پاؤں گا، تو بیعت کروں گا۔ آپ نے فرمایا: آپ پہلے بیعت کر لیجیے، پھر اِنشاء اللہ برکت کا اثر بھی معلوم ہو جائے گا۔ اُنھوں نے بیعت کی اور آپ کے حُکم سے نظام الدّین اولیاء نے، جو ایک ناخواندہ آدمی تھے، اُن کو توجّہ دی۔ مولوی سیّد محمّد حبّان صاحب نے توجہ کے بعد کہا کہ میاں نظام الدّین ایک عامی آدمی ہیں اور مجھ کو لوگ عالم جانتے ہیں؛ سو اُن کی توجہ دینے سے مجھ کو وُہ فائدہ ہُوا کہ تمام عُمر میں کبھی کسی سے نہ ہُوا تھا، جیسے کسی اندھے کی آنکھیں کُھل جاتی ہیں، اِس وقت ایسا ہی میرا حال ہُوا۔ مَیں نے اپنے دل میں جانا کہ میں از سرِ نو آج

اس کے علاوہ مولوی صاحب نے اور بھی کڑی کڑی باتیں کیں اور وہاں سے سوار ہو کر سیّد صاحبؒ کے پاس آئے اور جو کچھ وینٹورہ سے گفتگو ہوئی تھی، آپ کے سامنے دُہرائی۔

وینٹورہ کی پسپائی | اگلے روز آپ نے مولوی صاحب ممدوح کو تین سو مجاہدین پر امیر کر کے فرمایا کہ تم پنجتار کے درے کا بندوبست کرو اور وہیں اُترو۔ اوّل تو انشاء اللہ تعالیٰ مقابلے کی نوبت ہی نہ آئے گی اور اگر آئی، تو کچھ اندیشہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے اور ہم بھی وہیں آجائیں گے پھر آپ نے دُعا کر کے مولوی صاحب کو روانہ کیا۔ مولوی صاحب گئے اور اس درے سے باہر نکل کر میدان میں ڈیرہ کیا۔ وہاں سے کوئی ڈھائی کوس کے فاصلے سے وینٹورہ کی فوج پڑی تھی۔ ٹکیوں کی زبانی وینٹورہ کو اطلاع ملی کہ سیّد صاحبؒ کا لشکر درے سے نکل کر میدان میں آگیا ہے اور اس نے درے کا بخوبی انتظام کر لیا ہے۔ اس کو اندیشہ ہُوا کہ ایسا نہ ہو کہ وُہ رات کو ہم لوگوں پر شبخون ماریں اس خیال سے اُس نے بھی خوب بندوبست کیا۔ موضع صوابئی اور مانیری کے جو لوگ وینٹورہ کے خوف سے پنجتار کو چلے آئے تھے اور کچھ اِدھر اُدھر پہاڑ پر چڑھ گئے تھے، جب اُن کو معلوم ہُوا کہ مُجاہدین کا لشکر درے کے میدان میں اُترا ہے، اُن کو تسلّی ہُوئی اور جا بجا سے سوار و پیادہ اپنے گھروں کی خبر گیری کو چلے۔ وینٹورہ کی فوج کا شبینہ اس وقت گشت کر رہا تھا۔ اُن لوگوں کو دُور سے دیکھ کر وینٹورہ کو جا کے خبر کی کہ خلیفہ کا چھاپہ آپہنچا ہے، ہوشیار ہو جاؤ۔ یہ خبر سُن کر وینٹورہ بدحواس ہو گیا۔ جو کچھ اسباب فوراً لیا گیا، وُہ لے لیا اور باقی ڈیرہ، خیمہ، سلاح و اسباب چھوڑ کر مع فوج فرار ہو گیا اور دریائے اٹک عبور کر کے پنجاب کی سرحد میں پہنچ گیا۔

قلعۂ اٹک پر مُہم | خیر الدین نامی ایک شخص بہت عرصے سے قلعۂ اٹک[1] سے آپ کے پاس آیا کرتا تھا اور آپ سے کہتا تھا کہ قلعے کے بہت سے مسلمان یکدل اور متّفق ہیں، اس قلعے کا بندوبست و انتظام ہمارے ہی سپُرد ہے۔ اگر آپ سو پچاس مُجاہدین یہاں سے روانہ کریں، تو ہم اُن کو قلعے کے اندر داخل کر دیں گے۔ اگر آپ کے یہاں سے ہتھیار اور اسلحہ کے لیے کچھ خرچ بھی مل جائے، تو اَور لوگوں کو بھی ہم

[1] قلعۂ اٹک پنجاب کا پھاٹک ہے۔ اگر اس پر مُجاہدین کا قبضہ ہو جاتا، تو گویا پنجاب کا راستہ صاف ہو جاتا۔

موافق کرلیں گے۔ اسی طرح کی باتیں وہ اکثر آکے کرتا تھا۔ آخر آپ نے بمبئی والے امام الدین کو اور دو اور آدمیوں کو خیرالدین کے ساتھ وہاں کا حال دریافت کرنے کے لیے ہمراہ کر دیا۔ وہ تینوں شخص آٹھ دس روز وہاں جاکر رہے اور وہاں کا حال دیکھ کر آئے اور خیرالدین کے بیان کی تصدیق کی۔ کئی بار آپ نے امام الدین کو بھیجا اور وہ وہاں کئی کئی روز رہ کر آئے۔ جب آپ کو اطمینان ہوگیا، تو آپ نے اسلحہ کی خریداری اور تیاری کے لیے پانچ سو روپے دیے اور فرمایا کہ جب تم وہاں کا انتظام خاطرخواہ کرکے آؤ گے، تو جتنے آدمی کہو گے، ہم تمھارے ساتھ کر دیں گے۔ گڑھی امان زئی میں خیرالدین آیا اور عرض کی کہ میں سب انتظام کرکے آیا ہوں، وہاں سپاہی اور رعایا ملاکر پانچ سو آدمیوں کے قریب میں نے متفق کیے ہیں اور جن لوگوں کے پاس ہتھیار نہیں ہیں، اُن کے لیے ہتھیار بھی خرید لیے ہیں اور رستوں کی کئی سیڑھیاں بھی بنا کر رکھ آیا ہوں اور اپنے بھائی اور سید جمیل شاہ، اُن کے بہنوئی سید محبوب شاہ، فتح میر خاں اور اُن کے بھائی منگا خاں، محمود خاں، قادر بخش اور محمد بخش سے کہ آیا ہوں کہ تم سب بارات لانے کے بہانے سے فلاں دن رات کو قلعے سے نکل کر دریا کے کنارے فلاں وقت فلاں جگہ آنا، میں وہیں مجاہدین کو لے کر آؤں گا۔ سو آپ لوگوں کو بھیجنے کا انتظام فرمائیں۔

آدمیوں کا انتخاب اور روانگی | یہ سُن کر آپ نے لشکر سے ساٹھ ستر اچھے اچھے، چست، چالاک اور کارآزمود جوان انتخاب کیے اور ارباب بہرام خاں کو امیر کیا اور فرمایا کہ اُن کے بعد حاجی بہادر شاہ خاں امیر ہیں، اُن کے بعد امام خاں، اُن کے بعد جس کو لوگ اتفاق کرکے امیر بنا دیں، وہ امیر ہے اور اخوند ظہور اللہ صاحب[1] کو، جو اس ملک کے واقف کار تھے، رہبر کیا۔ چنانچہ آپ کی ہدایت کے مطابق سب مقرر جگہ پر جمع ہوئے۔ آدھی رات کے قریب اخوند صاحب سب کو لے کر وہاں سے روانہ ہوئے۔ موضع جلسئی کے اسی طرف دو کوس ایک نالے پر فجر ہوگئی۔ دن بھر سب لوگ وہیں اِدھر اُدھر چھپے رہے، رات کو عشا کے بعد وہاں سے چلے اور جہانگیرہ کے گھاٹ پر پہنچے۔ اس وقت فتح شیر خاں، سید جمیل شاہ، سید محبوب شاہ، محمود اور قادر بخش وہاں بیٹھے انتظار کر رہے تھے۔ دریا اُترنے کے لیے جالے باندھنے کی

---

[1] اخوند ظہور اللہ صاحب جہانگیرے کے رہنے والے تھے، جو قلعۂ اٹک کے سامنے ہے۔

تدبیر ہونے لگی۔

قلعہ دار کو اطلاع | اسی عرصے میں شتابی پر سوار ہو کر محمد بخش اُس پار سے ادھر آئے اور کہا کہ وہاں تو معاملہ بگڑ گیا، اب یہاں سے پلٹ چلو۔ خیرالدین نے پوچھا کہ کیا قصّہ ہے، محمد بخش نے کہا کہ فلاں پنجابی جو ہم لوگوں کے مشورے میں شریک تھا، اُس نے جا کر لالہ خزانہ مل قلعہ دار سے کہا کہ تمھارے فلاں فلاں ملازم جو آج بارات لانے کو تم سے پوچھ کر گئے ہیں، وُہ سیّد بادشاہ کے چھاپے کو لینے گئے ہیں تم ہوشیار ہو جاؤ۔ قلعہ دار نے یہ بات سُن کر اُس سے کہا کہ تو دیوانہ ہے، سیّد بادشاہ کا چھاپہ لانے کی کیا غرض؟ وُہ ہمارے نمک حلال اور معتبر ملازم ہیں، اُن سے ایسی حرکت ہرگز نہ ہوگی۔ اس نے کہا کہ میں سچ کہتا ہوں، دو چار گھڑی میں اپنی آنکھوں سے دیکھ لینا۔ اگر اس میں فرق ہو، تو آپ مجھ کو توپ سے اُڑا دیجیے گا۔ اس غرض سے اُنھوں نے بہت سے ہتھیار بھی خریدے ہیں اور رسّی کی کئی سیڑھیاں بھی بنائی ہیں۔ اگر یہ سامان اُن کے گھر میں سے نکلے، تب تو مجھے سچا جانو گے اور اس خیرخواہی کا انعام دو گے؟

خادی خاں کی مخبری | اس عرصے میں خادی خاں کا ایک آدمی آیا اور قلعہ دار سے کہا کہ ہمارے سردار خادی خاں کو کسی کی زبانی خبر ملی ہے کہ سیّد بادشاہ کا چھاپہ مُلک چھچھ میں جاتا ہے، تمھارے پاس مجھ کو اسی اطّلاع کی غرض سے بھیجا ہے۔ یہ حال سُنتے ہی قلعہ دار کو پنجابی کی تمام باتوں کا یقین ہُوا اور اُس کے ساتھ اپنے چند آدمیوں کو بھیجا کہ فلاں فلاں شخص کے گھر کی تلاشی لو اور اُن لوگوں کو جلد تلاش کر کے لاؤ۔ یہ خبر سُن کر میں تو وہاں سے چل دیا کہ ایسا نہ ہو کہ میں بھی گرفتار ہو جاؤں، یہ خبر سُن کر ارباب بہرام خاں مع مجاہدین وہاں سے روانہ ہو گئے اور امازئی کی گڑھی میں آپ کے پاس آئے اور محمد بخش نے وہ سارا ماجرا آپ کے گوش گزار کیا۔ آپ کو بہت افسوس ہُوا اور اس کی فکر ہوئی کہ وہاں کے باقی مسلمانوں کے ساتھ وُہ قلعہ دار کس طرح پیش آئے اور ان کے ساتھ کیا سلوک کرے۔

کئی دن کے بعد خیرآباد سے ایک شخص خیرالدّین کے پاس آیا اور اُس نے بتلایا کہ قلعہ دار نے مکانوں کی تلاشی لی، اُن میں سے ہتھیار اور سیڑھیاں نکلیں۔ اُس نے تمھاری عورتوں اور لڑکوں کو گرفتار کر لیا اور تمھارے بھائی کو توپ سے اُڑا دیا۔

بعد میں منگا خاں قلعے سے بچ کر نکل آئے۔ عورتوں اور بچوں کی اس طرح مخلصی ہوئی کہ وینٹورہ فرانسیسی قلعۂ اٹک میں آیا اور سب حال معلوم کر کے کہا کہ جنھوں نے وہ فساد کیا تھا، وہ تو تمھارے ہاتھ نہ آئے، ان بیچاروں نے کیا قصور کیا ہے؟ ان کو چھوڑ دو۔ قلعہ دار نے سپاہیوں سے کہا کہ ان کو یہاں سے نکال کر دریا کے پار اُتار دو۔ جہاں چاہیں، چلے جائیں۔ وہ سب دریا سے اُتر کر اکوڑہ چلے گئے۔ وہاں سے پنجتار آ گئے۔

بارھواں باب

عُلماء اَور خوانین کا دُوبارہ اِجتماع اَور نیا عہد و پیمان

مُسلمانوں کی نا اِتّفاقی کا شکوہ | گڑھی امازئی سے پنجتار تشریف لانے کے چھ سات دن بعد سیّد صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل، سیّد احمد علی، ارباب بہرام خاں، مولوی محمد حسن اور فتح خاں پنجتاری کو بُلایا اور خانِ موصوف کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ خان بھائی ہم نے تم کو اس مشورے کے واسطے بُلایا ہے کہ ہم لوگ اس مُلک میں صرف جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہیں اور مسلمانوں کی ریاست سمجھ کر یہاں فقط اس نیت سے اُترے ہیں کہ سب مسلمان بھائیوں کے اتّفاق سے کچھ دینِ اسلام کا کام درست ہو اور یہاں کے مُسلمان بھائیوں کی نا اِتّفاقی کا یہ حال ہے کہ اگر ہم کُفّار کے زیر کرنے کی کوئی صورت نکالتے ہیں، تو اِنھیں مسلمانوں میں سے ایک نہ ایک حامی بن کر آڑے آتا ہے اور اُن کو خبر کر دیتا ہے۔ چنانچہ شَیدُو کی لڑائی، جس میں اَسّی نوّے ہزار آدمی ہماری طرف جمع تھے، سردار یار محمّد خاں کی شرارت سے شِکست ہو گئی اور مسلمانوں کی جمعیّت پراگندہ ہُوئی۔ اسی طرح سے خادی خاں نے چند مہینوں سے کیسی کیسی بیجا حرکتیں کرنی شروع کی ہیں۔ چنانچہ تم کو خود معلوم ہے کہ جو غازی ہندوستان سے جہاد فی سبیل اللہ کا ارادہ کر کے آتا ہے، سِکھوں کے مُلک سے زندہ سلامت چلا آتا ہے، مگر اُن کے ہاتھ سے کِسی طرح نہیں بچتا۔ کِسی کو لُوٹ کر دریائے سِندھ میں غوطے دیتے ہیں، کِسی کا مال و اسباب

چھین کر بزور بخشواتے ہیں۔ سردار اشرف خاں مرحوم پر انھوں نے محض اس وجہ سے فوج کشی کی کہ وہ خانِ مرحوم ہم سے موافق تھا۔ اس کے بعد یہ فساد کیا کہ وینٹورہ فرنسیسی کو چڑھا لائے۔ اُنھوں نے اپنی طرف سے حتی المقدور کچھ درگزر نہیں کی، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد سے اُس کو دفع کیا۔ اس کے بعد ایک تازہ فساد یہ کیا کہ اِدھر سے اٹک پر ہمارا اچھا پہ چلا، اُدھر سے خادی خاں نے اپنا آدمی بھیج کر وہاں کے قلعہ دار کو خبر کر دی۔ اسی طرح اور بھی بہت فساد اُس نے کیے ہیں اور ابھی دیکھا چاہیے، اَور کیا کیا فساد کرے۔ اس نے جو شرارتیں ہمارے ساتھ کی ہیں، اُس کی کدورت ہمارے دل میں بالکل نہیں ہے۔ جو کچھ اُس نے کیا، اپنے واسطے کیا۔ جو جیسا کرے گا، اپنے واسطے کرے گا۔ مقصود یہ ہے کہ اب کوئی ایسی تدبیر کرو کہ مسلمانوں میں اتفاق ہو، جس کے سبب سے اللہ تعالیٰ کا کام نکلے اور دینِ اسلام کی کچھ ترقی ہو۔

اجتماع کی تجویز و انتظام | فتح خاں نے عرض کیا کہ میری ناقص رائے میں یہ آتا ہے کہ آپ ملک سمہ کے سادات، عُلماء اور خوانین کو جمع کریں اور یہی بات ان کو سمجھائیں۔ ان سب نے آپ کے دستِ مُبارک پر بیعت کی ہے اور آپ کو امیر المؤمنین تسلیم کیا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ آپ کے فرمانے سے کوئی باہر نہ ہوگا، اِس لیے کہ آپ تو صرف اللہ کے واسطے یہ تدبیر کرتے ہیں، اس سے آپ کی کوئی غرض متعلق نہیں۔ اور جو کوئی نہ مانے گا اَور بدعہدی کرے گا، وُہ اس کی سزا اپنے خدا سے پائے گا۔

فتح خاں کی یہ تدبیر سب کو پسند آئی اور اسی پر مشورہ قرار پایا۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم یہاں کے رئیس ہو، ہماری طرف سے آپ ہی سب کو بُلاؤ۔ خانِ ممدوح نے اپنے آدمی ہر طرف یہ پیام دے کر روانہ کیے کہ ایک ضروری دینی کام کا مشورہ کرنا ہے، سب صاحب یہاں تشریف لائیں۔ مقررہ تاریخ میں تمام سادات، عُلماء اور خوانین پنجتار میں جمع ہُوئے تمام لوگ دس گیارہ سَو تھے۔ اس روز پنجتار کی پانچوں بستیوں والوں نے اُن کی دعوت کی اور اپنے مکانوں میں اُن کو اُتارا۔ مغرب کی نماز کے بعد سیّد صاحبؒ نے عبد القیوُمؒ کو فرمایا کہ صُبح طلُوع

آفتاب سے پہلے کھانا پک کر تیار ہو جائے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اہتمام پر مقرر کیا۔ دوسرے دن جب سب لوگ کھانا کھا کر فارغ ہوئے، تو مولانا نے فرمایا کہ آج جمعے کا دن ہے، سب بھائی نالے پر شیشم کے درختوں کے نیچے ہماری مسجد میں جمعے کی نماز پڑھیں۔ قاضی احمد اللہ صاحب میرٹھی نے خطبہ پڑھا اور سیّد صاحبؒ نے نماز پڑھائی۔

سیّد صاحبؒ کی تقریر: آمد کا مقصد

نماز پڑھ کر سیّد صاحبؒ کھڑے ہوئے اور فرمایا کہ سب بھائی اپنی اپنی جگہ پر بیٹھے رہیں۔ جو کچھ ہم کہیں، توجہ سے سُنیں۔ آپ نے منگل تھانہ کے کامل آخون زادے کو، جو بڑے سیّاح، جہاں دیدہ، پنجابی، پشتو، فارسی، ترکی اور ہندی کے ترجمان اور بڑے بزرگ آدمی تھے، حرمین اور بیت المقدس کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے اور آپ کے مُرید اور بڑے مُعتقد تھے، اپنے برابر کھڑا کیا اور فرمایا کہ جو کچھ میں کہوں، تم اِن بھائیوں کی زبان میں اُن کو سمجھاتے جاؤ۔ آپ نے اوّل اللہ تعالیٰ کی شانِ عظمت اور قُدرت کو طرح طرح سے بیان کیا۔ اس کے بعد سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ سب اس بات کو خُوب جانتے ہیں کہ دُنیا میں لوگ اپنی معاش اور میراث حاصل کرنے میں کیسی کیسی کوششیں اور جانفشانی کرتے ہیں اور اس رنج کو راحت جان کر ہرگز نہیں گھبراتے، فقط اس خیال سے کہ اگر وہ معاش و میراث ہاتھ آجائے گی، تو چین سے کھائیں گے اور یہ امر موہوم ہے۔ اگر یہ امر خواہش کے موافق حاصل ہُوا، تو خیر! نہیں تو کچھ نہیں۔ لیکن جہاد فی سبیل اللہ سے، جو دین کی دولت ہے، اس کی وجہ سے دُنیا و آخرت کی فلاح، اسلام کی ترقی اور اللہ تعالیٰ کی رضامندی حاصل ہوتی ہے۔ لوگ غافل ہیں۔ مُجھ کو جنابِ باری تعالیٰ سے ارشاد ہُوا کہ تُو دارُالحرب ہندوستان سے ہجرت کر کے دارُالامن میں جا اور کُفّار سے جہادِ فی سبیل اللہ کر۔ مَیں نے ہندوستان میں خیال کیا کہ کوئی جگہ ایسی مامون ہو کہ وہاں مسلمانوں کو لے کر جاؤں اور جہاد کی تدبیر کروں۔ باوجُود اس وسعت کے کہ صدہا کوس میں مُلکِ ہند واقع ہُوا ہے، کوئی جگہ ہجرت کے لائق خیال میں نہ آئی۔ کتنے لوگوں نے صلاح دی کہ اِسی مُلک میں جہاد کرو۔ جو کچھ مال، خزانہ، سلاح وغیرہ درکار ہو، ہم دیں گے، مگر مجھ کو منظور نہ ہُوا، اس لیے

کہ جہاد سُنّت کے موافق چاہیے، بلوہ کرنا منظور نہیں ہے۔ تمہارے اس مُلک کے ولایتی بھائی بھی یہاں حاضر تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہمارا مُلک اس کے واسطے بہت خُوب ہے۔ اگر وہاں چل کر کسی مُلک میں قیام اختیار کریں، تو وہاں کے لاکھوں مسلمان جان و مال سے آپ کے شریک ہوں گے، خصُوصًا اس سبب سے کہ رنجیت سنگھ والیٔ لاہور نے وہاں کے مسلمانوں کو نہایت تنگ کر رکھا ہے، طرح طرح کی ایذا پہنچاتا ہے اور مُسلمانوں کی بے آبروئی کرتا ہے۔ جب اُس کی فوج کے لوگ اس مُلک میں آتے ہیں، مسجدوں کو جلا دیتے ہیں، کھیتیاں تباہ کرتے ہیں، مال و اسباب لُوٹ لیتے ہیں، بلکہ عورتوں بچوں کو پکڑ لے جاتے ہیں اور اپنے مُلک پنجاب میں جا کر بیچ ڈالتے ہیں۔ اَور پنجاب میں وُہ مسلمانوں کو اذان بھی نہیں کہنے دیتے، مسجدوں میں گھوڑے باندھتے ہیں، گاؤکُشی کا تو کیا ذِکر، جہاں سُنتے ہیں کہ کسی مُسلمان نے گائے ذبح کی، اُس کو جان سے مار ڈالتے ہیں۔

یہ سُن کر میرے خیال میں آیا کہ یہ سچ کہتے ہیں اور یہی مناسب ہے کہ ہندوستان سے ہجرت کر کے وہیں چل کر ٹھیریں اور سب مسلمانوں کو متفق کر کے کُفّار سے جہاد کریں اور اُن کے ظُلم سے مسلمانوں کو چھڑائیں۔ سو محض اسی ارادے سے تمہارے اس مُلک میں ہم آئے ہیں۔ تم سب نے اللہ تعالیٰ کے واسطے میرے ہاتھ پر امامت کی بَیعت کی، اپنا اِمام گردانا اور تمہیں سب نے جہاد کا کام مجھ سے شرُوع کرایا۔ اب تمھیں لوگ اس میں کوشش اور تندہی نہیں کرتے، بلکہ تُمھیں لوگوں میں سے بعض بعض اس امر میں حارج ہوتے ہیں۔ تم عالِم اور وارثُ الانبیاء کہلاتے ہو۔ تم کو لازم ہے کہ سب مِل کر اس میں کوشش اور جانفشانی کرو کہ اسلام کی ترقی ہو۔

تقریر کی تاثیر اس وقت آپ کے کلام میں عجیب رقّت اور تاثیر تھی۔ آپ کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور طبیعت میں حمیّتِ اسلام کا ایک جوش تھا۔ بڑی فصاحت و بلاغت کے ساتھ آپ تقریر فرماتے تھے اور طرح طرح کی مثالوں سے سمجھاتے تھے۔ جو لوگ وہاں حاضر تھے، کیا عالم اور کیا عامی سب پر ایک حال سا واقع تھا، بلکہ بعض بعض گویا اپنی ہستی سے گزر گئے تھے۔ بعض لوگ روتے تھے اور بعض غمزدہ سے عالمِ سکوت میں تھے۔ پھر آپ نے دُعا کی اور فرمایا کہ باقی جو کچھ گفتگو مولانا اسمٰعیل صاحب

اس امر میں کریں، وُہ سُنیے اور اس کا جواب دیجیے۔ مَیں تو اس وقت مکان پر جاتا ہُوں۔

مولانا اسمٰعیل صاحب کی گفتگو اور حکیمانہ مثال

یہ فرما کر آپ رُخصت ہُوئے اور مَولانا ان صاحبوں میں بَیٹھے اور ان سے امام کی اطاعت کے بارے میں گفتگو شروع کی اور یہ مثال بیان کی کہ ایک بادشاہ نے اپنے ملازمین میں ایک شخص کو افسر بنایا اور اپنے ملازمین کی ایک جماعت سے فرمایا کہ فلاں مہم پر اسی کے ساتھ جاؤ۔ اور جو کچھ یہ افسر تم سے ہمارے احکام کی تعمیل کے واسطے کہے، بلا انکار بجالاؤ۔ اس مہم پر اس کو جماعت کے ساتھ روانہ کیا۔ اس افسر نے وہاں جاکر اس جماعت سے ایک کو افسر کیا اور چند لوگ اس کے ساتھ گئے اور اُن سے کہا کہ بادشاہی احکام کی تعمیل کے واسطے یہ افسر جو کچھ تم سے کہے، بے تأمل اس کو کرنا۔ اس نے وہاں جاکر اپنے لوگوں میں ایک کو افسر کیا اور کئی شخص اس کے تابع کیے اور اُن سے کہا کہ شاہی کام کی درستی کے واسطے یہ شخص جو حکم کرے، بلا انکار بجالانا اور کسی کام پر اُن کو روانہ کیا۔ اگر ان لوگوں میں سے بعضوں نے ان افسروں کی نافرمانی کی اور اُن کے حکم کے خلاف کام کیا۔ اگر وُہ اپنے زعم میں یہ سمجھیں کہ ہم نے تو بادشاہ کی حکم عدُولی نہیں کی؛ اگر کی، تو اس افسر کی کی، تو کیا کوئی عاقل صاحبِ تمیز تسلیم کرے گا کہ اُنھوں نے بادشاہ کی نافرمانی نہیں کی، ان افسروں کی کی، اِس لیے کہ افسر کو اس بادشاہ نے اپنی طرف سے مُختارِ کار کیا تھا اور اس کی اطاعت کا سب کو حکم دیا تھا اور اس نے اپنی طرف سے اسی کے حکم کی تعمیل کے واسطے دوسرے کو افسر کیا اور اس دُوسرے نے تیسرے کو۔ اسی طرح پر سلسلہ جہاں تک چلا جائے حقیقت میں حاکم ایک ہے اور حکم بھی ایک ہے جنھوں نے ان افسروں کی اطاعت کی، فی الحقیقت اسی بادشاہ کی کی؛ اور جنھوں نے ان افسروں کی نافرمانی کی، تو اس بادشاہ کی کی؛ اور ان افسروں کے مُطیع بادشاہ کے مطیع ہیں، اور اس بادشاہ کے نزدیک وُہ شاباشی کے لائق اور خلعت و انعام کے مستحق ہیں؛ اور وہ جو ان افسروں کی نافرمانی میں ہیں، وُہ حقیقت میں اس بادشاہ کے نافرمان ہیں اور اس کے نزدیک لائقِ ملامت اور سزاوارِ تعزیر ہیں۔ سو مَیں سب علماءِ دین کی خدمتِ بابرکت میں عرض کرتا ہوں کہ جو مَیں نے یہ مثال بیان کی ہے، وہ بجا ہے یا بیجا؟ اس کا جو کچھ جوابِ باصواب

ہو، ارشاد فرمائیں۔

مولانا کا استفتاء یہ پوری تقریر کامل اخوند زادے نے ان سب عالموں کی زبان میں سمجھائی۔ ان سب نے مولانا صاحب کو داد دی اور کہنے لگے سُبحان اللہ! آپ نے خُوب مثال بیان فرمائی اور حقیقت یہی ہے کہ ان افسروں کے مطیع بادشاہ کے مطیع اور بخشش اور انعامِ شاہی کے لائق ہیں اور جنھوں نے اِن افسروں کی نافرمانی کی، وُہ بادشاہ کے نافرمان اور تعزیر و عذاب کے مستحق ہیں۔ اس میں کچھ شک و شُبہ نہیں۔

اخوند زادے نے افغانی علماء کے جواب کا ہندوستانی میں ترجمہ کیا۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ ان سب بھائیوں نے اِس مثال کو پسند کیا اور ان مطیعوں کے انعام اور نافرمانوں کے عذاب کے مُعترف ہُوئے۔ اب ہمارا سوال ان سے یہ ہے کہ اس کا جواب سوچ سمجھ کر دیں کہ جب دُنیاوی بادشاہ کے تابعدار و نافرمان اُن کے نزدیک انعام و سزا کے لائق ہیں اور اللہ تعالیٰ قرآن مجید میں فرماتا ہے: يَٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنكُمْ (النساء، ۵۹) یعنی، اے اِیمان والو، اللہ کی اطاعت کرو اور اُس کے رسُول کی اطاعت کرو اور تم میں سے جو صاحبِ حکُومت ہیں اُن کی بھی اطاعت کرو، اور مُسلمان حاکم قاضی مُفتی اور امامِ جہاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے امیر المومنین سیّد احمد صاحب کو امامِ زماں اور ہادیٔ دَوراں کیا ہے اور آپ سب عُلماءِ کرام اور سادات عظام اور خوانین ذوی الاحترام نے اُن کے دست مبارک پر بَیعت کی ہے۔ اب جو کوئی بَیعت کرنے اور اپنا امام تسلیم کرنے کے باوجُود اُن کی اطاعت نہ کرے، بلکہ اُس کے خِلاف عمل کرے، تو آپ سب عُلماءِ دین کے نزدیک اُس کا حُکم کیا ہے؟

عُلماء کا اقرار یہ تمام گفتگو اخوند زادہ نے اُن کی زبان میں سمجھائی۔ سب نے اِقرار کیا کہ وُہ شخص مُجرم اور عِندَاللہ اور عِندَالنّاس قصُوروار ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ وُہ مُجرم اور قصُوروار کیسا؟ وُہ صاف صاف باغی ہے۔ اگر اپنی بغاوت اور نافرمانی سے تائب نہ ہو، تو اس پر جہاد ہے۔ امام کی بغاوت اور نافرمانی کا یہ مسئلہ اپنی فلاں فلاں فقہ کی کتاب میں فلاں باب اور فلاں فصل میں نکال کر دیکھیے۔ وُہ

کتابیں ان عُلماء کے پاس وہیں موجُود تھیں۔ سب نے دیکھ کر عرض کیا کہ آپ حق فرماتے ہیں۔ بیشک یوں ہی ہے۔

اس کے بعد مولانا نے ایک بڑے سے کاغذ میں اپنی وہی تقریر بطورِ سوال لکھ کر فرمایا کہ اس پر اپنی اپنی کتاب کی عبارت اور دلیل لکھ کر مُہر اور دستخط کر دیجیے۔ سب نے آپ کے سوال کے موافق جواب تحریر کر کے اپنی اپنی مُہر ثبت کی اور جن کے پاس مُہر نہ تھی، اُنھوں نے دستخط کیے اور وہ کاغذ مولانا کو دے دیا۔ آپ نے ان سب کے جواب کو دیکھ کر فرمایا کہ جن کتابوں کی یہ عبارتیں لکھ کر آپ نے مُہر دستخط کیے ہیں، یہ کتابیں تو مدّت سے پڑھی ہیں اور ان مسائل کے آپ پُرانے عالم ہیں، یہ کتابیں آپ نے آج نہیں پڑھی ہیں۔ کئی سال کا عرصہ گُزرا کہ حضرت امیرالمومنین آپ کے اس مُلک میں جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے تشریف لائے اور آپ سب نے اُن کو اپنا امام مانا۔ یہاں کے رُؤسا اور بے علم خوانین بغاوت سے اس کارِ خیر میں طرح طرح کی شرارتیں کرتے ہیں اور کافروں کے شریک ہیں۔ آپ لوگ عُلماءِ دین اور وارثُ الانبیا کہلاتے ہیں اور آپ ہی کا اس مُلک میں غلبہ ہے۔ دین کے معاملے میں سب خان اور رئیس آپ کے مُحتاج اور فرماں بردار ہیں۔ آپ نے اب تک اُن لوگوں کو اس مسئلے سے آگاہ نہ کیا۔ سارا قصُور و غفلت آپ ہی کی ہے اور آپ سب واجب التعزیر ہیں۔ اگر آپ لوگ حق پوشی نہ کرتے اور اُن کو خدا و رسُول کا حُکم صاف صاف سُناتے اور سمجھاتے رہتے، تو بغاوت کی نوبت کیوں آتی؟ اب آپ سب مِل کر خُوب سوچ سمجھ کر معقُول جواب ارشاد فرمائیں۔

مولانا کی یہ تقریر سُن کر ہر ایک عالِم نے اپنا اپنا عُذر بیان کیا اور اپنی خطا اور غفلت کا اعتراف کیا کہ بیشک ہم سب اس امر میں خطاوار ہیں اور ہمیں سے غفلت ہوئی اور بے شبہہ ہمیں لوگوں کا یہاں غلبہ ہے، مگر اب ہم اپنی خطا سے توبہ کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کا ہم سے مواخذہ نہ فرمائے، آپ بھی ہماری خطا معاف کریں، اب ہم اِس کارِ خیر میں آپ کے ساتھ شریک ہیں۔ ہر ایک کے سمجھانے میں حتی الامکان تساہل و تغافل نہ کریں گے، وعظ و نصیحت سے راہِ راست پر

لائیں گے اور جو نہ مانے گا، وہ اپنی بغاوت کی سزا پائے گا۔

خادی خاں کو تفہیم اس کے بعد مولانا نے دُعاءِ خیر فرمائی۔ خادی خاں بھی اس مجلس میں شریک تھا۔ وُہ دُعا میں شریک نہیں ہُوا۔ ناخوش ہو کر اُٹھ گیا۔ اس عرصے میں عصر کی اذان ہُوئی۔ سیّد صاحبؒ اپنے مکان سے تشریف لائے اور نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد جو علماء و خوانین نزدیک نزدیک کے تھے، آپ سے رُخصت ہو کر اپنی بستیوں کو گئے۔ باقی، جو دُور دُور کے تھے، وُہ رہ گئے۔ کامل آخوندزادہ نے مولانا اور علماء کا سارا مکالمہ آپ کے سامنے نقل کیا اور یہ بھی کہا کہ خادی خاں دُعا کے وقت اُٹھ گیا اور دُعا میں شریک نہیں ہُوا۔ سب حال سُن کر حضرت بہت خوش ہُوئے مگر خادی خاں کا حال سُن کر مَلُول ہُوئے کہ بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایسا دانا اور ہوشیار شخص جو ہمارے انصارِ سابقین میں سے ہے، اُسی نے بغاوت میں سبقت کی۔ پھر اُسی روز نمازِ مغرب کے بعد آپ نے خادی خاں کو بلوایا اور جو علماء وہاں موجود تھے، اُن کے بیچ میں بٹھایا اور سمجھانا شروع کیا کہ خان بھائی، تمھیں نے ہم لوگوں کو اِس مُلک میں ٹھیرایا تھا اور تمھیں سب سے پہلے ہمارے انصار بنے اور آج اس مجلسِ علماء کے مشورے سے منحرف ہو کر اُٹھے۔ یہ بات تمھاری دانشمندی سے نہایت بعید ہے۔ تم کو لازم تھا کہ اور کوئی منحرف ہو کر اٹھتا، اُس کو تم سمجھاتے، نہ یہ کہ تم ہی نے اس میں سبقت کی۔ تم کو لائق ہے کہ جس بات پر علماء نے اِتّفاق کیا ہے، اس سے اختلاف نہ کرو۔ اس میں تمھاری دین و دُنیا دونوں کی بہتری ہے اور اس کے خلاف میں دُنیا و عُقبیٰ دونوں کی خرابی ہے۔ یہ ہم تمھاری خیر خواہی کی راہ سے کہتے ہیں۔ آگے ماننے، نہ ماننے کا تمھیں اختیار ہے۔

خادی خاں کا مُتکبّرانہ جواب خادی خاں نے اس کا جواب دِیا کہ حضرت ہم تو پٹھان لوگ ہیں، ریاست ہمارا کام ہے۔ یہ مشورہ مُلّانوں نے مِل کر کیا ہے۔ یہ لوگ ہمارے یہاں اِسقاط اور خیرات کے کھانے والے ہیں، ریاست کے معاملات کا اُن کو کیا شعُور؟ اُن کا مشورہ، جو ہمارے ذِہن میں آتا ہے، اُس کو ہم تسلیم کرتے ہیں اور جو ہماری سمجھ میں نہیں آتا، اُس کو ہم نہیں مانتے۔ اُن کی

صلاح اور مشورے کی ہم کو کچھ پروا نہیں۔ خود ہماری قوم اور جمعیّت بہت ہے۔ ہم پر اُن کا کسی طرح کا بھی دباؤ نہیں ہے۔ یہ ہمارے تابع ہیں، ہم اُن کے تابع نہیں۔

خادی خاں کی یہ بیہودہ گفتگو سُن کر سیّد صاحبؒ کو اِتنا غصّہ آیا کہ آپ کا چہرہ مُتغیّر ہو گیا۔ آپ کا یہ خاصّہ تھا کہ کیسا ہی کوئی دوست ہوتا، جہاں اُس نے اللہ اور اُس کے رسُولؐ کے حُکم کے خلاف کوئی بات زبان سے نکالی، آپ اپنے آپے میں نہیں رہتے تھے اور اس کو دشمن سمجھتے تھے، لیکن آپ نے غصّے کو تھام کر نرمی سے فرمایا کہ عُلماء وارِث الانبیاءؑ اور ہادیِ دین ہیں، اُن کی شان میں اِہانت آمیز کلام کمال نادانی اور بے ادبی ہے۔ دینی اور دُنیوی مُعاملات یہی لوگ خُوب سمجھتے ہیں۔ جو کچھ یہ لوگ دِین یا دُنیا کی اصلاح کے واسطے خُدا اور رسُولؐ کے حُکم کے موافق فرمائیں، سب مسلمانوں کو جان و دِل سے بِلا اِنکار ماننا چاہیے، اگرچہ وُہ حکم اپنے نفس اور عادت کے خلاف ہو، مسلمانوں کو ہر حال میں شریعت کا پابند ہونا چاہیے۔

خادی خاں نے کہا کہ ہم لوگ پشتون بے عِلم ہیں، ہماری سمجھ میں یہ باتیں نہیں آتیں۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ خادی خاں، ہم پر جو سمجھانے کا حق تھا، وہ ادا کیا؛ چاہو، مانو یا نہ مانو۔ اب ایک بات یہ بھی سُن لو کہ تم نے حدِّ شریعت سے اپنا قدم باہر نکالا، فقط اِس خیالِ خام سے کہ ہم اس مُلک کے خان ہیں، ہماری قوم اور جمعیّت بہت ہے، ہمارا کوئی کیا کر سکے گا؟ سو یہ گمراہی اور شیطان کا فریب ہے۔ اللہ تعالیٰ بڑا قادر اور بڑی طاقت والا ہے، بڑے بڑے سرکشوں اور مفسدوں کے سر اُس نے ایک دم میں توڑ دیے ہیں۔ اس بات کو یاد رکھنا کہ کسی روز اِنشاءاللہ تعالیٰ تم سوتے سوتے اُٹھو گے اور دیکھو گے کہ ہمارے قلعے میں کسی اور کا اِنتظام اور بندوبست ہو رہا ہے، اور کسی جگہ کُتّے کی طرح مُردار ہو کر پڑے ہو گے۔

عِشا کی نماز کے بعد خادی خاں سیّد صاحبؒ کو سلام کر کے جہاں اُترا تھا، وہاں گیا۔ اگلے روز کچھ دن چڑھے رخصت کے واسطے آیا۔ آپ نے فرمایا: کل ہم نے تم کو اِتنا سمجھایا مگر تمھارے خیال میں نہ آیا؛ اب ہم مجبُور ہیں، تم جانو۔ وہ رُخصت ہو کر ہنڈ کو چلا گیا۔

تیرھواں باب

وینٹورہ کی دوبارہ آمد اور جنگِ پنجتار

وینٹورہ کی دوبارہ آمد کئی مہینے کے بعد جب سکھوں کے دَورے کا موسم آیا، تو وینٹورہ فرانسیسی کی قیادت میں سکھوں کی ایک فوج نے سمہ کا رُخ کیا۔ سکھوں کا دستُور تھا کہ جب اُن کا لشکر چھچھ میں موضع حضرو کے قریب اُترتا، تو توپوں کی ایک باڑھ سر کرتا، جس کو سُن کر تمام رئیس اور سمہ کی رعایا پر ہیبت طاری ہو جاتی اور لُوٹ مار کے خوف سے لوگ جا بجا بھاگنے لگتے۔ اِس مرتبہ جب اُنھوں نے حضرو میں آکر توپیں چلائیں، تو سمہ والے تہ و بالا ہونے لگے کہ سکھوں کا لشکر آپہنچا۔ مُخبروں نے سیّد صاحبؒ کو خبر دی کہ وینٹورہ لشکر کے ساتھ حضرو میں داخل ہُوا اور سردار خادی خاں نے جا کر گھوڑا، باز، کُتّا اُس کو نذر میں دیا اور اُس سے کہا کہ سیّد صاحبؒ کی رفاقت کی وجہ سے مُلک کے تمام لوگ آپ سے مُنحرِف ہیں، کوئی آپ کو سالیانہ نہیں دے گا۔ اگر آپ کو لینے کی قُدرت ہو تو پار چلیے، مَیں آپ کا شریک ہُوں۔ گزشتہ پسپائی پر مہاراجہ نے وینٹورہ پر الزام لگایا تھا کہ اُس نے سیّد صاحبؒ سے سازباز کر لی ہے، ورنہ بے لڑے بھڑے اسباب اَور ہتھیار چھوڑ کر کیوں بھاگ آیا۔ وینٹورہ کو اس کی ندامت تھی۔ خادی خاں نے اُس کو غَیرت دلائی، تو وہ پار اُترنے پر راضی ہو گیا۔ کم و بیش

دس ہزار کی جمعیّت اُس کے ساتھ تھی۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ اُس کا پنجتار پر آنے کا اِرادہ ہے۔

اہل علاقہ کو خطوط اور دفاعی دیواریں

دُوسرے دن خبر آئی کہ سردار خادی خاں نے فرنسیسی کو لشکر کے ساتھ اُتار لیا ہے۔ سیّد صاحبؒ نے سردار فتح خاں کو بُلا کر فرمایا کہ خادی خاں فرنسیسی کو اس پار اُتار لایا ہے اور قرینے سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ اُس کو پنجتار پر لائے گا۔ اب کی وُہ بہت بھاری جمعیّت سے آیا ہے۔ اس کی تدبیر جو کچھ تم سے ہو سکے، جلد کرو۔

خانِ موصوف نے کہا کہ مَیں حاضر ہُوں؛ جو کچھ آپ کا ارشاد ہو، بجا لاؤں گا۔ آپ نے فرمایا کہ تمھاری قوم کے جو لوگ تمھارے شریک ہوں، اُن کو خطوط بھیجو۔ ان کے علاوہ جو علماء، سادات اور خوانین ہم سے مشورہ کر کے اتّفاق کر گئے ہیں، اُن کو خطُوط بھیج کر بلواؤ۔ خانِ موصوف نے اسی روز خطُوط لکھ کر جا بجا قاصدوں کے ہاتھ روانہ کیے۔ نزدیک کی بستیوں کے لوگ تو دُوسرے ہی دن حاضر ہو گئے اور آنے کا سلسلہ ابھی جاری تھا۔ سیّد صاحبؒ سوار ہو کر لڑائی کی جگہ تجویز کرنے کے لیے پنجتار کے درے کی طرف تشریف لے گئے۔ فتح خاں بھی ہمراہ تھے۔ موضع خلی کلے کے پاس جو دو پہاڑ ہیں، اُن کے درمیان کا مَیدان آپ کو پسند آیا۔ فتح خاں سے فرمایا: اس پہاڑ سے اُس پہاڑ تک چار ہاتھ چوڑی سنگین قدِ آدم دیوار جلد تیار کراؤ۔ تمھاری ہی حکومت اور کوشش سے یہ کام ہو گا۔

اگلے روز صُبح کو خانِ ممدُوح تمام رعایا کو لے کر گیا اور اُس زمین کو ناپ ناپ کر سب لوگوں میں تقسیم کر دیا۔ اُن لوگوں نے پتھر لا کر دیوار اُٹھانی شروع کر دی۔ صدہا مزدور لگے ہُوئے تھے۔ فتح خاں نے پنجتار آ کر سیّد صاحبؒ کو اطلاع کی۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ چملہ اور بُنیر کے علماء، سادات اور خوانین کو بھی خطُوط بھیجو کہ خادی خاں ہم پر فرنسیسی کو چڑھا لایا ہے، تم بھی آ کر ہمارے شریک ہو۔ یہ نہ خیال کرنا کہ ہمارا مُلک پنجتار سے الگ کوہستان میں ہے۔ یہ پنجتار تمھارے مُلک کا دروازہ ہے۔ اگر خدانخواستہ اُنھوں نے اس پر قبضہ کر لیا، پھر تمھارے واسطے بھی قباحت ہو گی۔ مُناسب ہے کہ خط دیکھتے ہی یہاں آ کر ہمارے شریک ہو۔ خانِ موصُوف نے

اسی وقت خطوط لکھ کر دونوں ملکوں میں قاصد روانہ کیے۔

اگلے روز نمازِ عصر کے بعد خانِ ممدوح سیّد صاحبؒ کو دیوار دکھانے کے واسطے لے گیا۔ اس میں کہیں کہیں کام رہ گیا تھا، باقی سب تیار ہو گئی تھی۔ آپ اس دیوار کو دیکھ کر بہت خوش ہوئے۔ خانِ مذکور کو بہت شاباشی دی اور فرمایا کہ خان بھائی، اللہ تعالیٰ فرنسیسی کے لشکر کو یہاں نہ لائے۔ اُدھر سے اُدھر ہی دفع کر دے؛ اور اگر آئے، تو عاجز اور ضعیف بندوں کو ثابت قدم رکھے۔ اس دیوار کا سنگر بھی تم نے خوب بنوایا ہے۔ اس کی آڑ سے لڑنے کا خوب موقع ہے۔ اس کے بعد آپ نے وہاں چار جگہ چار پہرے مقرر کیے: دو ہندوستانیوں اور دو قندھاریوں کے۔ پھر وہاں سے پنجتار میں آئے اور رات کے لیے چار چوکیاں مقرر کیے: دو درۂ پنجتار کے دائیں طرف اور دو بائیں طرف اور اُن کو حکم دیا کہ جب کہیں یقینی کھٹکا دیکھنا، تب بندوق چلا کر دیوار کے پہروں میں آجانا۔ شبینے کے واسطے آپ نے فتح خاں کے سوار مقرر فرمائے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے کہا کہ فتح خاں نے دیوار بنوائی ہے، مگر اُس کے ورے تو تالی کی آمد کا جو راستہ ہے، اُس کا بھی بندوبست ضروری ہے۔ اگر کوئی بھیدی لشکرِ مخالف کو اِدھر سے نکال لائے، تو لا سکتا ہے۔ مولانا نے عرض کیا کہ بہت خوب، کل آپ تشریف لے چلیں، اس کا بھی انتظام ہو جائے گا۔

اگلے روز نمازِ فجر کے بعد آپ تمام مجاہدین کے ساتھ وہاں تشریف لے گئے اور اُس کے روکنے کا موقع تجویز کیا۔ آخر نالے پر پنجتار کے قریب شیشم کے درختوں کے پاس، جہاں نمازِ جمعہ پڑھی جاتی تھی، جگہ پسند کی اور تجویز ہوا کہ نالے کے کنارے سے دائیں جانب کے پہاڑ تک ایک سنگین دیوار بنائی جائے۔ اس فاصلے کا طول چالیس پچاس گز ہوگا۔

غزوۂ خندق کی یاد آپ نے اس زمین کے پانچ حصّے کیے: چار حصّے اپنی چار جماعتوں کو دیے اور ایک حصّہ متفرق لوگوں کو۔ جماعتِ خاص کے حصّے میں آپ شریک ہوئے۔ مجاہدین نالے سے پتھر لا لا کر دیوار بنانے لگے۔ آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ مدینۂ منوّرہ میں غزوۂ احزاب کے موقع پر حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے سے سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لشکر کے

گرد خندق بنانے کی تجویز فرمائی اور تھوڑی تھوڑی زمین ہر جماعت کو تقسیم فرمائی اور ایک حصّہ اپنا بھی رکھا۔ چنانچہ سب صحابۂ کرام، رضی اللہ عنہم، نے مل کر وہ خندق تیار کی۔ اسی طرح آج ہم بھی کفّار کو روکنے کے لیے دیوار بناتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہاں ہم سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم، کی وہ سُنّت ادا کرائی۔ جو اس کاروبار میں شریک ہوگا اور محنت و مشقت اُٹھائے گا، عنایتِ الٰہی سے ویسا ہی ثواب پائے گا۔

یہ سُن کر ہندوستانیوں کے علاوہ صدہا ولایتی بھی شریک ہوگئے۔ بعض بعض بھاری پتّھر کئی کئی آدمی اُٹھا کر لاتے تھے اور سیّد صاحبؒ اپنے دستِ مُبارک سے اُس کو دیوار پر جماتے تھے۔ چند دنوں میں وُہ دیوار بن کر تیار ہُوئی۔

لشکر کی آمد | دیوار تیار ہونے کے دُوسرے یا تیسرے روز مجاہدین نمازِ فجر کی تیاری کر رہے تھے کہ یکایک شبینے کے سواروں نے آکر خبر دی کہ فرنسیسی لشکر لے کر درے کے اس طرف آپہنچا۔ سیّد صاحبؒ نے نماز پڑھ کر جلد فراغت کی اور لوگوں کو کمر بندی کا حُکم دیا۔ مجاہدین ہتھیار باندھ کر تیار ہوگئے اُس وقت ــــ تک اور اُجالا ہوگیا۔ اتنے میں لوگوں نے دیکھا کہ موضع مانیرَی اور موضع صوابئ کی طرف دُھواں اُٹھ رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ دونوں بستیوں میں سکھوں نے آگ لگا دی ہے۔

جب لشکر درۂ پنجتار میں آکر داخل ہُوا، تو اُس کے آدمی نظر آنے لگے۔ درے کے دہانے پر موضع سلیم خاں ہے۔ اُس کو بھی اُنھوں نے جلا دیا اور اس موضع کے مَیدان میں اپنا لشکر جمایا اور آگے بڑھا۔ اِدھر پنجتار سے سیّد صاحبؒ سب غازیوں کو لے کر باہر نکلے اور دیوار کے پاس تشریف لے گئے۔ سب مُلکی لوگ بھی وہیں آکر جمع ہوگئے۔ اگلے سنگر پر جہاں آپ نے چار پہرے مُقرر کیے تھے، آپ نے مرزا احمد بیگ پنجابی کو سَو جوانوں کے ساتھ ہدایت دے کر روانہ کیا کہ ان چاروں پہروں کو جاتے ہی ہمارے پاس بھیج دو اور جب فرنسیسی کا لشکر تمھارے پاس آئے، تو تم اپنے لوگوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ جانا اور ان سے مقابلہ کرنا۔ جب وُہ ہم سے آکر مقابلہ کریں،

تم اُتر کر پُشت کی طرف سے حملہ کرنا۔ فتح خاں سے آپ نے فرمایا کہ تم ہمارے پاس رہو اور اپنے چالیس پچاس سوار مرزا احمد بیگ کی تقویت کے لیے بھیج دو اور جو تمھارے پیادہ لوگ ہیں، اُن کو بائیں جانب کے پہاڑ پر روانہ کر دو کہ درۂ توتالی کا بندوبست کریں اور چملہ اور بُنیر کے لوگوں کو دائیں پہاڑ پر بھیجو اور اُن سب سے کہہ دو کہ خبردار، تم سکھوں کا کوئی مقابلہ نہ کرنا۔ جب وُہ ہمارے مقابلے پر آئیں اور جانبین سے لڑائی شروع ہو، تب تم ان کے دونوں طرف سے پہلے پہلو مارنا۔ خانِ موصُوف نے یہی تقریر سب کو سمجھا کر دو پہاڑوں پر روانہ کیا اور قندھاری اور ہندوستانی اور اس مُلک کے چند عُلماء و سادات وغیرہ آپ کے پاس حاضر ہُوئے۔

جہاد کی تحریص اور موت کی بَیعت

اس وقت مولانا اسمٰعیل صاحب نے اس مسجد میں کھڑے ہو کر، جہاں نمازِ جُمعہ پڑھا کرتے تھے۔ آیتِ بَیعت الرِضوان کی تلاوت فرمائی اور اُس کا ترجمہ کیا۔ آپ نے اس بَیعت کے فضائل بیان کیے اور سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "اس وقت سب صاحب، جو حاضر ہیں، حضرت امیر المؤمنین کے دستِ مُبارک پر خالص اس نیّت سے بَیعت کریں کہ ہم انشاء اللہ میدان سے نہ ہٹیں گے: یا کُفّار کو مار کر فتح پائیں گے یا اسی مَیدان میں شہید ہو جائیں گے۔ اِس میں جو صاحب مشیّتِ ایزدی سے شہید ہوں گے، وُہ شہادتِ کُبریٰ کا درجہ پائیں گے؛ اَور جو زِندہ بچیں گے، وُہ اعلیٰ مرتبے کے غازی ہوں گے۔

مَولانا کی یہ تقریر سُن کر لوگوں پر بڑی بشاشت اور سُرور طاری ہُوا اور ہر ایک پر یہ شوق غالب ہُوا کہ مَیں شہید ہو کر سیدھا بہشت کو چلا جاؤں اور سب بَیعت کرنے کو تیار ہو گئے۔ سب سے پہلے مولانا اسمٰعیل صاحب نے اپنا ہاتھ سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر رکھا، اس کے بعد اور صاحبوں نے اپنا اپنا ہاتھ آپ کے ہاتھ پر رکھا۔ جب ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کا موقع نہ ملا، تو جنھوں نے ہاتھ رکھے تھے، لوگوں نے اُن کی پُشتوں اور کاندھوں پر ہاتھ رکھے۔ سیّد صاحبؒ سب کے بیچ میں تھے۔ اِسی طرح سب نے بَیعت کی۔ بَیعت کے جو الفاظ آپ اپنی زبان سے باوازِ بلند فرماتے تھے، وُہی سب کہتے جاتے تھے۔ جب بَیعت لینے سے آپ فارِغ ہُوئے، تو سر کھول کر دُعا فرمائی

اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد بڑی عجز و زاری کے ساتھ کہا کہ الٰہی، ہم تیرے عاجز و ناچار بندے صرف تیری مدد کے اُمید وار ہیں۔ ہم پر اُن کافروں کو نہ لا اور ہم کو اُن کے شر سے بچا اور اگر تیری مشیّتِ ازلی میں لانا ہی منظور ہو، تو ہم عاجزوں اور ضعیفوں کو صبر و استقامت عطا کر اور اُن کے مقابلے میں ثابت قدم رکھ اور اُن پر فتحیاب کر۔ اسی طرح کے بہت سے الفاظ آپ نے اپنی زبانِ مُبارک سے ادا فرمائے۔ اُس وقت یہ حال تھا کہ گویا ہر شخص اپنی ہستی سے گزر گیا تھا اور ایک دُوسرے عالم میں تھا۔

شہادت کی تیاری اور وصیّت | دُعا کے بعد ہر شخص بڑے تپاک اور اشتیاق سے ایک دوسرے سے گلے ملا، اپنی خطائیں معاف کرائیں اور کہنے لگا کہ اللہ نے فتحیاب کیا اور ہم کو تم کو زندہ رکھا، تو پھر ملیں گے، ورنہ اگر اللہ ملائے گا، تو جنّت میں ملیں گے اور آپس میں ایک دُوسرے کو وصیّت کی کہ بھائیو، جو کوئی شہید یا زخمی ہو جائے، تو اُس کے اُٹھانے سنبھالنے کا خیال نہ کرنا، آگے ہی بڑھنے کا ارادہ رکھنا۔

اس کے بعد سیّد صاحبؒ نے جنگی پوشاک پہنی اور ہتھیار لگائے۔ ہندوستانی اور قندھاری مجاہدین ملا کر آٹھ نو سو ہوں گے۔ اُن کو لے کر آپ دیوار کے قریب گئے اور مَوقع مَوقع پر صف باندھ کر سب کو کھڑا کیا اور سب سے کہا کہ جب تک ہم بندوق نہ چلائیں، تُم میں سے کوئی نہ چلائے؛ اور جب تک ہم یہ دیوار پھاند کر نہ جائیں، کوئی نہ جائے۔ صف کے آگے آپ اِدھر سے اُدھر چہل قدمی کرتے تھے اور یہی کہتے جاتے تھے۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ سب بھائی، جن کو سُورۂ لِاِیلٰف یاد ہو، گیارہ گیارہ بار پڑھ کر اپنے اُوپر دم کر لیں، اور اسی کا وِرد رکھیں؛ اور جن کو یاد نہ ہو، اُن پر اور بھائی پڑھ کر دم کر دیں۔ یہ فرما کر اپنا رائفل دیوار سے کھڑا کر دیا اور آپ مُتوجّہ اِلَی اللہ ہو گئے۔

لشکر کے نشان | لشکرِ مُجاہدین میں صرف تین نِشان تھے۔ جو خاص جماعت کا نشان تھا، اُس کا نام سیّد صاحبؒ نے صِبْغَۃُ اللہ رکھا تھا۔ اُس پر پارہ الٓمٓ کا آخرِ رکوع وَمَنْ یَّرْغَبُ عَنْ

مِلَّةِ إِبْرٰهِيمَ إِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ سے آخرِ پارہ تک سُرخ ریشم سے کڑھا ہُوا تھا۔ وُہ نشان دادا سیّد ابوالحسن نصیر آبادی کے پاس تھا جس لڑائی میں سیّد صاحبؒ خود تشریف لے جاتے تھے، وُہ نِشان بھی جاتا تھا۔ نہیں تو کہیں نہیں جاتا تھا۔ دُوسرا نشان ابراہیم خاں خیر آبادی اُٹھاتے تھے۔ اُس کا نام آپ نے مُطیع اللہ رکھا تھا۔ اس پر سُورۂ بقرہ کا آخری رُکوع لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ سے آخر تک سُرخ ریشم سے کڑھا ہُوا تھا۔ تیسرا نشان، جو مُحمّد عرب[1] کے پاس تھا، اُس کا آپ نے فتح اللہ نام رکھا تھا اور اُس پر سُورۂ صفّ کا آخرِ رکوع يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ سے آخیر سُورہ تک لکھا تھا۔

ونیٹورہ کا اضطراب | ونیٹورہ موضع سلیم خاں کے مَیدان سے اپنی فوج کا پڑا باندھے چلا آتا تھا۔ موضع توتالی کے برابر داہنی طرف ایک پہاڑی ہے۔ وُہ کچھ فوج ساتھ لے کر اس پر چڑھا اور وہاں بیٹھ کر حاضری کھائی۔ اس عرصے میں خادی خاں کچھ سکھوں کو لے کر توتالی میں گیا اور وہاں کے گھروں میں آگ لگا کر چلا آیا جب ونیٹورہ حاضری کھا کر فارغ ہُوا، تو دُوربین لگا کر دائیں بائیں دونوں پہاڑوں پر اور درّے کے سامنے دیر تک دُوربین سے دیکھتا رہا۔ اُسے لشکرِ مُجاہدین کے لوگ دونوں پہاڑوں پر اور درّے کے سامنے اس کثرت سے نظر آئے کہ وہ مرعُوب ہو گیا اور گھبرا کے خادی خاں سے کہا کہ تم نے ہمارے ساتھ بڑا فریب کیا ہے۔ ہم سے تو تم نے یہ کہا کہ پنجتار میں تھوڑے سے لوگ ہیں۔ اس وقت تو دائیں بائیں دونوں پہاڑوں پر اور سامنے درّے میں سواروں، پیادوں اور نشانوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ وُہ یہ الزام خادی خاں کو دے کر وہاں سے اپنے لوگوں کو لے کر نیچے اُترا اور سنگین دیوار کے قریب اپنی فوج لا کر کھڑی کر دی۔

حملہ اور ونیٹورہ کی پسپائی | مرزا احمد بیگ پنجابی سیّد صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق اپنے لوگوں کو لے کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور سکھوں نے دیوار گرانی شروع کر دی۔ مُخبر نے آکر حضرت کو خبر کی کہ سکھ آگے کی دیوار گراتے ہیں۔ آپ نے سواروں کو حکم بھیجا کہ آگے بڑھیں اور مرزا حُسین بیگ

---

[1] مُحمّد عرب سیّد صاحبؒ کے بڑے مُخلص اور نہایت مُعتقد تھے۔ سفرِ حج سے آپ کے ہم راہ رکاب آئے تھے۔

کو کہلا بھیجا کہ شاہینیں ماریں اور سکھوں کو وہیں روکیں۔ سواروں نے گھوڑے بڑھائے اور مرزا شاہینیں سر کرنے لگے اور دونوں پہاڑوں کے دائیں بائیں بھی ہلّہ کر کے اُترنے لگے۔ ہر طرف سے لوگوں کی یُورش دیکھ کر وینٹورہ گھبرایا اور اُس کو یقینِ کُلّی ہو گیا کہ مَیں اِس لڑائی میں فتحیاب نہیں ہوں گا۔ کوئی ڈیڑھ پہر دِن چڑھا ہو گا کہ وہ اپنی فوج کو لے کر بھاگا۔ لوگوں نے درّۂ پنجتار تک اُس کا تعاقب کیا۔ اس اثنار میں اُس کے کئی آدمی بھی مقتُول ہُوے۔ درحقیقت مُجاہدین کی اتنی تعداد نہ تھی، جتنی اُس کو دُوربین سے نظر آئی۔ یہ محض ایک تائیدِ غیبی تھی۔

نمازِ شُکر | جب اُس کے بھاگنے کی خبر مُخبروں نے سیّد صاحبؒ کو پہنچائی، تو سب کو کمال خوشی ہُوئی اور وہیں سب نے نالے سے وضُو کر کے شکرانے کی نماز ادا کی۔ سیّد صاحبؒ مجاہدین کے ساتھ پنجتار تشریف لے آئے۔

اگلے روز سردار فتح خاں نے آپ سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے فرنسیسی کو یہاں سے دفع کر دیا، اب اجازت ہو کہ سب لوگوں کو رُخصت کر دیں۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی توقُّف کرو، اِس کی تحقیق ہو جائے کہ اس کا ڈیرہ کہاں ہے اُس سے اگلے روز شام کو مخبروں نے آکر خبر دی کہ آج فرنسیسی اسباب و سامان کے ساتھ دریائے سندھ اُتر گیا اور خادی خاں کو اُس نے بہت تسلّی دی ہے کہ تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا جس وقت تم پر کچھ بھی دباؤ پڑے، فوراً خبر کرنا۔ خالصہ جی کی فوج تمھاری کُمک کو آئے گی۔ یہ سُن کر آپ نے فتح خاں سے فرمایا کہ اگلے روز سب صاحبوں کو رُخصت کر دو۔ صُبح کو لوگ آپ سے رُخصت ہو کر اپنی اپنی بستی چلے گئے۔[1]

نظامِ شرعی کی توسیع اور استحکام | پنجتار کی فتحِ مُبین اور وینٹورہ کی پسپائی سے مُجاہدین کی استقامت اور اُن کی عنداللہ مقبولیّت کا چرچا خُوب ہُوا۔ اس زمانے میں جن عُلماء و رُوسار نے ابھی تک بَیعت نہیں کی تھی، وُہ بھی حاضر ہُوے اور اُنھوں نے بھی اطاعت کا عہد و پیمان کیا۔ سیّد صاحبؒ نے دیہاتوں کا اور قصبات کا دَورہ فرمایا اور کثرت سے لوگ بَیعت اور توبہ سے مُشرّف ہُوے اور

---

[1] پنجتار کی جنگ (جیسا کہ منظومہ کے بیان اور دوسرے قرائن سے معلوم ہوتا ہے) ذی قعدہ ۱۲۴۴ھ میں پیش آئی۔

بعض ایسے نامی قبائل اور برادریاں، جنھوں نے ابھی تک کوئی توجّہ نہیں کی تھی، اپنی خوشی سے بَیعت اور امارتِ شرعی میں داخل ہوئیں۔ یہاں ایک قلمی تحریر کا اِقتباس پیش کیا جاتا ہے :

"اہلِ سَمہ میں دو قبیلے اسمٰعیل زئی، دولت زئی بڑے طاقتور، قول و قرار کے بڑے پکّے اور صداقت اور وفاداری میں بڑے مشہور ہیں۔ اُنھوں نے ابھی تک بیعت اور توبہ نہیں کی تھی اور وُہ بہت بیگانہ اَور دُور دُور تھے۔ مُلّا قُطب الدین ننگرہاری، جن کو خدمتِ احتساب سپُرد تھی، وُہ دَورہ کرتے ہُوئے ان قبائل کے مرکز میں پہنچ گئے۔ وہاں اُنھوں نے وعظ و نصیحت کی اور اس علاقے کے مسلمانوں کو غیرت دُلائی کہ اُنھوں نے ابھی تک بَیعت نہیں کی اور نظامِ شرعی کو قبول نہیں کیا۔ اُنھوں نے اہلِ سرحد کے رواج اسقاط وغیرہ کی مخالفت کی۔[1] لوگوں کو اِس پر بہت غُصّہ آیا کہ ہم ناواقف عوام ہیں، ہمارے عُلماء نے ابھی تک ہم کو صحیح دین کی تعلیم نہیں دی۔ اُنھوں نے اپنے علاقے کے مولویوں کو جمع کیا اور اُن سے کہا کہ وُہ مُلّا قطب الدین ننگرہاری سے مناظرہ کریں۔ وہ عُلماء مُلّا قطب الدین کی تقریر سُن کر لاجواب ہو گئے۔ اور اُنھوں نے خوانین سے کہا کہ اخوندِ قطب صحیح کہتے ہیں اس پر تمام خواص و عوام نے کہا کہ اب ہم تَوبہ کرتے ہیں اور بَیعت وغیرہ کے متعلق جو خدا و رسُولؐ کا حکم ہے، اس کو قبول کر کے اُس کو جاری کرتے ہیں۔

عیدُ الاضحیٰ سے فارغ ہو کر وہاں کے تمام رُؤساء آپ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور آپ کو اپنے ساتھ (گڑھی امان زئی) لے گئے۔ اس نواح کے تمام لوگوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی۔ اور شریعت قبول کی اور سالہا سال کا

---

[1] سرحد افغانستان میں رواج ہے کہ جب کسی کا اِنتقال ہو جاتا ہے، تو قرآنِ مجید کا ایک نسخہ ایک مجلس میں کسی ایک کو ہبہ کر دیا جاتا ہے پھر وہ چکر کھاتا ہُوا پہلے شخص کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ پھر کچھ نقد دے کر اس کو خرید لیا جاتا ہے۔ پھر وُہ نقد اہلِ مجلس کے درمیان تقسیم کر دیا جاتا ہے۔ اس عمل کو اِسقاط کہتے تھے۔ یعنی متوفّی کے ذمّے جو فرائض، حقوق و عبادات باقی ہیں، وہ ساقط ہو گئے اور گُناہوں کا کفّارہ ہو گیا۔

فتنہ و فساد اور نزاع ختم ہو گیا۔"

۱۲ ذی الحجہ ۱۲۴۴ھ کے ایک قلمی خط سے بھی جس کی تکمیل ۱۳ محرم ۱۲۴۵ھ کو ہوئی، چند اقتباسات درج ذیل ہیں :

"اوائلِ شعبان میں بیعتِ امامت سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر ہو چکی تھی اور انھیں دنوں سے مقدمات اور تنازعات کے فیصلے اور مجرمین کی تعزیر کے لیے دیہاتوں میں قاضی مقرر ہو گئے تھے اور جاہلی اور افغانی رسوم بالکل موقوف ہو گئی تھیں۔

مانیری کا واقعہ اُوپر گزر چکا ہے۔ اس کے علاوہ بعض دُوسرے مقدّمے امیرالمؤمنین کے حکم سے فیصل ہوئے۔ یہاں کا دستور تھا کہ اگر کوئی فاسق کسی کی عورت کو نکال کر ایک دیہات سے دُوسرے دیہات کو لے جائے، تو اس دیہات کے لوگ اس مجرم کی حمایت کے لیے کمربستہ ہو جاتے ہیں اور لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں اور مجرم کو کسی طرح مدّعی کے حوالے نہیں کرتے۔ دو ایک آدمیوں نے اسی جرم کا ارتکاب کیا اور لشکر کشی سے بھی گرفتار نہیں ہوئے۔ اس نظامِ شرعی کے نفاذ کے بعد چند مجاہدین امام کے حکم سے آدھی رات کو گئے اور اُن کو گرفتار کر کے لے آئے اور سب لوگوں کے سامنے ان مجرمین کو جو سردار فتح خاں کی برادری کے تھے، سرِ راہ درخت پر لٹکا کر سزا دی۔ اسی طرح دو تین ڈاکو گرفتار ہوئے اور تحقیق کے بعد اُن کو سزا دی گئی اور بعض کو قصاص میں قتل کیا گیا۔

کفّار کے فرار کے بعد ضلع سمہ کے دُور دُور کے مسلمانوں نے، جنھوں نے اس سے پہلے نظامِ شریعت کو قبول نہیں کیا تھا، ذی الحجہ کے اوائل میں بخوبی قبول کیا۔ سمہ میں ایک مقام ہے، جس کا نام گڑھی امان زئی ہے، جس میں دس بارہ ہزار جنگجو لوگ رہتے ہیں۔ اُنھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ یہ کفّار مجاہدین کے مقابلے سے بھاگ گئے ہیں۔ آئندہ سال ضرور آئیں گے اور یہاں کا اِنتظام کریں گے اور ہم

لوگوں کو بہر صورت ایک سے مقابلہ کرنا پڑے گا۔ اس صورت میں بہتر یہی ہے کہ ہم امام المسلمین کے جھنڈے کے نیچے جنگ کر کے دارین کی سُرخروئی حاصل کریں اُن لوگوں نے آپس میں اس کا اچھی طرح مشورہ کر کے امیر المؤمنین کے ہاتھ پر بیعت کی اور عُشر دینا قبول کیا۔ چنانچہ آج روزِ تحریر کہ ذی الحجہ کی بارہ تاریخ ہے، حضرت امیر المؤمنین اس قوم میں بیعت لینے تشریف لے گئے ہیں۔

سردار اشرف خاں مرحوم کا بیٹا مُقرّب خاں بھی بڑا مخلص ثابت ہُوا۔ اُس نے بھی اپنے علاقے کے ہندوؤں میں جزیہ اور مسلمانوں میں عُشر مُقرر کر دیا ہے اور خادی خاں منافق خفّاش کی طرح ایک گوشے میں خائف اور ترساں پڑا ہُوا چاپلوسی اور معذرت خواہی میں لگا ہُوا ہے۔ اب اُس کے لیے دو ہی راستے ہیں: یا مسلمان کامل ہو جائے یا یار محمد خاں کے گروہ میں مخذول بنے۔

اس اثنار میں گڑھی امان زئی کے خوانین کا جرگہ امیر المومنین کو اپنے یہاں لانے کے لیے پنجتار گیا اور امیر المومنین کو گڑھی میں لا کر آپ کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی اور وہاں کے تمام لوگوں نے امیر المومنین کے حلقۂ اطاعت کو اپنی گردن میں ڈالا اور شرعِ شریف کی پیروی کے لیے کمربستہ ہو گئے اور جائداد کا جو مناقشہ چلا آرہا تھا، آنجناب کی کوشش سے وُہ فیصل ہو گیا اور جو کچھ تھوڑا بہت باقی ہے وُہ بھی حکمِ الٰہی سے فیصل ہو جائے گا۔ اس خط کی تحریر کے وقت کہ ۱۳ محرم ۱۲۴۵ھ ہے، امیر المومنین کا قیام موضع بازار نامی میں ہے۔"

○

چودھواں باب

ہنڈ کی تسخیر اور تنگی کی مُہم

خادی خاں سے شاہ اسمٰعیل صاحب کی مُلاقات اور تمام حُجّت

سیّد صاحبؒ نے ایک معتبر آدمی کے ذریعے خادی خاں کو دعوت دی اور فرمایا کہ تم سے کچھ باتیں کرنی ہیں۔ خادی خاں نے جواب دیا کہ پنجتار میں ہمارا آنا نہ ہوگا۔ اگر آپ موضع سلیم خاں تشریف لائیں، تو وہاں ہم آ سکتے ہیں۔

آپ اگلے روز پنجتار سے کُوچ کر کے کوئی تین سو آدمیوں کے ساتھ سلیم خاں تشریف لے گئے اور درے کے سامنے قیام کیا۔ پانچویں روز خادی خاں پچاس ساٹھ سواروں اور چار سو پیادوں اور سامانِ جنگی کے ساتھ تیار ہو کر آیا اور درۂ پنجتار کے باہر مَیدان میں ٹھیرا۔ سیّد صاحبؒ نے جانے کی تیاری کی، تو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے عرض کیا کہ آپ کا جانا مناسب نہیں۔ مجھ کو اجازت ہو، تو مَیں ہو آؤں۔ یہ مشورہ سب کو پسند آیا۔ آپ نے مولانا کو چند باتیں سمجھا کر دو سو آدمیوں کے ساتھ بھیجا اور سَو غازی اپنے پاس رکھے۔

مولانا اسمٰعیل صاحب نے خادی خاں کو اپنے آنے کی اطلاع کی۔ خادی خاں نے کہلوایا کہ مولانا دو چار آدمیوں کے ساتھ آئیں، مَیں بھی اِتنے آدمیوں کے ساتھ آؤں گا۔ مولانا چار قزلباشی

اپنے ساتھ لے کر جانے کے لیے تیار ہوئے۔ غازیوں نے کہا کہ ہم صرف چار آدمیوں کے ساتھ آپ کو نہ جانے دیں گے، اس شخص کا کچھ اعتبار نہیں۔ مولانا نے فرمایا: اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے، ہم کو کسی چیز کا اندیشہ نہیں؛ تم اس وقت اس کارِ خیر میں حارج نہ ہو۔

مولانا تشریف لے گئے اور میدان میں خادی خاں سے ملاقات کی۔ آپ نے سیّد صاحبؒ کا پیغام خادی خاں کو پہنچایا کہ ہم کو تم سے یہ اُمید نہ تھی کہ تم مسلمانوں پر کفّار کو چڑھا لاؤ گے اور اُن کے ساتھ ہو کر مسلمانوں سے مقابلہ کرو گے۔ تم نے بالکل بغاوت ہی پر کمر باندھ لی ہے۔ اب بھی خیریت ہے۔ کفار کی شرکت سے توبہ کرو اور دائرۂ شریعت سے قدم باہر مت رکھو۔ اللہ تعالیٰ غفورٌ رحیم ہے، تمہارا قصور معاف کر دے گا۔ نہیں تو دُنیا میں بھی ذلیل و رُسوا ہو گے اور آخرت میں بھی۔

خادی خاں کا صاف جواب | خادی خاں نے جواب دیا کہ خفا نہ ہونا، ہم لوگ رئیس اور حاکم ہیں، سیّد بادشاہ کی طرح مُلّا مولوی نہیں ہیں۔ ہماری شریعت جُدا ہے، اُن کی جُدا۔ اُن کی شریعت پر ہم پٹھان لوگ کب چل سکتے ہیں؟ بار بار سیّد بادشاہ ہمارے پیچھے کیوں پڑتے ہیں؟ ہمارے حق میں اُن سے جو کچھ ہو سکے، وہ درگزر نہ کریں۔

خادی خاں یہ جواب دے کر ہنڈ چلا گیا اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سیّد صاحبؒ کے آملے اور سب مُجاہدین واپس پنجتار آ گئے۔

تنگی والوں کی فریب دہی | موضع تنگی[1] کے کئی آدمی عرصے تک سیّد صاحبؒ کے پاس آتے رہے اور کہتے رہے کہ جب سے ہماری بستی میں دُرّانیوں کا عمل ہُوا ہے، وہ ہم لوگوں کو بہت ستاتے ہیں۔ ہم نے کوشش کر کے اپنی بستی کے تمام لوگوں کو بلا لیا ہے۔ اگر کچھ مُجاہدین ہمارے ہمراہ کر دیں تو ہم اپنی بستی پر آپ کا قبضہ کرا دیں۔ اس سے پشاور کا راستہ کھل جائے گا اور ہم لوگ خود ہی پشاور والوں سے نمٹ لیں گے۔ سیّد صاحبؒ نے خوانین سے مشورہ لیا۔ اُنھوں نے بھی وہاں ایک مہم

[1] یہ قصبہ تحصیل چارسدہ، ضلع پشاور میں چارسدہ سے بجانب شمال تقریباً ۱۸ میل کے فاصلے پر ہے۔

بھیجنے کی تائید کی۔

آپ نے کوئی تین سَو آدمی اچھے چُست اَور چالاک انتخاب کیے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو امیر کیا اور ارباب بہرام خاں اور مولوی امیر الدین صاحب کو بھی آپ کے ہمراہ کیا۔ جب تنگی دو میل کے قریب رہ گیا، تو تنگی کے دو تین آدمی جو ساتھ تھے، اُنھوں نے مُجاہدین کو کھڑا کر دیا اَور خود آگے بڑھے۔ تیس چالیس قدم پر چار زرہ پوش سوار نیزے باندھے انتظار میں کھڑے تھے۔ وہ اُن سے مِلے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، ارباب بہرام خاں اور مولوی امیر الدین صاحب کو بُلا کر اُن سے مِلایا۔ اُن لوگوں نے کہا کہ جن لوگوں کے مشورے سے ہم نے آپ لوگوں کو بُلایا تھا، اُن سب لوگوں نے صاف صاف جواب دے دیا اور سب جا کر دُرّانیوں سے مِل گئے۔ اگر آپ ہم کو وہاں لے چلیں، تو ہم لوگوں کی بربادی اور خرابی کے سوا کچھ حاصل نہ ہوگا۔ اب ہم لوگوں کی یہی صلاح ہے کہ آپ اپنے لوگوں کو لے کر پلٹ جائیں۔ اُنھوں نے تو ہم سے فریب کیا، مگر ہم آپ کے قصُوروار ہیں۔ آپ ہم کو جو چاہیں، سو کریں؛ صُبح کو ہم بھی آ کر حاضر ہوں گے۔

یہ تقریر سُن کر مَولانا نے غصّے ہو کر فرمایا کہ تُم جھُوٹے ہو، یہ تمام شرارت اور دغا بازی تم ہی لوگوں کی ہے کہ ہم لوگوں کو اتنی دُور سے بُلا کر حَیران و سرگردان کیا اور اپنا مطلب نکال کر ہم کو صاف جواب دے دیا۔ بیشک تم لوگ تعزیر و ملامت کے لائق ہو۔

مولانا اپنے لوگوں کو ساتھ لے کر سیّد صاحبؒ کے پاس واپس آ گئے اور پوری رُوداد سُنا دی سیّد صاحبؒ بہت ناخوش ہُوئے اور فرمایا کہ اتنے مہینے سے وہ نامعقُول آتے جاتے تھے، بڑے فریبی اور دغاباز نکلے۔

قلعۂ ہنڈ کی تسخیر کی تجویز فرانسیسی جنرل کی پسپائی اور مسلمانوں کی اس تائیدِ غیبی سے قُرب و جوار کے علاقوں اور عام سرداروں اور خوانین پر بڑا اچھا اثر پڑا اور کئی نئے علاقے اور قبائل و سردار اپنی خوشی سے نئے نظام میں داخل ہُوئے۔ یہ سلسلہ بہت وسیع ہوتا، مگر خادی خاں کی مخالفت اور علیٰحدگی مُذبذب اشخاص اور قبائل کے لیے بہت بڑا بہانہ اور راستے کی بڑی رکاوٹ تھی۔ لوگ برملا

کہتے تھے کہ خادی خاں نے شریعت قبول نہیں کی، تو اس کا کیا ہو گیا اور ہم نہ قبول کریں گے، تو ہمارا کیا ہو جائے گا۔ دو ایک گاؤں والوں نے مجاہدین کے ساتھ دغا بھی کی اور اُن کو اپنے یہاں جہاد کی دعوت دے کر اور سرداروں سے اپنا ذاتی کام نکال کر واپس کر دیا۔ پشاور اور دُرّانی سرداروں بالخصوص یار محمّد خاں کا معاملہ کچھ کم اہم نہ تھا۔ ایک وقت میں جماعت کے سامنے یہ سب مسائل تھے، لیکن خادی خاں کا معاملہ پُرانا اور سب سے اہم تھا اور اس کی اہمیت اِس لیے بھی سب سے زائد تھی کہ اس نے فرانسیسی جرنیل اور سکھوں کو مُجاہدین کے خلاف جنگ کی دعوت دے کر اسلام اور شعائرِ اسلام کی بڑی ہتک کی تھی۔ سمَہ کے علاقے اور پنجتار اور اس کے نواح میں نظم و اطاعت کی جو ایک فضا اور ماحول پیدا ہو رہا تھا، ہنڈ اس میں بہت رخنہ انداز تھا۔ وُہ اپنے جائے وُقُوع اور فوجی نقطۂ نظر سے بھی بڑی اہمیت رکھتا تھا۔ ان سب خصوصیات کی بنا پر خادی خاں اور ہنڈ کا مسئلہ اوّلین توجہ کا محتاج تھا۔

سیّد صاحبؒ اس زمانے میں موضع بازار (سُدُم) میں تشریف رکھتے تھے۔ آپ نے مُبین خاں سے گڑھی کی ایک حویلی خالی کرائی۔ اس حویلی کے گرد کئی پہرے مقرر کر دیے اور وہاں آپ نے چیڑ کی لکڑی کے قلابے اور چار سیڑھیاں بنوائیں۔ تمام جماعتوں میں سے پانچ سَو چُست و چالاک اور آزمودہ کار غازی انتخاب کیے۔ مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب کو اس کا امیر اور ارباب بہرام خاں کو اُس کا نائب امیر بنایا۔ ان دونوں صاحبوں کے علاوہ کسی کو معلوم نہ تھا کہ یہ سب تیاری کس لیے کی جا رہی ہے۔ رُخصت کے وقت آپ نے سب کو سُنا کر مولانا سے فرمایا کہ آپ امان زئی کی گڑھی سے ہو کر جائیے۔ انشاء اللہ ہم بھی آپ کے پیچھے پنجتار آتے ہیں۔ اپنے باورچی خانے کا اسباب و سامان بھی خچروں پر لدوا کر اُن کے ساتھ کر دیا اور رسّیوں میں لپیٹ کر دو اونٹوں پر وُہ چاروں سیڑھیاں بھی لدوائیں اور اُن اونٹوں کو ارباب بہرام خاں کے ساتھ کیا۔

مولانا سُدُم سے گڑھی امان زئی ہوتے ہُوئے ترکئی پہنچے۔ ارباب بہرام خاں بھی شیوہ ہوتے ہُوئے ترکئی میں مولانا سے مِل گئے اور وہاں سے سب نے مل کر ہنڈ کی طرف کُوچ کیا۔

سفر کی رُوداد | اِس مُہم کی رُوداد ایک خط میں مَوجُود ہے، جو حالات کی اطلاع اور شرکتِ جہاد کی ترغیب کے لیے ہندوستان بھیجا گیا تھا:

"ترکئی میں لشکر کا رُخ پنجتار کی طرف تھا، جس کو لوگ سمجھتے تھے کہ پنجتار کو واپسی ہے۔ یہاں سے ہنڈ کا قلعہ سات کوس کے فاصلے پر ہے۔ مولانا نے قلعے کو عبُور کرنے کے لیے چوبی زبان تیار کرائے۔ ۷ صفر[1] کو عصر کے وقت جہاد کے ارادے سے کُوچ ہُوا جب دیہات سے نکلے، تو اہلِ دیہات نے خیال کیا کہ یہ خادی خاں کی طرف جاتے ہیں۔ وُہ اِس مُنافق کے دوست تھے۔ زبان کے اونٹوں کا سامان اچھا نہ تھا۔ اس لیے وُہ بار بار گرتے تھے اور باندھے جاتے تھے۔ اس کی وجہ سے اِسی دیہات کے قریب عِشاء کا وقت ہو گیا۔ دیہات اور قلعۂ ہنڈ کے درمیان اگرچہ صرف سات کوس کا فاصلہ تھا، لیکن یہ مَیدان ایک دشتِ بے نشان تھا جس میں سمت و جہت کی بھی تمیز نہ ہوتی تھی۔ محمد بیگ خاں نامی ایک شخص جو خادی خاں کا چچا تھا اور اُس کی زبردستی کی وجہ سے ایک مُدّت سے مارا مارا پھرتا تھا، وُہ اس لشکر کا رہبر تھا اور اُس کو مَیدان لیے جا رہا تھا اگرچہ راستہ سات کوس سے زیادہ تھا، لیکن رات کا بڑا حصّہ اِسی دشت میں گزر گیا اور ہنڈ کا راستہ نہ معلوم ہو سکا اور خود رہبر بھی راستہ بھُول گیا۔ لشکر بیحد خستہ و پریشان اور منزلِ مقصُود سے مایُوس ہو کر ٹھیر جاتا اور کبھی توکّل پر چلنے لگتا۔ چار پانچ گھڑی رات رہے یہ مشورہ ہُوا کہ اب کسی دُوسری جگہ واپس ہونا چاہیے، لیکن یہ خیال کر کے کہ اس قدر مُشقّت اُٹھائی اور کچھ ہاتھ نہ آیا، اہلِ لشکر کو بڑا رنج و قلق ہوتا تھا اس سے پہلے تنگی کی مُہم میں ناکام واپس ہُوئے تھے۔ اس سے اہلِ لشکر کا دِل ٹُوٹا جاتا تھا اور وُہ اپنی قسمت پر افسوس کر رہے تھے۔ آخر اللہ پر بھروسہ کر کے اس رہبر

---

[1] ۱۲۴۵ھ

کے پیچھے پیچھے ایک طرف کو چلے۔ اس اثنار میں ایک شخص، جو قلعۂ ہنڈ کے راستے سے خوب واقف تھا، پہنچ گیا اور اُس نے صحیح رہنمائی کی۔ لشکر میں اس وقت ایک ہزار آدمی تھے۔ گرمی کی شدّت، سایہ دار درخت اور پانی نہ ملنے کی وجہ سے پیاس اور خستگی شدّت کی تھی۔ ابھی کچھ رات باقی تھی اور قلعہ کے آثار نظر نہیں آتے تھے۔ سب سے بڑا تردّد یہ تھا کہ قلعے پر حملہ اندھیری رات ہی میں مناسب ہے۔ دن نکل آنے اور روشنی ہو جانے کے بعد یہ کام نہیں ہو سکے گا۔ پانی کے بغیر بھی قلعہ کی لڑائی مشکل ہے۔ اس تمام تردّد کے باوجود خدا کے بھروسے پر دوڑے چلے جا رہے تھے کہ اب تو جو کچھ ہوگا، وہ ہوگا، اپنی کوشش میں کمی نہیں کرنی چاہیے۔

قلعۂ ہنڈ کے اندر اتنے میں صبح کی سفیدی ظاہر ہوئی اور دیکھا، تو قلعے کے سامنے تھے اور قلعے کے آثار صاف نظر آ رہے تھے۔ مولانا نے پچیس نفر قرابین باز اور تفنگچیوں کو، جو اپنی چابک دستی اور چالاکی میں تمام لشکر میں ممتاز تھے، پہلے روانہ کر دیا اور کہا کہ تم کمال ہوشیاری کے ساتھ خفیہ طریقے پر قلعے کے دروازے کے بہت نزدیک پہنچ جاؤ، اب نردبان کی ضرورت باقی نہیں رہی۔ نماز کا وقت ہو گیا ہے۔ لوگ رفع ضروریات کے لیے قلعے سے باہر آئیں گے اور دروازہ کھولیں گے۔ دروازے کھلتے ہی یکبارگی حملہ کر دینا اور دروازے میں داخل ہو جانا اور قلعے میں داخل ہوتے ہی یکبارگی تفنگ اور قرابینیں چلا دینا۔ آواز کے سنتے ہی ہم لوگ یورش کر دیں گے اور تمام خفیہ لشکر قلعے میں داخل ہو جائے گا۔ ان تمام باتوں کو انھیں اچھی طرح سمجھا کر روانہ کر دیا۔ پچیس آدمی ایک ایک دو دو کر کے روانہ ہوئے۔ قلعے کا دروازہ کھلتے ہی انھوں نے تفنگ اور قرابین کی باڑھ ماری۔ مولانا نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ، جو اس وقت ایک سو پچاس کے قریب تھے، ایک دم حملہ کر دیا جس وقت وہ داخل ہوئے، چند غافل چوکیداران مقابلے میں پڑ گئے: دو ایک قتل ہو گئے اور باقی بھاگ گئے۔ چند

مجاہدین دروازے کے انتظام کے لیے دروازے پر کھڑے رہ گئے اور باقی خادی خاں کے مکان کی طرف چلے اور ایک بار اُس کے گھر کے اندر تفنگ اور قزاہبین کی باڑھ ماری۔

خادی خاں کا قتل | خادی خاں کو اپنے فہم اور اپنے اقبال کا اِتنا غُرّہ تھا کہ رات کو لوگوں نے اس کو خبر دی تھی کہ سیّد صاحبؒ کا لشکر تمھارے سر پر آتا ہے، خبردار رہنا۔ خادی خاں بہت ہنسا اور خبر دینے والے کو بیوقوف بنایا اور کہا کہ سیّد کی یہ طاقت کہاں ہے کہ وہ اس طرف کا رُخ کرے۔ وُہ بیچارہ درویش آدمی ہے۔ اگر وہ اس طرف کا اِرادہ بھی کرے گا، تو ہمارے گرد و پیش کے دیہات کے لوگ اس کے لیے کافی ہیں۔ راستے ہی میں اُس کی خبر لے لُونگا، یہاں کی نوبت ہی نہ آئے گی۔ وہ اسی غفلت میں تھا کہ اُس کے لیے صُبح قیامت نمُودار ہُوئی اور صاعقۂ قومِ ثمُود کی طرح قزاہبین کی باڑھ اُس نے سُنی۔ وُہ ہر طرف گھبرا گھبرا کر دَوڑتا تھا اور اپنے لوگوں کو کمر بندی کا حکم دیتا تھا۔ لوگوں پر افواجِ الٰہی کا ایسا ہراس طاری تھا کہ وُہ بھاگے جا رہے تھے۔ اُس کے بہت سے ساتھی اور بھائی بھاگ گئے۔ پہلی ہی باڑھ کے وقت اُس نے اپنے متعلقین کو اپنے مکان سے نکال کر سادات کے مکان میں بھیج دیا، جو اِس مُلک میں سب سے زیادہ محفوظ جگہ ہوتی ہے اور غنیم اُس پر دست انداز نہیں ہوتا۔ خود اپنے گھر کے اندر اپنا مال و دولت لینے کے لیے ٹھیر گیا۔ جب مُجاہدین اس کے گھر کے اندر آئے، تو اُن کی نظر اُس پر نہیں پڑی۔ جب دوسری بار اُنھوں نے حملہ کیا، تو وُہ گھر کے اندر سے نکل کر اپنے کوٹھے کے اُوپر آگیا اور گھبراہٹ میں ہر طرف دَوڑنے لگا۔ وقت آچکا تھا۔ مُجاہدین کی پے در پے گولیوں سے اس کا کام تمام ہو گیا۔ اس وقت قلعے میں لشکر میں زیادہ سے زیادہ صرف دو سَو آدمی تھے، باقی میدان میں سرگرداں ہو کر پیچھے رہ گئے تھے۔ دو گھڑی دن چڑھے تک سب قلعے میں جمع ہو گئے۔ قلعے میں جو کُچھ

نقد روپیہ تھا معلوم نہیں، وہ کہاں گیا اور اُس کو کون لے گیا۔ توفیقِ الٰہی سے مجاہدین کو لوٹ سے بہت احتراز ہے، لیکن دُوسرے ولایتی لوگ اس سے باز نہیں آتے۔ البتہ چند گھوڑے اور اُونٹ، جو لشکرِ مجاہدین کے کام آنے والے ہیں، سرکار میں داخل ہوگئے ہیں، جو مالِ غنیمت کی تقسیم کے وقت لشکر کو تقسیم کر دیے جائیں گے۔[1]

چار چھ گھڑی دن چڑھے مولانا نے سیّد صاحبؒ کو اطلاع دی کہ فضلِ الٰہی سے قلعۂ ہنڈ میں ہم نے اپنا بندوبست کر لیا ہے، اور صرف خادی خاں اور ایک ہُلواہا وہاں مارا گیا، عنایتِ الٰہی سے ہماری طرف کا کوئی زخمی بھی نہیں ہُوا، سب لوگ سلامت ہیں۔[2]

خادی خاں کی لاش کو طالب علموں کے ذریعے ایک چارپائی پر رکھوا کر مکان کے پچھواڑے ایک حُجرے میں رکھوا دیا گیا۔ کچھ دیر کے بعد خادی خاں کے بھائی امیر خاں اور غلام خاں نے چند ملاؤں کو خادی خاں کی لاش اور اہل وعیال کے لینے کو بھیجا۔ مولانا نے لاش لے جانے کی اجازت دے دی اور اہل وعیال کے لیے فرمایا کہ بغیر سیّد صاحبؒ کی اجازت کے ہم نہیں بھیجیں گے۔ وہاں سے جیسا حُکم ہوگا، ویسا ہم کریں گے۔ خادی خاں کے عزیزوں اور لوگوں نے خادی خاں کو اُس کے آبائی گورستان میں، جو ہنڈ کے قلعے سے آٹھ نو سَو قدم کے فاصلے پر ہے، رات کو دفن کر دیا۔

مولانا کے حُسنِ تدبیر سے ہنڈ کا نامی قلعہ اس طرح سے فتح ہو گیا کہ مجاہدین میں سے کسی کی نکسیر بھی نہ پھُوٹی، مخالفین میں سے صرف خادی خاں اور ایک ہُلواہا قتل ہُوا۔

---

[1] مکاتیبِ قلمی [2] وقائعِ احمدی صـ ۱۴۸۸

پندرھواں باب

جنگِ زَیدہ اور یار مُحمّد خاں کا قتل

جنگ کے مُحرّکات و اسباب | ہنڈ کی فتح اور زیدہ کی جنگ اور اُس کے مُحرّکات و اسباب کے متعلق قلمی مکتوبات کے ایک مجموعے میں ایک مُفصّل فارسی تحریر ہے جو سیّد صاحبؒ کے مرکز سے اطلاعِ احوال کے لیے بھیجی گئی تھی۔ یہ تحریر زیدہ کی جنگ کے اگلے مہینے ۶ ربیع الآخر کو لکھی گئی تھی۔[1] یہ ایک سلسلۂ یادداشت اور مُفصّل رُوداد ہے، جس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے:

امیر خاں کی فتنہ انگیزی | "خادی خاں، سردار اشرف خاں مرحوم کا داماد اور اُس کے جانشین مُقرّب خاں کا بہنوئی تھا۔ سردار اشرف خاں مرحوم حضرت امیر المومنین کے مخصُوص مُخلصین میں سے تھے اور اِسی بنا پر وُہ اور اُن کے لڑکے خادی خاں کے مخالف تھے۔ سردار مُقرّب خاں بھی جماعت میں داخل تھا اور خادی خاں کی مخالفت کو پسند نہیں کرتا تھا، لیکن اس کا بھی روادار نہ تھا کہ خادی خاں کو قتل کر دیا جائے۔ اس واقعے سے اُس کو کچھ ملال ہُوا، لیکن اُس نے خادی خاں کی علانیہ حمایت اور جماعت سے انحراف پسند نہ کیا۔ خادی خاں کا حقیقی بھائی امیر خاں مُقرّب خاں

---

[1] زَیدہ کی جنگ ربیع الاوّل ۱۲۴۵ھ کے مہینے کی کسی تاریخ میں ہوئی، غالباً ۵ یا ۶ ربیع الاوّل کو۔

کے پاس آیا اور مُقرّب خاں سے یہ خواہش کی کہ وُہ بھائی کا اِنتقام لینے میں اُس کی مدد کرے اور اُس کو مُشتعل کرنے کی بہت کوشش کی۔ مقرّب خاں نے اُس کو منظور نہیں کیا اور کہا کہ مَیں صرف مرحوم کے متعلّقین کی رہائی اور تمھاری جانشینی کے لیے حضرت سے سفارش کر سکتا ہوں۔ چنانچہ وُہ امیر المومنین کے پاس آیا اور درخواست کی کہ خادی خاں کے لواحق کو، جو محصُور ہیں، رہا کر دیا جائے اور امیر خاں کو جانشین تسلیم کر کے قلعہ اُن کے حوالے کر دیا جائے۔ حضرت نے اُس کو بہت دلاسا دیا اور بڑی خاطر داری فرمائی اور خادی خاں کے متعلّقین کی رہائی کے لیے مولانا کو، جو لشکر کے امیر تھے، ایک شُقّہ تحریر فرمایا۔

ابھی قلعہ کو فتح ہُوئے تین ہی روز ہُوئے تھے۔ اِسی دن واقعہ یہ پیش آیا کہ مولانا نے مُلّا سید شاہ نامی اپنے ایک معتمد کو ایک ضرب شاہین لانے کے لیے پنجتار بھیجا۔ مُلّا صاحب کے ساتھ چودہ آدمی غیر مسلح پنجتار سے آ رہے تھے۔ ۱۲ صفر کی صُبح کو فصیلِ قلعہ کے بُرجوں پر سے چوکیداروں نے دیکھا کہ دُور سے کچھ سوار آ رہے ہیں۔ اُنھوں نے نقّارے پر چوٹ لگائی اور تمام لشکر کمر بندی کر کے تیّار کھڑا ہو گیا، لیکن یہ قطعی طور پر نہیں معلوم ہوتا تھا کہ یہ دشمن ہی ہیں۔ احتمال تھا کہ شاید اپنے ہی لوگ ہوں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ یہ غلام خاں اور امیر خاں کے سوار ہیں، جو بندوقیں سر کرتے ہیں اور میدان میں گھوڑوں کو دوڑاتے ہیں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ہمارے آدمی شاہین لانے گئے ہیں، یہ لوگ اُن کو مارنے کے لیے دوڑ رہے ہیں، جلد پہنچ کر اُن کی مدد کرنی چاہیے۔ اِسی تمیز میں دو گھنٹے گزر گئے۔ اتنے میں شاہین والوں میں سے ایک شخص ظالموں کے ہاتھ سے بچ کر قلعے میں پہنچ گیا۔ اس نے اِطلاع دی کہ مُنافقین کے سوار شاہین کو لے گئے اور بارہ مُجاہدین شہید ہو گئے۔ اس خبرِ جانکاہ کو سُن کر خصوصیّت کے ساتھ اِس لیے کہ یہ واقعہ قلعۂ ہنڈ کے

متصل ہی واقع ہُوا تھا، نہایت درجہ تأسف و حسرت ہُوئی اور اس پر سخت افسوس ہُوا کہ کیوں پہلے ہی تحقیق کر کے اُن کی مدد نہیں کی، لیکن مشیتِ ایزدی سے چارہ نہیں۔

مُقرّب خاں کی کنارہ کشی | جب خادی خاں کے متعلقین کی رہائی کی بابت حضرت کا شفقہ مولانا کو ملا، تو آپ نے اس وجہ سے کہ ان متعلقین کے محصور ہونے کے باوجود ان منافقین نے اتنی شورش کی، تو اُن کے رہا ہونے کے بعد، واللہ اعلم، کیا فتنہ اٹھائیں گے، مصلحت کی بنا پر اس واقعے کو حضرت کی خدمت میں لکھ کر بھیج دیا۔ اس کے بعد دو مرتبہ مُقرّب خاں کے پاسِ خاطر سے اور اس خیال سے کہ یہ لواحق محض بے قصور ہیں، اُن کو تکلیف دینا اور مُقیّد رکھنا خُوب نہیں، حضرت کے کئی شُقّے پہنچے، لیکن پھر میاں عقلا لشکر کے مشورے سے مولانا نے حقیقتِ حال عرض کرتے ہُوئے اور متعلّقین کی رہائی کو خلافِ مصلحت سمجھتے ہُوئے اپنی اصطلاحی زبان میں ایک عرضداشت مُقرّب خاں کی معرفت حضرت کی خدمت میں روانہ کی۔ مُقرّب خاں نے اس خط کو اپنے مُنشی سے پڑھوایا۔ اس بیچارے کو کیا خبر تھی؟ وہ ایک حرف بھی نہ پڑھ سکا۔ اس نامانوس خط سے مقرب خاں کے ہوش اُڑ گئے اور اُس کو ڈر پیدا ہُوا کہ مولوی مُحمد اسمٰعیل صاحب نے کہیں میری شکایت تو نہیں کی اور کوئی خطرناک بات تو نہیں لکھی۔ چنانچہ وُہ اس ڈر سے نہ تو حضرت کی خدمت میں گیا اور نہ امیر خاں وغیرہ سے ملا، بلکہ اپنے کو اس معاملے سے الگ کر کے گھر بیٹھ رہا۔

راستے مسدود ہو گئے | جب یہ خبر تمام اطراف میں مشہور ہُوئی، تو متعلّقینِ خادی خاں کے رہا نہ ہونے کی وجہ سے بہت سے لوگ لشکرِ مُجاہدین سے بد دل ہو گئے اور جو دیہات منافقین کے جانبدار تھے، وُہ جانی دشمن بن گئے اور اُنھوں نے ہندوستانیوں کا آنا جانا ہر طرف سے بند کر دیا۔ ہندوستان کے راستے مسدود ہو گئے اور خطوط کا پہنچنا بھی بے انتہا مُشکل ہو گیا۔

سیّد صاحبؒ زَیدہ میں مقرب خاں کی خانہ نشینی کے بعد اُس کے دو بھائی فتح خاں اور ارسلاں خاں، جو اشرف خاں کے سعادت مند بیٹے اور سیّد صاحبؒ کے مخلصین میں سے تھے، سیّد صاحب کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور کہا کہ ہم اپنے باپ کی طرح حضرت کے غلام اور حلقہ بگوش ہَیں، تا دمِ زیست آپ کے فرماں بردار رہیں گے اور جان و مال آپ کی خدمت میں قربان کریں گے۔ ہماری آرزو ہے کہ بالفعل حضرت ہمارے غریب خانے میں، جو مقامِ زَیدہ میں ہے اور قلعۂ ہَنڈ سے دو کوس کا فاصلہ ہے، تشریف لے چلیں۔ ہماری قوم ہرگز سرکشی نہیں کرے گی اور آپ کے وہاں تشریف رکھنے سے سب زیر ہو جائیں گے۔ پس حضرت موضع زَیدہ میں تشریف لے آئے اور ہنڈ کے سامنے مُجاہدین کی کُمک پر بیٹھ گئے، لیکن ابھی اطراف کے راستے مُجاہدین کی آمد و رفت کے لیے نہیں کھُلے، جن لوگوں کو علاقۂ سُدوم میں بعض ضرورتوں سے چھوڑ کر چلے آئے تھے، وہ وہیں محصُور رہ گئے۔ کچھ لوگ پنجتار میں سامان کی حفاظت کے لیے پڑے ہُوئے ہَیں اور لشکر کا بڑا حصّہ حصار کی حفاظت کے لیے قلعے میں ہے۔ باقی دو سَو آدمی حضرت کے ہمرکاب ہَیں غرض یہ کہ ایک ہزار مُجاہدین، جو پہلے مجتمع تھے، اب متفرق و پراگندہ ہَیں۔

امیر خاں کی یار محمد خاں کے ساتھ سازش حضرت نے فرمایا کہ اگر خادی خاں کا بھائی امیر خاں پہلے بَیعت کر لے، تو ہم قلعۂ ہَنڈ اُس کو بخش دیں گے اور اس قِصّے کو ختم کر دیں گے، یا قلعے کو اُس کے بھائیوں میں سے کسی مستحق کے حوالے کر کے دُوسرے کاروبار میں مشغول ہو جائیں گے۔ اس کے بھائیوں نے حضرت کو قلعے مرحمت ہو جانے پر صُلح کا پَیغام بھیجا۔

ایک طرف صُلح کی بات چیت ہو رہی تھی، دُوسری طرف امیر خاں جنگ کے بندوبست کے لیے اور دُرّانیوں کا لشکر اپنی مدد کے واسطے لانے کے لیے بڑی جدوجہد کر رہا

تھا۔ وُہ یارمُحمّد خاں سردارِ پشاور کے پاس گیا اور کمک کے لیے دس بارہ ہزار روپیہ پیش کیے۔

ہنڈ پر حملے کی تیاری سمہ کا ملک سردارِ پشاور کے قبضے میں کبھی بھی نہیں رہا تھا۔ گزشتہ سال یارمُحمّد خاں نے فوج کشی کی تھی، مگر مجاہدین کے خوف سے ناکام واپس آیا۔ اس مَوقع پر جب اُس نے اِن اطراف کی اکثریت کو حضرت کی مخالفت پر کمربستہ دیکھا اور اپنی کئی قسم کی منفعتیں دیکھیں، جن میں سے ایک منفعت یہ بھی تھی کہ دس بارہ ہزار روپے محض فوج کشی کرنے سے مل جائیں گے، تو اُس نے ہنڈ پر حملہ کرنے کے لیے لشکر تیار کیا۔ اُس کے بھائی سُلطان مُحمّد خاں نے اس کو بہت منع کیا اور کہا کہ تم ہرگز سیّد صاحبؒ کے مقابلے میں وہاں مت جاؤ، یہ وُہی شخص ہے، جس کے مقابلے میں فرانسیسی جرنیل کو لشکرِ جرار اور ہزاروں کی فوج کے باوجود شرمندگی و ذلّت اُٹھانی پڑی اور سیّد صاحبؒ بڑے تمکنت اور وقار کے ساتھ پہاڑ کی طرح اپنی جگہ پر جمے رہے۔ اگر تم کو شکست ہوگئی، تو پشاور تک سلامتی کے ساتھ پہنچنا بھی مشکل ہو جائے گا۔

لیکن یارمُحمّد خاں نے جو اپنی طاقت کے غرُور کے نشے میں سرشار اور مجاہدین کی بے سروسامانی سے اچھی طرح واقف تھا، اس کی پروا نہ کی۔ پہلے تین سَو مُعتمد سواروں کو چار بڑے بڑے سرداروں کے ساتھ اپنے آگے روانہ کیا تاکہ وُہ گڑھی ہریانہ میں جو خادی خاں کے بھائی کا مرکز تھا، ڈیرہ ڈالیں۔

مُجاہدین سے مختلف معرکے وہاں سے قلعۂ ہنڈ پُورے ایک کوس کے فاصلہ پر ہے۔ پشاوری سواروں کے پہنچنے سے پہلے ملکی منافقین کے سوار روزانہ قلعہ کے گرد اہلِ قلعہ کے مویشیوں کو لُوٹنے کے لیے حملہ کرتے تھے۔ اہلِ قلعہ جن کو صرف قلعے کی نگہبانی کا حُکم تھا، قلعہ میں رہ کر جنگ کرتے رہتے تھے۔ البتہ اُونٹوں کو چرانے کے لیے دس تیس سنبوقی

حفاظت کے لیے اُن کے ساتھ جنگل تک جایا کرتے تھے۔ ایک دن لوگ اُونٹوں کو چرانے کے لیے گئے ہُوئے تھے اور تمام لشکر قلعے کے اندر تھا کہ زیدہ اور قلعہ ہنڈ کے بیچ میں مغرب و شمال کے درمیان موضع کُنڈہ سے بندوقوں کی آوازیں آئیں تمام مُجاہدین مولانا کے ساتھ دروازۂ قلعہ کے باہر تفتیش کے لیے گئے، لیکن کُچھ نظر نہ آیا۔ وہاں سے لَوٹ کر لوگ تو اپنی جگہ چلے گئے، لیکن مولانا اسی دروازے پر بیٹھے رہے جو لوگ فصیل اور بُرجوں کے رُوبرُو تھے، اُنھوں نے دیکھا کہ چاروں طرف سواروں اور پیادوں کا لشکر خیل خیل قلعے کی طرف بڑے عزم و ارادہ کے ساتھ آرہا ہے۔

یہ معلوم ہوتے ہی مَولانا نے نقارہ بجانے سے منع کر دیا اور چند مجاہدین کو، جو بڑے چابک دست اور کارگزار تھے، حُکم دیا کہ خفیہ طریقے پر جوار اور گنّے کے کھیتوں میں، جو سواروں کے ٹھیرنے کی پُرانی جگہ تھی، چھُپ کر بیٹھ جائیں جس وقت یہ لوگ اطمینان کے ساتھ اپنی پُرانی جگہ پر آکر کھڑے ہو جائیں، یکبارگی اُن کے سینوں کو گولیوں کا نشانہ بنالیا جائے۔ لیکن جب یہ لوگ مولانا کی اجازت سے قلعے کے اندر سے نکلے، تو یکدم مخالفین کے سر پر جا پڑے اور مولانا کی ہدایت کو بالکل بُھول گئے بس نوراً جنگ شروع ہوگئی اور میدان کے وسط میں معرکۂ کارزار گرم ہوگیا۔

چُونکہ مُجاہدین نے مولانا کے مشورے سے تھوڑی سی جماعت کو باہر نکالا تھا، لیکن اپنے جوش میں مَولانا کے مشورے کو بھُول کر اپنے کو دو تین سَو سواروں اور صدہا لشکر کے نرغے میں ڈال دیا تھا اور اُن میں گھِر کر رہ گئے تھے، اس لیے چار و ناچار اُن کی کمک کے لیے دُوسرے مُجاہدین کا نکلنا ضروری ہُوا اور تین سو کے قریب آدمی قلعے سے نکل کر اس معرکے میں شریک ہوگئے۔ وہ تین سَو سوار، جن کو یار مُحمد خاں نے پیش خیمے کے طَور پر پہلے بھیج دیا تھا، وُہ دُور سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے کہ مخالفین کی بندُوقیں جتنی دیر میں ایک باڑھ مارتی ہیں، مجاہدین کی بندوقیں دس باڑھیں مارتی

ہَیں۔اس سے اُن کے قدم ڈگمگا گئے۔اس وقت امیر خاں نے اُن سے کہا کہ اب تم بھی حملہ کرو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ یہ ہندوستانی بلا کے لوگ ہَیں۔ جتنی دیر میں تم ایک بندوق چلاتے ہو، اُن کی بے حساب چلتی ہَیں۔ ہم آگ کی اس بارش میں کُود نہیں سکتے۔ آخرکار وُہ سب کے سب مَیدان چھوڑ کر بھاگ گئے اور مُجاہدین آسمانی کمک سے مظفر و منصُور و نیک نام ہوُئے۔

اس دن سے ولایتیوں نے جان لیا کہ ہندوستانی شجعون کے علاوہ کھُلے مَیدان میں بھی خُوب لڑ سکتے ہَیں۔ مُنافقوں کو غرُور تھا کہ ہم سوار ہیں اور ہندوستانی پیادہ، وُہ مقابلہ نہیں کر سکتے۔ اُن کی جرأت روز بروز بڑھ رہی تھی۔ لیکن اُس دن وُہ افسردہ خاطر ہو گئے اور طرفین سے خاموشی ہو گئی اور مخالفین پر ایک طرح کا رُعب طاری ہو گیا کہ کہیں ہندوستانی شجعون نہ ماریں۔

یار مُحمّد خاں ہریانے میں کچھ دنوں کے لیت و لعل کے بعد سردار یار مُحمّد خاں چھ ضرب توپ اور شاہینوں کے ساتھ اور ہاتھیوں اور اونٹوں اور بے شمار سوار و پیادہ لشکر کے ساتھ ہریانے میں داخل ہُوا اور داخل ہوتے ہی اُس نے توپیں چلائیں۔ حضرت امیر المومنین نے مولانا صاحب کو تمام لشکر کے ساتھ قلعۂ ہنڈ میں طلب کیا اور مَولانا مظہر علی کو دو سَو مُعتبر مُجاہدین کے ساتھ قلعے کی حفاظت کے لیے وہاں چھوڑا۔ ملکی آدمی (جو توپ سے بہت ڈرتے ہَیں) توپ کی آواز سُنتے ہی اپنا اپنا سامان لے کر پہاڑوں کی طرف بھاگ گئے۔ مُنافقینِ پشاور کو خوب معلوم تھا کہ اس ملک کے لوگ توپ سے بہت ڈرتے ہَیں۔ وُہ صُبح و شام فیر کرتے رہتے تھے۔ سَمہ کے اکثر لوگ، جو خادی خاں کے جانبدار تھے، پشاور کے لشکر میں شریک ہو گئے اور جو مخلص تھے، وُہ دُرّانی توپ خانے کے ڈر سے اسلامی افواج میں شرکت کرنے سے پہلوتہی کرنے لگے۔ اب خُدا کی کمک، کمزور مسلمانوں کے لشکر یا زیدہ والے فتح خاں پنجپاری اور فتح خاں اور

ارسلاں خاں کے سوا کوئی حامی اور مددگار نظر نہیں آتا تھا۔

دیہاتوں میں لوٹ مار ایک دن پانچ سو مخالف سوار کُنڈہ کی طرف گئے اور کُنڈہ کے برابر ایک موضع شاہ منصور میں جمع ہوئے۔ اس طرف اس احتمال سے کہ شاید آج جنگ پیش آئے، وہ تمام سوار اور پیادہ، جو موجود تھے، جا بجا سے اکٹھے ہو کر اس کے مقابلے کے لیے تیار ہوئے، لیکن مخالفین صوابی، کالا، درہ اور مانیری کے دیہاتوں کی طرف، جو زیدہ والوں کے ساتھ تھے، مال و مویشی لوٹنے کے لیے کنارے کنارے حملہ کرتے رہے اور اُن گاؤں والوں کو سیّد صاحبؒ کے خلاف ورغلاتے رہے۔ مانیری میں چند دلاور نوجوانوں نے حملہ کر دیا اور اُن میں سے ایک کو قتل کر دیا اور اُن سے دو تین گھوڑے چھین لیے۔ حملہ آور شکست کھا کر وہاں سے بھاگے، ایک دوسرے گاؤں میں گھس کر وہاں کے مال و مویشی کو بالکل تاراج کر دیا۔ غرض اسی طرح وہ لوٹ مار کرتے رہے اور مقابلے کی تاب نہ لا سکے۔ ایک ہفتے تک یہی خبر پہنچتی رہی کہ یار محمد خاں کل مقابلے کے لیے آئے گا اور لشکر کی کمر بندی ہوتی رہی، لیکن یہ موقع پیش نہ آیا۔

نامہ و پیام چند روز تک اسی طرح لشکروں کی آراستگی و صف آرائی اور کبھی کبھی معمولی جھڑپ ہوتی رہی، جس سے مخالفین کو مجاہدین کی قوّت کا اندازہ ہوتا رہا۔ ایک دن مخالفین کی طرف سے ایک شخص، جو خاندانِ سادات میں سے تھا، مجاہدین کے لشکر میں صُلح کا سفیر ہو کر آیا۔ حضرت نے فرمایا کہ صُلح بہر صُورت اچھی چیز ہے، لیکن یہ معلوم ہونا چاہیے کہ اس جنگ کا مقصد کیا تھا۔ جہاں تک ہمارا تعلق ہے، ہم تو صرف یہ چاہتے ہیں کہ تمام مُسلمان شریعتِ الٰہی کو قبول کر لیں اور نظامِ شرعی کو جاری کر دیں۔ اس کے سوا ہمارا کوئی مطالبہ اور جھگڑا نہیں۔

اس گفتگو سے مصالحت میں شام کا وقت ہو گیا۔ کچھ لوگوں نے حضرت سے عرض کیا کہ اگر ہم کو حُکم ہو، تو ہم رات ہی کے وقت شبخون ماریں۔ اگر مخالفین

غافل ہُوے، تو کیا کہنا؛ ورنہ رات کو لشکر کی قلّت و کثرت کا حال معلوم نہیں ہو سکتا۔ ہم رات کے اندھیرے میں اپنی جان پر کھیل کر اپنی تلواروں کے جوہر دکھائیں گے۔ حضرت نے فرمایا کہ صُلح کا پیغام درمیان میں ہے، مَیں چھاپہ مارنے کی اجازت کس طرح دے سکتا ہوں؟ یہ طریقہ خدا کو پسند نہیں۔ اکثر ہندوستانی مولانا سے بڑی گریہ زاری کے ساتھ کہتے تھے کہ اگر یہ رات گزر گئی، تو بہت حسرت ہوگی۔

یار محمّد خاں کا مُتکبّرانہ جواب | اِسی گفتگو میں رات کا کچھ حصّہ گزر گیا اور حضرت مخالفین کے جواب کے اِنتظار میں بیٹھے رہے اور تمام مُجاہدین تیّار و کمربستہ اپنے اپنے بستروں پر اپنی کمر سیدھی کرنے لگے اور اُنھوں نے کمر کھولنا مصلحت نہ سمجھی۔ اسی اثنار میں جو آدمی صُلح کے لیے گیا تھا، مُتکبّرانہ جواب لے کر آیا کہ ہم کو صُلح بالکل قبول نہیں، بلکہ لشکر کے بعض مُتکبّروں نے کہا کہ اگر اب سیّد کی طرف سے کوئی صُلح کا پیغام لے کر آئے گا، تو ہم اُس کا سر اُڑا دیں گے۔

حملے کا حُکم | یہ سُن کر حضرت امیر المُومنین کی حمیّتِ ربّانی کو جوش آیا اور اُسی وقت فوراً حُکم دیا کہ لشکرِ اسلام کمربستہ ہو کر مولانا کے ساتھ جائے اور شبخون مارے[1]۔ پس تمام ہندوستانی و قندھاری مُجاہدین اور اس مُلک کے دُوسرے مُخلصین، جو زیادہ سے زیادہ آٹھ سو سوار و پیادہ ہوں گے، چھاپے کے لیے مولانا کے ہمراہ روانہ ہُوے اور دو سَو آدمی حضرت کی خدمت میں کمربستہ موجُود رہے تاکہ بعد میں کمک کے لیے جائیں۔

---

[1] وقائع میں ہے کہ عشار کی نماز کے بعد سیّد صاحبؒ نے کھانا تناوُل فرمایا اور لوگوں کو آرام کرنے کا حُکم دیا اور خود بھی آرام کرنے کے لیے لیٹ گئے۔ تھوڑے ہی عرصے کے بعد آپ یکبارگی اُٹھے اور مولانا اسمٰعیل صاحب کو بُلایا اور فرمایا کہ مجھ کو جنابِ الٰہی سے اِلہام ہُوا کہ تو کیوں اپنی تدبیر سے غافل ہے؟ تیرے دشمن تیری تدبیر کر رہے ہیں فتح و شکست تو ہمارے ہاتھ میں ہے، تو بھی جو کچھ تدبیر کر سکے کر، یہی وقت ہے۔ چنانچہ چھاپے کی تیاری ہُوئی اور مولانا بستی کے باہر گڑھی میں ٹھیرے۔ اس عرصے میں سردار یار محمد خاں کے افسروں (ارباب جمعہ خاں، فیض اللہ خاں اور حاجی کاکڑ وغیرہ) نے خفیہ خط بھیجا، جس میں اِطّلاع دی کہ یہاں لشکر میں اس بات کی تیاری ہو چکی ہے کہ صبح زیدے کو توپوں کے گولوں سے مسمار کر دیا جائے گا اور مجاہدین کو گھوڑوں کی ٹاپوں سے روند ڈالا جائے گا۔ اس لیے اس وقت جو کچھ ہو سکتا ہے، اُس میں تساہُل نہ کیا جائے۔

زَیدہ کی جنگ | مولانا نے لشکر کو زَیدہ کے باہر مرتّب کیا اور جنگ کے مقدمات اور رفتار کی وضع اچھی طرح سمجھا دی۔ ہندوستانی ولایتیوں سے الگ ہو کر سب سے آگے روانہ ہُوئے اور بڑی پھُرتی اور چالاکی کے ساتھ جس طرف مخالف توپ خانہ و شاہین خانہ اور مخالفین کا مورچہ تھا، چلے۔ لشکر بہت قریب تھا، لیکن کترا کر چلنے کی وجہ سے نِصف کوس کا فاصلہ طے کرنا پڑا۔ اس اثنار میں لشکر کا ایک چوکیدار نظر آیا، جو اپنے ہاتھ میں مشعل لیے ہُوئے تھا۔ اُس نے جب لشکر کو دیکھا، تو فوراً مشعل بُجھا دی۔ مُجاہدین نے وہاں سے اپنے قدم اور تیز کر دیے۔ وُہ ابھی چند قدم آگے بڑھے تھے کہ مخالفین کے لشکر کے سَو سوار ہمارے لشکر کے سامنے ظاہر ہُوئے، لیکن اُنھوں نے ہم سے کوئی مزاحمت نہ کی۔ مُجاہدین نے اپنی رفتار اور تیز کر دی۔ بعض آدمیوں نے چاہا کہ ان سواروں پر بندوق چلائیں، لیکن مولانا اور دُوسرے عُقلا، نے بڑی سختی سے روکا اور کہا کہ یہ وقت تیز رفتاری کا ہے، بندوق چلانے کا نہیں۔ جب ہم دو تیر کے فاصلے پر پہنچ گئے، تو ہمارے لشکر میں کسی نے بڑی جلدی کے ساتھ اُن سواروں پر بندُوق کا فیر کر دیا، جو ہمارے آگے آگے چل رہے تھے گویا کہ ہمارے رہبر ہیں۔ فیر ہوتے ہی سوار یک لخت بھاگے اور اسی وقت یکبارگی مجاہدین کی بندوقیں بے تحاشہ چل گئیں اور تکبیر کا غلغلہ بلند ہو گیا۔

مُجاہدین کی جانبازی اور توپوں پر قبضہ | لیکن ابھی اصل لشکر یہاں سے کافی فاصلے پر تھا۔ لوگ دَوڑنے سے تھک گئے۔ کچھ لوگ آگے بڑھے اور اکثر تھک کر پیچھے رہ گئے۔ تکبیر کے سوا صِرف یہ آواز سُنائی دیتی تھی کہ بھائیو، آؤ، ہم نے توپ پر قبضہ کر لیا۔ یہ کمزور کسی نہ کسی طرح سے اُفتاں و خیزاں بڑھے۔ جب ایک بیگھے کا فاصلہ رہ گیا، تو توپ خانے میں مہتابی روشن ہُوئی اور اس کے روشن ہوتے ہی توپیں اور شاہین چلنے لگیں۔ اس موقع پر لشکر کا ہر گروہ ایک دُوسرے سے مُمتاز ہو گیا۔ مولانا صاحب اور بعض دوسرے

دِنیدار دلاور پیاسوں کی طرح توپوں کے سر پر پہنچ گئے اور اپنے کو اس آگ میں ڈال دیا۔ باقی دوسرے ہندوستانی بھائی اپنے اپنے مراتب اور ہمّت کے مطابق یکے بعدِ دیگرے وہاں پہنچ گئے۔ اس موقع پر اِن دلیر بندگانِ خدا نے عجیب و غریب قوّت سے کام لے کر آگ کی اس بارش میں کُود کر توپوں پر قبضہ کر لیا۔

دُرّانی لشکر کا فرار جس وقت مُجاہدین کا توپوں پر قبضہ ہو گیا، دُرّانی بے تحاشا بھاگے اور پشاور کے سوا کِسی طرف اُنھوں نے نظر اُٹھا کر نہیں دیکھا۔ لیکن ابھی تک مخالفین کی صرف چار توپوں پر قبضہ ہُوا تھا، دو توپیں ابھی اُن کے قبضے میں تھیں اور کسی کو اُن کی خبر نہ تھی جب مُجاہدین کو اس کا عِلم ہُوا، تو مَولانا نے حُکم دیا کہ مردانِ خُدا، ہمّت کرو اور دونوں توپوں پر بھی قبضہ کر لو۔ مُجاہدین نے بڑھ کر وُہ دونوں توپیں بھی دشمن سے چھین لیں اور مُجاہدین کو شاندار فتح ہُوئی۔ خدا کی قدرت کا تماشا اور تُعِزُّ مَنْ تَشَآءُ وَ تُذِلُّ مَنْ تَشَآءُ کا مضمُون ظاہر ہُوا اور ثابت ہُوا کہ عسکر و سامان نمائش ظاہری کے سوا کچھ نہیں، اصل چیز نُصرتِ الٰہی اور جوشِ ایمانی ہے۔

ہندوستانی مُجاہدین، جن کا خدمتِ دین کے سوا کچھ کام نہیں، مالِ غنیمت کی لُوٹ مار سے بالکل مجتنب رہے، لیکن قندھاری اور ولایتی اپنی قدیم عادت کے مطابق لُوٹ مار میں لگ گئے۔

غلط خبر زَیدہ میں مُجاہدین کی شکست کی خبر مشہور ہو گئی[1] اور اس کو باور کرنے کے تمام ظاہری

---

[1] وقائع میں ہے کہ جب مولانا اسمٰعیل صاحب شبخون کے لیے آگے بڑھے، تو سید صاحب مسجد میں چلے گئے اور ننگے سر ہو کر بہت دیر تک بڑی گریہ زاری کے ساتھ دُعا کرتے رہے۔ اس کے بعد گڑھی کے بُرج پر تشریف لے آئے۔ کچھ دیر میں بندوقوں کی ایک باڑھ چلی۔ پھر کچھ عرصے میں توپوں کی پانچ آوازیں ہُوئیں۔ پھر کچھ دیر میں توپیں چلنی موقوف ہو گئیں، پھر اِدھر سے توپ کی آواز آنے لگی اس کے بعد مولوی امیر الدین ولایتی نے آکر عرض کیا کہ وہاں تو جتنے مُجاہد آپ نے بھیجے تھے، اس میں سے ایک نہیں بچا، سب شہید ہو گئے۔ یہ سُن کر سب لوگ بڑے غمزدہ ہُوئے۔ سردار فتح خاں نے ہاتھ جوڑ کر کہا کہ اب آپ پنجتار کو تشریف لے چلیں۔ اگر آپ رہیں گے، تو اللہ تعالیٰ پھر جہاد کا سامان درست کر دے گا۔ سید احمد علی صاحب کی بھی یہی رائے تھی۔ سید صاحب فرماتے تھے کہ نہیں، بندوقوں کی باڑھ کے بعد جو توپیں چلتی تھیں، اُس کا شعلۂ رنجک اس طرف نظر آتا تھا اور کارتوس کا شعلہ اس طرف۔ جب توپیں کچھ دیر بند ہو کر پھر چلنے لگیں، تو اس کے برعکس معاملہ نظر آنے لگا، یعنی اس طرف شعلۂ کارتوس اس دلیل سے ہم کہتے ہیں کہ فتح اللہ تعالیٰ نے ہم کو

اسباب موجود تھے۔ اس لیے دیہات کے تمام مخلصین اپنے دیہاتوں سے چلے گئے اور مخالفین کے جانبداروں نے ہر طرف سے یورش کی اور بندوقیں چلاتے ہوئے اس طرف بڑھے۔ اُن کی گولیوں کا جواب مجاہدین کے توپ خانہ نے اپنے گولوں سے دیا اور وہ اُلٹے پاؤں واپس ہوئے۔ یہ چار پانچ گھڑی رات رہے کا واقعہ ہے۔

یار محمد خاں کی ہلاکت | یار محمد خاں اور اُس کے لشکری فرار کے وقت کوئی سامان نہ لے جا سکے، یہاں تک کہ پاؤں کی جوتیاں بھی وہیں رہ گئیں۔[۱] یار محمد خاں کو کاری زخم لگا اور وہ پشاور پہنچنے سے پہلے اس دنیا سے کوچ کر گیا۔[۲] اُس کے لشکر کے سات بڑے بڑے سردار اور تین سو کے قریب لشکری مقتول ہوئے۔ مجاہدین کے لشکر میں سے صرف چار آدمی شہید ہوئے اور سات آدمیوں کو خفیف زخم لگا۔

مالِ غنیمت | مالِ غنیمت میں ہندوستانیوں کے ہاتھ چھ ضرب توپ، آٹھ ضرب شاہین، چالیس قطار اُونٹوں اور ایک ہاتھی کے سوا کچھ نہ لگا، باقی اکثر ملکی اور ولایتی لے گئے، جو فتح کی خبر سُن کر چاروں طرف سے آ گئے تھے۔ امیر المومنین نے فتح خاں پنجتاری اور فتح خاں زیدہ والے اور چند مجاہدین کو، جو پشتو زبان جانتے تھے، حکم دیا کہ وہ لوگوں کو سمجھائیں کہ اُنھوں نے جو ڈیرے اور گھوڑے لُوٹے ہیں، وہ ہمارے ہی ہاتھ فروخت کر دیں، اس لیے کہ لشکر کو ان چیزوں کی ضرورت ہوگی۔ اس طرح سے کچھ خیمے اور کچھ گھوڑے اور جمع ہو گئے۔

پنجتار میں فاتحانہ داخلہ | اس کے بعد حضرت امیر المومنین توپ خانے، لشکر، شتر، ہاتھی اور اپنے

---

[۱] وقائع میں ہے کہ سردار یار محمد خاں کے باورچی خانے میں پلاؤ کی دیگیں پکی ہوئی تیار رکھی تھیں اور منوں ہر قسم کا میوہ تھا۔ لشکر میں چند عورتیں بھی تھیں، جنھیں درّانی لوگ پکڑ کر لائے تھے۔ مولانا نے انھیں اپنے اپنے گھر بھیج دیا۔

[۲] وقائع میں ہے کہ اخوند ظہور اللہ اور امیر خاں خٹک نے بیان کیا کہ ہم نے اکثر معتبر لوگوں سے سُنا ہے کہ سردار یار محمد خاں ہریانہ اور دو ڈھیر کے درمیان فوت ہوا۔

اہلِ مُلک کے ساتھ پنجتار میں داخل ہُوئے[1]۔ مبارکباد کا غلغلہ زمین و آسمان سے بلند ہُوا اور شادمانی اور اظہارِ مسرّت کے لیے توپیں چلیں۔ مخالفین شرمندہ اور زرد رُو ہُوئے۔ بعضوں نے جلا وطنی اختیار کی اور بعضوں نے توبہ و استغفار کیا۔ کیا دوست، کیا دشمن، ایک دُنیا تھی، جو اس خبر کو سُن کر نیاز مندانہ حاضر ہوتی تھی اور مُبارکباد دیتی تھی۔

لُوٹ مار کی مذمّت کا پُر اثر وعظ | ایک روز حضرت نے لشکریوں اور تمام حاضرین کو جمع کیا اور وعظ فرمایا کہ لُوٹ بہت بُری چیز ہے، یہ حقیقت میں اسلام کی بدخواہی ہے۔ جس طرح جہادِ دین کی اعانت اور قُوّت کے لیے ایسا مقبول کام ہے کہ اکثر گناہ اس کی برکت سے بخش دیے جاتے ہیں، اسی طرح سے عین معرکے میں لُوٹ کرنا دین کی شکست ہے اور اس کے سبب سے تمام اعمالِ صالحہ اکارت ہو جاتے ہیں، اور اس کا مُرتکب جہنّم کا مستحق ٹھیرتا ہے۔ اس بات کا ایسا اثر پڑا کہ لوگوں نے لوٹ کا تمام مال پنجتار کی مسجد میں جمع کر دیا اور ایک سو ستائیس گھوڑے

---

[1] وقائع میں ہے کہ مولانا جب زیدے پہنچے، تو سیّد صاحبؒ کے استقبال کے لیے نقاروں اور نشان سمیت دو سو سوار روانہ کیے اور مرزا حسین بیگ اور کئی غازیوں سے فرمایا کہ جب حضرت کی سواری نزدیک آئے، تو اکیس فیر خوشی کے چلانا اور توپوں کے پیچھے نمازیوں کی صف آراستہ کر کے کھڑی کی۔ جب موضع شاہ منصور میں حضرت کی سواری نمودار ہوئی، تو مولانا چند غازیوں کو ہمراہ لے کر آپ کی مُلاقات کو آگے بڑھے۔ سیّد صاحبؒ مولانا کو دیکھ کر اپنی سواری سے اُترے اور آکر مولانا کو اپنے سینے سے لگا لیا۔ اِدھر توپیں چلنی شروع ہوئیں۔ جب اکیس فیر ہو چکے، تو غازی لوگ قرابین و بندوق کی بھرماری کرنے لگے، یہاں تک کہ سیّد صاحبؒ توپوں کے قریب تشریف لائے اور فرمایا کہ بھائی، اب بھرماری موقوف کرو۔ پھر ننگے سر ہو کر جنابِ الٰہی میں بڑے الحاح و زاری کے ساتھ دُعا کی اور طرح طرح سے اللہ تعالےٰ کی ثنا و صفت اور قدرت و عظمت اور اپنی مسکینی اور محتاجی کو بیان فرمایا، سب لوگ آمین! آمین! کہتے تھے۔

جب آپ زیدے سے پنجتار کی طرف روانہ ہُوئے، تو مُلکی لوگ دف بجاتے تھے اور پشتو میں چار بیت گاتے تھے، ننگی تلواریں لیے اُچھلتے کُودتے تھے، خان اور ملک، جو سردار یار محمّد خاں سے مل گئے تھے، آ آ کر اپنا عُذر بیان کرتے تھے۔ آپ اُن کی تسلّی اور دلجمعی کرتے تھے۔ سواری کے آگے زیدے کی تمام عورتیں غول باندھ کر دف بجاتی چار بیت گاتی ہوئی آئیں۔ آپ نے ان کو پانچ پانچ روپے بطورِ انعام دلوائے۔ راستہ بھر یہی حال رہا۔ پنجتار پہنچ کر اوّل آپ مسجد میں گئے اور دو رکعت نفل پڑھی، پھر اپنے بُرج میں تشریف لے گئے اور جماعتِ مجاہدین اپنے ٹھکانوں پر اُترے۔

لشکر کی طرف سے اور کچھ دیہات کی طرف سے تقریباً ڈیڑھ سو کے قریب جمع ہو گئے اور بہت سے خیمے ڈیرے بھی اکھٹے ہو گئے۔ خدا کی راہ کا پانچواں حصہ نکال کر باقی شریعت کے احکام کے مطابق مالِ غنیمت مجاہدین میں تقسیم کر دیا گیا۔

فتح کا اثر اس طرح یہ کامیاب مہم شاندار فتح اور عظیم الشان نیکنامی پر ختم ہوئی اور یار محمد خاں کی سازشوں اور مخالفتوں سے غریب الوطن مجاہدین کو امان ملی، بند راستے کھل گئے، مجاہدین اور مہاجرین کی آمد و رفت شروع ہو گئی، ہندوستان کے خطوط پہنچنے لگے اور دور دور تک مجاہدین کی قوت و اقبال مندی کا سکہ دلوں پر بیٹھ گیا۔

امیر خاں کا قتل امیر خاں خٹک، جو اس ملک میں سرگروہ منافقین تھا، وہ بھی اس فتح کے بعد کمال اخلاص مندی کے اظہار کے ساتھ حاضر ہوا اور درخواست کی کہ حضور بندے کے لیے ایک شقہ لکھ دیں کہ فلاں دیہات، جو قدیم سے ہماری ملک تھا اور اب دشمنوں کے قبضے میں چلا گیا ہے، مجھے واپس مل جائے اور وہاں کے لوگ مزاحم نہ ہوں۔ اس شقے کی وجہ سے میرا خاص اعتبار ہو گا اور کام نکل جائے گا۔ حضرت کو اس کا حال خوب معلوم تھا اور اس کی بدطینتی سے اچھی طرح آگاہ تھے۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ کچھ دن ہمارے ساتھ رہو، بیعت اور توبہ کرو، اس کے بعد ہم تم کو اطمینان کے ساتھ تمہاری زمین پر قابض کر دیں گے۔ امیر خاں کے دل میں فتور تھا، وہ اس وقت آپ کے پاس سے چلا گیا اور حضرت کی طرف سے ایک جعلی تحریر بنائی اور اپنے لشکر کو لے کر اس موضع میں گیا۔ وہاں اہلِ دیہات نے اُس کا مقابلہ کیا، دونوں طرف سے بندوقیں چلیں، امیر خاں کو گولی لگی اور وہ بھی مقتول ہوا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ سال منافقین کی نکبت و زوال کا ہے۔[1]

قیدی کے ساتھ سلوک سردار یار محمد خاں کا ایک مصاحب زخمی مقید تھا۔ اس کو آپ نے پنجتار کی شمالی

---

[1] مکتوباتِ فارسی (قلمی)

فصیل کے اندر ایک خیمے میں اپنے قریب اتارا۔ نور بخش جراح اس کی مرہم پٹی کرتے تھے اور ہر روز حلوا پکا کر کھلاتے تھے۔ پاؤ بھر گھی، پاؤ بھر گڑ اور آدھ سیر آٹا آپ کے باورچی خانہ سے روزانہ اُس کے لیے مقرر تھا۔ چند روز میں اُس کا زخم اچھا ہو گیا۔ آپ نے اُس سے فرمایا کہ اب اگر تمھارا جی چاہے، تو ہمارے لشکر میں رہو۔ سب بھائیوں کو جو کھانا کپڑا ملتا ہے، تم کو بھی ملے گا اور اگر کہیں جانے کا ارادہ ہو، تو وہاں تم کو بھجوا دیں۔ اس نے کہا کہ میں پشاور جاؤں گا۔ آپ نے کئی جوڑے عمدہ کپڑے بنوا دیے اور سواری کو ایک عمدہ گھوڑا عنایت کیا، اور راستے کا کچھ خرچ دیا اور کئی ملکیوں سے کہا کہ ان کو نوشہرے تک پہنچاؤ۔ وہاں سے یہ آپ پشاور کو چلے جائیں گے۔ آپ کے فرمانے کے مطابق وہ ملکی نوشہرے تک چھوڑ آئے۔

مالِ غنیمت کی تقسیم اور مجاہدین کا ایثار

غنیمت کے مال و اسباب کے پانچ حصے کیے گئے۔ اُن میں سے ایک حصہ بیت المال میں داخل کیا گیا اور چار حصے غازیوں میں تقسیم کیے گئے۔ ایک ایک حصہ پیادوں کو ملا اور دو دو سواروں کو۔ ملکی لوگ، جو چھاپے میں شریک تھے، وہ تو اپنے اپنے حصے لے گئے، ہندوستانی غازیوں نے کہا کہ ہم تو بیت المال سے کھاتے پیتے ہیں، حصہ لے کر کیا کریں گے؟ یہ بھی بیت المال میں داخل کر دینا چاہیے۔ یہ خبر سید صاحبؒ کو ہوئی، تو آپ نے سب کے سامنے فرمایا کہ بھائیو، یہ حصہ تمھارا حق ہے۔ تم جو چاہو، سو کرو۔ جو کوئی خوشی سے اسے بیت المال میں داخل کر دے، ہم اس کو روکتے نہیں۔ اس کا ثواب اس کو جدا ہوگا۔ اس امر میں کسی پر جبر نہیں اور نہ فرض و واجب۔ یہ بات سُن کر اکثر نے تو داخل کر دیا اور کمتر لوگوں نے اور جن کو حاجت تھی، اُنھوں نے رکھ لیا اور اپنے اپنے صَرف میں لائے۔[1]

---

[1] وقائعِ احمدی

سولھواں باب

پنجتار میں

قاضیوں کے تقرر کی درخواست | ایک روز پنجتار اور زیدہ کے دونوں فتح خاں آپس میں مشورہ کر کے سیّد صاحبؒ کے پاس آئے اور عرض کرنے لگے کہ حضرت، اب اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ کو ہمارے اس مُلک کا بادشاہ کیا، ہم برضاء رغبت یہ چاہتے ہیں کہ آپ اپنا ایک ایک قاضی ہمارے یہاں مقرر کریں کہ وہ ہم لوگوں میں شرعی احکام جاری کرے اور ہماری بستیوں سے آپ کے واسطے عُشر بھی مقرر ہو اور ہم تمام مُلکِ سَمَہ کے خوانین سے کہیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ وُہ بھی اس باب میں چُون وچرا نہ کریں گے۔

آپ نے کہا: "جَزَاکُمُ اللّٰہُ فِی الدَّارَیْنِ! مُسلمانوں کو ایسا ہی کرنا چاہیے، مگر ہم یہ بارِ گراں کسی بھائی پر نہیں ڈالتے۔ اگر کوئی برضا و رغبت تمہارے کہنے سے قبول کرے، تو بہتر ہے، اللہ تعالیٰ تم کو اجر دے گا۔"

دونوں فتح خاں آپ سے رخصت ہو کر اپنے اپنے مکان پر گئے اور ملک سَمَہ کے تمام خوانین کو اسی مضمون کا خط لکھ کر روانہ کیا اور کئی دن کے بعد دو دو چار ملک اور خان اپنی اپنی بستیوں سے سیّد صاحبؒ کے پاس آئے اور کہا کہ ہم نے بخوشی شریعت کے احکام قبول کیے۔ ہمارے یہاں آپ قاضی مُقرر کر دیں کہ ہم لوگوں میں شریعت کے مُوافق احکام جاری کریں اور ہم آپ کو عُشر بھی شریعت کے مُوافق

دیں گے۔

آپ نے اُن سے فرمایا کہ تم اپنی اپنی بستی کے عُلماء کو ہمارے پاس بھیجو، ہم انھیں تمھاری بستیوں کا قاضی مقرر کر دیں گے۔ وہ خوانین اپنی اپنی بستیوں میں جاکر اپنے اپنے عُلماء کو بھیجتے تھے اور آپ اُن کو قاضی مقرر کرکے روانہ کر دیتے تھے۔

چند دنوں کے بعد غلّے کی فصل آئی۔ ہر ایک ملک اور خان نے اپنی بستیوں سے خچروں، گدھوں پر عُشر کا غلّہ وغیرہ لاد کر بھیجنا شروع کیا، مگر اپنی مرضی کے موافق۔ سیّد صاحبؒ کسی سے کچھ کمی بیشی کے امر میں تعرّض نہیں کرتے تھے۔ جو وہ بھیجتے تھے، وُہ آپ لے لیتے تھے۔

توپ خانے کا مرکز اور گولے کا کارخانہ

ایک روز آپ چند غازیوں کے ساتھ موضع چُندئی کے درے کی طرف، جو پنجتار سے میل بھر کے قریب ہے، تشریف لے گئے۔ وہاں ایک چھوٹا سا پہاڑ کا ٹیکرا ہے۔ اس کے اوپر ایک ہموار میدان ہے۔ آپ نے اس مقام کو توپ خانے کے واسطے پسند فرمایا اور فرمایا کہ پنجتار سے توپیں لاکر اس پر لگا دی جائیں اور بقدرِ حاجت گولہ بارُود وغیرہ رکھنے کو اور گولندازوں کے رہنے کو مکان بنائے جائیں۔

آپ وہاں سے مکان پر تشریف لے آئے۔ کئی روز کے بعد غازیوں نے آپ کے فرمانے کے مطابق وہاں مکان بنانے شروع کیے۔ چند روز میں بن کر تیار ہو گئے۔ آپ کو اطلاع کی۔ آپ نے اجازت دی اور غازیوں نے پنجتار سے توپوں کو لے جاکر اس ٹیکرے پر چڑھا دیا اور توپوں کے علاقے کے لوگ وہیں جاکر رہنے لگے۔ ہر ایک توپ کے پیٹے میں کچھ کچھ جنگی کارتوس تھے۔ آپ نے مولوی خیر الدین صاحب اور مولوی احمد اللہ صاحبؒ سے فرمایا کہ توپوں کے گولے کم ہیں، ہر توپ کے پانچ پانچ سَو گولے پورے کر لیے جائیں۔

چند دنوں کے بعد دونوں صاحبوں نے موضع قاسم خیل میں گولے بنانے کا کارخانہ جاری کر دیا۔ ایک روز سیّد صاحبؒ چند مُجاہدین کو لے کر وہاں تشریف لے گئے اور وہاں بیٹھ کر گولے بنانے کا کام دیکھا۔

فنونِ سپہ گری کی مشق اور اکھاڑے نواب وزیر الدولہ مرحوم نے ایک گھوڑا سمند میانہ اور خوبصورت ساز و یراق سے درست پنجتار بھیجا۔ آپ نے وہ گھوڑا مولوی احمد اللہ صاحب ناگپوری کے سپرد کر دیا، جو گھوڑے کی سواری کے بڑے اُستاد تھے اور فرمایا کہ اس کو لے جائیے اور اس کی خدمت و پرورش کیجیے۔ اس پر ہم سوار ہُوا کریں گے۔ دس بارہ دن کے بعد سیّد صاحبؒ اس پر سوار ہُوئے اور مولوی احمد اللہ صاحب بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر آئے اور نالے پر میدان میں شیشموں کے درختوں کے وہاں تشریف لے گئے اور اس کو پھیرنا شروع کیا اور اس کی طبیعت اور چال کی بہت تعریف کی۔

آپ کی عادت تھی کہ جس فن و ہُنر میں آپ کامل مہارت رکھتے تھے، اُس فن کا اگر کوئی اَور بھی ماہر ہوتا، تو اُس پر اپنی اُستادی نہیں جتاتے تھے۔ چنانچہ گھوڑے پر سوار ہو کر برچھے ہلانے کی آپ کو بڑی مہارت تھی اور مولوی احمد اللہ صاحب بھی اس ہُنر میں مہارت رکھتے تھے۔ اس روز آپ نے فرمایا کہ مولانا صاحب، آپ برچھا خُوب ہلاتے ہیں۔ ہم کو بھی دو چار ہاتھ سکھائیے۔ مولوی صاحب عُذر کرنے لگے کہ سُبحان اللہ! آپ خود اس فن میں اُستادِ کامل ہیں، آپ مجھ کو تعلیم فرمائیں۔ مَیں کیا آپ کو سکھاؤں گا؟ آپ نے فرمایا کہ مولانا صاحب، اللہ تعالیٰ نے ایک سے ایک کو زیادہ کیا ہے اور فضل و ہُنر دیا ہے اور خصُوصًا اس ہُنر کے اُستاد تمھارے ہی مُلک میں ہوتے ہیں۔ پھر آپ نے اور مولوی صاحب نے اس مَیدان میں نیزہ بازی شروع کی۔ بے شمار ہندوستانی اور ولایتی کھڑے تماشا دیکھ رہے تھے۔ اس چُستی و چالاکی سے دونوں صاحب اپنے اپنے گھوڑے پر نیزہ بازی کے پیچ کرتے تھے کہ دیکھنے والے حیرت میں تھے: نہ وُہ اِن کی چوٹ کھاتے، نہ یہ اُن کی۔ پھر سیّد صاحبؒ نے اپنا گھوڑا اٹھیرا کر لٹّو دار پٹّی اپنے ہاتھ میں لی اور ایک مولوی صاحب کو دی اَور فرمایا کہ مولانا صاحب، خُوب ہوشیار رہنا۔ اب ہم تم پر چوٹ کریں گے، تم بھی اپنا وار کرنے میں درگُزر نہ کرنا۔ پھر دونوں صاحبوں نے کسرت کرنی شروع کی۔ سیّد صاحبؒ پیچ کرتے کرتے کبھی مولوی صاحب کی کمر میں پٹّی لگا دیتے اور کبھی پہلو میں، کبھی شانے میں، اور کبھی گردن میں۔ مولوی صاحب بہتیری

کوشش کرتے تھے، مگر نہیں بچ سکتے تھے۔ شام کے قریب آپ نے کسرت موقوف کی۔

مولوی صاحب نے عرض کیا کہ حضرت، مَیں نے کئی اُستادوں سے نیزہ بازی سیکھی، مگر جو پیچ آپ نے اس وقت مجھ پر کیے، یہ مجھ کو آج تک کسی نے نہیں بتائے۔ یہ پیچ آپ ضرور مجھ کو سکھائیں۔ آپ نے فرمایا: ماشاء اللہ! مولانا صاحب، اِس فن میں آپ کو بھی خُوب مہارت ہے اور آپ کے ہاتھ بھی خُوب منجھے ہُوئے ہیں۔ باقی اس کے جو نکات مجھ کو معلوم ہیں، اگر آپ سیکھیں گے، تو مَیں ضرور آپ کو سکھاؤں گا۔ پھر وہیں مسجد میں مغرب کی اذان ہُوئی۔ سب نے نماز پڑھی۔ سیّد صاحبؒ اپنے مکان پر آئے اور مولوی احمد اللہ صاحب اپنے ڈیرے میں چلے گئے۔

اسی روز سے نیزہ بازی کی کسرت پنجتار میں شروع ہُوئی۔ تیسرے چوتھے روز سیّد صاحبؒ اسی گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے جاتے اور عصر اور مغرب کے درمیان مولوی احمد اللہ صاحب کے ساتھ بٹلیٹی لے کر نیزہ بازی کی کسرت کرتے اور مولوی صاحب کو سکھاتے۔ کچھ کم یا زیادہ دو مہینے تک اسی گھوڑے پر آپ نے برچھا ہلایا اور مولوی صاحب کو سکھایا۔

عبدالحمید خاں فنِ سپہ گری اور جُرأت و دلاوری میں یکتا اور طبیعت کے نہایت تُند اور تیز تھے۔ اُنھوں نے بھی سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ اگر ارشاد ہو، تو مَیں بھی آپ کے ساتھ گھوڑا پھیرا کروں۔ میری کسرت بہت دِنوں سے چھُوٹی ہُوئی ہے۔ وُہ بھی تازہ ہو جائے گی۔ آپ نے فرمایا: بہتر ہے، آپ بھی آیا کیجیے۔ چنانچہ وُہ بھی حضرت کے ساتھ کسرت کرنے لگے۔ چند دنوں کے بعد آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم تو خود اس فن میں اُستاد ہو، ہمارے ساتھ کسرت کرنے کی تم کو کچھ ضرورت نہیں۔ تم ہمارے غازی بھائیوں کو سواری اور سپہ گری کی تعلیم دیا کرو۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ حضرت، اُستاد تو آپ ہی ہیں، مجھ کو کیا سلیقہ؟ مگر بہرحال فرماں بردار ہوں، جو کچھ مجھ کو آتا ہے، میں بھائیوں کو سکھاؤں گا۔ پھر جہاں سیّد صاحبؒ کسرت کرتے تھے، وہاں سے ساٹھ ہتّر قدم کے فاصلے سے جنُوب کی طرف دوسرے روز سے عبدالحمید خاں غازیوں کو لے کر جانے لگے اور سواری، نیزہ بازی، بندوق چلانے اور تلوار لگانے کی مشق کرانے لگے۔ اُن کے یہ کرتب دیکھ کر فتح خاں اور اُن کے سوار بھی سب غازیوں کے

ساتھ اس کسرت میں شریک ہونے لگے۔

اسی مَیدان میں ایک جگہ شیخ عبدالوہاب اور خُدا بخش نے پھری گدکے کا اکھاڑا قائم کیا اور لوگوں کو رُستم خانی پھینک سکھانے لگے۔ مرزا محمّدی بیگ شاہجہان آبادی نے بھی وہیں اپنا اکھاڑا جُدا بنایا اور وُہ امردھج پھینکتے تھے۔ سیّد لُطف علی اور امام الدّین رامپوری نے غفور خانی پھینک کا اکھاڑا قائم کیا۔ اُستاد رجب خاں نے اپنا اکھاڑا الگ جمایا۔ سب کے شاگرد جُدا جُدا تھے۔ ہر روز نماز عصر کے بعد سے شام تک لوگ کسرت کرتے تھے اور وہیں نالے میں وضُو کرکے مغرب کی نماز پڑھ کر اپنے ڈیرے میں چلے جاتے تھے۔

ایک روز مولانا اسمٰعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں کے مشورے سے آپ نے عبدالحمید خاں کو بُلایا اور فرمایا کہ خان بھائی، کئی دن سے ہمارے خیال میں تھا کہ لشکر کے سواروں میں کسی کو رسالدار کر دیں۔ تم ان بھائیوں کو سواری اور سپہ گری کی تعلیم تو دیتے ہی ہو۔ آج سے ہم نے اُن کا رسالدار بھی تم ہی کو کیا۔

خاں صاحب نے جواب دیا کہ حضرت میں آپ کے فرمانے سے باہر نہیں ہوں، مگر بات یہ ہے کہ میری طبیعت تُند ہے اور یہ امر اختیاری نہیں کہ چھوڑ دوں۔ شاید بھائیوں کو اس سبب سے میری افسری گراں گُزرے۔ یہاں کا کام خدا کے واسطے ہے، رئیسوں کی فوج کا سا نہیں ہے۔

آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، اس کا اندیشہ نہ کرو، ہم تمھارے لیے دُعا کریں گے۔ اُمید ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ نقصان دُور کر دے، اور تابعداری تو خُدا ہی والے لوگ کرتے ہیں، رئیسوں حاکموں کے لوگ تو تابعداری کیا کریں گے؟

خاں صاحب نے عرض کیا کہ اگر یہی بات ہے، تو مَیں حاضر ہُوں۔ آپ نے میاں دین محمّد صاحب سے فرمایا کہ ہمارے یہاں سے ایک دوشالہ، ایک رُومال لے آؤ۔ اُنھوں نے لاکر حاضر کیا۔ آپ نے اپنا خاص عمامہ اپنے دستِ مُبارک سے عبدالحمید خاں کے سر پر باندھا اور فرمایا کہ خان بھائی، یہ دوشالہ یہ رُومال ہے۔ اس میں جو پسند ہو، لے لو۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ مجھ کو تو رُومال اچھا معلوم ہوتا ہے،

آگے جو آپ کو پسند ہو۔ آپ نے فرمایا کہ مجھ کو بھی یہی اچھا معلوم ہوتا ہے۔ آپ نے وُہ خان صاحب کو اُڑھا دیا اور جو ہمند گھوڑا نواب وزیر الدّولہ کا بھیجا ہُوا تھا، اُن کو عنایت کیا اور فرمایا کہ یہ تم کو مبارک ہو! اللہ تعالیٰ تم کو کُفّار پر فتحیاب کرے! پھر آپ نے ہاتھ اُٹھا کر برہنہ سر ہو کر جنابِ الٰہی میں بڑے تضرّع کے ساتھ دیر تک دُعا کی۔ دُعا کے بعد رسالدار صاحب نے پانچ روپے اور ایک اشرفی نذر کی۔ تمام حاضرینِ مجلس نے رسالدار صاحب کو مُبارکباد دی۔ وہ رُخصت ہو کر مسجد میں گئے۔ وہاں دو رکعت شُکرانہ پڑھ کر اپنے ڈیرے میں آئے۔ اسی روز سے اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اُن کو ایسا حلیم الطبع، سلیم المزاج اور خوش اخلاق کر دیا کہ گویا ہمیشہ سے یُوں ہی تھے۔

دو جاسُوسوں کا قبُولِ اسلام | دو سکھ پنجتار میں آپ کے پاس مِلنے آئے۔ آپ نے اُن سے آنے کا سبب پُوچھا۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ صرف آپ کی مُلاقات کو آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: خیر تم ہمارے مہمان ہو، جب تک چاہو، رہو۔ آپ نے اُن کے واسطے اپنے یہاں سے دو سیر آٹا، پاؤ بھر دال اور آٹھ پیسے بھر کا گھی مقرر کر دیا۔ وہ دونوں روزانہ فجر اور عصر کی نماز کے بعد آپ کے پاس بیٹھتے تھے اور آپ کی باتیں سُن کر اپنے بستر پر چلے جاتے تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا کہ تمھیں جو کچھ ضرُورت ہُوا کرے، ہم سے کہہ دیا کرو اور کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا، مگر وُہ کچھ نہیں کہتے تھے۔

دس بارہ دن کے بعد اُنھوں نے ایک دن عرض کیا کہ حضرت، اتنے دن ہم آپ کی خدمت میں رہے، آپ کی باتیں خُوب سُنیں، جو کچھ لوگوں سے آپ کے اَوصافِ حمیدہ اور اخلاقِ پسندیدہ سُنے تھے، اُن سے بڑھ کر پایا اور آپ کا طریقہ اور دین ہم کو بہت پسند آیا۔ اب ہم چاہتے ہیں کہ ہم کو بھی یہی دین اور طریقہ آپ تعلیم کریں۔

سیّد صاحبؒ یہ سُن کر بہت خوش ہُوئے اور اسی وقت اُن کو کلمۂ شہادت پڑھا کر مُسلمان کیا۔ بڑے کا نام عبدالرحمٰن اور چھوٹے کا عبدالرحیم رکھا، اور میاں جی چشتی سے فرمایا کہ ان کو اپنے ڈیرے میں لے جا کر نماز سکھاؤ اور شیخ ولی مُحمّد صاحب سے فرمایا کہ ان کو دو دو جوڑے کپڑے بنوا دو۔ میاں جی چشتی نے اُن کو لے جا کر اُن کے سر کے بال مُنڈوائے، اُن کی لبیں کتروائیں اور نہلایا۔ اُس وقت کسی

غازی نے اپنا پائجامہ دیا، کسی نے انگرکھا، کسی نے دوپٹہ، کسی نے عمامہ۔ کوئی تین تین، چار چار جوڑے اُن کے پہننے کو ہو گئے۔ تیسرے روز نئے چار جوڑے کپڑے شیخ ولی محمدؐ صاحب نے الگ بنوا دیے۔ اسی روز سیّد صاحبؒ نے نُور بخش جراح کو بُلا کر اُن کا ختنہ کرا دیا اور ہر ایک کے کھانے کو پاؤ بھر گُڑ، پاؤ بھر گھی اور آدھ سیر آٹے کا حلوہ مقرر کر دیا۔ میاں جی چشتی صاحب حلوہ پکا کر اُن کو کھلاتے تھے۔ چند دن میں زخم اچھا ہو گیا۔ میاں جی چشتی صاحب نے سیّد صاحبؒ کی اجازت سے پانچ چھ روز ایک ایک مُرغ کا شوربہ اُن کو پلایا۔ پھر ایک روز اُن کو نہلا کر اور نئی پوشاک پہنا کر سیّد صاحبؒ کے پاس لائے۔ آپ نے اُن کی مزاج پُرسی کی اور باتیں کیں۔ اُس وقت اُنھوں نے اپنا حال سیّد صاحبؒ سے بیان کیا کہ ہم کو خیر آباد سے ہمارے افسر لنا سنگھ نے آپ کے پاس بھیجا تھا کہ ہم لوگوں سے خلیفہ صاحب کی خُوبیاں اور بزُرگیاں بہت سُنتے ہیں، سو تم خود جا کر اپنی آنکھ سے دیکھ آؤ اور ہم سے آ کر بیان کرو۔ اسی واسطے ہم آپ کو دیکھنے آئے تھے۔ یہاں اللہ تعالیٰ نے آپ کے طفیل سے ہم کو اسلام کی نعمت عطا فرمائی۔

سیّد صاحبؒ اُن کی تقریر سُن کر بہت خوش ہُوئے اور اُن کو دو گھوڑے دیے اور فرمایا کہ اگر تمھاری خوشی ہو، تو ہمارے یہاں لشکر میں رہو اور چاہو، تو خیر آباد میں لنا سنگھ کے پاس جاؤ۔ تُم کو اختیار ہے۔ وُہ دو مہینے کے قریب لشکر میں رہے اور نماز سیکھی اور رُخصت ہو کر خیر آباد یا کسی اور طرف کو چلے گئے۔

ضروری تعمیر ایک روز سیّد صاحبؒ نے جُمعے کی نماز پڑھ کر مولوی محمد حسن جماعت دار سے فرمایا کہ ہمارے لشکر میں اکثر بھائیوں کو مکان کے بغیر تکلیف ہوتی ہے۔ ان دنوں بھائیوں کو فُرصت بھی ہے اگر ضرورت کے مطابق اپنے اپنے بھیلے میں کوٹھے بنا لیں، تو بہتر ہے۔ ہمارا بھی ارادہ ہے کہ ہم بھی ایک کوٹھا بنا لیں۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ بات تو مناسب ہے۔ جب آپ وہاں سے مکان پر آنے لگے، تو نالے سے اُٹھا کر دو پتھر اپنے کندھے پر رکھ لیے۔ آپ کو دیکھ کر ہر کسی نے اپنی طاقت کے موافق ایک ایک دو دو پتھر اُٹھا لیے اور سب نے لا کر حضرت ہی کے مکان پر جمع کیے۔ سب کی یہ نیت ہُوئی کہ پہلے حضرت کا کوٹھا بنایا جائے اُس کے بعد اَور بنیں۔

اس کے اگلے روز سے غازیوں نے گارے اور پتھروں کی دیوار اُٹھانی شروع کر دی۔ کوئی پتھر لاتا تھا، کوئی گارا کرتا تھا اور کوئی اُٹھاتا تھا۔ وُہ دالان کوئی دس گز لمبا اور قبلہ رُخ تھا۔ اس میں تین در رکھے گئے۔ چند روز میں وُہ دالان بن کر دُرست ہُوا۔ تب چیڑ کی کڑیوں سے اُسے پاٹا اور اُس کے آگے ایک چھپر کا سائبان ڈالا۔

اس کے بعد اپنے اپنے بھیلے میں اور صاحبوں نے بھی مکان بنانے شروع کیے۔ ایک کوٹھا شیخ عبدالحکیم پھلتی نے بنایا، ایک سیّد اسمٰعیل رائے بریلوی نے، ایک مولوی امام الدین بنگالی نے، ایک مولوی وارث علی پُوربی نے، اور ایک نُور بخش جراح نے۔ یہ کوٹھے پاس ہی پاس خاص جماعت والوں کے تھے اور ایک کوٹھا شیخ ولی مُحمّد صاحب بھینتی نے بنایا اور ایک مسجد کے قریب سید احمد علی صاحب کا بنایا گیا، اور ایک مولوی مظہر علی عظیم آبادی نے بنایا، اور ایک کوٹھا بستی کے باہر مشرق کی جانب بارُود رکھنے کی خاطر بنایا گیا۔ یہ تمام مکانات غازیوں نے اپنے ہاتھوں سے اُٹھائے اور ان سب کے پاٹنے کے واسطے سردار فتح خاں کی معرفت ایک ایک روپے کی تیئیس تیئیس چیڑ کی بہت عُمدہ کڑیاں منگائی گئیں۔

قصاص کا ایک مُقدّمہ | لشکرِ مُجاہدین میں غازی پور کے رہنے والے لاہوری نام ایک شخص تھے، جو قاضی محمد بنگالی کے گھوڑے کی خدمت کرتے تھے۔ شکل وصُورت میں اگرچہ کم رُو اور حقیر تھے، مگر صلاحیت اور خوش اخلاقی میں بے نظیر تھے۔ ایک شخص عنایت اللہ نام منڈیاہو کے رہنے والے جماعتِ خاص میں تھے۔ سیّد صاحبؒ کے پلنگ کے قریب رہا کرتے تھے۔ آپ کے پُرانے رفیقوں میں تھے۔ آپ کے ساتھ بیت اللہ شریف کو بھی گئے تھے اور آپ اُن سے بہت محبّت فرماتے تھے۔ یہ عنایت اللہ ایک روز لاہوری کے ڈیرے پر گئے۔ لاہوری اس وقت ڈیرے پر نہیں تھے۔ گھوڑے کے دانے بھگونے کا ایک طاش وہاں رکھا تھا۔ عنایت اللہ وُہ طاش آٹا گُوندھنے کے لیے اپنے ڈیرے پر اُٹھا لائے۔ لاہوری اپنے ڈیرے پر آئے اور دانہ بھگونے کو طاش تلاش کیا، تو نہ پایا۔ لوگوں سے پُوچھا۔ کسی نے کہا: تمہارا طاش عنایت اللہ لے گئے ہیں۔ وُہ عنایت اللہ کے پاس گئے اور کہا کہ تم ہمارا طاش بلا پُوچھے اُٹھا لائے ہم کو

دانہ بھگونا ہے ہمارا طاش ہم کر دو۔ اُس وقت خشک آٹا گوندھنے کے واسطے طاش میں نکال رکھا تھا۔ عنایت اللہ کے مزاج میں ذرا تُندی تھی۔ لاہوری سے کہنے لگے کہ تمہارا طاش کیسا، طاش سرکاری ہے۔ ہم اپنا کام کر کے دے دیں گے۔

لاہوری نے کہا کہ طاش بیشک سرکاری ہے، مگر قاضی مدنی کی تحویل میں ہے اور اُنھوں نے ہمارے سپرد کیا ہے اور تم ہماری اجازت کے بغیر لائے ہو۔ اس پر اُلٹے گرم ہوتے ہو! ہمارا حرج ہوتا ہے۔ ہم تو اپنا طاش لے جائیں گے۔ عنایت اللہ نے کہا کہ بھلا، دیکھیں، تم کیونکر لے جاؤ گے۔ لاہوری نے طاش کا آٹا عنایت اللہ کے کپڑے پر رکھ دیا اور طاش لے کر اپنے ڈیرے پر چلے۔ عنایت اللہ نے اُٹھ کر دو گھونسے لاہوری کے پہلو میں مارے اور طاش چھین لیا۔ لاہوری بیتاب ہو کر گر پڑے اور نالہ و فریاد کرنے لگے۔ لوگوں نے اُن کو اُٹھایا اور پانی پلایا۔

یہ قصہ سیّد صاحبؒ کے خاص بُرج کے نیچے ہُوا۔ کسی نے آپ کو اطلاع کی کہ لاہوری کو عنایت اللہ نے مارا۔ یہ بات سُن کر آپ بُرج کی چھت سے سیڑھی پر آئے اور لاہوری اور عنایت اللہ کو بُلایا اور حال پوچھا۔ لاہوری نے پُورا ماجرا سُنایا۔ آپ نے عنایت اللہ سے پُوچھا کہ یہ قصہ یُوں ہی پیش آیا یا اس میں کچھ فرق ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ واقعہ یوں ہی ہے۔ یہ سُن کر آپ کمال ناخوش اور خفا ہُوئے اور عنایت اللہ سے کہا کہ تم اپنے دل میں یوں جانتے ہوگے کہ ہم سیّد صاحبؒ کے پُرانے رفیق اور اُن کے پلنگ کے پاس رہتے ہیں۔ تم کو یہ خیال نہیں ہے کہ ہم یہاں اللہ کے واسطے آئے ہیں اور کام ایسے نکمّے کرتے ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ لاہوری قاضی مدنی کا سائیس اور کم رُو و حقیر ہے۔ یہی جان کر تم نے اُس کو مارا۔ یہ تم نے بڑی زیادتی اور حرکتِ بیجا کی۔ ہمارے نزدیک تُم اور لاہوری بلکہ سب برابر ہیں۔ کسی کو کسی پر فوقیت نہیں ہے۔ سب لوگ یہاں خُدا کے واسطے آئے ہیں۔

اس کے بعد آپ نے حافظ صابر تھانوی اور شرف الدّین بنگالی سے فرمایا کہ ان دونوں کو قاضی حبّان صاحب کے پاس لے جاؤ۔ عنایت اللہ کی زیادتی ہے۔ اُن سے کہنا کہ اِس معاملے میں کسی کی رُو رعایت نہ کریں۔ شرع شریف کے موافق فیصلہ کر دیں۔

جب آپ نے سب کے سامنے یُوں فرمایا، تو پھلت والے لوگ، جن کی جماعت میں عنایت اللہ تھے، آپس میں کہنے لگے کہ اب لاہوری کو کسی طرح راضی کرنا چاہیے۔ اگر وُہ راضی ہو کر معاف کر دے، تو بہتر ہے، یہ بلا ٹل جائے گی، ورنہ عنایت اللہ پر ضرور تعزیر آئے گی۔ انھیں میں سے دو تین شخصوں نے لاہوری کو سمجھایا کہ بھائی صاحب، اب تو عنایت اللہ کی یہ زیادتی تم پر ہُوئی اور انھوں نے بہت بُرا کیا، مگر وُہ تمھارا بھائی ہے۔ بہتر یہی ہے کہ اُس کا قصُور معاف کر دو اور خوشامد کے طور پر کچھ دینے پر راضی ہو گئے۔ مگر لاہوری نے کسی طرح نہ مانا اور کہا کہ بھائیو! اب تو جو کچھ سیّد صاحبؒ نے فرمایا ہیں اُسی پر راضی ہوں۔ وہاں چل کر جیسا کچھ ہو گا ہو رہے گا۔ یہاں اس مُعاملے میں مجھ سے نہ بولو۔ وُہ مجبُور ہو کر چُپ ہو رہے اور حافظ صابر و شرف الدین ان دونوں کو قاضی حبّان کے پاس لے گئے۔

قاضی صاحب بستی کی مسجد میں تھے۔ اُس وقت گھڑی ڈیڑھ گھڑی دن باقی ہو گا۔ قاضی صاحب نے پُوچھا کہ بھائیو، اس وقت سب مِل کر کہاں آئے ہو؟ حافظ صابر و شرف الدین نے ان دونوں کا حال بیان کیا کہ اس طور سے لڑائی ہُوئی ہے اور جو سیّد صاحبؒ نے اُن کے بارے میں ارشاد فرمایا تھا، وُہ بھی عرض کر دیا۔ قاضی صاحب نے لاہوری سے معاملہ پوچھا۔ اُنھوں نے شروع سے جو کچھ گزرا تھا، بیان کیا۔ پھر عنایت اللہ سے پُوچھا۔ اُنھوں نے ویسا ہی کہا جیسا کہ لاہوری نے کہا تھا۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ اب تو اس وقت شام ہو گئی ہے، اس وقت جاؤ۔ کل نمازِ اِشراق کے بعد آنا، ہم تُمھارا فیصلہ کر دیں گے۔ وہ اپنے اپنے ڈیرے پر آ گئے۔

نمازِ مغرب کے بعد شیخ عبدالرحمٰن رئیس بریلی والے قاضی صاحب کے پاس گئے۔ وہ اُن کے بڑے دوست تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ قاضی صاحب، کوئی تدبیر آپ ایسی کریں کہ لاہوری راضی ہو جائے اور عنایت اللہ ذِلّت سے بچ جائے۔ اس امر میں زیادتی ضرور عنایت اللہ کی ہے اور جو لاہوری کسی طرح نہ مانے، تو پھر مجبُوری ہے، پھر جو حُکم شرع شریف کا ہو، وہ آپ جاری کر دیں۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ شیخ صاحب، آپ بہت اچھا فرماتے ہیں۔ ہم اوّل لاہوری کو سمجھائیں گے، حتی الامکان اس میں کمی نہ کریں گے۔ اگر اس نے مان لیا، تو بہتر ہے، نہیں تو حُکمِ خدا و رسُولؐ کے موافق انصاف کیا جائے گا

اگلے روز دو تین گھڑی دن چڑھے حافظ صابر اور شرف الدین، لاہوری اور عنایت اللہ کو لے کر قاضی صاحب کے پاس گئے۔ اُنھوں نے عنایت اللہ اور لاہوری کو سامنے بٹھایا اور پہلے عنایت اللہ کی طرف مُخاطب ہو کر خُوب ملامت کی کہ تم نے بہت بُرا کیا اور تُم سزا کے قابل ہو۔ پھر لاہوری کی طرف مُتوجّہ ہو کر فرمایا کہ بھائی صاحب، تم بہت نیک بخت اور بے شر آدمی ہو اور تم سب صاحب ہندوستان سے اپنا اپنا گھر بار چھوڑ کر محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہو کہ اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو اور آخرت میں ثواب ملے اور دُنیا کا کارخانہ تو چند روز کے واسطے خواب و خیال کی طرح ہے۔ سو بات یہ ہے کہ عنایت اللہ تمھارا بھائی ہے اور اس سے شامتِ نفس کے سبب یہ قصور ہو گیا جو اُس نے تم کو مارا۔ اگر اس کا قصُور معاف کر دو اور دونوں مل جاؤ، تو بہت خوب بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا اجر پاؤ گے اور جو تم اس کا عوض لو گے، تو برابر ہو جاؤ گے۔ جو معاف کرنے میں ثواب ہے، وُہ نہ ملے گا معاف کرنا بھی خدا و رسُولؐ کا حُکم ہے اور عوض لینا بھی مگر معاف کرنے میں ثواب اور عوض لینے میں اپنے نفس کی خوشی ہے۔

یہ بات سُن کر لاہوری نے کہا: قاضی صاحب، اگر ہم عنایت اللہ کو مُعاف کر دیویں، تو ثواب پاویں گے اور جو اپنا عوض لے لیں، تو برابر ہو جاویں گے۔ بھلا کسی طرح کا گناہ تو نہیں ہے؟ انھوں نے کہا: کُچھ گناہ نہیں ہے، دونوں حُکم خُدا اور رسُولؐ کے ہیں۔ جو چاہو منظُور کرو۔ لاہوری نے کہا: مَیں تو اپنا حق چاہتا ہُوں۔ قاضی صاحب نے کچھ دیر سکوت کر کے فرمایا کہ بھائی لاہوری حق تو تمھارا یہی ہے کہ تم بھی عنایت اللہ کے اسی جگہ دو گھونسے مار لو، اور عنایت اللہ کو لاہوری کے سامنے کھڑا کر دیا کہ اپنا عوض لے لو۔ لاہوری نے کہا کہ حق ہمارا یہی ہے کہ ہم بھی اُسی جگہ دو گھونسے ماریں۔ قاضی صاحب نے کہا کہ ہاں، بیشک یہی بات ہے۔

اس وقت جو لوگ موجُود تھے، سب کی اُمید منقطع ہو گئی اور یقین ہو گیا کہ لاہوری بے عوض نہ چھوڑے گا، لاہوری نے کہا: بھائیو، جو سب حاضر ہو، گواہ رہو کہ قاضی صاحب نے ہم کو ہمارا عوض دلایا اور ہم لے سکتے ہیں، مگر ہم نے محض اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لیے چھوڑ دیا۔ اور عنایت اللہ کو اپنی چھاتی سے لگا لیا اور مصافحہ کیا۔ تمام لوگ، جو وہاں تھے، لاہوری کو آفرین کرنے لگے اور شاباشی دینے

لگے کہ تم نے بڑے مردوں اور دینداروں کا کام کیا۔

یہ خبر سیّد صاحبؒ کو ہُوئی، تو آپ نے لاہوری کو بُلایا اور اپنے پاس بٹھایا اور فرمایا کہ تم نے یہ کام بڑے دیندار مردوں کا کیا کہ اپنے بھائی کا قصُور معاف کر دیا اور عوض نہ لیا۔ اس کا اجر اللہ تعالےٰ تم کو آخرت میں دے گا۔ اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ سب مسلمانوں کو یہی توفیقِ نیک عطا کرے۔ اور لاہوری کے لیے آپ نے دُعا کی۔

سترھواں باب

پائندہ خاں کی مُلاقات، قلعۂ ہنڈ کا تخلیہ

تربیلا کی دعوت | پائندہ خاں تنولی حاکمِ امب کے دو معزز مصاحب ایک سیّد حسن شاہ اور دوسرے شاما جمعدار کبھی کبھی سیّد صاحبؒ کے پاس بطورِ وکالت آتے تھے اور پائندہ خاں کی خوبی اور اخلاص مندی بیان کرتے تھے اور کہتے تھے کہ وہ آپ کا خیر خواہ، فرماں بردار اور مخلص جاں نثار ہے۔ اسی عرصے میں گنگر کے محمد زمان خاں کا (جو سیّد صاحبؒ کے بڑے مخلص اور معتقد تھے) خط آیا کہ ہماری تمام بستیوں کی قوم مشوانی سب اس بات پر متفق اور ایک دل ہیں کہ تربیلا ان دنوں سکھوں کی فوج سے خالی ہے۔ اگر آپ کچھ مجاہدین کے ساتھ کھُبّل تشریف لائیں، تو ہم اسی روز حملہ کر کے اس پر قبضہ کر لیں۔ وہاں سب کے سب مسلمان بھی ہمارے شریک ہیں۔ آپ نے لکھا کہ انشاء اللہ ہم اسی ہفتے کھُبّل آئیں گے۔

چوتھے یا پانچویں روز آپ نے چلنے کی تیاری کی۔ عبدالحمید خاں رسالدار سے فرمایا کہ ڈیڑھ سو سواروں کے ساتھ تم کو ہمارے ساتھ چلنا ہوگا اور چاروں جماعتوں میں سے تین سو پیادوں کو اپنے ساتھ لیا۔ خاص جماعت کے تمام لوگ، کچھ لوگ شیخ ولی محمد کی جماعت سے، کچھ لوگ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی جماعت سے اور کچھ قندھاریوں کی جماعت سے، اور آٹھ ضرب شاہین اپنے ساتھ لیں۔ باقی لوگ، جو پنجتار میں رہے، اُن پر مولوی احمد اللہ ناگپوری کو امیر کر کے آپ نے کوچ فرمایا۔ چند مقامات ٹھیرتے ہوئے

ایک روز صُبح کو کھَبّل میں داخل ہُوئے۔ شب کو پچھلے پہر مُحمّد زماں خاں تربیلے پر چھاپا لے گئے۔ سکندر پور سے آنے کے راستے پر دو سَو آدمی بندوبست کے لیے بھیج دیے کہ اِدھر سے سکھوں کی کمک نہ آنے پائے۔ یہ لوگ گھاٹی کی حفاظت میں رہے اور اُنھوں نے تربیلے پر جا کر قبضہ کر لیا۔

ہری سنگھ کی مزاحمت و مقابلہ ہری سنگھ پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ چار کوس پر پڑا تھا۔ اس کو خبر پہنچی کہ مُحمّد زماں خاں نے تربیلے پر قبضہ کر لیا۔ وہ فوراً یہ خبر سنتے ہی اپنی فوج لے کر دَوڑا۔ جب گھاٹی کے قریب آیا، تو گھاٹی والوں نے روکا۔ جانبین سے بندوقیں چلنے لگیں۔ چار گھڑی کامل اُنھوں نے روکا۔ مگر وُہ پانچ چھ ہزار، یہ دو سَو آدمی جب اُن کے مقابلے کی تاب نہ لا سکے، تو گھاٹی چھوڑ کر پہاڑ پر چڑھ گئے اور وُہ گھاٹی میں آ گھُسے۔

یہ خبر مُحمّد زماں خاں کو پہنچی کہ ہری سنگھ پانچ چھ ہزار فوج کے ساتھ گھاٹی میں گھُس آیا اور تمھارے لوگ پہاڑ پر چڑھ گئے۔ یہ خبر سُن کر وُہ بھی اپنے لوگوں کے ساتھ تربیلا خالی کر کے گنگر پہاڑ پر چڑھ گئے۔ اب گڑھی کے مورچے قائم تھے۔ جب مورچوں میں ان قندھاریوں اور مُلکیوں کو یہ خبر پہنچی کہ ہری سنگھ اس قدر فوج کے ساتھ آ پہنچا اور مُحمّد زماں خاں تربیلا خالی کر کے پہاڑ پر چڑھ گئے، تب مُلکی لوگ تو پیچھے چھوڑ کر مُحمّد زماں خاں کی طرف چلے گئے اور قندھاری کھَبّل کی طرف روانہ ہو گئے۔ کھَبّل سے تربیلا تک ایک کوس کا فاصلہ ہے۔ کھَبّل سے غازی دیکھ رہے تھے۔ قندھاری تربیلا سے نکل کر آدھ کوس آئے ہوں گے کہ ہری سنگھ کے سوار تربیلا میں داخل ہُوئے اور قندھاریوں کو دیکھا کہ کھَبّل کی طرف جاتے ہیں۔ یکبارگی اُنھوں نے اُن کے پیچھے گھوڑے ڈالے اور بندوقیں مارتے ہُوئے دَوڑے۔ لوگوں نے سیّد صاحبؒ کو اطلاع کی کہ ہمارے قندھاریوں کے پیچھے سکھوں کے سوار بندوقیں مارتے چلے آتے ہیں۔ آپ نے شیخ عبداللہ جمعدار اور شیخ وزیر کو بلا کر فرمایا کہ تم بھی اِدھر سے شاہین مارو۔ کھَبّل کے لوگ بھی اپنی اپنی پلے دار بندوقیں لے کر تیار ہُوئے۔ اس عرصے میں قندھاریوں نے آ کر دریائے سندھ کا کنارا پکڑا اور جا بجا مورچے لگا کر بیٹھ گئے۔ کھَبّل سے شاہینیں اور بندوقیں چلنے لگیں۔ سکھوں کے سوار بھی بے دھڑک بندوقیں سر کرتے چلے آتے تھے۔ جب اور قریب آئے، تو قندھاریوں نے اُٹھ کر ایک

باڑھ ماری۔ وُہ سوار وہیں رُکے، آگے نہ بڑھ سکے۔ دو گھڑی تک جانبین سے خوب بندوقیں چلیں۔ آخر سوار قندھاریوں سے مایُوس ہو کر تربیلا روانہ ہو گئے۔

اِدھر کھُبّل سے شاہینیں اور بندُوقیں چلتی رہیں۔ آپ نے پیر خاں جمعدار سے فرمایا کہ کشتی لے جاکر قندھاریوں کو اُس پار سے اُتار لاؤ۔ خاں صاحب آدمیوں کے ساتھ گئے اور سب کو ناؤ پر اُتار لائے۔ اسی روز سکھوں نے تربیلا سے نکل کر سَرَن ندی کے کنارے ڈیرہ کیا۔ جب مُجاہدین نمازِ ظُہر پڑھ کر فارغ ہُوئے، تو کوئی تین چار سَو سِکھ سوار اپنے لشکر سے نکل کر کھُبّل کے پاس آئے۔ سیّد صاحبؒ نے شیخ عبداللہ جمعدار اور شیخ وزیر سے فرمایا کہ تم بھی شاہینیں پہاڑ کی ٹیکری پر جاکر لگاؤ۔ اگر سکھوں کے سوار نزدیک شاہینوں کی زد پر آئیں، تو مارنا اور جو وہیں سے لَوٹ جائیں، اِدھر نہ آئیں، تو کچھ تعرُّض نہ کرنا۔ مگر وہ چلے ہی آتے تھے۔ اُنھوں نے جلد جاکر ٹیکری پر شاہینیں لگا دیں اور اُن کو مارنے لگے۔ اس میں دو یا تین سوار اُن کی شاہین کے گولے سے گرے۔ وُہ پراگندہ ہو کر بھاگ کھڑے ہُوئے اور اپنے لشکر میں جا مِلے۔ رات بھر سب مجاہدین دستور کے موافق اپنی چوکی پہرے سے ہوشیار رہے۔

رات کو سکھوں کے کوئی دو سَو آدمی آکر دریائے سندھ کے کنارے چھپ کر بیٹھ رہے۔ مُجاہدین کو یہ حال معلوم نہ تھا۔ جب وہ سویرے دریا پر وضُو کرنے لگے، تو سکھوں نے لوگوں کی آواز سُن کر بندُوقوں کی ایک باڑھ ماری، مگر خدا نے خیر کی، کسی کے گولی نہ لگی۔ مُجاہدین بھی بندُوقیں مارنے لگے اور کوئی تین گھڑی دِن چڑھے تک شاہینیں اور بندُوقیں چلا کیں۔ جب سکھوں نے اِدھر کا بہت زور دیکھا، تو وہ بھاگ کر اپنے لشکر میں چلے گئے۔

سیّد اکبر شاہ کی مُلاقات اسی روز تھانے سے سید اکبر شاہ بیس، پچیس آدمیوں کے ساتھ اُن کے بھائی سیّد صغر شاہ مُنڈی والے، سیّد نُور جمال اور سیّد کامل شاہ سیّد صاحبؒ کی ملاقات کو تشریف لائے۔ اُس وقت تک سیّد اکبر شاہ کی سیّد صاحبؒ سے مُلاقات نہیں ہُوئی تھی، فقط خطُوط اور لوگوں کی زبانی سلام پیام آتا تھا۔ سیّد صاحبؒ کو غائبانہ اُن کی خُوبیاں سُن کر اُن سے مُلاقات کا بڑا شوق تھا۔

جب مُلاقات ہُوئی، تو وُہ بھی بہت خوش ہُوئے اور سیّد صاحبؒ بھی مسرُور ہُوئے۔[1]

سیّد اکبر شاہ نے عرض کیا کہ مَیں اُمیدوار ہُوں کہ اُدھر سے آپ میرے غریب خانے پر تشریف لے چلیں۔ مَیں اِسی ارادے سے یہاں آپ کی خِدمت میں آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ سیّد بھائی، انشاء اللہ تعالیٰ کل ہم یہاں سے کُوچ کر کے تمہارے ہی مکان پر چلیں گے۔

امب سے پائندہ خاں کے بھیجے ہُوئے سیّد حسن شاہ اور شاما جمعدار آئے ہُوئے تھے اور خانِ ممدُوح کے اشتیاقِ مُلاقات کا پیام لائے تھے۔ آپ نے اُن کو اطمینان دلایا تھا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے خان سے ضرور ملاقات کریں گے اور اُن کو اپنے پاس ٹھیرایا تھا۔ آپ نے اُن سے کہا کہ ہم سیّد اکبر کے ساتھ آکر ستھانہ میں ٹھیریں گے، تم جا کر اپنے خان سے ہمارے ستھانے جانے کی خبر کر دو۔ جو کُچھ وہ تم سے کہیں، ہم سے ستھانے میں آکر کہنا۔

سیّد صاحبؒ ستھانے میں | سیّد صاحبؒ نے سب لشکر کھَنبَل میں چھوڑا اور ڈیڑھ سو غازیوں کے ساتھ ستھانے کو (جو کھَنبَل سے پانچ کوس ہے) سیّد اکبر شاہ کی معیّت میں تشریف لے گئے اور اُن

---

[1] سیّد اکبر شاہ ابن سیّد شاہ گُل ابن سیّد ضیاء من شاہ، سیّد علی ترمذی غوث دُنیر کی اولاد میں سے تھے۔ پکھلی اور ہزارے کا بڑا حصّہ اُن کے خاندان کا معتقد اور مخلص تھا۔ اور اُن کی قباتیں ہزارے کے سادات اور وہاں کے خوانین و رُؤسا میں نامدار میں تھیں۔ یہ خاندان سخاوت، شجاعت، اخلاص و للّہیت اور استقامت و استقلال میں سارے علاقے میں ممتاز تھا۔ سیّد صاحبؒ اور اُن کی دعوت و تحریک کے ساتھ اس خاندان نے اخیر تک وفاداری اور شیفتگی اور ایثار و قربانی کا ایسا ثبوت دیا، جس کی نظیر صُوبہ سرحد کی تاریخ میں نہیں ملتی۔ منظورۃ الشُّہداء میں ہے:

"اخلاقِ کریمۂ ایں سادات، خصوصاً سیّد اکبر شاہ بیرون از بیان است۔ اخلاص و وفا از ابتدا تا انتہا یکساں نمودند"

وقائع میں ہے:

"سیّد اکبر شاہ کے اخلاقِ حمیدہ اور اوصافِ پسندیدہ کا بیان کہاں تک کروں؟ جس نے اُن کو دیکھا ہے اور اُن کی صحبت اُٹھائی ہے، وہ ہی خوب واقف ہے کہ ایسا خوش خلق، خندہ رُو، کشادہ پیشانی، حلیم الطبع، سلیم المزاج، سخی اور شجاع، صاحبِ تدبیر، صاف دل، راست گفتار اور حضرت علیہ الرحمۃ کا مخلص بے ریا، اور محبّ باوفا اور مُعتقدِ صادق کوئی رئیس اس ولایت میں نہ تھا۔"

سیّد صاحبؒ کی شہادت اور بالاکوٹ کے معرکے کے بعد پھر ستھانہ مجاہدین کی پناہ گاہ اور سارے ہندوستان میں جہاد و دعوت کا صدر مقام تھا اور یہی ساداتِ ستھانہ اِن عالی حوصلہ مجاہدین اور غریب الوطن مہاجرین کے اعوان و انصار تھے، رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ الخ

کے مکان پر اُترے۔ سیّد موصوف چھ بھائی تھے: سیّد اعظم، سیّد اکبر، سیّد عُمر، سیّد عمران، سیّد اصغر، سیّد مدار۔ اُن سب کی والدہ بھی زندہ تھیں۔ اُن سب نے سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کی اور منڈی والے سیّد نور جمال اور سیّد کامل شاہ نے بھی بیعت کی۔

پائندہ خاں کی ملاقات کا مشورہ اور سیّد اکبر شاہ کی رائے

عشاء کی نماز کے بعد سیّد صاحبؒ نے سید اکبر صاحب سے پائندہ خاں کی ملاقات کے مُتعلق مشورہ لیا اور اُس کے اشتیاق و پیغامات کا ذکر کیا۔ اس وقت مجلس میں صرف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور مُنشی خواجہ محمدؒ تھے۔ سید اکبر شاہ نے تواضع اور معذرت کے بعد جواب دیا کہ آپ نے مجھے سرفراز فرمایا اور مجھ سے مشورہ طلب فرماتے ہیں۔ تو جو کچھ میری رائے ناقص میں ہے، عرض کرتا ہوں کہ اس قوم تنولی کے لوگ اکثر بڑے غدار اور مکّار ہیں۔ یہاں کی ضرب المثل ہے "تنولی بے قولی"۔ ہمارا پائندہ خاں سے اکثر معاملہ پڑتا ہے۔ اُس نے کبھی کسی کے ساتھ سوائے بدعہدی کے کبھی وفاداری نہیں کی اور یہ مُلاقات کسی طرح بھی مکر و فریب سے خالی نہیں۔ آپ لوگ اللہ والے صاف دل، پاک طبیعت اور اس مُلک میں نو وارد ہیں۔ آپ کو یہاں کے حالات کا علم نہیں۔ ہم یہاں کے راز دار ہیں، لیکن بہرحال آپ کے خُرد ہیں۔ سیّد نادر شاہ اور سیّد مروان منڈی والے ہمارے عزیزوں میں بڑے سال خوردہ اور جہاں دیدہ شخص ہیں۔ سیّد نادر شاہ پائندہ خاں کے بڑے مشیر و مصاحب ہیں۔ وُہ پائندہ خاں کے والد نواب خاں کے مصاحب تھے۔ یہاں سے پاؤ کوس اُن کا مکان ہے۔ اگر ارشاد ہو، تو سواری بھیج کر اُن کو یہاں بُلا لیں۔

سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ سیّد بھائی، تم نے معقول دانائی و خیر خواہی کی باتیں کی ہیں اور یہ مشورہ بھی معقول ہے۔ مگر وہ بڑھے ضعیف آدمی ہیں، اُن کو تکلیف دینے کی کیا ضرورت ہے؟ ہم خُود اُن کے مکان پر چل کر ملاقات کریں اور جو باتیں کرنی ہوں، وہیں کر لیں۔ سید اکبر نے عرض کیا کہ آپ کیوں زحمت فرمائیں؟ وُہ خود یہیں حاضر ہوں گے۔ اُنھوں نے اپنا آدمی بھیجا۔ وُہ گھوڑا لے گیا اور اُن دونوں صاحبوں کو سوار کر کے لے آیا۔ سیّد صاحبؒ نے اُٹھ کر اُن سے مُعانقہ اور مصافحہ کیا اور عافیت مزاج پوچھی اور اپنے پاس بٹھایا۔ وُہ آپ کی خوش اخلاقی اور ملاقات سے بہت خوش ہُوئے۔

سیّدنا درشاہ کی گفتگو پھر آپ نے پائندہ خاں کی مُلاقات کے مُتعلق اُن سے دریافت کیا۔ سیّدنا درشاہ نے پائندہ خاں کے والد نواب خاں کی بدعہدی، گرفتاری اور قتل کا پُورا واقعہ سنایا اور کہا: اُس نے پائندہ خاں سے بھی وصیّت کی کہ کیسا ہی کوئی رئیس، سردار اور حاکم ہو اور تجھ کو بُلانا چاہے، تو اُس سے بے کھٹکے اور صاف دِل سے نہ مِلنا اور اُس کی باتوں کے فریب میں نہ آنا، نہیں تو پچھتائیگا۔ چنانچہ پائندہ خاں آج تک کسی سردار رئیس سے صاف دِل ہو کر نہیں مِلتا اور اس کے دل کا چور نہیں نکلتا۔ اُس کا عُروج ہُوا، تو پہلے اُس کے ساتھ بے وفائی کی، جنھوں نے اس کا ساتھ دِیا اور جس نے اُس کی رفاقت اور خیر خواہی کی، اُسی کو اُس نے دغا دی۔ مَیں اُس کی مجلس میں رہتا ہُوں۔ مَیں نے خُود اُس کی زبان سے سُنا ہے کہ مجھ کو اپنے والد نواب خاں کی وصیّت اور فہمائش یاد ہے اور کسی حاکم و رئیس کی طرف سے میرا دِل مطمئن اور صاف نہیں اور جو آپ کو اُس نے سیّد حسن شاہ کی زبانی پیام بھیجا ہے، تو وہ رافضی مذہب ہے۔ خدا جانے، اُس نے کیا پیام بھیجا ہے اور اُس نے آپ کے پاس کیا پہنچایا ہے۔ میرے نزدیک اُس کی یہ بات بھی مکر و فریب سے خالی نہ ہوگی۔ اگر اُس کو آپ سے مُلاقات ہی کرنی ہے، تو یہاں سے آدھ کوس پر گڑھی ہے، وہاں اُس کو بُلا کر مُلاقات کر لیجیے۔ اگر اُس کی طبیعت میں مکر و فریب نہ ہُوا، تو بے دھڑکہ چلا آئے گا اور اگر آپ کی طرف سے اُس کو اندیشہ ہوگا، تو نہیں آئے گا۔

سیّد صاحبؒ کا ارشاد آپ نے یہ سُن کر جواب دِیا: جَزَاکَ اللّٰہ! سیّد بھائی، تم نے اس مُعاملے کا نشیب و فراز خُوب بیان کیا۔ عقل کی رُو سے بجا ہے۔ جتنے سردار اور رئیس جاہ طلب دُنیادار ہیں، اُن سب کا یہی برتاؤ ہے کہ اُن کو اوّل بڑا خطرہ اپنی جان کا ہوتا ہے، دُوسرے زوالِ ریاست کا، اور ہمارا تو تمام معاملہ دِین کا ہو، خواہ دُنیا کا، اللہ تعالیٰ کی رضامندی پر موقوف ہے۔ اُس کی رضامندی کے کام میں جان و مال صرف کرنا ہم سعادتِ ابدی جانتے ہیں۔ جو کوئی ہم سے دغا اور فریب کرے گا، اُس سے نہ ہمارا دِین بگڑ سکے گا نہ ایمان۔ اس کا عوض وُہ اپنے اللہ تعالیٰ سے پائے گا۔ پھر ہم کو کس بات کا خطرہ؟ اور ہم جو پائندہ خاں سے مُلاقات کا ارادہ رکھتے ہیں، تو صرف اس نیت سے کہ وُہ بھی ہمارا

مُسلمان بھائی ہے اور نامی رئیس اور مردانہ آدمی ہے۔ اگر ہم سے موافق ہو جائے، تو اُس کی عملداری میں سے ہو کر ہمارے لیے کشمیر کا راستہ صاف ہو جائے، ہمارے لوگ بے اندیشہ آنے جانے لگیں، کچھ کام اللہ تعالیٰ کا نکلے۔ اپنا تو یہی مُدّعا ہے اور جو ہم سے مکر و فریب کرے گا، تو اُس کا بدلہ خُدا سے پائے گا۔ اور ہم تو اپنا حامی و مددگار فقط اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں۔ اور سیّد بھائی، تم جو کہتے ہو کہ اُس کو یہاں گڑھی پر بُلا کر ملاقات کرو، اگر اس کا ہم پیام بھیجیں، تو وُہ اَور بھی بھڑک جائے گا اور نہ آئے گا کہ مبادا کچھ مجھ سے دغا فریب کریں۔ سو اس امر کو ہم نے اُس کی رائے پر موقُوف رکھا، جہاں وہ بُلائے گا، ہم وہیں جائیں گے۔ اور جو یہ کہتے ہو کہ سیّد حسن شاہ رافضی ہے، اُس کی بات کا کیا اِعتبار، تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ اُس کو ہدایت کرے اور وُہ سُنّی ہو جائے۔

آپ کی یہ تقریر سُن کر سیّدنا در شاہ نے کہا کہ حضرت، اگر آپ کی خالصاً لِلّٰہ یہی نیّت ہے، تو بہر طَور آپ کو فائدہ نُقصان کسی طرح کا مُتصوّر نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سیّد بھائی، اب جنابِ الٰہی میں دُعا کرو، وُہ سب معاملہ درست کر دے گا۔ سب نے مِل کر دُعا کی۔

پائندہ خاں کی درخواستِ مُلاقات اگلے روز دن چڑھے سیّد حسن شاہ اور شاما جمعدار آئے اور پائندہ خاں کا پیام لائے کہ خانِ موصُوف اَمب سے عشرہ میں آیا ہے اور سلام کے بعد عرض کیا ہے کہ آپ عشرہ کے مَیدان میں نالے پر بڑ کے درخت کے نیچے تشریف لائیں، مگر تھوڑے لوگوں کے ساتھ آئیں، تو میں آپ کی قدمبوسی سے شرف یاب ہوں۔ سیّد صاحبؒ یہ پیام سُن کر بہت خوش ہُوئے اور اُن دونوں کو کھانا کھلایا اور فرمایا کہ تم آگے چل کر اپنے خان کو خبر کرو، ہم ظُہر کی نماز پڑھ کر آئیں گے۔ یہ سُن کر وُہ رُخصت ہُوئے۔ آپ نے مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ پائندہ خاں کے دِل میں خوف زیادہ ہے، اس خیال سے اُس نے کہلا بھیجا ہے کہ آپ کے ہمراہ تھوڑے آدمی آئیں اور لوگ اس کے عادی ہیں کہ جہاں مَیں جاتا ہوں، سب کے سب چلنے پر مُستعِد ہو جاتے ہیں۔ سو آج میرے ہمراہ کوئی پچیس تیس آدمی چلیں، مجھ کو تو اس سے راہ پیدا کرنا اور اُس کو بُلانا منظور ہے۔

مولانا نے عرض کیا: جیسا آپ مناسب سمجھیں، بہتر ہے؛ مگر میرے نزدیک اچّھا یہ ہے کہ

یہاں سے جو لوگ ساتھ چلیں، آپ مانع نہ ہوں جب آپ پہاڑ کی کھڑی[1] کے پار ہوں، وہاں سب کو ٹھیرا دیں۔ پھر انھیں میں سے جتنے منظور ہوں اپنے ہمراہ لے جائیں آپ نے فرمایا: کیا مضائقہ ہے؟ یہ بہتر ہے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا انتظام اور پیش بندی

مولانا اپنے ڈیرے پر گئے اور معتبر لوگوں سے کہہ دیا کہ آج ظہر کے بعد سید صاحبؒ پائندہ خاں کی ملاقات کو چلیں گے، سب بھائیوں سے خبر کر دینا کہ سب چلیں اور اطلاع کے طور پر اُن سے کہا کہ جو گفتگو سید اکبر صاحب اور سید نادر شاہ صاحب نے کی ہے، وہ میرے دل میں نقش ہو گئی ہے اور میں کہتا ہوں کہ پائندہ خاں فریبی اور مکار ہے، ایسا نہ ہو کہ کچھ دغا کرے۔ اس لیے اور بھی کہتا ہوں کہ سب لوگ چلیں۔

ظہر پڑھ کر سید صاحبؒ نے چلنے کی تیاری کی اور رسالدار عبدالحمید خاں کو کہلا بھیجا کہ اپنا سمند گھوڑا تیار کر کے ہمارے پاس بھجوا دو اور تم یہیں ستھانے میں رہو۔ رسالدار موصوف نے اُسی وقت گھوڑا بھجوا کر بھیج دیا۔ آپ نے کمر باندھی، تلوار طمنچہ لگایا، سوار ہوئے اور برچھا ہاتھ میں لیا۔ سب مجاہدین آپ کے ہمرکاب ہوئے۔

آپ جب پہاڑی کی کھڑی کے پار ہوئے، سید حسن شاہ اور شاما جمعدار آ کر ملے اور عرض کیا کہ آپ تو بہت لوگ ساتھ لائے۔ آپ نے فرمایا: آنے میں کیا مضائقہ؟ سب یہاں ٹھیر جائیں گے۔ یہاں سے جتنے آدمی کہو گے، اتنے چلیں گے۔ اُنھوں نے کہا کہ دس بارہ آدمیوں کے ساتھ تشریف لے چلیے۔

اُس وقت مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے شیخ علی محمد دیوبندی، ابراہیم خاں، اُن کے بھائی امان خاں اور محمد خاں کے کان میں چپکے سے کہہ دیا کہ جب سید صاحبؒ یہاں سے آگے روانہ ہوں، تو تم بیس پچیس مجاہدین کو لے کر دریائے سندھ کے کراڑے کی آڑ میں ہو کر چلے جانا[2] اور جہاں سید صاحبؒ سے ملنے کی جگہ مقرر ہوئی ہے، اُسی کے نزدیک کراڑے کے نیچے چھپ کر بیٹھ رہنا۔ اگر وہاں پائندہ خاں

---

[1] ستھانہ اور عشو کے درمیان ایک کھڑی (پہاڑ کی ایک کم بلند دیوار) ہیں دریا کے کنارے تک پہنچی ہوئی تھی اور آنے جانے والے اُس کے اُوپر سے گزرتے تھے۔ مذکورہ صاحب نے اس کھڑی کو کٹوا دیا۔ آج کل راستہ ہموار ہے۔ (سید احمد شہیدؒ ج ۲ ص ۱۵۲)

[2] مہر صاحب لکھتے ہیں: "اب ان مقامات پر دریا کے کنارے اوٹ کی کوئی جگہ نہیں۔ ۱۸۴۱ء کی طغیانی میں دریائے سندھ کے ارد گرد کی زمین تیرہ تیرہ گز گہرائی میں کھد گئی تھی۔ لہٰذا ان مقامات کے جس نقشے کا ذکر متن میں ہے، اُسے آج کل موقع پر تلاش کرنا بے سود ہوگا۔ (سید احمد شہیدؒ، ص ۱۵۲ حاشیہ ۲۵)

کی طرف سے کچھ فساد کی صورت دیکھنا، تو تم بھی سیّد صاحب کی مدد کو پہنچ جانا، ورنہ کسی پر اپنے کو ظاہر نہ کرنا۔

یہ تدبیر بتا کر آپ سیّد صاحبؒ کے پاس گئے اور سیّد صاحبؒ بارہ آدمیوں کو اپنے ساتھ لے کر روانہ ہو گئے۔ ادھر شیخ علی محمدؒ اور ابراہیم خاں وغیرہ سیّد صاحبؒ کے پہنچنے سے پیشتر دریا کے کراڑے کی آڑ میں جا بیٹھے۔ جب سیّد صاحبؒ سے بڑ کا درخت، جو ملاقات کے لیے مقرر ہوا تھا، پچاس ساٹھ قدم رہ گیا، تو آپ نے دس بارہ آدمیوں کو وہاں ٹھیرا دیا اور فقط مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور منشی خواجہ محمدؒ صاحب کو ساتھ لے کر پیادہ پا چلے اور سیّد حسن شاہ اور شاما جمعدار سے فرمایا کہ تم آگے بڑھ کر اپنے خان کو بلا لاؤ۔

پائندہ خاں کی سازش کی ناکامی | وہاں سے بندوق کی گولی کی زد پر پائندہ خاں تین چار سو سوار لیے کھڑا تھا اور جہاں ملاقات کی جگہ مقرر ہوئی تھی، وہاں سے گولی کی زد پر جانب مغرب دامن کوہ میں ایک جنگل تھا۔ پانچ سو پیادے اُس کے اندر چھپا دیے اور اُن سے کچھ اشارہ کر رکھا ہوگا کہ جب سیّد حسن شاہ شاما جمعدار اُس کے پاس گئے، تو وہ بھی سب سواروں کو وہاں چھوڑ کر اکیلا پیادہ پا سیّد حسن شاہ اور شاما جمعدار کے ساتھ بڑ کے درخت کے قریب ٹیلے پر پہنچا اور دو ہی آدمیوں کے ساتھ سیّد صاحبؒ وہاں پہنچے۔ دونوں میں سلام علیک اور مصافحہ ہوا۔ ٹیلے پر سیّد حسن شاہ نے اپنی پشاوری لنگی بچھا دی۔ اُس پر سب بیٹھ گئے۔ پائندہ خاں زرہ پہنے تھا اور چہار آئینہ اور خود لگائے ہوئے تھا۔ آنکھوں کے سوا اُس کے جسم کا کوئی حصّہ نظر نہیں آتا تھا۔ ایک جوڑی پستول، ایک کشمیری شیر بچہ اور ایک تلوار باندھے تھا۔

ابھی سیّد صاحبؒ اور پائندہ خاں سے باتیں ہو ہی رہی تھیں کہ تین چار سو سواروں نے، جن کو پائندہ خاں نے کھڑا کرایا تھا، گھوڑوں کی باگیں اُٹھائیں۔ زمین پتھریلی تھی۔ اُن کے ٹاپوں کی آواز اس طرح سنائی دیتی تھی، جیسے اولے پڑتے ہیں۔ جب تک وہ پائندہ خاں کے وہاں پہنچیں، تب تک دریا کے کنارے کے مجاہدین ایک دم سے چڑھ آئے اور قرابینیں اور چقماقیں چڑھا کر سیّد صاحبؒ

اور پائندہ خاں کے گرد کھڑے ہو گئے۔ اُن کے پیچھے وہ دس آدمی، جن کو سیّد صاحبؒ کہیں دُور چھوڑ آئے تھے، آن پہنچے۔ اُن سواروں نے آن کر سب کا محاصرہ کر لیا، مگر انھوں نے اپنے خان کو نمازیوں کے قابو میں دیکھا اور سمجھ لیا کہ اگر ہم نے جُنبش کی، تو خان کو زندہ نہ چھوڑیں گے۔ اس خیال سے ایک سکتے کے عالم میں کھڑے رہ گئے۔

پائندہ خاں کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا اور مُردنی چھا گئی۔ سیّد صاحبؒ نے اُس کو ہوش باختہ دیکھ کر فرمایا: "خان بھائی، تم کسی بات کا اندیشہ نہ کرو۔ تم تو ہمارے بھائی ہو۔ ہم نے جو تم سے ملاقات کی ہے، وُہ محض خدا کے واسطے کی ہے کہ کشمیر کا راستہ تمھاری عملداری میں سے ہو کر گزرتا ہے اور دریائے سندھ کی کشتیاں بھی تمھارے قابو میں ہیں۔ ہم چاہتے ہیں کہ اگر ہمارے آدمی اللہ تعالیٰ کے کام کے لیے تمھاری عملداری میں آئیں، تو کوئی اُن سے مزاحم نہ ہو۔ اگر تم بھی للہ فی اللہ اس کارِ خیر میں شریک رہو گے، تو اللہ تعالیٰ تمھارے واسطے دُنیا و آخرت کی خیر و فلاح کرے گا۔"

سیّد صاحبؒ کی شفقت | پائندہ خاں چاہتا تھا کہ کسی طرح اس کشمکش سے رہائی پا کر اپنے مکان کو سلامت چلا جائے۔ اُس نے عرض کیا کہ حضرت، آپ تو ہمارے پیر و مُرشد اور امام ہیں اور ہم آپ کے مُطیع و فرمانبردار ہیں۔ جو کچھ آپ فرماتے ہیں، سب مجھ کو منظور ہے۔ آپ نے مُنشی خواجہ مُحمّدؐ سے فرمایا کہ مُنشی جی، ہماری دستار لاؤ۔ اُنھوں نے رُومال میں لپٹی ہُوئی آپ کے سامنے رکھ دی۔ آپ نے اُس کا سِرا کھول کر اپنے ہاتھ سے اُٹھایا اور فرمایا کہ خان بھائی، بسم اللہ کر کے اس کو باندھ لو۔ اُس نے رُومال کے ساتھ اپنے ہاتھ میں لے لی اور عرض کیا کہ مکان پر جا کر باندھ لُوں گا۔ آپ نے فرمایا: ابھی باندھ لو۔ تین بار آپ نے یہی فرمایا اور تین بار اُس نے وُہی جواب دیا۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم اللہ کے واسطے ہم سے ملے ہو اور کارِ خیر میں شریک ہُوئے ہو اور تمھاری عملداری کی سرحد سکھوں کی سرحد سے مِلی ہُوئی ہے۔ ہم تم کو ایک ضرب توپ، جو بہت بھاری ہے، اور ایک ہاتھی دیں گے، اور وُہ بھی خدا ہی کا مال ہے۔

توپ اور ہاتھی کا نام سُن کر پائندہ خاں بہت خُوش ہُوا اور کہا: آپ کی میرے حال پر پرورش

عنایت ہے اور آپ سے رُخصت چاہی۔

ستھانے واپسی اُس وقت کوئی گھڑی دن باقی تھا۔ آپ نے بھی چلنے کی تیاری کی اور کہا کہ خان بھائی، ستھانہ دُور ہے، ہمارے لوگوں کو تکلیف ہوگی۔ اگر کہو، تو تمھارے عشرے میں رات بھر کے لیے اُتر لیں؛ پائندہ خاں کو اندیشہ ہُوا کہ مبادا وہاں جاکر اپنا قبضہ کرلیں۔ اُس نے ہاتھ جوڑ کر عرض کیا کہ آپ ستھانے تشریف لے جائیں، ہیں وُہیں آپ کے لیے دعوت بھیجوں گا جنگل میں جو اُس نے کئی سَو پیادے چھپا رکھے تھے، وُہ اُس وقت تک چھپے رہے۔ جب سیّد صاحبؒ ستھانے کی طرف روانہ ہُوئے اور پائندہ خاں اُنھیں کی طرف۔ تو وُہ اس جنگل سے نکلے اور سواروں میں شریک ہو گئے۔

سیّد صاحبؒ ایک دِیندار عالم سے ملنے موضع چُنپٹی میں تشریف لے گئے[1] اور مولانا اسمٰعیل صاحب سب لوگوں کو لے کر کھنبل روانہ ہُوئے۔

دُرّانیوں کا قلعۂ ہنڈ پر حملہ چُنپٹی میں ایک آدمی خبر لایا کہ سردار سُلطان مُحمّد خاں کو اُس کی ماں نے غیرت دلائی کہ تو بڑا بے غیرت ہے کہ تیرا بھائی یار مُحمّد خاں مارا گیا، تجھ سے اُس کا کچھ بھی تدارک نہ ہُوا! اس غیرت پر سردار سُلطان مُحمّد خاں نے اپنے بھائی پیر مُحمّد خاں اور سید مُحمّد خاں کو متفق کرکے ہنڈ پر چڑھائی کی ایک فرنگی کیول نام، جو اُس کا نوکر تھا، وُہ بھی ساتھ آیا۔ قلعۂ ہنڈ میں پچاس ساٹھ مجاہدین تھے۔ اُنھوں نے مقابلہ کیا۔ جانبین سے خوب بندُوقیں اور شاہینیں چلتی رہیں۔ دُرّانیوں نے قابُو نہ پایا کہ قلعہ خالی کرالیں۔ اُن کے تردُّد کو دیکھ کر فرنگی مذکور نے سُلطان مُحمّد خاں سے کہا کہ ابھی تو پچاس ساٹھ آدمیوں سے مقابلہ ہے، اُن سے تم قلعہ نہیں لے سکتے، جب کسی طرف سے اُنھیں مدد آ جائے گی، تو اور بھی دُشوار ہوگا۔ اگر تم مجھ سے پکّا عہد و پیمان کرو کہ قلعہ کے خالی ہونے کے بعد ہم قلعہ والوں سے مزاحم نہ ہوں گے، تو مَیں اس کا کوئی راستہ نکالوں۔ خانِ ممدوح نے عہد کیا کہ ہم کو

---

[1] یہ عالم پہلے مانسہرے میں رہتے تھے سکھوں کے عمل دخل کے بعد وہاں سے ہجرت کرکے چُنپٹی میں آگئے تھے۔ صاحبِ درس گوشہ نشین بزرگ تھے۔ اِن اطراف میں اُنھیں کا فتویٰ معتبر تھا۔ (وقائع)

قلعہ خالی کرانے سے کام ہے، اُن کی مزاحمت سے کیا غرض؟ تم سے جو تدبیر ہو سکے، کرو۔ کیول نے قلعہ والوں کو پیغام بھیجا اور سمجھایا کہ تم چند آدمی کیوں مُفت میں اپنی جانیں ہلاک کرتے ہو؟ بہتر یہ ہے کہ تم قلعہ خالی کر دو۔ ہم تمھاری جانیں بچالیں گے۔ اُس کے عہد و پیمان پر اُن لوگوں نے قلعہ خالی کر دیا۔ سُلطان مُحمّد خاں نے بدعہدی کر کے اُن کو گرفتار کر لیا اور قلعہ میں اپنا بندوبست کر لیا۔ یہ سب معاملہ میرے سامنے ہو چکا تھا۔ تب مَیں اِدھر آپ کے پاس آیا۔

یہ حال سُن کر سیّد صاحبؒ نے اُسی وقت کھنبل میں مولانا اسمٰعیل صاحب کو سب ماجرا لکھا اور تاکید کی کہ خط دیکھتے ہی آپ سب آدمیوں کو لے کر موضع گَندف[1] میں آجائیے۔ اگلے روز سیّد صاحبؒ بھی وہیں تشریف لے گئے اور اُس کے اگلے روز وہاں سے سب لوگ کُوچ کر کے پنجتار کو روانہ ہُوئے۔

پُنجتار کے قریب فتح خاں پنجتاری آمد کی خبر سُن کر استقبال کے لیے چلا۔ راستے میں مُلاقات ہُوئی۔ فتح خاں نے ہَنڈ کے تخلیے کی تفصیل سُنائی اور کہا کہ کیول نے اخوند ظہُور اللہ کو اپنی ضمانت پر قلعہ خالی کرنے کی ترغیب دی۔ اخوند صاحب کو اُمید تھی کہ شاید آج کسی وقت ہماری مدد آجائے۔ اُنھوں نے وعدہ کیا کہ آج ہم اپنے لوگوں سے دریافت کر کے کل تم کو اس کا جواب دیں گے۔

مُجاہدین کی جوانمردی اگلے روز اخوند صاحب نے کہا کہ ہم لوگوں کو دُرّانیوں پر ہرگز اعتماد نہیں اور تُم اُن کے نوکر ہو، حاکم نہیں ہو۔ ہم لوگ اگرچہ تھوڑے ہَیں، مگر ہم کو اس میں کُچھ تردُّد نہیں۔ ہم تو اللہ کی راہ میں اپنی جانیں ہتھیلی پر لیے پھرتے ہَیں۔ اگر مارے گئے، تو اِنشاء اللہ درجۂ شہادت پائیں گے اور زندہ رہے، تو غازی کہلائیں گے۔ ہمارے لیے دونوں باتیں بہتر ہَیں۔ تم اس جھگڑے میں نہ پڑو، ہم لڑیں گے۔

کیول نے کہا: اخوند صاحب، تم سچ کہتے ہو۔ دُرّانی فی الحقیقت فریبی اور دغاباز ہَیں اور یہ بھی ہم جانتے ہیں کہ خلیفہ صاحب کے لوگ بڑے مردانے، شجاع اور اللہ والے ہَیں اور اپنی جان ہتھیلی پر لیے پھرتے ہیں۔ لیکن اس کا عہد و پیمان ہم سُچتہ کر چکے ہَیں اور ہم اپنی ضمانت کرتے ہَیں۔ اگر دُرّانی کچھ بدعہدی کریں گے، تو ہم تمھارے شریک ہیں۔ اخوند صاحب نے کہا کہ خیر، اگر تم نے اطمینان کر لیا

---

[1] یہ گندف پہاڑوں کے بیچ میں چُنپُنی سے پنجتار کے راستے پر واقع ہے (سیّد احمد شہیدؒ، ص ۱۵۴ ج ۲)

ہے، تو مضائقہ نہیں۔ ہم قلعہ خالی کر دیں گے۔ اخوند صاحب نے قلعہ خالی کر دیا۔

سلطان محمد خاں کی عہد شکنی | سُلطان محمد خاں نے قلعہ پر اپنا تسلط کر لیا اور مجاہدین کا اسباب اور ہتھیار چھین کر اُن کو گرفتار کر لیا۔ کیول نے کہا سردار، یہ بات نامناسب ہے۔ تم نے مجھ کو زبان دی ہے اور میں نے اُن کو اپنے ہاتھ سے نکالا ہے۔ تم اُن کو چھوڑ دو۔ سُلطان محمد خاں نے کچھ سماعت نہ کی۔ کیول ناخوش ہو کر نوشہرے چلا گیا۔ رات کو اخوند ظہور اللہ صاحب خدا جانے کس طرح قید سے نکل گئے۔ دُرانیوں نے صبح کو سب قیدیوں کو تین سواروں کے ضابطے کے ساتھ ہشت نگر بھیج دیا اور سب کے سامنے پکار کر کہہ دیا کہ اِن سب کو اپنے بھائی سردار یار محمد خاں کی قبر پر ذبح کروں گا۔ اب دُرانیوں کا لشکر ہریانے سے آ کر ہنڈ کے میدان میں پڑا ہے اور اُنھوں نے زیدہ، کنڈ اور شاہ منصور وغیرہ کو لُوٹ لیا اور جلا دیا ہے۔

سیّد صاحبؒ نے یہ سب حال سُن کر فرمایا کہ خدا کی مرضی، اُنھوں نے مسلمانوں کے ساتھ جو بدعہدی کی ہے، اُس کا اللہ تعالیٰ اُن سے عوض لے گا۔ مجھ کو امید ہے کہ اِنشاء اللہ وُہ سب ان مُوذیوں کے چنگل سے چھوٹ جائیں گے۔ پھر آپ مع لشکر پنجتار میں داخل ہُوئے اور سب لوگ اپنے اپنے مکانوں میں اُترے۔

ہنڈ کا تخلیہ | اگلے روز ظہر کی نماز کے بعد سیّد صاحبؒ نالے پر شیشموں کے درختوں کے نیچے (جہاں جُمعہ کی نماز ہوتی تھی) بیٹھے تھے اور صدہا مُجاہدین اور اُس نواح کے مُسلمان حاضر تھے۔ بعض بعض مُلکیوں کی زبانی افواہاً خبر معلوم ہُوئی کہ دُرانیوں کا ارادہ پنجتار پر حملہ کرنے کا ہے۔ سیّد صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، رسالدار عبدالحمید خاں، ارباب بہرام خاں، سردار فتح خاں اور اپنے بھانجے سیّد احمد علی صاحب کو بُلایا اور علٰحدہ بٹھا کر کچھ مشورہ کیا۔ اس کے بعد بآوازِ بلند سب کے سامنے فرمایا کہ دُرانی ہم پر پنجتار میں کیا حملہ کریں گے، ہم نے اُن کے پشاور پر لشکر بھیجنے کی تیاری اور تدبیر کی ہے، اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور عبدالحمید خاں رسالدار کی طرف مخاطب ہو کر بآوازِ بلند ارشاد فرمایا کہ ہمارے لشکر میں پانچ سَو کے قریب گھوڑے ہیں، ایک ایک گھوڑے پر دو دو آدمی

ہتھیار لگا کر سوار ہوں اور آج رات کو نمازِ عشا کے بعد پشاور کا راستہ لیں۔ سب سواروں کو خبر کر دو کہ جلد دو دو روز کی روٹیاں پکالیں اور تیار ہو لیں۔ یہ خبر جماعت جماعت کی گئی۔ وہ سب آپ کے حکم کے مطابق روٹیاں پکانے لگے۔

یہ خبر مخبروں نے دُرّانیوں کو پہنچائی کہ سیّد بادشاہ نے اپنے لشکر میں یہ تدبیر کی ہے ہم اُن کے سواروں کو روٹیاں پکاتے چھوڑ آئے ہیں۔ آج رات کو ضرور اُن کے سوار پشاور روانہ ہوں گے۔ یہ خبر سُن کر دُرّانیوں کے لشکر میں ہَل چل پڑ گیا اور سب لوگوں کو تردّد لاحق ہُوا کہ اُیسا نہ ہو کہ وہاں جا کر غازی ہمارے اہل و عیال کو پکڑ لیں اور شہر کو تباہ کر دیں۔ اُسی وقت سردار سلطان محمّد خاں نے اپنے بھائی سردار سید محمّد خاں کو ہَنڈ پر چھوڑا اور دونوں بھائی کئی ہزار سوار لے کر پشاور کو روانہ ہو گئے اور پشاور ہی میں جا کر دم لیا۔ اُن کے بعد سردار سید محمد خاں نے خادی خاں کے بھائی امیر خاں کو بُلا کر کہا کہ ہم تو اب یہاں سے روانہ ہوتے ہیں، اگر تم سے ہو سکے، تو اپنے بھائی کے قلعے کو سنبھالو، نہیں تو تم جانو۔ یہ کہہ کر اُس نے کُوچ کیا اور پشت نگر جا کر دم لیا اور قلعۂ ہَنڈ میں نام کو بھی کوئی دُرّانی نہ رہا۔

اِدھر پنجتار میں مجاہدین روٹیاں پکا کر کمر باندھے اپنے ساز و سامان کے ساتھ تین پہر رات گئے تک کُوچ کے منتظر بیٹھے رہے۔ اس عرصے میں سیّد صاحبؒ کے پاس خبر آئی کہ دُرّانیوں کا لشکر ہَنڈ کے میدان سے پشاور کی طرف کوچ کر گیا۔ اب وہاں کوئی بھی نہیں۔ سیّد صاحبؒ نے کہا: الحمد للہ! اور سر کھول کر بڑے الحاح و زاری کے ساتھ دُعا کی۔ کچھ دیر میں دُوسرا شخص بھی یہی خبر لایا اور صُبح کی اذان ہُوئی۔ تیسری مرتبہ یہ خبر آئی کہ سردار سید محمّد خاں قلعہ امیر خاں کو سپرد کر کے اپنے لوگوں کو لے کر چلا گیا۔ فجر کی نماز پڑھ کر سیّد صاحبؒ نے سب کے ساتھ دوبارہ دُعا کی اور سواروں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بلا ٹال دی۔ اب کمر کھول ڈالو۔ اُس وقت لوگوں کو معلوم ہُوا کہ آپ نے یہ تدبیر صرف دُرّانیوں کے بھگانے کے لیے کی تھی۔

قیدیوں کی رہائی اگلے روز ایک مُلکی نے آکر خبر دی کہ مَیں نے بعض لوگوں کی زبانی سُنا ہے کہ دُرّانیوں

نے جن لوگوں کو قلعہ ہنڈ سے نکال کر قید کر کے ہشت نگر میں پہنچا دیا تھا، وہ سید محمد خاں کے پہنچنے سے پہلے نکل گئے۔ یہ خبر سُن کر سید صاحبؒ بہت ہی خوش ہوئے اور فرمایا: الحمد للہ کہ کیا عجب ہے کہ اُس قادرِ مطلق نے اپنے عاجز بندوں کو ان موذیوں کے پنجے سے رہائی بخشی ہو۔ جنابِ الٰہی سے ہم کو یہی اُمید ہے۔ دوسرے یا تیسرے دن محمد خاں جمعدار پنجابی اٹھارہ یا بیس آدمیوں کے ساتھ آئے۔ سید صاحبؒ اور سب لوگوں سے مُلاقات کی۔ لشکر کے تمام لوگ اُن کو دیکھ کر خوش ہوئے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن موذیوں سے بچا لیا۔ سید صاحبؒ نے محمد خاں سے پُوچھا کہ تمھارے باقی ہمراہی کہاں ہیں؟ اُنھوں نے کہا: وہ ندامت کے مارے آپ کے پاس نہیں آسکے کہ اب جا کر کیا مُنہ دکھائیں؟ وُہ ہم کو بھی غیرت اور شرم دلاتے تھے کہ تم بھی نہ جاؤ۔ مگر ہم نے کہا کہ ہم تو وہیں جائیں گے، ہمارا تو مرنا جینا آپ ہی کے ساتھ ہے۔ سید صاحبؒ نے فرمایا: جزاکم اللہ! تُم نے خُوب کام کیا، جو یہاں چلے آئے۔ اس میں شرم و ندامت کی کیا بات ہے؟

پھر سید صاحبؒ نے اُن سے اُن کی خلاصی کا سبب پُوچھا۔ اُنھوں نے کہا کہ جب ہم کو دُرّانی ہنڈ سے ہَریانے لے گئے، ہمارے ہتھیار چھین لیے اور ہمیں گرفتار کر لیا۔ رات کو اخوند ظہور اللہ صاحب کسی تدبیر سے نکل گئے۔ جب سُلطان محمد خاں کو یہ خبر ہُوئی، تو اُس نے ہم سب کو سخت قید کر کے تین سَو سواروں کے ضابطے کے ساتھ ہشت نگر کو روانہ کر دیا اور ہم سب کو سُنانے کے لیے کہا کہ ان لوگوں کو بڑی حفاظت کے ساتھ لے جاؤ، جب ہم پشاور جائیں گے، تو ان سب کو اپنے بھائی یار محمد خاں کی قبر کے گرد پھرا کر ذبح کریں گے۔ وہ ہم کو لے گئے اور ہشت نگر میں ایک مکان میں قید کر دیا اور دروازہ بند کر کے پہرہ لگا دیا۔ ہم سب حواس باختہ تھے۔ ہم نے مشورہ کیا کہ یہاں سے نکلنے کی کوئی تدبیر کرنی چاہیے۔ آخر تو یہ موذی ہم کو ذِلّت کے ساتھ ماریں گے۔ ہم یہاں سے کسی تدبیر سے نکل چلیں۔ اگر اُن کو معلوم ہو جائے، تو ہم اُن کا مقابلہ کرتے اور لڑتے بھڑتے نکل جائیں۔ سب نے کہا کہ تم ہمارے سردار ہو، تمھیں کوئی تدبیر کرو۔ میں نے اس چھُرے سے اس مکان کے پچھواڑے کی دیوار، جو مٹی اور پتھر کی تھی کھودنی شروع کر دی۔ آدھی رات کے قریب آدمی نکلنے کا راستہ ہو گیا اور ہم لوگ ٹولی

باندھ کر چلے۔ جب بستی کے باہر پہنچے، تب شاید بستی والوں میں سے کسی نے ہم کو دیکھ لیا اور یکبارگی شور و غُل ہُوا کہ سیّد بادشاہ کا چھاپہ آپہنچا۔ پھر ہم کو نہیں معلوم کہ وہاں کیا ہُوا۔

سکھ لشکر کے مُسلمان عُہدہ داروں سے تعلقات اور خط و کتابت

میاں دین مُحمّد کو بعض ضرورتوں سے سیّد صاحبؒ نے ہندوستان روانہ فرمایا اور سکھ لشکر کے مسلمان عُہدہ داروں کے نام خطُوط لکھ کر دیے۔ میاں دین مُحمّد حضورِ لشکر میں جا کر ٹھیرے اور مُحمّد سعید خاں کے ڈیرے میں اُترے۔ جو لوگ سیّد صاحبؒ سے اعتقاد و اخلاص رکھتے تھے، وہ سب آ کر ملے۔ میاں دین مُحمّد نے ہر ایک کو سیّد صاحبؒ کا پیام پہنچایا اور اُن کے نام کے تبّتیس خط دیے۔

○

اٹھارھواں باب

پائندہ خاں کی مزاحمت اور عشرہ اور امب کی جنگیں

کشمیر کا مشورہ ملکیوں کی زبانی متواتر خبریں آنے لگیں کہ خادی خاں کا بھائی امیر خاں حضرو سے سات سو سکھ لایا ہے اور اب قلعۂ ہنڈ میں انھیں کا بندوبست ہے۔ یہ سُن کر سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے؟ اس میں اللہ کی حکمت ہے۔ اب کی بار انشاء اللہ سکھوں سے ہم ہنڈ خالی کرالیں گے۔

اس کے کئی روز کے بعد جا بجا سے خبریں آنے لگیں کہ ملک سمہ کے اکثر ملک اور خوانین سکھوں سے مل کر اُن کے تابعدار ہو گئے ہیں اور فتح خاں اُن کے بھائی ارسلاں خاں (زیدہ والے) ابراہیم خاں، اُن کے بھائی اسمٰعیل خاں (کلابٹ والے) عشرہ والے مردان خاں اور کوٹھئی والے مُلّا سیّد میر وغیرہ، جن کو سکھوں کی اطاعت ناگوار تھی، اپنے گاؤں چھوڑ کر پہاڑوں پر چلے گئے۔ پائندہ خاں نے اپنے بھائی امیر خاں کو پنجتار سے بُلا لیا اور سیّد صاحبؒ کی اطاعت میں پس و پیش کرنے لگا اور بغاوت کے آثار ظاہر ہوئے۔ اِدھر ناصر خاں بھٹ گرامی، مدد خاں (برادر پائندہ خاں) راجہ پارس، وکیل سُلطان زبردست خاں وغیرہ نے کشمیر کی طرف رُخ کرنے کا مشورہ دیا اور کہا کہ اس مُلک کے سرداروں کی ایک مدّت سے عرضداشتیں آ رہی ہیں کہ

آپ ادھر تشریف فرما ہوں یا اپنے کچھ لوگ روانہ فرمائیں۔ ہم سب آپ کے فرماں بردار ہیں پھر مشورہ سے یہ طے ہُوا کہ پہلے چند لوگ مظفّر آباد روانہ کیے جائیں کہ وُہ گویا ملک کشمیر کا دروازہ ہے اس سے راستے کی حالت بھی معلوم ہو جائے گی اور اس ملک کے لوگوں کا انداز بھی ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ تشریف لے چلیں۔

سیّد صاحبؒ نے مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب کو مظفّر آباد کے لیے تجویز فرمایا اور قندھاری اور پنجابی اور تقریباً دو سَو ہندوستانی آپ کی ہمراہی کے لیے مُقرر کیے اور مولوی خیر الدین صاحب کو آپ کا نائب مُقرر کیا۔

پائندہ خاں کا انکار مولانا پنجتار سے چل کر تیسرے روز سید اکبر صاحب کے مکان پرستھانے پہنچے۔ اگلے روز مولانا نے اپنا ایک آدمی خط دے کر پائندہ خاں کے پاس روانہ کیا کہ کل ہم اتنے آدمیوں سے تمہارے یہاں آئیں گے، کشتیاں تیار رکھنا، ہم کو سیّد صاحب نے پکھلی کی طرف روانہ کیا ہے۔ اُس نے جواب دیا کہ مَیں تو سیّد بادشاہ کا تابعدار ہوں۔ آپ کا یہاں آنا میرے لیے باعثِ سرفرازی تھا، لیکن اگر آپ اس طرف سے ہو کر دریا اُتریں گے، تو ہری سنگھ ہم کو تکلیف دے گا۔ ادھر سے آپ کا جانا مناسب نہیں ہے۔ پائندہ خاں اور سکھوں کے درمیان ہمیشہ نا موافقت ہی رہتی تھی۔ اس لیے پائندہ خاں کا یہ عُذر صحیح نہیں تھا۔ مولانا نے جواب دیا کہ سکھوں کی تم سے صُلح اور موافقت کب تھی، جو اَب تم کو اُن کی مخالفت کا خوف ہے؟ اور سیّد بادشاہ کی فرماں برداری کے کیا یہی معنی ہیں، جو تم کہتے ہو؟ ہم کو تو سیّد صاحبؒ نے بھیجا ہے اور جانے سے غرض ہے۔ اگر تم امب میں سے ہو کر نہ جانے دو گے، تو ہم بھیٹ گلی میں ہو کر چلے جائیں گے[1]، مگر تم کو ہمارے راستے میں حارج نہیں ہونا چاہیے، اس لیے کہ تُم نے سیّد صاحبؒ کی اطاعت کا اقرار کیا ہے اور اُن کو اپنا امام گردانا ہے۔

---

[1] ایک بڑا نالہ مہابن سے نکل کر مختلف مقامات کے چکر لگاتا ہُوا امب اور ستھانے کے عین وسط میں پہاڑ سے باہر نکل کر دریا میں ملا ہے اس کا نام "بھیٹ گلی" ہے۔ یہ بارہ تیرہ میل سے کم لمبا نہ ہوگا۔ (سیّد احمد شہیدؒ ج ۲ ص ۱۶۱)

جب یہ خط پائندہ خاں کو ملا، تو وُہ بہت برہم ہُوا۔ اُس نے صاف صاف لکھ کر بھیج دیا کہ بہتر یہی ہے کہ آپ میری عملداری میں سے ہو کر نہ جائیں، خواہ امب ہو، خواہ بھیٹ گلی، اور جو آپ نہ مانیں گے، تو بیشک لڑائی ہوگی۔

مولانا کی مراجعت | مولانا نے یہ خط پنجتار سیّد صاحبؒ کے پاس بھیج دیا۔ سیّد صاحبؒ نے ان لوگوں سے مشورہ کیا، جن لوگوں نے کشمیر کی رائے دی تھی۔ اُنھوں نے کہا کہ مولانا کا واپس آنا تو مناسب نہیں ہے جس طرح ممکن ہو، مولانا آگے روانہ ہوں۔ پھر آپ یہاں سے تشریف لے چلیں۔ آپ نے فرمایا کہ بھائیو، ہم کو تو مُسلمان سے لڑائی منظور نہیں۔ مگر اس طرف جانا بھی ضرور ہے۔ اس کے لیے مناسب یہ ہے کہ میاں صاحب (مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب) کو یہاں بُلا لیں۔ اس کے بعد ہم پائندہ خاں کو خط لکھ کر للّٰہ فی اللّٰہ ایک دو بار سمجھائیں گے۔ اگر اُس نے مان لیا، تو بہت اچھّا، ورنہ جیسا کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔ آپ نے مولانا کو پنجتار بُلا لیا اور وُہ تشریف لے آئے۔

پائندہ خاں کو خط اور اُس کا جواب | جب مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب ستھانے سے واپس آئے اور پائندہ خاں نے اپنے مُلک میں ہو کر جانے نہیں دیا، تو سیّد صاحبؒ نے اپنے خاص لوگوں کو جمع کر کے فرمایا کہ جس بات کا ہم ارادہ کرتے ہیں، یہاں کے ایک نہ ایک مسلمان بھائی حارج ہو جاتے ہیں اور وہ کام ہونے نہیں پاتا۔ چنانچہ یہی پائندہ خاں ہے کہ اُس نے ہمارے لوگوں کو اپنی عملداری میں آنے سے روکا اور ہم کو مسلمانوں سے حتی الامکان لڑنا منظور نہیں اور جو وہ اپنی شرارت سے باز نہ رہے، تو مجبوری کی بات ہے۔ مگر ہم چاہتے ہیں کہ ایک بار اُس کو اور فہمائش کر لیں اور اُس پر حُجّتِ شرعی قائم کر دیں۔

آپ نے مولانا سے فرمایا کہ آپ ہماری طرف سے پائندہ خاں کو اس مضمون کا ایک خط لکھ کر بھیج دیں کہ ہم دین کے کام کے واسطے تمھاری عملداری میں سے ہو کر جانے کا ارادہ رکھتے ہیں کہ دریا سے اُتر کر چلے جائیں۔ اس کے سوا ہماری کوئی غرض نہیں اور تم نے ہماری اطاعت

کا اقرار کیا ہے۔ تم کو لازم ہے کہ تم ہمارے ساتھ شرکت کرو اور جو تم سے یہ نہ ہو سکے، تو ہمارے حارج بھی نہ ہو۔ یہ بھی تمہارا ایک طرح کا احسان ہوگا۔

مولانا نے اس مضمون کا ایک خط لکھ کر پائندہ خاں کے پاس بھیج دیا۔ اُس کے جواب میں اُس نے لکھا کہ مَیں سب طرح سے آپ کا خادم اور فرماں بردار ہوں، مگر یہ مجھ کو منظور نہیں کہ آپ ادھر تشریف لائیں۔ آپ ہرگز ہرگز اس طرف کا ارادہ نہ فرمائیں اور جو آپ آئیں، تو ہوشیار ہو کر آئیں۔

حملے کی تیاری | آپ نے پائندہ خاں کا یہ جواب اس مُلک کے عُلماء کے سامنے، جو وہاں لشکر میں تھے، پڑھوایا۔ اُنھوں نے کہا کہ اس خط کے مضمون سے تو وُہ صاف باغی ہو گیا۔ اُس پر جہاد کرنا دُرست ہے۔ آپ نے اپنے خاص لوگوں سے مشورہ کیا کہ ہمارے لشکر میں جو توپیں ہیں، اُن کو موقع سے کسی جگہ دبا دینا چاہیے۔ آپ نے اُن کے دبانے کی جگہ تجویز کر کے چند معتبر اور امانت دار لوگوں کو بُلایا اور اُن سے عہد و پیمان لیا کہ اس راز کو سوا تمہارے دوسرا نہ جانے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی امانت ہے۔ اس میں جو کوئی تم میں سے خیانت کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ کا خائن ہوگا۔ پھر آپ نے ان توپوں کے دبانے کی جگہ بتا دی۔ وہ اس کے کھودنے میں مشغول ہُوئے اور لشکر میں اعلان کر دیا گیا کہ لوگ اپنا ضروری اسباب دُرست کر لیں، اُونٹ پر چڑھائی ہے۔ اور شیخ ولی محمّد صاحب کو حُکم بھجوا دیا گیا کہ لشکر میں جس بھائی کے پاس ضروری سامان نہ ہو، اُس کو بنوا دیجیے۔ پھر آپ نے مولوی احمد اللہ صاحب سے، جو توپ خانے کے داروغہ تھے، فرمایا کہ سب توپیں توپ خانہ سے یہاں لشکر میں کھچوا لاؤ، اُن کا بھی ساز و سامان دیکھنا ہے۔ مولوی (احمد اللہ) صاحب نے وہاں سے توپیں لا کر لشکر میں کھڑی کر دیں۔ دو روز وہ توپیں لشکر میں رہیں۔ تیسرے روز اُن معتمد لوگوں کے ذریعے، جن سے عہد و پیمان لیے گئے تھے، اُن کو دفن کرا دیا گیا۔

اس کے بعد ایک روز آپ نے سیّد احمد علی صاحب اور عبد الحمید خاں رسالدار کو بُلایا اور سیّد احمد علی صاحب سے فرمایا کہ ہم نے تم کو عبد الحمید خاں صاحب اور اُن کے سواروں پر

امیر کیا۔ کل یہاں سے ان سب کو ساتھ لے کر ستھانے جاؤ اور وہاں ٹھیرو۔ وہاں تم کو ہمارا جو کچھ حکم پہنچے، اُس کے موافق کرنا۔

سیّد احمد علی صاحب کے خط سے، جو اُنھوں نے ستھانے پہنچ کر لکھا، معلوم ہُوا کہ پائندہ خاں جنگ کے لیے آمادہ ہے۔ آپ نے فتح خاں کے مشورے سے موضع دکھاڑا میں، جو پنجتار سے ڈھائی تین کوس کے فاصلے پر پہاڑ پر واقع ہے، اپنے اور مُجاہدین کے اہل وعیال کو پہنچا دیا اور اُن کی خدمت کے لیے شیخ حسن علی اور چند آدمیوں کو تجویز کیا۔

اس کے بعد آپ نے سب مجاہدین کے ساتھ پنجتار سے کُوچ کیا۔ دو روز چنپئی میں قیام فرمایا اور معززین اور افسرانِ فوج کو جمع کیا اور اُن سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم نے تُم سب لوگوں پر میاں صاحب (مولانا محمد اسمٰعیل) کو امیر کیا۔ جو کچھ تم کو وُہ حکم کریں، بلا انکار بجا لانا۔ اور مولانا سے فرمایا کہ آپ اپنی طرف سے لڑائی میں سہل نہ کریں۔ اگر دُوسری جانب سے پیشقدمی ہو، تو پھر آپ کو اختیار ہے۔ آپ نے اُن کو ہدایات دے کر اور دُعاءِ خیر فرما کر مَداخیل[1] کی طرف رخصت فرمایا اور سات یا آٹھ آدمی اپنے ساتھ رہنے دیے۔

مولانا کے انتظامات | مولانا نے دو سَو مجاہدین، جو خاص اور معتمد لوگ تھے، راستے میں دَگیڑہ[2] میں چھوڑے اور باقی لوگ اپنے ساتھ لے کر فرُوسہ میں قیام فرمایا۔ پائندہ خاں کو خبر ہُوئی کہ دَگیڑہ اور فرُوسہ میں سیّد صاحبؒ کا لشکر داخل ہُوا۔ پائندہ خاں نے اپنے مشیروں سے کہا کہ دَگیڑہ اور فرُوسہ میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پیادوں کی فوج لے کر آ گئے اور اِدھر ستھانے میں سیّد احمد علی صاحب سواروں کے لشکر کے ساتھ ہیں۔ اب کیا تدبیر کرنی چاہیے؟ مشیروں نے کہا کہ مناسب یہ معلوم ہوتا ہے کہ کچھ لوگ موضع کَنیرڑی[3] کے پہاڑ پر بھیجے جائیں تاکہ غازیوں کی کمک

---

[1] مَداخیل ایک قوم کا نام ہے جو اس علاقے میں آباد ہے [2] بھیٹ گلی کے آغاز میں اس کے مغربی کنارے پر دَگیڑہ ہے اور اس سے دو تین میل نیچے فرُوسہ ہے۔ دریا میں داخل ہونے کے مقام پر ٹیلے کے اوپر عشرہ آباد ہے۔ اس کا فاصلہ امب اور ستھانے سے یکساں ہے۔ (سیّد احمد شہیدؒ ۲: ۱۶۱) [3] یہ عشرہ کے مقام بھیٹ گلی کے مغربی کنارے پر دَرہ کے اندر ایک اونچا ٹیلہ ہے جس کی حیثیت ایک بُرج کی سی ہے، یہ بارہ سو فٹ اونچا ہوگا، اس کا نام کوہ کنیرڑی ہے اور اس پر کنیرڑی نام گاؤں آباد ہے۔ (سید احمد شہید ص ۱۶۱)

آنے کا راستہ بند ہو جائے اور ستھانے کے سواروں کے مقابلے کے لیے عشرہ کے میدان میں سوار بھیجے جائیں اور باقی لشکر کے ساتھ دیگڑہ اور فردوسہ کی فوج کا مقابلہ آپ کیجیے۔

یہ تمام خبر مخبروں نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو دی۔ پائندہ خاں کے بھائی مدد خاں نے مولانا سے عرض کیا کہ آپ اسی وقت اپنے آدمی موضع کنیرڑئی کو روانہ کریں کہ اس پر قبضہ کرلیں، ورنہ اگر پائندہ خاں کے لوگ وہاں آجائیں گے، تو پھر ویسا ہی ہوگا، جیسا انھوں نے مشورہ کیا ہے۔ مولانا نے اسی وقت اپنے آدمی بھیج کر دیگڑہ کے غازیوں کو اپنے پاس بلوا لیا اور اُن سب سے پکار کر کہا کہ ہم نے تم سب پر ارباب بہرام خاں کو امیر کیا۔ اُن کے بعد مولوی خیر الدین کو، اُن کے بعد شیخ بلند بخت دیوبندی کو، اُن کے بعد امام خاں خیر آبادی کو، اور جب اُن میں سے کوئی نہ ہو، تب تم سب کو اختیار ہے۔ جس کو چاہنا، امیر بنا لینا۔

پھر ارباب بہرام خاں، مولوی خیر الدین، شیخ بلند بخت اور امام خاں کو الگ بلا کر فرمایا کہ تم یہاں سے سب لوگوں کو ساتھ لیے ہوئے مدد خاں کے ساتھ کنیرڑئی کے پہاڑ پر جاؤ اور جس جگہ مدد خاں تم کو مقرر کر دیں، وہاں اپنا بندوبست کر کے ہوشیاری سے جمے رہنا۔ کل صبح کو تم ادھر عشرہ کو اُترنا اور ہم ادھر سے اُس کی طرف اُتریں گے اور ہم سید احمد علی صاحب کو لکھتے ہیں وہ بھی تمھاری مدد کے لیے عشرہ کی طرف آئیں گے۔ پھر دعاءِ خیر کر کے اُن کو رخصت کیا اور سید احمد علی صاحب کو اس کی اطلاع کی۔[1]

پائندہ خاں کا فریب | سید احمد علی صاحب نے کھبّل سے پیر خاں کو مع جماعت کے بلوا لیا۔ پائندہ خاں کو اُس کے مخبروں نے اِس کی اطلاع پہنچائی۔ پائندہ خاں نے اپنے مشیروں سے کہا کہ اب

---

[1] مہر صاحب "سید احمد شہید" میں لکھتے ہیں:

"جو لوگ اب تک اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ غازی محض علمائے دین تھے اور انھیں فنونِ حرب سے چنداں آگاہی نہ تھی، وہ محض اس جنگی نقشے کو دیکھ کر اندازہ فرما سکتے ہیں کہ غازیوں کی مہارتِ حربیات کا درجہ کتنا بلند تھا۔ سید عبدالجبار شاہ ستھانوی کو میں نے یہ تفصیلات سنائیں، تو انھوں نے فرمایا کہ جو مقاصد مولانا کے سامنے تھے، اُن کے حصول کے لیے اس سے بہتر نقشہ ذہن میں نہیں آسکتا۔ بڑے سے بڑا جرنیل بھی ان مقاصد کے لیے وہی نقشۂ جنگ بناتے گا، جو مولانا نے بنایا۔" (ص ۱۶۳)

تو اُس تدبیر کا وقت نہیں رہا۔ اب کیا کیا جائے؟

اُنھوں نے کہا کہ اب یہ تدبیر ہمارے خیال میں آتی ہے کہ آپ ایک خط سیّد بادشاہ کو اور ایک مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اس مضمون کا لکھیے کہ ہم آپ کے فرماں بردار ہیں۔ آپ کی جناب میں جو کچھ قصور ہوا ہے، للہ آپ معاف فرمائیں۔ ہم اپنی گستاخی سے توبہ کرتے ہیں اور آپ سے صُلح چاہتے ہیں۔ کل آپ فُروسہ سے دس پانچ آدمی لے کر ادھر بانڈے[1] میں تشریف لائیں اور اسی قدر آدمیوں کے ساتھ میں بھی آپ کی مُلاقات کے واسطے حاضر ہوں گا۔ اس کا فائدہ یہ ہوگا کہ جب یہ خط مولانا صاحب کو پہنچے گا، تو اسے دیکھ کر وُہ جا بجا اپنے لوگوں کو آنے سے روک دیں گے اور صبح کو وہ بانڈے میں آپ کی ملاقات کے منتظر رہیں گے۔ آپ اپنے سوار اور پیادے لے کر کنیر ٹئی کے پہاڑ پر چلے جائیے۔ وہاں سَو، دو سَو، جو اُن کے غازی ہیں، اُن کو مار لیجیے۔ یہی لوگ اُن کے خواص اور معتمد ہیں۔ جب آپ اُن کو مار لیں گے، تو اُن کا تمام لشکر پراگندہ ہو جائے گا اور آپ کے مقابلہ کو نہیں آئے گا اور رحمت خاں بھیٹ گلی والا بھی یہاں حاضر ہے۔ اُس کو اسی وقت کچھ لوگوں کے ساتھ یہ کہہ کر بانڈے میں بھیج دیجیے کہ جب مولانا صاحب صُبح کو وہاں آئیں، تو کسی حکمتِ عملی سے اُن کو گرفتار کر لیں۔ اس تدبیر کے سوا اس وقت اور کوئی تدبیر نہیں۔ اگر یہ فریب چل گیا، تو پھر کیا کہنا ہے اور جو نہ چلا، تو پھر جیسا کچھ ہوگا، دیکھا جائے گا۔

پائندہ خاں نے ان کے اس فریب کو بہت پسند کیا اور اسی وقت رات ہی کو ایک خط اس مضمون کا لکھ کر مولانا کے پاس اپنے ایک آدمی کے ہاتھ روانہ کیا اور ایک خط عُذر و معذرت اور تابعداری و اطاعت کا لکھ کر سیّد صاحبؒ کے پاس ارسال کیا اور رحمت خاں کو اُسی وقت چند آدمیوں کے ساتھ وُہ تدبیر سمجھا کر بانڈے کو روانہ کیا۔ جب مولانا کو وُہ خطوط کو پہنچا، تو آپ اس خط کو پڑھ کر نہایت خوش ہوئے اور اپنے لوگوں کو پڑھ کر سُنایا اور فرمایا کہ ہم تو خدا سے یہ چاہتے تھے کہ پائندہ خاں ہم سے موافق ہو جائے اور لڑائی کی نوبت نہ آئے۔

---

[1] یہ مقام فروسہ سے قریب امب کی سمت ہے۔ (سیّد احمد شہیدؒ ص ۱۶۳ ج ۲)

اسی وقت ایک خط اپنا اور پائندہ خاں کا نقل کر کے ارباب بہرام خاں کے پاس روانہ کیا کہ کل صبح کو وہیں ہوشیاری سے رہنا۔ جب تک ہمارا دُوسرا خط تمہارے پاس نہ آئے، نیچے نہ اُترنا اس لیے کہ پائندہ خاں نے صُلح کا پیغام بھیجا ہے اور ہم کو بھی یہی منظور ہے۔ اسی مضمون کا ایک خط سیّد احمد علی صاحب کو لکھا کہ جب تک ہمارا دُوسرا خط نہ پہنچے، آپ ستھانے سے ابھی کُوچ نہ کریں اور جو شاید کُوچ کیا ہو، تو وہیں پلٹ جائیں۔ اسی کے ساتھ پائندہ خاں کا خط بھی نقل کر کے ہمراہ کیا۔

وہاں سیّد احمد علی صاحب نے پہلے خط کے مضمون کے بموجب کہ آپ صُبح عشرہ کے مَیدان میں داخل ہو جائیے اور اِدھر کنیر ڑئی کے پہاڑ سے ارباب بہرام خاں اپنے لوگ لے کر عشرہ کی طرف اُتریں گے، اپنے تمام سواروں میں حُکم بھجوا دیا تھا کہ صُبح کو سب اپنے گھوڑے تیار کر کے ہتھیار لگا کر فجر کی نماز پڑھیں۔ چنانچہ سب نے اسی حکم کے مطابق گھوڑے تیار کر کے ہتھیار لگا کر فجر کی نماز اوّل وقت پڑھی اور سب ڈیرے ڈنڈے لپیٹ کر سیّد اکبر شاہ کے مکان پر رکھ دیے اور آٹھ آدمی کا ایک پہرا وہاں مقرر کر دیا اور سیّد احمد علی صاحب نے سواروں اور پیادوں کے ساتھ کوچ کیا۔ سیّد اکبر صاحب بھی اپنے چند لوگوں کے ساتھ لشکر کے ہمراہ ہُوئے۔

جاتے جاتے جب عشرہ آدھے کوس یا پون کوس کے قریب رہ گیا، تو اُنھوں نے دیکھا کہ پائندہ خاں کا تمام لشکر امب کے مَیدان میں جما کھڑا ہے۔ اس عرصے میں مولانا کا آدمی وہی خط لے کر سیّد احمد علی صاحب کے پاس آیا۔ سیّد احمد علی صاحب نے خط پڑھا اور اپنے دل میں بہت متردّد ہُوئے۔ رسالدار عبدالحمید خاں اور سید اکبر صاحب کو بُلایا اور خط پڑھ کر سُنایا اور کہا کہ مولانا صاحب نے اس میں لکھا ہے کہ جب تک ہمارا دُوسرا خط نہ آئے، تم ستھانے سے ابھی کوچ نہ کرنا اور جو کوچ کیا ہو، تو پلٹ جانا۔ اب تو مناسب یہی ہے کہ یہاں سے پلٹ چلیں۔

رسالدار اور سید اکبر صاحب نے کہا کہ یہ پائندہ خاں کا محض فریب ہے۔ اُس نے مولانا صاحب کو دھوکا دیا ہے، کیونکہ اُس کا لشکر سامنے امب کے مَیدان میں تیار کھڑا ہے۔ اس لیے

یہاں سے پلٹنا تو مناسب نہیں معلوم ہوتا ہے۔ ایسا ہی ہے، تو آپ اسی جگہ ٹھیر جائیں، دیکھیں کیا معاملہ ہوتا ہے۔ سید احمد علی صاحب نے کہا: ہم کو اس بات سے کچھ کام نہیں ہے، ہم تو اُن کے حکم کے موافق کام کریں گے۔ سید اکبر صاحب نے دوبارہ کہا کہ سید احمد علی صاحب آپ کہتے ہیں کہ ہم کو اس طرح لکھا ہے۔ خیر، بجا لکھا ہے۔ ہم آپ کے فرماں بردار اور بہرحال شریکِ کار ہیں، لیکن پائندہ خاں کے حیلہ و فریب سے خوب واقف ہیں، کیونکہ ہمیں تو اس سے دن رات واسطہ پڑتا ہے۔ مَیں اس کے فریب کا اس طرح مشاہدہ کر رہا ہوں، جس طرح اپنا ہاتھ دیکھتا ہوں۔ میرے نزدیک یہی مناسب ہے کہ آپ اسی جگہ ڈیرا کر دیں اور جو کچھ مَیں عرض کر رہا ہوں، دو چار گھڑی کے اندر ہی اس کو بچشمِ خود دیکھ لیں اور اگر یہاں سے ستھانے ہی کو چلیں، تو بسم اللہ، ہم آپ کے ہمراہ ہیں۔ اطاعت میں فرق نہ آئے گا۔

سید احمد علی صاحب نے فرمایا کہ بھائی سید اکبر، آپ بجا کہتے ہیں، میرا بھی یہی خیال ہے، لیکن اطاعت سے ناچار ہوں۔ یہ کہہ کر وہاں سے گھوڑے کی باگ پھیری اور سب کو لے کر ستھانے کی طرف روانہ ہو گئے۔

کوہ کنیرڑئی کی جنگ | ستھانے پہنچ کر سب سوار اپنے اپنے گھوڑے کی باگ پکڑے کھڑے رہے۔ دو تین گھڑی کا عرصہ ہُوا ہوگا کہ کنیرڑئی کی طرف سے ایک ایک دو دو بندوق کی آوازیں آنے لگیں۔ سید اکبر صاحب نے کہا: دیکھیے، کنیرڑئی میں لڑائی شروع ہو گئی اور بھی اکثر لوگوں نے یہی کہا۔ سید احمد علی صاحب نے فرمایا کہ ایک ایک، دو دو بندوقیں چلتی ہیں۔ کہیں کسی کے گھر بچہ پیدا ہُوا ہوگا۔ اگر لڑائی کی بندوقیں ہوتیں، تو باڑھ چلتی۔ ایسی ہی رد و بدل آپس میں رہی، یہاں تک کہ سب نے عصر کی نماز پڑھی۔ بندوقیں زیادہ چلنے لگیں۔

رسالدار عبدالحمید خاں کا اضطراب | رسالدار صاحب نے خفا ہو کر کہا کہ سید احمد علی صاحب، وہاں کنیرڑئی میں لڑائی ہو رہی ہے۔ ہمارے بھائی کٹ رہے ہوں گے۔ آپ یہاں تشریف رکھیے، ہم تو وہیں جاتے ہیں۔ یہ کہہ کر وہ گھوڑے پر سوار ہُوئے اور جتنے سوار تھے سب سوار

ہو گئے۔ سیّد احمد علی صاحب نے اُٹھ کر رسالدار کے گھوڑے کی باگ پکڑ لی اور مولانا صاحب کا وہی خط دکھایا اور فرمایا کہ تم اُن کا حکم نہیں مانتے، اپنی رائے سے کام کرتے ہو۔ یہ بات اچھی نہیں ہے۔ انھوں نے جھنجھلا کر جواب دیا کہ سیّد احمد علی صاحب، بڑے تعجّب کا مقام ہے، نہ تو آپ جاتے ہیں نہ ہم کو جانے دیتے ہیں۔ وہاں جو مسلمان ضائع ہوں گے، اُن کا مواخذہ اللہ تعالیٰ کے یہاں جو کچھ ہو، آپ جانیں۔ ہم بری الذّمہ ہیں۔ یہ کہہ کر اپنے گھوڑے سے اُتر پڑے اور سب سوار اُتر پڑے۔

عشرہ اور امب پر قبضہ رسالدار صاحب اُسی طرح چُپ چاپ غصّے میں بیٹھے رہے یہاں تک کہ مغرب کا وقت آیا۔ اس عرصے میں لشکر کے کئی آدمی رسالدار صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ اس وقت ایک سوار عشرہ کی طرف سے تیز چلا آرہا ہے خدا جانے، کچھ خبر لیے آتا ہے یا کیا بات ہے۔ یہ بات سُنتے ہی رسالدار صاحب اپنے گھوڑے پر سوار ہو گئے اور سب لوگوں سے بآوازِ بلند پکار کر کہا کہ بھائیو، ہوشیار اور تیّار ہو جاؤ۔ یہ سُن کر سب لوگ اپنے اپنے گھوڑوں پر سوار ہو گئے اور پیادے خبردار ہو گئے۔ کچھ عرصے میں وُہ سوار قریب آیا، تو معلوم ہُوا کہ وُہ کرم خاں تھا۔ خچر پر سوار تھا اور دُور ہی سے پکارتا ہُوا آرہا تھا کہ جلد تیار ہو کر چلو، غازیوں نے جنگ فتح کر کے عشرہ پر قبضہ کر لیا اور کوٹلہ بھی لے لیا ہو گا۔

اس وقت کچھ بھی دن باقی نہ تھا۔ سیّد احمد علی صاحب سوار اور پیدل سب کے ساتھ عشرہ کی طرف روانہ ہُوئے۔ عشا کے وقت عشرہ میں داخل ہُوئے۔ وہاں سُنا کہ مُجاہدین نے کوٹلہ بھی لے لیا اور امب میں شیخ ولی مُحمّد صاحب نے ڈیرا کیا۔ پائندہ خاں امب سے بھاگ کر چھترپائی کے گھاٹ سے دریائے سندھ اُتر گیا۔ امب کی گڑھی سے کچھ بندوقیں چل رہی تھیں، جن کی آواز عشرہ میں سُنی جاتی تھی، جس سے عشرہ کے مجاہدین کو تردُّد تھا کہ معلوم نہیں امب میں کیا ہو رہا ہے۔ سیّد احمد علی صاحب رسالدار عبدالحمید خاں اور اُن کے رسالے کو عشرہ میں چھوڑ کر امب روانہ ہو گئے۔ دوسرے دن صبح کو رسالدار صاحب بھی اپنے ساتھیوں سمیت امب میں

جا پہنچے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے ملے۔ اُس وقت امب کی گڑھی خالی نہیں ہُوئی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد گڑھی والوں نے چادر ہلائی اور امن کی درخواست کی اور اپنا اسباب اور ہتھیار لے کر سلامت نکل جانے کی اجازت چاہی۔

مولانا نے فرمایا کہ جو خاص تمہارا مال و اسباب ہو اور جو تمہارے اپنے ہتھیار ہوں، وُہ لے کر باہر نکل آؤ اور جو مال و اسباب یا ہتھیار سرکاری ہوں، وہ گڑھی میں رہنے دو۔ اگر اُس میں سے کچھ لے جاؤ گے، تو مُجرم ہو گے۔ اُنھوں نے کہا کہ آپ کا فرمانا ہم کو منظور ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ آپ سیّد بادشاہ کے لوگ بد عہدی نہیں کریں گے، مگر ہم چاہتے ہیں کہ آپ بھی آئیں اور مولانا صاحب کو بھی بلائیں، پھر ہم دروازہ کھولیں۔ مولانا نے سُن کر فرمایا کہ بہتر ہے۔ چنانچہ آپ اور شیخ ولی محمدؐ صاحب گڑھی کے دروازے پر گئے، گڑھی کا دروازہ انھوں نے بند کر کے چُن دیا تھا۔ اُنھوں نے وہ چُنی ہُوئی دیوار توڑ کر کھڑکی بھر کا راستہ کیا۔ دونوں صاحب گڑھی کے اندر گئے، تو انھوں نے دیکھا کہ سب لوگ اپنا اسباب لیے اور ہتھیار باندھے تیار کھڑے ہیں، مگر سب ہراساں ہیں۔ مولانا نے اور شیخ صاحب نے اُن کو تسلّی دی کہ اب تم سے ہمارا کوئی غازی مزاحم نہ ہو گا اور انھوں نے کہا کہ آپ ہماری حفاظت کے لیے چند غازی اِدھر اُدھر کھڑے کر دیں کہ ہم نکلیں۔ وُہ تنولی دو سَو کے قریب تھے۔ پھر وہ سب نکلے۔ مجاہدین نے اُن کو دریا پر لے جا کر کشتی پر سوار کر کے دریائے سندھ کے پار کر دیا۔

امب کی سرگزشت اِس لڑائی کا قصّہ یہ ہے کہ پائندہ خاں نے شبِ گزشتہ میں فریب کر کے مصالحت کی درخواست کا خط مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس فرُدسے میں بھیجا تھا۔ اس خط کے موافق مولانا نے اتنے ہی آدمی لے کر فرُدسے سے بانڈے کا قصد کیا۔ شیخ ولی محمدؐ صاحب اور قاضی حبّان صاحب نے کہا کہ ہم تو اس قدر تھوڑے آدمیوں کے ساتھ آپ کو جانے نہ دیں گے، اس لیے کہ پائندہ خاں کا کچھ اعتبار نہیں۔ شاید اس میں کچھ فریب ہو۔ اگر ایسے ہی آپ کو منظور ہو، تو اَور ابھی کچھ دیر آپ یہاں توقّف کریں جب پائندہ خاں خُود

اپنے وعدے کے مطابق آئے، تب آپ بھی وہاں تشریف لے جائیں، ورنہ ہم سب لوگ آپ کے ہمراہ رکاب چلیں۔ اس بنا پر مولانا تو فرُوسے میں رُک گئے اور امب کے میدان میں پائندہ خاں اپنا تمام لشکر لیے تیار کھڑا تھا اور اپنے رات کے مشورے کے موافق کنیر ڑئی کے غازیوں پر حملے کا ارادہ رکھتا تھا۔ اس عرصے میں سیّد احمد علی صاحب کے سواروں کا لشکر ستھانے کی گڑھی سے اُتر کر نمودار ہُوا، کیونکہ سیّد احمد علی صاحب کو مولانا کا دُوسرا خط ابھی نہیں ملا تھا۔ پائندہ خاں لشکر کو دیکھ کر اپنے دل میں متردّد ہُوا کہ شاید میرا رات کا فریب نہ چلا۔ وُہ اسی پس و پیش میں تھا کہ مولانا کا خط سیّد احمد علی صاحب کے پاس آیا۔ اس کو پڑھ کر وہ مع لشکر ستھانے کی طرف واپس ہو گئے۔

پائندہ خاں کو یقین ہُوا کہ ہمارا داؤں چل گیا۔ اُس نے کہا کہ بھائیو، یہی موقع ہے۔ اب کیا دیکھتے ہو؟ گھوڑوں کی باگیں اُٹھاؤ اور عشرہ کو چلو۔ یہ کہہ کر اُس نے اپنا گھوڑا آگے بڑھایا اور چلا۔ اس کے تمام سوار اور پیادے کچھ کم ہزار تھے۔ غازیوں نے جو کنیر ڑئی کے پہاڑ پر تھے، اُن کے نشان دیکھے اور عشرہ کی چھتوں پر، جو دیکھا، تو آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں، تو اُنھوں نے پائندہ خاں کے بھائی مدد خاں سے پوچھا کہ یہ کیا معاملہ ہے اور یہ کیسی صُبح ہے؟ مدد خاں نے کہا کہ یہ تو خان نے مولانا صاحب سے فریب کیا ہے۔ تم سب لوگ ہوشیار رہو، گھڑی ساعت میں لڑائی ہُوا چاہتی ہے۔

اس وقت مجاہدین میں سے کوئی تو ظُہر کی نماز پڑھتا تھا، کوئی وُضو کرتا تھا، کوئی مکئی بھون رہا تھا اور کوئی کچی مکئی چاب رہا تھا اس لیے کہ اُس دن لوگوں کو آٹا نہیں ملا تھا۔ مدد خاں کی یہ بات سُن کر سب نے مکئی بھوننا اور چابنا موقوف کیا اور نمازِ ظُہر سے فراغت کر کے اپنے اپنے ہتھیار لے کر سب کھڑے ہو گئے۔ اس عرصے میں دفعتہً اُن کا نقارہ بجا اور تمام لشکر عشرے سے نیچے اُترنے لگا۔ ایک نالہ تھا، اُس میں آیا اور وہاں اُس کے چار غول ہو گئے۔ کنیر ڑئی کے غازیوں کے دائیں طرف ایک بلند پہاڑ تھا۔ ایک غول اُن میں سے اُوپر چڑھنے لگا۔

مدد خاں اور رسُول خاں تنولی ارباب بہرام خاں کی اجازت سے بیس غازیوں کو لے کر پہاڑ کی چوٹی پر گئے اور اُس غول کو روکا اور اُن کے سواروں کے دو غول ہو گئے۔ ایک غول فرُوسے کی طرف، جدھر سے مولانا کی آمد تھی، جا کھڑا ہُوا اور دُوسرا غول ستھانے کے راستے کو روک کر کھڑا تھا، جدھر سے سیّد احمد علی صاحب کے لشکر کے آنے کا راستہ تھا، اور اُن کے پیادوں کے تین غول غازیوں کی طرف چیخیں؛ رتے اور ہلّہ کرتے ہُوئے چلے۔ اِدھر سے غازیوں نے اُن کو ڈانٹا اور للکار کر کہا کہ خبردار! آگے قدم نہ بڑھانا۔ مگر وُہ کب سُنتے تھے؟ گالیاں دیتے ہُوئے پہاڑ سے پلٹ گئے اور بندوقیں مارنے لگے۔

ادھر ارباب بہرام خاں نے اپنے غازیوں سے کہا کہ بھائیو، دیکھتے کیا ہو؟ تکبیر کہہ کر تم بھی بندوقیں مارو۔ یہ حُکم سُن کر جماعتِ خاص کے غازیوں نے، جو صبغۃ اللہ نشان کے پاس تھے، تکبیر کہہ کر بندوقوں کی پہلی باڑھ ماری، پھر اور غازی مارنے لگے۔ وہ لوگ پہاڑ کی چڑھائی پر تھے اور غازی پہاڑ کے سر پر برابر میدان میں تھے۔ وہ اسی طرح برابر ہلّہ کرتے اور بندوقیں مارتے بے دھڑک چڑھتے چلے آتے تھے۔ وہ یہاں تک قریب آ پہنچے کہ سیّد دلاور علی کے گولی لگی اور وُہ گرے تو اُنھوں نے ادھر سے پیر پکڑے اور غازیوں نے ادھر سے ہاتھ پکڑے اور دونوں جانب سے کشاکش ہونے لگی۔ اس میں امام خاں خیرآبادی نے جا کر ایک بندوق ان پر سر کی۔ اسی کے ساتھ ایک نے اُدھر سے گولی ماری۔ وہ امام خاں کی کنپٹی میں لگی اور وہ اُسی جگہ شہید ہو گئے۔ بالآخر غازیوں نے سید دلاور علی کی لاش چھڑا لی۔ مُجاہدین گھبرائے کہ وُہ نشیب میں ہیں اور ہم یہاں مَیدان میں ہیں۔ ہماری بندوق کام نہیں کرتی اور ہم اُن کے نشانہ ہیں۔ بعض بعض آدمی کہنے لگے کہ پیچھے ہٹ کر اُن کو مَیدان دو کہ وہ اُوپر آئیں۔ پھر تلوار پکڑ کر جس کو اللہ تعالیٰ فتح دے، وُہ لے اور اس طرح تو مُفت میں اپنے لوگ ضائع ہوتے ہیں۔ اس عرصے میں شیخ بلند بخت دیوبندی نے ارباب بہرام خاں سے کہا کہ خان صاحب، تم نشان اس جگہ سے نہ ہٹاؤ اور سب کو لیے ہُوئے اسی جگہ جمے رہو

اور مجھ کو اجازت دو کہ جو کچھ تدبیر بنے، کروں۔ اُنھوں نے کہا: بسم اللہ، آپ کو اجازت ہے۔

شیخ بلند بخت چند غازی اپنے ساتھ لے کر مولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی کے پاس گئے۔ اُن کا مورچہ بائیں طرف تھا۔ اُن سے کہا کہ لڑائی تو بگڑ گئی اور امام خاں شہید ہو گئے۔ اب میرے خیال میں یہ تدبیر آتی ہے کہ اتنے آدمی مَیں لایا ہوں۔ آپ اپنے سب آدمیوں کے ساتھ میرے آگے اور نیچے اُتر کر اُن کی کمر کی طرف سے حملہ کریں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ بسم اللہ، چلو، تدبیر خوب ہے۔ جیسے ہی وہ سب نیچے اُتر کر تنولیوں کی کمر پر پہنچے، تو معلوم ہُوا کہ اپنے قندھاریوں کا نشان آپہنچا اور سب قندھاری پائندہ خاں کے سواروں کے پیچھے ننگی تلواریں لیے ہُوئے چلے جاتے ہیں۔ اُن لوگوں کو دیکھ کر اُنھوں نے کپڑا ہلایا اور اشارہ کیا کہ تم بھی جلد اُتر کر ہمارے شریک ہو جاؤ۔

اِدھر عشرے میں پائندہ خاں اپنے لوگوں کو للکار للکار کر لڑا رہا تھا۔ اُس نے جو اپنے سواروں کو دیکھا کہ بدحواس بھاگے چلے آتے ہیں اور قندھاری اُن کے تعاقب میں ہیں، دفعتہً آپ بھی بھاگا۔ ادھر سے مولوی خیر الدین صاحب اور شیخ بلند بخت کے لوگوں نے تنولیوں کی کمر پر ایک باڑھ ماری اور اُن کا پیچھا کیا اور وُہ بھاگے۔ اس کے ساتھ ہی ادھر سے ارباب بہرام خاں اپنے لوگوں کے ساتھ ہلّہ کر کے دَوڑے۔ پھر تو اللہ دے اور بندہ لے، تنولیوں کو اپنے ہتھیار سنبھالنے دُشوار ہو گئے۔ بھاگتے جاتے تھے اور اپنی بولی میں کہتے جاتے تھے کہ خان جُل گئے، خان جُل گئے۔[1]

پھر تمام غازی پہاڑ سے اُتر کر عشرے کے نالے میں آئے اور کچھ دیر ٹھیرے۔ اس عرصے میں شیخ ولی محمد صاحب اور قاضی حبّان صاحب اور مولوی نصیر الدین صاحب منگلوری قندھاریوں اور پنجابیوں کو لیے چلے آتے تھے۔ وہ یکبارگی ہلّہ کر کے عشرے میں داخل ہُوئے اور اُس پر قبضہ کیا۔ عشرے کے پہاڑ کے سر پر ایک گڑھی تھی، جس کو کوٹلہ کہتے تھے۔ اس پر بھی مجاہدین نے قبضہ کیا۔ وہاں کے لوگ دیواریں پھاند کر بھاگے۔ جنھوں نے

---

[1] خان جُل گئے۔

امان چاہی، اُن کو امان دے کر سلامت نکال دیا۔

شیخ ولی محمدؐ صاحب تمام غازیوں کو لے کر پہاڑوں کے راستے امب کو روانہ ہُوئے۔ امب سے پائندہ خاں نے دیکھا کہ لشکر آپہنچا۔ وہ امب چھوڑ کر بھاگ گیا اور شیخ صاحب نے امب پر قبضہ کر لیا۔

آتش زنی پر ناراضگی اور ملامت | مدد خاں اور سربلند خاں تنولی کے لوگوں نے امب کے کئی گھروں میں آگ لگا دی۔ شیخ ولی محمدؐ صاحب اُن پر خفا ہُوئے کہ تم نے سکھوں کا طریقہ اختیار کیا۔ بڑے ظُلم کی بات ہے۔ مسلمانوں کو ایسا نہ چاہیے۔ پھر اسی وقت لوگوں کو بھیج کر وُہ آگ بُجھوا دی۔

فتح کی خوشخبری | شیخ صاحب نے فتح کی خوشخبری کی ایک عرضی سیّد صاحبؒ کی خدمت میں بھیجی، حضرت نے خط لانے والے کو انعام میں ایک چوغا عنایت کیا اور ایک خط اسی مضمون کا مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو دُوسرے آدمی کے ہاتھ فرُوسے میں بھیجا۔

مولانا دُوسرے دن صُبح کو اپنے آدمیوں کے ساتھ امب میں داخل ہُوئے۔

اُنیسواں باب

چھترباؤ

چھترباؤ کی گڑھی اسی اثنا میں خبر آئی کہ چھترباؤ کی گڑھی خالی پڑی ہے، پائندہ خاں اس کو چھوڑ کر چلا گیا ہے اور چھترباؤ والے بھی فرار کر گئے۔ آپ نے عبدالحمید خاں رسالدار کو اس پر قبضہ کرنے کے لیے روانہ کیا۔ جب رسالدار صاحب وہاں پہنچے، تو ایک مخبر نے آ کر خبر دی کہ چھترباؤ کی گڑھی[1] خالی پڑی تھی؛ جب تمھارا لشکر وہاں نہ گیا، تو پائندہ خاں کے لوگ وہاں آ کر داخل ہو گئے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب بھی اپنے آدمی لے کر چھترباؤ پہنچ گئے اور گڑھی سے نیچے اُتر کر نشیب میں ڈیرہ کیا۔ وہاں سے چھترباؤ کی گڑھی اتنی دُور تھی کہ وہاں کی گولی مولانا کے ڈیروں میں ٹھنڈی گرتی تھی۔ مولانا نے اس گڑھی کے تین طرف مورچے لگائے۔ دونوں جانب سے بندوقیں چلنے لگیں اور لڑائی شروع ہو گئی۔

مجاہدین کے مورچوں سے اس گڑھی کا راستہ ایسا اونچ نیچ کا تھا کہ کچھ قابو نہیں چلتا تھا کہ اس پر حملہ کر کے فتحیاب ہوں اور نہ اتنی دُور سے گولیاں وہاں کام کرتی تھیں گڑھی

---

[1] چھترباؤ کی بستی ۱۸۴۱ء کی طغیانی میں بہ گئی۔ پھر اس کی جگہ کوئی بستی آباد نہیں ہوئی۔ اس بستی کا نشان اب تک بتایا جاتا ہے۔ اب قدیم سے پانچ چھ میل شمال میں دریا کے مغربی کنارے پر یہ واقع تھی۔ (سید احمد شہید ج ۲ ص ۱۶۹)

بہت سخت اور بے موقع تھی۔ پائندہ خاں دریا اُترتے ہُوئے ایک چھوٹی توپ دریا کے کنارے ڈبوتا گیا تھا۔ مولانا نے آدمی بھیج کر وہ توپ منگوالی۔ اس توپ کے بھی دس بارہ گولے چلائے گئے مگر کوئی موقع پر نہ لگا اور لڑائی جم گئی۔ وہاں سے مورچے ہٹانے بھی مناسب نہ ہُوئے اور لڑائی بھی مفید ثابت نہ ہُوئی۔ مولانا نے سیّد صاحبؒ کی خدمت میں لکھا کہ یہاں اَیسا حال ہے۔ آپ جلد چنپیٹی سے کُوچ کر کے امب میں تشریف لائیں، تو اس امر کی کچھ تدبیر فرمائیں۔

سیّد صاحبؒ کی امب میں آمد اگلے روز سیّد صاحبؒ ایک تیز خرام خچر پر (جو یار محمد خاں کے لشکر سے غنیمت میں ملا تھا) عشرہ کے گورستان میں تشریف لائے، جہاں مجاہدین دفن تھے۔ آپ نے اُن کے واسطے دُعا کی۔ پھر وہاں سے کنیرڑی کے پہاڑ پر گئے، جہاں لڑائی ہُوئی تھی اور مجاہدین زخمی اور شہید ہُوئے تھے۔ اس جگہ کو دیکھ کر پھر عشرہ میں زخمیوں کے پاس آئے، اُن کی تسلّی کی اور حال پوچھا۔ میاں خدا بخش رامپوری کی پنڈلی میں گولی کا زخم تھا۔ اس پر اپنا دستِ مُبارک پھیرا اور فرمایا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تمہارا پاؤں جیسا تھا، ویسا ہی درست رہے گا، کچھ نقصان باقی نہ رہے گا۔

آپ اِسی خچر پر سوار ہو کر روانہ ہُوئے اور امب کی گڑھی میں داخل ہُوئے۔ اُس وقت آپ کے ہمرکاب کوئی تیس بتیس آدمی تھے۔ گڑھی کے سب لوگ آپ سے مِلے اور سب نے فتح کی مبارکباد دی اور آپ سے اجازت لے کر سب نے خوشی کی بندُوقیں چلائیں۔ آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب کو اس مضمون کا خط لکھوا کر روانہ کیا کہ عنایتِ الٰہی سے ہم امب کی گڑھی میں آکر داخل ہُوئے۔ آپ لڑائی میں ابھی تعجیل نہ کیجیے۔ ہم یہاں سے اس کی تدبیر کرتے ہیں اور شیخ بلند بخت کو پچیس سواروں کے ساتھ روانہ کر دیجیے کہ ہم اُن کو نیچا رہ بھیج کر توپیں منگوالیں۔

یہ خط مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب کو ملا۔ آپ نے پڑھا اور خوش ہُوئے اور لوگوں کو سُنایا

اور حضرت کی طرف سے سب کی تسلی اور دلجمعی کی۔ پھر رسالدار عبدالحمید خاں اور شیخ بلند بخت کو بُلا کر وہ خط سُنایا اور رسالدار صاحب سے فرمایا کہ اِسی وقت پچیس سواروں کے ساتھ شیخ صاحب کو حضرت کے پاس روانہ کرو۔ رسالدار صاحب نے فوراً شیخ صاحب کو پچیس سواروں کے ساتھ روانہ کیا۔ شیخ بلند بخت کی سیّد صاحبؒ سے ملاقات ہُوئی۔ سیّد صاحبؒ نے اُن سے چھترباؤ کی گڑھی کی کیفیت پوچھی۔ اُنھوں نے اُس کا جائے وُقوع اور مُفصّل کیفیت بیان کی۔ حضرت نے سُن کر فرمایا کہ شیخ بھائی، انشاء اللہ تعالیٰ وہ گڑھی بے لڑائی کے خالی ہو جائے گی۔ تم جا کر پنجتار سے توپیں لاؤ۔ ہم یہاں کچھ اور بھی تدبیر کریں گے۔

ایک مجاہد کی خُود رائی شیخ بلند بخت کی روانگی کے بعد چھترباؤ کا محاصرہ کرنے والوں کو آپ نے حُکم بھیجا کہ جب تک پنجتار سے توپیں نہ آلیں، تب تک تم کسی امر میں تعجیل نہ کرنا۔ یہ بھی سُننے میں آیا کہ امب میں سیّد صاحب سیڑھیاں اور رن گڑھ بنوا رہے ہیں اور ایک سیڑھی بن کر مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب کے پاس آئی بھی ہے۔

ادھر حافظ عبداللطیف صاحب نے ہر مورچے میں جا کر لوگوں سے کہہ دیا کہ مولانا صاحب کا حُکم ہے کہ آج عصر کے بعد حملہ کر دو۔ لوگوں نے جانا کہ شاید مولانا نے اُن کو اطلاع کے لیے بھیجا ہے۔ مولانا اپنے ڈیرے میں تھے۔ سب نے حافظ صاحب کو معتبر جان کر مولانا سے بھی اس بات کی تحقیق نہ کی اور عصر کی نماز پڑھ کر تیار ہو گئے اور حافظ جی کے ساتھ سب نے یکبارگی تکبیر کہہ کر حملہ کر دیا۔ تین طرف کانٹوں کے دو سنگر تھے اور اُن کے ورے برابر دُور تک زمین میں کانٹے گڑے تھے۔ سیڑھی مولانا صاحب کے ڈیرے میں تھی۔ آخر الامر تمام غازی دونوں سنگر کُود پھاند کر گڑھی کے نیچے جا پہنچے اور پکارنے لگے: "جلد سیڑھی لاؤ"۔ سیڑھی وہاں کہاں؟ اس میں چار پانچ گھڑی کا عرصہ ہُوا۔ اس میں کئی غازی شہید ہُوئے اور شیخ بلند بخت کے بھائی شیخ علی محمّد دیوبندی بھی شہید ہُوئے۔ اس وقت مولانا صاحب کے ڈیرے سے سیڑھی آئی اور گڑھی میں لگائی گئی۔ مگر سیڑھی چھوٹی تھی، گڑھی کی منڈیر تک نہ پہنچی۔

اس میں کوئی چار گھڑی رات جاتی رہی۔ جب گڑھی میں داخل ہونے کی کوئی تدبیر نہ بنی، تب تھوڑے تھوڑے غازی چپکے چپکے اپنے اپنے مورچوں کو چلنے لگے۔ رات گئے تک وہ سب وہاں سے نکل آئے اور شہیدوں اور زخمیوں کو بھی اُٹھا لائے۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بھی اُس وقت آئے اور لوگوں سے خفا ہو کر فرمایا: تم نے کس کے حکم سے ہلّہ کیا؟ جو لوگ اس حملے میں شہید اور زخمی ہوئے، سب کا وبال تمھیں لوگوں پر ہوگا۔ تم نے بڑی نافرمانی کی۔ جب مولانا غُصّہ فرما کر چُپ ہوئے، تب لوگوں نے عرض کی کہ ہم نے تو آپ ہی کا حکم پا کر حملہ کیا۔ آج سویرے سے سُنتے تھے کہ دریائے اٹک کے پاس سے گڑھی میں کمک آئے گی۔ عصر کے وقت حافظ عبداللطیف نے ہمارے مورچوں میں آکر کہا کہ مولانا صاحب کا حکم ہے کہ عصر کی نماز پڑھ کر حملہ کر دو۔ یہ حکم سُن کر سب تیار ہو گئے اور حافظ جی تکبیر کہتے ہوئے آگے ہوئے۔ اُن کے پیچھے ہم بھی سب چلے۔ اُن سے دریافت کیجیے کہ ہم کچھ خلاف تو نہیں کہتے۔

یہ سُن کر مولانا صاحب نے حافظ عبداللطیف صاحب کو بُلا کر پوچھا کہ یہ لوگ کیا کہتے ہیں۔ حافظ صاحب نے کچھ جواب نہ دیا۔ مولانا کو یقین ہُوا کہ سب انھیں کا کیا دھرا ہے۔ آپ نے اُن کو بڑی ملامت کی اور فرمایا: جو بیچارے شہید اور زخمی ہوئے اور لوگوں کو جو ایذا پہنچی، اس سب کا وبال تمھاری گردن پر ہے۔ اِتنے مسلمانوں کا تم نے ناحق خون کرایا۔ حافظ صاحب چُپ کھڑے سُنتے رہے، کچھ بولے نہیں۔

مولانا نے ڈیروں کے شہیدوں اور زخمیوں کو اپنے یہاں اُٹھوا لیا اور اُن کے دفن کا انتظام کیا۔ اسی اثناء میں پنجتار سے شیخ بلند بخت دیوبندی توپیں لے کر امب پہنچ گئے۔ توپیں مرزا حسین بیگ بانس بریلوی، شیخ ہمدانی اور شیخ مولا بخش گولہ اندازوں کے سپرد ہوئیں۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ اِن کو آج ہی چرخ پر چڑھاؤ۔ آپ وہیں کھڑے رہے۔ غازیوں نے مِل کر اُن کو چرخ پر چڑھایا۔ آپ نے شیخ ولی محمد صاحب کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے پاس بھیجا اور اُن کے ڈیرے کھبّل بائی منتقل کرا دیے۔ مولانا نے پہلے زخمیوں، بڈھوں، بیماروں اور معذوروں

کو روانہ کیا۔ پھر مورچوں کے مجاہدین جو ڈھائی تین سَو کے قریب تھے، کھُنبَل بائی کی طرف روانہ ہُوئے۔ راستے میں تنولیوں نے کچھ مزاحمت کی، لیکن لشکر بخیریت پہنچ گیا۔

بھائی کی خبرِ شہادت پر | شیخ بلند بخت نے پنجتار سے آتے ہُوئے ستھانے پہنچ کر سُنا کہ اُن کے بھائی شیخ علی مُحمّد چھترِبائی کے حملے میں شہید ہو گئے۔ شیخ بلند بخت نے کہا: الحمدللہ! ہمارا بھائی جس مُراد کو آیا تھا، اللہ تعالیٰ نے وُہ مُراد اُس کی پوری کی۔ ہم سب مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ شہادت نصیب فرمائے۔

غمزدہ کی خاطر داری | جب شیخ بلند بخت امب پہنچے، تو سیّد صاحبؒ سے سلام اور مصافحہ ہُوا۔ سیّد صاحبؒ نے سب کو شاباشی دی اور سب کے لیے دُعا کی اور بہت خوش ہُوئے۔ نمازِ مغرب پڑھا کر آپ گڑھی میں تشریف لے گئے اور شیخ بلند بخت کو اپنے پاس بُلا کر بٹھایا۔ اُن کے علاوہ کچھ اور لوگ بھی وہاں موجُود تھے۔ آپ کچھ دیر سکوت میں رہے۔ اس کے بعد آپ نے اُن کے بھائی علی مُحمّد کی ماتم پُرسی کی اور شیخ بلند بخت کی تسلّی کی اور فرمایا کہ تمھارے بھائی صاحب جس مُراد کو اپنے وطن سے اللہ تعالیٰ کی راہ میں نکلے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اُن کی مُراد کو پہنچایا۔ ہم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی کی راہ میں صرف کرے اور ہم سب سے راضی ہو! یہی ہم سب بھائیوں کی دِلی مُراد ہے۔

تسلّی کے اِسی طرح کے اور چند جُملے فرما کر آپ نے اُن کے بھائی کے لیے دُعاءِ مغفرت کی اور شیخ بلند بخت سے فرمایا کہ صبح کی نماز کے بعد اپنے سواروں کو کھنبَل بائی میں میاں صاحب کے پاس بھیج دینا اور تم یہیں ہمارے ساتھ رہنا۔ یہ فرما کر آپ نے کھانا منگایا اور شیخ بلند بخت کو اپنے ساتھ کھِلایا۔

حافظ عبداللطیف کی تادیب | حافظ عبداللطیف صاحب چھترِبائی کے واقعہ کے بعد، بجائے کھنبَل بائی جانے کے امب چلے آئے۔ سیّد صاحبؒ نے اُن کو بُلایا اور سب کے سامنے اُن کو بہت ملامت کی اور جھڑکی دی کہ تم بڑے فتنہ انگیز اور مُفسِد آدمی ہو، ناحق بیٹھے بٹھائے

اتنے آدمی شہید اور زخمی کروا دیے۔ خبردار، اب وہاں تم لشکر میں نہ جانا۔

پائندہ خاں کا دُوسرا فریب | پائندہ خاں کو خبر پہنچی کہ سیّد صاحبؒ نے کئی بھاری بھاری توپیں پنجتار سے منگوا لی ہیں اور کئی رن گڑھ اور سیڑھیاں بھی بنوائی ہیں۔ اب چھترسال پر چڑھائی کی تیاری ہے۔ بے گڑھی خالی کیے نہ رہیں گے۔ ان دنوں پار کے سکھوں سے اس کی سخت ناموافقت تھی۔ جب اُس نے جانا کہ اب کسی طرح بچاؤ نہیں ہے، تو اس نے سیّد حسن شاہ اور منشی غوث محمد کو اپنی طرف سے وکیل کر کے امب میں سیّد صاحبؒ کے پاس بھیجا۔ انھوں نے آکر کہا کہ ہمارے خان نے سلام عرض کیا ہے اور کہا ہے کہ ہم آپ کے بہرصورت مطیع اور فرمانبردار ہیں۔ اگر آپ کھنبل بائی سے اپنا لشکر بُلا لیں، تو ہم آپ کی دلجمعی اور رفعِ شک کے لیے اپنا بیٹا اُدل (یرغمال) میں آپ کے پاس بھیج دیں اور چھترسال کی گڑھی بھی خالی کر دیں۔ آپ کا کوئی معتبر شخص آئے، ہم اپنے بیٹے کو ساتھ کر دیں گے۔

سیّد صاحبؒ نے فرمایا: کیا مضائقہ ہے؟ تمھارے خان کا کہنا ہم کو منظور ہے اور پندرہ بیس قرابینچی اور چقماق والے ساتھ کر کے اپنے بھانجے سید احمد علی صاحب کو پائندہ خاں کے پاس بھیجا۔ انھوں نے جا کر اُس سے ملاقات کی۔ اُس نے اُن کو بڑی تعظیم و تکریم سے بٹھایا اور آپ سے ایسی لسّانی اور چاپلوسی کی باتیں کیں کہ سیّد احمد علی صاحب اس سے بہت خوش ہوئے اور جانا کہ یہ صلاحیت پر ہے۔ اُس نے وہی سوال کیا کہ سیّد بادشاہ اپنا لشکر کھنبل بائی سے ہٹا لیں، تو میں چھترسال کی گڑھی بھی خالی کر دُوں اور اپنا بیٹا بھی سیّد بادشاہ کے پاس اُدل میں بھیج دُوں۔

سیّد احمد علی صاحب نے اس بات کا اُس سے اِقرار کیا کہ انشاء اللہ تعالےٰ میں اس امر میں کوشش کر کے وہاں سے لشکر اُٹھوا دُوں گا۔ اس طرح اس کی تسلّی کر کے سیّد صاحبؒ کے پاس آئے اور اُس کا عہد و پیمان اور اُس کی صلاحیت کا حال سیّد صاحبؒ سے ذِکر کیا۔ آپ کو چونکہ جہاد فی سبیل اللہ مقصود تھا، نہ تو چھترسال لینے کی حاجت تھی اور نہ کھنبل بائی میں

لشکر رکھنے کی ضرورت۔ آپ کی تو اس سے غرض تھی کہ دریائے اٹک سے آنے جانے کا راستہ مجاہدین کے واسطے خالی رہے۔ اس لیے کہ اصل مقابلہ تو سکھوں سے تھا۔ آپ نے سید احمد علی صاحب کی گفتگو سُن کر فرمایا کہ خیر، کیا مضائقہ ہے، ہم کھٹبل بائی سے لشکر بُلا لیں گے۔ آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو کھٹبل بائی سے امب میں بلایا اور پائندہ خاں کی ساری گفتگو جو سیّد احمد علی صاحب کی زبانی سُنی تھی، بیان کی اور فرمایا کہ آپ کھٹبل بائی کی گڑھی کا بخوبی بندوبست کر کے اور اپنے کچھ لوگ وہاں چھوڑ کر باقی لشکر یہاں اُٹھا لائیے۔ پھر مولانا کھٹبل بائی تشریف لے گئے اور وہاں کا بندوبست کر کے پچاس ساٹھ غازی رہنے دیے اور باقی سب سوار اور پیادے لے کر امب کو چلے آئے۔

چند روز کے بعد سیّد صاحبؒ نے اپنے خاص خاص لوگوں کو بُلا کر اُن سے فرمایا کہ پائندہ خاں کے کہنے سے ہم نے اپنا لشکر کھٹبل بائی سے اُٹھا لیا، لیکن اُس نے اب تک اپنا اقرار بھی پورا نہیں کیا۔ اب اُس کے پاس کسی کو بھیجیں، دیکھیں، وہ کیا کہتا ہے۔ لوگوں نے عرض کی کہ ہاں، مناسب ہے۔ آپ نے شیخ ولی محمد صاحب پھلتی، مولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی اور رامپور منہیاراں کے مولوی محمد حسن صاحب کو اس کے لیے تجویز فرمایا اور کہا کہ خان سے صاف صاف گفتگو کرنا، کسی بات میں ہرگز نہ دبنا۔ چھترہائی تو اللہ تعالیٰ کی تائید سے بے لڑے بھڑے خالی ہو جائے گی، وہ ہم کو کیا چھترہائی خالی کر کے دے گا۔ ہم کو تو اپنے پروردگار کی رضامندی کے کام سے کام ہے، نہ اُس کی چھترہائی سے غرض ہے، نہ اُس کے بیٹے کے اُول لینے سے۔

شیخ صاحب بیس چُپت و چالاک غازی لے کر روانہ ہوئے۔ خان نے تو دس دن اُن کی خوب خاطر تواضع کی اور چکنی چپڑی باتیں کرتا رہا۔ اس عرصے میں سیّد صاحبؒ نے شیخ ولی محمد صاحب کو کسی ضرورت سے بلایا۔ اُنھوں نے سب حالات بیان کیے اور کہا کہ اُس کے قول و قرار کا ہم کو کچھ ٹھکانا نہیں معلوم ہُوا۔ یقین ہے کہ دو چار روز میں سب خالی چلے آئیں گے۔

سات آٹھ روز میں مولوی خیرالدین اور مولوی محمد حسن صاحب سب کو لے کر سیّد صاحبؒ کے پاس چلے آئے اور کہا کہ اُس نے ہم کو یُوں ہی خالی رُخصت کر دیا، مگر اُس نے قسم کھائی ہے کہ تمھارے جانے کے دس بارہ روز کے بعد میں اپنے بیٹے جہاندار کو اس کی ماں کی تسلّی اور دلجمعی کر کے ضرور بھیج دُوں گا۔

پندرہ روز کے بعد پائندہ خاں نے جہاندار کو دس آدمیوں کے ساتھ سیّد صاحبؒ کے پاس بھیجا۔ جہاندار ان دنوں دس گیارہ برس کا تھا۔ سیّد صاحبؒ نے اُس کی بہت خاطرداری کی اور فرمایا کہ جس جگہ تمھاری خوشی ہو، رہو۔ اُس لڑکے نے ایک کوٹھڑی پسند کی اور اپنے آدمیوں کے ساتھ اُس میں اُترا۔ سیّد صاحبؒ نے اپنے باورچی خانے سے اُن سب کے لیے کھانا مقرر کر دیا۔ پندرہ سولہ دن کے بعد جہاندار کے ساتھیوں نے ایک دن سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ جہاندار کی والدہ نے آپ کو نیاز نامہ لکھا ہے اور جہاندار کو دیکھنے کے واسطے بُلایا ہے۔ اگر آپ اجازت دیں، تو ہم دو چار روز کے لیے اُس کو لے جائیں اور ساتھ لے کر چلے آئیں اور وُہ خط سیّد صاحبؒ کو دیا۔ اس میں لکھا تھا کہ جہاندار کے والد نے جہاندار کو بھیجتے وقت مجھ سے اقرار کیا تھا کہ جب تم کہو گی، میں جہاندار کو سیّد بادشاہ کے پاس سے بُلوا دُوں گا۔ میرا وُہی ایک بیٹا ہے۔ اُس کے بے دیکھے میرا دل بہت بیقرار ہے۔ مَیں نے جہاندار کے والد سے کہا، تو اُنھوں نے جواب دیا کہ ابھی اُس کو گئے ہُوئے دِن ہی کتنے ہُوئے ہیں؟ ہم ابھی سیّد بادشاہ سے اس معاملے میں عرض نہیں کریں گے۔ تب مَیں نے بے چین ہو کر اس معاملے میں آپ سے گزارش کی ہے۔ آپ لِلّٰہ فی اللّٰہ دو چار دن کے لیے اُس کو بھیج دیں، تو کمال سرفرازی ہوگی۔ سیّد صاحبؒ نے اس کو پڑھ کر فرمایا کہ کیا مضائقہ ہے، ہم اس کو رخصت کر دیں گے۔

جب آپ نے اُس کو رخصت کرنے کا وعدہ کیا، تو جہاندار کے ہمراہی ایک روز گوشت کھانے کے واسطے کسی کی ایک گائے مول لائے اور کوٹھڑی کے آگے اُس کو ذبح

کیا۔ گوشت اُنھوں نے کھایا اور لوگوں کو کھلایا اور آپ سے رُخصت کے لیے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا، کل تم کو رخصت کریں گے۔ اُنھوں نے اسی رات کو دفینہ کھود کر، جو اُس کوٹھری میں دفن تھا، گائے کے چمڑے میں لپیٹ لیا اور گائے کی ہڈیاں اس گڑھے میں ڈال کر زمین برابر کر دی۔ صبح کی نماز کے بعد جہاندار رُخصت ہونے آیا۔ سیّد صاحبؒ نے ایک پگڑی اور تین تھان دے کر رخصت کیا اور اپنا سب اسباب اور وہ چمڑا لے کر چلے گئے۔ جب وُہ کُھدی ہُوئی جگہ دیکھی گئی اور اس کو کھودا گیا، اُس میں سے ہڈیاں نکلیں اور معلوم ہُوا کہ اُس میں سے کچھ مال کھود کر لے گئے۔ پھر پائندہ خاں نے جہاندار کو نہ بھیجا۔

بلیسواں باب

پھولڑے کی جنگ

حملے کی تجویز سیّد صاحبؒ کو کشمیر کی طرف بڑھنے کا خیال تھا۔ امب اور عشرہ پر مجاہدین کا قبضہ ہو چکا تھا۔ کشمیر کے راستے میں تنولیوں کا علاقہ اور پائندہ خاں کی ریاست واقع تھی۔ درمیان میں دریائے سندھ حدِ فاصل تھا، جس کو عبور کر کے اور تنولیوں کے علاقے کو طے کر کے کشمیر کی جانب رُخ کیا جا سکتا تھا۔ سُلیمان شاہ والیٔ چترال کا وعدہ تھا کہ جب مُجاہدین کا لشکر کشمیر کا رُخ کرے گا، تو وہ گلگت کے راستے امداد کو پہنچ جائے گا۔ اُدھر دیوان رام دیال کی برطرفی کے بعد سے کشمیر میں حکومت لاہور کی طرف سے کسی ناظم (گورنر) کا تقرر نہیں ہُوا تھا اور یہ کشمیر پر حملہ کرنے کے لیے بہت موزوں وقت تھا۔ اسی عرصے میں پائندہ خاں کے بھائی مدد خاں ہندوال اور سربلند خاں پلال نے سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہمارے نزدیک یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آپ اپنے کچھ غازی دریا کے پار اُتار کر سری کوٹ اور موضع پھولڑہ[1] پر اپنا قبضہ

---

[1] پھولڑہ مانسہرہ سے دس میل ہوگا۔ وہ پہاڑوں کے حلقے میں ہے۔ دامن کوہ کی زمین اُونچی ہے۔ اس پر بستی آباد ہے۔ سُرن ندی بستی کے مشرق میں تقریباً ایک میل کے فاصلے سے گزرتی ہے۔ بستی کے پاس سے ایک نالہ گزرتا ہے جس کا نام "ٹھنڈا ابھن" ہے اس سے پنچکیاں بھی چلتی ہیں اور کھیتوں کو پانی بھی ملتا ہے۔ مانسہرے کو جانے والا راستہ مشرقی سمت میں ہے۔ (سیّد احمد شہیدؒ ص ۱۷۵)

کرلیں۔ مُلکِ تنُول کے یہی دو ٹھکانے گویا سر ہیں۔ اگر یہ ہاتھ آگئے، تو اِنشاء اللہ تعالیٰ سب درستی ہو جائے گی۔ جو لوگ حاضر تھے اُنھوں نے اس کی تائید کی۔

آپ نے فرمایا کہ اچھا، کسی کو تجویز کرو۔ سیّد احمد علی صاحب بولے کہ اگر اجازت ہو تو مَیں جاؤں، مگر اس شرط سے کہ جس کو مَیں چاہُوں، اپنے ہمراہ لے جاؤں۔ آپ نے اجازت دے دی۔ شیخ ولی محمدؐ صاحب نے بعد میں سیّد احمد علی صاحب سے پوچھا کہ آپ نے تو کبھی اپنے جانے کی درخواست نہیں کی۔ آج تو سیّد صاحبؒ نے کسی کو تجویز کرنے کو فرمایا تھا، آپ نے اپنے جانے کی کیوں درخواست کی؟ اُنھوں نے کہا کہ اس کا سبب یہ ہے کہ وہاں دریا اُترتے ہی پہلے سکھوں سے مقابلہ ہے۔ جب اُن سے نپٹ لیں گے، تب کہیں وہاں تک جانا ہوگا۔

سیّد احمد علی صاحب نے اپنی فرد مرتّب کی۔ سیّد صاحبؒ نے چند آدمی فرد سے نکال دیے اور اس کے عوض اور کر دیے اور فرمایا کہ ان کو لے جاؤ۔ آپ نے اپنی سواری کا گھوڑا اژدر نامی اور ایک سیاہ قبا بھی دی جو آپ نے رمضان کی ستائیسویں شب میں زیبِ تن فرمائی تھی۔

لشکر کی روانگی اور عبُورِ دریا سیّد جعفر علی صاحب نقوی "منظورۃ السّعداء" میں لکھتے ہیں[1] کہ سید صاحبؒ نے تین لشکروں کو دریائے اٹک کو تین گھاٹوں سے عبُور کرنے کا حُکم دیا۔ سردار محمّد خاں کو میر فیض علی منشی کے ساتھ، جن کو آپ کا مُشیر مقرر کیا گیا تھا، کُربلیاں کے گھاٹ سے، جو امب کے مقابل ہے، ماما نُور الحسن اور اُن کے دُوسرے رُفقاء کو ستھانے کی جانب سے اور سیّد احمد علی صاحب کو دُوسرے گھاٹ سے عبور کرنے کی ہدایت کی گئی۔ سیّد احمد علی صاحب کے ساتھ مولوی محمّد حسن[2] رامپوری کو کیا گیا۔ جماعت کے پاس ایک ہی کشتی

---

[1] مولوی سید جعفر علی صاحب نقوی رمضان ۱۲۴۵ھ میں لشکرِ اسلام میں پہنچ گئے تھے۔ پھر لڑائی کا معرکہ ان کے پہنچنے کے کچھ ہی عرصے بعد پیش آیا ہے۔ اس لیے اس معرکے کے متعلق ان کی معلومات مستند اور مفصّل ہیں۔

[2] مولوی سید جعفر علی صاحب اُن کے متعلق لکھتے ہیں کہ وہ خاکساری و عاجزی، علم و حلم اور قابلیت میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے بعد اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ (منظورۃ السّعداء، ص۷۰)

تھی، جو پائندہ خاں کے مال میں سے ملی تھی۔ اُس کشتی کو پہلے امب کے قریب سے کرپلیوں کے طرف لایا گیا۔ دو ضرب توپ بھی لوگ کھینچ کر گڑھی کی طرف لائے اور گڑھی کے مقابل اُن کو نصب کیا۔ محمد خاں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اس پر بیٹھ گئے اور ملّاحوں نے کشتی چلائی۔ مخالفین نے، جو کرپلیوں کی گڑھی میں تھے، آواز لگا کر اور بندوقوں کے ساتھ مزاحمت کی۔ ادھر سے توپ کے گولے متواتر چلے۔ مخالفین بھاگ کر کچھ گڑھی کی دیوار کے نیچے اور بعض گڑھی کے اندر پناہ گزیں ہوئے اور ان کی مزاحمت کچھ کارگر نہ ہوئی۔ کشتی کے تین پھیروں میں سب لوگ دریا کے پار پہنچ گئے۔ محمّد خاں نے اپنے آدمیوں کو بھی بندوقیں سر کرنے کا حکم دیا۔ مخالفین مقابلے کی تاب نہ لا کر گڑھی میں رُوپوش ہو گئے۔ سیّد صاحبؒ نے چکر توپ کا رُخ گڑھی کی طرف کرنے کا حکم دیا اور گولہ اندازوں نے ہاتھ دے کر توپ سر کیا، جس سے گڑھی کی دیوار کا ایک کنارہ گولہ کی چوٹ سے گر گیا۔ ادھر کے زمینداروں نے امان حاصل کرنے کے لیے ہجوم کیا۔ پانچ چھ منشی کاغذ کے ٹکڑوں پر امان نامے لکھ لکھ کر دیتے رہے۔ اشراق کے وقت سے دوپہر تک توپیں رُکی رہیں اور امان نامے لکھے جاتے رہے۔ جب مجاہدین دریا پار کر کے پہاڑی کی چوٹی پر چلے گئے اور نظر سے اوجھل ہو گئے اور زمینداروں کا ہجوم بھی کم ہُوا، تو توپیں قلعے میں واپس لائی گئیں۔ دُوسرے گھاٹوں سے بھی لشکر کے دُوسرے حصّے دریا کے پار پہنچ گئے۔ اس کے بعد مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب بھی چوتھی جماعت کے ساتھ دریا عبور کر کے گڑھی شنگلی اور چمیڑی میں تشریف لے آئے۔"

شاہ کوٹ پر قبضہ وقائع احمدی میں ہے کہ سیّد احمد علی صاحب آدھی رات کو شاہ کوٹ میں پہنچے اور یکبارگی گڑھی کا محاصرہ کر لیا۔ گڑھی والے غافل سو رہے تھے۔ شور و غل سُن کر جاگے اور دو چار بندوقیں چلائیں۔ پھر جانا کہ ہم مُفت میں مارے جائیں گے۔ اُنھوں نے امان مانگی کہ ہم اپنے ہتھیار لے کر نکل جائیں۔ سیّد احمد علی صاحب نے اُن کو اجازت دی اور وہ اپنے ہتھیار لے کر نکل گئے۔

چھتر بائی کا تخلیہ | شاہ کوٹ کے سپاہی موضع بُروٹی پہنچے اور پائندہ خاں سے گڑھی چھٹ جانے کا حال بیان کیا اور کہا کہ عجب نہیں، اب غازی آکر شیر گڑھ کو لے لیں۔ آپ جلد اس کا تدارک کریں۔ وہی شیر گڑھ اُس کے بھاگنے کا ایک راستہ تھا۔ یہ خبر سُن کر سیّد حسن شاہ اور منشی غوث محمّد سے کہا کہ میں تو شیر گڑھ کو چلتا ہُوں، تم جا کر چھتر بائی کا بندوبست کرو۔ یہ دونوں سیّد صاحبؒ کے مخلص تھے۔ اُنھوں نے چھتر بائی والوں سے کہا کہ اسباب و ہتھیار لے کر جلد گڑھی سے نکل جاؤ۔ سید بادشاہ کا لشکر آتا ہے۔ ایسا نہ ہو کہ گھیرے میں پڑ جاؤ اور خان تو بُروٹی سے شیر گڑھ کو چلا گیا۔ یہ خبر سُن کر تمام آدمی اپنا اپنا اسباب لے کر نکل گئے۔ ان دونوں نے آکر سیّد صاحبؒ کو خوشخبری سُنائی اور آپ کے حکم سے مولوی خیر الدین صاحب نے گڑھی میں اپنا بندوبست کیا۔ ادھر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے سیّد صاحبؒ کے حکم سے بُروٹی کا رُخ کیا۔ وہ بُروٹی پہنچے، تو پائندہ خاں شیر گڑھ سے اَگرور چلا گیا۔ مولانا بُروٹی سے نکّا پانی اور شیر گڑھ ہوتے ہُوئے شنگلٹی اور وہاں سے شمدڑہ آ گئے۔

جب سیّد احمد علی صاحب نے شاہ کوٹ کو خالی کر لیا اور پائندہ خاں بُروٹی سے بھاگ کر اَگرور کو گیا اور ہر طرف سے اُس کا زور ٹوٹا اور کسی خان نے اُس کا ساتھ نہ دیا، تب اُس نے ہری سنگھ سے، جو مہاراجہ رنجیت سنگھ کا جاگیر دار تھا، جا کر فریاد کی کہ ہمارا ملک سیّد بادشاہ نے چھین لیا ہے اور ہم اِدھر اُدھر آوارہ پھرتے ہیں، کہیں ٹھکانا نہیں، جہاں ٹھیریں۔ اگر تم ہماری اعانت کرو، تو ہمارا ملک مِل جائے۔ ہری سنگھ نے کہا کہ خان، تم بے وفا اور فریبی شخص ہو۔ تمھارے عہد و پیمان کا ہم کو اعتبار نہیں۔ پائندہ خاں نے اُس کی تسلّی کے لیے اپنے بیٹے جہاندار کو اُول میں دیا اور ہری سنگھ کو موافق کیا۔ ادھر سیّد احمد علی صاحب شاہ کوٹ کا بندوبست کر کے پھر لڑنے پر لشکر لے کر روانہ ہُوئے اور وہاں جا کر اپنا قبضہ کیا۔

لشکر گاہ | سیّد جعفر علی صاحب منظورہ میں لکھتے ہیں: "تینوں لشکر حسبِ قرارداد پھر لڑنے کے مقام میں یکجا ہُوئے۔ سیّد احمد علی صاحب کو سیّد صاحبؒ کی ہدایت تھی کہ مُہ پہاڑ کا

دامن نہ چھوڑیں۔ محمّد خاں اور میر فیض علی خاں نے میدان میں پڑاؤ ڈالا تھا۔ یہ جگہ دامن کوہ سے دُور تھی۔ یہ دریافت کرنے کے لیے کہ سیّد احمد علی صاحب اور مولوی محمد حسن پہنچ گئے یا نہیں، میر فیض علی خود اور ماما نور الحسن کی طرف سے کوئی آدمی میر احمد علی کے لشکر گاہ میں آئے۔ سید احمد علی صاحب نے فرمایا کہ تم سب لوگ یہاں پر میرے پاس آجاؤ۔ میر فیض علی صاحب نے کہا کہ چونکہ ہم نے میدان میں مورچال قائم کر لی ہے، اس لیے اس کو پیچھے لانا مناسب نہیں معلوم ہوتا۔ آپ خود وہاں تشریف لے آئیے۔ وہ ایک وسیع میدان ہے، جنگ کے لیے زیادہ موزوں ہے۔ اس وقت سید احمد علی صاحب کو سیّد صاحبؒ کی ہدایت اور تاکید کا خیال نہیں رہا اور تینوں لشکر میں جمع ہو گئے۔ وہ میدان بہت وسیع اور فراخ تھا۔ چاروں جانب پہاڑ فاصلے فاصلے سے تھے۔ وہاں سے ہزارہ کو راستہ جاتا تھا۔ اس راستے پر از رہِ احتیاط و دُور اندیشی پہرہ بٹھا دیا گیا اور ساری رات ہوشیاری کے ساتھ پہرہ دینے کی تاکید کر دی گئی۔

"وقائع احمدی" میں ہے: "دو روز تک یہی خبر رہی کہ آج چھاپہ آئے گا۔ تمام لوگ ہوشیار اور بیدار رہے۔ مگر کوئی نہ آیا، نہ گیا۔ لوگوں کو خیال ہُوا کہ یوں ہی لوگ جھوٹی خبر اڑا دیتے ہیں اور غافل ہو گئے۔

اچانک حملہ "فجر کے قریب لشکر کے لوگ نماز کی تیاری میں مشغول تھے۔ کوئی استنجے میں، کوئی وضو میں اور کوئی صبح کی سنّت میں مشغول تھا کہ راستے کی جانب سے بندوقوں کی آواز آئی۔ اب بندوق کی آوازیں آنی شروع ہوئیں۔ لوگوں نے جلدی جلدی تنہا تنہا یا دو دو چار چار نے فرض ادا کیے اور اپنے ہتھیار سنبھال کر دشمنوں کی طرف دَوڑے۔ اس سے جماعت میں ایک اِنتشار سا پیدا ہو گیا۔ سید احمد علی صاحب اپنی جگہ پر کھڑے قبلہ رُو دُعا میں مشغول ہو گئے اور اپنے بعض ہمراہیوں سے فرمایا کہ آواز دو کہ لوگ یہاں آکر دُعا کر لیں۔ لوگوں نے آواز دی اور جو جو آدمی قریب تھے، وہ جمع ہو گئے۔ طرفین سے بندوق کے ساتھ مقابلہ ہُوا۔ مخالف سواروں نے فریب کیا۔ اُن میں سے ہر ایک ایک طرف کو بھاگا: کوئی مشرق کی طرف، کوئی مغرب کی

طرف۔ مجاہدین نے اُن کا تعاقب کیا۔ اس سے لشکر میں پہلے کی طرح، بلکہ اس سے زیادہ پراگندگی پیدا ہوئی۔ اُس وقت دُہ سوار پلٹ پڑے اور مجاہدین میں ایک ایک، دو دو، تین تین کو، جو لشکر سے جُدا ہو گئے تھے، شہید کر دیا۔ سیّد احمد علی صاحب اور فیض علی صاحب دیر تک بڑی شجاعت اور دلیری کے ساتھ مقابلہ کرتے رہے۔ آخر میں اُن کا سنگ چقماق خطا کرنے لگا۔ اُنھوں نے بندوق کی نال پکڑ کر اس کے کندے کو لاٹھی کی طرح استعمال کرنا شروع کیا اور اس سے گرس کا کام لینے لگے۔ اس وقت سکھوں کے لشکر کے بہت سے لوگ جمع ہو گئے اور تلوار اور نیزے سے زد پر زد لگا کر ان دونوں حضرات کو شہید کر دیا۔ مولوی محمد حسن رامپوری اور رحیم بخش جرّاح، جو لشکر کے ڈیرے میں موجود تھے، ان کی شہادت کی خبر سُن کر دیوانہ وار دوڑے اور لڑ کر شہادت حاصل کی۔ مخالفین ڈیرے خیمے اور سیّد احمد علی صاحب کے سواری کے گھوڑے کو، جو سیّد صاحبؒ کی سواری خاصے کا گھوڑا تھا، لُوٹ کر لے جانے لگے۔ اس وقت محمد خاں نشان بردار کو غیرت آئی اور اُنھوں نے آواز دی کہ مسلمانو، یہ حضرت امیر المؤمنین کی سواری کا گھوڑا ہے، اس کو کفّار لے جا رہے ہیں۔ ایمانی حمیّت اس کو گوارا نہیں کرتی کہ نائب رسُولؐ کی سواری خاص کے گھوڑے کو کُفّار استعمال کریں۔ اُنھوں نے اپنی جماعت کے ساتھ سخت حملہ کیا۔ بہت سکھ مقتول ہُوئے۔ محمد خاں نے گھوڑے کی لگام تھام کر اس پر قبضہ کیا اور اس کو ہاتھوں سے چھُڑا لیا۔ یہ دیکھ کر سکھوں نے لشکر کی دُوسری جمعیّت سے دوبارہ حملہ کیا۔ محمد خاں نے بڑی شجاعت اور جُرأت سے اُن کا مُقابلہ کیا اور دست بدست لڑتے ہُوئے وہ خود بھی شہید ہُوئے اور گھوڑا بھی کام آیا اور اُن کی جماعت کے سارے آدمی شہادت سے سرفراز ہُوئے۔ جو آدمی پہاڑ کی چوٹی پر تھے۔ اُنھوں نے سکھوں کو اپنی بندوقوں کی گولیوں کا نشانہ بنایا۔ راستہ دامن کوہ میں سے جاتا تھا۔ اُن کے قدم وہاں پر جم نہ سکے اور اُنھوں نے گریز اختیار کیا۔ اس وقت اُن لوگوں نے جو پہاڑ پر تھے، اس جانب، جس طرف وہ بھاگ رہے تھے، زور کیا اور مسلمانوں کے مال کا بڑا حصّہ، جس کو لُوٹے لیے جا رہے تھے، چھُڑا لیا۔ جب میدان سکھوں سے خالی ہو گیا، تو

مُجاہدین نے شُہداء کی نمازِ جنازہ پڑھ کر اُن کو دفن کیا۔

مجاہدین کی جوانمردی اور دلیرانہ شہادت سکھوں کے اچانک حملے پر مجاہدین نے جابجا بڑی جوانمردی اور بڑی شجاعت و استقلال کے ساتھ اُن کا مقابلہ کیا۔ اُن کی شہادت کے واقعات بڑے ولولہ انگیز اور بڑے ایمان افروز ہیں :

مرزا عبدالقدوس کشمیری نے، جو کانپور سے شامل ہُوئے تھے، پیدل تھے۔ دیر تک سواروں کا مقابلہ کرتے رہے۔ جب کوئی سوار گھوڑا دوڑاتا ہُوا آتا، وہ گھوڑے کے سینے کے نیچے آکر گھوڑے کی لگام پکڑ لیتے اور اس کے سوار کو تلوار سے دو ٹکڑے کر دیتے اور کبھی سوار نیزے کی نوک بائیں جانب کرتے۔ وہ دائیں جانب سے آکر اس کا نیزہ کاٹ دیتے، پھر اس کا سر قلم کر دیتے۔ اس طرح سے بہت سے حملہ آوروں کو قتل کرتے دادِ شجاعت دیتے ہُوئے شربتِ شہادت نوش فرمایا۔

میر احمد علی بہاری نوعُمر جوان تھے۔ بندوق کی بھرماری میں اپنی نظیر نہیں رکھتے تھے۔ اُنھوں نے اپنی گولیوں سے بہت سے سواروں کو ہلاک کیا۔ بالآخر دشمنوں نے اُن کو اپنے حلقے میں لے لیا۔ اُس نوجوان نے اُن کو للکار کر کہا کہ تم کو تمھارے پیدا کرنے والے کی قسم ہے کہ کوئی مجھ پر گولی نہ چلائے۔ میری شمشیر زنی کا تماشا دیکھیں اور شجاعت کی داد دیں۔ میں تمھارے حلقے سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اُنھوں نے دیر تک اپنی تلوار کے جوہر دکھائے، جس پر اُن کی تلوار پڑ جاتی، سر قلم ہو جاتا یا ہاتھ یا پاؤں کٹ جاتا۔ آخر ایک شقی نے گولی سے اُن کا کام تمام کر دیا اور وہ شہادت سے سُرخرو ہُوئے۔

امام خاں سہسرامی اور شیخ برکت اللہ گورکھپوری دیر تک دادِ شجاعت دیتے رہے۔ آخر شیخ برکت اللہ کے سنگر میں آگ لگ گئی، جس سے اُن کے بدن کا اکثر حصّہ جل گیا اور سکھوں نے اُن کو شہید کر دیا۔

لشکرِ اسلام میں ایک فقیر تھا، جس کے پاس صرف لکڑیاں کاٹنے والی کلھاڑی تھی۔ وہ

ایک پتھر پر کھڑا ہو گیا۔ ایک سکھ سوار کسی مُسلمان کے پیچھے گھوڑا دَوڑاتا اُس کے پاس سے گزرا۔ اُس نے اپنا تبر اُس سوار کے سر پر مارا۔ سوار تو گھوڑا دَوڑانے کی وجہ سے محفوظ رہا، لیکن تبر گھوڑے کے پُٹھے پر پڑا اور گوشت میں اُتر گیا۔ گھوڑا چند قدم آگے جا کر گر گیا اور سوار بھی زمین پر آرہا۔ میر احمد علی بہاری نے (جو اُس وقت زندہ تھے) دَوڑ کر اس کا سر اُڑا دیا۔

اس معرکے میں سیّد احمد علی، میر احمد علی بہاری اور ان حضرات کے علاوہ، جن کا اوپر ذکر ہُوا، سید عبد الرزاق نگرامی (برادر سیّد نُور احمد نگرامی مؤلّفِ نُورِ احمد) کریم بخش سہارنپوری، فیض الدین بنگالی، رحیم بخش جرّاح اور علی خاں وغیرہ شہید ہُوئے۔ جو غازی صحیح سالم تھے، وہ پہاڑ کی طرف چلے گئے۔ سکھوں نے جا کر بستی کے گھروں میں آگ لگا دی۔

سیّد احمد علی کی شہادت کی اطلاع اور پس ماندگان سے تعزیت

اسب میں سیّد صاحبؒ کے پاس سیّد احمد علی کی شہادت کی اطلاع پہنچی۔ آپ نے سُن کر "إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ" پڑھا اور فرمایا کہ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ، جس مُراد کو آئے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُس مُراد کو پہنچایا اور بہت دیر تک آپ سکوت میں رہے۔[1]

عشا کی نماز کے بعد آپ نے سیّد احمد علی صاحب کے نوجوان صاحبزادے سیّد مُوسیٰ، نور بخش جرّاح شہید کے بھائی ابراہیم خاں اور معرکے کے دوسرے شہیدوں کے عزیزوں کو بُلایا اور فرمایا کہ فلاں فلاں صاحب آج پھول لڑے میں شہید ہُوئے اور وعظ و نصیحت اور شہدا کے فضائل بیان کر کے اُن کی تسلّی کی اور صبر کی تلقین فرمائی اور اُن کا کھانا وہیں منگوایا اور سب صاحبوں کو اپنے ساتھ کھلایا[2] اور اس کے بعد فرمایا کہ وُہ تو سب صاحب اپنے مقصودِ دلی کو پہنچے، اب اُن کے لیے دُعاءِ مغفرت کیا کرو۔ ہم تم سب کو اللہ تعالیٰ اپنی رضامندی کے راستے میں صرف کرتے

---

[1] منظورہ میں ہے کہ جب قاصد نے بیان کیا کہ تمام زخم سیّد احمد علی صاحب کے چہرے پر آئے، تو آپ کے آنسو جاری ہو گئے۔ دونوں ہاتھوں سے آنسو پونچھتے جاتے تھے اور الحمد للہ! الحمد للہ! فرماتے تھے۔

[2] سیّد صاحبؒ کا معمول تھا کہ ایسے موقع پر شہدا کے غمزدہ وارثوں اور اعزۂ خاص کو اپنے ساتھ خصوصیت کے ساتھ کھانے میں شریک فرماتے اور اُن کی دلداری فرماتے۔

شاہ اسمٰعیل صاحب کی مُراجعت | مولانا شاہ اسمٰعیل صاحب کو، جو پیش قدمی کے خیال سے ہمپیٹری تک پہنچ گئے تھے اُور اس کے منتظر تھے کہ سیّد احمد علی صاحب کو فتح ہو، تو آگے کشمیر کی طرف بڑھیں، اُن کو جب سیّد احمد علی کی شہادت کی خبر ملی، تو اُنھوں نے مستقل مزاجی کے ساتھ گڑھی کے سرداروں کو طلب فرمایا اور اُن سے خدمتِ دین و رفاقتِ مجاہدین کا عہد و میثاق لے کر اُن میں سے ایک کو سردار مقرر کر کے اسب کی طرف مُراجعت فرمائی۔

پائندہ خاں کی زنبورکیں | سیّد صاحبؒ کی خدمت میں ایک سیّد نے جو پائندہ خاں کی زنبورکوں کا محافظ و منتظم تھا، آکر عرض کیا کہ پائندہ خاں کا سامان جابجا پڑا ہُوا ہے۔ چنانچہ اُس کی زنبورکیں فلاں کوہستان میں کہ بیابانِ محض ہے، لاوارثوں کے مال کی طرح پڑی ہُوئی ہیں۔ آپ اُن کو اُٹھوالیں۔ سیّد صاحبؒ نے یہ خدمت شیخ بلند بخت دیوبندی کے سُپرد کی کہ اس کا اہتمام کریں۔ اُن کی ہدایت سے مولوی سیّد جعفر علی صاحب نقوی نے پانچ آدمیوں کی معیّت میں بڑی مشقّت برداشت کر کے اور اپنے کو خطرے میں ڈال کر اُن زنبورکوں کو ۱۰ ذی الحجہ ۱۲۴۵ھ کو اسب میں پہنچا دیا۔

اِکّیسواں باب

امن کا قیام

پائندہ خاں کی مصالحت ۲۷ شوال ۱۲۴۵ھ کو سیّد صاحبؒ نے ایک "اِعلام" جاری فرمایا تھا کہ اگر پائندہ خاں اپنے عہد اور وعدے کے مطابق، جو صُلحنامے میں مندرج ہے، مدد خاں کا مُلک و مال اس کے حوالے کر دے، تو اُس کی گلی ہندوال کی خانی اور سرداری برقرار رہے گی[1] پائندہ خاں نے بھی ۲۹ ذی قعدہ ۱۲۴۵ھ کو ایک اقرار نامہ، جس میں اپنی غلطیوں کا اعتراف اور آئندہ کے لیے اِتّباعِ شریعت اور اطاعت کا وعدہ تھا، تحریر کیا۔ اس میں یہ بھی وعدہ کیا گیا تھا کہ کبھی سکھوں اور مخالفینِ اسلام کے ساتھ تعلقات نہیں قائم کیے جائیں گے اور مسلمانوں اور لشکرِ اسلام کی بدخواہی نہیں ہوگی، مدد خاں کا علاقہ اُس کے حوالے کر دیا جائے گا، کلکٹی کے سوا اگرُور کے علاقے سے دست بردار ہو جاؤں گا اور پلال کے علاقے سے بھی کوئی غرض نہیں رکھی جائے گی؛ نیز ۱۶۰ سواروں اور شاہین کے ساتھ جہاندار خاں کی معیّت میں ایک لشکر مُلک سمہ کو اور دو ہزار پیادوں کا ایک لشکر اکبر علی کے ہمراہ جانب کشمیر روانہ کیا جائے گا۔ اگر اس معاہدے کے

---

[1] مکاتیب شاہ اسمٰعیل ص ۲۶۱۔

خلاف کوئی بات وقوع میں آئے، تو میری جان و مال مسلمانوں کے لیے مُباح و حلال ہے اور مَیں اپنے مُلک و ریاست سے بالکُلیّہ دست بردار ہُوں۔[1] اس کے جواب میں سیّد صاحبؒ کی طرف سے بھی ایک تحریر لکھی گئی، جس میں اس بات کا وعدہ تھا کہ اگر پائندہ خاں اپنے شرائط کو پُورا کرے گا، تو ہندوال کا علاقہ اور اُس کی سرداری برقرار رہے گی اور بشرطِ خیریت و رفاقت کشمیر میں بیس ہزار کی جاگیر اور پشاور فتح ہونے پر دس ہزار کی جاگیر اُس کو دی جائے گی اور اُس کو بڑے درجے کا سردار بنایا جائے گا۔[2]

نظامِ قضاء و اِصلاحِ اخلاق | اسی دَوران میں قاضی مُحمّد حبّان صاحب قاضی القضاۃ کے منصب پر مامور ہُوئے اور ہر گاؤں اور قصبے میں قاضی، مفتی اور مُحتسب مُقرر ہُوئے۔ تنُول کے علاقے میں، جہاں مقامی لوگوں میں سے کوئی مُتدیّن عالِم دستیاب نہ ہو سکا، فرُوسہ کے ایک عالم قاضی مُنتخب ہُوئے۔ قاضی محمد حبّان صاحب نے مقامی و مُہاجر عُلماء کے مشورے سے اُمُورِ شرعیّہ کے ترک کر دینے پر جُرمانے اور تعزیرات مُقرر کیں۔ اِسی طرح مخالفِ تہذیب و شریعت اُمُور، مثلاً برہنہ غُسل کرنے پر سزا مُقرر ہُوئی، کسی کی کھیتی کو نقصان پہنچانے اور اس میں جانور چرانے پر جُرمانے تجویز کیے گئے۔

جو عورت تارک الصّلوٰۃ ہوتی، اُس کو بھی زنان خانے میں سزا دی جاتی۔ بعض عورتوں نے اپنے کو بیوہ ظاہر کیا، بعد میں اُن کا فریب کُھل گیا اور معلوم ہُوا کہ شادی شدہ ہیں۔ بعض افغانی عورتوں نے اپنی ہم قوم عورتوں کو طعنہ دیا کہ تم نے کالے کلوٹے ہندوستانی سے شادی کی۔ اُن عورتوں کی تادیب کی گئی اور فتنہ پردازی کا سدِّباب کیا گیا۔

لشکرِ اِسلام کی اسلامی مُعاشرت | امب کے زمانۂ قیام میں سیّد صاحبؒ اور اہلِ لشکر کی معاشرت اور زندگی اسلامی معاشرت اور مُجاہدانہ زندگی کا نمونہ تھی۔ ہر شخص اپنے سب کام اپنے ہاتھ سے کرتا تھا۔ سیّد صاحبؒ مسلمانوں کے اجتماعی کاموں میں پیش قدمی فرما کر مسلمانوں میں عمل کا جذبہ

---

[1] مکاتیب شاہ اسمٰعیل ص ۲۵۹ [2] ایضاً ص ۲۵۹

اور مُسابقت اِلَی الخَیر کا جوش پیدا فرما دیتے تھے۔

ایک مرتبہ باورچی خانے میں، جس میں مسلمانوں کا کھانا پکتا تھا، پانی نہ تھا۔ دریا کچھ فاصلے پر تھا اور اندھیری رات تھی۔ لوگوں نے پانی لانے میں کچھ سستی کی۔ آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ آئیے، مولانا، ہم مشک سنبھالیں، آپ گھڑا اُٹھائیں اور پانی بھر کر لائیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہُوا اور دونوں حضرات دریا پر آئے۔ لوگوں کو اطلاع ہُوئی، تو ہجوم ہو گیا اور مشک اور گھڑا دونوں حضرات سے لے کر بات کی بات پر پانی باورچی خانے پہنچا دیا گیا۔

اسی طرح ایک مرتبہ مسجد میں گنجائش نہ تھی۔ اس کے قریب ایک ہاتھی بندھا ہُوا تھا، جس کی وجہ سے اس کے گرد گندگی ہو رہی تھی۔ جب ہوتی مردان سے لشکر واپس ہُوا، تو مسجد کی تنگی کی وجہ سے لوگوں نے الگ الگ جماعتیں کیں۔ آپ نے صبح کی نماز کے بعد پھاوڑا لیا اور مولانا اسمٰعیل صاحب نے ٹوکرا اُٹھایا اور جہاں ہاتھی بندھا ہُوا تھا، وہاں تشریف لائے۔ ہاتھی کے لیے دُوسری جگہ تجویز کی۔ سیّد صاحبؒ نے پھاوڑے سے سارا کوڑا کھودا اور مولانا نے ٹوکرے میں رکھ کر دُوسری جگہ ڈال دیا۔ لوگ یہ دیکھ کر دَوڑے اور سیّد صاحبؒ کے ہاتھ سے پھاوڑا اور مولانا کے ہاتھ سے ٹوکرا لے لیا۔ مولانا دُوسرا ٹوکرا لے آئے اور دو گھنٹے کے اندر اندر جگہ کی صفائی ہو گئی۔ دُوسرے روز سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ سب بھائی پانچ پانچ پتھر لے آئیں تاکہ اُس کا فرش کر کے مسجد کی توسیع کر دی جائے۔ خود آپ بھی دریا پر تشریف لے گئے اور دو بڑے پتھر دونوں ہاتھوں سے اُٹھا کر لے آئے۔ لوگوں نے بڑے اصرار سے لینا چاہا۔ آپ ناراض ہُوئے اور فرمایا کہ تم مجھے نیک کام سے روکتے ہو اور خوشامد پسند اُمراء کی طرح میری بھی چاپلوسی کرتے ہو۔ یہ بھی نہیں سوچتے کہ یہ پتھر کس قدر بھاری ہیں۔ یہ کہہ کر آپ نے پتھر زمین پر رکھ دیے اور فرمایا کہ اب جس کو ہمّت ہو، اٹھا کر دیکھے۔ لوگوں نے ان پتھروں کی جسامت دیکھ کر ہمّت نہ کی۔ آپ نے اسی طرح ان دونوں کو اُٹھا کر مسجد تک پہنچا دیا۔

مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب نے ایک مرتبہ ایک زنبورک اُٹھائی اور مولوی سیّد جعفر علی صاحب

سے فرمایا کہ اس کو میرے کاندھے پر رکھ دو۔ مولوی جعفر علی صاحب نے عرض کیا کہ وزن بہت ہے۔ آپ اُٹھا نہ سکیں گے، مجھے اُٹھانے دیجیے۔ فرمایا کہ میری مصلحت اِسی میں ہے۔ میں نے حکم کی تعمیل کی۔ زنبورک مولانا کے کاندھے پر رکھی، تو اُن کے پاؤں لڑکھڑائے۔ لوگوں نے دُور سے دیکھا، تو دَوڑے اور اُس کو اُٹھالیا۔ آپ نے فرمایا کہ یہ ثواب کا کام ہے، لیکن ایک ہی صاحب پر اس کا بار نہیں ہونا چاہیے۔ تین کوس کے فاصلے پر لے جانا ہے۔ باری باری سے سب لے جائیں اِسی طرح عمل ہُوا۔

ایک مرتبہ دو تین روز تک مُوسلا دھار بارش ہوئی۔ قلعۂ امب کے جنوبی اور مشرقی گوشے کا بُرج گر گیا۔ دو تین آدمی بھاری بھاری پتّھروں اور صدہا من مٹی کے نیچے دب گئے۔ یہ سُنتے ہی سیّد صاحبؒ نے پھاوڑے طلب کیے۔ کچھ لوگ پھاوڑے لینے دَوڑے، کچھ کہنے لگے کہ بُرج ابھی پُورا نہیں گرا ہے۔ اگر بُرج پُورا گر چکا ہوتا، تو حرج نہ تھا۔ اب اندیشہ ہے کہ باقی حصّہ بھی گر جائے گا اور لوگ دب جائیں گے۔ آپ نے کچھ سماعت نہ فرمائی اور پھاوڑا لے کر دو آدمیوں کے ہمراہ بُرج کے نیچے تشریف لے گئے اور ملبہ ہٹانے لگے۔ آپ کی کوشش سے ایک آدمی جو قلعۂ اٹک کا رہنے والا تھا، زندہ نکل آیا۔ اگرچہ زخمی ہو گیا تھا، مگر سلامت تھا۔ اُس وقت آپ نے حاضرین سے فرمایا کہ اگر مَیں تمھارے روکنے سے رُک جاتا، تو ایک مسلمان کی جان بچانے کے ثواب سے محروم رہتا۔ الحمدللہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کرم سے اُس کو زندہ نکال دیا اور ہم کو اس کا ثواب عطا فرمایا۔ لوگوں نے کہا کہ حضرت، یہ آپ کی کرامت ہے۔ ورنہ اس کی ہلاکت میں کیا شک تھا؟

ایک رہزن کی توبہ اور اصلاح | ٹوپئی میں پھلیلہ نام کا ایک شخص بڑا ظالم اور مردُم آزار تھا۔ تمام بستی والے اُس سے تنگ اور عاجز تھے۔ آخر سب نے متفق ہو کر اُس کو ٹوپئی سے نکال دیا۔ وُہ وہاں سے دریائے اٹک اُتر کر سکھلی میں جا رہا اور اُن سے موافقت پیدا کی۔ انھوں نے اٹک کے کنارے اُس کے لیے ایک بُرج بنا دیا اور زراعت کے واسطے کچھ زمین بھی دی۔ وُہ اس بُرج

میں رہنے لگا۔ پچاس ساٹھ آدمی اُس کے پاس ہر وقت رہتے تھے۔ وہ اکثر ٹوپئی کے علاقے میں ڈاکہ مارا کرتا تھا اور وہاں بیٹھ کر کھاتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے سکھوں کو اپنے ساتھ لے کر مشوانی قوم کے ایک آباد موضع کو خُوب لوٹا۔ اُس بستی کے اسّی آدمی مارے گئے اور اس بستی پر قبضہ کر کے خود وہاں رہنے لگا اور سکھوں کی شہ پر ٹوپئی، مینئی، منارہ اور کھبّل وغیرہ پر ڈاکہ ڈالنے لگا۔ ان بستیوں کے لوگ سیّد صاحبؒ کے پاس نالشی ہُوئے اور اُس کی سرکوبی کی درخواست کی۔ آپ نے ان کی تسلّی اور دلجمعی کر کے واپس کر دیا اور پھلیلہ کے پاس اس مضمون کا خط بھیجا کہ تم مُسلمان ہو تم کو مناسب نہیں ہے کہ تم اپنے مسلمان بھائیوں کو لُوٹو، مارو اور تنگ کرو۔ تم یہاں ہمارے پاس چلے آؤ، ہم تم کو تمھاری بستی میں بسا دیں گے اور جو تمھاری زمین جاگیر ہو گی، تم کو دِلا دیں گے اور اِنشاء اللہ تعالیٰ! تم کو ایک گاؤں اَور دیں گے۔

جب یہ خط اُس کو مِلا، اُس نے اپنے ساتھیوں سے صلاح لی۔ سب نے کہا: چلنا ہی مناسب ہے، کیونکہ وُہ سیّد اور ہم سب کے امام اور بادشاہ ہیں۔ ہم سب کو تو پکڑنے سے رہے اگر دو چار کو ہم میں سے گرفتار کر لیں گے، تو ہم جیسا ہو گا، دیکھ لیں گے۔ چنانچہ پھلیلہ امب میں آکر سیّد صاحبؒ سے مِلا۔ آپ بہت خوش ہُوئے۔ اُس نے تین گھوڑے، چار بندُوقیں اور نَو تلواریں، جو سکھوں سے ایک روز پہلے لُوٹی تھیں، آپ کی نذر کیں۔ آپ نے اُس کے آدمیوں کو ایک ایک پگڑی اور ایک ایک لُنگی عنایت کی اور پھلیلہ کو ایک سبز دوشالہ، بہت سے کپڑے اور کچھ نقد روپے دِیے۔ پھر پھلیلہ نے اور اُس کے سب آدمیوں نے آپ سے بَیعت اور فِسق و فُجُور اور بُرے کاموں سے توبہ کی۔ تین روز آپ نے اُس کو اپنے پاس رکھا اور اُس کو خُوب نصیحت فرمائی اور اُس کو تسلّی کر کے رُخصت کیا۔ تھوڑے دن کے بعد آپ نے موضع ٹوپئی کے رئیسوں کو اور پھلیلہ کو بُلایا اور اُن سے صُلح صفائی کرائی اور پھلیلہ کا جو حق ٹوپئی میں تھا، اُن رئیسوں سے دِلا دیا اور ایک گاؤں کھبّل سے کوس بھر، جو دریائے اٹک کے کنارے ایک ٹیکری پر ویران پڑا تھا اور وہاں اکثر مُسافر لوگ لُٹ جاتے تھے، وہ پھلیلہ کو دِلوا دیا اور فرمایا

کہ اب تم وہیں رہا کرو۔ آپ نے ٹوپئی والوں کو رُخصت کر دیا اور پھلیلہ آپ کے پاس رہا۔

پھلیلہ کی کارگزاری دُوسرے یا تیسرے روز کسی مخبر نے آکر پھلیلہ سے کہا کہ سکھوں کی رسد سکندر پور سے دَربند کو جاتی ہے۔ یہ حال سُن کر پھلیلہ نے عرض کی کہ اگر مجھ کو اجازت ہو، تو مَیں آپ کو اس کا تماشا دکھاؤں۔ آپ نے فرمایا کہ تم کو اجازت ہے۔ پھلیلہ نے کوئی سَو سوا سَو آدمی بُلا کر جمع کیے اور عشرہ کے کوٹلے پر بٹھائے اور اُن سے کہا کہ ہم لوگ جا کر نالے میں چھُپیں گے۔ جب سکھوں کی رسد ہمارے مقابل آئے، تب تم بندُوق چلا دینا۔ وُہ رات ہی کو شناچوں پر سوار کر کے اپنے لوگوں کو سندھ کے پار لے گیا اور سب دامنِ کوہ کے نالے میں جا چھُپے۔

اگلے روز کوئی تین گھڑی دن چڑھے سکھ رسد لیے ہُوئے آئے۔ کوئی پانچ سَو سوار اَور پیادے رسد کے آگے تھے، اتنے ہی پیچھے تھے۔ رسد بیلوں، خچروں اور گدھوں پر تھی۔ اس میں گیہوں اور گھی کے کُپّے اور آٹا اور شکر تھی۔ ایک سال کا سامان تھا۔ وہ جب آتے آتے اس نالے کے مقابل پہنچے تو کوٹلے والوں نے دو بندوقیں چلائیں۔ ادھر پھلیلہ کے لوگوں نے نالے سے نکل کر بندوقوں کی ایک باڑ ماری اور تلواریں کھینچ کر اُن پر دَوڑے۔ یہ لوگ جا کر رسد پر گرے جس سے جو اسباب لیا گیا، وُہ لیا اور دریائے سندھ کا کنارا پکڑا۔ اُدھر سکھوں نے اُن کا پیچھا کیا اور بندوقیں مارنے لگے۔ جب اُن پر سکھوں کا زیادہ دباؤ ہُوا، تو سیّد صاحبؒ نے شیخ وزیر گولہ انداز کو توپ سر کرنے کا حکم دیا۔ شیخ وزیر نے سکھوں کے ایک غول کی طرف چار گولے مارے۔ وُہ تمام پراگندہ ہو گئے۔ اس فُرصت میں یہ لوگ اپنے اپنے شناجے پھُونک کر دریا میں سوار ہُوئے اور اسبابِ غنیمت اور اپنے ہتھیار لے کر پیرنے لگے اور سلامت پار اُتر آئے۔

امب کا آم امب میں دریائے سندھ کے کنارے دامنِ کوہ میں آم کا ایک بڑا درخت تھا۔ ایک بار سیّد صاحبؒ نے وہاں کے لوگوں سے پُوچھا کہ یہ درخت پھلتا بھی ہے۔ اُنھوں نے کہا کہ ہماری یاد میں تو کبھی نہیں پھلا۔ پھُول تو آتا ہے، مگر گر جاتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اِس کا کیا سبب ہے کہ بُور آتا ہے اور پھل نہیں لگتے۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ ہم اپنے بزرگوں سے

سُنتے آئے ہیں کہ اگلے زمانے میں جب یہاں کا حاکم دیانتدار، مُنصِف اور رعیّت پرور تھا، اُس کی خوش نیّتی اور برکت کے سبب سے یہ درخت پھلا کرتا تھا۔ اس کے بعد جب سے یہاں کے حاکم لوگوں پر ظُلم اور زیادتی کرنے لگے، تب سے یہ درخت نہیں پھلتا۔

آپ نے یہ سُن کر فرمایا کہ اگر اِس کے نہ پھلنے کا سبب یہی ہے، جو تم کہتے ہو، تو ہم اپنے پروردگار سے دُعا کریں گے کہ جو ہمارے غازی بھائی اپنے اپنے گھر بار چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کو آئے ہیں، کیا عجب ہے کہ یہ درخت ان سب بھائیوں کی نیک نیّتی اور برکت سے پھلے اور جنابِ الٰہی سے مجھے اُمیدِ قوی ہے کہ یہ درخت پھلے گا۔

اُن دنوں آموں میں بُور آنا شروع ہُوا تھا۔ ایک روز نمازِ عصر کے بعد آپ اُس درخت کی طرف گئے۔ لشکر اور بستی کے بہت سے لوگ ہمراہ تھے۔ آپ نے اُس درخت کو ہر طرف سے دیکھا۔ پھر برہنہ سر ہو کر دیر تک دُعا کی۔ ہمراہی "آمین!" کہتے تھے۔ لوگوں کے آنسو جاری تھے۔ دُعا کے بعد آپ نے میاں جی سیّد محی الدّین پھلتی سے فرمایا کہ تم کل سے اپنے شاگردوں کو اسی درخت کے نیچے پڑھایا کرو۔ چڑیاں بھی اس کا بُور نہ گرائیں گی۔ اگلے روز میاں جی سیّد محی الدین اسی آم کے تلے اپنے شاگردوں کو پڑھانے لگے یہاں تک کہ اس میں کیریاں آئیں اور لوگ چٹنی کھانے لگے۔ جب آپ پنجتار تشریف لے گئے، شیخ ولی محمد صاحب نے اس درخت کے تلے ایک پہرا بٹھا دیا۔ آپ کی اہلیہ صاحبہ امب ہی میں تھیں۔ جو پھل ٹپکتے تھے، اُن کے پاس جاتے تھے۔ پھر شیخ صاحب نے سب آم تُڑوا کر پال رکھوا دیے۔ جب پال تیّار ہوئی، تب کئی ٹوکرے آپ کے پاس پنجتار بھیجے اور کئی ٹوکرے اپنے پاس رکھ لیے۔ ان میں سے بی بی صاحبہ کو کھلائے اور ایک ایک، دو دو آم غازیوں کو دیے۔[1]

○

[1] وقائع صـ ۱۷۳۲

بائیسواں باب

سکھوں کی سعیِ مصالحت اور مسلمان سفیروں کی حق گوئی وجرأت

مہاراجہ رنجیت سنگھ کا پیغامِ مصالحت سرحدی آویزشوں اور متعدد معرکہ آزمائیوں کے ساتھ مہاراجہ رنجیت سنگھ کو وقتاً فوقتاً یہ خیال آتا رہا کہ سیّد صاحبؒ ایک فقیر منش، درویش صفت بزرگ ہیں۔ سرحد و افغانستان میں بارہا ایسا ہوا ہے کہ کسی شیخ طریقت یا صاحب حمیّت بزرگ نے علمِ جہاد بلند کیا اور مریدین و مخلصین کی جمعیّت اپنے گرد جمع کرلی، لیکن پھر حکومت نے اُن کو کوئی علاقہ یا جاگیر دے کر یا وظیفہ اور نذرانہ مقرر کر کے گوشہ نشینی، یادِ الٰہی اور خدمتِ خلق پر آمادہ کر لیا، اور شورش رفع ہو گئی۔ اس نے پہلے قیامِ امب کے زمانے میں آپ کے پاس اسی مقصد کے لیے ایک مُوقّر سفارت بھیجی، جس میں اُس کے مُشیرِ خاص اور مُعتمد حکیم عزیز الدین بھی تھے، پھر دیوان مولراج کو اس مسئلے میں گفت و شنید اور نامہ و پیام کرنے کی ہدایت کی۔

وقائع کا بیان ہے کہ امب کے زمانۂ قیام میں حکیم عزیز الدین دہلوی مہاراجہ کی طرف سے وکیل ہو کر آئے۔ وزیر سنگھ[1] ہمراہ تھا۔ حکیم عزیز الدین مہاراجہ کا خط لائے تھے، جس کا مضمون یہ

---

[1] وقائع میں ہے کہ وزیر سنگھ پوشیدہ سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر بیعت کر گیا تھا اور مسلمان ہو چکا تھا۔ یہ بھی ذکر ہے کہ وہ مہاراجہ کا برادرِ نسبتی تھا۔ دوسرے ذرائع سے اس بیان کی تصدیق یا تکذیب نہیں ہو سکی۔

تھا کہ خلیفہ صاحب، آپ سیّد، حاجی اور غازی، اللہ والے ہیں۔ ہم آپ کی دُعا کے اُمیدوار ہیں۔ اگر ہندوستان سے اس مُلک میں مُلک گیری کے اِرادے سے تشریف لائے ہیں، تو آپ دریاے اٹک کے اُس پار کی نو لاکھ روپے کی آمدنی کی جاگیر ہم سے لے لیں اور دریا کے اُس پار جہاں آپ تشریف رکھتے ہیں، اُس مُلک کی نعلبندی ہم لیتے آئے ہیں، وہ مُلک بھی ہم آپ ہی کی نذر کریں۔ آپ بفراغت اپنے صاحب کی بندگی میں مشغول رہیں اور ہم سے لڑنے بھڑنے کا خیال نہ کریں۔ اَور جو یہاں لاہور میں ہمارے پاس چلے آئیں، تو ہم آپ ہی کو اپنی کُل فوج کا افسر بنا دیں۔

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ ہم جو مسلمانوں کے اس مُلک میں اتنے لوگوں کے ساتھ آئے ہیں، تو نہ کسی کی ریاست چھیننے کی غرض سے آئے ہیں، نہ مُلک گیری کے شوق میں ہم تو محض جہاد فی سبیل اللہ اور اعلاءِ کلمۃ اللہ کے واسطے آئے ہیں اور جو رنجیت سنگھ اتنے مُلک دینے کا لالچ دیتا ہے، اگر وُہ اپنا تمام مُلک دے، تب بھی ہم کو غرض نہیں ہے۔ البتہ اگر وُہ مسلمان ہو جائے، تو ہمارا بھائی ہے۔ اللہ کی تائید سے جو مُلک ہمارے ہاتھ لگے ہیں، ہم اُس کو دے دیں اور جو اُس کا مُلک ہے، وُہ بھی اُس کے پاس رہے۔

حکیم صاحب نے کہا کہ ہم غائبانہ آپ کا جو حال لوگوں سے سُنتے تھے، اُس سے زیادہ ہم نے آپ کو پایا۔ آپ کا دعویٰ سچّا ہے۔ سو لئے "اٰمَنَّا وَسَلَّمْنَا" کے ہمارے پاس کوئی جواب نہیں۔ سیّد صاحبؒ نے حکیم صاحب کو بہت خاطرداری اور عزّت و توقیر سے اپنے یہاں اُتارا اور مہمانی کی۔ آپ کے لشکر میں ڈوگروں کا ایک جمعدار رنجیت سنگھ کے یہاں سے کسی امر میں ناخوش ہو کر چلا آیا تھا۔ آپ نے اُس کو اور پچاس ساٹھ اُس کے ساتھ کے ڈوگروں کو نوکر رکھ لیا تھا۔ اُس کے نام کا بھی مہاراجہ کا ایک پروانہ حکیم صاحب لائے تھے کہ اپنے لوگوں کے ساتھ ہمارے یہاں چلا آئے۔ حکیم صاحب نے وُہ پروانہ اُس جمعدار کو دیا اور اپنے ساتھ لے جانا چاہا۔ اُس نے آکر یہ حال حضرت سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: تُم کو اختیار ہے، چلے جاؤ۔ جو

کچھ اُس جمعدار اور اُس کے ساتھیوں کی تنخواہ چڑھی تھی، آپ نے سب اپنے یہاں سے دِلوادی حکیم عزیز الدین صاحب رُخصت ہونے لگے، تو آپ نے مہاراجہ رنجیت سنگھ کے نام دعوتِ اسلام کا مضمون، جو حکیم عزیز الدین صاحب سے زبانی فرمایا تھا، لکھوا دیا۔

وینتورا کی خواہش پر سفارت کی روانگی

اس عرصے میں وینتورا اور الارڈ نے بارہ ہزار سواروں اور پیادوں کے ساتھ پشاور کی تعلبندی (جو گھوڑوں اور باڑہ کے چاولوں کی شکل میں سالانہ وصُول کی جاتی تھی) وصُول کرنے کے لیے کوچ کیا اور دریائے اُنڈے کے کنارے ڈیرہ کیا۔ "منظورہ" سے معلوم ہوتا ہے کہ وینتورا نے خود اِس بات کی خواہش ظاہر کی کہ کوئی قابلِ اعتماد اور فہیم شخص لشکرِ مجاہدین سے آکر اس سے گفتگو کرے۔ سیّد صاحبؒ نے پہلے حاجی بہادر شاہ خاں کو اس کام کے لیے مامور فرمایا اور اُن کو ہدایات دیں، پھر مولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی کو اس مہم کے لیے منتخب فرمایا اور اُن کے انتخاب پر بہت اطمینان و مسرّت کا اظہار فرمایا اور ارشاد ہُوا کہ پہلے مجھے اُن کا خیال نہیں آیا تھا، حاجی بہادر شاہ خاں کو (جو ایک سپاہیانہ مزاج مخلص بزرگ تھے) بہت دیر تک گفتگو کے نشیب و فراز سمجھاتا رہا، لیکن طبیعت کو اطمینان نہیں ہوتا تھا۔ اچانک مولوی خیر الدین صاحب سامنے آگئے، تو ذہن اُن کی طرف منتقل ہُوا کہ یہ اس کام کے لیے بڑے موزوں ہیں۔ آپ نے مولوی صاحب سے فرمایا کہ وینتورا فرانسیسی نے خط لکھا ہے کہ کسی معتبر آدمی کو ہمارے پاس بھیجیے، جس کی زبانی ہم کچھ پیغام بھیجیں۔ آپ تشریف لے جائیے اور جو وُہ کہے، اس کا معقول جواب دیجیے۔ اس کے بعد مولوی ولی محمد صاحب کو ارشاد ہُوا کہ ان کے مصارف کے لیے دس روپے دلے دیجیے، اور مولوی خیر الدین صاحب کی سواری کے لیے گھوڑے کا انتظام کر دیجیے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ حاجی بہادر شاہ خاں کو تین روز سمجھانے کی ضرورت پڑی۔ مولوی صاحب کو تین گھنٹے تو ہدایات دینے کی ضرورت پڑے گی۔ ارشاد ہُوا کہ ان کو سمجھانے کی ضرورت نہیں۔

ان دونوں حضرات کے ساتھ دس بارہ دُوسرے اشخاص کو بھی، جن کو ہندوستان جانا تھا،

رُخصت فرمایا گیا۔ وزیر سنگھ سے ارشاد ہُوا کہ اِن لوگوں کو دریائے سندھ کے پار کرا دیا جائے۔ ستھانے تک یہ سب ساتھ آئے۔ وہاں سے حکیم صاحب اور وزیر سنگھ لشکر کی طرف چلے گئے اور مولوی خیر الدین صاحب اور حاجی بہادر شاہ خاں نے موضع سلیم خاں میں قیام کیا اور وینتورا کو اطلاع کی کہ ہم آپ کی فرمائش کے مطابق حضرت امیر المومنین کے فرستادہ آئے ہیں۔ ہمارا قیام سلیم خاں میں ہے۔ سِکھ غیر ذمّے دار لوگ ہیں۔ ہم کو خود آنے میں تأمل ہے کہ ہم سے مزاحمت نہ کی جائے۔ اگر آپ اس کا بندوبست کر سکیں، تو ہم آپ کے پاس آئیں۔

دوسرے روز جمعدار وزیر سنگھ پانچ سواروں کے ساتھ طُلُوعِ آفتاب کے بعد ہی وینتورا کا رقعہ لے کر پہنچا، جس میں تحریر تھا کہ آپ بلا دغدغہ تشریف لے آئیے۔ آپ کو کوئی گزند نہیں پہنچ سکتا۔ مولوی صاحب موصُوف اپنے رُفقاء کے ساتھ لشکر میں پہنچے۔ لشکر دریا کے دونوں کنارے خیمہ زن تھا۔ آمد و رفت کے لیے پُل بنا لیا گیا تھا۔ مولوی صاحب اور اُن کے ہمراہیوں کا علاقۂ سمہ کے ایک مُلّا کے یہاں (جو سیّد صاحبؒ کے مریدین میں سے تھا) قیام ہُوا۔ وزیر سنگھ نے مہمانوں کی تعداد اور تفصیلات سے وینتورا کو مطلع کیا۔ وہاں سے دس سیر چاول، دس سیر آٹا، ڈیڑھ سیر گھی، ایک بکرا اور بیس روپے ضیافت کے لیے آئے۔ جب تک ان حضرات کا وہاں قیام رہا، اسی طرح جنس لشکر کی طرف سے دعوت کے لیے آتی رہی۔

فرانسیسی جنرل کے خیمے میں دُوسرے روز وزیر سنگھ نے آکر اِطلاع دی کہ آپ کو صاحب (وینتورا) بُلاتے ہیں۔ مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا: یہ بتلا دو کہ ہم اپنے ہتھیار سمیت آئیں یا ہتھیار رکھ کر۔ اگر ہتھیار سمیت یہاں سے چلیں گے، تو ہم اپنے ہتھیار کہیں اور اُتار کر نہیں رکھیں گے۔ وزیر سنگھ نے کہا کہ آپ ہتھیار سمیت چلیے۔

خیمے میں پہنچے، تو دیکھا کہ دونوں ولایتی افسر (وینتورا اور ایلارڈ) اپنی اپنی کُرسی پر بیٹھے ہُوئے ہیں۔ ایک چھوٹی میز اُن کے سامنے رکھی ہے۔ اُن کی کُرسیوں کے علاوہ کوئی اور کُرسی خیمے میں نہیں ہے۔ البتہ ایک عُمدہ اور بہت بڑا قالین میز کے نیچے بچھا ہُوا ہے۔ حاجی بہادر شاہ خاں

"اَلسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی" کہتے ہوئے داخل ہوئے اور میز کے قریب بیٹھ گئے۔ وزیر سنگھ خیمے کے دروازے پر رہا۔ اس وقت وینتورا نے اخبار نویس اور حکیم عزیز الدین کو بھی بلا کر وکیلوں کے پاس بٹھایا۔

وینتورا اور مولوی خیر الدین صاحب کی گفتگو وینتورا نے سفراء سے خطاب کر کے پوچھا کہ آپ میں مولوی کون ہے۔ حاجی صاحب نے مولوی خیر الدین صاحب کی طرف اشارہ کیا۔ وینتورا جوان آدمی تھا اور فارسی پر خوب قدرت رکھتا تھا۔ اُس نے کہا کہ مَیں آپ سے کچھ علمی گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔ مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا کہ اگر گفتگو دینی اُمور و مسائل میں ہو گی، تو صاف اور تلخ جواب سے آزردہ اور برافروختہ نہ ہوں، ورنہ ایسی گفتگو کی ضرورت نہیں۔ وینتورا نے کہا کہ جو کچھ آپ کے دل میں آئے، بے تکلف کہیے، مَیں بُرا نہ مانوں گا، لیکن جواب عالمانہ ہونا چاہیے، اس لیے کہ مَیں آپ کے دین سے واقف ہوں، خاص طور پر مَیں نے آپ کی تاریخ اور دینیات کی کتابیں بہت پڑھی ہیں۔ دوسرا ولایتی افسر (الارڈ)، جو مُعمّر تھا، کم گو اور خاموش تھا۔

وینتورا نے گفتگو شروع کی اور کہا کہ جس زمانے میں ہمارا ڈیرہ حضرو میں تھا، اس زمانے میں ایک فقیر صورت شخص خلیفہ صاحب کی طرف سے ہم سے ملا تھا۔ اُس نے کہا تھا کہ اگر سرکار خالصہ (مہاراجہ) مُلک یوسف زئی کا مالیہ ہماری معرفت وصول کر لیا کرے، تو سرکار کو فوج کشی کی تکلیف اور زیر باری سے چھٹی مل جائے اور علاقے کے لوگ سال بسال تاخت و تاراج ہونے اور ویرانی و آتش زنی کی مُصیبت سے بچ جائیں۔ ہم کو یہ بات معقول معلوم ہوئی، اس لیے کہ اس میں فریقین کا فائدہ ہے۔ سرکار کو سرگرانی اور رعیت کو پریشانی سے ہمیشہ کے لیے نجات مل جائے گی۔ میں دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ یہ بات صحیح ہے۔

مولوی خیر الدین صاحب نے فرمایا کہ یہ بات محض دروغ اور بے اصل ہے۔ اس دروغ گو نے محض اپنی جان بچانے کے لیے آپ سے یہ بات بنائی۔ خلیفہ صاحب کو کفار کی اطاعت اور اُن کو مالیہ دینے سے کیا سروکار؟ اس لیے کہ وہ علاقہ دُور دراز میں مُلک و جاگیر کے حصول کے

لیے نہیں آئے۔

وِنیتورا نے کہا کہ اچھا، اگر اُن کو کسی قسم کی طمع نہیں ہے، تو اس بے سروسامانی کے ساتھ ایک ایسی ہستی سے کیوں برسرِ جنگ ہیں، جو خزانوں، دفتروں اور فوج اور لشکروں کی مالک ہے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے سُنا ہوگا کہ خلیفہ صاحب ہندوستان میں صاحبِ وجاہت و عزّت ہیں، لاکھوں آدمی بڑے فخر و مسرت کے ساتھ آپ کے سلسلۂ بیعت میں داخل ہیں، آپ وہاں اُمراءِ عالی مقام کی طرح عیش و آرام کے ساتھ زندگی گزار سکتے تھے، آپ کو ترکِ وطن اور کوہ گردی کی ضرورت نہ تھی۔

وِنیتورا نے کہا کہ ہاں، مجھے معلوم ہے کہ خلیفہ صاحب کو یہ سب عیش و عزّت اپنے مقام پر بھی حاصل تھی اور وہاں کے اہلِ حکومت آپ کی بڑی عزّت و توقیر کرتے تھے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ ایسی دولت و عزّت کو خیرباد کہہ کر سفر کی صعوبتیں اور وطن کی مفارقت، اور ایک اُمیدِ موہوم کے پیچھے دن رات کوہستان میں مشقّت کا اختیار کرنا اور بے سروسامانی کے باوجود ایک طاقتور دشمن کے مقابلے کا عزم رکھنا، جو مُلک و افواج کا مالک ہے، کون دانشمند روا رکھتا ہے؟

جہاد کا اسلامی فریضہ | اب آپ مُتوجّہ ہو کر سُنیے کہ اس کا سبب یہ ہے کہ آپ کو معلوم ہے کہ دینِ اسلام میں پانچ احکام فرض کا درجہ رکھتے ہیں، جن کی ادائی کی خداوندِ عالم کی طرف سے تاکید شدید ہے اور وُہ نماز، روزہ، زکوٰۃ، حج اور جہاد ہے۔ نماز ہر مسلمان پر فرض ہے، غنی ہو یا فقیر؛ اِسی طرح روزہ؛ البتہ زکوٰۃ غنی پر فرض ہے، سال گزرنے پر وُہ اپنے مال کا چالیسواں حصّہ راہِ خُدا میں نکالتا ہے۔ اِن تینوں سے مُشکل تر حج کا فریضہ ہے۔ وُہ اگرچہ عُمر بھر میں غنی پر ایک ہی بار فرض ہے، لیکن چُونکہ اس کے لیے اکثر سمندر کا سفر کرنا اور اپنے کو خطرات میں ڈالنا اور اپنے خاندان و خانمان سے جُدا ہونا ضروری ہوتا ہے اور بھی بہت سی مشقتیں اس سے وابستہ ہیں، اس لیے لکثر مالدار دُنیا طلب اس فریضے کی ادائی میں سُستی سے کام لیتے ہیں اور اس سعادت سے محروم رہتے

ہیں۔ اس سلسلے میں آپ نے سُنا ہوگا کہ سیّد صاحبؒ نے بے سروسامانی کے باوجود سیکڑوں آدمیوں کی معیّت میں حج کیا اور اس میں ہزاروں روپے صرف ہُوئے کہ کسی امیرِ کبیر کو بھی اس عالی حوصلگی اور دریا دلی کے ساتھ حج کرنے اور کرانے کی توفیق نہیں ہُوئی۔ وِنیتورا نے کہا کہ آپ سچ کہتے ہیں کہ اِس شان کے ساتھ اس زمانے میں کسی نے حج نہیں کیا۔

مولوی صاحب نے فرمایا کہ جہاد کی عبادت حج سے بھی دُشوار تر ہے۔ وہ دولت کی کثرت اور فراوانی پر بھی موقوف نہیں۔ وہ محض توفیقِ الٰہی پر منحصر ہے۔ اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل سے کسی کو اس سعادت کے لیے انتخاب فرمالیتا ہے۔ اِنھیں مشکلات وخصُوصیات کی بنا پر اس عبادت کا ثواب بھی دوسری عبادات کے مقابلے میں زیادہ ہے، اس لیے کہ اِس عبادت میں جان و مال اور اہل وعیال سے دست بردار ہونا پڑتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ یہ جہاد محض ہمارے پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم ہی پر فرض نہیں تھا، بلکہ حضرتِ ابراہیم و مُوسیٰ و داؤد علیہم السّلام پر بھی فرض تھا۔ آپ کو خود تاریخ کی کتابوں سے یہ بات معلوم ہُوئی ہوگی۔ وِنیتورا نے کہا: جی ہاں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ چُونکہ سیّد صاحب عنایتِ الٰہی سے مقبولِ بارگاہ اور صاحبِ ارادہ وعالی ہمّت بزرگ ہیں، اُنھوں نے اس فریضے کی ادائی کا تہیّہ کیا۔ اس کی ادائی کی دو شرطیں ہیں: ایک یہ کہ جماعتِ مجاہدین کا کوئی امیر اور امام ہو، جس کی ماتحتی میں شرعی طریقے پر جہاد کیا جائے؛ دُوسرے یہ کہ کوئی دارالامن ہو، جہاں سے اس فریضے کی ابتدا کی جائے۔ ہندوستان میں کوئی دارالامن نہیں ہے وہاں یہ معلوم ہُوا کہ قبائلِ یوسف زئی سکھوں کے ساتھ جہاد کرتے رہتے ہیں، لیکن اُن کا کوئی شرعی امیر یا امام نہیں، اُن کا مُلک کوہستان اور جائے امن ہے۔ اس لیے آپ چھ سَو اشخاص کے ساتھ اس مُلک میں تشریف لائے اور اس مُلک کے مسلمانوں کو اس فریضے کی ادائی کی ترغیب دی اور اُن کو اِس پر آمادہ کیا یہاں تک کہ اُن لوگوں نے آپ کے دستِ مُبارک پر بیعتِ امامت کرکے آپ کو اپنا سردار بنایا۔ اُسی وقت سے آپ کو امام، امیرالمومنین اور خلیفہ کے لقب سے موسُوم کیا جاتا ہے۔

جہاد کی حقیقت | یہ بھی آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ جہاد جنگ و ملک گیری کا نام نہیں۔ جہاد کا شرعی مفہوم یہ ہے کہ اعلاء کلمۃ اللہ، کفار کا زور توڑنے اور اُن کے دین و مذہب کی شورش کو دفع کرنے کی امکانی کوشش کی جائے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جماعتِ مجاہدین کے امام کے لیے یہ بھی شرط نہیں کہ اس کی تیاریاں اور ساز و سامان دشمن کے ساز و سامان کے مساوی ہو۔ دین کی ترقی اور اُس کے سامان کی فراہمی کی کوشش البتہ شرط ہے۔ پس اگر جنگ پیش آجائے اور مصلحت کا تقاضا ہو، تو جنگ کی جائے گی اور اگر فتح ہو جائے، تو دشمنوں کے مال کو مالِ غنیمت بنانا اور اُن کے زن و فرزند کو اسیر کرنا اور اُن کے مُلک پر قبضہ کر لینا بھی روا ہے۔ بہرحال اصل مقصود ترقیِ دین ہے، فتوحات اُس کا ثمرہ ہیں۔ بلکہ اعلیٰ درجے کی فتح یہ ہے کہ جب تک جان میں جان ہے، غازی مُجاہد ہی رہیں۔ جن کے فضائل اور مراتب و مناقب قرآن مجید میں واضح اور مفصّل طریقے پر بیان کیے گئے ہیں۔ اور اگر کفّار کے ہاتھ سے خدا شہادت نصیب فرمائے۔ تو زہے نصیب! رسالت کے بعد اس مرتبے سے بڑھ کر کوئی مرتبہ ہی نہیں۔

ونیتورا نے کہا کہ ہاں، بیشک آپ کے مذہب میں شہید کا بڑا مرتبہ ہے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ پر بڑا تعجب ہے کہ آپ نے ابھی اقرار کیا تھا کہ تمام پیغمبروں نے اپنے اپنے زمانے میں جہاد کیا؛ پھر آپ یہ کہتے ہیں کہ "تمھارے مذہب میں"۔ بھلا "تمھارے مذہب کی اس قید کی کیا ضرورت تھی؟ آپ کو تو یہ کہنا چاہیے تھا کہ "پیغمبروں کے یہاں یہ عبادت اعلےٰ مرتبے کی ہے"۔

مجاہدین کا اعتقاد و اعتماد | ونیتورا نے کہا کہ ہیں نے یہ مانا، لیکن یہ بات عقل کے خلاف معلوم ہوتی ہے کہ اس بے سر و سامانی کے ساتھ کہ خلیفہ صاحب کے پاس نہ افواج ہیں، نہ توپ خانہ، نہ سرمایہ، نہ مُلک، لیکن اُن کے عزائم یہ ہیں! مولوی صاحب نے فرمایا کہ ہاں، اہلِ دُنیا کو فوج، توپ اور خزانوں پر اعتقاد ہوتا ہے اور ہم کو اللہ تعالیٰ کی قوت و قدرت پر توکّل و اعتماد۔ ہم نہ فتح کا دعویٰ کرتے ہیں، نہ شکست سے مُلول ہوتے ہیں۔ یہ دونوں چیزیں اللہ تعالیٰ کے دستِ قدرت

میں ہیں۔ ہمارا عقیدہ ہے کہ کَم مِّن فِئَةٍ قَلِيلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۔(البقرۃ:۲۴۹)

تاریخ کی شہادت اگر آپ کو اس سے انکار ہے، تو آپ کی تاریخ دانی کا دعویٰ غلط ہے، اس لیے کہ کتب تاریخ سے ثابت ہے کہ بہت سے زبردست وسرکش اور کثیر التعداد گروہ حقیر وکمزور لوگوں کے ہاتھ سے زیر و پامال ہوئے، خصوصاً جب کہ ضعفاء اللہ تعالیٰ کے دین کی حمایت ونصرت کے لیے کمربستہ ہوتے ہیں۔ چنانچہ پیغمبروں کو بھی ایسے معاملات پیش آئے، جو تاریخ کی کتابوں میں مذکور ہیں۔ کسی پیغمبر کے پاس بھی خزانہ، توپ اور فوج نہ تھی۔ تھوڑے تھوڑے پیروؤں کے ساتھ، جو غریب و فقیر تھے، انھوں نے بڑے بڑے زبردستوں اور گردن فرازوں کو خاک میں ملا دیا۔ اُن کے جانشینوں اور نائبین نے بھی عظیم الشان سلطنتوں کو درہم برہم کر دیا۔ اس سلسلے میں زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ آپ خود تاریخ داں ہیں۔ تاریخ کی کتابیں خود رہنمائی کرنے کے لیے کافی ہیں۔

اس موقع پر جنرل الارڈ نے کہا کہ یہ نہیں ہوا کرتا کہ بے سروسامان صاحب ساز وسامان کے مقابلے میں اور غیر مسلح مسلح کے مقابلے میں کامیاب ہوں۔ وینتورا نے کہا کہ نہیں، مولوی صاحب صحیح کہتے ہیں کہ بڑوں نے چھوٹوں کے ہاتھوں شکست کھائی۔

امب کا جائے وقوع وینتورا نے کہا کہ دیکھیے، یہ ساری فوج پنجتار کا رُخ کرے گی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ پنجتار میں تو ہم آپ کے قابو میں نہیں آئیں گے۔ اس لیے کہ خلیفہ صاحب اس وقت امب میں ہیں اور وہ مقام آپ کا دیکھا ہوا ہے کہ ایک طرف تو اُس کے غربی خندق ہے، یعنی دریائے سندھ، جس کا عبور کرنا نہایت دشوار ہے! دوسری جانب ہمہ کا غربی حصار ہے، یعنی، ایسے دشوار گزار پہاڑ کہ اگر کسی درے پر دس بندوقچی بھی بیٹھ جائیں، تو آپ کی یہ ساری فوج، بلکہ اگر ایسی ہی دوسری فوج بھی ہو، تو اس سے گزر نہیں سکتی۔

پنجتار میں مقابلے کی تیاریاں وینتورا نے کہا کہ صحیح ہے، امب سخت مقام ہے، لیکن میں تو پنجتار جانے کا ذکر کرتا ہوں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ پنجتار کیا چیز ہے اور وہاں فوج کشی کرنے

سے کیا ملے گا؟ فتح خاں نے اپنی قوم کی ایک جماعتِ کثیرہ کو جمع کیا ہے اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اپنی تقویت کے لیے طلب کیا ہے۔ مولانا ایک جماعتِ مجاہدین اپنے ساتھ رکھتے ہیں۔ سب ملا کر دس بارہ ہزار آدمی وہاں جمع ہیں۔ اس کے علاوہ پنجتار میں عورتیں، بچے اور کھیتی باڑی کچھ نہیں ہے، جس کے تاراج و سوخت ہو جانے کا خطرہ ہو۔ اگر فتح کے آثار نظر آئیں گے اور دشمن پر غلبے کی اُمید ہو گی، تو کیا کہنا! ورنہ ایک پہاڑ کو چھوڑ کر دُوسرے پہاڑ کی چوٹی پر چلے جائیں گے۔ بہرحال آپ کو ہمیں نقصان پہنچانے کی قُدرت نہیں۔ اس کے علاوہ پنجتار آپ کا دیکھا ہُوا ہے کہ تین کوس تک دونوں جانب پہاڑوں کا سِلسلہ ہے، اس کے بعد پنجتار واقع ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہم کو ثابت قدمی عطا فرمائی اور تمھارے قدم ڈگمگائے، تو یہ سوچ لینا چاہیے کہ تمھارا اس درے سے گزر کر نکل جانا کتنا دُشوار ہو گا۔ اُس وقت اس پہاڑ کی عورتیں اور بچے تمھارے گھوڑوں اور ہتھیاروں پر قبضہ کر لیں گے۔ پہلے اپنے متعلق غور کر لینا چاہیے، پھر پنجتار کا رُخ کرنا چاہیے۔ پُرانی مثل ہے کہ کہیں داخل ہونے سے پہلے نکلنے کا بندوبست سوچ لینا چاہیے۔

وینتورا نے کہا کہ بات تو اور ہو رہی تھی، ہم بات کرتے کرتے کہیں اور پہنچ گئے۔ ہم کو خلیفہ صاحب سے بہت محبّت ہے۔ اس وجہ سے میں مہاراجہ کی سرکار میں بدنام ہُوں، لیکن جنگ کے موقع پر یہ محبّت کچھ کام نہ آئے گی۔

تحائف کے لیے وینتورا کا اصرار | مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے ٹھیک کہا۔ اگر آپ نے کچھ رعایت کی، تو اپنی سرکار میں نمک حرام کہلائیں گے۔ وینتورا نے کہا: میری صرف اتنی خواہش ہے کہ میرے اور خلیفہ صاحب کے درمیان تحفہ تحائف کی رسم جاری ہو جائے۔ پہلے مَیں کوئی چیز بھیجوں، پھر خلیفہ صاحب کوئی تحفہ بھیج دیں تاکہ یہاں سے واپس جانے کے لیے مجھے کوئی عُذر مل جائے۔ اس کے بعد خلیفہ صاحب کو یُوسف زئیوں کے مُلک کا اختیار ہے؛ جو چاہیں، کریں۔ خالصہ کی فوج پھر اس مُلک پر کبھی نہ آئے گی۔

مولوی خیرالدین صاحب کی دُور اندیشی | مولوی صاحب نے فرمایا کہ خلیفہ صاحب کو تمھاری محبت اور

دوستی سے کوئی غرض نہیں۔ اگر آپ کو غرض ہو۔ تو پہلے آپ سلسلۂ جُنبانی کریں۔ خلیفہ صاحب بڑے بلند حوصلہ اور عالی ہمت ہیں۔ وُہ آپ کے تحفوں کا جواب ضرور دیں گے، لیکن خلیفہ صاحب کی سرکار کا تحفہ یہی ہے کہ کسی کو سر بند کسی کو کُلاہ اور کسی کسی کو جبّہ بھی عنایت فرماتے ہیں۔ اُن کی سرکار میں ہتھیار بھی بڑے بڑے بیش قیمت ہیں۔ تعجب نہیں کہ اُن میں سے بھی کچھ عنایت فرمائیں۔

ونیتورا نے کہا: سر بند اور کُلاہ کو ہم کیا کریں گے؟ ہاں، اگر تحائف کے عوض میں ایک گھوڑا خلیفہ صاحب عنایت فرما دیں، تو معقُول بات ہوگی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں آپ کا مطلب سمجھا۔ ہم گھوڑا آپ کو ہرگز نہ دیں گے۔ ونیتورا نے کہا کہ آپ انکار کر رہے ہیں۔ آپ خلیفہ صاحب کو لکھیے۔ وہ عقلمند ہیں، وُہ اس تجویز کو پسند فرمائیں گے۔ اس کے لیے دور اندیشی کی ضرورت ہے۔

اُس وقت حکیم صاحب، اخبار نویس، بلکہ حاجی بہادر شاہ خاں تک نے مولوی صاحب کو اشارہ کیا کہ ونیتورا جو کچھ کہہ رہا ہے، اس کو قبُول کر لیں، مگر مولوی صاحب اپنی عقل دُور اندیش سے معاملے کی تہ تک پہنچ گئے[1] اور فرمایا یہ بات اس کے لیے تو مُناسب ہے، جو مُلک اور جاگیر پر قابض ہو، لیکن اُس شخص کے لیے مناسب نہیں، جس نے جہاد محض اعلاء کلمۃ اللہ کے لیے شروع کیا ہو۔ جس طرح جو شخص نماز، روزہ اور دُوسرے اعمالِ صالحہ محض خلق اللہ میں بزرگی حاصل کرنے کے لیے کرے، عذاب و وبال کا مستحق ہوتا ہے، اسی طرح جہاد فسادِ نیّت کے ساتھ مُوجب وبال ہے میں ایسی بات خلیفہ صاحب کو نہیں لکھ سکتا۔ اس نسبت میں ہم اور خلیفہ صاحب یکساں ہیں۔ فرق اِتنا ہے کہ ہم نے اُن کو اپنا امام قرار دیا ہے، اس لیے کہ امام کا تقرّر شرائطِ جہاد میں سے ہے جو چیز جہاد کے ثواب کو باطل کرنے والی ہے، اس کے انکار میں ہم اور خلیفہ صاحب برابر ہیں۔

مولوی صاحب کا صاف جواب | ونیتورا نے دو تین بار یہی بات دُہرائی۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ اس بات کو بار بار دُہرانے سے کچھ فائدہ نہیں۔ گھوڑا تو گھوڑا ہے، ہم تو گدھا بھی تم کو نہیں

---

[1] ونیتورا کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح سیّد صاحبؒ تحفے میں ایک گھوڑا ونیتورا کے پاس بھیج دیں اور وہ اور مہاراجہ کی حکومت لوگوں میں مشہور کر سکے کہ سیّد صاحبؒ نے غلبندی دے کر مہاراجہ کی حکومت کا باجگزار اور علاقہ دار ہونا منظور کر لیا۔ مولوی خیر الدین صاحب اس نکتے کو سمجھتے تھے۔ اس لیے وہ کسی طرح گھوڑے کے تحفے کا اقرار نہیں کرنا چاہتے تھے۔

دیں گے۔ ہمارا تو ارادہ خود آپ سے جزیہ اور خراج لینے کا ہے، ہم آپ کو خراج کیا دیں گے؟

وِنٹورا نے کہا کہ اگر خلیفہ صاحب اپنی کرامت سے اس بے سروسامانی اور قلتِ فوج کے ساتھ ایسی صاحبِ حشمت وجاہ سرکار پہ فتحیاب ہو جائیں، اس صورت میں ہم سرکارِ خالصہ کو چھوڑ کر خلیفہ صاحب کی طرف رجوع کر لیں گے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ میں خلیفہ صاحب کا حال تم سے کیا کہوں۔ آپ نے خود دیکھا نہیں۔ اگر ملاقات کا حوصلہ ہو، تیار ہو جایئے۔ اِنشاء اللہ آپ اُن کی گفتگو سُن کر سوائے آمَنَّا وَصَدَّقْنَا کہنے کے اور کچھ نہ کہیں گے۔

یہ سُن کر وِنٹورا نے کہا: "نہیں، نہیں"۔ پھر وہ تھوڑی دیر خاموش رہا۔ اس کے بعد کہا کہ اگر آپ کو اس مضمون کے لکھ کر بھیجنے میں عُذر ہے، تو زبانی آپ یہ پیغام پہنچا دیں گے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ آپ کے کچھ کہنے پہ منحصر نہیں۔ مَیں ذرّہ برابر بھی اُن سے کوئی بات نہیں چھپاؤں گا اور ساری گفتگو بے کم وکاست نقل کر دُوں گا۔ وِنٹورا نے کہا کہ اس کے بعد جو آپ ارشاد فرمائیں، وہ حضرت میں ہم تک پہنچا دیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ جواب کا پہنچانا یا نہ پہنچانا ہمارے اختیار میں نہیں۔ یہ خلیفہ صاحب کی رائے اور حُکم پر منحصر ہے۔ اس وجہ سے میں اس کا وعدہ نہیں کرتا۔

وِنٹورا نے کہا کہ آپ نے میرے سامنے جو کچھ کہا ہے، کیا آپ کھڑک سنگھ کے سامنے بھی کہہ دیں گے؟ مولوی صاحب نے فرمایا کہ کچھ آگے بڑھ کر کہوں گا۔

بات یہاں تک پہنچی تھی کہ وِنٹورا نے کہا کہ آپ اس وقت تشریف لے جائیں، ہم پھر کسی اور وقت بلائیں گے۔

پنجتار پر حملہ کی تیاری اور لپسپائی مولوی صاحب وہاں سے رُخصت ہو کر حکیم عزیز الدین کے ڈیرے پر آئے اور کھانا تناول کیا۔ نمازِ مغرب تک وہیں رہے۔ نماز کے بعد اپنے ڈیرے پر آئے۔ دوسرے روز وزیر سنگھ نے آکر خُفیہ طریقے سے بیان کیا کہ آج ظُہر کے وقت کھڑک سنگھ کے ڈیرے پر دونوں ولایتی افسر اور غلام حیدر خاں کا بھائی امیر خاں اکٹھے تھے۔ اُنھوں نے مشورہ کیا کہ یہ مولوی بہت تیز مزاج ہے۔ ہماری بات قبول نہیں کرتا۔ پنجتار کی طرف فوج کا جانا ضروری ہے۔

ایک پہر رات رہے کوچ کی تجویز ہوئی۔ اس کی اطلاع مولانا اسمٰعیل صاحب کو ضرور ہونی چاہیے۔ اُسی وقت مولوی صاحب نے اس مُلّا کی معرفت جس کے یہاں وہ مقیم تھے، ایک شخص کو پنجتار روانہ کیا اور قاصد سے فرمایا کہ جو جو دیہات راستے میں پڑیں، وہاں کے لوگوں کو خبردار کرتے جانا کہ کل سکھوں کا لشکر پنجتار پر چڑھائی کرے گا۔ اپنی اپنی جان اور مال سے ہوشیار رہیں۔

ایک پہر رات رہے کھڑک سنگھ کے علاوہ تمام لشکر نے زیدے کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ یہاں سے پنجتار چھ کوس ہے۔ غروبِ آفتاب کے وقت لشکر میں مشہور ہو گیا کہ آج رات غازی پنجتار سے سکھ لشکر پر شبخون ماریں گے۔ اس اطلاع سے سارے لشکر میں ایک اضطراب اور انتشار پیدا ہو گیا کہ کوئی اپنے بستر پر آرام سے لیٹ نہ سکا۔ سب اپنے گھوڑے کی لگام ہاتھ میں لیے کھڑے تھے۔ چونکہ اُنھوں نے زمین سے میخیں اُکھاڑ لی تھیں، تمام لشکر میں شور بپا ہو گیا اور ہر شخص بھاگنے کے لیے تیار ہو گیا۔ ولایتی افسروں نے لشکر کا یہ رنگ دیکھ کر یوسف خاں اجیٹن اور دوسرے افسروں کو طلب کر کے کہا کہ آخر، یہ کیا مُصیبت ہے اور لشکر پر ہراس کیوں طاری ہے؟ ہر شخص بھاگنے پر تیار ہے! اُن کو تسلی دے کر ٹھیرانا چاہیے۔ افسروں نے حسب الحکم لشکر کو سمجھایا۔ تھوڑی رات باقی تھی کہ سارا لشکر دریا لُنڈے کی طرف چل کھڑا ہوا۔ اس طرح پر کسی نے کسی کو نہیں پوچھا۔ پھر نہایت تیزی کے ساتھ پُل کے ذریعے دریا عبور کر کے پُل کو توڑ دیا۔ وہاں کچھ دیر ٹھیر کر ایک پہر دن باقی تھا، اٹک کی طرف کوچ کر گئے۔

سیّد صاحبؒ کی تحسین و تائید | اسی روز مولوی خیرالدین صاحب پنجتار روانہ ہوئے۔ وہاں یہ افواہ مشہور ہو گئی کہ مولوی صاحب کو کھڑک سنگھ قید کر کے لاہور لے گیا، اس لیے اُن کی تشریف آوری پر لشکرِ اسلام میں بڑی خوشی ہوئی۔ امب میں یہی افواہ مشہور ہو گئی۔ اس لیے مولوی خیرالدین صاحب دوسرے روز ہی عصر کے بعد امب میں پہنچے۔ اُن کے پہنچنے پر سیّد صاحبؒ غایت مسرّت کے ساتھ بہ نفسِ نفیس اُن کی جائے سکونت پر تشریف لائے اور ونٹورا کی ملاقات اور وہاں کا سارا ماجرا سُنا۔ سارا قصّہ سُننے کے بعد فرمایا کہ شاباش، جَزَاکَ اللّٰہُ خَیْرًا! آپ نے جو جواب دیا، وُہ

ہماری مرضی کے عین مطابق تھا، خاص طور پر آپ کے اس جواب سے کہ گھوڑا تو کیا، ہم آپ کو گدھا بھی نہیں دیں گے، بہت خوش ہوئے اور فرمایا کہ یہ بات آپ نے میرے دل کی فرمائی۔ اسی غرض کے لیے ہم نے آپ کو بھیجا تھا۔ دوسرے سے یہ کام ہونا مشکل تھا۔ یہ بھی آپ نے اچھا کیا کہ جواب بھیجنے کا وعدہ نہیں کیا۔[1]

○

---

[1] منظورۃ السعداء ص ۷۹ تا ۸۱۔

تئیسواں باب

مُلکِ سَمَہ کی دوبارہ تسخیر و انتظام
اور
جنگِ مردان

قاضی حبّان صاحب کی تجویز جس زمانے میں سیّد صاحبؒ کے حُکم سے مجاہدین نے پائندہ خاں کی درخواست پر کھبّل بائی سے اپنا لشکر اُٹھالیا، اُسی زمانے میں قاضی حبّان صاحب نے سیّد صاحبؒ سے ایک روز عرض کی کہ ہم سب سوار اور پیادے یہاں مُعطّل بیٹھے ہیں اور تمام مُلک سَمَہ کا باغی اور ناموافق سا ہو رہا ہے۔ اگر آپ میرے ہمراہ کچھ لشکر کر دیں اور مجھ کو امیر کر کے اُدھر کو روانہ فرما دیں، تو مَیں وعظ و نصیحت کر کے وہاں کے لوگوں کو موافق کروں اور جو لوگ نہ مانیں، اُن کو بزور راہ پر لاؤں، مگر شرط یہ ہے کہ آپ مجھ کو اختیارِ کُل دے دیں۔ جیسا مَیں مُناسب جانوں، ویسا کروں؛ اِس لیے کہ مَیں اِس مُلک کا بھیدی ہوں۔ مولانا صاحب کو بھی آپ میرے ہمراہ کر دیں تاکہ مَیں جو کام خُدا و رسُولؐ کے حُکم کے خلاف کروں، مولانا صاحب مجھے وُہ کام نہ کرنے دیں۔

سیّد صاحبؒ نے اُن کا مشورہ پسند فرمایا اور قاضی صاحب کو نصیحت کی کہ خُدا و رسُولؐ کے خلاف اپنے نفس کی خواہش کا کوئی کام نہ کریں۔ اور مولانا مُحمّد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ آپ بھی قاضی صاحب کے ہمراہ جائیں۔ رسالدار عبدالحمید خاں کو مع تمام سواروں کے قاضی صاحب کے ساتھ کیا اور لوگوں کو تاکید کی کہ بلا انکار قاضی صاحب کی اطاعت کریں اور دُعاءِ خیر کر کے اُن

کو رُخصت کیا۔

قاضی صاحب کے ساتھ تین سَو سوار، ڈھائی سو پیادے، ایک اُونٹ پر نقّارہ اور اُونٹوں پر چھ ضرب زنبورک تھے۔

قاضی صاحب پنجتار میں | پنجتار میں قاضی صاحب نے فتح خاں کے مشورے سے زیدے کے فتح خاں اور ارسلان خاں کلابٹ والے ابراہیم خاں اور اسمٰعیل خاں اور مرغز والے سرفراز خاں اور جوخان اور مَلک سکھوں سے بھاگے ہُوئے تھے، اُن سب کو بُلا کر جمع کیا اور فتح خاں نے اُن سے قاضی صاحب کا منشا ظاہر کیا کہ سمہ میں جہاں جہاں سکھوں نے مسلمانوں کی زمین دبالی ہے، اُن پر لشکر کشی کی جائے اور مُلک اُن سے خالی کرالیا جائے۔ اُن سب نے اس پر رضامندی ظاہر کی اور اپنی بستی کے عُلماء کو بُلایا اور سب کے سامنے وُہی تقریر کی۔ وہ سب اس امر پر متفق ہُوئے اور کہا: ہم سب اس امر میں تمھارے شریک ہَیں۔ فتح خان نے ان سب عُلماء و خوانین سے کہا کہ ہم اپنی قوم سے قاضی صاحب کو عُشر بھی دلوائیں گے اور جب تم اپنی اپنی بستی پر قابض ہو جاؤ گے تو تم سب کو بھی دینا پڑے گا۔ اُن سب نے قبول کیا۔ البتہ عُلماء کے درمیان کچھ قیل و قال ہُوئی، اس لیے کہ یہی اُن کا ذریعۂ معاش تھا۔ قاضی صاحب نے اگلے روز اُن عُلماء سے گفتگو کی اور ثابت کیا کہ عُشر امام کا حق ہے اور امام غازیوں اور مُحتاجوں اور مستحقین کو پہنچانے کا ذمّہ دار ہے۔ عُلماء نے بالآخر قبول کر لیا۔ قاضی صاحب نے عُلماء سے کہا کہ آپ اپنی بستیوں میں جا کر وہاں کے عُلماء، مَلک اور خوانین کو فہمائش کیجیے کہ سکھوں کی اطاعت چھوڑ دیں، مسلمانوں کے شریک ہوں اور سکھوں کو اپنے مُلک سے نکالیں۔

ہَنڈ کی تسخیر | اس عرصے میں قاضی صاحب نے کھلابٹ کو تسخیر کر کے اُس کا بندوبست کیا۔ پھر اسی طرح مَرغُز، ٹھنڈ کوئی اور موضع گڈی اور پنج پیر کا انتظام کیا اور معتمد آدمیوں کے سپُرد کیا۔ ہنڈ پھر سکھوں کے قبضے میں چلا گیا تھا۔ اُن کو جب غازیوں کی جا بجا فتوحات کی اطّلاع ملی، تو اُنھوں نے ایک دُوسرے سے کہا کہ اب یہ سب مسلمان آپس میں ایک ہو جائیں گے اور ہم مُفت

میں خراب ہوں گے۔ اب یہاں رہنا ہمارے لیے مناسب نہیں۔ اُسی وقت سے اُنھوں نے اپنا اسباب و سامان قلعے سے دریائے اٹک کے پار بھیجنا شروع کر دیا اور سات سکھ اور ہتھیار رہ گئے۔ اس عرصے میں عبدالحمید خاں رسالہ دار ہنڈ کا اندازہ کرنے کے لیے ایک سوار لے گئے قلعے والوں نے گھوڑوں کی آواز پر کچھ بندوقیں سر کیں۔ ادھر سے شاہین والوں نے گولیوں سے جواب دیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ سکھوں نے رات بھر میں قلعہ خالی کر دیا۔ کچھ طالب علموں نے قاضی صاحب کو آ کر اطلاع دی کہ ہنڈ کا قلعہ خالی پڑا ہے۔ قاضی صاحب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی معیت میں شہر میں داخل ہوئے، دروازوں پر پہرے لگا دیے اور رعایا کی تسلی کی اور اُن کو امن دی اور اپنے لشکر میں کہ دیا کہ کوئی ان سے تعرّض نہ کرے۔

دُوسرے دن فتح خاں پنجتاری اور زَیدہ کے فتح خاں اور ارسلان خاں مبارکباد کے واسطے آئے پہلے قاضی صاحب نے خوانین اور اہل الرائے حضرات سے مشورہ کر کے اس قلعے کے کھودنے کا حکم دیا۔ اطراف کے ہزاروں آدمی اُس کے کھودنے میں لگ گئے۔ لیکن قلعہ نہایت سنگین و مستحکم تھا۔ قاضی صاحب نے اُس کا کھودنا موقوف کیا۔ قاضی صاحب نے فتح خاں اور ارسلان خاں سے کہا کہ آپ اپنے زَیدہ کو آباد کریں اور اِس قلعۂ ہنڈ کی حفاظت کریں۔ ان دونوں نے منظور کیا۔

ادائے عُشر اور اطاعت شرکت کا دوبارہ اقرار اس کے بعد قاضی صاحب نے موضع ٹوِی کلی اور موضع شیخ جانا (جن میں قوم رَزَڑ آباد تھی) کی تسخیر کا اِرادہ کیا اور سیّد صاحب کے پاس سے کچھ اور لشکر طلب کیا۔ مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کچھ فوج لے کر آئے۔ قوم رَزَڑ کے لوگ مشکار خاں اور آنند خاں، محمود خاں، مُنیر خاں اور مُبین خاں کی فہمائش سے قاضی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے امان زئی کے خوانین اور اطراف کے لوگوں کو ایک جگہ جمع کیا۔ ان سب نے مشورہ کر کے قاضی صاحب سے عرض کیا کہ ہم سب نے عُشر دینے اور اطاعت و شرکت کرنے کا جو عہد و پیمان کیا تھا، اُسی عہد و پیمان پر اب بھی قائم ہیں۔ انشاء اللہ کسی طرح کا فرق نہ پڑے گا۔

خان ہُوتی کی سرکشی تیسرے، چوتھے روز قاضی صاحب نے موضع کاٹ لنگ اور موضع لوند خوڑ

کے خانوں اور موضع ہوتی کے خان احمد خاں کو بُلایا۔ سب خوانین حاضر ہُوئے اور عُشر و اطاعت میں شرکت قبول کی، مگر ہوتی کا رئیس احمد خاں نہ آیا اور زبانی کہلا بھیجا کہ قاضی صاحب سے ہمارا سلام کہنا اور کہنا کہ ہم آٹھویں دن آکر مُلاقات کریں گے۔

اِدھر اُس نے اپنے بھائی رسُول خاں کو مردان بھیجا اور کہا کہ وہاں اچھی طرح انتظام اور حفاظت سے رہنا کہ یہاں سیّد بادشاہ کا لشکر پڑا ہے اور تمام خوانین اُن کے متفق ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اِدھر کا ارادہ کریں اور ہوتی میں اپنے نوکروں چاکروں کو متعیّن کیا کہ تم یہاں بڑی حفاظت اور ہوشیاری سے رہنا اور خود لشکر لینے پشاور روانہ ہو گیا۔ قاضی صاحب کو اس کی اطلاع ملی۔ قاضی صاحب نے ہُوتی کے حالات خفیہ طور پر معلوم کیے اور لشکر کو تیار رہنے کا حُکم دیا اور ایک دن اچانک ہُوتی کی طرف روانہ ہو گئے۔

مجاہدین ہُوتی مردان میں | ہوتی کے لوگ گھوڑوں کی آواز سے، جو اُس وقت ہنہناتے تھے اور خاموش نہیں ہوتے تھے، ہوشیار ہو گئے اور نقارہ بجنے لگا۔ قاضی صاحب نے لشکر کو ٹھیرا دیا اور اپنے مشیروں سے فرمایا کہ ہوتی میں نقارہ بج رہا ہے معلوم ہوتا ہے، کسی جاسُوس نے اُن کو خبردار کر دیا ہے۔ اب کیا تدبیر ہے؟ مولانا اور رسالدار عبدالحمید خاں نے کہا کہ قاضی صاحب، وہاں سے یہاں تک اللہ تعالیٰ نے پہنچایا ہے، اب پیچھے ہٹنا مناسب نہیں۔ اگر بچا پانہ ہُوا، تو دن کی لڑائی سہی۔ اُمید قوی ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ ہم اُن پر غالب ہوں گے۔ قاضی صاحب نے فرمایا کہ آپ نے میرے دل کی بات کہی اور بِسْمِ اللّٰہ کر کے آگے بڑھے اور ایک طرف سے مولوی مظہر علی صاحب۔ دُوسری طرف سے رسالدار عبدالحمید خاں نے شہر پر حملہ کیا۔ قاضی صاحب اپنے لوگوں کے ساتھ بستی کے دروازے کی طرف چلے اور ہلّہ کر کے بستی میں گھُس گئے۔[1]

وہاں کے لوگ کچھ بھاگ کر گڑھی میں جا گھُسے اور باقی مردان کی طرف بھاگ گئے۔ مولانا مُحمّد اسمٰعیل صاحب اور قاضی صاحب حملہ کر کے گڑھی میں گھُسے اور گڑھی والے سمٹ کر شمالی

---

[1] وقائع احمدی

فصیل کی طرف جا کھڑے ہوئے۔ مولوی مظہر علی صاحب کو جنھوں نے کھلیانوں کی طرف سے حملہ کیا تھا، بندوق کی گولی لگی اور وہ زمین پر گر گئے۔ جو شخص اُن کے پاس سے گزرتا اور اُن کا حال دریافت کرتا، بلند آواز سے فرماتے کہ جلدی جاؤ، مَیں بھی آتا ہُوں۔ لوگ سمجھتے کہ شاید پاؤں میں کانٹا چُبھ گیا ہے، وہ نکالنے کے لیے بیٹھے ہیں۔ اتنے میں مولانا اسمٰعیل صاحب پاس سے گزرے۔ آپ نے بھی حال دریافت کیا۔ فرمایا: ہماری فکر نہ کیجیے، فتح کے بعد تحقیق فرمالیجیے گا۔[1]

مُستامن[2] کا مال | شمالی فصیل کی طرف سے کچھ لوگوں نے مُجاہدین کی طرف مخاطب ہو کر آواز دی کہ سوار بھائیو، تم میں کوئی ہندوستانی بھی ہے؟ گلاب خاں نے کہا: ہاں۔ تمھارا کیا مطلب ہے؟ اُس نے کہا: اگر ہندوستانی ہو، تو اِدھر آؤ، ہم کچھ کہیں۔ اُس نے کہا کہ تم لوگ سیّد بادشاہ کے ہندوستانی غازی سچّے اور اپنے عہد و پیمان کے پُورے ہوتے ہو اور مُلکیوں کے قول و قرار پر ہم کو اعتماد نہیں۔ ہم تُم سے امن چاہتے ہیں، اس لیے کہ تمھارے مُجاہدین گڑھی کے اندر آ گئے ہیں۔ گلاب خاں نے کہا کہ ہم اس کے ذمّے دار نہیں۔ تم جتنے آدمی ہو، سب دیوار پھاند کر ہماری طرف چلے آؤ، تم سب کو امن ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ تم سے کوئی مزاحم نہ ہوگا۔ وہ سب کُود کر آ گئے۔ گلاب خاں ان سب کو مولانا اسمٰعیل صاحب کے پاس لے گئے اور ان لوگوں کا حال بیان کیا کہ مَیں اس طرح ان کو امن دے کر گڑھی سے نکال لایا ہوں۔ ان لوگوں کے پاس ایک بندُوق بہت خوبصورت اور عمدہ تھی۔ گلاب خاں نے کہا: یہ بندُوق میں باندھوں گا۔ آخر اور سب مالِ غنیمت میں داخل کی جائیں گی۔ یہ بات سُن کر مولوی امیر الدین صاحب نے خفا ہو کر کہا کہ تمھیں اس مسئلے کی ابھی تک خبر نہیں ہے کہ یہ لوگ امن دے کر نکالے گئے ہیں۔ اُن کا اسباب نہ بیت المال میں داخل ہوگا، نہ کسی کو لینا درست ہے۔ اُن کا جو کچھ مال و اسباب ہے، انھیں کو ملے گا۔ ایسی باتوں سے تم توبہ کرو۔ مولانا نے فرمایا کہ ان کے سب ہتھیار اُن کے حوالے کرو اور جو اُن کے سنگروں میں بارُود ہو، وُہ جھڑوا ڈالو اور اپنے یہاں کے پانچ سوار اُن کے ساتھ کر دو کہ ان کو کرس، سُواکرس ہوتی

---

[1] منظورۃ السعداء [2] مُستامن: شریعت کی اصطلاح میں اس شخص کو کہتے ہیں جس کو جنگ کی حالت میں امن دیا گیا ہو۔

سے پرلی کی طرف پہنچا کر چلے آئیں۔ پھر سب ہتھیار اُن کے حوالہ کیے۔[1]

مردان کی فتح اور قاضی حبّان صاحب کی شہادت

مولانا اسمٰعیل صاحب اور قاضی حبّان صاحب ہوتی کا انتظام کرکے مردان تشریف لے گئے۔ مردان کے ایک بُرج پر سے بندوقیں چل رہی تھیں۔ اس میں ایک مُلکی طالب علم اور ایک جوان ہندوستانی شہید ہُوا۔ بُرج والے نے گلی کو باندھ رکھا تھا۔ قاضی صاحب جوش میں آکر چند آدمیوں کے ساتھ نکلے۔ اَور لوگ تو سلامت نکل گئے، مگر قاضی صاحب کے سر میں گولی لگی۔ اسی جگہ گر گئے اور شہید ہُوئے۔

مولانا مُحمد اسمٰعیل صاحب کو قاضی صاحب کی شہادت کی اطلاع ملی تو فرمایا: الحمدللہ! قاضی القضاۃ اپنی دلی مُراد کو پہنچے، لیکن اِس وقت اُن کی شہادت کا تذکرہ بلند آواز سے نہ کیا جائے تاکہ دشمن کو ہمارے لشکر کے امیر کی شہادت کی اطلاع نہ ہو۔

مولانا نے رسالدار عبدالحمید خاں سے کہا کہ جلد چالیس، پچاس سوار اپنے وہاں بھیجو۔ وہ دو ضرب شاہین لے جائیں اور بُرجوں کی بندوق بند کریں۔ اسی وقت سوار شاہینیں لے کر پہنچے اور بُرج کے مقابل ایک مکان میں دونوں شاہینیں لگائیں اور مارنے لگے اور بندوقیں بھی چلانے لگے یہاں تک کہ بُرج سے بندوق چلنی موقوف ہُوئی۔ شاہینیں تو وہیں چلتی رہیں اور لوگ مکانوں کی آڑ ہی آڑ ہو کر دیوار کے قریب پہنچ گئے۔ ایک بُرج کی بندوقیں موقوف نہیں ہوتی تھیں۔ ملّا لعل مُحمّد قندھاری نے پشتو میں کہا: "اَنْدَرْ پَایَہ رَاوْرَہ، اَنْدَرْ پَایَہ رَاوْرَہ"، یعنی سیڑھی لاؤ، سیڑھی لاؤ، حالانکہ وہاں کوئی سیڑھی نہ تھی۔ لیکن بُرج والے سمجھے کہ اب غازی سیڑھی پر چڑھ کر بُرج پر آجائیں گے۔ اُنھوں نے امان طلب کی اور بندوقیں موقوف کیں۔

گڑھی والوں نے جانا کہ غازی گڑھی کی دیوار میں آ لپٹے۔ اس وقت احمد خاں کا بھائی رسُول خاں گڑھی کے تہ خانے میں ناچ دیکھ رہا تھا۔ لوگوں نے کہا کہ خان، بیٹھے کیا کرتے ہو؟ غازی تو گڑھی سے آ لپٹے اور اُن کی شاہین کی گولی بُرج میں کھڑا ہونے نہیں دیتی۔ یہ خبر سُن کر وُہ

---

[1] وقائع

اُٹھا اور بُرج پر چڑھ کر دیکھا کہ فی الحقیقت غازی گڑھی کے نیچے تھے۔ گھبرا کر لوگوں سے کہا کہ چادر ہلا دو۔ اُنھوں نے جلد بُرج پر چڑھ کر چادر ہلائی اور امن مانگی۔ مُجاہدین کی طرف سے شاہین اور بندوق چلنی بند ہُوئی۔

لوگوں نے جاکر مولانا سے اطلاع کی کہ لوگ چادر ہلاتے ہیں اور امن چاہتے ہیں۔ مولانا تشریف لے گئے اور رسُول خاں سے فرمایا کہ تم اپنے آدمیوں کو لے کر گڑھی سے باہر نکل آؤ، تم کو امن ہے، مگر احمد خاں کا جو مال و اسباب ہو، اُس میں دست اندازی نہ کرنا، وُہ مال و اسباب غنیمت کا ہے، اِس لیے کہ وُہ باغی ہیں۔ اس کے علاوہ جو مال و اسباب تمھارا یا رعایا کا ہو، اُس کو امن ہے۔ جس کا ہو، وُہ اُٹھا لائے، ہم کو کچھ غرض نہیں۔

رسُول خاں بیس پچیس آدمی گڑھی سے باہر لے کر نکل آیا۔ جب اُس کو یہ معلوم ہُوا کہ قاضی حبّان صاحب شہید ہو گئے، تو وُہ سمجھا کہ مجھ کو اُنھوں نے گرفتار کر لیا۔ مولانا نے اُس کو حواس باختہ دیکھ کر اُس کی تسلی و دِلجمعی کی اور عہد و پیمان مضبُوط لے کر فرمایا کہ خبردار، اب تم کبھی ہم سے بغاوت نہ کرنا، اب ہم اپنی طرف سے تم کو مردان اور ہوتی سپرد کرتے ہیں اور رسالدار عبدالحمید خاں سے فرمایا کہ تم اپنے سَو غازی لے کر رسُول خاں کے ساتھ جاؤ اور ہماری طرف سے اُن کو گڑھی میں بٹھا دو اور جو جو مال و اسباب اُن کے بھائی احمد خاں کا ہوگا، یہ بتاتے جائیں گے، تم وہاں سے بھیجتے جانا۔

رسالدار صاحب اُسی وقت رسُول خاں کو گڑھی میں لے گئے اور اپنے لوگوں سے کہہ دیا کہ خبردار، کوئی کسی چیز کو ہاتھ نہ لگائے۔ پھر رسُول خاں سے احمد خاں کا مال و اسباب طلب کیا اور جو جو اُس نے بتلایا، اپنے قبضے میں کیا۔ اِسی طرح ہوتی کی گڑھی میں بھی رسُول خاں کا قبضہ کروا دیا۔[1]

لُوٹ کے مال کی واپسی | موضع مردان کے چند آدمی مولانا کے پاس آئے اور عرض کی کہ آپ کے امن دینے کے بعد آپ کے مُلکی غازیوں نے ہمارا کچھ کچھ اسباب گھروں سے اُٹھا لیا ہے۔ مولانا نے

---

[1] وقائع

ایک غازی اُن کے ساتھ کر دیا اور فرمایا کہ تُم اُن کو بتا دینا، یہ اُن کو ہمارے پاس بُلا لائیں گے۔ وُہ غازی اُن کو مولانا کے پاس بُلا لایا۔ وُہ فقط تین یا چار آدمی تھے۔ مولانا نے اُن سے پُوچھا کہ تم نے اُن کا کیا کیا مال و اسباب لیا ہے۔ اُنھوں نے جو کچھ لیا تھا، وہ لاکر رکھ دیا۔ وہ صرف تین یا چار لُنگیاں تھیں اور چھ یا سات کھادی کے تھان۔ مولانا نے اُن سے پوچھا کہ تمھارا یہی مال و اسباب ہے یا کُچھ اور بھی ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ یہی اسباب ہے اور کچھ نہیں۔ مولانا نے اُن تینوں چاروں غازیوں سے فرمایا کہ بھائیو، تم نے بہت نامناسب حرکت کی کہ امن دینے کے بعد اُن کا اسباب لے لیا۔ اس طرح کا نقد یا اسباب لینا حرام ہے۔ خبردار! اب پھر کبھی ایسی حرکت نہ کرنا۔ ہر بھائی مُسلمان اس کو یاد رکھے کہ حربی کافروں اور باغی مسلمانوں کے علاوہ ہر مسلمان کی جان و عزت اور مال مُسلمان پر حرام ہے۔ وہ اپنی حرکت سے نادم ہُوئے اور عرض کی کہ ہم سے خطا ہوئی، ہم کو یہ مسئلہ معلوم نہ تھا۔ اب ہم توبہ کرتے ہیں۔

جب ہوتی والوں نے یہ حال دیکھا کہ مولانا نے مردان والوں کا اسباب واپس کروا دیا، تو ان سب نے مِل کر اپنے اپنے مال کی مولانا سے نالش کی۔ اُن کا بہت مال و اسباب لُٹکی غازیوں نے لے لیا تھا۔ مولانا نے دس بارہ غازی مقرر کیے کہ لشکر میں خبر کر دو کہ ہوتی کا مال و اسباب جس جس کے پاس ہو، وہ لاکر ہمارے پاس جمع کریں۔ اِس حُکم کے سُنتے ہی جس کے پاس جو کچھ تھا، اُس نے لاکر حاضر کیا اور لوگ اپنا اپنا مال پہچان کر لے گئے۔[1]

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کا وعظ و نصیحت

بعض بعض ولایتیوں اور قندھاریوں کو یہ بات ناگوار معلوم ہُوئی۔ مولانا نے ظہر کی نماز کے بعد فرمایا کہ امیر کی اطاعت ہر ایک پر فرض ہے۔ ہر مسلمان کو چاہیے کہ اُس کا حُکم ماننے میں چُون و چرا نہ کرے اگرچہ اپنے نفس کے خِلاف معلوم ہو۔ ہم نے سُنا ہے کہ آج جو لوگوں کا مال و اسباب واپس ہُوا، تو بعض بعض بھائیوں کو ناگوار گُزرا۔ یہ بات نہ چاہیے۔ ہم نے خدا و رسُولؐ کے حکم کے موافق واپس کروا دیا ہے۔ اِس مال کا لینا بھائیوں کو

---

[1] وقائع

درست نہ تھا۔ اس بات سے تو خوش ہونا چاہیے اور شکر کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو قیامت کے مواخذے سے بچایا اور جو کسی کے دل میں بشریت کی راہ سے کچھ خطرۂ نفسانی آیا ہو، تو اُس سے توبہ کرے۔ اللہ تعالیٰ غفورٌ رّحیم ہے۔ اُمید ہے کہ بخش دے گا۔

اِسی قسم کے بہت سے مسائل، جو مُناسبِ وقت تھے، بیان کیے۔ مولانا کی نصیحت سُن کر جنھوں نے اسباب لیا تھا، اپنے دل میں بہت نادم ہُوئے اور کہا کہ مولانا نے حق فرمایا۔[1]

عُشر کے تحصیلداروں کا تقرُّر | مولانا یہاں سے اَمازئی[2] میں تشریف لے گئے اور وہاں مختلف مواضعات کے خوانین کو جمع کر کے فرمایا کہ تم سب صاحبوں نے قاضی حبّان صاحب کو عُشر دینے کا اقرار کیا تھا۔ اب اِس وقت تمھاری ربیع کی فصل تیار ہے۔ اب تم کیا کہتے ہو؟ اُنھوں نے کہا کہ ہم اپنے عہد پر قائم ہیں۔ جہاں کہیں ارشاد ہو، وہیں ہم سب پہنچا دیں؛ لیکن بہتر یہ ہے کہ آپ اپنے چند غازی ہمارے ضلع میں تحصیلِ عُشر کے واسطے مُقرر کر دیں۔

مولانا نے اس کو بہت پسند کیا اور حاجی بہادر شاہ رامپوری کو تحصیلِ عُشر کے واسطے مقرر کیا اور کوئی پندرہ ہندوستانی اور ولایتی آدمی اُن کے ساتھ کر دیے اور اُن کو سمجھا دیا، اور حاجی محمود خاں کو علاقۂ سُندم کی تحصیلِ عُشر کے واسطے مُقرر کیا، اور کوئی دس ہندوستانی غازی اُن کے ساتھ کر دیے۔ اور مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کو بیس پچیس غازیوں کے ساتھ پنجبار روانہ کیا اور اگلے روز امان زئی سے روانہ ہو کر پنجبار میں قیام فرمایا۔ موضع ٹوپئی میں تحصیلِ عُشر کے واسطے مولوی نصیر الدین منگلوری کو مُقرر کیا اور اٹھارہ بیس مواضعات کا عُشر اُن کے ذمے کیا، اور سردار فتح خاں کے علاقے کے عُشر کے لیے خود خان موصوف کو مُقرر کیا۔

اِس عرصے میں موضع امب سے سیّد صاحبؒ کا فرمان پہنچا کہ آپ ہمارے پاس تشریف لے آئیے اور رسالدار عبد الحمید خاں کو مع سواروں کے مُلکِ سمہ کے دَورے کے واسطے چھوڑ دیجیے۔

---

[1] وقائع [2] اُمازئی یا امان زئی، اصل قوم کا بھی نام ہے اور یہ قوم جہاں آباد تھی۔ وُہ گڑھی امازئی کہلاتی تھی۔ آج کل اُمازو گڑھی کے نام سے مشہور قصبہ مردان سے تقریباً آٹھ میل بہ جانبِ مشرق واقع ہے۔

مولانا نے رسالدار صاحب کو اس علاقے کا ذمّے دار اور مُختارِ کار بنایا اور اُن کو تاکید کی کہ وُہ اس عِلاقے کا برابر دَورہ کرتے رہیں اور کوئی کسی پر ظُلم و تعدّی نہ کرنے پائے۔ رسالدار صاحب کے ساتھ پانچ سو سَوار کے قریب تھے۔ وہ سب اُن کے ساتھ رہے۔

مولانا دو سَو پیادوں کے ہمراہ امب میں داخل ہُوئے اور ملک سَمَہ کے سب حالات سیّد صاحبؒ کو سُنائے۔ قاضی صاحب کی شہادت کا حال سُن کر سیّد صاحبؒ بہت غمگین ہُوئے۔ اُن کی خُوبیاں بیان کیں اور فرمایا کہ قاضی صاحب دینداری کے ہر فن میں کامل تھے۔ الحمدللہ! اللہ تعالیٰ نے اُن کے مقصُودِ دلی کو پہنچایا۔ پھر آپ نے برہنہ سر ہو کر اُن کے لیے دُعائے مغفرت کی۔ قاضی صاحب کے بعد مولانا جو عُشر وغیرہ کا اِنتظام کر کے آئے تھے، وہ سب آپ کے سامنے پیش کیا، آپ بڑے خوش ہُوئے اور بہت دُعائیں دیں۔[1]

○

---

[1] وقائع

چوبیسواں باب

سُلطان مُحمّد خاں کی لشکر کشی

دُرّانیوں کا لشکر ہُوتی کو | وقائع میں ہے کہ موضع تُورو سے دلیل خاں نے اِطّلاع کی کہ احمد خاں، جو دُرّانیوں کا لشکر پشاور لینے گیا تھا، اب لشکر لیے ہُوئے آتا ہے۔ رسالدار عبد الحمید خاں نے سردار فتح خاں کے مشورے سے سیّد صاحبؒ کو اس خبر کی اطّلاع کی۔ سردار سُلطان مُحمّد خاں نے مُلک سَمہ کے خوانین کو ڈرایا دھمکایا کہ تمہارے مُلک میں ہمارا بھائی یار محمّد خاں مارا گیا ہے اور مردان اور ہُوتی کو بھی تم نے چھِنوا دیا ہے۔ اب ہم آتے ہیں تم سب سے سمجھیں گے اور اپنا عوض لیں گے۔ لشکر کے ساتھ سردار سُلطان مُحمّد خاں، سردار پیر مُحمّد خاں، سردار سیّد مُحمّد خاں اور عظیم خاں کا بیٹا حبیب اللہ خاں بھی تھا۔

خوانین کا مشورہ | رسالدار عبد الحمید خاں نے سردار فتح خاں کے ذریعے علاقے کے تمام خوانین کو جمع کروایا اور مشورہ کیا کہ کیا کرنا چاہیے۔ ان سب کا یہی مشورہ ہُوا کہ سیّد صاحبؒ کو اِس کی اِطّلاع دینی چاہیے۔ آپ کا تشریف لانا ضروری ہے۔ چنانچہ ان سب کی طرف سے اِس مضمُون کی ایک عرضداشت لکھی گئی کہ دُرّانیوں کا لشکر ہماری طرف آتا ہے، ہم سب نے مشورہ کیا ہے کہ آپ یہاں تشریف لائیں اور ہم لوگ آپ کے لشکر کے ساتھ اُن کے مقابلہ کے لیے بڑھیں۔

سیّد صاحبؒ پنجتار میں | سیّد صاحبؒ نے رسالدار صاحب کو لکھا کہ تم اپنے سوار لے کر امان زئی کی گڑھی میں ڈیرہ کرو۔ اس میں اس علاقے کے لوگوں کو تقویت اور تسلّی ہوگی اور ان خوانین کے سوال و جواب میں فتح خاں کو لکھا کہ تم سب خوانین کی تسلّی کرو کہ کسی امر کا اندیشہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ سب طرح سے خیر کرے گا۔ ہم نے رسالدار عبدالحمید خاں کو لکھا ہے۔ وہ تمھارے یہاں کوچ کر کے امان زئی کی گڑھی میں جا کر ڈیرہ کریں گے۔ ہم بھی جلد انشاء اللہ تعالیٰ تمھارے یہاں آتے ہیں۔

آپ نے امب سے کوچ کی تیاری کی۔ مولوی خیرالدین صاحب شیرکوٹی کو چھترہائی میں برقرار رکھا۔ حافظ مُصطفٰے کاندھلوی کو اُن کی مدد کے لیے دیا۔ مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب پھُلتی کو امب میں مُقرر کیا اور چھترہائی اور امب میں تین سَو کے قریب آدمی چھوڑے اور اتنے ہی آدمی اپنے ہمراہ لے کر کُوچ کیا اور پنجتار پہنچ کر اپنے قدیم بُرج میں قیام فرمایا۔ آپ نے اُن سب خوانین کو پنجتار میں طلب فرمایا، جنھوں نے آپ کے بُلانے کے واسطے خط بھیجا تھا اور اُن سے گفتگو کی۔ عُشر کا غلّہ، جو جا بجا جمع تھا۔ اُس کو محفوظ کرنے کے لیے دو جگہ جمع کرنے کا بندوبست کیا۔

تُورو میں | چند دن کے بعد یہ اِطّلاع ملی کہ دُرّانیوں کا لشکر حُمکنی سے کُوچ کر کے دریا اُنڈ سے اُتر کر چارسدّے میں آگیا۔ آپ نے کُوچ کی تیاری کی اور ضروری اسباب تیار کر کے پنجتار سے روانہ ہو گئے۔ آپ کے ہمراہ چار سَو آدمیوں سے زائد تھے۔ امان زئی کی گڑھی میں آپ نے قیام فرمایا۔ دُرّانیوں نے چارسدّے سے کُوچ کر کے موضع اُتمان زئی میں ڈیرہ کیا تھا۔ جب اُنھوں نے سیّد صاحبؒ کو سُنا کہ آپ پنجتار سے امان زئی کی گڑھی میں داخل ہُوئے، تو وُہ اُتمان زئی سے کُوچ کر کے موضع ہُوتی میں آکر ٹھیرے۔ جب یہ خبر آپ کو ہُوئی، تو آپ امان زئی کی گڑھی سے کُوچ کر کے موضع تُورو میں تشریف لے گئے اور وہیں ڈیرہ کیا۔

سردارانِ پشاور کو فہمائش و نصیحت | سیّد صاحبؒ نے مولوی عبدالرحمٰن صاحب کو، جو موضع تورُو کے رہنے والے تھے، اپنے پاس بُلا کر فرمایا کہ ہماری طرف سے تم سردار سلطان محمّد خاں کے پاس

جاؤ اور اُن کو سمجھاؤ کہ ہم ہندوستان سے اپنا گھر بار چھوڑ کر محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے اس مُلک میں آئے ہیں کہ کافرِ لاہور سے جہاد کریں اور تم سب مسلمان بھائی ہمارے شریک ہو۔ یہاں کے اور مسلمانوں سے پہلے تم نے ہمارے ہاتھ پر بَیعت کی ہے۔ حیرت کا مقام ہے کہ ہم مسلمانوں کی شرکت چھوڑ کر تم نے کافروں اور باغیوں کی رفاقت اختیار کی۔ تم کو مناسب ہے کہ ہم مسلمانوں سے مقابلہ نہ کرو اور اپنے شہر کو جاؤ۔ ہم کو کسی طرح یہ بات منظور نہیں کہ مسلمانوں سے جدال و قتال کریں۔ اگر تم نہ مانو گے، تو یہ بات سمجھ لو کہ اس میں تمھارے دین کا بھی نُقصان ہے اور دُنیا کا بھی، ہم نے اپنی حُجّتِ شرعی تم پر قائم کر دی۔ آگے تم جانو، چار مُلّا اور بھی اُن کے ساتھ گئے۔

سُلطان محمّد خاں کا جواب تیسرے روز اُنھوں نے آکر کہا کہ سُلطان محمد خاں نے آپ کے پَیغام کے جواب میں کہا کہ تم ہم سے ابلہ فریبی کی باتیں کرنے آئے ہو کہ سیّد بادشاہ فرماتے ہیں کہ ہم ہندوستان سے اس مُلک میں محض جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے آئے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ہمارا مقابلہ نہ کرو، اپنے وطن کو چلے جاؤ، نہیں تو تمھارا دین و دُنیا میں نقصان ہوگا۔ ہم اُن کے اِن فریبوں میں ہرگز نہیں آئیں گے۔ بھلا ہم اُن کی ایسی دِینداری اور پرہیزگاری کی باتوں کو کیونکر مانیں اور سچ جانیں؟ اوّل تو اُنھوں نے ہمارے بھائی یار محمّد خاں کو قتل کیا اور مسلمانوں کے لشکر کا تمام مال و اسباب لُوٹ لیا۔ علاوہ اس کے احمد خاں کے موضع مردان اور ہُوتی کو تاراج کیا۔ جہاد فی سبیل اللہ اُنھوں نے اِسی کا نام رکھا ہے۔ ہمارے بھائی یار محمّد خاں پر اُنھوں نے رات کو چھاپا مارا تھا اس میں وہ فتحیاب ہو گئے۔ اب دن دوپہر ہم سے مقابلہ کریں، تب اُن کی لِلّٰہیّت اور شجاعت کا حال معلوم ہو، اور دو چار دِن کے عرصے میں جو ہوگا، دیکھ لینا۔

سیّد صاحبؒ کی طرف سے اتمامِ حُجّت مولوی عبدالرحمٰن صاحب سے سردار سلطان محمّد خاں کی یہ پُوری تقریر سُن کر سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ اب کی بار تم پھر جاؤ اور نرمی کے ساتھ ہماری طرف سے اُن کو سمجھاؤ کہ تم ناحق پر اصرار نہ کرو، خدا سے ڈرو اور اس بات کو یاد کرو کہ جب ہم اوّل مُلک

سندھ سے آئے اور تمھارے قلعہ قاضی میں اُترے اور تم استقبال کر کے ہم کو وہاں سے کابل لے گئے اور وزیر کے باغ میں تم نے ہم کو اُتارا، ہماری ضیافتیں کیں، ہم نے تم لوگوں کو جہاد کی دعوت دی، تم نے اور تمھارے بھائی یار محمد خاں اور بہت صاحبوں نے ہمارے ہاتھ پر بیعت کی اور اس بات کا عہد و پیمان کیا کہ ہم جان و مال سے تمھارے اس کارِ خیر میں شریک ہیں اُن دنوں تمھارے اور تمھارے بھائی دوست محمد خاں کے درمیان ناچاقی تھی۔ ہم نے چالیس روز وہاں للہ فی اللہ اس واسطے قیام کیا کہ تمھارے درمیان صُلح کرا کے تم کو ملا دیں کہ تم آپس کی نزاع چھوڑ کر جہاد فی سبیل اللہ میں ہمارے شریک ہو اور کافرِ لاہور سے لڑو کہ اسلام کی ترقی ہو، مگر تم کسی طرح ہمارے ملانے سے نہ ملے، اپنے ہی اصرار پر قائم رہے۔ تمھارے بھائی دوست محمد خاں نے علانیہ ہم سے کہا کہ میں سچّا مُسلمان ہوں جس اعتقاد اور صاف دلی سے مَیں آج آپ سے ملا ہوں، اسی طرح زندگی بھر آپ سے ملتا رہوں گا، اور یہ میرے بھائی مُنافق اور دغا باز ہیں یہ آپ سے کبھی وفا نہ کریں گے۔ ہم نے اُن کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا۔

پھر جب وہاں سے ہم پشاور ہوتے ہوئے مُلکِ سمہ میں آئے اور بُدھ سنگھ سے مقابلہ ہُوا، تو وُہی بات، جو تمھارے بھائی دوست محمد خاں نے کہی تھی، پیش آئی۔ پھر تمھارے بھائی یار محمد خاں نے سکھوں سے خُفیہ مِل کر وَاللّٰہُ اَعْلَمْ بِالصَّوَاب ہم کو زہر بھی دیا، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے بچا لیا۔ مقابلۂ کُفّار کے وقت وُہ طرح دے کر آپ بھاگ گیا۔ لڑائی بگڑ گئی۔ چند روز کے بعد وُہ خود فوج کشی کر کے پشاور سے ہمارے اُوپر چڑھ آیا۔ ہم نے آدمی بھیج کر اس کو بھی بہت سمجھایا، مگر وُہ اپنی شامتِ نفس سے نہ سمجھا۔ آخر مارا گیا۔ اِس میں ہماری کون سی خطا ہے؟

اِسی طرح یہاں کے تمام مُلک و خوانین نے بَیعتِ امامت کی اور سب نے عُشر دینے کا اقرار کیا۔ ان میں احمد خاں بھی تھا۔ اب کی بار جب اِس عُشر کے بندوبست کے لیے سب مُلک اور خوانین بُلائے گئے اور سب نے پھر از سرِ نَو عُشر دینے کا عہد و پیمان کیا، تو احمد خاں نہیں آیا اور باغی ہو کر پشاور کو بھاگ گیا اور وہاں سے تم کو لڑائی کے واسطے چڑھا لایا۔ ہم نے جس طرح تمھارے

بھائی یار محمد خاں کو فہمائش کی تھی، اُس کو بھی کی. اُس نے نہ مانا۔ اب تمھیں ہم فہمائش کرتے ہیں۔ اگر مانو گے، بہتر؛ ورنہ ہم پر الزام نہیں۔

اور تم جو یہ کہتے ہو کہ تم نے یار محمد خاں پر رات کو چھاپا مارا، اس سبب سے تم فتحیاب ہوئے؛ اگر دن دوپہر کو ہم سے مقابلہ کرو، تو تمھاری بہادری اور مردانگی کا حال معلوم ہو، اُس کا جواب یہ ہے کہ نہ ہم رات کو تم سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں، نہ دن کو، اس لیے کہ تم مسلمان ہو اور ہم تو کفّار سے لڑنے کو آئے ہیں۔ اگر تم خود زیادتی کر کے ہمارے مقابلے میں آؤ گے، تو ہم مجبور ہیں۔ اپنے بچانے کو جو کچھ ہم سے ہو سکے گا، کریں گے۔ ہم کو اُمید ہے کہ جس خدا نے رات کو تمھارے بھائی فتحیاب کیا تھا، وُہی خدا تم پر دن کو فتحیاب کرے گا۔ مگر بہتر یہ ہے کہ تم خدا سے ڈرو اور ناحق پر اصرار نہ کرو، بُرائی کا انجام بُرا ہی ہوتا ہے، وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰی۔

اور ایک خط دیا۔[1]

---

[1] "منظورۃ السعداء" میں اس سلسلے کے دو خط سلطان محمد خاں کے نام اور ایک خط سلطان محمد خاں کا نقل ہوا ہے۔ سید صاحبؒ نے اپنے پہلے خط میں اپنی ہجرت اور جہاد کا مقصد بیان کیا اور تحریر فرمایا کہ ہم اس مُلک میں محض کفّار سے جنگ کرنے کے لیے آئے تھے ہمارا کسی مسلمان سے جدال و قتال کا ارادہ ہرگز نہ تھا۔ لیکن افسوس ہے کہ خود ہمارے کلمہ گو بھائیوں نے مزاحمت کی اور ہمارے اوپر لشکر کشی کر کے ہم کو نیست و نابود کرنا چاہا، لیکن اللہ تعالیٰ نے ہم بے سر و سامان اور کمزوروں کی مدد فرمائی۔ ہم پہلے بھی عاجز و ناچار تھے، اب بھی عاجز و ناچار ہیں۔ البتہ اُس قادرِ مطلق مالک الملک کی بطش شدید سے ڈرنا چاہیے، جو اپنے کمزور بندوں کی مدد کرتا ہے۔

اوست سُلطاں، ہر چہ خواہد آں کند　　عالمے را در دمے ویراں کُند
ہست سُلطانی مُسلّم مر اورا　　نیست کس را زہرۂ چُون و چرا

سُلطان محمد خاں نے اُس کا بڑا متکبرانہ جواب دیا اور لکھا کہ "آپ کا یہ کہنا کہ ہم اس مُلک میں محض کفّار سے جہاد کرنے آئے تھے اور ہم کو مسلمانوں سے کچھ سروکار نہیں، محض ابلہ فریبی ہے۔ آپ کا عقیدہ فاسد اور آپ کی نیت کا سد ہے۔ آپ فقیر بنتے ہیں اور ارادہ امارت کا کرتے ہیں۔ ہم نے بھی اس بات پر کمر باندھ لی ہے کہ تم جیسے لوگوں کو ختم کر کے اس زمین کو پاک کر دیں گے۔

اس خط کو پڑھ کر اگرچہ اکثر لوگوں کی رائے یہ ہوئی کہ اب کچھ گفت و شنید کی گنجائش نہیں ہے، لیکن سید صاحبؒ نے فرمایا کہ ایک بار اور اتمام حجت کرنا چاہیے۔ آپ نے ایک دوسرا لکھا جس میں سُلطان محمد خاں سے خواہش کی کہ کسی خلافِ شرع بات کی نشان دہی کی جائے، جو ہم لوگوں سے صادر ہوئی ہو۔ اگر ایسا کوئی فعل ثابت ہو گیا، تو کسی لشکر کشی کی ضرورت نہیں پڑے گی ہم خود شرعی سزا کے لیے حاضر ہو جائیں گے اور آپ کو یہاں تک آنے کی تکلیف نہیں دیں گے سلطان محمد خاں نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔

سُلطان مُحمّد خاں کا مُتکبّرانہ جواب مولوی عبدالرحمٰن صاحب اور اُن کے ساتھیوں نے واپس آکر بیان کیا کہ سردار سُلطان محمد خاں نے درشتی سے جواب دیا کہ ان قصّوں کہانیوں کی کچھ ضرورت نہیں، اپنے گھر کو جاؤ اور خبردار! پھر ہمارے پاس نہ آنا اور نہ سیّد بادشاہ کا پیام لانا۔

اُنھوں نے یہ بھی بیان کیا کہ سمہ کے اکثر ملک اور خوانین خُفیہ طور پر سردارِ موصوف سے ملے ہُوئے ہیں۔ اُنھوں نے سردارِ ممدوح سے یہ بھی کہا ہے کہ سیّد بادشاہ یہاں تو رُو میں تنہا خود ہی لشکر کے ساتھ ہیں۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، جنھوں نے سردار یار محمّد خاں پر شبخون مارا تھا، وہ ان دنوں موضع امب میں ہیں۔ ہم نے پنجتار سے سیّد بادشاہ کو بُلا کر شکار کی طرح تمھارے سامنے کر دیا ہے۔ اب تُم اُن سے نبٹ لو۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی آمد سیّد صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو طلبی کا خط لکھا اور فرمایا کہ وہاں کے انتظام اور بندوبست کے لیے سید اکبر صاحب کو مقرر کر کے آپ اُور شیخ ولی مُحمّد صاحب پھلتی جلد آجائیں۔ شاہ صاحب نے سید اکبر صاحب کو وہاں کا ذِمّے دار بنایا، شیخ بلند بخت دیوبندی کو قلعدار کیا اور مولوی خیرالدین صاحب کو بدستُور چھترباڑی میں رکھا اور امب سے کچھ کم دو سَو غازی ہمراہ لے کر شیخ ولی مُحمّد صاحب کے ساتھ موضع تُورُو کو روانہ ہو گئے۔ جب موضع تورُو دو یا ڈھائی کوس رہا، آپ نے سیّد صاحبؒ کو اپنے آنے کی اطلاع کی۔ سیّد صاحبؒ نے کہلایا کہ آپ وہیں تشریف رکھیں اور ہمارے آدمیوں کا اِنتظار کریں۔ رات ہی کو آپ نے کوئی تین سَو مُسلح آدمی مولانا کے لینے کو بھیجے۔ نمازِ فجر کے بعد بڑے تجمّل و اہتمام سے تُورُو کو روانہ ہُوئے۔ جب تورُو کے قریب پہنچے، تو سیّد صاحبؒ چند آدمیوں کے ساتھ استقبال کو آئے۔ اس کا مقصد یہ تھا کہ مخالفین پر رُعب ہو کہ مولانا اپنے مجاہدین کے ساتھ آپہنچے۔

مولانا کے آنے کے بعد دُوسرے دن نمازِ عشا کے بعد مخبر نے خبر دی کہ سردار سلطان مُحمّد خاں سے نجومیوں نے گھڑی ساعت دیکھ کر کہا ہے کہ کل سویرے تم اپنا کُل لشکر لے کر سیّد بادشاہ کے لشکر کے سامنے جاؤ اور اِدھر اُدھر گشت کر کے چلے آؤ، پھر اُس کے اگلے روز اُن سے

مقابلہ کرو، تمھاری فتح ہو گی۔ سو کل اُن کا لشکر ضرور آئے گا، آپ ہوشیار رہیں۔

اگلے روز گھڑی، ڈیڑھ گھڑی دن چڑھا ہوگا کہ طلیعہ کے ایک سوار نے آکر اطلاع دی کہ درّانیوں کا لشکر آتا ہے۔ نقّارہ بجا اور لوگ تیّار ہو کر اُس طرف کو روانہ ہُوئے اور موضع تورُو سے نکل کر آدھ کوس پر جمع ہُوئے۔ سردار سلطان مُحمّد خاں ادھر سے آتے آتے پاؤ کوس کے فاصلے پر مع لشکر کے کھڑا ہو گیا۔ اِس عرصے میں ایک سوار آیا اور کہا کہ ہمارے سردار سُلطان مُحمّد خاں نے کہا ہے کہ آج تو ہم یُوں ہی سیر و تماشہ کے طَور پر آئے ہیں، مگر کل ہم آکر آپ سے مُقابلہ کریں گے۔ آپ نے اُس سوار سے فرمایا کہ تم اپنے سردار سے ہماری طرف سے کہ دینا کہ ہم نہ آج تم سے لڑنے کا ارادہ رکھتے ہیں اور نہ کل۔ لیکن اگر تم خود چڑھ کر آؤ گے، تو ہم مجبُور ہیں۔

پچیسواں باب

مایار کی جنگ

جنگ کی تیاری | تُورو اور ہُوتی کے درمیان مایار نام کا ایک مقام تھا[1] - اُس کے کنارے مشرقی جانب ایک چشمے دار پانی کا نالہ[2] تھا - اُس کی حفاظت کے لیے سیّد صاحبؒ نے اپنے لشکر کے چند قندھاری مُتعیّن کر دیے - وہ وہاں رات دن رہتے تھے - رات کو مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ کل سردار سُلطان محمد خاں نے آپ سے لڑائی کا وعدہ کیا ہے - ایسا نہ ہو کہ کل سویرے اگر اس نالے اور مایار پر اپنا بندوبست کر لے، تو پانی اور وُہ بستی ہم سے چھُوٹ جائے اور مایار کے گرد کچّی دیوار ہے، وہ لڑائی کے لیے بڑے مَوقع کی جگہ ہے - آپ اُس کا ضرور کچھ بندوبست کریں - آپ نے مولانا کی یہ تجویز بہت پسند کی اور مُلّا لعل محمّد اور مُلّا قطب الدین سے فرمایا کہ تم اسی وقت دو سَو آدمیوں کے ساتھ جا کر اُس نالے پر اپنا مورچہ قائم کرو - ہم نے تم کو اس کام پر مُتعیّن کیا - ہم سے اور دُرّانیوں سے کیسا ہی سخت مُقابلہ پڑے، تم اس نالے کو نہ چھوڑنا -

دُعا | آپ کے حُکم سے رات بھر لشکر تیار رہا - تمام پیادہ و سوار رات بھر بیدار اور ہتھیار

---

[1] یہ مقام اب بھی ہے - بڑا گاؤں ہے - عُرفِ عام میں اُسے "مایار" کہتے ہیں - "مَیار" بھی لکھا جاتا ہے -

[2] یہ نالہ کلپانی ندی ہے جو مردان اَور ہوتی کے پاس سے گزرتی ہُوئی مایار اور تُورو کے پاس بہتی ہے - یہ سارے مقامات اس کلپانی ندی کے کنارے پر واقع ہیں -

باندھے ہوشیار رہے۔ صُبح کی نمازیں بہ نسبت اور دنوں کے آپ کے ساتھ نمازیوں کی بڑی کثرت تھی۔ نماز کے بعد آپ نے بڑی دیر تک ننگے سر ہو کر بڑی گریہ و زاری اور عجز و انکسار کے ساتھ دُعا کی۔ پروردگار کی جبّاری و قہّاری اور اپنی ناتوانی و خاکساری کا ایسا بیان کیا کہ لوگوں پر رِقّت طاری اور آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔

جُونہیں آپ نے دُعا کر کے اپنے مُنہ پر ہاتھ پھیرے، ایک شخص نے آپ کو سلام کر کے عرض کیا کہ میں مایار کے نالے پر سے مُلّا لعل مُحمّد قندھاری کا بھیجا ہُوا آپ کی اطلاع کو آیا ہُوں کہ موضع ہُوتی میں دُرّانیوں کا نقّارہ ہُوا ہے، آپ پھر ہوشیار ہو جائیں۔ یہ سُن کر آپ نے اپنے لشکر میں نقّارہ بجانے کا حکم دیا اور لوگ اپنے ساز و سامان سے تیّار ہو کر تورُو کے میدان میں جمع ہو گئے۔

سیّد ابو مُحمّد کی بعیتِ اخلاص سیّد ابو مُحمّد صاحب نصیر آبادی آپ کی اہلیہ کے خالہ زاد بھائی، جو بانکوں میں مشہور تھے، اپنا گھوڑا اتھان پر چھوڑ کر پیادہ پا آپ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میاں صاحب، جس روز سے میں آپ کے ساتھ اپنے گھر سے نکلا ہوں، آج تک میرا یہی خیال رہا کہ یہ میرے عزیز اور رشتے دار ہیں، میں بھی اُن کے ساتھ رہوں۔ جو ان کو اللہ تعالیٰ کہیں عروج دے گا، تو اُن کی وجہ سے میری بھی ترقّی ہو گی۔ نہ میں آج تک خدا کے واسطے رہا اور نہ کچھ ثواب جان کر۔ مگر اب مَیں نے اس خیالِ فاسد سے توبہ کی اور از سرِ نو آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے بعیتِ جہاد کرنے کو آیا ہُوں۔ آپ مجھ سے بعیت لیں اور میرے واسطے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اس نیّت اور ارادے پر ثابت قدم رکھے۔ آپ نے اُن سے بعیت لی اور اُن کے واسطے دُعا کی۔ اُس وقت تمام حاضرین پر رِقّت سے ایک عجیب حال واقع تھا کہ ہر ایک کی آنکھ سے آنسو جاری تھے۔

دُعا کے بعد سیّد ابو مُحمّد صاحب آپ سے مُصافحہ کر کے اپنے گھوڑے کی طرف چلے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اُنھوں نے بسم اللہ کر کے اپنا داہنا پاؤں رکاب میں رکھا اور بآوازِ بلند پُکار کر کہا کہ سب بھائیو، اس بات کے گواہ رہنا کہ آج تک ہم گھوڑے پر اپنی شان و

شوکت اور خواہش نفس کے لیے سوار ہوتے تھے۔ اس میں کچھ خدا کا واسطہ نہ تھا۔ مگر اس وقت ہم محض اللہ تعالےٰ کی خوشنودی و رضاجوئی کے واسطے بہ نیتِ جہاد اس گھوڑے پر سوار ہوئے ہیں

جنگ کی ابتدا | "شام کو سردار سلطان محمدؐ خاں اور اُس کے بھائیوں پیر محمد خاں، سید محمد خاں اور بھتیجے حبیب اللہ خاں (پسر محمد عظیم خاں وزیر) نے قرآن مجید پر ہاتھ رکھ کر قسم کھائی کہ ہم سید کے مقابلے سے کسی طرح منہ نہ موڑیں گے، پھر انھوں نے یہ قسم اپنے سب مشیروں اور افسروں سے لی۔ باقی لشکر کی قسم کے لیے اُنھوں نے دو طرف نیزے گاڑ کر ایک دروازہ سا بنایا۔ اس میں ایک لنگی باندھ کر کلام اللہ لٹکایا۔ اس کے نیچے سے سارا لشکر نکل کر میدان میں آیا۔

پچھلی رات کو کوچ کا نقارہ ہوا۔ موضع ہوتی کے لوگوں کا بیان ہے کہ اکثر درّانی شراب پی کر اور خوب مست ہو کر اور کمر باندھ کر اور گھوڑے کھینچ کر تیار ہوئے۔ جب دوسرا نقارہ ہوا، تب چاروں سردار اس دروازے سے نکلے اور دروازے کے کنارے ایک طرف کھڑے ہوئے تاکہ سب کو اپنے سامنے اس دروازے سے نکالیں۔ پھر آگے پیچھے تمام لشکر نکلا۔ وہاں اُنھوں نے تمام لشکر کے چار غول کیے: تین سواروں کے، ایک پیادوں کا۔ پیادوں کی بٹالین میں افسر کیول نام فرنگی تھا۔ اِس بٹالین میں چھوٹی چھوٹی دو توپیں تھیں۔ سواروں کے ایک غول میں پیر محمد خاں سردار تھا، ایک غول میں حبیب اللہ خاں، ایک غول میں خود سردار سلطان محمدؐ خاں اور دو ضرب توپ تھیں۔ جب چار غول جدا جدا مقرر ہو چکے اور تیسرا نقارہ ہوا، تب لشکر کا وہاں سے کوچ ہوا۔"[1]

اس عرصے میں ایک سوار بآواز بلند مجاہدین کے لشکر میں پکارتا ہوا آیا کہ بھائیو، خبردار اور ہوشیار ہو جاؤ، درّانیوں کا لشکر آتا ہے اور حضرت سے عرض کیا کہ نالے پر ملا لعل محمدؐ کے ساتھ آدمی کم ہیں لشکر قریب آگیا ہے، ایسا نہ ہو کہ نالہ اُن سے چھوٹ جائے۔ یہ خبر سُن کر آپ اں سے اُٹھ کھڑے ہوئے اور جناب باری میں نہایت اِلحاح و زاری سے دُعا کی۔ پھر گھوڑے

---

[1] منظور

پر سوار ہو کر روانہ ہوئے۔[1]

جب تُورو اور مایار کے درمیان نالے پر پہنچے اور لوگ اُترنے لگے، وہاں ایک جگہ پانی کم تھا۔ دائیں بائیں گہرا تھا کہ کمر کمر تک پہنچتا تھا۔ نالے کو پار کرنے میں صف کی ترتیب و انتظام قائم نہ رہا۔ نالہ پار ہونے کے بعد پھر صفوں کی ترتیب قائم ہو گئی۔ ادھر سے توپ چلی اور لوگ نالے اُتر کر پار ہُوئے۔ آپ نے بآوازِ بلند پکار کر کہا کہ سب بھائی، جو سُنتے ہیں، وُہ گیارہ گیارہ بار سُورۂ لِاِیْلٰفِ پڑھ کر اپنے اُوپر دم کر لیں اور لشکر میں سب بھائیوں سے یہی کہہ دیں اور جن کو یاد ہو، یہ دُعا پڑھتے ہُوئے چلیں: "اَللّٰھُمَّ اھْزِمْھُمْ وَ زَلْزِلْ اَقْدَامَھُمْ وَ شَتِّتْ شَمْلَھُمْ وَ فَرِّقْ جَمْعَھُمْ وَ خَرِّبْ بُنْیَانَھُمْ وَ خُذْھُمْ اَخْذَ عَزِیْزٍ مُّقْتَدِرٍ۔"

ہدایات پھر آپ نے رسالدار عبدالحمید خاں صاحب کو بُلا کر فرمایا کہ تم اپنے سواروں کو لیے ہُوئے ہم لوگوں کی بائیں جانب پُشت پر رہو اور تم بغیر ہمارے حملہ نہ کرنا۔ شاہینچیوں کے جمعدار شیخ عبدُاللہ سے فرمایا کہ تم لوگوں کے برابر بائیں طرف اور سواروں کے آگے رہو۔

پھر آپ آہستہ آہستہ آگے کو روانہ ہُوئے۔ جب موضع مایار کے برابر پہنچے، تو مخالفین کا لشکر صاف نظر آنے لگا۔ ادھر سے دو توپیں چل رہی تھیں اور لشکر کے چار غول تھے: تین سواروں کے اور ایک پیادوں کا۔ آپ نے اپنے لوگوں سے صف باندھنے کے لیے فرمایا اور سب سے کہہ دیا کہ خبردار، کوئی بھائی ہم سے آگے نہ بڑھے اور نہ ہماری اجازت کے بغیر بندوق چلائے۔

"مجاہدین کی تین صفیں تھیں۔ اگلی اور پچھلی میں تو ہندوستانی تھے، بیچ کی صف میں مُلکی لوگ تھے۔ ہر صف میں اتنے فرق سے آدمی کھڑے تھے کہ بندوقچی بافراغت بندوق بھر کر بھرماری کر سکے۔

آپ نے فرمایا کہ بھائیو، دَوڑنا حرام سمجھ کر تیز قدمی کے ساتھ اسی طرح صف باندھے ہُوئے توپوں کی طرف روانہ ہو، اس لیے کہ دَوڑنے سے آدمی کی سانس پھول جاتی ہے اور وُہ تھک کر

---

[1] "منظورۃ الشداد" میں ہے کہ دُرّانیوں کے لشکر میں تخمیناً چار ہزار پیادے اور آٹھ ہزار سوار تھے۔ اور حضرت امیرالمومنین کے ہمراہی اس وقت ہندی و مُلکی ملا کر تین ہزار پیادے اور پانچ سو سوار تھے۔

رہ جاتا ہے اور کسی کام کے لائق نہیں ہوتا۔ یہ بھی یاد رکھو کہ توپ کی آواز ہوتی تو ہے بڑی مُہیب اور ڈراؤنی، لیکن ایک گولہ ایک آدمی کے سوا کسی کی جان نہیں لے سکتا، بشرطیکہ صفوں میں خلل واقع نہ ہو۔"[1]

لشکر کے مخلصین اس عرصے میں پے در پے دو گولے اس طرف سے ٹپّا کھا کر آئے اور صفوں کے اُوپر ہو کر نکل گئے۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ اِدھر سے گولے آتے ہیں، آپ گھوڑے سے اُتر پڑیں۔

یہ حال بیچ کی صف کے مُلکیوں نے دیکھا کہ گولے آتے ہیں اور آپ اپنے گھوڑے سے اُتر گئے ہیں۔ وہ تمام مُلکی درپردہ سردار سلطان مُحمّد خاں سے مِلے ہُوئے تھے۔ یہ حال دیکھ کر مارے خوف کے وہاں سے کھسکنے لگے۔ کوئی بستی کی دیوار کی آڑ میں جا کھڑا ہُوا اور کوئی نالے کے نشیب میں۔ فقط آپ کے لشکر کے سوار اور پیادے اور رفیقوں کے سوار و پیادے کم و بیش دو ہزار رہ گئے۔ فتح خاں بُنیتاری، گھڑیالہ کے منصُور خاں، شیوہ کے دونوں بھائی مُشکار خاں اور انند خاں، کلابٹ کے اسمٰعیل خاں، گڑھی امازئی کے سرور خاں، اکوڑے کے خواص خاں خٹک اور اُن کے عزیزوں میں شہباز خاں خٹک، زیدے کے فتح خاں، تُورو کے دلیل خاں، لُونڈ خُوڑ کے نسیم خاں، کوٹھے کے مُلّا سیّد امیر آخوند زادہ، ٹوپئی کے مُلّا بہاء الدّین، ڈاگئی کے مُلّا باقی، ان کے علاوہ اَور مُلّا و طالب علم آپ کے ساتھ شریک رہے۔

پہلا شہید کالے خاں افغان قوم آفریدی ساکن مُوشمس آباد، جو چھترہائی کے بعد سے ناراض ہو کر چلے گئے تھے اور نادم ہو کر پھر آئے تھے اور سیّد صاحبؒ کے ساتھ ہی رہا کرتے تھے، گھوڑے پر سوار صف کے آگے دائیں سے بائیں اور بائیں سے دائیں پھرتے تھے۔[2] اور لوگوں سے کہتے تھے کہ بھائیو، صف کے برابر جمے چلو۔ ناگہاں اِدھر سے ایک گولہ ٹپّا کھا کر آیا اور اُن کے بائیں پہلو میں لگا اور وُہ

---

[1] منظورہ [2] "منظورۃ السّعداء" میں ہے کہ کالے خاں سامنے آئے، تو سیّد صاحبؒ نے عبد اللہ والیہ کا گھوڑا، جو سبزہ رنگ تھا، ان کو دیا۔ اس کی لگام تھامتے ہی اُنھوں نے کہا کہ انشاء اللہ اپنا سر توپ کے مُنہ میں دے دُوں گا۔

گھوڑے پر سے زمین پر گرے۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ کالے خاں کے گولہ لگا۔ آپ نے سُن کر "اِنَّا لِلّٰہِ وَ اِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ" پڑھا۔ صف کے لوگ آہستہ آہستہ جمے ہوئے آگے چلے جاتے تھے۔ جب کالے خاں کے قریب پہنچے، تو لوگوں نے دیکھا کہ قدرے جان باقی ہے۔ گولے سے پہلو نہیں پھوٹا، مگر ایک نیلا داغ پڑ گیا ہے۔ کالے خاں نے آہستہ سے کہا کہ میرے بازو پر تعویذ ہے، اُس کو کھول لو۔ کسی نے وہ تعویذ کھول لیا۔ کالے خاں وہیں رہے اور صف آگے نکل گئی۔

"انھیں گولوں سے لشکرِ اسلام کا سقّہ اور کریم بخش گھاٹم پوری، جو سیّد صاحبؒ کے لیے کھانا پکا کر کمر میں باندھے ہوئے تھے اور چند لوگ شہید ہوئے۔

ایک فقیر، جن کو قلندر کابلی کہتے تھے، چند روز سے لشکرِ اسلام میں مقیم تھے۔ وہ قُدسی کی مشہور نعت کی تضمین ع ـــــ "یا رسُولِ عربی، شاہسوارِ مدنی" ـــــ بڑی خوش الحانی سے پڑھا کرتے تھے۔ سیّد صاحبؒ بھی اُن سے بڑی بشاشت کے ساتھ فارسی میں گفتگو فرماتے تھے۔ وہ صف سے چار قدم آگے کھڑے تھے۔ اُنھوں نے جب حریف کی توپ کی آواز سُنی، تو اپنی جگہ سے اچھل کر رقص کرنے لگے اور کچھ زبان سے کہا، جس کر قریب کے آدمیوں نے سُنا۔ اتنے میں ایک گولہ اُن کے پاؤں کے پاس آکر گرا اور اُس سے اس قدر غبار اٹھا کہ قلندر اُس میں چھپ گیا۔ لوگ سمجھے کہ شہادت پائی۔ جب غُبار چھٹا، تو قلندر برآمد ہُوا۔ وہ اپنی گدڑی اپنے ہاتھ سے نچاتا تھا اور مست تھا۔"[1]

مجاہدین کی رجز خوانی | مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ اس وقت دو شخص جنگ کی تحریض و تحریص کر رہے تھے اور اُن کی آواز اس وقت بڑی دل کش اور مُؤثّر تھی، ایک امان اللہ خاں ملیح آبادی، جو مُعمّر آدمی تھے، لیکن نہایت جری اور شجاع، وہ اس طرح بہادری، ثابت قدمی اور دلاوری کی باتیں کرتے تھے کہ بُزدِل سے بُزدِل انسان بھی اُن کی باتیں سُن کر جنگ پر آمادہ ہو جاتا۔ دُوسرے شیخ ریاست علی موہانی جو مولوی خُرّم علی کے رسالۂ جہادیّہ کے اشعار بڑے جوش و اثر کے ساتھ پڑھ رہے تھے۔

معرکہ | آگے بڑھ کر سیّد صاحبؒ نے ننگے سر ہو کر کمال عجز و زاری سے پھر دُعا کی کہ "الٰہی، ہم

[1] منظورہ

عاجز و ضعیف بندے ہیں۔ تیرے سوا ہمارا کوئی حامی و مددگار نہیں ہے، جو ہم کو بچائے۔ ہم نے اُن کو بہتیرا سمجھایا کہ تم ہم مسلمانوں سے نہ لڑو، مگر اُنھوں نے نہ مانا اور تُو دانا و بینا ہے، ہمارے دلوں کے بھید کو جانتا ہے۔ اگر تیرے علم میں ہم حق پر ہوں، تو ہم ضعیفوں کو فتحیاب کر اور جو وُہ حق پر ہوں، تو اُن کو۔"

اس عرصے میں اُن کے چار غولوں میں سے ایک نے، جس میں دو توپیں چلتی تھیں، گھوڑوں کی باگیں اُٹھا کر حملہ کیا، اس ہیئت سے کہ تلواریں ننگی علم کیے، داڑھیاں دانتوں میں دابے، دائیں بائیں مُنہ پھیرے "سیّد کُجاست؟ سیّد کُجاست؟" کہتے ہُوئے چلے۔ جب اتنے قریب آ پہنچے کہ چالیس پچاس قدم کا فاصلہ رہ گیا، سیّد صاحبؒ نے اپنے رفل بردار سے رفل لیا اور بآوازِ بلند تکبیر کہہ کر سر کیا۔ اس کے ساتھ ہی تمام غازیوں نے تکبیر کہہ کر ایک باڑھ ماری اور حملہ کر دیا، مگر وہ کسی طرح نہ رُکے۔ دفعتہً آ کر گڈمڈ ہو گئے۔ غازیوں نے اُن کو بھرماری پر رکھ لیا۔ قبائلی تو قرابین مارتے تھے، بندوقچی بندوق، تلوار والے تلوار، اور گنڈاسے والے گنڈاسے۔ خدا کی مدد سے اُن کا مُنہ پھر گیا۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ ہاں، سواروں سے کہہ دو کہ تم بھی ہلّہ کر کے اُن کو لو۔ کسی نے کہا کہ سوار تو اوّل ہی شکست کھا کر، معلوم نہیں، کہاں چلے گئے۔[1]

---

[1] یہ سوار پیادہ فوج کی پشت پر تھے۔ دُرّانیوں کا ایک غول اُن کی طرف بڑھا اور دونوں طرف کے آدمی ایک دُوسرے میں گڈمڈ ہو گئے۔ مُلکی سوار بھاگ کھڑے ہُوئے۔ ساری لڑائی ہندوستانی سواروں پر پڑ گئی۔ رسالدار عبدالحمید خاں بڑی شجاعت اور جوانمردی سے لڑتے رہے۔ زخمی ہو کر گرے۔ سیّد موسیٰ، سیّد اسمٰعیل بریلوی بھی زخمی ہُوئے۔ تین ہزار دُرّانیوں کا مقابلہ پانسو ہندوستانی سواروں سے تھا۔ آخر ہندوستانی سوار متفرق ہو کر دُرّانیوں کے جمع سے نکل آئے۔ دُرّانیوں نے کچھ دُور اُن کا تعاقب کیا؛ پھر اپنے لشکر کی طرف واپس گئے۔

"منظورہ" میں ہے کہ جس وقت سیّد صاحبؒ کی جماعت پر دُرّانی سواروں اور پیادوں کا حملہ ہوا، چونکہ اُن کا ہجوم بہت تھا اور سیّد صاحبؒ کے ساتھ کے پیادے تھوڑے تھے، حاجی عبدالرحیم خاں مرحوم جو ایک مردِ درویش اور سیّد صاحبؒ کے محبِ جاں نثار تھے، فرطِ محبت سے تاب نہ لا سکے اور سواروں کو للکار کر کہا کہ عزیزو، دُرّانیوں کے اس انبوہِ عظیم نے امیرالمومنین کی جماعتِ قلیل پر حملہ کیا ہے۔ اگر آپ ہی نہ رہے، تو زندگی کا کیا مزہ؟ آؤ، بائیں جانب سے حملہ کریں۔ یہ سوار چونکہ تعداد میں تھوڑے تھے اور دُرّانی تین ہزار سے کم نہ تھے، مقابلہ کی تاب نہ لا سکے۔ اس حالت میں حاجی عبدالرحیم، سیّد ابو محمد، شیخ عبدالحکیم وغیرہ نے شہادت پائی اور سیّد موسیٰ اور رسالدار عبدالحمید خاں سخت زخمی ہو کر گھوڑے کی پیٹھ سے گرے۔ دُرّانی سوار جتنی بار پیادوں کے مقابلے سے پسپا ہوتے تھے۔ انھیں سواروں پر

یہ سُن کر آپ خاموش ہوگئے۔ شیخ ولی محمدؐ صاحب نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے کہا کہ اپنے سوار تو شکست کھا گئے۔ اب چل کر اُن کی توپیں لیں۔ شیخ صاحب اور مولانا نے کوئی ڈیڑھ سو غازیوں کے ساتھ اُن کا تعاقب کیا اور قواعد بھرماری پر رکھ لیا۔ ادھر اُن کا ایک دُوسرا غول اُسی ہیئت کے ساتھ "سیّد کجاست؟ سیّد کجاست" کہتا ہُوا اور اسی طرح گڈمڈ ہو گئے۔

سیّد صاحبؒ کی شجاعت | اُس وقت سیّد صاحبؒ کے ساتھ کم و بیش پانسو غازی ہوں گے، باقی جا بجا متفرق ہو گئے۔ آپ کا حال یہ تھا کہ دائیں بائیں سے دونوں رفل بردار رفل بھر بھر کر دیتے تھے اور آپ دونوں طرف سے سر کرتے تھے۔ داہنے طرف والے کا سینہ داہنی جانب رکھ کر اور بائیں طرف والا بائیں جانب رکھ کر، چہرے پر خوف و ہراس کا نشان نہ تھا۔ یہ غوَل بھی بالآخر پسپا ہُوا۔ پچاس پچاس، ساٹھ ساٹھ مجاہدین ہر غول کے تعاقب میں گئے۔ سیّد صاحبؒ بھی پچاس ساٹھ آدمیوں کی جمعیّت کے ساتھ ایک غوَل کے پیچھے بندوقیں سر کرتے ہُوئے چلے جاتے تھے۔

ادھر چھ سات سَو سواروں کا ایک اور پرا کھڑا تھا۔ اُنھوں نے دیکھا، تو گھوڑوں کی باگیں اُٹھا کر سیّد صاحبؒ کی جماعت پر حملہ آور ہُوئے۔ آپ اُس وقت ایک اَور غوَل کے تعاقب میں مشغول تھے۔ میاں خدا بخش رامپوری نے تین یا چار بار پکار کر کہا کہ حضرت، سواروں کا ایک غول اس طرف بھی آتا ہے۔ یہ بات سُن کر ایک غازی نے کہا کہ چُپ رہو، آنے دو، حضرت کا نام نہ لو۔ یہ آواز سُن کر آپ بھاگنے والے غول کا تعاقب چھوڑ کر بڑی چُستی اَور چالاکی کے ساتھ اُس آنے والے غوَل کی طرف پلٹ پڑے۔ یہ غوَل بھی اُسی ہیئت کے ساتھ ڈاڑھیاں دانتوں میں دابے، ننگی تلواریں عَلم کیے "سیّد کجاست؟ سیّد کجاست؟" کہتے ہُوئے گڈمڈ ہو گیا۔ سیّد صاحبؒ نے اُنھیں پچاس ساٹھ غازیوں کے ساتھ بندُوقوں، قرابینوں، تلواروں اور گنڈاسوں پر رکھ لیا۔ تائیدِ الٰہی سے وُہ پسپا ہُوئے اور دس بارہ غازیوں نے اُن کا پیچھا کیا اور آپ کے ہمراہ دس بارہ غازی رہ گئے۔

ایک لڑکے کی جُرأت | تیرہ، چودہ برس کے ایک مُلکی لڑکے کے پاس گنڈاسا تھا جس کو مُلکی لوگ

کُفر چپٹ کہتے تھے۔ اُس لڑکے نے لپک کر ایک سوار پر وار کیا۔ گنڈاسے کی نوک خمدار تھی۔ اس سوار کی زرہ میں اٹک گئی۔ سوار بھاگا۔ لڑکا دونوں ہاتھوں سے اپنا گنڈاسا پکڑے ہوئے کھچا چلا جاتا تھا اور پشتو زبان میں کہتا تھا کہ " زَما کُفر چپٹ ئے یوڑو، زَما کُفر چپٹ ئے یوڑو"، یعنی، ہمارا کُفر چپٹ یہ شخص لیے جاتا ہے۔ اس کا یہ حال دیکھ کر کئی غازیوں نے اس سوار پر بندوقیں سر کیں۔ آخر اُس کے ایک گولی لگی اور گھوڑے سے زمین پر گرا اور گنڈاسے کی نوک اُس کی زرہ سے چھوٹ گئی۔ اس لڑکے نے اُس گنڈاسے سے اُس کا خاتمہ کیا۔

مولانا محمد اسمٰعیل اور شیخ ولی محمد صاحب کا کارنامہ

اس عرصے میں تین چار توپیں سر ہوئیں اور دُرّانیوں کے سواروں کے غول پراگندہ ہو کر بھاگے۔ لوگوں نے سمجھا کہ مولانا اور شیخ ولی محمد صاحب نے دُرّانیوں کی توپوں پر قبضہ کر لیا۔ سید صاحبؒ نے آپ کے پاس آدمی بھیجا کہ آپ وہاں نہ ٹھیریے جلد توپیں لے کر ہمارے پاس آجائیے۔ اُنھوں نے آکر بیان کیا کہ ہم نے سواروں کا تعاقب کیا اور اُن کو بھرماری پر رکھ لیا۔ وُہ سوار بدحواس ہو کر بھاگے۔ جب وہ توپوں کے قریب پہنچے، تو وُہ توپ والے بھی اُن کا یہ حال دیکھ کر بھاگ کھڑے ہوئے اور ہم نے اُن کی توپوں پر قبضہ کیا۔ توپ بھرنے کا سامان وُہ اپنے ساتھ لیتے گئے۔ اُس وقت نواب خاں لنگڑے گُنتی والے وہاں موجود تھے۔ اُن کا لٹھ بالکل سُنبے کی طرح تھا۔ اُن سے اُن کا لٹھ اور شیر محمد خاں سے توڑا لے کر چار فیر سر کیے جس سے اُن کا غول پراگندہ ہو گیا۔

مولانا اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ کئی دُرّانی سوار مجھ تک آئے۔ میں نے (اپنی زخم خوردہ انگلی[1] کی وجہ سے) جتنے بار اپنی چقماقی بندوق چلائی، اُس کے پتھر نے خطا کی۔ جب کئی بار یہی صورت پیش آئی، تو مجھے گمان ہُوا کہ میری شہادت کا وقت آگیا۔ یہ دیکھ کر حافظ وجیہ الدین صاحب نے اپنی فتیلے دار بندوق سے حملہ آور سوار کو قتل کیا۔

---

[1] یاد ہوگا کہ کھپلی کی جنگ میں مولانا کی دائیں ہاتھ کی چھنگلیا زخمی ہو گئی تھی۔ اس کی وجہ سے وہ ہتھیلی پورے طور پر کام نہیں کرتی تھی اور بندوق کا بھرنا مشکل تھا۔ اِسی بنا پر جنگ کے وقت اکثر اپنے ساتھ کارتوس رکھتے تھے۔ اکثر از راہِ ظرافت اپنی اس چھنگلیا کے متعلق فرماتے تھے کہ یہ میری دُوسری انگشتِ شہادت ہے۔ (منظورہ)

دُرّانیوں کی ہزیمت | اس عرصے میں دُرّانیوں کے سوار جو جا بجا پراگندہ اور مُنتشر ہو گئے تھے، اپنی پہلی صف گاہ پر پرا باندھ کر کھڑے ہو گئے۔ سیّد صاحبؒ نے اُن کی جمعیّت دیکھ کر سر برہنہ ہو کر بآوازِ بلند دُعا کی۔ پھر مولانا سے فرمایا کہ میاں صاحب، آپ جا کر شاہینیں سرکرائیں۔ مولانا نے جا کر اُونٹوں پر سے شاہینیں اُتروائیں اور زمین پر قطار باندھ کر رکھوائیں اور ہر شاہین پر چار چار غازی متعیّن کیے اور اجازت دی کہ ڈیوڑھ مارو۔ شاہینوں کی اتنی گولیاں پڑتی تھیں، مگر سواروں کا غول اُسی طرح جما کھڑا تھا۔ سیّد صاحبؒ توپوں کے پاس گئے۔ شیخ مولا بخش الہ آبادی نے توپ بھر کر دُرّانیوں کی طرف لگا رکھی تھی۔ آپ کی اجازت کا انتظار تھا۔ آپ نے جُھک کر دیکھا تو معلوم ہُوا کہ توپ دُرّانیوں کے نشان کے سامنے ہے۔ آپ نے اُس کا پیچ تھوڑا سا پھیر کر فرمایا کہ اب سر کو دو۔ شیخ مولا بخش نے آگ دی اور اُس فیر میں نشان بردار اُڑ گیا اور وہ غول پراگندہ ہو گیا۔ دُوسرے یا تیسرے فیر میں دُرّانی پسپا ہو کر بھاگے۔ جب تک وہ توپ کی زد پر رہے، شیخ ممدوح توپ چلاتے رہے؛ جب دُور نکل گئے، تب توپ چلانی موقوف کی اور شاہینیں بھی بند ہوئیں۔

جنگ کے اختتام پر | معرکۂ جنگ سے فارغ ہو کر مجاہدین، جو بہت پیاسے تھے، اس تالاب پر آئے، جو مایار کے قریب دائیں ہاتھ کو تھا۔ تالاب کا پانی دُھوپ سے گرم تھا، لیکن شدّتِ تشنگی میں مُجاہدین اسی سے اپنی پیاس بجھانے لگے۔ اتنے میں گاؤں کے لوگ پانی کے گھڑے بھر بھر کر لائے اور غازیوں کو سیراب کیا۔

اِسی عرصے میں پراگندہ اور مُنتشر لوگ بھی جمع ہونا شروع ہو گئے۔ شاہین و نقارہ بھی وہیں آ گیا۔ اس تالاب پر دیر تک سیّد صاحبؒ اور مجاہدین نے قیام کیا۔ یہ بھی خیال تھا کہ چونکہ دُرّانی سوار تعداد میں زیادہ ہیں، اگرچہ شکست کھا کر دُور تک چلے گئے ہیں، لیکن کیا عجب ہے کہ اُن کے سواروں میں سے کوئی جرأت سے کام لے کر پھر پلٹ پڑے۔ جب آفتاب ڈوبنے لگا اور دشمن زیادہ فاصلہ طے کر چکے، تو آپ نے مایار کی گڑھی کی طرف مراجعت فرمائی۔

زخمیوں کی تیمارداری | مولوی مظہر علی عظیم آبادی زخمیوں کو جمع کرنے، نمازِ جنازہ پڑھنے اور شُہدا کی تدفین

کے لیے مقرر ہوئے۔ تمام زخمی مایار کی گڑھی میں جمع کیے گئے۔ جرّاح حاضر ہوئے اور وہ زخموں کے سینے اور مرہم پٹی میں مشغول ہوئے۔ مغرب کی نماز گڑھی مایار میں ہوئی۔

مولوی جعفر علی صاحب لکھتے ہیں: لوگ اگرچہ صبح سے بھوکے تھے، لیکن فتح کی خوشی سے کھانے سے بے پروا اور آسودہ تھے۔ دن بھر کے تھکے ماندے ہونے کی وجہ سے اکثر لوگ پڑ کر سو گئے لیکن جراحوں کو زخموں کے سینے اور مرہم پٹی سے فرصت نہ تھی۔ عام طور پر لوگ سو رہے تھے۔ چراغ پکڑنے والا اور روشنی دکھانے والا بھی بڑی مشکل سے ملتا تھا۔ نُعَاسًا يَغْشٰى طَائِفَةً مِّنْهُمْ کا منظر تھا آنکھ بے اختیار بند ہو ہو جاتی تھی۔ نصف شب کے بعد زخموں کے سینے اور مرہم پٹی سے فراغت ہوئی۔

چھبّیسواں باب

مایار کے شُہداء و مجرُوحین

شُہداء کا دم واپسیں | ہدایت اللہ بانس بریلوی کہتے ہیں کہ جس وقت کالے[1] خاں کے گولہ لگا اور وہ گھوڑے سے گر پڑے اور صف آگے بڑھ گئی، ہم کئی آدمی اُن کو وہاں سے مایار کی مسجد کے حجرے میں اُٹھا لائے۔ وُہ جان کنی کی حالت میں تھے۔ گھڑی گھڑی، دو دو گھڑی کے فاصلے سے اُنھوں نے پوچھا کہ بھائی، لڑائی کا کیا حال ہے اور کس کی فتح ہے؟ اس وقت تک دُرّانیوں کا پہلا اور دوسرا غول آیا تھا۔ میں نے اُن سے کہا کہ ابھی تو معاملہ گڈمڈ ہے، ابھی تک فتح اور شکست کسی کی نہیں ہُوئی۔ یہ سُن کر وُہ چپ ہو رہے اور اللہ اللہ کیا کیے۔ پھر جب دُرّانیوں کا دُوسرا غول آیا اور شکست کھا کر بھاگ گیا، تب اُنھوں نے پھر پوچھا کہ اب لڑائی کا کیا طور ہے؟ کسی کی فتح ہُوئی یا نہیں؟ مَیں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے

---

[1] یہ کالے خاں چھترہائی سے رُوٹھ کر پنجاب کو چلے گئے تھے۔ چند روز کے بعد پھر آئے اور سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر تائب ہو کر از سرِ نو بیعت کی۔ اوّل اُن کا یہ طور تھا کہ اپنی ڈاڑھی بیچ میں صفا چٹ رکھتے تھے۔ ایک دن اُنھوں نے ٹھوڑی منڈائی تھی۔ سیّد صاحبؒ نے اُن کی ٹھوڑی اپنے ہاتھ سے ٹٹول کر اُن سے فرمایا کہ خان بھائی، تمھاری ٹھوڑی کیا چکنی چکنی ہے! اس بات سے وُہ شرما گئے اور کچھ نہ بولے۔ مگر سیّد صاحبؒ کا وہ کہنا اُن کے دل میں اُتر گیا۔ کئی دن کے بعد جب سنّول کے مرافق تائی آیا اور چاہا کہ ٹھوڑی بھگوئے اور مونڈھے، تو اُنھوں نے کہا کہ اس ٹھوڑی میں سیّد صاحبؒ کا ہاتھ لگا ہے، اب تو اس میں ہاتھ نہ لگا، یوں ہی رہنے دے۔ پھر اُس دن سے اُنھوں نے اپنی ٹھوڑی نہ منڈائی اور بڑے صالح اور متقی ہو گئے۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو نعمتِ شہادت سے سرفراز کیا۔

ہمارے سیّد صاحبؒ کو فتحیاب کیا۔ یہ خوشخبری سُن کر اُنھوں نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اسی دم اُن کا دم نکل گیا۔

قاضی گل احمد الدین صاحب بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے ایک جگہ دیکھا کہ سیّد ابو مُحمّد صاحب[1] زخمی پڑے ہیں، مگر ایسے کاری زخم لگے تھے کہ قدرے جان تو اُن میں باقی تھی، ہوش و حواس کچھ بر جا نہ تھے۔ مَیں نے کئی بار اُن کے کان میں پکار کر کہا کہ سیّد ابو مُحمّد صاحب، حضرت امیر المؤمنین کی فتح ہُوئی۔ اُنھوں نے کچھ خیال نہ کیا اور نہ کچھ جواب دیا، مگر اُن کا حال یہ تھا کہ ہونٹ اپنے چاٹتے جاتے تھے اور اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! کہتے جاتے تھے اور جو لوگ لاشیں اُٹھا رہے تھے، مَیں نے اُن کو آواز دی کہ کوئی ادھر آؤ، سیّد ابو مُحمّد صاحب اِدھر پڑے ہیں۔ ادھر سے ایک آدمی آیا۔ میرے پاس ایک کمبل تھا۔ اُن کو اُٹھا کر اُس میں لِٹایا۔ ہم دونوں آدمی اُن کو تورو میں لائے۔ تب تک اُن میں رمق باقی تھی۔ اسی طرح ہونٹ بھی چاٹتے تھے اور لبوں سے کچھ اشارہ اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! کہنے کا معلوم ہوتا تھا۔ پھر کچھ دیر میں جان نکل گئی۔

نوجوان زخمی | سیّد موسیٰ ۱۷، ۱۸ سال کے جوان تھے۔ اُن کے والد سیّد احمد علی صاحب جس دن پھولڑے کی لڑائی میں شہید ہُوئے، اس دن سے سیّد مُوسیٰ کی طبیعت مغموم رہنے لگی۔ کبھی کبھی اپنے دوستوں سے کہتے کہ اگر کبھی میرا کسی لڑائی میں جانے کا اتفاق ہُوا، تو انشاء اللہ بیچ کھیت میں مجھ کو دیکھنا،

---

[1] سیّد ابو محمد صاحب لکھنؤ میں بٹالین میں سمعدار تھے۔ بہت بانکے ترچھے، وضعدار اور خوبصورت جوان تھے۔ بڑے بڑے چابک سوار اُن کی اُستادی کے قائل تھے۔ مزاج میں بڑی لطافت اور نفاست تھی۔ کسی کے ہاتھ کا پکا کھانا ان کو پسند نہ آتا تھا۔ اپنے ہی ہاتھ سے دن رات میں ایک بار پکا کر کھاتے تھے۔ اکثر فنون میں مہارت رکھتے تھے۔ کپڑا ایسا قطع کرتے اور سیتے کہ بڑے بڑے اُستاد حیران رہ جاتے تھے۔ پندرہ بیس وضع کی پگڑی باندھتے تھے۔ اپنے ہاتھ سے گھوڑے کا سب ساز و یراق سی لیتے تھے اور آپ ہی اپنا خط آئینہ سامنے رکھ کر بناتے تھے۔ غرارے دار پائجامہ، چُست انگرکھا پہنتے تھے۔ بانکپن کے باوجود نہ کبھی سر پر بال رکھے، نہ کبھی حُقّہ پیا، نہ نشے کی کوئی چیز کھائی پی، نہ کسی نامحرم عورت کی طرف بُری نگاہ سے دیکھا۔ تیمارداری، خدمتگزاری میں بڑے چُست تھے۔ بیماروں کا بول و براز اٹھاتے تھے۔ جب سیّد صاحبؒ نے ہجرت کی تیاری کی، تو آپ نوکری چھوڑ کر رُخصت کرنے آئے۔ کوئی پوچھتا کہ سیّد ابو مُحمّد، کیا تم بھی ہجرت کر کے جہاد کو چلو گے، تو کہتے: مَیں تو نہیں جانتا کہ ہجرت اور جہاد کس کو کہتے ہیں۔ ہمارے بھائی میاں صاحب جاتے ہیں، ہم نے کہا کہ ہم بھی دلمئو تک پہنچا آئیں۔ یوں کہتے کہتے دلمئو سے باندہ، گوالیار، ٹونک، اجمیر اور یہاں تک کہ سرحد پہنچ گئے۔

یعنی، مَیں بھی لڑ کر شہید ہو جاؤں گا۔ اُن کے اس حال کی اطلاع سیّد صاحبؒ کو بھی تھی۔ وہ رسالدار عبدالحمید خاں کے سواروں میں تھے۔ جب تُورو سے مایار کی طرف لشکر چلا، تو آپ نے اُن سے کہا کہ تم اپنا گھوڑا اور کسی بھائی کو دے دو اور تم ہمارے ساتھ پیادوں میں رہو۔ اُنھوں نے عرض کیا کہ آپ مجھ کو یوں ہی رہنے دیجیے۔ جب دُرّانیوں کا ہلّہ آیا، آپ گھوڑے کی باگ اُٹھا کر اُس میں گھُس گئے اور خوب تلوار سے لوگوں کو مارا اور زخمی کیا اور آپ بھی زخمی ہُوئے، مگر لڑتے رہے۔ جب زخموں کے مارے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے اور کئی زخم سر میں لگے، اُس وقت بیتاب ہو کر گھوڑے سے گِرے۔

خادی[1] خاں کہتے ہیں کہ مَیں نے دُور سے سُنا کہ کوئی زخمی پڑا ہُوا اللہ! اللہ کر رہا ہے۔ مَیں نزدیک گیا، تو پہچانا کہ یہ تو سیّد موسیٰ ہیں۔ سر کے زخموں سے جو خُون بہ رہا تھا، اُس سے اُن کی آنکھیں بند تھیں۔ مَیں نے کہا کہ میاں مُوسیٰ، مَیں آپ کو اُٹھا لے چلوں؟ اُنھوں نے پوچھا کہ تم کون ہو اور فتح کس کی ہُوئی؟ مَیں نے کہا کہ میں خادی خاں ہُوں اور فتح سیّد بادشاہ کی ہُوئی۔ یہ سُن کر اُنھوں نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! اور قدرے چاق سے ہو گئے اور مجھ سے کہا کہ مجھ کو لے چلو۔ مَیں اپنی پشت پر سوار کر کے اُٹھا لایا۔ سیّد صاحبؒ نے اُن کو بے چین دیکھ کر فرمایا کہ ان کو مایار کی مسجد کے حجرے میں پہنچاؤ۔ آپ نے اُن کے بعض رفیقوں کو اُن کی خدمت کے لیے ساتھ کر دیا۔

مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ سیّد صاحبؒ اُن کو دیکھنے تشریف لائے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بچّہ بڑا مردانہ نکلا اور مالکِ حقیقی کا حق خوب ادا کیا۔ پھر اُن سے خطاب کر کے فرمایا کہ الحمدللہ، تمھارے ہاتھ پاؤں اللہ کے راستے میں کام آئے اور تمھاری کوششیں مشکور ہوئیں۔ اگر تم کسی کو دیکھو کہ خوش رفتار گھوڑے پر سوار ہے اور اُس کو ایڑ لگاتا ہے اور دَوڑاتا ہے، تو تم کبھی اس کی حسرت نہ کرنا کہ ہمارے ہاتھ پاؤں سلامت ہوتے، تو ہم بھی اسی طرح شہسواری کرتے، اس لیے کہ تمھارے ہاتھ پاؤں اللہ تعالیٰ کے یہاں قبول ہو گئے۔ بڑے مُبارک ہیں وُہ ہاتھ پاؤں، جو رضائے مولیٰ کے راستے میں کام آئیں اور اس پر قربان ہو جائیں۔ اگر کبھی کسی شخص کو دیکھو کہ وہ پٹّہ باز استادوں کی طرح تلوار سے کھیلتا ہے، تو کبھی یہ غم نہ کرنا کہ ہم بھی تندرست ہوتے، تو یہ پھرتی کا کمال دکھاتے، اس لیے کہ

---

[1] یہ خادی خاں قندھاری ہیں، جو سیّد صاحبؒ کی فوجِ جہاد میں تھے۔

تمھارے اِن ہاتھ پاؤں کا بڑا مرتبہ ہے کہ اللہ کے راستے میں اُنھوں نے زخم کھائے۔ جو ہاتھ پاؤں صحیح و سالم ہیں، اُن سے گناہ کا اندیشہ ہے، لیکن تمھارے ہاتھ پاؤں کا ثواب اللہ تعالیٰ کے یہاں جمع ہے۔ سیدنا علی مُرتضیٰؓ کے بھائی حضرت جعفر طیارؓ کے دونوں بازو اللہ کے راستے میں کٹ گئے! اللہ تعالیٰ نے اُن کو جنّت الفردوس میں ذُوالجناحین کے لقب سے سرفراز فرمایا اور زمرّد کے دو بازو اُن کو عطا فرمائے۔

سیّد مُوسیٰ نے عرض کیا کہ حضرت، مَیں ہزار زبان سے اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں اور اس حال پر راضی و شاکر ہُوں۔ میرے دل میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے قطعاً کوئی شکایت نہیں آتی، اِس لیے کہ اسی کام کے لیے آپ کی ہمرکابی میں یہاں آیا تھا۔ الحمدللہ کہ اپنی ہستی کو اس افضل ترین عبادت میں مٹا دیا۔ اللہ تعالےٰ قبول فرمائے! لیکن میری اتنی تمنّا ہے کہ حضرت مجھے روزانہ اپنی زیارت سے مشرف فرما دیا کریں، اس لیے کہ اپنی بے دست و پائی سے خود حاضر ہونے سے معذور ہوں۔ اس محرومی کے سوا مجھے کسی بات کا قلق نہیں۔

یہ سُن کر سیّد صاحبؒ نے دادا ابوالحسن سے فرمایا کہ مَیں تم کو اس کام کے لیے مقرر کرتا ہوں۔ تم مجھ کو جس وقت ذرا بھی فارغ دیکھو، متوجہ کر دو تاکہ مَیں خود سیّد مُوسیٰ کے پاس آجاؤں۔ پھر آپ نے سیّد مُوسیٰ کی بڑی تعریف کی اور اُن کو شاباش دی اور تشریف لے گئے۔[1]

ایک زخمی کی استقامت | مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری نے جب مجاہدین کے سواروں کو شکست کھاتے ہُوئے دیکھا، تو اگرچہ وہ پیادوں میں تھے، لیکن وہ سواروں کی طرف دَوڑے۔ ایک سوار نے اُن کے سینے پر نیزے سے حملہ کیا۔ اُنھوں نے اُس کے وار سے بچنے کے لیے اپنے سینے کو دائیں طرف جُھکا دیا۔ نیزہ بائیں شانے پر لگا۔ اُنھوں نے زور کیا، تو نیزے کی ڈنڈی ٹوٹ گئی اور اُس کی انی شانے کی ہڈی میں پیوست ہو گئی۔ اُنھوں نے اِس حالت میں اس سوار پر تلوار سے حملہ کیا۔ اِتنے میں دوسرے سوار اس دُرّانی کی مدد کے لیے آگئے۔ اُن میں سے ایک نے اُن کے سر پر تلوار

---

[1] "منظورۃ السعداء"۔ بزڈھیری میں (غالباً رجب ۱۱۶۶ھ میں) سیّد مُوسیٰ کے انتقال کی خبر پہنچی۔

ماری، دُوسرے نے اُن کے دائیں ہاتھ پر وار کیا، جس سے اُن کی کئی انگلیاں کٹ گئیں۔ تیسرے نے اُن کے بائیں شانے پر، جہاں نیزے کا زخم تھا، ضرب لگائی۔ یہ ضرب کاری تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی زخم آئے۔ ان کی رفل اس دن ٹھیک کام نہیں کر رہی تھی۔ اُنھوں نے اس حالت میں رفل تو سعدی خاں غازی کے حوالے کی اور تلوار دُوسرے غازی کو، جو بے سروسامان تھا اور صرف تبر لیے ہُوئے تھا۔ اُنھوں نے دونوں کو سخت تاکید کی کہ یہ اللہ کا مال ہے۔ تم کو امین جان کر تمھارے حوالے کیا ہے۔ یہ ضائع نہ ہونے پائے۔ اُن کے دونوں ہاتھ بیکار ہو گئے تھے۔ اس لیے وہ مایار کی طرف روانہ ہو گئے۔ راستے میں میاں جی محی الدین ملے، جو زخمی پڑے ہُوئے تھے۔ انھوں نے اُن کا ہاتھ دائیں ہاتھ سے تھام کر، جس کی انگلیاں زخمی تھیں، اُن کو لے کر چلنا شروع کیا۔ تھوڑی دیر چل کر اُن کو غش آ گیا اور زمین پر گر گئے۔ یہ خاکسار (مولوی سیّد جعفر علی) پاس سے گزرا، تو سب سے پہلے اُنھوں نے دریافت کیا کہ لشکرِ اسلام کو فتح ہُوئی یا نہیں؟ مَیں نے جب اُن کو فتح کی بشارت سنائی، تو وُہ شگفتہ اور مسرور ہو گئے اور فرمایا کہ بھائی، آؤ، تم سے گلے مل لُوں۔ جب معانقے سے فارغ ہُوئے، تو کہنے لگے کہ حدیث میں آیا ہے کہ شُہداء کو سکراتِ موت کی تکلیف نہیں ہُوتی، بس صرف اِتنا معلوم ہوتا ہے کہ چیونٹی نے کاٹ لیا ہے۔ چنانچہ مَیں دیکھ رہا ہوں کہ مجھے اتنے زخم آئے ہیں، مگر معلوم ہوتا ہے کہ بس کانٹا چُبھا ہے۔[1]

رسالدار عبدالحمید خاں رسالدار عبدالحمید خاں سیّد صاحبؒ کی صف کی پشت پر چلے جاتے تھے۔ دو آدمی کے تین غول تھے، جو سیّد صاحبؒ کے مقابل میں اور ایک سواروں کے مقابلے میں، ایک غول سیّد صاحبؒ کی طرف گھوڑوں کی باگیں اُٹھا کر حملہ آور ہُوا اور ایک سواروں کی طرف۔ اس عرصے میں کسی شخص نے رسالدار عبدالحمید خاں سے کہا کہ حضرت کا حکم ہے کہ تم بھی ہلّہ کرو۔ یہ حکم سُنتے ہی رسالدار صاحب نے اپنے سواروں کو لے کر ہلّہ کر دیا اور سب سوار رسالدار صاحب کے ہمراہ اُن میں جا کر گڈمڈ ہو گئے۔ جتنے ٹکی سوار مجاہدین کے سواروں کے ساتھ تھے، وہ سب اسی دم طرح دے کر بھاگ کھڑے ہُوئے۔

---

[1] منظورۃ السعداء

ساری لڑائی مجاہدین پر آپڑی اور سب سوار سمٹ کر رسالدار صاحب کے ساتھ ہو گئے۔ جدھر رسالدار صاحب اپنے سواروں کو لے کر باگ اٹھاتے تھے، دُرّانیوں کا غول صاف چیر کر تلواریں مارتے ہُوئے اس پار نکل جاتے تھے۔ رسالدار صاحب افسوس کر کے کہتے تھے کہ اگر اس وقت میرے پاس سبزہ گھوڑا ہوتا، تو میرے دل کا ارمان نکلتا[1]۔ تین چار بار اسی طرح اپنے سب سواروں کے ساتھ حملہ کر کے اُن کے غول میں گھُسے اور تلواریں مارتے ہُوئے پار نکل گئے۔ انھیں ہلّوں میں سوار شہید بھی ہُوئے اور زخمی بھی ہُوئے۔ رسالدار صاحب کے بھی تلواروں کے ہلکے سے کئی زخم لگے، مگر وُہ اسی طرح لڑتے رہے۔ پھر رسالدار صاحب نہایت زخمی ہو کر گھوڑے سے گرے۔ جسم فربہ تھا۔ زرہ کی کڑیاں دشمن کی تلوار کے ساتھ ان کے جسم میں پیوست ہو گئیں۔ جب اُن کو اور سیّد موسیٰ کو مَیدان سے اٹھا کر مایار کی گڑھی میں لائے، تو اُن کی صُورت دیکھ کر ہر ایک پر رِقّت طاری ہو جاتی تھی۔ زخموں کی مرہم پٹّی کے لیے اُن کو موضع تُورو میں لائے۔ وہاں سے دُوسرے زخمیوں کے ساتھ پنجتار بھیجے گئے، جہاں وفات پائی

شیخ امیر اللہ تھانوی | شیخ امیر اللہ تھانوی کی ران میں بندوق کی گولی اور دائیں ہاتھ میں تلوار کا زخم لگا تھا۔ وہ بائیں ہاتھ میں خُون آلُود تلوار لے کر کہتے تھے کہ میرا دایاں ہاتھ بیکار ہو گیا ہے، بائیں ہاتھ سے کچھ کام نہیں ہو سکتا۔ اس لیے یہ تلوار اس غازی کو دُوں گا، جو اِس سے دشمنانِ دین کو قتل کرے۔

جب نُور بخش جرّاح اُن کے زخموں کی مرہم پٹّی کے لیے آئے، تو اُنھوں نے شیخ صاحب سے کہا کہ آپ کہا کرتے تھے کہ یہاں آ کر مجھے کیا حاصل ہُوا؟ ابھی تک تو نکسیر تک نہ پھُوٹی۔ اب سچ فرمائیے، نکسیر پھُوٹی یا نہیں؟ شیخ امیر اللہ نے فرمایا کہ ہاں، الحمد للہ، اللہ تعالیٰ قبول فرمائے۔

دُوسرے شُہدا | مایار کی جنگ میں چالیس غازیوں کے قریب شہید ہُوئے۔ جن حضرات کا نام خصُوصیت کے ساتھ اُوپر آ چکا ہے، اُن کے علاوہ چند نام، جو مل سکے ہیں، وُہ یہ ہیں:

شیخ عبدُ الرحمٰن رائے بریلوی، میر رستم علی چلکانوی، مولوی عبد الرحمٰن تُورو کے،

---

[1] رسالدار صاحب کے پاس دو گھوڑے تھے: ایک سمند، دوسرا سبزہ۔ سبزہ اُن کا ذاتی گھوڑا تھا۔ وہ خوب درست کیا ہُوا تھا۔ برچھے، تلوار، بندوق پر خوب لگا ہُوا تھا۔ اس پر سوار ہو کر وہ چھُری کٹار سے خاطر خواہ لڑ لیتے۔ جس سمند پر وُہ اس وقت سوار تھے وہ اُن کی مرضی کے موافق تربیت یافتہ نہ تھا۔

حاجی عبدالرحیم[1] کھلی والے، شیخ عبدالحکیم پھلتی، کریم بخش گھاٹم پوری۔
غازیوں کی اٹھائیس لاشیں تھیں، جو مولوی مظہر علی صاحب کو ملیں۔ نو لاشیں مولانا اسمٰعیل صاحب نے دفن کرائیں۔

مایار کے مجروحین | مایار کے جن مجروحین کے نام اُوپر آئے ہیں، اُن کے علاوہ حسب ذیل حضرات زخمی پائے گئے:

عبدالکریم خاں (آنولہ)، نُور محمدؐ، اُن کے بھائی حاجی چاند ناگوری، اللہ بخش باغپتی،
میاں جی سید محی الدین پھلتی، محمدؐ سعید خاں رائے بریلوی، قاضی مدنی، مولوی عبدالحکیم بنگالی
مولوی احمد اللہ برادر مولانا عبدالحی، عبدالرحمٰن دکھنی، اعتباری، پیر محمد پانی پتی۔

سید اسمٰعیل رائے بریلوی، شیخ نصر اللہ خورجوی، امام الدین پانی پتی، کریم بخش پنجابی، اسمٰعیل خاں خانپوری بلکے طور پہ زخمی تھے۔

مَیدانِ جہاد کا غُبار | وقائع میں ہے کہ معرکے کے بعد سید صاحبؒ سب غازیوں کے ساتھ نالے پر آئے۔ نالے کے پار چند درختوں کا ایک باغیچہ سا تھا۔ نالہ اُتر کر اس میں ٹھیرے۔ اس وقت تمام لوگوں کے کپڑے اور چہرے ایسے گرد آلود تھے کہ بعض آدمی فوراً پہچانے نہیں جا سکتے تھے۔ نواب بہرام خاں حضرت کے پاس آئے اور رُومال لے کر چاہا کہ آپ کے چہرے سے گرد جھاڑیں۔ آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، ابھی ٹھیر جاؤ، یہ غُبار بہت برکت والا ہے۔

حضرت سرورِ عالم، صلی اللہ علیہ وسلم، نے اس گرد کی بڑی فضیلت بیان کی ہے کہ جس کے پیروں پر یہ غُبار پڑے، وُہ شخص عذابِ نار سے نجات پائے گا۔ یہ تمام تکلیف و مشقت اِسی گرد کے لیے ہم نے اُٹھائی ہے۔ یہ بات سُن کر سب لوگ اِسی طرح گرد آلود رہے۔ اس جگہ کسی نے گرد نہ جھاڑی۔

تُورو کو واپسی اور دُعا | ظہر کی نماز کے بعد ننگے سر ہو کر بہت دیر تک آپ نے دُعا کی۔ اِس دُعا میں اپنی دانست میں اللہ تعالیٰ کی خداوندی اور پروردگاری، عظمت و جبّاری اور رحمت و غفّاری

---

[1] یہ غالباً حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتی، میانجی نُور محمد جھنجھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے شیخ اور سلسلۂ صابریہ امدادیہ کے رُکنِ رکین ہیں۔

اور اپنی ناتوانی و خاکساری کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہیں رکھا۔ آپ کے آنسو اس طرح جاری تھے کہ ڈاڑھی تر ہو گئی تھی اور یہی حال تقریباً تمام لوگوں کا تھا۔ دُعا کے بعد چند گھڑی اور ٹھیرے، پھر کُوچ کیا اور موضع تُورو میں آکر عصر کی نماز پڑھی۔

ترانۂ حمد و توحید | میدان سے مظفر و منصور واپس آنے کے بعد سیّد صاحبؒ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ہزار ہزار شکر ہے کہ اس نے اپنے کرمِ عمیم سے ہم کو فتح نصیب فرمائی اور مسلمان بھی رکھ اور یہ بھی بڑا فضل فرمایا کہ باوجود قلّتِ تعداد و سامان ہم سے کوئی یہ نہیں کہتا کہ ہم نے فتح حاصل کی یا ہم دشمن پر غالب آئے۔ ہمارے سب غازیوں کا یہی کہنا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے محض اپنی قوّت و قُدرت سے ہم کو اُچھے زور آور حریف پر، جو سلطنت اور خزانوں کا مالک تھا اور جو مور و ملخ کی طرح ہم پر چڑھ کر آیا تھا، ہم کو فتحمند کیا۔

اِس کے بعد فرمایا کہ یہ بھی اللہ تعالیٰ کا بڑا کرم تھا کہ اِس جنگ میں ہمارے دل میں عجیب قسم کا اطمینان اور سکینت نازل فرمائی کہ جنگ کا شور و ہنگامہ ہمارے دل پر کوئی اثر نہ کر سکا۔ اس وقت ہم کو میدانِ جنگ میں جانا اور دشمن سے لڑنا ایسا معلوم ہوتا تھا، جیسے کوئی دعوت کو جاتا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے ہم کہیں کھچڑی کھانے گئے تھے۔

شہداء کی تدفین اور دُعا | شہداء کو دفن کے لیے لایا گیا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے فرمایا کہ ان سب کے چہرے ان کے عماموں سے چھپا دو اور ان کے کپڑے دیکھ لو۔ جو کچھ پیسہ روپیہ وغیرہ بندھا ہو اس کو کھول لو۔ کسی شخص نے قبر میں اُتر کر اُن کے چہرے ڈھک دیے اور پٹکے وغیرہ ٹٹول لیے۔ پھر کئی آدمی ایک بڑی سی چادر قبر کے مُنہ پر تان کر کھڑے ہو گئے اور سب مٹی دینے لگے۔ تختے بگلے کچھ نہیں رکھے گئے۔ اسی طرح صرف مٹی سے توپ دیا۔ اس کے بعد مولانا صاحب اور سب نے مِل کر بہت دیر تک اُن سب کے لیے دُعاءِ مغفرت کی۔ جو لوگ شریکِ دفن تھے، محبت سے روتے جاتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ لوگ تو جس مُراد کو آئے تھے، اُس مُراد کو پہنچے، ہم لوگوں کو بھی اللہ تعالیٰ ایسی شہادت نصیب کرے!

تھوڑی دیر کے بعد مغرب کی اذان ہوئی۔ سب نے سیّد صاحبؒ کے پیچھے نماز پڑھی۔ نماز کے

بعد آپ نے بہت دیر تک سر بسجدہ ہو کر ان شہیدوں کی مغفرت کے واسطے دُعا کی کہ پروردگار، تُو خُوب جانتا ہے کہ یہ تمام لوگ محض تیری خوشنودی اور رضا کے لیے اپنا گھر بار اور مال و متاع چھوڑ کر یہاں آئے تھے اور صرف تیری ہی راہ میں اُنھوں نے اپنی جانیں صرف کیں۔ اُن کے گناہوں کو اپنے دامنِ رحمت میں چُھپا لے اور فردوسِ بریں میں اُن کو جگہ دے اور اُن سے راضی ہو! اور جو ہم چند ضُعفاء اور غُرباء تیرے عاجز بندے باقی ہیں، اُن کو بھی اپنی رضامندی اور خوشنُودی کی راہ میں جان و مال کے ساتھ قبُول فرما! خطرات و وساوس دُور کر اور دلوں کو اپنے اخلاص و محبت سے معمور کر اور اپنے اِس دینِ مُحمّدی کو قوّت اور ترقّی عطا کر! اُور جو لوگ اِس دینِ متین کے دشمن و بدخواہ ہوں، اُن کو ذلیل و رُسوا کر! اُور جو مُسلمان فریبِ نفس و شیطان سے شریعت کی راہِ راست سے بہک کر بادیۂ ضلالت میں پڑے ہیں، اُن کو ہدایت کر کہ پکّے مُسلمان ہو کر تیرے اس کارِ خیر میں جان و مال اور اہل و عیال کے ساتھ شریک ہوں!

ہمارے پھلت والے بھائیوں کو نظر نہ لگاؤ

دُعا کے بعد کسی صاحب نے کہا کہ حضرت، آج کی لڑائی میں چالیس غازیوں کے قریب شہید ہُوئے اور زخمی بھی بہت ہُوئے اور اچھے اچھے لوگ کام آئے، مگر شہیدوں اور زخمیوں میں جو خیال کیا، تو پھلت والے بھائیوں میں سے سوائے شیخ عبدالحکیم صاحب کے کوئی شہید نہیں ہُوا اور نہ زخمی ہُوا۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ ہمارے پھلت والے بھائیوں کو نظر نہ لگاؤ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ان کا گنج شہیداں کہیں اِکٹھا ہوگا۔[1]

○

---

[1] جنگِ بالاکوٹ میں ایسا ہی ہُوا کہ سوائے شیخ ولی محمد اور شیخ وزیر صاحب کے سب شہید ہو گئے۔

ستائیسواں باب

پشاور کا قصد

خُدا کا رُعب اور سہارا کافی ہے | مایار کی جنگ سے فراغت کے بعد سیّد صاحبؒ نے اطراف و جوانب کے خوانین کو جمع کر کے پشاور کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ ان سب نے تائید کی۔ سردار فتح خاں اور ارباب بہرام خاں نے رائے دی کہ پشاور کی مہم میں توپیں ساتھ رکھی جائیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم صاحبوں کا خیال ہے کہ توپوں کا لشکر میں بڑا رُعب اور سہارا ہوتا ہے؛ سو یہ بات کچھ نہیں۔ خُدا کا رُعب اور سہارا ہمارے لیے کافی ہے۔ سردار یار محمّد خاں بھی تو اپنے ساتھ توپیں لایا تھا۔ پھر اُن توپوں سے کیا کر لیا؟ وہ سب توپیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دلوا دیں۔ سردار سُلطان محمد خاں نے بھی توپوں سے کیا کام بنا لیا؟ فتح و شکست اللہ تعالیٰ کے قبضۂ قدرت میں ہے جسے چاہے، دے۔

روانگی | آپ نے موضع تُورو سے موضع مردان کی طرف مع لشکر کُوچ کیا۔ آپ گھوڑے پر سوار پیادوں کی جماعت میں تھے۔ سواروں کا لشکر آگے پیچھے تھا۔ دو نشان پیادوں میں تھے اور ایک سواروں میں، اور تینوں کے پُھریرے کھُلے تھے۔ شُتری نقّارہ بجتا تھا اور مولوی رحمٰن علی مولوی خُرم علی صاحب کا لکھا ہُوا رسالہ نظمِ جہادیہ بآوازِ بلند خوش الحانی کے ساتھ پڑھتے جاتے تھے، جو مُندرجۂ ذیل ہے:

بعدِ تحمیدِ خُدا، نعتِ رسُولِ اکرمؐ
یہ رسالہ ہے جہادیّہ کہ لکھتا ہے قلم

واسطے دِین کے لڑنا، نہ پے طمعِ بلاد
اہلِ اسلام اسے شرع میں کہتے ہیں جہاد

ہے جو قرآن و احادیث میں خُوبیِ جہاد
ہم بیاں کرتے ہیں تھوڑا سا، اسے کر لو یاد

فرض ہے تم پہ مسلمانو، جہادِ کفّار
اس کا سامان کرو جلد، اگر ہو دیندار

جس کے پیروں پہ پڑی گردِ صفِ جنگِ جہاد
وہ جہنّم سے بچا، نار سے ہے وُہ آزاد

جو مسلمان رہِ حق میں لڑا لحظہ بھر
روضۂ خُلدِ بریں ہو گیا واجب اُس پر

اے برادر، تو حدیثِ نبوی کو سُن لے
باغِ فردوس ہے تلواروں کے سائے کے تلے

دل سے اِس راہ میں پیسہ کوئی دیوے گا اگر
سات سَو اس کو خُدا دیوے گا رُوزِ محشر

اور اگر مال بھی خرچا و لگائی تلوار
پھر تو دیوے گا خُدا اس کے عوض سات ہزار

جو کہ مال اپنے سے غازی کو بنا دے اسباب
اُس کو بھی مثلِ مُجاہد کے خُدا دے گا ثواب

جو نہ خود جاوے لڑائی میں نہ خرچے کچھ مال
اُس پہ ڈالے گا خُدا پیشتر از مرگ وبال

جو رہِ حق میں ہُوئے ٹکڑے، نہیں مرتے ہیں
بلکہ وُہ جیتے ہیں، جنّت میں خوشی کرتے ہیں

عُمر بھر ہی کے گُناہِ شُہدا مٹتے ہیں
کیوں نہ ہو؟ راہِ خُدا اُن کے تو سر کٹتے ہیں

فتنۂ قبر و غمِ صُور و قیامِ محشر
اَیسے صدموں سے شہیدوں کو نہیں کچھ ہے خطر

حق تعالےٰ کو مُجاہد وُہ بہت بھاتے ہیں
مثلِ دیوار جو صف باندھ کے جم جاتے ہیں

اے مسلمانو، سُنی تم نے جو خُوبی جہاد
چلو اب رَن کی طرف مت کرو گھر بار کو یاد

مال و اولاد کی، جورو کی محبت چھوڑو
راہِ مولےٰ میں خوشی ہو کے شتابی دَوڑو

مال و اولاد تری قبر میں جانے کی نہیں
تجھ کو دوزخ کی مُصیبت سے بچانے کی نہیں

گر پھرے جیتے، تو گھر بار میں پھر آؤ گے
اور گئے مارے، تو جنّت میں چلے جاؤ گے

دینِ اسلام بہت سُست ہُوا جاتا ہے
غلبۂ کُفر سے اسلام مٹا جاتا ہے

پیشوا لوگ اِسی طَور نہ کرتے جو جہاد
ہند پھر کس طرح اسلام سے ہوتا آباد

زورِ تلوار سے غالب رہا اسلام مدام
سُستی اگلے جو کبھی کرتے، تو ہوتا گمنام

کب تلک گھر میں پڑے جوتیاں چٹکاؤ گے
اپنی سُستی کا جُز افسوس نہ پھل پاؤ گے

اب تو غیرت کرو، نامردی کو چھوڑو، یارو
سیّد احمد سے ملو، جلد سے کافر مارو

بارہ سو سال کے بعد ایسے ارادے والا
ہُوا پیدا ہے مُسلمانو، کرو شکرِ خُدا

تھے مُسلمان پریشان بغیر از سردار
ہُوا سردار ہے از آلِ رسُولِ مختارؐ

بات ہم کام کی کہتے ہیں، سُنو، اے یارو،
وقت آیا ہے کہ تلوار کو بڑھ بڑھ مارو

حضرتِ مولوی، اب طاق میں رکھ دیجے کتاب
لیجے تلوار و میدان کو چل دیجے شتاب

وقتِ جانبازی ہے، تقریروں کو اب مت چھانٹو
غیرِ شمشیر کسی سمت کو دل مت بانٹو

ہادیٔ دین ہو تو، تم کو ہے سبقت لازم
تم چلو گے، تو بہت ساتھ چلیں گے خادم

اے گروہِ فُقرا، نفس کُشی کے اُستاد
عملِ نفس کشی کون ہے بہتر ز جہاد

مت گُھسو کونے میں اے پیرجی، مانندِ حجا
چھوڑو اب چلّہ کشی وقتِ جہاد آ پہنچا

اے جوانانِ اسد حملہ و رُستم قُوّت
کام کس دن کو پھر آوے گی تمھاری جُرأت

اُن کا سر کاٹ لیا یا کہ کٹا اپنا سر
دونوں صُورت میں جو بھلا ہو، تو تمھیں ہو بہتر

یعنی، گر مار لیا اُن کو، تو پھر بن آئی
اور گئے مارے، تو پھر خاصی شہادت پائی

ایک دن تجھ سے یہ دُنیا کا مزا چھُوٹے گا
لشکرِ موت ترا قالبِ بدن لُوٹے گا

دوستو، تم کو تو مرنا ہی مقدّر ٹھیرا
پھر تو بہتر ہے کہ جاں دیجیے در راہِ خُدا

سیکڑوں جنگ میں جاتے ہیں، وُہ پھر آتے ہیں
سیکڑوں گھر میں بھی رہتے ہیں، وُہ مر جاتے ہیں

موت کا وقت مُعیّن ہے، تو سُن، اے غافل
پھر بھلا موت سے ڈرنے میں تجھے کیا حاصل

جب تلک موت نہیں ہے، تو نہیں مرتے ہیں
موت جب آئی، تو گھر میں بھی نہیں بچتے ہیں

تم اگر ڈرتے ہو تکلیفِ سفر سے، نہ ڈرو
مرد ہو، خطرۂ آلام کو دل سے کھو دو

جیسی عادت کرے انسان، سو ہو سکتا ہے
عیش و آرام کی عادت کو بھی کھو سکتا ہے

طمعِ دُنیا کے لیے دیکھو ہزاروں یہ سپاہ — چھوڑ کر سر کو کٹاتے ہیں، نہیں کرتے "آہ!"
ہے عجب یہ کہ مُسلمان بھی کہلاتے ہو — جھوٹے حیلے رہِ اللہ میں بتلاتے ہو
تم تو اِس طور سے دُنیا پہ بہت پھُول گئے — جورو لڑکوں کی محبّت میں خُدا بھُول گئے
آج اگر اپنی خوشی راہِ خُدا جاں دو گے — پھر تو کل چین سے جنّت میں مزے لُوٹو گے
چھوڑو گے لذّتِ دُنیا کو اگر بہرِ خُدا — پھر تو جنّت میں ہمیشہ ہی اُڑاؤ گے مزا
سر پٹک، پیر رگڑ گھر میں کا مرنا بہتر — یارہِ حق میں فدا جان کا کرنا بہتر
گر رہِ حق میں نہ دی جان، تو پچھتاؤ گے — اور پیمبرؐ کو یہ مُنہ کیا دِکھلاؤ گے
ایک ہے شرط کہ تم مانو بدل حُکمِ امام — ورنہ تلوار لگانا بھی نہیں آوے کام
جو کہ خُود رائے بھی لڑنے لگے در راہِ جہاد — اُن کا ناحق یہ بہا خُون، ہے محنت برباد
خُوب اللہ و مُحمّدؐ کو جو پہچانتے ہیں — اپنے سردار کے کہنے کو بدِل مانتے ہیں
اہلِ ایمان کو کافی ہے دِلا اتنا پیام — اب مُناجات سے، بہتر ہے کہ ہو ختمِ کلام
اے خداوندِ سماوات و زمیں، ربِّ عباد — اب مُسلمانوں کو دے جلد سے توفیقِ جہاد
اپنا دے زور، مسلمانوں کو کر زور آور — وعدۂ فتح جو ہے اُن سے کیا، پُورا کر

ہند کو اِس طرح اسلام سے بھر دے اَے شاہ
کہ نہ آوے کوئی آواز جُز اللہ! اللہ!

مردان کی گڑھی کا تخلیہ | گرد و نواح کے جو خوانین اور ہوتی مردان کے جو مُلّا حاضر ہُوئے اُنھوں نے عرض کیا کہ دُرّانیوں کا مال خیمہ و اسلحہ وغیرہ ہوتی اور مردان میں پڑا ہے؛ ایسا نہ ہو کہ کوئی اُن کو تلف کر دے اور اُس کی گرفت اہلِ قصبہ سے ہو۔

سیّد صاحبؒ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ سَو آدمیوں کی جمعیّت کے ساتھ تشریف لے جائیں اور اس سامان کو اپنے قبضے میں لے لیں۔ مولانا نے سَو آدمیوں کا اِنتخاب کیا۔

سیّد جعفر علی صاحب کہتے ہیں کہ میرا بھی اس سلسلے میں اُنتخاب ہُوا۔ مَیں نے رات کو کھانا نہیں

کھایا تھا۔ اس سے اگلا دن بھی خشک روٹی کے ایک ٹکڑے پر گزرا تھا۔ مَیں نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو، تو مَیں کچھ کھاؤں۔ مولانا نے فرمایا کہ روٹی لے لو، دیہات کے باہر جا کر کھا لینا۔ غرض، یہ لشکر بڑی عجلت کے ساتھ مولانا کے ساتھ روانہ ہُوا۔ جب ہُوتی کے قریب پہنچے، تو احمد خاں کے پنجابی ملازمین نے بندوقیں چلانی شروع کیں۔ مولانا نے اس کی کچھ پروا نہیں کی اور گڑھی کے جنوبی دروازے کے بہت قریب پہنچ گئے۔ بندوق کی کچھ گولیاں ہماری جماعت کے اندر بھی پہنچیں۔ آپ نے گڑھی کے مغرب کی جانب رُخ کیا اور وہاں سے گڑھی کی طرف بڑھنا شروع کیا۔ ہمراہیوں سے فرمادیا کہ متفرّق ہو جاؤ اور تُم میں سے ہر ایک اپنے ساتھی سے چار چار قدم کے فاصلے پر رہے۔ خود جماعت کے آگے آگے تھے۔ ہُوتی سے مردان تک سیکڑوں گولیاں ہمارے سر سے گزر گئیں، لیکن اللہ کے فضل سے کسی کو کوئی گزند نہیں پہنچا۔

مردان کے مغربی جانب ایک باغ تھا۔ اس میں بڑے بڑے درخت تھے۔ باغ کے بیچ میں کچھ نشیبی زمین ایسی تھی کہ اگر کوئی شخص اس میں بیٹھ جائے، تو گڑھی کی جانب سے آنے والی گولیوں سے محفوظ رہے گا۔ مولانا خود بھی وہیں بیٹھ گئے اور لشکر کو بھی وہیں بٹھایا۔ دیر تک وہیں بیٹھے رہے۔ چہرے پر غصّے کے آثار ظاہر تھے۔ دیر تک گولیاں اس زمین کے کنارے پر پڑتی رہیں، جو بلندی پر واقع تھا۔ اس سے ڈھیلے اُڑ اُڑ کر ہمارے سر پر پڑتے تھے۔ ایک گھڑی کے بعد بندوقچی سُست پڑ گئے۔ اتنے میں دیہات کے مُلّا حاضر ہُوئے اور مولانا سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو، تو کھانا لے آئیں۔ مولانا نے فرمایا کہ تمہارا ارادہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ جو بندوق کی گولی سے بچ گیا ہے، اس کو زہر آلود کھانا کھلا کر مار ڈالو۔ خبردار ہو جاؤ کہ ہم دُرّانیوں کی وہ توپیں، جو ہم کو مالِ غنیمت میں ملی ہیں، منگوا کر تمہاری اِس گڑھی کو مسمار کر دیں گے۔ ملاؤں نے بڑی لجاجت سے کہا کہ اس میں ہمارا قصُور نہیں، احمد خاں باغی کے نوکروں کا فعل ہے۔ ہم نے اُن کو بہت منع کیا تھا، لیکن اُنھوں نے کہا کہ اگر ہم بغیر بندوق چلائے گڑھی حوالے کر دیں گے، تو ہم اپنے آقا کے نمک حرام ہو کر عذابِ الٰہی میں مُبتلا ہوں گے۔ مولانا نے فرمایا کہ جاؤ، پہلے گولیاں موقُوف کراؤ، پھر کھانا لاؤ۔ احمد خاں کے نوکروں سے کہ دو کہ گڑھی سے باہر نہ

جائیں، عنقریب توپیں آتی ہیں۔ ان توپوں کے گولوں سے گڑھی کو مسمار کر کے تم کو تلاش کیا جائے گا۔

جب ملا گڑھی کی طرف واپس ہوئے اور اُن کو پیغام پہنچا، تو گولیاں فوراً موقوف ہو گئیں۔ مولانا نے سب حال لکھ کر سیّد صاحبؒ کی خدمت میں بھیج دیا اور توپوں کی بھی درخواست کی۔ گڑھی کے چاروں طرف فصیل تھی اور دو دروازے تھے: ایک جنوب کی جانب اور ایک مغرب کی جانب۔ گڑھی کے اندر سے کھانا آیا اور مولانا نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ تناول فرمایا۔[1]

رسُول خاں برادر احمد خاں کی طرف سے مُلّا پیغام لائے، جس میں اُس نے بڑی خوشامد سے عرض کیا تھا کہ میں بے قصور ہوں۔ دُرّانیوں نے احمد خاں کو اس گڑھی پر قابض کر دیا تھا۔ مَیں نے مجبور ہو کر ان کی رفاقت کی۔ اس اطاعت و رفاقت کے باوجُود رعایا اُن کی دست درازی سے محفوظ نہیں رہی۔ اب آپ میرے حق میں جو تجویز فرمائیں، مجھے بسر و چشم قبول ہے۔ مولانا نے جواب میں فرمایا کہ تمھاری بے گناہی اور خیر خواہی جب ثابت ہو گی، جب تم حضرت امیر المومنین کی اطاعت قبول کر لو گے۔ مَیں اُن کا نائب ہوں۔ اب تم کو چاہیے کہ گڑھی کے چھ بُرجوں کو خالی کر دو۔ ہمارے غازی وہاں جا کر ان بُرجوں میں قیام کریں گے اور لشکر کا ایک گروہ دیہات کے اندر قیام کرے گا۔ سردار اپنے ہتھیاروں کے ساتھ اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر یہاں آئے۔ ہم اپنے سواروں کے ساتھ اُس کو امیر المومنین کے پاس بھیجیں گے۔ کل یا پرسوں جب بھی آپ یہاں تشریف لائیں گے، وہ اُن کے ہمراہِ رکاب آئے گا۔ پھر امیر المومنین جیسا مناسب سمجھیں گے۔ اُس کے حق میں فیصلہ کریں گے۔

رسُول خاں نے یہ تمام باتیں قبول کر لیں، لیکن عرض کیا کہ ایک بات میری قبول کر لی جائے کہ لشکر ہمارے قصبے میں داخل نہ ہو اس لیے کہ رعایا دُرّانیوں کے ہاتھوں تباہ ہو گئی ہے۔ جب یہ لشکر چوار قصبے میں داخل ہو گا۔ تو اہلِ قصبہ کے لیے بیٹھنے کی جگہ نہ رہے گی۔ مولانا نے فوراً اس بات کو قبول کر لیا، لیکن فرمایا کہ دو گروہ مستثنیٰ ہیں، ایک تو خود سیّد صاحبؒ گڑھی میں قیام فرمائیں گے، دُوسرے مولوی عبدالوہّاب قاسم غلّہ کسی مسجد میں اپنے ہمراہیوں کے ساتھ قیام کریں گے۔

---

[1] منظور ہ ص ۸۷۶ تا ۸۷۹

جانبین سے یہ معاملہ طے ہو گیا، تو آپ نے مرزا احمد بیگ پنجابی اور اُن کی جماعت کو برجیں کے پہرے اور قصبے کے دروازے کی حفاظت کے لیے مقرر فرمایا۔ مولانا نے سردار رسُول خاں کو اپنے دس بارہ سواروں کے ساتھ لشکر گاہِ اسلام تورُو کو روانہ کیا۔ مولانا نے ان سواروں کی زبانی اس معاہدے کی بھی اطلاع سید صاحبؒ کو بھیج دی کہ لشکرِ اسلام میں سے کوئی شخص ہوتی اور مردان کے دیہات میں داخل نہیں ہوگا۔[1]

وقائع میں ہے کہ "گڑھی کے قریب کسی ملکی نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے کان میں کہا تھا کہ آپ گڑھی میں خبردار ہو کر داخل ہوں اور جب تک وہاں کے تمام مکانوں کی تلاشی نہ لے لیں، تب تک سید صاحبؒ کو وہاں نہ بُلائیں کہ کہیں کچھ دغا فریب نہ ہو۔ یہ بات سُن کر مولانا وہیں ٹھیر گئے اور مزید تیس چالیس غازی لشکر سے بلوائے۔ پہلے گڑھی کے دروازے پر بیس غازی متعین کیے اور کہہ دیا کہ کوئی آدمی باہر سے اندر نہ جانے پائے اور جو اندر سے کوئی اپنا مال و اسباب لے کر باہر نکلے، تو اُس سے مزاحمت نہ کی جائے۔ اس کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی محمد صاحب گڑھی کے اندر داخل ہوئے۔ شیخ صاحب تو لوگوں کے مال و اسباب نکلوانے میں مشغول ہوئے اور مولانا نے گڑھی کے مکانوں کی تلاشی لینی شروع کی کہ کہیں بارُود نہ بچھی ہو یا بارُود کا کوئی کُپّا نہ دبا ہو۔

غلط اطلاع کی بنا پر سید صاحبؒ کی آمد اور مولانا اسمٰعیل صاحب کی ناراضگی

ابھی کچھ تھوڑا سا سامان نکلوانا باقی تھا کہ کسی مُلکی نے سید صاحبؒ سے جا کر کہا کہ آپ گڑھی میں تشریف لے چلیں، مولانا صاحب بُلاتے ہیں۔ یہ سُن کر آپ بسم اللہ کہہ کر اُٹھ کھڑے ہوئے اور گڑھی کو تشریف لے چلے۔ تقریباً دو سو آدمی جو آپ کے ساتھ درختوں کے نیچے تھے، آپ کے ہمراہ ہوئے لشکر والوں نے دیکھا، تو اُن میں سے بہت آپ کے ساتھ ہو لیے۔ اور آنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

کسی نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے کہا کہ سید صاحبؒ تشریف لائے ہیں اور آپ کے ہمراہ بہت لوگ ہیں۔ یہ سُن کر مولانا اسمٰعیل صاحب نہایت غصّے کی حالت میں سید صاحبؒ کے پاس

---

[1] منظورہ، ص ۸۷۹ تا ۸۸۲

آئے اور کہنے لگے کہ آپ نے تو مجھ سے فرمایا تھا کہ تیرے بُلائے بغیر ہم نہ آئیں گے اور نہ کوئی لشکر کا آدمی جانے پائے گا، اب آپ کے تشریف لانے سے لشکر کے صدہا آدمی یہاں گھس آئے! نہ مَیں نے آپ کو بُلوایا اور نہ آپ نے مجھ سے پُچھوا بھیجا۔ آپ یوں ہی چلے آئے۔ رعایا کا اسباب گھروں سے نکلوایا جا رہا ہے۔ اگر کسی کا مال و اسباب جاتا رہا، تو نقضِ عہد ثابت ہوگا۔ بہتر یہی ہے کہ اس وقت آپ یہاں سے تشریف لے جائیں۔ یہ بات اُنھوں نے کئی بار کہی۔ یوں غصّے ہو کر سیّد صاحبؒ سے کلام کرنا لوگوں کو ناگوار ہُوا، مگر کسی نے دم نہ مارا۔

سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ میاں صاحب، مجھ سے تو کسی نے جا کر یہ کہا کہ مولانا صاحب آپ کو بُلاتے ہیں، تب میں یہاں آیا، ورنہ کاہے کو آتا۔ مولانا صاحب نے کہا کہ مَیں نے تو کسی سے نہیں کہا تھا۔ یہ بات سُن کر آپ اُٹھ کھڑے ہُوئے اور کہا کہ مَیں جاتا ہوں اور درختوں کے نیچے تشریف لے گئے اور آپ کے ہمراہی بھی باہر نکل گئے۔ جو لوگ اِدھر اُدھر گڑھی میں باقی رہ گئے تھے، اُن کو تلاش کر کے مولانا نے باہر نکال دیا۔

جب کچھ دیر میں رعایا کا سب اسباب نکل چکا اور مولانا مکانوں کی تلاشی بھی لے چُکے، تب شیخ ولی محمّد صاحب نے جا کر سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ گڑھی خالی ہے، اب آپ تشریف لے چلیں۔ یہ بات سُن کر آپ گڑھی میں تشریف لائے اور دو ڈھائی سَو آدمی، جو آپ کے ہمراہ گڑھی میں گئے تھے، وُہ جا بجا گڑھی کے مکانوں میں اُترے۔ اُس وقت شیخ ولی محمّد صاحب نے آپ سے کہا کہ مولانا صاحب جو اُس وقت آپ کے آنے سے ناخوش ہُوئے تھے، اُس کا سبب یہ تھا کہ ایک مُلکی نے اُن سے کہا تھا کہ گڑھی میں ہوشیاری سے جانا اور جب تک وہاں کے ہر مکان کی تلاشی نہ لے لینا، تب تک سیّد صاحبؒ کو گڑھی میں نہ بُلانا۔ وہ اس وقت مکانوں کی تلاشی لے رہے تھے، دُوسرے رعایا کا سب اسباب بھی نہیں نکل چکا تھا۔ اگر اس بھیڑ بھاڑ میں کسی کا کچھ اسباب جاتا رہتا، تو الزام اور بدنامی کی ایک صُورت ہوتی۔

امیر و مامُور کا اخلاص وللّٰہیّت | منظورہ میں ہے کہ جب مولانا کو سیّد صاحبؒ کی آمد کی اطلاع ہُوئی،

تو فرطِ تاثّر میں یہاں تک فرمایا کہ یہ لشکر ہے، اُس کو میدان میں ٹھیرنا چاہیے تھا؛ پیرزادوں کا قافلہ نہیں ہے کہ دیہات میں گھس آئے۔ سیّد صاحبؒ نے جب مولانا کے چہرے پر غصّے کے آثار ظاہر دیکھے، تو فرمایا کہ مولانا، میں ابھی باہر جاتا ہوں اور قلعے میں جہاں نشست تھی، فوراً اُٹھ کر گڑھی کے مشرقی دروازے سے باہر تشریف لے آئے اور شہتوت کے درختوں کے نیچے پانی کے کنارے آکر بیٹھ گئے۔ لشکر کے لوگ اور مُلکی بھی وہاں موجود تھے۔

جیسے ہی سیّد صاحبؒ گڑھی سے تشریف لے چلے، مولانا کا غُصّہ فرو ہو گیا اور سیّد صاحبؒ کے ساتھ ہی درخت کے نیچے آکر دو زانو مؤدّب بیٹھ گئے۔ سیّد صاحبؒ نے قصبے کے باشندوں کو خطاب کر کے فرمایا کہ تم نے ہمارے اہلِ لشکر کی مولانا سے شکایت کی اور مولانا کو غصّے میں لے آئے، حالانکہ تم کو اچھی طرح معلوم ہے کہ ہمارے لشکری کسی کی کوئی چیز نہیں لیتے۔ اگر کبھی ضرورت پڑتی ہے تو دو چیزیں مانگ لیتے ہیں اور جاتے وقت دے کر جاتے ہیں: ایک چارپائی، دُوسرے مٹّی کی ہانڈیاں کھانا پکانے کے لیے۔ ایسی چھوٹی چیز کے لیے تمھیں مولانا سے شکایت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

اس وقت اہلِ قریہ نے بہت عُذر معذرت کی اور عرض کیا کہ ہماری تقصیر معاف ہو اور آپ اندر تشریف لے چلیں۔ آپ نے مولانا سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ مولانا، کسی نے بھی مجھے آپ کے معاہدے کی اطلاع نہیں دی۔ مولانا نے بڑے عجز و انکسار کے ساتھ سر جُھکا کر کہا کہ حضرت، مَیں نے دو بار یہ اطّلاع آپ کے پاس بھیجی: ایک بار کل سواروں کی زبانی اور ایک بار آج آخوند فیض محمّدؒ کی زبانی۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا: مجھ تک تو کسی نے بھی اطلاع نہیں پہنچائی، ورنہ ایسی غلطی نہ ہوتی۔ مولانا نے آخوند فیض مُحمّدؒ سے کہا کہ تم نے بھی اتنا ضروری پیغام نہ پہنچایا۔ آخوند نے کہا کہ مَیں جس وقت یہاں سے روانہ ہو کر سیّد صاحبؒ کی خدمت میں پہنچا، آپ کی سواری روانہ ہو چکی تھی۔ ہجوم اس قدر تھا کہ میں باوجُود کوشش کے بھی آپ تک نہ پہنچ سکا۔ یہ سمجھ کر کہ کل سواروں نے پیغام پہنچا دیا ہوگا، مَیں بھی مجمع کے پیچھے پیچھے ہو لیا۔ سیّد صاحبؒ نے اور مولانا نے آخوند فیض مُحمّدؒ کا یہ عُذر قبول کیا۔[1]

---

[1] منظورہ ص ۸۸۴ تا ۸۸۶

اٹھائیسواں باب

مردان سے پشاور تک

مردان سے کُوچ | مردان میں دو رات رہ کر تیسرے دن آپ نے وہاں سے کُوچ کیا۔ گڑھی کے بندوبست کے لیے آپ نے حاجی بہادر شاہ خاں کو سو غازیوں کے ساتھ، جن میں کئی شخص کچھ کُچھ زخمی بھی تھے، چھوڑا۔ حاجی حمزہ علی خاں ساکن لُہاری کو عبدالحمید خاں کے بجائے سو دوں کا رسالدار بنایا۔ وہاں سے کوچ کرنے کے وقت آپ کے ہمراہ رکاب مُلکی اور ہندوستانی ملا کر تخمیناً چھ سات ہزار آدمی تھے۔

راستے میں چارسدّے میں قیام ہُوا۔ وہاں کے لوگوں نے دُرّانیوں کے ظُلم و ستم کی شکایت کی کہ جب وہ شکست کھا کر اس طرف سے گُزرے، تو اُنھوں نے خود اپنے علاقے اور مُلکِ مقبُوضہ پر دست درازی کی، گویا کہ اُن کا اِس مُلک سے علاقۂ ریاست باقی نہیں رہا تھا۔ وہاں کی تمام رعایا اُن کے ظلم و ستم سے نالاں اُن کے حق میں بد دُعا کرتی تھی۔

وہاں سے پشاور پندرہ سولہ میل تھا، لیکن دریا پر کوئی کشتی نہ مل سکی۔ دُرّانیوں نے دریا عبور کر کے کشتیوں کو ڈبو دیا تاکہ غازیوں کے ہاتھ نہ لگیں۔ بالآخر وہاں سے تنگی کی طرف کُوچ ہُوا، جو چارسدّے سے شمال مغرب ہے۔ وہاں سے دریائے سوات کو، جو ایک جگہ سے پایاب تھا، عبُور

کیا اور مٹہ میں قیام ہُوا۔ وہاں کے لوگ لشکر کی آمد سے بہت خوش تھے اور کہتے تھے کہ سُبحان اللہ! یہ عجیب لشکر ہے کہ باوجود اس کے کہ چھ سات ہزار پیادہ و سوار نے پڑاؤ ڈالا ہے، لیکن کسی پر کوئی ظلم و تعدّی نہیں ہے۔ اس کے برخلاف دُرّانیوں کے دو پیادے آجاتے تھے، تو ہم لوگ گھر چھوڑ کر چلے جاتے تھے۔

مٹہ سے چل کر شُبقدر پڑاؤ ہُوا۔ شُبقدر کے لوگ ارباب بہرام خاں سے تعلق رکھتے تھے۔ بڑی عقیدت کے ساتھ سیّد صاحبؒ سے پیش آئے۔ مرد و زن سب لشکرِ اسلام کی آمد سے مسرور تھے اور اللہ کا شکر ادا کرتے تھے۔ مرد بہت دُور تک پہنچانے آئے، عورتیں دو رویہ صف بنا کر کھڑی ہوگئیں۔ جب سیّد صاحبؒ کی سواری گزری، اُنھوں نے سلام کیا۔ بعض بُوڑھی عورتوں نے آپ کے قدم کی طرف ہاتھ بڑھائے۔ آپ ایسے موقع پر گھوڑے کو تیز کر دیتے اور اُن کو اس حرکت سے منع کرتے۔

حکومت کا رعیت کے ساتھ معاملہ | مولوی سیّد جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ "دو تین روز اُس نواح میں قیام ہُوا۔ اس علاقے کے ارباب، جن کی حیثیت وہ ہے، جو ہمارے مُلک میں قانون گو کی ہوتی ہے، آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور پشاور کا انتظام سنبھال لینے کی درخواست کی۔ آپ نے اُن سے پوچھا کہ تمھارے یہاں کس طرح انتظام ہوتا ہے۔ انھوں نے کہا کہ سردارانِ پشاور کی طرف سے خراج محاصل کا یہ اصُول ہے کہ رعایا کی کھیتی کا غلّہ نصف وصُول کر لیتے ہیں اور ارباب منشی خانہ، دڑوائی[1] اور محافظ کا خرچ بھی رعایا کے ذِمّے ہے۔ اُس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ رعایا کے حصّے میں پیداوار کا صرف تہائی حصّہ آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ رعایا پیداوار کا تہائی حصّہ نقد کی صُورت میں ہم کو ادا کر دے۔ باقی سارے اِنتظامات کا خرچ امام کے ذِمّے ہے، نہ کہ رعایا کے۔ اس سال تو یہی انتظام ہے، آئندہ سال مستقل انتظام کیا جائے گا، اس لیے کہ حاکم کو یہ جائز نہیں ہے کہ ایک بار قول قرار کر کے سال دو سال بعد اس سے پھر جائے۔ اس لیے ہم نے اس سال کی قید لگائی ہے۔

---

[1] دڑوائی پشتو میں لڑنے والے کو کہتے ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ارباب، مُنشی خانے اور ڈرُوائی کے مصارف حکومت کے ذِمّے ہوں گے۔ اس کا اجر اللہ تعالیٰ سے ملے گا۔ اور اگر ہمارے اِنتظام میں کسی سے مزدوری یا نوکری پر کام لیا جائیگا تو اُس کی اُجرت دی جائے گی۔ البتہ اگر کوئی سوار یا پیادہ تحصیل وصُول کے لیے دیہات کے خوانین کے پاس جائے، تو ان خوانین کو چاہیے کہ اس کو اپنا بھائی سمجھ کر اُس کی دعوت کریں اور اس کو چاہیے کہ وہ کسی چیز کی فرمائش نہ کرے۔ اگر خوانین سے وہ کسی چیز کی فرمائش کرے، تو ہمارے یہاں اس کی باز پُرس ہوگی اور خوانین بھی اس کو سرکاری مطالبہ ادا نہ کریں۔

یہاں کے لوگوں کو لشکرِ اسلام میں شرکت کی بھی دعوت دی گئی۔ چنانچہ قوم کُتوزئی لشکر کے ساتھ شریک ہُوے۔ جو لوگ لشکرِ اسلام میں پہلے سے موجُود تھے اور اُن کے دیہاتوں کو دُرّانیوں نے ضبط کر لیا تھا، اُنھوں نے اپنی سند و کاغذات کے مطابق اپنی جائداد پائی اور اپنے کارندوں کو جاگیر کی آبادی کا حُکم دے کر خود لشکرِ اسلام میں حاضر رہے۔ اسی سلسلے میں تُرنگ زئی کے رسُول خاں کو اِس دیہات کی مُعافی کا پروانہ ملا۔

عبُورِ دریا کے اِنتظامات | مَیخَنی کے گھاٹ پر دُرّانی سوار روزانہ آتے تھے۔ اُنھوں نے اہلِ خَیبر کو سات سَو روپے اس غرض کے لیے دیے تھے کہ غازیوں کو دریا اُترنے نہ دیا جائے۔ خیبریوں کا مَلک ارباب بہرام خاں کے ہاتھ گرفتار ہو گیا۔ ارباب نے اُس کو مُجاہدین کے دریا سے پار ہونے کا اِنتظام کرنے کا حُکم دیا اور سیّد صاحبؒ کی اجازت سے دو تین سو غازی اپنے ساتھ لے کر مَیخَنی کو روانہ ہُوے۔ میر رحمان علی، مُلّا قطب الدین اور مُلّا لعل مُحمّد نے اپنی جماعتوں کے ساتھ دریا عبور کیا۔ ان کو تاکید کی گئی کہ یہ لشکر پیادہ پہاڑ پر قیام کرے اور ساری رات ہوشیاری کے ساتھ رہے۔ صبح لشکر پار اُتر جائے گا۔ اگر دُرّانی ادھر سے حملہ کریں گے، تو اُن کی تدبیر رات کو نہیں چل سکے گی۔ دُرّانی سوار اپنے معمُول کے مطابق صُبح صادق سے پہلے پہنچے۔ اِدھر نمازِ فجر کے بعد سیّد صاحبؒ شَب قَدَر سے روانہ ہُوے۔ دُرّانیوں نے دن کی روشنی میں جب لشکر کو پہاڑ کے اوپر دیکھا، اُنھوں نے لشکر کی طرف رُخ کیا اور اُن پر گولیاں چلائیں۔ اِدھر دریا کے اس پار سیّد صاحبؒ اپنے لشکر کے ساتھ پہنچ گئے۔

دُرّانی یہ دیکھ کر پشاور کی طرف روانہ ہو گئے۔ لشکر جالوں کے ذریعے دریا پار ہوا۔ جو لوگ تیرنا جانتے تھے انھوں نے گھوڑوں کی لگام پکڑ کر ان کو دریا کے پار پہنچا دیا۔ جو لوگ تیرنا نہیں جانتے تھے، ان کو دُوسرے پیراک ساتھیوں نے ان کے گھوڑوں کو دریا کے پار کرایا۔ چنانچہ فوج اللہ عرب نشان بردارِ لشکرِ اسلام نے سترہ گھوڑوں کو پار کرایا۔ دو دن میں تمام لشکر دریا کے پار ہُوا۔ مولوی مظہر علی عظیم آبادی کو حکم ہُوا کہ پانسو آدمیوں کی جمعیت کے ساتھ آگے جائیں۔

اسلامی مساوات اس وقت مَیخَنی ایک چھوٹا سا گاؤں تھا، جس میں اکثر پھُونس کے جھونپڑے تھے۔ ہر جھونپڑا ایک دُوسرے سے الگ تھا۔ ایک روز لشکر میں تقسیم کرنے کے لیے غلّہ نہ تھا۔ جس کے پاس کچھ بچا ہُوا رہ گیا تھا، اُس نے کھایا۔ باقی لشکر نے ایک گائے کے گوشت پر بسر کی۔ وُہ کسی کو پہنچا، کسی کو نہیں پہنچا۔ جو تھوڑا سا غلّہ ملا، وُہ سیّد صاحبؒ کے حکم سے اُن لوگوں کو بھیج دیا گیا، جو دریا کے دُوسری طرف حفاظت کے لیے بھیج دیے گئے تھے۔ سیّد صاحبؒ کے لیے کھانا تیار ہو کر آیا، تو فرمایا کہ معاذ اللہ! کہ مَیں تنہا کھاؤں اور دوسرے فاقے سے ہُوں! لوگوں نے عرض کیا کہ اتنے کھانے میں تو اہلِ لشکر کا بھلا نہ ہوگا۔ مناسب یہی ہے کہ یہ آپ نوش فرمالیں۔ ہر چند لوگوں نے اصرار کیا، آپ نے قبول نہیں فرمایا۔ ایک پہر گزرنے کے بعد آٹا آیا۔ مولوی عبدالوہاب صاحب قاسم غلّہ نے عرض کیا کہ آپ کے لیے جو کھانا تیار کیا گیا تھا، اب نوش فرمالیں۔ فرمایا کہ جو آٹا آیا ہے، سارے لشکر کے لیے کافی ہو جائے گا؟ مولوی عبدالوہاب صاحب نے کہا کہ گزر کے لیے کافی ہو جائے گا۔ فرمایا کہ کتنا حصّے میں آئے گا؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ فی کس آدھ پاؤ۔ آپ نے اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کہی اور کھانا منگا کر تناول فرمایا۔

مَیخَنی سے موضع ریگی میں آئے، جو قومِ خلیل (ارباب بہرام خاں کی قوم) کا دیہات ہے۔ اہلِ دیہات نے حسبِ استطاعت ضیافت کی۔ یہاں ارباب بہرام خاں کے حقیقی بھائی ارباب جمعہ خاں بن چار سَو آدمیوں کے ساتھ آکر لشکر میں شامل ہو گئے۔ پشاور کے بعض طالب علموں سے معلوم ہُوا کہ سردارانِ پشاور نے اپنے متعلقین کو کوہاٹ روانہ کر دیا ہے اور خود اپنے لشکر کے ساتھ کسی دیہات میں پڑے ہُوئے ہیں۔ صبح کو ریگی سے کُوچ کر کے گمٹ فروسہ میں آئے اور پیرِ تاریک کی قبر

کے قریب قیام ہُوا۔[1]

سُلطان مُحمّد خاں کا پیغام یہیں ارباب فیض اللہ خاں سُلطان مُحمّد خاں کی طرف سے وکیل ہو کر آئے۔ وقائع میں ہے کہ "ارباب فیض اللہ خاں نے سُلطان محمد خاں کی طرف سے عرض کیا کہ وہ کہتے ہیں کہ ہم سے بڑا قصُور ہُوا کہ ہم نے آپ کا مقابلہ کیا۔ ہم اپنے قصُور سے تُوبہ کرتے ہیں۔ آپ ہمارا قصُور معاف فرمائیں[2] اور یہاں سے پلٹ جائیں۔

آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، ہم کو تمھاری خاطر منظور ہے، مگر یہاں سے پلٹ جانے میں یہ بات ہے کہ تمھارے سردار اس بات کا احسان نہ مانیں گے۔ یہاں سے انشاء اللہ کل پشاور کو چلیں گے۔ اگر وہ اپنے اس عہد و پیمان پر سچّے دل سے قائم ہیں، تو ہم اُن کو اپنی طرف سے پشاور میں بٹھا کر چلے آئیں گے، اس لیے کہ ہم ہندوستان سے اس مُلک میں صرف اس واسطے آئے ہیں کہ یہاں کے سب بھائی مسلمانوں کو متّفق کر کے کافروں پر جہاد کریں کہ اسلام کی ترقی ہو اور کُفّار مغلُوب ہوں۔ سو یہ دُرّانی وغیرہ اپنی نادانی اور بیوقوفی سے ہم مسلمانوں کی شرکت چھوڑ کر کافروں کے حامی و مددگار بنے ہیں اور اُن کی طرف سے ہمارا مقابلہ کرتے ہیں۔ ہم نے اُن کو بارہا خط لکھ کر وعظ و نصیحت سے بہتیرا سمجھایا کہ یہ اپنی شرارت اور بغاوت سے باز رہیں اور ہمارے شریک ہوں، مگر اُن کے خیالِ فاسد میں کچھ نہ آیا یہاں تک کہ ہم پر لشکر کشی کر کے یہاں سے سُمہ کو گئے اور ہم سے لڑے اور ہیبتِ الٰہی سے ایسی شکستِ فاش کھا کر وہاں سے بھاگے۔ تب ہم نے بھی وہاں سے اُن کا تعاقب کیا کہ اب اُن کو سزا دینی ضروری ہے۔ اس کے بغیر یہ اپنی شرارت سے باز نہ رہیں گے۔ والّا ہم کو غرض نہ تھی کہ ہم اُن کا پشاور چھین لیں۔ سو خان بھائی، اب تم جا کر ان کو اس عہد و پیمان پر پکّا کرو کہ بارِ دگر پھر بدعہدی نہ کریں۔

---

[1] ۔

[2] منظورہ کے الفاظ ہیں کہ سلطان محمد خاں توبہ کے لیے حاضر ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اگر کوئی کافر بھی آپ کی خدمت میں آ کر ایما لائے، آپ اس کو ضرور مسلمان بنائیں گے۔ میں تو مسلمان اور مسلمان زادہ ہوں۔ اپنی غلطی کا اقرار کرتا ہوں۔ اب کبھی مجھ سے ایسی تقصیر نہ ہوگی۔ مدّۃ العمر آپ کا تابع رہوں گا۔" (صفحہ ۹۰۴)

ارباب فیض اللہ خاں بہت خوش ہوئے اور آپ سے رخصت ہو کر اُس کے پاس گئے۔ اگلے روز کچھ دن چڑھے پھر حاضر ہوئے اور عرض کی کہ آپ کے فرمانے کے موافق میں اُن کو خوب سمجھا کر کے آیا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ آج ہم پشاور میں داخل ہوں گے۔ تم جا کر اُن سے کہو کہ خبردار، اپنی جگہ سے نہ ہلنا، وہیں رہنا۔ یہ کہہ کر تم ہمارے پاس آجانا، ہم تم کو اپنے ساتھ لے چلیں گے۔

○

اُنتیسواں باب

پشاور میں

پشاور میں داخلہ سیّد صاحبؒ نے سردار فتح خاں اور ارباب بہرام خاں کو بُلا کر فرمایا کہ تم اپنے لوگوں کو یہ خبر پہنچا دو کہ آج پشاور کو چلنا ہوگا۔ خبردار، کوئی بھائی کسی رعایا پر دست اندازی نہ کرے، اس لیے کہ سردار سلطان محمّد خاں کی طرف سے صُلح کا پیام ہے۔ پھر آپ نے ارباب بہرام خاں سے فرمایا کہ تم اپنے کسی معتبر آدمی کو پشاور بھیج دو کہ جا کر بازار میں پکار دے کہ آج سیّد صاحبؒ کا لشکر یہاں آئے گا۔ سب دوکاندار اپنی اپنی دوکان کے دروازے بند کر لیں کہ کسی کا کچھ مال و اسباب جاتا نہ رہے۔

ارباب بہرام خاں نے اپنے ارباب جمعہ خاں کو یہ تقریر فہمائش کر کے ساٹھ ستّر سوار اور اسی قدر پیادوں کے ساتھ نمازِ ظہر کے بعد پشاور کی طرف روانہ کیا۔ اِدھر لشکر میں کُوچ کا نقارہ ہُوا۔ سب پیادہ و سوار کمر باندھ کر اور ہتھیار لگا کر تیار ہُوئے۔ کچھ دیر میں عصر کی اذان ہُوئی۔ وہیں سب نے نماز پڑھی۔ سیّد صاحبؒ نے ننگے سر ہو کر دُعا کی اور وہاں سے مع لشکر کُوچ کیا۔ سواروں کا پرا پیچھے تھا اور پیادوں کی صف آگے تھی۔ اِسی کے اندر سیّد صاحبؒ اپنے اژدر گھوڑے پر سوار تھے۔ شتری نقارہ بجتا تھا۔ ایک نشان سواروں میں، دو پیادوں میں تھے۔ تینوں کے پھُریرے کھُلے تھے۔ ٹکیوں کی جا عتوں

میں بھی بہت سے نشان تھے۔ اکثر ملکی لوگ اپنی اپنی جماعت میں ننگی تلواریں ہلاتے، اُچھلتے، کُودتے اور سیّد صاحبؒ کی تعریف میں چار بیت کہتے ہوئے چلے جاتے تھے۔

مغرب کا وقت آیا۔ لوگوں نے نماز کا اِرادہ کیا۔ لشکر میں کہیں کہیں لوگ پڑھنے بھی لگے۔ اس عرصے میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے پکار کر کہا کہ بھائیو، نماز کا موقع یہاں نہیں ہے۔ پشاور میں پہنچ کر مغرب اور عشا جمع کر کے پڑھ لینا۔ یہ آواز سُن کر جو نماز کے لیے کھڑے ہو چکے تھے، اُنھوں نے تو پڑھ لی، باقی لوگ سب اسی طرح روانہ ہوئے۔

اہلِ شہر کی مسرّت و استقبال | مغرب کی جانب کابلی دروازے سے بازار میں ہو کر شہر میں داخل ہوئے بازار کی دُکانیں تو بند تھیں، مگر جا بجا سبیلیں رکھی تھیں، کوئی پانی کی، کوئی شربت کی۔ جا بجا چراغ بکثرت دُکانوں کے چبوتروں پر اور دکانوں کی چھتوں پر روشن تھے۔ تمام رعایا سیّد صاحبؒ اور غازیوں کے واسطے دُعاے خیر کرتی تھی۔

سیّد صاحبؒ اور لشکر کی فرودگاہ | لشکر گول گٹھڑی میں، جو ایک وسیع پختہ سرائے تھی، سرائے کے باہر ٹھیرا۔ سرائے کے اندر غربی اور جنوبی کونے کی طرف ایک دو منزلہ تہ خانے دار حویلی تھی کہ تین طرف اس میں اکہرے دالان تھے اور ایک طرف دُہرا دالان تھا۔ اس میں سیّد صاحبؒ کا قیام ہوا۔ باقی تین طرف کے دالانوں میں جماعتِ خاص کے لوگ اُترے۔ حویلی کے سامنے جو مکان تھا، اس میں مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور اُن کی جماعت کے لوگ اُترے۔ حویلی کی پشت کی طرف کے مکان میں شیخ ولی محمد صاحب اور اُن کی جماعت کے لوگ اُترے۔ ارباب بہرام خاں نے اپنے ہمراہیوں کے ساتھ اُس چھاؤنی پر قیام کیا، جو مغرب رُو تھا، اس لیے کہ وُہ اس مُلک کے رُؤسا میں سے تھے۔ ہر ایک سے اُن کی واقفیت تھی۔ خوانینِ سمہ کو آپ نے سرائے کے شرقی دروازے کے باہر انتظام کے واسطے اُتارا۔ باقی لشکر سرائے کے اور مکانوں میں اُترا۔ سرائے کے کوٹھوں کی جو منڈیریں ٹوٹ گئی تھیں، بنوا دی گئیں۔ سرائے کی مسجد میں خس و خاشاک بہت پڑا ہوا تھا اور دو تین ٹکڑے پھٹی ٹوٹی چٹائی کے بھی بچھے ہوئے تھے۔ مسجد کو صاف کروا دیا گیا اور نئی چٹائیاں بازار سے خرید کر بچھائی گئیں۔

حفاظتی انتظامات رسالدار حاجی حمزہ علی خاں کو شبینے کے انتظام کے واسطے حکم ہوا۔ جن سواروں کی اس رات کو باری تھی، اُن کو تاکید روانہ کیا گیا کہ بہت خبرداری اور ہوشیاری سے رہنا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو حکم ہُوا کہ جہاں جہاں سرائے کی چھتوں پر مناسب جانیں، پہرے لگا دیں۔ جن صاحبوں کی روند مقرر تھی، اُن کو روند کرنے کی تاکید کی گئی۔ ارباب جمعہ خاں اپنے لوگوں کے ساتھ شہر کی حفاظت پر متعین تھے۔ شہر کے ہر کوچے اور گلی میں انھوں نے پہرے لگا دیے تھے کہ کسی اجنبی آدمی کو آنے کی مجال نہ تھی۔ اس طرح سے سارا شہر گویا مٹھی میں تھا۔

صُبح سیّد صاحبؒ نے حویلی میں نماز پڑھی اور دُعا کی۔ دُعا کے بعد آپ نے ارباب بہرام خاں سے کہلا بھیجا کہ بازار کے دُکانداروں کو حکم بھجوا دیں کہ سب اپنی اپنی دکانیں کھولیں۔ انھوں نے اُسی دم اپنا آدمی بھیج کر دکانیں کھلوا دیں۔

لشکرِ مُجاہدین کا اخلاقی اثر مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ "سیّد صاحبؒ نے ارباب بہرام خاں کی معرفت کہلوا دیا کہ دکاندار اطمینان سے دُکانیں کھولیں، کوئی کسی پر ظُلم نہیں کرے گا۔ چنانچہ دکانداروں نے دکانیں کھول لیں۔ زنانِ بازاری، جن کی پشاور میں بڑی تعداد تھی، رُوپوش ہو گئیں۔ اگر کسی مرد نے اُن کے یہاں جانا چاہا، تو اُنھوں نے پکار کر کہا کہ خبردار، یہاں نہ آنا، ورنہ نہ تمھاری خیر ہو گی نہ ہماری۔ اسی طرح سے بھنگ وغیرہ کی دُکانیں بند ہو گئیں اور پینے والے غائب ہو گئے۔ سیّد صاحبؒ نے مزید تاکید فرمائی کہ لشکر کا کوئی آدمی پشاور کے باغات کا ایک پھل بھی نہ توڑے۔

کھانے کا انتظام ظُہر کی نماز کے بعد میاں عبداللہ دہلوی نومُسلم جن کے ذِمّے غلّے کی خریداری کا کام تھا، آئے اور عرض کیا کہ کل سے آج تک لشکر میں غلّے کی تقسیم کی کوئی تدبیر نہیں ہو سکی، لوگ بھوکے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ تُم اس کا فکر کیوں کرتے ہو؟ جا کر اپنے ڈیرے میں بیٹھو۔ جس کے یہ بندے ہیں، وہ آپ جہاں سے چاہے گا، اُن کو روزی پہنچا دے گا اور جو ابھی تک نہیں پہنچایا ہے، اِس میں کچھ حکمت ہو گی۔ میاں عبداللہ اپنے ڈیرے پر گئے۔ اس روز بھی کچھ کھانے کی تدبیر کہیں سے نہ ہُوئی۔ سب لوگ یوں ہی سو رہے۔

اگلے روز نمازِ فجر کے بعد ارباب بہرام خاں نے آ کر عرض کیا کہ لشکر میں لوگ پرسوں سے بھوکے

ہیں اور سرکار سے کچھ نہیں ملا ہے۔ اگر ارشاد ہو، تو مَیں اس کی کچھ تدبیر کروں؟ آپ نے فرمایا: بہتر ہے۔ جو تدبیر ہو سکے، کرو۔ تم کو اجازت ہے۔

خان صاحب نے اپنے ڈیرے پر جا کر شہر کے کل مہاجنوں کو بُلوایا اور اُن سے کچھ مشورہ کیا۔ ظُہر کی نماز کے بعد ارباب بہرام خاں نے میاں عبداللہ کو اپنے ڈیرے پر لے جا کر مہاجن کی دُکان سے روپے منگوا کر حوالے کیے۔ میاں عبداللہ نے ایک بنیے کی آڑھت سے کئی دکانوں کا آٹا خرید وا کر ایک دکان پر جمع کروا دیا۔ تنور والوں کی دکانوں پر پکوا کر روٹیاں ڈیروں پر آئیں اور تیسرے روز لشکر والوں کو کھانا ملا۔ جس روز موضع مٹّہ سے لشکر کا کُوچ ہُوا تھا، اُس دن اکثر لوگ بہت خوش تھے اور آپس میں ایک دُوسرے سے کہتے تھے کہ آج پشاور میں چل کر انگور، بہی، سیب، انار، ناشپاتی وغیرہ خوب کھائیں گے اور باڑے کے چاول اور دُنبوں کا گوشت پکائیں گے۔ جس وقت لوگ روٹی کھا رہے تھے، آپس میں کہہ رہے تھے کہ بھائیو، یہ جو تیسرے روز روٹی ملی، یہ ہماری اُسی خام خیالی کی سزا ہے۔

دو عورتوں کی گفتگو ایک دِن لشکر کے لوگ شہر میں سَیر کر رہے تھے۔ ایک مکان کے بالاخانے پر دو عورتیں بیٹھی تھیں۔ کئی غازیوں کو دیکھ کر ایک عورت نے دُوسری سے کہا کہ سیّد بادشاہ کے لشکر کے یہی غازی ہَیں، جن کی شکل وصُورت اور یہ ہتھیار اور پوشاک ہے۔ اُنھیں نے سردار سلطان مُحمّد خاں کے لشکر کو شکست دی۔ میرا خاوند ایسا پہلوان اور قوی ہیکل ہے کہ ایسے چار آدمیوں کے سر ٹکرا کر مار ڈالے اور کھانا اتنا کھاتا ہے کہ مَیں اس کے واسطے گوشت روٹی الگ، پلاؤ الگ پکاتی ہوں، مگر وُہ سب کھا جاتا ہے۔ مگر ان لوگوں سے ایسا ہیبت زدہ ہو گیا ہے کہ ان کے نام سے اُس کی جان فنا ہوتی ہے بلکہ رات کو نیند سے چونک چونک پڑتا ہے کہ غازی آ پہنچے۔

دُوسری عورت نے کہا کہ ہاں، بی بی، یہ وُہی غازی ہَیں۔ خُدا کی قُدرت ہے، جس کو چاہے، غلبہ دے۔ ہمارے دُرّانی لوگ کہتے ہَیں کہ دیکھنے میں تو یہ غازی حقیر اور کم رُو معلوم ہوتے ہیں مگر لڑائی کے مَیدان میں، خُدا جانے، ان میں کہاں سے جُرأت اور بہادری آجاتی ہے کہ شیر سے زیادہ جری اور بہادر معلوم ہوتے ہَیں کہ مارے ہیبت اور رعب کے ہم سے اُن کا سامنا نہیں ہو سکتا۔

دُرّانی لشکر میں انتشار و پراگندگی

دُرّانی لشکر کا ایک حصّہ لشکرِ مجاہدین کے داخلۂ پشاور سے پہلے اس تاک میں تھا کہ پشاور کے راستے میں کہیں حملہ کرے لیکن اس کو موقع نہیں مل سکا اور لشکر بخیر و عافیت پشاور میں داخل ہوگیا۔ اُنھوں نے سردار سے عرض کیا کہ ہم نے بہتیری تدبیر کی کہ ہم سیّد بادشاہ کے لشکر پر حملہ کریں، لیکن ہمیں جُرأت نہ ہوئی۔ یہ حال سن کر سُلطان محمّد خاں کو بڑا تردّد ہُوا اور اُس کے لشکر والوں کے دل ٹوٹ گئے اور جتنے سوار و پیادے اِدھر اُدھر کے تھے، وُہ حیلہ بہانہ کرکے اپنی اپنی بستی کو چلنے لگے کہ جس وقت ضرورت ہوگی، اُس وقت ہم آکر حاضر ہو جائیں گے۔ یہ حال دیکھ کر سردارِ ممدُوح اور بدحواس ہُوا۔ ارباب فیض اللہ خاں نے مشورہ دیا کہ اب اِس سے بہتر کوئی تدبیر نہیں کہ جس طرح سے ہو سکے، سیّد بادشاہ کو راضی کرو، ان سے مِلو اور اُن کی تابعداری قبُول کرو۔ سردار سلطان مُحمّد خاں تو سُن کر خاموش رہا، مگر سردار پیر مُحمّد خاں اور سردار حبیب اللہ خاں کو بڑا غصّہ آیا اور کہنے لگے کہ کاکا، تم نے یہ کیا بات کہی؟ یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ ہم عُذر و معذرت کرکے اُن سے مِلیں۔ ہم تو سردار کے حُکم کے مُنتظر ہیں۔ اگر فرمائیں، تو ہم اسی وقت جاکر پشاور کو اُن سے خالی کریں اور کل ہم ضرور لشکر لے جاکر اُن سے مُقابلہ کریں گے۔

اس اِطّلاع کو سُن کر ارباب بہرام خاں نے تمام لشکر میں حُکم بھجوا دیا کہ بھائیو، آج کل میں دُرّانیوں کے آنے کی خبر ہے۔ اپنی اپنی چوکی پہرے سے ہر وقت ہوشیار رہنا۔

سُلطان مُحمّد خاں کی طرف سے نامہ و پیام

ظُہر کی نماز کے بعد ایک آدمی ارباب فیض اللہ خاں کا پیام لایا کہ سردار سُلطان مُحمّد خاں نے اپنی طرف سے مجھ کو وکیل کرکے بھیجا ہے مَیں ہزارخانی میں اپنے مکان پر ہُوں۔ اگر اجازت ہو، تو مَیں آپ کی خدمت میں حاضر ہُوں اور سردار ممدوح کی طرف سے کچھ عرض کروں۔ آپ نے اجازت دی۔

نمازِ عصر کے بعد ارباب فیض اللہ خاں ساٹھ ستّر سواروں کے ساتھ آئے اور پانچ چھ سواروں کے ساتھ سیّد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہُوئے۔ آپ نے بڑی عزّت و توقیر سے اپنے پاس بٹھلایا اور عافیتِ مزاج پوچھی۔[1] ارباب فیض اللہ خاں نے دُرّانیوں کے لشکر کی بددلی کا حال، سردار حبیب اللہ خاں

[1] ارباب فیض اللہ خاں سیّد صاحبؒ کے مخلص معتقد اور خیر خواہ تھے اور مرید بھی تھے۔ سرداروں کے بھی خیر خواہ اور نمک حلال تھے (وقائع)

اور پیر محمد خاں کے غصّے اور اپنے مشورے کا سب حال سُنایا اور سردار سُلطان محمّد خاں کا پیغام عرض کیا کہ اُنھوں نے کہا ہے کہ آپ ہمارے دین و دُنیا کے امام و مقتدا ہیں اور ہم آپ کے ہر نوع مطیع اور فرماں بردار ہیں۔ ہم سے بڑا قصُور ہُوا کہ اپنی شامتِ اعمال سے ہم نے آپ کے اُوپر لشکر کشی کی۔ ہم اپنی سزا کو پہنچے۔ اب ہم آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے اُمیدوار ہیں کہ آپ ہمارا قصُور بلّٰہ معاف کر دیں۔ اب ہم ان تمام شرارتوں سے تَوبہ کرتے ہیں۔ اِنشاء اللہ تعالیٰ پھر ہم سے کبھی ایسی حرکت نہ ہوگی۔

سیّد صاحبؒ کا ارشاد اُن کی یہ تمام تقریر سُن کر سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم اُن کے بیچ میں نہ پڑو۔ وُہ بڑے لسّان اور اپنی غرض کے یار ہیں۔ اُن کے عہد و پیمان کا کچھ ٹھکانا نہیں اپنے مطلب کے لیے یہ لوگ ہر طرح تابعدار بن جاتے ہیں اور جب مطلب نکل جاتا ہے، تو یہ لوگ کسی کے آشنا نہیں ہوتے۔ نہ دُنیا کی شرم رکھتے ہیں، نہ خُدا و رسُولؐ کا خوف۔ ہم نے اِن کو اس لڑائی سے پہلے بھی، جب وُہ یہاں سے لشکر لے کر گئے تھے، کئی بار آدمی بھیج کر سمجھانے کا حق ادا کر دیا، مگر انھوں نے ایک نہ سُنی اور ناحق ہمارا مقابلہ کیا اور ہمارے بہت سے غازیوں کو شہید کیا، مگر اللہ تعالیٰ نے ہم غُربا و ضُعفاء کو اُن پر فتحیاب کیا اور وہ شکست کھا کر بھاگے۔ ہم نے یہاں تک اُن کا پیچھا کیا۔ اب اُنھوں نے خیال کیا کہ اب ہمارا کہیں ٹھکانا نہیں ہے، تب تم کو درمیان میں ڈال کر یہ چال چلی۔

اِس سے پیشتر شیدُو کی لڑائی میں ہم سے بُدھ سنگھ کا مقابلہ تھا۔ وہاں یہ چاروں بھائی اپنی اپنی جماعت کے ساتھ ہماری کمک کو آئے تھے۔ انھیں نے اپنی دغابازی سے ہماری لڑائی بگاڑ دی۔ ہم لوگوں کو سکھوں سے بھڑا کر آپ بھاگ کھڑے ہُوئے اور صدہا مسلمان شہید کروائے۔ تب بھی انھوں نے ہمارے ساتھ عہد و پیمان کیا تھا کہ ہم جان و مال سے تمھارے شریک ہیں۔ پھر اس عہد کو کیسے وفا کیا، تم سب جانتے ہو۔ اب از سرِ نو عہد کرنے کو کہتے ہیں، تو اپنے دل میں اَیسا ہی سمجھ لیا ہوگا کہ اپنی غرض نکل جائے؛ پھر جیسا ہوگا، دیکھا جائے گا۔ خان بھائی، ہم نے تم سے جو جو باتیں بیان کی ہیں، اچھی طرح سے بے کم و کاست اُن کے آگے کہنا اور خان بھائی، تم خوب جانتے ہو کہ ہم لوگ جو ہندوستان سے اِس مُلک میں آئے ہیں تو صرف اس نیت سے کہ مُسلمان غالب ہوں اور اسلام کی ترقی ہو۔ نہ ہم کو پشاور

لینے سے غرض ہے، نہ کابل لینے سے۔ اگر ان کے عہد و پیمان کی صداقت ہم پر ثابت ہو جائے اور منہیاتِ شرعی اور شرکتِ کفار سے سچی توبہ کر لیں اور ہم مسلمانوں کے اتفاق میں شامل ہوں تو ہم اب بھی موجود ہیں۔

ارباب فیض اللہ خاں نے عرض کیا کہ آپ جو کچھ فرماتے ہیں، حق اور بجا ہے! اس میں چون چرا کی گنجائش نہیں۔ جو کچھ خطا ہے، انھیں کی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ میں لفظ بلفظ آپ کا فرمانا اُن سے عرض کروں گا۔ میں صاف دل مسلمان ہوں۔ منافقانہ گفتگو مجھ کو نہیں آتی۔ ان کا تو میں نمک خوار ہوں، اور آپ کا خادم فرماں بردار۔ دونوں کی خیر خواہی مجھ کو منظور ہے۔

سلطان محمد خاں کا دوبارہ پیغام تیسرے چوتھے روز وہ پھر آئے اور کہا کہ میں نے آپ کی اُس روز کی تقریر لفظ بلفظ سردار سلطان محمد خاں سے نقل کی۔ وہ سن کر بہت نادم اور پشیمان ہوئے اور کہا کہ سید بادشاہ نے جو کچھ فرمایا، اُس میں سرِ مو تفاوت نہیں، مگر اب ہم خالص دل سے عہد و پیمان کرتے ہیں کہ انشاء اللہ ہم سے بغاوت و نافرمانی کا کوئی کام ظہور میں نہ آئے گا، باغیوں اور کافروں کی رفاقت اور شرکت سے ہم نے توبہ کی، خدا و رسول کا جو کچھ حکم ہے، وہ ہمارے سر آنکھوں پر۔ اس وقت اور جس جگہ جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے سید بادشاہ ہم کو یاد کریں گے، اُسی وقت اور اُسی جگہ ہم بلا عذر اپنی جان و مال اور فوج و لشکر سے حاضر ہوں گے۔ اب ہم یہ چاہتے ہیں کہ سید بادشاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر از سرِ نو بیعتِ امامت کی تجدید کریں اور تمام منہیاتِ شرعیہ سے بالمشافہ تائب ہوں اور جو کچھ سید بادشاہ کا ملکِ سمہ سے یہاں تک تشریف لانے میں زرِ نقد صرف ہوا ہے، وہ تو ہم کو معلوم نہیں ہے، کس قدر ہوگا، مگر چالیس ہزار روپے ہم نذر کریں گے، بیس ہزار تو اس وقت جب سید بادشاہ اپنے ہاتھ سے ہم کو پشاور میں بٹھا کر کوچ کریں گے اور دس ہزار روپے جبکہ سید بادشاہ ہشت نگر پہنچیں گے تب وہیں بالاحصار سے ملیں گے اور دس ہزار روپے جبکہ پنجتار میں پہنچیں گے۔

آمد کا مقصد آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، ہم تو یہی چاہتے ہیں کہ وہ مسلمانوں کے اتفاق میں شریک ہوں اور کفار کا مقابلہ کریں۔ ہم نہ کسی کی ریاست چھیننے کو آئے ہیں، نہ کسی کا ملک لینے کو۔ یہ تو اُس

دُنیا دار شخص کا کام ہے، جو مُلک گیری کا ارادہ رکھتا ہو۔ ہم صرف جہاد فی سبیل اللہ کی نیّت رکھتے ہیں کہ کُفّار کو زیر کریں کہ اسلام کی ترقّی ہو۔ اگر وُہ سچّے دل سے اس اقرار پر مستعد ہیں، تو ہم بھی اس بات سے اِنشاء اللہ تعالیٰ باہر نہ ہوں گے۔

○

تیسواں باب

پشاور کی سپردگی کی تجویز

مشورہ | وقائع میں ہے کہ "عشار کی نماز کے بعد سیّد صاحبؒ نے مولانا محمّد اسمٰعیل اور شیخ ولی محمّد، ارباب بہرام خاں، مولوی مظہر علی عظیم آبادی، مُلّا لعل محمّد اور مُلّا قطب الدین ننگرہاری اور سمہ کے خوانین کو بُلایا اور تخلیے میں اُن سے گفتگو کی۔ رات گئے دیر تک باتیں ہوئیں۔ لوگوں کو اس کا خلاصہ یہ معلوم ہُوا کہ سردار سلطان محمّد خاں کی طرف سے صُلح کا پیام ہے اور حضرت نے منظور کیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہُوا کہ صرف مولانا محمّد اسمٰعیل آپ کے لحاظ کے سبب خاموش تھے، باقی سب اپنی اپنی سمجھ کے موافق گفتگو کرتے تھے۔ لشکر والوں کو یہ امر بہت شاق ہُوا کہ حضرت دُرّانیوں سے پھر ملاپ کرتے ہیں۔ لوگ کہتے تھے کہ دُرّانی شر و فتنہ سے باز نہیں آئیں گے۔

شہر میں تشویش | رفتہ رفتہ یہ خبر تمام پشاور میں پھیلی۔ جو ہندو اور مسلمان وہاں کے تھے، سب کو تشویش ہُوئی اور اُن میں کچھ سربرآوردہ آدمی مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب کے پاس آئے اور کہا کہ ہمارے شہر میں یہ خبر عام طور پر مشہور ہے کہ سیّد بادشاہ نے پشاور دُرّانیوں کے سپرد کرنے کا ارادہ فرما لیا ہے۔ ہم کو بڑی خوشی تھی کہ سیّد بادشاہ یہاں کے حاکم ہُوئے۔ اللہ تعالیٰ نے ہم لوگوں کو ان ظالموں کے ہاتھ سے نجات دی، اب پھر ان سے رہیں گے۔ لیکن اس خبر سے نیا کھٹکا پیدا ہُوا کہ پھر ہم لوگ اُنھیں کے چنگل

میں گرفتار ہوں گے اور اب پہلے کی بہ نسبت ہم لوگوں کو زیادہ ستائیں گے۔ ہم لوگ اُن سے خُوب واقف ہیں۔ اُن کی اطاعت و فرماں برداری میں ایک عُمر بسر ہُوئی۔ اس ملاپ کے پردے میں محض فریب ہے۔ ہمارا مُدعا یہ ہے کہ آپ ہم لوگوں کو سیّد بادشاہ کے پاس لے چلیں۔

اُن کی یہ تقریر سُن کر مولانا نے فرمایا کہ ہم سب جانتے ہیں کہ وہ ایسے ہی ہیں، مگر اس امر میں ہم سیّد صاحبؒ سے کچھ عرض نہیں کر سکتے۔ تم کو جو کچھ کہنا ہو، ارباب بہرام خاں سے جاکر کہو۔ وُہ تم کو سیّد صاحبؒ کے پاس لے جائیں گے اور تمھاری طرف سے گفتگو بھی خاطر خواہ کریں گے، اِس لیے کہ وُہ بھی تمھارے مُلک کے ہیں اور تمھارے اور دُرّانیوں کے حالات سے خوب واقف ہیں۔

اُنھوں نے یہ تجویز پسند کی اور ارباب بہرام خاں کے پاس گئے۔ خانِ موصوف نے اُن کی تسلّی و تشفی کی اور کہا کہ تم جاکر اپنا کاروبار کرو، شام کو ہمارے پاس آنا۔ اُس وقت تم کو حضرت کے پاس لے چلیں گے اور تمھاری طرف سے وکالت کریں گے۔

کچھ دیر کے بعد لشکر سے خاص خاص قندھاری اور سمرہ کے بڑے بڑے خوانین ارباب بہرام خاں کے پاس آئے اور اپنی تشویش اور خطرے کا اظہار کیا اور دُرّانیوں کے ظُلم اور اُن کی زیادتیاں بیان کیں اور خواہش کی کہ یہ ساری گفتگو سیّد صاحبؒ کے گوش گزار کر دی جائے۔ ارباب بہرام خاں نے اُن کو اطمینان دلایا کہ وُہ سیّد صاحبؒ کی خدمت میں اُن کی پوری ترجمانی اور نمائندگی کریں گے۔

ارباب بہرام خاں کی سیّد صاحبؒ سے گفتگو

عشاء کی نماز کے بعد ارباب بہرام خاں اپنے بھائی ارباب جُمعہ خاں کے ساتھ سیّد صاحبؒ کی خدمت میں گئے اور کہا کہ حضرت، کچھ بات آپ سے تنہائی میں عرض کرنی ہے۔ یہ سُن کر وہ آدمی، جو اُس وقت وہاں تھے، اُٹھ کر چلے گئے۔ ارباب بہرام خاں نے اہلِ شہر کے نمائندوں کی گفتگو نقل کی اور اُن کی تشویش کا اظہار کیا اور کہا کہ اہلِ شہر کہتے ہیں کہ جب دُرّانی افسر اس شہر پر قابض اور متصرف ہوں گے، تو ہم پر اور بھی ہاتھ صاف کریں گے، اِس واسطے کہ سیّد بادشاہ کے یہاں تشریف لانے پر جو ہم لوگوں نے خوشیاں منائی تھیں، اُن کو اس کی ذرا ذرا خبر پہنچی۔ وُہ آپ کے چلے جانے کے بعد ہم پر غصّہ اُتاریں گے اور ہماری تباہی میں کوئی کسر نہیں اُٹھا رکھیں گے۔

شہر والے کوئی اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ سیّد بادشاہ پشاور اُن کے حوالے کر کے یہاں سے تشریف لے جائیں۔ اگر سیّد بادشاہ کو اپنے لشکر کے خرچ اور یہاں کے بندوبست کے لیے دو چار لاکھ روپے کی بھی ضرورت ہو۔ تو ہم اُس کی بھی سبیل کر دیں گے اور اس کے سوا جو کچھ بھی وُہ فرمائیں گے، ہم کو عُذر نہیں ہوگا۔

اہلِ شہر کے علاوہ فتح خاں پنجپاری اور اسمٰعیل خاں کو چھوڑ کر سمہ کے سب خوانین اور لشکر کے فلاں فلاں قندھاری بھائی بھی میرے پاس آئے اور اُنھوں نے دُرّانیوں کی بیوفائی اور بدعہدی اور اپنی تباہی، خانہ ویرانی اور بے عزّتی کا حال بیان کیا اور کہا کہ ہم ہرگز اس بات پر راضی نہیں ہیں کہ سیّد بادشاہ اُن سے مصالحت کریں اور پشاور اُن کو دیں۔ اُن سب نے مجھ سے کہا کہ تم ہماری طرف سے وکالتاً تمام باتیں سیّد بادشاہ کے گوش گزار کر دو۔ مَیں نے اُن سے اقرار کیا کہ مَیں تمھاری طرف سے عرض کر دوں گا۔

ان سب کا خیال کر کے میری ناقص رائے میں یُوں آتا ہے کہ اگر آپ کو پشاور دینا ہی منظور ہے، تو آپ مجھی کو سرفراز فرما دیں، مَیں بھی آپ کا ایک ادنیٰ خادم ہُوں اور یہیں کا باشندہ اور یہاں کے راہ و رسم سے خوف واقف ہوں۔ تمام رعایا مجھ سے راضی بھی ہے۔ اگر آپ یہ ریاست مجھے سپرد کر کے یہاں سے تشریف لے جائیں گے، تو مَیں دُرّانیوں سے سمجھ لوں گا۔ اب جو کچھ آپ ارشاد کریں مَیں اُن کو وُہی جواب دُوں۔

سیّد صاحبؒ کی تقریر ارباب بہرام خاں کی پوری گفتگو سُن کر سیّد صاحبؒ نے سکوت کے بعد فرمایا کہ جزاک اللہ! خان بھائی، تم نے خُوب کیا، جو سب لوگوں کے حال کی مجھ کو اطلاع کی اور جو ہمارے لشکر کے بھائی اور شہر کے لوگ دُرّانیوں کی غدّاری اور حیلہ سازی بیان کرتے ہیں، وہ سچ ہے، بلکہ میرے پروردگار نے مجھ پر جو ان کا حال منکشف کیا ہے، اگر وہ بھائی لوگ جان لیں، تو خدا جانے کیا کریں۔ مگر تم سب خُوب جانتے ہو کہ ہم لوگ ہندوستان سے گھر بار چھوڑ کر اور عزیزوں آشناؤں سے مُنہ موڑ کر صرف اس لیے آئے ہیں کہ وُہ کام کریں جس میں پروردگار کی رضامندی و خوشنودی ہو مخلوق کی خوشی و ناخوشی سے ہم کو کچھ غرض نہیں۔ خوش ہوں گے، تو کیا بنائیں گے، اور ناخوش ہوں گے، تو

کیا بگاڑیں گے؟ نادان سمجھتے ہیں کہ یہ مُلک گیری اور دُنیا طلبی کے لیے آئے ہیں۔ یہ اُن کا خیال خام ہے، ابھی وُہ دینِ اسلام سے واقف نہیں ہیں۔

اور جو سمّہ کے خوانین بھائی اُن کے ظُلم و تعدّی کا شکوہ اور اپنی بے عزّتی، خانہ ویرانی اور زبوں حالی کا قصّہ بیان کرتے ہیں، یہ سب سچ ہے۔ اس بات کو یوں سمجھیں کہ ہمیشہ سے کافر و باغی اور منافق مسلمانوں پر طرح طرح کی تعدّی اور مکّاری کرتے رہے ہیں، مگر جس وقت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام مقابلے میں آجاتا ہے، اُس وقت سب بُغض و عداوت کو اپنے دل سے دُور کرتے ہیں اور زبان پر نہیں لاتے اور اُن کے ساتھ وُہی معاملہ کرتے ہیں، جس میں پروردگار کی رضامندی اور اُس کے فرمان کی تعمیل ہو، اگرچہ نفس اور ابنائے زمانہ کے مخالف ہو۔ مسلمانی اور دینداری و خداپرستی اسی کا نام ہے، نہیں تو نفس پروری اور دنیاداری ہے۔

اور جو اپنے قندھاری بھائی شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے اتنے بھائی انھوں نے شہید کیے، تو یہ بات شُکر کے لائق ہے نہ کہ شکایت کے، اس لیے کہ وُہ سب بھائی اپنی دِلی مُراد کو پہنچے۔ وُہ اسی مطلب کے حصُول کے لیے یہ تمام تکالیف و مصائب اُٹھا کر اتنی دُور دراز کی مسافت سے جہاد فی سبیل اللہ کو آئے تھے کہ اپنے پروردگار کی رضامندی کی راہ میں اپنی جانیں صرف کریں۔ سو وُہی اُنھوں نے کیا اور یہ جہاد کا کاروبار صرف پروردگار کی رضامندی کا ہے، نفسانیت اور جنبہ داری کا نہیں ہے، جیسے دُنیادار اور جاہ طلب لوگ کرتے ہیں۔

اور جو شہر والے اس بات کا خوف کرتے ہیں کہ ہم نے جو سید صاحبؒ کے آنے سے خوشیاں کی ہیں، اس لیے وُہ ہم کو تباہ کر دیں گے، یہ اُن کی نافہمی اور نادانی ہے۔ یہ نہیں جانتے کہ اگر وُہ رعایا کو تباہ و خراب کریں گے، تو حاکم اور رئیس کس کے کہلائیں گے؟ رعایا تو بے بس اور عاجز ہوتی ہے۔ جو کوئی اُس پر غالب آجاتا ہے، اُس کی وُہ تابع اور فرماں بردار ہو جاتی ہے اور جو تابعدار نہ ہو تو کہاں رہے؟ رعایا کو کوئی نہیں خراب کرتا۔ اُس کا حاکم، نہ کوئی غنیم بلکہ دونوں اس سبب سے آرام پاتے ہیں اور سردار کہلاتے ہیں رعایا میوے دار باغ کی طرح ہے کہ مالک اور غیر مالک سب اس کے میوے سے

فائدہ حاصل کرتے ہیں۔ کوئی میوے دار درخت کو تباہ نہیں کرتا اور جو باغ ہی کاٹ ڈالے گا، تو باغ والا کیونکر کہلائے گا اور فائدہ کیا پائے گا؟ سو خان بھائی، تم اُن کو تسلّی کر کے سمجھا دینا کہ انشاء اللہ تعالیٰ تم کو کوئی تباہ و خراب نہ کرے گا۔

اور جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو، تو شہر کے انتظام اور لشکر کے خرچ کے لیے ہم دو چار لاکھ روپے کا بندوبست کر دیں، مگر یہاں کی حکومت دُرّانیوں کو نہ دیں، سو یہ بات ہم کو منظور نہیں، اس لیے کہ ہم کو اپنے پروردگار کی رضامندی چاہیے جس میں وُہ راضی ہوگا، ہم کریں گے۔ اس میں چاہے تمام جہان ناخوش ہو، کچھ پروا نہیں۔ اگر ایک جگہ ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت پروردگار کی رضامندی کے خلاف ملتی ہو، تو اس دولت اور سلطنت کی کچھ حقیقت نہیں، اور ایک جگہ پروردگار کی رضامندی کے موافق ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت جاتی ہو، تو اُس کی رضامندی سب کچھ ہے۔

خلاصہ اِس گفتگو کا یہ ہے کہ سردار سلطان مُحمّد خاں اپنی خطا و قصور سے نادم اور تائب ہُوا ہے اور شریعت کے تمام احکام کو اُس نے قبول کیا ہے اور کہتا ہے کہ اب دوبارہ بغاوت و شرارت اور خُدا و رسُولؐ کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہیں کروں گا، میری خطا لِلّٰہ معاف کرو۔ اگر یہ کلام نفاق اور دغابازی سے کرتا ہے، تو وُہ جانے، اُس کا خُدا جانے۔ شریعت کا حُکم تو اقرارِ ظاہری پر ہے، کسی کے دل کے حال پر نہیں۔ دل کا حال خُدا کو معلوم ہے۔ ہم تو اُس کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے، جو ظاہر شریعت کا حُکم ہے۔ اس میں چاہے کوئی راضی ہو، چاہے ناراض ہو۔ اب جو ہم اُس کا عُذر نہ مانیں، تو اس پر ہمارے پاس کونسی دلیل اور حُجّت ہے؟ اگر کوئی عالم دیندار خدا پرست کسی دلیلِ شرعی سے ہم کو سمجھا دے کہ تُم خطا پر ہو، تو ہم منظور کر لیں گے۔ اِس کے بغیر ہرگز نہ مانیں گے، کیونکہ ہم تو خُدا و رسُولؐ کے تابع ہیں اور کسی کے تابع نہیں ہیں۔

تقریر کا اثر جس وقت سیّد صاحبؒ یہ تقریر فرما رہے تھے، اس وقت رحمتِ الٰہی کا عجیب نزول ہو رہا تھا۔ روتے روتے ارباب بہرام خاں اور ارباب جُمعہ خاں کے ہچکیاں لگ گئی تھیں اور وہ عالمِ سکوت میں بیہوش اور خود فراموش تھے۔ جب آپ خاموش ہُوئے، تب ارباب بہرام خاں نے

عرض کی کہ حضرت، جو کچھ آپ نے فرمایا، حق اور بجا ہے۔ خُدا و رسُولؐ کی رضامندی کے کاموں سے آپ ہی واقف ہیں، ہم دُنیا داروں اور نفس پرستوں کو کیا خبر ہے؟ ہم نے اِس وقت جانا کہ دینِ اسلام اس کو کہتے ہیں اور خُدا و رسُولؐ کی اطاعت اس کا نام ہے اور جو خیال اس کے خِلاف میرے دل میں تھا، اب میں اُس سے آپ کے سامنے تُوبہ کرتا ہُوں اور از سرِ نَو آپ کے ہاتھ پر بَیعت کرتا ہوں۔ آپ میرے لیے دُعا کریں۔

صُبح ارباب بہرام خاں نے سَمَہ کے سرداروں اور قندھاریوں کے سامنے سیّد صاحبؒ کی رات کی تقریر دُہرائی۔ وُہ بھی سب مطمئن اور خاموش ہو گئے۔ لیکن شہر والوں کو اطمینان نہیں ہُوا اور انھوں نے کہا کہ سیّد بادشاہ تو ولی شخص اور اللہ والے لوگ ہیں۔ اُنھوں نے جو کچھ فرمایا، بجا فرمایا۔ ہماری تو صرف یہ غرض تھی کہ اگر سیّد بادشاہ یہاں کے حاکم ہوتے، تو ہم رعایا لوگ آرام اور چَین سے اپنی گزران کرتے اور دُرّانیوں کے جَور و جفا سے نجات پاتے، مگر سیّد بادشاہ اپنے کاروبار کے مُختار ہیں۔ جو کچھ اپنے نزدیک بہتر جانیں، وُہ کریں، اس میں ہم ناچار ہیں۔

پشاور کے ایک سیٹھ کی گفتگو شہر کے سیٹھوں نے جو دیکھا کہ ارباب بہرام خاں کے ذریعے مطلب برآری نہیں ہُوئی، تو انھوں نے آپس میں صلاح و مشورہ کر کے ایک سیٹھ کو سیّد صاحبؒ کے پاس بھیجا، جس کا نام بُدھ رام تھا۔ اُس نے کچھ میوہ کئی ٹوکروں میں اور زرِ نقد نذر کیا اور عرض کی کہ کچھ تنہائی میں آپ سے عرض کرنا ہے۔ اُس وقت جو لوگ وہاں حاضر تھے، پہرے والوں کے سوا آپ نے سب کو رُخصت کر دیا اور سیٹھ سے پوچھا: کیا کہتے ہو؟

اُس نے عرض کی کہ شہر میں مشہور ہے کہ سیّد بادشاہ سردار سُلطان محمد خاں کو یہاں کی ریاست و حکومت پھر دیتے ہیں۔ یہ خبر سُن کر یہاں کے سیٹھوں کو بڑا تردّد اور اندیشہ ہُوا کہ ہم تو یہاں سیّد بادشاہ کے تشریف لانے سے بہت خوش ہُوئے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسے مُنصف، خدا ترس اور غریب پرور حاکم کو یہاں بھیجا، اب ہم لوگ آرام و چَین سے گزران کریں گے۔ لیکن اب یہ مشہور ہو رہا ہے کہ آپ حکومت پھر اُنھیں کے حوالے کر رہے ہیں۔ اِس سبب سے سب سیٹھوں نے اپنی طرف سے مجھے مُختار

کر کے بھیجا ہے کہ جس صورت سے سیّد بادشاہ راضی ہوں، اُس صورت سے راضی کرو اور یہاں سے جانے نہ دو۔

سو خدمت شریف میں میری عرض یہ ہے کہ آپ کس لیے یہ ملک سردار سلطان محمّد خاں کو دیتے ہیں؛ اگر یہ سبب ہے کہ آپ کے پاس فوج و لشکر کم ہے اور اس کے لیے لشکر بہت چاہیے اور اس کے انتظام کو خزانہ بھی بہت چاہیے، تو آپ اس کا اندیشہ نہ کریں۔ آپ کے فرمانے کی دیر ہے میں آپ ہی کے پاس حاضر ہوں جس قدر روپیہ آپ فرمادیں، دو گھڑی کے عرصے میں اسی جگہ روپوں کا ڈھیر لگا دوں، اور ادھر آپ نوکر رکھنا شروع کر دیں جس قدر ضرورت ہو، نوکر رکھ لیں اور اُس کے سوا اور سبب ہو، تو اِس بات کو آپ جانیں۔

سیّد صاحبؒ کا جواب | سیّد صاحبؒ نے اُس کی باتیں سُن کر اُس کو بہت شاباش دی اور فرمایا کہ تم بڑے لائق اور خیر خواہ شخص ہو۔ جو کام تمھارے لائق تھا، اُس میں تم نے کچھ کوتاہی نہیں کی۔ ہم اس امر میں تم سے بہت خوش ہیں اور فرمایا کہ سیٹھ جی، تم یہ بات بہت اچھی کہتے ہو جو حاکم مُلک گیری کا ارادہ رکھتے ہیں، اُن کے کام کی ہے، لیکن ہم اُن حاکموں میں نہیں ہیں۔ ہم اپنے مالک کے فرمانبردار ہیں۔ جو کچھ کام ہم لوگ کرتے ہیں، اُسی کی مرضی کے موافق کرتے ہیں۔ لوگوں کے رُوبرُو اس میں کچھ نقصان نظر آتا ہو یا فائدہ، اس سے کچھ غرض نہیں۔ ہمارے مالک کا حُکم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی قصوروار ہو، جب وہ اپنے قصُور سے توبہ کرے اور اپنی خطا کا عُذر کرے، تو اس کی خطا معاف کرنی چاہیے اور اُس کا عُذر قبول کرنا لازم ہے، اگر اُس نے توبہ دغا بازی سے کی ہو، تو اس بات سے ہم کو کچھ کام نہیں، وُہ جانے، اُس کا خُدا جانے۔ اُس کا مال و مُلک زبردستی لینا دُرست نہیں۔ ہمارے اور سردار سُلطان محمّد خاں کے درمیان اسی طَور کا معاملہ ہے۔ اور جو تم لشکر اور خزانے کا ذکر کرتے ہو، تو ہمیں اِس کا کچھ اندیشہ نہیں، چاہے ہو یا نہ ہو، کیونکہ ہمارے مالک کے یہاں سب کچھ ہے، کسی چیز کی کمی نہیں۔ اگر وُہ اپنا کام ہم سے لے گا، تو بہتر سے بہتر فوج و لشکر اور مال و خزانہ بغیر مانگے عنایت کرے گا۔

اور جو تم لوگوں کو یہ خوف ہے کہ وُہ ہم کو تباہ و برباد کر دیں گے، تو یہ تمہارا وہم ہے۔ اس بات کا تم کچھ اندیشہ نہ کرو۔ کسی ریاست میں حاکموں کا یہ دستور نہیں کہ سیٹھوں، ساہوکاروں کو تباہ کریں، کیونکہ اُن کے سبب سے اُن کے مُلک و شہر کی آبادی ہوتی ہے اور اُن کے بڑے بڑے کام سیٹھوں ساہوکاروں سے نکلتے ہیں۔ اگر وُہ سیٹھوں ساہوکاروں کو تباہ و برباد کر دیں، تو اُنھیں کا نقصان ہوگا، اور کوئی سیٹھ ساہوکار اُن کی ریاست میں بُود و باش اختیار نہ کرے گا۔

سید صاحبؒ کا یہ جواب سُن کر بُدھو دم خاموش ہو گیا اور کہنے لگا کہ آپ سچّے اللہ والے لوگ ہیں، آپ کی باتوں کا کون جواب دے سکتا ہے؟ جو کچھ آپ فرماتے ہیں، سب بجا ہے۔ اس کے بعد وُہ آپ سے رُخصت ہو کر اپنے مکان کو چلا گیا۔

○

اکتیسواں باب

سُلطان مُحمّد خاں کی مُلاقاتیں اور پشاور کی سپُردگی

سردار سُلطان مُحمّد خاں اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی مُلاقات

ارباب فیض اللہ خاں نے سردار سُلطان مُحمّد خاں کا مِلنے کا تقاضا پہنچا سیّد صاحبؒ کی رائے ہُوئی کہ شہر کے باہر ہزار خانی کے مَیدان میں آپ کچھ لوگوں کے ساتھ جائیں اور اُدھر سے سُلطان مُحمّد خاں اپنے لوگوں کے ساتھ آکر ملاقات کریں لیکن لشکر کے اہل الرائے نے اس سے اختلاف کیا اور انھوں نے یہ رائے دی کہ پہلے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سردار سے ملاقات کریں۔ دو تین ملاقاتوں میں اُن کا رویہ معلوم ہو جائے گا۔ اُس کے بعد سیّد صاحبؒ مُلاقات کریں، تو مضائقہ نہیں۔

آپ نے بھی اس رائے کو پسند فرمایا۔ اوّل سُلطان مُحمّد خاں نے اس سے اتفاق نہیں کیا اور کہا کہ مولانا سے مُلاقات کرنے سے تو کچھ حاصل نہیں، مُلاقات کرنا، نہ کرنا دونوں برابر ہے۔ براہ راست سیّد صاحبؒ سے مُلاقات کرنا ضروری ہے۔ یہ رائے سُلطان مُحمّد خاں کے دونوں سردار سَید مُحمّد خاں اور اُن کے بھتیجے حبیب اللہ خاں کی تھی اور اُن کا اصرار تھا۔ سیّد صاحبؒ نے اِصرار فرمایا کہ پہلے مولانا مُحمد اسمٰعیل صاحب سے مُلاقات ہو اور ارشاد فرمایا کہ اُن کو ہمارے حُکم کو بلا عُذر راہ بلا انکار قبول کرنا چاہیے کہ یہ اطاعت کا معاملہ ہے۔ اِس میں جانبین کے تمام شُبہات بھی دفع ہو جائیں گے

آخر فیض اللہ خاںؒ کے سمجھانے سے سلطان محمد خاں نے منظور کیا اور فیض اللہ خاں کے مکان پر ملاقات قرار پائی۔

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں: "ہزار خانی کے مقام میں (جو ارباب فیض اللہ خاں کا گاؤں ہے اور پشاور سے جانب جنوب ایک میل یا اس سے کچھ زائد فاصلے پر واقع ہے) ملاقات طے ہوئی۔ قرار پایا کہ مولانا چالیس پچاس آدمیوں کے ساتھ ہزار خانی تشریف لے جائیں اور اتنے ہی آدمیوں کی جمعیّت کے ساتھ سردارِ پشاور وہاں آئے اور مولانا سے ملاقات کرے اور آپ کے ہاتھ پر توبہ اور بیعت کرے۔

نمازِ عصر کے بعد مولانا اپنی جمعیّت کے ساتھ ہزار خانی کے قریب پہنچ گئے۔ سلطان محمد خاں فاصلے پر تھا۔ مولانا جب گاؤں کی آبادی میں داخل ہوئے، تو سلطان محمد خاں نے ملاقات کا ارادہ فسخ کر دیا اور ارباب سے کہلا بھیجا کہ آج ملاقات ملتوی ہے۔ ہم کل شام کو ملنے آئیں گے۔ معلوم ہوا کہ اس کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بلکہ خود سید صاحبؒ کی طرف سے اطمینان نہیں ہے اور دل میں اندیشے ہیں وَ الْمَرْءُ یَقِیْسُ عَلٰی نَفْسِہٖ۔[1]

اس عرصے میں پشاور اور اطراف و نواح کے گاؤں میں تذکرہ ہوا کہ ہزار خانی کی گڑھی میں سردارِ پشاور نے کوئی توپ چھپا دی ہوگی یا بارود سے اس کو بھر رکھا ہوگا۔ دُرّانیوں کے متعلق عام طور پر اسی طرح کی شہرت تھی۔ جب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب تک یہ بات پہنچی، تو فرمایا کہ عجب نادان لوگ ہیں کہ ایسی نابھگی کی باتیں کہتے ہیں۔ اگر یہی بات ہے کہ اس مکان میں بارود بچھا رکھی ہے، تو میں تنہا تو نہیں جا رہا ہوں، سردارِ پشاور خود وہاں موجود ہوگا۔ وہ ایسے موقع پر کیسے بچ سکتا ہے؟ یہ بات بالکل ناقابلِ قیاس اور بے بنیاد ہے۔

دوسرے روز مولانا نے اتنا توقف فرمایا کہ سردارِ پشاور سو مسلح آدمیوں سے زیادہ اپنے ساتھ لے کر ہزار خانی کی گڑھی میں داخل ہوا۔ اس کے بعد مولانا تشریف لے گئے۔ آپ کے ساتھ

---

[1] یہ "منظوم" کا بیان ہے۔ وقائع میں دو ملاقاتوں کا تذکرہ ہے۔ دوسری ملاقات کی روداد آگے آتی ہے۔

سَو کے قریب آدمی تھے، لیکن رُوداراور چیدہ چیدہ۔ اکثر قرابین سے مُسلّح تھے۔ مولانا گڑھی کے قریب ایک باغ میں تشریف فرما ہُوئے۔ سردار کو اطلاع ہُوئی اس نے گڑھی میں طلب کیا اور کہا کہ میں گڑھی کے دروازے تک جاکر پیشوائی کروں گا، لیکن فیض اللہ خاں کی رائے نہ ہُوئی اور ایک فرش گڑھی کے باہر ڈال دیا گیا۔ مولانا باغ کے دروازے سے اور سلطان مُحمّد خاں گڑھی کے دروازے سے ساتھ ساتھ پہنچے۔ سلام و مصافحہ و معانقہ کے بعد مولانا اور سردار فرش پر بیٹھ گئے۔ جانبین کے مسلّح آدمی کھڑے رہے۔ مولانا نے پندرہ آدمیوں کو دیہات کے باہر پہرے دار کے طور پر چھوڑ دیا تھا تاکہ دُرّانیوں کی طرف سے کوئی جماعت پر حملہ آور نہ ہو۔

مزاج پُرسی کے بعد سُلطان مُحمّد خاں نے نیازمندانہ گفتگو کی۔ اپنے گزشتہ افعال سے تَوبہ اور مولانا کے ہاتھ پر بیعت اور خدمتِ دین و شرکتِ مجاہدین کا عہد کیا۔ مولانا نے سیّد صاحبؒ کے نائب کی حیثیت سے بَیعت لی۔

اِسی اثنار میں دُرّانیوں کی طرف سے ایک بندوق سر ہُوئی۔ بندوق کے چلنے کی آواز سُنتے ہی مولانا کے تمام ہندوستانی رفیقوں نے اپنی اپنی قرابینوں اور چقماقوں کے پائے چڑھا لیے۔ یہ دیکھ کر سُلطان مُحمّد خاں کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ دونوں ہاتھ مولانا کے زانو پر رکھ کر کہنے لگا کہ "خَیر است، خَیر است"، خیریت ہے، خیریت ہے۔ مولانا نے کسی اضطراب اور اپنی نشست میں تغیّر کے بغیر فرمایا کہ ہاں، مجھے معلوم ہے، خیریت ہے، لیکن آپ بھی خوف نہ کیجیے، اس لیے کہ ہماری طرف سے قرابینوں اور بندوقوں کو احتیاطاً تیار کر لیا گیا ہے۔ دُرّانی یہ منظر دیکھ کر پیچھے ہٹ گئے اور ایک تحیّر اور سنّاٹے میں آگئے، جس کی بندوق چلی تھی، وہ اپنے گروہ میں رَل مِل گیا۔ ارباب فیض اللہ خاں نے للکار کر کہا کہ اے بیوقوفو، اگر تم میں سے کسی نے اس طرف کا رُخ کیا، تو یہ ہندوستانی کسی کو چھوڑیں گے نہیں۔ سردار کے ہمراہیوں نے اپنے سر سے الزام دُور کرنے کے لیے اُس شخص کو، جس سے یہ خطا ہُوئی تھی، ارباب کے سامنے حاضر کیا۔ ارباب نے بندوق چلنے کا سبب پُوچھا۔ اس پر خوف سے کپکپی طاری تھی اور بے حواس ہو رہا تھا۔ بولا کہ نادانستگی میں میری بندوق کی چانپ چڑھی ہُوئی تھی اور میری

انگلی لمبلی پتھی، پیچھے سے دھکا لگنے کی وجہ سے بے خبری میں بندوق چل گئی۔ ارباب نے پوری بات سردار سُلطان مُحمّد خاں سے نقل کر دی۔ وہ سُن کر خاموش ہو گیا۔ اسی وقت سُلطان مُحمّد خاں رُخصت ہو کر گڑھی میں آیا اور مولانا باغ میں تشریف لائے۔ ارباب نے عرض کیا کہ ماحضر تیار ہے۔ مولانا نے فرمایا کہ سردار اور اس کے ساتھیوں کو کھلا دیجیے۔ میں پشاور جاتا ہوں۔ ارباب نے عرض کیا کہ آپ کو اختیار ہے۔ اگر تشریف لے جاتے ہیں، تو کھانا وہیں پہنچ جائے گا۔

ایک تہائی رات گزری تھی کہ مولانا اپنی جماعت کے ساتھ سرائے پشاور کی مسجد میں نماز پڑھ کر استراحت کے لیے تشریف لے گئے۔ ارباب کا بھیجا ہُوا کھانا، جو حلوائے فواکہ کی شکل میں تھا، پہنچا۔ مولانا نے سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ مُلاقات کی رُوداد تو کل گوش گزار کروں گا لیکن ارباب کا بھیجا ہُوا کھانا آیا ہے، اس کے مُتعلق کیا ارشاد ہے؟ فرمایا کہ خود نوش فرمائیں اور اپنے ساتھیوں کو، جو ساتھ گئے تھے، کھلا دیں۔

مولانا مُحمّد اسمٰعیل صاحب کی دُوسری مُلاقات رات کو سیّد صاحبؒ نے مولانا مُحمّد اسمٰعیل صاحب سے تنہائی میں باتیں کیں۔ صُبح کو مولانا نے ساتھیوں سے کہلا بھیجا کہ کھانا کھا کر سب لوگ کمر باندھ کر اور تیار ہو کر آجائیں۔ ہزار خانی میں آپ اُسی باغ میں اُترے، جہاں پہلی مُلاقات ہُوئی تھی۔ آپ نے ظہر کی نماز وہیں پڑھی اور عصر کی نماز بھی وہیں پڑھی اور سُلطان مُحمّد خاں کا انتظار کرتے رہے۔ عصر کے بعد سردارِ موصُوف کی سواری آئی۔ گڑھی کے دروازے پر پہلی مُلاقات کی جگہ فرش پر دونوں کی مُلاقات ہُوئی اور دونوں وہیں پر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے۔ دونوں طرف کے لوگ فرش کے کنارے پر کھڑے تھے۔ اس روز سردارِ ممدوح نے بالشافہ اپنے عہد و پیمان کی وہ باتیں کیں، جو ارباب فیض اللہ خاں نے سردارِ ممدوح کی طرف سے وکالۃً سیّد صاحبؒ سے کی تھیں۔ اس کے بعد یہ بھی کہا کہ مجھ سے اور آپ سے دو مُلاقاتیں ہُوئیں، اب سیّد بادشاہ کی مُلاقات باقی رہی۔ سو جس روز جس وقت سیّد بادشاہ مُلاقات کے واسطے یاد کریں، مَیں حاضر ہُوں۔

مغرب کے قریب تک مولانا اور سردارِ موصوف میں باتیں ہوتی رہیں۔ اس کے بعد ارباب

فیض اللہ خاں نے تنہائی میں مولانا سے کچھ باتیں کیں۔ پھر آپ اپنی قیامگاہ پہ آئے اور سیّد صاحبؒ سے سب حال بیان کیا اور یہ بھی کہا کہ سردارِ ممدوح نے کہا کہ ہماری اور تمھاری تو دو مُلاقاتیں ہو چُکیں، اب سیّد بادشاہ سے مُلاقات کرنی ہے اور یہ انھیں کی رائے پر ہے جس روز مجھ کو یاد فرمائیں مَیں حاضر ہُوں۔ آپ نے فرمایا کہ خیر، جس طرح آپ سب صاحبوں کی صلاح ہوگی، اس طرح دیکھا جائے گا۔

شہر میں وعظ و اصلاح | پشاور میں تین جُمعے پڑھنے کا اتّفاق ہُوا۔ تین جُمعوں کو مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی نے جہاد کا وعظ کہا۔ وُہ لوگوں کو فارسی میں بھی سمجھاتے تھے اور اُردُو میں بھی۔ اُن کے وعظ میں ایسی رقّت تھی کہ اکثر آدمی زار زار روتے تھے۔

حافظ عبداللّطیف صاحب نے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت کو اس مُلک پر فتحیاب کیا ہے۔ شہر اور جوارِ شہر کے لیے دینی احتساب اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔ فرمایا کہ آپ اور خضر خاں قندھاری اپنے ہمراہیوں کے ساتھ شہر کی تمام مساجد کا دَورہ کرو اور نماز کی تاکید کرو۔ جس کو تارک الصّلوٰۃ پاؤ، اس کی تادیب اور گوشمالی کی تم کو اجازت ہے۔ اہلِ فسق و معاصی تمھارے ڈر سے اور احتساب کے خوف سے رُوپوش ہو جائیں گے۔

حافظ صاحب نے خضر خاں اور دُوسرے ساتھیوں کے ساتھ شہر کا گشت کیا اور نماز اور جماعت کے التزام کی تاکید کی۔[1]

سیّد صاحبؒ اور سردار سلطان محمّد خاں کی مُلاقات | ارباب فیض اللہ خاں سردار سُلطان محمّد خاں کا پیغام پھر لائے کہ مُلاقات کے لیے دن مقرر کر دیا جائے۔ آپ نے اپنے مشیروں کو جمع کر کے فرمایا کہ سردار صاحب نے مُلاقات کا دن دریافت کیا ہے، سو کس قدر آدمیوں کے ساتھ اور کس مقام پر اور کب بُلائیں؟ ان اہلِ شُوریٰ نے لشکر کے سب افسروں اور سمہ کے سب خوانین کو جمع کر کے مشورہ کیا۔ آخر میں مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب کی تجویز پر سب کا اتّفاق ہُوا کہ اُن کو کہلا بھیجا جائے کہ اپنے تمام

---

[1] منظورہ ص ۹۱۷، ۹۱۸

سواروں و پیادوں کے ساتھ تم آؤ اور یوں ہی ادھر سے ہم اپنے تمام لشکر کے ساتھ آتے ہیں پھر دونوں کو اختیار رہے، جتنی جمعیت سے چاہیں، وُہ آئیں اور جتنی جمعیت سے یہ چاہیں، جائیں۔ اس میں نہ اُن کو ہماری طرف سے کچھ شُبہ ہوگا، نہ ہماری طرف سے اُن کو۔ اِس لیے ہر کوئی جانے گا کہ جو کچھ معاملہ ہوگا، وُہ ہمارے سامنے ہوگا۔

مُلاقات کے لیے ہزار خانی کا مَیدان سردار سُلطان مُحمّد خاں کی طرف سے تجویز ہُوا۔ دو دن پہلے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب ارباب بہرام خاں دو ڈھائی سَو آدمیوں کے ساتھ ملاقات کے میدان کو دیکھنے تشریف لے گئے اور اچھی طرح اس کا گشت کر کے اُس کا نشیب و فراز دیکھا۔ اگلے روز سیّد صاحبؒ نے تمام لشکر میں کہلا بھیجا کہ سب بھائی اپنے ساز و سامان سے تیار رہیں، کل سویرے ہمارے ساتھ سردار سلطان مُحمّد خاں کی مُلاقات کو چلنا ہوگا۔ خوانینِ سمہ کو بھی اس کی اِطّلاع کر دی گئی۔ ارباب جمعہ خاں کو آپ نے بُلا کر بتاکید فرمایا کہ کل سویرے ہم تو سردار سُلطان مُحمّد خاں کی مُلاقات کو جائیں گے، تم بدستورِ سابق اپنے لوگوں کے ساتھ خوب ہوشیاری اور خبرداری سے شہر کا بندوبست رکھنا۔

دُوسرے روز لشکر کے غازی لوگ کمر باندھ، ہتھیار لگا مَیدان میں جمع ہو کر آپ کا اِنتظار کرنے لگے۔ کچھ دیر میں آپ وضو کر کے پوشاک پہن کر اور ہتھیار لگا کر حویلی سے باہر نکلے۔ سرائے کی مسجد میں دو رکعت نفل پڑھی۔ آپ کو دیکھ کر اور بھی بہت صاحبوں نے نفل کا دوگانہ پڑھا۔ پھر سربرہنہ کھڑے ہو کر بڑے الحاح و زاری کے ساتھ دُعا کی۔ تمام حاضرین پر ایک وجد کی سی حالت طاری تھی۔

دُعا کے بعد آپ گھوڑے پر سوار ہو کر تشریف لے چلے۔ پشاور کے باہر گورستان کے پاس (جہاں آخوند دَرویزہ بابا کا مزار ہے) کچھ دُور آگے بڑھ کر گورستان کو پُشت دے کر کھڑے ہُوئے۔ وہیں تمام لشکر صف آرا ہُوا۔ پشاور کے ہزاروں وضیع و شریف تماشا دیکھنے کو آئے تھے۔ آدمیوں کی کثرت سے مَیدان میں آدمیوں کے سوا کچھ نظر نہیں آتا تھا۔ آپ نے ظہر کی نماز وہیں پڑھی۔ سردار سُلطان مُحمّد خاں اپنی تمام جمعیت کے ساتھ آیا اور موضع ہزار خانی کی طرف پُشت کر کے کھڑا ہُوا۔

کچھ دیر کے بعد سردارِ ممدُوح پندرہ بیس آدمیوں کو ہمراہ لے کر اس طرف سے چلا اور اسی قدر

غازیوں کو لے کر سیّد صاحب آگے بڑھے۔ سردارِ موصوف نے پہلے ہی ایک جگہ اس مَیدان میں زین پوش بچھوا رکھا تھا۔ جب اُس کے اور سیّد صاحبؒ کے درمیان سَو، سوا سَو قدم کا فاصلہ باقی رہا، تب آپ نے سب ہمراہیوں کو وہاں ٹھیرا دیا۔ وُہ سب وہیں کھڑے رہے۔ آپ گھوڑے سے اُتر کر پیادہ پا صرف مولانا مُحمد اسمٰعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں کو ہمراہ لے کر آگے چلے۔ اُس وقت مولانا ممدوح کمر میں فقط تلوار لگائے ہُوئے تھے اور ارباب بہرام خاں کی کمر میں تلوار اور ہاتھ میں شیر بچہ تھا۔ آپ کو دیکھ کر سردارِ ممدُوح نے بھی اپنے ہمراہیوں کو روک دِیا۔ وہ بھی وہیں کھڑے رہے۔ فقط ارباب فیض اللہ خاں اور ایک شخص مُراد علی کو اپنے ساتھ لے کر چلا اور سیّد صاحبؒ سے السلام علیکم کر کے مِلا اور مصافحہ کیا۔ پھر مولانا صاحب اور ارباب بہرام خاں سے مصافحہ کیا۔ سیّد صاحبؒ اور مولانا اسمٰعیل صاحب زین پوش پر بیٹھے اور ارباب بہرام خاں سیّد صاحبؒ کی پُشت پر کھڑے ہُوئے اور ادھر ارباب فیض اللہ خاں اور مُراد علی سردار سُلطان محمد خاں کے پیچھے کھڑے ہُوئے۔

مولانا مُحمد اسمٰعیل صاحب کی احتیاط | مولانا مُحمد اسمٰعیل صاحب نے پہلے رجب خاں پٹیٹ اور سلو خاں بھکیت کو جو قوی ہیکل اور چُست و چالاک آدمی تھے، کہلا بھیجا تھا کہ مُلاقات کے وقت تم دونوں صاحب سیّد صاحبؒ کے پاس پہنچ جانا۔ اگر سیّد صاحبؒ منع بھی کریں، تب بھی نہ ماننا۔ وہ دونوں باوجُود سیّد صاحبؒ کے ہاتھ سے منع کرنے کے بیس پچیس قدم کے فاصلے پر کھڑے ہو گئے۔ جس مَیدان میں آپ بیٹھے گفتگو کر رہے تھے، وہاں سے جنوب کی طرف سَو قدم پر ایک جوار کا کھیت تھا۔ اُس میں سردار سلطان مُحمد خاں نے پہلے سے چالیس پچاس سپاہی مسلح بٹھا رکھے تھے۔ مُجاہدین کو یہ حال معلوم نہ تھا۔ اتفاقاً اُن کی ایک جماعت کھیت کے قریب گئی، تو دیکھا کہ کچھ لوگ کھیت میں مسلح چھُپے بیٹھے ہیں۔ یہ غازی اُن کی پُشت پر کھڑے ہو گئے کہ مبادا کچھ دغا فریب ہو، تو پہلے ہم اُن کو سمجھ لیں۔ مگر خدا کے فضل و کرم سے کوئی بات نہیں ہونے پائی۔

سیّد صاحبؒ کی سردار سلطان مُحمد خاں سے گفتگو | سیّد صاحبؒ نے کابل سے مایار کی جنگ تک جنگ کی ساری سرگزشت سردار سلطان مُحمد خاں اور اُن کے بھائیوں کے سبیت کہنے اور جہاد و رفاقت

کے عہد و پیمان، پھر بار بار عہد شکنی اور چڑھائی کرنے اور کفّار کا ساتھ دینے کا سب حال بیان کیا اور فرمایا کہ اب تک تمھارے بھائی اور تمھاری بغاوت کا سبب معلوم نہ ہُوا کہ کیا ہے؟

ہندوستانی محضر | سردار سُلطان مُحمّد خاں نے بہت کچھ معذرت کی اور اپنی خطاؤں کا اقرار کیا اور کہا کہ ہماری نافرمانی اور بغاوت کا سبب یہ ہے۔ یہ کہہ کر ایک لپٹا ہُوا کاغذ اپنے خریطے سے نکال کر آپ کے سامنے رکھ دیا۔ آپ نے اُس کو کھول کر دیکھا، تو وُہ ایک بڑا سا محضر تھا جس پر ہندوستان کے بہت سے عُلماء اور پیرزادوں کی مُہریں لگی ہُوئی تھیں۔ خُلاصۂ مضمُون یہ تھا کہ تم سرداروں اُور خوانین کو اِطّلاعاً لکھا جاتا ہے کہ سیّد احمد نامی ایک آدمی چند علماے ہند کو مُتّفق کرکے اس قدر جمعیّت کے ساتھ تمھارے مُلک میں گئے ہیں۔ وہ بظاہر جہاد فی سبیل اللہ کا دعوٰی کرتے ہیں، یہ صرف اُن کا مکر و فریب ہے۔ وہ ہمارے اور تمھارے دین و مذہب کے مخالف ہیں۔ اُنھوں نے ایک نیا دِین و مذہب نکالا ہے۔ وہ کسی ولی بزرگ کو نہیں مانتے، سب کو بُرا کہتے ہیں۔ وُہ انگریزوں کے بھیجے ہُوئے تمھارے مُلک کا حال معلوم کرنے گئے ہیں۔ تم کسی طرح اُن کے وعظ و نصیحت کے دام میں نہ آنا۔ عجب نہیں کہ تمھارا مُلک چھنوا دیں۔ جس طرح تم سے ہو سکے، اُن کو تباہ کرو اور اپنے مُلک میں جگہ نہ دو۔ اگر اس معاملے میں سستی اور غفلت سے کام لوگے، تو پچھتانا پڑے گا اور ندامت کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

دُنیادار عُلماء و مشائخ کی مُخالفت کی وجہ | سیّد صاحبؒ یہ مضمُون پڑھ کر عالمِ حیرت میں رہ گئے۔ آپ نے سردارِ موصُوف سے فرمایا کہ ہندوستان میں دُنیادار عُلماء اور مشائخ پیر پرستی اور قبر پرستی میں گرفتار ہیں۔ اِسی کو اپنا دین و آئین جانتے ہیں۔ حلال و حرام میں امتیاز نہیں رکھتے اور یہی اُن کا ذریعۂ معاش ہے۔ ہمارے وعظ و نصائح سے اللہ تعالیٰ نے وہاں لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کی۔ وہ پکّے مُوحّد اور مُتّبعِ سُنّت ہو گئے۔ اس کی وجہ سے اُن دُنیادار عالموں، پیروں کے شرک کا بازار سرد ہو گیا اور اہلِ حق کی نگاہوں سے وہ گر گئے اور جب اُن سے کچھ نہ ہو سکا تب انھوں نے ہم پر یہ بُہتان و اِفترا کیا اور آپ کے پاس بھیجا۔ مگر آپ سے بڑی غلطی ہُوئی، جو اب تک اس امر کی

اطلاع ہم کو نہ کی اور اپنا دین و دُنیا کا نقصان کیا، ورنہ یہ شک و شُبہہ ہم آپ کے دل سے پہلے ہی دُور کر دیتے۔ اس میں بھی خدا کی کوئی مصلحت ہوگی۔

بدخواہوں کے ساتھ خیر خواہی | آپ نے وُہ محضر لپیٹ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھیے گا، ہرگز کو نہ دِکھلائیے گا اور نہ بیان کیجیے گا، اس لیے کہ لشکر میں ہمارے اکثر غازیوں کا ایسا حال ہے کہ یہ بُہتان و افترا سُن کر اگر اُن بدخواہوں کے حق میں بددُعا کر دیں تو عجب نہیں کہ فوراً اُن لوگوں کو نقصان پہنچ جائے۔ ہمارے دل میں یہ ہے کہ اگر کبھی اللہ تعالیٰ ہم کو اُن سے ملائے، تو ہم اُن کے ساتھ نیکی اور احسان کے سوا کچھ نہ کریں۔

عالی ہمتی اور دریا دِلی | پھر آپ نے سردارِ موصوف سے فرمایا کہ خان بھائی، تم نے جو ارباب فیض اللہ خاں کی زبانی چالیس ہزار روپے خرچ کے واسطے دینے کا وعدہ کیا تھا، تو اب اِس کی فکر نہ کیجیے گا۔ ہم نے آپ کو معاف کیے، کیونکہ ہمارے پروردگار کے یہاں کسی بات کی کچھ کمی نہیں ہے۔ آپ ہمارے بھائی ہیں۔ آپ سے کسی طرح کا جُرمانہ یا تاوان لینا ہم کو منظور نہیں ہے۔ یہ بات کہہ کر آپ اُٹھ کھڑے ہوئے اور سردارِ موصوف بھی اپنے لشکر کو گئے اور دونوں لشکر اپنی اپنی جگہ آ گئے۔

قاضی کا تقرر | سردار سلطان محمد خاں نے ایک درخواست کی کہ سیّد صاحبؒ اپنا ایک قاضی پشاور میں مقرر کر دیں، جو شرعِ شریف کے موافق لوگوں کا فیصلہ کرے اور جمعہ کو وعظ بھی کہے۔ ہم لوگ اُن کی فرمانبرداری کریں گے اور اُن کے وعظ و نصیحت سے لوگوں کو ہدایت ہوگی۔ آپ نے مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کو تجویز کیا۔ دس بارہ غازی آپ نے اُن کے ہمراہ کیے اور اُن کا ہاتھ ارباب فیض اللہ خاں کے ہاتھ میں دے کر فرمایا کہ تمہارے سردار کی خواہش کے مطابق ہم اُن کو قاضی کر کے چھوڑے جاتے ہیں۔

بتیسواں باب

پنجتار کو واپسی

روانگی پشاور سے روانہ ہو کر ہزارخانی میں ارباب فیض اللہ خاں کی مہمانی قبول کر کے چمکنی، ہشت نگر، مردان ہوتے ہوئے امان زئی کی گڑھی میں قیام فرمایا۔ وہاں کے خوانین آپ کی آمد کی خبر سُن کر حاضر ہوئے۔ آپ نے اُن کی بیوفائی اور بدعہدی کی شکایت اور ملامت کی۔ اُنھوں نے بڑے عُذر و معذرت کے بعد دوبارہ وعدہ کیا اور عُشر دینا قبول کر لیا۔

اہلِ سوات کی شوخ چشمی گڑھی امان زئی میں میر عالم خاں باجوڑی کی طرف سے ایک قاصد قاضی نام چند آدمیوں کے ساتھ حاضر ہوئے اور یہ پیغام لائے کہ ہم کو پشاور کی فتح سے بڑی مسرت ہوئی، سُنّت (جہاد) کے اجرا سے ہم نہایت مسرور و شادماں ہیں۔ اگر آپ ہمارے علاقے کو اپنے قدوم سے مشرّف فرمائیں، تو ہم سب بھی احکامِ شریعت کو قبول کریں گے اور سُنّتوں کا اجرا کریں گے۔

آپ نے یہ سُن کر اہلِ شوریٰ سے مشورہ فرمایا۔ سب کی رائے یہ ہوئی کہ آپ خود تو پنجتار تشریف لے جائیں اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو سَو آدمیوں کے ساتھ باجوڑ روانہ فرمائیں۔ چنانچہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب لشکر کے سَو چیدہ چیدہ آدمیوں کے ساتھ روانہ ہوئے۔ امان زئی سے چل کر بزگڑھی ٹھیرتے ہوئے لُونڈ خوڑ قیام فرمایا۔ وہاں چند روز قیام رہا اور عُشر کے تحصیل وصُول کا انتظام فرمایا۔

کاٹ لنگ والوں نے بھی اس انتظام کو قبول کیا۔ لُوندخُوڑ سے آپ سوات کی طرف روانہ ہُوئے۔ پہاڑ کی چوٹی پر پہنچے، تو مُلّا کلیم، مُلّا سید عمران خار سے آئے اور بیان کیا کہ موضع لوندخُوڑ میں آپ کے قیام کی اطّلاع اہلِ سوات کو ہوگئی۔ باجُوڑ اور سوات کی طرف آپ کے توجّہ کرنے سے اس علاقے کے خوانین تردُّد میں پڑ گئے کہ آپ یہاں تشریف لاکر شریعت جاری کریں گے۔ اُنھوں نے اپنے جاسُوس خبر رسانی کے لیے متعیّن کر دیے تھے۔ جب لُوندخُوڑ سے آپ کی روانگی کی اطّلاع ملی، تو وُہ سب مقام ڈیری میں جمع ہوگئے اَور وُہ باجُوڑ جانے سے آپ کو روکنے پر کمربستہ ہیں۔ اس پر ہمارے پُورے دیار کا اتّفاق ہوگیا ہے۔ اِس پر جرگہ ہوچکا ہے کہ کون لوگ کس درے پر بندوقیں لے کر بیٹھیں گے اور کون لوگ کِس مقام کی ناکہ بندی کریں گے۔ اِس لیے جنگ کے بغیر باجُوڑ جانا ناممکن ہے۔

مولانا نے مشورہ دریافت فرمایا کہ اب طریقِ کار کیا ہے؟ مُلّا کلیم نے کہا کہ خار تک تو جانا ضروری ہے تاکہ دوستی و دشمنی کا اندازہ ہو جائے اور چُونکہ وہ سب آپ کے ملاقاتی ہیں، کیا عجب ہے کہ آپ کو دیکھ کر اُن کو لحاظ و مروّت آئے اور وُہ مزاحمت نہ کریں، لیکن اس میں عجلت کی ضرورت ہے۔

مولانا نے اپنے لشکر کے ساتھ تیزی سے کُوچ کیا اور خار میں داخل ہُوئے۔ وہاں تمام خوانین نے خار کے دونوں جانب حِصار قائم کر لیا اور باجوڑ کا راستہ بالکل روک دِیا۔ مولانا نے مسجد میں قیام فرمایا اُور تجاہلِ عارفانہ برت کر دریافت کیا کہ یہ لشکرِ عظیم آخر کس ضرورت کے لیے جمع ہُوا ہے؟ آپ نے ہر ایک سے پوچھا کہ آخر ہم سے کیا قصور ہُوا ہے کہ ہمارے لیے یہ مجمع اکٹھا ہُوا ہے؟ لوگ ایک دُوسرے پر ٹالتے تھے۔ آخر عنایت اللہ خاں پر یہ سلسلہ ختم ہُوا۔ آپ نے اس سے دریافت کروایا اور کہا کہ ہمارے تمھارے درمیان زمانۂ سابق میں محبّت و تعلقات تھے اور ہم ایک عرصے تک اِس جوار میں رہے ہیں۔ ہم سے ابھی تک کوئی ایسا فعل نہیں ہُوا، جو محبّت و مروّت کے خلاف ہو۔

عنایت اللہ خاں نے جواب دیا کہ آپ میر عالم خاں کی طلبی پر باجُوڑ جا رہے ہیں۔ جب آپ اور میر عالم خاں باہم متّفق ہو جائیں گے، تو پھر ہمارے اُوپر بھی احکامِ شرعی جاری کریں گے۔ ان احکام کا قبول کرنا اور اُن پر عمل کرنا ہمارے اُوپر شاق ہے، اِس لیے ہم آپ کو وہاں جانے نہیں دینا چاہتے۔

آپ نے فرمایا کہ تم خدا کے فضل سے مسلمان اور مسلمانوں کی اولاد ہو۔ تمھیں دینی محبّت کی بنا پر احکامِ شرعیہ کے اِجراء سے خوش ہونا چاہیے اور اس کو غنیمت سمجھنا چاہیے۔ یہ کیا اِسلام اور دِینداری ہے کہ تم احکامِ شرعی سے بیزاری کا اظہار کرتے ہو؟ ہاں، اگر ہم سے اجراءِ احکام میں کچھ افراط و تفریط سرزد ہو، تو اپنے مقامی عُلماء سے دریافت کر کے کتابُ اللہ و سُنّتِ رسُول اللہؐ کی رُو سے ہماری اِصلاح کرو۔

اِس کے جواب میں اُن لوگوں نے کہا کہ تم کتاب و سُنّت سے بال برابر بھی زائد عمل نہیں کرتے۔ قُرآن و سُنّت اور عُلماء سب تمھاری طرف ہیں، لیکن دینی احکام، جو کتاب و سُنّت سے ثابت ہیں، ہمارے اُوپر شاقّ اَور بار ہیں۔ اِس لیے ہم تمھیں باجوڑ جانے سے مانع ہیں اور ہم کسی طرح تم کو جانے نہ دیں گے اور اس سلسلے میں ہم جنگ تک کے لیے تیار ہیں۔ پھر جو فیصلہ ہو۔ اگر ہم غالب آئے، تو ہم اپنے رُسُومِ افغانی پر قائم رہیں گے؛ اگر تم غالب آئے اور تمھارا عمل دخل اِس مُلک میں ہُوا، تو ہم اس مُلک کو چھوڑ کر کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے تاکہ وہاں اطمینان سے اپنے باپ دادا کے طریقے پر عمل کر سکیں۔

مولانا نے جب یہ تقریر سُنی، تو فرمایا کہ ہم نے ایسے کلمہ گو، جو شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ کا مِصداق ہوں، ابھی تک نہیں دیکھے تھے۔ ہم کو آج معلوم ہُوا کہ تم ایسے کلمہ گو ہو کہ احکامِ شرعیہ کا اِنکار کر کے بھی تم کو ایمان کے سلب ہو جانے کا اندیشہ نہیں۔ ہم مجبُور ہیں کہ امیر المومنین نے ہم کو تم سے جنگ کرنے کی اجازت نہیں دی اور تم کو معلوم ہے کہ ہم بغیر اُن کے حُکم کے کوئی کام نہیں کر سکتے، ورنہ تمھاری اس پوری جمعیّت کو دس قراینوں کی باڑھ سے هَبَآءً مَّنْثُوْرًا کر دیتے۔

قریب کے ایک گاؤں کے لوگوں کا پیغام آیا کہ اگر مولانا یہاں تشریف لے آئیں، تو ہم باجوڑ پہنچا دیں گے، مگر مولانا نے فرمایا کہ اس میں ایک قباحت تو یہ ہے کہ قدم قدم پر جنگ ہو گی۔ سیّد صاحبؒ نے جنگ کی اجازت نہیں دی اور غازی بھی کم ہیں۔ پھر اگر باجوڑ پہنچ بھی گئے، تو سیّد صاحبؒ سے اور اپنے مرکز سے بالکل منقطع ہو جائیں گے اور لشکرِ اسلام دو جگہوں میں منقسم ہو جائے گا۔ نہ ہماری خبر سیّد صاحبؒ

تک پہنچ پائے گی، نہ وہاں کی خبر یہاں آئے گی۔ آخر یہ طے ہوا کہ واپسی مناسب ہے اور تیاری شروع ہوگئی۔

جب تیاری شروع ہوئی اور واپسی کا ارادہ مصمم ہوا، تو اہلِ خار نے کہا کہ آج کی رات ضیافت کھائے بغیر ہم آپ کو جانے نہ دیں گے۔ مجاہدین نے کہا کہ جب آپ لوگوں کو احکامِ شرعی کا قبول کرنا گوارا نہیں اور صاف انکار ہے اور آپ اس بے مروتی سے پیش آئے، تو اب ضیافت کی کیا ضرورت ہے؟ ان میں سے بعض لوگوں نے کہا کہ ہم اس گروہ میں شامل نہیں، البتہ ان کی مخالفت کرنے کی بھی طاقت نہیں۔ بالآخر رات اُن کی مہمانی قبول کر کے صبح وہاں سے کوچ کیا۔ رات بھر اہلِ سوات نے غل وغول پہرہ دیا کہ کہیں یہ لوگ نظر بچا کر باجوڑ نہ چلے جائیں۔

ایک جاہلی رسم کی اصلاح | احمد خاں کاکا نے سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہمارے اِس مُلک میں یہ رسم ہے کہ اپنی حیثیت کے مطابق لڑکے والوں سے زرِ نقد لیے بغیر کوئی اپنی بیٹی کا نکاح کسی کے بیٹے کے ساتھ نہیں کرتا۔ کوئی لڑکے والے سے سَو روپے، کوئی چار پانسَو، کوئی ہزار لیتا ہے۔ لڑکے والے غریب روپے کی تلاش میں حیران سرگردان رہتے ہیں۔ اُن کی بیٹیاں بیچاری بیٹھی رہتی ہیں اور نکاح نہیں ہوتا۔ اس بستی کی عورتیں آپ سے داد خواہ اور انصاف طلب ہیں۔ وہ کہتی ہیں کہ سیّد بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے ہمارا امام بنایا ہے۔ وُہ خُدا کے لیے ہماری بیٹیوں کا انتظام کریں اور ہم کو عذاب سے نجات دیں۔

یہ سُن کر سیّد صاحبؒ بڑی دیر تک عالمِ سُکوت میں رہے۔ اس کے بعد فرمایا کہ تم نے بہت اچھا کیا، جو ہم سے کہا۔ انشاء اللہ تعالیٰ ہم ضرور اس کا تدارک کریں گے۔ تم خاطر جمع رکھو اور یہ بہت ہی بُری رسم تمھارے مُلک میں ہے، اللہ تعالیٰ تم لوگوں سے اس کو چھڑا دے اور تم سب لوگوں کو پُورا پُورا مسلمان اور متبعِ سُنت بنا دے!

سیّد صاحبؒ نے اُسی دن یا اُس کے اگلے دن بستی کے سب لوگوں کو بُلوایا اور نرمی کے ساتھ وعظ و نصیحت فرمائی اور نکاح کی ضرورت و فضیلت اور اِس رسم کی قباحت بیان کی اور فرمایا

کہ تم سب صاحبوں نے میرے ہاتھ پر بیعتِ ہدایت اور بیعتِ امامت کی ہے اور شریعت کے تمام احکام قبول کیے ہیں اور ہر ایک گناہ اور بُرے کام سے توبہ کی ہے، تو خدا و رسُولؐ کا حکم جان کر اس گناہ سے بھی توبہ کرو اور دستورِ شریعت کے موافق برضا و رغبت اپنی بیٹیوں کا اپنی برادری میں نکاح کر دو، اور یہ خدا اور رسُولؐ کے حکم کے خلاف روپیہ لینے کا دستور ترک کر دو۔ اگر تم نہ مانوگے، تو اپنے حق میں بہت بُرا کروگے۔

آپ کی یہ تقریر سُن کر سب نے جاہلیت کی اس رسم سے طوعاً و کرہاً توبہ کی اور اپنی بیٹیوں کے نکاح کر دینے کا اقرار کیا۔

لڑکیوں کی رخصتی | جن لڑکیوں کا نکاح ہو جایا کرتا تھا، وُہ بھی اس انتظار میں کہ بٹھانوں کی رسُوم کے مطابق رخصتی کا سامان ہو، برسوں بیٹھی رہتی تھیں، یہاں تک کہ بعض سن رسیدہ ہو جاتیں اور اس سے بہت سی قباحتیں پیدا ہوتیں۔ منظورہ میں ہے کہ اسی زمانے میں تاکید ہوئی کہ جن لوگوں نے اپنی لڑکیوں کا نکاح کر دیا ہے اور وُہ سنِ بلوغ کو پہنچ چکی ہیں، اُن کو اُن کے شوہروں کے گھر رخصت کیا جائے۔ حکم جاری ہُوا کہ جن بالغ لڑکیوں کو نکاح کے باوجُود اُن کے شوہروں کے گھر رُخصت نہیں کیا جاتا، اُن کی اطلاع کی جائے۔ اس کے لیے کارندے مقرر ہُوئے کہ جو والدین یا سرپرست ان جوان لڑکیوں کو رُخصت نہیں کرتے، اُن سے بزورِ حکومت رخصتی کرائی جائے اور اُن کے شوہروں کے حوالے کیا جائے۔ حافظ عبداللطیف صاحب اور خضر خاں کابلی اپنی جماعت کے ساتھ اس خدمت پر مامُور ہُوئے۔ دیہاتوں میں شوہروں کے اظہار و بیان کے مطابق اِن لڑکیوں کو رُخصت کرایا گیا اس کی عملی صُورت یہ تھی کہ جب شوہر حاکمِ (شرعی) کے یہاں نالش کرتا کہ فلاں دیہات یا موضع میں میری منکوحہ بالغہ ہے اور اس کو رخصت نہیں کیا جاتا، تو لڑکی کے باپ کو دُوسرے اولیاء (شرعی) کے ساتھ طلب کیا جاتا اور اُس کو فہمائش بلیغ کی جاتی کہ اپنی لڑکی کو رخصت کرے۔ اگر وہ قبول کرتا، تو ایک دن اُس کے لیے مُعیّن کر لیتا، ورنہ حاکم کی طرف سے ایک دن اُس کے لیے معیّن ہو جاتا اس روز اس کا شوہر حافظ عبداللطیف یا خضر خاں کو اپنے ساتھ لے جا کر اپنی بیوی کو رُخصت کرا لاتا۔[1]

---

[1] منظورہ صـ ۲۳۶

قاضیوں کی شکایت موضع ڈاگئی میں مولوی خیرالدین صاحب نے عرض کیا کہ چھترہائی سے آتے ہوئے جس بستی میں بھی مجھ کو اُترنے کا اتفاق ہُوا، وہاں کے لوگوں نے اپنے قاضی کی مجھ سے شکایت کی کہ وُہ ہم لوگوں پر بہت زیادتی اور تعدّی کرتے ہیں اور ہم سے ناحق ہماری استطاعت سے زیادہ تاوان و جرمانہ لیتے ہیں۔ آپ سیّد بادشاہ سے عرض کرکے ہمارے لیے کوئی سبیل نکالیں۔ اب آپ جیسا مناسب جانیں، فرمائیں۔ آپ نے فرمایا کہ انشاء اللہ پنجتار پہنچ کر ہم آپ کو قاضی القضاۃ مقرر کریں گے۔ آپ دَورہ کرکے اور حق و ناحق کی تحقیق کرکے فیصلہ کیجیے گا۔ مولوی صاحب نے کہا کہ مَیں اِس عہدے کی لیاقت و استعداد نہیں رکھتا۔ اس عہدے کے لیے کسی اور صاحب کو آپ مقرر فرمائیں۔ آپ نے ارشاد فرمایا کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ آپ میں اس کام کی بخوبی استعداد و لیاقت ہے۔ مولوی صاحب نے عرض کیا کہ دو کاموں کے متعلق آپ مجھے مجبور نہ فرمائیں؛ ایک عدالت کا کام، دُوسرا مالی کام۔ دونوں کاموں میں اکثر لوگوں کا قدم پھسل جاتا ہے۔ آپ مُسکرا کر خاموش ہو رہے۔

پنجتار میں پنجتار کے قریب آپ کی آمد کی خوشی میں سیکڑوں آدمی مرد و عورت آپ کی تعریف میں چار بیت کہتے، تنبل[1] بجاتے اور خوشی کرتے ہوئے اپنے اپنے غول بنا کر آئے اور آپ سے انعام طلب کیا۔ آپ نے ہر ایک کو انعام دِلوایا اور ہر ایک کو خوش کیا۔ آپ کی تشریف آوری کی خوشی میں پنجتار کے مجاہدین نے گیارہ فیر توپ کے سر کیے۔

آپ سواری سے اُتر کر مسجد میں تشریف لے گئے اور دو رکعت نفل پڑھی اور اکثر غازیوں نے دو دو نفلی رکعتیں پڑھیں۔ پھر آپ نے سربرہنہ ہو کر بہت دیر تک باآوازِ بلند دُعا کی اور سب نے آمین کہی۔ دُعا کے بعد آپ نے سب کو اجازت دی کہ اپنے اپنے ڈیرے پر جا کر اُتریں۔ آپ نے بھی اپنے ڈیرے پر قیام فرمایا۔

جُمعے میں سیّد صاحبؒ کا وعظ جُمعے کے دن مولوی احمداللہ صاحب میرٹھی نے خُطبہ پڑھا اور سیّد صاحبؒ نے نماز پڑھائی۔ نماز کے بعد آپ نے وعظ کہا۔ آپ نے فرمایا: بھائیو، اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم

[1] پشتو میں طبل کو تنبل کہتے ہیں۔

سے تم تھوڑے لوگوں کو کئی بار بڑے بڑے لشکروں پر غالب اور فتحیاب کیا اور تمہارے دل بڑھ گئے کہ ہم نے لڑائی جیتی۔ اس خیال پر مغرور نہ ہونا۔ اللہ سے ڈرو اور توبہ و استغفار کرو۔ بڑائی اور کبریائی اُسی قادرِ مطلق اور خداوندِ برحق کو سزاوار ہے۔ یہ محض اس کی مدد و عنایت تھی کہ ہم جیسے ناتوانوں کو اُس نے ایسے زور آوروں پر منصور و مظفر کیا جس طرح اُس کو غلبہ اور اقبال دیتے دیر نہیں لگتی، اُسی طرح چھینتے بھی دیر نہیں لگتی۔

چھین لینے کا لفظ آپ کی زبان سے سُن کر اکثر لوگوں کے دِلوں کو دھکّا سا لگا کہ اللہ خیر کرے کہ حضرت نے یہ کیا فرمایا۔ اُس وقت آپ کی بھی آنکھوں سے آنسو جاری تھے اور اکثر مجاہدین کے بھی۔ پھر آپ نے ننگے سر ہو کر کمال گریہ وزاری اور عجز و انکسار کے ساتھ دُعا کی۔ تمام لوگ آمین کہتے تھے اور روتے تھے۔

قاضی القضاۃ کا تقرر اس کے اگلے روز سیّد صاحبؒ نے مولوی رمضان صاحب سہارنپوری کو قاضی القُضاۃ کا عہدہ دیا اور چند غازیوں کے ساتھ موضع شیوہ کو رُخصت کیا اور لوہاری کے حمزہ علی خاں کو مع رسالہ، اور قصبہ پُھلپت کے شیخ ناصر الدین اور شیخ عبدالرحمٰن کو، جو نائب رسالدار تھے، نقارہ اور نشان اور شاہین خانہ دے کر موضع شیوہ کو رُخصت کیا اور رسالدار صاحب کو یہ اختیار دیا کہ اُس اطراف کی بستیوں میں جس قدر مناسب جانیں، اس قدر سوار متعیّن کر دیں کہ اپنی اپنی بستی کی بخوبی حفاظت کرتے رہیں اور کوئی رعایا پر کسی طرح کا ظُلم و زیادتی کرنے نہ پائے۔

سوات کے سرحدی علاقے میں احکامِ شرعی کا اِجرا موضع نُوندخوڑ اور کاٹ لنگ وغیرہ کے مَلک اور قاضی پنجتار آئے اور اُنھوں نے سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ ہم نے بھی آپ کی امامت قبول کی ہے، ہمارے ساتھ آپ کوئی مُعتمد عالِم اور مُدبّر روانہ فرمائیں، جو ہماری بستیوں میں شرعی احکام جاری کرے اور عُشر و زکوٰۃ و جزیہ کی تحصیل کرے۔

آپ نے اپنے مُعتمدین سے فرمایا کہ وہاں بھیجنے کے لیے کوئی شخص تجویز کرنا چاہیے۔ کسی صاحب نے عرض کیا کہ وُہ علاقہ مَلکِ سَمَہ سے جُدا ہے اور سوات کا مَلک وہاں سے قریب ہے۔ وہاں کے واسطے

کوئی مُدبّر، مُتحمّل اور احکامِ شرعی سے واقف آدمی چاہیے، جو وہاں کے لوگوں کو اپنی حکمتِ عملی سے قابُو میں لائے اور نرمی و آہستگی کے ساتھ اُن کو احکامِ شرعی کی تعلیم دے۔ تیز طبیعت آدمی سے وہاں کام نہ چل سکے گا، کیونکہ وہاں کے لوگ اطاعت و فرمانبرداری کے خوگر نہیں ہیں۔

آپ نے فرمایا کہ ایسا کون آدمی ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ وہاں کے واسطے مولوی خیر الدین صاحب مناسب ہیں۔ آپ نے اس کو بہت پسند فرمایا اور مولوی صاحب موصوف کو پچاس ہندوستانیوں اور تیس قندھاریوں کے ساتھ مع لعل محمد صاحب جمعدار ان ٹکیوں کے ساتھ رُخصت فرمایا۔

مولوی صاحب موضع لوندخوڑ میں داخل ہُوئے۔ لوندخوڑ بڑی بستی تھی۔ سو دُکان سے زیادہ فقط بقالوں کی تھیں اور چھ مِلک تھے۔ ہر ایک کا حجرہ جُدا تھا اور تمام رعایا اور بقال چھ جگہ میں برابر تقسیم تھے۔ پانچ چھ دن کے بعد مولوی صاحب نے وہاں کے سب مِلکوں کو جمع کر کے کہا کہ آپ مجھ کو جس کام کے لیے لائے ہیں، اس کام کا اِجرا کرنا چاہیے۔ مُناسب یُوں ہے کہ جن باتوں کا آپ سب حضرات امیر المومنین سے اقرار کر کے آئے ہیں اور مُلک سمہ میں بستی بستی اس کے اِجرا کے واسطے آدمی مُتعیّن ہُوئے ہیں، اب ان باتوں کے رواج دینے میں آپ سب سے سبقت لے جائیں۔ اس میں خُدا و رسُولؐ کے نزدیک بھی آپ کی نیکنامی اور سُرخروئی ہوگی اور حضرت امیر المومنین بھی آپ سے راضی ہوں گے اور رعایا پر بھی آپ کی حکومت بنی رہے گی۔ اگر مَیں نے رعایا میں سے ہر ایک کو خود بُلا کر اپنا حُکم اُس پر جاری کیا، تو رعایا تمھارے قبضے میں نہ رہے گی اور تم کو بھی ناگواری ہوگی اور پھر مجھ سے بھی ناخوش ہوگے۔ یہی بہتر ہے کہ جس آرزو اور خواہش سے آپ مجھ کو لائے ہیں، اسی طرح میرے اور آپ کے درمیان موافقت رہے۔ اب جس کام کو آپ لائے ہیں اور امیر المومنین نے بھیجا ہے، وُہ کام میں آپ سے چاہتا ہُوں۔

اُنھوں نے کہا: یہ بات آپ نے معقول کہی۔ ہماری سمجھ میں آئی۔ مگر رعایا لوگ ہمارا کہنا مان لیں گے، پٹھان لوگ نہیں مانیں گے۔ اِس کی کیا صُورت کرنی چاہیے؟

مولوی صاحب نے کہا: اگر آپ اپنے وعدے کے سچّے ہیں؛ تو جو جو کام میں کہوں، اُن کو آپ

پہلے اپنے گھروں میں جاری کریں؛ پھر جو نہ مانے گا، اس سے منوالوں گا۔ اُنھوں نے کہا: وُہ کیا باتیں ہیں؟ بیان کیجیے۔ مولوی صاحب نے کہا: آپ نماز روزہ تو کرتے ہی ہیں، اس میں کچھ تاکید کی حاجت نہیں۔ آپ لوگوں میں ایسے کم ہوں گے، جو نماز روزے کے خوگر نہ ہوں۔ اگر اس میں ان سے تاکید کی جائے گی، تو وُہ بھی بُرا نہ مانیں گے اور منظور کرلیں گے۔ اس لیے کہ آپ سردار ہیں، ایک بات تو یہ ہے کہ آپ اپنی زراعت سے پُورا پُورا عُشر دیجیے۔ دُوسری بات یہ ہے کہ زکوٰۃ دیجیے۔ اس مُلک میں اَور تو کسی مال پر زکوٰۃ معلوم نہیں ہوتی، مگر جو بکریاں چرانے اور بیچنے کا پیشہ رکھتے ہیں، اُن سے زکوٰۃ لینی چاہیے تیسرے ہندوؤں سے جزیہ۔ آپ کے اپنے اپنے علاقے میں جس قدر بقّال ہیں، تاکید اور کوشش کرکے ان سے جزیہ وصُول کیجیے۔ اس میں آپ کا بھی فائدہ ہوگا۔ اِس لیے کہ اگر جزیے کا پُورا پُورا روپیہ وصُول ہوجائے گا، تو چہارم حصّہ حق السّعی آپ کو ملے گا اور تین حصّے حضرت امیر المومنین کو ارسال کیے جائیں گے چوتھے اگرچہ بیوہ عورت کے نکاح کی تاکید کی چنداں ضرورت نہیں، اس لیے کہ یہ رسم اِس مُلک میں جاری ہے، مگر یہ رسم کہ تم اپنی کنواری بیٹیوں کا نکاح روپیہ لیے بغیر نہیں کرتے یہاں تک کہ وُہ جوانی سے بھی گزر جاتی ہیں، یہ رسم اگر ترک کرو، تو معلوم ہو کہ تم اپنے دعووں کے سچّے ہو۔ جس رسم کے چھوڑنے میں تم نقصان جانو، اُسے تم ترک نہ کرو اور جس کا نفع و نقصان برابر ہے، اُس کو چھوڑ دو، یہ کیا دِینداری اور احکامِ الٰہی قبول کرنے کا کیسا دعوٰی ہے؟

مولوی خیر الدین صاحب کی یہ تقریر سُن کر ایک ملک، جن کا نام صدر الدین تھا، بولا کہ اوّل میں اِس رسم کو اپنے گھر سے اٹھاتا ہُوں۔ میری ایک بیٹی کنواری ہے۔ تین روز کے عرصے میں اس کا نکاح کروں گا اور روپیہ نہ لُوں گا، مگر اپنے چند غازیوں کو حکم دیجیے کہ اس روز نکاح کے بعد دس پندرہ بندوقیں داغ دیں تاکہ بستی میں شہرت ہو جائے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تم اس سے خاطر جمع رکھو، انشاء اللہ تعالےٰ میں خود بندوقچیوں کو لے کر تمھارے مکان پر آؤں گا۔ تیسرے روز اُس نے ایسا ہی کیا۔ اس کے بعد اُس نے کوشش کرکے چار پانچ نکاح ایسے ہی اور کروائے اور کپاس کا عُشر اور بکریوں کی زکوٰۃ جاری ہوگئی اور ہندوؤں کی خانہ شماری جزیہ کے لیے مکمّل ہوگئی اور لوگ بخوبی اطاعت کرنے لگے۔

تینتیسواں باب

حکومتِ شرعیہ کے عُمّال اور غازیوں کا قتلِ عام

اسباب و مُحرّکات | پشاور کی سپردگی کو تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ پشاور اور سمہ کے پورے علاقے میں حکومتِ شرعیہ کے اُن عُمّال، مُحصّلین، قُضاۃ و مُحتسبین اور اُن غازیوں کو، جو پنجتار کے علاوہ پورے علاقے میں جابجا متعیّن اور مُقرّر تھے، بیک دفعہ قتل کر دینے کا منصوبہ بنایا گیا اور خُفیہ طور پر یہ طے کر لیا گیا کہ ایک ہی دفعہ اس کشمکش سے، جو چند سال سے جاری تھی، ہمیشہ کے لیے نجات حاصل کر لی جائے۔ یہ کشمکش کیوں تھی اور اِس فیصلہ کُن و نامُبارک اِقدام کے اصلی اور اندرونی اسباب و مُحرّکات کیا تھے؟ اُن کو اِس اندوہناک واقعہ کی تفصیلات پڑھنے سے پہلے معلوم کر لینا ضروری ہے۔

اِس کشمکش کا سب سے بڑا سبب اور مُحرّک سرداروں، خوانین اور مُلّاؤں کے ذاتی اغراض و مصالح ہیں۔ سیّد صاحبؒ اور مُجاہدین کی آمد سے پہلے یہ تمام گروہ اپنے اغراض و مقاصد کی تکمیل اور اپنے منافع اور فوائد کے حصُول میں بالکل آزاد تھے۔ وہ سب اس علاقے میں من مانی کارروائی کرتے تھے۔ اِس علاقے میں جو کچھ پیدا ہوتا تھا، اُس سے یہ سب گروہ اپنے اپنے حصّے اور حسبِ سابق رواج کے مطابق فائدہ اُٹھاتے تھے۔ اُوپر گزر چکا ہے کہ سردارانِ پشاور رعایا کی کھیتی کا نصف غلّہ وصُول کرتے تھے اور مختلف اِنتظامات کا خرچ بھی رعایا کے ذِمّے تھا۔ اس طرح پیداوار کا دو تہائی حصّہ اُن کے پاس چلا جاتا تھا۔

سیّد صاحبؒ کی آمد، آپ کی بیعت و امامت اور نظامِ شرعی کے نفاذ و اجرا سے اُن کے اُن تمام حقوق و فوائد پر زد پڑی اور اُن کو صاف نظر آنے لگا کہ اگر یہ صورتِ حال باقی رہی اور نظامِ شرعی کی جڑیں گہری اور مستحکم ہو گئیں، تو اُن کا یہ اقتدار اور انتفاع ہمیشہ کے لیے ختم ہو جائے گا اور وہ اپنے حقوق سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے۔ سرحد کا سارا مُلک انہی دُنیاوی حاکموں اور دینی پیشواؤں کی عملداری میں بٹا ہُوا تھا۔ جن دلوں میں ایمان کی حلاوت، خوفِ خُدا اور فکرِ آخرت اچھی طرح پیوست نہ ہُوئے ہوں اور اُن کے بجائے مال کی محبت، جاہ و منصب کا شوق اور تن آسانی و تن پروری کی عادت راسخ ہو چکی ہو، وُہ کسی دینی منفعت، اجتماعی مصلحت اور اُخروی سرفرازی و کامیابی کے لیے اپنے ذاتی منافع اور مصالح سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ وُہ اپنے ذاتی اغراض و مقاصد کی حفاظت اور کاربرآری کے لیے دِین کو بڑے سے بڑا نقصان پہنچا سکتے ہیں اور اجتماعی مصلحت کو آسانی کے ساتھ قربان کر سکتے ہیں اور سنگین سے سنگین تر جُرم کا ارتکاب کر سکتے ہیں۔ مسلمانوں کی تاریخ اغراض پرستی کے ان افسوسناک واقعات سے داغدار ہے، جن میں بارہا اجتماعی مصلحتوں کا خُون ہُوا اور مستحکم سلطنتیں چند اشخاص یا کسی خاص گروہ کی ذاتی اغراض اور حقیر فوائد کی نذر ہو گئیں۔

اِس کا دُوسرا سبب یہ ہے کہ صُوبہ سرحد اور افغانستان میں شریعتِ اسلامی کے بالکل متوازی ایک دُوسرا آئین و قانون صدیوں سے جاری تھا، جس پر اہلِ سرحد آسمانی شریعت کی طرح عامل و راسخ تھے اور کسی حال میں اس کو ترک کرنے کے لیے تیار نہیں تھے۔ اس آئینِ افغانی میں اُن کے اغراض و مصالح بھی محفوظ تھے اور باپ دادا کی رسم اور صدیوں کے مُلکی رواج پر بھی عمل ہوتا تھا۔ چند صفحات پہلے ہم نے عنایت اللہ خاں سواتی اور اُس کے ساتھیوں کا یہ صاف صاف اقرار و اعلان پڑھا ہے، جو اُس نے مولانا اسمٰعیل صاحب شہید کے جواب میں کیا کہ:

"تم کتاب و سُنّت سے بال برابر بھی زائد عمل نہیں کرتے، قرآن و سُنّت و عُلماء سب تمہاری طرف ہیں۔ لیکن وُہی احکام، جو کتاب و سُنّت سے ثابت ہیں، ہمارے اُوپر شاق اور بار ہیں۔ اس لیے ہم تمہیں باجوڑ جانے سے مانع ہیں اور ہم کسی طرح تم کو جانے

نہیں دیں گے۔ اس سلسلے میں ہم جنگ کے لیے تیار ہیں۔ پھر جو فیصلہ ہو اگر ہم غالب آئے، تو ہم اپنے رسُومِ افغانی پر قائم رہیں گے: اگر تم غالب آئے اور تمھارا عمل دخل اس مُلک میں ہُوا، تو ہم اس مُلک کو چھوڑ کر کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے تاکہ وہاں اطمینان سے اپنے باپ دادا کے طریقے پر عمل کر سکیں۔"

عنایت اللہ خاں اور اُس کے ساتھیوں نے اپنے اِس اعلان و اِقرار میں نہ صرف سوات، بلکہ حقیقتہً اُس پورے علاقے کی اکثریت کی اصلی ذہنیّت اور خیالات کی ترجمانی کی ہے، جو اُس زمانے میں وہاں عام تھی۔

یہ دو بُنیادی اسباب ہیں، جنھوں نے نہ صرف غریب الوطن مجاہدین کے خلاف اس خطرناک اقدام پر آمادہ کیا، بلکہ پُورے شرعی نظام اور مستقبل کے دینی توقّعات و امکانات کو درہم برہم کر دینے پر اُبھارا، جو اس مُلک میں صدیوں کے بعد پیدا ہُوئے تھے اور ان اہلِ علاقہ سے، جن کو انصار کی جانشینی کرنی چاہیے تھی، ایسی قساوت اور سنگ دلی کا ظہور ہُوا، جس نے میدانِ کربلا اور واقعۂ حرّہ کی یاد تازہ کر دی شاید اُن کو آسانی سے ایسے سنگدلانہ فعل کی ہمت نہ ہوتی، اس لیے کہ جن کے ساتھ وحشت و بربریت کا یہ سلوک کیا گیا، وُہ مُسلمان تھے اور دینی اعمال و شعائر کی پابندی میں، نیز اپنے عبادت و تقوٰی میں کھُلے طریقے پر اپنے گرد و پیش میں ممتاز اور نمایاں تھے۔ لیکن سردارانِ پشاور اور اُن کے درباری علماء نے نیز پیشہ ور اور رسم پرست مُلّاؤں نے اس جماعت اور اُس کے امیر کے متعلق فسادِ عقیدہ اور مسلمانوں کے جان و مال پر تعدّی وغیرہ کی جو افواہیں پھیلا رکھی تھیں اور انھوں نے ان پر مختلف قسم کے جو الزامات لگائے تھے اور اُن کی تشہیر کی تھی، ان سب نے مل کر اس فعل کے لیے اخلاقی اور مذہبی جواز مُہیّا کر دیا تھا اور اگرچہ سب کارفرمائی ذاتی اغراض و نفسانیت کی تھی، لیکن اُس کو تھوڑا سا سہارا اِس الزام تراشی سے بھی مل گیا تھا جس کو پشاور کی فتح اور حوالگی کے بعد سے خاص طور پر ہَوا دی گئی۔

مولانا خیر الدین صاحب شیر کوٹی نے، جو لشکرِ اسلام کے ایک بڑے ذہین، ذکی اور مُبصّر عالم تھے۔ اِس قتلِ عام کا بڑی حقیقت پسندی کے ساتھ جائزہ لیا اور اُس کے اسباب و محرکات کو بڑی خوبی سے بیان

کیا ہے۔ وُہ اپنی ایک تحریر میں جس کا خلاصہ مولوی سید جعفر علی صاحب نے منظورۃ السعداء میں نقل کیا ہے، فرماتے ہیں :

"تقدیرِ الٰہی اور شُہداء کی خوش قسمتی کے علاوہ اس واقعہ کے چند ظاہری سبب معلوم ہوتے ہیں : ایک تو یہ کہ اس علاقے کے لوگ زمانۂ قدیم سے اطاعت و فرمانبرداری کے عادی نہیں ہیں۔ جب اُن کو اس بات کا تنبّہ ہُوا کہ امام (امیر) کی اطاعت ضروریاتِ دین میں سے ہے، تو اُنھوں نے اس کو قبول تو کر لیا، لیکن اطاعت کو نماز، روزے اور عُشر کے اندر منحصر سمجھتے تھے۔ اُن کے نزدیک اتنی ہی بات میں اطاعت ضروری تھی اور وُہ بھی مرضی کے مطابق، جتنا دل چاہتا، عُشر وغیرہ دے دیتے کم یا زیادہ۔ جب اُن سے پُورے پُورے عُشر کا مُطالبہ ہُوا اور جنگ میں شرکت نہ کرنے کا تاوان بھی طلب کیا گیا، نیز لڑکیوں کی شادی اور داماد سے کچھ لیے بغیر اُن کو رخصت کر دینے کی تاکید بھی کی گئی، تو اُن کی طبیعت پر یہ بہت شاقّ ہُوا اور اُن کو یہ معاملات ناقابلِ برداشت اور تکلیفِ مالا یُطاق معلوم ہونے لگے۔

اِسی کے ساتھ وُہ محضر، جو ہندوستان اور سرحد کے عُلماء نے تیّار کیا تھا، اُس کا اثر سردارانِ پشاور کی کوشش سے جا بجا پھیل گیا اور یہ مشہور ہو گیا کہ یہ گروہ، جو جہاد کے نام سے یہاں آیا ہے، وُہ دین کا مخالف ہے اور وہابی فرقے سے تعلق رکھتا ہے۔ اس سے ان لوگوں کے دِل میں بدعقیدگی پیدا ہُوئی۔ انھوں نے مجبوراً اُن کی اطاعت تسلیم کی۔ چُونکہ مُجاہدین کی قُوّت و شوکت روز افزوں تھی، اُن کا کوئی قابُو نہیں چلا اور حضرت امیر المومنین کی تاکید لڑکیوں کے نکاح کی بابت خود لڑکیوں کی فریاد اور درخواست پر تھی، اُنھوں نے آپ کے پاس پیغام بھیجا تھا کہ ہمارے ساتھ اِنصاف فرمایا جائے۔ اس پر یہ حکم صادر ہُوا کہ جس منکُوحہ کا شوہر موجُود ہے، تین دن کے اندر اُس کی رخصتی کر دی جائے اور جو لڑکیاں بالغ ہو چکی ہیں اور اُن کے شوہر غیر موجُود ہیں، ایک مہینے

کے اندر اُن کا نکاح اور رخصتی کر دی جائے۔ جن لڑکیوں کی نسبت ہو چکی تھی، اُنھوں نے ان لوگوں سے، جو اس کام کے لیے مُقرر ہُوئے تھے، اپنی رخصتی کی درخواست کی۔ چُونکہ اہلِ علاقہ احکامِ شرعی قبول کر چکے تھے، اس لیے اُن کا حیل وحُجّت کرنا معقول نہ تھا۔ اپنے مروجّہ رسُوم و عادات کا، جو خلافِ شرع تھے، ترک کرنا مناسب تھا۔ (یہ سب ناراضگی اور شکایت مقامی خوانین تک محدود تھی) باقی ہندو بنیے اور اہلِ حرفہ ہندوستانیوں کی حکومت سے بہت خوش تھے۔ خوانین کی حکومت میں بڑا ظلم تھا۔ وہ اپنی لڑکیوں کی شادی میں رعیت سے بڑی گراں قدر رقمیں وصُول کرتے تھے۔ یہ سب احکامِ شرعی کے اجراء کی وجہ سے موقوف ہو گیا۔ اِس لیے یہ سب حضرت امیر المومنین اور ہندوستانیوں کو بڑی دُعائیں دیتے تھے کہ ان کی وجہ سے وہ اس ظلم و تعدی سے محفوظ ہو گئے۔[1]

مذکورۂ بالا اسباب میں اتنا اور اضافہ کیا جا سکتا ہے کہ سمہ کے علاقے میں جو غازی معیّن یا مقیم تھے یا کبھی کبھی کسی ضرورت سے دَورہ کرتے تھے، اُن میں سے جن کو زیادہ صحبت و تربیت میں رہنے کا اتفاق نہیں ہُوا تھا یا مزاجاً درشت اور لاابالی واقع ہُوئے تھے، اُن سے کہیں کہیں بے عنوانیوں اور تعدّی کے واقعات بھی پیش آئے۔ انسانی فطرت ناقابلِ تبدیل ہے۔ اتنی بڑی جماعت کا ایک اخلاقی اور دینی معیار پر ہونا اور شریعت و اخلاق کے سانچے میں سر سے پاؤں تک ڈھل جانا بعید از قیاس ہے۔ جو لوگ نو وارد تھے یا پست معاشرے اور خاندانی ماحول سے تعلق رکھتے تھے، اُن سے شاذ و نادر ایسے واقعات بھی ظاہر ہُوئے جو اہلِ علاقہ کے لیے آزُردگی کا سبب بنے۔ سیّد صاحبؒ کو جب ان کا علم ہُوا، تو سختی کے ساتھ اُن کی سرزنش فرمائی اور فوراً اُن کے تدارک کا انتظام فرمایا۔ مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں: جب آپ کو چھیدیا سبلیدار کے متعلق، جو رائے بریلی کا رہنے والا تھا، معلوم ہُوا کہ اُس نے کہیں سے ایک تلوار حاصل کر لی ہے، اپنے سر کے بال سکھوں کی طرح بڑھائے ہیں، دیہاتوں میں گشت کرتا ہے اور ہر جگہ کھانے کی فرمائش

---

[1] منظومۃ السُّعداء، ص ۱۰۳۹، ۱۰۴۰۔ مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں کہ "میری دانست میں رخصتی کی مدت مختلف تھی، کسی کے لیے کم کسی کے لیے زائد۔ منشی محی الدین کشمیری (مشہور بہ منشی امان زئی) غضنفر خاں اور حافظ عبد اللطیف تاکید کے لیے مقرر تھے جن لڑکیوں کی نسبت ہو چکی تھی، انھوں نے خُود ان حضرات کے ذریعے اپنے شوہروں سے رخصتی کی درخواست کی۔

کرتا ہے، تو آپ کو سخت غصّہ آیا اور بلند آواز سے فرمایا کہ سُن لو، مَیں ظالموں کا دشمن ہُوں، ظالم کا سر پتھر سے کُچلوں گا۔ آپ نے ایک شخص کو حکم دیا کہ اِس بیلدار کی تلوار چھین لو اور اُس کی گوشمالی کرو کہ پھر مُسلمانوں پر حکومت نہ کرے اور اپنے روزمرّہ کے کام دیوار بنانے اور زمین کھودنے میں مشغول ہو، ورنہ ہم خود اپنے ہاتھ سے اُس کو سزا دیں گے۔ اِسی طرح کریم بخش (جو مولوی نصیر الدین صاحب منگلوری کے رفیقوں میں تھے) کے متعلق معلوم ہُوا کہ بدوضعی اختیار کی ہے اور لکھنؤ کے آزاد اور شوقینوں کی طرح صُورت اور لباس اختیار کیا ہے، مایار اور پشاور کی جنگوں میں شرکت بھی نہیں کی، خُفیہ خُفیہ رعایا پر ظُلم کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اُن کو میرے پاس گرفتار کرکے لاؤ۔ مَیں خود اُن کو ایسی سزا دُوں گا کہ ساری شرارت دماغ سے اُڑ جائے گی۔[1]

وقائع احمدی میں بعض بعض عُمّال کی سختی اور بے عنوانی کی شکایت کے واقعات بھی ہیں۔ اسی کے اِنتظام کے لیے مولوی رمضان صاحب کو قاضی القُضاۃ بنایا گیا تھا اور اُن کو پُورے علاقے کا دَورہ کرنے کی ہدایت کی گئی تھی۔ حمزہ علی خاں رسالدار کو بھی تاکید تھی کہ وُہ اُس کی نگرانی رکھیں کہ کوئی رعایا پر کسی قسم کا ظُلم و تعدّی نہ کرنے پائے۔ حُکم تھا کہ جس پر ظُلم ہو، وُہ سیّد صاحبؒ کے یہاں نالش کرے اور واقعات کی اطّلاع کرے۔ لیکن جیسا کہ منظورہ میں ہے، اہلِ سرحد کو نالش و فریاد کرنے اور ذِمّے داروں کو واقعات کی اِطلاع دینے کی بہت کم عادت ہے۔[2] وُہ اندر ہی اندر اپنی ناراضگی اور شکایت کو رکھتے ہیں اور جب موقع ملتا ہے، اشخاصِ متعلقہ سے اس کا سخت اِنتقام لیتے ہیں۔

سیّد صاحبؒ اور آپ کی جماعت کے خِلاف عُلماءِ سرحد کے الزامات

سیّد صاحبؒ اور آپ کی جماعت کے اکثر علماء حضرت شاہ ولی اللہؒ صاحبؒ کی طرح مسائل میں تحقیقی مسلک رکھتے تھے اور فقہ و حدیث کی تطبیق کی کوشش کرتے تھے، لیکن تیرھویں صدی میں تمام عالمِ اسلامی میں بالعمُوم، ہندوستان میں بالخصُوص اور سرحد و افغانستان میں بالاخص جو دینی اور علمی جمُود طاری تھا، اُس کے سامنے مروّجہ عادات اور عوام کے مسلک سے سرِمُو اِنحراف اور ہر ایسی تحقیق، جو عُلماء کے لیے نامانُوس اور نئی تھی، الحاد و زندقہ اور

---

[1] منظورۃ، ص ۹۶۰، ۹۶۱ [2] منظورہ، ص ۹۵۸

مذہب سے آزادی کے مرادف تھی۔ چنانچہ سرحد کے علماء نے مشہور کیا کہ یہ ہندوستانی عُلماء اور اُن کا امیر لامذہب لوگ ہیں، خواہشِ نفسانی کے پیرو اور آزاد خیال ہیں۔ عوام میں اس پروپیگنڈے کا جو اثر ہوا ہوگا، اُس کا اندازہ آج بھی کیا جا سکتا ہے۔

مجاہدین کے ساتھ جنگ کرنے میں جو بعض مُسلمان سردار اور باغی قتل ہُوئے تھے (جس کے اسباب اور تفصیلات اُوپر گزر چکی ہیں) اُن کا قتل اور اُن کے علاقوں پر قبضہ بھی مجاہدین کے خلاف سخت الزام تھا۔ عُلماء کہتے تھے کہ یہ لوگ مسلمان کے جان و مال کو کوئی چیز نہیں سمجھتے اور بلا وجہِ شرعی مسلمانوں کی جان و مال پر دست درازی کرتے ہیں۔ بعض لوگ اُس سے آگے بڑھ کر مجاہدین کو باغی، اور باغی مقتولین کو شہید کہتے تھے۔

اِن دو الزامات کے علاوہ ذاتی طور پر سیّد صاحبؒ کے متعلق ان لوگوں نے مشہور کیا تھا کہ آپ نہایت دُرشت مزاج، زُود رنج اور غضبناک آدمی ہیں۔ کوئی اگر نصیحت کرے یا معقول بات کہے، تو ناراض ہو جاتے ہیں اور اُس کے ایذا کے درپے ہو جاتے ہیں۔ سیّد صاحبؒ نے ان غلط فہمیوں کو رفع کرنے اور ان الزامات کی تردید کے لیے عُلماءِ پشاور کے نام ایک پُرزور اور مُدلّل خط لکھا، جو قلمی خطوط کے مجمُوعے میں شامل ہے۔ اس خط سے سیّد صاحبؒ کے بہت سے خیالات اور اُس وقت کے حالات پر روشنی پڑتی ہے۔ اس لیے اُس خط کے بعض حصّے نقل کیے جاتے ہیں۔

مذہبی بے قیدی کے الزام کا ذکر فرماتے ہیں اور اُس کا جواب دیتے ہیں:

چناں شنیدہ ایم کہ از جملہ مفتریات آں مفتریان آنست کہ ایں فقیر را، بلکہ زُمرۂ مُجاہدین بالحاد و زندقہ نسبت می نمایند یعنی، چُناں اظہار می کنند کہ ایں جماعت مُسافرین ہیچ مذہب ندارند و ہیچ مسلک مُقیّد نیستند، بلکہ محض راہِ نفسانیت می پویند و ہر چہ لذّاتِ نفسانی می جویند خواہ موافقِ کتاب باشد خواہ

سُننے میں آیا ہے کہ ان افترا پردازوں کا ایک افترا یہ ہے کہ اس فقیر، بلکہ پُوری جماعتِ مجاہدین کو الحاد و زندقہ کی طرف نسبت کرتے ہیں اور اس طرح بیان کرتے ہیں کہ ان پردیسیوں کا کوئی مذہب نہیں اور یہ کسی مسلک کے پابند نہیں محض نفسانیت پرست اور لذّاتِ نفسانی کے جویا ہیں، خواہ کتاب اللہ کے

مخالف۔ معاذاللہ من ذالک! پس باید
دانست کہ نسبتِ ما مردم بایں امرِ شنیع
افترائیست قبیح و بُہتانیست صریح۔ ایں
فقیر در بلادِ ہندوستان گُمنام نیست۔ اُلُوفِ
اُلُوف انام از خواص و عوام ایں فقیر و
اسلافِ ایں فقیر را می دانند کہ مذہب
ایں فقیر اَبًا عَنْ جَدٍّ حَنَفی است و بالفعل
ہم جمیعِ اقوال و افعالِ ایں ضعیف بر قوانینِ
اُصُولِ حنفیہ و آئینِ قواعد ایشاں منطبق
است۔ یکے ازاں خارج از اصُولِ مذکورہ
نیست اِلّا ماشاء اللہ۔ آنچہ از ہمہ افرادِ
انسان بہ سببِ غفلت و نسیان صادر
می گردد کہ بخطائے خود مُعترف می باشد و
بعد از اعلام براہِ راست معاودت
می نماید۔ آرے۔ در ہر مذہب طریقِ
مُحقّقین دیگر می باشد و طریقِ غیر ایشاں
دیگر۔ ترجیحِ بعضِ روایات بر بعضِ دیگر
بقُوّتِ دلیل و توجیہِ بعضی عبارات
منقول از سلف و تطبیقِ مسائلِ مختلفہ
مدوّن در کُتب و امثال ذالک دائمًا از
کاروبارِ اہلِ تدقیق و تحقیق است بایں سبب

موافق ہو یا مخالف۔ خدا کی پناہ! واضح ہو کہ
ہم غریبوں کی اس امرِ شنیع کی طرف نسبت
محض افترا و بُہتان ہے۔ یہ فقیر اور اِس
فقیر کا خاندان ہندوستان میں گمنام نہیں۔
ہزاروں ہزار آدمی، کیا خاص اور کیا عام،
اس فقیر کو اور اس کے بزرگوں کو جانتے ہیں
اور اُن کو معلوم ہے کہ اِس فقیر کا مذہب
اَبًا عَنْ جَدٍّ حنفی ہے اور اس وقت بھی
خاکسار کے تمام اقوال و اعمال احناف کے اُصُول
قوانین اور قواعد کے مطابق ہیں، ان میں سے
ایک بھی ان اصُول سے باہر نہیں۔ ہاں،
انسان سے بمقتضائے بشریت جو کچھ غلطی
ہو جانے، اس کا امکان ہے اور اس کے
ہو جانے کے بعد اس کا اعتراف ہے اور اگر
کوئی تنبیہ کرے، تو رجُوع کرنے کے لیے تیار
ہوں۔ البتہ، ہر مذہب میں محققین کا طریقہ اور
ہوتا ہے اور غیر محقّقین کا اور۔ بعض روایتوں کو
بعض پر ترجیح دینا دلیل کی قُوّت کا لحاظ کر کے
سلف سے منقول، عبارتوں کی توجیہ مختلف
مدوّن مسائل میں تطبیق دینا اور اس طرح کی
باتیں اہلِ تدقیق و تحقیق کا ہمیشہ سے دستور رہا ہے۔

ایشاں خارج از مذہب نمی توانند شُد، بلکہ ایشاں را لُبِّ لُبابِ اہلِ آں مذہب باید شمرد۔ ہر کہ دریں مُقدّمہ شُبہہ داشتہ باشد، لازم کہ نزدِ ایں فقیر آمدہ بالمشافہ حلِّ اِشکال نماید، یا خود بفہمد یا ایں فقیر را بفہماند۔

محض اتنی سی بات پر وُہ مذہب سے خارج نہیں ہو جاتے، بلکہ ان لوگوں کو اس مذہب کے پیروؤں کا لُبِّ لُباب سمجھنا چاہیے جس شخص کو اس مسئلے میں کُچھ شُبہہ ہو، اس کو چاہیے کہ اس فقیر کے پاس آکر زبانی اور رُو در رُو اِس اِشکال کو حل کرے یا خود سمجھ لے یا اِس فقیر کو سمجھا دے۔

مُسلمانوں کی جان و مال کی بے وقعتی اور دست درازی کے اِلزام کا جواب دیتے ہیں:

و از جُملۂ مُفتریاتِ آں مُفتریانِ مذکُور آنست کہ ایں فقیر را بظلم و تعدی نسبت می کنند کہ ایں فقیر بر جان و مالِ مُسلمین بلا وجہِ شرعی دست درازی می کُند۔ دریں باب بچرب زبانی حیلہ سازی می نماید۔ سُبْحٰنَكَ، هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ! ایں فقیر گاہے کسے را بلا وجہِ شرعی یک تازیانہ ہم نہ زدہ باشد، بلکہ زدنِ سگ ہم بلا وجہ از عاداتِ ایں فقیر نیست۔ ہر کہ چند روز با فقیر ملازمت کردہ باشد، لابُد بریں معنی آگاہ شُدہ باشد۔ فامّا آنچہ سرزنش و گوشمالِ ملکِ جبّار از دستِ ایں ذرّۂ بے مقدار

اِن اِفترا پردازوں کا ایک اِفترا یہ ہے کہ اس فقیر پر ظُلم اور دست درازی کا الزام لگاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وُہ مسلمانوں کے جان و مال پر بلا وجہ شرعی دست اندازی کرتا ہے اور اس بارے میں چرب زبانی اور حیلہ سازی سے کام لیتا ہے۔ سُبْحٰنَكَ هٰذَا بُهْتَانٌ عَظِيمٌ! اس فقیر نے تو کبھی کسی کو بلا وجہِ شرعی ایک کوڑا بھی نہ مارا ہوگا، بلکہ بلا وجہ کُتّے کو بھی مارنا اس کی عادت نہیں۔ جس شخص کو چند دن بھی اس کے ساتھ رہنے کا اتّفاق ہُوا ہے، اُس کو ضرور اس بات کا علم ہوگا۔ باقی اللہ نے اس ناچیز کے ذریعے بعض مُنافقین و مُرتدّین کی جو سرزنش اور

به بعضے از مُرتدّینِ اشرار و مُنافقین بدشعار رسید، پس آں را از اعاظمِ سعاداتِ خود می شمارم و اقوٰی علاماتِ مقبولیتِ خود می انگارم بلکہ غیرت در اعانتِ دین و رغبت باہانت معاندین از لوازمِ ایمان است۔ ہر کہ غیرتِ ایمانی و حمیتِ اسلامی نمی دارد، فی الحقیقت ایمان نمی دارد۔ آیۂ کریمۂ تبارک وتعالیٰ يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ مَن يَرْتَدَّ مِنكُمْ عَن دِينِهِۦ فَسَوْفَ يَأْتِى ٱللَّهُ بِقَوْمٍ يُحِبُّهُمْ وَيُحِبُّونَهُۥٓ أَذِلَّةٍ عَلَى ٱلْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى ٱلْكَٰفِرِينَ يُجَٰهِدُونَ فِى سَبِيلِ ٱللَّهِ وَلَا يَخَافُونَ لَوْمَةَ لَآئِمٍ (۵ : ۵۴) وَقَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی يَٰٓأَيُّهَا ٱلنَّبِىُّ جَٰهِدِ ٱلْكُفَّارَ وَٱلْمُنَٰفِقِينَ وَٱغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوَىٰهُمْ جَهَنَّمُ (۹ : ۷۳) واگر بالفرض والتقدیر چیزے ازیں قبیل از دستِ ایں فقیر صادر شدہ باشد، پس ایں فقیر را بطریقِ وعظ و نصیحت بر آں آگاہ باید گردانید، نہ ایں کہ بطریقِ غیبت

گوشمالی فرمائی ہے، اس کو میں اپنی انتہائی سعادت اور اللہ کے یہاں مقبولیت کی علامت سمجھتا ہوں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اعانتِ دین میں غیرت اور مُعاندین کی اہانت و تذلیل کا شوق ایمان کے لوازم میں سے ہے۔ جس میں غیرتِ ایمانی نہیں، حقیقت میں ایمان سے عاری ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: "اے لوگو، تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا، (تو اللہ کو کچھ پروا نہیں) کہ وہ عنقریب ایسے لوگوں کو لے آئیگا، جو مؤمنین کے حق میں نرم ہوں گے، کافروں کے حق میں سخت، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہ کریں گے۔" (المائدہ: ۵۴) (اور فرمایا) "اے نبیؐ، کفار اور مُنافقین سے جہاد کرو اور اُن پر سختی کرو اور اُن کا ٹھکانا جہنم ہے۔" (التوبہ: ۷۳) اور اگر بالفرض کوئی چیز اس فقیر کے ہاتھ سے ایسی صادر ہوئی ہو، تو فقیر کو وعظ و نصیحت کے ذریعے اس پر آگاہ کر دیا جائے، نہ یہ کہ محفلوں اور مجلسوں میں اس کی غیبت کی

درمیانِ محافل و مجالس مذکور نمایند و فقیر را بآں سہو و نسیان مطعون سازند و بر ہمیں خیال از رفاقتِ ایں فقیر در امرِ جہاد مشارکتِ زمرۂ مجاہدین دست بردارشوند کہ حدیث "أَلْجِهَادُ مَاضٍ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَ لَا عَدْلُ عَادِلٍ" درمیانِ ہمہ اہلِ حدیث مشہور است۔

جائے اور فقیر کو سہو و نسیان پر نشانۂ طعن بنایا جائے اور محض اس بنا پر جہاد میں اس کی رفاقت اور جماعتِ مجاہدین کے ساتھ شرکت چھوڑ دی جائے۔ حدیث میں آیا ہے: "جہاد قیامت تک باقی رہے گا۔ کسی ظالم کا ظلم اور کسی منصف کا انصاف اس کو اٹھا نہیں سکتا۔ یہ حدیث علماء حدیث کے یہاں مشہور ہے۔

بالجملہ درخواستِ ایں فقیر از جمیعِ علماءِ زمانہ ہمیں است کہ تمام مسلمین را عموماً و ایں فقیر را خصوصاً امر بالمعروف و نہی عن المنکر نمایند و براہِ راست ہدایت فرمایند و آنچہ اعتراض و اشکال در غیبت ذکر می نمایند، آں را بالمشافہ بدلائلِ شرعیہ بپایۂ اثبات رسانند و روئے ایں فقیر را بوعظ و تذکیر از راہِ خود پرستی براہِ خدا پرستی گردانند کہ مستعد بر ہمیں امر است کہ اگر بر چیزے از اقوال و افعالِ خود مطلع شود کہ مخالفِ حکمِ خدا و رسولؐ باشد، فی الفور ازاں توبہ نماید و براہِ راست مراجعت کند۔

مختصراً اس فقیر کی تمام علماءِ وقت سے یہی درخواست ہے کہ تمام مسلمانوں کو بالعموم اور اس فقیر کو بالخصوص بھلائی کا حکم دیں اور برائی سے روکیں اور سیدھے راستے کی رہنمائی کریں اور جس اعتراض و اشکال کا غیبت میں ذکر کرتے ہیں، اس کو رو در رو شرعی دلائل سے ثابت کریں اور اس فقیر کا رخ خود پرستی سے خدا پرستی کی طرف موڑ دیں وہ اس کے لیے بالکل تیار ہے کہ اگر اپنے اقوال و افعال میں سے کوئی ایسی چیز اس کو معلوم ہو، جو خدا و رسولؐ کے حکم کے مخالف ہو، تو وہ فی الفور اس سے توبہ کرے گا اور سیدھے راستے کی طرف لوٹ آئے گا۔

اگر مجادلین مذکورین بر افعال و اقوالِ ایں فقیر اعتراض می دارند و آں را مخالفِ شرع می انگارند، باز ایں فقیر را بر آں مطلع نہ گردانند و قدرے رنج سفر کشیدہ آں را بالمشافہ بپایۂ اثبات ترسانند، پس وبالِ آں ہمہ بر گردنِ ایشان است۔

و آنچہ بعضے از سفہاءِ دروغ گو و محمقاءِ فتنہ جو مشہور گردانیدہ کہ ہر کہ از علماءِ کرام و فضلاءِ ذوی الاحترام ایں فقیر را امر بالمعروف و نہی عن المنکر می نمایند، ایں فقیر با ایشاں بقہر و غضب پیش می آید و بجانِ و مالِ ایشاں مضرت می رساند و بدست و زبانِ ایشاں را بوجہِ مّا الوجوہ می رنجاند، پس ایں امر باطل محض است و افتراءِ بحت۔ بارہا جواسیسِ کفار و منافقین را گرفتہ و بایشاں کلامِ غضب ہم نہ گفتہ، بلکہ از ایذاءِ ایشاں بالکل دست برداشتہ و ایشاں را بہ سلامت و عافیت فراگذاشتہ۔ چوں بجواسیسِ کفار و منافقین ایں معاملہ کردہ باشد، آیا ہیچ عاقل تجویزِ ایں معنی خواہد نمود

اگر معترضین، جو اس فقیر کے اقوال و افعال پر اعتراض کرتے ہیں اور اُن کو مخالفِ شرع سمجھتے ہیں، اگر خود اُس کو اس کی اطلاع نہ کریں گے اور کچھ زحمتِ سفر برداشت کر کے بالمشافہ اس کو ثابت نہ کریں گے، تو اس کا وبال اُنھیں کی گردن پر ہوگا۔

اور بعض دروغ گو، کم عقل اور مفسدوں نے یہ جو مشہور کیا ہے کہ علماء و فضلاء میں سے جو صاحب اِس فقیہ کو بھلائی کی تلقین کرتے ہیں اور برائی سے روکتے ہیں، یہ فقیر اُن کے ساتھ قہر و غضب سے پیش آتا ہے اور اُن کی جان و مال کو نقصان پہنچاتا ہے اور اپنے ہاتھ اور زبان سے اُن کو کسی نہ کسی طرح آزار پہنچاتا ہے۔ پس یہ بات محض بے اصل و بے بنیاد ہے اور محض بہتان و افترا۔ بارہا کفار و منافقین کے جاسوس گرفتار ہوئے ہیں اور اُن سے خفگی کی بات بھی نہیں کی، بلکہ اُن کو تکلیف دینے سے بھی احتراز کیا ہے اور اُن کو عافیت و سلامتی کے ساتھ رہا کر دیا گیا ہے۔ جب کفار اور منافقین کے جاسوسوں کے ساتھ ایسا معاملہ روا رکھا ہے، تو کوئی عقلمند آدمی

کہ ایں فقیر با علماءِ عظام و فضلاءِ کرام
کہ محض بر بناءِ امر بالمعروف و نہی عن المنکر
نزدِ ایں فقیر آمدہ باشند، کلامِ غضب
سخنِ سخیف درمیان آرد؟ ایں امر بعید
است از خُلقِ ایمانی و ابعد از مروّتِ
انسانی است۔ مَعَاذَ اللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ!

یہ باور کر سکتا ہے کہ یہ فقیر علماء اور فضلاء کے
ساتھ محض فریضۂ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر
کی بجا آوری کی پاداش میں غصّہ کی بات یا
خلافِ شان گفتگو کرے گا؟ یہ بات ایمانی
اخلاق اور انسانی مروّت سے بہت بعید
ہے۔ ایسے کام سے اللہ کی پناہ!

○

چونتیسواں باب

ابرارِ مجاہدین کی مظلومانہ شہادت

فتنے کا آغاز وقائع احمدی میں ہے کہ "ایک دن مولوی مظہر علی صاحب عظیم آبادی کا خط آیا جس میں انھوں نے لکھا تھا کہ چند روز سے یہاں پشاور میں اور سردار سلطان محمد خاں کے دربار میں ملکِ ستہ کے خوانین کے آدمیوں کی آمد و رفت بہت رہتی ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس کا سبب کیا ہے۔ میں اطلاعاً لکھ رہا ہوں۔ آپ نے اس کے جواب میں ان کو لکھا کہ اس سے پہلے ستہ کے خوانین اور درّانیوں میں نااتفاقی تھی، اس لیے آمد و رفت بند تھی: اب اتفاق ہو گیا ہے۔

مولوی سید مظہر علی صاحب سے سلطان محمد خاں کی جواب طلبی اور علماء کا سوال و جواب منظورہ میں ہے کہ مولوی سید مظہر علی صاحب نے پشاور سے ایک طویل خط مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے نام لکھا، جس میں انھوں نے تحریر فرمایا کہ ایک ہفتہ ہوتا ہے کہ ارباب فیض اللہ خاں نے مجھ سے کہا کہ سردارانِ پشاور کی نیت اچھی نہیں معلوم ہوتی۔ مجھے معتبر ذرائع سے معلوم ہوا ہے کہ وہ حضرت امیر المومنین سے فاوت کا ارادہ رکھتے ہیں اور وہ میرے اور آپ کے ساتھ بھی کچھ دغا اور فریب کریں گے۔ اس لیے س کا خیال رہے کہ جب وُہ مجھے اپنی مجلس میں طلب کریں، تو اُس وقت آپ کو وہاں نہیں ہونا چاہیئے رجب آپ کو طلب کریں، تو میں موجود نہیں رہوں گا۔ میرا ارادہ تھا کہ میں آپ کو اس سے مطلع کر دوں کہ

اسی اثنا میں سردار سلطان محمد خاں نے مجھے[1] اپنی مجلس میں طلب کیا۔ میرے پہنچنے سے پہلے اُس نے شہر کے تمام عُلماء کو بُلا رکھا تھا۔ سردار نے مجھ سے اپنے بھائی (یار محمد خاں) کے قتل کے بارے میں اِستفسار کیا کہ وُہ قتل ناحق تھا یا برحق۔ عُلماء بھی بڑے جوش و خروش کے ساتھ اس سوال و جواب میں شریک تھے۔ مَیں نے کہا: "اس شور و غوغا سے کچھ فائدہ نہیں۔ بہتر یہ ہے کہ آپ سب کو خاموش کر دیں اور اپنے میں سے ایک کو وکیل بنا دیں تاکہ وُہ اہلِ مجلس کی طرف سے بات کرے اور مَیں اُس کو جواب دوں" اس پر ہنگامہ کم ہُوا اور انھوں نے ایک عالم کو اپنا وکیل مقرر کیا۔ مَیں نے کہا: "یار محمد خاں کا نام لینے کے بجائے اگر خادی خاں کا نام لے کر اُس کے متعلق دریافت کیا جائے، تو مناسب ہوگا، اس لیے کہ یار محمد خاں کے نام سے سرداروں کا دِل دُکھے گا اور اُن کو رنج ہوگا"۔ اس کے بعد مَیں نے کہا: "جب سردار سلطان محمد خاں نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ہاتھ پر امیر المومنین کے نائب کی حیثیت سے بَیعت کی، تو اُسی وقت اس شبہے کا ازالہ کیوں نہ کر لیا؟" سُلطان محمد خاں نے جواب دیا: "اُس وقت عُلماء موجود نہ تھے۔ سب تمھارے لشکر کے خوف سے کوہستان میں چلے گئے تھے۔ ہم ناواقف تھے، ہم نے بلا تحقیق بَیعت کر لی"۔ میں نے کہا: "یہ بات عجیب ہے کہ آپ کو اپنے بھائی کا مقتول ہونا اُس وقت یاد نہیں رہا اور آپ یہ کیسے فرماتے ہیں کہ اُس وقت علماء موجود نہیں تھے؟ آپ کے اُستاد محمد عظیم آخون زادہ اُس وقت شہر میں موجود تھے اور سیّد صاحبؒ سے انھوں نے مُلاقات بھی کی تھی!"

گفتگو یہاں تک پہنچی تھی کہ اہلِ مجلس کی طرف سے گفتگو کرنے کے لیے جو وکیل مقرر ہُوا تھا، اُس نے کہا: "آپ سردار صاحب سے کچھ نہ کہیے۔ ہماری اس بات کا جواب دیجیے کہ آپ نے سردار یار محمد خاں کو کیوں قتل کیا اور اُن کے مال کو کس طرح حلال سمجھ کر کھایا۔ کیا وُہ مُسلمان نہ تھے؟" میں نے کہا: "سردارِ مذکور و خادی خاں دونوں نے حضرت امیر المومنین کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کی تھی۔ جب اُن دونوں نے بغاوت اختیار کی، تو اُن کا قتل شرع شریف کی رُو سے جائز ہو گیا۔ باغیوں کا مسئلہ فقہ کی کتابوں میں دیکھ لو"۔ اُس شخص نے جواب دیا: "یار محمد خاں نے کیا بغاوت کی تھی؟" میں نے کہا: "وہ پشاور سے فوج کشی کر کے توپوں، شاہینوں اور ہزارہا سوار اور پیادوں کے ساتھ ہَنڈ اور زیدہ آئے۔ حضرت امیر المومنین

---

[1] یعنی سید مظہر علی صاحب اپنے خط میں لکھتے ہیں کہ مجھے سردار سلطان محمد خاں نے طلب کیا۔

نے عُلماء کے ذریعے پیغام دیا کہ اس طرح ہم پر چڑھ کر آنے کی کیا ضرورت تھی۔ اگر خادی خاں کے بھائیوں کی مدد کے لیے آئے ہیں، تو مسئلے کو کتاب میں دیکھنا چاہیے کہ ہمارا خادی خاں کو قتل کرنا مسئلے کے مطابق تھا یا نہیں؟ اگر یہ مسئلے کے مطابق ہے، تو چُون وچرا کی گنجائش نہیں، اور اگر اس کے خلاف ثابت ہو، تو ہم خود شرعی سزا کے لیے تیار ہیں۔ تمھاری فوج کشی کی ضرورت نہیں۔ لیکن اُنھوں نے اس پر کان نہیں دھرا اور اُن عُلماء سے جو پیغام لے کر آئے تھے کہا: "اگر تم دوبارہ سیّد کا پیغام لے کر آئے، تو ہم تمھارے کان کٹوا دیں گے۔" مجبور ہو کر حضرت امیر المومنین نے اُن کے مقابلے کے لیے فوج بھیجی اور اس کا جو کچھ انجام ہُوا، آپ کو معلوم ہے۔

اُس طرف کے عُلماء بولے: "یار مُحمّد خاں خود امام تھے۔ خادی خاں پہلے یار محمّد خاں کے ہاتھ پر بَیعتِ امامت کر چکے تھے۔ جب تم نے خادی خاں کو قتل کیا، تو سردار نے مجبور ہو کر خادی خاں کے انتقام کے لیے لشکر کشی کی۔" مَیں نے جواب دیا: "پہلے تو آپ یہ ثابت کیجیے کہ سردار یار محمد خاں نے اپنی پُوری عُمر بھر میں کبھی امامت کا دعویٰ بھی کیا ہے اور اُن کے لیے شرائطِ امامت ثابت کیجیے۔ اگر یہ ثابت بھی ہو جائے، تو جب یار مُحمّد خاں نے امیر المؤمنین کے ہاتھ پر بیعتِ امامت کر لی، تو اپنی امامت کو خود کالعدم قرار دے دیا اور امیر المومنین کے مبایعین میں شامل ہو گئے۔ اس کے بعد ان کی لشکر کشی اور سرتابی عَینِ بغاوت ہے۔"

بات یہیں تک پہنچی تھی کہ عُلماءِ شہر میں سے ایک نے کہا: "آج تو آپ اِمامت اور بغاوت کے مسئلے میں گفتگو کر رہے ہیں، لیکن آپ کے گروہ کے تمام لوگ ہمارے سرداروں کے بھائیوں کے بارے میں ہمیشہ یہ کہتے رہتے ہیں کہ وہ مُنافق ہیں، حالانکہ حضرت علیؓ[1] کا یہ قول نقل کیا گیا ہے کہ نفاق آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے ہی میں تھا؛ اس زمانے میں یا تو کھلا ہُوا کُفر ہے یا اسلام۔ دُوسرے یہ کہ منافقوں کا قتل ممنوع بھی ہے۔ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ بن اُبَی وغیرہ مُنافقین کو قتل نہیں کیا۔"

مَیں نے اس کے جواب میں کہا: "ہم نے اُن کے قتل کی علّت بغاوت کو قرار دیا ہے، نہ کہ نفاق

---

[1] یہ قول بجائے حضرت علیؓ کے کتابوں میں حضرت عمرؓ کی طرف منسوب ہے۔

کو" اِس پر مجلس برخواست ہوگئی۔

مولوی سیّد مظہر علی صاحب نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے اس کی بھی فرمائش کی کہ وُہ دلائلِ قطعیہ سے عُلماء کے ان شبہات کا جواب بھی دیں۔ مولانا نے دو قطعہ خط لکھے: ایک میں یار محمّد خاں کے اَیسے نفاق کا ثبوت، جو مُستوجبِ قتل ہوتا ہے، دُوسرے میں اس کا ثبوت تھا کہ اُس نے ظلم کی ابتدا کی، اس کی وجہ سے قتل کی نوبت آئی۔ خط میں ہدایت تھی کہ اگر اس مسئلے میں دوبارہ گفتگو کی نوبت آئے اور عداوت اور اصرار میں زور بڑھ گیا، تو پہلا خط اُن کے پاس بھیج کر بلا توقّف و تاخیر اس طرف کا رُخ کرنا چاہیے اور اگر اس مسئلے میں گفتگو ہو کر اس میں بحث و مباحثہ کی نوبت نہ آئے، تو دُوسرا خط اپنے پاس رکھا جائے اور اُن سے رُخصت طلب کر کے اِس طرف کا قصد کرنا چاہیے اور اس مسئلے میں اپنی طرف سے گفتگو کی ابتدا نہیں کرنی چاہیے اور اگر کوئی دُوسرا اس مسئلے کو پیش کرے، تو جواب نرمی سے دیا جائے۔ آخر میں ہدایت کی کہ حالات کی اطلاع دی جاتی رہے۔[۱]

مکتوب میں اس شبہے پر علمی بحث تھی کہ نفاق و منافقین کا وجُود صرف آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں تھا اور اُس کے بعد اُن کا وجُود ختم ہوگیا۔ آپ نے تحریر فرمایا تھا: "اِس قول کا مطلب یہ ہے کہ منافقین کا قطعی علم جیسا زمانۂ رسالت میں (وحی کی وجہ سے) ہو سکتا تھا، بعد کے زمانے میں نہیں ہو سکتا۔ اِس لیے قُرونِ متاخرہ میں مُنافقین کی قطعی تعیین مُمکن نہیں۔ اسی لیے جب تک کوئی شخص اپنے ایمان کا اظہار کرے گا اور کلمہ گو ہوگا، مسلمان اُس کو مُسلمان سمجھتے رہیں گے۔ لیکن جس وقت وُہ اپنے خُبثِ باطن اور کُفر کا اظہار کرے گا، تو وُہ کافروں میں شمار کیا جائے گا۔ اگر اَیسا نہ ہو تو جن حدیثوں میں مُنافقین کی علامات بیان کی گئی ہیں اور یہاں تک کہا گیا ہے کہ "وَإِنْ صَلّٰى وَصَامَ وَظَنَّ أَنَّهُ مُسْلِمٌ" (چاہے، وُہ نماز روزہ کرتا ہو اور اپنے کو مُسلمان ہی سمجھتا ہو) ان احادیث کا مصداق ہوگا۔[۲]

---

[۱] منظورہ ص۹۶۵ تا ص۹۷۱

[۲] محقّقین کا مسلک یہی ہے کہ نفاق فطرتِ انسانی کی ایک کمزوری اور ایک ایسا اخلاقی اور نفسانی مرض ہے، جو کسی زمانے اور مقام سے مخصوص نہیں۔ حضرت شاہ ولی اللہ صاحبؒ نے اپنی جلیل القدر تصنیف "الفوز الکبیر" میں اس پر مختصر اور بڑی عالمانہ بحث کی ہے۔ حضرت حسن بصریؒ اور جمہور محقّقین کا یہی مسلک ہے اور اب اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں رہا۔ تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تاریخ دعوت و عزیمت، حصّہ اوّل، از مُصنّف، "تذکرہ حضرت خواجہ حسن بصریؒ"۔

ایک مخلص کی اطلاع | ایک دن پنجتار کے قریب کی مسجد کے امام[1] سید اصغر نے شیخ عبدالعزیز صاحب سے کہا کہ آج اس بستی میں خوانین کا مشورہ تھا۔ تم کو کچھ اس کا حال معلوم ہے؟ انھوں نے کہا ہم کو کیا معلوم؟ کسی امر کا مشورہ ہوگا۔ اُس نے غُصّے ہو کر کہا۔ "تم ہندوستانی لوگ بڑے سیدھے ہو، کچھ اپنے حال سے خبر نہیں رکھتے۔" انھوں نے گھبرا کر پُوچھا: "کیا بات ہے؟" سید اصغر نے کہا کہ مَیں مسلمان ہوں، کافر نہیں ہوں۔ یہاں کے سب خوانین کافر ہو گئے۔ انھوں نے یہ مشورہ کیا ہے کہ جس جس بستی میں سیّد بادشاہ کے غازی متعین ہَیں، آج کے چھٹے روز سب قتل کیے جائیں گے۔ سو جلد جا کر یہ خبر سیّد بادشاہ کو کرو کہ اس کے دفع کی کوئی صُورت تجویز کریں اور اپنے غازیوں کو جا بجا سے بُلوا کر اکٹھا کر لیں۔

شیخ عبدالعزیز صاحب نے اپنے بڑے بھائی شیخ حسن علی صاحب سے ذکر کیا۔ اوّل تو اُنھوں نے بڑے زور سے تردید کی، پھر سمجھانے بُجھانے سے سیّد صاحبؒ کو اس کی اطّلاع کی۔ آپ نے فرمایا کہ شیخ بھائی، تم سے یُوں ہی کسی نے کہہ دیا ہے۔ پھر شیخ عبدالعزیز صاحب نے خود جا کر گفتگو کی۔ آپ نے فرمایا کہ یہ اطّلاع غلط معلوم ہوتی ہے، لوگ ہمارے اور اُن کے درمیان نااتّفاقی ڈالنے کو ایسی خبر اُڑاتے ہَیں۔

مولوی مظہر علی صاحب اور ارباب فیض اللہ خاں کی شہادت | مُحمّد امیر خاں قصُوری بیان کرتے ہَیں کہ دُوسری یا تیسری رات کو میرا پہرہ تھا۔ اچانک ایک سوار نے آکر آواز دی کہ پہرے پر کوئی ہے۔ مَیں نے کہا کہ ہاں، مَیں پہرے پر ہوں۔ تم کون ہو اور کہاں سے آئے ہو؟ اُس نے کہا کہ مَیں امام الدین ہوں اور پشاور سے آیا ہوں۔ سیّد صاحبؒ کو جلد میری اطّلاع کرو۔ سیّد صاحبؒ نے اپنے پاس بُلا لیا۔ آپ نے فرمایا: "کہو، کیا بات ہے؟ امام الدین نے عرض کی: "سردار پیر مُحمّد خاں نے مولوی مظہر علی صاحب کو دعوت کے بہانے سے اپنے مکان پر بُلایا۔ اُن کو اور چار غازیوں اور ارباب فیض اللہ خاں کو شہید کر دیا۔"

سیّد صاحبؒ نے یہ واقعہ سُن کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، شیخ ولی مُحمّد صاحب اور ارباب بہرام خاں

---

[1] منظورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ موضع دکھاڑا کی مسجد کے امام تھے، جو پنجتار کے قریب جانب مشرق چند میل کے فاصلے پر ہے۔

وغیرہ کو بُلا کر یہ حادثہ بیان کیا اور مُلکِ سمَہ کے دیہات میں جو مُجاہدین متعیّن تھے، اُن کو بُلانے اور اِکٹھا کرنے کے لیے فرمایا۔ اس مشورے میں جو رات باقی تھی، وہ گزر گئی۔[1] دِن کو سیّد صاحبؒ نے سیّد اسمٰعیل رائے بریلوی کو بُلا کر فرمایا کہ اسی وقت تم ہمارے اشدر گھوڑے پر سوار ہو کر جلد موضع شیوہ کو جاؤ اور مولوی رمضان شاہ قاضی القُضاۃ سے خلوت میں بُلا کر کہو کہ پشاور میں دُرّانیوں نے مولوی مظہر علی اور کئی غازیوں کو شہید کر دیا ہے۔ تم کو سیّد صاحبؒ کا حُکم ہے کہ اسی وقت اپنا سب کارخانہ جہاں کا تہاں چھوڑ کر اپنے سب لوگوں کے ساتھ ہمارے پاس چلے آؤ اور یہی بات یاروسین[2] میں جا کر رسالدار حمزہ علی خاں سے کہو اور دو چار سوار رسالدار سے لے کر اور یہی پیغام لے کر اس اطراف کی بستیوں کے غازیوں کے پاس بھیج دینا اور تم یہ خبر پہنچا کر کہیں نہ ٹھیرنا، یہیں چلے آنا۔[3] مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے حُکم دیا کہ توپ کو کھینچ کر مسجد کے شمال مغرب کی ٹیکری پر نصب کر دیا جائے۔ آپ نے بائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرف کُفّار پر ضرب لگانی چاہیے۔ دُوسری جانب دائیں ہاتھ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اس طرف مُنافقین پر۔[4]

اسی وقت سیّد اسمٰعیل صاحب روانہ ہو گئے اور شیوہ میں جا کر مولوی رمضان شاہ کو آپ کا پیغام پہنچایا اور وہاں سے یاروسین میں جا کر رسالدار حمزہ علی خاں کو یہی حُکم سُنایا اور کئی سوار رسالدار سے لے کر اور وہی حُکم دے کر اس اطراف کی بستیوں کے غازیوں کے پاس روانہ کر دیے۔ مگر یہ حُکم سُن کر سب کو یہ گمان ہُوا کہ مولوی مظہر علی صاحب وغیرہ کے ساتھ دُرّانیوں نے جو یہ معاملہ کیا ہے، تو شاید سیّد صاحبؒ پھر لشکر جمع کر کے پشاور جائیں گے۔ اس لیے جلد ہم لوگوں کو بُلاتے ہیں اور سمَہ والوں کی عیّاری اور مکّاری کا کسی کے دل میں خیال بھی نہ تھا۔ اس سبب سے کسی نے کہا کہ ہم یہاں سے شام کو روانہ ہوں گے، کسی بستی کے غازیوں نے کہا کہ ہم آدھی رات یا پچھلے پہر سے چلیں گے۔ اس تساہُل اور غفلت میں ہر

---

[1] منظورہ میں ہے کہ شیخ ولی محمد صاحب نے فرمایا کہ رات کا وقت ہے، کل دن کے وقت لوگ روانہ ہو جائیں گے۔ سیّد صاحبؒ نے سکوت فرمایا اور یہی رائے قرار پائی۔ منظورہ ص ۹۷۶

[2] یاروسین عام طور پر بولا جاتا ہے۔ مکھتہ یار حسین ہیں۔ تپۂ زُرّر کا بہت بڑا قصبہ ہے۔ اسمار جیلہ سے راستہ جاتا ہے۔

[3] وقائع [4] منظورہ ص ۹۷۶

بستی کے مجاہدین بستی ہی میں رہے اور اپنے اپنے دوستوں سے بستی میں ملنے لگے اور مصافحہ کرکے رخصت ہونے لگے کہ سیّد صاحبؒ نے کسی ضروری کام کو پنجتار میں اپنے پاس بُلایا ہے، سو آج شام کو یا صُبح کو ہم یہاں سے کُوچ کریں گے۔

ان لوگوں کا مشورہ پہلے سے ٹھیر چکا تھا کہ فلاں تاریخ، فلاں وقت اپنی اپنی بستیوں کے غازیوں کو قتل کر ڈالیں اور اس کی اصطلاح انھوں نے آپس میں یہ ٹھیرائی تھی کہ فلاں روز جوار کُوٹیں گے۔ اس میعاد میں دو دِن باقی تھے۔ پشاور والے دو دِن پہلے دست اندازی کر بیٹھے۔ یہ خبر بعض بعض خوانین کو ہو گئی۔[1] اُنھوں نے جانا کہ یہ غازی یہاں سے سلامت نکلے جاتے ہیں۔ اُن کو یہ آج ہی سمجھ لیں۔ اس بات کا سب نے مشورہ کیا اور اپنی بستی کے ڈُوموں سے کہا کہ حُجروں کے کوٹھوں پر چڑھ کر نقارے بجاؤ اور بآوازِ بلند پکارو کہ سیّد بادشاہ کی تاکیدِ شدید ہے کہ جلد عُشر کا غلّہ پہنچاؤ۔ سو سب مِل کر جس طرح سے ہو سکے، آج ہی جوار کُوٹنی شروع کر دو۔ پھر وُہ ڈوم حجروں پر نقارے رکھ کر بجانے لگے اور وُہی کہنے لگے اور جا بجا سے لوگ آ کر جمع ہو گئے۔

یہ حال دیکھ کر غازی لوگ اُن سے پوچھتے کہ آج یہاں بھی نقارے بجتے ہیں اور اِدھر اُدھر کی بستیوں سے بھی نقاروں کی آواز آتی ہے، یہ کیا معاملہ ہے؟ تو وُہ اُن سے کہتے کہ سیّد بادشاہ کا حُکم ہے کہ جلد عُشر کا غلّہ بھیجو، سو جوار کُوٹنے کے لیے ہم لوگوں کو خبر کرتے ہیں اور کوئی بات نہیں ہے۔ یہ سُن کر وُہ خاموش ہو رہتے اور اُن کی سازش کا کوئی احساس نہ ہوتا۔

عشاء کی نماز کے وقت اچانک بستی والوں نے گھیر لیا اور اُن غازیوں کو قتل کرنا شروع کر دیا۔ کوئی نماز پڑھنے میں شہید ہُوا اور کوئی وضُو اور استنجا کرنے میں۔ یہی حال ہر بستی میں ہُوا، مگر کہیں عشاء کے وقت اور کہیں آدھی رات کو اور کہیں پچھلے پہر کو اور کہیں فجر کی نماز میں۔ کوئی کوئی آدمی بھاگ کر یا کسی

---

[1] منظورہ میں ہے کہ جس وقت سیّد اسمٰعیل کو اس اطّلاع کے لیے بستیوں میں بھیجا گیا ہے اور پشاور سے اطلاع آئی ہے۔ نصراللہ خاں، ساکن گڑھی امان زئی پنجتار میں موجُود تھا۔ وُہ ایک بد باطن و منافق شخص تھا۔ سیّد اسمٰعیل کے روانہ ہوتے ہی وُہ بھی اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر روانہ ہو گیا اور سب جگہ اطّلاع کرتا گیا کہ پنجتار اس مشورے کی اطّلاع ہو گئی ہے۔ جو کام پرسوں کرنا ہے، اگر آج ہی نہ انجام دے لیا گیا، تو موقع ہاتھ سے جاتا رہے گا۔ صـ ۹۷ ؛

گھر میں چھپ کر بچے اور جان سلامت لے کر پنجتار میں سیّد صاحبؒ کے پاس آئے۔ باقی سب شہید ہوگئے۔

حاجی بہادر شاہ خاں کی شہادت حاجی بہادر شاہ خاں رامپوری سیّد صاحبؒ کے پاس سے رخصت ہوکر امان زئی کی گڑھی کو جاتے تھے۔ جب موضع اسمٰعیلہ میں گئے، تب وہاں کے لوگوں نے اُن کو ٹھیرا لیا کہ آج تشریف نہ لے جائیے یہیں رہیے، آپ کی ضیافت ہے۔ یہ لوگ حاجی صاحب کے بظاہر بڑے معتقد تھے اور اُن سے توجّہ لیا کرتے تھے۔ وہ وہاں ٹھیر گئے۔ انھوں نے بڑی تعظیم و تکریم سے کھانا کھلایا اور عشار کے وقت اُن کو امام بنایا۔ وُہ نماز پڑھنے لگے۔ پہلی رکعت کا سجدہ کرکے دوسری میں گئے تھے کہ وہاں کے خان اسمٰعیل خاں نے تلوار ماری اور سر جُدا ہوگیا۔

مولوی رمضان شاہ اور اُن کے ساتھیوں کی شہادت شیوہ میں سب غازی سب طرف سے سمٹ کر مولوی رمضان شاہ صاحب کے پاس جمع ہوگئے۔ آنند خاں و مشکار خاں مولوی صاحب کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ آپ کسی بات کا اندیشہ نہ کریں، ہمارے مکان پر چل کر بیٹھیں۔ جب تک ہم جیتے ہیں، کیا مجال جو کوئی آپ پر ہاتھ ڈالے۔ مولوی صاحب نے کہا، "جَزَاکُمُ اللّٰہُ تَعَالٰی" جو تم نے اس وقت تسلّی و تشفّی کی بات کہی، مگر اس وقت اللہ تعالیٰ کے سوا ہم کسی کو اپنا یار و مددگار نہیں جانتے۔ آپ اپنے مکان پر تشریف لے جائیں۔ جو کوئی ہم پر چڑھ کر آئے گا، ہم آپ جیسا ہوگا، دیکھ لیں گے۔

اس عرصے میں بلوائیوں نے آکر ہر طرف سے گھیر لیا۔ جب فجر ہُوئی اور اُجالا پھیلا، اس وقت مولوی صاحب اپنی جمعیّت کے ساتھ نکلے اور بلوائیوں نے اُن کا تعاقب کیا۔ لڑتے بھڑتے شیوہ کے درے نالے تک پہنچے۔ وہاں سے آگے اُنھوں نے نہ جانے دیا۔ وہیں ہر طرف سے گھیر کر شہید کر دیا۔

موضع شیوہ میں جب سیّد امیر علی نے، جو عُشر کی تحریر پر مامور تھے اور اس سلسلے میں دُورہ کرتے رہتے تھے، مُلکیوں کا اجتماع دیکھا اور نقارے کی پے در پے آواز سُنی، تو انھوں نے اپنا گھوڑا تیار کیا اور عُشر و زکوٰۃ کی پانچ ہزار کی جو رقم پہلے سے جمع تھی، گھوڑے پر بار کی اور پنجتار کی طرف رُخ کیا۔ اُس وقت اُن سے سب سے زیادہ قریب حافظ عبدالعلی ٹھلتی پسر حافظ قطب الدین ٹھلتی تھے۔ اُن سے بھی اُنھوں نے کہا کہ اپنا گھوڑا تیار کرو، ہم تم دونوں پنجتار نکل چلیں۔ حافظ عبدالعلی دیہات کے باہر تک

ساتھ آئے۔ اس کے بعد یہ کہہ کر میں ایسی حالت میں اپنے بھائیوں کا ساتھ چھوڑ نہیں سکتا۔ پھر موضع میں آگئے۔ سیّد امیر علی یہ کہہ کر روانہ ہو گئے کہ مجھے تو اس رقم کو پہنچانا ضروری ہے۔ حافظ صاحب نے جواب دیا کہ میں اپنی زندگی سے سیر ہو گیا ہوں اور شہادت کی موت کی تمنا ہے۔ میں تو اپنے ساتھیوں کے ساتھ رہوں گا۔ میرا جینا بھی اُن کے ساتھ ہے، میرا مرنا بھی اُن کے ساتھ ہے۔ چنانچہ وُہ مولوی مضان شاہ وغیرہ کے ساتھ ہی شہید ہوئے۔[1]

مینئی میں مُجاہدین کا مُحاصرہ | موضع مینئی میں وہاں کے مُلّا نے تین غازیوں کو اپنے گھر میں چھپا کر اُن کی جان بچائی۔ پیر خاں جماعت دار مورائیں والے ایک مسجد میں محصور ہو گئے اور وہاں سے مقابلہ کرتے رہے۔ بلوائیوں نے ہر طرف سے ایسا سخت گھیرا کہ نکلنے اور بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔ بستی والوں نے سب ناکے بھی روک لیے۔ کوٹھوں کی چھتوں پر بھی لوگ بندوقیں لیے بیٹھے تھے۔ غازیوں کی مار اُن پر نہیں پڑتی تھی اور یہ اُن کے نشانہ بنے ہوئے تھے۔ جب غازیوں کے پاس گولی بارُود نہ رہی اور تلوار کی زد پر یہ لوگ نہ گئے، تب مجبور ہو کر پیر خاں اپنے غازیوں کے ساتھ مسجد میں گھس گئے اور اندر سے کواڑ بند کر کے زنجیر لگا لی۔ اس وقت بندوقیں چلنی موقوف ہوئیں اور سب بلوائیوں نے ہر طرف سے آکر مسجد کا محاصرہ کر لیا اور اس فکر میں ہوئے کہ اب اُن کو کس ترکیب سے ماریں۔ بعضوں نے کہا کہ دیوار میں نقب کر کے بندوقوں سے مار لیں اور بعضوں نے کہا کہ مسجد میں آگ لگا دیں۔ اس سے آپ ہی جل کر مر جائیں گے اور جو کوئی باہر نکلیں گے، ہم اُن کو مار لیں گے۔ شاہ ولی خاں نے، جس کی یہ مسجد تھی، کہا: "میں نہ اپنی مسجد کھودنے دُوں گا، نہ جلانے دوں گا۔"

عُلماء و سادات اور عورتوں کی خوشامد | اس گفتگو میں اس بستی کے عُلماء اور سادات کلام اللہ شریف لے کر آئے اور بڑی خوشامد کے ساتھ خدا و رسُولؐ کا واسطہ دے کر کہنے لگے کہ ان مُسلمان مظلوموں کو ناحق ظُلم سے قتل نہ کرو۔ خدا کے غضب سے ڈرو، یہ حاجی، غازی اور مُہاجر ہیں اور اُنھوں نے

---

[1] منظورہ ص ۹۷۹، ۹۸۰۔ مولوی سیّد جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ حافظ عبد العلی پھلتی جب پھولڑے کی جنگ سے صحیح سلامت امب میں آئے، تو اپنے شہید نہ ہونے پر بڑی ندامت اور حسرت کا اظہار کرتے تھے اور شہادت کی موت کی تمنا رکھتے تھے۔

تمہارا کوئی نقصان بھی نہیں کیا۔ اسی طرح بستی کی تمام عورتیں کوئی اپنے خاوند کو، کوئی اپنے بیٹے کو، کوئی اپنے بھائی بھتیجے وغیرہ کو لپٹی تھی اور ہتھیار چھینتی تھی اور کہتی تھی کہ ان مظلوموں، بے گناہوں کو مارتے ہو اور کافر ہوتے ہو، غضبِ الٰہی سے ڈرو اور خونِ ناحق نہ کرو۔ مگر وہ کسی کا کہنا خیال میں نہیں لاتے تھے۔

ہندوؤں کی خوشامد اور سفارش | سب کے بعد وہاں کے ہندو بنیے جمع ہو کر آئے اور کہنے لگے کہ ہم ہندو لوگ ہیں، کوئی جانور نہ آپ مارتے ہیں، نہ امکان بھر غیر کو مارنے دیتے ہیں اور تم ان آدمیوں کے مارنے پر آمادہ ہو! جو تم چاہو، ہم سے لو، ان کو ہمیں دے دو۔ ہم تم سے اقرار کرتے ہیں کہ ان کو بخیار میں سید بادشاہ کے پاس نہیں بھیجیں گے، دریائے سندھ کے پار سکھوں کی عملداری میں اُتار دیں گے۔ وہاں سے جدھر چاہیں گے، چلے جائیں گے۔ مگر انھوں نے یہ بھی نہ مانا۔

قتلِ عام | غازی یہ تمام قیل و قال مسجد کے اندر سے سُن رہے تھے۔ اس بحث مباحثے میں پانچ گھڑی دن چڑھا۔ آخر سب اس امر پر متفق ہوئے کہ مسجد میں آگ لگا دو۔ جب غازیوں کو یقین ہُوا کہ اب یہ مسجد میں ضرور آگ لگا دیں گے، تب وُہ سب مسجد کے کواڑ کھول کر ننگی تلواریں لے کر باہر نکلے۔ مسجد کے صحن میں آکر پیر خاں کا پاؤں پھسلا اور زمین پر گرے۔ جلد ایک جوان نے اُن کو اُٹھا لیا اور باہر مشرق کی طرف لے چلا۔ کسی بلوائی نے جان کے خوف سے اُس وقت اُن غازیوں کا تعاقب نہ کیا۔ سب لوگ مسجد کے اندر اُن کے مال و اسباب لُوٹنے لگ پڑے۔ تب یہ لوگ بستی کے باہر نالے پر جا پہنچے اور تسلّی سے پانی پینے پر جُھکے اور جانا کہ ہم سب سلامت بچ گئے۔ اس عرصے میں بلوائی مال و اسباب کے لُوٹنے سے فارغ ہو کر اُن کے تعاقب میں دَوڑے اور نالے کے اندر چاروں طرف سے گھیر لیا اور پتھروں اور نیزوں سے مارنا شروع کیا اور سب کو وہیں قتل کر ڈالا۔ اُن میں سے ایک کو زندہ نہ چھوڑا اور اُن کے کپڑے لتّے ہتھیار وغیرہ لے کر بستی کو چلے آئے۔

مُلّاؤں کی جُرأت | بستی میں آکر اُن کو مخبروں سے معلوم ہُوا کہ بعض مُلّاؤں کے گھروں میں ایک ایک، دو دو غازی چھپے ہیں۔ تو اُنھوں نے خانہ تلاشی شروع کی اور اصرار کیا کہ جس گھر میں کوئی غازی ہو وُہ حوالہ کر دے۔ مُلّاؤں نے صاف انکار کیا اور کہا کہ وُہ ہماری جان کے ساتھ ہیں۔ جب تک دم میں دم ہے

ہم اُن کو ہرگز حوالے نہ کریں گے۔ آخر بلوائی ناکام رہے اور اِن مُلّاؤں نے اپنی جُرأت و جوانمردی سے کئی آدمیوں کی جان بچالی۔

مُجاہد کے جذبات | ایک مُلّا کے گھر میں چند غازی چھُپے تھے۔ جب خانہ تلاشی موقوف ہُوئی، تو اس مُلّا نے اپنے محلّے کے ایک سیّد صاحب سے، جن کا نام میاں مُحمّد تھا، کہا کہ رات کو تین غازی میں نے اپنے یہاں لاکر چھپائے۔ دو کو رات ہی کو بستی کے باہر سلامت نکال دیا۔ اب ایک ہے، مگر بیمار ہے۔ میاں مُحمّد نے مُلّا کو بہت شاباشی دی کہ تم نے بڑی جوانمردی کا کام کیا اور کہا کہ دو غازی میرے حُجرے میں بھی ہیں: ایک زخمی ہے اور ایک تندرست، اور مُلّا سے کہا کہ آج کچھ دیر کے بعد تمھارے یہاں آؤں گا، مگر تم اس غازی کو تسلّی کر دینا کہ میرے وہاں جانے سے کسی بات کا اندیشہ نہ کرے۔

میاں خدا بخش رامپوری، جو اس مُلّا کے گھر میں چھُپے ہُوئے تھے، کہتے ہیں کہ کچھ دن رہے وُہ سیّد ایک سیاہ کمبل سر سے پاؤں تک اوڑھے ہُوئے خفیہ دیوار پھاند کر آئے، مجھ سے لپٹ کر ملے اور بہت روئے اور کہا کہ ان بلوائیوں نے بڑا ظُلم اور بے دینی کا کام کیا کہ بے گناہ لوگوں کو مارا۔ مَیں نے کہا: "میاں صاحب، ہم سب لوگ اپنے گھروں سے اسی نیّت سے آئے تھے کہ اپنی جانیں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صرف کریں۔ سو جو صاحب شہید ہُوئے، وہ اپنی مُراد کو پہنچے اور جو باقی ہیں، اُن کا اِرادہ بھی اللہ تعالیٰ پورا کرے۔ اس بات کا ہم کو کچھ گِلہ شکوہ نہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمارے سیّد صاحبؒ کو سلامت رکھے! جو وُہ سالم رہیں گے، تو پھر جہاد کا سامان دُرست ہو جائے گا اور بہتیرے غازی آجائیں گے۔

یہ منظور نہیں | میاں مُحمّد، خدا بخش صاحب کو اپنے حُجرے میں لے گئے۔ وہاں دو غازی اور تھے، ایک قصبہ کاکوری کے سیّد حیدر علی، جو زخمی تھے، اور ایک غازی، جو لشکر میں شاہ جی کہلاتے تھے۔ میاں مُحمّد نے تینوں آدمیوں کو کھانا کھلایا۔ جب نمازِ عشاء سے فارغ ہُوئے، تب اُنھوں نے کہا کہ سیّد حیدر علی تو زخمی ہیں؛ جب تک یہ اچھے ہوں، تب تک ہم اُن کو یہیں رکھیں گے، اس لیے کہ یہ کسی صُورت سے چل نہیں سکتے۔ تم دونوں صاحب کہو کہ تمھارا کیا اِرادہ ہے۔

ہم دونوں نے کہا کہ ہماری خاص نیّت تو یہ ہے کہ جس طرح ہو سکے، پنجتار میں حضرت امیرالمومنین کے پاس پہنچا دیں۔ میاں محمّد کے دو بیٹے جوان اور بڑے وجیہ تھے۔ اُنھوں نے اُن سے کہا کہ بیٹا، ان دونوں غازیوں کو سیّد بادشاہ کے پاس پنجتار میں پہنچاؤ۔ انھوں نے کہا کہ ہم یہ پہلے معلوم کرلیں کہ راستہ محفوظ بھی ہے یا نہیں۔ ان میں کا ایک باہر نکلا اور کئی گھنٹے کے بعد آکر اپنے باپ سے کہنے لگا کہ مَیں معتبر لوگوں سے معلوم کر کے آیا ہُوں کہ یہاں سے پنجتار تک جا بجا غدر ہو رہا ہے، ان کے پہنچنے کی کوئی صُورت نہیں ہے، باقی، آپ جو کچھ فرمائیں، ہم فرماں بردار ہیں۔ میاں محمّد نے اُن سے کہا کہ خُدا پر توکّل کر کے آج اَور آپ یہاں رہ جائیے، اِنشاء اللہ کل اس کی کوئی صورت نکالیں گے۔

پھر وُہ رات اور ایک دن ہم اَور رہے۔ دُوسری رات کو پھر اُنھوں نے بیٹوں سے کہا۔ اُن میں سے ایک باہر گیا اور کچھ دیر کے بعد آکر کہنے لگا کہ پنجتار کی طرف تو جانا دشوار ہے، مگر ہاں، اگر یہ راضی ہوں، تو دریائے اٹک پار اُتار کر سکھّوں کی عملداری میں ان کو پہنچا دیں۔ وہاں ان سے کوئی مزاحم نہ ہوگا۔

غازیوں نے کہا کہ وہاں جانا تو کسی طرح ہم کو منظور نہیں، حضرت کے سِوا اَور کہیں نہ جائیں گے، اور اگر پنجتار کا راستہ غیر مامون ہے، تو ہم کو موضع کوٹھہ میں سیّد میر آخوند زادہ کے پاس پہنچا دو۔ جب تک غدر ہے، ہم وہیں رہیں گے۔ انھوں نے اس کو قبول کیا اور اُن کو کوٹھہ پہنچا دیا، جہاں وہ چند دن ٹھیر کر پنجتار میں سیّد صاحبؒ کے پاس پہنچ گئے۔

وفادار رفیق | مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ حبیب خاں بُنیر والے، جو مینئی کے بلوے میں غازیوں کے ہمراہ تھے اور اُن کی عُمر تقریباً ساٹھ سال تھی، اُن کو بلوائیوں نے آواز دی کہ تم ہمارے پاس آؤ، تم ولایتی ہو، ہم تم کو قتل نہیں کریں گے۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم کو تمھارے ہاتھوں زندہ رہنا منظور نہیں اور غازیوں کے ساتھ شہید ہو جانا منظور ہے۔ اُنھوں نے اپنے ساتھیوں کی رفاقت نہ چھوڑی جب ساتھی تلواریں کھینچ کر مقابلے کے لیے مسجد سے باہر آئے، تو حبیب خاں بھی ساتھ تھے۔ بلوائیوں میں سے ایک نے اُن کے سر پر تلوار ماری، سر میں زخم آیا۔ ایک سُنار نے بیچ میں آکر اُن کی جان بچائی۔ وُہ

بالاکوٹ کے معرکے تک زندہ رہے۔[1]

حاجی محمود خاں رامپوری اور اُن کے ساتھیوں کی شہادت

حاجی محمود خاں رامپوری بیس آدمیوں کے ساتھ تحصیل عُشر کے واسطے موضع سُندم میں متعیّن تھے جب اُنھوں نے سمہ کی بستیوں کی خبر سُنی، تو اپنے سب لوگوں کو ہتھیار بندھوا کر اور ساتھ لے کر بستی سے باہر نکل پڑے اور بستی کے کنارے نالے پر جا کر ٹھیرے، اس خیال سے کہ دن کو کوئی ہمارے نزدیک نہ آسکے گا، اور اگر آئیگا، تو ہم مقابلہ کریں گے اور جب رات ہوگی، تو پہاڑ کے راستے سے پنجتار چلے جائیں گے جب وہاں کا خان مبین خاں موضع اسمٰعیلہ سے حاجی بہادر خاں صاحب کا کام تمام کر کے آیا اور اُس کو معلوم ہُوا کہ حاجی محمود خاں اپنے لوگوں کو لے کر صحیح وسلامت نکل گئے اور نالے پر ٹھیرے ہیں، تو وہ حاجی محمود خاں کے پاس گیا اور تسلّی اور دلاسے کی باتیں کرنے لگا کہ تم مجھ کو اپنا خیر خواہ دوست جانتے ہو یا بدخواہ دشمن؟ وُہ سیدھے سادھے مسلمان، کہنے لگے کہ مَیں تم کو اپنا خیر خواہ دوست جانتا ہوں۔ اُس نے کہا کہ بات یہ ہے کہ مَیں آج بستی میں نہ تھا، ورنہ یہ شر و فساد ہرگز نہ ہونے دیتا۔ اب مَیں آیا ہوں سب کو تم لوگوں کے پاس سے دفع کیے دیتا ہوں۔ تم خاطر جمع رکھو اور یہیں نالے پر ٹھیرے رہو۔ آج رات کو صحیح وسالم تم سب کو پنجتار پہنچا دُوں گا۔

کچھ دیر کے بعد پھر ان کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ اب تھوڑا دن رہا ہے، تم چلنے کو تیار رہو، مگر میں اپنی بدنامی سے ڈرتا ہوں، تم کو ہتھیار باندھے ہُوئے نہیں لے جا سکتا۔ تم سب اپنے ہتھیار میرے گھر میں امانت رکھ دو، مَیں تیسرے روز پنجتار تمھارے پاس پہنچا دُوں گا۔ تقدیر کا لکھا مٹتا نہیں۔ ان سب نے اپنے ہتھیار کھول کر اس کے حوالے کیے۔ وُہ لے کر اپنے گھر گیا۔ جب یہ سب خالی ہاتھ رہ گئے، تو بلوائیوں نے آکر گھیر لیا اور ایک ایک کو پچھاڑ کر بھیڑ بکریوں کی طرح ذبح کر دیا۔ ان لوگوں میں اکثر حاجی صاحب کے ہم قوموں میں تھے۔ عظیم اللہ خاں نام حاجی صاحب موصُوف کے چھوٹے بھائی نے وہیں ایک پٹھان کے یہاں نکاح کیا تھا۔ اُن کو اُنھیں کے خُسر نے چھاتی پر چڑھ کر ذبح کیا۔ اس واقعہ میں پندرہ آدمی شہید ہُوئے۔ دو آدمی بھاگ کر ایک بُڑھیا کے گھر میں جا چھُپے۔ اس نیک بخت نے رحم

[1] منظور و ص ۱۰۰۰، ۱۰۰۱

کھا کر اپنے گھر میں بُھس کے اندر چُھپا رکھا۔ اُوپر ایک گُدڑی ڈال دی۔ رات کو سلامت نکال دیا۔ اور وُہ راتوں رات بھاگ کر پیشاور آگئے۔ ان سے اس واقعہ کی تفصیل معلوم ہُوئی۔

بعض مُلّاؤں کی ہمدردی | بعض زخمیوں کو اور بعض اَیسے مُجاہدین کو، جو قاتلوں کے نرغے میں تھے، مُلّاؤں نے بچایا۔ گُلاب خاں کہتے ہَیں: "مَیں نیم جان شہیدوں کے گروہ میں زخمی پڑا ہُوا تھا۔ ظالِم جب غازیوں کے ہتھیار لے کر اور مجھے مُردہ سمجھ کر گھر چلے گئے، تو ایک مُلّا نے مجھے زخمی دیکھ کر میرے حال پر رحم کھایا اور مجھے اپنے گھر لے جا کر ایک دن اور ایک رات رکھا۔

لکھمیر خاں کا واقعہ | لکھمیر خاں اپنا قصّہ بیان کرتے ہیں کہ ہم پانچ سوار موضع تُلاندئی میں تھے۔ مُجھے رات کو غُسل کی حاجت ہُوئی۔ مَیں تلوار لیے ہُوئے ایک ندّی پر گیا، جسے باغی محاصرہ کیے ہُوئے تھے۔ اُن میں سے ایک نے کہا: "کہاں جاتے ہو؟" مَیں نے کہا: "غُسل کو جاتا ہوں"۔ اُس کے ساتھی نے کہا: "جانے دو"۔ طہارت کے بعد مَیں نماز میں دُوسری رکعت میں کھڑا ہُوا تھا کہ دو آدمی پہنچے۔ ایک نے تلوار اُٹھائی، دُوسرے نے کپڑے لیے اور عین نماز کی حالت میں میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ ایک نے ایک ہاتھ پکڑا، دُوسرے نے دُوسرا اُور دیہات کی طرف لے چلے۔ ایک نے کہا کہ کام تمام کرو، دُوسرے نے کہا کہ جہاں اِس کے ساتھی مارے گئے ہیں، وہیں ماریں گے۔ مجھے اپنی ہلاکت کا یقین ہُوا۔ بچنے کی اُمید نہ تھی۔ اپنے دونوں ہاتھوں سے زور کیا اور ہاتھ چھڑا لیے اور بھاگا۔ وُہ کچھ دُور میرے پیچھے دَوڑے۔ پھر واپس گئے اور سواروں کو جا کر خبر کی۔ ایک سوار نے اپنا گھوڑا میرے پیچھے دَوڑایا۔ ندی کے پاس پہنچ کر گھوڑا کِسی چیز کو دیکھ کر بدکا، سوار گِرا اور گھوڑا بھاگا، سوار تو اپنے گھوڑے کے پیچھے دَوڑا اور مَیں بھاگ کر پیشاور آگیا۔

ایک لڑکے کی ہمّت | حافظ الٰہی بخش نابالغ تھے۔ اُن کے ماموں کو بلوائیوں نے شہید کر دیا۔ ایک ظالِم نے اُن کے سر پر تلوار رکھی، دوسرا ساتھی اُن کے اوپر گر پڑا اور کہا کہ اِس جوان کو چھوڑ دو، یہ حافظِ قرآن ہے۔ مَیں اس کو غلام بنا لُوں گا۔ چنانچہ زخم کے باوجُود وُہ زندہ رہے۔ جب سیّد صاحبؒ سے یہ واقعہ بیان کیا گیا، تو فرمایا کہ وُہ خدا کا غلام ہے، کِس کی مجال ہے کہ اس کو اپنا غلام بنائے؟ بہرحال

وُہ شخص حافظ الٰہی بخش کو اپنے گھر لے گیا اور ایک جرّاح کو اُن کی مرہم پٹی کے لیے مُقرّر کیا اور حافظ جی سے کہا کہ میرے بچّوں کو قرآن پڑھایا کرو۔ حافظ اتنا فرزانہ تھا کہ اس کے باوجود کہ بچّوں کے ساتھ کھیلتے کھیلتے اس کو پشتو بخوبی آگئی تھی، مگر وُہ اَنجان بنا رہا اور اُن کی باتیں غور سے سُنتا رہا۔ وہ سمجھتے تھے کہ یہ لڑکا پشتو سے ناواقف ہے۔ ایک روز جرّاح کچھ لوگوں سے کہنے لگا کہ مَیں اس بچّہ کے ایسی دوا لگاتا ہوں کہ زخم مندمل ہونے کے بجائے ہرا رہے، مگر زخم ہے کہ خشک ہوتا جا رہا ہے۔ اب میرا اِرادہ ہے کہ ایک زہر آلود بتّی اس میں رکھ دوں تاکہ یہ مرجائے۔ حافظ نے اپنے ایک عزیز شاگرد، سے، جو طاقتور جوان تھا، ایک روز یہ قصّہ سُنایا اور کہا کہ میری خواہش ہے کہ آپ مجھ کو امیر المومنین کے پاس پہنچا دیں۔ مَیں پانچ روپیہ آپ کو نذر کروں گا۔ اس نے پہنچا دیا۔ سیّد صاحبؒ نے فوراً پانچ روپے عنایت فرمائے اور اس بچّے کو اُس کے استاد حافظ صابر کے سپرد کیا، اور نُور بخش جرّاح کو علاج کے لیے مقرر کیا۔ نُور بخش نے زخم دیکھ کر کہا کہ واقعی اس بدنیت جرّاح نے اس کو ہلاک کرنے کی تدبیر کی تھی، اس کے سر کی ہڈّی خراب ہوگئی ہے، اس کو نکالنے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ ہڈّی نکالی گئی۔ لڑکے نے حرکت تک نہ کی، نہ زبان سے اُف کہا۔ جرّاحی کے بعد کسی نے ارادہ کیا کہ لڑکے کو گود میں لے کر پہنچا دے۔ کہنے لگا کہ زخم میرے سر میں ہے، میرے پاؤں میں تو نہیں! چنانچہ خود اپنے پاؤں چل کر لشکر میں گئے۔ پھر سارے لشکر میں گشت کر کے غازیوں سے مُلاقات کی۔[1]

---

[1] منظومۃ السعداء ص ۱۰۰۵، ۱۰۰۶

پینتیسواں باب

محفوظ مجاہدین

مولوی خیرالدین صاحب کا خرم و مدبّر مولوی خیرالدین صاحب لونڈ خوڑ میں تھے، جہاں کے ملک اُن کو اپنے علاقے میں عُشر و زکوٰۃ و جزیہ کے اجراء کے لیے سیّد صاحبؒ سے طلب کر کے لائے تھے۔ انھوں نے سمنہ کے مواضعات میں مجاہدین کے قتلِ عام کی خبر سُنی اور معلوم ہُوا کہ پورے مُلک میں غدر مچا ہُوا ہے۔ اس اثنا میں سیّد صاحبؒ کی طلبی کی اطلاع ملی۔ آپ نے اس اطلاع کو عام نہ کیا۔ اگلے روز قاصد کے ہاتھ سیّد صاحبؒ کا پروانہ پہنچا کہ تم سے یہاں کچھ ضروری کام ہے، وہاں کے قاضی کو اپنی جگہ قائم کر کے ایک مَلک کو اپنے ہمراہ لے کر اپنی جمعیّت سمیت جلد ہمارے پاس چلے آؤ۔ اس خط کا مضمون بھی مولوی صاحب نے سوائے اپنے غازیوں کے کسی پر ظاہر نہ کیا کہ جب تک چلنے کی تیاری کسی طرف قرار نہ پائے، اس حال کا اظہار مناسب نہیں۔

اسی دن ایک غریب صُورت، آخوند گھبرا ہُوا آیا اور پوچھنے لگا: "مولوی خیرالدین صاحب کہاں ہیں؟ اُن سے کچھ بات کہنی ہے"۔ لوگوں نے مولوی صاحب کی طرف اِشارہ کیا۔ اُس نے اُن کو الگ لے جا کر کہا: تم کو کچھ سمنہ کا حال معلوم ہے؟ انھوں نے کہا کہ نہیں۔ اُس نے کہا کہ تمھارے غازی لوگ جہاں جہاں متعیّن تھے، سب قتل کر ڈالے گئے اور اکثروں کا نام لیا اور اُن کے قتل کی صُورت بیان کی

اور کہا کہ پنجتار کا حال نہیں معلوم کہ سیّد بادشاہ پر کیا گزری، تم جلد اپنی جان بچانے کی کوشش کرو۔ مَیں سیّد بادشاہ کا غلام اور فرمانبردار ہُوں۔ اس وقت صرف تم کو خبر دینے آیا ہوں، اور اب مَیں اپنے گھر جاتا ہوں کہ یہاں سے نزدیک ہے۔ یہ کہہ کر وہ اُسی وقت چلا گیا۔

یہ خبر سُن کر مولوی صاحب کے ساتھی گھبرائے۔ آپ نے سب کو تسلّی دی اور کہا کہ گھبرانے سے کام بنتا نہیں، بگڑتا ہے۔ اِستقامت سے کام لو اور جنابِ الٰہی میں دُعا کرو کہ تمہارے نکلنے کی کوئی راہ پیدا کر دے اور جیسا مَیں تم سے کہوں، ویسا کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنا فضل کرے گا۔

نماز کے بعد پھر آپ نے سب لوگوں کو جمع کیا اور کہا کہ بھائیو، ایک بات میں تمہاری خدمت میں عرض کرتا ہوں۔ اگر تم مجھ کو اپنا امیر جانتے ہو، تو بدل و جان اس کو مانو اور وقت پر کوئی عقل و تدبیر نہ بتلاؤ۔ ایسے وقت پر متفرق باتوں سے طبیعت پراگندہ ہو جاتی ہے اور بنی ہُوئی تدبیر بگڑ جاتی ہے۔ مجھ کو امیر المومنین نے تم پر امیر کیا ہے۔ معاذ اللہ! اگر کوئی سُوءِ تدبیر مجھ سے صادر ہو اور اس سے تم بھائیوں کو گزند پہنچے، تو بیشک مَیں خدا کے نزدیک پکڑا جاؤں گا۔ تم نے اپنے بھائیوں کی شہادت کا حال سُنا کہ کہیں غفلت میں نماز پڑھتے اور کہیں سوتے مارے گئے اور کہیں اپنی سُوءِ تدبیر سے۔ مخالفین میں سے ایک بھی نہ مارا گیا اور نہ زخمی ہُوا۔ اُن کی شہادت ہی مقدر تھی۔ اس وقت خدا کے فضل و کرم سے تم سب ہوشیار اور بیدار ہو اور اپنے سپہ گری کے ساز و سامان سے تیار ہو۔ تقدیرِ الٰہی کا مُعاملہ تو جُدا ہے، مگر بظاہر اسباب اَیسا نہیں ہو سکتا کہ مخالفین اپنے کو صحیح و سلامت رکھ کر تم سب کو مار لیں۔ ان کو بھی اپنی جان پیاری ہے، بلکہ ہماری دہشت اُن پر غالب ہے۔ اگر ہم سَو آدمی شہید ہوں گے، تو وُہ انشاء اللہ سیکڑوں مارے جائیں گے اور اگر تقدیر میں ہم لوگوں کی شہادت ہی لکھی ہے، تو کچھ کوشش و تدبیر پیش نہ جائے گی، بلکہ جو تدبیر کریں گے، اُلٹی پڑے گی۔ سب نے کہا کہ ہم آپ کے فرمانبردار ہیں۔ جو فرمائیے گا، ہم وُہی کریں گے۔

مولوی خیر الدین صاحب نے کہا کہ مَیں ایک جال پھیلاتا ہوں، اگرچہ اس وقت وُہ کسی کے خیال میں نہ آئے گا۔ یہ خُوب سمجھ لو کہ بستی کے لوگوں میں جب تک اُن کے ملک شکن [illegible]

ہم پر کوئی ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔ سو اب سب کمر باندھ ہتھیار لگا کر اپنی مسجد میں بیٹھے رہو اور اس وقت کسی کو اللہ تعالیٰ کے سوائے اپنا دوست نہ جاننا اور اُس کی باتوں میں نہ آنا اور جتنا تم سے کہوں، اُتنا کرنا۔ اب مَیں نماز پڑھ کر مُصلّے پر بیٹھتا ہُوں، تم چھتاق والے چار آدمی میری پُشت پر کھڑے رہو، اور تم میں سے چار قرابین والے اس درخت کے نیچے، جو مسجد کے صحن میں ہے، کھڑے رہیں۔ جب دیکھیں کہ مُلکِ گگاؤں کے آدمیوں کو لے کر آئیں اور ہم پر حملہ کریں، تب اِن مُلکوں کے قتل کی طرف توجہ کریں اور ہماری شرکت کا لحاظ نہ کریں، اگرچہ ہم مارے جائیں۔ اگر مُلک ہمارے قابو میں آگئے، تو پھر مسجد سے باہر نہ نکلنے دینا۔ مزید چھ آدمی مسلح ہو کر بازار جائیں اور چھیوں بنیوں سے کہیں کہ کئی روز ہُوئے، تم نے نام لکھوائے ہیں، اب تک جزیے کا روپیہ تم نہیں لائے۔ اِسی وقت لے چلو۔

یہ سُن کر میر عبدُالرحمٰن جھالوی بولے کہ مولوی صاحب، یہ کیا فرماتے ہو؟ یہ جزیے کے تحصیل وصُول کا وقت ہے؟ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے تو پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ کوئی مجھ کو تدبیر نہ بتائے۔ جو کہوں، کرے۔ تم اتنے جلد ہی اس بات کو بھول گئے۔ یہ سُن کر وُہ خاموش ہو گئے۔

چھ آدمی مسلح ہو کر بازار گئے اور انھوں نے بنیوں سے تقاضا کیا۔ وُہ اپنے اپنے علاقے کے مُلک کے پاس دَوڑے گئے اور کہا کہ یہ سعی کا وقت ہے، آپ جزیے کے روپے میں کچھ تخفیف کرا دیجیے۔ چنانچہ آگے آگے بنیے، پیچھے پیچھے مُلک مسجد میں آکر جمع ہو گئے۔ مولوی صاحب نے عصر کے وقت سے جزیے کی تحصیل وصُول شروع کی، مغرب تک یہ سلسلہ جاری رہا۔ مغرب کے بعد وہ سب مُلکوں کو مسجد کے اندر لے گئے اور سیّد صاحبؒ کا خط پیش کیا۔ مُلکوں نے کہا کہ اب تو رات ہُوئی، کل دن کو ہم سب آپس میں صلاح کر کے ایک مُلک کو تمھارے ساتھ کر دیں گے۔ مولوی صاحب نے کہا: "یہ کام کل کی صلاح کا نہیں ہے۔ جو صلاح کرنی ہو، اس وقت کر لو۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم جاتے ہیں اور جگہ کر کے ایک مُلک کو تمھارے ساتھ کر دیتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ یہیں مسجد میں جگہ کر لو۔ وُہ جگہ کر کے صلاح الدین مُلک کو مولوی صاحب کے پاس لائے اور اُس کا ہاتھ مولوی صاحب کے ہاتھ میں دے کر کہا کہ یہ تو آپ کے ساتھ جائے گا، اس کی شرم آپ کے ہاتھ ہے اور راستہ بھی ہم نے اس کو بتا دیا ہے۔ اب آپ کو اختیار

ہے، جب چاہیے، جائیے۔ مولوی صاحب نے صدرالدین کو اپنے پاس بٹھالیا اور باقی ملکوں سے کہا کہ اب تم اپنے گھر جاؤ اور روٹی کھاؤ۔ ملک صدرالدین نے کہا کہ اگر اجازت ہو، تو مَیں بھی اپنے گھر سے روٹی کھا آؤں۔ مولوی صاحب نے کہا کہ تم ہمارے ساتھ کھانا کھانا اور اُس کو جانے نہ دیا۔

مُلک ظُہر سے مغرب تک مسجد میں رہے تھے۔ اُن کو سَمنہ کی سازش کا کچھ حال معلوم نہ تھا۔ جب وُہ اپنے اپنے گھر گئے، تو وُہ خبر انھوں نے بھی سُنی۔ وُہ ششدر رہ گئے اور انھوں نے آپس میں جرگہ کیا اور کہا کہ ہمارے ساتھ اِس مولوی نے کوئی ایسا کام نہیں کیا، جو ہم اس کی جان کے خواہاں ہوں۔ کام تو وہی کیا، جو سَمنہ میں اَور ہندوستانیوں نے کیا۔ فرق اتنا ہے کہ اُنھوں نے خود کیا اور اس سبب سے لوگوں پر شاق گزرا اور وُہ اُن کے دشمن ہوگئے اور اس مولوی نے وہی کام ہماری رضامندی سے کیا اور ہمارے ہاتھوں سے کرایا۔ اور دُوسری بستیوں میں تو ہندوستانی لوگ سیّد بادشاہ کے فرمانے سے بیٹھے اور ہم اس کو اپنی خوشی سے اور سیّد بادشاہ سے درخواست کرکے لائے تھے۔ سو اِس پر ہاتھ ڈالنا نہایت بے دینی اور بے انصافی ہے۔ لیکن اگر یوں ہی چھوڑ دیں، تو کل سَمنہ والے ہمارے دشمن ہوجائیں گے۔ اب ایسا کرو کہ ان کے ہتھیار تولے لو اور ان کو اپنی بستی سے سلامت نکال دو۔ ہتھیار لینے میں بھی اتنی مروّت کرو کہ اِس حُجرے والے اُس حُجرے والے غازی کے ہتھیار لیں۔ اور اُس حُجرے والے اِس حُجرے والے غازیوں کے ہتھیار لیں۔ چنانچہ تھوڑے عرصے میں بستی والوں نے مسجد کو گھیر لیا۔ چالیس پچاس آدمی بندوقیں مانجھے کچھ مسجد کی صحن کی دیوار پر بیٹھے تھے اور کچھ متفرق دائیں بائیں کھڑے تھے۔ مولوی خیرالدین صاحب نے باہر نکل کر پوچھا: تم یہاں کیوں جمع ہو؟ یہاں کون سا تماشا ہو رہا ہے جو تم دیکھتے ہو؟ انھوں نے کہا کہ ہم مال لُوٹنے کے واسطے جنگل کو جاتے ہیں، اس لیے جمع ہیں۔ مولوی خیرالدین صاحب نے کہا کہ کہیں جاؤ، مگر ہمارے پاس نہ آؤ، نہیں تو ہماری تمھاری لڑائی ہے۔ اُنھوں نے جانے میں تامُّل کیا۔ مولوی خیرالدین صاحب نے اپنے آدمیوں سے پکار کر کہا کہ تم مسجد سے باہر نکل آؤ، ان کی نیّت میں کچھ فتور معلوم ہوتا ہے۔ اور ان بلوائیوں سے غُصّے ہوکر کہا کہ جیسے سَمنہ کی بستیوں میں ہمارے بھائیوں کو غفلت میں شہید کیا، اگر ہم بھی غافل ہوتے، تو ویسے ہی مارے جاتے۔ اب تو ہم ہشیار اور اپنے ہتھیاروں سے تیار ہیں۔ اتنے

آدمی تب مریں گے، جب تمھاری صدہا عورتوں کو بیوہ اور تمھارے صدہا لڑکوں کو یتیم کر دیں گے تمھاری اس میں خیر ہے کہ جلد یہاں سے چلے جاؤ، نہیں تو اپنے غازیوں کو حکم دیتا ہوں کہ ایک طرف سے بستی کا قتل عام شروع کر دیں۔ اس وقت تم سے کچھ نہ ہو سکے گا۔ غازی لوگ تو مسجد میں مسلح بیٹھے تھے جونہیں وہاں سے باہر نکلے، تمام بلوائی جنگل کی طرف بھاگ گئے۔

مولوی صاحب نے بستی سے نکل جانے کی تیاری کی۔ پنجتار کا راستہ بالکل غیر مامون تھا۔ آپ نے پڑاں[1] غار کا ارادہ کیا، جہاں کا ملک لعل محمد بڑا دیندار اور سید صاحبؒ کا مخلص تھا۔ تھوڑی دیر کے بعد سب ملک آئے اور خوشامد آمیز باتیں کہنے لگے کہ کچھ ہماری عرض ہے، مگر ہم کہ نہیں سکتے ہیں۔ مولوی خیرالدین صاحب نے کہا کہ تم اپنے حصے کے روپوں کو کہتے ہو گے۔ مولوی صاحب نے پوچھا کتنے روپے تحصیل وصول ہوئے ہیں اور کس کے پاس ہیں اور تمھارے حصے کے کتنے روپے ہیں؟ انھوں نے کہا کہ سو روپے تحصیل ہوئے ہیں اور تمھارے حکم سے قاضی کے پاس امانت ہیں، تمھارے وعدے کے موافق ہمارے حصہ کے پچیس روپے ہوئے۔ مولوی صاحب نے قاضی صاحب سے کہا کہ پچیس روپے ان کے حوالے کرو اور باقی پچھتر روپے میں نے سب ملکوں کو انعام دیے۔ ان باتوں سے وہ بہت خوش ہوئے اور خوشامد سے کہنے لگے کہ اس وقت رات میں کہاں جاؤ گے، جب تک پنجتار کا راستہ صاف نہ ہو، تب تک تم یہاں سے کہیں نہ جاؤ جس طرح ہم لوگ پہلے آپ کے فرمانبردار تھے، اسی طرح اب بھی ہیں، بلکہ اب اس سے زیادہ آپ کی فرمانبرداری اور خدمت گزاری نہ کریں تو ہم اشراف نہ ہوں گے۔ ہماری طرف سے کچھ شبہہ اور وسوسہ آپ اپنے دل میں نہ لائیے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ تم صاحبوں سے ایسی ہی اُمید ہے، مگر ہم کو حضرت امیرالمومنین کے پاس پہنچنا ضرور ہے۔

پنجتار کا سفر | پڑاں غار جانے کا حال آخوند گل کے سوا کسی کو معلوم نہ تھا۔ اخوند گل پشاوری عالم، دیندار، پرہیزگار اور سید صاحبؒ کا مخلص تھا۔ لُونڈ خوڑ سے کچھ کم ایک کوس پنجتار کی طرف چلے۔ وہاں

---

[1] اصل لفظ "پڑانگ غار" ہے۔ کثرت استعمال سے "پڑاں غار" کہتے ہیں۔ پڑانگ پشتو میں چیتے کو کہتے ہیں۔ کسی زمانے میں وہاں چیتے کا غار ہو گا، پھر بستی کا یہ نام ہوا۔

ایک گورستان تھا۔ اُس میں پہنچ کر آخوند گُل نے ملک صدرالدین اور رہبر کا ہاتھ پکڑ کہا کہ یہاں سے پڑاں غار کا راستہ لو۔ صدرالدین نے کہا کہ بھائی ہندوستانیو، دانائی تم پر ختم ہے کہ لُوندخُوڑ سے یہ ارادہ کسی پر ظاہر نہ کیا۔ مَیں بھی سوچ میں تھا کہ یہاں سے پنجتار تک کیونکر جانا ہوگا، مگر خوف سے کہ نہیں سکتا تھا۔ اب میری جان میں جان آئی، اب فضلِ الٰہی سے تم صحیح وسلامت بچ گئے۔ مولوی خیرالدین صاحب نے گورستان سے پڑاں غار کا راستہ لیا اور صدرالدین کو گورستان سے رُخصت کیا اور موضع جلالہ اور دُوسری بستیوں میں ہوتے ہوئے پڑاں غار پہنچ گئے۔ موضع جلالہ میں آپ نے ایک طالبِ علم کو سیّد صاحبؒ کے نام خط دینا چاہا۔ اُس نے خط لے جانے سے عُذر کیا۔ آپ نے اُس کی بغل سے کتاب لے کر اور کھول کر ایک جگہ یہ عبارت لکھ دی کہ خدا کے فضل وکرم سے ہم جلالہ تک آئے ہیں اور موضع پڑاں غار تک جاتے ہیں۔ آپ دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ آپ کے قدموں تک پہنچائے۔ ملک لعل محمدؐ اُن کے آنے سے بہت خوش ہُوا اور اُن کو اپنی بستی میں ٹھیرایا کہ جب تک پنجتار کا راستہ صاف نہ ہو، یہیں قیام کریں۔

ایک مہینہ پڑاں غار میں قیام رہا۔ وہیں سیّد صاحبؒ کا مکتوب اس مضمون کا پہنچا کہ راستہ تجویز کرکے تمھارے لانے کے لیے تنگئی کے محمود خاں بارک زئی کو بھیجا ہے۔ جس راستے سے وُہ تم کو لائیں، بلا اِنکار اُن کے ساتھ آنا۔ دوپہر کو محمود خاں آگئے۔ راستے میں بارہ آدمیوں کو، جن کے پاؤں میں چھالے پڑ گئے تھے، چلنے سے معذور تھے اورنگ شاہ کی گڑھی[1] میں چھوڑا۔ کچھ دیر گھڑیالہ میں ٹھیر کر جب موضع مہرعلی کے پاس نکلے، وہاں ایک آدمی ملا۔ اُس نے کہا کہ تمھاری توشیوہ میں آج رات بھر بڑی نگہبانی رہی کہ لُوندخُوڑ کا مولوی کہیں نکل نہ جائے۔ ابھی دو سوار یہاں سے گئے ہیں تم جلد نکل جاؤ، اگر تم راستے راستے آتے، تو کوئی نہ کوئی ضرور ملتا، مگر تم راستہ چھوڑ کر آئے اس لیے کوئی نہ ملا۔ راستے میں مولوی صاحب نے ایک آدمی سے جو شیوہ کی کسی بستی میں رہتا تھا، کہا کہ شیوہ والوں سے کہہ دینا کہ لُوندخُوڑ کا مولوی جس کی تم رات کو چوکسی کرتے تھے، وُہ آج سلامت نکل گیا۔ اب آدھ کوس پر ٹھیرا ہے۔ اگر تم کو کچھ

---

[1] یہ بستی لُوندخُوڑ سے دو کوس پر واقع تھی۔ معلوم ہُوا کہ اب وہاں کوئی گاؤں نہیں۔　　(سیّد احمد شہید ص ۳۱۷ ج ۲)

ہمت اور جُرأت ہو، تو جاؤ، نہیں تو پچھتاؤ گے۔ وہاں سے پہاڑ کے راستے راستے موضع مکدرہ میں آئے۔

مولوی خیرالدین صاحب کا استقبال اور حمد و دُعا

مکدرے سے زیدے کے فتح خاں نے سیّد صاحبؒ کو مولوی خیرالدین صاحب کی آمد کی اطلاع دی۔ مولوی خیرالدین صاحب کا بھی خط تھا۔ سیّد صاحبؒ بہت خوش ہُوئے اور سربرہنہ ہو کر دُعا کی اور یہ پیغام بھیجا کہ کل سویرے ہم آپ کے استقبال کو آئیں گے۔ آپ نے توپ خانے کے داروغے مولوی احمداللہ صاحب سے فرمایا کہ جب ہم مولوی خیرالدین صاحب کو لے کر آئیں، تو تم خوشی کی گیارہ توپیں سر کرنا۔

اگلے روز آپ نماز فجر کے بعد تین سَو آدمیوں کے ساتھ روانہ ہُوئے۔ جب مولوی خیرالدین صاحب آتے ہُوئے نظر آئے اور آپ کے اور اُن کے درمیان تھوڑا سا فاصلہ رہا، آپ پیادہ پا تشریف لے چلے اور مولوی خیرالدین صاحب اور سب غازیوں سے بڑی محبت اور تپاک سے ملے، ہر ایک کو سینے سے لگایا اور عافیت مزاج پوچھی اور پنجتار کی طرف لے کر چلے۔ لوگوں کو اشارہ کیا کہ خوشی کی بندوقیں داغتے چلو۔ جب پنجتار کے نالے پر سواری آئی، تو پنجتار میں توپوں کے گیارہ فیر سر ہُوئے اور بندوقوں کی باڑھیں چلنے لگیں۔ وہاں سے سب کو ہمراہ لیے ہُوئے بستی میں داخل ہُوئے۔ پہلے مسجد میں تشریف لائے اور نفل شکرانہ کی دو رکعت پڑھ کر دُعا میں مشغول ہو گئے اور دیر تک دُعا کی کہ "خداوندا، تو نے اِن بھائیوں کو نوذیوں کے چنگل سے چھڑا کر ہم تک سلامت پہنچایا۔ ہمارے نزدیک یہ لوگ گویا از سرِ نو پیدا ہُوئے۔ دُعا کے بعد سب کو اجازت دی کہ سب بھائی اپنے اپنے بہیلے میں جا کر اُتریں۔ اس کے بعد آپ اپنے ڈیرے پر تشریف لائے اور بہیلے میں حکم بھجوا دیا کہ جو بھائی جس بہیلے کے ہیں، ان کی تین تین وقت ضیافت کریں اور شیخ ولی محمد صاحب سے فرمایا کہ اِن بھائیوں کے کپڑے پھٹ گئے ہیں اور جُوتے ٹوٹ گئے ہیں۔ جلد نئے بنوا کر اُن کو پہنا دو اور جس چیز کی حاجت ہو، اس کی درستگی کرا دو۔

چھترہائی اور امب کے مُجاہدین

سمنہ کے علاقے سے باہر جو مجاہدین چھترہائی اور امب کی گڑھی میں متعیّن تھے، وہ اس غدر اور کُشت و خون سے محفوظ رہے۔ ان میں سے حافظ مُصطفےٰ جھنجھانوی تیس غازیوں کے ساتھ اور شیخ بلند بخت دیوبندی ساٹھ ستّر آدمیوں کے ساتھ تھے۔ یہ لوگ سیّد صاحبؒ کی طلبی تک وہیں

رہے اور سفرِ ہجرت ثانیہ میں بڑھیری کے مقام پر آپ سے آکر مل گئے۔

امب کی گڑھی کا تخلیہ | پائندہ خاں کو سمہ کے غدر کا حال معلوم ہوا۔ وہ تنولیوں کو جا بجا سے جمع کر کے چھپر بانی اور امب پر آیا اور یہ پیغام بھیجا کہ ہمارے دونوں مکان خالی کر دو اور تم سب اپنے سید بادشاہ کے پاس پنجتار چلے جاؤ۔ حافظ مصطفےٰ، شیخ بلند بخت اور سید عمر نے جواب دیا کہ امیر المومنین کے حکم کے بغیر ہم اپنی جگہ سے کوئی جنبش نہیں کریں گے۔ اس پر پائندہ خاں نے لڑائی شروع کر دی۔ ان تینوں صاحبوں نے سید صاحبؒ کو اطلاع کی۔ آپ نے اُن کو لکھا کہ تم سب وہیں اپنی اپنی جگہ قیام رکھو، اللہ تعالیٰ تمہارا مددگار ہے۔ چند روز میں ہم ہجرت کر کے اِسی طرف کو آئیں گے۔ اگر کسی اور طرف کو جائیں گے، تو ہم سب کو بُلا لیں گے۔

پائندہ خاں نے جب امب کی گڑھی پر حملہ کیا، تو شیخ بلند بخت نے اُس گڑھی کی مورچہ بندی کی اور توپیں نصب کر دیں اور کئی بار حملہ آوروں کو پسپا کیا۔ اِسی طرح ان کے متواتر حملے ہوتے رہے اور مجاہدین اپنی جوانمردی سے اُن کو پسپا کرتے رہے۔ آخر شیخ بلند بخت نے ایک لڑکے کے ذریعے پنجتار سید صاحبؒ کو اطلاع کی۔ سید صاحبؒ نے اس کے جواب میں سمہ کے غدر کی اطلاع دی اور تحریر فرمایا کہ "میں نے تمہارے متعلق سید اکبر صاحب کو لکھا ہے، تم اُن کی ہدایت کے مطابق عمل کرو۔ چند روز کے بعد سید اکبر صاحب شیخ بلند بخت کے پاس گڑھی میں آئے اور مجاہدین کا اسباب گڑھی سے نکلوا کر عشُرے میں بھجوا دیا اور سب لوگوں کو ساتھ لے کر عشرے میں آئے۔ ۲۷ دن تک مجاہدین اور پائندہ خاں کے لشکر کے درمیان جنگ رہی۔ عشرے سے دریائے سندھ کے ذریعے توپیں اور گولہ و بارود اور غلہ لدوا کر ستھانہ روانہ کیا۔

ہری سنگھ کا پیغام اور مجاہدین کا جواب | دریائے اٹک کے کنارے کوس کوس کے فاصلے سے سکھوں کی کئی گڑھیاں تھیں۔ اُن کی ایک گڑھی امب کی گڑھی کے بالکل مقابل تھی۔ پائندہ خاں اور مجاہدین کی جنگ کے دوران میں ایک روز اس گڑھی کے سکھوں نے دریا کے کنارے سے غازیوں کو پکارا کہ تمہاری گڑھی میں جو کوئی معتبر آدمی ہو، وہ دریا کے کنارے آئے، ہم اس سے بات کہیں گے۔ شیخ بلند بخت

نے تین آدمیوں کو تجویز کیا کہ دریا پر پہنچیں اور اس کا پیغام سُنیں۔

جب وُہ تینوں دریا کے کنارے پہنچے، تو دریا کے پار سے ایک سکھ نے پُکار کر کہا کہ غازیو! سپاہی کی قدر سپاہی خوب جانتا ہے، مَیں تولیوں کے ساتھ تمھاری لڑائی دیکھ کر بہت خُوش ہُوا کہ تم خلیفہ کے لوگ بڑے بہادر اور سپاہی ہو۔ مجھ کو تمھاری خیر خواہی منظور ہے۔ مَیں اپنا ایک آدمی خط دے کر تمھارے پاس بھیجتا ہوں اور کچھ زبانی پیغام بھی اس سے کہ دُوں گا۔ تم دونوں کا جواب سمجھ بوجھ کر میرے آدمی کے زبانی کہلا بھیجنا۔

پھر ان کا ایک آدمی اس پار آیا اور ان تینوں آدمیوں سے کہا کہ مجھ کو اپنے سردار کے پاس لے چلو، تو مَیں خط بھی اُن کو دُوں اور زبانی پیغام بھی کہوں۔ لوگ اس آدمی کو شیخ بلند بخت کے پاس لے گئے۔ اس نے وہ خط دیا۔ وہ کھولا گیا۔ اس کا خط ہندی[1] میں تھا اور اُس پر ہری سنگھ کے نام کی مُہر تھی۔ وہاں اُس وقت کوئی ہندی پڑھنے والا نہ تھا کہ اس خط کا حال معلوم ہوتا۔ اس آدمی نے زبانی بیان کیا کہ اس کا یہ مضمون ہے کہ ہمارے خالصہ یعنی سردار ہری سنگھ نے لکھا ہے کہ تم خلیفہ صاحب کے غازی لوگ بڑے بہادر، امانت دار اور نمک حلال ہو۔ پائندہ خاں کے لشکر نے تم کو گھیر رکھا ہے۔ تم کو مناسب یہ ہے کہ گڑھی اور گڑھی میں جو کچھ ہتھیار وغیرہ پائندہ خاں کے ہوں، وُہ پائندہ خاں کے لشکر کے سپُرد کرو اور تم سب ہمارے پاس چلے آؤ۔ ہم تم سب کو نوکر رکھ لیں گے اور خلیفہ صاحب سے زیادہ تمھاری عزت کریں گے۔

شیخ بلند بخت نے اس کو جواب دیا کہ تم جا کر ہماری طرف سے اپنے خالصہ سے کہو کہ وُہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ حضرت امیر المومنین حضرت سیّد صاحبؒ کے فرمانبردار ہیں اور اُن کے حکم کے بغیر اپنی طرف سے کوئی کام نہیں کر سکتے۔ ہم اپنے وطن سے صرف خدا کی راہ میں کافروں سے جہاد کرنے کو آئے ہیں۔ ہم لوگ مُلک کے طالب نہیں ہیں اور نہ کسی کی نوکری چاکری کرتے ہیں۔ ہمارا جینا مرنا سیّد صاحبؒ کے ساتھ ہے، اور ہم خدا کے سوا کسی سے نہیں ڈرتے۔ پائندہ خاں کا یہ لشکر کیا حقیقت رکھتا ہے؟ اگر تمھارا راجہ

---

[1] غالباً گرمکھی کہ وُہ بھی ہندی کی ایک شاخ ہے۔

رنجیت سنگھ اپنا لشکر لے کر آئے، تو ہم اُس کو بھی کچھ نہیں سمجھتے، اس لیے کہ خوف تو موت کا ہوتا ہے اور ہم لوگ خدا کی راہ میں اپنی جانیں نثار کرنے آئے ہیں۔ پھر ہم کو کس بات کا غم؟ اور خبردار، پھر کسی کی زبانی ایسا بیہودہ پیغام ہم کو نہ بھیجنا۔ یہ سُن کر وہ آدمی جہاں سے آیا تھا، واپس چلا گیا۔

چھترباؤ کا تخلیہ | چھترباؤ کے مجاہدین نے بھی چالیس روز تک پائندہ خاں کے لشکر کا مقابلہ کیا۔ پائندہ خاں نے مجاہدین کے امیر حافظ مُصطفٰے کاندھلوی سے کہلا بھیجا کہ یا تو تم لوگ پنجتار چلے جاؤ یا ہماری نوکری کرلو۔ ہم اچھی طرح تمھاری خدمت اور قدردانی کریں گے۔ اگر یہ بھی منظور نہ ہو اور ہندوستان جانے کا ارادہ ہو، تو ہم تم کو صحیح وسالم سندھ کے پار اُتار دیں۔ اپنے وطن چلے جاؤ، مگر بہرصورت گڑھی خالی کردو۔

حافظ صاحب نے کہا کہ اپنے خان سے ہماری طرف سے جاکر کہو کہ وُہ کہتے ہیں کہ ہم حضرت امیرالمومنین کے فرمانبردار ہیں۔ اُن کے حُکم کے بغیر ہم ہرگز گڑھی خالی نہیں کریں گے۔ ہم لوگ خدا کی راہ میں جہاد کرنے آئے ہیں۔ کسی کی نوکری چاکری کرنے نہیں آئے، نوکری چاکری وُہ کرے، جو مال و دولت کا طالب ہو۔ ہم کو اس کی پروا نہیں۔

متواتر چالیس دن تک جنگ کا سلسلہ جاری اور گولیاں چلتی رہیں۔ ایک روز رات گئے کسی آدمی نے تین بار بآوازِ بلند پکار کر کہا کہ حضرت امیرالمومنین کے حُکم سے سید اکبر صاحب امب کی گڑھی کے غازیوں کو عشرے میں لے گئے ہیں، اُن کے آدمی تم کو بھی لینے آئیں گے۔ تم اُن کے ساتھ بلاانکار چلے جانا۔ ایک روز سید اکبر صاحب کے آدمی آئے اور اُن کے ساتھ مُجاہدین گڑھی سے باہر نکلے اور سب ہندوستانی کھبل بائی کے کنارے ہوکر امب گئے اور وہاں سے عشرے کو آئے اور بڑا دُشوار گزار سفر طے کر کے بُھس ڈھیری میں سیّد صاحبؒ کے ساتھ شامل ہوگئے۔

○

چھتّیسواں باب

غدر کے اسباب کی تحقیق

اور

ہجرت کا عزم

پنجتار پر بلوائیوں کا نرغہ جب جا بجا سے غازیوں کی شہادت کی خبریں آرہی تھیں، اس سے کچھ دن بعد ایک روز سردار فتح خاں کی قوم خٹک وخیل اور زیدوں کے غول اپنے اپنے نشان لے کر آئے اور سردار موصوف کے حجرے میں اُترے۔ کچھ دیر کے بعد ایک دُوسرا غول آیا اور فتح خاں کے حجرے میں اُترا۔ لوگوں نے پوچھا کہ تم اس طرح مسلح ہو کر کیوں آئے ہو۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم سیّد بادشاہ کی مدد کو آئے ہیں اور جن لوگوں نے سمنہ کی بستیوں میں غازیوں کو قتل کیا ہے، اُن سے بدلہ لیں گے اور ابھی ہمارے اور بھی بہت سے لوگ آئیں گے۔

پھر اس کے بعد چار چار گھنٹے کے فاصلے سے اور کئی غول اپنے اپنے نشان لیے ہوئے آئے اور اسی حجرے میں اُترے۔ رات کو بھی ایک غول بستی کے باہر جنوبی جانب گورستان میں اُترا۔ سب لوگوں کا گمان قوی تھا کہ یہ تمام فساد فتح خاں کا برپا کیا ہوا ہے۔ آخر معمور خاں لکھنوی، ابراہیم خاں خیرآبادی اور امیر خاں قصوری، جو پہرے پر مقرر تھے، سیّد صاحبؒ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان لوگوں کی آمد کی اطلاع کی اور فتح خاں اور ان پر اپنا شُبہہ ظاہر کیا۔ آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب، ارباب بہرام خاں، مولوی احمد اللہ صاحب ناگپوری، منشی خواجہ محمد (حُسین پوری) شیخ ولی محمد پھلتی وغیرہم کو بُلوایا

اور ان میں فتح خاں کا ایک علاقی بھائی احمد خاں بھی تھا۔ پھر آپ نے سب سے کہا کہ بعض لوگوں سے سُنا ہے کہ یہ لوگ فساد کے ارادے سے آئے ہیں۔ ہم کو تو اس بات کا اُن سے گمان نہیں ہے۔ کہو، تمھارے نزدیک کیا ہے؟

یہ بات سُن کر ارباب بہرام خاں اور احمد خاں نے عرض کی کہ جو کچھ آپ نے سُنا ہے، یہ بات سچ ہے۔ یہ تمام فساد فتح خاں کا ہے۔ اُس مُفسد نے ان سب کو بُلا کر جمع کیا ہے۔ کچھ عجب نہیں کہ یہ منافق آپ کے ساتھ کچھ فریب کرے، کیونکہ ہم کو معتبر لوگوں سے معلوم ہُوا ہے کہ سمُرو سے پشاور تک اسی مفسد کی مشورت سے اپنے اتنے غازی مارے گئے ہیں، بلکہ احمد خاں نے یہ بھی عرض کی کہ اگر آپ کی اجازت ہو، تو مَیں اس مُوذی کو مار ڈالوں، سب فساد دفع ہو جائے گا۔ اپنے بعض بعض ہندوستانیوں نے کہا کہ اگر آپ فرمائیں، تو ہم فتح خاں کو زندہ گرفتار کر لیں اور آپ پنجتار پر قبضہ کریں۔ ارباب بہرام خاں اور مولوی احمد اللہ صاحب نے عرض کی کہ آپ صرف پانسو غازی اور دو ضرب توپ ہمارے ہمراہ کر دیں تمام مُلکِ سمہ کو مُفسدوں سے خالی کرنے کا ہمارا ذمہ ہے۔ جہاں ایک دو بستیوں کو توپوں سے اُڑا دیا، سارا مُلک تھرا جائے گا اور کوئی مقابلے پر نہ آئے گا، سب فرماں بردار ہو جائیں گے۔ اسی طور اور لوگوں نے بھی گزارش کی۔

سیّد صاحبؒ کا ارشاد | جب سب اپنی اپنی تقریر کر چکے، تب سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ جو کچھ تم صاحبوں نے کہا، یہ ایک بھی ہم کو منظور نہیں، نہ فتح خاں کے حق میں، اور نہ سمہ والوں کے حق میں۔ فتح خاں ہمارا مُحسن ہے، اُس نے ہم پر بڑے بڑے احسان کیے ہیں۔ اوّل تو اُس نے اپنے یہاں ہم کو جگہ دی، دُوسرے آج تک ہر کہیں ہماری شرکت کی، اس کی طرف سے کسی امر میں بدگمانی کرنی نہیں چاہیے اور جو کچھ یہ معاملہ پیش آیا، مشیّتِ الٰہی یوں ہی تھی، یقینی بات جانے بغیر کسی پر قیاس سے گمان کرنا اور اس کا الزام دھرنا نہیں چاہیے۔ یہ معاملہ اللہ تعالےٰ پہ چھوڑ دینا چاہیے۔ جنھوں نے یہ فساد کیا ہے، اللہ تعالیٰ ان سے آپ سمجھ لے گا۔ ہم تو اپنے پروردگار کی رضامندی کا کام کرنے آئے ہیں، تہنہ داری اور نفسانیت کے واسطے نہیں آئے ہیں اور جو تم صاحبوں کو ان لوگوں کی طرف سے وسوسہ ہے، سو

فتح خاں کو بُلا کر اس کا حال بھی دریافت کر لیں گے تم کسی نوع کا اندیشہ نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ سب طرح سے خیر کرے گا۔

فتح خاں سے گفتگو پھر اُسی وقت آپ نے سردار فتح خاں کو بُلوایا اور اپنے پاس بٹھایا اور پوچھا کہ خان بھائی، اِن مُلکیوں نے آکر ہجوم کیا ہے۔ ان کو کس نے بُلایا ہے؟ خان موصُوف نے کہا کہ ان کو آپ کی مدد کے واسطے میں نے بُلایا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ ابھی ہم کو کچھ مدد کی ضرورت نہیں ہے، ان کو رخصت کر دو۔ اپنے اپنے مکان کو جائیں۔ جب کبھی حاجت ہوگی، تب اُن کو بُلا لینا۔ ہم کو تو اپنے پروردگار کی مدد کافی ہے، غیر کی مدد کی کچھ پروا نہیں۔ جو وُہ مددگار ہوگا، تو سب مددگار ہو جائیں گے۔ خان موصوف یہ بات سُن کر اپنے دل میں بہت نادم ہُوا اور کہا کہ میں ابھی جا کر اُن کو رخصت کیے دیتا ہوں۔ پھر اُسی وقت اُن سب کو جواب دیا۔ اسی روز وہ اپنی اپنی طرف چلے گئے۔ پھر کچھ لوگ گورستان میں پڑے رہے۔ پھر دو تین روز کے اندر وُہ بھی دفع ہُوئے۔

فتح خاں کی حاضری فتح خاں پنجتاری، جو اس ہنگامے کے پورے عرصے میں پنجتار سے باہر رہا، اپنے گھر آیا۔ اس نے سیّد صاحبؒ کی ملاقات کے لیے اندر آنے کی اجازت چاہی۔ چوکیداروں نے اس کو اجازت نہ دی اور آپ کو اندر جا کر اطلاع دی کہ فتح خاں ہتھیار لگائے ہُوئے اندر آنا چاہتا ہے۔ کیا حکم ہے؟ فرمایا: "جیسے وہ ہمیشہ آیا کرتا تھا، آنے دو"۔ بعض خیر خواہوں نے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو، تو اس کے ہتھیار رکھوا لیں۔ جب وہ ملاقات کر کے جائے گا، تو ہتھیار اس کے حوالے کر دیے جائیں گے۔ فرمایا کہ یہ مجھے منظور نہیں۔ باغیوں کے ساتھ اس کی شرکت ظنی ہے یقینی نہیں کہ شرعی طریقے پر اس کو ثابت کیا جا سکے اس لیے اس کو مسلح آنے دو۔ اگر اس کی کوئی اور نیت ہے، تو بھی کچھ ڈر نہیں

دِل کا علاج فتح خاں نے عرض کیا کہ ہماری قوم آپ کی نُصرت کرنا چاہتی ہے اور معمول کے مطابق عُشر وغیرہ دینا چاہتی ہے۔ فرمایا کہ اپنی قوم سے کہہ دو کہ ہمیں یہ کیسے معلوم ہو کہ تم اپنے قول میں سچے ہو؟ ہزارہا آدمی اپنے قول سے پھر گئے اور انھوں نے غازیوں کی لاشوں کے ساتھ وُہ کیا، جو کُفّار نہیں کرتے۔ اب تو ہم کو تمھارے لَآ إِلٰهَ إِلَّا اللہ کہنے میں بھی شک ہے کہ سچّے دل سے کہتے ہو کہ جھوٹے دِل سے تمھارا اقرار کلمۂ توحید محض قوم کے رسم و رواج کی بنا پر ہے۔ ہم کو تو اب ضروری ہو گیا ہے کہ ہم اپنے

دل کا علاج کریں کہ کلمہ گویوں کی طرف سے ہمارا شک زائل ہو۔[1]

عُلماء اور سادات کا اجتماع اور سبب کی تحقیق

ایک روز سیّد صاحبؒ نے اپنے معتمد لوگوں اور سردار فتح خاں سے فرمایا کہ ہم یہ چاہتے ہیں کہ اس مُلک کے عُلماء اور سادات اور بعض بعض مُلک اور خوانین کو، جو ہمارے مخلص دوست ہیں، بُلا کر جمع کریں اور اُن سے پُوچھیں کہ اس مُلک کے لوگوں نے ہمارے غازیوں کے ساتھ کُشت وخُون کا جو معاملہ کیا، اس کا سبب کیا ہے؟ دغابازی کا ایسا معاملہ مسلمان لوگ عہد وپیمان کرکے کافروں کے ساتھ بھی نہیں کرتے چہ جائیکہ مسلمانوں کے ساتھ۔ اگر ایسا ہی کوئی قصُور ہم لوگوں سے صادر ہُوا ہے کہ اسی سزا کے لائق تھے، تو ہم کو آگاہ کریں کہ ہم اس سے تائب ہوں اور اپنے قصور پر نادم ہوں اور جو بے خطایوں ہی افترا وبہتان کرکے اُنھوں نے یہ زیادتی کی ہے وہ بھی معلوم ہو جائے۔ پھر ہم کو اختیار رہے؛ چاہے، معاف کریں؛ چاہے، اپنا بدلہ لیں۔

حاضرین نے اس سے اتفاق کیا اور یہ تجویز بہت پسند کی۔ آپ نے فتح خاں سے فرمایا کہ خاں بھائی، جن صاحبوں کے نام ہم طلبی کے خطوط لکھوائیں، اُن کو تم اپنے آدمیوں کے ہاتھ بھجوا دو۔ اس لیے کہ لوگ تمھارے زیادہ واقف کار ہیں اور رستے میں اُن سے کوئی مزاحم بھی نہ ہوگا۔ ہمارے ہندوستانی کسی صُورت سے نہیں جاسکتے، اس لیے کہ تمام مُلک بگڑا ہُوا ہے۔ اس کے بعد آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اہم آدمیوں کے نام بتلائے۔ اُن میں عُلماء وسادات اور خوانین ورؤسا بھی تھے۔ سب کے نام خطوط لکھے گئے اور وُہ خطوط فتح خاں نے اپنے آدمیوں کے ہاتھ بھجوا دیے۔

اہلِ علاقہ کی مہمانداری اور مدارات

سیّد صاحبؒ نے اپنے ساتھیوں سے فرمایا کہ جو صاحبان آئیں، اُن کی پوری مہمانداری وخدمت گزاری کی جائے۔ اس میں کسی طور کا فرق نہ ہو۔ اور اگر بلوائیوں میں سے اُن کے ساتھ کوئی آئے اور یہ معلوم ہو کہ اُنھیں لوگوں نے ہمارے غازیوں کو شہید کیا ہے، تو اُن سے کوئی شخص کسی طرح کا تعرّض نہ کرے اور نہ اُن کو چھیڑے، بلکہ اَوروں کے مقابلے میں اُن کی زیادہ خاطرداری کی جائے۔

تین چار دن میں سب صاحبان تشریف لے آئے۔ اُن میں سادات وعُلماء بھی تھے اور مُلک

---

[1] منظور الحق الحواری، ص ۱۰۲

اور خوانین بھی اور بہت سے مفسدین اور بلوائی بھی۔ سید صاحبؒ کی ہدایت کے مطابق اُن لوگوں کی پوری خاطرداری اور کھانے پینے سے تواضع کی گئی اور مفسدوں اور بلوائیوں کو پہچان لینے کے باوجود کسی نے اُن سے تعرّض نہیں کیا اور نہ کوئی فرق محسوس ہونے دیا۔

سید صاحبؒ کا استفسار سب حضرات سید صاحبؒ کے ڈیرے پر جمع ہوئے۔ آپ نے علماء کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم آپ صاحبوں سے سوال کرتے ہیں کہ جب ہم اپنے وطن ہندوستان سے ہجرت کر کے جہاد فی سبیل اللہ کے انتظام کے لیے آپ کے اس ملک میں آئے، تو یہاں کے اکثر خوانین وغیرہ میں نااتفاقی اور پھوٹ داری نظر آئی کہ ایک دوسرے کا جانی دشمن بنا ہوا تھا اور کفار سے جہاد مسلمانوں کے اتفاق کے بغیر نہیں ہو سکتا، تو ایک مدت تک للہ فی اللہ سعی اور کوشش کر کے ان لوگوں کو آپس میں ملایا۔ پھر اُنھوں نے اور آپ سب نے ہمارے ہاتھ پر برضا و رغبت بیعتِ امامت اور بیعتِ ہدایت کی اور ہم کو اپنا پیر و مرشد اور امام بنایا اور عہد و پیمان کیا کہ ہم ہر حال میں اس کارِ خیر میں جان و مال سے تمہارے شریک ہیں، پھر آپ سب نے خود ہی کہا کہ ہم شریعت کا حکم بسر و چشم قبول کیا۔ اب آپ ہماری بستیوں میں ہمارے ہی لوگوں میں سے ایک ایک قاضی مقرر کر دیں کہ شرع شریف کے موافق ہمارے درمیان فیصلہ کیا کرے اور ہماری شادی غمی میں شرعی احکام جاری کیا کرے۔ تو آپ ہی کے کہنے کے مطابق، جن کو آپ نے کہا، اُن کو ہم نے قاضی بنایا۔ پھر شریعت کے موافق آپ سب نے برضا و رغبت عُشر دینے کا اقبال کیا اور کہا کہ اُس کی تحصیل و وصول کے لیے آپ اپنے مجاہدین متعیّن کر دیں اور ہم سے عُشر کا غلّہ وصول کر لیا کریں۔ آپ کے کہنے کے مطابق ہم نے اپنے غازی متعیّن کر دیے۔ ایک مدت تک یہ کارخانہ جاری رہا۔ پھر ہمارے لوگوں سے خدا و رسولؐ کے خلاف کون سی بات سرزد ہوئی کہ جس کی وجہ سے آپ کا تمام ملک ہم لوگوں کا مخالف اور جانی دشمن ہو گیا؟ اس سے پہلے ہم سے کسی نے نہ کسی بات کی شکایت کی اور نہ کوئی اطلاع دی۔ آپ ہی آپ آپ لوگوں نے یکبارگی بدعہدی کر کے ہمارے صدہا غازی قتل کر ڈالے۔ اس کا سبب ہم کو بالکل معلوم نہ ہوا۔ آپ خود سوچ سمجھ کر ہم کو اس کا جواب دیجیے۔

معاملے کی تحقیق لوگوں نے اس مجلس سے اُٹھ کر کئی روز تک آپس میں گفتگو کی، لیکن وہ کسی نتیجے پر نہ پہنچے۔ آخر آپ کے پاس آکر کہا کہ ہم سب متحیّر و متفکّر ہیں کہ اتنا کُشت وخون کس سبب سے ہُوا۔ ہمیں اس کی کوئی معقُول وجہ معلوم نہیں ہوسکی، کیونکہ نہ تو ہم اس معاملے میں شریک تھے اور نہ اُنھوں نے ہم کو مشورے میں شریک کیا۔ اس کا سبب وہی لوگ جانتے ہوں گے، جنھوں نے یہ معاملہ کیا۔

آپ نے فرمایا کہ ہم تو سبب جاننا چاہتے ہیں۔ آپ ہی اُن سے معلوم کرکے ہمیں مطلع کیجیے۔ آخر سب نے مشورہ کرکے یہ عرض کیا کہ تختہ بند کے سیّد میاں اس مُلک کے بڑے با اثر بزرگ اور سب کے پیشوا و مقتدا ہیں۔ اگر یہ رزڑوں کی بستیوں میں جائیں اور اس کی تحقیق کریں، تو ہوسکتا ہے۔ آپ نے اس کو پسند فرمایا اور سیّد میاں کے ساتھ قابل آخوند زادہ کو، جو بڑے عالم اور خوش تقریر تھے، ان کے ہمراہ کر دیا۔

سیّد میاں پانچویں یا چھٹے روز واپس آئے۔ آپ نے حال پوچھا۔ قابل آخوند زادہ نے کہا کہ ہم اور سیّد میاں یہاں سے چل کر رزڑوں کے علاقے میں جاکر ٹھیرے اور اپنا آدمی بھیج کر بستیوں کے کئی نامی نامی آدمیوں کو بلوایا۔ جب سب آکر جمع ہُوئے، تو ہم نے اُن سے سوال کیا کہ تم نے جو بلوہ کرکے سیّد بادشاہ کے اتنے غازی قتل کیے، اس کا کیا سبب ہے؟ اگر معقول جواب دوگے، تو تمھارے بچاؤ کی صُورت ہے؛ نہیں تو بہت ذلّت وخواری اُٹھاؤ گے اور قرار واقعی سزا پاؤ گے۔ تم نے اُن کو دغا دے کر غفلت میں قتل کیا۔ نہیں تو تمھاری کیا مجال تھی، جو تُم اُن پر ہاتھ ڈالتے؟ یہ وُہ لوگ تھے، جنھوں نے سردار یار مُحمّد خاں کی لڑائی جیتی اور سُلطان مُحمّد خاں کو شکست دے کر پشاور تک پیچھا کیا۔ بُدھ سنگھ چار توپوں اور دس ہزار فوج کے ساتھ اکوڑے میں پڑا تھا۔ صرف سات سو غازیوں نے جاکر اُس پر چھاپہ مارا۔ اور ان سب کی کیا حقیقت ہے؟ سیّد بادشاہ تو مہاراجہ رنجیت سنگھ والیِ لاہور سے لڑائی کا ارادہ رکھتے ہیں اور اِسی نیّت سے ہندوستان کو چھوڑ کر یہاں آئے ہیں۔ یہ حال تم سب جانتے ہو۔ سیّد بادشاہ کے پاس پنجتار میں جو لشکر ہے، وہ توپ خانہ لیے گولے بارُود سے تیار ہے اگر اُنھوں نے اس طرف قصد کیا، تو تم میں سے کسی کو مقابلے کی جُرأت نہ ہوگی اور سب کے سب مارے جاؤ گے۔

سیّد بادشاہ نے ہم کو تمھارے پاس اس کا جواب لینے کے لیے بھیجا ہے۔ تم ہمیں اس کا جواب دو۔

بلوائیوں کا بیان | دھمکی کی یہ گفتگو سُن کر وہ گھبرائے اور سر جُھکا کر عُذر بیان کرنے لگے اور کہنے لگے: یہ لوگ ہم پر ظلم و تعدّی کر کے ہماری بہنوں، بیٹیوں کا نکاح کر ڈالتے تھے اور تھوڑے تھوڑے قصُور پر ہم کو بے عزّت کرتے تھے اور جُرمانہ کرتے تھے۔ جب ہم لوگ حد سے زیادہ تنگ ہُوئے، تب ہم نے یہ کام کیا۔

مَیں نے کہا کہ تمھارا یہ عُذر بیجا اور نامعقول ہے اور اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ تم جو نکاحوں کی شکایت کرتے ہو، وہ محض غلط ہے۔ انھوں نے جو نکاح کروائے، وہ شریعت کے موافق اور تمھاری رضامندی سے تمھاری ہی قوم میں کروائے۔ کسی نے تمھاری بہن بیٹی کا نکاح اپنے ساتھ نہیں کیا کہ جس سے تم کو ننگ و عار آتا ہے۔ باقی رہے جُرمانے کے معاملے، تو جب کوئی حاکم ہوتا ہے تو وہ قصُوروں سے جُرمانہ بھی لیتا ہے، قید بھی کرتا ہے، زدوکوب بھی کرتا ہے۔

پھر خطُوط | جب وہ لوگ کوئی معقُول جواب نہ دے سکے، تو اُنھوں نے آپس میں مشورہ کیا اور یہ خطوط لاکر دیے اور کہا کہ یہ خط ہندوستان کے عُلماء نے اور پشاور سے دُرّانیوں نے ہم کو بھیجے۔ ان خطوط کی بنا پر ہم لوگوں نے متفق ہو کر یہ کام کیا۔ اصل وجہ یہی ہے۔ سیّد صاحبؒ نے وہ خطوط مُلاحظہ فرمائے۔ یہ اُسی محضر کی نقل تھے، جو ہزارخانی کے میدان میں مُلاقات کے وقت سردار سُلطان محمد خاں نے سیّد صاحبؒ کو دیا تھا۔

سیّد صاحبؒ کا اِرشاد | آپ نے یہ سب سُن کر فرمایا کہ بڑے افسوس کی جگہ ہے کہ کچھ اُوپر چار برس ہم کو ہندوستان سے یہاں آئے ہو گئے۔ اِتنی مدّت تک ہم ان لوگوں کی اِصلاح کی کوشش کرتے رہے، ہر طرح کے وعظ و نصیحت سے اُن کو سمجھایا اور اُن کے دین و دُنیا کی بھلائی کا کوئی دقیقہ اُٹھا نہ رکھا، مگر خدا جانے، یہ کیسے سخت دل کے لوگ ہیں کہ ہمارے وعظ و نصیحت کا ان پر ذرّہ بھر بھی اثر نہ ہُوا۔ ہم نے حتی الامکان ان کی خیر خواہی میں کوتاہی نہیں کی اور اُنھوں نے اپنی شرارت اور بغاوت میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی اور نفاق اُن کے دلوں سے نہیں گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں

پر عتابِ الٰہی ہے۔ ہم کو ان لوگوں سے اپنا عوض لینا بھی منظور نہیں۔ ہم کس کس شخص سے عوض لیں؟ بہتر یہی ہے کہ یہ معاملہ ہم اپنے خدا کے سپرد کریں۔ وُہی مُنتقمِ حقیقی ہے جس طرح چاہے گا، انتقام لے گا۔

اور بڑے حیف کی جگہ ہے کہ جب سُلطان محمد خاں نے ہم کو یہ کاغذ دیا تھا اور کہا تھا کہ ہماری بغاوت کا سبب یہی ہے، اُسی وقت ہم نے کہا تھا کہ ہمارے ہندوستان کے دُنیاداروں، بدعتیوں اور گور پرستوں نے ہم پر یہ افترا کیا ہے اور اس افترا کا سبب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وہاں وعظ، نصیحت کی برکت سے بے شمار لوگوں کو ہدایت نصیب کی، وُہ تمام شرک و بدعت سے تائب ہو کر پُورے پُورے مُوحّد اور مُتّبعِ سُنّت ہو گئے اور اُن کی پیر پرستی اور گور پرستی پر ردّ و قدح کرنے لگے، اُن کی آمدنی کا بازار سرد ہو گیا اور وُہ خود تمام مُوحّدین کی نظروں میں خفیف اور حقیر ہو گئے۔ اس کے حسد اور بُغض سے اُنھوں نے ہم پر یہ بُہتان اور افترا کیا اور تم سے بڑی نادانی اور خطا یہ ہُوئی کہ تم نے اس بہتان نامے کو اب تک اپنے پاس رکھا اور دل ہی میں ہم سے عداوت اور بغاوت پیدا کی اور اس سے ہم کو آگاہ نہ کیا۔ وَالّا ہم تمھارے دلوں کا شُبہہ دفع کر دیتے۔ اِس پر اُس نے کہا کہ مجھ سے خطا ہُوئی اور مَیں از سرِ نَو آپ کے سامنے تَوبہ کرتا ہوں کہ اب بارِ دیگر تم سے بغاوت نہ کروں گا۔ اسی پر ہم نے پشاور لیا ہُوا اُس کو دے دیا اور پھر اس بہتان نامے کو دستاویز کر کے اس دغا باز منافق نے لوگوں کو فساد پر آمادہ کر کے یہ خرابی کی کہ صدہا مسلمانوں کا خونِ ناحق ہُوا۔ اب ہم کیا کہیں؟ خدا اس کو سمجھے! اِس سے بہتر تو بہر حال اس کا بھائی دوست محمد خاں ہے۔ آج تک خُوب رہا کہ نہ ہمارے ساتھ اُس نے کچھ بھلائی کی اور نہ کچھ بُرائی۔ اور اُنھوں نے مُنافقانہ ہمارے ہاتھ پر بَیعت کی اور ہم کو اپنا امام بھی بنایا اور آخر کو اس کا ثمرہ ظاہر ہُوا۔

حاصل اس گفتگو کا یہ ہے کہ اب ان لوگوں میں رہنا خُوب نہیں۔ اب یہاں سے ہجرت کریں گے اور جدھر اللہ تعالیٰ لے جائے گا، اُدھر جائیں گے، مگر یہاں نہ رہیں گے، انشاء اللہ تعالیٰ۔ قدیم سے یہ سُنّت اللہ جاری ہے۔ انبیاء علیہم السّلام حضرت نوح علیہ السلام سے حضرت خاتم الرسلین صلّی اللہ علیہ وسلم اور حضرتؐ کے نائبوں میں سے اب تک جو داعی الی اللہ ہُوئے ہیں، آپ ہی آپ مخالفینِ بے دین

اُن کی ایذا رسانی کے درپے ہُوئے ہیں۔ اگر نام بنام ہر ایک کے حال کو بالتفصیل بیان کریں، تو بہت عرصہ چاہیے اور وہ ہمیشہ خلائق کی خیر خواہی و جانفشانی کرتے رہے اور مخالفین اُن کی بے عزتی و ایذا رسانی کے درپے رہے، مگر یہ لوگ اُن پر بھی سبقت لے گئے اس لیے کہ وہ ان ہادیوں کے دین کے مُنکر و مخالف تھے اور انھوں نے باوجود مُقرّ اور موافق ہونے کے یہ فعل کیا۔

اس کے بعد دُعاءِ خیر کر کے آپ نے اہل مجلس کو رُخصت کیا۔ سب اپنے اپنے ڈیرے پر گئے۔ اگلے روز جمعہ کا دن تھا۔ نمازِ جمعہ میں بے شمار آدمی جمع ہُوئے۔ آپ نے نماز کے بعد یہی مضمون بعض نئے مضامین کے اضافے کے ساتھ پھر بیان کیا۔ تمام سامعین پر حال ساطاری تھا اور اکثر کے آنسو جاری تھے۔ وعظ و نصائح کے بعد آپ نے دُعا کی اور ڈیرے پر تشریف لائے۔

جہاد بہ طریقِ سنّت | مولوی خیر الدین صاحب نے سیّد صاحبؒ سے عرض کیا کہ مجھے کچھ تنہائی میں عرض کرنا ہے۔ یہ بات سُن کر آپ مسجد کے اندر ہو بیٹھے۔ مولوی خیر الدین صاحب نے عرض کیا کہ مَیں خُوب جانتا ہُوں کہ آپ کی نیّت میں یہ بات ہے کہ کسی طرح ہم جہاد بطریقِ سُنّت کریں اور جس طرح سیّد المرسلین صلّی اللہ علیہ وسلم اور خلفاءِ راشدین رضی اللہ عنہم کے وقت میں لوگ امام کے حُکم پر کمر باندھ کر کفّار سے لڑتے تھے اور اللہ تعالیٰ اُن کو فتحیاب کرتا تھا اسی طرح للّٰہی لوگ میرے ساتھ جمع ہو کر جہاد کریں۔ اسی نیّت سے آپ نے ہندوستان کے اکثر شہروں اور یہاں یوسف زئی کی بستی میں دُورہ کر کے وعظ اور نصیحت فرمائی اور ہندوستان سے یہاں تک لاکھوں آدمیوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعتِ ہدایت، بیعتِ جہاد اور بیعتِ امامت کی۔ آپ کے خیالِ مُبارک میں یہ بات آئی کہ اگر ان لاکھوں آدمیوں میں سے ہزاروں بھی جمع ہو جائیں گے، تو سُنّتِ نبوی کے طریق کے موافق جہاد بخوبی ہوگا۔ اسی وجہ سے آپ کو نوکر رکھنے سے نفرت رہی۔ اگر کسی کے کہنے سُننے سے کچھ لوگ نوکر بھی رکھے تو پھر کسی حیلے بہانے سے چند روز بعد اُن کو موقوف کر دیا۔ اس عرض سے میری غرض یہ ہے کہ کیا اب بھی آپ کو یہ اُمید باقی ہے کہ نوکر رکھے بغیر اس زمانے میں جہاد ہو سکے گا؟ لاکھوں آدمی جنھوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعتِ جہاد کی تھی اور جہاد کے قائم ہونے پر حاضر ہونے کا پختہ وعدہ کیا تھا، کہاں گئے؟ اسی واسطے پہلے

بھی عرض تھی اور اب بھی ہے کہ یہ زمانہ سُنّت کے مطابق جہاد کرنے کا نہیں۔

سیّد صاحبؒ کا عزم اور فیصلہ | آپ نے یہ سب نشیب و فراز کی گفتگو سُن کر فرمایا کہ آپ دُنیا کا ظاہری کارخانہ دیکھ کر اپنی سمجھ کے مطابق ٹھیک کہتے ہیں، مگر مَیں اپنی طرف سے شروع سے آج تک اسی طرح سعی و کوشش کرتا رہا اور انشاء اللہ تعالیٰ جب تک زندگی باقی ہے، اسی کوشش میں لگا رہوں گا اور کسی کے اقرار کرنے اور حاضر ہونے سے کوئی غرض نہیں، اور نہ فتح و شکست سے کچھ مطلب ہے۔ یہ بات اللہ تعالےٰ کے اختیار میں ہے۔ چاہے، اپنے دینِ اسلام کو سُست کرے یا چُست، مَیں اس کا فرماں بردار بندہ ہوں۔ اگر تن تنہا رہ جاؤں گا، تب بھی اسی کے کام میں اپنی جان صرف کروں گا۔

یہ جواب سُن کر مولوی خیرالدین صاحب خاموش ہو رہے۔

ہجرت کے متعلق مولوی خیرالدین صاحب کی گفتگو | مولوی خیرالدین صاحب نے ہجرت کے متعلق سیّد صاحبؒ سے گفتگو کی۔ اُنھوں نے عرض کی کہ جو آپ یہاں سے ہجرت کی تیاری فرما رہے ہیں، تو میری ناقص رائے یہ ہے کہ یہاں سے منتقل ہونا مناسب نہیں ہے۔ اگر آپ دُوسرے مُلک میں جائیں گے، تو پھر ایک مُدّتِ مدید چاہیے کہ وہاں کے لوگوں کو وعظ و نصائح کریں اور اُن کی عادت و خصلتوں سے واقف ہوں۔ پھر دیکھا چاہیے کہ وہ لوگ کس قسم کے ہوں۔ آپ کے وہاں ٹھیرنے سے راضی ہوں یا نہ ہوں۔ اس سے تو یہیں ٹھیرنا مناسب ہے، کیونکہ یہاں کے آدمی برتے ہوئے ہیں مخلص و منافق اور مطیع و باغی ایک دوسرے سے ممتاز ہو گئے ہیں۔ جہاد کا جو معاملہ یہاں آسانی سے بنے گا، اس کو دوسری جگہ ایک مُدّتِ دراز چاہیے۔

اہلِ سَمہ سے مایُوسی اور طبعی تنفُّر | آپ نے فرمایا: بات تم سچ کہتے ہو، مگر یہاں قیام کرنے کی کوئی صُورت نظر نہیں آتی، کیونکہ مخلص لوگ تو تھوڑے ہیں اور مُفسد بہت۔ اب اُن سے ہدایت و صلاحیت کی اُمید نہیں رہی۔ ایک بار اُن سے دھوکا کھا کر پھر ان میں رہنا دینداری اور ہوشیاری سے بھی بعید ہے حضرت رسُولِ خدا صلّی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ "لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَیْنِ"[1]۔ سوات

---

[1] مومن ایک سُوراخ سے دو مرتبہ نہیں ڈسا جاتا، یعنی، ایک جگہ سے کئی کئی بار دھوکا نہیں کھاتا۔

کا مُلک، جو اِس علاقے کی پُشت پر ہے، وہ بھی مخالف ہے۔

اِس کے علاوہ فتح خاں، جس کے یہاں ہم مقیم ہیں، اس کی طرف سے بھی ہم کو اعتماد دلاتا رہا۔ اگر تمام لوگ مخالف ہوتے، تو کچھ بھی پروا نہ تھی۔ فقط یہ ہمارے قیام سے راضی ہوتا، تو بھی یہاں رہنے کی ایک صُورت تھی۔ اب یہاں کے لوگوں سے مجھ کو ایسی نفرت معلوم ہوتی ہے، جیسی آدمی کو اپنی قے سے۔ اب یہاں سے ہجرت ہی کرنی بہتر ہے۔

مولوی خیرالدین صاحب نے کہا کہ ہم فرماں بردار ہیں۔ آپ جس طرف کو چلیں گے، ہم لوگ بلا عُذر آپ کے ہم رکاب ہوں گے۔

شُہدائے سمّہ اپنے مُلک کا خلاصہ اور لُبِّ لباب تھے

اربابِ بہرام خاں نے کہا کہ آپ اجازت دیں۔ تو مَیں لشکر کا ایک حِصّہ اَور توپ لے کر دیہاتوں کا دَورہ کرلوں اور انشاء اللہ جنگ کی نوبت بھی نہیں آئے گی اور سب تابع ہو جائیں گے۔

سیّد صاحبؒ نے فرمایا کہ بھائی، اوّل اوّل جب ہم اس مُلک میں پہنچے، تو نہ ہم اس قوم کے حالات سے واقف تھے، نہ وُہ ہمارے حالات سے۔ ہم نے کئی سال وعظ و نصیحت کے ساتھ اُن کی دلجوئی کی۔ جب اس کا کوئی اثر نہیں ہُوا، تو ہم نے حاکمانہ معاملہ کیا اور فہمائش اور دلائل کے ساتھ اپنے احکام کی حقیقت ثابت کرنے سے دریغ نہیں کیا اور ہمارا مقصُود اس تمام جد و جہد سے محض دینِ حق کا اِجرا تھا۔ اس پر بھی کوئی اثر نہیں ہُوا، بلکہ اُن کی سرکشی اور تمرد میں اتنی ترقی ہُوئی کہ انھوں نے مُسلمانوں کو جو اپنے مُلک کا خلاصہ اور لبِّ لباب تھے، شہید کر دیا۔ ہماری نیّت اس پورے طرزِ عمل سے مُلک گیری یا جاہ طلبی کی نہ تھی۔ ہمارا مقصُود محض اصلاح و تربیت تھی۔ اب ہم اس مُلک کے لوگوں کو مُنتقم حقیقی کے انصاف پر چھوڑتے ہیں اور اپنے باقی ماندہ رفیقوں کو لے کر کسی دُوسرے مُلک کی طرف رُخ کرتے ہیں، اس لیے کہ جب ہم نے اپنے مُلک سے ہجرت اختیار کی، تو جہاں کہیں راستباز اور صادق القول لوگ ملیں گے، وہیں ہم قیام اختیار کرلیں گے، کچھ اسی مُلک پر انحصار نہیں ہے۔[1]

[1] منظورۃ السعداء، صفحہ ۱۰۰۳

سَتّیسواں باب

ہجرت کا دُوسرا سفر

ہجرت کے داعی | چار مشہور سردار اس بات کے داعی تھے کہ سیّد صاحبؒ سمہ سے ہجرت کر کے اُن کے علاقے میں تشریف لائیں اور اپنی نُصرت و رفاقت کا وعدہ کرتے تھے۔ ایک سلطان زبردست خاں مُلک کھکھا بمبا کا سردار تھا۔ بارہا اُس کی عرضیاں سیّد صاحبؒ کے پاس آئیں اور اُس کا بڑا دیندار وکیل راجہ پارس نام کئی سال سے اسی مقصد سے آپ کے پاس پنجتار میں مقیم تھا۔ دُوسرا ناصر خاں سواتیوں کا سردار تھا۔ وُہ بھی کئی سال سے اس غرض کے لیے آپ کی خدمت میں حاضر تھا۔ تیسرے حبیب اللہ خاں خان خیل کھپلئی کا سردار تھا۔ اس کے بھی کئی سال سے اس درخواست کے خُطوط آتے تھے اور اس کے آدمی بھی آتے جاتے رہتے تھے۔ چوتھا سردار عبدالغفور خاں مُلک اگرُور کا خان تھا۔ اس کا بھائی کمال خاں اس مقصد کے لیے کئی سال سے آپ کے ساتھ تھا۔

ہجرت کی شہرت اور مخلصین کا تأسف | جب آپ کی ہجرت کی خبر مشہور ہُوئی، تو جو حقّانی عالم مخلص سادات اور معتقد خوانین پنجتار میں حاضر تھے، سب کو اس خبر سے بڑا رنج ہُوا۔ یہ خبر سُن کر اطراف و نواح کے مخلصین و معتقدین بھی آنے لگے اور سمجھانے لگے کہ کسی طرح آپ یہاں سے نہ جائیں۔ ایک روز سردار فتح خاں کی قوم کے لوگ، جو اطراف کی بستیوں میں رہتے تھے، جمع ہو کر پنجتار آئے اور فتح خاں کو ساتھ لے کر آپ

کے پاس حاضر ہوئے۔ اس وقت عصر و مغرب کا درمیان تھا اور آپ مسجد میں بیٹھے تھے۔ فتح خاں نے عرض کیا کہ میری قوم کے یہ لوگ آئے ہیں اور آپ سے کچھ عرض کرنا چاہتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا، بیان کرو، یہ بھائی کیا کہتے ہیں۔ فتح خاں نے کہا: یہ سب صاحب عرض کرتے ہیں کہ آپ یہاں سے کہیں تشریف نہ لے جائیں، ہم سب آپ کے فرماں بردار و جاں نثار ہیں۔ ہم سے آج تک آپ کی خدمت میں کوئی گستاخی و بے ادبی نہیں ہوئی۔

فتح خاں کی مرضی | آپ نے فرمایا: یہ بھائی سچ کہتے ہیں۔ آج تک اُن سے کوئی قصور صادر نہیں ہوا۔ ہم اُن سے راضی ہیں۔ ان پر بغاوت کا حکم نہیں لگاتے۔ اور جو یہ کہتے ہیں کہ سید بادشاہ یہاں سے نہ جائیں، اللہ تعالیٰ اُن کو جزاءِ خیر دے! بات یہ ہے کہ اگر یہ لوگ اور مُلکِ سمہ و سوات، بُنیر وغیرہ کے تمام لوگ یہ کہیں کہ تم یہاں سے نہ جاؤ اور اکیلے تم کہو کہ جاؤ، تو مَیں چلا جاؤں گا اور تمام لوگ کہیں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ اور تم اکیلے کہو کہ نہ جاؤ، تو مَیں ہرگز نہ جاؤں گا اور اگر اس بات کے کہنے سے تم کو کچھ لحاظ معلوم ہوتا ہو، تو اپنے دل کی بات چُپکے سے میرے کان میں کہہ دو۔

یہ فرما کر آپ نے فتح خاں کو اپنے پاس بٹھا کر اپنا کان فتح خاں کے مُنہ کے پاس کر دیا۔ بہت دیر تک فتح خاں کچھ باتیں کرتا رہا اور آپ بھی اُس کے کان میں کچھ باتیں کہتے رہے۔ تمام لوگ دُور سے دیکھتے رہے، مگر کسی کو معلوم نہ ہُوا کہ وُہ باتیں کیا تھیں۔

ہر کہ مارا رنج داد راحتش بسیار باد! | جب سید صاحب فتح خاں سے باتیں کر چکے، تو آپ اُس کی قوم کی طرف مخاطب ہُوئے اور فرمایا کہ "بھائیو، ہم تم سے راضی ہیں، تم پر بغاوت کا حکم نہیں لگاتے۔ ہم جو یہاں سے جاتے ہیں، تو کسی مصلحت سے جاتے ہیں اور ہم تمہارے فتح خاں کو خلیفہ بنا کر جائیں گے۔ جو کچھ عُشر کا غلّہ تم سب ہم کو دیتے تھے، اب اُن کو دیا کرنا اور شریعت کے جو احکام فتح خاں تم کو تعلیم کریں، اُن کو قبول کرنا اور اُن سے کسی امر میں بغاوت نہ کرنا، اور ہندوستان کے جو لوگ اس طرف ہو کر کبھی آئیں، تو اُن کی خاطر داری کرنا، اُن کو کسی طرح کی تکلیف نہ دینا۔"

اسی طرح اُن کو اچھی طرح سمجھا بُجھا کر رُخصت کیا۔

ہجرت کے بارے میں ایک فقہی اشکال اور اس کا جواب

پنجتار میں جب ہجرت کی تیاری شروع ہوئی اور اس کا عام چرچا ہوا، تو قاضی سیّد محمّد جہان شہید مرحوم کے استاد مُلّا شریعت، جو اُس وقت وہاں موجود تھے، فرمانے لگے کہ چونکہ یہ اسلامی مُلک ہے اور یہاں کے خوانین سب مسلمان ہیں اور جو کچھ کُشت وخُون و بدعہدی و نافرمانی یہاں کے لوگوں سے سرزد ہوئی ہے، وُہ کبیرہ گناہ سے زیادہ نہیں اور کُفر تک نہیں پہنچتی، اس لیے اس مُلک سے ہجرت از رُوے شریعت جائز نہیں۔

چونکہ اکثر لوگوں کو ہجرت کے مقابلے میں وہاں کا قیام مرغوب تھا، اُنھوں نے سیّد صاحبؒ تک اس کی اطلاع پہنچائی۔ آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ مُلّا شریعت اس طرح کہتے ہیں، آپ اُن کو شرعی دلیل سے مطمئن کر دیں۔ مولانا نے ایک حدیث پڑھی[1] اور فرمایا کہ اِس حدیث سے اس مسئلے کا استنباط ہوتا ہے۔ مُلّا صاحب نے فرمایا کہ ہاں، اس حدیث سے یہ مسئلہ نکلتا ہے کہ ایسی جگہ سے ہجرت کرنی چاہیے، لیکن مَیں اِس کو اُس وقت مانوں گا، جب فُقہاے حنفیہ میں سے کسی کا قول یا فقہِ حنفی کا کوئی جُزئیہ اس کی تائید میں مِل جائے۔ مولانا نے فرمایا کہ یہ بات تو مشکل ہے، اس لیے کہ کُتبِ فقہ کی کوئی ایسی صراحت میری نظر سے نہیں گزری۔ یہ ایک استنباط ہے۔ اگر فقہاءِ متقدّمین میں سے کسی کو اس مسئلے کی ضرورت پڑتی اور یہ حدیث بھی یاد ہوتی، تو وُہ اس سے استنباط کر کے اپنی کتاب میں لکھ دیتے۔

مولانا نے یہ ساری گفتگو سیّد صاحبؒ سے نقل کی۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا: کیا مُلّا صاحب اس کے قائل ہُوے کہ یہ مسئلہ اس حدیث سے نکلتا ہے؟ مولانا نے فرمایا: جی ہاں، وُہ اتنی بات کے تو قائل تھے۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا: "مَیں اُن کو سمجھا لوں گا"۔ سیّد صاحبؒ نے مُلّا صاحب کو بُلایا اور ایک پرندے کا نام لے کر فرمایا: مولانا، اُس کا کیا حکم ہے؟ حلال ہے کہ حرام؟ مُلّا صاحب نے کہا: "اس پرندے کے پنجے ہیں یا نہیں؟" سیّد صاحبؒ نے فرمایا: فقہ کی کسی کتاب میں بھی اس پرندے کا نام اور اس کی حِلّت و حُرمت کی تصریح ہے یا نہیں؟" مُلّا صاحب نے کہا: "صحیح حدیث میں یہی قاعدۂ کُلّیہ

---

[1] مولانا جعفر علی صاحب فرماتے ہیں کہ مَیں چونکہ اس مجلس میں نہیں تھا، اس لیے مجھے حدیث کے الفاظ اور مضمون معلوم نہیں ہو سکا۔

آیا ہے۔ اسی پر فقہاء حِلّت و حُرمت کا فیصلہ کرتے ہیں۔ اگر کوئی فقیہ کسی پنجے والے پرندے کو حلال بھی لکھ دے، تو جمہور فقہاء اُس کی تحریر پر فتویٰ نہیں دیں گے اور اُس کے قول کو رد کر دیں گے۔" سیّد صاحبؒ نے فرمایا: "جب ایک حدیثِ صحیح سے ایسے مقام سے ہجرت کا استنباط ہوتا ہے، تو اس کی کیا ضرورت ہے کہ کوئی فقیہ اس جزئیہ کو اپنی کتاب میں بھی درج کرے؟ فقہاء عالم الغیب تو نہیں تھے، جو اُن کو معلوم ہوتا کہ فلاں وقت آپ کو اس مسئلے کی ضرورت پڑے گی۔ فقہاء کے قول پر عمل اسی وجہ سے ہوتا ہے کہ انھوں نے کتاب و سُنّت سے استنباط کر کے اپنی کتابوں میں اُن مسائل کو درج کر دیا ہے۔ بس شریعت کی بُنیاد اللہ اور اُس کے رسُولؐ کا قول ہے۔"

اس پر مُلّا صاحب بہت خوش ہُوئے اور اپنی غلطی کا اقرار کیا اور خود بھی شریکِ ہجرت ہُوئے۔[1]

ہجرت کی اطلاع اور وصیّت | آپ نے ہجرت سے پیشتر پنجتار سے پیر صبغۃ اللہ، ابو القاسم خاں، امیرانِ سندھ اور دونوں بیویوں کے نام الگ الگ خطوط تحریر فرمائے۔ امیران سندھ اور پیر صاحب کو تحریر فرمایا: "آپ کے اخلاقِ کریمانہ سے اُمید ہے کہ اگر تقدیر کا نوشتہ اور مالکِ حقیقی کی مرضی یہی ہے کہ ہماری زندگی اسی عبادت میں صرف ہو جائے، تو اُس صُورت میں ازراہِ خیر خواہی اور دینداری اس کو ضروری سمجھیں کہ ان مستورات کو جو اپنے وطن سے ہجرت کر چکی ہیں، حرمین شریفین تک پہنچا دیں۔" بیبیوں کے نام خط میں تحریر تھا: "اگر ہمارا پیمانۂ عُمر اسی عبادت کے دَوران میں پُر ہو جائے، تو تم حرمین شریفین چلی جانا کہیں اور سکونت اختیار نہ کرنا، اس لیے کہ اس زمانۂ پُرفتن میں ایمان کی حفاظت کسی اور جگہ نظر نہیں آتی۔ وہاں کی زیادتیوں کی تکالیف پر صبر کرنا اور وہاں تو وطن اختیار کرنا بہتر ہوگا۔"[2]

راستے کا انتخاب | ایک روز آپ نے سردار فتح خاں کو بُلا کر فرمایا کہ ہمارا یہ ارادہ ہے کہ ہم یہاں سے جھنڈے لوکے اور سینئی، ٹوپیے اور کھتل ہو کر جائیں۔ تم ان بستیوں کے خوانین سے کہلا بھیجو کہ وُہ ہم سے تعرُّض نہ کریں۔ اس راستے کے اختیار کرنے میں فائدہ یہ تھا کہ راستہ ہموار ہے، تو ہم چلی جائیں گی۔

خوانین کا انکار | فتح خاں نے اِن بستیوں کے خانوں کو کہلا بھیجا۔ یہ وُہی بستیاں تھیں جہاں غازیوں

---

[1] منظورہ ص ۱۰۵۰، ۱۰۵۱ [2] ایضاً ص ۱۰۵۲

کو شہید کیا گیا تھا۔ اُن کو اندیشہ ہُوا کہ مبادا اِس بہانے سے آکر غازی ہم سے اِنتقام لیں۔ اُنھوں نے صاف جواب دیا کہ ہماری طرف سے ہو کر نہ آئیں، ہم کو منظور نہیں ہے۔ فتح خاں نے یہ جواب آپ سے عرض کیا۔ آپ نے فرمایا: اگر نہیں مانتے، تو نہ سہی؛ کوئی اور راستہ تجویز کرو۔ ہم کو تو راستے راستے جانا ہے، کسی سے کچھ چھیڑ چھاڑ کرنی منظور نہیں ہے۔

فتح خاں نے کچھ دیر سوچ کر عرض کیا کہ ایک راستہ تو ہے، مگر سخت دشوار، پہاڑ ہو کر ہے اس راستے پر توپیں نہ جاسکیں گی۔ وُہ یہ ہے کہ آپ یہاں سے موضع کنگلئی اور بڑھیری پیواڑ بیون کے پہاڑ پر چڑھیں اور موضع کرنا میں جا اُتریں۔ وہاں سے کابل گرام ایک میل ہے۔ اس کے بیچ دریائے سندھ اُترنا ہوگا۔ آپ نے فرمایا: ہم کو منظور ہے۔ ہم اسی طرف ہو کر چلے جائیں گے۔

سردار فتح خاں کے ساتھ مُشفقانہ سلوک | ایک روز آپ عصر کی نماز پڑھ کر مسجد میں بیٹھے۔ سردار فتح خاں بھی اس وقت موجود تھا۔ آپ نے اپنا کُرتا اپنے ہاتھ سے خانِ ممدوح کو پہنایا اور اپنا عمامہ اُس کے سر پر باندھا اور خلافت نامہ لکھوا کر دیا۔

رفیقوں کو اِختیار | روانگی سے پیشتر آپ نے اپنے ساتھیوں اور مقامی مسلمانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ بھائیو! اللہ تعالیٰ نے تم کو اس عبادت (جہاد) میں شریک کیا اور تم نے محض لوجہ اللہ اس راستے کے گرم و سرد کو برداشت کیا۔ تم نے نُصرت و رفاقت کا حق ادا کیا، اب ہم اس مُلک سے دُور دراز مُلک کا قصد رکھتے ہیں۔ ہم کو خود معلوم نہیں کہ کہاں جائیں گے۔ سفر کو قِطْعَةٌ مِّنَ الْعَذَابِ کہا گیا ہے۔ خصوصیت کے ساتھ یہ سفر کوہستان کا ہے۔ اس میں کھانے پانی کی ضرور تکلیف ہوگی اور مالوفات و عادات کو ترک کرنا ہوگا۔ اس لیے وہ شخص ہمارے ساتھ چلے، جو صبر و اِستقامت کے لیے تیار ہو اور مالک کی شکایت زبان پر بھی نہ لائے۔ ہم ابھی سے خبردار کر دیتے ہیں کہ تکلیف کے پیش آنے کے وقت کوئی یُوں نہ کہے کہ سیّد نے ہم کو دھوکا دیا، یا یہ کہ ہم کو معلوم نہ تھا کہ اتنی تکلیفیں پیش آئیں گی۔ پس جو شخص اپنے اندر صبر و برداشت کی طاقت پائے، وُہ ہمارا شریک ہو۔

زندگی کا فیصلہ | ہم تو اپنی پوری زندگی اپنے مالک کی رضا میں صرف کر دیں گے اور جو شخص تکالیف جسمانی

اور نفسانی پر صبر نہ کر سکے، وہ ہم سے علٰحدہ ہو جائے، لیکن اُس کو خراسان یا ہندوستان نہیں جانا چاہیے اگر وُہ جاتا ہے، تو عرب کا رُخ کرے، اس لیے کہ ایمان کی حفاظت عرب کے سوا اور جگہ مشکل ہے۔ وہ حرمین شریفین کی اقامت اختیار کرے اور وہاں کے حُکّام کی زیادتی اور وہاں کے مصائب پر صبر کرے کہ وہاں دین میں خلل نہیں آئے گا، اگرچہ بدعات سے وہ مُلک بھی پاک نہیں ہے۔[1]

اس کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب سے خطاب کر کے فرمایا کہ مولانا، آپ تلاوت خُوب کریں۔ ہم کثرت سے مراقبہ کرتے ہیں یہاں تک کہ ہم کسی ایسے مقام پر پہنچ جائیں، جہاں جہاد کا اچھی طرح نظم ہو سکے۔ اِن کلمات کو سُن کر لوگوں کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ گئیں اور لوگ مُرغِ بسمل کی طرح تڑپنے لگے۔[2]

راہِ خدا کا نیا مہمان | مولوی سیّد جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ اِسی موقع پر شیخ امجد علی غازی پوری، جو زخمی تھے، پہنچے۔ یہ وُہی نوجوان ہیں، جن کو اُن کے والد شیخ فرزند علی رئیس غازی پور نے اسمٰعیلؑ ذبیح کی طرح اللہ کے راستے میں قربانی کے لیے پیش کیا تھا۔

روانگی کی تیاری | آپ نے ہجرت کی تیاری شروع کی اور لشکر کے غازیوں کو جماعت جماعت اور بیلے بیلے کہلا بھیجا کہ جو اسباب ضرورت سے زائد ہو، اس کو جلد دو چار روز کے اندر اندر بیچ ڈالیں یا کسی کو للہ فی اللہ حوالے کر دیں اور سفر کی تیاری کریں اور کئی مُلکی موضع گنگلئی وغیرہ کی طرف راستہ صاف کرنے کے لیے روانہ کیے۔

جب سفر کا سامان دُرست ہو گیا، تو ایک روز آپ نے پنجتار سے کُوچ فرمایا۔[3] جو مکان غازیوں نے چھاؤنی بنائے تھے، وُہ سب بدستور چھوڑ دیے۔ بعضوں نے ارادہ بھی کیا کہ اِن کو جلا دیں۔ آپ نے منع فرمایا اور فرمایا کہ اس کے جلانے بگاڑنے سے کیا فائدہ؟ اگر یہ گھر بنے رہیں گے، تو مسلمانوں کے کام آئیں گے وُہ اس میں آرام پائیں گے اور تم کو ثواب ہو گا۔ پھر کسی نے اُن کو ہاتھ نہ لگایا۔

---

[1] منظومۃ السعداء: اس تقریر کو سُن کر بھی رُفقاء ساتھ ہی رہے اور کسی نے واپس جانا گوارا نہ کیا۔

[2] ایضاً، ص ۱۰۵۴ [3] یہ ماہِ رجب ۱۲۴۶ھ کا کوئی دن تھا۔

جاں بلب نواسے سے ملاقات | سیّد موسیٰ (بن سیّد احمد علی شہید) جو مایار کی جنگ میں سخت زخمی ہوئے تھے، موضع دکھاڑا میں تھے، شیخ محسن علی اپنے بھائیوں کے ساتھ اُن کی خدمت اور تیمار داری میں تھے۔ ان کو اطلاع بھیجی گئی کہ کن گلئی میں آکر ملیں۔ شیخ صاحب آپ کے پہنچنے سے ایک روز پیشتر سیّد موسیٰ کو لے کر کن گلئی میں آگئے تھے۔ اُن کی حالت نازک تھی اور تکلیف بہت تھی۔ شدّت سے سیّد صاحبؒ کے منتظر تھے اور بار بار پوچھتے تھے کہ کب تشریف لائیں گے۔ سیّد صاحبؒ کن گلئی تشریف لائے، تو سیّد موسیٰ کو دیکھنے آئے اور اُن کی خاطر ایک روز وہاں قیام فرمایا۔

اگلی منزلیں | کن گلئی سے کُوچ کے وقت اپنے اہل و عیال کو لانے کے لیے قاصد کو آپ نے منگل تھانہ روانہ کیا۔ اسی منزل میں وُہ بھی آکر شریکِ قافلہ ہُوئے۔

اگلی منزل نگری میں ہُوئی۔ وہاں سے چل کر برڈھیری منزل ہُوئی۔ وہیں سیّد موسیٰ کی وفات کی خبر سُنی۔ یہیں شیخ بلند بخت دیوبندی اور حافظ مُصطفےٰ کاندھلوی شریکِ لشکرِ اسلام ہُوئے۔[1]

اسلامی معاشرت کا ایک نمونہ | ایک روز لشکر کے سب لوگ چلے جاتے تھے۔ اس اثنا میں ارباب بہرام خاں کی بیوی اور بیٹی گھوڑی پر سوار آئیں۔ سب غازی مُنہ پھیر کر کھڑے ہو گئے۔ ارباب نے کہا کہ بھائیو! میری کیا حقیقت اور کون سی عزّت ہے؟ صحابۂ کرامؓ کی بیویاں لشکرِ مُجاہدین میں رہی ہیں۔ یہ پاؤں میں پیتابہ اور ہاتھ میں دستانہ پہنے اور سر تک کپڑا اوڑھے ہیں۔ اسی کا نام پردہ ہے اور یہ تم بھائی جانتے ہو کہ ان میں ایک بہرام خاں کی بیوی اور ایک بیٹی ہے۔ اس میں کون سی شرم و حقارت کی بات ہے؟

زُود پشیمان | شاہزاد خاں، جو باغیوں اور مُفسدوں کا سرگروہ تھا، سیّد صاحبؒ کی ہجرت کا شہرہ سُن کر پریشان ہُوا کہ آپ بڑے صاحب ارادہ اولوالعزم ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ یہاں سے جا کر کسی مُلک میں اقتدار حاصل کر لیں اور پھر ہم سے اپنے غازیوں کا بدلہ لیں۔ وُہ بہت سے مُلکیوں اور خانوں کو ساتھ لے کر موضع برڈھیری میں حاضر ہُوا اور اپنے آنے کی اطلاع کی۔ آپ مُجاہدین کے ساتھ اُس کے لینے کو گئے اور اپنے ڈیرے پر لائے، بڑی عزّت و توقیر سے اس کو اپنے پاس بٹھایا اور خیر و عافیت پوچھی۔ آپ نے

---

[1] منظورہ: ص ۱۰۶۳، ۱۰۶۴

اُس سے مُجاہدین کے خلاف فوج کشی کی شکایت کی۔ اُس نے کہا: آپ بجا فرماتے ہیں، مگر میں کیا کروں؛ مجھ کو سمہ والوں نے جھوٹ سچ باتیں کر کے بہکایا کہ سیّد بادشاہ ہم لوگوں پر ناحق زور و زیادتی کرتے ہیں اور نئے نئے احکام جاری کرتے ہیں اور ادنیٰ ادنیٰ قصور پر ہم کو بے عزّت کرتے ہیں"۔

آپ نے فرمایا: "خان بھائی، بڑے حیف کی بات ہے کہ ان مُفسدوں کے بہکانے سے تم نے ہزاروں لے کر ہم پر چڑھائی کی اور یہ نہ کیا کہ اپنے دو چار معتبر عالموں کو بھیجتے اور اس کی تحقیق کرتے کہ وُہ کون سے نئے نئے احکام اور کون سے زور زیادتی کے احکام ہیں۔ اگر وُہ واقعی خلافِ شرع ہوتے، تو وُہ قرآن و حدیث سے ہم کو سمجھا کر الزام دیتے اور ہم سے توبہ کرواتے اور اگر کتاب اللہ اور سُنّتِ رسُول اللہ کے موافق ہوتے، تو اُن کو الزام دیتے اور اُن سے توبہ کرواتے۔

شاہزاد خاں نے کہا: "آپ حق فرماتے ہیں اور بے شک میں خطاوار ہوں۔ آپ میری خطا معاف فرمائیں اور بغاوت کا حُکم مجھ پر نہ لگائیں"۔ سیّد صاحبؒ نے فرمایا: "تم نے ہماری کوئی خطا نہیں کی جو کچھ خطا کی، اپنے خدا کی کی۔ یہ ہمارے معاف کرنے سے معاف نہیں ہو سکتی۔ وہ پروردگار تم کو چاہے مُعاف کرے؛ چاہے، پکڑے۔ اگر تم سچے دل سے توبہ کرتے ہو اور اس قادرِ مطلق کی پکڑ سے ڈرتے ہو، تو اُمید قوی ہے کہ وُہ غفور رحیم بے نیاز تم کو معاف کر دے اور جو فقط ہمارے راضی کرنے کو زبانی توبہ کرتے ہو، تو تم جانو، ہم سے کچھ مطلب نہیں"۔

یہ سُن کر وُہ رونے لگا اور کہا کہ مجھ کو تو سمہ والوں نے دین و دُنیا دونوں سے کھویا۔ اب میرا کہیں ٹھکانا نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ اس کا علاج یہی ہے کہ اپنے پروردگار کے سامنے گریہ و زاری کرو اور اس کے غضب سے ڈرو۔ وُہ پروردگار تم پر رحم کرے گا۔ اور جو تم یہ کہتے ہو کہ مجھ کو باغیوں میں شمار نہ کیجیے؛ تو یہ بات ہم نے قبول کی، تم ہمارے فرماں برداروں میں ہو، باغیوں میں نہیں۔ اب ہم یہاں سے جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنے کرم سے کوئی مُلک ہم کو عنایت کرے گا، تو انشاء اللہ تعالیٰ جیسے اور مُسلمان بھائیوں کے ساتھ سلوک کریں گے، ویسے ہی تمہارے ساتھ بھی سلوک کریں گے۔ اب ہماری طرف سے تم پر یہ حکم ہے کہ اگر ہمارے ہندوستان سے کوئی قافلہ آئے، تو حتی المقدور اُن کے ساتھ سلوک کرنا اور کسی طرح اُن کو

تکلیف نہ دینا اور اگر تم سے ہو سکے، تو اُن کو بحفاظت تمام ہمارے پاس پہنچا دینا۔ اللہ تعالیٰ تم کو جزاءِ خیر دے گا۔

سردار فتح خاں کو بھی (جو ابھی تک آپ کے ہمراہ تھا) بڑا پچھتاوا ہُوا کہ سیّد صاحبؒ کے پنجتار میں رہنے کی وجہ سے تمام مُلک سمَہ کے خوانین پر میرا بڑا رُعب تھا اور سب خوانین مجھ سے دبتے تھے۔ آپ وہاں سے چلے آئے، اب میں سب کی نظروں میں خفیف ہو جاؤں گا اور میرا سارا رُعب جاتا رہے گا۔ وُہ شاہزادہ خاں کے پاس گیا اور اُس سے کہا کہ تم چل کر میری طرف سے عُذر معذرت کر کے سیّد صاحبؒ کو یہاں سے پھیر لے چلو۔ اب میری تو جُرأت نہیں پڑتی کہ مَیں ان سے اس معاملے میں کچھ کہوں، کیونکہ پہلے پنجتار میں سیّد بادشاہ نے مجھے ہر طرح سے سمجھایا کہ تم مجھ کو یہاں رہنے کی اجازت دو، تو مَیں یہاں رہوں، مگر اُس وقت مَیں نے اپنی بیوقوفی سے اس بات کا اقرار نہیں کیا۔ شاہزادہ خاں سیّد صاحبؒ کے پاس آیا اور بہت کچھ عُذر معذرت کر کے آپ سے عرض کی کہ آپ یہاں سے پنجتار تشریف لے چلیں، ہم سب اپنی جان و مال سے آپ کی اطاعت و خدمت کریں گے۔ جس طرح آپ ہم لوگوں پر حکومت کرتے تھے، اسی طرح کریں اور جو احکامِ شریعت ہم پر جاری کریں، وُہ سب ہمیں منظور ہیں، اب کسی طرح کا انکار نہ ہوگا۔

آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، اب تم ہم سے اس معاملے میں گفتگو نہ کرو۔ اس کا وقت نکل گیا۔ اتنے برس ہم یہاں رہے اور تم لوگوں کو طرح طرح کے وعظ و نصیحت سے سمجھایا اور تم لوگوں کے درمیان جو تپنہ داری[1] تھی، اُس کو دفع کر کے سب کو ملایا، اسی نیّت سے کہ کچھ خدا کا کام نکلے اور جس مطلب کے لیے ہم ہندوستان سے یہاں آئے، وُہ مطلب پُورا ہو۔ لیکن آج تک تم لوگوں سے سوائے حیلہ سازی و دغابازی کے ہم نے کچھ نہ دیکھا اور نہ ہماری طرف سے تم لوگوں کا دِل صاف ہُوا۔ پھر اب یہاں رہنے کی کون سی صُورت ہے اور ہدایت اور اتفاق کی تم لوگوں سے کیا اُمید ہے؟ اب ہماری یہ نیّت ہے کہ وہاں چل کر ٹھیریں، جہاں کچھ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام نکلے۔

---

[1] خاندانی جنبہ داری اور عصبیت۔

بادشمناں مُدارا | اس کے بعد آپ نے اپنے آدمیوں سے فرمایا کہ سلو خاں ہمارے واسطے جو بچھیرا لایا ہے، اُسے لاؤ، تو شاہزادخاں کو دے کر رُخصت کریں۔ اُن کو یہ بات ناگوار ہُوئی اور آہستہ سے حضرت سے عرض کی کہ یہ شخص تو بڑا مُفسد اور آپ کا دشمن ہے۔ یہ اس لائق نہیں ہے کہ وُہ عمدہ بچھیرا آپ اُس کو دیں۔ آپ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو، مگر اس کو ایسا سمجھو کہ جیسے کوئی کٹکھنے کُتّے کے آگے اُس کے شر سے بچنے کے لیے لُقمہ ڈال دیتا ہے۔

○

اڑتیسواں باب

بڑھیری سے راج دواری تک

مجاہدین کی تروتازگی اور نشاط بڑھیری سے روانگی سے ایک روز پہلے آپ نے لوگوں سے فرمایا، بھائیو، کل سویرے کوچ ہوگا، ہوشیار ہو رہو اور جن صاحبوں کو کچھ کارِ ضروری ہو، اُس سے فراغت کرلیں۔ اس کے بعد اسی مجلس میں آپ نے بہت دیر تک ہجرت و جہاد کے فضائل اور مجاہدین و شہداء کے بلند مراتب کا بیان کیا۔ یہ وعظ سُن کر حاضرین کے قلوب از سرِ نو تر و تازہ ہو گئے اور وہ سفر کی تکلیفوں کو بھول گئے، جیسے مُرجھائی ہوئی کھیتی پانی دینے سے لہلہا اُٹھے۔

یہاں سادات تختہ بند و نواگئی وغیرہ اور عُلماء و خوانین کو، جو پنجتار سے ساتھ آئے تھے، رُخصت فرمایا۔ فتح خاں اور قابل آخوند زادہ ساتھ رہے۔[1]

اگلے روز نمازِ فجر کے بعد آپ نے لشکر سمیت کوچ فرمایا۔ چار کوس پر ایک ندی بُرندو ملی۔ نمازِ ظہر کے بعد اُتر کر اُس کے کنارے ڈیرہ کیا۔ وہاں سے پیواڑ پہاڑ کی چڑھائی شروع ہوتی تھی۔

راستے کی دُشوار گزاری پہاڑ کی چڑھائی بڑی سخت تھی۔ پتھروں پر سنبھال سنبھال کر اور پاؤں جما جما کر چڑھنا پڑتا تھا۔ تمام دن لشکر پہاڑ پر چڑھتا رہا۔ ایک جگہ ایک اُونٹ پھسل کر نیچے گر پڑا اور ایک جگہ

---

[1] منظورہ ص ۱۰۸۹

ایک گھوڑا۔ دونوں کو لوگوں نے اُتر کر ذبح کیا اور ٹکڑے کر کے اُوپر اُٹھا لائے، پہاڑ عبور کر کے موضع کرنا میں قیام ہُوا۔ فتح خاں یہاں سے رُخصت ہُوا۔

موضع کابل گرام میں دریائے سندھ سے اُتر کر آپ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ہم کو بھڑوں کے چھتّے سے سلامت نکالا۔ شکرانہ کی دو رکعت نفل پڑھ لیں، پھر وضو کر کے آپ نے دوگانہ ادا کیا۔ پھر آپ نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو، اب اس وقت ہم تم سے کہتے ہیں کہ سمہ میں جو کچھ بلوا و کُشت و خُون ہُوا، یہ سب فتح خاں کی شرارت تھی، اور جو مَیں نے اُس کو خلیفہ کیا اور خلافت نامہ دیا، تو صرف مصلحتِ وقت جان کر، ورنہ وُہ اس قابل نہ تھا اور دُرّانیوں نے ہم سے مل کر پھر ہم سے دغا کی، مگر دوست مُحمّد خاں بہت اچھا رہا۔ اُس نے نہ بہت دوستی کی اور نہ دشمنی۔ اُس کی طرف سے ہم کو کوئی شکایت نہیں اور بلوے کے بعد جو ہمارے بعض غازی بھائی کہتے تھے کہ ہم کو اجازت دیجیے، تو ہم ان سے اپنے بھائیوں کا بدلہ لیں، ہم نے اُن کو منع کیا اور اس کا سبب یہ تھا کہ ہم نے وُہ تمام معاملہ اپنے پروردگار کے سپُرد کر دیا تھا، وُہی خُوب اُن سے ہمارے بھائیوں کا بدلہ لے گا۔ ہم لوگ تو اپنے گھر سے یہ نیّت کر کے نکلے ہیں کہ اپنی جانوں کو اللہ تعالیٰ کی رضامندی میں صرف کریں گے، باغیوں کے ہاتھ سے مارے گئے یا کافروں کے ہاتھ سے، ہمارا مطلب دونوں صُورت میں حاصل ہے۔

اللہ کا شُکر پہاڑ کے دامن میں آپ کے حُکم سے مُجاہدین نے الاؤ جلایا۔ سردی بہت تھی نمازِ مغرب کے بعد آپ بھی اس الاؤ پر تشریف لائے اور کھڑے کھڑے ہاتھ پیر سینکنے لگے، اور ارباب بہرام خاں کی طرف مخاطب ہو کر فرمانے لگے کہ خان بھائی، اَلْحَمْدُ لِلّٰہ! پروردگار کی ہم لوگوں پر کیا عنایت ہے! اگر ہم کسی امیر یا بادشاہ کے نوکر ہوتے اور وُہ ہم کو اپنی کسی مہم پر ایسے کوہستان میں بھیجتا، تو طبع دُنیا سے بالضرور جانا پڑتا اور سفر کی مُصیبت اُٹھانی پڑتی اور انجام اس کا سوائے مشقّت کے اور کچھ نہ تھا۔ آج ہم لوگ نہ کسی کے نوکر، نہ چاکر، صرف اپنے پروردگار کی رضامندی کو ایسے سخت راستے میں آئے ہیں اور جہاں پروردگار لے جائے گا، وہاں جائیں گے اور تمام صحابہ و

تابعین رضی اللہ عنہم اجمعین جو درجاتِ عالیات کو پہنچے، سو ایسی ہی محنت و مشقّت راہِ خدا میں اُٹھا
کر پہنچے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہم لوگوں کو بھی ان صاحبوں کی اتّباع نصیب کرے اور ہم سے راضی ہو!
سی طرح اور بہت سی باتیں آپ نے فرمائیں۔ اکثر لوگ رقّت سے آبدیدہ تھے اور سب پر ایک
یفیت طاری تھی۔

موضع راج دواری میں قیام | موضع تاکوٹ میں، جو ناصر خاں کی حکومت کا علاقہ تھا، آٹھ نو روز رہنے
ا اتفاق ہُوا۔ کیونکہ برف پڑنے کا موسم قریب تھا۔ ناصر خاں نے ضلع کے ممتاز لوگوں سے مشورہ کر کے تجویز
لیا کہ اس عرصے میں موضع راج دواری میں قیام کیا جائے، کیونکہ وُہ بستی مرکزی جگہ پر تھی۔ کئی پنچکیاں
بھی تھیں اور ایندھن پانی کی بھی بہت افراط تھی۔ وہاں کی رعایا کو اور بستیوں میں گھر بتا دیے گئے تھے اور
راج دواری کو مجاہدین کے لیے خالی کر دیا گیا۔ آپ وہاں مع لشکر مقیم ہُوئے۔ ایک مکان، جو مسجد کے
زدیک تھا، آپ کے قیام کے لیے تجویز ہُوا۔ یہ شعبان کا مہینہ اور سنہ ۱۲۴۶ھ تھا۔

دو سرداروں کی مصالحت | ایک روز حبیب اللہ خاں[1]، جو سعادت خاں کا بیٹا تھا، راج دواری میں
آپ سے ملنے آیا۔ اُس کی گڑھی بالاکوٹ اور مظفّر آباد کے درمیان واقع تھی۔ سکھوں نے وُہ گڑھی چھین
لی تھی اور خانِ ممدوح وہاں سے جلاوطن تھا۔ حبیب اللہ خاں کے باپ نے ناصر خاں کے کسی عزیز کو
مار ڈالا تھا۔ اس سبب سے ان دونوں کے درمیان پتنہ داری تھی۔ ناصر خاں نے سیّد صاحبؒ سے اپنی
پتنہ داری کا شکوہ کیا اور کہا کہ مجھ سے اور حبیب اللہ خاں سے عداوت ہے۔ آپ نے ناصر خاں کو
سمجھایا اور فرمایا کہ خان بھائی، ہم یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے انتظام کے واسطے آئے ہیں۔ ہماری یہ
نیت ہے کہ سب مسلمان بھائیوں کو، جس صورت سے ہو سکے، متفق کر کے سکھوں سے جہاد کریں اور تم
اپنی نا اتفاقی کا گِلہ کرتے ہو! تم کو چاہیے کہ آپس کی عداوت کو دُور کرو اور للہ فی اللہ حبیب اللہ خاں
سے مِل جاؤ کہ کچھ دین کا کام نکلے۔ ناصر خاں نے جواب دیا کہ مَیں تو آپ کا فرماں بردار خادم ہُوں۔ جو
کچھ مجھ کو ارشاد ہوگا، بلا اِنکار بجا لاؤں گا۔

---

[1] مشہور گڑھی حبیب اللہ اسی کی طرف منسوب ہے۔

پھر آپ نے حبیب اللہ خاں کو تنہائی میں سمجھایا اور ملنے پر راضی کیا اور نمازِ عصر کے بعد دونوں صاحبوں کو اپنے پاس بُلا کر بٹھایا اور دونوں کو ہاتھ پکڑ کر ملایا۔ دونوں اُٹھ کر کشادہ پیشانی کے ساتھ بغلگیر ہُوئے۔ یہ دونوں سردار اِس مُلک کے بڑے نامی رُکن تھے۔ باقی جو چھوٹے چھوٹے رئیس تھے، وہ اُن کے حُکم پر تھے۔

لشکر کے کھانے کا انتظام | سیّد صاحبؒ نے ناصر خاں اور حبیب اللہ خاں سے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے آپ دونوں کے درمیان کی عداوت اور خصومت دُور فرمائی، اب کوئی ایسی راہ نکالیے کہ کچھ جہاد کا کاروبار شروع ہو۔ دُوسری بات یہ ہے کہ ہم لوگ ابھی اس مُلک میں نو وارد ہیں۔ یہاں چال ڈھال اور گاؤں بستی سے واقف نہیں ہیں اور کھانے کی تدبیر کرنی بھی ضرور ہے ہم یہ چاہتے ہیں کہ نقد روپیہ تو ہم سے لیجیے اور بازار کے نرخ کے موافق اپنی کوشش اور انتظام سے غلّہ بھجوا دیا کیجیے اور جتنے آدمیوں کی ضرورت ہو، وُہ ہم سے لے لیا کیجیے"۔ انھوں نے اس کو منظور کیا۔ آپ نے دُعاءِ خیر کر کے مجلس برخاست کی۔ اس دن سے انھیں دونوں صاحبوں کی معرفت لشکر کے خرچ کے لیے اس نواح کی بستیوں سے غلّہ آنے لگا۔

سَمَہ کا عبرتناک انجام | راج دواری میں موضع ٹرپئی کے آخوند بہاء الدین نے وطن سے آکر بیان کیا کہ آپ کے تشریف لانے کے بعد مُلک سَمَہ والوں کی بڑی بڑی خرابیاں و بے عزتیاں ہوئیں۔ جب آپ نے پنجتار سے کُوچ کیا اور اس طرف کو روانہ ہُوئے، اس کے کئی روز کے بعد ہری سنگھ بیس پچیس ہزار فوج کے ساتھ دریائے سندھ اُتر کر سَمَہ میں آیا اور جن بستیوں کے لوگوں نے آپ کے ساتھ بغاوت کر کے غازیوں کو قتل کیا تھا، ان سب کو بُلا کر یہ سوال کیا کہ تم سب خالصہ رنجیت سنگھ کی رعیت تھے اور ہمیشہ سے تم خالصہ کو تحفے تحائف دیا کرتے تھے، کئی برس سے خلیفہ صاحب یہاں آکر تم پر حاکم، اور تم اُن کی رعیت ہُوئے اور اُن کو تم سب نے اپنا امام بنایا، پھر اُن سے بغاوت کر کے اُن کے غازیوں کو قتل کیا اور اُن کے ہتھیار وغیرہ لُوٹ کر اپنے گھر میں رکھ لیے۔ خلیفہ صاحب یہاں سے کُوچ کر گئے۔ اب پھر تم سب خالصہ کی رعیت ہو۔ بدستور سابق جو سالیانہ تم دیا کرتے تھے، وُہ دیا کرو اور

جو خلیفہ صاحب کے غازیوں کے ہتھیار وغیرہ تم نے لے لیے ہیں، وُہ ہم کو دے دو۔ اُن کا مالک خالصہ ہے، وُہ تم کو ہضم نہ ہوں گے۔

اس کے جواب میں اُن لوگوں نے عُذر و حیلہ کیا کہ ہمارے پاس اُن کا کچھ مال و اسباب نہیں ہے۔ اس میں گفتگو بڑھ گئی۔ ہری سنگھ نے اپنے لشکر کو اشارہ کیا کہ ان کے گھر بار لُوٹ لو۔ انھوں نے اُن کا مال و اسباب گھروں میں گھُس کر لُوٹا اور اکثر آدمیوں کی بیویوں اور بیٹیوں کو بھی پکڑ لیا اور ہری سنگھ کے پاس لے گئے۔ کچھ لوگوں نے اس سے جا کر کہا کہ ہم سیّد بادشاہ کے باغیوں میں نہیں ہیں اور نہ اُن کے غازیوں کو ہم نے لُوٹا مارا ہے۔ ہمارا مال و اسباب تمھارے سپاہیوں نے کیوں لُوٹا اور ہماری عورتوں کو کیوں یہ لوگ پکڑ لائے؟ ہری سنگھ نے اس بات کو لوگوں سے تحقیق کر کے مال و اسباب واپس کر دیا اور اُن کی عورتیں بھی اُن کے حوالے کیں اور باقی کو اپنے ساتھ لے کر مع لشکر دریائے سندھ اُتر کر چلا گیا۔[1]

اہلِ سَمَہ کو جواب | مولوی سیّد جعفر علی صاحب لکھتے ہیں:

"سَمَہ کے کچھ لوگ بھاگ کر آپ کے پاس آئے اور راستے میں ملے اور واپس چلنے کے لیے سخت اصرار کیا۔ آپ نے قبول نہیں فرمایا کہ لَا یُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ مَرَّتَیْنِ (مومن سانپ کے سُوراخ سے دو مرتبہ ڈسا نہیں جاتا)۔ وُہ لوگ آپ کے ساتھ ساتھ رہے اور اُن کا اِصرار بڑھتا رہا۔ موضع راج دواری میں پہنچ کر آپ نے اُن سے اِتنا فرمایا: "جاؤ اور اپنے جلے ہُوئے مکانات کو درست کرو۔"[2]

صاحبزادی کا تولّد | ماہ شعبان ۱۲۴۶ھ کی تیسری شب کو آپ کے یہاں صاحبزادی کی ولادت ہُوئی۔ آپ نے حاضرین کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ ہم پٹنہ سے ہجرت کر کے آئے ہیں۔ اس سبب سے ہم نے نام اُس کا ہاجرہ رکھا۔ میاں جی چشتی نے آپ کے حُکم سے جا کر اُن کے کان میں اذان

---

[1] محمد امیر خاں قصوری نے اپنا چشم دید واقعہ بیان کیا ہے کہ اُنھوں نے سَمَہ کی متعدد عورتوں کو لاہور کے بازار میں طوائف کی حیثیت سے دیکھا ہے۔

[2] منظورہ ص ۱۰۹۴

کہی اور ساتویں روز عقیقہ ہُوا۔

دروں کا انتظام | ایک روز آپ نے ناصر خاں و حبیب اللہ خاں وغیرہ خوانین سے، جو وہاں موجُود تھے، فرمایا کہ بھائیو، ہم لوگ پنجتار سے جہاد کے انتظام کے لیے تم صاحبوں کے بُلانے پر یہاں آئے ہیں۔ اتنے دن تم صاحبوں کی ضیافتیں اور مہمانیاں کھالیں۔ اب کوئی ایسی راہ نکالو کہ کچھ کام جہاد کا جاری ہو۔ بیکار بیٹھے بیٹھے طبیعت گھبراتی ہے۔

ان صاحبوں نے دروں کے خوانین کا جرگہ کیا اور مشورہ کیا کہ سکھوں کی تحصیل کے دِن قریب ہیں۔ اُن کے آنے سے پہلے اگر دو تین دروں کے دہانے پر تھوڑا تھوڑا لشکر مستعین کر دیا جائے، تو دروں کے اندر کی رعایا قابُو میں آجائے۔ ان سے سکھ ظلم و تعدّی کر کے دو چند، سہ چند محاصل لیتے ہیں۔ اگر سیّد بادشاہ کے لوگ اُن کو قابُو میں لا کر اُن پر عُشر مقرر کریں گے، تو اُن پر گرانی نہ ہوگی اور وُہ سیّد بادشاہ کی اطاعت اور اعانت منظور کریں گے۔ پھر جب اِدھر سے سکھوں کا لشکر آئیگا، اس وقت اِنشاء اللہ اس نواح کے ہم سب مسلمان سیّد بادشاہ کے شریک ہو کر ان سے نبٹ لیں گے۔

سیّد صاحبؒ نے یہ سُن کر فرمایا کہ عُشر کا اِنتظام تمھارے ہی ذِمّے ہے۔ اُیسا کرنا کہ رعایا پر کسی طرح کی زیادتی نہ ہونے پائے کہ اُن کو ہم لوگوں کی حکومت ناگوار گزرے۔ اس بات سے ہم راضی نہیں ہیں۔

دوسرے یا تیسرے روز آپ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی امارت اور مولوی خیر الدین صاحب شیر کوٹی کی ہمراہی میں دروں کو روکنے کے لیے لشکر بھیج دیا اور تھوڑا سا لشکر راج دواری میں اپنے پاس رکھا۔ مولانا نے پچاس ساٹھ آدمی اپنے پاس رکھ کر باقی لشکر پر مولوی خیر الدین صاحب کو امیر کر کے بھوگڑ منگ کی طرف روانہ کر دیا اور آپ موضع سچون میں داخل ہُوئے۔

بیعت صُفّہ | رواج دواری میں اکثر غازیوں نے آپ کے ہاتھ پر اصحابِ صُفّہ کی بیعت کی۔ اس بیعت میں عہد و پیمان یہ تھا کہ اپنی چھوٹی بڑی سب حاجتوں کو سوائے خدا کے کسی سے نہ طلب کریں گے اور جو بات اپنے حق میں معیوب و مکروہ جانیں گے، وہ اور کسی مسلمان بھائی کو نہ کہیں گے اور اپنی

ضرورت پر مسلمان بھائی کی ضرورت کو مقدم رکھیں گے اور جو چیز اپنے نفس کے لیے پسند کریں گے، وہی اور مسلمانوں کے واسطے بھی پسند کریں گے اور جو کام کریں گے، وہ پروردگار کی رضامندی کے واسطے کریں گے، اپنے نفس کی خواہش کا کام نہ کریں گے۔

میاں خدا بخش رامپوری کہتے ہیں کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے ہمراہ جانے کو میرا نام بھی لکھا گیا تھا۔ میرے چھوٹے بھائی الٰہی بخش نے مجھ سے کہا کہ بھائی، زندگی و موت خدا کے اختیار میں ہے۔ اب تم حضرت امیر المومنین سے جُدا ہو گے، پھر دیکھا چاہیے کہ اللہ تعالےٰ کب ملائے۔ سو جیسے اور بھائیوں نے اصحاب صُفّہ کی بَیعت کی ہے، تم بھی کر لو۔ مَیں نے کہا کہ ہاں، تم اچھی بات کہتے ہو، مگر میرے نہ کرنے کا سبب یہ ہے کہ مَیں اِس بَیعت کا حال ابھی تک نہیں سمجھا ہوں، اور سمجھ بوجھ کر کام کرنا اچھا ہوتا ہے۔ اگر کوئی بھائی مجھ کو سمجھا دیں، تو پھر مَیں بھی کر لُوں۔ اُنھوں نے کہا کہ اِس وقت تک تو اس کا حال معلوم کرنا ممکن نہیں، اس وقت بَیعت کر لو، پھر کبھی کسی صاحب سے پوچھ کر دیکھی کر لینا، کیونکہ یہ تو جانتے ہی ہو کہ یہ بات کچھ تو بہتر ہے، جو سیّد صاحبؒ کے خاص لوگوں نے بَیعت کی ہے۔

یہ بات میرے خیال میں بھی آگئی۔ مَیں نے آپ کی خِدمت میں جا کر عرض کی کہ آپ نے مجھ کو مولانا صاحب کے ہمراہیوں میں لکھوایا ہے، اب دیکھیے، کب اللہ تعالیٰ آپ کے دیدار سے مشرف کرے۔ اِس وقت مَیں آپ کے پاس اس لیے آیا ہوں کہ اصحاب صُفّہ کی بَیعت میں تبرُّکاً مَیں بھی شریک ہوں، اگرچہ مَیں اس کے حال سے بخوبی واقف نہیں ہُوں اور نہ اپنے میں اس قدر حوصلہ و جُرأت دیکھتا ہوں کہ اس بارِ گراں کو اُٹھاؤں، مگر تائیدِ الٰہی کے ساتھ میری مثال اِس امر میں ایسی ہے، جیسے حضرت یُوسف علیٰ نبینا و علیہ السلام کی خریداری کو ایک بُڑھیا سُوت کی انٹی لے کر گئی تھی۔ لوگوں نے اس سے کہا کہ بڑے بڑے خریدار لاکھوں روپیہ دینے کو موجود ہیں، تجھ کو وہاں کون پُوچھے گا؟ اس نے کہا کہ یہ بات مَیں بھی جانتی ہوں کہ مَیں وہاں کس گنتی میں ہوں لیکن خریداروں میں تو شمار ہُوں گی۔ سو حضرت، آپ میرے واسطے دُعا کریں کہ اللہ تعالےٰ مجھ کو اِس بَیعت پر تا دمِ مرگ

ثابت قدم رکھے۔

حضرت نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ میرا بھی یہی حال ہے کہ مجھ کو اپنے نفس پر اعتماد نہیں مگر پروردگار کی تائید کے ساتھ۔ تم میرے واسطے بھی دُعا کرو کہ مجھ کو اللہ تعالیٰ ثابت رکھے، پھر آپنے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھ سے بیعت لی اور دُعا کر کے مجھ کو رخصت کیا۔

○

اُنتالیسواں باب

لشکرِ مُجاہدین
بالاکوٹ، سچوں اور مظفرآباد میں

بالاکوٹ کا انتخاب اس زمانے میں کھیلی اور وادیٔ کاغان کے رُؤسا، اور اہلِ علاقہ کی امارت و ریاست کچھ تو سکھوں کے حملوں اور تعدّیوں سے، اور کچھ آپس کی ناچاقیوں اور خانہ جنگیوں سے تزلزل میں تھی۔ بعض اہلِ ریاست اپنی ریاستوں سے جلاوطن اور معزول تھے۔ سُلطان نجف خاں اپنے چچیرے بھائی سلطان زبردست خاں کو سکھوں کی حمایت سے گڑھی مظفرآباد سے شہربدر کر کے گڑھی پر قابض تھا۔ اسی نام کا ایک دُوسرا سردار سُلطان نجف خاں گھوڑی والا اپنے مرکزِ ریاست سے جلاوطن کوہ درابہ میں مقیم تھا۔ راجہ مظفر خاں اپنے بھائی راجہ منصور خاں والیٔ مُلکِ درابہ کے خوف سے بھاگا ہُوا تھا۔ حبیب اللہ خاں (گڑھی حبیب اللہ) سکھوں کے خوف سے اپنی گڑھی چھوڑ کر بالاکوٹ کے درے میں پناہ گزین تھا۔ یہ سب سیّد صاحبؒ کی اعانت کے طالب تھے۔ کشمیر جانے والے راستے میں ان خوانین اور سرداروں کی ریاستیں اور علاقے پڑتے تھے۔ ان کے ساتھ دینے اور مطمئن ہونے سے کشمیر کا راستہ بھی محفوظ ہو جاتا تھا اور کشمیر پر قبضہ کرنا بھی آسان ہو جاتا تھا۔

ان سب کو مدد دینے اور ان کی حمایت اور فوجی قوت حاصل کرنے اور کشمیر کی طرف بڑھنے کی تیاری کرنے کے لیے سب سے موزوں مقام بالاکوٹ تھا۔ اس لیے آپ نے مولوی خیرالدین صاحب

اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو بالاکوٹ بھیجنے کی تجویز کی۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اس کا اندازہ تھا۔ اس لیے انھوں نے مولوی خیرالدین صاحب کو لکھا کہ آپ اپنے لوگوں کے ساتھ تیار رہیے۔ اغلب ہے کہ دو تین روز کے اندر آپ کے لیے امیرالمومنین کی طرف سے بالاکوٹ جانے کا حکم آنے والا ہے۔ چنانچہ تیسرے ہی روز (۲۷ شعبان ۱۲۴۶ھ کو) مولانا کا حکم پہنچا کہ آپ لشکر کے ساتھ بالاکوٹ چلیے۔ آپ کے تین چار روز کے بعد ہم بھی آئیں گے۔

مولوی خیرالدین صاحب بالاکوٹ میں

بالاکوٹ پہنچنے کا حکم مولوی صاحب کے پاس دوپہر کو آیا تھا۔ اس رات کو برف پڑی تھی۔ لیکن مولوی صاحب نے اس بات کا کچھ خیال نہ کر کے اسی روز بھوگڑ منگ سے بالاکوٹ کی طرف کوچ کیا۔ اگرچہ بالاکوٹ وہاں سے تین ہی کوس کے قریب تھا، مگر برف کے پہاڑوں کے چڑھنے اُترنے میں لوگوں کو بہت تکلیف ہوئی۔ چار گھڑی رات گئے فضلِ الٰہی سے صحیح سلامت بالاکوٹ میں داخل ہو گئے۔

مظفرآباد پر حملے کا مشورہ اور مولوی خیرالدین صاحب کا انکار

مولوی خیرالدین صاحب کے بالاکوٹ پہنچنے کے بعد ان سب رئیسوں نے جو اپنی ریاستوں سے بے دخل یا اپنے بھائیوں سے خائف اور برسرِ جنگ تھے، دریائے کنہار کے کنارے، جو بالاکوٹ کے نیچے بہتا ہے۔ آکر مولوی خیرالدین صاحب کو پیغام دیا کہ ہم بالاکوٹ نہیں آسکتے۔ اگر آپ دریا کے اس پار تکلیف فرمائیں، تو ہم آپ سے کچھ رازدارانہ بات کہیں۔ مولوی صاحب تشریف لے گئے۔ انھوں نے آپ کے آنے پر بڑی مسرت کا اظہار کیا اور کہا کہ سلطان نجف خاں والیِ مظفرآباد شیر سنگھ کے ساتھ پشاور کی طرف گیا ہوا ہے۔ مظفرآباد خالی پڑا ہے سوائے ۸۰۰ آدمیوں کے، جن کا دریا کے اوپر گڑھی میں تھانہ ہے۔ کوئی اور نہیں ہے۔ لشکرِ اسلام کے آنے کی خبر ہی سے وہ بھاگ جائیں گے۔ بالفرض اگر مقابلے کی نوبت بھی آئے گی، تو ہم کافی ہوں گے۔ غازیوں کا لشکر محض برکت کے لیے ہوگا۔ جس وقت مظفرآباد پر ہمارا قبضہ ہو جائے گا، ہم سب اپنی اپنی ریاستوں میں داخل و متصرف ہو جائیں گے۔ اُس وقت امیرالمومنین کو بھی بلا دغدغہ راج دواری سے بُلا کر مظفرآباد میں بٹھا دیں گے، پھر کشمیر کو فتح کرنے کی طرف رُخ کریں گے۔ جس وقت سُلطان نجف خاں اور شیر سنگھ

پشاور سے واپس آجائیں گے، اُس وقت مظفرآباد کا فتح کرنا دُشوار ہوگا۔

مولوی خیرالدین صاحب نے یہ بات سُن کر فرمایا کہ ہم کو حضرت امیرالمومنین نے اسی قدر حکم دیا ہے کہ ہم بالاکوٹ میں قیام کریں۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب پیچھے سے آتے ہیں۔ مَیں تو مولانا کا فرمانبردار ہوں، خود مختار نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ حضرت امیرالمومنین اس مُلک میں تازہ وارد ہیں یہاں کے اُمراء و خوانین کے حالات ابھی اُن کو پُورے طور سے معلوم نہیں۔ اُن سے ملنے اور اُن کے حالات دریافت کرنے کے بعد جیسا مناسب سمجھیں گے عمل کریں گے۔ آپ لوگوں نے بھی ابھی تک جناب ممدوح کی نہ تو زیارت کی ہے اور نہ ہماری نیّت اور مقاصد سے واقف ہیں شاید آپ ہم کو بھی اپنی طرح جاہ و حشمت دُنیا کا طالب سمجھتے ہیں اس وقت آپ کے لیے مناسب یہی ہے کہ آپ امیرالمومنین کی خدمت میں حاضر ہو جائیں اور اپنے حالات اور مقاصد کو آپ کے سامنے پیش کریں، اس کے بعد اپنی رفاقت کی درخواست کریں۔

اِن رُوسار نے سیّد صاحبؒ کے پاس جانے کی مشکلات اور معاملے کی طوالت اور اپنے اہل و عیال کے غیر محفوظ رہ جانے کا عُذر کیا۔ مولوی صاحب نے ہر بات کا معقول جواب دیا۔ یہ بھی فرمایا کہ ہمارے پاس اتنا لشکر بھی نہیں ہے کہ نصف ہم بالاکوٹ میں چھوڑیں اور نصف مظفرآباد میں انھوں نے کہا کہ ہمیں آپ کے غازیوں کی شرکت برائے نام چاہیے، مقابلہ تو ہم خود کریں گے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ مَیں اس خوش گمانی میں مُبتلا نہیں ہو سکتا۔ اگر آپ میں ایسی ہی ہمّت اور جُرأت ہوتی، تو آپ کیوں اپنے اپنے مقامات چھوڑنے پر مجبور ہوتے۔ ہم پانچ سال سے اسی طرح کے معاملات دیکھ رہے ہیں ہمیں آپ کے مُلک کا خُوب تجربہ ہے۔ تین روز تک اِسی طرح گفتگو رہی، لیکن مولوی صاحب مظفرآباد پر حملہ کرنے کے لیے تیار نہ ہُوئے۔[1]

سکھوں کے زیرِ حکومت بستیوں کو لُوٹنے سے اِحتراز

مولوی خیرالدین صاحب کے بالاکوٹ روانہ ہونے کے بعد مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے موضع سچون سے کُوچ کر کے بھوگر ٹنگ میں قیام کیا۔ وہاں کئی قندھاریوں نے مولانا صاحب سے عرض کیا کہ اگر اجازت ہو، تو اُس دے کے باہر ضلع کھیلی کی جو بستیاں سکھوں کی عملداری میں ہیں، اُن میں سے دو ایک لُوٹ لائیں۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ ہاں،

---

[1] ملاحظہ ہو ص۱۱۱۶، ص۱۱۱۷

کفار کی بستیاں غازیوں کو لوٹنی درست تو ہیں، مگر اس میں ایک نکتہ ہے۔ وہ یہ ہے کہ ان بستیوں کی رعایا مسلمان ہے۔ وہ کفار کے غلبے کی وجہ سے اُن کے محکوم ہو گئے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ اہلِ اسلام کو غلبہ دے گا، تو وہ اُن کے محکوم ہو جائیں گے۔ اگر آج اُن کو لوٹو مارو گے، تو وہ لوگ اس کو سند بنالیں گے کہ مسلمانوں کو مسلمانوں کا لوٹنا درست ہے۔ سیّد بادشاہ کے غازیوں نے ہماری بستیوں کو لوٹا تھا۔ پھر یہ بھی اپنے مُلک میں لُوٹ مار کیا کریں گے اور اُن کی یہ عادت نہ چھوٹے گی، جیسے عرب کے بدوؤں میں اسلام کے باوجود لُوٹ مار کی عادت جاری ہے اور کسی طرح نہیں چھوٹتی۔ بہتر یہ ہے کہ تم ایسا کام نہ کرو کہ اوروں کو دستاویز ہو جائے۔ قندھاری آپ کی یہ تقریر سُن کر اپنے ارادے سے باز آگئے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب بالاکوٹ کو | مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے بھوگرمنگ سے روانہ ہو کر ایک گاؤں میں کچھ دیر توقف فرمایا۔ وہاں لوگوں نے مشورہ دیا کہ اگر مزید توقف کیا گیا، تو برف ریزی کی شدت سے بالاکوٹ کا راستہ بالکل مسدود ہو جائے گا اور ایک مہینے کے قریب انتظار کرنا پڑے گا۔ یہ سُن کر مولانا نے کُوچ کا فیصلہ فرمایا۔

ہمراہیوں کے ساتھ دوپہر کے قریب بھوگرمنگ سے بالاکوٹ کی طرف روانہ ہُوئے چلتے چلتے پہاڑ کی چڑھائی آئی۔ وہاں کئی چشمے جاری تھے۔ ظہر کا وقت ہُوا۔ سب نے وضو کر کے وہیں نماز پڑھی۔ پھر قطار باندھ کر پہاڑ پر چڑھنے لگے۔ تمام پہاڑ برف کے مارے سفید بلّور سا نظر آتا تھا۔ سب کے آگے ناصر خاں چند گوجروں کے ساتھ چل رہے تھے۔ گوجر پیال کی چپّل پاؤں میں پہنے برف پر چلتے تھے۔ ان کے چلنے سے برف پر نشان سا بنتا جاتا تھا۔ اِسی نشان پر سب آگے پیچھے چل رہے تھے۔ اس عرصے میں ابر آگیا اور برف برسنے لگی۔ عصرِ اخیر کو برف برسنی موقوف ہُوئی اور آفتاب نظر آیا۔ اسی وقت لوگوں نے جلد جلد اسی برف سے وضو کر کے جس نے جہاں موقع پایا، وہاں نماز پڑھی۔ کسی نے اکیلے، کسی نے جماعت سے۔ کسی نے پہاڑ کی چوٹی پر مغرب کی نماز پڑھی، کسی نے درے میں۔ اُسی وقت لوگوں نے رمضان المبارک کا چاند دیکھا۔

راستہ کی دُشوار گزاری اور مجاہدین کی جاں سپاری | وہاں سے پہاڑ کا اُتار شروع ہُوا۔ برف کی کثرت سے

پہاڑ کا شیب و فراز برابر ہو گیا تھا، راستے کا پتہ نشان نہیں معلوم ہوتا تھا، سب لوگ اٹکل سے چل رہے تھے اور جا بجا ایک دوسرے پر پھسل پھسل کر گرتے تھے۔ اس وقت تکلیف کے مارے لوگ اپنی زندگی سے تنگ تھے۔ جو دو چار بار پھسل کر گرا، اس میں چلنے کی طاقت نہ رہی۔ باربرداری کے جو چند خچر گولی بارود وغیرہ سے لدے ہوئے تھے، وہ بھی لوگوں سے چھوٹ گئے۔ اس اثنا میں کئی آدمیوں نے پکار کر آواز دی کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب گر گئے۔ یہ سُن کر تمام لوگ مارے غم کے رونے لگے۔ دامن کوہ میں جا بجا چند گھر گوجروں کے تھے۔ ناصر خاں کے ساتھی گوجروں نے اپنی بولی میں گوجروں کو پکارا کہ جلد دوڑو غازی لوگ برف میں گر گئے۔ ان کو اٹھاؤ۔

اسی وقت وُہ تمام گوجر اپنے اپنے گھر سے ایک ایک کلہاڑی اور چیڑ کی ایک ایک لکڑی مشعل کی طرح جلا کر دوڑے۔ اُن میں سے ایک گوجر نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو اپنی پُشت پر چڑھا لیا۔ مولانا صاحب نے اور گوجروں سے فرمایا کہ اوپر اور بہت غازی بھائی گرے پڑے ہیں۔ اُن کو سنبھالو۔ اُنھوں نے جا کر اُن کو اپنی پُشت پر سوار کیا اور وہاں سے اُتار کر اپنے گھروں میں لائے اور بہت غازی لوگ نہ آسکے۔ وُہ اسی پہاڑ پر برف میں پڑے رہے۔ گوجروں نے اُن کے نزدیک آگ جلائی تھی اور اُن سے کہ دیا تھا کہ خبردار آگ کے نزدیک نہ جانا، دُور ہی سے دیکھنا۔ جن کو اپنے گھروں میں لے گئے تھے، اُن کے نزدیک بھی آگ جلا کر کہ دیا کہ آگ کے پاس نہ جانا، نہیں تو ہلاک ہو جاؤ گے۔ پھر اُن گوجروں نے غازیوں کو گرم گرم دُودھ پلایا اور اُسی وقت کئی بکرے ذبح کیے اور اُن کا گوشت بھُون کر دو دو، تین تین ٹکّے تقسیم کیے اور کہا کہ اس وقت تمھاری یہی دوا ہے۔

مولوی جعفر علی صاحب اپنی سرگزشت بیان کرتے ہیں کہ ہم نے عصر کی نماز پہاڑ کے نیچے ادا کی۔ برف پتھروں کے اوپر سے بہ رہی تھی۔ شام کے قریب چڑھنے کی نوبت آئی۔ برف کی کثرت سے سارا پہاڑ اور درخت سپید تھے۔ اونچا نیچا کچھ معلوم نہیں ہوتا تھا۔ رہبر آگے آگے چلتا تھا اور تمام لشکر اس کے پیچھے پیچھے۔ مغرب کی نماز کا وقت کسی کو پہاڑ کے اُوپر، کسی کو کمر کوہ میں آگیا۔ کسی نے اشارے سے نماز ادا کی، کسی نے اور طرح سے۔ لشکر قطار باندھے ہوئے چلا جا رہا تھا۔ ایک آگے، ایک پیچھے

چل رہا تھا جیسے تسبیح کے دانے ہوتے ہیں۔ آگے کا آدمی جس جگہ قدم رکھتا تھا، پیچھے والا اسی پر قدم رکھے ہوئے چلتا تھا۔ دائیں بائیں کسی طرف پاؤں نہیں رکھتا تھا کہ مبادا کوئی گڑھا ہو یا اندر سے زمین خالی ہو اور وہ اس میں غرق ہو جائے۔

جب پہاڑ کی چوٹی سے نیچے اُترنا ہُوا، تو اور زیادہ دُشواری محسوس ہُوئی۔ کہیں کہیں تو ایسی نوبت آئی کہ سر نیچے پاؤں اُوپر کر کے اُترنا پڑا۔ ہاتھ پاؤں درد کرنے لگے اور ہاتھ پاؤں میں کثرت سے کانٹے چبھ گئے، لیکن سردی کی شدّت کی وجہ سے تمام بدن اَیسا سُن ہو گیا تھا کہ کانٹوں کے چبھنے کی تکلیف محسوس نہیں ہوتی تھی۔ بدن کے بیرونی حصّے میں سردی سے تکلیف محسوس ہوتی تھی اور سینے اور پیٹھ میں رُوئی کا لباس پہنے ہُوئے ہونے کی وجہ سے پسینہ تھا، سانس پھُول جانے کی وجہ سے زبان سے بات نہیں نکلتی تھی، ہر شخص ہر سانس کو دم واپسیں سمجھتا تھا۔ اِس لیے گرتے وقت کلمۂ توحید اور اللہ کا نام وِردِ زبان ہوتا تھا۔[1]

جو لوگ مولانا اسمٰعیل صاحب کے پاس تھے، اُنھوں نے پوچھا کہ کل صبح کو پہلا روزہ ہے۔ ہمارے واسطے آپ کیا فرماتے ہیں؟ مولانا صاحب نے فرمایا کہ ہم لوگ مسافر ہیں، مسافروں پر روزہ رکھنا فرض نہیں ہے۔ جہاں مقیم ہوں گے، دیکھا جائے گا۔ صبح لوگوں نے وضو کر کے نماز پڑھی اور سب لوگ جا بجا سے آ کر مولانا صاحب کے پاس اکٹھے ہُوئے۔ مولانا نے گوجروں سے فرمایا: جو غازی لوگ پہاڑ پر رہ گئے ہیں، اُن کو بھی لاؤ۔ ہم آج مٹی کوٹ میں مقام کریں گے۔

اگلے روز کچھ دن چڑھے وہاں سے کُوچ ہُوا۔ پانچ چھ گھڑی دن چڑھے مع الخیر سب لوگ بالاکوٹ میں داخل ہو گئے اور مولوی خیر الدین صاحب ان کے ہمراہیوں سے ملے۔ اس روز شام کو مولانا صاحب نے اپنے سب ہمراہیوں سے کہہ دیا کہ جو جو بھائی بیمار و معذور نہ ہوں، وُہ کل سے روزہ رکھیں، اب ہم یہاں مقیم ہیں۔ اگلے روز سے لوگوں نے روزے رکھنے شروع کیے۔ رمضان سب کو وہیں گزرا اور وہیں سب نے عید کی نماز پڑھی۔

---

[1] منظورہ: ص ۱۱۲۰، ۱۱۲۲

سیّد صاحبؒ کا سچون میں قیام | سرداروں اور خوانین نے سیّد صاحبؒ کی خدمت میں عرض کیا کہ اب عنایاتِ الٰہی سے یہاں سے بالاکوٹ تک آپ کے مجاہدین کا عمل دخل ہو گیا ہے، پہاڑوں کی برف پگھل گئی اور سکھوں کے آنے کا موسم قریب آیا۔ یہی اُن کی تحصیل کا موسم ہے۔ اب مناسب یہ ہے کہ آپ یہاں سے چل کر کچھ دن موضع سچون میں قیام کریں، کیونکہ سچون کے بعض لوگ حسن علی خاں پر شبہ کرتے ہیں کہ وُہ کہیں سکھوں سے مل نہ جائے۔ اگر وُہ سکھوں سے کچھ خُفیہ سازش رکھتا ہوگا، تو وہاں آپ کے رہنے سے دبا رہے گا اور سکھوں سے نہ مِلے گا۔

سیّد صاحبؒ نے اُن کے مشورے کو پسند فرمایا اور بیوی صاحبہ اور دُوسرے غازیوں کی بیویوں کی خدمت اور دیکھ بھال کے لیے چند آدمی متعیّن کر دیے اور ساڑھے تین سَو غازیوں کے ساتھ سچون روانہ ہُوئے۔ ۲۴ رمضان المبارک (۱۲۴۶ھ) کو سچون میں تشریف فرما ہُوئے۔

مظفر آباد کی طرف مہم کی روانگی | مولانا محمد اسمٰعیل صاحب جب بالاکوٹ پہنچ گئے، تو پکھلی اور کاغان کے رُوَسا، سلطان زبردست خاں وغیرہ اُن کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور مظفر آباد پر فوج کشی کی تجویز دُہرائی۔ مولانا نے اُن کو زبان دے دی کہ ہمارے لشکر کا ایک حصّہ بھی آپ کے ساتھ جائے گا۔ انھوں نے اس سے زیادہ کی درخواست کی۔ آپ نے انکار فرمایا اور فرمایا کہ غازیوں کی جماعت برکت اور نام کے لیے چاہیے۔ جب آپ اس مجلس سے اُٹھے، تو فرمایا کہ سلطان زبردست خاں کی باتوں کے انداز سے معلوم ہوتا ہے کہ وُہ نفاق کے شائبے سے خالی نہیں۔ اس لیے اُس کو لشکر کے بڑے حصّے کی شرکت پر اصرار ہے۔

مولوی خیر الدین صاحب کو اس تجویز سے اختلاف تھا۔ اُنھوں نے کہا کہ آپ کا حُکم ہے، تو لشکر جائے، لیکن مجھے جانے پر مجبور نہ فرمایا جائے، اس لیے کہ لشکر بے سر و سامان ہے۔ اگر سلطان زبردست خاں کی خواہش ہے کہ لشکر جائے، تو سامان کی درستی کے لیے پانچ ہزار روپیہ دے۔ اگر آنجناب کا ارشاد ہے، تو تین ہزار، نہیں تو دو ہزار ضرور عنایت فرمائیے۔

مولانا نے فرمایا: اس وقت اِتنی رقم کہاں ہے؟ زبردست خاں وعدہ کرتا ہے کہ مظفر آباد

پہنچنے کے بعد سارا سامان مُہیّا کر دیا جائے گا۔" مولوی صاحب نے کہا: "یہ سب اُس کی حیلہ سازی ہے۔ آپ اس لشکر کا کسی اور کو سردار بنا دیں۔"[1]

آپ نے مُلّا قطب الدین خان ننگرہاری، منصور خاں قندھاری اور منشی غوث محمّد امازئی والے کو سردار کر کے تقریباً دو سَو غازیوں[2] کے ہمراہ، جن میں اکثر قندھاری تھے، سلطان زبردست خاں کی معیت میں مظفرآباد روانہ فرمایا۔

جب سلطان زبردست خاں مع لشکر جاتے جاتے دریائے مظفرآباد پر پہنچا، سکھوں کو خبر ہوئی دریا کے گھاٹ پر دو کشتیاں تھیں۔ اُنھوں نے دونوں کشتیاں کھینچ کر اپنی گڑھی کے نیچے باندھ لیں اور آپ گڑھی میں گھس کر لڑائی کے لیے تیار ہو گئے۔ دریا پر مقامی لوگوں نے ناڑہ[3] باندھ دیا تھا، جس سے وُہ دریا عبُور کرتے تھے۔ ہندوستانیوں نے کہا کہ ہم کو ناڑہ سے دریا عبُور کرنے کی مہارت نہیں، ہم اللہ کا نام لے کر دریا میں داخل ہوں گے۔ چنانچہ اُنھوں نے بِسْمِ اللّٰہ کہہ کر دریا میں قدم رکھ دیے۔ وہ دریا کبھی پایاب نہیں ہوتا تھا، مگر قُدرتِ الٰہی سے اُس دن پایاب ہو گیا۔ تمام لشکر زانو زانو پانی تک اُتر گیا۔ اور جا کر شہر مظفرآباد میں داخل ہُوا۔ سکھ گولیاں چلاتے رہے، لیکن مجاہدین نے کوئی پروا نہ کی۔ بازار اور سلطان مظفر خاں کے مکانات پر قبضہ کر لیا، سکھ گڑھی اور چھاؤنی پر قابض رہے۔

مولوی خیرالدین صاحب نے سیّد صاحبؒ کو اپنا عُذر لکھ کر بھیج دیا تھا اور اپنا یہ خیال ظاہر کر دیا تھا کہ خوانین صرف اپنی مطلب براری چاہتے ہیں۔ ہم اِس مُلک میں تازہ وارد ہیں، یہاں کے سلاطین اور خوانین کے خصائل سے واقف نہیں، ہم اُن کی رفاقت نہیں کر سکتے۔

سیّد صاحبؒ نے مولوی صاحب کو لکھا کہ آپ کا عُذر معقول اور بجا ہے۔ مولانا صاحب نے جلدی کی، مگر اب تو لشکر گیا۔ اب یہ دغدغہ ہے کہ بغیر کسی تجربہ کار سردار کے وہاں کا معاملہ بگڑ نہ جائے۔

---

[1] منظورہ: ص ۱۱۳۱، ۱۱۳۲

[2] منظورہ میں تین سَو تعداد بیان کی گئی ہے۔ منشی غوث محمّد امان زئی کے بجائے منظورہ میں منشی محی الدین امان زئی کا نام ہے۔

[3] ناڑہ ایک رسہ ہے، جو دو شہتیروں سے، جو دونوں کنارے پر رکھے رہتے ہیں، باندھ دیا جاتا ہے۔ عبور کرنے والا ایک رسّے پر پاؤں رکھتا ہے، دُوسرا رسّہ ہاتھ سے تھامے رہتا ہے۔ رسّے برابر جُنبش میں رہتے ہیں جس کو عادت نہ ہو، وُہ اس کو استعمال نہیں کر سکتا۔

اب آپ کا وہاں جانا ضروری ہے۔ اس جواب کے پہنچتے ہی آپ ادھر کو روانہ ہو جائیں۔

یہ جواب پاکر مولوی صاحب دس ہندوستانی غازی اپنے ہمراہ لے کر مظفرآباد کو روانہ ہو گئے۔

زبردست خاں کی سازش سلطان زبردست خاں نے بازار اور مکان پر قبضہ پانے کے بعد سکھوں کو خفیہ خفیہ پیغام بھیجا کہ میرا لوٹا ہوا سامان اگر تم پورا واپس دے دو، تو میں غازیوں کو کسی حیلے بہانے سے رخصت کر دوں اور مدت العمر تمہارا فرماں بردار رہوں۔ لیکن اس کی اس سازش کا غازیوں کو علم ہو گیا۔ انھوں نے اس سے تقاضا کرنا شروع کیا کہ بازار وغیرہ پر قبضہ پا جانے کے بعد تم کیوں خاطر جمع کیے بیٹھے ہو، اس چھاؤنی اور گڑھی پر کیوں نہیں قبضہ کرتے؟ معلوم ہوتا ہے کہ تمہاری سکھوں سے سازش ہے زبردست خاں اس کو حیلے بہانے سے ٹالتا تھا۔ غازیوں نے کہنا شروع کیا کہ تم منافق ہو اور ہم کو فریب دے کر یہاں لے آئے ہو۔ مولوی صاحب نے بھی اس سے گولے بارود اور سامانِ جنگ کا مطالبہ شروع کیا۔ باوجود اس کے کہ وہ بالاکوٹ میں اس کا اقرار کر چکا تھا کہ وہ مظفرآباد پہنچ کر یہ سامان مہیا کر دے گا، لیکن وہاں پہنچنے کے بعد اُس نے چپ سادھ لی اور اس کو صاف ٹال گیا۔

مجاہدین کا چھاؤنی پر قبضہ آخر ایک روز مُلّا قطب الدین ننگرہاری، عبدالصمد خاں خیبری اور جعفر خاں پنجابی کی جماعت کے علاوہ سب جماعتوں نے مولوی خیرالدین صاحب کی اجازت کے بغیر گڑھی پر حملہ کر دیا۔ زبردست خاں کا بھائی بھی اپنی جماعت کے ساتھ شریک ہو گیا۔ دونوں طرف سے خوب گولے چلے۔ بالآخر غازیوں نے چھاؤنی کو سکھوں سے چھڑا لیا اور سکھوں کے بڑے جمعدار اور اس کے ساتھیوں کو قتل کر دیا۔ ادھر مُلّا قطب الدین اور عبدالصمد خاں کچھ زخمی ہوئے۔ سکھ چھاؤنی چھوڑ کر گڑھی میں گھس گئے۔ مولوی خیرالدین صاحب نے پہلے تو مجاہدوں کو اُن کی اس خود رائی پر زجر و توبیخ کی، پھر پائندہ خاں اور مہرام خاں برادرانِ عمزاد حبیب اللہ خاں کی سفارش سے معافی دے دی۔

مولوی صاحب نے زبردست خاں کو طلب کر کے فرمایا کہ تم نے کل کا حال دیکھا؛ اگر تم اب بھی گولے بارود کا سامان کر دو، تو بہتر ہے، ورنہ پچھتاؤ گے۔ لیکن اُس کو نقد دنیا منظور نہ تھا، وہ لیت و لعل کرتا رہا۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کو مجاہدین کی یہ خود رائی ناپسند ہوئی، اس لیے کہ بڑے دشمن کا مقابلہ

درپیش تھا۔ ادھر جو سردار موجود تھے، انھوں نے رعایا پر ظلم و زیادتی کرنی شروع کر دی۔ مولوی صاحب نے اُن کی زیادتیوں اور زبردست خاں کی بے پروائی کا حال سیّد صاحبؒ کو لکھ کر بھیجا۔ آپ نے جواب میں لکھوایا کہ اگر سُلطان آپ کے چلے آنے سے ناخوش ہو، تو آپ وہیں رہیے، لیکن قندھاریوں کو یہاں بھیج دیجیے۔ جب مولوی صاحب کو یہ حُکم پہنچا اور اس کی شُہرت ہُوئی، تو زبردست خاں نے مولوی صاحب کے جانے کو پسند نہ کیا۔ قندھاری بھی آپ کو چھوڑ کر جانے پر راضی نہ ہُوئے۔ اس طرح مولوی صاحب کو بھی ایک مہینہ مظفرآباد میں قیام کا اتّفاق ہُوا۔

اسی اثنا میں ایک دن اطّلاع ملی کہ شیر سنگھ سُلطان نجف خاں کے ساتھ بالاکوٹ کے درے میں آگیا اور گڑھی حبیب اللہ خاں میں اُترا ہُوا ہے۔ دو گھڑی رات گئے یہ اطّلاع سُلطان زبردست خاں کو ملی۔ اس نے مولوی خیرالدین صاحب کو بُلا کر کہا کہ اب کیا کرنا چاہیے۔ مولوی صاحب نے کہا کہ میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا اور میرے ذہن میں پہلے ہی سے یہ پورا نقشہ تھا۔ تم نے میرے کہنے پر عمل نہیں کیا۔ جو شخص اپنی سلطنت کی تسخیر کا ارادہ کرتا ہو اور روپیہ صرف کرنے میں اُس کو عُذر ہو، وُہ کیسے مُلک کی تسخیر کر سکتا ہے؟ اِسی خیال سے مجھے تمھاری رفاقت میں عُذر تھا۔ تم جانتے ہو کہ یہ دریا قدرتی مورچال ہے۔ سکھوں کی طاقت نہیں کہ اس کو دفعۃً عبُور کر لیں۔ دریا کے اس طرف بھی پہاڑی گھاٹیاں ہیں، جو بہت دشوار گزار ہیں۔ جن جن مقامات کو تم دُشوار اور خطرناک سمجھتے ہو، اُن کو ہمارے حوالے کر دو اور جہاں کم خطرہ ہو، وہاں تم رہو۔ اگر صبر و استقامت سے کام لوگے، تو اللہ تعالیٰ یہ مُشکل آسان فرما دے گا إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ لیکن مجھے تم سے جُرأت کی توقع بہت کم ہے۔

زبردست خاں کی بے ہمتی اور مجاہدین کی واپسی

تمام اہلِ مشورہ نے اس مشورے کو بہت پسند کیا اور رُخصت ہو گئے اور یہ طے ہُوا کہ کل صُبح اس کا انتظام کیا جائے گا۔ صُبح ہُوئی، تو لوگوں نے اچانک دیکھا کہ صُبح سے پہلے ہی زبردست خاں کا سارا سامان بندھا ہُوا چھوٹی مسجد کے قریب، جو شہر کے کنارے پر تھی اور بھاگنے کا راستہ وہاں سے مُتصل ہی تھا، رکھا ہُوا ہے۔ زبردست خاں نے مولوی صاحب کو بُلا کر کہا کہ بس چلیے۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ کدھر؟ زبردست خاں نے کہا کہ اسی کوہستان

ہیں۔ مولوی صاحب نے فرمایا کہ وُہ رات کا مشورہ کہاں گیا؟ زبردست خاں بجائے کچھ جواب دینے کے یہی کہے جاتا تھا کہ چلیے۔ مولوی صاحب نے غازیوں کو مطلع کر کے کُوچ کر دیا۔ زبردست خاں کے ساتھی راستہ بے راستہ کچھ نہیں دیکھتے تھے، پہاڑ پر چڑھے چلے جا رہے تھے۔ یہ سب جمعیّت ملا کر پانچ سَو سے زائد تھی۔ سکھوں نے بھی گڑھی سے نکل کر اُن کا تعاقب کیا اور مُلکی بھاگ کر پہاڑ کی گھاٹیوں میں چُھپ گئے۔ مولوی صاحب نے یہ حال دیکھ کر لوگوں کو بھاگنے سے منع کیا اور خود سکھوں کے مقابلے میں کھڑے ہو گئے۔ سکھوں نے جب یہ دیکھا کہ مُجاہدین مقابلے میں کھڑے ہو گئے ہیں اور اُن کے گولے بھی آ رہے ہیں، تو بھاگ کر مظفّر آباد میں داخل ہو گئے اور وہاں کے مکانوں میں آگ لگانا شروع کر دی۔ تمام مُجاہدین مولوی صاحب کے پاس جمع ہو گئے۔ اس وقت زبردست خاں کے بھتیجے اور داماد قطب الدین خاں نے اپنے خُسر کا ہاتھ پکڑ کر مولوی خیر الدین صاحب کے ہاتھ میں دیا اور کہا: "اس شخص کی شرم آپ کے ہاتھ میں ہے۔ اس وقت اس کا کوئی رفیق نہیں ہے۔" مولوی صاحب نے فرمایا کہ جاؤ، جب تک میں زندہ ہوں، کوئی اس پر ہاتھ نہیں اُٹھا سکتا۔

مولوی صاحب وہاں سے روانہ ہوئے۔ کوہستان کے سِرے پر ایک دیہات میں قیام کیا۔ وہاں سے دریا عبُور کر کے ایک چھوٹے دیہات میں پہنچے، جہاں منصور خاں اور سُلطان زبردست خاں کے متعلقین پہلے سے موجود تھے۔ وہاں سے بالاکوٹ کو جو راستہ گڑھی حبیب اللہ خاں کے قریب سے جاتا ہے، وُہ شیر سنگھ کے لشکر کے پڑاؤ کی وجہ سے بند ہو گیا تھا۔ دُوسرا راستہ کاغان کا تھا، جو نہایت دشوار گزار تھا۔ یہاں سے بالاکوٹ کا راستہ برف باری کی کثرت کی وجہ سے مسدُود تھا۔

سیّد صاحبؒ کو جب مولوی خیر الدین صاحب کے اس طرف سے جانے کا حال معلوم ہُوا، تو آپ نے چالیس پچاس گوجروں کو برف ہٹانے اور راستہ کے صاف کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔ اس عرصے میں مولوی خیر الدین صاحب تپ لرزہ میں مُبتلا ہو گئے اور اُن کو ایک گاؤں میں مجبوراً قیام کرنا پڑا۔ اِس میں اتنی تاخیر ہُوئی کہ جب وُہ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو چارپائی پر لیٹے ہُوئے بالاکوٹ کے قریب پہنچے، تو سیّد صاحبؒ کا رُقعہ مِلا کہ ہم نے بالاکوٹ کے نیچے کا پُل توڑ دیا ہے، آپ اُوپر کے پُل سے آئیں۔ دو میل

گئے تھے کہ ایک دُوسرا رقعہ ملا کہ یہاں جنگ پیش آگئی ہے۔ مضبُوط اور تندرست آدمی جلد آجائیں، آپ آرام کے ساتھ آئیں۔ چنانچہ اُن کے سب ہمراہی روانہ ہوگئے۔ مولوی صاحب کے صرف دو ساتھی اور دو گوجر اُن کے ساتھ تھے۔[1]

---

[1] مولوی صاحب جب چکر کاٹ کر بالاکوٹ کے شمالی پہاڑوں پر پہنچے، تو معلوم ہُوا کہ معرکہ ختم ہو چکا ہے اور ان کے اکثر ساتھی شہادت سے سُرخرو ہُوئے۔ تفصیل آگے ملاحظہ ہو

چالیسواں باب

بچوں میں

سیّد صاحبؒ کا ایک وعظ ایک روز سیّد صاحبؒ نے بچوں میں وعظ فرمایا، جس میں آپ نے ایک مثال بیان کی۔ آپ نے فرمایا: "جب کسی کے مکان کی کوئی دیوار گر جاتی ہے، سارے گھر والوں کو تکلیف ہوتی ہے۔ چنانچہ مرد، عورت، بچے سب اُس کی درستی کی فکر میں لگ جاتے ہیں۔ ہر ایک اپنے مقدور بھر اس کی تیاری میں سرگرم ہوتا ہے۔ کوئی اینٹ لاتا ہے، کوئی مٹی لاتا ہے اور چھت کی تیاری میں منہمک ہو جاتا ہے۔ جب سارے گھر والے دن رات لگ کر اور مشقت اور تکلیف برداشت کر کے ایک زمانے کے بعد اپنے گھر کو درست اور آباد کر لیتے ہیں، تو پھر مدتوں تک اس میں آرام پاتے ہیں۔

اسی طرح اس زمانے میں مسلمانوں کے دین کی عمارت منہدم ہو گئی ہے۔ کفار رہزنوں کی طرح مسلمانوں کے گھر کے مال و اسباب کو لوٹ رہے ہیں اور دستِ تعدّی دراز کر رہے ہیں، اس لیے کہ اس گھر کا کوئی نگہبان اور پاسبان نہیں رہا۔ اب سونے والوں کو خوابِ غفلت سے بیدار ہونا چاہیے اور اپنے ویران مکان کی پاسبانی کر کے اور اس کا سامان مہیّا کر کے اس کو آباد کرنا چاہیے اور ان رہزنوں اور چوروں کو گرفتار کر کے اُن کو اُن کے اعمال کی سزا دینی چاہیے اور اُن سے اپنی خدمت لینی چاہیے۔ مکان کے آباد ہو جانے کے بعد اطمینان کے ساتھ وہ مکان میں آرام کر سکتے ہیں۔[1]

---

[1] ملفوظ: ص

سیّد صاحبؒ کا یہ وعظ سُن کر حسن علی خاں ایسا رویا کہ تمام ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی یہاں سے اُٹھنے کے بعد اُس نے کسی سے کہا کہ مَیں تو اس جہاد کا کارخانہ بچوں کا کھیل سمجھتا تھا، لیکن جب اس سیّد عالی مقام کے چہرے پر میری نظر پڑی، تو مجھے یقین ہو گیا کہ ایسا صاحب عزم آدمی ہفت اقلیم کی تسخیر کرنے کا ارادہ کرے، تو کیا عجب ہے کہ اللہ تعالیٰ تمام ممالک کی تسخیر کو اُس کے لیے آسان کر دے۔[1]

کشمیر پر حملے کا مشورہ اور خوانین کی عرضداشت

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب جس وقت بالاکوٹ میں تھے، کشمیر کے کچھ معتبر اشخاص، جن کو اہلِ کشمیر نے بھیجا تھا، آپ کی خدمت میں آئے اور کشمیر کے مسلمانوں کا پیغام پہنچایا کہ ہم بالاکوٹ میں لشکرِ اسلام کی آمد سے بہت خوش ہُوئے۔ یہاں سے کشمیر صرف تین منزل کی راہ ہے۔ ہم دست بدعا ہیں کہ اللہ تعالیٰ جلد لشکرِ اسلام کو ہمارے مُلک میں لائے تاکہ ہم کُفّار کے ظُلم و جَور سے نجات پائیں اور امام المسلمین کے سایۂ حکومت میں آزادی کے ساتھ اسلام کے احکام پر چل سکیں اور سُنّت کی پیروی کر سکیں۔

مولانا نے اِس مضمون کا ایک خط سیّد صاحبؒ کی خدمت میں روانہ کیا۔ اس میں یہ بھی تحریر فرمایا کہ چُونکہ جناب والا اسی وقت سے، جب "امب" میں قیام تھا، کشمیر کی تسخیر کا ارادہ فرماتے تھے، وہاں سے تو وُہ مُلک بہت دُور تھا، لیکن اب جب کہ ہمارا لشکر مظفر آباد تک آگیا ہے، وہاں سے کشمیر صرف دو روز کا راستہ ہے۔ اگر مُلکی ساتھ دیں، تو پہلی لمبی منزل کر کے ایک رات کسی جگہ قیام کر کے دُوسرے روز اللہ تعالےٰ کی مدد سے ہم کشمیر میں داخل ہو سکتے ہیں۔ وہاں کی رعایا کرپا رام کے ظلم سے بہت تنگ آچکی ہے۔ وہاں کی اکثریت مسلمان ہے۔ اُمید ہے کہ وہاں کے اکثر لوگ لشکرِ اسلام میں شامل ہو جائیں گے۔

مولانا کا جب یہ خط پہنچا، تو آپ نے حسن علی خاں اور حبیب اللہ خاں وغیرہ سے مشورہ لیا۔ اُنھوں نے کہا کہ اگر آپ کشمیر کا ارادہ فرمائیں گے، تو آپ اللہ کی مدد سے اس مُلک میں داخل ہو جائیں گے، لیکن آپ کے تشریف لے جانے اور لشکرِ اسلام کے کُوچ کر جانے کے بعد سکھ ہم کو تباہ کر دیں گے اور

---

[1] منظورہ : ص ۱۱۲۷، ۱۱۲۸

کہیں گے کہ انھیں ملکیوں نے لشکرِ اسلام کی رہبری کی اور خلیفہ صاحب کو کشمیر تک پہنچایا۔ اس لیے آپ اُن کے ساتھ کسی مقام پر ایک جنگ کرکے اُن کو شکست دے کر آگے کا قصد فرمائیں! اس سے لشکرِ اسلام کی ہیبت بیٹھ جائے گی اور ہم بھی ہمرکاب ہو کر چلیں گے۔

مولوی سید جعفر علی صاحب فرماتے ہیں کہ چونکہ آپ کو غربا، اور رعایا کے حال پر کمال شفقت تھی، آپ نے اُن کا مشورہ قبول کر لیا اور مولانا اسمٰعیل صاحب کو اسی مضمون کا خط لکھ کر بھیج دیا۔ مولانا آپ کے حکم کے مطیع و فرمانبردار تھے۔ خط پڑھ کر خاموش ہو گئے۔ اتنا فرمایا کہ حضرت امیر المومنین کو سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، کی پیروی اور اقتدا میں غربا، کے حال پر بڑی شفقت ہے، ورنہ فقہی مسئلہ یہ ہے کہ اگر کفار مسلمانوں کو گرفتار کرکے اُن کو سپر بنالیں یا قلعے کی دیوار سے اُن کو لٹکا دیں، اس وقت بھی اس خیال سے کہ ان مسلمانوں کو گزند پہنچے گا، جنگ کا موقوف کرنا اور قلعے کی تسخیر سے دست بردار ہو جانا مناسب نہیں، بلکہ ان کفار سے جنگ کی جائے گی اور امکانی حد تک مسلمانوں کو اپنے ہتھیاروں کی گزند سے محفوظ رکھنے کی کوشش کی جائے گی۔ اگر بالفرض مسلمانوں کو کچھ گزند پہنچے یا وہ مسلمانوں کے ہتھیاروں سے شہید ہو جائیں، تو اس میں نہ دیت ہے، نہ قصاص، نہ گناہ۔[1]

شیر سنگھ کی نقل و حرکت کی اطلاع شیر سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ گڑھی میں قیام کرکے پہلے مظفر آباد کی سمت گیا۔ وہاں اُس کو سلطان زبردست خاں اور اُس کے ہمراہیوں کے فرار کا حال معلوم ہوا۔ وہاں سے اُس نے گڑھی کی طرف پھر مراجعت کی اور بالاکوٹ جانے کے لیے راستہ تلاش کیا۔ جہاں جہاں گڑھی میں غلّہ اور آدمی تھے، سب کو جمع کیا۔ جس گڑھی میں سو آدمی تھے، وہاں دس، جہاں دو سو تھے، وہاں بیس متعیّن کیے۔ اس طرح سے غلّے کو جا بجا سے سمیٹ کر جمع کر لیا۔ مولانا کو بھی اس کی اطلاع ہوئی۔ شیر سنگھ نے درۂ بھوگڑ منگ کا ارادہ کیا۔ اس وقت مولانا نے سید صاحبؒ کو اس مضمون کا خط لکھا کہ شیر سنگھ اپنے لشکر کے ساتھ بھوگڑ منگ کے درے کا ارادہ رکھتا ہے اور فی الحقیقت صاحبِ عزم کے لیے یہی مناسب بات ہے کہ وہ سردارِ لشکر سے مقابل ہو۔ آپ ہوشیار رہیں اور اہلِ لشکر حالات سے باخبر رہنے میں غفلت سے کام نہ لیں۔ جس وقت جنگ کی صورت پیدا ہو، قاصدِ تیز گام ہم لوگوں

---

[1] منظورۃ السعداء: ص ۱۱۳۸ تا ۱۱۴۰

کو بھی اطلاع کر دے تاکہ ہم بھی اپنی جماعت کے ساتھ شریکِ جنگ ہو جائیں۔

شبخون کی تجویز | شیر سنگھ نے اپنی قیام گاہ کی طرف مراجعت کی۔ مولانا نے اپنے رُفقاءِ خاص سے مشورہ فرمایا اور تجویز کی کہ شیر سنگھ کے لشکر پر شبخون مارا جائے۔ آپ نے شبخون کا پُورا نقشہ تجویز کیا، اور تجویز فرمایا کہ عصر کے بعد لشکر متفرق طریقے پر پہاڑ پر چڑھے، چوٹی پر پہنچ کر پہاڑ کی اوٹ میں ہو جائے پھر شب کی تاریکی میں ان کو غافل یا مشغول پا کر حملہ کر دیں۔

مولانا کی سچوں میں طلبی | ابھی اس تجویز پر عمل کرنے کی نوبت نہیں آئی تھی کہ سیّد صاحبؒ کی طرف سے طلبی کا رقعہ پہنچا، جس کا مضمون یہ تھا کہ عرصہ ہو گیا کہ وُہ برگزیدۂ بارگاہ ہم سے جُدا ہیں۔ ہم کو ملنے کا بہت اشتیاق ہے۔ آپ کی طلبی کا یہ خط جاتا ہے اور پیچھے سے حبیب اللہ خاں روانہ ہوتے ہیں۔ اپنے لیے اس کو حکمِ قطعی جانیں اور جلد سے جلد روانہ ہو کر یہاں تشریف لے آئیں۔ سردار حبیب اللہ خاں بالاکوٹ میں اپنی جگہ کی حفاظت کریں گے۔ خاتمۂ خط پر آپ کی مُہر اور پیشانی پر "اَللّٰہُ کَافِی" کے لفظ آپ کے ہاتھ کے لکھے ہُوئے تھے، جس کا یہ مطلب ہوتا تھا کہ اس کی تعمیل نہایت ضروری اور فوری ہے۔

مولانا نے یہ خط پڑھ کر اہلِ لشکر سے فرمایا کہ آپ لوگ اپنی جگہ پر جائیں شبخون کی تجویز ملتوی ہے۔ لوگوں نے پوچھا کہ کیا سبب پیش آیا۔ فرمایا: ہماری طلبی آگئی ہے۔ لوگوں نے کہا کہ اگر شبخون کے بعد آپ تشریف لے جائیں تو بہتر ہے فرمایا: مَیں اپنے ارادے کا مُختار نہیں ہُوں، تابعِ فرماں ہُوں۔ بعض لوگوں نے کہا کہ اپنا عُذر اور حالات کی تفصیل لکھ بھیجیں۔ فرمایا کہ دیکھتے نہیں کہ تاکیدی مُہر اور دستخطِ خاص ہے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ تعمیل فوری طور پر ضروری ہے۔ کل کُوچ ہے۔ یہ معلوم نہیں کہ اس کا انجام کیا ہوگا۔ اللہ تعالےٰ بہتر کرے! لیکن قرینۂ تحریر سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حبیب اللہ خاں نے بالاکوٹ پر قبضہ کرنے کی تجویز کی ہے۔ اگر ہمارا اندازہ صحیح ہے، تو ایک ہفتہ نہیں گزرے گا کہ حبیب اللہ خاں کا خط ہماری طلبی میں آئے گا اور ہم کو پھر یہیں آنا ہوگا۔

مولانا سچوں میں | دُوسرے روز مولانا نے شیخ بلند بخت کو اپنا قائم مقام بنایا اور اپنی جماعت کے ساتھ ست بنی کے راستے سے پہاڑ پر چڑھ کر بھوگرمانگ کے درے میں آئے اور جبوڑی کے دیہات میں رات بسر کی

اگلے روز ڈیڑھ پہر دن چڑھے چمن پہنچ گئے۔ سید صاحبؒ نے بستی سے باہر نکل کر استقبال کیا۔

عُشر کا اِنتظام | دُوسرے روز مولانا صاحب نے سید صاحبؒ کی اجازت سے اِس علاقے کے مُلکوں اور خانوں کو جمع کر کے فرمایا کہ آپ لوگوں کے اُوپر آج تک کُفّار سکھ حاکم تھے اور اپنی بستیوں کا حاصل اُن کو دیتے تھے، بلکہ وُہ آپ لوگوں پر ظُلم و تعدّی کر کے لیتے تھے۔ اب اللہ تعالیٰ ہم مسلمانوں کو آپ کی اعانت کے لیے لایا ہے، آپ صاحبوں کے لیے مُوزُوں ہے کہ وُہی حاصل ہم کو دیا کریں، بلکہ ہم کو اُن سے کم دیا کریں۔ اس میں آپ کے واسطے دُنیا میں بھی بہتری ہے اور آخرت میں بھی اجرِ عظیم ملے گا، کیونکہ حضرت امیر المومنین اسی واسطے یہاں تشریف لائے ہیں کہ کفّارِ ناہنجار کے ظلم و تعدّی سے آپ کو چھڑائیں اور اُن کو مار کر مغلوب کریں۔ آپ بھی اس کارِ خیر میں ہمارے شریک ہوں۔ یہ مُلک آپ ہی مسلمانوں کا ہے۔ ہمارے حضرت امیر المومنین کو اسلام کے احکام کا آپ مسلمانوں پر جاری کرنا منظور ہے۔ آپ کے مُلک سے کچھ غرض نہیں۔ آپ کا مُلک آپ کو مُبارک رہے، بلکہ عنایتِ الٰہی سے اگر کفّار کا مُلک ہاتھ آئے گا، تو وُہ بھی آپ مسلمانوں کو دیں گے۔

مولانا کی یہ تقریر سُن کر سب نے کہا کہ آپ نے جو کُچھ فرمایا، وُہ سب ہم کو منظور ہے۔ اس کارِ خیر میں ہم سب اپنے جان و مال سے شریک ہیں۔ خدا و رسُول کا جو حُکم آپ فرمائیں گے، وہ ہم بسر و چشم بجا لائیں گے۔

مشکوٰۃ شریف کا درس | ایک روز سید صاحبؒ نے مولانا صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب، مُعطّل بیٹھے ہُوئے دل نہیں لگتا، کوئی کتاب شروع کیجیے کہ دل لگے۔ مولانا نے فرمایا کہ کچھ ارشاد ہو۔ آپ نے فرمایا کہ ہر روز ظُہر کی نماز کے بعد سے عصر تک مشکوٰۃ شریف کا درس فرمایا کیجیے۔ اس روز سے مولانا صاحب نے مشکوٰۃ شریف کا درس شروع کیا۔ ہر روز ظُہر کی نماز کے بعد سے عصر تک درس ہوتا تھا۔ سید صاحبؒ اور تمام مُجاہدین سُنتے تھے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب درس دیتے تھے اور حدیث شریف کے اسرار و نکات سید صاحبؒ بیان فرماتے تھے۔ بعض دن ایک ہی حدیث کے اسرار و نکات بیان کرنے میں عصر کا وقت آجاتا تھا اور بعض دن دو یا تین حدیثوں کی نوبت آتی تھی۔

سیّد جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ اُن دِنوں اکثر مشکوٰۃ شریف آپ کے ہاتھ میں ہوتی تھی اور آپ اُس کا مطالعہ فرماتے تھے۔ کبھی کبھی لفظ کے معنے نہ معلوم ہوتے، تو جو صاحبِ علم سامنے سے گزرتا اُس سے بے تکلّف دریافت فرماتے۔ مولانا اسمٰعیل صاحب کے اس درس سے لوگوں کو بڑا فائدہ ہُوا۔ ایک مہینہ تک یہ سلسلہ رہا۔

سیّد ضامن شاہ کی آمد اور بیعت | انھیں دنوں درۂ کاغاں کے رئیس سیّد ضامن شاہ بیس بائیس آدمیوں کے ساتھ آئے۔ سیّد صاحبؒ نے سیّد ضامن شاہ اور اُن کے ساتھیوں کی بہت خاطر تواضع کی اور اُن کو اپنے پاس اُتارا۔ اُن میں آٹھ یا نو آدمی سیّد ضامن شاہ کے عزیزوں میں تھے۔ اگلے روز سیّد ضامن شاہ نے اپنے ساتھیوں کے ساتھ بیعت کی اور عرض کیا کہ مَیں آپ کے اِس کارِ خیر میں جان و مال سے شریک ہُوں۔

سیّد صاحبؒ کی ایک گفتگو | ایک روز آپ جنگل سے تیر اندازی کر کے واپس تشریف لائے اور گھوڑے سے اُترے۔ کسی نے ایک چارپائی لا کر بچھا دی۔ آپ زمین پر بیٹھ گئے۔ کتنا ہی لوگوں نے کہا کہ آپ ہمارے امام اور پیر و مُرشد ہیں، اس چارپائی پر بیٹھیں، ہم سب زمین پر بیٹھیں گے۔ آپ نے کسی طرح نہ مانا اور فرمایا کہ جیسے تم سب ہو، ویسا ہی ایک میں بھی ہُوں۔ مجھ کو کب مناسب ہے کہ تم سب زمین پر بیٹھو اور مَیں چارپائی پر بیٹھوں؟

اس وقت غریب، امیر سب تقریباً دو سَو آدمی ہوں گے۔ آپ نے اُن سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو، مَیں جو اپنے وطن سے اتنے بندگانِ خدا کو جا بجا سے لے کر اور طرح طرح کی سختی و مصیبت اُٹھا کر تمھارے اِس مُلک کوہستان میں آیا ہوں، تو فقط اِسی واسطے کہ تم مسلمانوں کے مُلک پر کفّار غالب ہو گئے ہیں اور تم کو طرح طرح کی تکلیف اور ذلّت دیتے ہیں۔ اُن کو اللہ کی مدد سے مغلوب کروں تاکہ تم اپنی اپنی ریاستوں پر قابض اور مُتصرف ہو اور دینِ اسلام قوّت پکڑے۔ اگر میں عیش و آرام کا طالب ہوتا، تو میرے واسطے مُلکِ ہندوستان میں ہر طرح کا عیش و آرام تھا، اِس کوہستان میں کبھی نہ آتا۔ میری مُراد اِس گفتگو سے یہ ہے کہ تم سب بھائی بھی کفّار کی حکومت سے غیرت کرو اور اپنی جان و مال سے میرے ساتھ

شرکت کرو اور کافروں کو مار کر یہاں سے نکالو۔ اس کے بعد ان کا مُلک چھینو اور اپنے تصرّف میں لاؤ۔ اگر تم لوگ میرے ساتھ شرکت نہ کروگے، تو چند دن کے بعد ایسا غم و افسوس کروگے کہ اس کا بیان تقریر سے باہر ہے۔ پھر وُہ افسوس و غم بھی کام نہ آئے گا۔ اور اگر اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں اپنا کام لینا چاہے گا، تو اپنے اُور بندوں کو میرے ساتھ کر دے گا اور اُن کے ہاتھوں سے اپنے دینِ اسلام کو غالب کرے گا۔

سب حاضرینِ مجلس نے اُس کے جواب میں عرض کیا کہ ہم اپنی جان و مال سے ہر طرح سے شریک ہیں۔ جو کچھ آپ فرمائیں، ہم بسر و چشم بجا لائیں گے[1]۔ آپ نے اُن کے حق میں دُعا فرمائی اُور اپنی قیام گاہ پر تشریف لائے۔

دُعا کا اہتمام | جن دِنوں مشکوٰۃ شریف کا درس ہوتا تھا، ایک روز سیّد صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب، دل میں آتا ہے کہ اب چند روز جنابِ الٰہی میں خُوب سے مِل کر دُعا کریں، مگر اِس طرح کہ ہم ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اکیلے دُعا کریں اور آپ سب بھائیوں کو ساتھ لے جا کر کہیں جنگل میں دُعا کریں۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ بہت بہتر، مَیں حاضر ہُوں۔ سیّد صاحبؒ نے عصر کا وقت دُعا کرنے کے لیے مقرر فرمایا۔ ہر روز نمازِ عصر سے فارغ ہو کر سیّد صاحبؒ ایک کوٹھڑی میں اکیلے بیٹھ کر دُعا کرتے تھے اور مولانا صاحب سب غازیوں کو اپنے ہمراہ لے کر بستی کے باہر ایک نالے پر جاتے تھے۔ پہلے آپ سب لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کچھ دیر وعظ و نصیحت فرماتے تھے۔ اِس کے بعد برہنہ سر ہو کر کمال گریہ و زاری اور عجز و انکسار کے ساتھ جنابِ باری میں بہت دیر تک دُعا کرتے تھے۔ اِس دُعا میں طرح طرح اپنی مُحتاجی و انکسار اور جنابِ باری کی عظمت و جبّاری اور رحمت و غفّاری بیان کرتے تھے۔ دُعا کے بعد سب کو ہمراہ لے کر سیّد صاحبؒ کے پاس آتے تھے اور دُعا کرنے کا حال عرض کرتے تھے۔ یہ دُعا پانچ سات روز متواتر ہُوئی۔

گوجروں کی توقیر | ایک روز گوجروں کا ایک سردار (جس کو وہ لوگ مقدم کہتے ہیں) سات آٹھ

---

[1] یہ حضرات اوّل سے آخر تک اپنے عہد و پیمان پر قائم رہے۔ اِن میں سے کچھ لوگ تو جنگِ بالاکوٹ میں شہید ہُوئے، باقی جو زندہ بچے، وُہ مولانا ولایت علی کے عہدِ ولایت میں اُن کے شریک ہُوئے۔

آدمیوں کے ساتھ مُلاقات کو آیا۔ وُہ سب لوگ کمتل کا لباس پہنے ہُوئے تھے۔ آپ اُن سے بڑے تپاک سے ملے اور بڑی عزّت و توقیر سے اپنے پاس بٹھایا اور ہر ایک سے عافیت مزاج پوچھی اور اُن کے واسطے مُکلّف کھانا پکوایا اور حاضرین سے فرمایا کہ یہ لوگ بڑے دیندار ہیں۔ پہاڑوں پر رہتے ہیں، بھیڑ، بکری، گائے بھینس پالتے ہیں اور انھیں کے دُودھ دہی وغیرہ سے اپنی گزران کرتے ہیں اور شر و فساد سے کام نہیں رکھتے۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ لوگ ہمارے بڑے مُخلص انصار ہوں گے۔

اِسی طرح اکثر اوقات اس مُلک کے صاحب اخلاص گوجر آپ کی خدمت میں آتے اور آپ اُن کی بہت عزّت و توقیر کرتے تھے اور اُن سے محبّت رکھتے تھے۔

○

اِکتالیسواں باب

سیچوں سے بالاکوٹ

بالاکوٹ کی تجویز سیچوں میں مولوی خیرالدین صاحب کا مظفرآباد سے رقعہ آیا کہ سکھوں نے پشاور میں شیرسنگھ کو حالات کی اطلاع دی ہے اور وہ مع لشکر کمک کو آتا ہے۔ آپ نے خوانین اور اہل الرائے کو جمع کرکے فرمایا کہ شیرسنگھ مظفرآباد کے سکھوں کی کمک کے لیے آتا ہے، ہمارے مجاہدین جابجا متفرق ہیں، کچھ تو راج دواری میں ہیں، کچھ بالاکوٹ میں، کچھ مظفرآباد میں اور کچھ ہمارے ساتھ یہاں ہیں۔ آپ سب صاحب اس مُلک کے واقف کار ہیں اور ہم لوگ نووارد۔ آپ کا اِس امر میں کیا مشورہ ہے؟

اِسی اثناء میں حبیب اللہ خاں کا (جو بالاکوٹ میں تھا) خط پہنچا۔

مولوی سیّد جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ ذی قعدہ (سنہ ۱۲۴۶ھ) کا مہینہ نصف[1] ہُوا تھا کہ سردار حبیب اللہ خاں کی عرضداشت پہنچی جس میں آپ کی تشریف آوری (بالاکوٹ) کی استدعا اور شیرسنگھ کے بالاکوٹ سے ڈھائی کوس کے فاصلے پر اس دریا[2] کے جنوبی کنارے پہنچنے کی اطلاع تھی، جو بالاکوٹ کے نیچے جنوب کو بہتا ہے۔

---

[1] وقائع میں سیچوں سے سیّد صاحبؒ کی بالاکوٹ کی روانگی کی تاریخ ۵ ذی قعدہ درج ہے۔ اگر اس کو صحیح مانا جائے تو یہاں وسط ذی قعدہ صحیح نہیں، غالباً وسطِ شوال ہو۔

[2] دریائے کنہار

آپ نے لشکرِ مجاہدین کے ساتھ بالاکوٹ تشریف لے جانے کا قصد فرمایا۔

گھر والوں کو پیغام | آپ نے میاں الٰہی بخش رامپوری اور نظام الدّین اُدلیا کو راج دواری بیوی صاحبہ کی تسلّی تشفّی کے لیے بھیجا اور فرمایا کہ اُن سے ہماری طرف سے بہت تسلّی تشفّی کر کے کہنا کہ اوّل تو ہمارا ارادہ تھا کہ تم کو اپنے پاس بُلالیں، مگر اب سکھوں کے لشکر کی خبر گرم ہے۔ ہم اس طرف کو جائیں گے۔ عجب نہیں کہ ان سے مقابلہ ہو۔ پھر دیکھا چاہیے، انجام اس کا کیا ہو؟ اس سبب سے تمھارا بُلانا مُناسب نہ جانا۔ تم وہیں رہو اور کسی بات کا اندیشہ نہ کرنا۔ اللہ تعالیٰ تمھارے ساتھ ہے۔ ہم سب کے واسطے دُعا کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ ملائے گا، تو پھر آکر ملیں گے۔

معیّت و رفاقت کا اشتیاق | میاں الٰہی بخش اور نظام الدّین اُدلیا راج دواری سے آتے ہُوئے جب موضع سرکول پہنچے، تو وہاں ارباب بہرام خاں نے، جو وہاں کسی کام کے لیے مُتعیّن تھے، کہا کہ مَیں یہاں حضرت امیر المومنین کے حُکم سے متعیّن ہوں، سکھوں کے پشاور سے آنے کی خبر لوگوں میں گرم ہے اور حضرت بھی سچوں سے اِسی طرف جانے والے ہَیں۔ میری طبیعت گھبراتی ہے، مگر حضرت کی اجازت کے بغیر یہاں سے ہٹ نہیں سکتا۔ تم میری طبیعت کا حال حضرت سے عرض کرنا۔ حضرت فرمائیں، تو مَیں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہو جاؤں۔

دونوں صاحبوں نے ارباب بہرام خاں کا پیغام پہنچایا، تو آپ نے اُن کو سرکول سے بُلالیا۔ بیس آدمی اُن کے ہمراہ تھے اور وُہ سب اُن کے عزیزوں اور نوکروں میں تھے۔

بالاکوٹ کو روانگی | ۵ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو آپ نے مع لشکر سچوں سے کُوچ کی تیاری کی۔ اوّل مولوی نصیر الدین صاحب منگلوری کو تیس، پینتیس غازی ہمراہ کر کے درۂ بھوگڑ منگ کے بندوبست کے لیے روانہ کیا کہ شاید سکھوں کا لشکر اس طرف آئے، تو اُن کو روکیں، کیونکہ وہاں سے کوئی تین کوس موضع شنکیاری ہے۔ وہاں سکھوں کا تھانہ تھا۔ اس کے بعد آپ نے سچوں سے کوچ کیا۔ راستے میں پہاڑ کی چڑھائی تھی۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب چڑھتے چڑھتے تھک جاتے، تو بیٹھ جاتے اور وعظ فرمانے لگتے جب ماندگی قدرے دفع ہوتی اور پچھلے لوگ وہاں آکر جمع ہو جاتے، تب وہاں سے آگے چڑھتے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی تقریر | میاں خدا بخش رامپوری کہتے ہیں کہ ایک جگہ بیٹھ کر مولانا صاحب نے لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو، اس بات کو خیال کرو کہ اگر ہم کسی امیر یا رئیس کے نوکر چاکر ہوتے اور وہ ایسے سخت راستے میں اپنے کسی کام کو بھیجتا، تو بلا عذر جانا پڑتا اور راستے کی یہ ساری تکلیف اٹھانی پڑتی۔ وہ نوکری بھی صرف دنیا کے گزران کے واسطے ہوتی۔ آج الحمد للہ کسی کے نہ نوکر ہیں نہ چاکر، صرف اپنے پروردگار کی خوشنودی و رضامندی کے لیے یہاں آئے ہیں اور یہ محنتیں اور مشقتیں اٹھاتے ہیں اگر ہماری نیتیں خالص ہیں، تو اللہ تعالیٰ آخرت میں اس کے بڑے بڑے درجے دے گا۔

گوجر عورتوں کی محبت و تواضع | ایک جگہ اس پہاڑ کی چڑھائی پر حضرت کی آمد کی خبر سن کر اس طرف کے کئی گوجروں کی عورتیں دہی کی ہانڈیاں لے کر آئیں اور لوگوں سے پوچھنے لگیں کہ سید بادشاہ کہاں ہیں؟ وہاں کا راستہ نشیب و فراز کا زیادہ تھا۔ آپ اس وقت ہاتھی سے اتر کر پیادہ پا اور طرف سے تھوڑا پھیر کھا کر آ رہے تھے۔ لوگوں نے اشارہ کر کے بتلایا کہ سید بادشاہ وہ آتے ہیں۔ وہ عورتیں وہیں بیٹھ گئیں۔

آپ قریب آئے اور آپ کو معلوم ہوا کہ وہ آپ کے لیے کچھ دودھ دہی لائی ہیں، تو اپنے ہمراہیوں سے فرمایا کہ تم یہیں ٹھیر جاؤ، ہماری بہنیں ہمارے لیے کچھ نذر لائی ہیں، ہم ان کے پاس جاتے ہیں سب لوگ ٹھیر گئے اور آپ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ اٹھ کر کھڑی ہو گئیں اور آپ کو دعائیں دینے لگیں کہ جس مطلب کو جاتے ہو، اس مطلب کو اللہ تعالیٰ پورا کرے اور دہی کی وہ ہانڈیاں آپ کے سامنے رکھ دیں۔ آپ نے ہر ہانڈی سے تھوڑا تھوڑا کھایا اور لوگوں سے فرمایا کہ یہ دہی آپس میں تقسیم کر لو سب نے تھوڑا تھوڑا دہی تقسیم کر لیا اور آپ نے سب لوگوں سے فرمایا کہ بھائیو، ان بہنوں کے واسطے تم سب دعا کرو کہ اللہ تعالیٰ ان کی گائیں بھینسیں اور مال و اولاد میں برکت دے! پھر آپ نے اور سب نے دعا کی اور شاید کچھ نقد بھی ان کو دیا۔

توکل اور خدائی انتظام | ایک جگہ کمر کوہ میں ایک وسیع مسطح میدان تھا۔ آپ وہاں سوغازیوں کے ساتھ ٹھیر گئے اور مولانا اپنے ساتھیوں کے ساتھ آگے بڑھ گئے۔ آپ نے مولانا اسمٰعیل صاحب سے کہلوا دیا کہ ہماری طبیعت چاہتی ہے کہ آج یہیں رہیں۔ انشاء اللہ کل سویرے آپ کے پاس آئیں گے۔ بعض

غازیوں نے آپس میں کہا کہ ہمارا اوڑھنا بچھونا مولانا صاحب کے ساتھ گیا۔ یہاں پہاڑ پر رات کی سردی زیادہ ہوتی ہے۔ تمام دن کے بھوکے بھی ہیں۔ یہاں کھانے کی ظاہرا کوئی صورت نہیں معلوم ہوتی۔ سیّد صاحبؒ نے سُنا، تو فرمایا کہ بھائی صاحب، میرے پروردگار نے بڑی بڑی مہمانیوں کا مجھ سے وعدہ کیا ہے۔ ابھی تو بہت دنوں اُس کی مہمانیاں کھانی ہیں، اُن میں سے ایک مہمانی آج ہی سہی

مغرب کی نماز پڑھ کر آپ نے اللہ تعالیٰ کی قدرت اور رزّاقی کا بیان شروع کیا۔ عشاء تک اللہ تعالیٰ کی رضامندی اور پروردگاری کا بیان فرماتے رہے۔ اس وقت آپ کے کلام میں ایسی رقت تھی کہ تمام حاضرینِ مجلس کے آنسو جاری تھے اور ایک بیخودی سی طاری تھی اور اس کے بعد سربرہنہ کرکے کمال عجز و زاری کے ساتھ دُعا کرنی شروع کی اور اللہ تعالیٰ کے جمال و جلال کا بیان کرنے لگے۔ تمام حاضرین کا یہ حال تھا کہ گویا دریائے بیخودی و بیہوشی میں ڈوبے ہُوئے تھے۔ بعضے صاحبوں کے اُوپر جذب کی سی حالت طاری تھی۔

عشاء کے بعد آپ جنگل کی طرف گئے۔ وہاں سے واپس آکر فرمایا کہ بھائیو، ہم کو اس وقت نیند معلوم ہوتی ہے۔ کچھ بچھا دو، تو کچھ دیر ہم لیٹ رہیں۔ کسی نے اپنا دوہر بچھا دیا۔ اس پر آرام کرنے لگے۔ کوئی آپ کے ہاتھ دابنے لگا اور کوئی پاؤں۔ اس وقت آپ نے فرمایا کہ بھائیو، خیال کرو، پروردگار نے ہم لوگوں کے واسطے کہاں کہاں روزی مُقرر کی۔ جس طرح چڑیاں اپنی روزی کے دانے جہاں جہاں پروردگار نے مُقرر کیا ہے، وہاں چُنتی پھرتی ہیں، اسی طرح ہم لوگ بھی اپنے مُقدر کی روزی کھاتے پھرتے ہیں اور اپنے پروردگار کا کام بھی طاقت کے موافق کرتے ہیں۔

یہی باتیں آپ کر رہے تھے کہ اسی اثنار میں پہاڑ کی چڑھائی کی طرف دو تین مشعلیں نظر آئیں جب کچھ قریب آئیں، تو پہرے والے نے آواز دی کہ کون ہو۔ اُنھوں نے کہا کہ ہم سیّد بادشاہ کی مُلاقات کو آتے ہیں۔ کچھ رات گئے ہم نے خبر پائی تھی۔ اس سبب سے دیر ہو گئی۔ یہ گفتگو سُن کر آپ نے فرمایا کہ اُن کو آنے دو، اللہ تعالیٰ نے ہم کو دعوت بھیجی ہے۔ وہ حضرت کے پاس آئے۔ آپ اُٹھ کر بیٹھ گئے وہ سب کمل پوش تھے۔ آگے ایک صاحب تھے، جو صرف عصا پکڑے تھے۔ اُن کے پیچھے ایک کے سر پر

چارپائی اور بچھونا تھا اور دو آدمیوں کے سر پر ایک ایک گھڑا دودھ کا تھا۔ پھر سب نے وہ اسباب و سامان رکھ کر آپ سے مصافحہ کیا اور عذر کیا کہ ہم کو دیر سے خبر ہوئی، اس سبب سے اس وقت آئے۔ آپ نے اُن کو بٹھایا اور کچھ دیر باتیں کیں۔ پھر وہ رخصت ہو کر جدھر سے آئے تھے، اُدھر چلے گئے۔

ایک خواہش | اُسی رات کو عشاء کے بعد آپ قضاء حاجت کے لیے جنگل کی طرف گئے۔ دو تین صاحب اور ساتھ تھے۔ آپ نے اُن سے فرمایا: بھائیو، دِل چاہتا ہے کہ اگر تم چند روز مجھ کو فرصت دو، تو کسی پہاڑ پر تنہا بیٹھ کر عبادت کر کے اپنے پروردگار کو اچھی طرح راضی کروں اور تم بھی سب اپنی اپنی جگہ بیٹھ کر اپنے پروردگار کی عبادت میں مشغول رہو اور دُعائیں کر کے راضی کرو۔

ایک صاحب نے عرض کی کہ آپ بجا فرماتے ہیں۔ اگر آپ فرصت پائیں، تو یوں ہی کریں، مگر ہم لوگ جب تک آپ کو دیکھتے ہیں، تب ہی تک سب طرح کی تسکین اور دلجمعی ہوتی ہے اور اپنے حوصلے کے موافق عبادت کر سکتے ہیں اور دُعا بھی کر سکتے ہیں۔ جب ہم آپ کی صحبت سے جُدا ہوتے ہیں، اُس وقت ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا: نہ عبادت، نہ دُعا اور پریشانی اور پراگندگی طبیعت پر چھا جاتی ہے۔ جب آپ کی جُدائی میں ہم لوگوں کا یہ حال ہو، پھر بھلا ہم لوگ کیونکر آپ کو چھوڑیں؛ اگر آپ قضاء حاجت کو بھی تشریف لے جاتے ہیں اور دو چار گھڑی غائب رہتے ہیں، تو اتنی دیر میں بھی ہم بیتاب ہو جاتے ہیں۔ جب آپ تشریف لاتے ہیں اور آپ کے دیدار سے ہماری آنکھیں روشن ہوتی ہیں، تو دل کو چین اور آرام ہوتا ہے۔

طبیعت پر اثر | اسی رات کو آپ جب قضاء حاجت کے لیے تشریف لے گئے تھے۔ آپ کے جانے کے بعد اس پہاڑ کے ایک درے سے اس طرح کی ایک سخت آواز آئی، جیسے کوئی بڑی سُرنگ اُڑتی ہے۔ تمام لوگ یکبارگی چونک پڑے اور متعجب ہوئے کہ یہ آواز کہاں سے آئی اور کس کی آواز ہے، مگر اس آواز کا کچھ پتہ نہ چلا۔ آپ کو کوئی چار گھڑی کا عرصہ ہوا۔ لوگ انتظار کرتے کرتے گھبرا گئے بلکہ بعض صاحب وہیں سو رہے اور باقی لوگ اِدھر اُدھر تلاش کرنے لگے کہ کیا سبب ہے کہ اتنی دیر ہوئی اور حضرت تشریف نہیں لائے۔ اس پہاڑ پر شیر کا بھی خوف تھا اور ریچھ کا بھی۔ یہ بھی بعضوں کو وہم ہوا کہ

ابھی آپ فرماتے تھے کہ اگر تم لوگ مجھ کو فرصت دو۔ تو مَیں کسی پہاڑ کے گوشے میں بیٹھ کر اپنے پروردگار کی عبادت کروں، تو کہیں اسی وقت سے تو ہم سے جُدا نہیں ہوگئے؟ غرض، جو جس کے خیال میں آتا تھا، وہ کہتا تھا۔

بہت دیر کے بعد آپ تشریف لائے اور لوگ بشاش اور تازہ دل ہوگئے۔ لوگوں نے اس تاخیر کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا کہ ہاں، مجھ کو بھی معلوم ہوتا ہے کہ بہت دیر ہوئی کہ وہاں بیٹھے بیٹھے میرے پاؤں سُن ہوگئے۔ باقی اور حال آپ نے کچھ نہ بیان فرمایا، مگر اسی وقت سے آپ کی طبیعت اور طرح کی ہوگئی۔ جہاد کے معاملے میں جو صلاحیں اور مشورے آپ ہمیشہ کیا کرتے تھے، اس وقت سے یک لخت موقُوف کر دیے اور اس کا سب معاملہ تقدیرِ الٰہی پر مُوقوف رکھا، بلکہ جو لوگ کُفّار کے مارنے اور مغلوب کرنے کی تدبیریں آپ کی خدمت میں عرض کرتے تھے، آپ اُنھیں مزید تقریر سے روک دیتے تھے اور ہرگز نہیں مانتے تھے۔

صبح کی نماز کے بعد چلنے کی تیاری ہُوئی۔ کسی نے عرض کیا کہ یہ چارپائی اور کمبل کس کے حوالے کریں۔ آپ نے فرمایا: یہیں رہنے دو۔ جو مالک ہوگا، وُہ آپ لے جائے گا۔ چنانچہ وُہ چارپائی اور کمبل جہاں کے تہاں چھوڑ کر سب لوگ روانہ ہوگئے۔[1]

---

[1] وقائع میں ہے کہ ایک غازی نے جو پیچھے رہ گئے تھے، بیان کیا کہ ایک نوجوان لڑکا آیا اور اس نے مجھ سے پوچھا کہ چارپائی اور کمبل کہاں ہے۔ مَیں نے بتلا دیا۔ اُس نے کہا: اب تم چلے جاؤ، ہم پہنچا دیں گے۔

بیالیسواں باب

بالاکوٹ میں

بالاکوٹ میں داخلہ | اِدھر بالاکوٹ سے فجر کی نماز پڑھ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سب لوگوں کو لے کر آپ کے استقبال کو آئے۔ جب آپ پہاڑ سے اُتر کر موضع ستبنی کے نالے پر پہنچے، تو وہاں مولانا صاحب اور سب لوگوں سے مُلاقات ہُوئی۔ سب کے ساتھ آپ بالاکوٹ میں داخل ہُوئے۔ بستی کے خان و اصل خاں نے آپ کے لیے اپنی حویلی خالی کر دی۔ اس میں آپ اُترے۔ باقی لوگ بستی کے دُوسرے گھروں میں۔

بالاکوٹ اور اس کا اجمالی خاکہ | بالاکوٹ وادی کاغان کے جنوبی دہانے پر واقع ہے۔ یہاں پہنچ کر وادی کو پہاڑی دیوار نے بند کر دیا ہے۔ دریائے کنہار کے منفذ کے سوا کوئی راستہ نہیں ہے۔ پہاڑ کی دو دیواریں متوازی چلی گئی ہیں۔ بیچ میں خلا ہے، جس کا عرض آدھ میل سے زیادہ نہیں۔ اسی خلا میں دریائے کنہار گزرا ہے۔

بالاکوٹ کے مشرق میں کالوخاں کا بلند ٹیلہ واقع ہے، جس کی چوٹی پر کالوخاں نام کا گاؤں ہے۔ مغرب میں مٹی کوٹ کا ٹیلہ ہے، جو بہت بلند ہے۔ ٹیلے کے شمالی حصے میں چوٹی پر مٹی کوٹ گاؤں ہے، جس کے بارے میں مثل مشہور تھی کہ "جس کا مٹی کوٹ، اُس کا بالاکوٹ"۔ ایک پُرانی پگڈنڈی جنوبی و مغربی سمت کے پہاڑوں میں سے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچتی تھی۔ مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ "ایک

راستہ جو ہندوستان کے سلاطین قدیم کا تراشا ہُوا تھا، اس چوٹی تک جاتا تھا۔ مُرورِ زمانہ سے وہاں بڑے بڑے درخت کھڑے ہو گئے تھے اور جنگل ہو گیا تھا۔ پہاڑوں سے لڑھک کر گرنے والے پتھروں نے بھی اس راستے کو خراب کر دیا تھا، لیکن مقامی لوگوں کو اس راستے کی شناخت تھی۔

بالاکوٹ کے شمالی جانب تین ٹیلے ہیں، جنھوں نے مِل کر ایک دیوار بنا دی ہے۔ وُہ دِیوار بالاکوٹ کے شمالی اور مغربی گوشے سے شروع ہو کر شمالی اور مشرقی گوشے تک چلی گئی ہے۔ مغرب کی سمت میں ست بنے کا ٹیلہ ہے، جس پر اسی نام کا گاؤں آباد ہے۔

جنوب کی سمت میں کنھار کی وادی ہے، جس نے کاغان سے باہر نکلتے ہی بالاکوٹ کے پاس جنوبی و مغربی رُخ اختیار کر لیا ہے۔

حلقے کے عین بیچ میں ایک ٹیلہ یا قُدرتی پشتہ ہے، جس پر بالاکوٹ کا قصبہ آباد ہے۔ پُشتے کے شمالی و مغربی سمت میں زمین کی سطح تک مکان چلے گئے ہیں اور عام پہاڑی آبادیوں کی طرح درجہ بدرجہ ہیں، یعنی، نیچے کے مکان کی چھت اوپر کے مکان کا صحن ہے۔[1]

حفاظتی انتظامات | شیر سنگھ دریائے کنھار کے مشرقی کنارے بالاکوٹ سے دو، ڈھائی کوس پر اپنے لشکر کے ساتھ پڑاؤ ڈالے ہُوئے تھا۔ وقائع میں ہے کہ "لوگ بالاکوٹ سے اُس کے ڈیرے خیمے دیکھتے تھے"۔ اس کے لیے بالاکوٹ پر حملے کی دو ہی صُورتیں ہو سکتی تھیں۔ یا وُہ پہاڑ پر اس پُرانی پگڈنڈی سے چڑھتا، جو جنوبی و مغربی سمت کے پہاڑوں میں سے مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچتی ہے اور مٹی کوٹ کے ٹیلے پر پہنچ کر نیچے اُترتا۔ یہ راستہ کسی مقامی واقفِ حال آدمی کی رہبری کے بغیر طے نہیں ہو سکتا تھا۔ اس راستے سے بھاری سامان اور توپیں بھی لے جانا ممکن نہ تھا۔

دُوسری صُورت یہ تھی کہ وُہ دریائے کنھار کے مشرقی کنارے کے ساتھ ساتھ بالاکوٹ کے سامنے پہنچتا۔ یہ صُورت نسبتہً آسان تھی۔ ان دونوں راستوں کی حفاظت اور ناکہ بندی ضروری تھی اور سیّد صاحبؒ نے بالاکوٹ پہنچتے ہی اس کا بندوبست فرمایا۔ مُلّا لعل مُحمّد قندھاری کو اس پہاڑی پگڈنڈی کی حفاظت کے

---

[1] اختصار از "سیّد احمد شہیدؒ"۔ ص ۳۶۸، ۳۶۹ ج ۲

لیے مقرر فرمایا، جو مٹی کوٹ آتی تھی۔ اُن کی پشتیبانی اور کمک کے لیے قندھاریوں کی ایک جماعت کو مٹی کوٹ میں بٹھا دیا۔ جنوبی سمت کی ناکہ بندی اور دریا کے مشرقی کنارے سے لشکر کے آنے کو روکنے کے لیے امان اللہ خاں لکھنوی کو ۲۰، ۲۵ غازیوں کے ساتھ متعیّن فرمایا۔ اس حصّے میں محافظین کی ایک مختصر سی تعداد ایک بڑے حبیش کو روکنے کے لیے کافی تھی۔ وقائع احمدی میں ہے: "جانب مغرب جو پہاڑ بھوگڑمنگ اور بالاکوٹ کے درمیان ہے، وہاں مع جماعت مُلّا لعل مُحمّد قندھاری کو بھیجا۔ بھوگڑمنگ کے درے کی حفاظت کے لیے مولوی نصیر الدّین صاحب منگلوری اوّل ہی سے وہاں متعیّن تھے اور دس بارہ قندھاری مُلّا لعل مُحمّد کی جماعت کے موضع مٹی کوٹ کے پہاڑ پر مقرر کیے اور اُن کو سمجھا دیا کہ اگر لعل مُحمّد کی طرف کچھ سکھوں کا دباؤ ہو اور وہاں بندوقیں چلیں، تو ادھر تم بھی بندوقیں چلا دینا تاکہ یہاں ہم لوگوں کو خبر ہو جائے۔

ایک راستہ جنوب کی طرف بالاکوٹ کی ندی کے کنارے پہاڑ کی کھڑی پر ہے[1]۔ وہاں کی حفاظت کے لیے پچیس، تیس غازیوں کے ساتھ دو ضرب شاہین دے کر امان اللہ خاں لکھنوی کو بھیجا اور اس دریا کے پُل پر، جو بالاکوٹ کے مشرق و جنوب کے کونے میں تھا، کوئی دس آدمی متعیّن کیے کہ رات کو پُل کے پاس رہا کریں اور دن کو اپنے ڈیرے پر رہیں اور سب ناکہ والوں سے کہہ دیا کہ جس کی طرف سے سکھ لوگ آئیں، اُن کو روکیں اور بندوقیں ماریں اور اگر وہ نہ رُکیں، تو یہاں چلے آئیں۔

سیّد جعفر علی صاحب لکھتے ہیں کہ "آپ نے بالاکوٹ پہنچ کر ایک لکڑی کا پُل دریائے کنھار پر بنوا دیا۔ سکھوں نے بھی (جو مشرقی کنارے پر اُترے ہوئے تھے) مغربی کنارے پر آنے جانے کے لیے جہاں کھُلا میدان ہے، ایک پُل بنا لیا تھا۔ سیّد صاحبؒ نے بالاکوٹ کے پُل کے جنوب کی طرف ٹکیوں اور دوسرے لوگوں کی ایک جماعت کو متعیّن کر دیا تھا کہ وہ دریا سے متّصل تھا اور ان دونوں پُلوں کے درمیان ایک محفوظ جگہ تھی، جو جماعت ان دونوں پُلوں کے درمیان متعیّن تھی، وہ سکھوں کے لشکر کو نقصان پہنچاتی رہتی تھی اور اُن کے جانوروں کو جو پُل کے راستے سے میدان میں چرنے کے لیے

---

[1] یہ جنوبی سمت کی کھڑیاں ہیں جو ترنہ اور بالاکوٹ کے درمیان واقع ہیں۔

آیا کرتے تھے، اکثر حملہ کرکے پکڑ لیا کرتے تھے اور کبھی کبھی سکھ سپاہیوں کا تعاقب کرکے پل تک پہنچا دیا کرتے تھے۔

پہرے کی تبدیلی | لوگوں نے سیّد صاحبؒ سے صلاحًا عرض کیا کہ مُلّا لعل مُحمّد قندھاری پہاڑ پر کئی روز سے متعیّن ہیں۔ وہاں سردی بھی بہت ہے۔ اگر مناسب ہو، تو آپ اُن کی بدلی بھیجیں اور اُن کو یہاں بُلوالیں۔ آپ نے فرمایا کہ بہتر ہے، اُن کی بدلی بھیجی جائے۔

مُلّا لعل مُحمّد یہ خبر سُن کر آپ کی خدمت میں حاضر ہُوئے اور عرض کیا کہ مُجھ کو بدلی کرنا کسی طرح منظور نہیں، مجھ کو آپ وہیں رہنے دیجیے کیونکہ مجھے اپنے قندھاریوں پر خدا کی طرف سے اعتماد ہے۔ وُہ کسی طرح اُن کے مکر و فریب میں نہیں آئیں گے۔ مبادا آپ کسی دُوسرے کو وہاں مُتعیّن فرمائیں اور اس سے وہاں کا بخُوبی انتظام نہ ہو سکے اور معاملہ بگڑ جائے۔

آپ نے فرمایا کہ ہم خُوب جانتے ہیں کہ تم اپنے لوگوں سمیت ماشاء اللہ ایسے ہی حقانی ربّانی اور مُخلص صادق ہو۔ اِسی سبب سے یہ تدبیر ہم نے کی ہے کہ ہمارے پاس رہو۔ پھر آپ نے مرزا احمد بیگ پنجابیوں کے جمعدار کو اُن کے لوگوں سمیت مُلّا لعل مُحمّد کی جگہ مُتعیّن کیا اور مُلّا لعل مُحمّد کو اُن کے لوگوں سمیت اپنے پاس بُلا لیا۔

بالاکوٹ سے سیّد صاحبؒ کا آخری خط | آپ نے بالاکوٹ سے نواب وزیر الدولہ مرحوم کو ۱۳ ذی قعدہ، سنہ ۱۲۴۶ھ یعنی، شہادت سے صرف گیارہ روز پہلے ایک خط لکھا۔ اُس کے ایک حصّے کا ترجمہ یہاں درج کیا جاتا ہے:

"باقی حال یہ ہے کہ اہلِ سمنہ چُونکہ بدبخت ازلی تھے، اُنھوں نے جہاد کے بارے میں مُجاہدین کی رفاقت اختیار نہیں کی، بلکہ کافروں کے اغوا سے بعض مجاہدینِ ابرار کو، جو بعض ضرورتوں سے اپنے لشکر سے نکل کر گاؤں میں مُتفرق ہو گئے تھے اور مُنتشر تھے، بے خبری میں شہید کر دیا۔ اگرچہ اصل لشکر اُن کے گزند سے محفوظ اور خدمتِ دین کے لیے مُستعد، خصوصًا اُن مُنافقین کو زیر و زبر کرنے اور ان سرکشوں سے انتقام لینے کا آرزُومند تھا، لیکن چُونکہ وہاں ٹھیرنے سے اصل مقصود یہی تھا کہ مسلمانوں کی بڑی جماعت

مُجاہدین کی رفاقت اختیار کر کے کُفّار کا مقابلہ کرے اور اِس چیز کی اب اُن سے بالکل توقع نہیں رہی، اِس لیے وہاں سے ہجرت کر کے بکھلی کے پہاڑوں میں آگیا ہوں۔ اِن پہاڑوں کے رہنے والے حُسنِ اخلاق سے پیش آئے اور جہاد کے بارے میں اُنھوں نے پُختہ وعدے کیے اور اپنے وطن میں اُنھوں نے رہنے کے لیے جگہ دی۔ چنانچہ فی الحال بالاکوٹ کے قصبے میں کہ اس کے دروں میں سے ایک درّے میں واقع ہے، جمعیّت خاطر کے ساتھ ٹھیرا ہُوا ہُوں اور کفار کا لشکر بھی مجاہدین کے مقابلے کے لیے تین چار کوس کے فاصلے پر ڈیرہ ڈالے ہُوئے ہے، لیکن چُونکہ مقامِ مذکور نہایت محفوظ ہے، لشکرِ مخالف خُدا کے فضل سے وہاں تک نہیں پہنچ سکتا، ہاں، اگر مُجاہدین خود پیش قدمی کریں اور اُن سے نکل کر لڑیں، تو جنگ ہو سکتی ہے۔ مجاہدین کا ارادہ ہے کہ دو تین روز میں جنگ کی جائے۔ بارگاہِ واہب العطیات سے اُمید یہی ہے کہ فتح و نُصرت کے دروازے کھول دے گا۔ اگر اللہ کے حُکم سے تائیدِ ربانی شاملِ حال رہی اور یہ جنگ کامیاب رہی، تو انشاء اللہ دریائے جہلم، مُلکِ کشمیر تک مُجاہدین کا قبضہ ہو جائے گا۔ دن رات دین کی ترقّی اور لشکرِ مُجاہدین کی کامرانی کے لیے دُعا کرتے رہیں۔ والسّلام۔"

ایک جاسوس | ایک روز لشکرِ مُجاہدین میں اِسی مُلک کا ایک مسلمان آیا۔ غازیوں کو معلوم ہُوا کہ یہ سِکھوں کے لشکر کا جاسُوس ہے۔ اُنھوں نے اُس کا مُنہ کالا کیا اور خوب زدوکوب کر کے سیّد صاحبؒ کے پاس لے گئے اور عرض کی کہ یہ سِکھوں کا جاسُوس ہے۔ آپ کو اُس کا مُنہ کالا کرنا بہت ناپسند ہُوا۔ فرمایا: "کسی کا مُنہ کالا نہ کیا کرو۔ اگر ایسی ہی ذِلّت دینی منظور ہو، تو مُنہ میں آٹا لگا دیا کرو۔" اُس جاسُوس سے فرمایا کہ چُھپ کر اور بھیس بدل کر کیوں لشکر میں جاسُوسی کرتے ہو؟ جب تم کو کوئی شخص کسی امر کے دریافت کے لیے بھیجے، تو تم علانیہ ہمارے پاس چلے آیا کرو۔ تم سے کوئی مزاحم نہ ہوگا اور وُہ حال ہم سے معلوم کر کے چلے جایا کرو۔ ہمارا تمام کارخانہ پروردگار کی مرضی پر موقوف ہے۔ ہم کسی کے آنے جانے سے اندیشہ

نہیں کرتے۔ پھر آپ نے اپنے لوگوں سے فرمایا کہ یہ ہمارا مہمان ہے، اس کو ہمارے باورچی خانہ میں لے جاؤ اور رکھو اور کھانا کھلاؤ۔ لوگوں نے اس کو اس دن کھانا کھلا کر رکھا اور دُوسرے دن کھانا کھلا کر اور حضرت کی اجازت سے دو آدمی ساتھ کر دیے۔ وُہ بحفاظت اُس کو اپنی حد سے باہر نکال کر چلے آئے۔

تیئتالیسواں باب

آخری جنگ کی تیاریاں

سکھوں کا لشکر مٹی کوٹ پر | وقائع احمدی میں ہے: "ایک ملکی نے آکر خبر دی کہ آج سکھ لوگ اس پار اُترنے کو دریا پر لکڑیوں کا پُل بنا رہے ہیں۔[1]" یہ خبر سُن کر آپ نے حبیب اللہ خاں سے کہا کہ اس دریا کی کھڑی پر تو ہمارے امان اللہ خاں متعین ہیں۔ اِس کے علاوہ کوئی اور بھی آنے کا راستہ ہے؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ ہاں ایک اور بھی پگڈنڈی ہے، جہاں مرزا احمد بیگ کا پہرہ ہے۔ آپ نے پوچھا: وُہ راستہ سکھوں کو معلوم ہے؟ حاملِ موصوف نے عرض کیا کہ سکھوں کو تو معلوم نہیں، مگر اسی مُلک کا کوئی بھیدی اگر طمعِ دُنیا سے کچھ لے کر اُن کو لے آئے، تو آسکتے ہیں۔ یہ سُن کر آپ نے فرمایا کہ کچھ اندیشہ نہیں، اللہ تعالیٰ ہمارے ساتھ ہے۔

اُس کے اگلے روز اسی وقت مجرّ نے آکر خبر دی کہ آج سکھوں کا لشکر دریا کے اِس پار اُترتا ہے، مگر اِدھر نہیں آتا، اَور طرف جاتا ہے۔ آپ نے سُن کر فرمایا کہ خیر، لشکر اِدھر آئے اور کہیں جائے، اللہ تعالیٰ ہمارا حافظ و ناصر ہے۔ پھر وُہ لشکر شام تک نہ معلوم ہُوا کہ دریا اُتر کر کہاں چلا گیا۔

اس کے اگلے روز ظُہر کے اخیر وقت مرزا احمد بیگ کے پہاڑ پر یکبارگی بندوقیں چلنے لگیں۔ ادھر

---

[1] مٹی کوٹ جانے کے لیے پہاڑی پگڈنڈی سے گزرنے کے لیے (جس کے لیے شیر سنگھ نے رہبر کا انتظام کر لیا تھا) لشکر کو مغربی کنارے پہنچانا ضروری تھا۔ شیر سنگھ نے بالاکوٹ پر حملہ کرنے کے لیے اِسی راستے کو ترجیح دی۔

سب غازی ہوشیار ہو گئے اور کہنے لگے کہ دیکھو تو یہ بندوقیں کیوں چلتی ہیں۔ اسی اثناء میں پہاڑوں پر جابجا گوجر لوگ پکارنے لگے کہ سکھوں کا لشکر آپہنچا۔ آپ نے فرمایا کہ کچھ لوگ مرزا احمد بیگ کی کمک کو جلد جائیں اور اُن کو وہاں سے اِدھر لے آئیں اور وہاں اُن سے مقابلہ نہ کریں، مگر ابراہیم خیرآبادی کہ نشان بردار تھے اور اُن کے جوڑی دار فوج اللہ شیدی کو حکم ہُوا کہ تُم نشان لے کر جاؤ۔ اُن کے پیچھے سیّد اللہ نور شلو دلایتی کو مع جماعت اور اُن کے پیچھے آپ نے ایک اور نشان بھیجا۔ اس کے ہمراہ بھی کچھ لوگ تھے۔ ان چاروں نشانوں کے ہمراہ کچھ اُوپر دو سَو آدمی ہوں گے[1]۔ کوئی پہر دن رہے سب جاکر مٹی کوٹ پر پہنچے۔ اِدھر سے مرزا احمد بیگ اپنی جماعت کے ساتھ آپہنچے اور کہنے لگے کہ اب آگے جاکر کیا کروگے، وہاں تو سکھوں کا لشکر آگیا۔ چنانچہ سب وہیں مٹی کوٹ پر ٹھیر گئے۔ عصر کو پہاڑ کی چوٹی پر جابجا سکھ نظر آنے لگے۔ اُن کے سفید سفید بھیگے ہُوئے کپڑے، جو انھوں نے سُوکھنے کے لیے پھیلا دیے تھے، دکھائی دیتے تھے۔

سُلطان نجف خاں کا خط | وقائعِ احمدی میں ہے: "اسی روز گھڑی ڈیڑھ گھڑی دن رہے سلطان نجف خاں کا خط آپ کے پاس آیا۔ اس کا مضمون یہ تھا کہ مَیں سکھوں کو آپ کے مقابلے کے لیے نہیں، بلکہ مظفرآباد کے لیے لایا ہُوں۔ مَیں آپ کا خیرخواہ خادم ہُوں۔ اس واسطے عرض کرتا ہُوں کہ بالاکوٹ میں آپ کی موجودگی کی وجہ سے شیر سنگھ آپ سے لڑنے کا مصمّم ارادہ رکھتا ہے۔ اس کے ساتھ بارہ ہزار بندوقیں ہیں۔ اگر آپ اس کا مقابلہ کرسکیں، تو بالاکوٹ میں ٹھیریں، نہیں تو بالاکوٹ کو چھوڑ کر پچھلے پہاڑ پر جا بیٹھیں۔ یہ اپنا سرمار کر چلا جائے گا۔

دُوسری تدبیر یہ ہے کہ شیر سنگھ آپ کی طرف صرف اپنے پیادوں کو ساتھ لے کر گیا ہے۔ باقی سب اسباب، توپ خانہ، گھوڑے، تمبو، قنات وغیرہ تھوڑے لوگوں کے ساتھ یہاں مُجھ کو سپرد کر گیا ہے۔

---

[1] مولوی جعفر علی لکھتے ہیں: "ارباب بہرام خاں کو ایک جماعت کے ساتھ دُوسری جانب بھیجا گیا کہ سکھوں کے لشکر کے روکنے میں مرزا احمد بیگ کی امکانی مدد کریں۔ مجھے بھی اپنی جماعت کے قوی اور مستعد لوگوں کے ساتھ روانہ کیا گیا۔ مَیں جب ارباب صاحب کی جماعت کے پاس پہنچا، تو انھوں نے فرمایا کہ حضرت امیرالمومنین نے سکھوں کا راستہ روکنے کے لیے بھیجا تھا، لیکن اب دو چار راستے نہیں ہیں کہ ہم اُن کی ناکہ بندی کریں۔ پہاڑ پر پہنچ جانے کے بعد تو بہت سے راستے ہوگئے ہیں۔" (منظورہ: ص ۱۱۷)

آپ وہاں سے اپنے سب لوگوں کو لے کر رات کو دریا کے اس پار چلے آئیں اور اپنے کچھ غازیوں کا چھاپہ ہم لوگوں پر بھیج دیں۔ یہاں ہمارے پاس کوئی مقابلہ کرنے والا نہیں ہے۔ سب غازیوں کے آتے ہی جان کے خوف سے بھاگ جائیں گے۔ تمام مال و اسباب غازیوں کے قبضے میں آجائے گا اور میں بھی آپ کے ساتھ شریک ہو جاؤں گا، ورنہ کل آپ کے خلاف دو طرف سے جنگ ہوگی: اُدھر سے شیر سنگھ آپ کا مقابلہ کرے گا، اِدھر سے یہ لوگ گولی ماریں گے۔ جو کچھ تدبیر کرنی ہو، آج ہی رات کو کر لیں۔ خیر خواہی سمجھ کر مَیں نے آپ کو اطلاع کر دی۔[1]

اس وقت ناصر خاں، حبیب اللہ خاں اور کافان کے سید ضامن شاہ، ان کے علاوہ اَور بھی بہت لوگ موجود تھے۔ سب کے سامنے وہ خط پڑھا گیا۔ آپ نے سب کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا: "بھائیو، تم سب نے یہ مضمون سُنا۔ اب اس میں تمھاری کیا صلاح ہے؟ جو بات بہتر معلوم ہو، ہم سے کہو۔ ناصر خاں نے عرض کیا کہ حضرت، اَور بھائیوں کا حال تو مجھ کو معلوم نہیں کہ وہ کیا صلاح دیں، مگر میری ناقص رائے میں آتا ہے کہ یہ خط، جو سُلطان نجف نے بھیجا ہے، فریب سے خالی نہیں ہے، کیونکہ وُہ اگر آپ کا مخلص صادق ہوتا، تو جب لشکر مانگلی یا مانسہرے میں آیا تھا، اُس وقت یہ خط بھیجتا، تو قابلِ اعتبار ہوتا۔ اب جبکہ سکھوں کا لشکر سامنے پہاڑ پر چڑھ آیا، اُس وقت وُہ اپنی دوستی اور خیر خواہی جتاتا ہے۔ یہ محض دغا و فریب معلوم ہوتا ہے۔

ناصر خاں کے بعد حبیب اللہ خاں نے عرض کیا کہ سُلطان نجف خاں نے یہ خط آپ کو خیر خواہی سے بھیجا ہو یا فریب سے، یہ تو ہم کو معلوم نہیں، مگر اُس نے جو کچھ لکھا ہے، وُہ سچ ہے۔ بیشک شیر سنگھ کے ساتھ دس بارہ ہزار بندوقیں ہیں۔ اگر آپ یہاں سے اُٹھ کر پچھلے پہاڑ پر جا بیٹھیں، تو اُس کا کچھ زور نہ چلے گا اور حیران ہو کر اور سر مار کر دو ایک روز میں مظفر آباد کو چلا جائے گا اور یہ بھی سچ لکھا ہے کہ مقابلے

---

[1] منظورہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ارباب بہرام خاں نے بھی یہ مشورہ دیا تھا کہ سکھوں کے توپ خانہ پر قبضہ کر کے اس لشکر کو محصور کر لیا جائے، جو مٹی کوٹ پر پہنچ چکا ہے اور سلسلۂ رسد کو اس سے منقطع کر دیا جائے۔ آپ نے اُن سے عُذر فرمایا کہ ہم نے پُل توڑ دیا ہے اب اس کا انتظام مشکل ہے۔ اب تو جو کچھ ہونا ہے، یہیں ہوگا۔ ارباب بہرام خاں نے اپنی گردن کی طرف کلمۂ شہادت سے اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہ سر راہِ خُدا میں کٹنے کے لیے حاضر ہے۔" (منظورہ، ص ۱۱۷۴ تا ۱۱۷۷)

کے وقت آپ کے لوگوں پر دونوں طرف سے لڑائی پڑے گی۔ یہ سب تو ہم آنکھوں دیکھ رہے ہیں کہ اس طرف پہاڑ پر شیر سنگھ لشکر لیے پڑا ہے اور دریا کے پار اُسی کا توپ خانہ ہے۔ اور جو یہ لکھا ہے کہ آپ غازیوں کے ساتھ دریا کے اس پار چلے آئیں اور کچھ لوگوں کا چھاپہ یہاں بھیج دیں، اس میں بھی بظاہر کچھ فریب نہیں معلوم ہوتا، بلکہ یوں ہی مناسب نظر آتا ہے کہ اگر آپ وہاں چھاپہ بھیجیں، تو کچھ عجب نہیں کہ اُن کا توپخانہ اور مال و اسباب وغیرہ اپنے غازیوں کے ہاتھ آجائے اور پھر یہ سکھ، جو پہاڑ پر ہیں، بے لڑائی کے بھاگ جائیں۔

اِسی مَیدان میں لاہور ہے اِسی میں جنّت ہے

حبیب اللہ خاں کی یہ تقریر سُن کر آپ نے فرمایا کہ خان بھائی، تم سچ کہتے ہو، مگر اب کُفّار کے ساتھ چوری سے لڑنا ہم کو منظور نہیں۔[1] اِسی بالاکوٹ کے نیچے اُن سے لڑیں گے۔ اِسی مَیدان میں لاہور ہے، اِسی میں جنّت ہے۔ اور جنّت تو پروردگار نے ایسی عمدہ چیز بنائی ہے کہ ساری دُنیا کی ریاست اُس کے آگے کچھ حقیقت نہیں رکھتی۔

بارگاہِ اِلٰہی میں نذرانہ

مَیں تو یہ چاہتا ہوں کہ تمام جہان سے جو عُمدہ چیز ہو، اُس کو اپنے پروردگار کے نذر کر کے اس کی رضامندی حاصل کروں اور اپنی جان کو اس کی راہ میں نثار کرنے کو تو مَیں ایسا سمجھتا ہوں جیسے کوئی ایک تنکا توڑ کر پھینک دیتا ہے۔

اِسی صلاح و مشورے میں دو ڈھائی گھڑی رات گزر گئی۔ اس وقت یہ بات ٹھیری کہ دریا کا پُل توڑ کر غازیوں کا پہرہ اُٹھا لیا جائے۔ چنانچہ یہی کیا گیا۔[2]

عشاء کی نماز کے بعد آپ نے مُلّا لعل محمّد قندھاری سے فرمایا کہ بھلا، تم ستبنی کے اس نالے پر ہو کر اور پہاڑ کے اُوپر جا کر سکھوں پر چھاپہ مار سکتے ہو؟ اُنھوں نے عرض کیا کہ ہاں، کیوں نہیں مار سکتے،

---

[1] جنگ کے سلسلے میں ایک مقام ضرور ایسا آتا ہے، جہاں فیصلہ کُن جنگ اور ثبات و استقامت کی ضرورت ہوتی ہے۔
سیّد صاحبؒ نے اس موقع پر پورے مقابلے کا فیصلہ فرمایا۔ بظاہر بالاکوٹ چھوڑ کر چلے جانے کے مشورے قرینِ عقل معلوم ہوتے ہیں، لیکن زیادہ گہری نظر اور ایک غیور بہادر کے نقطۂ نظر سے دیکھا جائے، تو یہ مشورہ قابلِ قبول اور یہ تدبیر کارگر نہ تھی۔ اس کا انجام صرف یہ ہوتا کہ وقتی طور پر لشکر کی جان بچ جاتی، مگر سکھ بالاکوٹ کی پوری بستی کو پھونک دیتے اور ناکردہ گناہ آبادی کو تہِ تیغ کر کے رکھ دیتے۔

[2] پُل غالباً اس لیے توڑا گیا کہ سکھ لشکر اس سے عبُور کر کے مشرق کی جانب سے بالاکوٹ پر حملہ نہ کر سکے۔

مگر اس شرط سے کہ آپ کو یہاں تنہا نہ چھوڑیں گے۔ اپنی جان کے ساتھ رکھیں گے، کیونکہ اتنے برس اس مُلک میں رہ کر یہاں کے لوگوں کا حال خوب دیکھ لیا۔ ان سے نفاق دُور ہونا بہت مُشکل ہے۔ سکھوں کا جو یہ لشکر پہاڑ پر آیا ہے، اُن کو بھی مُلکی لوگ لائے ہیں، ورنہ کیا مجال تھی کہ آسکے۔

کل صُبح کو اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفّار کا مَیدان ہے

آپ نے فرمایا کہ تم سچ کہتے ہو۔ حقیقت حال یہی ہے۔ اتنے برس ہم نے اس کارِ خیر کے واسطے طرح طرح کی کوشش و جانفشانی کی، اپنی دانست میں کوئی دقیقہ نہیں چھوڑا، ہندوستان، خُراسان اور تُرکستان میں اپنے خُلفاء روانہ کیے۔ اُنھوں نے بھی حتی الامکان دعوت فی سبیل اللہ میں کوئی کوتاہی نہیں کی اور ہم بھی جہاں جہاں گئے، وہاں کے لوگوں کو ہر طریقے پر وعظ و نصیحت سے سمجھاتے رہے، مگر سوائے تم غُرباء کے کسی نے ہمارا ساتھ نہ دیا، بلکہ ہم پر طرح طرح کا افترا کیا۔ اب ہمارے کاتب بھی خطوط لکھتے لکھتے تھک گئے اور ہم بھیجتے بھیجتے تنگ آگئے۔ اور کچھ ظہور میں نہ آیا۔ اب یہی خُوب ہے کہ اپنے سب غازی بھائیوں کو پہروں سے اپنے پاس بُلوالیں کل صبح کو اسی بالاکوٹ کے نیچے ہمارا اور کفّار کا مَیدان ہے۔ اگر اللہ نے ہم عاجز بندوں کو اُن پر فتحیاب کیا تو پھر چل کر لاہور دیکھیں گے اور جو شہید ہو گئے، تو انشاء اللہ تعالیٰ جنّت الفردوس میں چل کر عیش کریں گے۔

اُس وقت تمام لوگ عالمِ سُکوت میں تھے، کوئی کسی طرح کا چُون و چرا نہ کرتا تھا۔ پھر آپ نے مٹی کوٹ کے سب غازیوں کو بُلوا کر اپنے پاس جمع کر لیا۔

شہادت کی تیّاری

آپ نے سب غازیوں کی طرف مخاطب ہو کر فرمایا کہ بھائیو آج رات کو اپنے پروردگار سے بکمال اخلاص توبہ و استغفار کرو اور گناہوں کی بخشش چاہو۔ یہی وقت فرصت کا ہے۔ کل صُبح کو کُفّار سے مقابلہ ہے۔ خدا جانے، کس کی شہادت ہے اور کون زندہ رہے۔

آخری انتظامات

جب یہ بات واضح ہو گئی کہ سکھ مٹی کوٹ سے اُتر کر بالاکوٹ پر حملہ آور ہوں گے تو ایک مُؤثر اور فیصلہ کُن جنگ کے انتظامات کیے گئے۔ قصبے کا جائے وقوع اور میدانِ جنگ کی طبعی کیفیت مجاہدین کے لیے سازگار تھی۔ اس سے پُورا فائدہ اُٹھانے کی کوشش کی گئی۔ حملہ آور جب مٹی کوٹ سے اُترتے، تو اُن کو قصبے پر حملہ کرنے سے پہلے (جو بلندی پر واقع تھا) اسی نشیبی مَیدان سے سابقہ پڑتا،

جو ٹیلے اور قصبے کے درمیان واقع ہے۔ اس نشیبی میدان میں دھان کے کھیت تھے۔ آپ کے حکم سے وہاں چشمے کا پانی چھوڑ دیا گیا تاکہ مسطح میدان دلدل میں تبدیل ہو جائے، جس کا عبور کرنا اور وہاں جنگی نظام کا قائم رکھنا حملہ آوروں کے لیے دشوار ہو۔ اس کے بالمقابل مجاہدین کو جو قصبے کی بلندی پر موجود اور مورچے لگائے ہوئے تھے، اُن پر حملہ کرنا آسان ہو اور حملہ آور آسانی کے ساتھ اُن کی گولیوں کی زد میں آجائیں۔

اس تدبیر کے علاوہ مختلف مورچوں پر جہاں سے سکھ لشکر کے دباؤ اور زور کا اندیشہ تھا، مجاہدین کی مختلف جماعتوں کو مقرر کر دیا گیا تھا۔ زیادہ تر مورچے ست بنے کے نالے پر تھے، جو بالاکوٹ سے شمال مغرب کے گوشے پر ہے اور مٹی کوٹ سے اُترنے والے لشکر کا اس طرف سے بالاکوٹ پر حملہ کرنا زیادہ متوقع تھا۔ یہاں سب سے پہلا مورچہ مُلّا لعل مُحمّد قندھاری کا تھا، جو ست بنے کے نالے اور ٹیلے کے درمیان تھا۔ وہاں سے سلسلہ وار قصبے کی جانب مولانا اسمٰعیل صاحب اور شیخ ولی مُحمّد صاحب کی جماعت کے مورچے تھے، پھر ناصر خاں اور حبیب اللہ خاں کے مورچے تھے۔

قصبے کی تینوں مسجدوں اور مناسب مقامات پر بھی مورچہ بندی کر دی گئی۔

وقائع احمدی میں ہے: "بالاکوٹ کے جانب مغرب مٹی کوٹ ہے۔ اس کی جڑ بھی زینے کی مانند ڈھلوان تھی۔ وہاں دھان بوئے جاتے تھے۔ حضرت امیر المومنینؒ کی اجازت سے اس زمین میں چشمے کا پانی رات ہی کو چھوڑ دیا گیا۔

بالاکوٹ میں تین مسجدیں تھیں۔ بستی کے بیچ میں ایک مسجد بڑی تھی، جس میں حضرت نماز پڑھتے تھے ایک اور مسجد اس مسجد سے تھوڑی دُور تھی، اور ایک مسجد بالاکوٹ کے نیچے اُتار پر تھی۔ سو حضرت نے رات ہی کو اپنے سب غازیوں سے فرمایا کہ جس کو جو کچھ لکڑی یا پتھر دستیاب ہو، وہ اپنے اپنے ٹھکانے پر لڑائی کے واسطے مورچہ بنا لے۔ پھر اپنے پاس سے سب کو رُخصت کیا۔ اسی وقت جا کر لوگوں نے اپنے اپنے مورچے بستی کے کواڑ، تختے، لکڑی، پتھر لا کر بنائے اور چوکی پہروں کا بندوبست کر کے سونے لگے۔"

رُخصتی لباس | آپ مسجد سے اپنے ڈیرے پر تشریف لے گئے، کھانا تناوُل فرمایا اور اپنے کپڑے اور ہتھیار منگوائے۔ آپ نے چار کپڑے مُنشی خواجہ مُحمّد حسن پوری کو بھیجے کہ کل فجر کو یہی کپڑے پہن کر مقابلے

کو چلیں اور تین کپڑے حکیم قمرالدین چلتی کو کہ وُہ بھی کل فجر کو یہی پوشاک پہنیں، اور ایک ارخالق، ایک دستار کاکریزی، ایک شالی کشمیری پٹکا اور سپید پائجامہ، یہ چار کپڑے اپنے واسطے رکھے اور ہتھیاروں میں سے ایک تفنگچہ، ایک ولایتی چھُری، ایک ہندوستانی تلوار اور کٹار، یہ چار ہتھیار اپنے واسطے رکھے۔ پھر لوگوں سے فرمایا کہ اب اپنے اپنے بستر پر جاکر سو رہو، ہم بھی سوتے ہیں۔

شہادت کی رات | میاں عبدالقیوم صاحب کہتے ہیں کہ وُہ رات اس طرح وحشتناک تھی کہ اُس کا بیان تقریر سے باہر ہے۔ آسمان پر ابر بھی تھا اور بُوندیاں بھی پڑتی تھیں۔ شام سے صُبح تک تمام پرند جانور شور و غل کرتے رہے۔ خود اس بستی کے لوگ ہم لوگوں سے کہتے تھے کہ ہم نے ایک سے ایک اندھیری اور ابر آلُود رات دیکھی، مگر ایسی اُداس اور خوفناک رات دیکھنے میں نہیں آئی۔

میاں بعل محمد جنجوعیہ پوری کہتے ہیں کہ بالاکوٹ کی لڑائی سے کئی روز پہلے سے کُہر کی مانند ایک سُرخ غُبار چھایا ہُوا تھا اور لوگوں کو ایک ہَیبت اور اُداسی سی معلوم ہوتی تھی؛ ویسا دُھواں کبھی دیکھا نہ تھا۔ غازیوں میں اس کا تذکرہ ہُوا اور قاضی علاء الدین صاحب نے سیّد صاحبؒ سے ذکر کیا۔ آپ کچھ دیر دست میں رہے اور آسمان کی طرف دیکھنے لگے۔ اس کے بعد فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہمارے لشکر کے مُجاہدین میں سے کچھ لوگ راہِ خُدا میں اپنی جانیں دے کر اپنی دلی مُراد کو پہنچ کر کامیاب ہوں گے اور تم لوگوں میں سے کوئی شخص جُدا بھی ہو جائے گا۔ آگے اس کی حقیقت اللہ تعالیٰ جانے۔

چوالیسواں باب

مشہدِ بالاکوٹ

شہادت کی صُبح | ۲۴ ذی قعدہ (۱۲۴۶ھ) کی صُبح صادق اور صُبح کی اذان ہُوئی، تو سب لوگ وضو کرکے مسلح ہوکر حاضر ہُوئے۔ آپ نے نماز پڑھائی۔ پھر اجازت دی کہ اپنی اپنی جگہ پر جاکر ہوشیار رہو۔ آپ بھی اپنے ڈیرے پر آکر وظیفے میں مشغول ہوگئے۔ جب آفتاب نکلا۔ تو نمازِ اشراق پڑھ کر کچھ دیر کے بعد ضو کرکے سُرمہ لگایا اور ڈاڑھی میں کنگھی کی اور لباس اور ہتھیار پہن کر مسجد کو چلے۔ اس وقت سکھ پہاڑ سے مٹی کوٹ کی طرف اُترتے تھے۔ لوگوں نے اُن کی طرف اشارہ کرکے آپ سے عرض کیا کہ سکھوں کا لشکر پہاڑ سے اُترتا ہے۔ آپ نے فرمایا کہ اُترنے دو۔ پھر آپ مسجد میں داخل ہُوئے اور اُس کے سائبان کے تلے بیٹھے اور ایک ایک، دو دو کرکے بہت سے غازی بھی وہیں جمع ہوگئے۔

ایک عبرتناک واقعہ | میاں خدا بخش صاحب رامپوری کہتے ہیں کہ ضلع اجوری کا ایک شخص ہنچیار سے حضرت کے لشکر میں شریک ہُوا تھا۔ اُس کا نام معلوم نہیں کیا تھا، مگر راجہ کرکے مشہور تھا۔ جب اُس نے شیر سنگھ کا لشکر دیکھا کہ سامنے پڑا ہے، خدا معلوم اس کے دل میں کیا آیا کہ یکبارگی اپنے ہتھیار لے کر لشکرِ مجاہدین سے نکل کر شیر سنگھ کے لشکر میں چلا گیا اور اُن میں شریک ہوگیا۔ تقدیرِ الٰہی سے اُس کے جانے کے بعد شیر سنگھ کے لشکر کا ایک سکھ حضرت کے پاس آکر مسلمان ہُوا اور غازیوں میں شریک ہُوا۔ حضرت نے اُس کا نام عبداللہ

لکھا جس دن بالاکوٹ میں لڑائی شروع ہوئی اور سکھوں نے غازیوں پر یورش کی، تب وُہ جو ماجہ کر کے مشہور تھا، ہتھیار باندھے سب سکھوں کے آگے تھا۔ اِدھر کی گولی اُس کے لگی اور وُہ وہیں مُردار ہُوا۔ اس کے بعد سکھوں کی طرف کی ایک گولی اس سکھ نومُسلم کے لگی اور وُہ اُسی جگہ شہید ہو گیا۔

پہلا شہید | اِلٰہی بخش رامپوری کہتے ہیں کہ ہماری جماعت میں ضلع پٹیالہ کے ایک سیّد چراغ علی تھے وُہ کھیر پکا رہے تھے اور قراہین اُن کے کندھے پر پڑی ہوئی تھی۔ سکھ مٹی کوٹ سے نیچے اُتر رہے تھے۔ وُہ اپنی کھیر بھی چمچہ سے چلاتے جاتے تھے اور سکھوں کی طرف بھی دیکھتے تھے۔ اس وقت اُن پر ایک اَور ہی حالت واقع تھی۔ یکبارگی آسمان کی طرف دیکھ کر بولے کہ وہ دیکھو، ایک حُور کپڑے پہنے ہُوئے چلی آتی ہے۔ کچھ دیر کے بعد کہنے لگے کہ دیکھو ایک پوشاک پہنے ہُوئے آتی ہے۔ یہ کہہ کر وُہ چمچہ دیگچی پر مارا اور یہ کہتے ہُوئے کہ اب تمھارے ہی ہاتھ کا کھانا کھائیں گے، سکھوں کی طرف روانہ ہُوئے۔ کتنا ہی لوگ کہتے رہے کہ میر صاحب، ٹھیر جاؤ، ہم بھی چلیں گے، اُنھوں نے کسی کے کہنے کا کچھ خیال نہ کیا اور جاتے ہی سکھوں کے مجمع میں گھُس گئے اور دادِ جوانمردی دے کر شہید ہو گئے۔

دُنیا سے بے تعلقی | میاں اِلٰہی بخش صاحب رامپوری کہتے ہیں کہ شیخ ولی مُحمد صاحب پھلتی نے، جن کی تحویل میں توشک خانہ تھا، مال و اسباب کی گٹھڑیاں باندھتے ہُوئے مجھ سے اور نظام الدین اولیاء سے کہا کہ حضرت کا معمُول ہے کہ دشمن کے مقابلے کے وقت اپنے توشک خانے کا اسباب کہیں محفوظ مکان میں رکھوا دیتے ہیں۔ تم جا کر میری طرف سے کئی باتیں عرض کر کے جلد جواب لاؤ۔ ایک یہ کہ توشک خانہ کا یہ اسباب جہاں ارشاد ہو، وہاں پہنچا دیا جائے۔ اور ایک یہ کہ چار پانچ آدمی، جو بیمار ہیں، اُن کو کہاں لے جا کر رکھیں، اور ایک یہ کہ موضع کنسی ضلع تاکوٹ کے ساٹھ آدمی آپ کی مدد کو آئے ہیں، وہ گولی بارُود مانگتے ہیں۔ اپنے اکثر غازی بھائی بھی گولی بارُود اور بندوق کے پتھر مانگتے ہیں۔ جو ارشاد ہو، وُہ کیا جائے۔ ہم دونوں مسجد میں گئے اور یہ تمام حال حضرت سے جُدا جُدا عرض کیا۔ آپ نے سب کے جواب میں فرمایا کچھ حاجت نہیں یعنی، توشک خانے کا مال و اسباب جہاں ہے، وہیں رہنے دو، کہیں لے جانے اور پہنچانے کی حاجت نہیں اور یُوں ہی بیماروں کو بھی، جہاں ہیں، وہیں رہنے دو، اور جو لوگ گولی بارُود مانگتے

ہیں، سو وُہ بھی دینے کی کچھ حاجت نہیں۔

سیّد صاحبؒ پہلے مورچے پر | مُحمّد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ آپ مسجد کے سائبان کے تلے بیٹھے تھے۔ باری باری ایک ایک آدمی کا پہرہ آپ کے پاس رہتا تھا۔ اُس وقت میری باری تھی اُدھر پہاڑ کے سکھ لوگ اُترتے تھے۔ جو ضربِ شاہین اُن کی طرف سے چلتی تھیں، اُن کا کوئی گولا مسجد کے اُوپر نکل جاتا تھا، کوئی مسجد کے دائیں بائیں ہو کر۔ مگر کسی آدمی کے نہیں لگتا تھا۔ ہماری طرف کے مورچوں سے بھی شاہین اور بندُوقیں چلتی تھیں، مگر ایک مورچے کی شاہینیں، جو مسجد کے جنوب کی طرف تھا، نہیں چلتی تھیں۔ لوگوں نے آپ سے سکھوں کی گولیوں کی شکایت کی۔ آپ نے فرمایا کہ تم بھی مارو۔ تب اس مورچے سے بھی شاہینیں سرد ہونے لگیں۔ اس اثنا میں نُور مُحمّد جراح کسوت لیے ہُوئے حضرت کے پاس آئے اور آپ کی لبیں کتریں اور ڈاڑھی میں کنگھی کی۔

فتح و شکست اللہ کے اختیار میں ہے | اِس عرصے میں حبیب اللہ خاں کسی آدمی سے کہنے لگے کہ سکھوں کی جمعیت بہت ہے اور ہم لوگوں کی تھوڑی۔ اُن کے مقابلے کا طَور کچھ میری طبیعت میں اچھی طرح جمتا نہیں۔ کہیں یہ آواز حضرت کے کان میں پہنچی۔ آپ نے فرمایا: حبیب اللہ خاں کیا باتیں کرتے ہیں؟ کسی نے کہا کہ وُہ یہ کہتے ہیں کہ سکھ بہت ہیں اور ہم لوگ تھوڑے ہیں، اُن کے مقابلے کا طَور میرے خیال میں اچھی طرح سے نہیں آتا۔ آپ نے خانِ موصوف کو اپنے پاس بُلا کر فرمایا کہ خان بھائی، فتح اور شکست اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے۔ جس کو چاہے، دے۔ بہت اور تھوڑے لوگوں پر موقوف نہیں ہے، کبھی اللہ تعالیٰ تھوڑوں کو بہتوں پر غالب کر دیتا ہے اور کبھی بہتوں کو تھوڑوں پر۔ ہم کو صرف اپنے پروردگار کی رضامندی درکار ہے، فتح و شکست سے کچھ غرض نہیں۔ اس کی خوشنودی میں بہرصورت ہماری فتح مندی ہے۔

اُن کو نزدیک آنے دو | اِسی اثنا میں مُلّا لعل مُحمّد قندھاری گھبرائے ہُوئے آئے اور حضرت سے عرض کی کہ سکھ لوگ پہاڑ پر سے اُتر کر نزدیک آگئے ہیں۔ آپ نے پوچھا کہ تم لوگوں کے مورچوں سے کتنی دُور پر آئے ہیں؟ اُنھوں نے عرض کی کہ بندوق کی زد پر۔ آپ نے فرمایا کہ تم بھی جا کر اپنے اپنے مورچوں

سے بندوقیں مارو اور اُن کو نزدیک آنے دو اور جب تک ہم نہ آئیں، تب تک اُن پر کوئی حملہ نہ کرے۔

یہ جواب سُن کر مُلّا لعل مُحمّد اپنے مورچے پر چلے گئے۔ کچھ دیر کے بعد آکر وہی عرض کیا کہ سکھ لوگ بہت نزدیک آگئے ہیں۔ آپ نے پھر وُہی فرمایا کہ ابھی اُن کو اور نزدیک آنے دو۔ یہ سُن کر وہ پھر اپنے مورچوں میں گئے۔ تیسری بار کچھ دیر کے بعد پھر وُہی عرض کیا اور کہا کہ اگر اجازت ہو، تو ہم لوگ اُن پر حملہ کریں آپ نے پھر وُہی جواب دیا کہ بغیر ہمارے تم کوئی حملہ نہ کرنا اور ابھی اُن کو اور بھی نزدیک آنے دو۔ یہ سُن کر مُلّا لعل مُحمّد اپنے مورچے کی طرف گئے۔

دُعا اِدھر آپ سائبان کے نیچے سے اُٹھے اور سب لوگوں سے فرمایا کہ تم سب یہیں رہو، ہم اکیلے جاکر دُعا کرتے ہیں۔ ہمارے ساتھ کوئی نہ آئے۔ پھر سب لوگ جہاں کے تہاں ہتھیار باندھے تیار کھڑے رہے آپ مسجد کے اندر گئے اور دروازہ اور کھڑکی کے کواڑ بند کرلیے اور دُعا میں مشغول ہُوئے۔ کچھ دیر کے بعد یکایک کھڑکی کھول کر آپ نے پوچھا کہ مجھ کو کس نے پکارا؟ مُحمّد امیر خاں کہتے ہیں کہ میں نے عرض کی کہ اِدھر سے تو آپ کو کسی نے نہیں پکارا، کیونکہ ادھر میرے سوا کوئی اور آدمی نہیں ہے۔ یہ سُن کر پھر آپ نے کھڑکی بند کرلی۔ کچھ دیر کے بعد آپ نے پھر کھڑکی کھول کر پوچھا کہ مجھ کو کسی نے آواز دی؟ میں نے پھر عرض کیا کہ ادھر سے آپ کو کسی نے نہیں پکارا۔ الغرض تین بار کھڑکی کھول کر وُہی پوچھا اور تینوں پر میں نے وُہی جواب دیا کہ ادھر سے آپ کو کسی نے نہیں پکارا۔ یہی حال بڑے دروازے کی طرف گزرا۔

میدانِ جنگ کی طرف شیر مُحمّد خاں کہتے ہیں کہ تیسری بار آپ نے وُہی پکارنے کا سوال کیا اور لوگوں نے وُہی پہلا جواب دیا۔ آپ مسجد سے نکلے اور جلد باہر کو روانہ ہُوئے۔ صحن مسجد سے نکل کر بالاکوٹ کے نیچے اُترنے لگے۔ آپ آگے تھے اور سب لوگ آپ کے پیچھے تھے۔ ایک مسجد جو نیچے اُتار پر تھی غازیوں کا ایک مورچہ اُس میں بھی تھا۔ آپ اُس میں تشریف لے گئے۔

مَیدانِ جنگ کے اندر مُحمّد امیر خاں قصُوری کہتے ہیں کہ جب آپ بالاکوٹ کے نیچے کی مسجد میں تشریف لے گئے، وہاں سکھوں کی گولیاں اَولوں کی طرح برستی تھیں۔ کئی آدمی زخمی ہُوئے۔ آپ نے لوگوں سے فرمایا کہ یہاں تختے اور کواڑ کی اڑیں جلد بنالو۔ بعض غازی بستی کے کواڑ اُتار لائے۔ مگر آڑ بنانے کی نوبت نہیں آئی،

کیونکہ اسی اثنار میں آپ نے مسجد کے کونے کی آڑ میں کھڑے ہو کر سکھوں کی طرف دیکھا اور فرمایا کہ جو قرابین والے اور لمبی بندوق والے ہوں، وہ ہمارے آگے چلیں۔ پھر کوئی کوئی قرابین والے آگے ہونے پائے! اس میں جلد آپ نے مسجد سے باہر نکل کر اور تکبیر کہ کر حملہ کیا[1] اور جس طرح شیر اپنے شکار پر جاتا ہے، اُسی سُرعت سے آپ جاتے تھے۔

میاں عبدالقیوم صاحب کی روایت ہے کہ جب آپ نیچے کی مسجد میں تشریف لائے، وہاں سکھوں کی گولیاں اُولے کی طرح برستی تھیں۔ کوئی آدھ گھڑی مسجد میں ٹھیر کر دادا سیّد ابوالحسن سے فرمایا کہ نشان لے کر آگے چلو۔ پھر بآوازِ بلند تکبیر کہتے ہُوئے آپ حملہ آور ہُوئے۔

اس وقت ارباب بہرام خاں آپ کے آگے آگے گویا سپر بن کر چلتے تھے۔ وہاں سے پچیس تیس قدم کھیت میں ایک بڑا سا پتھر زمین سے نکلا ہُوا تھا۔ آپ اُس کی آڑ میں جا کر ٹھیرے۔ مولانا محمد سمٰعیل صاحب نے کہا کہ جن غازیوں کے پاس قرابینیں ہیں۔ وُہ اس وقت حضرت کے پاس سے جُدا نہ ہوں۔ سب قرابینچی آپ کے قریب مورچہ بنا کر بیٹھیے۔ آپ اس پتھر کی آڑ میں اس نیّت سے ٹھیرے تھے کہ جب سکھوں کا ہلّہ بہت نزدیک آئے، تو ایک بارہ قرابینوں کی مار کر تلوار کی لڑائی لڑیں۔ حکمتِ الٰہی سے یُوں ہی ہُوا۔ کہ جب اُن کا ہلّہ اُوپر سے اُترتے اُترتے پندرہ بیس قدم کے فاصلے پر آیا، تب یکبارگی تکبیر کہ کر ایک بارہ بندوق والوں نے ماری، اُس کے بعد دُوسری بارہ قرابین والوں نے ماری۔ ان دونوں بارھوں میں بے شمار کُفّار مقتول ہُوئے۔

حافظ وجیہ الدین صاحب باغپتی کہتے ہیں کہ مَیں بندوق لگاتے لگاتے ایک نالے پر پہنچا، تو دیکھتا ہوں

---

[1] میاں لکھمیر کی روایت ہے کہ آپ کا غازیوں کو حکم تھا کہ سکھ جب تک تلوار کے مقابلے پر نہ آئیں، تب تک کوئی حملہ نہ کرے۔ مُلّا اصل محمد قندھاری اپنی جماعت کے ساتھ ست بننے کے نالے پر مورچہ لگائے سکھوں پر گولیاں چلا رہے تھے۔ جب سکھ آتے آتے چالیس قدم کے فاصلے پر آ پہنچے، تو مُلّا اصل محمد نے بغیر اجازت اپنا نشان اُٹھا کر حملہ کر دیا۔ قریب تھا کہ جا کر سکھوں میں گھُس جائیں۔ اگرچہ اس وقت اتنے فاصلے سے حضرتؒ کا ارادہ نہ تھا کہ ہلّہ کریں، مگر قندھاریوں کو دیکھ کر دیر کرنا مناسب نہ جانا۔ بآوازِ بلند تکبیر کہتے ہُوئے مسجد سے نکل کر حملہ آور ہُوئے۔ (وقائعِ احمدی)

خدا بخش خاں رامپوری، محمد ابراہیم خاں قصُوری اور میاں عبدالقیوم اس کی تردید کرتے ہیں کہ مُلّا اصل محمد قندھاری نے بغیر اجازت حملہ کیا اور حملہ کرنے میں سبقت کی۔

کہ چند آدمیوں کے ساتھ سید صاحبؒ قبلہ رُو بیٹھے ہوئے بندوقیں چلا رہے ہیں اور آپ کے قریب شہیدوں کی کئی لاشیں پڑی ہیں۔ شیخ عبدالرؤف پھلتی کی لاش اور دوسری شاہ محمدؒ کی لاش، جو جماعت خاص میں تھے، مَیں نے پہچانی، باقی اوروں کے نام یاد نہیں۔ اس وقت حضرت نے میرے رُوبرُو اپنی داہنی چھاتی پر بندوق جما کر فیر کیا، تو مجھ کو آپ کے داہنے ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں یا اُس کے پاس والی میں تازہ خون نظر آیا۔ مَیں نے اپنے قیاس سے معلوم کیا کہ شاید آپ کے مونڈھے میں گولی لگی ہے۔ بندوق چھاتی پر رکھتے وقت اُس کا خون آپ کی انگلی میں لگ گیا ہے۔

میاں حفیظ اللہ دیوبندی کہتے ہیں کہ مجھ کو چند روز پہلے سے بُخار آتا تھا۔ اس سبب سے مَیں پیچھے رہ گیا اور میری جماعت کے سب لوگ آگے بڑھ گئے۔ آہستہ آہستہ مَیں بھی اُن کے پیچھے چلا جاتا تھا۔ دھانوں کے ایک کھیت میں مَیں نے دیکھا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کھڑے ہوئے بندوق لگا رہے ہیں۔ مَیں نے دُور ہی سے پکار کر پُوچھا کہ مولانا صاحب، حضرت امیرالمومنین کہاں ہیں؟ اُنھوں نے کہا شور نہ کرو، سکھ سُنتے ہیں۔ حضرت آگے نالے میں ہیں۔ وہیں چلے جاؤ۔ مَیں وہاں گیا، تو دیکھا کہ حضرت ایک ہاتھ میں تلوار اور دُوسری میں بندوق پکڑے قبلہ رُخ نالے میں بیٹھے ہیں اور ایک طرف آپ کے قریب پچیس تیس غازی صف باندھے آڑ میں بیٹھے ہوئے بندوقیں لگا رہے ہیں۔ میں بھی اُنھیں میں جا بیٹھا اور بندوق بھر بھر کر مارنے لگا۔ اِس دوران میں حضرت نے فرمایا کہ بھائیو، ان موذیوں کو تاک تاک کر گولیاں مارو۔

مُجاہدین کا غلبہ اور سکھوں کی پسپائی

محمد امیر خاں قصوری کہتے ہیں: اُس وقت آسمان صاف تھا: نہ ابر تھا، نہ غُبار دُھوپ پھیلی ہوئی تھی، مگر بارُود کے دُھویں کے سبب سے اِس طرح کی تاریکی تھی کہ نزدیک کا آدمی بھی مشکل پہچانا جاتا تھا۔ سکھوں کی بندوقوں کے کارتُوس کے کاغذ یُوں معلوم ہوتے تھے، جیسے ٹیڑیاں[1] اُڑتی ہیں۔ وُہ وقت نہایت اُداس اور خوفناک نظر آتا تھا، سب مجاہدین نے قرابین اور بندوقیں گلے میں ڈال کر تلواریں پکڑیں اور کیبارگی بآواز بلند اللہ اکبر! اللہ اکبر! کہ کر حملہ آور ہوئے۔ اس وقت لڑائی کا یہ رنگ تھا کہ تمام سکھ منہزم ہو کر پہاڑ پر چڑھے جاتے تھے اور مُجاہدین پہاڑ کی جڑ

تک پہنچ گئے تھے اور سکھوں کی ٹانگیں پکڑ پکڑ کر کھینچتے تھے اور تلواریں مار مار کر مُردار کرتے تھے اور جانبین سے پتھر چلتے تھے۔

مُجاہدین کی تشویش اور سیّد صاحبؒ کی تلاش

اسی اثناء میں سب لوگوں نے پیچھے پھر کر جو دیکھا، تو نہ سیّد صاحب کا نشان نظر پڑا اور نہ خود آپ نظر آئے۔ تب تو سب مُتردّد ہو کر گھبرائے اور لڑنے بھڑنے سے سُست ہو گئے۔ پھر بھی کچھ غازی سکھوں کے مقابلے میں لڑتے رہے اور اکثر آپ ہی کی تلاش میں لڑائی کے کھیت میں جابجا پھرنے لگے۔

لعل مُحمّد جگدلیس پوری کہتے ہیں کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رفل کندھے میں ڈالے ننگی تلوار ہاتھ میں لیے پیشانی سے خُون بہتا ہوا میرے پاس آئے اور پوچھنے لگے کہ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ مَیں نے اپنے داہنے طرف ہاتھ سے اشارہ کر کے کہا کہ اس ہجوم میں ہیں۔ یہ سُن کر وُہ اس طرف جھپٹتے ہُوئے چلے گئے۔ اُن کے پیچھے مولوی سیّد نُور احمد صاحب نگرامی (جو سیّد صاحبؒ کے حالات کی کتاب لکھا کرتے تھے) ننگے سر تلوار ہاتھ میں لیے ہُوئے آئے۔ وُہ بھی حضرت کو پوچھنے لگے۔ اُن سے بھی مَیں نے ہاتھ کے اشارے سے کہا کہ اس ہجوم میں ہیں۔ یہ خبر پا کر وُہ دَوڑتے ہُوئے اس طرف کو چلے گئے۔

میاں امام الدین صاحب بڑھانوی کہتے ہیں کہ املیا کے حافظ عبداللہ کی مَیں نے آواز سُنی کہ وُہ کہتے ہیں کہ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں اور روتے ہُوئے پیچھے کو چلے جاتے ہیں۔ مَیں بھی بارُود سنگری میں بھر کر اُنھیں کے پیچھے چلا۔ تھوڑی دُور جا کر کیا دیکھتا ہوں کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب رفل کندھے میں ڈالے ہُوئے پیشانی سے خون جاری چہل قدمی کر رہے ہیں۔ مَیں نے کہا: مولانا صاحب، آپ بھی چلیے۔ اُنھوں نے کوئی جواب نہ دیا۔

الٰہی بخش رامپوری کہتے ہیں کہ حضرت کے مورچے کی طرف سے قصبہ نیوتنی کے حافظ عبداللطیف صاحب آبدیدہ "حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟" کہتے ہُوئے ہم لوگوں کے قریب آئے۔ مَیں نے کہا کہ مجھ کو معلوم نہیں۔ پھر وُہ یہی کہتے ہُوئے سُت بُنے کے نالے کی طرف چلے گئے۔ شیخ ولی مُحمّد صاحب پُھلتی بھی مجھ کو ملے۔ وُہ بھی حضرت امیر المومنین کو مجھ سے پوچھنے لگے۔ اُن

سے بھی مَیں نے کہا کہ مَیں نے تو نہیں دیکھا، مگر احتمال ہے کہ اِسی ہجُوم میں جہاں تلوار چل رہی ہے ہونگے۔

مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی شہادت | مُحمّد امیر خاں قصوری کہتے ہیں کہ جب سکھ پسپا ہو کر پہاڑ پر چڑھ رہے تھے، میرے پیچھے کی طرف سے مولانا مُحمّد اسمٰعیل صاحب انگریزی رفل کندھے سے لگائے ہُوئے آئے اور پوچھنے لگے کہ سیّد صاحبؒ کہاں ہیں؟ مولانا صاحب کے سر میں گولی لگی تھی اور کنپٹی سے خون جاری تھا۔ لوگوں نے کہا کہ سیّد صاحبؒ آگے ہیں۔ وُہ آگے گئے۔ کچھ دیر کے بعد ابراہیم خاں خیرآبادی کے باپ حیات خاں اس طرف سے زخمی روتے ہُوئے آئے اور کہنے لگے کہ مولانا صاحب شہید ہو گئے۔

پینتالیسواں باب

مشہدِ بالاکوٹ

(۲)

دشمن کا دوبارہ حملہ اور مجاہدین کی شکست

میاں عبدالقیوم صاحب کہتے ہیں کہ جب سکھ منہزم ہو کر اُوپر کی طرف بھاگے، تو اِدھر سے غازیوں نے اپنے اپنے ہتھیار لے کر اُن کا تعاقب کیا۔ کوئی تلوار سے، کوئی گنڈاسے سے، کوئی پتھروں سے اور کوئی بندوق وغیرہ سے اُن کو مارنے لگا۔ دشمن کے بیشمار آدمی مقتول ہوئے۔ باقی بھاگتے بھاگتے پہاڑ کی جڑ میں جا پہنچے۔ پہاڑ کے اُوپر لشکر کا سکھ افسر شیر سنگھ بیٹھا تھا۔ اُس نے یہ حال دیکھا، تو کہنے لگا: ارے سکھو، کہاں بھاگے آتے ہو؟ لاہور دُور ہے۔ اُس وقت بالاکوٹ کی رعایا اپنا اپنا اسباب لیے بھاگی جاتی تھی۔ اس حال میں سکھوں کے ترم نواز نے ترم بجایا اور اُس کی آواز میں کچھ کہا۔ اس کی آواز سنتے ہی جو سکھ بھاگ کر پہاڑ کی جڑ میں چلے گئے تھے، وہ پھر کر وہیں سے غازیوں کی طرف بندوقوں کی باڑھیں مارنے لگے۔ اُس وقت کچھ غازی تو اُن کے مقابلے میں رہے، باقی سب اس لڑائی کے کھیت میں سیّد صاحبؒ کو تلاش کرنے لگے اور جس پتھر کی آڑ میں آپ کو چند آدمیوں کے ساتھ بیٹھا دیکھا تھا، وہاں آپ کو نہ پایا۔ یہ سب تو حضرت کی تلاش میں اِدھر اُدھر مُتردّد پھرتے تھے، اُدھر سے سکھ بندوقوں کی باڑھیں مارتے تھے۔ اس حالت میں بہت مجاہدین شہید ہوئے اور جو سکھ غول کے غول پہاڑ پر چڑھے تھے، اُنھوں نے ہم لوگوں کے دائیں اور

بائیں طرف آکر محاصرہ کرلیا۔

اسی اثنا میں ایک آواز سب لوگوں نے سُنی کہ غازیو، تم یہاں کیا کرتے ہو؟ حضرت امیرالمومنین کو گوجر لوگ ست بنے کے نالے میں ہو کر لیے جاتے ہیں۔ یہ آواز سُنتے ہی غازی، جو حضرت امیرالمومنین کے ساتھ ہلّے میں تھے، اس کھیت سے باہر نکلنے لگے۔ اُن میں سے شاید کوئی بچے ہوں، باقی سب شہید ہوگئے اور جو غازی اِدھر اُدھر دُور تھے، اُن میں سے اکثر بچ کر سلامت نکل گئے۔

مولوی سیّد جعفر علی کا چشم دید بیان

مولوی سیّد جعفر علی اپنا چشم دید حال لکھتے ہیں:

"فجر کے وقت نماز کے بعد حُکم ہُوا کہ ہر شخص اپنی جگہ پر تختے وغیرہ سے مورچہ بنالے اور کھانے سے جلدی فرصت کرلے۔ چنانچہ ہم چند آدمیوں نے اس بالائی مسجد کے لیے، جو حضرت امیرالمومنین کا مسکن تھی، تختہ بندی کرلی۔ سکھوں کے لشکر نے (جو سب کے سب پیادے تھے) آہستہ آہستہ اس طرح اُترنا شروع کیا کہ ہم اُن کو پہاڑ کے اوپر دیکھ رہے تھے۔ اس مسجد کی مورچہ بندی کے بعد ہم نے اپنے دُوسرے مقامات پر مورچے باندھے۔ ہر شخص نے کھانے سے فراغت کی۔ حضرت امیرالمومنین نے بھی صاف کپڑے پہنے۔ آپ کی قبا سیاہ رنگ کی تھی۔ آپ ہتھیار باندھ کر مسجد کے سائبان میں بیٹھ گئے۔ جو اسلحہ آپ نے زیب کمر فرمائے، ان میں تفنگچہ اور ایک قدیم ولایتی چھُری تھی منشی محمّدی انصاری نے آپ کی وہ انگوٹھی، جو مُہر کرنے کے لیے اپنی انگلی میں پہنے ہُوئے تھے، آپ کی انگشتِ مبارک میں پہنادی تاکہ اگر وُہ خود شہید ہو جائیں، تو امانت اپنے مالک کے پاس ہو۔ انھوں نے مجھ سے بھی یہ فرمایا کہ مولانا محمّد اسمٰعیل صاحب کی انگوٹھی بھی انگلی سے نکال کر جناب ممدوح کو پہنا دو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ جو گنڈاسے تیار کیے گئے تھے۔ ان میں سے ایک شیخ محمّد اسحٰق گورکھپوری کے لیے مَیں نے طلب کیا۔ آنجناب نے فرمایا کہ ان بھائی کو میرے پاس بھیج دو۔ مَیں نے تعمیل کی۔ جب وہ حاضر ہُوئے، تو فرمایا کہ بھائی، تم بندوق لے لو۔ اُنھوں نے عرض کیا: میرا بایاں ہاتھ بندوق پکڑنے کے قابل

نہیں۔ اس پر اُن کو گنڈاسہ عطا ہُوا۔

اس وقت سکھوں کا لشکر اس قدر قریب آگیا تھا کہ ان کی طرف کی شاہین کی گولیاں بالاکوٹ کے مکانات تک پہنچ رہی تھیں۔ اس طرف بھی مسجد کے دروازے پر شاہین رکھی گئی اور شاہینچیوں نے اُن کو سرکرنا شروع کیا۔ مُلّا لعل مُحمّد قندھاری کو حکم ہُوا کہ اپنی جماعت کے ساتھ دھان کے کھیتوں کو عبور کر کے پہاڑ کے دائیں جانب اپنی کمین گاہ بنائیں تاکہ جس وقت سکھ بالاکوٹ کا قصد کریں، تو اُن کے بغل کی طرف سے وہ یورش کریں۔ جس مسجد میں آپ تشریف رکھتے تھے، اس کے نیچے ایک مکان تھا، غرب رویہ، طول میں جُنوباً شمالاً۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے مولوی احمد اللہ ناگپوری کی جماعت کو، جو اُس وقت راقم الحروف کے زیرِ فرمان تھی، اس جگہ متعیّن فرمایا اور حکم دیا کہ جب سکھوں کا لشکر بندوق کی گولی کی زد پر آجائے، تو اسی جگہ سے اُن پر بندوق چلائیں۔ جب وہ دلدل عبور کر کے بالاکوٹ پر چڑھنے کا ارادہ کریں، تو پھر وُہ وقت تلوار کا ہے۔ ہر مورچے والے اسی طرح عمل کریں۔ خود مولانا ممدوح بڑی مسجد کے نیچے شمالی سمت میں اپنی جماعت کے ساتھ بیٹھے۔

ہم جس جگہ ٹھیرے ہُوئے تھے، وہاں چارپائیاں بہت زیادہ پڑی ہُوئی تھیں۔ اُن کو جما کر بیٹھ گئے۔ ہر ایک نے اپنے ہتھیار اپنے سامنے رکھ کر اُن کو درست کرنا شروع کیا۔ ہر ایک نے دُوسرے سے اپنی غلطیوں کی معافی مانگی۔ شیخ محمد اسحٰق نے مجھ سے فرمایا کہ ابھی تک وطن و اہل و عیال کی محبت میرے دل پر غالب تھی۔ آج سوائے شہادت اور اللہ سے ملنے کی تمنّا کے کوئی تمنّا دل میں نہیں۔ مَیں نے کہا: اللہ کا شکر ہے اس وقت یہی نیّت ہونی چاہیے۔ انشاء اللہ آپ زندہ رہیں گے۔

اتنے میں دونوں جانب شاہینیں چلنے لگیں۔ آنجناب مسجد کے اُوپر سے یکبارگی نیچے تشریف لائے اور نیچے کی مسجد کا رُخ فرمایا۔ تمام غازی آپ کے ساتھ ہو گئے۔ ہر

مورچے پر یہ تذکرہ تھا کہ آپ کُفّار کے مقابلے کے لیے مَیدان کا رُخ فرما رہے ہیں۔ اس پر تعجّب بھی ہُوا کہ طَے تو یہ ہُوا تھا کہ کُفّار جب نیچے پہنچ کر بالاکوٹ کی طرف چڑھنے کا ارادہ کریں گے اور دلدل اور پیاز کے کھیتوں سے آگے بڑھ جائیں گے، اس وقت اس طرف حملہ ہوگا، اس لیے کہ اُوپر کی طرف دَوڑنا زیادہ پُرمشقّت اور دُشوار ہے بہ نسبت نشیب کی طرف دَوڑنے کے۔ اُس وقت اُن کے لیے چڑھنا مُشکل ہوگا اور ہمارے لیے اُترنا آسان۔

جب آپ کی جماعت شاہراہ پر پہنچی، تو اُس کے ایک طرف اس خاکسار کی جماعت کا ایک مورچہ تھا اور دُوسری طرف مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی جماعت کا۔ ہم سب آپ کے شریکِ حال ہو گئے۔ آپ نیچے تشریف لائے اور مسجدِ زیریں میں توقف فرمایا۔ مَیں نے جنگ کے بعد یہ واقعہ سُنا کہ آپ نے تین بار دریافت فرمایا کہ کون شخص مجھے آواز دیتا ہے۔ اسی طرح مَیں نے سُنا کہ آپ نے خواب دیکھا تھا کہ آپ کے لیے ایک تخت لایا گیا، جس کے پایے سُرخ ہیں۔ بہرحال سکھوں کے لشکر گاہ کا ہراول دستہ دو توپیں دریا کے قریب لایا اور بالاکوٹ کی طرف اُن کو سَرکرنا شروع کیا۔ لیکن اس سے کسی کو نقصان نہ پہنچا۔ اس مسجد میں پہنچنے کے بعد جب کُفّار کا لشکر بندوق کی گولی کی زد پر پہنچا، ان کی گولیاں بارش کی طرح برسنے لگیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ مسجد کی چھت اور اس کے احاطے پر دائیں بائیں اَولے پڑ رہے ہیں۔ بعض غازی مجروح بھی ہُوئے۔ ایک گولی شیخ محمد اسحٰق گورکھپوری کے دائیں ہاتھ پر پڑی۔ اُن کا بایاں ہاتھ پہلے سے بیکار تھا۔ اب دایاں ہاتھ بھی بیکار ہو گیا۔ شیخ موصوف نے مجھ سے کہا کہ مَیں تو اب دُعا کے قابل ہی رہ گیا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ بالاکوٹ کی طرف واپس چلے گئے۔ شیخ حفیظ اللہ دیوبندی کی آنکھ کے نیچے ایک تیر ایسا لگا کہ اس کا پیکان دوسری طرف سے نکل گیا۔

تھوڑے وقفے کے بعد آپ اُس مسجد سے باہر تشریف لائے اور دشمنوں کی

گولیوں کی بارش میں آپ نے اُس دلدل کا رُخ کیا۔ لوگوں نے اُس وقت عرض کیا کہ لوگ زخمی ہو رہے ہیں، اس طرف سے بھی حملے کا حکم ہو۔ آپ نے فرمایا کہ لمبی بندوقوں کو سرکر دو اور اگر ہو سکے، تو جا بجا مورچے بنالو، لیکن چونکہ ابھی تک دلدل کو عبور نہیں کیا گیا تھا، مورچے کا سامان کم تھا، کیونکہ زمین کسی قدر ہموار تھی۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے پکار کر فرمایا کہ قرابین والے حضرت امیر المومنین کے گرد ہو جائیں۔ میں نے مولوی احمد اللہ ناگپوری سے کہا کہ اپنی جماعت کی خبر رکھیے گا، مجھے حضرت امیر المومنین کے قریب رہنے کا حکم ہوا ہے اور اپنی جماعت والوں کو بندوقوں کو سرکرنے کے لیے آواز دی۔ اس وقت ہم میں سے ہر شخص آہستہ آہستہ تکبیر کہہ رہا تھا۔ اس دلدل کے اوپر ایک پتھر نکلا ہوا تھا۔ اس پتھر پر آپ اپنے دونوں بازوؤں پر ٹیک لگا کر بیٹھ گئے اور شیخ ولی محمد پھلتی کو بالاکوٹ کے اُوپر سے شاہین لانے کے لیے روانہ فرمایا۔ ارباب بہرام خاں بائیں جانب آپ کی بغل میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا کہ لشکرِ کفار کا زور قندھاریوں کی جماعت کی طرف زیادہ ہے، ان کی مدد کے لیے کوئی جماعت چلی جائے، تو اچھا ہے۔ آپ نے فرمایا: اتنی ہی تعداد کافی ہو گی۔

تھوڑی دیر کے بعد ایک دوسرے شخص نے عرض کیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ سکھوں کا لشکر جنوب کی جانب سے قصبۂ بالاکوٹ میں داخل ہو جائے۔ آپ نے فرمایا کہ ہم نے ایک جماعت کو اس طرف متعین کر دیا ہے۔ اس شخص نے عرض کیا کہ وہ جماعت تھوڑی ہے۔ فرمایا کہ اتنی ہی کافی ہے۔ اس اثنا میں سکھوں کی ایک جماعت پہاڑ سے نیچے اُتر کر دھلان کے کھیتوں میں پہنچ گئی تھی۔ ان کی بندوقوں کی گولیاں بارش کی طرح آ رہی تھیں۔ غازیوں میں سے ایک شخص نے تلوار کھینچ کر جست لگائی اور اُن پر حملہ کرنے کے لیے دلدل میں گھس گیا۔ دلدل کی مٹی چونکہ بہت لیس دار تھی، اس کا حال دیکھ کر آپ نے منع فرمایا۔ دُوسرے آدمی نے اس کو آواز دی کہ اے فلاں شخص،

آگے مت جاؤ، حضرت امیر المومنین منع فرماتے ہیں۔ وُہ شخص اپنے مرکز کی طرف واپس آگیا۔

اس اثنار میں آپ نے ارباب بہرام خاں سے فرمایا کہ یوں دل چاہتا ہے کہ نیچے اُتر کر اس گروہ پر حملہ کر دوں۔ ارباب صاحب نے عرض کیا: "آپ کے حملے سے نیچے والا گروہ ضرور مقتول ہو جائے گا لیکن جو لوگ پہاڑ کے اُوپر ہیں، اُن پر حملہ مشکل ہے۔" آپ نے فرمایا: بہتر ہے، کوئی بڑا دل نیچے آجائے۔ کچھ دیر کے بعد آپ بغیر کسی کو اطلاع دیے ہوئے بہ نفسِ نفیس بسم اللہ اللہ اکبر کہتے ہوئے اس دلدل میں گھس گئے۔ اگرچہ آپ کے پاؤں زانو تک دلدل میں اُتر جاتے تھے اور پاؤں کا نکالنا مشکل ہوتا تھا، لیکن خداداد رُوحانی و جسمانی طاقت سے شیر کی طرح چُستی اور تیزی کے ساتھ حملہ کرتے ہُوئے بڑھتے جاتے تھے۔ اس وقت ارباب بہرام خاں اور وُہ لوگ، جن کی نگاہ آپ کی طرف تھی، آپ کے ہمراہ ہو گئے۔ دادا ابوالحسن نصیر آبادی، جو نشان بردار تھے، اس وقت وُہ بے خبر تھے۔ کسی نے ان کو مطلع کیا۔ مَیں بھی پائینچے چڑھا کر دلدل میں گھس گیا۔ چونکہ کچھ بیمار چلا آرہا تھا اور کمزور تھا، آپ کے پاس نہ پہنچ سکا۔

اکثر بندوق والوں نے جب دیکھا کہ دلدل سے پاؤں نکالنا مشکل ہے، تو بعضوں نے لاٹھی کی طرح بندوقوں کا سہارا لے کر اور اُن پر زور دے کر اپنے پاؤں نکالے اس طرح سے اکثر بندوقیں بیکار ہو گئیں۔ آپ اور آپ کے ہمراہی برق و باد کی طرح دشمنوں کے سر پر پہنچ گئے۔ بعض سکھوں نے نیزے اور تلوار سے مقابلہ کیا، لیکن وہ سب کے سب بھاگ گئے۔ بھاگنے کا راستہ بھی نہیں تھا، اس لیے کہ وہ پہاڑ سے اُتر چکے تھے، دشوار گزار پہاڑ کے اوپر کس طرح وہ دَوڑ سکتے تھے؟ اس طرح وُہ سب لوگ، جو پہاڑ کے نیچے آ چُکے تھے، مُردار ہُوئے اور وُہ سکھ، جو پہاڑ کے اوپر تھے، اُنھوں نے بے تحاشا گولیاں چلانی شروع کیں، نہ اپنوں کو چھوڑا، نہ بیگانوں کو۔ اس وقت گولیاں اولے کی طرح

برس رہی تھیں اور کارتوس کے کاغذ ہوا میں اُڑ رہے تھے اور دونوں طرف سے سنگباری ہو رہی تھیں۔ مَیں اور منشی محمدی انصاری اس وقت پہنچے کہ تھوڑے سے سکھ پہاڑ کے نیچے زندہ تھے اور دیکھتے دیکھتے مجاہدین کا شکار ہو گئے۔ آپ کے ساتھ کے غازی پہاڑ کی جڑ تک پہنچ گئے تھے، دھانوں کے کھیت سے گزر چکے تھے اور پہاڑ کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا۔

نیچے کے سکھوں کے مقتول ہو جانے کے بعد بندوق کی گولیاں اور پتھر پہاڑ کے اُوپر سے بارش کی طرح آ رہے تھے۔ حضرت امیر المؤمنین اس گروہ میں میری نظر سے اوجھل ہو گئے۔ منشی صاحب سے مَیں نے پوچھا: حضرت امیر المومنین کہاں ہیں؟ انھوں نے فرمایا: ہمارے پیچھے بائیں جانب ہیں۔ مَیں نے کہا: الحمدللہ کہ ہم آپ کے سامنے اِس مقام پر ہیں۔ اس وقت ہم دونوں بیٹھ گئے اور بندوق بھر بھر کر کھڑے ہو کر چلاتے تھے، اِس لیے کہ دھان کے کھیتوں کی بلندی آڑ بن جاتی تھی اور جب ہم بیٹھ جاتے تھے، تو دشمنوں کی گولی اور پتھروں سے محفوظ ہو جاتے تھے اور جب کھڑے ہو جاتے تھے، تو کسی دشمن کو نشانہ کر کے تیزی کے ساتھ بندوق چلا کر بیٹھ جاتے تھے۔

آپ کے اُس وقت عین معرکے میں گم ہو جانے سے مخلصین و محبین جنگ سے دست کش ہو کر آپ کی تلاش میں جا بجا دوڑ رہے تھے اور دشمنوں کی گولیوں سے شربتِ شہادت نوش کر رہے تھے۔ اس وقت شیخ ولی محمد، امان اللہ خاں اور تمام حاضرین نے مشورہ کیا کہ چونکہ میدان خالی ہو گیا ہے، یہ قلیل جماعت اس مقام پر کوئی مفید خدمت انجام نہیں دے سکتی۔ اکثر آدمی بالاکوٹ کی طرف جا رہے ہیں؛ پس اگر ہم بھی اس جگہ سے حرکت کر کے ان سب لوگوں کو بھی جمع کر کے قصبے میں پناہ لیں اور دشمنوں سے جنگ کریں، تو اگرچہ فتح بظاہر ممکن نہیں معلوم ہوتی، لیکن چونکہ ہم اُس جگہ پناہ لے کر جنگ کریں گے، کیا عجب ہے کہ دشمن اپنی جان کے خوف سے بالاکوٹ

پر حملہ نہ کرے اور ہم ہزیمت کے داغ سے بچ جائیں۔ چنانچہ ہم مطابق مضمونِ آیت إِلَّا مُتَحَرِّفًا لِّقِتَالٍ أَوْ مُتَحَيِّزًا إِلَىٰ فِئَةٍ (۸: ۱۶) بالاکوٹ کی طرف آگئے۔ ہمارے اور بالاکوٹ کے درمیان ایک ٹیلہ حائل تھا۔ اس وقت بالاکوٹ کی طرف سے دُھواں اُٹھ رہا تھا۔ معلوم ہُوا کہ سکھوں نے اس موضع میں آگ لگادی ہے۔ پانی کے چشمے پر ہم جمع ہُوئے اور وہاں لشکر کا بڑا حصہ اکٹھا ہوگیا۔ وہاں ہم نے وضو کیا اور نماز پڑھی اور حضرت امیرالمومنین اور مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور دوسرے اہلِ جماعت اور رُفقاء کے حالات کی تحقیق کی۔ وہیں حضرت امیرالمومنین کی ران پر بندوق کی گولی لگنے اور سرِ مبارک پر پتھر سے زخم آنے، رُو بقبلہ بیٹھنے اور نور بخش جرّاح کے حاضر ہونے کا حال معلوم ہُوا۔ نیز یہ معلوم ہُوا کہ مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی پیشانی پر گولی لگی۔ سیّد عبدالرحمٰن، امان اللہ خاں لکھنوی اور شیخ ولی محمد پھلتی کی زبانی بیان کرتے ہیں کہ پہلی گولی مولانا کے سر پر لگی۔ اگرچہ زخم ہلکا تھا، لیکن آپ کی پیشانی اور چہرہ خُون سے رنگین ہوگیا۔ آپ نے امان اللہ خاں سے پوچھا: حضرت امیرالمومنین کہاں ہیں؟ مَیں نے خبر دی کہ اس رود کی طرف ہیں۔ مولانا موصوف باوجود اس کے کہ بندوق کی گولیاں کثرت سے آرہی تھیں، یہ کلمہ فرماتے ہُوئے: "بھائی، ہم تو جاتے ہیں"۔ اپنی جان کی پروا نہ کرتے ہُوئے بڑی تیزی کے ساتھ اس جماعت میں داخل ہوگئے، جو اس خُشک ندی میں تھی۔ اس کے بعد معلوم نہیں ہُوا کہ کس حربے سے آپ شہید ہُوئے۔[1]

مُجاہدین نے کس طرح جان دی | محمد امیر خاں قصُوری کہتے ہیں کہ مَیں ایک پتھر کی آڑ میں ہو کر گولی چلا رہا تھا۔ مجھ سے تھوڑے فاصلے پر مولوی نور احمد صاحب نگرامی کھڑے تھے۔ ایک گولی اُن کے بازو میں آکر لگی۔ انھوں نے مجھ سے کہا کہ میرے تو گولی لگ گئی، تمھیں جو چیز درکار ہو، مجھ سے لے لو۔ میرے پاس

---

[1] منظورہ: ص ۱۱۷۸ تا ۱۱۹۵

گولیاں کم تھیں۔ جو چالیس پچاس گولیاں اُن کے ساز میں تھیں، وہ مَیں نے نکال لیں۔ پھر وہ میرے پاس سے پیچھے کو چلے۔ اس دوران میں انھیں ایک اور گولی لگی۔ وہ اسی جگہ پر بیٹھ گئے۔ پھر اُن کا حال مجھ کو معلوم نہ ہُوا کہ اسی جگہ شہید ہوئے یا کسی اور جگہ۔

سیّد صاحبؒ پہلی مسجد میں لیٹے ہُوئے تھے۔ معمور خاں لکھنوی آپ کے پاس آکر بیٹھے کہ حضرت، میرا دل چاہتا ہے کہ اس وقت آپ اپنا دستِ مبارک میرے چہرے پر پھیریں۔ یہ بات سُن کر آپ اُٹھ بیٹھے اور اپنا داہنا ہاتھ خانِ ممدوح کے چہرے پر پھیرا۔ وہ خوش ہو کر وہاں سے اپنے مورچے میں گئے۔ اُن کی شہادت کا واقعہ لعل محمد جگدلیس پوری یوں بیان کرتے ہیں کہ مَیں نے دیکھا کہ معمور خاں لکھنوی دانتوں سے ننگی تلوار پکڑے ہُوئے ایک سکھ کے پاؤں پکڑ کر اپنی طرف کھینچ رہے ہیں اور ایک سکھ اس سکھ کے ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف کھینچتا ہے۔ آخر الامر خانِ موصوف نے ایسا زور کیا کہ وہ سکھ اس کھینچنے والے سے چھوٹ کر اُن کے اوپر آرہا اور دونوں وہاں سے غلطاں نیچے نالے میں آکر گرے اور دونوں وہیں رہے۔ خانِ ممدوح تو شہید ہو گئے اور وہ مُردار ہُوا۔

نجم الدین شکارپوری کہتے ہیں کہ مَیں نے دیکھا کہ پانی پت کا ایک نوجوان غازی، جس کا نام مجھے یاد نہیں، ننگی تلوار لیے ہُوئے کھڑا ہے۔ اس کے سامنے سکھوں کا ایک افسر بڑا طویل القامت ننگی تلوار لیے ہُوئے آیا۔ غازی نے لپک کر اپنا ہاتھ اُس کی گردن میں ڈال دیا، اُس سکھ نے بھی یُوں ہی اپنا ایک ہاتھ اُس کی گردن میں ڈال دیا۔ وُہ غازی دُوسرے ہاتھ سے اُس کو تلوار سے مارنے لگا اور وُہ سکھ اس غازی کو مارنے لگا۔ مگر وہ دونوں ایک دُوسرے سے اتنے متصل تھے کہ پوری تلوار کسی پر نہیں پڑتی تھی۔ اِدھر تو مَیں کھڑا تھا، اُدھر سکھوں کا اژدحام اور بیچ میں وہ دونوں لڑ رہے تھے، مگر اس وقت نہ تو مجھ کو یہ جرأت پڑتی تھی کہ اس غازی کی مدد کو جاؤں اور نہ اُن سکھوں کو ہمت ہوتی تھی کہ اس افسر کی کمک کو آئیں۔ جب وہ دونوں بہت زخمی ہو گئے اور بدن کا خون نکل گیا، تو وہ سُست ہو کر گر پڑے۔ ایک اور سکھ نے اس اژدحام میں سے آکر اس غازی کو تلوار مار کر شہید کیا اور وُہ سکھ زخمی دم لے کر زمین سے اُٹھ کھڑا ہُوا۔ میری بندوق میں دو گولیاں بھری تھیں۔ مَیں نے وہ بندوق اس

پر سر کی، مگر یہ نہیں معلوم کہ وہ گولیاں اُس کے لگیں یا کسی اَور کے۔ مَیں آگے چلا، تو ایک جگہ کیا دیکھتا ہوں کہ ایک غازی مہربان خاں نامی بہت زخمی پڑے ہیں۔ مجھ کو دیکھ کر انھوں نے کہا کہ مجھ کو پانی پلا دو۔ مَیں نے کہا: یہ وقت پانی لانے کا نہیں ہے، مگر ہاں، اگر تم یہاں سے چلو، تم کو پکڑ کر آہستہ آہستہ لے چلوں۔ صدہا سکھ قریب کھڑے تھے، مگر بے حواس اور مُتردّد تھے۔ انھوں نے کہا: کہ مجھ کو تو یہی جگہ اچھی لگتی ہے یہاں سے مَیں نہ جاؤں گا۔ اگر کہیں سے پانی لا سکتے ہو، تو لا کر مجھ کو پلا دو۔ مَیں نے کہا: تمام سکھ نزدیک کھڑے ہیں اور میرے پاس کوئی برتن بھی نہیں ہے، پانی کیونکر لاؤں؟ انھوں نے کہا: اگر پانی نہیں لا سکتے، تو خیر نہ لاؤ، مگر میری گردن میں روپوں کی حمائل پڑی ہے، اُس کو تم کھول کر لے جاؤ۔ مَیں نے اپنے دل میں اندیشہ کیا کہ مبادا روپے کھولنے میں دیر ہو اور گولی لگ جائے، تو خدا جانے، میری موت کیسی ہو یا روپے دیکھ کر کوئی سکھ مار ڈالے۔ مَیں نے اُن سے کہا کہ مَیں روپے تو نہ لے جاؤں گا۔ انھوں نے کہا: تو خیر، یہاں سے چلے جاؤ۔ مَیں وہاں سے چلا گیا۔

شہداء کی تدفین | میاں عبدالقیوم صاحب کہتے ہیں کہ مجاہدین کی شکست کے بعد سکھوں نے بالاکوٹ کو آکر گھیر لیا اور وہاں کے گھروں میں آگ لگا دی جو بیمار غازی اپنے اپنے ڈیروں میں رہ گئے تھے، اُن کو جا کر شہید کیا۔ ان میں سے بعض غازی سکھوں سے مقابلہ کر کے اور ایک دو کو مار کر شہید ہوئے اور بعضے غازی، جو بہت بیمار تھے، اپنے اپنے بستروں پر شہید کیے گئے۔

بالاکوٹ کے معتبر لوگوں کی زبانی یہ معلوم ہوا کہ سکھوں کے چلے جانے کے بعد جب بالاکوٹ کے بھاگے ہوئے لوگ آئے، تو اُنھوں نے دھانوں کے کھیتوں میں تمام لاشوں کو پڑا دیکھا۔ ان میں سے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب اور ارباب بہرام خاں صاحب کی لاش کو اُنھوں نے دو جگہ جُدا جُدا دفن کر دیا[1]۔ اور باقی لاشوں کو وہاں سے اُٹھا کر مٹی کوٹ کے نالے میں ایک جگہ جمع کیا اور اُوپر سے مٹی ڈال کر پنج شہیداں بنا دیا۔

شیخ ولی محمد صاحب، میاں عبدالقیوم صاحب، محمد امیر خاں صاحب قصوری وغیرہم کہتے ہیں کہ

---

[1] مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کی قبر قصبے کے شمال مشرق میں ست بنے کے نالے کے پار ہے۔ قبر اب بھی معروف ہے۔

بالاکوٹ کی لڑائی کے بعد جب ہم لوگ تخت بند ہو گئے، تو ان دنوں اکثر لوگوں کی زبانی، جو پشاور سے آئے تھے، متواتر یہ خبر سُننے میں آئی کہ ارباب بہرام خاں کے بھتیجے محمد خاں نے اپنی قوم کو جمع کر کے کہا کہ میرا یہ ارادہ ہے کہ مَیں اپنے چچا بہرام خاں کی لاش بالاکوٹ سے لا کر اپنی بستی تہکال میں دفن کروں۔ انھوں نے کہا کہ وہاں دفن ہُوئے چھ مہینے کا عرصہ ہو گیا ہے، اب وہاں سے اُن کی ہڈیاں کھود کر لانا کیا ضرور ہے؟ جہاں مدفون ہیں، وہیں رہنے دو۔ محمد خاں نے کہا کہ میرا چچا خالص نیت سے سیّد بادشاہ کے ساتھ جہاد فی سبیل اللہ کے واسطے گیا تھا اور اُس نے اپنا تمام مال و اسباب خدا کی راہ میں صرف کیا یہاں تک کہ شہید ہو گیا۔ مجھ کو یقین ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ اُس کی لاش قبر میں سلامت ہو گی اور مَیں وہاں سے لاؤں گا۔ لوگوں نے سمجھایا، مگر اُس نے نہ مانا۔ آخر ایک صندوق اور اپنی قوم کے چالیس آدمی تہکال سے لے کر بالاکوٹ کو گیا۔ وہاں بھی لوگوں نے قبر کھودنے سے منع کیا، پھر بھی نہ مانا۔ آخر قبر کو کھود کر لاش کو نکالا، تو قدرتِ الٰہی سے وہ لاش تر و تازہ نکلی۔

پینتالیسواں باب (۲)

مشہدِ بالاکوٹ

(۳)

سیّد صاحبؒ کی شہادت آج سے چالیس پچاس سال پہلے سیّد صاحبؒ کے معتقدین و منتسبین میں اس کا بڑا چرچا تھا اور یہ نہایت اہم اور عام سوال تھا کہ سیّد صاحبؒ کی شہادت ہوئی یا آپ بمصلحت رُوپوش ہو گئے ہیں اور ابھی بقیدِ حیات ہیں۔ ایک بڑا گروہ، جن میں سرحد کے مقیم اور اہلِ صادق پُور اور اُن کے متوسّلین تھے، سیّد صاحبؒ کی غیبت کا قائل، آپ کے ظہور کا منتظر اور آپ کے لیے چشم براہ تھا۔ مولانا ولایت علی عظیم آبادی رسالہ "دعوت" میں لکھتے ہیں:

"اس کے بعد اللہ رب العٰلمین نے لشکرِ اسلام کو شکست دی کہ ایمان والوں کے دل میں غرور کا میل جمنے نہ پائے، کفار کو دھوکا رہے، مسلمانوں کے مرتبوں کی ترقی ہو جائے۔ قرآن و حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آج تک جتنے اولوالعزم انبیاء گزرے ہیں، کوئی شکست کا صدمہ اٹھائے بغیر باقی نہ رہا۔ ہمارے حضرت کو بھی تو اللہ تعالیٰ نے انبیاءؑ کی نیابت نصیب کی ہے۔ اُن کے لشکر پر شکست کیونکر نہ آئے؟ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے حضرت کو چلّہ گزاری و دُعا و زاری کے لیے پہاڑوں میں بُلایا اور دشمنوں کی آنکھ سے بچایا۔ سچ ہے کہ خلوت بھی اکثر انبیاء علیہم السلام کی سنّت ہے۔

چنانچہ حضرت یونس علیہ السلام کو اثناءِ ہدایت میں مچھلی کے پیٹ میں چھپایا اور کتنے دنوں تک جنگل و بیابان میں رکھا۔ آخر انھیں کی ذاتِ متبرک سے ایک عالم کو ہدایت ہوئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو عین اجراءِ ہدایت کے وقت کوہِ طور پر جانے کے واسطے فرمایا۔ جب یہاں لوگوں میں گوسالہ پرستی پھیل گئی، تو آپ بعد از فراغتِ چلّہ تشریف لائے اور لوگوں سے توبہ کروائی۔ حضرت عیسیٰ علیہ السّلام کو اللہ تعالیٰ نے ایک مُدّتِ مدید سے غائب کیا اور آسمان پر اُٹھایا اور جب چاہے گا، ظاہر کرے گا، اور اُن سے دین کا کام لے گا۔ ہمارے رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو کئی روز غار میں چھپایا اور جنگ میں شکست دی اور شیطان نے شہادت کی جھوٹی خبر مشہور کی۔ کیوں نہ ہو؟ یہ بھی تو اُن لوگوں کے پورے پیرو ہیں۔ ان سُنّتوں سے کیونکر محروم رہیں؟ خلوت کے کچھ دن اللہ کی طرف سے سب کے واسطے برابر مقرر نہیں جس کو اللہ جب تک چاہتا ہے، چھپاتا ہے؛ جب چاہتا ہے، ظاہر کرتا ہے۔ ہمارے حضرت کی خلوت کوئی حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام کی سی نہ سمجھے کہ کبھی سے ملاقات نہیں ہوتی یا اُن کے ظہور میں عرصۂ بعید گزرے گا، یہاں تو اکثر لوگ جب چاہتے ہیں، تھوڑی سی کوشش میں حضرت کی زیارت سے مشرف ہوتے ہیں اور انشاء اللہ تعالیٰ عرصۂ قریب میں خورشیدِ درخشاں کی مثل ظاہر ہو کر عالم کو اپنے انوارِ ہدایت سے منور فرمائیں گے۔[1]

تذکروں میں متعدد واقعات ایسے ہیں کہ لوگوں نے سیّد صاحبؒ کو کسی مقام پر دیکھا اور پہچانا اور سب سے بڑی بات یہ تھی کہ خود سیّد صاحبؒ نے بعض کلمات ایسے فرمائے تھے جن سے اِس خیال کو تقویت ہوتی تھی۔ مثلاً خاندان میں یہ روایت مشہور ہے اور وقائعِ احمدی میں بھی مذکور ہے کہ آپ نے اپنی ہمشیر سے فرمایا کہ لوگ کہیں گے کہ سیّد احمد کا انتقال ہو گیا یا شہادت ہو گئی لیکن جب تک ہندوستان کا شرک، ایران کا رفض، سرحد و افغانستان کا غدر نہیں جائے گا، میرا کام

---

[1] رسالہ "دعوت" شاملِ مجموعۂ رسائل تسعہ، مرتبہ ولایت علی عظیم آبادی، مطبوعہ مطبع فاروقی، دہلی، صفحہ ۴۷۔

ختم نہیں ہوگا۔ (او کما قال)

مولانا یحییٰ علی عظیم آبادی پھانسی گھر میں اکثر نہایت درد سے دردؔ کی یہ رباعی سیّد صاحب کے اشتیاق میں پڑھا کرتے تھے۔

اِتنا پیغام دردؔ کا کہنا　　جب صبا کُوئے یار سے گزرے
کون سی رات آپ آئیں گے　　دن بہت انتظار میں گزرے

مولوی مُحمّد جعفر صاحب تھانیسری (مُصنّفِ سوانح احمدی و تواریخ عجیبہ)، جو سیّد صاحبؒ کے بہت بڑے تذکرہ نگار اور واقفِ حال تھے، والدِ مرحوم مولانا عبدالحی صاحبؒ کو ایک خط میں لکھتے ہیں:

"مَیں خاندانِ پٹنہ کے بتوسل جناب سیّدنا کے حضور میں انتسابِ بیعت رکھتا ہوں، مگر براہِ راست بھی مجھ کو ایک مرتبہ پھانسی گھر میں، جس کا ذکر صفحہ ۲۶ کے آخری پارے (تواریخ عجیبہ) میں درج ہے اور ایک مرتبہ بر وقتِ رہائی ۱۳۰۰ھ میں پیام و سلام پہنچنے کا فخر حاصل ہُوا ہے اور مجھ کو حضرت مُرشدنا کی حیات و ظہور کا ایسا یقین ہے، جیسے اپنی موت کا۔ مولوی حیدر علی صاحب اور اُن کے فرزند کو ۱۳۰۲ھ میں زیارت کا فخر حاصل ہُوا۔ مولوی حیدر علی صاحب تو بعدِ حصولِ قدمبوسی چند ماہ بعد انتقال کر گئے اور اُن کے فرزند زندہ موجود ہیں۔"

یہ ۶ر فروری ۱۸۹۲ء کا خط ہے۔ "ارمغانِ احباب" میں والدِ مرحوم نے بسندِ صحیح[1] حضرت مولانا مظفر حسین کاندھلوی سے یہ روایت کی ہے کہ مَیں نے حضرت سیّد صاحبؒ سے دس[10] باتیں سُنی تھیں، جن میں سے نو[9] پوری ہو چکیں، ایک باقی ہے، یعنی، آپ کی غیبوبت و ظہور۔

والدِ مرحوم نے حضراتِ دیوبند کے اِستفسار پر اپنی یہ رائے ظاہر کی تھی، جس سے ان حضرات

---

[1] والدؒ مولانا محمود حسنؒ صاحب سے اور حافظ احمد صاحبؒ و مولانا حبیب الرحمٰنؒ صاحب سے اور وُہ حضرت مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ سے روایت کرتے ہیں۔

نے بھی اتفاق کیا کہ "اس میں تو کوئی شک نہیں کہ سیّد صاحبؒ نے اِس قسم کی پیشین گوئیاں بیان فرمائی ہیں، لیکن وقوع میں اب تک اشتباہ ہے"[1]۔

مولوی محمد جعفر صاحب تھانیسری نے سوانح احمدی میں، جو اس خط کے بعد کی تصنیف ہے، اس کے متعلق جو اظہارِ خیال کیا ہے، وہ اُنھیں کے الفاظ میں نقل کیا جاتا ہے:

"ایسی بھی بہت روایتیں ہیں کہ اِس واقعۂ بالاکوٹ کے بعد متعدد لوگوں نے سیّد صاحبؒ اور اُن کے رفیقوں کو دیکھا۔ اس میں شک نہیں کہ آپ کی شہادت اور غیبوبت میں روزِ اوّل سے اختلاف ہے، مگر اب بُعدِ زمانہ کے سبب جو ساٹھ برس سے بھی زیادہ ہو گئے، خیالِ غیبوبت خود بخود لوگوں کے دِلوں سے محو ہوتا جاتا ہے۔ سیّد صاحبؒ کی چھوٹی بیوی صاحبہ، جن سے قبل از معرکۂ بالاکوٹ سیّد صاحبؒ نے اپنی غیبوبت کی پیشین گوئی کی تھی اور سیّد صاحبؒ کے اکثر اقربا اور اہلِ قافلہ آپ کی غیبوبت کے قائل تھے، مگر پنجاب اور ہندوستان کے اکثر آدمی پلۂ شہادت کو غلبہ دیتے ہیں"۔

معلوم ہوتا ہے کہ بعض روایات کی بنا پر یا گرتے ہُوئے دِلوں کو تھامنے کے لیے یا بعض حلقوں میں جوشِ محبت میں کچھ دنوں تک یہ خیال قائم رہا، مگر بُعدِ زمانہ سے کمزور پڑتا گیا۔ مولوی محمد جعفر صاحب جیسے عاشقِ صادق، جن کو اپنی مَوت کی طرح سیّد صاحبؒ کی حیات کا یقین تھا، اپنی آخری تصنیف میں یہ لکھنے پر مجبور ہُوئے کہ "بُعدِ زمانہ کے سبب یہ خیال خود بخود لوگوں کے دلوں سے محو ہوتا جاتا ہے اور پنجاب و ہندوستان کے اکثر آدمی پلۂ شہادت کو غلبہ دیتے ہیں"۔

نواب وزیر الدولہ مرحوم نے ایک جگہ لکھا ہے کہ آپ اکثر محبتِ الٰہی کے جوش میں یہ شعر پڑھا کرتے تھے:

---

[1] "ارمغانِ اجاب"۔ یہ کتاب "دہلی اور اُس کے اطراف اُنیسویں صدی کے آخر میں" کے نام سے شائع ہو چکی ہے۔ (صفحہ ۱۱۷)

در مسلخ عشق ہر عدو را نکشند　　لاغر صفتان و زشت خو را نکشند
گر عاشقِ صادقی، ز کشتن مگریز　　مردار بود ہر آنکہ او را نکشند

کبھی کبھی یہ قطعہ وردِ زبان ہوتا :

اے آنکہ زنی دم از محبت　　از ہستیٔ خویشتن بپرہیز
برخیز و بہ تیغ تیز بنشیں　　یا از رہِ راہِ دوست برخیز

آپ کے مکاتیب اور آپ کی تقریریں اور آپ کی مجلس کی گفتگوئیں، شوقِ شہادت اور راہِ خدا میں اسمٰعیلؑ ذبیح اللہ کی طرح قربان ہونے کے جذبے سے لبریز ہیں۔ آپ کی صحبت نے ہزاروں انسانوں کے دل میں عشقِ الٰہی کا شعلۂ بیتاب اور شہادت فی سبیل اللہ کا ایسا جذبۂ صادق پیدا کر دیا تھا کہ اُن کو اپنی جان وبالِ جان اور اپنا سر وبالِ دوش معلوم ہونے لگا تھا اور اُن کے ہر بُنِ مُو سے یہ صدا آتی تھی :

جان کی قیمت دیارِ عشق میں ہے کوئے دوست
اِس نویدِ جانفزا سے سر وبالِ دوش ہے

اِس پوری جماعت کا، جس کے آپ امام تھے، عقیدہ اور نظریہ یہ تھا :

اے دل تمام نفع ہے سودائے عشق میں
اِک جان کا زیاں ہے، سو ایسا زیاں نہیں

واقعات و بیانات، میدانِ جنگ کی شہادتیں، قرائن اور وجدان سب یہ کہتا ہے کہ جس کی دعوت و تربیت اور جس کی ترغیب و تحریص سے سیکڑوں بندگانِ خدا کو، جو اپنے وطن میں عافیت و سلامتی کی زندگی گزار رہے تھے، شہادت کی لازوال دولت نصیب ہوئی، وہ اِس نعمتِ عظمیٰ اور سعادتِ کبریٰ سے ہرگز محروم نہیں رہا، بلکہ جس طرح اس کو ہندوستان میں اس کی دعوت میں اولیت و تقدم حاصل ہوا، اس کے حصول میں بھی اس کو سبقت اور امتیاز حاصل ہوا اور وہ شہداء اہلِ بیتؓ میں اپنے اُن آباءِ کرام سے جا ملا، جنھوں نے مختلف طریقوں پر شہادت پائی

اور اُن کا جسدِ طاہر شہادت کے بعد بھی دشمنوں کی گستاخیوں اور جذبۂ انتقام سے محفوظ نہیں رہا اور آپ فنافی سبیل اللہ کے اس مقام کو پہنچ گئے، جو کم کسی کو نصیب ہوتا ہے اور اس طرح آپ کی وہ آرزو پوری ہوئی، جس کا اظہار جوشِ محبت میں کبھی کبھی اس شعر کے ذریعے فرمایا کرتے تھے :

دِلم براہِ تو صد پارہ باد و ہر پارہ
ہزار ذرّہ و ہر ذرّہ در ہوائے تو باد[1]

مولوی سید جعفر علی صاحب منظورہ میں لکھتے ہیں :

"دوسرے روز گولہ انداز شیخ وزیر کا لڑکا، جو آٹھ یا نو سال کا ہوگا، پہنچا۔ تمام غازی اُس کے گرد جمع ہو گئے اور اس سے پوچھنے لگے کہ تم کہاں تھے اور کس طرح بصحت سلامت پہنچ گئے۔ اس نے کہا کہ لڑائی ختم ہو جانے کے بعد سکھوں نے مجھے پکڑ لیا اور مجھے شہادت گاہ میں لے گئے اور کہنے لگے کہ شہیدوں کی لاشیں پہچان کر بتلاؤ کہ خلیفہ صاحب کون ہیں۔ مَیں نے پہچان کر اُن کو بتلا دیا۔ پھر مجھے سکھوں کے سردار کے پاس لے گئے۔ اس نے مجھے اپنے ایک مسلمان ملازم کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کو غلام بنالو۔ وہ مجھے اپنی قیام گاہ پر لایا اور مجھ سے پوچھنے لگا : تمھارے ماں باپ ہیں؟ مَیں نے کہا : ہاں۔ اس نے کہا : اپنے ماں باپ کے پاس چلے جاؤ۔ مَیں سیدھے رستے سے یہاں چلا آیا۔ جب اس بچے نے یہ کہا کہ مَیں نے خلیفہ صاحب کی نعشِ مبارک کو پہچانا، تو بعض آدمیوں نے کہا کہ زخمی جسم کو پہچاننا تو ہوشیار آدمی کے لیے بھی مشکل ہے، یہ بیچارہ بچہ کیا پہچان سکا ہوگا؟ لیکن بچے آپ سے بہت مانوس تھے۔ سید باقر علی موہانی، جو فقیر کا بھیس بنا کر سکھوں کے لشکر میں پناہ گزیں تھے، پھر اپنے مکان واپس آئے۔ وہ اس معاملے سے زیادہ واقف ہوں گے۔"

اِس کے بعد خضر خاں وغیرہ آئے اور اُنھوں نے بتلایا کہ ہم بالاکوٹ گئے اور بعض ٹکیوں کے

---

[1] وصایا الوزیر

پاس جو سکھوں کے لشکر کے ہمراہ تھے، رات بھر رہے۔ ہم نے اُن سے حضرت امیرالمومنین کے متعلق دریافت کیا۔ اُنھوں نے بتلایا کہ جنگ کے اختتام پر جب غازی بالاکوٹ سے باہر چلے گئے، سکھوں اور مسلمانوں کی لاشیں الگ الگ پڑی ہوئی تھیں۔ شیر سنگھ نے بعض غازیوں کو، جو زندہ گرفتار ہو گئے تھے، اپنے پاس بُلایا اور اُن سے کہا: سچ سچ بتلاؤ کہ ان لاشوں میں سے خلیفہ صاحب کا جسمِ مُبارک کون سا ہے۔ وہ مَیدان میں گئے۔ اُنھوں نے لاشوں میں ایک جسم دیکھا، جس کا سر نہیں تھا۔ اس جسم کو اُنھوں نے آپ کا جسم قرار دیا۔ شیر سنگھ نے اس پر دوشالہ ڈال دیا اور خاصے کے دو تھان اور پچیس روپے خیرات کے لیے دیے اور مسلمانوں سے کہا کہ اپنے مذہب کے مطابق تجہیز و تکفین کریں۔ چنانچہ ٹکیوں نے اسی طرح عمل کیا۔"

آپ کا مدفن | سیّد صاحبؒ کے مدفن کے متعلق تمام روایتوں اور بیانات کو جمع کرنے کے بعد جو بات قرینِ قیاس معلوم ہوتی ہے، وُہ یہ ہے کہ آپ کا جسم و سرِ مُبارک جمع کر کے اُس قبر میں دفن کیا گیا، جو دریائے کنہار کے قریب ہے اور آپ کی طرف منسُوب ہے۔ پھر وہ نعش نکال لی گئی اور دریا میں ڈال دی گئی۔ سر اور جسم الگ الگ بہتے بہتے کہیں سے کہیں پہنچ گئے اور دو علٰحدہ مقامات پر دفن کیے گئے۔ ممکن ہے کہ سر اس جگہ دفن کیا گیا ہو، جو گڑھی حبیب اللہ میں آپ کے سر کے مدفن کی حیثیت سے مشہور ہے اور جسم تلہٹہ میں مدفون ہو، جہاں آپ کی قبر بتلائی جاتی ہے۔

بہرحال آپ کی یہ دُعا مقبول اور یہ تمنا پوری ہُوئی کہ میری قبر کا نام و نشان باقی نہ رہے۔

نواب وزیرالدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

"ایک مرتبہ حضرت سے ایک شخص نے کہا کہ آپ قبر پرستی اور بزرگانِ دین کے مزارات پر مُشرکانہ اعمال اور بدعات سے اس شد و مد کے ساتھ روکتے ہیں، لیکن خود آپ کے ہزاروں مُرید اور ہزاروں معتقد مُلک میں ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مزار پر وہی ہوگا، جو دُوسرے بزرگانِ دین کے مزارات پر ہو رہا ہے

اور آپ کی قبر کی پرستش بھی اسی طرح ہوگی، جس طرح ان قبروں کی پرستش ان کی وفات کے بعد ہوتی ہے۔ حضرت نے فرمایا کہ میں درگاہِ الٰہی میں بصد آہ و زاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو نامعلوم کر دے۔ نہ قبر رہے گی، نہ اس پر شرک و بدعت ہوگی۔ خدا کی قدرت و رحمت ملاحظہ ہو کہ حضرت کی یہ دُعا قبول ہُوئی اور آپ کی قبر کا آج تک پتہ نہ چلا۔

مولانا محمد اسمٰعیل شہیدؒ اِسی مشہدِ بالاکوٹ میں اسی تاریخ ۲۴ ذی قعدہ ۱۲۴۶ھ کو مولانا محمد اسمٰعیل صاحب نے بھی شہادت پائی۔ اکثر ساتھیوں نے آپ کو جس وقت دیکھا، پیشانی سے خُون جاری تھا، ڈاڑھی خون سے تر تھی، بھری ہُوئی بندوق کاندھے پر اور ننگی تلوار ہاتھوں میں تھی، سر برہنہ تھا۔ سیّد صاحبؒ کو دریافت فرماتے تھے اور شوقِ شہادت میں سرشار اور پروانہ وار پھر رہے تھے۔ بالآخر اس دلی مُراد کو پہنچے، جس کی بُدوِ شعُور سے خُونِ جگر سے پرورش کی تھی اور اس طرح جہد و جہاد کی اس طویل و مسلسل حیاتِ طیّبہ کا خاتمہ ہُوا جس میں شاید ایک دن بھی فراغت و راحت اور ایک رات بھی غفلت و استراحت کی نہ تھی۔

سرحد کا قیام اور ہجرت کے بعد کا زمانہ ایک مسلسل جہاد کا زمانہ تھا جس میں یا تو عملاً جنگ تھی یا اُس کی تیاری یا اُس کے مُقدمات یا اُس کے نتائج۔ سالہا سال کی اس مدّت میں اطمینان کی گھڑی شاید ہی کبھی نصیب ہُوئی ہو۔ جنگ کی تدابیر و انتظامات اور جنگی مُہمّوں کی قیادت میں سب سے بڑا حصّہ آپ ہی کا تھا۔ اس مُدّت میں میدانِ جنگ کے سب نشیب و فراز اور حالات کے سب تغیّرات پیش آئے، فتوحات بھی ہوئیں، عملداری بھی قائم ہُوئی، ایک دینی ریاست کا انتظام بھی کرنا پڑا، شکستیں بھی ہُوئیں، فتح کیا ہُوا علاقہ بارہا ہاتھ سے نکل نکل گیا، سالہا سال کے رُفقاء اور مُعتمدین کے ساتھ دغا بھی کی گئی، ایک ایک وقت میں بیسیوں کی تعداد میں برسوں کے ساتھیوں کی اچانک شہادت کی خبر بھی سننے میں آئی، دن رات کے ساتھیوں اور عُمر بھر کے رفیقوں کو بارہا اپنے ہاتھ سے قبر میں اُتارا، وفادار رفیقوں اور جانبازوں کا جو قیمتی سرمایہ ہندوستان سے لے کر چلے تھے، اس میں برابر کمی واقع ہوتی رہی، جن توقعات

کے ساتھ ہندوستان سے رُخصت ہُوئے تھے، اُن میں سے بہت کم پوری ہُوئیں، جن سے مدد کی اُمید تھی، اُنھوں نے مدد کے بجائے دھوکا دیا اور زک پہنچانے سے باز نہ آئے، برسوں کی کھیتی دنوں اور گھنٹوں میں لُٹ پُھنک گئی، تنگی ترُشی، مسلسل فاقے، مسلسل آزمائشیں رہیں، لیکن اس مجاہد کی پیشانی پر کبھی بل نہیں پڑا۔ بارہا سیّد صاحبؒ کی رائے سمجھ میں نہیں آئی، لیکن اطاعتِ امیر اور محبت و تعلق میں کبھی فرق نہیں آیا۔ زمانے کے امتداد، سلسلۂ جنگ کی طوالت اور اُس کی پیچیدگیوں اور بار بار کی قسمت آزمائی نے کبھی طبیعت پر اثر نہیں کیا۔ جو جذبات، جو یقین اور جو شوق لے کر آئے تھے، اُس میں کوئی افسردگی پیدا نہیں ہُوئی اور بالآخر عین میدانِ کارزار میں اپنے محبوب مقصد کے لیے اپنے محبوب امام و رفیق کے ساتھ راہِ خُدا میں سر دے کر ثابت کر دیا کہ

جو تجھ بن نہ جینے کو کہتے تھے ہم
سو اُس عہد کو ہم وفا کر چلے

مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ (۳۳:۲۳)

مولانا نے اپنے ایک فارسی مکتوب میں لکھا تھا:

"رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، کی طرف نسبت کرنے والے مُسلمان کو لازم ہے کہ جان و مال اور عزّت و آبرُو کی اِس راہ میں بازی لگا دے اور اس کو اپنی عین سعادت سمجھے اور موافق و مخالف کی ترقی و تنزّل کو قدرتِ الٰہی کے حوالے کر دے بقولِ شخصے ؎　بخت اگر مدد کُند، دامنش آورم بکف
گر بکشم، زہے طرب! ور بکشد، زہے شرف!

بالاکوٹ کے معرکے نے ثابت کر دیا کہ اللہ نے فتح و غلبہ کی مسرّت و طرب کے بجائے ان کو فدائیت و شہادت کا شرف عطا فرمایا اور رضا و قبول کے دستِ شفقت نے اُن کو اپنی آغوشِ رحمت کی طرف کھینچ لیا۔ وَ مَا عِنْدَ اللّٰهِ خَيْرٌ لِّلْاَبْرَارِ (۳ : ۱۹۸)

مولانا کی دُوسری فضیلتیں تو رہیں بر طرف، اُن کی شہادت مُسلّم ہے اور شُہداء کی مغفرت مُسلّم!

لیکن ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۸ھ سے لے کر آج تک کم و بیش ۱۳۶ برس کے طویل عرصے میں شاید ہی کوئی ایسا دن طلوع ہوا ہو، جس کی صبح کو اس شہیدِ اسلام کی تکفیر و تضلیل کا کوئی فتویٰ نہ نکلا ہو، لعنت اور سب و شتم کا کوئی صیغہ نہ استعمال کیا گیا ہو۔ فقہ و فتاویٰ کی کوئی دلیل ایسی نہیں، جو اُس کے کُفر کے ثبوت میں پیش نہ کی گئی ہو۔ وہ ابوجہل و ابولہب سے زیادہ دشمنِ اسلام، خوارج و مُرتدین سے زیادہ مارق من الدین و خارج از اسلام، فرعون و ہامان سے زیادہ مستحقِ نار، کفر و ضلالت کا بانی، بے ادبوں اور گستاخوں کا پیشوا، شیخ نجدی کا مُقلد و شاگرد بتایا گیا! یہ اُن لوگوں نے کہا، جن کے جسمِ نازک میں آج تک اللہ کے لیے ایک پھانس بھی نہیں چُبھی، جن کے پیروں میں اللہ کے راستے میں کبھی کوئی کانٹا نہیں گڑا، جن کو (خون چھوڑ کر کہ اس کا اُن کے یہاں کیا ذکر؟) اسلام کی صحیح خدمت میں پسینے کا ایک قطرہ بہانے کی سعادت بھی حاصل نہیں ہوئی! یہ اُن لوگوں نے کہا، جن کی ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں کی عزّت و عصمت بچانے کے لیے اُس نے سر کٹایا! کیا اُس کا یہی گناہ تھا اور کیا دنیا میں احسان فراموشی کی اس سے بڑھ کر نظیر مل سکتی ہے؟ جس وقت پنجاب میں مسلمانوں کا دین و ایمان، جان و مال، عزّت و آبرو محفوظ نہ تھی، سکھ اپنے گھروں میں مسلمان عورتیں ڈال لیتے تھے، مساجد کی بے حُرمتی ہو رہی تھی اور اُن میں گھوڑے باندھے جاتے تھے، اُس وقت یہ غیرتِ ایمانی و حمیّتِ اسلامی کے مُدّعی کہاں تھے؟

رکھیو غالبؔ مجھے اس تلخ نوائی میں معاف
آج کچھ درد مرے دل میں سوا ہوتا ہے

دربارِ لاہور میں بالاکوٹ کے واقعے کی اطلاع اور مہاراجہ کی مسرّت و جشن شادمانی

کیپٹن سی ایم ویڈ (C.M.WADE) پولٹیکل ایجنٹ نے گورنر جنرل کے سیکرٹری مسٹر ایچ ٹی پرنسپ (H.T.PRINCEP) کو ۱۷ مئی ۱۸۳۱ء کو (معرکۂ بالاکوٹ سے گیارہ روز بعد) کیمپ دسویہ سے جو خط شملے بھیجا، اُس میں لکھتا ہے:

"رنجیت سنگھ اِس فتح (بالاکوٹ) کی اطلاع کی خوشی سے باغ باغ ہو گیا، جس نے اُس کو اس دردسری اور پریشانی سے نجات دی جس میں اُس کی حکومت مسلسل کئی سال سے مُبتلا تھی۔ اُس نے حُکم جاری کیا کہ سرکاری طور پر سلامی کی توپیں سر ہوں اور

امرتسر میں اس واقعے کی مسرّت و شادمانی میں چراغاں کیا جائے۔"

مسٹر سی ایم وِیڈ کے دُوسرے خط میں، جو دُوسرے روز ۱۸ مئی ۱۸۳۱ء کو لکھا گیا، حسبِ ذیل اضافہ ہے۔ یہ خط مہاراجہ کے اخبار نویس کی اُس تحریر کا ترجمہ ہے، جو ۱۴ مئی ۱۸۳۱ء کو لکھی گئی :

"مہاراجہ نے (بالاکوٹ کی) فتح کی اطلاع سے مسرور ہو کر قاصد کو، جو یہ خبر لایا تھا، سونے کے کنگن کی ایک جوڑی انعام میں دی، جن کی قیمت تین سو روپے تھی۔ اس کے علاوہ ایک شالی پگڑی بھی عنایت کی۔ مہاراجہ نے کنور شیر سنگھ کو خط لکھا، جس میں اُن کے مُراسلے کی رسید دی اور اُن کی اس گراں قدر خدمت پر اظہارِ خوشنودی فرمایا، اور لکھا کہ جب وُہ واپس آئیں گے، تو اُن کو اِس خدمت کے صِلے میں ایک نئی جاگیر عطا کی جائے گی۔ ایک فرمان فقیر امام الدین حاکمِ گووند گھر کے نام صادر ہُوا کہ وُہ اِس واقعے کی مسرّت میں اس قلعے کی ہر بندوق سے گیارہ فیر سلامی کے سر کریں۔

مسٹر وِیڈ اِسی خط میں لکھتا ہے :

"اب جبکہ سکھوں نے سیّد (صاحب) کے قضیے سے فراغت پالی ہے، جنھوں نے سکھوں کی جنگی قوّت کو پانچ سال تک مشغول رکھا، اب غالباً وُہ اپنی سرگرمیوں کے لیے نیا مَیدان تلاش کریں گے۔"

اِن خطوط کے جواب اور بالاکوٹ کے واقعے کی اِطّلاع پر ۲۳ مئی ۱۸۳۱ء کو گورنر جنرل کے سیکرٹری نے شملے سے کیپٹن سی ایم وِیڈ، پولٹیکل ایجنٹ، لُدھیانہ کو ایک خط میں ہدایت کی کہ اگر سیّد صاحبؒ کے مقابلے میں شیر سنگھ کی کامیابی اور مجاہدین کے قضیے کے اِختتام کی اِطّلاع کی تصدیق ہو جائے، تو آپ کو گورنر جنرل کی طرف سے مہاراجہ کو اِس فتح پر مُبارکباد پیش کرنی چاہیے۔[1]

---

[1] نقل از گورنمنٹ ریکارڈ آفس، مغربی پاکستان، مُصدّقہ حکومتِ پاکستان

فہرستِ شہداءِ بالاکوٹ

بہ ترتیبِ حُروفِ تہجّی

جنگِ بالاکوٹ میں غازی تین سَو سے زیادہ شہید ہُوئے، مگر جن صاحبوں کے نام راویوں کو یاد رہے، وُہ یہ ہیں:[1]

ا

(۱) حضرت امیرالمومنین سیّد احمد رحمۃ اللہ علیہ (۲) مولانا شاہ مُحمد اسمٰعیل رح

(۳) (دادا) سیّد ابوالحسن نصیرآبادی (۴) مرزا احمد بیگ بانکے (پنجابی)

(۵) مولوی احمد اللہ ناگپوری برادرِ عم زادِ مولانا عبدالحی صاحب

(۶) قاضی احمد اللہ میرٹھی (۷) مُحمد اسحٰق پنج تنی

(۸) شیخ مُحمد اسحٰق گورکھپوری (۹) اصغر علی درگاہی غازی پوری

(۱۰) اللہ بخش انبالوی (۱۱) اللہ بخش عظیم آبادی

(۱۲) اللہ بخش باغپتی (۱۳) اللہ داد عظیم آبادی

(۱۴) اللہ داد (وطن نامعلوم) (۱۵) حافظ اِلٰہی بخش کیرانوی

(۱۶) امام الدین ساکنِ بمبئی (۱۷) شیخ امام علی محی الدین پوری، علاقۂ الٰہ آباد

(۱۸) شیخ امام علی الٰہ آبادی (جو غازیوں سے قواعد لیتے تھے)

(۱۹) میر امانت علی ساڈھورہ (۲۰) شیخ امجد علی غازی پوری فرزند شیخ فرزند علی رئیسِ غازی پور

(۲۱) حافظ امیر خاں

(۲۲) سیّد امیر علی جائسی (۲۳) حافظ امیر الدین گڈھ مکتیسری

---

[1] یہ فہرست زیادہ تر میاں خدا بخش، اِلٰہی بخش، شیر محمد خاں رامپوری، شیخ محب اللہ، محمد امیر خاں قصوری، نجم الدین شکارپوری اور مولوی سید جعفر علی لبستوی کی یادداشت اور بیانات پر مبنی ہے۔

(۲۴) سید امیر الدین ساکن بگھرا　　(۲۵) شیخ امیر الدین

(۲۶) شیخ امیر اللہ تھانوی

ب

(۲۷) بادل خاں بانس بریلوی　　(۲۸) مولوی باقر علی عظیم آبادی

(۲۹) بخش اللہ خاں (برادر مہر علی انبالوی)　　(۳۰) بخش اللہ خاں بہادر گڈھی

(۳۱) بخش اللہ خاں، (بارہ بستی)　　(۳۲) بخش اللہ خان لوہری

(۳۳) حاجی برکات عظیم آبادی　　(۳۴) شیخ بلند بخت دیوبندی

(۳۵) شیخ بہادر علی پھلتی　　(۳۶) بھیکن شاہ پوری

(۳۷) ارباب بہرام خان تہکالی

ت

(۳۸) توکل پھلتی

ج

(۳۹) مرزا جان ساکن چنبئی　　(۴۰) مرزا جان کا لڑکا (جس کا نام معلوم نہیں)

چ

(۴۱) چاند خاں ناگوری　　(۴۲) سید چراغ علی ساکن پٹیالہ

ح

(۴۳) حسن خاں بنارسی　　(۴۴) حسن خاں ساکن زمانیہ

(۴۵) مرزا حسین بیگ　　(۴۶) شیخ حماد

(۴۷) حیات خاں خیر آبادی

خ

(۴۸) خدا بخش لکھنوی شاگرد حافظ مولوی عبد الوہاب لکھنوی

(۴۹) خدا بخش الہ آبادی (۵۰) خدا بخش غازی پوری (ابن اصغر علی درگاہی)

(۵۱) منشی خواجہ محمد حسن پوری (۵۲) خیر اللہ ساکن امروہہ

(۵۳) خیر اللہ کے والد (نام نامعلوم)

د

(۵۴) داؤد خاں خورجوی (۵۵) داؤد خاں ساکن پٹیالہ

(۵۶) شیخ درگاہی غازی پوری (۵۷) دلاور خاں گورکھپوری

ر

(۵۸) راجا (غالباً سید صاحبؒ کے ہم وطن تھے) (۵۹) راحت حسین عظیم آبادی

(۶۰) رحیم بخش الہ آبادی (۶۱) رحیم اللہ سہارنپوری

(۶۲) روشن سقا ساکن کوٹلی (۶۳) سید زین العابدین (پشاور)

س

(۶۴) سخاوت رامپوری (۶۵) سرانداز خاں ساکن پھلی

(۶۶) سلو خاں دیوبندی

ش

(۶۷) شیخ شجاعت علی فیض آبادی (۶۸) شرف الدین چغتائی دہلوی

(۶۹) شرف الدین بنگالی (۷۰) شمس الدین ساکن ہریانہ

(۷۱) شیر جنگ خاں خالص پوری

ص

(۷۲) حافظ محمد صابر تھانوی (۷۳) صندل خاں پنجابی

ض

(۷۴) سید ضامن شاہ ساکن درۂ کاغان (۷۵) شیخ ضیاء الدین پھلتی

ع

(۷۶) عبدالجبار خاں شاہجہانپوری
(۷۷) عبدالرحمٰن ناگپوری
(۷۸) عبدالرؤف پھلتی
(۷۹) عبدالسبحان خاں گورکھپوری
(۸۰) عبدالعزیز دیوبندی
(۸۱) عبدالقادر جھنجھانوی
(۸۲) عبدالقادر غازی پوری
(۸۳) حافظ عبدالقادر ساکن میان دوآب
(۸۴) عبدالقادر (وطن نامعلوم)
(۸۵) میاں جی عبدالکریم ساکن انبیٹھ
(۸۶) عبداللہ دہلوی (خادمِ خاصِ امیر المومنین)
(۸۷) عبداللہ خاں گورکھپوری
(۸۸) عبداللہ (غالباً پانی پتی)
(۸۹) عبدالمنان بنارسی
(۹۰) مولوی حافظ عبدالوہاب لکھنوی (قاسمِ غلہ)
(۹۱) عبداللہ (نومسلم)
(۹۲) عظیم اللہ خاں ساکن اکوڑہ
(۹۳) قاضی علاء الدین بگھرا
(۹۴) علی خاں سہارنپوری
(۹۵) علیم الدین بنگالی

غ

(۹۶) غازی الدین (وطن نامعلوم)
(۹۷) غلام محمد پانی پتی (والد محمد حسن پانی پتی)

ف

(۹۸) فرجام علی خاں ساکن ضلع سہارنپور (خادمِ خاصِ امیر المومنین)
(۹۹) فیض الدین بنگالی
(۱۰۰) فیض اللہ (تحت ہزارے کا)
(۱۰۱) فیض اللہ رشیدی

ق

(۱۰۲) قادر بخش ساکن لہاوی
(۱۰۳) قادر بخش ساکن کنج پورہ
(۱۰۴) قادر بخش (وطن نامعلوم)
(۱۰۵) قلندر خاں قندھاری
(۱۰۶) حکیم قمر الدین پھلتی
(۱۰۷) مولوی قمر الدین عظیم آبادی

ك

(۱۰۸) کریم بخش خیاط لکھنوی

(۱۰۹) کریم بخش ساکن ساڈھورہ

(۱۱۰) کریم بخش

(۱۱۱) شیخ کریم بخش سہارنپوری

ل

(۱۱۲) لُطف اللہ بنگالی

(۱۱۳) لعل محمّد مہاجر پرانغاری

م

(۱۱۴) محمّد حسن پانی پتی (ابنِ غلام محمّد)

(۱۱۵) شیخ محمّد رضا ساکن ضلع میرٹھ

(۱۱۶) محمّد عرب

(۱۱۷) محمّد معصوم علی عظیم آبادی

(۱۱۸) شیخ محمّد علی غازی پوری

(۱۱۹) منشی محمّدی انصاری

(۱۲۰) محمود خاں لکھنوی

(۱۲۱) مُراد خاں خورجوی

(۱۲۲) مرزا مرتضیٰ بیگ لکھنوی

(۱۲۳) سیّد مردان علی میران پوری

(۱۲۴) مشرف خاں گورکھپوری

(۱۲۵) حافظ مُصطفےٰ جھنجھانوی

(۱۲۶) حافظ مُصطفےٰ کاندھلوی

(۱۲۷) سیّد مظفر حُسین بنگالی

(۱۲۸) معمور خاں لکھنوی

(۱۲۹) منصُور خاں گورکھپوری

(۱۳۰) منور خیاط لکھنوی

(۱۳۱) مولا بخش میواتی ساکن نوح ضلع گوڑگانواں

(۱۳۲) مہربان خاں (بانگرمئو)

(۱۳۳) میاں جی چشتی بڈھانوی

ن

(۱۳۴) نبی حسین عظیم آبادی

(۱۳۵) نتھے خاں ساکن ہزارہ

(۱۳۶) شیخ نُصرت بانس بریلوی

(۱۳۷) شیخ نصر اللہ خورجوی

(۱۳۸) نواب خاں ساکنِ گرتنی

(۱۳۹) مولوی سیّد نور احمد ساکن نگرام مؤرخ اسلام

(۱۴۰) نور بخش جرّاح ساکنِ شاملی

(۱۴۱) نور علی لکھنوی

(۱۴۲) نور محمد ناگوری

و

(۱۴۳) وزیر خاں سیواتی　　(۱۴۴) ولی داد خاں خرجری

○

شہدائے بالاکوٹ کا مقام و پیغام

اس معرکے میں وہ پاک نفوس شہید ہوئے، جو عالمِ انسانیت کے لیے رونق و زینت اور مسلمانوں کے لیے شرف و عزّت اور خیر و برکت کا باعث تھے۔ مردانگی و جوانمردی، پاکیزگی و پاکبازی، تقدّس و تقویٰ، اتّباعِ سُنّت و شریعت اور دینی حمیّت و شجاعت کا وہ عِطر، جو خدا جانے کتنے باغوں کے پھولوں سے کھینچا گیا تھا اور انسانیت اور اسلام کے باغ کا جیسا "عطرِ مجموعہ" صدیوں سے تیار نہیں ہوا تھا اور جو ساری دُنیا کو مُعطّر کرنے کے لیے کافی تھا، ۲۴ ذوالقعدہ ۱۲۴۶ھ کو بالاکوٹ کی مٹی میں مل کر رہ گیا۔ مسلمانوں کی نئی تاریخ بنتے بنتے رہ گئی۔ حکومتِ شرعی ایک عرصہ تک کے لیے خواب بے تعبیر ہو گئی۔ بالاکوٹ کی زمین اس پاک خون سے لالہ زار اور اس گنجِ شہیداں سے گلزار بنی، جس کے اخلاص و للّٰہیت، جس کی بلند ہمتی و استقامت، جس کی جُرأت و ہمت اور جس کے جذبۂ جہاد و شوقِ شہادت کی نظیر پچھلی صدیوں میں ملنی مُشکل ہے۔ بالاکوٹ کی سنگلاخ و ناہموار زمین پر چلنے والے بے خبر مسافر کو کیا خبر کہ یہ سرزمین کن عُشاق کا مدفن اور اِسلامیت کی کس متاعِ گرانمایہ کا مخزن ہے۔

یہ بُلبُلوں کا، صبا، مشہدِ مُقدّس ہے
قدم سنبھال کے رکھیو، یہ تیرا باغ نہیں

اللہ کے کچھ مخلص بندوں نے ایک مخلص بندے کے ہاتھ پر اپنے مالک سے اُس کی رِضا، اُس کے نام کی بلندی اور اُس کے دین کی فتحمندی کے لیے آخری سانس تک کوشش کرنے اور اس راہ میں اپنا سب کچھ مٹا دینے کا عہد کیا تھا۔ جب تک اُن کے دم میں دم رہا، اسی راہ میں سرگرم رہے۔

بالآخر اپنے خونِ شہادت سے اس پیمانِ وفا پر آخری مُہر لگا دی۔ یقین کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ۲۴ ذوالقعدہ کا دن گزر کر جو رات آئی، وہ پہلی رات تھی، جس رات کو وہ سُبک دوش و سُبک سر ہو کر میٹھی نیند سوئے۔

وہ خلعتِ شہادت پہن کر جس کریم کی بارگاہ میں پہنچے، وہاں نہ مقاصد کی کامیابی کا سوال ہے، نہ کوششوں کے نتائج کا مطالبہ، نہ شکست و ناکامی پر عتاب ہے، نہ کسی سلطنت کے عدمِ قیام پر محاسبہ۔ وہاں صرف دو چیزیں دیکھی جاتی ہیں: صدق و اخلاص اور اپنی مساعی اور وسائل کا پُورا استعمال۔ اس لحاظ سے شُہدائے بالاکوٹ اس دُنیا میں بھی سرخرو ہیں اور انشاء اللہ دربارِ الٰہی میں بھی باآبرو کہ اُنھوں نے اخلاص کے ساتھ اپنے مالک کی رضا کے لیے اپنی مساعی اور وسائل کے استعمال میں ذرہ برابر کمی نہیں کی۔ اُن کا وُہ خونِ شہادت، جو ہماری مادّی نگاہوں کے سامنے بالاکوٹ کی مٹی میں جذب ہو گیا اور اس کے جو چھینٹے پتھروں پر باقی تھے، ۲۶ ذوالقعدہ کی بارش نے اُن کو بھی دھو دیا، وُہ خون، جس کے نتیجے میں کوئی سلطنت قائم نہیں ہُوئی، کسی قوم کا مادّی و سیاسی عُروج نہیں ہُوا اور کوئی نخلِ آرزو اس سے سرسبز ہو کر بار آور نہیں ہُوا، اُس خون کے چند قطرے اللہ کی میزانِ عدل میں پُوری پُوری سلطنتوں سے زیادہ وزنی ہیں۔ یہ فقیرانِ بے نوا، جنھوں نے عالمِ مسافرت میں بے کسی کے ساتھ جان دی اور جن کی اب دُنیا میں کوئی مادّی یادگار نہیں، یہ اللہ کے ہاں اُن بانیانِ سلطنت اور مؤسسینِ حکومت سے کہیں زیادہ قیمتی اور معزز ہیں، جن کی تصویر قرآن نے ان الفاظ میں کھینچی ہے، وَإِذَا رَأَيْتَهُمْ تُعْجِبُكَ أَجْسَامُهُمْ وَإِنْ يَقُولُوا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَأَنَّهُمْ خُشُبٌ مُسَنَّدَةٌ۔ (المنٰفقون:۴)

بے شک شہدائے بالاکوٹ کے خون نے دُنیا کے سیاسی و جغرافیائی نقشے میں کوئی فوری تغیر نہیں پیدا کیا۔ خونِ شہادت کی ایک مختصر سی سُرخ لکیر اُبھری تھی۔ اُس کی جگہ نہ جغرافیہ نویس کے طبعی نقشے میں تھی، نہ مؤرخ کے سیاسی مُرقّع میں، لیکن کسے خبر کہ یہ خونِ شہادت دفترِ قضا و قدر میں کس اہمیت و اثر کا مستحق سمجھا گیا۔ اُس نے مسلمانوں کے نوشتۂ تقدیر کے کتنے دھبے دھوئے، اُس نے اللہ تعالیٰ کے یہاں جس کے یہاں محو و اثبات کا عمل جاری رہتا ہے (يَمْحُو اللَّهُ مَا يَشَاءُ وَيُثْبِتُ وَعِنْدَهُ أُمُّ الْكِتَابِ) (الرعد:۳۹)

کون سے نئے فیصلے کروائے، اُس نے کسی مستحکم سلطنت کے لیے خاتمہ و زوال اور کسی پس ماندہ قوم کے لیے عُروج و اقبال کا فیصلہ کروایا، اس سے کس قوم کا بخت بیدار ہُوا اور کس سرزمین کی قسمت جاگی اس نے کتنی بظاہر ناممکن الوقوع باتوں کو ممکن بنا دیا اور کتنی بعید از قیاس چیزوں کو واقعہ اور مشاہدہ بنا کے دکھا دیا۔

یُوں تو شہدائے بالاکوٹ میں سے ہر فرد کا پیغام یہ ہے کہ یَا لَیْتَ قَوْمِي یَعْلَمُونَ بِمَا غَفَرَ لِي رَبِّي وَجَعَلَنِي مِنَ الْمُكْرَمِينَ، مگر گوشِ شنوا اور دیدۂ بینا کے لیے ان کا مجموعی پیغام یہ ہے (یٰس:۲۶) کہ ہم ایک ایسے خطۂ زمین کے حصُول کے لیے جد و جہد کرتے رہے، جہاں ہم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکیں، جہاں ہم دُنیا کو اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کا نمونہ دکھا کر اسلام کی طرف مائل اور اُس کی صداقت و عظمت کا قائل کر سکیں، جہاں نفس و شیطان، حاکم و سلطان اور رسم و رواج کے بجائے خالص اللہ کی حکومت و اطاعت ہو، وَيَكُونَ الدِّينُ كُلُّهُ لِلّٰهِ، جہاں طاعت و عبادت اور صلاح و تقویٰ کے لیے اللہ کی زمین وسیع اور فضا سازگار ہو اور فسق و (العنکبوت:۵۶) فجور و معصیت کے لیے زمین تنگ اور فضا ناسازگار ہو، جہاں ہم کو صدیاں گزر جانے کے بعد پھر اَلَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ[1] کی تفسیر اور تصویر پیش کرنے کا موقع مل سکے۔ تقدیرِ الٰہی نے ہمارے لیے اس (الحج:۴۱) سعادت و مسرت اور اس آرزو کی تکمیل کے مقابلے میں میدانِ جنگ کی شہادت اور اپنے قُرب و رضا کی دولت کو ترجیح دی۔ ہم اپنے رب کے اس فیصلے پر رضامند و خورسند ہیں۔ اب اگر اللہ نے تم کو دُنیا کے کسی حصّے میں کوئی ایسا خطۂ زمین عطا فرمایا، جہاں تم اللہ کے منشا اور اسلام کے قانون کے مطابق آزادی کے ساتھ زندگی گزار سکو اور اسلامی زندگی اور اسلامی معاشرے کے قائم کرنے میں کوئی مجبوری مُخل اور کوئی بیرونی طاقت حائل نہ ہو، پھر بھی تم اس سے گریز کرو اور ان شرائط و اوصاف کا ثبوت نہ دو،

---

[1] جو یہ وہ لوگ کہ اگر ہم ان کو قُدرت دیں مُلک میں تو وہ قائم رکھیں نماز اور دیں زکوٰۃ اور حکم کریں بھلے کام کا اور منع کریں برائی سے۔ (الحج : ۴۱)

جو مہاجرین و مظلومین کے اقتدار اور سلطنت کا تمغۂ امتیاز ہیں[1] تو تم ایسے کُفرانِ نعمت اور ایک ایسی بدعہدی کے مرتکب ہو گے، جس کی نظیر تاریخ میں ملنی مشکل ہے۔ ہم نے جس زمین کے چپّے چپّے کے لیے جد و جہد کی اور اس کو اپنے خُون سے رنگین کر دیا، اکوڑے اور شیدو کے میدان اور تورو اور مایار کی رزم گاہ سے لے کر بالاکوٹ کی شہادت گاہ تک ہمارے خونِ شہادت کی مُہریں اور ہمارے شہیدوں کی قبریں ہیں۔ تم کو خدا نے اس زمین کے وسیع رقبے اور سرسبز و شاداب خطے سپرد فرمائے اور بعض اوقات قلم کی ایک جُنبش اور برائے نام کوشش نے تم کو عظیم سلطنتوں کا مالک بنا دیا، ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِي الْأَرْضِ مِنْ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ[2]، اب اگر تم اس سے فائدہ نہیں اٹھاتے اور تم نے آزادی کی اس نعمت اور خداداد سلطنت کی اس دولت کو جاہ و اقتدار کے حصُول اور حقیر و فانی مقاصد کی تکمیل کا ذریعہ بنایا، تم نے اپنے نفوس اور اپنے متعلقین، مُلک کے شہریوں اور باشندوں پر خدا کی حکومت اور اسلام کا قانون جاری نہ کیا اور تمھارے مُلک اور تمھاری سلطنتیں اپنی تہذیب و معاشرت اور اپنے قانون و سیاست اور تمھارے حاکم اپنے اخلاق و سیرت اور اپنی تعلیم و تربیت میں غیر اسلامی سلطنتوں اور غیر مُسلم حاکموں سے کوئی امتیاز نہیں رکھتے، تو تم آج دُنیا کی ان قوموں کے سامنے، جن سے تم نے مسلمانوں کے لیے الگ خِطّہ زمین کا مطالبہ کیا اور کل خدا کی عدالت میں جہاں اس امانت کا ذرّہ ذرّہ حساب دینا پڑے گا، کیا جواب دو گے؟ خدا نے تم کو ایک ایسا نادر و زرّیں موقع عطا فرمایا ہے، جس کے انتظار میں چرخِ کُہن نے سیکڑوں کروٹیں بدلیں اور تاریخِ اسلام نے ہزاروں صفحے اُلٹے، جس کی حسرت و آرزو میں خدا کے لاکھوں پاک نفس اور عالی ہمّت بندے دُنیا سے چلے گئے۔ اس موقع کو اگر تم نے ضائع کر دیا، تو اس سے بڑا تاریخی سانحہ اور اس سے بڑھ کر حوصلہ شکن اور یاس انگیز واقعہ نہ ہوگا۔ بالاکوٹ کے

---

[1] اذن للذین یقاتلون بانھم ظلموا و ان اللہ علی نصرھم لقدیر، الذین اُخرجوا من دیارھم بغیر حق الا ان یقولوا ربنا اللہ ولو لا دفع اللہ الناس بعضھم ببعض لھدّمت صوامع بیع و صلوات و مساجد یذکر فیھا اسم اللہ کثیرا و لینصرن اللہ من ینصرہ ان اللہ لقوی عزیز۔ (۲۲: ۳۹-۴۰)

[2] یونس، ع ۲ - ترجمہ: پھر ہم نے تم کو ان کے بعد زمین میں جانشین کیا تاکہ دیکھیں کہ تم کیسے عمل کرتے ہو۔

ان شہیدوں کا، جو ایک دُور اُفتادہ بستی کے ایک گوشے میں آسودۂ خاک ہیں، ان سب لوگوں کے لیے جو اقتدار و اختیار کی نعمت سے سرفراز اور ایک آزاد اسلامی مُلک کے باشندے ہیں پیغام ہے کہ فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ[1]

جماعت کی امارت اور نظم و نسق

میاں خدا بخش، الٰہی بخش، شیر محمد خاں رامپوری، محمد امیر خاں قصوری، لعل محمد جگدیس پوری اور وارو غہ عبد القیوم وغیرہ کہتے ہیں کہ لڑائی کے کھیت سے نکل کر ہم اکثر لوگ پہاڑ کی آڑ میں چشمے پر جمع ہُوئے۔ کچھ لوگ آگے بھی چلے گئے۔ وہیں چشمے پر دو یا تین غازی مولوی خیر الدین صاحب کے ہمراہی آ پہنچے اور کہنے لگے: بھائیو، ہراساں نہ ہونا۔ مولوی صاحب کے سب ہمراہی مجاہدین پیچھے آتے ہیں پھر جب ہم لوگوں نے لڑائی میں شکست ہونے کا حال بیان کیا، تب وُہ بھی ایک سکوت کے عالم میں رہ گئے۔ ہم لوگوں میں سے ہر ایک حضرت علیہ الرحمۃ کے غمِ فراق میں اس قدر پراگندہ خاطر اور حواس باختہ تھا، جیسے مجنون اور سودائی ہوتا ہے۔ کوئی کسی کا پُرسانِ حال نہ تھا۔ وہاں سے سب لوگ چل کر ناصر خاں کے گاؤں انگرائی میں ٹھیرے، وہاں سے میاں کلی ٹھیرتے ہُوئے درہ ندھیار میں موضع شملئی پہنچے۔ جب ہم لوگ موضع بُنیر پہنچے، تو وہاں کے خان بہرام خاں خیل نے، جو حبیب اللہ خاں کا بڑا بھائی تھا، ہم سب کو تسلی دے کر بُنیر میں ٹھیرایا۔ بیبی صاحبہ معظمہ مکرمہ ہم لوگوں سے ایک یا دو روز پہلے راج دواری سے آ کر بُنیر کے پہاڑ پر ایک گوجر کے مکان میں ٹھیری تھیں۔ جو غازی لڑائی کے روز جا بجا اِدھر اُدھر پراگندہ ہو گئے تھے، وُہ بھی آ کر ہم لوگوں میں شریک ہو گئے۔ مولوی سیّد نصیر الدین صاحب منگلوری جو موضع بھوگرمنگ میں تیس تیئیس آدمیوں کے ساتھ متعیّن تھے، وُہ بھی اپنے لوگوں سمیت آ کر شریک ہُوئے اور جو لوگ سچون میں بیمار رہتے، وُہ بھی آئے۔ اس روز شام کو تقریباً سات سَو آدمیوں کی جنس تقسیم ہُوئی۔

---

[1] سُورۂ محمدؐ، ع ۔ ترجمہ: کیا یہ احتمال بھی ہے کہ اگر تمھاری حکومت ہو تو تم زمین میں فساد کرو اور قطع رحمی سے کام لو۔

اس سے اگلے روز لوگوں میں پراگندگی کی ایک صورت ظاہر ہوئی، کیونکہ تمام لوگ بے سوار تھے۔ اُن پر ایسا کوئی امیر نہ تھا کہ اُس کے رعب سے دبے رہیں۔ جس کے دل میں جو بات آتی تھی، وہ کہتا تھا۔ کسی نے ہند کا ارادہ کیا، کسی نے سندھ کا، کسی نے کابل اور قندھار کا۔ بعضوں نے کہا کہ ہم تو امیر المومنین کی بیوی صاحبہ کے ساتھ ہیں۔ اُن کو چھوڑ کر کہیں نہ جائیں گے۔ غرض، ہر کوئی اپنی علیحدہ تقریر کرتا تھا اور شیخ ولی محمد صاحب پھلتی کا یہ حال تھا، جیسے کوئی دیوانہ یا مست ہوش باختہ ہوتا ہے۔ سب کی باتیں سنتے تھے اور جواب کسی کو نہ دیتے تھے۔ حضرت کے غم فراق سے ہوش و حواس برجا نہ تھے۔ یہی حال اکثر لوگوں کا تھا۔ جو شخص حضرت سے جس قدر محبت اور دلی اخلاص رکھتا تھا، اسی قدر اس کو غم تھا۔ جو کوئی شیخ صاحب موصوف سے کہتا کہ حضرت امیر المومنین کے رُو برُو بھی آپ ہم سب کے سردار تھے اور اب بھی آپ ہی سردار ہیں۔ تمام مُجاہدین متفرق ہوئے جاتے ہیں، بلکہ بہت لوگ دو دو، چار چار کر کے چلے بھی گئے۔ اگر دو چار روز یُوں ہی بے انتظامی اور پراگندگی رہی، تو لشکر ختم ہو جائے گا۔ آپ اس کا جلد تدارک کریں تاکہ غازیوں کا بیڑا قائم رہے۔ شیخ صاحب اس کے جواب میں کہتے تھے کہ مجھ سے کچھ کام نہیں۔ جو چاہے، سو رہے؛ جو چاہے، سو چلا جائے۔ مَیں تو حضرت کی بیوی صاحبہ کے ساتھ ہُوں اور اُنھیں کا فرماں بردار اور خدمت گزار ہُوں۔ لیکن آخر شیخ حسن علی صاحب، سید نصیر الدین صاحب منگلوری اور مولوی حاجی قاسم صاحب پانی پتی کے اصرار اور سمجھانے سے شیخ صاحب راضی ہو گئے اور ان تینوں صاحبوں نے لشکر کے تمام افسروں کو بلوایا اور اُن سے یہ حال بیان کیا۔ سب خوش ہو کر اس پر راضی ہو گئے اور سب نے اتفاق کر کے شیخ صاحب کو اپنا امیر بنایا اور اُن کی اطاعت اور فرمانبرداری کا عہد کیا۔[1]

○

---

[1] جماعت مجاہدین نے اس کے بعد سیّد صاحبؒ کے جانشینوں اور اپنے اُمرا جماعت کے ماتحت جہاد و جد و جہد کا جو سلسلہ جاری رکھا، وہ سرفروشی و جانبازی، اخلاص و وفاداری، عالی ہمتی اور اولوالعزمی اور ثبات و استقامت کی ایک مسلسل تاریخ ہے جس کے لیے ایک علیحدہ کتاب کی ضرورت ہے۔

چھیالیسواں باب

فطری اخلاق و اوصاف

اخلاق و اوصاف کا مرکزی نُقطہ | سیّد صاحبؒ کے اخلاق و اوصاف کا مرکزی نقطہ اور نمایاں وصف یہ ہے کہ آپ میں آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم سے مناسبتِ تامّہ اور مزاج نبوی سے طبعی و ذوقی اِتحّاد نظر آتا ہے۔ آپ کے حالات و اخلاق کا جو شخص دیانتداری اور غیر جانبداری کے ساتھ مطالعہ کرے گا، وہ آپ کے فیصلوں، طبعی رُجحانات اور حدیث و سیرت کے واقعات میں بکثرت توارُد پائے گا۔ اور یہی طبعی مناسبت کے معنی ہیں کہ جہاں علم نہ ہو، وہاں بھی بے تکلف طبیعت اسی طرف مائل ہو جائے۔ جدھر آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کا میلان ہوتا۔ سلامتِ طبع، توازنِ دماغی، اعتدال و توسط، جامعیت، معاملہ فہمی، سادگی کے ساتھ گہرا فہم، حیا کے ساتھ جُرأت و اظہارِ حق، تحمّل و عفو کے ساتھ حمیّتِ شرعی اور غیرتِ دینی، شفقت کے ساتھ جذبۂ جہاد و اجرائے حدُود، ذوقِ عبادت کے ساتھ ذوقِ جہاد و شوقِ شہادت، مسلمانوں کے معاملے میں لینت و رفق کے ساتھ اہلِ کُفر پر شدت، قناعت و استغنا کے ساتھ عالی ہمتی و بلند حوصلگی، فقر اور فاقے کی حالت میں سخاوت و دریا دلی، رُفقا کے ساتھ مساوات و اشتراکِ عمل، شجاعت و قوّتِ قلب کے ساتھ رِقّتِ قلب و لطافتِ نفس، صبر و تحمل کے ساتھ نزاکتِ فہم و ذکاوتِ حس، تواضع کے ساتھ وقار و ہیبت، مروّجہ علوم کے بغیر اعلیٰ درجے کی حکمت و فقاہت،

بسط و تفصیل کے بجائے اجمال و اختصار، فروع و جزئیات کے بجائے اُصول و کُلّیات کی طرف رُجحان، اپنی ذات کے لیے کبھی انتقام نہ لینا، نہ کسی کا دل توڑنا، احکام و حُدود کے سلسلے میں کسی کی پروا نہ کرنا، ہر شخص کے ساتھ اس طرح برتاؤ کرنا کہ وہ یہ سمجھے کہ اس سے زیادہ مُقرّب و محبُوب کوئی نہیں، لیکن حدیث أمرنا رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم أَنْزِلُوا النَّاسَ مَنَازِلَهُمْ[1] (لوگوں کو ان کے مرتبوں پر رکھو) پر پُورا عمل۔ یہ وُہ اَوصاف و خصُوصیات ہیں، جن میں شمائل نبوی کا پرتو صاف نظر آئے گا۔ یہ اتباعِ سُنّت اور اقتدائے کامل کا وہ اعلیٰ درجہ ہے، جو فطری مناسبت، تربیتِ ربّانی اور سنّت میں فنا ہُوئے بغیر عموماً حاصل نہیں ہوتا، مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادیؒ نے اس حقیقت کو بڑی سادگی سے اِن الفاظ میں بیان کیا ہے:

"حضرت کے پہچاننے کو تھوڑی سی سیدھی عقل، اور حدیث سے تھوڑی سی واقفیت چاہیے کہ اکثر اولیاء اللہ کو بعض انبیا کا پرتو عنایت ہوتا ہے۔ ہمارے حضرت کو اللہ نے پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو عنایت کیا اور گروہ پر حضرت کے صحابہ کا پرتو ڈالا کہ لوگوں کے دل میں اتباعِ سُنّت کی محبت اور ایمان کی غیرت حد سے زیادہ ہُوئی۔ اللہ کا دین زیادہ ہونے کے واسطے دل بے قرار ہونے لگا۔"[2]

ہم یہاں مختلف عنوانات کے ماتحت آپ کے اخلاق و اوصاف کو بیان کرتے ہیں۔

اِعتدال و توسّط | مولوی سیّد جعفر علی صاحبؒ منظورۃ السّعداء میں لکھتے ہیں:

مولانا اسمٰعیل می فرمودند کہ ہر چند مردم بسیار براہِ راست آمدہ اند، لیکن آنچہ می خواہم ہیچکس از ایشاں اختیارِ آں وضع نہ نمودہ اند و آں راہِ توسّط است در افراط و تفریط کہ وز ملازمینِ صحبتِ حضرت امیر المومنین یافتہ می شود۔ و من ہر چند سعی بسیار

مولانا اسمٰعیل فرماتے ہیں کہ اگرچہ بہت کثرت سے لوگ راہِ راست پر آگئے ہیں، لیکن اُن میں سے کسی نے وہ وضع اختیار نہیں کی، جو مَیں چاہتا ہُوں اور وُہ افراط و تفریط کے درمیان توسّط و اعتدال کی راہ ہے، جو حضرت سیّد صاحب کے صحبت یافتہ لوگوں میں پائی جاتی ہے مَیں

---

[1] حدیثِ نبویؐ، روایتِ ابوداؤد بروایت ام المومنین عائشہ رضؓ۔

[2] رسالۂ دعوت مشمولہ مجموعۂ رسائل تسعہ از مولانا ولایت علی عظیم آبادی علیہ الرحمۃ صـ۶۴

می نمایم کہ آں طریقہ توسّط بتعلیم یافتگان از من حاصل شود، لیکن حسبِ مُرادِ من ہیچ یکے از ایشاں تعلیم قبول نمی کند، یا راہِ افراط می روند یا تفریط می کُنند۔

ہر چند کوشش کرتا ہُوں کہ ان لوگوں کو، جنھوں نے مجھ سے تعلیم حاصل کی ہے، وُہ راستہ حاصل ہو، لیکن میرے منشا کے مطابق اُن میں سے کوئی وُہ تعلیم قبول نہیں کرتا یا افراط کے راستے پر چلتے ہَیں یا تفریط کرنے لگتے ہَیں۔

عالی ہمتی | مولوی سید جعفر علی صاحب لکھتے ہَیں :

"ہیچکس از صدہا سال بایں ہمتِ عالیہ مخلوق نشدہ"

صدیوں سے ایسا عالی ہمت پیدا نہیں ہُوا

آگے چل کر فرماتے ہَیں :

"نقل است کہ حکیم مہدی نائبِ سُلطانِ لکھنؤ کہ باوجودِ مذہبِ تشیع در فہم و فراست در اُمُورِ دُنیا و قدرشناسیِ اہلِ فضل و کمال یکتائے روزگار بُود، چوں بعضے غزواتِ آنجناب شنیدہ از راہِ عقل و انصاف گفت کہ آنچہ وسعتِ حوصلہ و ہمّتِ عالیِ ایں سیّد ست ازما و از سُلطانِ ما صورتِ امکان ندارد باآنکہ ما مالکِ مُلکِ عظیم ایم و اُو رئیسِ یک دیہ ہم نیست۔[1]

منقول ہے کہ اودھ کے نائب السلطنت حکیم مہدی جو تشیع کے باوجود دُنیاوی فہم و فراست اور اہلِ فضل و کمال کی قدرشناسی میں یکتائے روزگار تھے، سیّد صاحب کی بعض جنگوں کے واقعات سُن کر از راہِ عقل و انصاف ایک دن کہنے لگے کہ اس سیّد کی سی بلند حوصلگی اور عالی ہمتی تو ہم سے اور ہمارے بادشاہ (شاہِ اودھ) سے بھی ممکن نہیں، حالانکہ ہم ایک بڑی سلطنت کے مالک ہیں اور وُہ ایک دیہات کے بھی رئیس نہیں۔

مولوی صاحب موصوف یہ بھی فرماتے ہَیں :

حسن علی خاں، خانِ مقامِ سچون دُرہ بھوگڑمنگ کہ از درہ ہائے مُلکِ پکھلی است، چوں ابتدائے نامِ حضرت امام، و مجتمع شدنِ ناس برائے جہاد می شنید، می گفت کہ ایں سلطان و ایں لشکر چنانست کہ

حسن علی خاں نے، جو سچون، درۂ بھوگڑمنگ (ملک پکھلی) کے خان و رئیس تھے، جب شروع شروع میں سید صاحب کا نام سُنا اور معلوم ہُوا کہ لوگ جہاد کے لیے اُن کے پاس جمع ہوئے ہیں، تو وُہ یوں کہتے تھے کہ اس بادشاہ اور لشکر کی

---

[1] منظورۃ السعداء فی احوال الغزاۃ والشہداء (قلمی) از مولوی سیّد جعفر علی بلتوی

طفلاں از رُوئے بازی دلہ در خود سُلطانے مقرر می کنند و لشکرے از طفلاں برائے او مُہیّا می سازند۔ تا وقتیکہ شرفِ ملازمتِ آنحضرت نہ دریافتہ، جُز ایں سُخنے دیگر نمی گفت۔

وقتیکہ مولانا محمد اسمٰعیل با لشکرِ خود از سچون بہ بالاکوٹ رفتند و دائرۂ حشمتِ حضرتِ امیر المومنین در سچون رسید، ہماں حسن علی خاں بلاحظۂ جمالِ جہان آرائے حضرتِ امیر المومنین با یارانِ خود گفت کہ از ناصیۂ ایں امامِ ہمام چناں مفہوم می شود کہ اگر ارادۂ تسخیرِ ہفت اقلیم خواہد نمود عالمے زیرِ نگینِ او استقرار خواہد گرفت۔ و من بعد چوں در مجلسِ وعظِ آنجناب نشست، از غایتِ گریہ کہ در نصائحِ آنجناب در دلش اثرے پیدا کرد، تمام لحیہ اش از اشک تر گردید۔[1]

مثال ایسی ہے کہ بچے کسی کو اپنے میں سے بادشاہ بنالیں اور اُس کے لیے بچوں کا ایک لشکر تیار کریں؛ جب تک سیّد صاحب کی خدمت میں اُن کو باریابی حاصل نہیں ہُوئی، وہ اسی طرح باتیں کرتے تھے۔

جب مولانا محمد اسمٰعیل اپنے لشکر کے ساتھ سچوں سے بالاکوٹ تشریف لے گئے اور سیّد صاحب نے سچون میں نزُولِ اجلال فرمایا، وُہی حسن علی خاں آپ کو دیکھ کر اپنے دوستوں سے کہنے لگے کہ اس سردار کی پیشانی سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر ہفت اقلیم کو مُسخّر کرنے کا ارادہ کرے، تو ایک عالم کو زیر کرلے۔ اس کے بعد جب مجلسِ وعظ میں انھوں نے شرکت کی، تو سیّد صاحب کی نصیحتیں سُن کر شدّتِ گریہ سے یہ حال ہُوا کہ ڈاڑھی آنسوؤں سے تر ہوگئی۔

سخاوت و دریا دلی | اللہ تبارک و تعالیٰ جب اپنے کسی بندے کو شرحِ صدر کی دولت سے نوازتا ہے اور "قُلْ مَتَاعُ الدُّنْيَا قَلِيلٌ" کی حقیقت اس پر منکشف فرما دیتا ہے، تو اِس متاعِ قلیل کے کسی جُزو کو، جو اقلِّ قلیل ہے، وہ کبھی خاطر میں نہیں لاتا۔ اس دُنیا کی بڑی سی بڑی دولت اور نایاب سے نایاب تحفہ اُس کی نگاہ میں نہیں جچتا۔ بڑی سی بڑی چیز کے دے دینے میں اُس کو کبھی تامّل نہیں ہوتا۔ دیکھنے والوں کو اس سے استعجاب ہوتا ہے، مگر اُس کو اُن کے استعجاب پر استعجاب ہوتا ہے۔

نواب وزیر الدولہ مرحوم، جو خود والیِ ریاست تھے، اپنا تاثُّر ان لفظوں میں ظاہر کرتے ہیں:

---

[1] منظورۃ السعداء

"آپ نہایت درجہ سیر چشم، دریا دل اور شاہانہ مزاج کے انسان تھے طبیعت بحد مستغنی اور بے نیاز تھی۔ دُنیا کی دولت کو نگاہ اُٹھا کر نہ دیکھتے اور خزائنِ شاہی کو خاطر میں نہ لاتے۔"

آپ اپنا ہاتھ ہمیشہ اُونچا رکھتے۔ اُمراء اور والیانِ ریاست کا عُلماء و مشائخ اور شرفا و سادات کو تحفہ دینے کا دستور ہے، مگر آپ نے خود اُمراء اور والیانِ ریاست کو تحفہ دیا۔ لکھنؤ سے رُخصت کے وقت آپ نے ایک عُمدہ گھوڑی، جو بہت بلند اور قد آور تھی، جس پر آپ اُس وقت سوار تھے نواب معتمد الدولہ آغا میر نائب السّلطنت اودھ کو (جس کی داد و دہش کی دُنیا میں دُھوم تھی) بچے سمیت تحفے کے طور پر دی۔ نواب صاحب نے بہت عُذر کیا اور کہا کہ تین چار گھوڑے خود ہمارے اصطبل میں سے پسند فرما کر ہماری طرف سے قبول کیجیے۔ آپ نے فرمایا: نہیں، یہ گھوڑی تو آپ کو قبول کرنی ہوگی۔[1]

پائندہ خاں والیِ ریاستِ امب سے ملاقات ہُوئی، تو آپ نے اُس کو ایک دستار، ایک بہت بھاری ضرب توپ اور ایک ہاتھی عنایت فرمایا۔ سفرِ حج سے واپسی پر دیوان غلام مرتضیٰ نے ایک رُومی بندوق پیش کش کی تھی، جس میں سات دیدبان تھے۔ دیدبانوں کا حساب یہ تھا کہ ہر دیدبان سے دو سَو قدم فاصلہ بڑھ جاتا تھا۔ چنانچہ ساتویں دیدبان سے ایک ہزار چار سَو قدم کا فاصلہ ہوتا تھا۔ آپ نے یہ بندوق یار محمد خاں دُرّانی والیِ پشاور کو عطا فرما دی۔[2]

سُنّتِ نبوی کے مطابق کسی سوال کا رد کرنا تو آپ کے اصول کے بالکل خلاف تھا۔ کوئی شخص بیش قیمت سے بیش قیمت چیز کا سوال کر لیتا اور آپ کو کیسی ہی ضرورت ہوتی، کبھی اُس کی درخواست نامنظور نہ فرماتے اور وہ چیز اس کو ضرور عطا فرما دیتے۔

مولوی سیّد جعفر علی شیخ فرزند علی غازی پوری کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ایک روز شیخ غلام علی رئیسِ الہ آباد نے ایک تلوار پیش کی اور عرض کیا کہ ایسی بیش قیمت تلوار نواب لکھنؤ کے

---

[1] سیرتِ سیّد احمد شہیدؒ، جلد اوّل ص ۱۹۲ [2] ایضاً ص ۳۳۸

سلاح خانے میں بھی نہیں ہے۔ آپ نے اُس کو ملاحظہ فرمایا اور حاضرینِ مجلس نے بھی باری باری اُس کو دیکھا اور ہر ایک نے اُس کی بیحد تعریف کی۔ رامپور کے ایک پٹھان کھڑے تھے۔ اُنھوں نے کہا کہ حضرت، یہ تلوار مجھے عنایت ہو۔ آپ نے بلا تامّل اُن کو عنایت فرما دی۔ لوگوں کو بڑا تعجّب ہوا[1]۔

سخاوت و دریا دلی کا یہ معاملہ صرف دوستوں کے ساتھ نہ تھا، بلکہ جو ہمیشہ مخالفت و عداوت میں سرگرم رہے اور ایذا رسانی اور بیخ کنی کے درپے رہے، اُن کے ساتھ بھی یہی عنایت و الطاف تھے۔

پشاور میں جب سردار سلطان محمد خاں سے مُلاقات ہُوئی، تو آپ نے سردار موصوف سے فرمایا کہ خان بھائی، تم نے جو ارباب فیض اللہ خاں کی زبانی چالیس ہزار روپے خرچ کے واسطے دینے کا وعدہ کیا تھا، تو اب اُس کی فکر نہ کیجیے گا، ہم نے آپ کو معاف کیے، کیونکہ ہمارے پروردگار کے یہاں کسی بات کی کچھ کمی نہیں ہے۔ آپ ہمارے بھائی ہیں۔ آپ سے کسی طرح کا جُرمانہ یا تاوان لینا ہم کو منظور نہیں ہے۔

شجاعت اور اعتماد علی اللہ | آپ کی شجاعت اور اللہ تعالیٰ کی نُصرت پر اعتماد و توکّل اور بے خوفی کے واقعات بہت ہیں۔ ان میں سے صرف ایک واقعہ مولوی سیّد جعفر علی نقوی صاحب منظورۃ السعداء کی زبانی نقل کیا جاتا ہے:

"مہیار کی جنگ میں دُرّانی بارہ ہزار سے زائد کی تعداد میں میدان میں آئے۔ اُنھوں نے دو توپوں اور پیادوں کے لشکر کا رُخ قلعۂ مہیار کی طرف، جو مجاہدین کے قبضے میں تھا، کر دیا اور دو بڑی توپوں کو لشکرِ مجاہدین کی طرف سرکرنا شروع کیا۔ مجاہدین کے ہاتھ میں سوائے چند زمبورکوں کے ایک توپ بھی نہ تھی۔ اکثر توپیں اسب میں اور بعض بنچبار میں تھیں۔ اکثر آدمیوں نے حضرت سے توپوں کے منگوانے کے متعلق عرض کیا، حضرت نے فرمایا کہ ہم کو اللہ کی فتح و نصرت پر اعتماد ہے، توپوں اور زمبورکوں پر نہیں: وَمَا النَّصْرُ إِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ الْعَزِيزِ الْحَكِيمِ۔ اس وقت

---

[1] منظورۃ السُّعداء

کم و بیش پانسو سوار آپ کے ہمرکاب تھے اور تین ہزار کے قریب پیادے۔ مخالفین کے لشکر میں لوگوں کے تخمینے کے مطابق آٹھ ہزار سوار تھے۔ اُس وقت مشورہ یُوں ہُوا کہ اپنے سواروں کو، جو بہت قلیل ہیں، اُن کے سواروں کے مقابل کرنا مناسب نہیں، اگرچہ اپنے پیادے بھی اُن کے پیادوں کے مقابلے میں بہت کم ہیں، لیکن ہندوستانی پیادے بڑی ثابت قدمی دکھاتے ہیں۔ پھر یہ غازیوں کا لشکر ہے اور غازی جان دینے میں دریغ نہیں کرتے۔ اس لیے حضرت نے سواروں کو تاکیدِ شدید کی کہ پیادوں کے پیچھے رہیں۔ آپ خود اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر پیادوں کے گروہ میں تشریف لے گئے، جن کی صف مہیار کے باغیچے کے قریب پہنچ گئی تھی۔ کالے خاں رامپوری، جن کے ذِمّے صف آرائی کی خدمت تھی، توپ کے گولے سے شہید ہو گئے۔ چند اَور غازی بھی شہادت سے سرخرُو ہوئے۔ آپ نے پہلے پیادوں کی صف میں کھڑے ہو کر کچھ وصیّت کے طَور پر فرمایا کہ بھائیو، تم دشمن کے پیچھے ہرگز نہ دَوڑنا، دَوڑنے کو اپنے اُوپر حرام سمجھو۔ چونکہ قریب ہی فاصلے میں دَوڑنے والے کے ہاتھ پاؤں پھُول جاتے ہیں اور ہانپنے لگتا ہے، اِس لیے کسی کام کے قابل نہیں رہتا۔ ہاں، پھُرتی کے ساتھ پیدل ہی ان توپوں کی طرف بڑھو اور پھر مددِ الٰہی کا تماشا دیکھیو۔ یاد رکھو، اگر صف سیدھی رہے گی اور انتشار پیدا نہیں ہوگا، توپ کے ایک گولے سے ایک ہی آدمی مرے گا۔ ایک سے زائد کو نقصان نہیں پہنچے گا۔ اُس وقت آپ گھوڑے پر سوار صف کے آگے آگے توپ کی طرف بڑھ رہے تھے۔ ہمراہیوں میں سے ایک شخص نے گھوڑے کی لگام تھام کر عرض کیا کہ چونکہ پیادوں کی صف میں ایک اکیلا سوار دُور سے امیر معلوم ہوتا ہے، اس لیے گولہ انداز اسی کو تاک کر گولے کا نشانہ بناتا ہے۔ مناسب ہے کہ آنجناب اس وقت پیادہ ہو جائیں۔ آپ نے اس مشورے کو قبول کیا اور گھوڑے سے اُتر آئے اور پیادہ پا شیرِ ژیاں کی طرح توپ کی طرف بڑھے اور قرابینیوں اور بندوقوں کے چھوڑنے کا اُس وقت تک حُکم نہیں دیا جب تک کہ مخالفین کی ایک توپ تختے کے اُوپر سے گر نہیں گئی۔ اس وقت لشکرِ اسلام آہستہ آہستہ تکبیر کہہ رہا تھا۔ امان اللہ خاں لکھنوی بلند آواز سے جنگ پر اُبھار رہے تھے اور غیرتِ ایمانی میں ڈوبے ہُوئے جوش آفریں کلمات زبان سے کہہ رہے تھے۔ ریاست علی موہانی، جو منشی خانے میں

تھے، مولوی خرّم علی صاحب کے رسالۂ جہادیہ کے اشعار پڑھ رہے تھے۔ اُن میں سے دو شعر یہ ہیں:

آج گر اپنی خوشی جان خدا کو دو گے　　کل تو پھر شوق سے جنّت کے مزے لُوٹو گے

سر ٹپک پیر پگڑ گھر میں کا مرنا بہتر؟　　یا رہِ حق میں فدا جان کا کرنا بہتر؟

جب آپ اپنے تمام ہمراہیوں کے ساتھ توپ کے اتنے قریب پہنچے کہ بندوق کام کر سکتی تھی، گولہ انداز نے توپ چلانا موقوف کی اور ایک دو شمانچے، جن کو انگریزی میں گراپ کہتے ہیں، سر کیے۔ الحمدللہ جس طرح گولے اُوپر اُوپر سے نکل جاتے تھے، اسی طرح گراپ پاؤں کے سامنے گرے اور ایک دو کے سوائے کوئی زخمی نہیں ہُوا جس وقت فاصلہ اس سے بھی قریب رہ گیا، گولہ انداز توپ چھوڑ کر بھاگ کھڑے ہُوئے اور ہزاروں سواروں نے اس طرف حملہ کر دیا۔ اُس وقت آپ بھی دو بندوقیں، جو ایک ایک خادم کے ہاتھ میں تھیں، سر کرتے جاتے تھے اور قرابین بازوں اور تفنگچیوں کو بھی حکم دے رہے تھے۔ بندوقوں اور قرابین کی گولیوں سے دشمن کے سوار متفرق ہو گئے۔ دونوں لشکروں کے درمیان گھوڑوں اور سواروں کی لاشیں اس طرح پڑی ہُوئی تھیں کہ میدان میں چلنا مشکل تھا۔ آناً فاناً میدان صاف ہو گیا اور دونوں توپیں مجاہدین کے قبضے میں آگئیں۔"

عفو و حلم | اِسی شجاعت و قوت کے ساتھ عفو و حلم، تحمل و برداشت اور عالی ظرفی کی بھی حیرت انگیز مثالیں ملتی ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ساری شجاعت و قوت اور شدّت اہل کفر و نفاق اور اسلام کو نقصان پہنچانے والوں کے ساتھ تھی۔ ذاتی طور پر تکلیف دینے والوں اور قصوروار مسلمانوں کے ساتھ سراسر عفو و حلم اور معافی و درگزر کا معاملہ تھا۔ کثیر التعداد واقعات میں سے چند واقعات ذکر کیے جاتے ہیں:

"پیر داد خاں باشندہ لوہانی پور کی گائے حضرت کے خربوزے کے کھیت میں چلی گئی اور بہت نقصان کیا۔ چوکیداروں نے اُس گائے کو دُوڑا کر پیر داد خاں کے گھر پہنچا دیا۔ گائے دَوڑنے کی وجہ سے بہت سُست ہو گئی۔ پیر داد خاں نے بہت غصّہ کیا اور آپ کے پاس آکر بیٹھ گئے۔ چند اور شرفاء بھی وہاں موجود تھے۔ اس وقت ایک بہت خُوشرنگ اور عمدہ خربوزہ، جو فصل کا پہلا پھل تھا، اور

تین آم، جو موسم کے ابتدائی پھل تھے، رکھے ہُوئے تھے۔ آپ نے بڑی مہربانی اَور شفقت کے ساتھ اُن میں سے ایک آم میاں شیخ امان اللہ رائے بریلوی کو، جو ایک بزرگ آدمی تھے، عطا فرمایا اور دُوسرا آم دُوسرے صاحب کو دیا اور خربوزہ پیر داد خاں کو عنایت فرمایا۔ اُن دونوں بزرگوں نے تو تبرّکاً وُہ پھل لے لیے، لیکن پیر داد خاں نے وُہ خربوزہ وہیں آپ کے سامنے ڈال دیا اور کہا کہ مَیں نہیں لیتا۔ میاں شیخ امان اللہ کہنے لگے کہ یہ حضرت کا عطیہ ہے اور تمھارے لیے مُوجبِ برکت ہے، اس کو واپس نہیں کرنا چاہیے۔ وہ زیادہ غصّے میں آکر کہنے لگے کہ ہمارے لیے مُوجبِ برکت نہیں، موجبِ حرکت ہے اور بُرا بھلا کہنا شروع کر دیا اور بے ادبی اور گستاخی میں حد سے بڑھ گئے۔ آپ نے بڑی عاجزی اور انکسار سے معذرت کی اور فرمایا کہ مَیں فصل رکھانے والوں کو تنبیہ کروں گا۔ انھوں نے بہت بُرا کیا کہ تمھارے جانور کو تکلیف دی۔ اگر وہ جانور مر جاتا، تو ہم تم کو اُس کے عوض میں اُس سے اچھا جانور دیتے۔ اِتنا رنج نہ کرو۔ سیّد عبدالرحمٰن، جو اِس قصّے کے راوی ہیں، فرماتے ہیں کہ مَیں ایک کام سے بازار گیا ہُوا تھا۔ واپس آیا، تو کیا دیکھتا ہُوں کہ غلام رسُول خاں، جو آپ کے گھوڑوں کی دیکھ بھال پر مقرر تھے اور ذی عزّت آدمی تھے، غصّے کے مارے رو رہے ہیں۔ مَیں نے پوچھا: خاں صاحب، خیریت ہے؟ انھوں نے کہا کہ عجب قِصّہ ہے۔ اس بدتمیز آدمی نے حضرت کی شان میں گستاخی کی اور غیر مُہذّب الفاظ زبان سے نکالے اور حد سے بڑھ گیا۔ مَیں نے چاہا کہ اُس کو ڈانٹ دُوں اور اُس کو اس بدتمیزی سے باز رکھوں۔ حضرت تو انتہا درجے کے بُردبار ہیں، انھوں نے مجھے ڈانٹ دیا اور فرمایا کہ یہاں سے چلے جاؤ۔ مَیں آپ کے حکم کی تعمیل میں باہر آگیا۔ میاں امان اللہ نے پیر داد خاں کو بہت سمجھایا کہ اس قدر بے تمیزی اور بدلگامی شرفا کی شان کے خلاف ہے۔ پیر داد خاں اپنے گھر چلے گئے۔ سیّد علم الھُدیٰ اور سیّد فخر الدین، جو آپ کے بھائی بند تھے، غصّے سے بھرے ہُوئے آئے اور کہا کہ ہم اس بدتمیز کی مرمّت کریں گے۔ آپ نے فرمایا: خاموش رہو، ایسا نہیں چاہیے، نہیں تو اُس کی جُمعہ جماعت ترک ہو جائے گی۔ صبر کرو۔ سیّد عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ مَیں بھی غصّے سے بے قابُو ہو گیا۔ میں نے بھی اگر عرض کیا کہ یہ نالائق ایسی بدتمیزی کر کے یہاں سے سلامت چلا گیا۔ افسوس کہ میں

موجود نہ تھا! آپ نے اُن کو بھی ملامت کی اور کہا: تم بچے ہو، تم کیا جانو؟ اگر اُس سے جمعہ و جماعت فوت ہو جائے گی، تو اُس کے حق میں بڑی قباحت ہو گی۔ اس کے بعد آپ تیار ہوئے کہ میں خود معذرت کے لیے خاں صاحب کے پاس جاؤں گا۔ آپ کا معمول تھا کہ بڑی بہن سے ملنے کے لیے قلعے تشریف لے جایا کرتے تھے۔ آپ گھوڑے پر سوار ہوئے اور لوگ آپ کے ساتھ چلے۔ بہن سے مل کر آپ لوہانی پور خاں صاحب کے دروازے پر آئے۔ وہ آپ کی سواری دیکھ کر گھر میں گھس گئے۔ آپ گھوڑے سے اُتر کر دروازے پر بیٹھ گئے اور فرمایا: آج خاں صاحب سے خطا معاف کرائے بغیر نہیں جاؤں گا۔ خاں صاحب گھر سے باہر نہیں آتے تھے یہاں تک کہ گاؤں کے رؤسا و اشراف جمع ہو گئے۔ اُن کو بڑی ملامت کی اور اُن کا ہاتھ پکڑ کر سیّد صاحبؒ کے پاس کھینچ کر لے آئے۔ آپ اُن سے بغلگیر ہوئے اور اُن سے معافی چاہی اور فرمایا کہ اگر تمھاری گائے مر جاتی، تو ہم تمھیں اُس سے اچھی دیتے پھر آپ نے اُن کی ایسی دلجوئی اور خاطرداری کی کہ اُن کو راضی کر کے گھر واپس ہوئے۔ پیر داد خاں کے چھوٹے بھائی نور داد خاں آپ کی یہ عاجزی اور انکسار اور بھائی کا یہ غرور و تکبّر دیکھ کر بھائی سے جُدا ہو گیا اور گھر بار چھوڑ کر آپ کے ساتھ ہو گیا یہاں تک کہ بالاکوٹ میں آپ کے ساتھ شربتِ شہادت نوش کیا۔[1]

مولوی سیّد جعفر علی ایک دُوسرا واقعہ سیّد عبدالرحمٰن اور سیّد زین العابدین کی زبانی نقل کرتے ہیں کہ سفرِ حج میں آپ کے ساتھ مولوی نصیر الدین اور شیخ نجم الدین پھکیت ساکنانِ لکھنؤ کے بھائی امام الدین بھی ہمراہ تھے۔ آپ اُن کی بڑی مراعات فرماتے تھے اور اُن کو بھی ابتدا میں آپ کے ساتھ اعلیٰ درجے کی ارادتمندی اور عقیدت تھی لیکن مکّہ معظّمہ پہنچ کر بعض کج طبیعت لوگوں کے اغوا سے آپ کی طرف سے طبیعت میں بے اعتقادی اور مخالفت پیدا ہو گئی۔ ایک روز آپ اپنی قیامگاہ پر تشریف رکھتے تھے کہ حاجی عبدالرحیم (ولایتی) کے رفیق حاجی عُمر جو بڑے صالح و سعید، عابد و زاہد، متّقی بزرگ تھے، آپ کی مُلاقات کو آئے۔ آپ نے اُن کی بڑی عزّت و توقیر فرمائی اور فرمایا کہ اِن

---

[1] منظومۃ الشہداء

جیسے آدمیوں سے ملائکہ کو بھی لحاظ آتا ہے اور ایسے ہی آدمی ہوتے ہیں جو فرشتوں پر بھی فضیلت رکھتے ہیں۔ یہ سُن کر امام الدین کو غصّہ آگیا اور انھوں نے برملا کہا کہ آپ جھوٹ کہتے ہیں۔ آپ نے انتہائی ملائمت سے فرمایا کہ بھائی، غلط نہیں ہے۔ اللہ کے بندوں میں بعض خاص الخاص بندے خواصِ ملائکہ پر شرف رکھتے ہیں۔ آپ جس قدر نرمی اور آہستگی کے ساتھ یہ فرماتے، امام الدین اسی قدر غصّے اور درشتی کے ساتھ آپ کو جواب دیتے اور بدتمیزی سے پیش آتے۔ رامپور کے ایک شخص حافظِ نابینا، جو سیّد صاحب سے بداعتقاد تھے اور کبھی کبھی کہتے تھے کہ آپ سخت دُنیا دار ہیں، پاس سے گزر رہے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر اپنے دل میں پشیمان ہُوئے اور آپ کے حِلم و بُردباری اور بزرگی کے قائل ہو گئے اور دُوسرے روز انھوں نے حلیم میں آپ سے بڑی معذرت کی اور اپنی غلطی سے تائب ہو کر بیعت کی اور مُخلصینِ صادقین کے گروہ میں شامل ہو گئے۔"

تیسرا واقعہ یہ ہے کہ سفرِ حج سے واپسی پر آپ موضع ڈگھا میں، جو عظیم آباد کے قریب ہے، اپنے ایک مُرید یا اخلاص شیخ جان کے مکان پر مقیم تھے کہ آپ نے ایک شخص سے فرمایا کہ مکان کے باہر ایک شخص سلّچ چکّر لگا رہا ہے، اس کو میرے پاس لاؤ۔ جب وُہ شخص آپ کے سامنے لایا گیا، آپ نے مکان خالی کروا دیا۔ سب لوگ باہر چلے گئے۔ لیکن ایک شخص، جو حقیقتہً جاگ رہا تھا، بظاہر سوتا دکھائی دیتا تھا۔ وُہ سب حال دیکھتا رہا۔[1] اس وقت آپ کے پاس کوئی ہتھیار نہ تھا۔ جب سب لوگ باہر چلے گئے، تو آپ نے اُس سے کہا کہ تم جس کام کے لیے آئے ہو، اُس میں کیوں دیر کرتے ہو؟ آپ کے یہ فرماتے ہی اُس کے جسم میں رعشہ پڑ گیا اور وُہ بدحواس ہو گیا۔ آپ نے پھر فرمایا کہ مَیں نے اِسی لیے تنہائی کرائی ہے کہ تم اپنا کام نپٹا کر لو، ڈرو نہیں اور یہ شک نہ کرو کہ شاید یہ کوئی دُوسرا آدمی ہو۔ مَیں وُہی شخص ہُوں جس کے لیے تم آئے ہو۔ اُس شخص نے اپنے تمام ہتھیار اُتار کر آپ کے سامنے رکھ دیے اور عرض کیا کہ یہ سب حضُور کی نذر ہیں۔ مَیں اپنے فعل سے توبہ کرتا ہوں۔ اس کے بعد اُس نے بیان کیا کہ

---

[1] سیّد جعفر علی صاحب کہتے ہیں کہ وہ سونے والے یا تو میاں صلاح الدین پھلتی تھے یا آپ کے خادم میاں دین مُحمّد تھے۔ میاں دین مُحمّد نے بھی اس حکایت کی تصدیق کی ہے۔

فلاں شخص نے مجھے پانچ سَو روپے آپ کو شہید کرنے کے لیے دِیے ہیں اور مَیں مال کے لالچ اور شیطان کے فریب میں آکر اس حرکت پر آمادہ ہوگیا اور یہاں تک پہنچا۔ اللہ تعالیٰ معاف فرمائے اور آپ بھی درگزر کریں۔ اس کے بعد اُس نے بَیعت کی۔ آپ نے اُس کے سارے ہتھیار واپس کر دِیے اور پانچ روپے اُوپر سے دِیے اور اُن پانچ روپوں میں سے ایک روپے کو الگ کر کے فرمایا کہ یہ چار تو اپنی ضروریات میں خرچ کرنا اور اس ایک کو محفوظ رکھنا اور کسی کی نوکری کبھی نہ کرنا اِنشاءاللہ تعالیٰ تم زندگی بھر کِسی کے محتاج نہ رہو گے اور ہمیشہ خوشحال رہو گے۔"

ایک دُوسرا واقعہ بھی اسی طرح کا ہے کہ تکیے پر بھی ایک شخص اسی ارادے سے آیا۔ نمازِ عصر کے بعد آپ کا معمول تھا کہ سَتی ندی کے کنارے تشریف لے جاتے اور دونوں پاؤں پانی میں لٹکا کر بیٹھ جاتے۔ وہ شخص تلوار کھینچ کر آپ کی طرف دَوڑا۔ اُس وقت اور لوگ بھی تھے۔ کِسی نے اُس کی تلوار پکڑ لی اور کسی نے اُس کو پکڑا، بلکہ کسی کا ہاتھ بھی تلوار پکڑنے سے زخمی ہوگیا۔ بعض آدمیوں نے اُس کو مارنے پیٹنے کا بھی ارادہ کیا۔ حاجی نور محمد دُرّانی نے اُس کی گردن پکڑ لی۔ قریب تھا کہ اُس کا گلا گھٹ جاتے۔ آپ بڑی شفقت کے ساتھ تیزی سے اپنی جگہ سے اُٹھے، لوگوں کو منع کیا اور فرمایا کہ ہم اس شخص کو بند رکھیں گے، تم چھوڑ دو۔ لوگوں نے تعمیلِ ارشاد میں چھوڑ دیا اس خیال سے کہ ہیں اگر اُس کو معاف بھی کر دُوں گا، تو شاید حاکم نہ چھوڑے۔ آپ نے اُس کو درشن سنگھ کے پاس، جو رائے بریلی میں نواب کی طرف سے مقرر تھا، بھیجا اور پیغام دِیا کہ ہم نے اس کی خطا معاف کر دی ہے، آپ بھی اُس کی خطا معاف کریں اور چھوڑ دیں۔

میاں دین محمد کہتے ہیں کہ درشن سنگھ نے اُس کو دو روز قید میں رکھا اور پھر اُس کو آپ کے پاس بھیج دیا اور کہا یہ شخص آپ کا قصوروار ہے۔ آپ جو چاہیں، کریں۔ آپ نے اُس کو تکیے پر ٹھیرا لیا اور سَیر بھر گوشت اور پاؤ بھر گھی اور دُوسری اجناس اُس کے لیے مقرر کر دیں۔ چنانچہ وُہ کچھ مدت تک تکیے پر مقیم رہا۔ کبھی کبھی اپنے ہاتھ کا پکایا کھانا بھی آپ کی خدمت میں بھیجتا تھا۔ جب اُس نے آپ سے رخصت چاہی، تو آپ نے اُس کو کچھ عطا بھی کیا۔

مولوی سیّد جعفر علی اسی طرح کا ایک اور واقعہ بیان کرتے ہیں۔ سدو خاں دُرّانی سید محمد خاں شہید کے ساتھ سمہ کی بعض جنگوں میں شریک تھا۔ فتح کے بعد جب لشکر نے مالِ غنیمت جمع کیا، تو سونے چاندی کے کچھ زیورات، مروارید، دو ٹوٹی ہوئی بندوقیں اور ایک زنگ آلود تلوار اُس کے ہاتھ بھی لگی تھی۔ اُس نے مجاہدین کی فہمائش کے باوجود یہ مال مالِ غنیمت میں شامل نہ کیا۔ لوگوں نے کہا بھی کہ تقسیم شرعی سے پہلے مالِ غنیمت پر قبضہ کر لینے کی سزا دُنیا میں عار اور آخرت میں نار ہے لیکن اس نے کچھ پروا نہ کی، بلکہ سیّد صاحب کی شان میں گستاخانہ الفاظ کہے اور وہاں سے بھاگ کر سیّد صاحبؒ کے پاس چلا گیا۔ بعض مخلصین نے عریضے کے ذریعے سیّد صاحبؒ کو اطلاع بھی کر دی۔ قلعۂ اسب کے بُرج پر آپ ایک جماعت کے ساتھ تشریف رکھتے تھے۔ دوپہر کو جب مجلس برخاست ہوئی، تو آپ نے سدو خاں کو طلب فرمایا اور ارشاد ہُوا کہ تم مالِ غنیمت میں سے جو کچھ لے کر آئے ہو یہاں لے آؤ۔ اُس نے سب زیورات تھیلی سے نکال کر سامنے رکھ دیے۔ آپ نے ان زیورات کو ملاحظہ بھی نہیں فرمایا اور ارشاد فرمایا کہ یہ چیزیں عورتوں کے قابل ہیں، ہمارے لائق نہیں۔ جاؤ ان کو اپنے سے علیحدہ کرو اور فروخت کر ڈالو۔ ہتھیار کو دیکھ کر فرمایا کہ ہاں، یہ مردوں کے ہتھیار ہیں یہ مجاہدین کے کام کے ہیں۔ اس کے بعد سدو خاں سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ سدو خاں، سچ کہنا، تم نے یہ کہا تھا کہ میں اپنی دُرّانی قوم کے پاس سے بھاگ کر آیا ہوں۔ اگر اس سیّد کے سینے پر ایک نیزہ مار کر اُس کو شہید کر کے واپس چلا جاؤں، تو وہ مجھے ہاتھوں ہاتھ لیں گے اور میری بڑی قدر ہوگی۔ اگر یُونہی خالی ہاتھ گیا، تو کون میری بات پوچھے گا؟ سدو خاں نے شرم سے سر جھکا دیا اور کہنے لگا کہ لوگوں نے مجھے تنگ کیا، تو میری زبان سے ایسے لفظ نکل گئے، مَیں خطاوار ہُوں۔ آپ نے فرمایا کہ مَیں تمھیں اپنے سے زیادہ بہادر اور جوانمرد نہیں سمجھتا کہ تم میرے مقابلے میں آسکو، لیکن ایسے لشکر میں جس کے سردار قاضی جبّان تھے، تمھیں ایسے لفظ کہنا بہت ناروا تھا۔ اگر یہ بات قاضی صاحب کے کان میں پڑ جاتی، تو تمھیں زندہ نہ چھوڑتے۔ یہ تم نے اچھا کیا کہ میرے پاس آگئے۔ یہاں جو جی میں آئے، کہو۔ انتقام تو انتقام، مجھے اس کی پروا بھی نہیں، لیکن سواروں کے لشکر میں کبھی نہ جانا، ورنہ ایسی باتوں

سے تمھاری جان چلی جائے گی۔

یہ معاملہ صرف قصوروار اور بد اندیش مسلمانوں کے ساتھ نہ تھا، بلکہ غیر مسلم اسیروں اور آنے جانے والوں کے ساتھ بھی مراعات و خاطر داری کا معاملہ تھا۔ وقائع احمدی میں ہے:

رنجیت سنگھ کے لشکر کے دو سکھ حضرت کے پاس آئے۔ آپ نے اُن سے آنے کا سبب پوچھا۔ انھوں نے عرض کیا کہ صرف آپ کی ملاقات کو آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا: خیر، تم ہمارے مہمان ہو جب تک چاہو، رہو۔ اُن کے واسطے آپ نے اپنے یہاں سے غلّہ مقرر کر دیا۔ ہر روز نمازِ فجر و عصر کے بعد وہ دو چار گھڑی بیٹھتے۔ انھوں نے ایک روز عرض کیا کہ ہم نے آپ کی باتیں خوب سُنیں اور جو کچھ آپ کے اخلاق و اوصاف کے متعلق سُنا تھا، اُس سے بڑھ کر پایا۔ آپ کا طریقہ اور دین ہم کو پسند آیا۔ ہم کو بھی دین اور طریق کی تعلیم کریں۔ حضرت یہ بات سُن کر بہت خوش ہوئے۔ اُن کو کلمۂ شہادت پڑھایا اور اُن کے نام عبد الرحمٰن اور عبد الرحیم رکھے۔ غازیوں نے اُن کو کپڑے دیے۔ بعد میں اُنھوں نے سُنایا کہ لہنا سنگھ نے اُن کو تحقیقِ حال کے لیے بھیجا تھا۔ پھر وہ چلے گئے۔

جاسوسوں اور غیر مسلم قیدیوں اور ذمّیوں کے ساتھ آپ کی شفقت و مراعات کے واقعات باب چہارم میں گزر چکے ہیں۔ مخالف اور دشمن کے ساتھ عفو و درگزر اور احسان و عنایت اور نہ صرف جان بخشی، بلکہ مُلک بخشی کی جو مثال آپ نے سُلطان محمد خان سردارِ پشاور کے معاملے میں پیش کی ہے وہ للّٰہیت و اخلاصِ کامل، بے نفسی اور دریا دلی کی ایسی مثال ہے، جس کی نظیر تاریخ میں آسانی سے نہیں مل سکتی۔ آپ کی تقریر، جو ارباب بہرام خاں کی گفتگو کے جواب میں کی تھی، ناظرین کی نظر سے گزر چکی ہے۔ آپ نے آخر میں فرمایا تھا کہ "سردار سلطان محمد خاں اپنی خطا و قصور سے نادم اور تائب ہو گیا ہے اور شریعت کے تمام احکام کو اُس نے قبول کیا ہے اور کہتا ہے کہ اب دوبارہ بغاوت و شرارت اور خُدا و رسولؐ کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہیں کروں گا، میری خطا لِلّٰہ معاف کرو۔ اگر یہ کلام نفاق و دغابازی سے کرتا ہے، تو وُہ جانے اور اُس کا خدا جانے۔ شریعت کا حکم تو اقرارِ ظاہری پر ہے، کسی کے دل کا حال خدا کو معلوم ہے۔ ہم تو اُس کے ساتھ وہی معاملہ کریں گے، جو ظاہر شریعت کا حکم ہے۔

پھر بدخواہ کے ساتھ خیر خواہی کی مثال اس سے بڑھ کر کیا ملے گی کہ جب سلطان محمد خاں نے ملاقات کے وقت غلط فہمی اور مخالفت کی وجہ بیان کرنے کے لیے وہ محضر سامنے رکھا، جو ہندوستان سے سیّد صاحب کو بدنام کرنے کے لیے بھیجا گیا تھا، تو آپ نے وہ محضر لپیٹ کر مولانا محمد اسمٰعیل صاحب کے حوالے کیا اور فرمایا کہ اس کو بڑی حفاظت سے رکھیے گا، نہ کسی کو دکھایئے گا اور نہ بیان کیجیے گا، اس لیے کہ لشکر میں ہمارے اکثر غازیوں کا ایسا حال ہے کہ یہ بہتان و افترا سُن کر اگر ان بدخواہوں کے حق میں بددعا کریں، تو عجب نہیں کہ فوراً اُن لوگوں کو نقصان پہنچ جائے، ہمارے دل میں یہ ہے کہ اگر کبھی اللہ تعالیٰ ہم کو اُن سے ملائے تو ہم اُن کے ساتھ نیکی اور احسان کے سوا کچھ نہ کریں۔

عالی ہمتی اور دریا دِلی کا یہ واقعہ بھی نظر سے گزر چکا ہے کہ جب آپ نے فتح کیے ہوئے دارالسلطنت کو اپنے حریف کو واپس کر دینے کا عزم فرما لیا، تو سردارِ پشاور نے تاوانِ جنگ کے طور پر فوجی مصارف کے لیے، جو اس مُہم میں پیش آئے تھے، چالیس ہزار روپے کی پیش کش کی، تو آپ نے اُس کو بھی قبول نہیں فرمایا اور کسی منّت اور بدل کے بغیر فتح کیا ہوا مُلک واپس کر دیا۔" وقائعِ احمدی" میں ہے:

"آپ نے سردارِ موصوف سے فرمایا کہ خان بھائی، تم نے جو ارباب فیض اللہ کی زبانی چالیس ہزار روپے خرچ کے واسطے دینے کا وعدہ کیا تھا، تو اب اس کی فکر نہ کیجیے گا۔ ہم نے آپ کو معاف کیے۔ کیونکہ ہمارے پروردگار کے ہاں کسی بات کی کچھ کمی نہیں ہے آپ ہمارے بھائی ہیں۔ آپ سے کسی طرح کا جُرمانہ یا تاوان لینا ہم کو منظور نہیں ہے"

حیا باوجود شجاعت اور بے نظیر جُرأت کے مزاج میں حیا کا مادّہ بہت تھا اور یہ بھی اس ذاتِ گرامی کا ایک پرتو تھا، جس کے متعلق دیکھنے والوں کی شہادت ہے: كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِّنَ الْعَذْرَاءِ فِيْ خِدْرِهَا وَ كَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِيْ وَجْهِهٖ[1]

مولوی سید جعفر علی لکھتے ہیں: آپ کی عادت تھی کہ اگر کوئی شخص جھوٹ کہتا تھا، تو آپ اس کو

---

[1] ترمذی، روایت حضرت ابوسعید خدریؓ۔ ترجمہ: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس سے بھی زیادہ شرمیلے تھے، جتنی کہ کنواری لڑکی پردے میں ہوتی ہے جب آپ کو کوئی چیز ناگوار ہوتی تھی، تو چہرے پر اس کا اثر ظاہر ہوتا تھا (زبان سے نہیں فرماتے تھے)

جھوٹا اور دروغ گو نہیں کہتے تھے، بلکہ اس بات کو اس طرح ظاہر فرماتے تھے کہ یہ شخص کچی پیاز کھاتا ہے یعنی، جھوٹ بولتا ہے۔ حاجی زین العابدین خاں رامپوری فرماتے ہیں کہ ہزاروں عورتوں نے آپ سے بیعت کی۔ بعض پردہ نشین تھیں اور بعض آپ کے سامنے آجاتی تھیں، لیکن کبھی آپ کی نظر اُن پر نہیں پڑی۔ بیعت کا بھی طریقہ یہ تھا کہ آپ کپڑے کا ایک کنارہ پکڑ لیتے تھے اور دُوسرا کنارہ وُہ تھام لیتیں اور آپ اُن کو توبہ کراتے اور احکام شریعت کی پابندی کا عہد لے لیتے۔

بعض مرتبہ غایتِ حیا سے خود اپنے قصُور وار اور مُجرم پر نظر نہیں کرتے تھے اور خود آپ کی نگاہیں جُھک جاتی تھیں۔ سدُّو خاں دُرّانی کو آپ نے خیمہ، گھوڑا اور بہت سا سامان عطا فرمایا تھا جس وقت پائندہ خاں تنولی سے لڑائی ہُوئی، وہ لشکرِ اسلام سے ساز و سامان سمیت بھاگ کر تنولی کے پاس چلا گیا۔ اس کے بھاگنے کے وقت مجاہدین نے آپ سے عرض کیا کہ سدُّو خاں بھاگا جارہا ہے۔ اگر حُکم ہو، تو اس کو گرفتار کرلیں۔ فرمایا: دُور کرو۔ اُنھوں نے پھر عرض کیا کہ وُہ خیمہ وغیرہ بھی، جو سرکاری سامان اور آپ کا عطیّہ ہے کہ وہ جہاد میں کام آئے، نہ یہ کہ ایسے نالائق اور مُفسد لوگوں کے تصرّف میں آئے، لیے جارہا ہے۔ اگر اجازت ہو، تو چھین لیں۔ فرمایا: جانے دو۔ اگر اللہ تعالیٰ اپنی مہربانی سے ہم کو فتح دے گا، تو یہ سب ہمارے ہاتھ لگے گا۔ چند دنوں کے بعد تنولی سے صُلح کی درخواست ہُوئی اور مصالحت کے بعد دونوں طرف سے آمد و رفت شروع ہوگئی۔ سدُّو خاں نے پھر لشکرِ اسلام میں آنے کا ارادہ کیا۔ پائندہ خاں نے اس کا سامان وغیرہ ضبط کرلیا۔ وہ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ آپ کے پاس حاضر ہُوا اور اپنے ساتھیوں کے لیے بڑی کشادہ پیشانی کے ساتھ کھانے پینے کی جنس کی درخواست کی اور پائندہ خاں کی شکایت کرنے لگا کہ اس نے مجھے کھانا تک نہ دیا اور میرا ڈیرہ گھوڑا سب مجھ سے زبردستی لے لیا۔ اب میرے پاس آپ کا دیا ہُوا کوئی سامان نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا: پھر اُس لُچّے کے پاس کیوں گئے تھے؟ جو اُس کے ظرف میں تھا، اُس نے دیا۔ اُس نے کہا کہ میری قسمت مجھے لے گئی۔ آپ نے بڑے اخلاق سے فرمایا: جاؤ، ڈیرہ لگاؤ۔ خوراک اور ضروری سامان ہمارے یہاں سے ملتا رہے گا۔ جب وُہ بے حیا وہاں سے اُٹھ کر

چلا گیا، تو آپ نے فرمایا کہ مَیں شرم کے مارے اُس کے چہرے پر نظر بھی نہیں ڈالتا۔ یہ شخص ایسی حرکاتِ ناشائستہ کرتا ہے، پھر انتہائی بے باکی کے ساتھ مجھ سے سامان کا مطالبہ کرتا ہے اور میرے سامنے آنے سے اس کو شرم بھی نہیں آتی۔

○

سینتالیسواں باب

دینی اخلاق و اوصاف

ایذا رسانی سے احتراز اور عمومی شفقت

حقیقت یہ ہے کہ خدا کی کسی مخلوق کو (خواہ وہ جانور ہی کیوں نہ ہو) ایذا دینا اور اپنے نفس کا انتقام لینا یا کسی پر غصہ اُتارنا اور نفس کے تقاضے سے اُس کو اذیت پہنچانا آپ کے مسلک میں ناجائز اور آپ کی اُفتادِ طبع سے بعید تھا۔ علماءِ پشاور کے نام آپ نے جو خط لکھا ہے، اس میں آپ کا اپنی ذات کے متعلق یہ فرمانا بالکل حقیقت حال کی تصویر ہے:

این فقیر کسے را بلا وجہ شرعی یک تازیانہ ہم نہ زدہ باشد، بلکہ زدنِ سگ ہم بلا وجہ از عادات این فقیر نیست، ہرگز چند روز با فقیر ملازمت کردہ باشد لابد بر این معنی آگاہ شدہ باشد۔	اس فقیر نے کبھی کسی کو بلا وجہ شرعی ایک کوڑا بھی نہ مارا ہوگا، بلکہ بلا وجہ کُتّے کو بھی مارنا اس کی عادت نہیں۔ جس شخص کو چند دن بھی اس کے ساتھ رہنے کا اتفاق ہُوا ہے، اُس کو ضرور اس بات کا علم ہوگا۔

(مجموعۂ خطوط قلمی)

متعدد واقعات سے یہ پتہ چلتا ہے کہ جانوروں کو ناحق تکلیف دینے اور اُن کو بھوکا پیاسا

رکھنے یا اُن کے ساتھ زیادتی کرنے سے آپ کو سخت تکلیف ہوتی تھی اور آپ اس کو برداشت نہیں کر سکتے تھے۔

مولوی سیّد جعفر علیؒ لکھتے ہیں کہ جمال الدّین نے (جو شاہ زماں کا وکیل تھا) ایک روز ایک کُتّے کے سر پر تبر مارا۔ تبر اُس کے سر میں پیوست ہو گیا اور کُتّا بھاگا۔ آپ نے جمال الدین کو بہت سرزنش فرمائی اور فرمایا کہ یہ کُتّا دیوانہ بھی نہ تھا کہ مار ڈالا جائے۔ تم نے یہ دیوانوں کی سی حرکت کی کہ بلا وجہ ظلم کیا۔ تم خدا سے نہیں ڈرتے کہ اُس کی مخلوق کو ستاتے ہو؟ چنانچہ آپ کے فرمانے سے قاضی مدنی نے بہت دُور تک کُتّے کا پیچھا کیا اور تبر کو اُس کے سر سے نکالا۔

دوسری روایت یہ بیان کرتے ہیں کہ میاں نجم الدین راوی ہیں کہ ایک روز آپ حاضرینِ مجلس کے ساتھ تشریف رکھتے تھے کہ یکایک ایک طرف سے ایک کُتّے کی دردناک آواز آئی۔ سُنتے ہی آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا۔ فرمایا: معلوم کرو، کون ظالم ہے؟ لوگوں نے تحقیق کر کے عرض کیا کہ فلاں شخص ہے۔ آپ نے اُس کو بہت ملامت کی، سخت سُست کہا اور فرمایا کہ اس کی سزا یہ ہے کہ اب روزانہ ہمارے باورچی سے روٹی لے کر گاؤں کے سب کُتّوں کو تلاش کر کے کھلایا کرو۔

لشکر میں ایک شخص کالے خاں نامی تھے۔ سرکاری اُونٹ اُن کی تحویل میں رہتے تھے کہ ضرورت کے وقت لشکر کا سامان اُن پر بار کریں۔ وہ اس شعبے کے داروغہ تھے۔ اُن کی چرائی اور دانہ پانی کے ذمّے دار تھے۔ ایک روز آپ کو اطلاع ملی کہ کالے خاں اُونٹوں کے دانے پانی کی خبر گیری میں کوتاہی اور غفلت سے کام لیتے ہیں اور بار برداری میں مضبوط اور کمزور کی رعایت نہیں کرتے۔ آپ نے اُن کو طلب فرمایا۔ جب وہ حاضر ہوئے، تو آپ نے اُن سے غصّے سے فرمایا: "کالے خاں، خدا سے ڈرو اور ان بے زبان مخلوقات کے حق میں کوتاہی نہ کرو، ورنہ یہ اُونٹ تم کو دوزخ میں پہنچا دینگے۔ ہم نے تم کو صرف بوجھ لادنے کا ذمّہ دار نہیں بنایا ہے، بلکہ اُن کے دانے پانی کی خبر لینا بھی تمھارے ذمّے کیا ہے۔ بلنتقم حقیقی کے انتقام کا خوف کرو اور ہر وقت ان بے زبانوں کی رعایت رکھو۔ یہ تقریر سُن کر حاضرین کے جسم پر لرزہ طاری ہو گیا اور خوفِ الٰہی سب کے دلوں پر چھا گیا۔ کالے خاں

نے اُسی دن سے احتیاط کرنی شروع کر دی۔

مولوی سیّد جعفر علی اس عمومی شفقت کے بارے میں لکھتے ہیں :

"شفقتِ آں جناب بر تمامی مخلوقاتِ الٰہی بود حتّٰی کہ در ایامِ سرمگس شہد پیشِ آں حضرت بتلاشِ روزیِ خود می پرید۔ بعضے خدّام را ارشاد شد کہ اندکے شہد برائے ایں مگس در ینجا بنیدازید زیرا کہ ایں مگسان دریں ایّام چوں شہد را ذخیرہ می کنند، لاجرم گرسنہ می مانند۔ چنانچہ اندکے شہد بحکمِ آں جناب ریختہ شد۔

آپ کو خدا کی تمام مخلوقات پر شفقت تھی یہاں تک کہ جاڑوں کے دنوں میں ایک مرتبہ شہد کی مکھی اپنی روزی کی تلاش میں اُڑ رہی تھی۔ آپ نے بعض خادموں سے ارشاد فرمایا کہ تھوڑا سا شہد اس مکھی کے سامنے ڈال دو، اس لیے کہ یہ مکھیاں ان دنوں میں شہد کا ذخیرہ کرتی ہیں۔ اس لیے بھوکی رہتی ہیں۔ چنانچہ تھوڑا سا شہد ڈال دیا گیا۔

کلمہ گو کا احترام | جب آپ کا عام انسانوں، بلکہ جانوروں تک کے ساتھ شفقت و رعایت کا یہ معاملہ تھا، تو مسلمانوں کے ساتھ مراعات و لحاظ اور حفاظت و احترام کا جو رویّہ ہوگا، وہ ظاہر ہے۔ اس کا اندازہ اس واقعے سے کیا جا سکتا ہے :

"پشاور کی فتح کے بعد جب لشکرِ اسلام گڑھی امان زئی میں تھا، میر عالم خاں باجوڑی نے سیّد صاحبؒ کی خدمت میں اپنا ایک معتبر آدمی اس پیغام کے ساتھ بھیجا کہ ہم لوگ احکامِ شرعی قبول کرنے کے لیے تیار ہیں، آپ تشریف لائیں۔ آپ نے مشورے کے بعد مولانا اسمٰعیل صاحب کو سو آدمیوں کے ساتھ باجوڑ کے لیے روانہ کیا۔ جب یہ حضرات موضع خہر میں پہنچے تو ان اطراف کے رہنے والوں نے ایکا کر کے اس موضع کو گھیر لیا اور ہر طرف سے شور و غوغا بلند کرنے لگے۔ مولانا نے فرمایا کہ تم قومِ رائے زئی کے لوگ تو ہمارے دوستوں میں سے ہو، ہم سے تمھارے حق میں کون سا قصور ہوا کہ ہم سے جنگ کرنے کے لیے تم سب اکٹھے ہو گئے ؟

بڑی پرس و جو اور تحقیق و استفسار کے بعد بعض لوگوں نے جواب دیا کہ آپ چونکہ عالم خاں کے پاس جا رہے ہیں، جب آپ وہاں پہنچیں گے، تو وہ بھی آپ کی حمایت و رفاقت اختیار کرے گا اور آپ ملکِ سمہ کی طرح ہمارے ملک میں بھی قانونِ شرعی جاری کر دیں گے اور یہ ہم پر بہت شاق ہے۔ ہم حکمِ شرعی کے قبول کرنے کی طاقت نہیں رکھتے۔ مولانا کو جب اُن کا یہ جواب ملا، تو آپ نے کہلایا کہ تم مسلمان اور مسلمانوں کی اولاد ہو۔ کسی مسلمان کو حکمِ شرعی کا انکار جائز نہیں۔ اگر ہم سے کچھ کمی زیادتی ہو، تو مناسب یہ ہے کہ تمہارے ملّا کتاب سامنے رکھ کر ہم سے گفتگو کر لیں اور افراط و تفریط کو دور کر کے ہم کو راہِ راست پر لے آئیں۔ انھوں نے یہ جواب سُن کر کہا کہ ملّا سب تمہاری طرف ہیں اور تم خود بھی کتاب سے زائد کوئی بات نہیں کرتے، لیکن صاف بات یہ ہے کہ ہم کو کسی طرح شرع کی فرمانبرداری منظور نہیں ہے۔ اگر اس ملک میں تمہارا عمل دخل ہو جائیگا تو ہم ملک چھوڑ کر کہیں کسی کافر کی عملداری میں چلے جائیں گے تاکہ اپنے افغانی طور و طریق اور قانون کے مطابق زندگی گزاریں اور شرعِ محمدی کی پابندیوں سے ہماری زندگی تنگ نہ ہو۔

یہ جواب سُن کر مولانا کو سخت غصہ آیا اور فرمایا کہ ابتدا سے سنِ شعور سے اِس وقت تک ایسے کلمہ گو نہیں دیکھے کہ اسلام کے دعوے کے باوجود خود اپنے اُوپر کُفر کی شہادت دیتے ہیں اور شریعت کے انکار میں ان کو ذرا حیا نہیں آتی۔ حضرت امیر المومنین کا حکم تم سے جنگ کرنے کا نہیں ہے، ورنہ تمہارے اس انبوہ کو بکریوں کے گلّے کی طرح متفرق کر دیتے۔ ہمارا قصد چونکہ باجوڑ کی جانب ہے اور تم سدِ راہ ہوئے ہو، اس لیے ہم لشکرِ اسلام کی طرف مراجعت کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ ہمارے امیر اور امام (سید صاحب) کا حکم تمہارے بارے میں آجائے۔

فَانْتَظِرُوْا إِنَّا مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۔ (الاعراف : ۷۱)

لوند خوڑ سے آپ نے سیّد صاحبؒ کی خدمت میں تمام حالات لکھ کر کمک اور شاہین طلب فرمائی۔ سیّد صاحبؒ نے مولانا کو جو جواب دیا، وہ مولوی سیّد جعفر علی کے الفاظ میں حسب ذیل ہے:

مولانا، ایں قوم آخر مسلمانانند و ما مدتے درمیانِ ایشان اقامت داشتہ ایم۔ ایں وقت بسببِ جہل و عادتِ قوم ایں چنیں کلماتِ کفر بر زبانہائے ناپاکِ شاں بر آمد۔ من خطوط بنامِ ہر یکے بشکایت ایں حرکاتِ ناملائم می فرستم۔ چہ عجب کہ براہ آیند و اگر ایں وقت نخواہند آمد، آئندہ را اُمید است و إلّا ذاتِ قوی و عزیز مالکِ خود رجا می داریم کہ بعد ایں قدر امہال بسزائے شدید آنہا را خواہد رسانید وَ أُمْلِيْ لَهُمْ إِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (الاعراف : ۱۸۳) شانِ اوست۔

مولانا، یہ لوگ آخر مسلمان ہیں اور ہم عرصے تک اُن کے درمیان رہ چکے ہیں۔ اس وقت جہالت اور قومی عادات کے سبب سے ایسے کلماتِ کفر ان کی زبانوں سے نکلے ہیں۔ میں (اُن کے سرداروں میں سے) ہر ایک کے نام اس حرکتِ ناشائستہ کی شکایت کے خطوط لکھوں گا، کیا عجب کہ یہ راہِ راست پر آجائیں اگر اس وقت نہیں آئیں گے، تو آئندہ اُمید ہے، ورنہ اپنے مالکِ ذوالجلال سے جو قوی اور غالب ہے، امید رکھتا ہوں کہ اتنی مہلت کے بعد ان کو سخت سزا دے گا۔ وَأُمْلِيْ لَهُمْ إِنَّ كَيْدِيْ مَتِيْنٌ (اور اُن کو ڈھیل دیے جاتا ہوں، بیشک میرا داؤ پکا ہے) اُس کی شان ہے

مسلمانوں کے درمیان مصالحت کلمہ اور کلمہ گو کے احترام ہی کا یہ تتمہ اور تکملہ ہے کہ آپ کے نزدیک ابتدا ہی سے مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی بیحد اہمیت تھی۔ مندرجۂ ذیل واقعہ سے اس کا اندازہ ہوتا ہے:

"محسن خاں بیان کرتے ہیں کہ رمضان المبارک کے دن تھے۔ آپ نے ایک روز فرمایا کہ آج

روزہ ٹھنڈے کنوئیں پر کھولیں گے، جو تکیے سے ایک کوس کے فاصلے پر تھا۔ سب تیار رہیں جب روانگی کا سامان اور افطاری کی تیاری ہو گئی، تو رائے بریلی سے اطّلاع آئی کہ فلاں فلاں مسلمانوں کے درمیان جنگ درپیش ہے اور عجب نہیں کہ تلوار بندوق کی نوبت آجائے۔ آپ نے یہ سُن کر محسن خاں، شیخ لطافت، مہمور خاں، ابراہیم خاں، امام خاں وغیرہ دس آدمیوں سے فرمایا کہ ہمیں معلوم ہے کہ تم کو اس وقت پیاس کی شدّت ہو گی اور اب یہ شدّت بڑھتی ہی جائے گی، لیکن کیا کیا جائے کہ بغیر ان شقّتوں کے برداشت کیے ہوئے مراتب کمال تک پہنچنا میسر نہیں آتا۔ چونکہ دو مسلمانوں کے درمیان کُشت وخون کی نوبت آگئی ہے، تم دَوڑ کر جاؤ اور فریقین کے درمیان اپنے کو ڈال دو اور کہو کہ جو دوسرے کے قتل کے درپے ہے، وہ پہلے ہم کو قتل کر دے۔ چونکہ یہ رمضان کے دن ہیں اور آپ روزے سے ہیں، اس لیے آپ اس اکبر الکبائر کے مرتکب انشاء اللہ نہیں ہونگے۔ کل سیّد صاحب کے پاس چل کر اپنے جھگڑے کا تصفیہ کرا لیجیے گا۔ آپ نے محسن خاں سے فرمایا کہ چونکہ تمھارے ماموں کا مکان قریب ہے، وہیں افطار کر کے اپنے ساتھیوں کے ساتھ واپس آجانا۔

وہ سب دَوڑتے ہوئے گئے۔ محسن خاں ایک فریق کی طرف دَوڑے اور شیخ لطافت نے دوسرے فریق کا رُخ کیا اور آٹھوں آدمی فریقین کے درمیان کھڑے ہو گئے اور دونوں کو مصالحت پر راضی کر لیا۔ افطار کے وقت محسن خاں کے ماموں کے گھر سے افطاری آئی۔ افطار اور نمازِ مغرب کے بعد سب تکیے واپس ہوئے۔ اس کے بعد یہ قضیہ بھی طے ہو گیا۔"[1]

ناظرین کو یاد ہو گا کہ آپ مسلمانوں کے درمیان مصالحت کی خاطر ڈیڑھ مہینے تک کابل میں مقیم رہے اور سردارانِ کابل کے درمیان، جو ایک باپ کی اولاد تھے، لیکن آپس میں سخت اختلاف اور رسّہ کشی تھی، صُلح کی کوشش کرتے رہے۔ ڈیڑھ مہینے کی لگاتار کوشش کے بعد جب آپ نے کامیابی نہ دیکھی، تو پشاور کا قصد فرمایا۔

---

[1] منظورۃ السُّعداء

رُفقاء پر شفقت رفقاء اور دین کے راستے میں ساتھ دینے والوں کے ساتھ آپ کا معاملہ اس حکمِ الٰہی کی تعمیل اور اس آیت کی تفسیر تھی:

وَاخْفِضْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ (۲۶ : ۲۱۵)

ان لوگوں کے ساتھ فروتنی سے پیش آئیے جو اہلِ ایمان میں سے آپ کی راہ پر چلیں،

آپ کو اُن کے حال پر جو شفقت و عنایت تھی، اُس نے ماں باپ کی شفقت کو بُھلا دیا تھا۔

مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں:

وُفورِ شفقت بر غازیانِ دیندار آنچناں بُود کہ ہر کس از ایشاں جنابِ ممدُوح را زائد از پدر و مادرِ خودمی دانست۔

دیندار مجاہدین کے حال پر آپ کی شفقت کا یہ حال تھا کہ اُن میں سے ہر ایک آپ کو اپنے ماں باپ سے زیادہ سمجھتا تھا۔

اِس شفقت و تعلق کا یہ اثر تھا کہ رُفقاء و خُدّام آپ کے ہوتے ہُوئے ہشّاش بشّاش رہتے تھے، بڑے سے بڑا صدمہ ہنسی خوشی برداشت کر لیتے تھے اور اپنے میں قُوّت محسوس کرتے تھے لیکن آپ کی جُدائی میں اُن کو ایسا خلا محسوس ہوتا تھا، جو کسی چیز سے پُر نہیں ہو سکتا تھا۔ بالاکوٹ کے راستے میں ایک مخلص نے اس کیفیت کو ان لفظوں میں بیان کیا، جو پچھلے صفحات میں گزر چکے ہیں:

"ہم لوگ جب تک آپ کو دیکھتے ہیں، تب ہی تک سب طرح کی تسکین اور دلجمعی ہوتی ہے اور اپنے حوصلے کے موافق عبادت بھی کر سکتے ہیں اور دُعا بھی کر سکتے ہیں جب ہم آپ کی صحبت سے جدا ہو جاتے ہیں، اس وقت ہم سے کچھ نہیں ہو سکتا، نہ عبادت نہ دُعا، اور پریشانی اور پراگندگی طبیعت پر چھا جاتی ہے۔ جب آپ کی جُدائی میں ہم لوگوں کا یہ حال ہو، پھر بھلا ہم کیونکر آپ کو چھوڑ دیں، اگر آپ قضاءِ حاجت کو تشریف لے جاتے ہیں اور دو چار گھڑی آپ ہم سے غائب رہتے ہیں، اس عرصۂ قلیل میں ہم لوگ آپ کے فراق میں بے صبر اور بیتاب ہو جاتے ہیں۔ جب آپ تشریف لاتے ہیں اور آپ کے دیدار سے ہماری آنکھیں روشن ہو جاتی ہیں، اُس وقت دل کو چین اور آرام ہوتا ہے۔"[1]

---

[1] وقائع احمدی، ج ۳

آپ اپنے ساتھیوں کو اس محبت و قدر کی نگاہ سے دیکھتے اور ایسے محبت و قدر دانی کے الفاظ فرماتے کہ ان کا غم و فکر اور تکان دُور ہو جاتی، وُہ تازہ دم ہو جاتے اور آپ کے اخلاق پر فریفتہ اور راہِ خدا میں جان دینے کے لیے سَو جان سے تیار ہو جاتے۔ پنجتار میں ایک مرتبہ آپ نے اپنے نئے پُرانے ساتھیوں کے سامنے فرمایا:

"یہ ہمارے سب مسلمان بھائی اپنے گھر بار، خویش و تبار، ناموس و نام، عیش و آرام ترک کر کے محض اللہ اور رسولؐ کی خوشنودی کے لیے آئے۔ ہمارے لیے گوہرِ نایاب اور لعلِ بے بہا کے ٹکڑے ہیں کہ سیکڑوں، بلکہ ہزاروں میں سے چھٹ کر آئے ہیں۔ اِن کی قدر و منزلت ہم جانتے ہیں، ہر ایک نہیں پہچان سکتا۔"[1]

مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ جب میں اپنے رُفقاء کے ساتھ امب میں حاضرِ خدمت ہُوا، تو حضرتؒ نے مجھے ارشاد فرمایا کہ

ہمراہیانِ شما مردمِ سیاہ سیاہ رنگ اند، ہمہ جواہر اند۔[2]

تمہارے ساتھی کالے کالے لوگ ہیں لیکن ہیں جواہرات۔

مساوات | باوجود اس کے کہ سب رُفقاء و خدّام آپ کی ہر خدمت کے لیے ہر وقت تیار رہتے۔ سیّد صاحبؒ امتیاز و مشیخت پسند نہیں کرتے تھے۔ ہر کام میں مجاہدین اور رُفقاء کے شریکِ حال رہتے، مشقّت اور مجاہدے کے کام میں ان کا ہاتھ بٹاتے، تنگی اور کشائش، فقر و فاقہ، ہر حال میں اُن کے شریک رہتے اور اپنے ہاتھ سے سب کام کرتے۔ پچھلے صفحات میں پنجتار کے حالات میں گزر چکا ہے کہ آپ کے باورچی خانے کا اِیندھن ختم ہو جاتا، تو آپ کلھاڑیاں لے کر جنگل چلے جاتے۔ لشکر میں خبر ہوتی کہ آپ لکڑیاں لینے گئے ہیں، تو اکثر آدمی لکڑیاں کاٹنے چلے جاتے۔ آپ لکڑیاں کاٹنا شروع کرتے، تو آٹھ آٹھ آدمی آپ کے ساتھ کاٹتے کاٹتے تھک جاتے اور آپ اکیلے نہ تھکتے۔ ایک مرتبہ لوگوں نے مسجد میں سنگریزوں کی شکایت کی۔ آپ اگلے دن گھاس چھیلنے تشریف لے گئے۔ گھاس چھیل کر

---

[1] وقائع احمدی ج ۲　[2] منظورۃ السعداء

ڈالے اور مسجد میں بچھا دی۔ ایک مرتبہ لوگوں نے شکایت کی کہ خیمے میں دھوپ جاتی ہے اور تکلیف ہوتی ہے۔ آپ نے فرمایا کہ درانتیاں جمع کر دینا۔ صبح کو اٹھ کر آپ تشریف لے گئے اور بڑے انتظام سے خوبصورت کھڑکی دار جھونپڑے بنا دیے۔ اس کی وجہ سے بہت جگہ دیکھا دیکھی ایسے ہی جھونپڑے بن گئے۔

آپ کو یہ گوارا نہیں تھا کہ رُفقاء و اہلِ لشکر، جن کی تعداد سیکڑوں سے متجاوز تھی، کسی موقع پر فاقے سے رہیں اور آپ کھانا تناول فرمائیں۔

مقام میچنی میں ایک روز شام تک غلّے کا اِنتظام نہ ہو سکا۔ باورچیوں نے آپ کے لیے آدھ سیر کے بقدر کھانا تیار کر لیا۔ جب آپ کو اس کی اطلاع دی گئی کہ آپ کے لیے کھانا تیار ہے فرمایا: اَستَغفِرُ اللہ! بھلا یہ ہو سکتا ہے کہ میں تنہا کھاؤں اور تمام لشکر فاقے سے رہے؟ مخلصین نے عرض کیا کہ یہ آدھ سیر کھانا، جو تیار ہے، سارے لشکر کے لیے تو کافی نہیں ہے، اسے ہم کس کو کھلائیں؟ فرمایا: جس کا جی چاہے، کھالے، لیکن مجھے یہ گوارا نہیں کہ میں تنہا کھالوں اور تمام مسلمان نانے سے رہیں غرض، وُہ کھانا اسی طرح سے رکھا رہا۔ ایک پہر رات گزرنے کے بعد غلّے کا انتظام کرنے والے خبر لائے کہ لشکر کے لیے غلّہ آ رہا ہے۔ مولوی عبدالوہاب صاحب قاسم غلّہ نے عرض کیا کہ وُہ کھانا تیار ہے۔ آپ نوش فرمالیں۔ فرمایا: یہ غلّہ تمام لشکر کے لیے کافی ہو جائے گا؟ مولوی صاحب نے عرض کیا: ضرورت بھر کے لیے کافی ہو جائے گا۔ اس کے بعد آپ نے کھانا تناول فرمایا۔

ایک مرتبہ مُلکِ سمہ سے ہجرت کے زمانے میں آپ پہاڑ سے گزر کر تاکوٹ ابھی نہیں پہنچے تھے کہ عصر کے وقت ایک شخص دریا عبور کر کے گھی لگی ہوئی دو روٹیاں لے کر آیا اور آپ کو پیش کیں۔ آپ گھوڑے کی پیٹھ پر تھے۔ آپ نے وہ روٹیاں لے لیں۔ اُس نے عرض کیا کہ یہ خالص آپ کے لیے لایا ہوں۔ فرمایا: اَلحَمدُ لِلّٰہ! اس وقت مجھے بھوک بھی تھی۔ گھوڑے کے اُوپر بیٹھے بیٹھے تقریباً آدھی روٹی تناوُل فرمائی اور اپنی عادت کے مطابق آدھی دوسرے کو عنایت فرما دی:

نیم نانے گر خورد مردِ خدا بذل درویشاں کند نیمے دگر

آپ کو گفتگو اور خطاب میں بھی کوئی ایسا لفظ اور عبارت پسند نہ تھی، جس سے تفوّق اور

بالاتری کا اظہار ہوتا ہو۔ اکثر ساتھیوں اور خدام کو خان بھائی، سید بھائی کے الفاظ سے مخاطب فرماتے۔

پیر خاں مورانوی آپ کی طرف سے کھبّل کے ناظم تھے۔ اُن کے نام آپ کی طرف سے جو خطوط جاتے تھے، آپ کے منشی اُن کو اس طرح خطاب کرتے تھے: "از امیر المومنین مطالعۂ اخلاص نشان پیر خاں سلّمہ اللہ تعالیٰ، بعد از سلام مسنون و دُعاءِ اجابت مقرون واضح آں کہ" الخ۔ ایک روز آپ نے اخلاص نشان کے جُملے پر منشی صاحب سے فرمایا کہ بھائی انصاری، اُمراء و رُوَساءِ زمانہ کے منشی اکثر اُن کے نوکروں کو اخلاص نشان کے لقب سے خطاب کرتے ہیں۔ مجھے اس سے کراہت آتی ہے کہ سرداروں کو نوکروں کے الفاظ سے خطاب کیا جائے۔ حقیقت میں یہ سب بھائی ہیں، جن کو ایسا لکھا جاتا ہے۔ منشی صاحب نے عرض کیا کہ اخلاص نشان ہونا ہمارے لیے سعادت دارین ہے، لیکن آج سے برادرِ اخلاص نشان لکھا کروں گا۔ چنانچہ اس روز سے یہی معمول ہو گیا۔

اپنے علاوہ اپنے متعلقین کے لیے بھی آپ اہلِ لشکر کے متعلقین کے مقابلے میں کوئی خصوصیت اور امتیاز پسند نہیں کرتے تھے۔ بالاکوٹ کی روانگی کے دوران میں ایک روز ارباب بہرام خاں کی خواتین نے یابُو کی سواری پر بیٹھنے سے انکار کیا اور کہنے لگیں: حضرت امیر المومنین نے اپنی اہلیہ کو تو پالکی پر سوار کرایا ہے، ہمارے لیے پالکی کا انتظام کیوں نہیں کیا؟ آپ ایک فرلانگ آگے جا چکے ہونگے کہ آپ کو اطلاع ملی کہ ارباب صاحب نے ابھی اپنے اہل و عیال کے ساتھ کُوچ نہیں کیا۔ اُن کے متعلقین یابُو کی سواری سے عُذر کرتے ہیں۔ آپ نے یہ سُنتے ہی پانچ روپے ارباب صاحب کو بھیجے اور فرمایا کہ میری جانب سے ارباب صاحب سے کہہ دینا کہ میں آپ کو مومن سمجھتا ہوں اور اہلِ ایمان کی خوشامد و خاطرداری ضروری نہیں سمجھتا، اس لیے کہ یقین رکھتا ہوں کہ اہلِ ایمان اِس عبادتِ عظمیٰ، یعنی، جہاد فی سبیل اللہ کے تعلق سے میری رفاقت سے ہاتھ نہیں کھینچیں گے۔ البتہ منافقوں کی خاطرداری اور دلجوئی اُن کے ایمان کی طمع میں بہت کرتا ہوں اور اس کا حُکم بھی ہے۔ میں اپنی بیوی کو اُن کی بیویوں پر کسی امر میں بھی فوقیت نہیں دیتا، لیکن اہلیہ کے لیے یہ سواری "پالکی" اِس مجبوری سے اختیار کی ہے کہ اُن کو اُمید ہے اور شرعی قاعدے کے مطابق اُن کی رعایت اس وقت ضروری ہے۔ اگر یہ عُذر نہ ہوتا، تو دوسری عورتوں کو اگر سواری

کے لیے یا بُو دیا ہے، تو اُن کو کسی گدھے پر سوار کرنے میں مجھے تامّل نہ ہوتا۔ اگر یہی عُذر ارباب بہرام صاحب کی بیویوں میں سے بھی کسی کو ہو، تو اس روپے سے اس کا انتظام کر لیا جائے۔

حمیّتِ شرعی اور غیرتِ دینی | حیا اور انتہائی مروّت و لحاظ کے باوجود شریعت کے معاملے میں آپ انتہائی غیور اور حسّاس تھے اور دینی حمیّت و غیرت کا یہی جوہر ہے، جس نے آپ کو اسلام کی حمایت و نُصرت، بیکس مسلمانوں کی امداد اور جہاد فی سبیل اللہ پر آمادہ کیا اور آپ وعظ و تبلیغ اور سلوک و ارشاد پر قانع نہ رہ سکے اور بالآخر اسی راہ میں آپ نے جان دے دی۔

عُلماءِ پشاور کے نام آپ نے جو طویل مکتوب تحریر فرمایا ہے، اس میں اپنے دلی جذبے اور فطری حمیّت کو اس طرح بیان کرتے ہیں۔ اس بات کی تردید کرنے کے بعد کہ مسلمانوں کے جان و مال پر بلا وجہِ شرعی دست درازی کی جاتی ہے اور یہ محض افترا و بہتان ہے، لکھتے ہیں :

فاما آنچہ سرزنش و گوشمالیِ مُلکِ جبّار از دستِ این ذرّۂ بے مقدار بہ بعضے از مرتدینِ اشرار و مُنافقین بدشعار رسید، پس آں را از اعاظمِ سعاداتِ خود می شمارم و اقویٰ علاماتِ مقبولیتِ خود می انگارم، بلکہ غیرت در اعانتِ دین و رغبت باہانتِ معاندین از لوازمِ ایمان است۔ ہر کہ غیرتِ ایمانی و حمیّتِ اسلامی نمی دارد، فی الحقیقت ایمان ندارد۔

آیۂ کریمۂ تبارک و تعالیٰ : یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مَنْ یَّرْتَدَّ مِنْكُمْ عَنْ دِیْنِهٖ فَسَوْفَ یَاْتِی اللّٰهُ بِقَوْمٍ یُّحِبُّهُمْ

باقی اللہ نے اِس ناچیز کے ذریعے بعض منافقین و مُرتدین کو جو سرزنش اور گوشمالی فرمائی ہے، اس کو مَیں اپنی انتہائی سعادت اور اللہ کے یہاں مقبولیت کی علامت سمجھتا ہوں، بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ اعانتِ دین میں غیرت اور معاندین کی اہانت و تذلیل کا شوق ایمان کے لوازم میں سے ہے جس میں غیرتِ ایمانی نہیں، حقیقت میں ایمان سے عاری ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اے لوگو، تم میں سے جو اپنے دین سے پھر جائے گا (تو اللہ کو کچھ پروا نہیں)، وہ عنقریب ایسے لوگوں

وَيُحِبُّوْنَهٗ أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ يُجٰهِدُوْنَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ وَلَا يَخَافُوْنَ لَوْمَةَ لَائِمٍ۔ (المائدہ : ۵۴)

کرلے آئے گا، جو مؤمنین کے حق میں نرم ہوں گے، کافروں کے حق میں سخت، اللہ کے راستے میں جہاد کریں گے اور کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پروا نہیں کریں گے۔

وَقَالَ اللهُ تَعَالٰى: يٰٓأَيُّهَا النَّبِيُّ جٰهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَأْوٰهُمْ جَهَنَّمُ (التوبہ : ۷۳)

اور فرمایا: اے نبیؐ، کفّار و منافقین سے جہاد کرو اور اُن پر سختی کرو اور اُن کا ٹھکانا جہنّم ہے۔

سیّد صاحبؒ کی ساری جدّوجُہد کا مُحرّک اور سبب اصلی یہی اسلامی حمیّت و غیرت ہے، جو ہندوستان پر کُفر کے تسلّط اور اسلام کے زوال کو دیکھ کر حرکت میں آئی اور اُس نے کبھی آپ کو سکُون سے بیٹھنے اور دُنیا کا کوئی اور کام کرنے کی اجازت نہیں دی۔ شاہ سُلیمان کے نام آپ نے جو خط لکھا ہے، اُس میں اس حقیقت کو بہت کھُلے لفظوں میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں:

قضارا از مُدّت چند سال حکُومت و سلطنت ایں مُلک بریں عُنوان گردیدہ کہ نصارائے نکوسیدہ خصال و مشرکین بدفعال بر اکثر بلادِ ہند استیلا یافتند و آں دیار را بظُلمات ظُلم و بیداد مشحون ساختند و دراں بلاد و امصار رُسُومِ کُفر و شرک اشتہار یافتہ شعائرِ اسلام را روباستتار آوردہ۔ ناگزیر سینۂ بے کینہ بمعائنۂ ایں حال پُر از رنج و ملال بُود، بشوقِ ہجرت مالامال۔ غیرتِ ایمانی بدل درجوش

تقدیر سے چند سال سے ہندوستان کی حکومت و سلطنت کا یہ حال ہو گیا ہے کہ عیسائی اور ہندوؤں نے ہندوستان کے اکثر حصّے پر غلبہ حاصل کر لیا ہے اور ظلم و بیداد شروع کر دی ہے، کُفر و شرک کا غلبہ ہو گیا ہے اور شعائرِ اسلام اُٹھ گئے۔ یہ حال دیکھ کر ان لوگوں کو بڑا صدمہ ہُوا۔ ہجرت کا شوق دامنگیر ہُوا، دل میں غیرتِ ایمانی اور سر میں جہاد کا جوش و خروش ہے۔

بُود و اقامتِ جہاد بسر خروش۔ (مکتوباتِ قلمی)

نواب وزیر الدّولہ مرحوم آپ کی اِس دینی فکر مندی کا تذکرہ کرتے ہُوئے لکھتے ہیں:

"آپ فنا فی الدین تھے۔ اس کے سوا آپ کو کوئی اور فکر اور کوئی ذوق نہ تھا۔ سوتے جاگتے، اُٹھتے بیٹھتے اسی کا خیال رہتا۔ آپ کی گفتگو میں اسی کی سربلندی اور اسی کی ترقی کا ذکر رہتا۔ آپ کے ہر کام، آپ کی تمام کوششوں، جنگ اور فوج کشی کا مقصد یہی تھا"

یہ حمیتِ دینی محض مخالفین اور دشمنانِ اسلام ہی کے مقابلے میں نہیں تھی، بلکہ اگر کسی قریب ترین رفیق اور عزیز ترین دوست کی زبان سے بھی کوئی کلمہ ایسا نکل جاتا، جس سے شریعت کی تحقیر یا جنابِ الٰہی میں بے ادبی کا پہلو نکلتا، تو آپ کی یہ حمیت جوش میں آجاتی اور آپ غایتِ حیا اور انتہاءِ مروّت کے باوجود ضبط نہ فرما سکتے۔

سفرِ حج سے واپسی پر راستے میں مولوی سیّد کرامت علی بہاری کا الہ آباد سے خط آیا۔ سیّد عبدالرحمٰن صاحب کہتے ہیں کہ آپ نے وُہ خط پڑھنے کے لیے مجھے دیا۔ اس میں القاب و آداب کے بعد یہ لکھا ہُوا تھا کہ جناب والا کا سرفراز نامہ اس طرح شرفِ صُدُور لایا، جیسے آسمان سے وحی۔ ابھی میں یہیں تک پہنچا تھا کہ ان لفظوں کو سُنتے ہی آپ نے خط میرے ہاتھ سے لے لیا اور اس کو پھاڑ کر بتّی بتّی کر دیا۔ آپ کو خط کے ایسے بُرے عنوان سے بڑا رنج پہنچا، پیشانی پر سخت غصّہ اور غضب کی علامتیں ظاہر ہوئیں۔ شیخ محمّد خیر آبادی راوی ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا کہ کم از کم خط کا مضمون تو معلوم ہو جاتا۔ فرمایا کہ جس خط کا عنوان بارگاہِ الٰہی میں ایسی گستاخی اور بے ادبی ہو، اُس کا مضمون کیا دیکھا جائے؟ خود کو تو پیغمبر ٹھیرایا اور مجھے نعوذُ باللہ خدا ہی بنا دیا! مولوی کرامت علی صاحب کو جب اس واقعہ کی اطلاع ہُوئی، تو بڑے پشیمان اور خوف زدہ ہُوئے، لیکن جب وہ حاضر ہُوئے، تو آپ نے پہلے سے بھی زیادہ شفقت کا برتاؤ کیا۔[1]

---

[1] منظورۃ السعداء

اِتّباع سیّد صاحبؒ کی زندگی کا سب سے بڑا جوہر اور امتیاز اتباع ہے، یعنی، فوائد و مصالح، نفع و نقصان، نیکنامی و بدنامی سے بالکل قطع نظر کر کے حکمِ شرعی کی پیروی اور رضائے الٰہی کے درپے ہونا اور صرف اسی سے غرض رکھنا۔ یہ وُہ چیز ہے، جو اس اُمّت کے کاملین و مخلصین کو خالص اہلِ سیاست اور موقع پرستوں ہی سے ممتاز نہیں کرتی، بلکہ ان متوسط درجے کے اہلِ اطاعت و اتباع سے بھی ممتاز کرتی ہے، جو اتباع کے ایسے نازک امتحان میں مصالح و منافع کو نظر انداز نہیں کر سکتے۔ یہی وہ مقام ہے، جہاں عقل کے بھی پَر جلتے ہیں، بڑے بڑے وفادار رفیق پیچھے رہ جاتے ہیں، دُور اندیشی اور عاقبت شناسی دانتوں میں اُنگلیاں دیتی ہے اور ہر شخص تصویرِ حیرت بن کر رہ جاتا ہے، لیکن صاحبِ یقین اور متّبعِ کامل جس کے سامنے صرف احکامِ الٰہی اور فرائضِ عبُودیّت ہوتے ہیں، اپنا کام کیے جاتا ہے۔ وُہ اس موقع پر بڑے سے بڑے نقصان کو گوارا کرتا ہے، حکمِ الٰہی کی تعمیل اور رضائے الٰہی کی اُمید میں مُلک کے ہاتھ سے نکل جانے کو مُلک کے فتح ہو جانے سے زیادہ نفع بخش سودا سمجھتا ہے۔ یہ اِتّباع کی وُہ شان ہے کہ حُدَیبیہ کی صُلح میں، جب صحابۂ کرامؓ میں بھی جلیل القدر ہستیوں کو اپنی ذِلّت اور کمزوری اور شرائط صُلح کے سخت ہونے کا احساس ہو رہا تھا، تو ابوبکر صدّیقؓ حضرتِ عُمرؓ سے یہ فرما رہے تھے: "آپ کی رکاب تھام لو۔ یہ یقینی بات ہے کہ وُہ اللہ کے رسُولؐ ہیں"۔ یہی مقامِ صدّیقیّت تھا کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پر سارے عرب میں ارتداد کی آگ پھیل جاتی ہے اور قبائل یکے بعد دیگرے خزاں کے پتّوں اور تسبیح کے دانوں کی طرح اسلام سے نکلتے جاتے ہیں اور بعض صحابہؓ کے اپنے الفاظ ہیں "مسلمانوں کی وہ کیفیت ہو جاتی ہے، جیسے بارش کی رات میں بھیڑوں کی کہ وُہ اپنے باڑے میں دبک جاتی ہیں اور سردی سے ٹھٹھرنے لگتی ہیں"۔ مدینہ حملہ آوروں کی طرف سے ہر وقت خطرے میں ہے، اُس وقت حضرت ابوبکرؓ حضرت اُسامہؓ کا لشکر، جس کو رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام بھیجنے کے لیے تیّار کیا تھا، روانہ کر دینے پر مُصر ہیں۔ اس لشکر میں مُہاجرین و انصار کے بڑے بڑے سردار اور میدانِ جنگ کے آزمودہ کار سپاہی ہیں، خود حضرت عُمرؓ بھی اس لشکر میں ہیں، یہ اُس وقت کے مسلمانوں کی فوجی طاقت کا کُل سرمایہ تھا۔ لوگوں نے حضرت ابوبکرؓ سے عرض کیا کہ اس وقت اس لشکر کا مدینہ سے باہر جانا

کسی طرح مناسب نہیں۔ حملہ آوروں اور دشمنوں کی نگاہیں مدینے پر ہیں۔ اس لشکر کے کوچ کرتے ہی مدینے پر حملہ ہو جائے گا۔ اس مشورے میں مدینے کے تمام عقلاء شریک تھے، لیکن حضرت ابوبکر صدیقؓ کے نزدیک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشا، پورا کرنا اور آپ کے ارادے کو عمل میں لانا ہی سب سے بڑی عقلمندی اور سیاست تھی۔ آپ صاف جواب دیتے ہیں کہ قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی، جس کے قبضے میں ابوبکرؓ کی جان ہے، اگر مجھے اس کا بھی یقین ہو جائے کہ جنگل کے درندے مجھے اُٹھا لے جائیں گے تب بھی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا منشاءِ مبارک پورا کروں گا اور اُسامہؓ کا لشکر بھیج کر رہوں گا۔

یہی اتباع، خلافتِ راشدہ کی رُوح ہے اور یہی وُہ پہلو ہے، جو حضرت ابوبکرؓ اور حضرت علیؓ کی خلافتوں میں پُورے طور پر مشترک ہے۔ ایک نے فتوحات کی حالت اور اسلام کے اقبال و ترقی کے دَوران میں اتباع کا حق ادا کیا اور خلافتِ نبوّت کا شاندار نمونہ پیش کیا، دُوسرے نے انتہائی فتنوں اور آزمائشوں اور اپنی خلافت کے پُرآشوب دَور میں نبوّت کی جانشینی کا حق ادا کر کے دِکھلا دیا اور خلافت علیٰ منہاج النبوّۃ کے معیار سے بال برابر ہٹنا اور اپنے اُصول میں ذرّہ برابر ترمیم اور ادنیٰ لچک پیدا کرنا بھی گوارا نہیں کیا۔ بیت المال کی آمد و خرچ کے معاملے میں، عُمّال و حُکّام کے عزل و نصب میں وہ اسی پُل صراط پر قائم رہے جو بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہے۔ یہ کام مُؤرّخ کا ہے کہ وُہ صدّیقی اور عَلَوی دَورِ خلافت کی تفصیلات مُرتّب کرے اور اُن کے اسباب و نتائج سے بحث کرے گہری نظر رکھنے والے کی نگاہ میں اصل چیز "اتباع" ہے اور اس لحاظ سے اس کو حضرت علیؓ کی خلافت درحقیقت حضرت ابوبکرؓ کی خلافت کا طبعی امتداد و تسلسل نظر آئے گا اور دونوں میں بُنیاد، رُوح اور مزاج کا کوئی فرق نہیں محسُوس ہوگا۔

سیّد صاحبؒ کی تاریخ میں جو مقام سب سے زیادہ نازک پیش آتا ہے، جس کی توجیہ میں بڑی سی بڑی عقیدتمندی کو بھی دُشواری محسُوس ہوتی ہے، وُہ پشاور فتح کرنے کے بعد سلطان محمّد خاں کے حوالے کر دینے کا واقعہ ہے۔ اس موقع پر خود آپ کے لشکر کے اہلِ اخلاص بھی سخت کشمکش میں تھے۔ ایک طرف آپ پر اعتماد اور آپ کی اطاعت کا معاملہ تھا، دُوسری طرف ایک ایسے ناقابلِ اعتماد اور بار بار کے

آزمودہ دشمن اور بداندیش کو دارالسلطنت حوالے کر دینے کا مسئلہ تھا، جس نے زک پہنچانے اور مجاہدین کا استیصال کرنے میں کوئی دقیقہ کبھی اُٹھا نہیں رکھا۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ موقع بڑے بڑے راسخ عقیدت لوگوں کے لیے بھی بڑا نازک اور صبر آزما تھا، اور اب بھی ایک پُرجوش مؤرخ اور عقیدتمند سوانح نگار یہاں پہنچ کر ٹھٹک کر کھڑا ہو جاتا ہے۔

لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس معاملے کا سمجھنا بہت دُشوار بھی ہے اور نہایت آسان بھی۔ دُنیا میں ہر قُفل کی ایک کُنجی ہے۔ اس کُنجی سے اس قفل کا کھُلنا نہایت آسان ہے اور اس کُنجی کے بغیر اس کا کھُلنا نہایت دُشوار۔ اس مسئلے کی بھی ایک کُنجی ہے، جس سے وُہ بآسانی حل کیا جاسکتا ہے۔ اگر وُہ کُنجی ہاتھ نہ آئے تو یہ ایک عقدۂ لاینحل ہے۔

اس واقعہ کی کنجی آپ کی اس تقریر میں موجُود ہے، جو آپ نے ارباب بہرام خاں کی گفتگو کے جواب میں فرمائی ہے۔ آپ پچھلے صفحات میں اس کو پھر ایک بار پڑھیے اور غور کیجیے کہ اس میں کونسی رُوح اور کونسا جذبہ کام کر رہا ہے اور اس فعل کا اصلی مُحرّک کیا ہے، خصوصیت کے ساتھ اس ٹکڑے پر غور کیجیے:

"تم سب خُوب جانتے ہو کہ ہم لوگ ہندوستان سے گھر بار چھوڑ کر اور عزیزوں اور آشناؤں سے مُنہ موڑ کر صرف اِس لیے آئے ہیں کہ وہ کام کریں، جس میں پروردگار کی رضامندی و خوشنودی ہو، مخلوق کی خوشی و ناخوشی سے ہم کو کچھ غرض نہیں۔ خوش ہوں گے، تو کیا بنائیں گے اور ناخوش ہوں گے، تو کیا بگاڑیں گے؟ نادان سمجھتے ہیں کہ یہ مُلک گیری اور دُنیا طلبی کے لیے آئے ہیں۔ یہ اُن کا خیالِ خام ہے۔ وہ دینِ اسلام سے واقف نہیں ہیں..... اور جو سمہ کے خوانین بھائی اُن کے ظُلم و تعدّی کا شکوہ اور اپنی بے عزتی خانہ ویرانی اور زیر باری کا قصّہ بیان کرتے ہیں، یہ سب سچ ہے۔ اس بات کو یوں سمجھیں کہ ہمیشہ سے کافر و باغی اور مُنافق مسلمانوں پر طرح طرح کی تعدّی اور مکّاری کرتے رہے ہیں، مگر جس وقت اللہ تعالیٰ کی رضامندی کا کام مقابلے میں آجاتا ہے، اس وقت سب بغض و عداوت کو اپنے دل سے دُور کر دیتے ہیں اور زبان پر نہیں لاتے اور اُن کے

ساتھ وہی معاملہ کرتے ہیں، جس میں پروردگار کی رضامندی اور اُس کے فرمان کی تعمیل ہو، اگرچہ نفس و ابناء زمانہ کے مخالف ہو۔ مسلمانی اور دینداری و خدا پرستی اس کا نام ہے، نہیں تو نفس پروری اور دُنیاداری ہے۔ اور جو اپنے قندھاری بھائی شکایت کرتے ہیں کہ ہمارے اتنے بھائی انھوں نے شہید کیے، تو یہ بات شُکر کے لائق ہے نہ کہ شکایت کے، اس لیے کہ وُہ سب بھائی اپنی دلی مُراد کو پہنچے۔ وہ اسی مطلب کے حصُول کے لیے یہ تمام تکالیف و مصائب اُٹھا کر اتنی دُور دراز کی مسافت سے جہاد فی سبیل اللہ کو آئے تھے کہ اپنے پروردگار کی رضامندی کی راہ میں اپنی جانیں صرف کریں سو وُہی انھوں نے کیا۔ اور یہ جہاد کا کاروبار صرف پروردگار کی رضامندی کا ہے، نفسانیت اور جنبہ داری کا نہیں ہے، جیسے دُنیادار اور جاہ طلب لوگ کرتے ہیں۔

پھر آگے چل کر اسی بات کو مزید وضاحت اور قوت کے ساتھ بیان کرتے ہیں کہ

"ہم کو صرف اللہ کی رضا اور اُس کے حُکم کی تعمیل منظور ہے، نفع و نقصان سے کوئی بحث نہیں۔ اس معاملے میں سلطنت آنے جانے کی بھی پروا نہیں،

اور جو یہ کہتے ہیں کہ اگر ضرورت ہو، تو شہر کے انتظام اور لشکر کے خرچ کے لیے ہم دو چار لاکھ روپے کا بندوبست کر دیں، مگر یہاں کی حکومت دُرّانیوں کو نہ دیں، سو یہ بات ہم کو منظور نہیں، اس لیے کہ ہم کو تو اپنے پروردگار کی رضامندی چاہیے جس میں وُہ راضی ہوگا، ہم کریں گے۔ اس میں چاہے تمام جہان ناخوش ہو، کچھ پروا نہیں۔ اگر ایک جگہ ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت پروردگار کی رضامندی کے خلاف ملتی ہو، تو اس دولت اور سلطنت کی کچھ حقیقت نہیں، اور ایک جگہ پروردگار کی رضامندی کے موافق ہفت اقلیم کی دولت اور سلطنت جاتی ہو، تو اس کی رضامندی سب کچھ ہے"

آپ کے پیشِ نظر صرف یہ بات ہے کہ ایک شخص جب نائب ہوتا ہے، خدا کا نام بیچ میں لاتا ہے احکامِ شرعی کے نفاذ اور اُنھیں مقاصد کے اجرا کا عہد کرتا ہے، جو اس ساری جد و جُہد اور جہاد و قتال کا

مُحرک ہیں، تو کس بُنیاد پر اِس پیش کش کو ٹھکرا دیا جائے اور اس کے مقابلے میں اپنے آپ کو ترجیح دی جائے ؟ پھر ایک نفسانی جنگ اور خود غرضانہ جِدّ و جُہد اور جہاد فی سبیل اللہ میں کیا فرق رہ جاتا ہے؟ ارشاد فرماتے ہیں :

"اِس گفت گو کا خلاصہ یہ ہے کہ سردار سلطان مُحمّد خاں اپنی خطا و قصور سے نادم اور تائب ہو گیا ہے اور شریعت کے تمام احکام کو اُس نے قبول کر لیا ہے اور کہتا ہے کہ اب دوبارہ بغاوت و شرارت اور خدا و رسُولؐ کی مرضی کے خلاف کوئی فعل نہیں کروں گا۔ میری خطا للہ معاف کرو۔ اگر یہ کام نفاق اور دغا بازی سے کرتا ہے، تو وُہ جانے، اس کا خدا جانے۔ شریعت کا حُکم تو اقرارِ ظاہری پر ہے کسی کے دل کے حال پر نہیں، دل کا حال خدا کو معلوم ہے۔ ہم تو اس کے ساتھ وُہی معاملہ کریں گے، جو ظاہر شریعت کا حُکم ہے۔ اس میں چاہے کوئی راضی ہو، چاہے ناراض ہو۔ اب ہم جو اُس کا عُذر نہ مانیں، تو اس پر ہمارے پاس کون سی دلیل اور حُجّت ہے ؛ اگر کوئی دِیندار، خدا پرست عالِم کسی دلیلِ شرعی سے ہم کو سمجھا دے کہ تم خطا پر ہو، تو ہم منظور کر لیں گے۔ اس کے بغیر ہرگز نہ مانیں گے، کیونکہ ہم تو خدا اور رسُول کے تابع ہیں اور کسی کے تابع نہیں۔

اس تقریر کا جو اتباع و بے نفسی اور للّٰہیت کے رنگ میں ڈوبی ہُوئی تھی اور دل کی گہرائی سے نکلی تھی، سامعین پر ایسا اثر ہُوا کہ حاضرینِ مجلس کا بیان ہے کہ

جس وقت سیّد صاحب یہ تقریر فرما رہے تھے، اس وقت رحمتِ الٰہی کا عجب نزول ہو رہا تھا۔ ارباب بہرام خاں اور ارباب حُمعہ خاں کے روتے روتے ہچکیاں لگ گئی تھیں اور وہ عالمِ سُکوت میں بیہوش و خود فراموش تھے۔"

جب آپ خاموش ہو گئے، تب ارباب بہرام خاں نے عرض کیا کہ حضرت، جو کچھ آپ نے فرمایا، حق اور بجا ہے۔ خدا و رسُولؐ کے کاموں سے آپ ہی واقف ہیں، ہم دُنیا داروں اور

نفس پرستوں کو کیا خبر ہے؟ ہم نے اس وقت جانا کہ دینِ اسلام اس کو کہتے ہیں اور خُدا و رسُولؐ کی اطاعت اس کا نام ہے اور جو خیال اس کے خلاف میرے دل میں تھا، اس سے میں آپ کے سامنے تَوبہ کرتا ہوں اور از سرِ نو آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور آپ میرے لیے دعا کریں۔

ایک مُلک گیر اور فاتح اور ایک فرماں بردار مجاہد بندے کے درمیان یہی فرق ہے کہ اول الذکر کو مُلکی مصالح اور سلطنت کے حصُول سے تعلق ہے اور ثانی الذکر کو تعمیلِ حُکم اور طاعت و بندگی سے۔ پشاور کے سیٹھوں نے یہ سمجھ کر کہ شاید سیّد صاحبؒ پشاور اس لیے حوالہ فرما رہے ہیں کہ آپ کے پاس خزانہ و لشکر کی کمی ہے، اپنا ایک نمائندہ آپ کے پاس بھیجا اور یہ کہلوایا کہ اگر شہر سپرد کر دینے کی یہی وجہ ہے، تو اس کا آپ اندیشہ نہ کریں۔ آپ کے فرمانے کی دیر ہے۔ مَیں آپ ہی کے پاس حاضر ہُوں۔ جس قدر روپیہ آپ فرمائیں، دو گھڑی کے عرصے میں اس جگہ روپوں کا ڈھیر لگا دُوں اور ادھر آپ نوکر رکھنا شروع کر دیں جس قدر ضرورت ہو نوکر رکھ لیں اور اس کے سوا اور کوئی سبب ہو، تو اس کی بات آپ جانیں۔"

آپ نے اس کے جواب میں فرمایا کہ

"سیٹھ جی، تم یہ بات بہت اچھی کہتے ہو۔ جو حاکم مُلک گیری کا ارادہ رکھتے ہیں اُن کے کام کی ہے، لیکن ہم اُن حاکموں میں نہیں۔ ہم اپنے مالک کے فرمانبردار ہیں جو کچھ ہم لوگ کرتے ہیں، اُسی کی مرضی کے موافق کرتے ہیں۔ لوگوں کے رُوبرُو اس میں کچھ نقصان نظر آتا ہو یا فائدہ، اس سے کچھ غرض نہیں۔ ہمارے مالک کا حُکم ہے کہ کوئی شخص کیسا ہی قصُوروار ہو، جب وُہ اپنے قصور سے تَوبہ کرے اور اپنی خطا کا عُذر کرے، تو اس کی خطا معاف کرنی چاہیے اور اُس کا عُذر قبول کرنا لازم ہے۔ اگر اس نے توبہ دغا بازی سے کی ہو، اس بات سے ہم کو کچھ کام نہیں۔ وُہ جانے اور اُس کا خدا جانے۔ اُس کا مال مُلک زبردستی لینا درست نہیں۔ ہمارے اور سردار سلطان محمّد خاں سے اِسی طَور کا مُعاملہ ہے۔ اور جو تم لشکر اور خزانے

کا ذکر کرتے ہو، تو ہمیں اس بات کا اندیشہ نہیں، چاہے ہو یا نہ ہو، کیونکہ ہمارے مالک کے یہاں سب کچھ ہے، کسی چیز کی کمی نہیں۔ اگر وہ اپنا کام ہم سے لے گا تو بہتر سے بہتر فوج و لشکر اور مال و خزانہ بغیر مانگے عنایت کرے گا۔"

○

اڑتالیسواں باب

رُوحانی اَوصاف اور باطنی کیفیات

اِنابت و استغفار خطا کا ظہور اور بھُول چُوک بشریت کا اِقتضا اور فطرتِ انسانی کا لازمہ ہے غیر معصُوم کا اس سے بچنا تو امرِ محال ہے، لیکن اہلِ اصطفا اور مقبولینِ بارگاہ اور عوام النّاس میں یہی فرق ہے کہ ان مقبولین کو اپنی غلطی پر سخت ندامت ہوتی ہے اور غلطی کے صدُور کے بعد ان کی بندگی کا نمایاں طریقے پر ظہور ہوتا ہے، اس اِنابت (اِلَی اللہ) اور توجہ اِلَی اللہ کی ایسی کیفیت پیدا ہوتی ہے اور وُہ اس کثرت اور شدّت سے استغفار کرتے ہیں کہ نہ صرف اس غلطی کا کفّارہ ہو جاتا ہے، بلکہ ان کے درجات میں پہلے سے زیادہ ترقی اور اُن کے قُرب میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حضراتِ انبیاء علیہم السّلام کے تذکرے میں بھی اُن کی اِس صفتِ اِنابت کا خصوصی طور پر ذکر فرمایا ہے۔ حضرتِ داؤد علیہ السلام کے ایک واقعہ کا ذکر کرتے ہُوئے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَظَنَّ دَاوٗدُ أَنَّمَا فَتَنّٰهُ فَاسْتَغْفَرَ رَبَّهٗ وَخَرَّ رَاكِعًا وَّ أَنَابَ (ص : ۲۴)	داؤدؑ کو خیال آیا کہ ہم نے ان کا امتحان لیا ہے سو اُنھوں نے اپنے رب کے سامنے توبہ کی اور سجدے میں گر پڑے اور رجُوع ہُوئے۔

اس استغفار و انابت کا نتیجہ صرف مغفرت و عفو ہی نہیں، بلکہ ترقیِ درجات اور قُرب مزید ہُوا۔ اِرشاد ہے:

فَغَفَرْنَا لَهٗ ذٰلِكَ وَ اِنَّ لَهٗ عِنْدَنَا لَزُلْفٰى وَحُسْنَ مَاٰبٍ (ص ۲۵)

سو ہم نے اُن کو وُہ معاف کر دیا اور ہمارے یہاں اُن کے لیے قُرب اور نیک انجامی ہے

حضرت سُلیمانؑ کے تذکرے میں بڑی محبت و اعزاز کے ساتھ ارشاد ہے:

وَوَهَبْنَا لِدَاوٗدَ سُلَيْمٰنَ نِعْمَ الْعَبْدُ اِنَّهٗۤ اَوَّابٌ (ص ۳۰)

اور ہم نے داؤدؑ کو سُلیمانؑ عطا کیا۔ وُہ بہت اچھے بندے تھے کہ بہت رجوع ہونے والے تھے۔

درحقیقت کسی انسان کی یہ تعریف صحیح نہیں ہے کہ اس سے غلطی کا صُدور ہی نہیں ہوتا اور وُہ نبی کی طرح معصُوم ہے، بلکہ اس کی تعریف یہ ہے کہ غلطی کے صُدور پر اُس کی بندگی کا پُورا ظہور ہوتا ہے۔ وُہ ایک خطاکار بندے کی طرح اپنی تقصیر کا اقرار و اعتراف کرتا ہے اور پوری ندامت و انابت کے ساتھ خدا کے حضور اپنے گناہ پر توبہ و اِستغفار کرتا ہے۔

سیّد صاحب کی سیرت میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں، جن سے اِس صفتِ عبُودیت اور کیفیتِ انابت کا پُورا اظہار ہوتا ہے۔

مولوی سیّد جعفر علی لکھتے ہیں کہ سفرِ حج میں آپ کے ساتھ عبداللہ نومسلم دہلوی اور اُن کی بیوی، جو آپ کے گھر کی ملازمہ اور خدا کی ایک نیک بندی تھیں، ساتھ تھے۔ اس عورت کی گود میں ایک بچہ تھا اور آپ کی ایک صاحبزادی بھی شیرخوار تھیں۔ وہ عورت دونوں بچوں کو دُودھ پلاتی تھی۔ کچھ دنوں کے بعد اُس کا دُودھ کم ہوگیا۔ اُس نے صاحبزادی کو دُودھ پلانا چھوڑ دیا۔ آپ کی اہلیۂ محترمہ کو اُس پر غُصّہ آیا اور اُنھوں نے ایک دن آپ سے شکایت کی۔ آپ نے اس خادمہ سے کہا کہ تم اس بچی کو ضرور دُودھ پلاؤ، ہم تمھاری خوراک ایسی مقرر کر دیں گے کہ دُودھ بڑھ جائے گا اُس نے کہا کہ مَیں نے بہت سی چیزیں کھائیں، لیکن دُودھ نہیں بڑھا۔ میں اس بچی کو دُودھ پلانے کے

لیے تیار ہوں، لیکن پوچھتی ہوں کہ اگر میرا بچہ بھوکوں مر گیا، تو اس کا گناہ مجھ پر ہے یا نہیں؟ آپ نے اپنی بچی کا دودھ اُس سے چھڑا دیا۔ اُس کا میاں عبداللہ کو بھی بہت رنج ہوا۔ چار پانچ دن کے اندر آپ کو بہت تردّد و پریشانی لاحق ہوئی اور دعا و مناجات وغیرہ میں کمی محسوس ہوئی۔ اس پر آپ نے مغموم ہو کر بارگاہِ بے نیاز میں بہت دعا و التجا کی۔ آپ کو تنبّہ ہوا کہ بچی کو دودھ پلانے کے واقعے میں آپ سے ایک غریب عورت کی دل شکنی اور اس کے بچے کی حق تلفی ہوئی۔ آپ صبح ہی صبح مکان پر تشریف لائے اور لوگوں کو جمع کر کے ارشاد فرمایا کہ مجھ سے اِس معاملے میں قصور ہوا اور سب واقعہ بیان کیا۔ پھر سب مستورات کو ساتھ لے کر آپ میاں عبداللہ کی بیوی کے پاس تشریف لے گئے۔ وہ یہ دیکھ کر ڈر گئیں اور رونے لگیں۔ آپ نے اُن کو تسلی دی اور فرمایا کہ ہم سے خطا ہوئی کہ ہم نے تم کو بچی کے دودھ پلانے کا حکم دیا۔ خدا کے لیے معاف کر دو یہ سُن کر وہ اور زیادہ رونے لگی۔ عورتوں نے اُن کو سمجھایا کہ زبان سے کہہ دو کہ ہم نے معاف کیا۔ اسی طرح تین بار اُن کی زبان سے کہلوایا، پھر آپ نے اُن کے لیے دعاءِ خیر کی اور اہلیۂ محترمہ کو بڑی تاکید فرمائی کہ اس عورت کی پہلے سے بھی زیادہ خاطر داری اور دلجوئی کرنا۔ پھر آپ شیخ عبداللطیف تاجر کے مکان پر تیز قدمی کے ساتھ تشریف لائے۔ شیخ صاحب موصوف مولانا عبدالحی مولانا محمد اسمٰعیل اور حکیم مغیث الدین وغیرہ دالان میں بیٹھے ہوئے تھے۔ آپ نے فرمایا کہ میں اس وقت تمہارے پاس ایک ضروری کام کے لیے آیا ہوں۔ آپ نے میاں عبداللہ کو پہلو میں بٹھایا اور ایک بڑی پُر اثر تقریر کی، جس میں پروردگارِ عالم کی بے نیازی کا مضمون بیان کیا اور یہ کہ سب بندوں سے قصور و نافرمانی ہوتی ہے اور سب یکساں خدا کے محتاج ہیں۔ پھر آپ کھڑے ہو گئے اور آپ کے ساتھ سب اہلِ مجلس کھڑے ہو گئے۔ آپ نے بچی کے دودھ پلانے کے واقعہ کو بیان کیا اور فرمایا کہ میں نے میاں عبداللہ کی بیوی سے تمام عورتوں کے رُوبرُو معافی مانگ لی ہے، لیکن چاہتا ہوں کہ میاں عبداللہ سے آپ کے اور سب مسلمانوں کے سامنے معافی مانگوں تاکہ آپ سب بھی دعا میں داخل ہو جائیں۔ آپ کے اس فرمانے سے تمام اہلِ مجلس پر رقّت طاری

ہوگئی۔ میاں عبداللہ اتنا روئے کہ جواب کی طاقت نہ رہی۔ انھوں نے انتہائی عجز سے عرض کیا کہ مَیں آپ کا خادم و فرمانبردار ہُوں۔ آپ نے فرمایا۔ نہیں، بلکہ تم ہمارے بھائی ہو۔ ہم سے قصور ہُوا۔ اب ہمارے معافی مانگنے اور تمھارے معاف کر دینے میں بڑی خیر و برکت ہے۔ تم کو معاف کر دینا چاہیے۔ میاں عبداللہ پر ایسا گریہ طاری تھا کہ بات زبان سے نہیں نکلتی تھی۔ ایک دُوسرے شخص نے اُن کے شانے پر ہاتھ رکھا اور کہا کہ کہو: مَیں نے معاف کیا۔ میاں عبداللہ نے عرض کیا کہ اگر میرے کہنے ہی پر موقوف ہے، تو مَیں نے دِل و جان سے معاف کیا۔ اِس کے بعد آپ نے دُعا کے لیے ہاتھ اُٹھائے اور بڑی گریہ و زاری سے مسلمانوں کے لیے عموماً اور میاں عبداللہ کے لیے خصوصیت کے ساتھ دُعا فرمائی۔ پھر آثارِ قبولیت پر، جو ظاہر ہُوئے، اللہ تعالیٰ کا شُکر ادا کیا۔

اِسی طرح کا ایک واقعہ وقائع احمدی سے نقل کیا جاتا ہے۔

"حضرت علیہ الرحمۃ کے باورچی خانے کے داروغہ میاں عبدالقیوم صاحب تھے اور عبداللہ بہرے مولانا صاحب کی جماعت والے بھی باورچی خانے کے کاروبار میں شریک تھے، اور قادر بخش خاں کُنج پورے والے حضرت کا کھانا پکایا کرتے تھے اور کھانا پکانے کے فن میں وُہ بڑے اُستاد تھے۔ ایک روز وُہ گوشت پکا رہے تھے اور گوشت میں پانی کم تھا۔ اس عرصے میں مغرب کی اذان ہُوئی۔ انھوں نے حاجی عبداللہ سے کہا کہ تم گوشت کی خبر لیتے رہو، مَیں نماز کر جاتا ہوں۔ یہ کہہ کر وہ نماز کو گئے۔ حاجی عبداللہ نے گوشت کے نیچے سے آگ کھینچ کر الگ کر دی اور آپ بھی جا کر جماعت میں شامل ہو گئے۔ بعد فراغ نماز قادر بخش خاں آئے اور گوشت دیکھا، تو اُس میں داغ لگ گیا تھا۔ اُنھوں نے جو داغی بوٹیاں معلوم کیں، وُہ نکال ڈالیں اور جو بوٹیاں باقی رہیں، ان میں شوربے کے واسطے پانی ڈال دیا گیا۔ پھر بھی اُس میں جلنے کی بُو باقی رہی۔ پھر جب کھانا تیار ہُوا، تب حضرت علیہ الرحمۃ کے پاس لے گئے۔ آپ نے اس کو چکھ کر قادر بخش خاں سے پوچھا کہ تم نے آج یہ کھانا کیسا پکایا ہے کہ داغ کھا گیا؟ اُنھوں نے اپنا عُذر بیان کیا کہ مَیں حاجی عبداللہ کو گوشت سپرد کر کے نماز کو

آیا اور میرے پیچھے وُہ نماز کو چلے آئے۔ اس سبب سے گوشت میں داغ لگ گیا۔ یہ بات سُن کر بے ساختہ عادتِ شریف کے خلاف آپ کی زبان سے نکل گیا کہ تم اس کو گوشت سپرد کر کے نماز کو گئے، اُس مردُود نے خبر نہ لی، گوشت جل گیا اور کھانے کے قابل نہ رہا۔ خلافِ عادت آپ کی زبان سے یہ سخت کلام سُن کر جو لوگ اس وقت وہاں حاضر تھے، سب خاموش ہو رہے، کسی نے کچھ دم نہ مارا۔ پھر آپ نے گوشت کی رکابی اُٹھا کر قادر بخش خاں کے حوالے کی اور روٹی ڈال کے ساتھ کھائی۔ پھر جب آپ کھانا کھا کر اور نمازِ عشا پڑھ کر فارغ ہُوئے اور معمُول کے موافق بیٹھے، اُس وقت قاضی علاء الدین اور میاں جی چشتی اور مولوی وارث علی اور مولوی امام الدین اور حافظ صابر صاحب وغیرہم نے آپس میں کہا: آج اِس وقت مردُود کا لفظ خلافِ عادت زبانِ شریف سے نکلا ہے۔ ایسا سخت کلام کہنا آپ کی لیاقت سے بعید ہے۔ اس کی اطلاع آپ کو ضرور کرنی چاہیے اور آپ نے بارہا ہم لوگوں سے فرمایا بھی ہے کہ مَیں بھی بشر ہوں۔ اگر کسی وقت کچھ بیجا کلام شریعت کے خلاف میری زبان سے صادر ہو، تو مجھ کو ضرور اطلاع کرو اور جو نہ کرو گے، تو قیامت کے روز تمھارا دامن گیر ہونگا۔ سو اس بات کی اطلاع کرنی ہم پر واجب ہے کہ ہم اپنی طرف سے بری الذمہ ہو جائیں۔ اس بات پر متفق ہو کر سب آپ کے پاس دستور کے موافق آئے اور بیٹھے۔ پھر مولوی امام الدین صاحب بنگالی اور میاں جی چشتی صاحب برہانوی نے آپ کی خدمت میں عرض کی کہ سب بھائی لوگ جو حاضر ہیں کہتے ہیں کہ آج آپ نے گوشت کے جل جانے پر حاجی عبداللہ کو مردُود کہا۔ یہ کلام کسی مُسلمان کو کہنا کیسا ہے؟ آپ نے اُن کا یہ سوال سُن کر دیر تک سکوت فرمایا، اور کہا کہ یہ بات کسی مسلمان کو کہنی نہیں چاہیے۔ یہ کلمہ میری زبان سے بے اختیاری میں بے ساختہ نکل گیا اور بڑا قُصور ہُوا۔ اور تم سب بھائیوں نے خوب کیا، جو اس قصُور سے مجھ کو آگاہ کیا۔ پھر آپ نے حاجی عبداللہ کو اور باورچی خانے کے سب لوگوں کو بُلوایا اور ہر ایک جماعت کے بہت لوگ اُس وقت حاضر تھے اور حاجی عبداللہ بہت سادہ مزاج، سلیم الطبع، صالح آدمی تھے۔ حضرت نے اُن کو اپنے پاس بٹھا کر فرمایا کہ حاجی صاحب، ہم تمھارے قصور مند ہیں۔ اس وقت غصّے میں بے اختیار

ہماری زبان سے مردود کا جو لفظ نکل گیا۔ ہماری یہ خطا للہ معاف کرو اور ہم سے مصافحہ کرو۔ وہ سُنتے کم تھے۔ اپنے جی میں ڈر گئے اور عُذر کرنے لگے کہ حضرت، آپ کا سالن مجھ سے جل گیا، میں بہت نادم ہوں۔ یہ میری خطا اب خدا کے واسطے معاف کر دیں۔ آپ نے اُن کے کان میں زور سے پکار کر کہا کہ تمھاری کچھ خطا نہیں ہے، خطا ہم سے ہوئی کہ مردود کا لفظ ہماری زبان سے نکل گیا۔ تم ہم کو معاف کر دو۔ یہ بات سُن کر اُنھوں نے حضرت کا ہاتھ پکڑ لیا اور کہا کہ حضرت، مَیں نے مُعاف کیا۔ آپ میرے لیے دُعا کریں کہ اللہ تعالیٰ میری مغفرت کرے اور آپ نے مصافحہ کیا۔ پھر آپ نے اِسی مجلس میں سب کے سامنے بآواز کہا کہ مَیں اپنی خطا سے تَوبہ کرتا ہوں، اب کبھی ایسا بیجا کلام انشاء اللہ تعالیٰ، میری زبان سے نہ نکلے گا۔ پھر بہت دیر تک وعظ کے طور پر فرماتے رہے کہ ہر مسلمان بھائی کو چاہیے کہ اِس قسم کے الفاظ، مثلاً، کافر، مُشرک، مُنافق، مردُود وغیرہ کسی مُسلمان کے حق میں اپنے منہ سے نہ نکالے اور ان لفظوں سے زبان کو روکے رہے اور جو کبھی بے اختیاری سے نکل جائے، تو اسی وقت توبہ کر لے۔ ان لفظوں سے ایمان میں نقصان آ جاتا ہے اور۔ اسی طرح بہت دیر تک آپ نے منہیاتِ شرعیہ کے الفاظ بیان کیے۔ اِس طرح آپ کی زبانِ ہدایت بیان میں تاثیر تھی کہ یہ کلامِ رُشد الِتیام سُن کر تمام حاضرینِ مجلس پر ایک عجیب حال واقع ہُوا کہ وُہ تحریر و تقریر میں نہیں آسکتا۔ بعد اس کے آپ نے دُعا کی۔ پھر سب لوگ اپنے اپنے ڈیرے میں گئے اور آپس میں کہنے لگے کہ آج جو یہ لفظ حضرت کی زبان سے واقع ہُوا، یہ بھی حکمتِ الٰہی سے خالی نہ تھا کہ اس کے ذیل میں آپ نے منہیاتِ شرعیہ کے اور بہت سے الفاظ بیان کر کے ہم سب کو خبردار کر دیا۔ پھر اس کے کئی دن کے بعد جب مولانا محمد اسمٰعیل صاحب موضع امب سے تشریف لائے، تب بعض لوگوں نے حضرت کے مردُود کہنے اور توبہ کرنے کا وُہ حال آپ سے بیان کیا۔ آپ نے فرمایا کہ اولیاء اللہ کی زبان سے جو کسی وقت بشریت کے بسبب کوئی کلامِ مکروہ شریعت کے خلاف نکل جاتا ہے اور وہ اس سے تَوبہ کرتے ہیں، تو حقیقت میں وُہ کلام حکمت اور فائدے سے خالی نہیں ہوتا اور نہ اس سے ان کا مرتبہ کم ہو جاتا ہے، بلکہ اُن کا درجہ اس کے بسبب بڑھ جاتا ہے۔ چنانچہ حضرت آدم علیہ السّلام کا گیہوں کھانا اور جنت سے

نکالا جانا بظاہر تو بے شک ان سے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہوئی اور انھوں نے اپنی خطا سے توبہ کی اور اللہ تعالیٰ نے وُہ خطا عفو فرمائی۔ مگر اس میں حکمتِ الٰہی یہ تھی کہ اس خطا کے بسبب وُہ جنّت سے نکالے جائیں اور دُنیا میں آئیں، اُن سے انبیاءؑ، اولیاء، مومن مسلمان، سب پیدا ہوں، دُنیا اور آخرت کا کارخانہ جاری ہو۔ اگر وُہ جنّت سے نہ نکالے جاتے، تو یہ کچھ بات نہ ہوتی۔ یا جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے ایک قبطی کا خُون ہو گیا اور وُہ فرعون کے خوف سے مدین چلے گئے اور اپنی خطا سے تائب ہُوئے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی خطا معاف کی اور وہاں حضرت شعیب علیہ السّلام نے اپنی صاحبزادی سے اُن کا نکاح کر دیا اور ایک عصا عنایت کیا۔ پھر جب چند سال کے بعد اپنی بی بی کو ساتھ لے کر وہاں سے مصر کو چلے اور کوہِ طُور کے قریب پہنچے، تب وہاں اللہ تعالیٰ نے اُن کو درجۂ رسالت سے سرفراز فرمایا۔ اب خیال کیا چاہیے کہ اس خطا میں اور وہاں سے بھاگنے میں اللہ تعالیٰ کی کیا کیا حکمتیں تھیں۔ اگر اُن سے وُہ خطا نہ ہوتی، تو یہ فوائد کیونکر ظہور میں آتے؟ یا ان بزرگ لوگوں کا حال دریا کی مثال سمجھنا چاہیے کہ کبھی جب مینہ برستا ہے، تو ہر طرف سے گندہ و ناپاک سیلاب مع خس و خاشاک نالوں میں سے ہو کر دریا میں جاتا ہے اور دریا کو مکدّر کر دیتا ہے کہ نافہم لوگ جانتے ہیں کہ دریا کا پانی ناپاک اور نکمّا ہو گیا، طہارت کے قابل نہ رہا۔ حالانکہ وُہ دریا بدستور پاکی میں رہتا ہے، بلکہ اس کا پانی بڑھ جاتا ہے اور رفتہ رفتہ کچھ عرصے میں وُہ کدورت بھی زائل ہو جاتی ہے اور خلق اللہ کو اس سے نفعِ عام اور فائدۂ تام ہوتا ہے۔ اور اسی طور سے کئی مثالیں دے کر لوگوں کو سمجھایا۔ (اِنتہیٰ)

اِسی طرح اگر دَوران جنگ اور سلسلۂ جہاد میں مجاہدین سے کوئی بے عنوانی، کسی کی حق تلفی یا دِل آزاری کا کوئی واقعہ پیش آتا، تو اس پر آپ تمام رُفقاء و مُجاہدین کے ساتھ بڑے اہتمام سے استغفار کرتے اور اللہ تبارک و تعالیٰ سے دُعا کرتے کہ اس پر کوئی مواخذہ نہ فرمائے تاکہ ایک مسلمان کی تقصیر سے پوری جماعت اور مقصد کو نقصان نہ پہنچے۔ مولوی سیّد جعفر علیؒ لکھتے ہیں:

"مان خاں کنج پوری نے ایک مظلوم عورت کا حال بیان کیا۔ آپ جمعے کے دن عصر

کے وقت پنجتار سے جانبِ مغرب شیشم کے درخت کے پاس تشریف لے گئے
اور برہنہ سر ایک جماعت کے ساتھ دُعا و استغفار میں مشغول ہوئے اور اتنی
گریہ وزاری فرمائی کہ حاضرین میں کُہرام مچ گیا۔[1]

دُعا | دین کے جن شعبوں کی اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ سے تجدید کرائی اور اُن کو نئی زندگی، قوّت اور رواج بخشا، اُن میں سے ایک دُعا ہے، جو عبودیّت کا لُبِّ لُباب اور حضراتِ انبیاءؑ کی وراثت ہے۔ گزشتہ حالات سے معلوم ہُوا ہوگا کہ دُعا آپ کا خاص سلاح، سپر اور سرمایۂ زندگی تھا۔ ہر جنگ اور ہر اہم واقعے سے پہلے اور اس کے بعد اہتمام کے ساتھ دُعا کرنا آپ کا خاص معمول تھا۔ پھر دُعا بھی ایسی کہ دل نکال کر رکھ دیتے۔ اکثر برہنہ سر ہو کر اپنے عجز و انکسار، درماندگی، بیچارگی اور کمزوری، فقر و احتیاج کو اس الحاح و زاری کے ساتھ پیش کرتے کہ رحمتِ الٰہی کو جوش آتا۔ سُننے والوں کے دل اُمنڈ آتے اور آنکھیں اشکبار ہو جاتیں، سب پر عالمِ بیخودی طاری ہو جاتا اور قلوب دُعا کی قبولیت کی شہادت دینے لگتے۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم نے "وصایا الوزیر" میں آپ کے ذوقِ دُعا اور کیفیّتِ دُعا کا اِن الفاظ میں ذکر کیا ہے:

"دُعا اور خدا کے سامنے گریہ و زاری کا آپ کو بڑا ذوق تھا۔ لوگوں کو
دُعا کی تعلیم دیتے اور خدا سے عرض و نیاز کا شوق دِلاتے۔ آپ کی مجلس میں
عجیب و غریب کیفیت پیدا ہوتی اور ہر شخص اپنے ذوقِ ایمانی کے مرتبے کے مطابق
لذّتِ ایمانی حاصل کرتا۔ اُس وقت خطراتِ شیطانی اور وساوسِ نفسانی یکسر
معدوم ہو جاتے، آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑیاں لگ جاتیں، بعض شخص وارفتہ اور
مدہوش ہو جاتے، حاضرینِ مجلس کو اس قدر صفائی باطن اور ترقیِ رُوحانی حاصل ہوتی
جو دُوسرے اشغال و اذکار اور چلّوں سے کم حاصل ہوتی۔"[2]

دُعا کا آپ کو اس قدر اہتمام اور اس پر اتنا اعتماد تھا کہ واقعۂ بالاکوٹ سے پہلے سچون کے

---

[1] منظورۃ السعداء　　[2] وصایا الوزیر علی طریقۃ البشیر النذیر

زمانۂ قیام میں متواتر کئی روز دُعا کا معمول رہا۔ وقائع احمدی کی یہ روایت آپ کی نظر سے گزر چکی ہے کہ

"جن دنوں مشکوٰۃ شریف کا درس ہوتا تھا۔ ایک روز سیّد صاحبؒ نے مولانا محمد اسمٰعیل صاحب سے فرمایا کہ میاں صاحب، دل میں آتا ہے کہ اب چند روز جنابِ الٰہی میں خوب سے سب مل کر دُعا کریں۔ مگر اس طرح سے کہ ہم ایک گوشۂ تنہائی میں بیٹھ کر اکیلے دُعا کریں اور آپ سب بھائیوں کو ساتھ لے جا کر کہیں جنگل میں دُعا کریں۔ مولانا صاحب نے فرمایا کہ بہت بہتر، مَیں حاضر ہوں۔ سیّد صاحبؒ نے عصر کا وقت دُعا کرنے کے لیے مُقرر فرمایا۔ ہر روز نمازِ عصر سے فارغ ہو کر سیّد صاحبؒ ایک کوٹھڑی میں اکیلے بیٹھ کر دُعا کرتے تھے، اور مولانا صاحب سب غازیوں کو اپنے ہمراہ لے کر بستی کے باہر ایک نالے پر جاتے تھے۔ پہلے آپ سب لوگوں کی طرف مخاطب ہو کر کچھ دیر وعظ و نصیحت فرماتے تھے، اس کے بعد برہنہ سر ہو کر کمالِ گریہ وزاری اور عجز و انکسار کے ساتھ جنابِ باری میں بہت دیر تک دُعا کرتے تھے۔ اِس دُعا میں طرح طرح سے اپنی محتاجی و اِنکسار اور جنابِ باری کی عظمت و جبّاری اور رحمت و غفّاری بیان کرتے تھے، دُعا کے بعد سب کو ہمراہ لے کر سیّد صاحبؒ کے پاس آتے تھے اور دُعا کرنے کا حال عرض کرتے تھے۔ یہ دُعا پانچ سات روز متواتر ہوئی"۔

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں کہ آپ کی تین خصوصیتیں تھیں :

ایک خشُوع و خضُوع اور گریہ و نیاز کے ساتھ نماز

دُوسرے قُرآن کا علم و عمل

تیسرے دُعاءِ مقبُول۔[1]

---

[1] وصایا الوزیر

ایمان و اِحتساب | دین کا دُوسرا اہم بالشّان شعبہ، جس کے آپ اپنے دَور میں مُجدّد تھے اور جو دراصل پُورے نظامِ دینی کی رُوحِ رواں ہے، وہ ایمان و احتساب ہے، یعنی، زندگی کے تمام اعمال و اشغال میں صرف رضائے اِلٰہی کی طلب، نیّت کے استحضار اور موعود اجر و ثواب کی طمع میں انجام دیا جائے۔ اس سلسلے میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ کی ایسی تربیت فرمائی تھی کہ یہ ایمان و اِحتساب شروع سے آپ کا مزاج اور آپ کی فطرت بن گیا تھا۔ اپنے متعلق ارشاد فرماتے تھے کہ

"مَیں نے مُدّۃُ العُمر آنے جانے، لینے دینے، اُٹھنے بیٹھنے، حرکت و سکُون، غصّہ و بُردباری، قہر و مہر، کھانے پینے، پہننے اور سوار ہونے کا کوئی کام نہیں کیا، جس میں رِضائے اِلٰہی کی نیّت نہ ہو اور کوئی کام مَیں نے نفس کے تقاضے اور خواہش سے نہیں کیا"۔[1]

آپ نے اس ایمان و احتساب کو مکمّل مسلک بنا دیا تھا اور چاروں طُرُق کے ساتھ آپ اِس میں بھی بیعت لیا کرتے تھے۔ یہ طریقِ نبوّت کا تزکیہ و تربیت تھی، جس سے پُوری زندگی اپنی تمام عبادات و عادات کے ساتھ خالص عبادت اور تقرّب اِلی اللہ کا ذریعہ بن جاتی۔ آپ اِس کو طریقۂ مُحمّدیہؐ کے نام سے موسوم فرماتے، جمعدار مرتضیٰ خاں صاحب رامپوری لکھتے ہیں:

"رامپور میں حکیم غلام حُسین نائب والیِ ریاست کے بڑے بھائی حکیم عطاء اللہ اور میاں مُحمد مقیم نے ایک روز بڑے ادب سے عرض کیا کہ جناب والا، پہلے طریقۂ چشتیہ، قادریہ، نقشبندیہ اور مُجدّدیہ میں بیعت لیتے ہیں، اس کے بعد طریقۂ مُحمّدیہؐ میں داخل فرماتے ہیں، اس کا سبب سمجھ میں نہیں آیا۔ اگر یہ سب طُرُق طریقۂ مُحمّدیہؐ ہی ہیں، تو ان طُرُق کے بعد طریقۂ مُحمّدیہؐ میں بیعت لینے کی کیا ضرورت ہے"؟

آپ نے فرمایا کہ اس کا اجمالی جواب تو یہ ہے کہ اصحابِ طُرُق نے اپنے

---

[1] وصایا الوزیر، نواب وزیر الدولہ مرحُوم

اپنے طریق کے مطابق اشغال کی تعلیم کی ہے۔ مثلاً طریقۂ چشتیہ اور قادریہ کے شیوخ بتاتے ہیں کہ ذکرِ جہر اس طرح کیا جائے اور ضرب اس طرح لگائی جائے۔ نقشبندی اور مجددی طُرُق کے شیوخ بتاتے ہیں کہ ذکر خفی کریں اور یہ لطیفۂ قلب ہے اور وہ لطیفۂ رُوح، اور یہ لطیفۂ نفس ہے اور وہ لطیفۂ سر۔ لطیفۂ خفی یہ ہے اور لطیفۂ اخفیٰ فلاں، اور اسی طرح وُہ تمام لوازم، جو ہم اور تمام پیرانِ طریقت اپنے مریدوں کو تعلیم کرتے ہیں، اِن طُرُق کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے باطنی ہے، لیکن ہم طریقۂ محمدیہ کے اشغال کی تعلیم اس طرح کرتے ہیں کہ کھانا اس نیت سے کھایا جائے، کپڑا اس نیت سے پہنا جائے، نکاح اس نیت سے کیا جائے، سونے کی نیت یہ ہے، کپڑا پہننے کی نیت یہ ہو، زراعت، تجارت، ملازمت کی نیت یہ ہونی چاہیے۔ اِس طریقے کی نسبت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ظاہری ہے۔"[1]

اس ایمان و احتساب کا آپ پر ایسا غلبہ تھا کہ جو لوگ چند روز آپ کے ساتھ رہتے، وُہ اس کے رنگ میں رنگ جاتے، نفس کا تقاضا نکل جاتا اور ہر کام میں رضائے الٰہی کی طلب غالب آجاتی۔ پچھلے صفحات میں آپ نے سیّد ابو محمد صاحب کا یہ پُر اثر واقعہ پڑھا ہے کہ آپ مہیار کی جنگ کے موقع پر سیّد صاحبؒ کی خدمت میں تشریف لائے اور کہا کہ

"میاں صاحب، جس روز سے مَیں آپ کے ساتھ اپنے گھر سے نکلا ہوُں، آج تک میرا یہی خیال رہا کہ میرے عزیز اور رشتہ دار ہیں، مَیں ان کے ساتھ رہوُں جو اِن کو اللہ تعالیٰ کہیں عرُوج دے گا، تو ان کی وجہ سے میری بھی ترقی ہوگی۔ نہ مَیں آج تک خدا کے واسطے رہا اور نہ کچھ ثواب جان کر۔ مگر اب مَیں نے اِس خیال فاسد سے توبہ کی اور از سرِ نَو آپ کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے واسطے بیعت

---

[1] کتاب دافع الفساد و نافع العباد

جہاد کرنے کو آیا ہوں۔ آپ مجھ سے بیعت لیں اور میرے واسطے دعا کریں کہ اللہ تعالیٰ مجھ کو اِس نیت اور ارادے پر ثابت قدم رکھے۔ آپ نے اُن سے بیعت لی اور اُن کے واسطے دعا کی۔ اس وقت تمام حاضرین پر رقّت سے ایک عجیب حال واقع تھا کہ ہر ایک کی آنکھ سے آنسو جاری تھے۔ دعا کے بعد سیّد ابو محمّد صاحب آپ سے مصافحہ کر کے اپنے گھوڑے کی طرف چلے۔ اُن کی آنکھوں سے آنسو جاری تھے۔ اُنھوں نے بسم اللہ کر کے اپنا داہنا پاؤں رکاب میں رکھا اور بآوازِ بلند پکار کر کہا کہ سب بھائیو، اِس بات کے گواہ رہنا کہ آج تک گھوڑے پر اپنی شان و شوکت اور خواہش نفس کے لیے سوار ہوتے تھے، خدا کا واسطہ اس میں کچھ نہ تھا، مگر اس وقت ہم محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی و رضا جوئی کے واسطے بہ نیّتِ جہاد اِس گھوڑے پر سوار ہوئے ہیں۔"

درحقیقت اس ایمان و احتساب کے کمال اور غلبۂ حال کے بغیر یہ طویل المدۃ جہاد اور اس کے متنوّع اعمال و اشغال، طویل طویل وقفے اور اُن کے اندر کے مشاغل و اوقات، تزکیۂ روحانی اور ترقی درجات اور قُربِ خداوندی کا ذریعہ نہیں بن سکتے تھے، مگر ایمان و احتساب کی چٹکی ایسی تھی، جس نے اس پوری زندگی کو اکسیر بنا دیا تھا۔

اِتّباعِ سُنّت | نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں کہ

"آپ مجسّم شریعت و سراپا اتّباعِ سُنّت تھے۔ فرماتے تھے کہ مجھے اللہ کے فضل سے فضائلِ ظاہری، مراتبِ باطنی، روشن دِلی اور صفائی قلب جو کچھ حاصل ہوئی ہے وہ سب اِتّباعِ شریعت کی برکت اور پیروی سُنّت کی سعادت ہے۔"[1]

اتباعِ سُنّت آپ کی زندگی اور آپ کی دعوت کا جُز بن گیا تھا۔ آپ کے نزدیک عبادات کے ساتھ معاملات اور اُمورِ معاد کے ساتھ اُمورِ معاش میں بھی اِتّباعِ سُنّت اور ترکِ بدعات ضروری

---

[1] وصایا الوزیر

ہے۔ بیعت کے وقت آپ توحید و ترکِ اشراک کے ساتھ اتباعِ سُنّت اور ترکِ بدعات کی تاکید فرماتے تھے اور ترکِ بدعت کا مفہوم اور دائرہ عبادات سے تجاوز کرکے عادات، معاشرت و معاملات پر حاوی ہے۔ ایک خلافت نامے میں ترکِ بدعت کی تشریح کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:

امّا ترکِ بدعت، پس بیانش آنکہ در جمیعِ عبادات و معاملات و اُمورِ معاشیّہ و معادیّہ طریقِ خاتم الانبیاء محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم بکمالِ قُوّت و عُلوِّ ہمّت باید گرفت و آنچہ مردمانِ دیگر بعدِ پیغمبر صلّی اللہ علیہ وسلّم از قسمِ رُسُومِ اختراع نمودہ اند، مثلِ رُسُومِ شادی و ماتم و تقبیلِ قبُور و بناءِ عمارات برآں و اسراف در مجالسِ اعراس و تعزیہ سازی و امثالِ ذٰلک، ہرگز پیرامونِ آں نباید گردید و حتی الوسع سعی در محوِ آں باید کرد۔ اوّل خود ترک باید نمود، بعد ازاں ہر مُسلمانے را دعوت بسُوئے آں باید کرد۔ چنانچہ اتباعِ شریعت فرض ہست ہمچنیں امر بالمعروف و نہی عن المُنکر نیز فرض۔

ترکِ بدعت کی تشریح یہ ہے کہ تمام عبادات و معاملات اور اُمورِ معاشیّہ و معادیّہ میں حضرت خاتم الانبیا محمّد رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے طریقے کو پوری قوّت اور بلند ہمتی کے ساتھ پکڑا جائے اور یہ جو آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد لوگوں نے اس میں ایجاد کی ہیں، مثلاً رُسُومِ شادی و غمی قبروں کی زیب و زینت، اُن پر عمارتوں کی تعمیر، عُرسوں کا اِسراف و فضول خرچی، تعزیہ سازی وغیرہ، ان کو ہرگز اختیار نہ کیا جائے اور حتی الامکان اُن کے مٹانے کی کوشش کی جائے۔ پہلے خود اُن کو ترک کیا جائے پھر ہر مسلمان کو اس کی طرف دعوت دینی چاہیے، اِس لیے کہ جیسے اتباعِ شریعت فرض ہے، اُسی طرح امر بالمعروف و نہی عن المنکر بھی فرض ہے۔

"صراطِ مُستقیم" کے دُوسرے باب میں آپ نے سالک کو اِن تمام بدعات و رُسُوم سے

بچنے کی ہدایت فرمائی ہے، جو مسلمانوں کی زندگی میں مختلف راستوں سے داخل ہوگئی تھیں۔ اس سلسلے میں آپ نے اپنی خداداد ذکاوتِ حس، دقیقہ رسی اور دُور بینی سے مسلمانوں کی پُوری زندگی کا جائزہ لے کر ان تمام بدعات کی نشان دہی فرمائی ہے، جو مسلمانوں کی زندگی کے مختلف شعبوں میں راہ پا گئی تھیں۔ آپ نے اُن کو تین قسموں میں تقسیم فرمایا ہے :

(۱) وُہ بدعات، جو تصوّف کو بدنام کرنے والے مُلحدین و مُشرکین کے اختلاط سے پیدا ہوئیں۔

(۲) جو روافض کے اثر سے مُسلمانوں میں آئیں۔

(۳) جو رُسُومِ فاسدہ کی پابندی سے پیدا ہوئیں۔

اس طرح پُوری زندگی میں کہیں بدعت کی گنجائش نہیں رہتی۔

بدعات سے آپ کو ایسی طبعی کراہت و نفرت تھی کہ آپ کو اُن کا سایہ اور پرچھائیں بھی گوارا نہ تھی، قبر پرستی سے ایسی نفرت اور وحشت تھی کہ یہ بھی گوارا نہ فرمایا کہ آپ کے بعد آپ کی قبر پر اس کا امکان بھی باقی رہے۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں :

"ایک مرتبہ حضرتؒ سے ایک شخص نے کہا کہ آپ قبر پرستی اور بزرگانِ دین کے مزارات پر مُشرکانہ اعمال اور بدعات سے اِس شدّ و مد کے ساتھ روکتے ہیں، لیکن خود آپ کے ہزاروں مُرید اور ہزاروں مُعتقد مُلک مُلک میں ہیں۔ آپ کی وفات کے بعد آپ کے مزار پر وُہی سب ہوگا، جو دوسرے بُزرگانِ دین کے مزارات پر ہو رہا ہے اور آپ کی قبر کی پرستش بھی اسی طرح ہوگی جس طرح ان کی قبروں کی پرستش اُن کی وفات کے بعد ہوتی ہے۔ حضرتؒ نے فرمایا کہ مَیں درگاہِ الٰہی میں بصد آہ و زاری درخواست کروں گا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ میری قبر کو معدوم اور میرے مدفن کو نامعلوم کر دے۔ نہ قبر رہے گی، نہ اس پر شرک و بدعت ہوگا۔ خدا کی قدرت و رحمت ملاحظہ ہو کہ حضرتؒ کی یہ دُعا قبول ہوئی اور آپ کی قبر کا

آج تک پتہ نہ چلا۔[1]

محبّت و خشیت | محبّت و محبوبیّت ان حضرات کے خواص میں سے ہے، جن کے ساتھ اللہ تبارک و تعالیٰ کا معاملہ اِجتباء و انتخاب کا ہوتا ہے اور وُہ مطلوب و مُراد ہوتے ہیں۔ اس کے آثار اُن کی زندگی میں ظاہر و نُمایاں ہوتے ہیں۔ سیّد صاحبؒ میں محبّت کی نسبت اتنی غالب تھی کہ اُس کے اثرات پاس بیٹھنے والوں اور نماز کے اندر مقتدیوں کے اُوپر پڑتے تھے۔ مولوی سیّد جعفر علی تحریر فرماتے ہیں کہ

"اہلِ باطن می دریافتند کہ وقتیکہ حضرت امیر المومنینؒ امامِ فرائضِ نماز می شُدند، بر دلِ مأمومین اثرِ محبّت و رغبت طاری می گردید۔"

نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں کہ

"حضرت کبھی کبھی محبّتِ الٰہی کے جذباتِ سے مغلُوب ہو کر مندرجۂ ذیل اشعار پڑھتے:

دِلم براہ تو صد پارہ باد! وھر پارہ
ہزار ذرّہ! و ہر ذرّہ در ہوائے تو باد!

رُباعی

در مسلخ عشق ہر عدُو را نکشند — لاغر صفتان و زشت خُو را نکشند
گر عاشقِ صادقی ز کُشتن مگریز — مُردار بُود ھر آنکہ او را نکشند

قطعہ

اے آنکہ زنی دم از محبّت — از ہستی خویشتن بہ پرہیز
برخیز و بہ تیغِ تیز بنشیں — یا از رہِ راہِ دوست برخیز

---

[1] وصایا الوزیر، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نواب صاحب مرحوم کے زمانے میں سیّد صاحبؒ کی قبر تحقیقی طور پر معلوم نہ تھی۔ اب بالاکوٹ میں جو قبر بتائی جاتی ہے، وُہ بالکل مشتبہ ہے۔

لیکن محبت کے ساتھ ساتھ کاملین پر خشیتِ الٰہی کا بھی غلبہ رہتا ہے۔ وُہ خُوب سمجھتے ہیں کہ خدا کی ذات بے نیاز ہے، اس کو کسی کی عبادت و اطاعت کی پروا نہیں، وُہ اُس کے فضل کے اُمیدوار بھی رہتے ہیں، اس کی نعمتوں اور رحمتوں کا مشاہدہ بھی کرتے رہتے ہیں اور اُس کی بے نیازی سے ڈرتے بھی رہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قُرآنِ مجید میں خود فرما دیا ہے: وَهَلْ يَأْمَنُ مَكْرَ اللّٰهِ إِلَّا الْقَوْمُ الْخَاسِرُوْنَ۔ (خدا کی پکڑ سے بجز اُن کے جن کی شامت ہی آگئی ہو، اور کوئی بے فکر نہیں ہوتا)۔ (الاعراف ع ۱۲)

نواب وزیرالدولہ مرحُوم لکھتے ہیں:

"حضرتؒ پر محبّتِ الٰہی کے ساتھ خشیتِ الٰہی ہر وقت طاری رہتی تھی۔ سُوءِ خاتمہ کا ڈر ایسا غالب رہتا تھا کہ جو آپ کی صحبت میں رہا، اُس کا یہی حال بن گیا، اس کی مجلس و گفتگو میں یہی ذکر رہنے لگا، اُس کو دِن رات یہی کھٹکا لگا رہا، دُنیا کی دولت و عزّت، وجاہت و اعزاز، عیش و عشرت اُس کو خاک معلوم ہونے لگے، رِقّت و خشیت کی تصویر بن گیا، اس کے ساتھ خدا کی محبت و سرور نے اس کو ایسا وارفتہ و خود فراموش بنا دیا کہ دُنیا اُس کو بے حقیقت معلوم ہونے لگی اور وہ ایک ہی وقت میں باغِ خنداں اور دیدۂ گریاں بن گیا، اِخلاص و خشیت کا مُجسّمہ، سوز و دردمندی کی تصویر، جس کو دیکھنے سے خدا یاد آئے، جس کے پاس بیٹھنے سے دل گرمائے، رِقّت سے دل بھر آئے، دُنیا سے دل سرد ہو، دین کا جوش اُبھٹے، عاقبت کی فکر ہو، عبادت و ذِکر کا ولولہ ہو، رضائے الٰہی کی طلب اور اعضاء و جوارح پر اس کا قبضہ ہو۔"[1]

---

[1] وصایا الوزیر

اُنچاسواں باب

صفاتِ اِمارت

قیادت کی ذِمّہ داریاں | جماعتی کام کی ذِمّے داری، ایک بڑی دینی تحریک کی قیادت، مسلمانوں کے ایک بڑے گروہ کی اِمامت و اِمارت، جس میں مختلف المذاق افراد، مختلف صلاحیتوں اور اِستعدادوں کے اشخاص ہوں، بڑی وسیع اور متنوّع صلاحیتوں کی طالب ہے۔ اس کے لیے اَیسا ہی شخص موزوں ہوسکتا ہے، جو بیدار مغز، عالی دماغ، فراخ حوصلہ، کُشادہ قلب، عالی ظرف، مُتحمّل، سلیم الفہم، متوازن دماغ اور جوہر شناس ہو جس میں مختلف شعبوں اور کارخانوں کے چلانے اور مختلف عناصر اور مُتضاد طبائع کو ساتھ لے چلنے کی صلاحیت ہو، جو اپنے دینی مقاصد اور دین کی ترقی و عرُوج کے لیے ہر صلاحیت اور ہر جوہر اور ہر کمال کی قدر کرنے والا، ہر استعداد اور ہر سطح کے آدمی کی تربیت و ترقی کی قابلیت رکھتا ہو اور اُس کے جوہر کو چمکا سکتا ہو، کسی سطح اور کسی استعداد کا آدمی اُس کے پاس آکر اپنے کو بیکار اور اپنی زندگی کو ضائع سمجھنے پر مجبُور نہ ہو، اور کوئی صاحبِ ہُنر اور صاحبِ کمال اُس کے پاس پہنچ کر اپنے ہُنر اور اپنے کمال پر مُتأسّف اور نادِم نہ ہو، بلکہ اُس کو یہ محسوس ہو کہ وہ اپنے اس ہُنر اور خصُوصی کمال سے دِین کی ایک خصُوصی خدمت انجام دے سکتا ہے، دینی خدمت کا ایک خانہ اَیسا ہے، جو تنہا وُہی بھر سکتا ہے۔ جن لوگوں کا نشأۃ و نما علٰحدہ علٰحدہ ہُوا، وُہ یہاں پہنچ کر یہ محسُوس نہ

کریں کہ وُہ اِس دینی جدّ و جُہد اور اِس دینی جماعت کے چوکھٹے میں کہیں موزُوں نہیں ہو سکتے، بلکہ یہ محسوس کریں کہ مُربّیِ مُطلق نے اُن کی اِسی کام کے لیے تربیت کی تھی اور اُن کی حقیقی جگہ یہیں ہے۔ وُہ مختلف باغوں اور مختلف خُوشبو کے پھُولوں سے ایک ایسا اِنسانی گُلدستہ تیار کر سکتا ہو جس کے سب پھُول ایک مقصد کے رشتے سے جُڑے اور محبّت کے دھاگے سے بندھے ہُوئے ہوں اور اُن کی مجمُوعی خوشبُو سے مجلس مُعطّر ہو۔ شعبوں کی کثرت، رُفقاء کا اختلافِ ذُوق اور ان کی صلاحیتوں اور استعدادوں کا تشیب و فراز اس کی طبیعت میں اِنتشار نہ پیدا کر سکے۔ وُہ ایک کی قدردانی کے لیے دُوسرے کی دل شکنی اور ناقدری ضروری نہ سمجھے، بلکہ ہر ایک سمجھے إِنَّهُ أَكْرَمُ عَلَيْهِ مِن صَاحِبِهِ (وُہ سب سے زیادہ مُقرّب اور عزیز ہے) وُہ اِنسانی فطرت سے کش مکش اور زور آزمائی نہ کرے، بلکہ اُس کی رعایت اور احترام کرتے ہُوئے مُشترک مقصد کے لیے اس کے ملکات اور صلاحیتوں کی پرورش کرے اور اُن کو زیادہ سے زیادہ کار آمد بنائے۔

سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے طالب راہِ نبوّت کی تربیت کے سلسلے میں بعض صفات و خصُوصیات کا تذکرہ فرمایا ہے، جو بعض صفاتِ الٰہی کے مرلقبے اور سُلوکِ راہِ نبُوّت کی خصُوصیات ہیں۔ اُن میں سے ایک "شانِ وسعت" ہے۔ اِس سلسلے میں آپ نے جو کچھ فرمایا ہے، وُہ ایک "امام" کی اِس صفتِ جامعیّت کو پُورے طور پر ظاہر کرتا ہے۔ آپ فرماتے ہیں:

و من جملۂ آن شانِ وُسعت است	اور من جملہ اُن کے شانِ وُسعت ہے کہ
کہ در نفسِ کاملۂ انسانیہ وسعتِ حوصلہ	اِنسان کے نفسِ کاملہ میں وُسعتِ حوصلہ
نمونہ ایست۔ ازاں بیانش آنکہ چُنانکہ	اس کا نمونہ ہے۔ اس کی تشریح یہ ہے کہ
بعضے نفُوسِ کاملۂ بشریہ در مرتبۂ	جس طرح بعض مکمل بشری نفُوس فراخیٔ
قصُوٰی از مراتبِ وُسعت صدر واقع	سینہ میں اعلیٰ مرتبے میں ہوتے ہیں کہ مختلف
می شوند کہ از ہجُومِ اُمُورِ مُشتبہ و مُعاملاتِ	اُمُور کے ہجُوم، مختلف معاملات، مُتعدّد
مختلفہ و کارخانجاتِ متعدّدہ دل تنگ و	کارخانوں سے دِل تنگ اور

پراگندہ خاطر نمی شوند، بلکہ بر ہر امر توجہ
مبذول می سازند و ہر یک معاملہ را
بخوبی سرانجام می دہند و ہر یک کارخانہ
را بحدے کہ شایانِ اوست، می دارند
نہ بحدے افراط می کنند کہ در یک
کارخانہ ہمگی ہمتِ خود غریق شدہ کارخانۂ
دیگر را برباد دہند یا اہلِ آں کارخانہ را
چنداں قوتِ تسلط دہند کہ اہلِ
کارخانجاتِ دیگر مثل رعایا در دستِ
ایشاں مقہور شدہ خود ایشاں را فراموش
کنند و نہ چنداں تفریط می ورزند
کہ آں کارخانہ بے رونق شود و اہلِ
آں چادرِ مذلت پوشیدہ در زاویۂ
خمول و تعطل بنشینند و ہمچنیں در امرِ
ملاقات مع الناس وسعتِ عظمے می
دارند کہ با ہر یکے از اشخاصِ مختلف
الاستعدادات والامزجہ و متغائرِ
الحاجات والاغراض بوضع پیش
می آیند کہ شایانِ اوست و معاملتے
بر روے کار می آرند کہ پیمانۂ استعداد
آں شخص پُر شود و در ذہن چناں نشیند

پراگندہ خاطر نہیں ہوتے۔ بلکہ ہر معاملے پر توجہ
مبذول رکھتے ہیں اور ہر کام کو بحسن و خوبی انجام
دیتے ہیں اور ہر کارخانے کو جیسا کہ اس
کے لائق ہے۔ چلاتے ہیں، نہ اتنی زیادتی
کرتے ہیں کہ ایک ہی کارخانے میں
محو ہو جائیں اور دوسرے کارخانے
کو تباہ کر دیں یا اس کارخانے کے لوگوں
کو اتنا تسلط دے دیں کہ دوسرے کارخانے
والے رعایا کی طرح اُن کے ہاتھوں میں
مجبور ہو جائیں اور اُن کو بھول جائیں،
اور نہ اتنی کمی کرتے ہیں کہ وہ کارخانہ
بے رونق ہو جائے اور اس کے متعلقین
چادرِ مذلت اوڑھ کر زاویۂ خمول و
تعطل میں بیٹھ رہیں۔ اور اسی طرح
لوگوں سے ملاقات کرنے میں بڑی وسعت
رکھتے ہیں۔ مختلف الاستعداد، مختلف
الطبائع، متغائر الحاجات والاغراض
اشخاص میں سے۔ ہر ایک کے ساتھ
اس طرح سے پیش آتے ہیں، جیسے کہ
اس کے لائق ہوتا ہے اور اُس سے ایسا
معاملہ کرتے ہیں جو اُس کے پیمانۂ استعداد کے

کہ اختصاصے کہ مرا بایشاں بہم رسیدہ،	مطابق ہوتا ہے اور اُس کے ذہن میں بیٹھ
کسے را از دیگراں، اگرچہ اعلیٰ وارفع باشد	جاتا ہے کہ جو تعلّق اور خصوصیت مجھ سے ہے،
خدمت و مرتبت از من باشند، حاصل	وُہ ایسے شخص سے بھی نہیں ہے، جو باعتبار
نشدہ باشد[1]۔	خدمت و مرتبت مجھ سے ارفع و اعلیٰ ہے۔

پچھلے صفحات سے آپ کو اس کا اندازہ ہُوا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ جامعیت اور یہ شان امامت سیّد صاحبؒ کو عطا فرمائی تھی۔ اُوپر کے اقتباس میں اُنھوں نے سالکِ راہِ نبوّت کی جس شان وُسعت کو بیان کیا ہے، وُہ بدرجۂ اتمّ اُن میں موجُود تھی۔ دِین کے مُختلف شُعبے اُن کی ذات اور جماعت سے وابستہ تھے۔ دین کی تجدید و اِحیا کے عظیم و وسیع کام میں ہر طرح کی صلاحیتیں اور استعدادیں اور ہر ذُوق و رُجحان کے لوگ مصرُوف تھے۔ جسمانی قُوّت، فنِّ سپہ گری، قُوّتِ تدریس، علمی استعداد، سلیقۂ تصنیف و تالیف، تحریر و انشاء، ادب و شاعری، تدبّر و سیاست، دولت و امارت، قُوّت قلبی اور کمالِ باطنی، سب دین کی خدمت میں مصرُوف تھے اور اپنا اپنا کام انجام دے رہے تھے۔ معمولی حیثیت کے سپاہی، ناز و نعم کے پلے ہوئے شریف زادے، صاحب سلسلہ مشائخ، مُحقّق عُلماء، زبان آور ادیب و شاعر سب ایک دُوسرے کے دوش بدوش خدمتِ دین کے مَیدان میں کام کر رہے تھے اور اپنی مخصوص صلاحیتوں سے کام لے رہے تھے۔ اُن میں سے کسی کی صلاحیت اور جوہر کی تحقیر نہیں ہوتی تھی۔

آپ جماعت کے افراد میں سے جس فرد میں جو نمایاں خصوصیت و استعداد دیکھتے تھے، وُہی خدمت اُس کے سپُرد فرماتے تھے اور اُس کی اسی استعداد کی ہمت افزائی اور سرپرستی فرماتے تھے۔ بعض بعض ممتاز افرادِ جماعت کو جہاد بالسّیف کے بجائے آپ نے تبلیغ و دعوت اور اِصلاح و تربیت پر مامُور فرمایا اور باصرار اُن کو اِس مُہم پر روانہ کیا اور واقعات نے ظاہر کر دیا کہ وُہ ان کے پورے اہل تھے اور اُن کی ذات سے ہزاروں بندگانِ خدا کو ہدایت ہُوئی۔ چنانچہ مولانا

---

[1] صراط المستقیم، ص ۱۰۰

سیّد محمد علی رامپوریؒ اور مولانا ولایت علی عظیم آبادی کو سرحد سے ہدایت و اصلاح کے لیے جنوبی ہند بھیجا اور اُن کے حق میں دُعاءِ خیر فرمائی اور اُن کی کامیابی کی اُمید ظاہر کی۔ مولانا ولایت علی صاحب پر سیّد صاحبؒ کی جُدائی بہت شاق تھی۔ آپ نے فرمایا: "مولانا، ہم آپ کو تخم کر کے اُٹھاتے ہیں۔" چنانچہ لوگوں نے دیکھا کہ ہدایت و اصلاح کا یہ تخم کیسا بارآور ہُوا اور ان دونوں بزرگوں بالخصُوص مولانا ولایت علی عظیم آبادی نے بالاکوٹ کے حادثے کے بعد سیّد صاحبؒ کی نیابت اور جماعت کی تنظیم و امارت کا کام کس کامیابی اور خوش اسلوبی سے انجام دیا۔

مولانا کرامت علی جونپوریؒ سے آپ نے بیعت لینے کے بعد ہی اوّل ہی ہفتے میں فرمادیا کہ اب ہدایت کے کام میں لگ جائیے اور شجرہ و خلافت نامہ بتوسّط حضرت مولانا شاہ اسمٰعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ عطا فرمایا۔

مولانا کرامت علیؒ کو جہاد بالسّیف کا ازحد شوق تھا۔ چنانچہ اسی شوق میں آپ نے فنِ سپہ گری و شمشیر زنی کو محنت سے حاصل کیا تھا۔ جب سیّد صاحبؒ نے جہاد کے لیے روانگی کا قصد کیا، تو مولانا مرحُوم نے بھی آمادگی ظاہر کی۔ آپ نے اس کا مشورہ نہیں دیا، بلکہ جہاد باللّسان کے لیے حکم دیا اور فرمایا کہ "تم سے خدا کو وِراثتِ نبویؐ اور تبلیغِ دین کا کام لینا منظور ہے اور تمھارے اندر اس کی استعداد و دیعت فرما دی ہے۔ تمھارے لیے یہ تبلیغی کام جہادِ اکبر ہے اور تمھاری زبان و قلم میری ہدایت کی توسیع اور ترجمانی کریں گے۔" یہ پیشین گوئی حرف بحرف پُوری ہُوئی۔ مولانا کرامت علیؒ کی تبلیغ و دعوت سے بنگال کے لاکھوں آدمی ہدایت یاب ہُوئے اور اُنھوں نے اسلام کی راہ پائی۔

جماعت کے نمایاں اشخاص پر ایک نظر ڈالنے سے اس کا اندازہ ہو جائے گا کہ ہر صلاحیت اور ہر کمال اور ہر ذوق کے لوگ اس میں شامل تھے اور سب اپنی مخصوص صلاحیت اور ذوق سے جماعت اور اُس کے مقاصد کو کسی نہ کسی طرح کا فائدہ پہنچا رہے تھے اور سب سے کم درجے کی بات یہ ہے کہ اس جماعتی تعلّق اور محبّت کی وجہ سے وُہ صحیح عقائد پر قائم اور شرک و بدعات اور معصیت و بغاوت کی زندگی سے محفوظ تھے۔ آپ کو اس جماعت کے مخلصین میں جہاں حضرت شاہ اسمٰعیل شہیدؒ

اور مولانا عبدالحیؒ جیسے سرآمدِ روزگار فضلاء، حاجی عبدالرحیمؒ دلایتی اور مولانا محمد یوسفؒ پھلتی جیسے صلحاء نظر آئیں گے، اردو کے سب سے بڑے غزل گو شاعر اور اُستادِ عصر حکیم مومن خاں دہلوی بھی شریکِ بزم نظر آئیں گے۔ سرحد سے ہندوستان کے اہلِ تعلق کو جو خطوط لکھے گئے ہیں۔ اُن میں جہاں علماءِ عصر اور مشائخ وقت کو سلام و پیام لکھا ہے، وہاں مومن خاں کو بھی خصوصیت سے سلام پہنچایا گیا ہے اور محبت و خصوصیت کے اِن الفاظ کے ساتھ،

"ازطرفِ امامِ ہمام بخدمتِ معدنِ غیرتِ ایمانی، منبعِ حمیتِ اسلامی مومن خاں سلامِ شوق برسد" مولانا اسمٰعیلؒ اپنے خطوط میں اُن کو سلام لکھتے ہیں، تو "ہدایت نشان مودت عنوان" کے خطاب سے یاد فرماتے ہیں۔ اس تعلق و اِعتماد کا یہ اثر ہے کہ خاں صاحب آخر آخر تک عقائدِ صحیحہ پر قائم رہے اُن کا مشہور مصرع زبان زد ہے۔ ؎

مومن نہیں، جو ربط رکھیں بدعتی سے ہم

اُن کے مجموعۂ کلام میں مثنوی جہادیہ اور قصیدۂ منقبت اب بھی یادگار ہے، جس کا یہ شعر اُن کے اس قلبی تعلق و ارادت کو ظاہر کرتا ہے:

گلابِ ناب سے دھوتا ہوں مغزِ اندیشہ
کہ فکرِ مدحتِ سبطِ قسیمِ کوثر ہے

ایسی گوناگوں خصوصیات رکھنے والی جماعت کے نظم، نیز ایک دینی ریاست کے اِنتظام کے لیے، جس کی آپ داغ بیل ڈال رہے تھے، اعلیٰ درجے کی فراست اور مردم شناسی کی ضرورت تھی، مختلف ذمہ داریوں کے لیے موزوں و صحیح آدمیوں کا انتخاب اور ہر شخص سے اُس کی صلاحیت اور استعداد کے مطابق کام لینے کے لیے ہر شخص کو سمجھنے اور اُس کی استعداد و استطاعت کا صحیح اندازہ کرنے کی ضرورت تھی۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ جوہر بدرجۂ کمال عطا فرمایا تھا۔ نواب وزیر الدولہ مرحوم لکھتے ہیں:

"آپ بڑے صاحبِ فراست اور مردم شناس تھے۔ کوئی شخص کیسا ہی دانا،

معاملہ فہم اور تجربہ کار ہوتا، لیکن اگر اُس کو ذرا بھی کسی عہدے کا شوق یا امارت کی طلب ہوتی، تو لوگوں اور مُقربین کی سفارش کے باوجود اُس کو وُہ عُہدہ سپُرد نہ کرتے۔ اگرچہ آغاز سے حضرت کا یہی مذاقِ طبیعت تھا۔ مگر سرحدی فتوحات کے زمانے میں سختی سے اس اصُول پر کاربند رہے۔ سرحدی فتوحات کے بعد مختلف ممالک سے لوگوں کا ہجوم ہُوا، جن میں سے اکثر جہاد کی نیت سے اور کتر حکومت و منصب کی طمع میں دُور دُور سے آئے اور ان میں بہت سے لوگوں نے اپنی شان میں قصیدہ خوانی کی اور اپنے مناقب و فضائل اور کارنامے بیان کیے، لیکن حضرت نے ہمیشہ معتبر، آزمودہ کار اور متّقی و مُتدیّن لوگوں کو عُہدے دیے۔

مولانا محمّد یُوسف صاحب (برادر زادۂ حضرت شاہ ولی اللہ صاحب دہلویؒ) جو سیّد صاحبؒ کے نزدیک لشکرِ اسلام کے قطب تھے، اس جماعت میں امین الُامّتہ حضرت ابُوعبیدہ بن الجراحؓ کے قائم مقام تھے۔ آپ جماعت کے خازن اور بیت المال کے محافظ تھے۔ عطایا اور اموال کی تقسیم آپ ہی کے سپرد تھی۔ تقسیم میں بے انتہا احتیاط اور تدقیق سے کام لیتے اور خود امیر المومنین کے حصّے میں ذرا زیادتی روا نہ رکھتے، اگر کبھی سیّد صاحبؒ مزاحًا فرماتے کہ مولانا، مجھے کچھ زیادہ نہیں دیتے، تو مولانا نہایت ادب سے عرض کرتے کہ اگر حکم ہو، تو سارا مال قدموں پر ڈال دُوں، لیکن تقسیم میں مجھ سے کمی زیادتی نہیں ہوسکتی، اس میں مساوات ہی ہوگی

امانت اور دیانت داری کے امتحان کے لیے آپ کبھی عجیب طریقہ اختیار فرماتے، آپ جب کبھی کسی کی دیانت داری کا امتحان کرنا چاہتے، تو اُس کو کسی وقت کچھ پیسے یا روپے رکھنے کو دے دیتے اور بہت دنوں تک اُس کا تقاضا نہ کرتے۔ پھر کسی وقت دفعتہً اس کا مُطالبہ کرتے۔ اگر وُہ شخص امین ہوتا، تو فوراً حاضر کر دیتا، ورنہ تاخیر ہوتی اور امتحان میں ناکامیاب ہوتا۔"[1]

[1] وصایا الوزیر

پچاسواں باب

تجدید و اِمامت و تزکیۂ باطن

مقامِ تجدید کُتُبِ سُنن کی حدیث ہے :

إِنَّ اللّٰهَ يَبْعَثُ عَلٰى رَأْسِ كُلِّ مِائَةِ سَنَةٍ مَنْ يُجَدِّدُ لِهٰذِهِ الْأُمَّةِ أَمْرَ دِيْنِهَا۔

اللہ تعالیٰ ہر سَو برس کے اُوپر ایسے شخص کو پیدا کرے گا جو اِس اُمّت کے لیے اس کا دِین نیا اور تازہ کر دے۔

"تجدیدِ دینی" اسلام میں بہت بلند مقام اور مخصُوص رُتبہ ہے۔ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کے بعد کوئی نبی آنے والا نہیں، اس لیے تجدیدِ دین کا کام اللہ تعالیٰ وقتاً فوقتاً آپ کی اُمّت کے چند اُولوالعزم افراد سے لے گا، جن کی کوششوں اور مسیحا نفسی سے دین میں جان پڑے گی اور اہلِ دین میں نئی زندگی پیدا ہوگی۔ بہت سے لوگوں نے، جو اس مقام سے واقف نہیں، محض کثرتِ تصنیف یا تبحُّرِ علمی کو کافی سمجھا اور مُجدّدینِ اُمّت کی فہرست ترتیب دی، جس پر بحث کرنا اس وقت ہمارے دائرے سے خارج ہے۔ عُلماء و مبصّرین کے ایک بڑے گروہ کا خیال ہے کہ حضرت سیّد احمد صاحبؒ تیرھویں صدی کے مُجدّد تھے اور اگر تجدیدِ دین کوئی چیز ہے، تو آپ کی ذات سے اس کا ظہُور ہُوا۔

سیّد صاحبؒ کی تجدید کی ایک بڑی خصوصیّت یہ ہے کہ وہ اپنے اصُول و مبادی میں،

اپنی جامعیت میں اور اپنے نظام و ترتیب میں اور اپنے نتائج و آثار میں اسلام کی اصل دعوت سے بہت مُشابہ اور قریب ہے اور حقیقت میں کسی ایسی ہی ہمہ گیر اور بُنیادی کوشش پر "تجدید" کا لفظ (جس کے معنی اصل دین کو نیا اور تازہ کر دینا ہے) منطبق ہوتا ہے۔

سیّد صاحب رحمۃ اللہ علیہ کا اصل کام، جس کی تاریخ و تفصیل کئی سو صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے، اِسی نُقطے سے شروع ہوتا ہے، جو اصل اسلامی دعوت کا نقطۂ آغاز ہے اور ہمیشہ اُس کی ہر تجدیدی کوشش کا نُقطۂ آغاز رہے گا، یعنی، صحیح اور کامل مسلمان پیدا کرنا، اسلام کی دعوت کو نئے سرے سے اسی قُوّت اور رُوح کے ساتھ پیش کرنا، جس طرح اس زمانے میں اس کی ضرورت ہے۔

یہ تحریک جس طرح شروع ہُوئی اور جہاں تک پہنچی، اس کی تفصیل گزشتہ اوراق میں نظر سے گزر چکی ہے اور اُس کے نتائج اور عملی مثالیں آئندہ اوراق میں نظر سے گزریں گی۔ اس تجدید سے مسلمانوں کی عام زندگی میں جو مجموعی انقلاب برپا ہُوا، اس موقع پر اس کے بعض پہلوؤں کی طرف توجہ دلانا مقصود ہے۔

اسلام کی طرف رُجُوعِ عام | پہلا انقلاب حقیقی اسلام کی طرف بازگشت اور دینی زندگی کا احیاء ہے، جو پہلی حالت کی نسبت سے انقلابِ عظیم ہے۔ اس بارے میں آپ کا شُمار اُمّت کے عظیم ترین مُصلحین اور مجدّدین میں ہے۔ آپ کے وجُود نے اِسلام کے حق میں بارانِ رحمت اور بادِ بہاری کا کام کیا۔ آپ کے ہاتھ پر لاکھوں انسانوں نے توبہ کی، خدا کا نام سیکھا اور دین کا راستہ اختیار کیا۔ فُسّاق و فُجّار اَبرار و اَخیار ہو گئے، ہزارہا غافل و کم ہمّت شیخِ وقت اور سالکِ طریق بن گئے۔ آپ جدھر سے گُزرے، عمل کا شوق، عبادتِ الٰہی کا ذَوق، اتّباعِ سُنّت کا ولولہ پیدا ہو گیا، طاعات آسان ہو گئیں، معاصی سے نفرت ہو گئی، خشیتِ الٰہی پیدا ہو گئی۔ جہاں آپ نے کچھ دن قیام کیا، شراب کی دوکانیں بند ہو گئیں، میخانوں میں خاک اُڑنے لگی، مسجدیں آباد ہو گئیں۔ جب آپ سفرِ حج کے لیے مکان سے چلے تھے، تو آپ نے فرمایا تھا :

"مجھ کو عنایتِ الٰہی سے اُمیدِ قوی ہے کہ اس سفر میں اللہ تعالیٰ میرے ہاتھوں لاکھوں آدمیوں کو ہدایت نصیب کرے گا اور ہزاروں ایسے لوگ کہ دریائے شرک و بدعت اور فسق و فجور میں ڈوبے ہوئے ہیں اور شعائرِ اسلام سے مطلق ناواقف ہیں، وہ پکّے موحّد اور متقی ہو جائیں گے۔"

کتاب کا باب سوم (سفرِ حج) پڑھنے والے جانتے ہیں کہ یہ پیشین گوئی حرف بحرف پوری ہوئی۔

ہندوستان میں آپ کی دعوت و اصلاح نے قلوب میں جو ایک عام حرکت اور زندگی میں جو ایک عام انقلاب پیدا کر دیا تھا اور مسلمانوں نے جس طرح اس دعوت کا استقبال کیا اور اُن کے ہر طبقے نے اس سے فائدہ اُٹھایا، اس کا کچھ اندازہ مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ کی اس تحریر سے ہوگا:

"جس وقت دعوت کی آواز ملکِ ہندوستان میں بلند ہوئی، تمام ملک کے لوگ پروانوں کی طرح اس شمعِ ہدایت پر ہجوم کرنے لگے یہاں تک کہ ایک ایک روز میں دس دس ہزار آدمیوں کی جماعت بیعت ہونے لگی۔ ان کا گروہ روز بروز بڑھتا گیا اور ہزارہا انسان اپنا دین چھوڑ کر اسلام سے مشرّف ہوئے اور ہزارہا لوگوں نے مذاہبِ باطلہ سے توبہ کی۔ پانچ چھ برس کے عرصے میں ہندوستان میں تیس لاکھ آدمیوں نے حضرت سے بیعت کی اور سفرِ حج میں تقریباً لاکھ آدمی بیعت سے مشرّف ہوئے۔ ان سب لوگوں میں ہزارہا عالم ہیں اور ہزارہا عاقل اور سیکڑوں حافظ ہیں اور سیکڑوں مفتی اور بہتیرے جاندیدہ ہیں اور بہتیرے کار آزمودہ۔ اس سے صاف ظاہر ہوا کہ اللہ کے حضور میں اُن کی بڑی مقبولیّت اور تائید ہے کہ تمامی خلائق کا دل اُن کی طرف بے اختیار کھنچا جاتا ہے اور وہ بے اختیار ہو کر مُرید ہوتے ہیں۔"[1]

---

[1] رسالۂ دعوت مشمولۂ مجموعۂ رسائلِ تسعہ از مولانا ولایت علی عظیم آبادیؒ۔ صفحہ ۶۵

پھر اس دعوت کے اثرات اور اُس کے اثر سے زندگی کے تغیرات کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں :

"اُس متبرک گروہ کا اثر دریافت کیا چاہیے کہ جو شخص اعتقاد کے ساتھ اس گروہ میں داخل ہوا اور اُس نے بیعت کی، اسی وقت سے اُس کو دُنیا سے نفرت اور عاقبت کا خوف پیدا ہوتا ہے اور روز بروز یہ کیفیت بڑھتی جاتی ہے اور شرک و بدعت سے محض پاک ہو جاتا ہے اور اللہ کی محبت اور عظمت، شرع کی تعظیم و توقیر، نماز کا شوق، سب اس کے دل میں جگہ پکڑتے ہیں، اللہ کے مخالف اس کو بُرے لگتے ہیں، اگرچہ باپ دادا ہوں، بیٹا بیٹی یا پیر اُستاد۔ دل میں اللہ کا خوف کچھ ایسا آجاتا ہے کہ اُن کی مُروّت ہرگز باقی نہیں رہتی۔ اکثر لوگوں نے عمدہ نوکریاں چھوڑ دی ہیں، حرام پیشے ترک کر دیے اور کتنے خانماں سے ہاتھ اُٹھا کر محض اللہ کے واسطے نکل پڑے اور اس گروہ کے سبب ایک عالم نمازی ہوا، بلکہ اس گروہ کو دیکھ کر گمراہ کرنے والے بھی اپنے معتقدوں کو نماز کی تقیید کرنے لگے کہ ہمارے لوگ کہیں ہم سے نہ پھر جائیں۔"[1]

مولانا کرامت علی جونپوریؒ لکھتے ہیں :

"اِس اُمّت مرحُومہ کے واسطے حضرت قطب الاقطاب امیر المومنین سیّد احمدؒ کو اس تیرھویں صدی کا مُجدّد پیدا کیا اور اس جناب نے دین کو تازہ اور نیا کر دیا اور غافلوں کو ہوشیار کر دیا اور دین کے علم کو خُوب پھیلایا اور اس طرح فہمائش کر کے ذِکر و مراقبہ تعلیم کیا اور مشاہدے کی حقیقت کو ایسا سمجھا دیا کہ جو نعمت برسوں میں حاصل نہ ہوتی تھی، سو اس جناب کے طریقے میں بآسانی ایک ہفتے عشرے میں حاصل ہونے لگی۔ اُن کے اوصاف و کرامات لکھنے کی حاجت

---

[1] رسالۂ دعوت، صفحہ ۶۸

نہیں، تمام مُلک میں مشہور ہیں۔ اِس سے بڑھ کر کیا کرامات ہوگی کہ اِس مُلک کے مردوں، عورتوں میں نماز روزہ خُوب جاری ہوگیا؛ اور آگے ہندوستان کے پیرزادوں اور مولویوں سے لے کر عوام تک کی عورتوں میں نماز کا چرچا بھی نہ تھا اور اب ہر قوم کی عورت مرد نماز میں بالکل مُستعد ہوگئے ہیں۔ قرآن شریف کا صحیح اور باتجوید پڑھنا اور قرآن شریف کا حِفظ خُوب جاری ہوگیا ہے اور حافظوں کی کثرت ہوگئی ہے یہاں تک کہ عوام کی عورتیں حافظ ہوگئیں اور دیہات اور شہروں میں لوگ حِفظ کر رہے ہیں اور پُرانی مسجدیں آباد ہوگئیں اور نئی مسجدیں بننے لگیں، ہزاروں آدمی مکّے مدینے کے حج اور زیارت سے مُشرّف ہُوئے اور شِرک و بدعت اور کُفر کی رسم اور خلافِ شرع کام سے لوگ باز آگئے اور سب کو دین کی تلاش ہُوئی، اور دینی کتابیں، جو نادر و کمیاب تھیں، سو شہر گاؤں میں ہر کہیں گھر گھر پھیل گئیں، اور حقیقت میں حضرت سیّد احمد صاحبؒ اِس زمانے کے سارے مُسلمانوں کے مُرشِد ہیں، کوئی سمجھے، یا نہ سمجھے؛ جانے یا نہ جانے؛ مانے یا نہ مانے"۔[1]

مولانا حیدر علی رامپوری رسالہ "صِیانَۃُ النّاسِ" میں تحریر فرماتے ہیں:

"اُن کی ہدایت کا نُور آفتاب کی مِثل کمال زور اور شور کے ساتھ بلاد اور قلُوبِ عباد میں مُنوّر ہُوا۔ ہر ایک طرف سے سعیدانِ ازلی رختِ سفر باندھ کر منزلوں سے آ آ کے اِشراک و بدعات وغیرہ منہیات سے کہ حسبِ عادتِ زمانہ خوگر ہو رہے تھے، توبہ کر کے توحید و سُنّت کی راہِ راست اختیار کرنے لگے اور اکثر مُلکوں میں خُلفاءِ راست کردارِ جنابِ موصُوف نے سَیر فرما کر لاکھوں آدمی کو دینِ محمّدیؐ کی راہِ راست بتا دی جن کو سمجھ تھی اور توفیقِ الٰہی نے اُن کی دستگیری کی، وہ اِس راہ پر چلے"۔[2]

---

[1] سوانح شفاءِ رحمت از مولانا کرامت علی جونپوری، صفحہ ۱۵

[2] صیانۃ الناس عن وسوسۃ الخناس از مولانا حیدر علی رامپوری، مطبوعہ ۱۲۷۰ھ، صفحہ ۴

"اور ہزاروں خلیفہ جا بجا مقرر ہوئے کہ اُن سے ایک سلسلۂ بیعت و ارشاد و تلقین جاری ہے اور وہ لوگ، جو نماز روزے سے بیزار اور بھنگ برزیسے کاروبار رکھتے تھے، شراب اور تاڑی اُن کے بدن کا خمیر ہو رہا تھا، برملا کہتے تھے کہ نماز کمپنی کا حکم نہیں اور نہ روزہ کونسل کا آئین، زکوٰۃ و حج کا پھر کیا ذکر ہے؟ شب و روز رشوت و زنا اور مردم آزاری و سود خوری میں مشغول رہتے تھے اور مرد و عورت مثل حیوانات بے نکاح باہم ہوتے اور سیکڑوں ولد الزنا اُن سے پیدا ہوئے اور صدہا پیر و جوان نامختون نصاریٰ اور مشرکوں کی مثل تھے۔ محض حضرت کی تعلیم سے اپنے گناہوں سے توبہ کر کے نکاح اور ختنے کروائے، نیک اور پاک متقی ہو گئے حضرت کے ہاتھ پر دس دس ہزار آدمی ایک ایک بار بیعت کرتے گئے اور بہت بہت ہنود اور رافضی اور جوگی اور انسنت حضرت کے ارشاد و تلقین سے خالص مسلمان ہو گئے اور بعضے نصاریٰ اپنی قوم سے آکر خفیہ ایمان لائے۔ پھر ہزارہا علماء نے بعد حصولِ بیعت و خلافت رہنمائی خلق اللہ اختیار کی بعضوں نے وعظ و نصیحت و ارشاد و تلقین کو عادت سی ٹھیرائی اور بعضوں نے آیاتِ قرآنی و احادیثِ صحیحہ کی کتابیں لکھیں اور رسالے اور ترجمے شائع کیے کہ جس میں ترغیبِ عبادت اور ترہیبِ گناہ ہی سے اپنے ملک کی زبان میں پیشہ اپنا کر کے ہزاروں جہلاء کو کہ سیدھا کلمہ بھی پڑھنا نہیں جانتے تھے، عالم بنا دیا اور بعضوں نے دونوں طریقے اختیار کیے"[1]

مولوی عبدللاحد صاحب لکھتے ہیں:

"حضرت سید احمد صاحبؒ کے ہاتھ پر چالیس ہزار سے زیادہ ہندو وغیرہ کفار مسلمان ہوئے اور تیس لاکھ مسلمانوں نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور جو سلسلۂ بیعت آپ کے خلفاء اور خلفاء کے خلفاء کے ذریعے تمام روئے زمین پر جاری

---

[1] حیاۃ الناس صفحہ ۶۰۵

ہے، اِس سلسلے میں تو کروڑوں آدمی آپ کی بیعت میں داخل ہیں"۔[1]

نواب صدّیق حسن خاں مرحوم "تقصار جُہود الاَحرار" میں سیّد صاحبؒ کا تذکرہ کرتے ہُوئے لکھتے ہیں:

در ہدایتِ خلق و انابت بسُوئے خُدا آیتے از آیاتِ الٰہی ظاہر شدہ۔ جہانے بزرگ و عالمے بے شمار بتوجّہِ قلبی و قالبی او بمرتبۂ ولایت فائز شدہ و وعظِ خُلفائے وَے سرزمینِ ہند را از خس و خاشاکِ شرک و بدع پاک ساختہ و بر شاہراہِ اتباعِ کتاب و سُنّت آوردہ کہ ہنوز برکاتِ آں نصائح جاری و ساری است"۔[2]

خلق خدا کی رہنمائی اور خدا کی طرف رجوع کرنے میں وُہ خدا کی ایک نشانی تھے۔ ایک بڑی خلقت اور ایک دُنیا آپ کی قلبی و جسمانی توجہ سے درجۂ ولایت کو پہنچی۔ آپ کے خلفاء کے مواعظ نے سرزمینِ ہند کو شرک و بدعت کے خس و خاشاک سے پاک کر دیا اور کتاب و سُنّت کی شاہراہ پر ڈال دیا۔ ابھی تک اُن کے وعظ و پند کے برکات جاری و ساری ہیں۔

آگے چل کر لکھتے ہیں:

حاصلِ کلام آنکہ دریں قربِ زماں ایں چُنیں صاحبِ کمالے در قُطرے از اقطارِ جہاں نشاں نداده اند، وچنداں فیوض کہ ازیں جماعتِ منصورہ بخلق رسید، عُشرِ عشیرِ آں از دیگر مشائخ علمأ ایں ارض معلوم نیست"۔[3]

خلاصہ یہ کہ اس زمانے میں دُنیا کے کسی مُلک میں بھی ایسا صاحبِ کمال سُنا نہیں گیا اور جو فیوض اس گروہِ حق سے خلق خُدا کو پہنچے، اُن کا عُشرِ عشیر بھی اس زمانے کے عُلماء و مشائخ سے نہیں پہنچا۔

شرک و بدعت کا استیصال دُوسرا انقلاب شرک و بدعت کا استیصال اور توحید و سُنّت کی اشاعت ہے۔ اس میں کم سے کم ہندوستان کی تاریخ میں آپ کا کوئی مثیل نہیں۔ آپ سے شرک و

---

[1] سوانح احمدی [2] تقصار جُہود الاحرار، صفحہ ۱۰۹، ۱۱۰ [3] تقصار، صفحہ ۱۱۰

بدعت کی اس قدر بیخ کنی ہوئی کہ اگر کوئی حکومت بزورِ شمشیر کرتی، تو اس سے زیادہ استیصال ممکن نہ تھا۔ آپ توحید و سُنّت پر لوگوں سے بَیعت لیتے اور سب سے زیادہ اسی پر زور دیتے۔ آپ کے مُتبعین و مُنتسبین میں یہی رنگ سب سے زیادہ نمایاں تھا اور اس میں وُہ صحابہ کا نمونہ تھے۔ شِرک و بدعت کے نام سے بھاگتے تھے اور توحید و سُنت پر جان دیتے تھے۔

بَیعت کے وقت آپ کی سب سے بڑی تاکید اور آپ کے طریق کی سب سے مقدم اور سب سے اہم دفعہ یہی تھی کہ شِرک و بدعت سے پُوری طرح احتراز کیا جائے گا اور توحید و سُنّت پر استقامت کی جائے گی۔ آپ کے نزدیک یہی طریقت کا مقصُود اور یہی شریعت کی بُنیاد تھی، ایک اجازت نامہ میں ارشاد فرماتے ہیں:

پوشیدہ نماند کہ بَیعت بر دو قسم است بَیعتِ طریقت و بیعتِ امامت، امّا بیعتِ طریقت پس مقصُود ازاں ہمیں است کہ راہِ رضامندیِ حق بدست آید و راہِ رضامندیِ حضرتِ حق منحصر در اتّباعِ شریعتِ غرّا ست، ہر کہ سوائے شریعتِ مُصطفویہ راہِ طریقِ تحصیلِ رضامندیِ حق انگارد، پس بیشک آں شخص کاذب و گمراہ است و دعوٰے او باطل و ناسمُوع، و اساسِ شریعت دو امر است، اوّل ترکِ اِشراک و ثانی ترک بدعات

معلوم ہونا چاہیے کہ بَیعت دو قسم کی ہوتی ہے: ایک بیعتِ طریقت، دوسری بیعتِ امامت۔ بیعتِ طریقت کا مقصود تو صرف یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی رضامندی کا راستہ ہاتھ آجائے اور حق تعالیٰ کی رضامندی منحصر ہے شریعت کی پیروی میں۔ جو شخص شریعتِ محمدیؐ کے سوا کسی اور راستے کو حصُولِ رضائے خداوندی کا ذریعہ سمجھتا ہے، وُہ شخص جھوٹا اور گمراہ ہے، اور اس کا دعوٰی باطل اور ناسمُوع۔ اور شریعت کی بنیاد دو باتوں پر ہے: ایک ترکِ اشراک، دُوسرے ترکِ بدعات۔

اما ترکِ اشراک پس بنایش آنکہ ہیچ کس را از ملک وجن و پیر و مُرید و اُستاد و شاگرد و نبی و ولی حلّال مشکلات و دافع بلیّات و قادر بہ تحصیل منافع ندانند ہمہ را مثلِ خود عاجز و نادان در جنب قدرت و علمِ حضرتِ حق شمارد، و ہرگز بنا بر طلب حوائج خود نذر و نیاز کسے از انبیاء و اولیاء و صُلحاء و ملائکہ بجا نیارد، آرے ایں قدر داند کہ ایشاں مقبولانِ بارگاہ صمدیت اند و ثمرۂ مقبولیت ایشاں ہمیں است کہ در باب تحصیلِ رضامندیِ پروردگار اتباعِ ایشاں باید کرد و ایشاں را پیشوایانِ ایں طریق باید شمرد نہ آنکہ ایشاں را قادر بر حوادث زمان و عالم السِّر والاعلان دانند کہ ایں امر محض کُفر و شرک است ہرگز مومنِ پاک را ملوّث بآں شُدن جائز نیست۔

ترکِ اشراک کی تفصیل یہ ہے کہ فرشتوں جنّات، پیر و مُرید، اُستاد و شاگرد نبی و ولی میں سے کسی کو مشکل کُشا، دافع بلا اور منافع کے حاصل کرانے پر قادر نہ سمجھے۔ سب کو اللہ تعالیٰ کی قدرت اور علم کے سامنے اپنی طرح عاجز و نادان سمجھے اور اپنی ضرورتوں کی طلب میں انبیاءؑ اولیاء، صُلحاء اور ملائکہ میں سے ہرگز ہرگز کسی کی نذر و نیاز نہ کرے، ہاں، یہ ضرور عقیدہ رکھے کہ وہ مقبول بارگاہِ الٰہی ہیں اُن کی مقبولیت کا تقاضا یہ ہونا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنے کے لیے اُن کی پیروی کی جائے اور ان کو اپنا پیشوا سمجھا جائے، نہ یہ کہ اُن کو اس عالَم میں متصرّف اور ظاہر و باطن کا عالِم سمجھا جائے۔ یہ محض کُفر و شرک ہے، مومن کا اس سے آلودہ ہونا کسی طرح درُست نہیں۔

اما ترکِ بدعت پس بنایش آنکہ در جمیع عبادات و معاملات و امُورِ معاشیہ و معادیہ طریقِ خاتم الانبیاء

ترکِ بدعت کی تفصیل یہ ہے کہ تمام عبادات و معاملات اور امُورِ معاش و معاد میں خاتم الانبیاء جناب محمّد رسول اللہ

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم را بکمال قوت و علوِ ہمت باید گرفت و آنچہ مردمان دیگر بعد پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم از قسم رسوم اختراع نمودہ اند، مثل رسوم شادی و ماتم و تجمل قبور و بناء عمارات بر آں و اسراف در مجالس اعراس و تعزیہ سازی و امثال ذلک ہرگز پیرامون آں نباید گردید و حتی الوسع سعی در محو آں باید کرد، اوّل خود ترک باید نمود۔ بعد ازاں ہر مسلمان را دعوت بسوئے آں باید کرد، چنانچہ اتباع شریعت فرض است، ہمچنیں امر بالمعروف و نہی عن المنکر نیز فرض۔

صلی اللہ علیہ وسلم کے طریقے کو پوری قوت اور بلند ہمتی سے پکڑنا چاہیے اور جو آپ کے بعد لوگوں نے بہت سی رسمیں ایجاد کر لی ہیں، مثلاً رسوم شادی و ماتم، قبروں کی زینت و آرائش، اُن پر عمارتیں بنوانا، شادی کی تقریبات میں فضول خرچی و اسراف، تعزیہ سازی وغیرہ ہرگز ان کو اختیار نہ کیا جائے اور حتی الامکان اُن کے ازالے کی کوشش کی جائے۔ اوّلاً خود ان کو ترک کیا جائے پھر ہر مسلمان کو ان سے اجتناب کی دعوت دی جائے جس طرح اتباعِ شریعت فرض ہے اسی طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی فرض ہے۔

ہندوستان میں اُس وقت جاہل و مُبتدع صُوفیوں کے اثر، ہندوؤں کے اختلاط اور عُلماء و مشائخ کی چشم پوشی اور مصلحت کوشی کے نتیجے میں شرک و بدعات کی گرم بازاری تھی۔ ناموں میں، قسموں میں، نذر و نیاز میں، دُعاء و التجا میں، قبور و مزارات پر، شادی و غمی اور تقریبات میں، حتّٰی کہ مساجد کے اندر شرک داخل ہو گیا تھا، توحیدِ خالص پر تو بر تو پردے پڑے ہوئے تھے، شرک کی شناعت کا احساس جاتا رہا تھا اور بڑے بڑے مُشرکانہ فعل کی آسانی سے تاویل کر لی جاتی تھی۔ سیّد صاحبؒ کی اس صاف گوئی اور اعلانِ حق نے لوگوں کو چونکا دیا اور لوگوں کو عام طور پر اس مسئلے کی طرف توجّہ ہوئی اور صدیوں کی عادات و رُسوم کا پردہ چاک ہوا۔ مولانا

ولایت علی صاحبؒ رسالہ "دعوت" میں لکھتے ہیں :

"گلی گلی شرک و بدعت کی تحقیق ہونے لگی اور پانچ پانچ سو برس کی رسومات بد جہان سے اُٹھنے لگیں۔ اگر اس گروہ کا کوئی ادنیٰ مُرید بھی ہے، تو اُس کو بھی تین چیزیں لازم ہوتی ہیں : شرک سے بھاگنا، نماز کی قید، شرع کی تعظیم"[1]

شرک و بدعت سے دین کی تطہیر اور تحریفات کا اِزالہ آپ کا ایک مستقل تجدیدی کارنامہ ہے۔ مولانا سخاوت علی صاحب مہاجر مکی جونپوریؒ رسالہ "نصائح" میں لکھتے ہیں :

"جیسا کہ ملّتِ ابراہیم علیہ السّلام کو مکّے والوں نے بدل ڈالا تھا۔ اور حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے اُن کو سیدھا کیا تھا اور تحریفات کو دُور فرمایا تھا، ویسا ہی سمجھو کہ شریعتِ مُحمّدیہ کو جاہلوں اور بدعتیوں نے بدل ڈالا اور حضرتِ مُجدّدِ وقت سیّد احمد امامِ دَورہ دامت برکاتہٗ نے تحریفات اور بدعتوں کو دفع کیا۔ اب سلامتِ دین و ایمان اِسی خاندان اور طریقۂ مُحمّدیہ میں ہے۔"[2]

توحید و سُنّت کا یہ رنگ اتنا گہرا اور آپ کی بَیعت و صُحبت اس بارے میں اتنی مُؤثر اور انقلاب انگیز تھی کہ جس نے ایک مرتبہ آپ کے ہاتھ میں ہاتھ دے دیا، یا گھڑی دو گھڑی صحبت میں بیٹھ گیا، اس پر ایسا رنگ چڑھ گیا کہ کسی طرح نہیں اُترتا تھا۔ بچّے اور عورتیں بھی اِس رنگ میں ایسی کامِل تھیں کہ کوئی اُن کو اس سے ہٹا نہیں سکتا تھا۔

آپ سے بیعت و تعلّق کا پہلا اثر عقیدے کی صحت و صفائی اور توحید و سُنّت میں پختگی کی شکل میں ظاہر ہوتا تھا۔ اور وُہ اثر اکثر مُتعدّی اور بہت طاقتور ہُوا کرتا تھا۔

حضرت حاجی عبدالرحیم ولایتیؒ چند روز آپ کے ساتھ سہارنپور میں رہے، لیکن اِن چند دنوں میں وُہ اس اثر سے اتنے متأثّر ہُوئے کہ وُہ اس کے مستقِل داعی بن چُکے تھے۔

---

[1] رسالۂ دعوت، صفحہ ۶۸　　[2] رسالۂ نصائح، نصیحتِ اوّل

آپ نے اس زمانے میں اپنے خلیفہ میانجی نُور مُحمّد صاحب جھنجھانویؒ کو جو اجازت نامہ لکھا ہے، اس کے لفظ لفظ سے یہ اثر ظاہر ہوتا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں :

"از حاجی عبدالرحیم بخدمت میانجیو صاحب، مہربانِ مخلصان میانجیو نُور مُحمّد صاحب، بعدِ سلامِ مسنونُ الاسلام مکشوفِ ضمیرِ آنکہ مُدّعائے ضرُوری آنکہ آں صاحب را اجازت است ہر کسے کہ ارادۂ بیعت ازاں مہربان دارد، آں مخلِص بہ دِلِ جمعِ تمام بیعت و تلقین بطالبین کردہ مانند۔ دریں امر ہرگز درگزر روا ندارند، و وسوسہ و خطرہ مخالفِ ایں معنیٰ را اصلا بدل راہ ندہند و از اہمِ مقاصد و اعظمِ مُرادات آنست کہ انسان خود بذاتہٖ متحکم علی الشریعۃ بظاہر و باطن ہر وقت ماند و از بدعت و شرک بہر کیف پاک باشد و ہمچنیں برائے دیگر مؤمنین مُخلِصین ابتدا ملحوظِ خاطر ماند اللہ بس! زیادہ خیریت والسلام۔

وشرک فقط ہمیں نیست کہ غیرِ خُدا را خدا گوید۔ بلکہ شرک را اقسام ہست یشرك فی العبادۃ و آں آنست کہ افعال

حاجی عبدالرحیم کی طرف سے میانجیو صاحب کی خدمت میں مہربانِ مُخلصان میانجیو نور مُحمّد صاحب، بعد سلام مسنُون الاسلام کے معلوم ہو کہ ضروری مُدّعا یہ ہے کہ آپ کو (بیعت لینے کی) اجازت ہے۔ جو آپ سے بیعت کا اِرادہ کرے، آپ پُورے اطمینانِ قلب کے ساتھ طالبین کو بیعت و تلقین فرمائیں۔ اِس معاملے میں ہرگز تکلُّف سے کام نہ لیں اور کسی مخالف وسوسے اور خطرے کو دل میں جگہ نہ دیں۔ اہم مقصد و مطلوب یہ ہے کہ انسان خود بذاتہٖ شریعت پر ثابت قدم ظاہراً و باطناً ہر وقت رہے اور ہر طرح کے شرک و بدعت سے پاک رہے۔ اسی طرح سے دُوسرے مومنینِ مُخلصین کی ہدایت اس کے پیشِ نظر رہے، زیادہ خیریت، والسلام

یاد رہے کہ شرک فقط یہی نہیں ہے کہ غیر اللہ کو خدا کہے۔ شرک کی کئی قسمیں ہیں : شرک فی العبادۃ، وُہ یہ ہے کہ جو افعال

برائے تعظیمِ خدا مشروع اند برائے
غیرِ خُدا بعمل آرد، چنانچہ سجدہ۔
و شرك فی العلم و آں آنست کہ عالِم
غَیب سوائے خدائے تعالیٰ دیگرے
را داند۔ چنانچہ جُہّالِ ایں زماں می دانند،
آنچہ می گوئیم پیرِ ما می شنوند۔ و
شرك فی القدرۃ و آں آنست کہ دیگرے
را مثلِ قدرۃِ خدائے تعالیٰ ثابت کند
مثلاً، بگوید کہ ایں فرزند مرا فلاں پیرزادہ
دادہ است یا رزقم فلاں پیری دہد۔
و بدعت آنست کہ در شریعت کہ
از پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام ثابت گردیدہ
بر آں زیادتی کمی نماید چنانچہ سجدہ و رکوع
در رکعت دو مشروع اند، کسے سہ کند
و فہمد کہ زیادۃ عبادت است و یا
کمی کُند چنانچہ یک رکوع یا سجدہ، و گوید
کہ من عبادت کردم۔ ایں ہر دو عند
الشرع مردود اند، فقط۔ از حکیم
مغیث الدین سلامِ شوق مُطالعہ باد و
از کاتب الحروف امان اللہ سلامِ شوق
مطالعہ باد![1]

خدا کی تعظیم کے لیے مقرر کیے گئے ہیں، اُن
کو اللہ کے سوا کسی اور کے لیے بجا لائے جیسے
سجدہ۔ شرک فی العلم، اور وُہ یہ ہے کہ
خدا کے سوا کسی اور کو عالِم الغیب سمجھے
جیسے کہ اس زمانے کے جُہلاء سمجھتے ہیں،
مثلاً ہم جو کچھ کہتے ہیں ہمارا پیر سُنتا ہے
شرک فی القدرۃ، اور وُہ یہ ہے کہ دوسرے
کے لیے اللہ تعالیٰ کی سی قدرت ثابت کرے
مثلاً یوں کہے کہ میرا یہ لڑکا فلاں پیرزادے
کا عطا کیا ہُوا ہے، یا میری روزی فلاں پیر دیتا ہے۔
اور بدعت یہ ہے کہ اس شریعت میں،
جو پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ثابت ہے،
کچھ زیادتی کمی کرے۔ چنانچہ رکعت میں ایک
رکوع اور سجدے دو مشروع ہیں۔ کوئی تین
کرے اور سمجھے کہ زیادتیِ عبادت ہے، یا
کمی کرے، چنانچہ ایک رُکوع اور ایک سجدہ
کرے اور کہے کہ مَیں نے عبادت کی ہے۔
یہ دونوں شرع کے نزدیک مردود ہیں۔
فقط حکیم مُغیثُ الدّین کی طرف سے اور
کاتب الحروف امان اللہ کی طرف سے سلامِ
شوق پہنچے۔

---

[1] رسالۂ انوارِ محمدی از مولانا شیخ محمد تھانویؒ، مطبوعہ مطبع صبائی ۱۲۹۱ھ

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ کے الفاظ ہیں :

"مجھ کو حضرت سید احمد صاحبؒ کے ساتھ اعلیٰ درجے کی محبت و عقیدت ہے۔ مَیں یہ جانتا ہُوں کہ وُہ اپنے پیر شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے بڑھ کر ہیں۔ باقی خدا جانے، کون بڑھ کر ہے، لیکن میرے دل میں ہمیشہ یہی آتا ہے۔ مَیں اپنے قلب کا مُختار نہیں ہُوں۔ یہ کچھ خدا کی طرف سے ہے۔ پھر مَیں یہ کہتا ہُوں : اللہ (تعالیٰ) تو ہی جانے، مَیں مجبُور ہُوں۔ شاہ صاحبؒ کے پہلے بھی اِس خاندان میں اِتباعِ سُنّت تھا، مگر حضرت نے نہایت درجے کو اتّباع کیا۔ ہندوستان میں نُور پھیلا دیا۔ عُلماء کہتے ہیں کہ وُہی کتابیں پہلے تھیں، وُہی اب بھی ہیں، لیکن اب، خدا جانے، کیا بات ہوگئی، جو اُن کی صُحبت میں ایک گھڑی بیٹھا، اُس میں وُہی رنگ آگیا"۔[1]

"سیّد صاحبؒ توحید و رسالت و اتباعِ سنّت پر بَیعت لیتے تھے اور بس۔ سیّد صاحبؒ اتّباعِ سُنّت کے لیے ازحد تاکید فرمایا کرتے تھے اور بدعت کے سخت ماحی اور مخالف تھے۔ مولانا عبدالحی صاحب سے ایک دن فرمایا کہ اگر کوئی امر خلافِ سُنّت مجھ سے ہوتا دیکھو، تو مجھے اِطلاع کر دینا۔ مولانا نے فرمایا کہ حضرت، جب کوئی مُخالفِ سُنّت فعل آپ سے عبدالحی دیکھے گا، تو وُہ آپ کے ساتھ ہوگا ہی کہاں؟ یعنی، ہمراہی چھوڑ دونگا"۔[2]

ایک دُوسرے بزرگ کہتے ہیں :

"سب فضیلتیں ایک طرف اور یہ فضیلت ایک طرف ہے کہ سیّد صاحبؒ کے مُریدوں میں اُن کا رنگ ایسا جم جاتا تھا کہ پھر کسی طرح اس میں تغیّر نہیں آتا تھا۔ بلا کی تاثیر تھی۔ ایک مرتبہ جس نے اُن کی صحبت اختیار کر لی، وُہ پھر اُنہیں

---

[1] ارمغانِ احباب (سفرنامہ) مولانا سیّد عبدالحی صاحب مرحوم ص ۱۳۵ [2] تذکرۃ الرشید ص ۲۷۲ ج ۱

کا دم بھرنے لگتا تھا۔ مرد تو مرد، عورتیں، جنھوں نے سوائے ایک بار کے کبھی اُن کی زیارت نہیں کی، وُہ ایسی پُختہ ہو جاتی تھیں کہ پھر کسی طرح اپنے خیالات سے نہیں ٹلتی تھیں۔ میری والدہ سیّد صاحب کی مُرید تھیں، لیکن اس طور پر کہ جب سیّد صاحب نانوتہ تشریف لے گئے اور عورتوں نے مُرید ہونا چاہا تو ایک مکان میں وُہ سب جمع کر دی گئیں۔ سیّد صاحب تشریف لائے اور دروازے سے پگڑی پھینک دی گئی۔ سبھوں نے اس کو تھام لیا اور توبہ کر لی۔ اُن عورتوں پر اچھی طرح وعظ و پند کا بھی اثر نہیں پڑ سکا، لیکن باوجُود اس کے میری والدہ عقائدِ صحیحہ پر ایسی پُختہ تھیں کہ اُن پر کسی کا جادُو نہیں چل سکا۔ پیرزادوں میں اُن کی شادی ہُوئی اور گنگوہ کے نہایت سخت پیرزادے سب ایک طرف، بلکہ والد ایک طرف اور وُہ ایک طرف، لیکن اگر اثر پڑا ہے، تو انھیں کا دُوسروں پر پڑا ہے، اُن پر کسی کا نہیں پڑا۔[1]

سیّد صاحبؒ نے اپنے حلقۂ اثر میں رُسُومِ شرک و بدعت کا بخوبی قلع قمع فرما دیا اور اچھی طرح سے اصلاحِ رسُوم کی۔ بعض برادریوں میں ان رسُوم غیر شرعیہ پر سزائیں اور تعزیرات مقرر ہو گئیں، سیکڑوں خاندانوں میں ان جاہلانہ رُسُوم کا ہمیشہ کے لیے خاتمہ ہو گیا، سیکڑوں امام باڑے ٹوٹ گئے، بیسیوں مقاماتِ شیعیت و بدعتِ تفضیل سے پاک ہو گئے۔

آپ نے اسلام کے عقائدِ صحیحہ کی تبلیغ اور توحید و سُنّت کی عالمگیر اشاعت فرمائی۔ ہندوستان کا کوئی گوشہ نہیں چھُوٹا، جہاں آپ کا فیض نہ پہنچا ہو۔ دہلی اور کلکتے کے درمیان سیکڑوں مقامات پر آپ نے خود دَورہ فرمایا۔ مولانا عبدالحی صاحب اور مولانا اسمٰعیل صاحب کے مواعظ ہُوئے اور اللہ کی حُجّت تمام ہو گئی۔ سندھ اور سرحد میں خود قیام فرمایا۔ حیدرآباد دکن، بمبئی، مدراس میں مولانا

---

[1] ارمغان احباب ص ۱۲۹

سیّد محمد علی صاحب رامپوریؒ و مولانا ولایت علی صاحب عظیم آبادیؒ کو بھیجا، جنھوں نے وہاں قیام فرما کر اصلاحِ عقائد و اعمال و رُسوم کا عظیم الشان کام انجام دیا، ہزاروں بندگانِ خدا اور سیکڑوں امراء و رؤساء و اہلِ علم و فضل مستفید ہوئے اور توحید و سُنّت کا عام چرچا ہو گیا۔ پُورب میں آپ کے خُلفاء مولانا ولایت علی صاحبؒ و مولانا سخاوت علی صاحب جونپوریؒ نے تبلیغ و ہدایت کے فرائض انجام دیے، بنگال میں مولانا کرامت علی صاحب کی کوششوں سے لاکھوں آدمی ہدایت یاب ہوئے۔

نیپال کی ترائی میں مولانا جعفر علی صاحبؒ نے روشنی پھیلائی۔

افغانستان میں بھی آپ کے خلیفہ مولوی حبیب اللہ صاحب قندھاریؒ سے اصلاح ہوئی، جن کے خلیفہ مولوی عبداللہ صاحب غزنویؒ سے پنجاب میں بڑی ہدایت اور روشنی پھیلی۔

مُلکِ تبّت میں بھی آپ نے تبّتیوں کا ایک وفد تبلیغ و ہدایت کے لیے بھیجا اور مسلمانوں کی اصلاح اُن کے سپُرد کی۔ اوّل اوّل اُن کی سخت مخالفت ہُوئی، پھر اُن کو بہت کامیابی اور ترقی ہُوئی۔ ہزاروں آدمی اُن کے حلقہ بگوش ہو گئے یہاں تک کہ انھوں نے اپنے چند آدمی تبلیغ کے لیے چین بھیجے۔[1]

جاوا، بلغار، مراکش وغیرہ کے بھی بہت سے اہلِ علم و فضل نے آپ سے بیعت کی اور آپ نے اُن کو اجازت دی۔ اس طرح آپ کا پیغام اور آپ کے دینی اثرات ان دُور دراز مقامات پر بھی پہنچے

بعض مُردہ سُنّتوں اور غیر مُروّج فرائض کا اِحیاء

تیسرا انقلاب یہ ہے کہ بعض ایسے اسلامی احکام، جو اس وقت معاشرت و رواج کے زور سے قطعاً منسُوخ ہو گئے تھے اور جن کے دوبارہ رائج ہونے کی بظاہر کوئی اُمّید نہیں تھی، آپ کی ہمّت اور کوشش سے دوبارہ رائج و مقبول ہُوئے، بیوہ کا نکاحِ ثانی شرفاءِ وقت کی شریعت میں کُفر و ارتداد سے بڑھ کر تھا جس کی سزا اکثر قتل اور ادنیٰ

---

[1] وفد کو روانہ کرنے کا حال باب سوم میں گزر چکا ہے۔ میاں دین محمد صاحب، سیّد صاحبؒ کے خادم فرماتے ہیں کہ سرحد سے سیّد صاحبؒ کے پاس ایک مرتبہ میں ہندوستان آیا۔ تو دو مرتبہ انھیں لوگوں میں کے چند آدمیوں سے ملاقات ہُوئی۔ انھوں نے اپنی کامیابی کی رُوداد سُنائی اور کہا کہ اب ہم نے اپنے چند آدمی تبلیغ کے لیے چین بھیجے ہیں۔ ۱۲

سزا مقاطعہ و اخراج تھی۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ تلواریں کھنچ گئی ہیں، کشت و خون کی نوبت آگئی ہے، بارہا گھر بار چھوڑ کر جان بچانی پڑی ہے اور اس "جرم" کا مرتکب کبھی منہ دکھانے کے قابل نہیں رہا ہے۔ سید صاحب نے اس پر مسلسل وعظ فرمائے اور پھر خود اپنی بیوہ بھاوج سے نکاح کر کے اس کا دروازہ کھول دیا، پھر آپ کے متبعین نے آپ کی پیروی کی اور نکاح بیوگاں کی رسم جاری ہو گئی۔

اسی طرح حج علماء کی تاویلوں سے اس فقہی عذر کی بنا پر کہ راستے میں امن نہیں ہے اور سمندر بھی ایک مانع شرعی اور "مَنِ اسْتَطَاعَ إِلَيْهِ سَبِيلًا" (۳:۹۷) کے منافی ہے، اس لیے فرض نہیں ہے اور اس حالت میں حج کرنا فرمانِ خداوندی "وَلَا تُلْقُوا بِأَيْدِيكُمْ إِلَى التَّهْلُكَةِ" (۲:۱۹۵) (اپنے ہاتھوں ہلاکت میں نہ پڑو) کی مخالفت ہے، کچھ وقت کے لیے بالکل متروک یا بہت ہی کم ہو گیا تھا اور ایک بہت بڑا فتنہ پیدا ہو گیا تھا۔ مجددِ وقت کے لیے اس کا انتظام کرنا اور احیاءِ سنت نہیں، بلکہ احیاءِ فرض کرنا ضروری تھا۔ چنانچہ آپ نے اس کی دعوت دی۔ مولانا عبدالحی صاحب و مولانا اسمٰعیل صاحب نے اس کی فرضیت کا فتویٰ دیا اور منکرین کے دلائل رد کیے، جس کی وجہ سے علماء میں کافی ہنگامہ پیدا ہوا۔ لوگوں نے شاہ عبدالعزیز صاحبؒ سے دریافت کیا۔ شاہ صاحبؒ نے شیخین سے اتفاق کیا اور ان کی بے حد مدح فرمائی۔ ۱۲۳۶ھ میں آپ نے سیکڑوں آدمیوں کے قافلے کے ساتھ بڑے اعلان اور شان و شوکت کے ساتھ حج کیا۔ آپ کا یہ سفر حج کی بہت بڑی تبلیغ اور اس کی فرضیت کا اعلان تھا۔ آپ جدھر سے جاتے تھے سیکڑوں آدمی آپ کے ہمراہ ہو جاتے تھے۔ اس سے لوگوں میں حج کا عام شوق پیدا ہو گیا اور اس کا دروازہ ہمیشہ کے لیے کھل گیا۔

اس کے علاوہ آپ نے مسلمانوں کی زندگی اور معاشرت میں انقلاب عظیم برپا کر دیا، بیسیوں آداب و اسلامی عادات معاشرت میں داخل ہو گئے اور ایک نئی نسل پیدا ہو گئی، جو اپنے اخلاق، معاملات اور روزانہ زندگی میں تیرھویں یا چودھویں صدی کی نہیں، بلکہ قرنِ اول کی معلوم ہوتی ہے

سب سے بڑا مُہتم بالشّان اور اِنقلاب انگیز انقلاب جہاد کا اِحیا ہے، جو اِس دَور میں باوجُود انتہائی ضرورت اور حالات کے تقاضے کے بالکل فراموش ہو چکا تھا۔ وعظ، درس اور عمل، کسی جگہ بھی اس کا وجُود نہ تھا۔ مدارس میں بقول حضرت شاہ اسمٰعیل شہید مسائلِ حَیض و نفاس کے برابر بھی اس کی طرف توجُّہ اور اس کی اہمیّت نہیں رہی تھی۔ مسلمان و غیر مُسلم بھُول چُکے تھے کہ اسلام میں جہاد کا بھی حُکم ہے مُسلمانوں کے قُویٰ مُضمحل ہو رہے تھے، حَوصلے پست ہو چکے تھے، فاتح اور زندہ اقوام کی خصوصیات رُخصت ہو رہی تھیں حتّٰی کہ ہتھیار لگانا تقدّس و مشیخت کے خلاف سمجھا جانے لگا تھا اور انگُشت نمائی ہوتی تھی۔ مُسلمان کُفر کا غلبہ اور اپنی مظلومی برداشت کرنے کے عادی ہوتے جا رہے تھے، جو نہایت مُضر تھا۔ ہندوستان کے اِس نازک ترین اور پُرآشوب دَور کا مقابلہ کرنے سے مسلمان غافل تھے۔ سیّد صاحبؒ نے اس زمانے میں جہاد کا نام لیا، علانیہ اس کی تعلیم و تبلیغ کی، منبروں پر بیان کیا، سارے مُلک اور بیرونِ مُلک میں اپنے داعی اور مبلّغ بھیجے، سیکڑوں آتشیں خطوط لکھے، جن کا ایک ایک فقرہ شمشیر و سناں کا کام کرتا ہے، اہلِ ایمان کو غیرت دلائی، عُلماء کو اُن کا فریضہ یاد دلایا، عوام و خواص کے دِلوں پر اُس کی دینی عظمت و تقدُّس کا نقش بٹھایا، عُلماء و شُرفاء کو اس میں شریک کر کے لوگوں کی جھجک دُور کی اور خود اس میں فنا ہو کر مشائخ و بزرگانِ اُمّت کے لیے اُسوہ چھوڑا، پھر جہاد کر کے سارے ہندوستان میں سرفروشی اور جانبازی کی رُوح پھُونک دی اور ایک ایسی قوم پیدا کر دی، جس کے سر میں قرنِ اوّل کا نقشہ اور دِلوں میں صحابہؓ کا سا ولولہ تھا۔ قلُوب و ارواح کا یہ انقلابِ عظیم، ہزاروں انسانوں میں موت کا یہ عشق اور سرفروشی کی یہ رُوح پیدا کرنا آسان کام نہیں۔ یہ امامت کا وُہ منصبِ بلند ہے، جس کی حقیقت شاعرِ حکیم اقبالؔ نے بیان کی ہے:

تُو نے پُوچھی ہے امامت کی حقیقت مجھ سے — حق تجھے میری طرح صاحبِ اَسرار کرے
ہے وُہی تیرے زمانے کا اِمامِ برحق — جو تجھے حاضر و موجُود سے بیزار کرے
مَوت کے آئینے میں تجھ کو دکھا کر رُخِ دوست — زندگی اور بھی تیرے لیے دُشوار کرے

دے کے احساسِ زیاں تیرا لہو گرما دے　　فقر کی سان چڑھا کر تجھے تلوار کرے

فتنۂ ملتِ بیضا ہے امامت اُس کی
جو مسلماں کو سلاطیں کا پرستار کرے

جماعت کی سیرت و اخلاق سید صاحبؒ کا سب سے بڑا تجدیدی کارنامہ آپ کی سب سے بڑی کرامت اور آپ کی زندہ یادگار آپ کی پیدا اور تربیت کی ہوئی وہ بے نظیر جماعت تھی، جس کی مثال اتنی بڑی تعداد میں اور اس جامعیت و کاملیت کے ساتھ خَیْرُ الْقُرُوْن کے بعد بہت کم ملتی ہے۔ اُن کی صحیح اور محتاط تعریف یہ ہے کہ وہ تیرھویں صدی میں صحابۂ کرامؓ کا نمونہ تھے اور یہ کسی مسلمان فرد یا جماعت کے لیے آخری تعریف ہے۔ یہ لوگ بلا مبالغہ عقائد، اعمال و اخلاق، توحید، اتباعِ سُنّت، شریعت کی پابندی، عبادت و تقویٰ، سادگی و تواضع، ایثار و خدمتِ خلق، غیرتِ دینی، شوقِ جہاد و شہادت، صبر و استقامت میں مُہاجرین کا نمونہ تھے۔ مولانا حالیؒ مرحوم نے مُسدّس میں صحابۂ کرامؓ کی نہایت سچی اور بولتی ہوئی تصویر کھینچی ہے۔ ان بزرگوں کا سراپا بھی اس سے زیادہ مکمل نہیں کھینچا جا سکتا اور یہ لباس صحابہؓ کے بعد اُن کے بدن پر راست آتا ہے:

سب اِسلام کے حُکم بردار بندے　　سب اسلامیوں کے مددگار بندے
خُدا اور نبیؐ کے وفادار بندے　　یتیموں کے، رانڈوں کے غمخوار بندے
رہ کُفر و باطل سے بیزار سارے
نشے میں مئے حق کے سرشار سارے

جہالت کی رسمیں مٹا دینے والے　　کہانت کی بُنیاد ڈھا دینے والے
سرِ احکامِ دیں پر جُھکا دینے والے　　خدا کے لیے گھر لُٹا دینے والے
ہر آفت میں سینہ سپر کرنے والے
فقط ایک اللہ سے ڈرنے والے

اگر اختلاف اُن میں باہم دگر تھا — تو بالکل مدار اُس کا اِخلاص پر تھا
جھگڑتے تھے لیکن نہ جھگڑوں میں شر تھا — خلاف آشتی سے خوش آئندہ تر تھا
یہ تھی موج پہلی اُس آزادگی کی
ہرا جس سے ہونے کو تھا باغِ گیتی

نہ کھانوں میں تھی واں تکلف کی کلفت — نہ پوشش سے مقصود تھی زیب و زینت
امیر اور لشکر کی تھی ایک صورت — فقیر اور غنی سب کی تھی ایک حالت
لگایا تھا مالی نے اک باغ ایسا
نہ تھا جس میں چھوٹا بڑا کوئی پودا

خلیفے تھے اُمت کے ایسے نگہباں — ہو گلے کا جیسے نگہبان چوپاں
سمجھتے تھے ذمی و مسلم کو یکساں — نہ تھا عبد و حُر میں تفاوت نمایاں
کنیز اور بانو تھیں آپس میں ایسی
زمانے میں ہاں جائی بہنیں ہوں جیسی

رہِ حق میں تھی دوڑ اور بھاگ اُن کی — فقط حق پہ تھی جس سے تھی لاگ اُن کی
بھڑکتی نہ تھی خود بخود آگ اُن کی — شریعت کے قبضے میں تھی باگ اُن کی
جہاں کر دیا نرم، نرما گئے وُہ
جہاں کر دیا گرم، گرما گئے وُہ

کفایت جہاں چاہیے، واں کفایت — سخاوت جہاں چاہیے، واں سخاوت
بجی اور تُلی دشمنی اور محبت — نہ بے وجہ اُلفت، نہ بے وجہ نفرت
جُھکا حق سے جو، جُھک گئے اُس سے وُہ بھی
رُکا حق سے جو، رُک گئے اُس سے وُہ بھی

تزکیہ و اصلاحِ باطن

اسلام میں تزکیے کا مقام | قرآن مجید نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف بیان کیے ہیں:

(۱) تلاوتِ آیات　(۲) تزکیہ　(۳) تعلیم کتاب و حکمت

هُوَ الَّذِيْ بَعَثَ فِي الْاُمِّيّٖنَ　وُہ جس نے بھیجا اَن پڑھوں میں ایک پیغمبر
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ　اُنھیں میں کا، جو پڑھ کر سُناتا ہے اُن کو اُس کی
وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ　آیتیں اور پاک کرتا ہے اُن کو اور سکھاتا ہے
وَ الْحِكْمَةَ　(الجمعة: ۲)　اُن کو کتاب و حکمت۔

اِن اَوصاف میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مخصُوص صِفت آپ کی صفتِ تزکیہ ہے۔

تزکیہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ صرف پڑھ کر سُنا دینے اور سمجھا دینے پر اکتفا نہیں کرتے، بلکہ اِس تلاوت و تعلیم کا رنگ اُن پر چڑھا دیتے ہیں۔ اس کتاب و تعلیم کو اُن کے کانوں اور دماغوں سے گزار کر اُن کے قلوب و ارواح کو رنگین کرتے ہُوئے اُن کے اعضاء و جوارح سے جاری کر دیتے ہیں۔ یہی صفت آپ کو دُنیا کے تمام واعظین و مُعلّمین سے ممتاز کرتی ہے کہ آپ واعظ و مُعلّم کے علاوہ "مُزکّی" بھی تھے اور اسی لیے آپ دُنیا کے سب سے کامیاب مُرشد و ہادی تھے۔ صحابہؓ کی حیرت انگیز رُوحانی اخلاقی، ذہنی، عملی تبدیلی اور اسلام کی ابتدائی کامیابی کا راز یہی تھا اور آج اِسی کی کمی اسلامی زندگی کے ہر گوشے میں سب سے زیادہ نمایاں طور پر محسُوس ہوتی ہے۔

دوست دشمن سب تسلیم کرتے ہیں کہ آپ کی صحبت میں پارس کی تاثیر تھی جس کو مُیسّر آئی، وُہ کُندن نہیں، بلکہ خود پارس بن گیا۔ بہائم انسان بن گئے اور انسان فرشتے۔ اُن کی عقیدی، اخلاقی، رُوحانی تربیت اِتنی اعلیٰ اور مکمّل ہُوئی، جس سے زیادہ تصوّر میں نہیں آسکتی۔ جو آپ کے پاس بیٹھا آپ کے رنگ میں رنگ گیا، شریعت کے سانچے میں ڈھل گیا۔ اِتباعِ شریعت بلا ارادہ ہونے لگا، طاعات آسان اور طبعًا مرغوب ہوگئیں، معاصی مکروہ اور طبعًا مبغُوض ہو گئے، یہاں تک کہ اُمّت کے

صحابہؓ کے متعلق عقیدہ ہے کہ وہ سب کے سب عادِل ہیں اور ادنیٰ صحابی بھی بعد کے بڑے سے بڑے ولی اللہ سے افضل ہے۔

فوری تبدیلی اور باطنی تصرّف کے واقعات سے بھی سیرت کی کتابیں بھری ہیں:

فُضالہؓ بن عُمیر کہتے ہیں کہ رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم فتح مکّہ میں طواف فرما رہے تھے۔ مَیں بُرے ارادے سے آیا۔ جب قریب ہُوا، تو آپ نے فرمایا: "فُضالہ؟" مَیں نے کہا: "یا رسُول اللہؐ، فُضالہ ہی ہے۔" فرمایا: "کیا ارادہ کر رہے تھے؟" مَیں نے کہا: کُچھ نہیں۔ اللہ کا ذکر کر رہا تھا۔" آپ ہنسے اور کہا: "فُضالہ، اللہ سے مغفرت چاہو۔" پھر آپ نے دستِ مُبارک میرے سینے پر رکھ دیا۔ میرا دل ٹھیر گیا۔ خدا کی قسم، ابھی آپ نے ہاتھ نہیں ہٹایا تھا کہ اللہ کی مخلوقات میں آپ سے زیادہ کوئی چیز میری نظر میں محبُوب نہیں رہی۔ مَیں واپس گیا، تو وُہ عورت مِلی، جس سے مَیں باتیں کیا کرتا تھا۔ اُس نے کہا: آؤ، فُضالہ، باتیں کریں۔" مَیں نے کہا: اِسلام کے بعد یہ نہیں ہوسکتا۔"[1]

حضرت عمروؓ بن العاص کہتے ہیں کہ بیعت سے پہلے میری یہ حالت تھی کہ میری نظر میں آپ سے زیادہ مبغوض ہستی دُنیا میں کوئی نہ تھی۔ اگر خدانخواستہ اس وقت مجھے موقع مل جاتا، تو اپنی عاقبت ضرور خراب کر لیتا۔ لیکن بیعت کے بعد میری نظر میں آپ سے زیادہ محبُوب و محترم ذات دُنیا کے پردے میں کوئی نہ تھی، یہاں تک کہ مَیں نظر بھر کر آپ کو دیکھ نہیں سکتا تھا۔ اگر مجھ سے کوئی آپ کا حُلیہ پُوچھتا، تو واللہ، مَیں آپ کا حُلیۂ مُبارک نہیں بتلا سکتا تھا، اِس لیے کہ مَیں نے آپ کو نظر بھر کر دیکھا ہی نہیں تھا۔[2]

تزکیہ میں نیابتِ نبوّت | آپ کے بعد آپ کی اُمّت میں آپ کے ان اوصاف میں بہت سے لوگ علٰحدہ علٰحدہ اور بعض مجموعی طور پر آپ کے جانشین و نائب ہُوئے اور قیامت تک ہوتے رہیں گے

---

[1] زاد المعاد
[2] مسلم، کتاب الایمان، نیز ابی محذورہ و ثمامہ بن اثال و ہند بنت ابی سفیان رضی اللہ عنہم کے واقعات ملاحظہ ہوں۔

بعض کے حصّے میں تلاوتِ کتاب آئی، بعض کو تعلیمِ کتاب۔ بعض کو تعلیمِ حکمت سپرد ہوئی اور بعض کا منصب تزکیہ ہے اور بعض جامع اوصاف ہیں۔

صرف تلاوتِ کتاب کرنے والے حُفّاظ و قُرّاء ہیں، تعلیمِ کتاب کی خدمت انجام دینے والے عُلماءِ ظاہر ہیں اور حکمت کی تعلیم دینے والے عُلماءِ باطن اور مُحقّقین صُوفیہ ہیں اور تزکیہ کرنے والے آپ کی اُمّت کے وُہ اہلِ دل اور صاحبِ حال بزرگ ہیں، جو آپ کے انفاس و انوار کے وارث و حامل ہیں۔

انبیاء کی بعثت کا مقصد پُورا کرنے کے لیے اور اُن کی برکات پہنچانے کے لیے تزکیہ بھی اتنا ہی ضروری کام ہے، جتنی کتاب و حکمت کی تعلیم۔ یُوں سمجھنا چاہیے کہ یہ تعلیم ہے اور وُہ تربیت؛ اور تکمیلِ انسانیت کے لیے دونوں کی ضرورت ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے باوجُود تزکیے کی کمی اِسی طرح محسوس ہوتی ہے، جس طرح کھانے میں نمک کی کمی اور دونوں کے نتائج میں وُہی فرق ہے جو اکبر مرحُوم نے بیان کیا ہے۔ ع

زباں گو صاف ہو جاتی ہے، دل طاہر نہیں ہوتا

اہلِ دل نے ہمیشہ یہ ضرورت پُوری کی اور اُمّت کی اِصلاح اور دین کی خدمت میں عُلماء کا اچھی طرح ہاتھ بٹایا۔ دونوں نے مِل کر رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کامل نیابت کا فرض انجام دیا۔ عُلماءِ ظاہر سے اگر لوگوں کو اللہ اور اُس کے رسُولؐ کی مرضی، اُس کی خوشی و ناخوشی کا حال اور شریعت کے احکام کا علم ہُوا، تو ان بزرگوں سے حقائقِ شرعیہ اور حِکَمِ الٰہیہ کا علم اور احکام پر عمل کرنے کا شوق و ولولہ، مسابقت کا جذبہ، قلب میں تازگی و رِقّت، رُوح میں بالیدگی، طاعات میں سہولت و اِخلاص، تہذیبِ نفس اور طہارتِ اخلاق حاصل ہُوئی، جن کو نُصُوصِ قرآن و حدیث میں لفظِ "اِحسان" سے تعبیر کیا جاتا ہے۔

بعد میں اِسی تزکیہ و احسان کو لوگوں نے تصوّف، طریقت، علمِ باطن، سلُوک، مختلف ناموں سے یاد کرنا شروع کیا۔ اُسی وقت سے یہ بحثیں پیدا ہُوئیں کہ یہ چیز بدعت ہے یا سُنّت، فرض ہے یا واجب

مُستحب ہے مُباح، اور شریعت و طریقت میں موافقت ہے یا مغایرت۔ پھر اس میں مُختلف مذاہب اور گروہ ہو گئے اور یہ ایک بہت بڑا اختلافی مسئلہ بن گیا۔ رفتہ رفتہ ظاہر و باطن کی تقسیم ہُوئی اور بہت سے لوگوں نے اس پر مصالحت کر لی کہ شریعت و طریقت کی راہ الگ الگ ہے، رہنما الگ الگ ہیں اور رہ نَورد الگ الگ، حالانکہ یہ تقسیم سراسر بدعت ہے۔ لیکن اگر خیال رکھا جائے کہ تزکیہ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وُہ وصفِ خاص ہے، جس کو زبانِ وحی نے آپ کے اوصاف کے تذکرے میں کبھی نظر انداز نہیں کیا، تو یہ مباحث، جنھوں نے بہت کچھ تلخی پیدا کر لی ہے اور دو محترم گروہوں میں، جن میں سے ہر ایک کو دُوسرے کی امداد کی ضرورت ہے، بہت ہی غیریت اور دُوری پیدا کر دی ہے، از خود ختم ہو جاتے ہیں۔

لیکن جس طرح کتاب و حکمت کی تعلیم بعد میں ایک فن اور "صناعت" بن گئی اور اُس کے لیے بہت سے عُلوم و مقدمات، کتابوں اور اساتذہ کا ایک پُورا ضروری سلسلہ پیدا ہو گیا اور دین کے خادموں نے اپنے اپنے وقت میں اس میں پوری کوشش کی اور اہلِ حق نے اس کو بدعات میں شمار نہیں کیا، بلکہ خدمتِ دین اور قُربتِ خداوندی کا ذریعہ سمجھا، اسی طرح تزکیہ بھی رفتہ رفتہ ایک فن اور صناعت ہو گیا، جس کے لیے تعلیم اور اساتذۂ فن کی ضرورت ہُوئی۔ نیز ہر زمانے کی صحت و مرض اور اہلِ زمانہ کے مزاج کے موافق ان اطبّاءِ اُمّت نے قلوب و ارواح کا علاج کیا اور وقتاً فوقتاً اس "طبِّ نبوی" کی تجدید کرتے رہے۔

سیّد صاحبؒ بھی اسی سلسلۃ الذّہب کی ایک کڑی ہیں، جو نہ صرف ایک شیخِ طریقت ہی تھے، بلکہ مُجدّدِ طریقہ اور مُجتہدِ فن بھی تھے۔

جہاد و قربانی اور اصلاح و انقلاب کے لیے تزکیے کی ضرورت

یہ بات بھی قابلِ ذکر ہے کہ سرفروشی و جانبازی، جہاد و قربانی اور اصلاح و انقلاب و تسخیر کے لیے جس رُوحانی و قلبی قُوّت، جس وجاہت و شخصیّت، جس اخلاص و للّہیّت، جس جذب و کشش اور جس حوصلے اور ہمّت کی ضرورت ہے، وُہ بسا اوقات رُوحانی ترقی، صفائیِ باطن، تہذیبِ نفس، ریاضت و عبادت کے بغیر نہیں پیدا ہوتی

اس لیے آپ دیکھیں گے کہ جن حضرات نے اسلام میں مُجدّدانہ یا مُجاہدانہ کارنامے انجام دیے ہیں اُن میں سے اکثر افراد رُوحانی حیثیت سے بلند مقام رکھتے تھے۔ اِن آخری صدیوں ہی پر نظر ڈالیے۔ امیر عبدالقادر الجزائری مُجاہدِ الجزائر، مُحمّد احمد السوڈانی (مہدیِ سُودانی)، سیّدی احمد الشریف السنوسی (امامِ سنوسی) کو بھی آپ اِس مَیدان کا مرد پائیں گے۔

حقیقت یہ ہے کہ مُجاہدات و ریاضات، تزکیۂ نفس اور قُربِ الٰہی سے عشقِ الٰہی اور جذبۂ شوق کا جو مرتبہ حاصل ہوتا ہے، اس میں ہر رونگٹے سے یہی آواز آتی ہے ؎

ہمارے پاس ہے کیا، جو فدا کریں تجھ پر
مگر یہ زندگیِ مُستعار رکھتے ہیں!

اِس لیے رُوحانی ترقّی اور کمالِ باطنی کا آخری اور لازمی درجہ شوقِ شہادت ہے اور مُجاہدے کی تکمیل جہاد ہے۔

اب ہم سیّد صاحبؒ کے طریقے کی چند خصُوصیات لکھتے ہیں اور اہلِ ذوق کو "صراطِ مُستقیم" کے مُطالعے کا مشورہ دیتے ہیں، جو علمِ سُلُوک میں ایک انقلابی اور مُجتہدانہ تصنیف ہے۔

سیّد صاحب کے طریقے کی خُصُوصیّات (۱) پہلی خصوصیّت یہ ہے کہ اس زمانے میں اللہ کے یہاں آپ کا طریقہ سب سے زیادہ مقبُول تھا اور جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خُوشی اِن دیارِ مشرقیہ میں اس میں مُنحصر تھی۔ چُنانچہ حضرت حاجی عبدالرّحیم صاحب ولایتیؒ، جو اپنے وقت کے جلیل القدر شیخ و سالِک اور سلسلۂ چشتیہ میں بعیت مُجاز تھے اور آپ کے سیکڑوں ہزاروں مُرید تھے، فرماتے تھے:

"مجھے کسی سے سلُوک میں رُجُوع کی ضرورت نہیں، لیکن رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی خوشی اِسی میں پاتا ہُوں کہ مَیں سیّد صاحبؒ سے بَیعت ہو جاؤں۔"[1]

(۲) دُوسری خصُوصیت مشائخ و عُلماء میں مقبولیت ہے۔ چنانچہ ہندوستان کا کوئی خانوادہ اور کوئی سلسلہ نہیں ہے، جس کے اکابر نے سیّد صاحبؒ کو اپنا بڑا نہ مانا ہو اور آپ سے اِستفادہ نہ

---

[1] روایت حضرت مولانا حُسین احمد صاحب مدنی رحمۃ اللہ علیہ

کیا ہو۔ سلسلۂ چشتیہ صابریہ کے دو نامور شیخ حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتیؒ اور آپ کے خلیفہ میاں جی نور محمدؒ صاحب جھنجھانویؒ آپ سے بیعت ہوئے اور آپ کے رنگ میں رنگ گئے۔ حاجی صاحب بیعت کے بعد ہمیشہ خدمت میں رہے یہاں تک کہ بالاکوٹ میں شہید ہوئے۔ اس سلسلے کے دوسرے حضرات مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ، مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ، مولانا محمود حسن صاحب دیوبندیؒ اور اُن کی جماعت کا تعلق تو آپ سے ایسا تھا، جیسا کہ عاشق کو معشوق سے ہوتا ہے۔ شاہ ابوسعید صاحبؒ، جو خاندانِ نقشبندیہ مجددیہ کے سلسلۃ الذہب کا ضروری حلقہ اور حضرت شاہ غلام علی صاحبؒ کے خلیفہ تھے، عرصے تک آپ کی خدمت میں رہے اور استفادہ کیا۔ سلسلۂ قادریہ کے مشہور شیخ سید صبغت اللہ بن سید محمد راشدؒ نے، جن کا سلسلہ سند حدیث میں بہت مشہور و معمور ہے، آپ سے استفادہ کیا۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ کی حیات میں آپ کے خاندان کے اہلِ علم و فضل نے آپ سے بیعت کی۔ مولانا محمد اسمٰعیل صاحبؒ، مولانا عبدالحی صاحبؒ، مولانا محمد یوسف صاحبؒ پھلتی کے علاوہ شاہ اسحٰق صاحبؒ و مولانا محمد یعقوب صاحبؒ نے استفادہ و باطنی تعلیم حاصل کی۔ اس کے علاوہ تمام مشائخ و علماء آپ کی عظمت و مقبولیت آپ کے طریقے کی رفعت و فضیلت، آپ کی محبت اور آپ سے عقیدت پر متفق العقیدہ و متفق اللسان ہیں۔ آپ کی محبت اہلِ سنت و صحیح الخیال جماعت کا شعار اور علامت بن گئی ہے اور آپ کے متعلق وہی کہنا بالکل صحیح ہوگا۔ جو بعض اہلِ علم نے آپ کے ہمنام امام احمدؒ کے متعلق کہا ہے:

إِذَا رَأَيْتَ الرَّجُلَ يُحِبُّ أَحْمَدَ	جب تم کسی کو دیکھو کہ اس کو احمدؒ بن حنبل
بْنَ حَنْبَلٍ فَاعْلَمْ أَنَّهُ صَاحِبُ سُنَّةٍ	سے محبت ہے، تو سمجھ لو کہ وہ سنت کا متبع ہے

ایک دوسرے عالم کا قول ہے:

مَنْ سَمِعْتُمُوهُ يَذْكُرُ أَحْمَدَ	جس کو تم احمدؒ بن حنبل کا ذکر برائی سے کرتے سنو
بْنَ حَنْبَلٍ بِسُوْءٍ فَاتَّهِمُوهُ عَلَى الْإِسْلَامِ	اُس کے اسلام کو مشکوک نظر سے دیکھو۔

یہی حال اپنے زمانے میں سید صاحبؒ کا تھا کہ توحید و سنت کے بارے میں آپ کی دعوت،

آپ کا طرزِ عمل اور آپ کا مسلک اتنا واضح، نمایاں اور مشہور تھا کہ آپ سے تعلق و انتساب صاف صاف توحید و سُنّت سے محبت اور شرک و بدعات سے نفرت کی دلیل تھی اور آپ سے اور آپ کی جماعت سے عداوت و انکار اکثر حالات میں اس بات کی دلیل اور علامت ہُوا کرتا تھا کہ توحید و سُنّت کی طرف سے دل میں کچھ کھوٹ اور ذہن میں کچھ اُلجھنیں ہیں۔ مولانا کرامت علی صاحبؒ نے اپنے رسالہ "مکاشفاتِ رحمت" میں اپنے زمانے کی اسی صورتِ حال کو بیان کیا ہے:

"(سیّد صاحبؒ کے) طریقے میں جو جو برکتیں اور باطنی خُوبیاں ہیں، سو وُہ تو ہیں، ظاہر میں بھی ایک بہت ہی عجیب و غریب برکت موجُود ہے۔ وُہ یہ ہے کہ جو شخص اُن کے طریقے میں بیعت ہونے کا ارادہ کرتا ہے، وُہ پہلے ہی بُت پرستی اور شرک اور بدعت اور ڈھول باجے، ناچ تماشے کے چھوڑنے پر مضبوط ہو لیتا ہے۔ تو حقیقت میں سیّد صاحبؒ کے طریقے میں داخل ہونا اس مُلک میں اسلام کی نشانی ہے۔"[1]

آگے چل کر اسی رسالے میں فرماتے ہیں:

"(جس شخص نے) حضرت سیّد صاحبؒ کے قافلے کو دیکھا ہوگا، وہاں کی جمعے اور جماعات کی رعایات اور سارے احکامِ شرعی کی قید اور تاکید کو دیکھا ہوگا، اُس کے دین و مذہب کی مضبوطی کو دیکھا ہوگا، ان لوگوں کی خاکساری اور مراقبے اور توجُّہ کی تاثیر کو دیکھا ہوگا، ان لوگوں کے گھاس لانے، لکڑی چیرنے، بوجھ ڈھونے کو دیکھا ہوگا، اس بات کو دیکھا یا سُنا ہوگا کہ اس قافلے میں پیر مُرید، پڑھے اَن پڑھے اِن کاموں میں سب برابر تھے اور سب کی ایک رائے تھی اور اُن کے جہاد کرنے کی ہمّت اور قُوّت اور ثابت قدمی کو دیکھا یا سُنا ہوگا، وُہ شخص پہچانے گا کہ حضرت سیّد صاحبؒ کیسے بزرگ تھے اور اُس شخص پر صاف کھُل جائے گا کہ ایسے پکّے مُسلمان

---

[1] مکاشفاتِ رحمت، صفحہ ۲۴

کا دشمن اور حاسد سوا [illegible] کافروں اور مُنافقوں کے کوئی نہیں ہوتا۔"[1]

(۲) تیسری خصوصیت آپ کی عجیب و غریب تاثیر اور انوار و برکات ہیں۔ حضرت حاجی عبدالرحیم صاحب ولایتی "بایں جلالتِ قدر و کمالِ رُوحانی فرماتے ہیں :

"جب مجھ کو حضرتؒ سے بَیعت نہ تھی اور اپنے مشائخ کے طَور و طریق پر تھا، چلّہ کشی کرتا تھا، جَو کی روٹی کھاتا تھا، موٹے کپڑے پہنتا تھا، میرے صدہا مُرید تھے اور جو درویشی کا طالب میرے پاس آتا، اس کو تعلیم کرتا تھا اور کسی سے کچھ غرض نہیں رکھتا تھا، جو کوئی اپنے مطلب کے لیے دو چار کوس یا دو ایک منزل لے جانے کی درخواست کرتا، لِلّٰہ فی اللّٰہ چلا جاتا تھا اور میری نسبت کا یہ طَور تھا کہ اگر آدھ کوس یا کوس بھر سے کسی پر توجّہ کی نظر ڈالتا تھا، تو اُسی جگہ اُس کو حال آجاتا اور بعض بعض باتیں مجھ میں اس سے بڑھ کر تھیں اور مَیں اپنے اس حال میں بہت خوش تھا اور میرے مریدوں میں بعض بعض صاحبِ تاثیر تھے، باوجُود ان سب باتوں کے جب اللّٰہ تعالیٰ نے اِن سیّد صاحبؒ کو سہارنپور پہنچایا اور مجھ سے ملایا اور مجھ کو توفیق دی کہ مَیں نے آپ کے دستِ مُبارک پر بَیعت کی اور اُن کا طریقہ دیکھا، اُس وقت اپنے نزدیک مجھ کو یہ خیال ہُوا کہ اگر مَیں اُس حالت میں مَر جاتا، تو میری مَوت بُری ہوتی۔ پھر مَیں نے اپنے سب مُریدوں سے کہا کہ اگر تم اپنی عاقبت بخیر چاہتے ہو، تو اب دُوسری مرتبہ ان سیّد صاحبؒ کے ہاتھ پر بَیعت کرو اور جو نہ کرے گا، وُہ جانے۔ مَیں نے آگاہ کر دیا ہے۔ اس کا مواخذہ قیامت کے روز مجھ سے نہیں ہوگا۔ پھر دوبارہ سب نے بَیعت کی۔ سو مَیں نے عیش و آرام اور ناموس و نام کو ترک کر کے سیّد صاحبؒ کے یہاں کی محنت، مشقّت و تنگی و کلفت اختیار کی۔ اِینٹیں بھی بناتا ہوں، دِیوار بھی اُٹھاتا ہوں، گھاس بھی چھیلتا

---

[1] مکاشفاتِ رحمت، صفحہ ۲۶

ہُوں، لکڑی بھی چیرتا ہُوں اور ہر طرح کے کام کرتا ہُوں، مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کی بدولت جو نعمت دی اور خیر و برکت عطا کی، اس کے دسویں حِصّے کے برابر اُن معاملاتِ (سابقہ) کی تمام خیر و برکت کو نہیں پاتا ہُوں۔ اگر ایسا نہ ہوتا، تو اِس راحت کو چھوڑ کر یہ محنت کیوں اختیار کی؟"

(۴) چوتھی اور سب سے بڑی خصُوصیّت یہ ہے کہ آپ کی نسبت اور تزکیہ جناب رسُول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم کی نسبتِ تزکیہ سے خاص مُناسبت رکھتا تھا۔ چنانچہ، آپ کے مُریدین، خُلفاء و رُفقاء میں اِسی قسم کا رنگ اور اِسی طرح کے انوار پیدا ہو جاتے تھے، جو حضراتِ صحابۂ کرامؓ میں پیدا ہو گئے تھے۔

حضرت حاجی عبدالرّحیم صاحبؒ سے کسی نے کہا کہ آپ تو بڑے باکمال آدمی ہیں اور کمالِ باطن میں سیّد صاحب سے گھٹے ہُوئے نہیں، بلکہ بڑھے ہُوئے ہیں۔ پھر آپ سیّد صاحب پر اس درجہ کیوں مِٹ گئے کہ آپ بھی مُرید ہو گئے اور اپنے مُریدوں کو بھی اُن کا مُرید کرایا؟ اس کے جواب میں حاجی صاحب نے فرمایا کہ یہ سب کُچھ ہے۔ مگر ہم کو نماز پڑھنی اور روزہ رکھنا نہ آتا تھا۔ سیّد صاحب کی برکت سے نماز پڑھنی بھی آگئی اور روزہ رکھنا بھی آگیا۔[1]

غالباً یہی کچھ دیکھ کر حاجی صاحبؒ نے سیّد صاحبؒ سے بیعت ہو کر فرمایا تھا کہ:

"جب اللہ نے اِن سیّد صاحب کو سہارنپور پہنچایا اور مُجھ سے مِلایا اور مُجھ کو توفیق دی کہ مَیں نے آپ کے دستِ مُبارک پر بَیعت کی اور آپ کا طریقہ دیکھا، اُس وقت اپنے نزدیک مُجھ کو خیال ہُوا کہ اگر مَیں مر جاتا، تو میری موت بُری ہوتی۔"

آگے فرماتے ہیں:

"اللہ نے اپنے فضل سے اس کاروبار کی بدولت جو دولت اور خَیر و برکت عطا کی، اُس کے دسویں حِصّے کے برابر ان تمام معاملات کی خیر و برکت کو نہیں پاتا ہُوں۔"

---

[1] سیرۃ النبی ۱۱۱

اور اسی لیے رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشی یہ تھی کہ آپ سیّد صاحب سے بَیعت ہو جائیں۔

یہ اثر آپ کے اُن مُریدین میں بھی مُنتقل ہُوا، جو سیّد صاحبؒ سے بَیعت ہونے کے بعد آپ سے بَیعت ہُوئے۔ شاہ عبُدالرّحیم صاحب رائپوریؒ فرماتے تھے کہ :

"شاہ عبدالرّحیم صاحب ولایتیؒ سے جو لوگ اُن کے سیّد صاحبؒ سے بیعت ہونے کے بعد بَیعت ہُوئے، اُن کی حالت نہایت اچھی تھی اَور اُن پر اِتّباعِ سُنّت نہایت غالب تھا، اور جو لوگ سیّد صاحبؒ کی بیعت سے پہلے بیعت ہُوئے تھے، اُن کی حالت اس درجے کی نہ تھی۔"

حافظ عبُدالکریم صاحبؒ میاں مُحمّد حُسین صاحبؒ (سیّد صاحبؒ کے مُرید) کے ایک مُرید کہتے ہَیں :

"مَیں نے میاں صاحب سے جب سے بَیعت کی ہے، کبھی شِرک و بِدعت میں مُبتلا ہونے کا اِتّفاق نہیں ہُوا، کبھی اَیسا نہیں ہُوا ہے کہ دھوکے سے بدعت کا کوئی کام کر لیا ہو، پھر بعد کو معلوم ہُوا کہ یہ بدعت ہے اور ندامت اُٹھانی پڑی ہو۔"[1]

(۵) پانچویں خصوصیت یہ ہے کہ آپ نے طریقے کو تمام بِدعات سے پاک کیا اور ضروریاتِ زمانہ اور طبائع کے مُطابق اس میں اصلاح و ترمیم فرمائی۔

مولانا رشید احمد صاحب گنگوہیؒ فرماتے ہَیں :

"سب مشائخ طبیبِ اُمّت ہَیں۔ اپنے اپنے زمانے کے لوگوں کے اعتبار سے اُنھوں نے طریق رکھے ہَیں۔ سب کا مآل ایک ہے اور سب کا خلاصہ اِتّباعِ سُنّت ہے۔ بعد کو لوگوں نے بدعتیں داخل کر دی تھیں۔ اُن کے مُجدّد حضرت سیّد صاحبؒ ہُوئے۔"[2]

مولانا نے دُوسرے موقع پر مُصلحینِ طریقت میں شیخ عبدالقادر جیلانیؒ، شیخ شہاب الدین سُہروردیؒ،

---

[1] ارمُغانِ احباب ص۱۴۷ [2] ارواحِ ثلٰثہ

مُجدّدِ الف ثانیؒ اور سیّد احمد صاحبؒ کا نام لیا ہے اور کئی مواقع پر سیّد صاحبؒ کو اِن اکابر کے ساتھ مُصلحین میں شمار کیا۔

صِراطِ مُستقیم | اِس موقع پر سیّد صاحبؒ کے مجمُوعۂ ملفوظات "صراطِ مستقیم" کا مختصر سا تعارف ضروری معلوم ہوتا ہے، جس سے تزکیہ و اصلاحِ باطن اور علمِ سُلُوک و تصوّف میں آپ کا مرتبہ اور آپ کے اِجتہادِ تجدید کا مقام معلوم ہو سکتا ہے۔

یہ مجمُوعہ حضرت شاہ اسمٰعیل صاحبؒ کا مُرتّب کیا ہُوا ہے۔ اس کے دو ابتدائی باب مولانا عبدالحی صاحب بُڈھانویؒ کے قلم سے ہیں۔[1] سیّد صاحبؒ جو فرماتے تھے۔ اس کو شاہ صاحبؒ اپنے الفاظ و عبارت اور علمی اصطلاحات کے ساتھ لکھ لیتے تھے۔ پھر سیّد صاحبؒ اس پر نظر فرماتے تھے اور اصلاح و تصحیح کر دیتے تھے۔[2] یہ ۱۲۳۳ھ کی تالیف ہے۔[3]

تصوّف و معرفت اور اِصلاح و تربیتِ باطنی کی کتابوں کے ذخیرے میں یہ کتاب اپنی بعض خصُوصیات کے لحاظ سے مُنفرد ہے اور ایک اِنقلابی کِتاب کہی جا سکتی ہے۔ اس کا اندازہ پُوری کتاب کے گہرے مُطالعے اور اِس فن کی دُوسری کتابوں سے مُقابلہ کرنے سے ہو سکتا ہے۔ یہاں پر نہایت اختصار کے ساتھ اشارات کے طور پر اس کے بعض تفرّدات لکھے جاتے ہیں :

(۱) حُبِّ عشقی اور حُبِّ اِیمانی اور طریقِ ولایت اور طریقِ نبوّت کی تشریح اور باہمی اِمتیاز پر جو کچھ لکھا گیا ہے، وُہ اِس کتاب کے لطیف ترین مباحث اور سیّد صاحبؒ کے تفرّدات میں سے ہے، جو وجد انگیز معارِف و حقائق سے لبریز ہے اور اس کتاب کے سوا اس تفصیل و وضاحت کے ساتھ کسی اور دُوسری جگہ نہیں مِل سکتا۔ دونوں محبّتوں اور طریقوں کے وُجوہِ اِمتیاز، جُداگانہ مُوثّرات، آثار اور ثمرات کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، جن کے پڑھنے سے اِسلام کا پُورا رُوحانی نظام سامنے آجاتا ہے۔

(۲) بابِ دُوم میں بدعات سے اِجتناب کی تاکید، طاعات ادا کرنے کے طریقے اور اخلاق

---

[1] صراطِ مُستقیم ص۴　[2] صراطِ مُستقیم ص۴　[3] صراطِ مُستقیم ص۹۵، مطبع مجتبائی دہلی

کے مباحث میں بدعات کے سلسلے میں نہایت صفائی کے ساتھ اپنے زمانے کا جائزہ لیا گیا ہے اور اہلِ تصوّف اور عوام کی اِن بدعات کی مخالفت کی گئی ہے۔ جو جاہلیتِ قدیمہ کی یادگار ہیں یا ہندوؤں اور شیعوں کی صحبت سے پیدا ہوئی ہیں۔ اخلاق کے مباحث میں نہایت حکیمانہ نکتے بیان کیے گئے ہیں اور تہذیبِ نفس اور اِصلاحِ اخلاق کی مؤثر تدبیریں اور علاج تجویز کیے گئے ہیں۔

طاعات و فرائض کے تذکرے میں نماز، روزہ، حج و زکوٰۃ کے ساتھ پوری اہمیت کے ساتھ جہاد کی ترغیب و تحریض اور اُس کے فوائد کا اظہار ہے۔ جو تصوّف کی کتاب میں ایک غیر متوقّع مضمون ہے۔ اِن مضامین کے علاوہ سماع وغیرہ پر نہایت منصفانہ اور بے لاگ محاکمہ اور دوسرے فوائد ہیں۔

(۳) تیسرے باب میں سلسلۂ قادریہ، چشتیہ، نقشبندیہ اور مجددیہ کے اذکار و تعلیمات ہیں، جن میں اجتہاد و تجدید سے کام لیا گیا ہے اور اُن کو زیادہ مؤثر اور مفید بنا دیا گیا ہے

(۴) چوتھا باب طریقِ سلوکِ راہِ نبوّت کی تفصیل و تشریح پر ہے، جو سیّد صاحبؒ کا الہامی مضمون ہے اور جس کے آپ امام ہیں۔ یہ ایک مستقل "طریقت" اور "سلوک" ہے، جس کو آپ نے پورے طور پر مرتّب اور مکمّل کر دیا ہے۔

کتاب پڑھنے والے پر چند اثرات لازمی طور پر پڑتے ہیں، ایک اُمّیّت کے باوجود سیّد صاحبؒ کی حکمت، بصیرت اور شرحِ صدر۔ پڑھنے والا اپنے کو نکاتِ حقائق میں گھرا ہوا پاتا ہے۔ وہ ایک نکتے کا لطف نہیں لینے پاتا کہ دوسرا نکتہ اس کے سامنے آجاتا ہے اور وہ اپنے اوپر ایک وجد کی سی کیفیت پاتا ہے۔

دوسرا، سیّد صاحبؒ کی اعلیٰ درجے کی سلامتِ فہم اور سلامتِ طبع کا اثر پڑتا ہے۔ تصوّف اور حقائق و معارف کی دوسری کتابوں کے برخلاف اس کو اس میں کوئی پیچ و خم اور تکلّفات نہیں ملتے۔

تیسرا، آپ کے مسلک کے اعتدال کا اثر پڑتا ہے۔ مختلف فیہ مباحث و مسائل میں افراط و تفریط سے پاک اور معتدل رائے آپ کی خصوصیت ہے۔

○

الحمد للہ والمنہ

تمام شد

سیرت سید احمد شہیدؒ

از

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

○

INDEX

اشاریہ

("سیرت سید احمد شہیدؒ - دوم")

مُرَتِّب

محمد غیاث الدین ندوی

شخصیات

الف

سیدنا حضرت آدم علیہ السلام ۵۰۷
سیدنا حضرت ابراہیم علیہ السلام ۲۲۴، ۵۳۵
سیدنا حضرت اسماعیل علیہ السلام ۳۷۲، ۴۴۶
(حضرت) ابوبکر صدیق رضؓ ۴۹۵، ۴۹۶
(حضرت) ابوسعید خدری رضؓ ۴۷۹
(حضرت) ابوعبیدہؓ بن جرّاح رضؓ ۵۲۴
(حضرت) ابومحذورہ رضؓ ۵۴۶
(حضرت) اسامہ رضؓ ۴۹۵، ۴۹۶
ابراہیم خاں ۱۶۹، ۱۷۰
ابراہیم خاں خیرآبادی ۹۱، ۱۲۲، ۱۷۸، ۲۰۹، ۲۳۳، ۳۵۶، ۴۱۸، ۴۳۱، ۴۸۷
ابوجہل ۴۵۲
(داداسید) ابوالحسن نصیرآبادی ۹۱، ۱۲۲، ۲۶۳، ۴۲۸
(شاہ) ابوسعید ۵۵۰
ابوالقاسم خاں ۳۷۰
ابولہب ۴۵۲
(سید) ابومحمد نصیرآبادی ۷۶، ۷۸، ۹۱، ۲۵۰، ۲۵۵، ۲۶۱، ۵۱۲
(سید) احمد شہید پوری کتاب
(حافظ) احمد ۴۴۵
(امام) احمد بن حنبلؒ ۵۵۰
(مرزا) احمد بیگ پنجابی ۸۲، ۹۲، ۱۱۹، ۱۲۰، ۱۲۲، ۲۷۵، ۴۱۴، ۴۱۷، ۴۱۸
احمد خاں ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۴، ۲۴۵، ۲۷۳، ۲۷۴، ۳۱۲، ۳۵۷
(خان) احمد خاں ۲۳۵
احمد خاں پکھلی والا ۴۰، ۴۲، ۲۴۲
احمد شاہ دُرّانی ۲۷
(سیدی) احمد الشریف سنوسی (امام سنوسی) ۵۴۹
(میر) احمد علی بہاری ۲۰۶، ۲۰۸، ۲۰۹
(نواب) احمد علی خاں ۵۸
(سید) احمد علی رائے بریلوی ۵۲، ۶۲، ۶۹، ۷۹، ۸۰، ۹۱، ۱۰۷، ۱۴۵، ۱۵۷، ۱۷۴، ۱۸۱-۸۳، ۱۸۵-۸۷، ۱۸۹، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۳-۷، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۶۱، ۳۷۳
احمداللہ میرٹھی ۳۱۴
(مولوی) احمداللہ ۲۶۶، ۳۵۷
(قاضی) احمداللہ میرٹھی ۱۴، ۱۵، ۱۸، ۹۰، ۱۰۹، ۳۱۴
(مولوی) احمداللہ ناگپوری ۶۲، ۶۳، ۷۸، ۹۱، ۱۵۳، ۱۶۲، ۱۸۱، ۳۵۲، ۳۵۶، ۴۳۴، ۴۳۶،
(سید) آخوندزادہ ۳۴
(سیدمیر) آخوندزادہ ۳۴۲
آخوندگل ۳۵۰، ۳۵۱

ارسلان خاں ۴۴-۴۰، ۴۸، ۹۸، ۱۰۰، ۱۳۸، ۱۴۲، ۱۷۸، ۲۳۳، ۲۳۴
(سید) اسماعیل بریلوی ۲۴، ۹۱، ۱۵۷، ۲۵۵، ۲۶۶، ۳۳۶، ۳۳۷
اسماعیل خاں ۱۷۸، ۲۲۳، ۲۵۳، ۲۶۶، ۲۹۴، ۳۳۸
اسفندیار ۴۹
(سردار) اشرف خاں ۱، ۴، ۵، ۳۲، ۸۴، ۸۵، ۸۸، ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۸، ۱۲۶، ۱۳۵، ۱۳۸
(سید) اصغر شاہ ۱۶۴، ۱۶۶، ۳۳۵
اعتباری ۲۶۶
(سید) اعظم شاہ ۳۶
(نواب معتمد الدولہ) آغا میر ۴۶۹
(ڈاکٹر) اقبال ۵۴۲
اکبر خاں ۶۴
(سید) اکبر شاہ ۳۶، ۶۶-۱۶۴، ۱۷۹، ۱۸۵، ۱۸۶، ۲۴۷
اکبر علی ۲۱۱
(حافظ) الٰہی بخش ۳۴۴، ۳۴۵
(کرنل) الٰہی بخش ۲۹
(میاں) الٰہی بخش رامپوری ۲۳، ۳۸۳، ۴۰۶، ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۵۴، ۴۶۳
اللہ بخش باغپتی ۲۶۶
(جنرل) الرڈ ۹۹، ۲۲۰-۲۲، ۲۲۶
امام خاں خیرآبادی ۹۱، ۱۰۴، ۱۸۳، ۱۹۰، ۴۸۷
امام خاں سہسرامی ۲۰۸
امام الدین ۱۰۴، ۳۲۵، ۴۵۳، ۴۷۴، ۴۷۵
(میاں) امام الدین بڑھانوی ۴۳۰
(مولوی) امام الدین بنگالی ۹۱، ۱۵۷، ۵۰۶
امام الدین پانی پتی ۲۶۶
(حافظ) امام الدین رامپوری ۶۴، ۱۵۴
(میر) امام علی عظیم آبادی ۶۴، ۹۴
(میر) امانت علی ۹۲، ۹۳
امان خاں ۱۶۹
امان اللہ خاں، خان خیل ۳۳، ۴۳۸
امان اللہ خاں لکھنوی ۹۱، ۴۱۳، ۴۱۷، ۴۳۹، ۴۷۱، ۵۳۷
امان اللہ خاں ملیح آبادی ۲۵۴
(میاں شیخ) امان اللہ رائے بریلوی ۴۷۳
(سردار) امبال خاں ۶۹، ۷۲
(شیخ) امجد علی غازیپوری ۷۹، ۳۷۲
امر سنگھ مجیٹھا ۲۹
(دیوان) امرناتھ ۱۲
(ملا سید) امیر آخوندزادہ ۳۵۳
(نواب) امیر خاں ۱۴، ۲۵، ۷۹، ۱۷۵، ۱۷۸
امیر خاں خٹک ۱۴۶، ۱۴۸، ۲۲۹
امیر خاں قصوری دیکھئے محمد
امیر خاں مورانوی ۶۱، ۳۸-۱۳۴، ۱۴۱
(مولوی) امیر الدین ولایتی ۱۲۹، ۱۴۵، ۲۳۶
(سید) امیر علی ۳۳۸، ۳۳۹
(شیخ) امیر اللہ تھانوی ۲۶۵
آنند خاں ۲۳۴، ۲۵۳، ۳۳۸

(سید) انور حسین نفیس رقم ب
(کرنل) ایبٹ ۳۱

ب

باقر علی ۵۲
(سید) باقر علی موہانوی ۴۴۸
(ملا) باقی ۲۵۳
بدھ رام ۲۹۹
(سردار) بدھ سنگھ ۱۰، ۱۱، ۱۰۱، ۲۴۵، ۲۸۹، ۳۶۱
(شیخ) برکت اللہ گورکھپوری ۲۰۸
(قاضی) برہان الدین ۹۱
(شیخ) بلند بخت دیوبندی ۶۴، ۱۸۳، ۱۹۰، ۱۹۱، ۹۷-۱۹۴، ۲۱۰، ۲۴۷، ۵۴-۳۵۲، ۳۷۳، ۴۰۰
بوستان خاں ۳۲
(سردار) بہادر خاں ۷، ۹
(حاجی) بہادر شاہ خاں ۱۰۴، ۲۲۰، ۲۲۱، ۲۲۸، ۲۴۰، ۲۷۸، ۳۳۸
(آخوند) بہاء الدین ۳۸۰
(ملا) بہار الدین ۲۵۳
(ارباب) بہرام خاں ۱، ۶۰، ۶۷-۶۹، ۷۷، ۹۲، ۱۰۴، ۱۰۵، ۱۰۷، ۱۲۹، ۱۳۰، ۱۵۴، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۹۰، ۲۶۶، ۲۶۹، ۷۹-۸۱، ۲۸۴-۸۸، ۲۹۲، ۲۹۳، ۲۹۶، ۲۹۷، ۳۰۶، ۳۵۶، ۳۵۷، ۳۶۶، ۳۷۳، ۳۷۷، ۳۹۳، ۴۰۶، ۴۱۸، ۴۱۹، ۴۲۸، ۴۳۶، ۴۳۷، ۴۴۱، ۴۷۸، ۴۹۱، ۴۹۲، ۴۹۷
(خان) بہرام خاں خیل ۴۶۳

پ

(راجہ) پارس ۳۳، ۳۶۷
پایندہ خاں ۳۳، ۴۰-۳۷، ۴۲، ۴۴، ۴۵، ۱۶۲، ۷۰-۱۶۵، ۱۷۲، ۸۹-۱۷۸، ۹۴-۱۹۱، ۲۰۲-۱۹۸، ۲۰۴، ۲۰۵، ۲۰۹، ۲۱۰، ۲۱۲، ۲۳۲، ۵۵-۲۵۳، ۳۹۳، ۳۶۹، ۴۸۰
پھلیلہ ۲۱۴-۲۱۶
پھول سنگھ ۴۸
پیر خاں جمعدار ۳۳۹، ۳۴۰
پیر خاں مورانوی ۴۹۱
پیر داد خاں لوہانی ۷۴-۴۷۲
پیر محمد پانی پتی ۲۶۶
پیر محمد خاں ۴، ۵، ۶، ۹۰، ۱۷۲، ۱۸۳، ۲۴۲، ۲۵۱، ۲۸۸، ۲۸۹، ۳۳۵

ث ج

(حضرت) ثمامہ بن اثال رضؓ ۵۴۶
(حضرت) جعفر طیار رضؓ ۲۶۳
(شیخ) جان ۴۷۵
(حافظ) جانی پانی پتی ۹۱
جعفر خاں پنجابی ۳۹۳
(مولوی سید) جعفر علی ۵۶، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۱۳، ۲۱۴، ۲۵۴، ۲۵۹، ۶۴-۲۶۲، ۲۷۲، ۲۷۹، ۲۸۶، ۳۰۱، ۳۲۱، ۳۲۲، ۳۳۹، ۳۴۲، ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۸۱، ۳۸۹، ۳۹۹، ۴۰۲، ۴۰۵، ۴۱۱، ۴۱۳

۴۱۸، ۴۳۳، ۴۴۸، ۴۵۴، ۴۶۶، ۴۶۷،
۴۶۹، ۴۷۰، ۴۷۴، ۴۷۵، ۴۷۷، ۴۷۹،
۴۸۳، ۴۸۴، ۴۸۶، ۴۸۸، ۴۸۹، ۵۰۳،
۵۰۸، ۵۱۶، ۵۴۰
(شیخ) جلال الدین ۶۲
جمال الدین ۴۸۳
جمعدار جانو ۴۰
(ارباب) جمعہ خاں ۶۷، ۶۸، ۷۹، ۹۲، ۱۴۳،
۲۸۱، ۲۸۴، ۲۸۶، ۲۹۳، ۲۹۶، ۳۰۵، ۴۹۹
(سید) جمیل شاہ ۱۰۴
جہاندار ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۱۱
(چ)
(حاجی) چاندناگوری ۲۶۶
(سید) چراغ علی ۴۲۵
(میاں جی) چشتی ۶۲، ۶۴، ۷۹، ۱۵۵، ۱۵۶،
۳۸۱، ۵۰۶
ایچ، ٹی، پرنسپ (H.T. PRINCEP) ۴۵۲
(ح)
حاجرہ (صاحبزادی) ۳۸۱
حافظ نابینا ۴۷۵
(مولانا) حالی ۵۴۳
(قاضی و مولوی) حبّان دیکھئے محمد
حبیب خاں بنیری ۳۴۲
(مولانا) حبیب الرحمٰن ۴۴۵
حبیب اللہ خاں ۳۲، ۴۳-۴۱، ۴۵، ۴۸،
۲۴۲، ۲۵۱، ۲۸۸، ۳۰۰، ۳۶۷، ۳۷۹،
۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۵، ۳۹۳، ۳۹۸، ۴۰۰،
۴۱۷، ۴۱۹، ۴۲۰، ۴۲۲، ۴۲۶، ۴۶۳،
(مولوی) حبیب اللہ قندھاری ۵۴۰
(حضرت) حسن بصریؒ ۳۳۴
(مرزا) حسن بیگ بانس بریلوی ۷۵، ۷۶
(سید) حسن شاہ ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۷-۷۰، ۱۹۸،
۲۰۵
(سید) حسن رسول ۱۳
(شیخ) حسن علی ۹۱، ۱۸۲، ۳۳۵، ۳۷۳، ۴۶۴
(سردار) حسن علی خاں ۲۹، ۳۲، ۴۵، ۷۹،
۳۹۸، ۴۶۷
(مولانا) حسین احمد مدنی ۵۴۹
(مرزا) حسین بیگ ۱۲۲، ۱۴۷، ۱۹۶
(میاں) حفیظ اللہ دیوبندی ۴۲۹، ۴۳۵
حکما سنگھ ۲۹
(قاضی) حمایت اللہ ۹۱
(حاجی) حمزہ علی خاں لوہاروی ۹۲، ۲۷۸، ۲۸۶،
۳۱۵، ۳۲۳، ۳۳۶
حیدر شاہ ۴۰، ۴۲
(سید) حیدر علی ۳۴۱
(مولوی) حیدر علی ۴۴۵
(مولانا) حیدر علی رامپوری ۵۲۹
(خ)
خادی خاں ۱، ۴، ۵، ۸۵، ۸۷، ۸۸، ۹۶-۱۰۰،
۱۰۵، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۷-۱۱۴، ۱۲۲، ۱۲۳،

۳۱-۱۲۶، ۱۳۳-۳۷، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۷۵
۱۷۸، ۲۲۹، ۳۳۳
خالصہ جی ۱۰۱، ۱۰۲
خدا بخش ۱۵۳، ۳۴۱
(میاں) خدا بخش رامپوری ۱۹۴، ۳۵۶، ۳۸۳
۴۰۷، ۴۲۴، ۴۲۸، ۴۵۴، ۴۶۲
(مولوی) خرم علی بریلوی ۵۲، ۲۵۴، ۲۶۹، ۴۷۲
(لالہ) خزانہ مل ۱۰۵
خضر خاں قندھاری ۳۰۴، ۳۱۳، ۳۲۲، ۴۴۸
(منشی) خواجہ محمد حسین پوری ۳۵۶، ۴۲۲
خواص خاں خٹک ۲۵۳
(شیخ) خواہش علی غازیپوری ۶۴
خیر الدین ۵-۱۰۳، ۱۲۳
(مولوی) خیر الدین شیرکوٹی ۵۱-۴۹، ۹۱، ۱۰۲، ۱۵۱
۱۷۹، ۱۸۳، ۱۹۱، ۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۵، ۲۲۰-۲۲
۲۲۷، ۲۲۸، ۲۳۰، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۶۲، ۳۱۴
۳۱۶، ۳۱۷، ۳۲۰، ۳۴۶، ۳۴۷، ۳۴۹-۵۲
۶۶-۳۶۴، ۳۸۲، ۸۷-۳۸۵، ۹۵-۳۹۰
۴۰۵، ۴۶۳

(د)

سیدنا حضرت داؤد علیہ السلام ۲۲۴، ۵۰۲، ۵۰۳
درد ۴۴۵
درشن سنگھ ۴۷۶
(آخوند) درویزہ بابا ۳۰۵
(سید) دلاور علی ۱۹۰
دلیل خاں ۲۴۲، ۲۵۳
دوست محمد خاں ۲۴۳، ۳۶۳، ۳۷۸
(میاں) دین محمد ۵۷، ۱۵۴، ۱۷۷، ۴۷۵، ۴۷۶، ۵۴۰

(ر)

راجہ رام ۷۸، ۷۹
(دیوان) رام دیال ۲۹، ۲۰۲
(استاد) رجب خاں ۱۵۴
رجب خاں پٹیٹ ۳۰۶
(مولوی) رحمان علی ۳۶۹
(میر) رحمان علی ۲۸۰
رحمت خاں ۱۸۴
رحیم بخش جرّاح ۲۰۷، ۲۰۹
رستم ۴۹
(سید) رستم علی ۱۵
رسول خاں ۶۹-۶۷، ۷۲، ۷۳، ۷۸، ۱۹۰،
۲۳۵، ۲۳۷، ۲۳۸، ۲۷۴، ۲۷۵، ۲۸۰
(مولانا) رشید احمد گنگوہی ۴۴۵، ۵۳۸، ۵۵۰،
۵۵۴
(مولوی) رمضان سہارنپوری ۱۵، ۱۸، ۳۱۴، ۳۳۶،
۳۳۸، ۳۳۹
(مہاراجہ) رنجیت سنگھ ۱۲، ۳۲-۲۹، ۹۸، ۹۹،
۱۰۱، ۱۱۰، ۲۰۵، ۲۰-۲۱۸، ۲۸-۲۲۷، ۲۵۵
۳۶۱، ۳۸۰، ۴۵۲، ۴۷۸
رئیس احمد خاں ۲۳۵
(شیخ) ریاست علی موہانی ۲۵۴، ۴۷۱

(ز)

(سلطان) زبردست خاں ۳۳، ۴۵، ۱۷۸، ۳۶۷

۳۸۵، ۹۵-۳۹۱، ۳۹۹

(شاہ) زماں ۴۸۳

زیداللہ خاں ۶۸، ۶۹، ۷۲

(سید) زین العابدین ۴۷۴

(حاجی) زین العابدین خاں رامپوری ۹۱، ۴۸۰

(س)

سیدنا حضرت سلیمان علیہ السلام ۵۰۲

(حضرت) سلمان فارسیؓ ۱۱۸

(مولانا) سخاوت علی مہاجر مکی جونپوری ۵۳۵، ۵۴۰

سدو خاں درّانی ۴۷۷، ۴۸۰

(سردار) سربلند خاں ۳۲-۳۰، ۴۳، ۴۴، ۴۶، ۱۹۲

سربلند خاں پلال ۲۰۲

سرفراز خاں ۲۳۳

سرور خاں ۲۵۳

سعادت خاں ۱، ۳۷۹

(مولوی) سعادت علی ۶۴

(شیخ) سعدالدین پھلتی ۱۴

سعدی خاں غازیپوری ۲۶۴

سلو خاں پھکیت ۳۰۶، ۳۷۶

سلیمان شاہ ۲۰۲، ۴۹۳

(لالہ) سوہن لال ۱۱، ۱۲

(مفتی سید) سیاح الدین ب

(میاں) سید شاہ ۳۴

سید میاں ۱۳، ۳۶۱

(کیپٹن) سی، ایم، وڈ (C.M.WADE) ۴۵۲، ۴۵۳

(ش)

سیدنا حضرت شعیب علیہ السلام ۵۰۷

شادل خاں ۵، ۳۳۹

شاماجمعدار ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۷۰-۱۶۸

(ملا) شاہ ۳۴

شاہ محمد ۲۹، ۳۱، ۴۲۹

(سید) شاہ گل ۱۶۵

شاہی خاں ۴۴، ۴۶

شرف الدین بنگالی ۶۰-۱۵۸

(شیخ) شہاب الدین سہروردی ۵۵۴

شہباز خاں خٹک ۲۵۳

شہزاد خاں ۷۶-۳۷۳

شیر خاں ۳۰

شیر سنگھ ۲۹، ۳۸۶، ۴۰۰-۳۹۴، ۴۰۵، ۴۱۲، ۱۹-۴۱۷، ۴۲۴، ۴۳۱، ۴۴۹، ۴۵۳

شیر محمد خاں رامپوری ۲۵۷، ۴۲۷، ۴۵۴، ۴۶۳

(ص)

(حافظ) صابر ۱۵۹، ۱۶۰، ۳۴۵، ۵۰۶

(پیر) صبغت اللہ ۳۷۰

(سید) صبغت اللہ بن سید محمد راشد ۵۵۰

(ملک) صدرالدین ۵۰-۳۴۸

(نواب) صدیق حسن خاں ۵۳۱

(شیخ) صلاح الدین ۶۲، ۹۱

(میاں) صلاح الدین پھلتی ۴۷۵

(ض)

(سید) ضامن شاہ ۱۶۵، ۴۰۲، ۴۱۹

(ط) (ظ)

(مولوی) طالب علی عظیم آبادی ۱۰

ظفر اقبال الف، ب

(اخوند) ظہوراللہ ۸۰، ۱۰۴، ۱۴۶، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۶

(ع)

سیدنا حضرت عیسیٰ علیہ السلام ۴۴۴
(حضرت) عمرؓ ۳۳۳، ۴۹۵
(حضرت) علیؓ ۲۶۳، ۳۳۳، ۴۹۶
(ام المؤمنین حضرت) عائشہؓ ۴۶۶
(حضرت) عمرو بن عاصؓ ۵۴۶
عالم خاں ۶۹-۶۷، ۷۲، ۷۳، ۷۸-۷۶
(میر) عالم خاں بابوڑی ۳۰۹، ۳۱۰، ۴۸۴، ۴۸۵
(خان) عالی شان ۳۴
(شاہ) عباس ۹۹
(مولانا) عبدالأحد ۵۳۸
(سید) عبدالجبار شاہ تھانوی ۱۸۳
(مولوی) عبدالحق نیوتنی ۵۲
(مولوی) عبدالحکیم بنگالی ۲۶۶
(شیخ) عبدالحکیم پھلتی ۹۱، ۱۵۷، ۲۵۵، ۲۶۶
(جمعدار) عبدالحمید خاں ۱۵، ۱۸، ۱۵۳، ۱۵۴
عبدالحمید خاں رسالدار ۱۶۲، ۱۶۹، ۱۷۴، ۱۸۲
۸۷-۱۸۵، ۱۹۳، ۱۹۵، ۲۳۲، ۲۳۴، ۲۳۵
۲۳۷، ۲۳۸، ۲۴۰، ۲۴۳-۲۴۱، ۲۵۲، ۲۵۵
۲۶۲، ۲۶۴، ۲۶۵، ۲۷۸
(مولانا) عبدالحی ۱۱، ۱۶، ۲۰، ۲۶، ۶۴-۶۱، ۹۱
۲۶۶، ۵۰۴، ۵۲۳، ۵۳۸، ۵۳۹، ۵۴۱، ۵۵۰، ۵۵۵
(مولانا) عبدالحی بڈھانوی ۱۸
(مولانا) عبدالحی حسنی ۴۴۵
عبدالخالق محمد آبادی ۵۰
عبدالرحمٰن (نومسلم) ۱۵۵، ۴۷۸
(سید) عبدالرحمٰن ۴۳۹، ۴۷۳، ۴۷۴، ۴۹۴
(میر) عبدالرحمٰن ۶۴
(شیخ) عبدالرحمٰن پھلتی ۳۱۵
(مولوی) عبدالرحمٰن تورودی ۶۸، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۶۵
(میر) عبدالرحمٰن جھالوی ۳۴۸
عبدالرحمٰن دکھنی ۲۶۶
(شیخ) عبدالرحمٰن رائے بریلوی ۱۵۹، ۲۶۵
عبدالرحیم (نومسلم) ۱۵۵، ۴۷۸
(حاجی) عبدالرحیم خاں ۲۵۵
(حاجی) عبدالرحیم کھلی والے ۲۶۶
(شاہ) عبدالرحیم رائے پوری ۵۵۴
(حاجی) عبدالرحیم ولایتی ۲۶۶، ۴۷۴، ۵۲۳، ۵۳۵
۵۳۶، ۵۴۹، ۵۵۰، ۵۵۴-۵۵۲
(سید) عبدالرزاق نگرامی ۲۰۹
(شیخ) عبدالرؤف پھلتی ۴۲۹
عبدالصمد خاں خیبری، ۳۹۳
(شاہ) عبدالعزیز ۵۳، ۵۳۸، ۵۴۱، ۵۵۰
(شیخ) عبدالعزیز ۳۳۵
(حافظ) عبدالعلی پھلتی ۳۳۸، ۳۳۹
(سردار) عبدالغفور خاں ۳۶۷
عبدالغفور خاں ۳۳، ۴۲-۴۰
(میر) عبدالقادر الجزائری ۵۴۹
(شیخ) عبدالقادر جیلانی ۵۵۴
(مولوی) عبدالقدوس کانپوری ۵۲
(مرزا) عبدالقدوس کشمیری ۲۰۸

(مولوی) عبدالقیوم ۶۲، ۶۳، ۱۰۸
(میاں) عبدالقیوم ۹، ۴۲۳، ۴۲۸، ۴۳۱، ۴۴۱، ۵۰۵
(داروغہ) عبدالقیوم ۴۶۳
عبدالکریم (آنولہ) ۲۶۶
(حافظ) عبدالکریم ۵۵۴
(حافظ) عبداللہ (املیہ) ۴۳۰
عبداللہ (نومسلم) ۴۲۴
(مولوی) عبداللہ امروہی ۵۲
عبداللہ بسم اللہ ۱۰
عبداللہ بن ابی ۳۳۳
عبداللہ بہرے ۵۰۵
(شیخ) عبداللہ جمعدار ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۵۲
عبداللہ دالیہ ۲۵۳
(حاجی) عبداللہ رامپوری ۶۴، ۵۰۵، ۵۰۶
(میاں) عبداللہ دہلوی (نومسلم) ۲۶۸، ۲۸۷، ۵۰۳-۵
(مولوی) عبداللہ غزنوی ۵۴۰
(شیخ) عبداللطیف تاجر ۵۰۴
(حافظ) عبداللطیف چھترہائی ۹۷-۱۹۵، ۳۰۴، ۳۱۳، ۳۲۲، ۴۳۰
(شیخ) عبدالوہاب ۹۱، ۱۵۳
(مولوی) عبدالوہاب ۹۴-۹۲، ۲۷۴، ۲۸۱، ۴۹۰
عثمان علی ۵۲
(حکیم) عزیزالدین دہلوی ۲۰-۲۱۸، ۲۲۲، ۲۲۹
(ملا) عصمت اللہ آخوندزادہ ۳۸، ۴۴
(حکیم) عطاءاللہ ۵۱۱
(ملا) عظمت اللہ ۹۲
عظیم اللہ خاں ۳۴۳
(قاضی) علاءالدین ۶۲، ۶۴، ۴۲۳، ۵۰۶
(سید) علم الہدیٰ ۴۷۳
علی خاں ۲۰۹
(شیخ) علی محمد چھترہائی ۱۹۷
(شیخ) علی محمد دیوبندی ۶۹، ۷۹، ۱۶۹، ۱۷۰، ۱۹۵
(سید ابوالحسن) علی ندوی ب، ۵۵۷
(سید) علی ترمذی غوث ۱۶۵
(حاجی) عمر ۴۷۴
(سید) عمر ۱۶۶
(سید) عمران ۱۶۶
(ملا سید) عمران ۳۱۰
(مولانا) عنایت علی غازی ۵۲، ۵۸، ۵۹
عنایت اللہ خاں سواتی ۳۳، ۶۱، ۶۸، ۶۹، ۷۲، ۳۱۰، ۳۱۹، ۳۲۰
عنایت اللہ منڈھیاہو ۶۰-۱۵۷

(غ)

(شاہ) غلام حسین ۴۱
(حکیم) غلام حسین ۵۱۱
غلام خاں ۱۳۴، ۱۳۶
غلام رسول خاں ۴۷۳
غلام رسول مہر ۱۸۳
(شاہ) غلام علی ۵۵۰
(شیخ) غلام علی الہ آبادی ۵۵، ۴۶۹

(میاں جی) غلام محمد سہارنپوری ۶۹
(دیوان) غلام مرتضیٰ ۴۶۹
(منشی) غوث محمد ۱۹۸، ۲۰۵، ۳۹۲

ف

(حضرت) فضالہ بن عمیرؓ ۵۴۶
(سردار) فتح خاں پنجتاری ۱، ۴، ۵، ۶، ۸، ۱۰، ۱۷، ۱۹، ۲۰، ۳۲، ۸۴، ۸۵، ۸۸، ۹۰، ۹۶-۹۴، ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۷، ۱۱۸، ۱۲۰، ۱۲۳، ۱۳۸، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۰، ۱۷۳، ۱۷۴، ۱۷۸، ۱۸۲، ۲۲۷، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۴۰، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۵۳، ۲۶۹، ۲۸۲، ۲۸۴، ۲۹۴، ۳۵۲، ۳۵۶-۵۹، ۳۶۶-۶۸، ۳۷۰، ۳۷۱، ۳۷۵، ۳۷۷، ۳۷۸
فتح خاں زیدہ والے ۱۴۱، ۱۴۶، ۱۵۰، ۲۳۳، ۲۳۴، ۲۵۳
فتح شیر خاں ۱۰۴
فتح میر خاں ۱۰۴
(سید) فخر الدین ۴۷۳
فرانسیسی دیکھئے ونٹورہ
فرج اللہ ۲۸۱، ۴۱۸
(شیخ) فرزند علی غازیپوری ۳۷۲، ۴۶۹
فرعون ۴۵۲، ۵۰۷
فیض الدین بنگالی ۲۰۹
(میر) فیض علی خاں ۲۰۶، ۲۰۷
(میر) فیض علی منشی ۲۰۳
(ارباب) فیض اللہ خاں ۱۴۳، ۲۸۲، ۲۸۳، ۲۸۸
۲۹۰، ۳۰۴-۳۰۰، ۳۰۶، ۳۰۸-۹، ۳۳۱
۳۳۵، ۴۷۰، ۴۷۹
(آخوند) فیض محمد ۱۶، ۵۹، ۲۷۷

ق

قابل آخوندزادہ ۳۶۱، ۳۷۷
قادر بخش خاں کنج پوری ۲۳، ۲۴، ۱۰۴، ۵۰۵، ۵۰۶
(مولوی حاجی) قاسم پانی پتی ۴۶۴
قدسی ۲۵۴
(حافظ) قطب الدین پھلتی ۵۲، ۵۸، ۳۳۸
قطب الدین خاں ۳۹۵
(ملا) قطب الدین قندھاری ۹۲، ۲۴۹
(ملا) قطب الدین نگرہاری ۸۷، ۱۲۴، ۲۸۰، ۲۹۲، ۳۹۲، ۳۹۳
(مولوی) قلندر ۱۴، ۱۸
قلندر کابلی ۲۵۴
(مولوی) قمر الدین ۵۲
(حکیم) قمر الدین پھلتی ۴۲۲

ک

(حاجی) کاکڑ ۱۴۳
کالو خاں ۴۱۱
کالے خاں آفریدی ۲۵۳، ۲۵۴، ۲۶۰
کالے خاں رامپوری ۴۷۱، ۴۸۳
کامل آخوندزادہ ۱۰۹، ۱۱۲
(سید) کامل شاہ ۱۶۴، ۱۶۶
(مولوی سید) کرامت علی بہاری ۴۹۴

(مولانا) کرامت علی جونپوری ۵۲۲، ۵۲۸، ۵۲۹، ۵۴۰
کرپارام ۳۹۸
کریم بخش ۳۲۳
کریم بخش سہارنپوری ۲۰۹
کریم بخش گھاٹم پوری ۲۵۴، ۲۶۶
کریم اللہ خاں ۵۸
(ملا) کلیم ۶۸، ۳۱۰
کمال خاں ۲۸، ۳۳، ۴۰، ۵۱، ۳۶۷
کھڑک سنگھ ۲۲۹، ۲۳۰
کیول فرنگی ۷۴-۱۷۲، ۲۵۱

(گ)

(قاضی) گل احمد الدین ۲۶۱
گلاب خاں ۲۳۶، ۳۴۳

(ل)

لاہوری غازیپوری ۶۱-۱۵۷
(شیخ) لطافت ۴۸۷
(سید) لطف علی ۵۰، ۱۵۴
(سردار) لعل محمد ۹۲
(ملک) لعل محمد ۳۵۰، ۳۵۱
(میاں) لعل محمد جگدیش پوری ۴۲۳، ۴۳۰، ۴۴۰، ۴۶۳
(ملا) لعل محمد قندھاری ۲۳۷، ۵۱-۲۴۹، ۲۸۰، ۲۹۲، ۱۴-۴۱۲، ۴۲۰، ۴۲۲، ۲۸-۴۲۶، ۴۳۳
لکھیر خاں ۳۴۴
(میاں) لکھیر ۴۲۸
لہنا سنگھ ۱۵۶، ۴۷۸

(سر) لیبل گریفن ۹۹

(م)

سیدنا حضرت موسی علیہ السلام ۲۲۴، ۴۴۴، ۵۰۷
نبینا و سیدنا محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم ۹، ۲۳
۸۶، ۱۱۸، ۱۱۹، ۲۲۴، ۲۶۶، ۳۱۱، ۳۳۳، ۳۳۴
۳۶۱، ۳۶۴، ۳۷۴، ۳۹۹، ۴۴۴، ۴۵۱، ۴۶۵
۴۶۶، ۴۷۹، ۴۹۵، ۴۹۶، ۵۱۲، ۵۱۴، ۵۲۵
۳۵-۵۳۳، ۴۹-۵۴۷، ۵۵۳، ۵۵۴
مان خاں کنج پوری ۵۰۸
مانک رائے ۲۸
(حافظ) مانی پانی پتی ۹۱
مائی سدّا کور ۲۹، ۳۰
مبین خاں ۱۳۰، ۲۳۴، ۳۴۳
(حاجی) متین احمد ب
مجدد الف ثانی (احمد سرہندی) ۵۵۵
(شیخ) محب اللہ ۴۵۴
(سید) محبوب شاہ ۱۰۴
(مولانا) محبوب علی دہلوی ۵۲، ۵۳، ۵۷-۵۵
۸۰، ۸۱
محسن خاں ۴۸۶، ۴۸۷
(منشی خواجہ) محمد ۴۳، ۱۶۶، ۱۷۱
(میاں) محمد ۳۴۱، ۳۴۲
محمد ابراہیم خاں قصوری ۴۲۸
محمد احمد سوڈانی (مہدی سوڈانی) ۵۴۹
(شاہ) محمد اسحاق دہلوی ۵۷، ۵۵۰

(شیخ) محمد اسحاق گورکھپوری ۲۶۳، ۳۵-۴۳۳
(سید) محمد اسماعیل ۶۳
(ملا) محمد اسماعیل آخوندزادہ ۳۶، ۳۷، ۳۹، ۴۱، ۴۴
(مولانا) محمد اسمٰعیل ۵، ۶، ۸، ۱۴، ۱۵، ۳۵، ۳۶
۴۸، ۵۰، ۵۱، ۵۶، ۵۷، ۶۲، ۶۴، ۷۲، ۷۴
۷۸، ۷۹، ۸۱، ۹۱، ۹۷، ۱۰۷، ۱۰۸، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۸
۱۲۰، ۱۲۷-۳۰، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۵۴، ۱۶۲، ۱۶۶
۷۰-۱۶۸، ۷۴-۱۷۲، ۸۰-۱۷۹، ۸۴-۱۸۲
۱۸۸، ۹۶-۱۹۲، ۱۹۹، ۵-۲۰۳، ۲۱۰، ۲۱۳
۲۲۷، ۲۳۲، ۳۷-۲۳۴، ۲۳۹، ۲۴۳، ۲۴۷
۲۴۹، ۵۷-۲۵۵، ۲۶۷، ۲۷۲، ۲۷۵، ۲۸۵
۲۸۶، ۲۹۲، ۳۰۰، ۳۰۱، ۶-۳۰۳، ۹-۳۰۸
۳۱۹، ۳۲-۳۳۱، ۳۶-۳۳۴، ۳۵۶،
۳۵۹، ۳۶۹، ۳۷۲، ۳۸۲، ۳۸۳، ۹۱-۳۸۶
۳۹۳، ۹۹-۳۹۸، ۳-۴۰۱، ۷-۴۰۶
۴۱۱، ۳۱-۴۲۸، ۳۶-۴۳۳، ۴۳۹، ۴۴۱
۴۵۰، ۴۶۶، ۴۶۸، ۴۷۹، ۴۸۴، ۵۰۴
۵۰۷، ۵۱۰، ۲۳-۵۲۲، ۴۲-۵۴۱، ۵۵۰
۵۵۵
(حکیم) محمد اشرف دہلوی ۵۲، ۵۷
(ڈاکٹر) محمد آصف قدوائی ۳۲
محمد امیر خاں قصوری ۳۳۵، ۳۵۶، ۳۸۱، ۴۲۶
۴۲۷، ۴۲۹، ۴۳۱، ۴۴۱، ۴۵۴، ۴۶۳
محمد بخش ۱۰۴، ۱۰۵
محمد برہان خاں ۱۶۲، ۱۶۳
محمد بیگ خاں ۱۳۱
محمد بیگ شاہجہاں آبادی ۱۵۴
(مولانا شیخ) محمد تھانوی ۵۳۸
(مولوی) محمد جعفر تھانیسری ۴۴۵، ۴۴۶
(قاضی) محمد جنّان ۵۹-۱۵۸، ۸۹-۱۸۸، ۱۹۱
۲۱۲، ۳۵-۲۳۲، ۳۸-۲۳۷، ۴۱-۲۴۰
۳۶۹
(مولوی سید) محمد جنّان ۶۵، ۶۶، ۶۸، ۷۲، ۴۷۷
(مولوی) محمد حسن رامپوری ۵۵، ۶۲، ۱۰۷، ۱۵۶
۱۹۹، ۲۰۰، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۷
(میاں) محمد حسین ۵۵۴
محمد خاں ۱۶۹، ۴۲۴
(سردار) محمد خاں ۳۲-۲۸، ۵۳، ۵۵، ۷۸، ۹۲
۱۷۲، ۱۷۵، ۱۷۶، ۲۰۳، ۲۰۵، ۲۰۷
(سلطان) محمد خاں ۱، ۶-۳، ۵۵، ۱۳۹، ۱۷۶-۷۲
۴۴-۲۴۲، ۴۹-۲۴۶، ۲۵۱، ۲۵۳، ۲۶۹
۲۸۲، ۲۸۴، ۹۰-۲۸۷، ۲۹۲، ۹۸-۲۹۶
۵-۳۰۰، ۳۰۷، ۳۰۸، ۳۲-۳۳۱، ۶۲-۳۶۱
۴۷۰، ۷۹-۴۷۸، ۴۹۶، ۴۹۹،
(سید) محمد خاں ۲۵۱، ۳۰۰
(سید) محمد خاں شہید ۴۷۷
محمد خاں جمعدار پنجابی ۱۷۶
(شیخ) محمد خیر آبادی ۴۹۴
محمد سعید خاں رائے بریلوی ۱۷۷، ۲۶۶
محمد عرب ۱۲۲
محمد عظیم آخوندزادہ ۳۳۲

محمد عظیم خاں ۲۴۲، ۲۵۱
محمد علی رامپوری ۵۲، ۵۷
(مولانا سید) محمد علی رامپوری ۵۲۲، ۵۴۰
(سید) محمد علی شاہ پکھلی والا ۴۰-۴۲، ۴۵
محمد قاسم پانی پتی ۵۷
(مولانا) محمد قاسم نانوتوی ۵۵۰
(میاں) محمد مقیم رامپوری ۱۷، ۱۸، ۳۶-۳۴
۴۰-۴۲، ۴۴-۴۶، ۴۸-۵۲، ۵۸، ۵۱۱
(مولانا سید) محمد میر ۸۷
(صاحبزادہ سید) محمد نصیر ۴۱
(منشی) محمدی انصاری ۴۳۳، ۴۳۸
(مولانا) محمد یعقوب ۵۵۰
(مولوی) محمد یوسف ۱۴، ۱۵
(مولانا) محمد یوسف پھلتی ۵۲۳، ۵۲۴، ۵۵۰
(مولانا) محمود حسن دیوبندی ۴۴۵، ۴۵۰
محمود خاں ۶۸، ۶۹، ۷۲، ۱۰۴، ۲۳۴
محمود خاں بارک زئی ۳۵۱
(حاجی) محمود خاں رامپوری ۳۴۲
(منشی) محی الدین کشمیری (منشی امان زئی) ۳۲۲
۳۹۲
(میاں جی) محی الدین ۶۲
(میاں جی سید) محی الدین پھلتی ۲۱۷، ۲۶۴، ۲۶۶
(سید) مدار ۱۶۶
مدد خاں ۱۷۸، ۱۸۳، ۱۸۹، ۱۹۰، ۱۹۲، ۲۰۲
۲۱۰
(قاضی) مدنی بنگالی ۵۹-۱۵۷، ۲۶۶، ۴۸۳
مراد علی ۳۰۶
مرتضیٰ خاں (جمعدار) رامپوری ۵۱۱
(سید) مردان ۱۶۶
مردان خاں ۱۷۸
مشکار خاں ۲۳۴، ۲۳۵، ۳۳۸
(حافظ) مصطفیٰ جھنجھانوی ۳۵۲، ۳۵۳
(حافظ) مصطفیٰ کاندھلوی ۳۴۳، ۳۵۵، ۳۷۳
(راجہ) مظفر خاں ۳۸۵
(سلطان) مظفر خاں ۳۹۲
(مولانا) مظہر حسین کاندھلوی ۴۴۵
مظہر علی عظیم آبادی ۵۲، ۵۸، ۵۹، ۶۸، ۷۹
۹۰، ۱۵۷، ۳۶-۲۳۴، ۲۴۰، ۲۵۸، ۲۶۶
۲۸۱، ۲۹۲، ۳۰۴، ۳۰۸، ۳۳۱، ۳۳۶-۳۴۴
معمور خاں لکھنوی ۳۵۶، ۴۲۰، ۴۸۷
(حکیم) مغیث الدین ۵۰۴، ۵۳۷
مقرب خاں ۹۷، ۹۸، ۱۲۶، ۳۸-۱۳۵
مکھن سنگھ ۲۸، ۲۹
(راجہ) منصور خاں ۳۸۵، ۳۹۵
منصور خاں ۶۸، ۷۲، ۲۵۳، ۳۹۲
منگا خاں ۱۰۴، ۱۰۶
منیر خاں ۲۳۴
(سید) موسیٰ ۹۱، ۲۰۹، ۲۵۵، ۶۳-۲۶۱
۲۶۵، ۳۷۳
(شیخ) مولا بخش الہ آبادی ۱۹۶، ۲۵۸
(حکیم) موہن خاں دہلوی ۵۲۳

موہن سنگھ ۳۲
مہربان خاں ۴۴۱
(ملا سید) میر ۱۷۸
میرن شاہ نارنولی ۵۲، ۵۷

(ن)

سیدنا حضرت نوح علیہ السلام ۳۶۳
نادرشاہ ۲۷
(سید) نادرشاہ ۶۹-۱۶۶
ناصرخاں ۴۱، ۴۵، ۵۱، ۹۴، ۹۵، ۳۶۷، ۳۷۹، ۳۸۰، ۳۸۲، ۳۸۸، ۴۱۸، ۴۲۲، ۴۶۳
ناصرخاں بھٹگرامی ۳۲، ۱۷۸
(شیخ) ناصرالدین پھلتی ۳۱۵
(سلطان) نجف خاں ۳۳، ۳۸۵، ۳۹۴، ۴۱۸، ۴۱۹
(شیخ) نجم الدین پھکیت ۴۷۴
نجم الدین شکارپوری ۴۴۰، ۴۵۴
(میاں) نجم الدین ۴۸۳
نذر محمد ۵
نسیم خاں ۲۵۳
نصراللہ خاں ۳۳۷
(شیخ) نصراللہ خورجوی ۶۴، ۲۶۶
(مولوی) نصیرالدین منگلوری ۶۹، ۷۷، ۹۲، ۱۹۱، ۲۴۰، ۳۲۳، ۴۰۶، ۴۱۳، ۴۶۳، ۴۶۴
(مولوی) نصیرالدین ۴۷۴
(میاں) نظام الدین اولیاء ۶۵، ۴۰۶، ۴۲۵
نواب خاں ۱۶۶، ۱۶۷، ۲۵۷
(سید) نورا احمد نگرامی ۲۰۹، ۴۳۰، ۴۳۹
نوربخش جرّاح ۱۴۹، ۱۵۶، ۱۵۷، ۲۰۹، ۲۶۵، ۳۴۵، ۴۳۹
(سید) نورجمال ۱۶۴، ۱۶۶
(مولانا) نورالحسن ۲۰۶
نوردادخاں ۴۷۴
(سیداللہ) نورشاہ ولایتی ۴۱۸
(ملا) نورمحمد ۹۲
(صوفی) نورمحمد بنگالی ۹۱
نورمحمد جراح ۴۲۶
(میاں جی) نورمحمد جھنجھانوی ۲۶۶، ۵۳۶، ۵۵۰
(حاجی) نورمحمد درّانی ۴۷۶
نورمحمد ناگوری ۲۶۶
(مولانا) نیازمحمد ۸۴
نپولین ۹۹

(و)

(مولوی) وارث علی بنگالی ۹۱، ۵۰۶
(مولوی) وارث علی پوربی ۱۵۷
(خان) واصل خاں ۴۱۱
(حافظ) وجیہ الدین باغپتی ۲۵۷، ۴۲۸
(شیخ) وزیر ۱۶۳، ۱۶۴، ۲۱۶، ۲۶۸، ۴۴۸
(نواب) وزیرالدولہ ۶۲، ۱۵۲، ۱۵۵، ۴۱۴، ۴۴۶، ۴۴۹، ۴۶۸، ۴۹۴، ۵۰۹، ۵۱۰، ۵۱۳، ۵۱۷-۵۱۵، ۵۲۳
وزیرسنگھ جمعدار ۲۲۱، ۲۲۲، ۲۲۹

(مولانا) ولایت علی عظیم آبادی ۱۰، ۵۲، ۵۸، ۵۹
۴۰۳، ۴۴۳، ۴۴۴، ۴۶۶، ۵۲۲، ۵۲۵، ۵۳۵
۵۴۰
(شاہ) ولی اللہ دہلوی ۳۲۳، ۳۳۴، ۵۲۴
ولی محمد ۵، ۲۲۰
(شیخ) ولی محمد پھلتی ۶۹، ۷۹، ۵۷-۱۵۵، ۱۶۲
۱۸۱، ۱۸۷، ۱۸۸، ۱۹۱، ۱۹۲، ۱۹۶، ۱۹۹
۲۰۳، ۲۱۷، ۲۴۳، ۲۴۷، ۵۷-۲۵۵، ۲۶۱
۲۷۵، ۲۷۶، ۲۸۵، ۲۹۲، ۳۳۵، ۳۳۶، ۳۵۲
۳۵۶، ۴۲۲، ۴۲۵، ۴۳۰، ۴۳۶، ۴۳۸
۴۳۹، ۴۴۱، ۴۶۴
(جنرل) ونٹورہ ۹۶، ۱۰۰-۹۸، ۳-۱۰۲، ۱۰۶
۱۰۸، ۱۹-۱۱۶، ۲۳-۱۲۲، ۳۰-۱۲۹، ۱۳۹
۲۱۸، ۳۰-۲۲۰

(ہ)

ہاشم خاں ۲۸
ہامان ۴۵۲
ہدایت اللہ بانس بریلوی ۲۶۰
ہری سنگھ نلوہ ۳۲-۳۰، ۴۸، ۱۶۳، ۱۷۹، ۲۰۵
۲۵۳، ۲۵۴، ۳۸۰، ۳۸۱
(شیخ) ہمدانی ۱۹۶
ہند بنت ابی سفیان ۵۴۶

(ی)

سیدنا حضرت یونس علیہ السلام ۴۴۴
سیدنا حضرت یوسف علیہ السلام ۳۸۳
(سردار) یار محمد خاں ۱، ۷-۳، ۱۲-۱۰، ۶۳
۱۰۷، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۳۵-۴۳، ۱۳۸، ۱۴۶
۷۳-۱۷۲، ۱۷۶، ۱۹۴، ۲۴۲، ۴۷-۲۴۴
۲۶۹، ۳۳۲، ۳۳۳، ۳۶۱، ۳۶۹
(مولانا) یحییٰ علی عظیم آبادی ۴۴۵
یوسف خاں اجیٹن ۲۳۰

اقوام وقبائل

اتمان زئی ۳۸
اخون خیل ۳۶
اسماعیل زئی ۱۲۳
افغانی ۳، ۲۸، ۸۷، ۱۱۲، ۱۲۵، ۲۱۲
امان زئی ۳۸
پائندخیل ۴
پٹھان ۱۱۴، ۲۲۸
پنجابی ۸۰، ۱۷۹، ۱۹۱، ۴۱۴
ترک ۲۸
تناول ۳۰
تنولی ۳۰، ۱۹۱، ۱۹۷، ۲۰۲، ۳۵۳، ۳۵۴
ثمود ۱۳۳

جدون ۳۰، ۳۸

خدوخیل ۳۵۶

(قوم) خلیل ۲۸۱

خوانین ۱۳، ۲۷، ۳۲، ۳۳، ۳۵، ۴۲، ۴۵، ۶۱، ۶۹، ۸۳، ۸۶، ۸۸، ۹۸، ۹۹، ۸ـ۱۰۷، ۱۱۴، ۱۱۷، ۱۲۸، ۱ـ۵۱، ۱۵۰، ۱۶۵، ۱۷۸، ۲۳۴ـ۳۵، ۲۴۰، ۲۴۳ـ۴۳، ۲۴۷، ۲۷۲، ۲۸۰، ۹۴ـ۲۹۲، ۳۰۴، ۱۰۰ـ۳۰۹، ۳۱۸، ۳۲۲، ۳۳۱، ۳۳۵، ۳۳۷، ۶۰ـ۳۵۹، ۳۶۷، ۳۷۰، ۳۷۷، ۳۸۲، ۳۸۷، ۳۹۲، ۳۹۸، ۴۰۵، ۴۹۷

درّانی ۴ـ۶، ۸، ۱۲، ۲۹ـ۲۷، ۵۲، ۶۷، ۶۸، ۷۲، ۷۹ـ۷۴، ۳۰ـ۱۲۸، ۱۳۸، ۱۴۱، ۴۶ـ۱۴۵، ۱۷۲ـ۷۵، ۲۴۲، ۲۴۸، ۵۲ـ۲۵۰، ۲۵۵، ۲۵۷ـ۵۸، ۲۶۰، ۶۵ـ۲۶۳، ۲۷۲، ۲۷۴، ۲۷۸ـ۸۲، ۲۸۷ـ۸۸، ۹۴ـ۲۹۲، ۲۹۷، ۳۰۱ـ۲، ۳۳۱، ۳۳۶، ۳۶۲، ۳۷۸، ۴۷۰، ۴۷۷، ۴۹۸

دولت زئی ۱۲۳

ڈوگرہ ۲۱۹

راجپوت ۷۹

رائے زئی ۴۸۴

رزڑ ۲۳۴، ۳۶۱

زیدوں ۳۵۶

سادات ۸، ۱۳، ۱۴، ۸۳، ۹۹، ۱۱۷، ۱۶۵

۳۵۹، ۳۶۷، ۳۷۷

سالارزئی ۱۴

سدّے ۸

سکھ ۳، ۸ـ۵، ۱۰۰، ۱۲، ۲۸، ۲۹، ۳۱، ۳۳، ۳۷، ۴۲، ۴۸، ۴۹، ۵۱، ۶۷، ۹۹، ۱۱۶، ۱۲۰، ۱۲۲، ۱۵۵، ۶۴ـ۱۶۳، ۱۷۲، ۷۹ـ۱۸۸، ۱۹۲، ۹۹ـ۱۹۸، ۹ـ۲۰۷، ۲۱۱، ۲۱۴، ۲۱۶، ۲۱۸، ۲۲۱، ۲۲۴، ۲۳۰، ۳۴ـ۲۳۳، ۳۲۲، ۳۵۳، ۳۷۹، ۳۸۲، ۳۸۵، ۳۸۷، ۹۵ـ۳۹۱، ۳۹۸، ۶ـ۴۰۵، ۴۱۳، ۴۱۵، ۴۱۷، ۴۱۸، ۲۱ـ۴۲۰، ۲۹ـ۴۲۴، ۳۳ـ۴۳۱، ـــ، ۳۸ـ۴۳۶، ۴۱ـ۴۴۰، ۴۹ـ۴۴۸، ۵۲ـ۴۵۲، ۴۷۸

سندھی ۲۶

سواتی ۲۸، ۲۹، ۳۰

سیدخانی ۲۹، ۳۱

عیسائی ۴۹۳

عیسیٰ زئی ۳۸

قندھاری ۸۹، ۹۲، ۲۱ـ۱۲۰، ۱۴۳، ۱۴۵، ۶۴ـ۱۶۳، ۱۷۹، ۱۹۱، ۲۳۹، ۲۴۹، ۲۹۳، ۲۹۴، ۲۹۷، ۳۱۶، ۸۸ـ۳۸۷، ۳۹۲، ۳۹۴، ۱۴ـ۴۱۳، ۴۲۸، ۴۳۶

کتوزئی ۲۸۰

گوجر ۴ـ۴۰۳، ۴۰۷، ۴۳۳

گودڑی ۶

مشوانی ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۲۱۵

مندن ۸۴
موراني ۹۰
ولایتی ۲۶، ۲۳۹
ہندو ۴۹۳
ہندوستانی ۵، ۷، ۸، ۱۰، ۲۰، ۲۶، ۴۸، ۱۲۰، ۱۲۱، ۱۴۱، ۱۴۳، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۵۲، ۱۷۹، ۲۳۶، ۲۴۰، ۲۵۲، ۲۵۵، ۳۰۲، ۳۱۶
یوسف زئی ۱، ۳، ۵، ۱۰، ۱۲، ۳۱، ۲۷، ۲۲۵

کتابیات

(الف)

ابوداؤد ۴۶۶
ارمغان احباب ۴۶-۴۴۵، ۳۹-۵۳۸، ۵۵۴
ارواحِ ثلاثہ ۵۵۴
امیرالروایات ۵۵۳
انوار محمدی (رسالہ) ۵۳۷

(ت)

تاریخ دعوت وعزیمت (حصہ اول) ۳۳۴
تذکرۃ الرشید ۵۳۸
ترمذی شریف ۴۷۹
تقصار جیود الاحرار ۵۳۱
تواریخ عجیبہ ۴۴۵

(د)

دافع الفساد ۵۱۲
دعوت (رسالہ) ۴۴-۴۴۳، ۴۶۶، ۲۸-۵۲۷، ۵۳۵
دہلی اور اس کے اطراف ۴۴۶

(ر) (ز)

رسائل جہادیہ ۲۵۴، ۴۷۲
رنجیت سنگھ ۹۹
زادالمعاد ۵۴۶

(س) (ش)

سوانح احمدی ۴۴۶-۴۴۵، ۵۳۱
سید احمد شہیدؒ ۵، ۱۶، ۱۶۹، ۱۷۲، ۸۴-۱۸۲، ۱۹۳، ۲۰۲، ۳۵۱، ۴۱۲
سیرت سید احمد شہیدؒ الف، ۴۶۹
شاہ اسماعیل شہیدؒ ۳۴

(ص) (ط)

صراط مستقیم ۵۱۴، ۵۲۱، ۵۴۹، ۵۵۵
صیانۃ الناس (رسالہ) ۵۲۹، ۵۳۰
ظفر نامۂ دیوان امرناتھ ۱۲

(ع) (ف)

عمدۃ التواریخ ۱۱، ۱۲
الفوز الکبیر ۳۳۴

(م)

مجموعۂ خطوط قلمی ۳، ۴، ۱۱، ۳۶، ۸۳، ۸۶، ۸۷، ۸۹، ۱۳۴، ۴۸۲

مجموعۂ رسائل تسعہ ۴۴۲، ۴۶۶، ۵۲۷
مسدس حالی ۵۴۳
مسلم شریف ۵۴۶
مشکوٰۃ شریف ۳-۱-۴۰۰، ۵۱۰
مکاتب شاہ اسماعیل ۴۰، ۴۱، ۴۷، ۵۳، ۲۱۱، ۲۱۲
مکاشفاتِ رحمت ۵۲۹، ۵۵۱، ۵۵۲
مکتوبات فارسی قلمی ۲۲، ۱۴۸، ۴۹۴
منظورۃ السعداء فی أحوال الغزاۃ والشہداء ۵۶
۱۲۳، ۱۶۵، ۲۰۳، ۲۰۹-۲۱۵، ۲۲۰، ۲۳۱، ۲۳۷-۲۳۶
۲۵۵-۵۵، ۲۵۷، ۲۶۳-۶۴، ۷۷-۲۷۴
۲۸۴، ۳۰۱، ۳۰۴، ۳۱۳، ۳۲۳-۳۳۱
۳۳۴-۳۷، ۳۴۳، ۳۴۵، ۳۵۹، ۳۶۶
۳۷۰، ۳۷۳-۷۳، ۳۷۷، ۳۸۱، ۳۹۰، ۳۹۲
۹۹-۳۹۷، ۱۹-۴۱۸، ۴۳۹، ۴۴۸، ۴۶۶
۴۷۸، ۴۷۰، ۴۷۴، ۴۸۷، ۴۸۹، ۴۹۴، ۵۰۹

(ن)

نافع العباد ۵۱۲
نصائح (رسالہ) ۵۳۵
نظم جہادیہ (رسالہ) ۲۶۹
نور احمد (رسالہ) ۲۰۹

(و) (ہ)

وصایا الوزیر ۴۴۸، ۱۱-۵۰۹، ۵۱۳، ۱۷-۵۱۶
۵۲۴
وقائع احمدی ۲۴، ۳۴، ۳۶، ۴۹، ۵۱، ۵۶
۶۲، ۸۴، ۱۴۳، ۴۷-۱۴۵، ۱۴۹، ۱۷۲، ۲۰۴
۲۰۶، ۱۸-۲۱۷، ۲۳۵، ۴۲-۲۳۷، ۲۶۶، ۲۷۵
۲۸۲، ۲۸۸، ۳۰۱، ۳۲۳، ۳۳۱، ۳۳۶، ۴۵
۴۱۰، ۱۳-۴۱۲، ۱۸-۴۱۷، ۴۲۲، ۴۲۴، ۴۴۴
۴۷۸، ۸۹-۴۸۸، ۵۵۰، ۵۱۰
ہزار گزیٹر ۳۲

مقامات

(الف)

اتمان زئی ۲۹، ۳۱، ۶۹-۶۷، ۷۴-۷۲، ۷۶
۷۹، ۲۴۳
اتمان نامہ ۸۵
اٹک ۵، ۱۱، ۲۹، ۹۶، ۱۹۶، ۲۱۴، ۲۱۵، ۲۳۲
اجمیر ۲۶۱، ۳۴۲
اجوری ۴۲۴
اجولی ۳۳
اچ ۱۴، ۱۵
اخون خیل ۳۶
اسپین ۹۹
اسماعیلہ ۶۰، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۴۳
اشالہ ۱۶
اطالیہ ۹۹

افغانستان ۲۶، ۲۱۸، ۳۱۹، ۳۲۳، ۴۴۴، ۵۴۰
اکوڑہ ۵، ۱۰۶، ۲۵۳، ۴۶۲
اگرور ۳۰، ۳۳، ۳۵، ۴۰، ۴۲، ۴۳، ۴۵، ۵۱
۲۰۵، ۲۱۱، ۳۶۷
اوگئی ۵۱
الاڈنڈ ۶۱، ۶۸، ۶۹
الہ آباد ۴۹۴
الئی ۱۴
امازئی ۱۰۵، ۱۰۶، ۲۴۰، ۲۵۳، ۳۹۲
امان زئی ۶۰، ۱۰۴، ۱۲۶-۲۶، ۱۳۰، ۲۳۴، ۲۴۰
۲۴۳، ۳۰۹، ۳۳۷، ۳۳۸، ۴۸۴
امب ۳۳، ۳۷-۳۵، ۱۶۲، ۱۶۵، ۱۶۸، ۱۶۹
۱۷۲، ۱۷۸-۸۰، ۱۸۲، ۱۸۴، ۱۸۵، ۸۹-۱۸۷
۱۹۲، ۱۹۴، ۱۹۷، ۱۹۸، ۴-۲۰۲، ۱۲-۲۰۹
۱۶-۲۱۴، ۲۱۸، ۲۲۶، ۲۴۰، ۲۴۱، ۲۴۳، ۲۴۷
۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۵، ۳۶۹
امرتسر ۴۵۳
املیا ۴۳۰
انگرائی ۴۶۳
آنولہ ۲۲۶
اودھ ۴۶۷، ۴۶۹
ایران ۴۴۴

(ب)

بابوزئی ۱۵
باجا (موضع) ۸۵
باجوڑ ۱۲-۳۰۹، ۴۸۴
باچا ۱۷
بارہ بستی ۲۰
بارہ سادات ۲۰
بازار (موضع) ۱۲۶، ۱۳۰
باغ (موضع) ۸
بالاحصار ۲۹۰
بالاکوٹ ۶۳، ۶۴، ۸۲، ۹۴، ۱۶۵، ۲۶۸، ۳۴۳
۳۷۹، ۸۸-۳۸۵، ۹۱-۳۹۰، ۹۶-۳۹۳
۴۰۰-۳۹۸، ۴۰۳، ۶-۴۰۵، ۱۵-۴۱۱
۱۸-۴۱۷، ۲۵-۴۲۰، ۴۲۷، ۴۳۲، ——
۳۶-۴۳۴، ۳۹-۴۳۸، ۴۳-۴۴۱، ۴۴۶
۵۴-۴۴۸، ۶۲-۴۵۹، ۴۶۸، ۴۷۴، ۴۸۸
۵۰۹، ۵۱۶، ۵۲۲، ۵۵۰
باندہ ۲۶۱
باندہ لوہاران ۳۰
بانڈہ ۱۵، ۱۶، ۱۸۴، ۱۸۸
بخارا ۷۹
برڈھیری ۳۷۱، ۳۷۳، ۳۷۷
برسوات ۱۵
بروٹی ۲۰۵
بری کوٹ ۱۴، ۱۷
بزڈھیڑی ۲۶۳
بزگڑھی ۳۰۹
بگرا ۳۱

بلغار ۵۴۰
بمبئی ۵۷، ۱۰۴، ۵۳۹
بنگال ۵۲۲
بونیر ۱۳، ۱۷-۱۹، ۴۱، ۵۲، ۹۹، ۱۶۵، ۳۴۲، ۳۶۸، ۴۶۳
بھوگرامنگ ۳۸۲، ۳۸۶-۸۸، ۳۹۹، ۴۰۰، ۴۰۶، ۴۱۳، ۴۶۳، ۴۶۷
بھیٹ گلی ۱۷۹، ۱۸۰، ۱۸۲، ۱۸۴

(پ)

پاکستان ۴۵۳
پانی پت ۹۱، ۴۴۰
پٹنہ ۴۴۵
پٹیالہ ۹۲، ۴۲۵
پٹیٹ ۳۰۶
پڑان غار ۳۵۰، ۳۵۱
پشاور ۱، ۳، ۴، ۱۰، ۳۳، ۳۴، ۵۳، ۵۷، ۶۰، ۶۸، ۶۹، ۹۹، ۱۲۸، ۱۳۰، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۴۵، ۱۴۶، ۱۴۹، ۱۷۶-۷۶، ۲۱۲، ۲۲۰، ۲۳۵، ۲۴۲-۴۳، ۲۶۹، ۲۷۸، ۲۷۹، ۲۸۱-۸۷
پکھلی ۳۸۵، ۳۸۷، ۳۹۱، ۴۶۷
پکھلئی ۳۳، ۳۵، ۴۲، ۱۶۵، ۱۷۹، ۲۵۷، ۴۱۵
پلال تنولی ۳۰، ۲۱۱
پلئی ۸
پنجاب ۲۷، ۸۲، ۹۶، ۱۰۳، ۱۱۰، ۲۶۰، ۴۴۶، ۵۴۰
پنج پیر ۲۳۳
پنجتار ۸، ۹، ۱۱، ۱۷، ۱۹، ۲۲، ۳۲، ۵۲، ۵۳
۶۳-۵۹، ۶۷، ۸۲، ۸۶-۸۴، ۹۲-۹۰
۹۷-۹۵، ۱۰۰، ۱۰۳-۱۰۲، ۱۰۸-۱۰۷، ۱۱۶-۱۱۹
۲۳-۲۲، ۱۲۲-۲۷، ۱۲۶، ۱۳۰، ۱۳۶، ۱۴۸-۱۴۵
۵۳-۱۵۰، ۱۵۵، ۱۶۲، ۱۷۵-۱۷۳، ۱۸۰-۱۷۸
۱۸۲، ۱۹۴-۹۸، ۲۱۷، ۲۲۶-۲۲۷، ۳۰۰-۲۲۹
۲۳۳، ۲۴۰، ۲۴۳، ۲۶۵، ۲۹۰، ۳۰۹، ——
۱۵-۱۴، ۳۱۴، ۳۱۸، ۳۴۰-۳۳۵، ۴۴۴-۳۴۲
۳۴۷، ۳۵۳-۳۵۰، ۳۵۶-۳۵۵، ۳۵۸
۳۶۱، ۳۶۷، ۳۷۰-۳۶۹، ۳۷۲، ۳۷۵، ۳۷۷
۸۲-۳۸۰، ۴۲۴، ۴۷۰، ۴۸۹، ۵۰۹
پھکیت ۳۰۶
پھلت ۱۵، ۱۶، ۶۲، ۱۵۹، ۲۶۸، ۳۱۵
پھولڑہ ۲۰۲، ۲۰۳، ۲۰۵، ۳۳۹
پیراں ساڈھور ۹۲
پیرتابک ۲۸۱
پیرکوٹ ۵۷
پیواڑبیون ۳۷۱

(ت)

تاکوٹ ۳۷۹، ۴۲۵، ۴۹۰
تبت ۵۴۰
تپگہ لرزر ۳۳۶
تختہ بند ۱۳، ۱۴، ۱۷، ۳۶۱، ۳۷۷
تربیلہ ۲۹، ۳۱، ۱۶۲، ۱۶۳
ترکستان ۴۲۱

ترکئی ۱۳۰، ۱۳۱
ترنہ ۴۱۳
ترین ۳۰—۳۲
تلانڈئی ۶۱، ۳۴۴
تلہٹہ ۴۴۹
تناول ۲۸، ۲۹
تنگنی ۳۵۱
تنگی ۶۹، ۱۲۸، ۲۷۸
تنول ۳۱، ۲۰۳، ۲۱۲، ۴۸۰
توتالی ۱۲۰، ۱۲۲
تورسک ۱۴، ۱۷
تورو ۷، ۹، ۶۸، ۲۴۲، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۴۹، ۲۵۳، ۲۶۱، ۲۶۲، ۲۶۷—۲۶۵، ۲۶۹، ۲۷۵، ۴۶۲
تھانہ ۱۴
تہکال ۶۰، ۴۴۲

(ٹ)

ٹکاری ۳۰
ٹوپئی ۳۶، ۲۱۴، ۲۴۰، ۲۵۳، ۳۸۰
ٹوٹئی ۶۹، ۷۹
ٹوپیہ ۳۷۰
ٹونک ۱۴، ۱۵، ۲۶۱
ٹھنڈکوئی ۲۳۳

(ج)

جاوا ۵۴۰
جبوڑی ۴۰۰
جدون ۳۰
الجزائر ۵۴۹
جسئی کوٹ ۴۱، ۴۴
جلالہ ۸، ۶۷، ۶۹، ۷۲، ۷۸، ۷۹، ۳۵۱
جلسئی ۴، ۱۰۴
جمپیسڑی ۲۱۰
جوڑ ۱۴، ۱۷
جویاں مستور ۴۶
جہانگیرہ ۱۰۴
جھنڈا بوکہ ۳۷۰

(چ)

چارباغ ۱۵—۱۷
چارسدّہ ۱۲۸، ۱۷۸
چارگلئی ۶۰، ۶۸
چترال ۱۶، ۵۹، ۲۰۲
چکدرہ ۱۶
چکنی ۵۷، ۲۴۳، ۳۰۹
چلہ ۱۳، ۱۷، ۱۱۷
چمیڑی ۲۰۴
چنیئی ۱۷۲، ۱۷۳، ۱۸۲، ۱۹۴
چندئی ۱۵۱
چنگلئی ۱۹
چھترہائی ۱۸۷، ۱۹۳، ۱۹۵، ۱۹۸، ۱۹۹، ۲۰۵، ۲۴۳، ۲۴۷، ۲۵۳، ۲۶۰، ۳۱۴، ۳۵۲، ۳۵۳، ۳۵۵
چھترگڑھی ۴۱

پچھم ۹۸، ۱۰۰، ۱۰۵، ۱۱۶
چلین ۵۴۰

(ح)

حبیب اللہ (گڑھی) ۳۸۰، ۳۸۵، ۳۹۴، ۳۹۵، ۴۴۹
حدیبیہ ۴۹۵
حرمین شریفین ۱۰۹، ۳۷۰، ۳۷۲
حرّہ ۳۲۰
حضرو ۱۱۶، ۱۷۷، ۱۷۸، ۲۲۲، ۲۲۹
حطیم ۴۷۵
حیدرآباد ۵۷، ۵۳۹

(خ)

خار ۳۱۰
خٹک ۵
خدوخیل ۱۹
خراسان ۴۲۱
خلی کلے ۹۲، ۱۱۷
خنجرہ ۱۶
خواجہ خیل ۱۶
خونہ ۱۶
خہر ۶۵–۶۰، ۶۷–۶۹، ۷۹، ۸۰، ۸۳، ۸۴، ۹۴، ۴۸۴
خیبر ۶۸، ۶۹، ۷۷، ۲۸۰
خیرآباد ۱۰۵، ۱۵۶
خیل پکھلئی ۳۶۷

(د)

داربہ ۳۸۵
دائرہ شاہ علم اللہ ب
دربند ۳۰، ۲۱۶
درشت خیل ۱۶
درگئی ۶۱، ۶۳
درون ۳۸۲
درہ پنجتار ۱۱۹، ۱۲۳
درہ توتائی ۱۲۰
دکن ۵۸
دکھاڑا ۱۸۲، ۳۳۵، ۳۷۳
دلمئو ۲۶۱
دہلی ۵۶، ۴۴۴، ۴۴۶، ۵۳۹، ۵۵۵
دیگڑہ ۱۸۲، ۱۸۳
دیوبند ۴۴۵

(ڈ)

ڈاگئی ۸۴، ۸۵، ۲۵۳، ۳۱۴
ڈگہا ۴۷۵
ڈمگلا ۵۱–۴۸، ۵۷
ڈیرہ اسماعیل خاں ۵۲
ڈیرہ جات ۳۰

(ر) (ز)

راج دواری ۹۴، ۳۷۷، ۸۲–۳۷۹، ۳۸۶، ۴۰۵، ۴۰۶، ۴۶۳

رامپور ۴۳، ۵۸، ۴۷۵، ۵۱۱

رامپور منہاراں ۱۹۹

راول پنڈی ۲۸

رائے بریلی ب، ۷۸، ۴۷۶، ۴۸۷

رڑکی ۱۵

ریگی ۲۸۱

زیدہ ۹۷، ۹۸، ۱۳۵، ۱۳۸، ۱۴۰-۴۲، ۱۴۵، ۱۴۷، ۱۵۰، ۲۵۳، ۳۳۲، ۳۵۲

(س)

ستھانہ ۳۶، ۵۸، ۱۶۵، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۷۹-۸۰، ۱۸۲-۸۳، ۱۸۵، ۱۹۷، ۲۲۱

سخاکوٹ ۶۱، ۶۷

سدوم ۱۳، ۱۳۸، ۳۴۳

سرائے صالح ۲۸، ۲۹

سرائے کالا ۳۱

سرحد ۱، ۳، ۱۹، ۲۰، ۵۲، ۵۳، ۶۱، ۶۳، ۶۵، ۹۶، ۹۷، ۱۶۵، ۲۱۸، ۲۶۱، ۳۱۹، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۴، ۴۴-۴۴۳، ۴۵۰، ۵۲۳، ۵۳۹، ۵۴۰

سرحد افغانستان ۱۲۴

سرمائی (پیر پیائی) ۴

سری کوٹ ۳۱، ۳۲، ۲۰۲

سعید خاں (ڈیرہ) ۱۷۷

سکندرپور ۱۶۳، ۲۱۶

سلطانپور ۲۹

سلون ۲۸

سلیم خاں (موضع) ۱۱۹، ۱۲۲، ۱۲۷، ۲۲۱

سمہ ۳، ۴، ۳۲، ۶۱، ۶۹، ۹۸، ۱۰۱، ۱۰۸، ۱۱۶، ۱۲۵-۲۵، ۱۳۰، ۱۳۹، ۱۴۱، ۱۵۰، ۱۷۸، ۲۱۱، ۲۲۱، ۲۲۶، ۲۳۰، ۲۳۳، ۲۴۲-۴۳، ۲۴۵، ۲۴۷، ۲۹۲-۹۳، ۲۹۵، ۳۱۶-۱۸، ۳۳۱، ۳۳۶، ۳۴۳، ۳۴۶، ۳۴۹، ۳۵۲-۵۳، ۳۵۶-۵۷، ۳۶۸-۶۵، ۳۷۴-۷۵، ۳۸۰-۸۱، ۴۱۴، ۴۷۷، ۴۸۵، ۴۹۰-۹۷

سمہ صدہ ۱۰۴

سندھ ۵۷، ۶۳، ۹۷، ۱۰۰، ۱۶۹، ۱۸۸، ۱۹۴، ۲۲۱، ۲۴۵، ۳۴۰، ۳۷۰، ۳۷۸، ۴۶۴، ۴۹۳، ۵۰۰

سنگ بٹئی ۹۲

سنگین کوٹ ۱۷

سوات ۱۳، ۱۴، ۱۷-۱۹، ۲۷، ۵۲، ۶۱، ۶۹، ۸۳، ۹۹، ۳۱۰، ۳۱۲، ۳۱۵، ۳۶۵

سوائی ۹۷

(ش)

شاہ کوٹ ۶۱، ۶۸، ۲۰۴، ۲۰۵

شاہ محمد ۲۹

شاہ منصور ۹۷، ۹۸، ۱۰۰، ۱۴۲، ۱۴۷، ۱۷۴

شل بانڈئی ۱۷

شمدڑہ ۴۱، ۵۱، ۲۰۵

شملئی ۴۶۳
شنکیاری ۳۰، ۴۸، ۵۰، ۵۷، ۴۰۶
شنگری ۳۰
شنگلئی ۲۰۴، ۲۰۵
شیخ جانا ۶۱، ۲۳۴
شیدو ۱، ۷–۴، ۱۲–۱۰، ۱۹، ۳۳، ۶۳، ۱۰۷، ۳۸۹، ۴۶۲
شیرگڑھ ۴۰، ۲۰۵
شیوہ ۶۰، ۶۱، ۱۳۰، ۲۵۳، ۳۱۵، ۳۳۶، ۳۳۸، ۳۵۱

(ص)

صادقپور ۴۴۳
صوابئی ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۱۹، ۱۴۲

(ع)

عرب ۳۷۲، ۳۸۸
عشرہ ۱۶۸، ۱۶۹، ۱۷۲، ۱۸۲، ۱۸۳، ۱۸۵، ۱۸۷، ۱۸۹، ۱۹۱، ۱۹۴، ۲۰۲، ۲۱۶
عظیم آباد ۴۷۵

(غ)

غازیپور ۱۵۷، ۳۷۲
غوربند ۶۵
غورغشی ۹۲

(ف)

فتح پور ۱۶
فروسہ ۸۴–۱۸۲، ۹۰–۱۸۸، ۱۹۳، ۲۰۳، ۲۱۲

(ق)

قاسم خیل ۹۱، ۱۵۱
قندھار ۹۹، ۴۶۴

(ک)

کابل ۳، ۲۸، ۶۸، ۲۴۵، ۳۰۶، ۴۶۴، ۴۸۷
کابل گرام ۳۷۱، ۳۷۸
کاٹ لنگ ۶۱، ۸۰، ۲۳۴، ۳۱۰، ۳۱۵
کاشکار ۱۶، ۵۹
کاغان ۳۸۵، ۳۹۱، ۳۹۵، ۴۰۲، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۱۹
کاکوری ۳۴۱
کالادرہ ۱۰۰، ۱۴۲
کالوخاں ۶۱
کانپور ۲۰۸
کانڑا ۶۵
کایا ۳۱
کڈی ۲۳۳
کراچی ۵۷
کرمال ۲۸، ۲۹، ۳۲
کربلا ۳۲۰
کرپلیاں ۲۰۳
کرنا ۳۷۱، ۳۷۸
کڑاکرط ۱۴، ۱۷
کشمیر ۳۰–۲۷، ۴۵، ۴۸، ۱۶۸، ۱۷۱، ۱۷۸–۸۰، ۲۰۲، ۲۱۰–۱۲، ۳۸۵، ۳۸۶، ۳۹۸–۹۹، ۴۱۵

کلابٹ ۱۷۸، ۲۳۳
کلکتہ ۵۳۹
کلکی ۴۰، ۴۱، ۲۱۱
کوٹلہ ۱۸۷
کھلابٹ ۲۳۳
کنجپورہ ۵
کنڈ ۳
کنڈہ ۱۴۰، ۱۴۱، ۱۷۴
کنیرڑی ۸۶–۱۸۲، ۱۸۹، ۱۹۴
کنسی ۴۲۵
کنگلی ۷۳–۳۷۱
کنہار ۴۱۲
کونش ۳۰
کوٹھا ۲۵۳، ۳۴۲
کوٹھی ۱۷۸
کوٹی گرام ۱۴، ۱۵
کوہاٹ ۲۸۱
کھبل ۳۱، ۳۶، ۶۵–۱۶۲، ۱۷۲، ۱۸۳، ۹۹–۱۹۶، ۲۱۵، ۲۳۲، ۳۵۵، ۳۷۰، ۴۹۱
کھکھا بیا ۳۶۷
کوگا ۱۳، ۱۷
کیمبل پور ۹۸

(گ)

گکھڑ ۲۸
گھریالہ ۶۸، ۲۵۳
گلگٹ ۲۰۲
گلی باغ ۱۶
گلی ہندوال ۲۱۱
گمٹ فروسہ ۲۸۱
گندف ۱۷۳
گنگر ۱۶۲، ۱۶۳
گنگوہ ۵۳۹
گوالیار ۲۶۱
گووندگھر ۴۵۳

(ل)

لاہور الف، ۱۲، ۲۹، ۳۱، ۳۲، ۹۹، ۱۰۰، ۱۱۰، ۲۱۹، ۲۳۰، ۲۴۴، ۲۴۵، ۳۶۱، ۳۸۱، ۴۲۰، ۴۲۱، ۴۳۲، ۴۵۲
لدھیانہ ۴۵۳
لڑوکہ ۲۴۵
لکھنؤ ۲۶۱، ۳۲۳، ۴۶۹، ۴۷۴
لنڈہ ۴، ۶۸، ۲۲۰
لنگڑہ گتنی ۲۵۷
لوندخوڑ ۶۱، ۲۳۴، ۲۵۳، ۳۰۹، ۳۱۰، ۱۶–۳۱۵، ۳۴۶، ۵۱–۳۵۰، ۴۸۶
لوہانی پور ۴۷۳
لہاری ۲۷۸، ۳۱۵

(م)

مالاکنڈ ۶۱
مانسہرہ ۱۷۳، ۲۰۲، ۴۱۹

مانگلئ ۴۱۹
مانیریٔ ۸۷، ۸۸، ۹۶، ۹۷، ۱۰۰، ۱۰۳، ۱۱۹، ۱۲۵، ۱۴۲
مایار ۲۴۹، ۲۵۲، ۲۶۰، ۲۶۲، ۲۶۴-۶۶، ۲۶۹، ۳۰۶، ۳۲۳، ۳۷۳، ۴۶۴
مٹہ ۲۷۹، ۲۸۷
مٹی کوٹ ۳۹۰، ۴۱۱-۱۳، ۴۱۷-۱۹، ۴۲۱-۲۲، ۴۲۴، ۴۴۱
مچیٔ ۸، ۶۰، ۶۱
مداخل ۱۸۲
مدراس ۵۳۹
مدین ۵۰۸
مدینہ منورہ ۱۱۸، ۴۹۵، ۴۹۶
مراکش ۵۴۰
مرغز ۲۳۳
مردان ۶۶، ۲۳۲، ۲۳۵، ۲۳۷-۳۹، ۲۴۲، ۲۴۹، ۲۶۹، ۲۷۲-۷۳، ۲۷۸، ۳۰۹
مصر ۹۹، ۵۰۸
مصری بانڈہ ۴
مظفر آباد ۳۰، ۳۳، ۴۸، ۱۷۹، ۳۷۹، ۳۸۷-۸۵، ۳۹۱-۹۵، ۳۹۸-۹۹، ۴۰۵، ۴۱۸-۱۹
مکدرہ ۳۵۲
مکۂ مکرمہ ۲۳، ۴۷۴، ۵۳۵، ۵۴۶
ملاگڑھی ۲۷۴
مگرتین ۲۹
منارہ ۲۱۵
منڈیاہو ۱۵۷
منگلور ۱۵
منگل تھانہ ۳۰، ۱۰۹، ۳۷۳
منگورہ ۱۵، ۱۷
موتا ۲۹
موٹائیں ۳۳۹
مہابن ۱۷۹
مہرعلی ۶۰، ۳۵۱
مہیار ۴۷۰، ۴۷۱، ۵۱۲
مؤشمس آباد ۲۵۳
میاں کلی ۴۶۳
میچنیٔ ۲۸۰، ۲۸۱، ۴۹۰
میننیٔ ۲۱۵، ۳۳۹، ۳۴۲، ۳۷۰

(ن)

ناڑا ۲۹، ۳۱، ۳۲
ناگپور ۶۲
نانوتہ ۵۳۹
ناوگیٔ ۱۳، ۱۴
ندھیار ۴۶۳
نکاپانی ۳۸-۴۰، ۲۰۵
نگری ۳۷۳
نندھیاڑ ۳۳
نواگیٔ ۳۷۷
نواں شہر ۳۰

نوشہرہ ۵-۳، ۷، ۱۴۹

نوی کلی ۲۳۴

نیپال ۵۴۰

نیوتنی ۴۳۰

ہ

ہرات ۹۹

ہروّہ ۲۹

(گڑھی) ہریانہ ۱۳۹، ۱۷۶

ہری پور ۳۱-۲۹

ہزارخانی ۲۸۸، ۳۰۰، ۳۰۱، ۳۰۵، ۳۰۹، ۳۶۲

ہزارہ ۳۳-۲۷، ۵۲، ۱۶۵

ہشت نگر ۱۷۶، ۳۰۹

ہندوستان ۱، ۱۰، ۱۱، ۱۴، ۲۰-۱۸، ۲۶، ۵۲
۵۳، ۵۷، ۵۸، ۶۲، ۶۷، ۸۰، ۸۱، ۹۶، ۹۷
۹۹، ۱۰۷، ۱۳۱، ۱۳۷، ۱۴۸، ۱۶۰، ۱۶۵، ۱۷۷
۲۱۹، ۲۲۰، ۲۲۳، ۲۴۴، ۲۸۲، ۲۸۹، ۲۹۴
۳۰۷، ۳۲۱، ۳۲۳، ۳۲۵، ۳۵۵، ۶۴-۳۶۰
۳۶۸، ۳۷۲، ۳۷۴، ۳۷۵، ۴۱۱، ۴۱۲، ۴۲۱
۴۴۴، ۴۴۷-۴۴۶، ۵۱-۴۵۰، ۴۷۹، ۴۹۳
۵۲۳، ۵۲۷، ۵۲۹، ۵۳۱، ۵۳۴، ۵۳۸
۴۰-۵۳۹، ۵۴۲، ۵۴۹

ہندوال ۲۱۲

ہنڈ ۱، ۴، ۱۹، ۹۸-۹۶، ۱۰۰، ۱۱۵، ۱۲۷
۳۲-۱۲۹، ۳۶-۱۳۴، ۴۰-۱۳۸، ۷۶-۱۷۲
۱۷۸، ۱۹۶، ۲۳۳، ۲۳۴، ۳۳۲

ہوتی ۲۳۴، ۲۳۵، ۲۴۳، ۵۰-۲۴۹

ہوتی مردان ۲۱۲، ۲۳۵

ہوڈی گرام ۱۷

ی

یارحسین ۳۳۶

یوسف زئی ۲۲۲، ۲۲۴، ۳۶۴

نہر و دریا، پہاڑ و قلعے اور گھاٹ

ٹھنڈا بہن (نالہ) ۲۰۲
سرن ندی ۲۰۲،۱۶۴
سئی ندی ۴۷۶
کلیانی (ندی) ۲۴۹
ندی برندو ۳۷۷
دریائے اٹک ۱۱، ۹۸، ۱۰۳، ۱۹۶، ۱۵-۲۱۴، ۲۱۹، ۲۳۴، ۳۵۳
دریائے بانڈہ ۱۶
دریائے جہلم ۴۱۵
دریائے دوڑ ۲۹
دریائے سندھ ۳۲، ۳۷، ۳۸، ۴۵، ۹۷، ۱۰۰، ۱۰۷، ۱۲۳، ۱۶۳، ۱۶۹، ۱۷۱، ۸۸-۱۸۷، ۲۰۲، ۲۱۶، ۲۲۱، ۲۲۶، ۳۷۱، ۳۷۸، ۳۸۰، ۳۸۱
دریائے سنڈہ ۴، ۲۲۰، ۲۴۲
دریائے سوات ۲۷۸
دریائے کابل ۶۸
دریائے کنہار ۳۸۶، ۴۰۵، ۱۳-۴۱۱، ۴۴۹
دریائے ہروّہ ۲۹
کڑاکڑ پہاڑ ۱۴
کوہِ درابہ ۳۸۵
کوہِ طور ۴۴۳، ۵۰۸
کوہِ کنیرڑئی ۱۸۶
کوہِ کنگر ۲۹، ۳۱
کوٹلہ عشرہ ۲۱۶
قلعۂ اٹک ۹۶، ۱۰۳-۴، ۱۰۶، ۲۱۴
قلعۂ امب ۲۱۴
قلعۂ دربند ۳۰، ۳۸
قلعۂ سرایہ صالح ۲۸، ۲۹
قلعۂ شنکیاری ۳۰
قلعۂ قاضی ۲۴۵
قلعۂ ناڑا ۳۲
قلعۂ نواں شہر ۳۰
قلعۂ ہری پور ۳۰
قلعۂ ہنڈ ۱۲۹، ۳۲-۱۳۱، ۱۳۴، ۱۳۶، ۴۱-۱۳۸، ۱۶۲، ۱۷۲، ۷۶-۱۷۵، ۱۷۸
گھاٹ جہانگیرہ ۱۰۴
گھاٹ چھترباٹی ۳۷، ۱۸۷

متفرقات

مساجد:

بیت اللہ شریف ۱۵۷
بیت المقدس ۱۰۹
مسجد مایار ۲۶۰

سلاسل سلوک:

سلسلۂ صابریہ امدادیہ ۲۶۶
سلسلۂ چشتیہ صابریہ ۵۵۰
سلسلۂ نقشبندیہ مجددیہ ۵۵۰
طریقۂ چشتیہ ۵۱۱، ۵۱۲، ۵۴۹، ۵۵۶
طریقۂ قادریہ ۱۲-۵۱۱، ۵۵۰، ۵۵۶
طریقۂ مجددیہ ۵۱۱، ۵۵۶
طریقۂ محمدیہ ۱۲-۵۱۱، ۵۳۵
طریقۂ نقشبندیہ ۵۱۱، ۵۵۶

مطابع:

مطبع ضیائی ۵۳۷
مطبع مجتبائی، دہلی ۵۵۵
مطبع فاروقی۔ دہلی ۴۴۴
خواجہ بکڈپو۔ لاہور الف

جنگیں:

غزوۂ احزاب ۱۱۸
غزوۂ خندق ۱۱۸
جنگ اتمان زئی ۶۷
جنگ بازار ۱۹
جنگ بالاکوٹ ۲۶۸، ۳۰۴
جنگ پکھلی ۲۵۷
جنگ پنجتار ۱۱۶
جنگ پھولڑہ ۲۰۲
جنگ ڈمگلا ۴۸
جنگ زیدہ ۱۳۵
جنگ شاہ محمد ۲۹
جنگ شنکیاری ۴۸
جنگ شیدو ۱۹، ۱۰۷
جنگ کوہِ کنیر ڑئی ۱۸۶
جنگ مایار ۲۴۹، ۲۶۹، ۳۰۶
جنگ مردان ۶۶، ۲۳۲

اسلحے وسامان جنگ:

بانکر ۲۵۰
بندوق ۴۹، ۵۱، ۶۴، ۶۵، ۷۶-۷۴، ۷۸
۹۲، ۹۷، ۹۸، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۸، ۱۶۴-۶۴
۱۷۰، ۱۸۶، ۱۹۰، ۱۹۳، ۲۰۴، ۲۱۶، ۲۲۵، ۲۳۴
۳۸-۲۳۶، ۵۷-۲۵۵، ۲۶۵، ۳۰۲، ۳۳۹
۳۵۲، ۴۱۳، ۱۸-۴۱۷، ۴۲۶، ۴۲۹، ۴۳۲

۴۳۳، ۴۳۵، ۴۳۸-۴۳۷، ۴۵۰، ۴۵۳، ۴۶۹
۴۷۱، ۴۷۲، ۴۷۷، ۴۸۷
بھراری ۶۴، ۶۵
تفنگ ۱۳۲
تفنگچہ ۴۲۳، ۴۳۳
تلوار ۱۷، ۵۱، ۲۱۶، ۲۵۵، ۲۵۶، ۲۶۵، ۳۳۸
۳۳۹، ۳۴۲، ۳۴۴، ۴۲۳، ۴۴۰، ۴۵۰
۴۶۹، ۴۸۷
تہنال ۵۹
توپ ۷۲، ۷۶-۷۴، ۷۹، ۱۱۶، ۱۴۱، ۱۴۶-۱۴۳
۱۵۱، ۱۷۱، ۱۸۱، ۱۹۵، ۲۰۴، ۲۲۵، ۲۵۲،
۲۵۶-۵۸، ۲۶۹، ۳۶۶، ۳۷۰، ۳۷۱، ۴۱۸
۴۱۹، ۴۷۲-۴۶۹
چقماق ۶۴، ۱۹۸، ۲۰۷، ۳۰۲
درانتی ۲۴
رستم خانی پھینک ۱۵۴
رائفل ۱۲۱
رنجک ۷۶
زنبورک ۲۱۰
شاہین ۷۶، ۱۲۳، ۱۳۶، ۱۴۱، ۱۴۴، ۱۴۶، ۱۶۳
۱۶۴، ۲۱۱، ۲۳۷، ۲۵۲، ۲۵۸، ۳۱۵، ۴۲۶
۴۳۴، ۴۳۶، ۴۸۶
شاجہ ۲۱۶
غفورخانی پھینک ۱۵۴
فولادی شہرباہی ۵۹
قرابین ۱۷، ۴۹، ۵۱، ۶۴، ۶۵، ۱۲۷، ۱۳۳،
۱۹۸، ۵۶-۲۵۵، ۳۰۲، ۳۴۸، ۴۱۳، ۴۲۵
۴۲۸، ۴۷۲-۴۷۱
کٹار ۴۲۳
گنڈاسہ ۵۷-۲۵۵، ۳۴-۴۳۲
مہنال ۵۹
نشان ۳۱۵، ۴۱۸
نقارہ ۱۳۶، ۲۳۵، ۲۵۰-۵۱، ۲۸۴، ۳۱۵
نیزہ ۱۵۲، ۱۵۳
بہیلہ ۲۴، ۲۵، ۳۵، ۵۴، ۷۷، ۹۱، ۹۲، ۳۷۲
تاملوٹ ۲۴
سنگر ۵، ۶، ۴۹، ۵۰، ۱۹۵، ۲۳۶، ۴۳۰
سنگڑہ ۲۰۸
شنائی ۱۰۵
کوتل ۵۳

متفرقات:

اصحاب صفہ ۸۳-۳۸۲
باغ دیوان شاہ ۱۷
خواصی ۵
خوانقاہ خونہ ۱۶
عہد درّانی ۲۷
گول گھڑی (سرایہ پشاور) ۲۸۵
مزار آخوند درویزہ بابا ۳۰۵

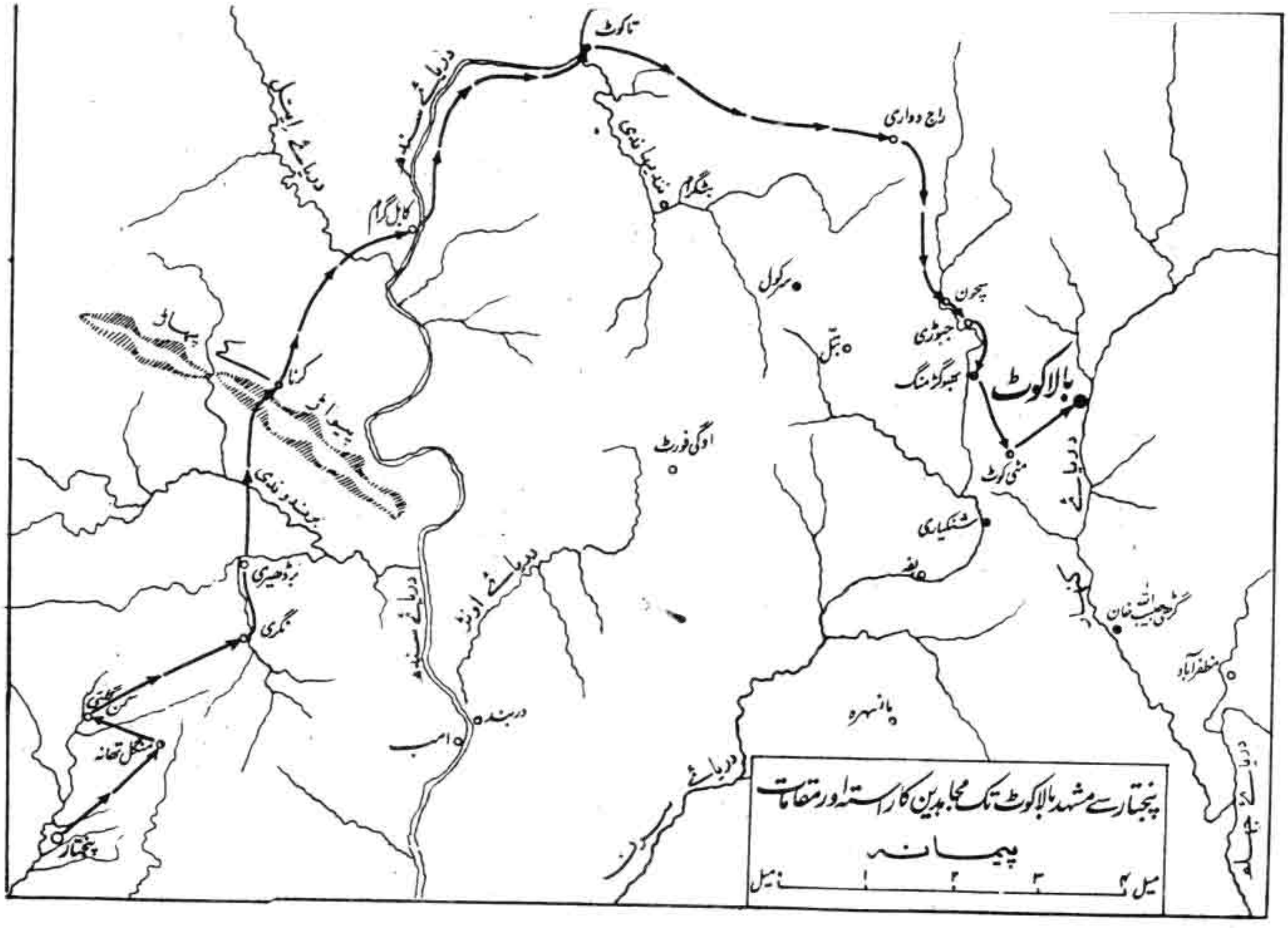
نقشہ علاقہ سمہ

(ضلع مردان)

میل ۱ ۰ ۵ ۲½ ۱۰ میل

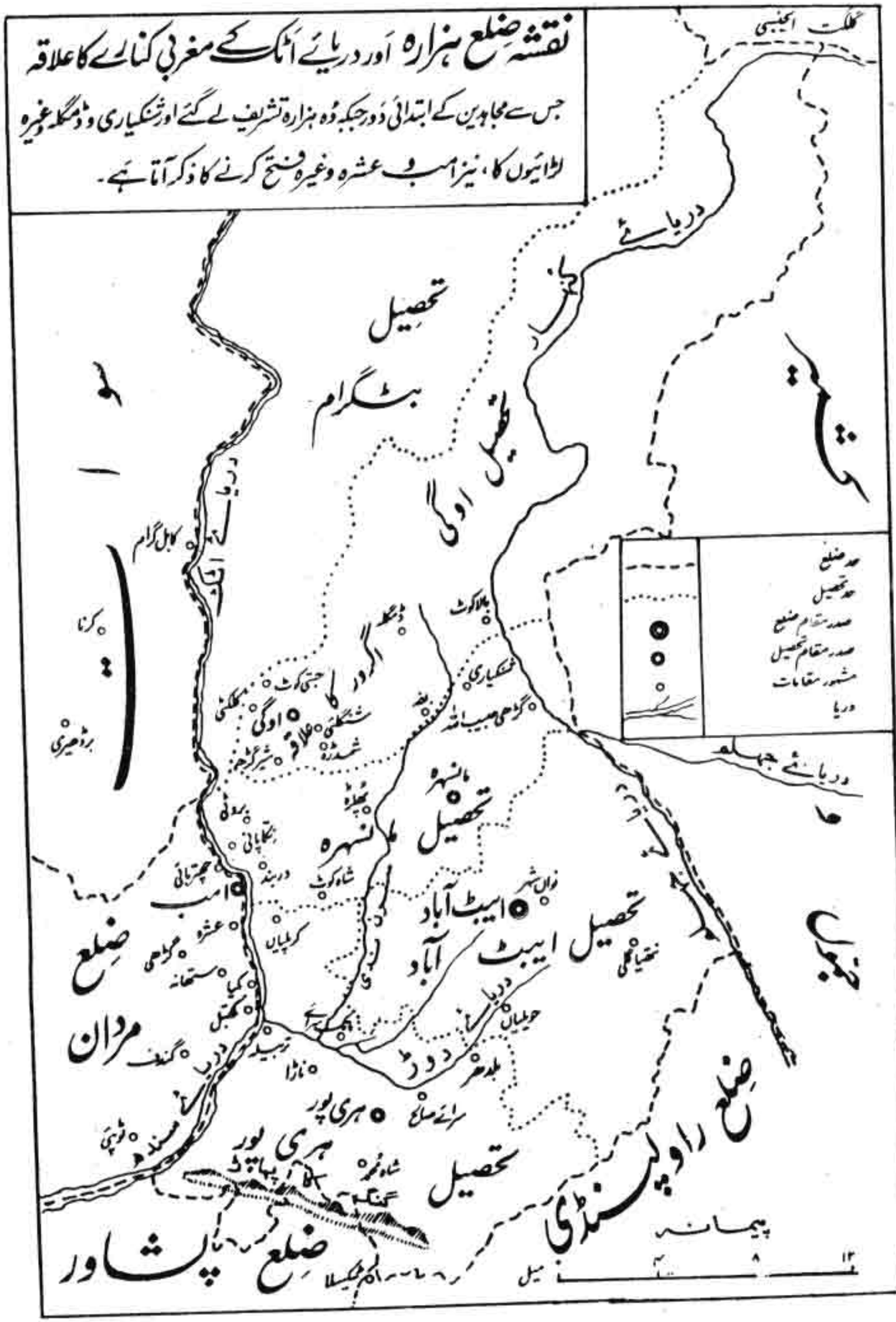
مردان
تحصیل
صوابی
تحصیل صوابی
ضلع ہزارہ
ضلع کیمبل پور
دریائے کابل
دریائے سندھ
دریائے
سنگاؤ
کھڑکئی
سخاکوٹ
لوندخوڑ
ہاتھیاں
کاٹلنگ
جلالہ
تخت بھائی
گوجرگڑھی
ہوتی
مالگا
تورو
شہباز گڑھی
گڑھی ایازئی
گھڑیالہ
شرخ ڈھیری
ادینہ
کالوخاں
فالہ شاگئی
یار حسین
ڈاگئی
ترکئی
نوی کلی
پنجتار
سلیم خاں
خوندئی
مانیری
صوابی
کالادرہ
شاہ منصور
زیدہ
باغ
چغلئی
چارسدہ
مچنی
پٹی
ہنڈ
جلسی
لاہور
کنڈہ
کھلابٹ
کوٹھہ
ٹوپئی
کندف
ہنڈا
باجا
سینئی
رسالپور
نوشہرہ
نوشہرہ چھاؤنی
مصری بانڈہ
اکوڑہ
شیدو
جنگیرو روڈ
جہانگیرہ
تورڈھیر

حد ضلع
حد تحصیل
صدر مقام ضلع
صدر مقام تحصیل
مشہور مقامات
دریا


تاکوٹ
دریائے سندھ
دریائے ابیسٹی
کابل گرام
بٹگرام
نالہ بیلا ندی
راج دواری
سرکول
پچھون
جبوڑی
بھوگرڈمنگ
بالاکوٹ
بٹل
اوگی فورٹ
منی کرٹ
دریائے کنہار
شنکیاری
گڑھی حبیب اللہ خان
مظفرآباد
پانہرہ
دریائے جہلم
پہاڑ
کنہار
پہاڑ
دریائے سندھ و ندی
برڈھیری
نگری
دریائے سندھ
دریائے اوشو
دربند
امب
سرن غلزئی
مشکل تھانہ
پنجتار
دریائے
پنجتار سے مشہد بالاکوٹ تک مجاہدین کا راستہ اور مقامات
پیمانہ
میل

نقشہ ضلع ہزارہ اور دریائے اٹک کے مغربی کنارے کا علاقہ

جس سے مجاہدین کے ابتدائی دور جبکہ وہ ہزارہ تشریف لے گئے اور شنکیاری و ڈمگلہ وغیرہ لڑائیوں کا، نیز امب عشرہ وغیرہ فتح کرنے کا ذکر آتا ہے۔

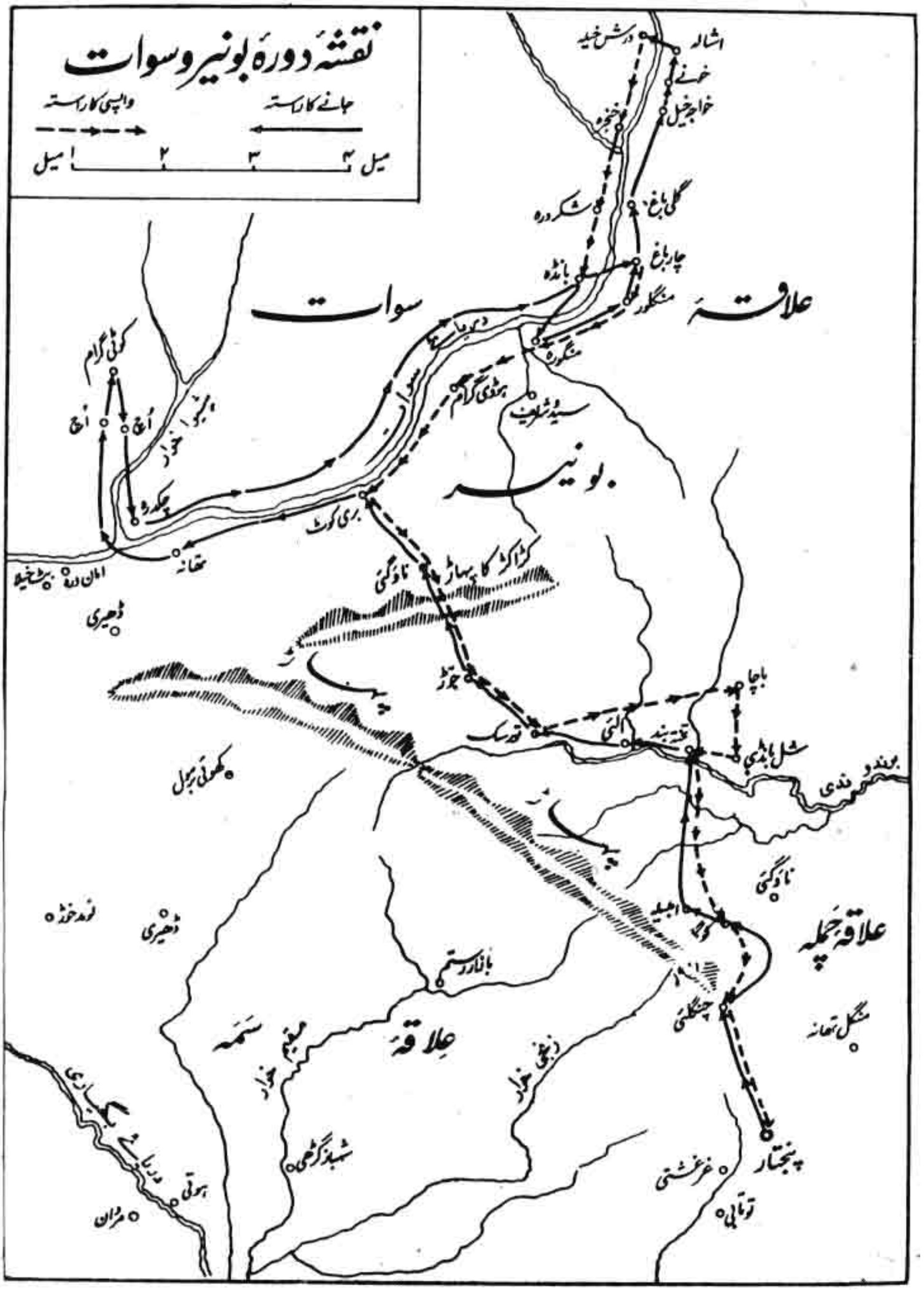


نقشۂ دورۂ بونیر و سوات

جانے کا راستہ

واپسی کا راستہ

میل ۴ ۳ ۲ ۱ میل



نقشۂ ضلع پشاور

جس کے ذریعے جنگِ اکوڑہ، شیدو اور
فتح پشاور کی تفصیل معلوم ہو سکے گی

میل ۱۲ ۶ ۳ ۰ میل

مہمند
مالاکنڈ
مالاکنڈ ایجنسی
درگئی
سخاکوٹ
جلالہ
پرخو ڈھیری
تخت بھائی
مردان
یوسفزئی
ابازئی
تنگی
شیرپاؤ
ترنگزئی
عمرزئی
کوتزئی
شب قدر
چارسدہ
تحصیل
اتمان زئی
حاجی زئی
دریائے کابل
چارسدہ
رجڑ
خوشگی
رسالپور چھاؤنی
کابل دریائے
نوشہرہ
مصری باندہ
لنڈی کوتل کو
جمرود
ریگی
تاروجبہ
ناصر پور
پبی
جہانگیرہ
اکوڑہ
شیدو
بنڈ
دریائے سندھ
پشاور یونیورسٹی
پشاور
چکنی
بازار خانی
نوشہر چھاؤنی
جہانگیرہ روڈ
خیرآباد
زیارت کاکا صاحب
تحصیل نوشہرہ
چرات چھاؤنی
دریائے کابل
ضلع کوہاٹ
ضلع مردان
ضلع پشاور
ضلع مہمند ایجنسی

حد ضلع
حد تحصیل
صدر مقام ضلع
صدر مقام تحصیل
مشہور مقامات
ریلوے لائن
پختہ سڑک

صوبہ سرحد میں
مجاہدین کی سرگرمیوں کے علاقے

پیمانہ

میل ۳۶ ۲۴ ۱۲ ۰ ۱۲ میل

حد ضلع
حد تحصیل
صدر مقام ضلع
صدر مقام تحصیل
مشہور مقامات
ریلوے لائن
سڑک پختہ

علاقۂ سوات و بونیر

علاقۂ اگرور

مظفر آباد
بالاکوٹ
شنکیاری
مانسہرہ
ایبٹ آباد
حویلیاں
ہری پور
کیمبلپور
صوابی
مردان
شبقدر
چارسدہ
نوشہرہ
پشاور
جمرود
تنگی
جلالہ
لوند خوڑ
سخاکوٹ
مالاکنڈ
چارباغ
منگورہ
دریائے سوات
دریائے کابل
دریائے سندھ
کابل گرام
امب
کمبل
ٹیکسلہ
حسن ابدال
اٹک
پنجتار
سنگل تھانہ
اجیلہ
کوگا
وادیٔ چملہ
تخت بھائی
شباز گڑھی
اتمان زئی
جہانگیرہ
زیارت کاکا صاحب
چرات چھاؤنی
نوشہرہ چھاؤنی
پبی
ٹوپی
زیدہ
کنڈہ
ترنبلہ